

# حضرت عمر فاروقؓ کی اجتہادی بصیرت اور عصر حاضر

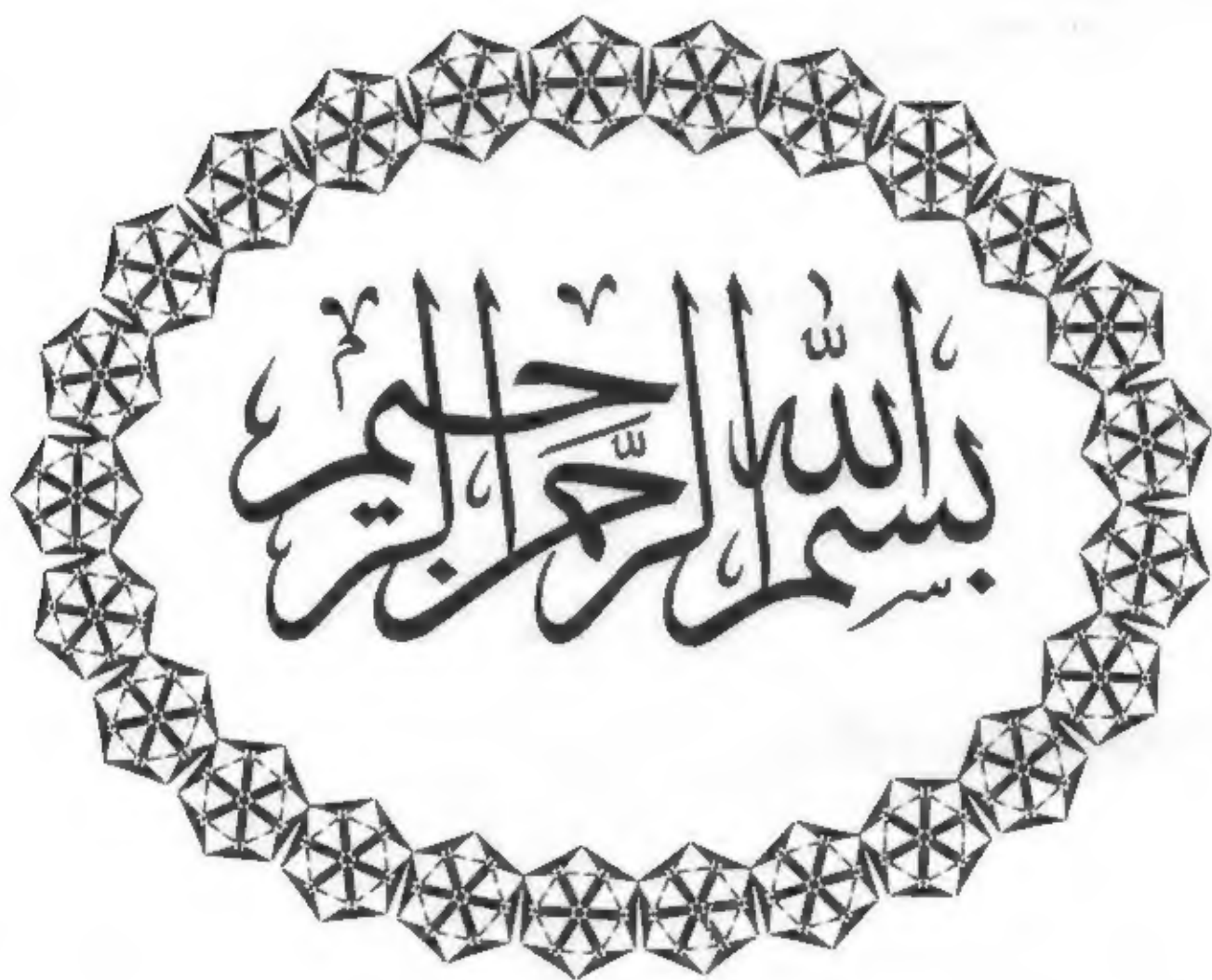
تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ

رمضان المبارک ۱۴۲۳ھ  
نومبر ۲۰۰۲ء

نگران تحقیق  
پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت  
ڈائریکٹر شیخ زاید اسلامک سنٹر  
جامعہ پنجاب

مقالہ نگار  
ممتاز احمد سالک  
اسٹنٹ پروفیسر  
ادارہ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب

ادارہ علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور پاکستان



15-09-03  
 15-09-03  
 15-09-03

# انتساب

**عصر حاضر کے نام!**

جو  
اپنے متعدد متفرق اور متنوع مسائل  
کے

اسلامی حل کیلئے

بصیرت عمر کی راہ دیکھ رہا ہے

# فہرست موضوعات

ب/۱ تا ۲

ج/۱ تا ۸

د/۱ تا ۳

اظہار تشکر

مقدمہ

مختار المصادر

## باب اول: عہد جاہلیت۔۔۔۔۔ بصیرت عمر کا آغاز و اظہار

۱	بچپن و جوانی
۱	☆۔ نام و کنیت
۲	☆۔ حلیہ
۳	☆۔ خاندان
۴	☆۔ مشاغل
۶	☆۔ علمی و ادبی ذوق و شوق
۱۲	☆۔ معاشی سرگرمیاں
۱۷	قبول اسلام
۱۸	☆۔ پہلا مرحلہ
۲۰	☆۔ دوسرا مرحلہ
۲۱	☆۔ تیسرا مرحلہ
۲۱	☆۔ چوتھا مرحلہ
۲۲	☆۔ پانچواں مرحلہ
۲۴	☆۔ آخری مرحلہ



۳۳	شہادت
۳۳	☆۔ ابو موسیٰ اشعریؓ کا خواب
۳۳	☆۔ عیینہ بن حصن کی درخواست
۳۳	☆۔ حضرت حذیفہؓ کی پیش گوئی
۳۳	☆۔ حضرت عائشہؓ کی روایت
۳۴	☆۔ ابولؤلؤؓ کی دھمکی
۳۵	☆۔ کعب الاحبارؓ کی پیش گوئی
۳۵	☆۔ حضرت عمرؓ کا خواب
۳۶	واقعہ کی تفصیل
۳۷	☆۔ قتل ایک سادش
۴۱	☆۔ ابولؤلؤؓ فیروز کا کردار
۴۳	☆۔ ہرمزان کا کردار
۴۵	☆۔ عیینہ کا کردار
۴۶	☆۔ کعب الاحبارؓ کا کردار
۴۸	سازش کے ثبوت
۵۱	شجرہ نسب

## باب دوم: عہد نبویؐ۔۔۔۔۔ بصیرت عمرؓ کی تربیت و ارتقاء

۵۴	☆۔ تعلق ہا رسولؐ
۵۵	☆۔ غلط رفیق
۶۳	☆۔ دانشمند شیر

۷۴	.....	☆۔ بے لوث مطبع
۷۹	.....	☆۔ سعادت مند شاگرد

## باب سوم: عہد صدیقی۔۔۔۔ بصیرت عمرؓ کی جولانیاں

۹۳	.....	صدیق و فاروقؓ دو سانھی دو کردار
۹۸	.....	حضرت ابوبکرؓ کا انتخاب
۱۰۶	.....	بطور مشیر اعلیٰ
۱۰۷	.....	۱۔ لشکر اسامہؓ
۱۱۰	.....	۲۔ یاسین زکوٰۃ کا معاملہ
۱۱۸	.....	۳۔ خالد بن ولیدؓ کا معاملہ
۱۲۱	.....	۴۔ حضرت عمرؓ والوبکرؓ کا مؤقف
۱۲۱	.....	۵۔ خالد بن سعیدؓ کا معاملہ
۱۲۵	.....	۶۔ تدوین قرآن
۱۳۰	.....	بطور قاضی
۱۳۴	.....	فاروق اعظمؓ کا انتخاب

## باب چہارم: بصیرت عمرؓ اور قرآن حکیم

۱۴۵	.....	☆۔ الھامی طبیعت
۱۴۶	.....	☆۔ موافقات قرآنی
۱۴۷	.....	وہی بمطابق مشورہ
۱۴۷	.....	۱۔ جنگ بدر کا فیصلہ
۱۴۸	.....	۲۔ اسیران بدر کا معاملہ

۱۵۰	۳۔ ابن ابی کی مرار جنازہ
۱۵۴	وہی بمطابق دعا
۱۵۴	۱۔ مقام ابراہیمی پر نماز
۱۵۷	۲۔ حجاب کا حکم
۱۵۹	۳۔ استیذان
۱۵۹	۴۔ قمر
۱۶۲	وہی بمطابق عمل
۱۶۲	۱۔ شب رمضان میں جماع
۱۶۴	۲۔ طریق جماع
۱۶۵	۳۔ منافع کا نقل
۱۶۷	وہی بمطابق اقوال
۱۶۷	۱۔ ازواج مطہرات کا بھگڑا
۱۷۲	۲۔ واقعات
۱۷۷	☆ . تعلق بالقرآن
۱۷۷	(الف) تعلق بالقرآن کے مختلف پہلو
۱۷۷	۱۔ منافی تعلق
۱۷۸	۲۔ ٹکری تعلق
۱۸۰	۳۔ جذباتی تعلق
۱۸۰	(ب) تفسیری ذوق و شوق
۱۸۱	۱۔ رسول اللہ سے تفسیر پوچھنا
۱۸۱	۲۔ صحابہ کرام سے تفسیر پوچھنا
۱۸۳	۳۔ شان نزول سے واقفیت
۱۸۸	۴۔ بطور مفسر
۱۹۰	۵۔ تفسیر سے رجوع

۱۹۵	.....	(ج) احکام قرآنی پر عمل
۲۰۰	.....	(د) قرآنی علوم کی ترویج و اشاعت
==	.....	۱۔ تعلیم قرآن پر عمل
۲۰۳	.....	۲۔ قاریوں کی حوصلہ افزائی
۲۰۵	.....	۳۔ آداب تلاوت
۲۰۷	.....	۴۔ سرچشمہ علم کی حیثیت
۲۰۹	.....	۵۔ غلط تاویلات پر سزائیں

## باب پنجم: بصیرت عمرؓ اور احادیث نبویؐ

۲۱۰	.....	☆. تعلق بالحدیث
۲۱۰	.....	☆. احادیث کی ترویج و اشاعت
۲۱۰	.....	۱۔ کتاب وسنت لازم و ملزوم
۲۱۰	.....	۲۔ تلاش و تجسس
۲۱۱	.....	۳۔ معلمین کا تقرر
۲۱۲	.....	۴۔ عالم قاصدوں کا تقرر
۲۱۳	.....	۵۔ خطبات میں استعمال
۲۱۵	.....	۶۔ فرائین
۲۱۶	.....	۷۔ ذاتی روایات
۲۱۸	.....	۸۔ فیملے
۲۱۸	.....	☆. حزم و احتیاط
۲۱۹	.....	۱۔ دین کے بنیاتی پہلو پر زور
۲۱۹	.....	۲۔ قلت روایت کا حکم

۲۱۹	۳۔ کتابت حدیث سے اجتناب
۲۲۲	۴۔ کثرت روایت پر سزا میں
۲۲۶	۵۔ روایت بالالفاظ

## باب ششم: بصیرت عمرؓ اور عصر حاضر کے سیاسی مسائل

۲۲۷	☆ پس منظر
۲۲۸	☆ خلافت عمرؓ احادیث نبوی کی روشنی میں
۲۳۰	☆ سیاسی منشور
۲۳۳	☆ سیاسی اجتہادات
۲۳۳	۱۔ خالد بن ولید کی معزولی
۲۳۶	۲۔ لقب امیر المؤمنین
۲۳۸	۳۔ سن ہجری کا آغاز
۲۴۰	☆ مضابطہ اخلاق
۲۴۰	۱۔ ذاتی اصلاح
۲۴۱	۲۔ احساس ذمہ داری
۲۴۳	۳۔ امانت و دیانت
۲۴۶	۴۔ خود احتسابی
۲۵۰	☆ سیاسی اصول
۲۵۰	۱۔ آزادی تحقیر رائے
۲۵۳	۲۔ ہاخبری
۲۵۴	(الف) براہ راست معلومات
۲۵۶	(ب) بالواسطہ ہاخبری

۲۵۷	.....	(ج) خطوط
۲۵۹	.....	۳۔ مشاورت
۲۶۲	.....	۴۔ مساوات
۲۶۲	.....	۵۔ قوت نافذہ
۲۷۰	.....	☆۔ سیاسی استحکام کا فروغ
۲۷۰	.....	۱۔ سیاسی گروہوں سے بہتر تعلقات
۲۷۱	.....	(الف) ہوشم
۲۷۲	.....	(ب) مہاجرین و انصار
۲۷۶	.....	☆۔ قبائلی سیاست کی اصلاح
۲۸۱	.....	☆۔ بھوہ و نصاریٰ کی علاقہ بدری
۲۸۲	.....	۱۔ اہل نجران
۲۸۳	.....	۲۔ اہل خیر
۲۸۵	.....	۳۔ اہل فدک
۲۸۶	.....	☆۔ انتخابی شوریٰ کا تقرر

## باب ہفتم: بصیرت عمر اور عصر حاضر کے انتظامی مسائل

۲۹۶	.....	☆۔ تمہید
۲۹۸	.....	☆۔ پبلک ایڈمنسٹریشن کے جدید تصورات
۲۹۸	.....	۱۔ پبلک ایڈمنسٹریشن معانی و مفہوم
۲۹۸	.....	۲۔ ایڈمنسٹریشن کی تعریفیں
۲۹۹	.....	۳۔ پبلک ایڈمنسٹریشن کی تعریفیں
۳۰۰	.....	۴۔ نمایاں پہلو

۳۰۱	۵۔ ضرورت و اہمیت
۳۰۳	۶۔ اصول و طریق کار
۳۰۶	۷۔ آغاز و ارتقاء
۳۰۸	۸۔ پبلک ایڈمنسٹریشن کی نوعیت
۳۰۸	(الف) بطور فن
۳۰۸	(ب) بطور سائنس
۳۰۸	(i) مماثلت
۳۰۸	(ii) اختلاف
۳۰۹	(ج) بطور ضابطہ علم
۳۰۹	(د) بطور پیشہ
۳۱۰	☆ فاروق اعظمؓ کا فلسفہ نظامیہ عامہ
۳۲۰	☆ انتظامی حکمت عملی جدید تناظر میں
۳۲۶	۱۔ جدیدیت
۳۲۷	۲۔ انجذاب
۳۳۱	۳۔ مطابقت
۳۳۷	۴۔ ترقیاتی نظریہ
۳۳۶	۵۔ نظمیں ترقی
۳۳۶	(الف) انتظامی ڈھانچے کی تشکیل
۳۳۸	(ب) انتظامی اداروں کا قیام
۳۵۰	(i) دیوان انشاء
۳۵۰	(ii) دیوان الخراج
۳۵۲	(iii) دیوان البحر
۳۵۵	☆ نظمیں عامہ کا ضابطہ اخلاق
۳۵۵	۱۔ اتباع شریعت

۳۵۸	۲۔ قریبی رابطہ
۳۶۰	۳۔ ادائیگی حقوق
۳۶۲	۴۔ سادہ زندگی
۳۶۷	۵۔ معتدل رویہ
۳۶۹	۶۔ مخالف سے اجتناب
۳۸۳	☆ نظمیہ عامہ کے فرائض
۳۷۳	۱۔ دین کی تعلیم و اشاعت
۳۷۶	۲۔ اقامتِ صلوات
۳۸۰	۳۔ نظامِ زکوٰۃ
۳۸۶	۴۔ امدادِ منکرات
۳۸۹	۵۔ قیامِ محل

## باب ہشتم: بصیرت عمر اور عصر حاضر کے معاشی مسائل

۳۹۴	☆ نمبر
۳۹۴	☆ رہا ست کا معاشی کردار
۴۰۰	☆ کفالتِ عامہ
۴۲۱	☆ معاشی ترقی
۴۲۱	۱۔ جدید اور اسلامی تصور
۴۲۵	۲۔ عہدِ فاروقی معاشی ترقی کی پیمائش
۴۳۶	۳۔ معاشی ترقی فاروقی اقدامات
۴۳۷	(الف) سیاسی استحکام
۴۳۸	(ب) انتظامی آلات کا استعمال



۴۳۸	(ج) فتوحات میں وسعت
۴۳۸	(د) کفایت عامہ
۴۳۸	(س) نظام وظائف
۴۳۸	(ر) اسلامی تصور ترقی کی آبیاری
۴۴۴	☆- نظام ٹیکس
۴۵۱	☆- نظام وظائف
۴۵۸	۱- ناموں کی ترتیب
۴۵۹	۲- وظائف میں درجہ بندی
۴۶۲	۳- قابل لحاظ خوبیاں
۴۶۲	۳- متفرق عطیات
۴۶۲	(الف) مجاہدین کے اہل و عیال
۴۶۲	(ب) بچوں کیلئے
۴۶۲	(ج) اشیائے ضرورت کی فراہمی
۴۶۳	۵- درجہ بندی کے اصول
۴۶۳	(الف) سبقت اسلام
۴۶۳	(ب) میدان جہاد میں آزمائش
۴۶۳	(ج) ضرورت
۴۶۳	(د) کثرت عیال
۴۶۳	۶- غیر مساوی مقدار

٤٦٨	.....	.....
٤٧١	.....	.....
٤٨٠	.....	.....
٤٨٥	.....	.....
٤٩٧	.....	.....
٥٠٠	.....	.....

## خلاصة بحث

## فهارس

☆- آيات قرآنية

☆- احاديث نبوية

☆- شخصيات

☆- مقامات

## ماخذ و مراجع

## اظہار تشکر

زندگی کے اس اہم مرحلے پر جبکہ میں کئی سالوں کی چلہ کشی و ریاضت کے بعد میں اپنے تحقیقی کام کو ایف کنارہ لگا رہا ہوں۔ جس کی صورت میں میری نیا زندگی کے اس شعر کے مطابق رہی۔

اک اور دریا کا سامنا تھا خیر مجھ کو

اک اور دریا کے پار اترتا تو میں نے دیکھا

آج میرے جذبات و احساسات کے اندر ایک عجیب علامت برپا ہے کہ میں اسے الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ نہ یہ سمجھ میں آ رہا ہے کہ اس موقع پر کیا لکھوں؟ اپنے جذبات کے اظہار کیسے کیا جائے؟ بیان اختیار کروں؟ کس بات کا تذکرہ کروں؟ اور اپنے محسوسات میں سے کس کس کا شکریہ ادا کروں؟ کیونکر؟ کتنا؟ کیسے؟ سب سے پہلے شکر ہے سارے جہانوں کے خالق و مالک اور حاکم و قادر کا جس نے مجھے مغربی کے عالم میں حصول علم کیلئے رواں دواں رکھا۔ یہی مدد سے تمام مشکلوں سے نکالتے ہوئے ایم اے کی تکمیل کرائی اور پھر پنجاب یونیورسٹی جیسے منفرد اعلیٰ تعلیمی ادارے میں معلم بنایا جو ہر طرح کی فرقہ وارانہ اور مسلکی سوچ کے ماوراء ہو کر اسلامی علوم کی ترویج و اشاعت میں ہر وقت منہمک ہے۔ مجھ میرے دل و ضمیر کی آواز تھی۔ اس میں میں اسی طرح شادوں و فرحان ہوں جیسے مچھلی صاف و شفاف پانی میں ہو۔ مجھے روزگار کے لیے ایک ایسا پیشہ عطا فرمایا جو پیغمبرانہ مقاصد کی تعمیل و تکمیل کا نہایت اہم ذریعہ بھی ہے اور باعزت و ماہر بھی۔ پھر تحقیقی کام کے لیے ایسے عنوان پر کام کرنے کا موقع توفیق اور رحمت دی جو عصر حاضر کی اہم ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ باری تعالیٰ نے مجھے تین نعمتیں دی ہیں جن کا شکر نہیں۔ میں اس کے حضور سجدہ شکر بجالاتا ہوں اس کی عملی صورت یہ ہے کہ یہ عہد کروں

”ان صلاحی و نسکی و محبای و معانی لله رب العلمین“

اسی سے دعا ہے کہ اسے مرتے دم تک وفا کرنے کی توفیق دے آمین!

بعد ازاں میں ممنون ہوں اپنی گرامن مقالہ محترمہ ڈاکٹر نیلہ شوکت صاحبہ کا جو رحمدل بہن بھی ہیں اور مشفق سرپرست بھی۔ جس کا دفتر ”دارالعلم“ کہ فیض علم ہر وقت ہر مرد و عورت ’پھونکنے والے‘ عالم کے لیے جاری و ساری ہر تہمت فکر کے جید و معتبر علماء اور دانش وروں سے ان کا رابطہ ان کا مشن تحقیق و تجسس کہ رات دن تحقیقی کتب اور مجلوں کی اشاعت ’تحقیقی کام کی ترویج و سرپرستی کے لیے مصروف۔ ان کا گھر ”دارالمدین“ جس وقت جا میں کچھ نہ کچھ میسر آئے نہ جائیں تو گھر میں کچھ نہ کچھ پہنچا دیں۔ ان سے اتفاق کرنے میں بھی حلا و اختلافاں کرنے میں بھی ان کے ساتھ کام کرنے میں بھی لطف اور در در بنے میں بھی۔ خصوصاً محبت و شفقت ہر حال میں قائم۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے اور ان کا سایہ ہمارے قلم رکھے۔

میں محترم استاذ ڈاکٹر ایمان اللہ خان صاحب کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے اس موضوع کے انتخاب میں میری مدد کی اور ابتدائی مرحلے میں بھرپور رہنمائی فرمائی۔ اللہ تعالیٰ انہیں صحت و عافیت سے نوازے۔

اسی طرح بہت محترم سربراہ ڈاکٹر شیر احمد صدیقی کا ذکر نہ کرنا احسان فرمادیں جنہوں نے بطور چیئر میں اس ادارے میں میرا انتخاب کیا اور یہ معاملے اور مرحلے میں خاصانہ رہنمائی و سرپرستی فرمائی۔ اپنی مشفقانہ طبیعت کی وجہ سے رہا رہنے کے بعد بھی ”دارالمدین“ کی عقیدت کا محو رہیں۔

میں اس موقع پر اپنے نہایت محترم و مشفق استاد جناب: انگریف سلف فاروقی صاحب کو بھی فراموش نہیں کر سکتا، جنہوں نے سب سے پہلے میری نقلی پکڑی اور ٹکٹاں تحقیق میں سے گئے جو خود بھی فاروقی ہیں اور "فاروق اعظم" سے نئے انداز میں مجھے متعارف کرانے والے بھی۔ چوبیس سال قبل میں نے انہی کی زیر سرپرستی ایم اے اسلامیات میں مقالہ بعنوان "فاروق اعظم بحیثیت مجدد اعظم" لکھا تھا۔ پنا ایچ ڈی کا کام مکمل کرنے کی مسلسل ترغیب دیتے رہے۔ گزشتہ ماہ اور۔ میں تشریف لائے تو میں نے گھر سے کی، موت دی تو فرمایا "میں اس وقت تک آپ کے گھر نہیں آؤں گا جب تک آپ ڈاکٹر نہیں بن جاتے۔" اللہ تعالیٰ ان کی محبت و شفقت کا ثمر رکھے۔ آمین!

محترم جناب ڈاکٹر ظہور احمد صاحب کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے ایم اے عربی کے مقالے میں جس کا عنوان تھا "مناقب خلفائے راشدین صحیح ست کی روشنی میں۔" سرپرستی فرمائی۔ مزید برآں میرے محسنوں اور کرم فرماؤں میں پروفیسر سید سلیم (مرحوم) اور پروفیسر نصیر الدین ہاویس کا نام بھی سر فہرست ہے جنہوں نے رہنمائی، حوصلہ افزائی اور دعاؤں میں کبھی کی نہیں فرمائی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ میرے ال سارے ساتھ دو مہر پاؤں کو جزائے خیر دے۔

میرے عزیز بھائی، مخلص دوست اور ہدفارفتی ڈاکٹر شبیر احمد منصوری کا احسان کبھی فراموش نہیں کر سکوں گا جنہوں نے ہر مرحلے اور ہر قدم در ہر معاملے میں اس قدر ساتھ دیا ہے کہ میری ذات و شخصیت کا آدمے سے زیادہ حصہ تھیں۔ مجھے فخر ہے کہ اکثر موقعوں پر ہمارا نام اکٹھے یا جاتا ہے۔ انہوں نے میری معاونت میں نہ دن دیکھانہ رات۔ بعض عربی عبارات کے ترجمے اور تفہیم کا مسئلہ ہوا مقالے کی پروف ریڈنگ جیسے مشکل اور فنی کام کا انہوں نے ساری سرگرمیوں کو معطل کر کے مدد کی اور ضرورت پڑی تو اپنے مل خانہ کو بھی ساتھ لگالیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے کثیر سے نوازے۔ (آمین)

برادر م پر پروفیسر ظفر جباری صاحب ظفر مدنی کے اس سفر میں ایسے مرحلے میں سینے پر سوار ہوئے کہ اگر اپنا چہرہ نہ لگاتے تو یہ ساحل مراد سے بھی بہت دور ہوتا۔ انہوں نے مقالے کا درق و درق کھنگال کر شخصیات و مقالات کا اشاریہ تیار کیا اور کالج سے چھٹیاں لے کر بیٹھ گئے۔ اللہ ان کی اس معاونت و کاوش کو قبول فرمائے۔ اسی طرح میرے عزیز شاعر اور قوم کے استاد ایوب طاہر اور اسرار حسین معاویہ نے بھی مقالے کے ابتدائی دنوں میں معاونت کی، اللہ انہیں جزا دے۔

اپنے پیارے بھائی روزنامہ انصاف کے چیف ایڈیٹر جنید سلیم کا تذکرہ نہ کر دوں تو اظہار تشکر اور حورار ہے گا۔ جنہوں نے اخبار کے بہترین کپور محمد عظیم کی خدمات میرے حوالے کر دیں کپیوٹر اور پرنٹر بھی دسترس میں دے دیا۔ آخری دنوں میں انہیں نے جب ان سے عظیم کے بارے میں کہا کہ انہیں کہہ دیں اب اخبار کے کام کی بجائے دفتری اوقات میں بھی صرف میرا کام کریں تو انہوں نے اپنے جذبات و احساسات اور محبت و اپنائیت کے سارے خزانوں کو ایک جیسے میں سمو کر جواب دیا: "سالک بھائی! آپ کہیں تو اخبار بھی بند کر دیتے ہیں۔"

عظیم صاحب نے بھی ہمایت توجہ و دانشمندی اور محنت و مہارت سے رات دن لگا کر یہ کام کیا ہے اور انتہائی کم عطیہ سا کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزا دے۔ میرے محترم و مکرم سر ڈاکٹر محمد سلیم صاحب نے حقیقی والد کی طرح پیار و شفقت سے نوازے مجھے والد کی کمی کا کبھی احساس نہیں ہو سکا۔ والد کی شادی کے دن نکاح کے بعد مجھے گلے لگا کر فرمایا "آپ میرے بیٹے ہیں۔" میں اللہ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ انہوں نے مجھے ساتواں بیٹا بنایا اور دوسرے چھ بیٹوں سے بڑھ کر محنت و عزت دی۔ ان کی یہ شدید خواہش رہی ہے کہ میں اپنا ایچ ڈی کا کام جلد مکمل کروں۔ اس کے لیے انہوں نے ہر طرح کا تعاون بھی کیا اور دعاؤں بھی دیں۔ مجھے آج بہت بڑی مسرت ہو رہی ہے کہ ان کے اور میری ساس محترمہ کے سامنے سر خروبو رو بابوں جو خلوص محبت و شفقت اور ملامت کا شاہکار ہیں۔ جن کی سبب حد و حساب دعاؤں آج رنگ لے آئی ہیں۔ اللہ ان کا سایہ تلوار تک کا ثمر رکھے۔ آمین!

میری والدہ محترمہ جن کی بچپن کی دریاں اسلامی واقعات کا ہر وقت سناتے رہنا تاریخی واقعات اور اسلام سے کارناموں پر جی کتب لکھ کر پڑھانا اور ان کی تشریح و اشاعت ساتھ ساتھ ہر موقع پر اسلامی طرز عمل اختیار کرنے کی نصیحت کرنا اور اس سے آخری لمحوں میں نوافل کے بعد دعائیں دے کر پھونکنا میری ہر کامیابی و ترقی اور سعادت و بھلائی کی بنیاد ہے۔ اس کی تعلیم و تربیت مجھے روبرو است سے بھٹکنے نہیں دیتی۔ اللہ ان کی محبت کا سا تہاں دیر تک قائم رکھے آمین

میری ساری تعلیم سے پیچھے حقیقت میں میری بیماری بہن مسعودہ اطہر کا ہاتھ جو خود تو سکوں میں معطل ہیں لیکن اپنی بے پناہ محنت اور ہر طرح کی معاونت کے دریغ مجھے بے حد روشنی تک پہنچا دیا۔ اس موقع پر مجھے اپنے والد محترم (مرحوم) شدت سے یاد آ رہے ہیں جنہوں نے اپنے اکلوتے بیٹے کی ترقی کی آرزو میں طویل بیماری و مشکلات کا عرصہ کاٹا۔ سرزد پوری ہوئی تو مہلت و زندگی ختم ہو گئی۔ اللہ ان کی نیکیاں قبول فرمائے خطائیں معاف فرمائے اور جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے (آمین)

اگر آپ کے عزیز مین اکثر محمود اختر جن سے تعاون و اعلیٰ البر و التفوی کی بنیاد پر ۲۳ سالہ رفاقت کا خوبصورت رشتہ ہے ان کا خاص طور پر اور دیگر تمام رفقائے کار جو گھر کے خرابی کی طرف ہر قدم پر معاون و ساتھی رہتے ہیں کا بہت ممنون ہوں اور دیگر ملکہ اور خاص کر نابھیری صنف اور دیگر رشتہ دار و احباب جنہوں نے کسی بھی طرح کی معاونت کی ہے یا نیک خواہشات اور دعاؤں کے ذریعے حوصلہ افزائی کی ہے۔ میں ان سب کے لیے اللہ تعالیٰ سے بہتر جزا کا طلب کار ہوں اور ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

آخر میں اپنی رفیقہ حیات عزیزہ جہیں میں پیار سے "بیلو" کہتا ہوں کا شکریہ ادا کرنے کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ بس میں انہیں یہ مقالہ تجھے کے طور پر پیش کر رہا ہوں۔ انہوں نے اس کام کو سر انجام دینے کے لیے سب سے زیادہ ترغیب دی سب سے زیادہ قلعہ بند ہونے پر مجبور کیا اور سستی و تاخیر پر سب سے زیادہ احتساب کیا اور اس کام میں مصروفیت کی وجہ سے سب سے زیادہ زحمت اٹھائی۔ کبھی تنگ نہ کر یہ کہتی تھیں کہ "حضرت عمر فاروقؓ نے ان کاموں کے کرنے میں اتنا وقت نہیں لگایا ہو گا جتنا آپ ان کے بارے میں لکھے پر صرف کر رہے ہیں۔" کبھی کہتیں "اگر حضرت عمرؓ زندہ ہو جائیں تو ہاتھ جوڑ کر کہیں گے اب بس کریں۔"

آج مجھ سے زیادہ انہیں مسرت ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں بچوں اور قلم اروی اور اہم جو اس عرصے میں میری مکمل توجہ سے محروم رہے کے ساتھ ہی خوش و خرم رکھے اور اب تک میری اس مصروفیت کی وجہ سے انہوں نے جتنی رحمتیں اور تکلیفیں اٹھائی ہیں مجھے ان کا ازالہ کرے کی توفیق و ہمت دے اور ہمیں مرستہ دم تک معیاری و مثالی ہم سفر بنائے رکھے اور رفاقت کا یہ سلسلہ جنت بھی قائم رہے (آمین ثم آمین)

## مقدمہ

مہم و خلعت و بصیرت و فراست کے سارے خزانے اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ اس کی ان گنت نعمتوں میں سے سب سے بڑا خیر کسی کو اگر نصیب ہوتا ہے تو اس کی شکل یہی ہے۔ یعنی الحکمة من يشاء ومن يؤت الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا ط وما یدکر الا اولوالالباب<sup>(۱)</sup>۔ "حضرت عمر فاروقؓ وہ خوش نصیب انسان ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے یہ خیر کثیر نہایت فراوانی سے نوری۔ آپ پوری طرح اس حدیث نبویؐ کے مصداق تھے "من یرد اللہ بہ خیرا یعقہہ فی الدین" آپ حکمت و ثقافت کے ہر معنی و مفہوم کا عملی پیکر تھے۔ دینی اعتقادات کی جزئیات کے شعور سے لے کر عبادت کے ہر پہلو کا فہم اور معادلات کے تمام دائروں کے دور تک احکام شریعہ کو بے ہونے حالات کے تناظر میں رکھ کر فیصلہ کرنے کی قوت سے لے کر ان کے قیام کو نتیجہ خیز بنانے کیے جامع حکمت عملی کے تعین و نفاذ تک ہر چیز آپ کی اجتہادی بصیرت کی دسترس میں تھی۔

### ☆ حضرت عمر فاروقؓ کی شخصیت و مقام:

گلدستہ نبویؐ کے اندر بے ہر پھوس کا اپنا رنگ اپنی خوشبو اپنی ساحت و شناخت اور اپنی حیثیت و اہمیت ہے۔ آپؓ کے لائے ہوئے انقلاب کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ آپؓ نے مختلف ذوق و مزاج، استعداد، نصاحت، ذہنی سطح و عمر، قبیلہ و خاندان اور زبان و علاقہ رکھنے والے لوگوں کو علی نصب حسین کی بنیاد پر اس قدر متحد و منظم کہ تاریخ انسانی کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ان نفوس قدسیہ میں حضرت عمر فاروقؓ کو نہایت منفرد اور علی مقام حاصل ہے۔ تاریخی واقعات سے دلچسپی رکھنے والا ہر شخص جب آپؓ کے احوال و آثار سے گزرتا ہے تو آپؓ کی سیرت میں کھوجانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ آپؓ کا فہم و فراست 'جرات و غیرت' امانت و دیانت، زہد و تقویٰ، تدبیر و حکمت، سیاست و معاشرت، عدل و انصاف و درغصہ و رقت کے حسین متران نے آپؓ کی شخصیت کو ہمہ پہلو اور نہایت پرکشش بنادیا ہے۔ بقول شہودی اللہ محدث دہلوی 'حضرت عمرؓ ایک دکان کی طرح ہیں جس کے ہر دروازے پر ایک صاحب کمال بیٹھا ہوا ہے۔'

رسول کریمؐ نے آپؓ کے ایمان کیلئے دعا فرمائی کہ "اے اللہ! عمرؓ کے ذریعے سلام کو عزت دے۔" آپؓ کو فاروق کے لقب سے نوازا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے اطلاع دی کہ "اے محمد ﷺ آسمان والے عمرؓ کے سلام سے نہایت خوش ہوئے ہیں۔" حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے کہ 'عمرؓ کا اسلام فتح' ہجرت انصرت اور امارت، رحمت تھی نہ جب شہادت کے بعد حضرت عمرؓ کو غسل دے کر کفن پہنایا گیا تو حضرت عقی نے پاس کھڑے ہو کر حمد و ثناء کے بعد فرمایا 'و اللہ مجھے اس چادر میں ڈھکے ہوئے انسان سے زیادہ روئے زمین پر کوئی پسند نہیں کہ اس کے نامہ اعمال کے ساتھ اللہ سے ملوں۔' علیؓ ہذا اقیاس آپؓ کے مناقب پر بے شمار احادیث اور بے شمار صحیحہ کرامت کے بے شمار اقوال و تاریخ و حدیث کی کتب میں محفوظ ہیں۔ ہر زمانے کے مسلم و غیر مسلم مفکرین آپؓ کی عبقریت اور بے پناہ صلاحیتوں کے معترف رہے ہیں۔

### ☆ آپؓ کی اجتہادی بصیرت:

آپؓ کی علی صدیوں میں سب سے زیادہ نمایاں اور قابل قدر آپؓ کی اجتہادی بصیرت ہے۔ اس میں آپؓ کا کوئی اور ثانی نہیں تھا۔ آپؓ نے دین حق کو اس کے ظاہری

مسن و اس کے حاطین کے کہ دار سے متاثر ہو کر نہیں بندہ اس نے مقاصد کو سمجھ کر اور اس کے اصولوں کو، مگر مرد و جب اپن کے تقابلی تجزیے کے بعد قبول کیا اور رفتہ رفتہ اس کی روح و مزاج کی اتحاد گہرائیوں میں اترتے چلے گئے۔ ارشاد نبوی ہے کہ ”جتنے انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے ہیں ان سب کی امت میں ایک ایک محدث ضرور ہوا ہے۔ اگر میری امت میں کوئی محدث ہے تو وہ عمر ہیں۔“ صحابہ کرام نے عرض کیا۔ ”یا رسول اللہ ﷺ! محدث کون ہوتا ہے؟“ فرمایا۔ ”جس کی رو سے فرشتے گفتگو کریں۔“

ہمارے بڑے سے عظیم مفسر و فقیہ حضرت عبد بن مسعود فرماتے ہیں کہ ”بے شک عمرؓ ہم سب سے زیادہ اللہ کے علوم کے جاننے والے اللہ کی کتاب کے قاری اور اللہ کے دین کی سمجھ رکھنے والے تھے۔“ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا ارشاد ہے کہ ”جب بھی کوئی معاملہ پیش آتا جس میں ہم لوگوں کی کوئی اور رائے ہوتی اور عمرؓ کی کوئی اور تو قرآن عمرؓ کے مطابق نازل ہو جاتا۔“ حضرت علیؓ کے بقول۔ ”قرآن میں بکثرت حضرت عمرؓ کی آراء موجود ہیں۔“ آپؓ نے پیش آنے والے واقعے کو اپنی اسی دینی فراست اور اجتہادی بصیرت کے دریچے دیکھتے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں خصوصی طور پر ودیعت کی تھی، جس کی بناء پر آپؓ کی رائے وحی الہی سے ہم آہنگ ہو جاتی۔ (۱)

حدیث و تاریخ کی کتب میں ہمیں ایسے چند اہم مسائل ملتے ہیں جن میں وحی الہی نے حضرت عمرؓ کے موقف کی تائید کی ہے۔ یہ موافقات عمرؓ کے نام سے معروف ہیں۔ آپؓ کی اجتہادی بصیرت اس قدر معروف ہو گئی کہ بقول حضرت طارق بن شہاب ”ہم اکثر باتیں کیا کرتے تھے کہ حضرت عمرؓ کی زبان پر فرشتہ نازل ہوتا ہے۔“ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ نے آپؓ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ”اے عمرؓ! تمہارا غصہ عزت ہے اور رضامندی حکم۔“ ایک مرتبہ فرمایا ”اللہ تعالیٰ نے حق عمرؓ کی زبان پر جاری کر دیا ہے وہ ہمیشہ حق کہا کرتے ہیں۔“ فرمایا ”میرے بعد حق اسی طرف ہو گا جس طرف عمرؓ ہوں گے۔“ ایک اور ارشاد ہے کہ ”میرے بعد کوئی نبی ہو تا تو عمرؓ ہوتے۔“ آپؓ کی اجتہادی بصیرت کے مستند و معتبر ہونے میں موافقات قرآنی ارشادات نبویؐ صحابہ کرامؓ کی متعدد آراء سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے؟ یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرام نے آپؓ کے فیصلوں اور فقہی آراء کو فقہ و اصول فقہ کی تدوین میں بطور دلیل پیش کیا ہے اور بے شمار مسائل کا استنباط کیا ہے۔

### ☆ آپ کی اجتہادی بصیرت اور عصری مسائل:

آپؓ کے عہد مبارک میں قیصر و کسریٰ کی عالمی طاقتیں سرٹھوں ہو گئیں۔ اسلامی سلطنت کی سرحدیں خطہ تجاز سے پھیل کر مشرق میں ہند، چین، روس اور مغرب میں مصر، سوڈان، ولیمین کے علاقوں تک پہنچ گئیں اور اس کا کل رقبہ تقریباً پچیس لاکھ اکیاون ہزار مربع میل (۲۲۵۴۰۳۰) مربع میل تک پہنچ گیا۔ اس میں جدید عالم اسلام کے بیشتر ممالک آجاتے ہیں۔ فتوحات کی اس وسعت نے مسائل و مشکلات کو بھی وسیع کر دیا۔ اسلام کا واسطہ اب صرف عرب کی سادہ اور بدویہ زندگی سے نہیں تھا بلکہ ایسی اقوام سے تھا جو مختلف مذاہب کے ذرائع تھیں جو صدیوں سے متفرق تہذیبوں کے زیر سایہ رہ چکی تھیں۔ جن کی نسل، زبانیں، رنگ، انداز و روایات، عقائد و نظریات، فکر و شعور، طرز زندگی، ثقافت و تمدن، سیاسی و معاشی انداز اور تاریخی و جغرافیائی پس منظر بالکل مختلف تھا۔ ان میں سے مسلمان ہوئے والوں کو ایک امت کے رشتے میں پرانے اور ان کی فکری، علمی، عملی تربیت کرنے میں جو حلیف ہیں ان سے کئے گئے معاہدوں کو پورا کرنے اور جو برائیاں تھیں ان کے مسائل کو حل کرنے اور سارے علاقے کو ایک منظم و منظم اسلامی و خلافتی ریاست میں ڈھالنے کی ضرورت تھی جو صحیح معنوں میں ایک بین الاقوامی ریاست کا نقشہ پیش کرے۔ اس عظیم کام کو سنبھالنے کا وہی شخص بنی ہو سکتا تھا جو حالات کی تبدیلیوں، معاملات کی غیر یقینی مسائل کی پیچیدگیوں اور وقت

کے تقاضوں کو بھی سمجھتا ہوں، وہ اسکی دینی فرہست اور اجتہادی بصیرت بھی رکھتا ہو کہ انہیں انصاف کی روح و مقصد کے مطابق حل کر سکے۔ شریعت کے احکام کو وسیع تناظر میں دیکھنے کا عادی ہو اور عصری امور پر ان کے اطلاق کی صلاحیت رکھتا ہو۔ مشیتِ ایزدی نے فاروقِ اعظمؓ کو اسی مقصد کیلئے تیار کیا تھا۔ آپ اجتہادی بصیرت کے ساتھ ساتھ بھرپور انتظامی صلاحیت سے بہرہ ور تھے۔ آپ نے اللہ کے پیغمبر کی دیگر پیش گوئیوں کی طرح اپنی ذات کے بارے میں اس پیش گوئی کو بھی سچ کر دکھایا۔ ”اگر تم (حادثت کیلئے) عمر کی طرف رخ کر دو گے تو انہیں اپنے نفس میں بھی قوی پاؤ گے اور امرِ الہی میں بھی“ یا پھر یہ کہ ”میری امت میں فتنوں کا دور وازہ اس وقت تک مکمل طور پر بند رہے گا جب تک ان میں عمر زندہ ہیں۔“ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ ”عمرؓ کیسے آدمی تھے؟“ انہوں نے جواب دیا ”وہ ایک ہوشیار پرندے کی مانند تھے جو ہر جانب یوں نگاہ دوڑائے رکھتے جیسے اس کیلئے ہر قدم پر ایک جال بچھایا گیا ہو۔“ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی اجتہادی بصیرت کے ذریعے اپنے دور کے تمام مذہبی، سیاسی، عدالتی، قانونی، انتظامی اور معاشی، تعلیمی، عسکری اور بین الاقوامی مسائل کو اسلام کی جامع تعلیمات کی روشنی میں حل کیا۔ آپ نے مختلف اداروں کے نئے ڈھانچے وضع کئے جو عہدِ حاضر کی تعمیر و ترقی کیلئے سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دورِ جدید میں مذکورہ مسائل بھی نوعیت کے اعتبار سے ویسے ہی ہیں جیسے عہدِ فاروقی میں تھے۔ قدیم و جدید کی بحث محض نظری ہے۔ بقولِ قرآن:-

زمانہ ایک، حیات ایک، کائنات بھی ایک

دلیل کم نظری قصہ جدید و قدیم

ہم مکمل اسلامی نظام کے قیام، ایک جدید اسلامی وفاقِ ریاست کی تشکیل و تعمیر اور اسلامی ورندہٴ رزور کے خواب کی عملی تعبیر کیلئے کتاب و سنت کے حکامات کو فاروقِ اعظمؓ کی اجتہادی بصیرت ہی کی روشنی میں نافذ کرنے کے محتاج ہیں۔ آپ کی زیادہ تر ریاستی پالیسیوں کو اجماعی حیثیت حاصل ہے کیونکہ وہ کھلے مذاکرے اور سب ٹوٹ مشوروں اور بحث و تحقیق کی پھینکوں سے گزر کر وضع کی گئیں۔ آپ نے شورا کی اجتہاد کی بنیاد ڈالی اور اسے رواج دیا۔ ہم اس طریق کار کو اپنا کر اپنے ہر قسم کے مسائل کا حل دریافت کر سکتے ہیں۔ میرے خیال کے مطابق بصیرتِ عمرؓ ایک ایسی شاہ کلید ہے جو ہمارے نئے ہر بند دروازے کو کھول سکتی ہے۔

### ☆ اب نیک کے کام کا مختصر جائزہ:

حضرت عمر فاروقؓ کی اجتہادی بصیرت سے متعلق مولانا قسیر، حدیث، فقہ، سیرت، تاریخ، مغازی، انساب العرب، اسماء الرجال کی تمام بنیادی کتابوں میں موجود ہے۔ اسلامی معاشیات کی ابتدائی کتب مثلاً امام ابو عبیدہ کی کتاب، اموال، امام ابو یوسف کی کتاب الخراج، یحییٰ بن آدم کی کتاب الخراج، اسلامی سیاست کی ابتدائی کتب مثلاً ابو یعلیٰ کی احکام السلطانیہ، ابن قسطلیہ کی الامم والسیاست، ابن تیمیہ کی سیاست الہیہ اور سیاست شرعیہ میں اہم مواد موجود ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کی سیرت و خصائص پر ایک مستقل اور قدیم کتاب جو میری نظر سے گزری ہے وہ ابن حوری کی سیرتِ عمرؓ ہے۔ شاہ ولی اللہ نے ازلیہ الخلفاء میں مناسب سے پہلے آپ کی فقہی آراء کو جمع کیا۔ جدید دور کے عرب مفکرین میں سے محمد حسین بکال، عباس محمود العقاد، طحاوی، طہ حسین اور عمر تلسلی نے حضرت عمرؓ پر کتب لکھی ہیں۔ علاوہ ازیں آپ کی فقہ پر عربی میں جو گرائڈر جدید کام ہوا ہے وہ کثرتاً اس قلعہ جی کی ”موسمۃ فقہ عمرؓ“ جو ۱۹۸۱ء میں کویت سے شائع ہوئی ہے اور دوسری کتاب ڈاکٹر دہلی بن رانج کی کتاب ”لفقہ عمر بن خطاب“ مودون صفحہ اشیر المصنفین ہے جو ۱۹۸۲ء میں بیروت سے شائع ہوئی ہے۔ اردو کتب میں سے ہم کتابِ علامہ شبلی نعمانی کی ”العادق“ ہے جو سن سے ایک سو سال قبل لکھی گئی تھی۔ پرویز - بھی شایعہ رسالت کے نام سے اپنے انداز میں حضرت عمرؓ پر کتاب لکھی ہے۔ علاوہ ان کے علاوہ عالم اسلام



میں دور جدید کے وہ تمام مفکرین جو اسلام کو ایک مکمل ضابطہ حیات کے طور پر پیش کر رہے ہیں اور اسلام کے مختلف پہلوؤں کو عصری تقاضوں کے مطابق اجاگر کرنے کے خواہش مند ہیں حضرت عمر فاروقؓ کی سیرت و کردار اور آپ کے اجتہادی فیصلوں کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔

یہ نظر مقامے میں ان سب کتب سے استفادے کے بعد فاروق اعظمؓ کی اجتہادی بصیرت کی روشنی میں جدید ترین سیاسی انتظامی اور معاشی مسائل کا جائزہ لینے کی اور اس کے حل میں رہنمائی لینے کی کوشش کی گئی ہے۔

### ☆ مقالے کے اہداف:

۱۔ فاروق اعظمؓ کی اجتہادی بصیرت کا علمی و تحقیقی تجزیہ۔

۲۔ آپ کے تصور دین اور فراست و حکمت کی اصل روح اور مقاصد کی تلاش۔

۳۔ عصری مسائل کے حل کے لیے آپ کی اجتہادی بصیرت سے رہنمائی لینے کی ضرورت و اہمیت کو جاگ کرنا۔

۴۔ آپ کی اجتہادی بصیرت کی روشنی میں امت مسلمہ کے نمایاں سیاسی معاشی اور انتظامی مسائل کا حل نکالنا۔

۵۔ آپ کی اجتہادی بصیرت کی روشنی میں ایک ایسی ترقی یافتہ فلاحی اور بین الاقوامی اسلامی ریاست کے خدو خال واضح کرنا جس کا دار و مدار کتاب و سنت پر ہو

اور وہ اپنے تمام معاملات میں دور جدید کے تقاضوں کے مطابق پالیسیاں وضع کر سکے۔

### ☆ طریق تحقیق:

۱۔ جو روایات پیش کی گئی ہیں وہ احادیث و تاریخی مستند کتب سے ماخوذ ہیں۔ ان کی سند اور طرق پر کوئی بحث نہیں کی گئی ہے۔ جیسی تھیں ویسے ہی درج کر دی گئی ہیں۔

۲۔ درج کی گئی روایات کے متن اور موضوع پر حسب ضرورت بحث بھی کی گئی ہے اور مقالہ نگار کے نزدیک اس سے جو نتائج نکلتے ہیں وہ بھی کھوں کر بیان کئے گئے ہیں۔

۳۔ مختلف روایات میں زیادہ تر تطبیق کی کوشش کی گئی ہے۔ بہت کم مواقع پر ترجیح دینے کی ضرورت پیش آئی ہے۔

۴۔ ایک ہی روایت اگر مختلف کتب میں موجود ہے تو ان سب کے حوالے درج کر دیئے گئے ہیں۔ زیادہ تر مصنفین کی زمانی ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

۵۔ روایات میں اگر کوئی لفظی اختلاف تھا تو ان میں سے جو سب سے زیادہ مفید مطلب تھی اسے لے لیا گیا ہے اور پہلا حوالہ اسی کتاب کا دیا گیا ہے۔ مفہوم کی

یکسانیت کی وجہ سے لفظی اختلاف کی تفصیل بیان کرنے سے گریز کیا گیا ہے۔

۶۔ جن کتب کے اردو تراجم موجود ہیں ان سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے اگر روایت کا تعلق محض واقعاتی بیانیات سے تھا تو دیئے گئے لے لیا گیا ہے لیکن جہاں کہیں

ہم تصور یا ضابطہ و اصول بیان ہوئے اس کے ترجمے کو اصل عربی متن کے ساتھ رکھ کر چیک کیا گیا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ ایسا ترجمہ کیا جائے جو عہدائے

مفہوم کو زیادہ بھرپور انداز میں واضح کر سکے۔

۷۔ بنیادی مآخذ کے تمام حوالے عربی کتب سے دیئے گئے ہیں۔ جو ایڈیشن استعمال کیا گیا ہے اس کی وضاحت مآخذ و مراجع میں موجود ہے۔

۸۔ چند روایات میں جن کی اصل کتب تک رسائی نہیں ہو سکی کامل اعتناء معنی مآخذ کا حوالہ بھی موجود ہے۔

۹۔ چونکہ حوالے بہت زیادہ تھے اس لئے مصنف کا انتخابی منہجہ عام استعمال کر کے صفحات درج کر دیئے گئے ہیں۔ اگر کسی کی ایک سے زیادہ کتب تھیں تو ان کا

نمبر ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹ کے تحت درج کیا گیا ہے ان اشارات و علامات کی تفصیل مقالے کے آخری میں "مقتضیٰ المصداق" کے عنوان کے تحت دی گئی ہے۔

## ابواب کی ترتیب و نوعیت:

پہلا باب۔

اس باب کے ابتدائی حصے میں فاروق اعظمؓ کے عہد جاہلیت کی یہ انداز میں تصویر کشی کی گئی ہے جس سے ان کی ذہنی و فکری صلاحیتوں اور دوق اور حجمات اور مشاغل و دلچسپیوں کے ذریعے بصیرت و فراست کی بنیادوں کا سرخ لگایا جاسکے۔

دوسرے حصے میں قیوس اسلام پر بحث کی گئی ہے اور اسلام و جاہلیت کی کشاکش کے دور میں آپ کی مخالفت و رد عمل کے نفسیاتی و سماجی اسباب کا تجزیہ کیا گیا ہے اور ان ماحول کی نشاندہی کی گئی ہے جو بتدریج آپ کو اسلام کی طرف کھینچتے رہے اور آخر کار آپ کے قبول اسلام کا باعث بنے۔

تیسرے حصے میں آپ کے سوانحی خاکے کی زبانی ترتیب کو نظر انداز کرتے ہوئے برہم رستہ واقعہ شہادت پر بحث کی گئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی عہد نبویؐ، عہد صدیقیؓ اور عہد خلافت کی تمام اہم سرگرمیاں جن کا تعلق اس مقالے کے اصل موضوعات ہے بہایت تفصیل کے ساتھ اپنے اپنے مقامات پر پہنچی ہیں۔ ان کا بیان کرتے ہوئے جملہ حالات کا باعث بھی بہت دور غیر متعلق بھی۔

آخر میں واقعہ شہادت پر سیر حاصل بحث کر کے اس کے محرکات و اسباب اور مگر کی سازش کا سرخ لگایا گیا ہے اور اس میں موٹ چار فرلوٹ جو کردار ادا کیا اس کا جائزہ دیا گیا ہے۔

باب دوم:

دوسرے باب میں عہد نبویؐ میں آپ کے مقام و مرتبے اور اہم سرگرمیوں کا جائزہ دیا گیا۔ ابتدائی حصے میں اس والہندہ تعلق کا تذکرہ ہے جو آپ کو اپنے قائد و مربی بنی محترم ﷺ سے فکری و جد ہائی اور عملی اعتبار سے تھا۔ اس تعلق نے آپ کی اجتہادی بصیرت کی تربیت و ارتقاء میں مہمیر کا کام کیا اور آپ کی مجموعی شخصیت کا نمایاں وصف بن گیا۔ اس حصے میں ایسے ارشادات بھی پیش کئے گئے ہیں جو بطور خاص اس وصف کے بارے میں ہیں۔

علاوہ ازیں اس دور باسعادت میں آپ کی ساری سرگرمیوں کو چار مختلف صحنوں میں پیش کیا گیا ہے۔ سرور کونین کے رفیق کاری حیثیت سے آپ کے کردار کو "مخلص رفیق" کے عنوان سے جمع کیا گیا ہے۔ اجتماعی مسائل اور ریاستی و حکومتی معاملات کے حل کیلئے جو مشورے آپ نے دیے ہیں "دانشمند مشیر" کی دلیل میں درج کیا گیا ہے۔ آپ نے باہمی برحق ﷺ کی فراہم داری و اطاعت کا جو مشن نمونہ پیش کیا اس کے واقعات کو "ب لوٹ مطیع" کے تحت بیان کیا گیا ہے۔ معلم انسانیت سے آپ نے کن طریقوں سے فیض علم حاصل کیا اس دور ان معلمہ معظمہ ملی و تربیتی رشتے کی کیا صورتیں سامنے آئیں؟ یہ سب کچھ "سعادت مدد شاگرد" کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے۔

باب سوم:

یہ باب "عہد صدیقی" بصیرت نگر کی جواہریاں کے عنوان سے ہے۔ اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ بصیرت عزت کس طرح "خلافت علی منہا بنی السیوف" کے اس اہم اور ابتدائی مرحلے میں ابھر کر رہا کیا۔ ابتدائی حصے میں رسول اکرم ﷺ کے ان دونوں معتد ساتھیوں زین العابدینؓ اور مشیروں کے مشترک مناقب بیان کئے گئے ہیں۔ بعد میں ان دونوں کے ساتھیوں کے، انہی مشن تعلق کے واقعات سامنے آئے ہیں پھر اقتدار اور اجتہاد کے، اولف ملک پیروں کے رویہ ہائے فکر و نگاہ کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ان نے طر استدلال، عمل کو واضح کیا گیا ہے اور واقعاتی شہادتوں سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ: ان اہل بیت کے فردوں و استحکام میں دونوں کے اتصال کا

اہم کردار ہے۔ عہد صدیقی میں آپ کی حیثیت مشیر اعلیٰ اور قاضی کی تھی۔ ان دونوں دھندوں کو آپ نے کس طرح جدا شدہ دیوانت سے نبھایا۔ آپ کی بصیرت نے کس طرح اپنا اثر دکھایا؟ پھر حضرت ابو بکرؓ کے انتخاب کے موقع پر آپ نے کس طرح بروقت ایسا طریقہ اختیار کیا کہ یہ معاملہ خوش اسلوبی سے طے ہو گیا؟ یہ سب کچھ اس باب میں ہے۔ آخر میں قانون اعظم کے انتخاب کی تفصیل بھی موجود ہے۔

### باب چہارم:

”بصیرت عمرؓ اور قرآن حکیم“ کے نام سے یہ باب اس مقالے میں مرکزی حیثیت کا حامل ہے۔ اس میں آپ کی الہامی طبیعت کے بارے میں کتاب و سنت اور آثار صحابہؓ سے ایسے محسوس دل و شواہد پیش کئے گئے ہیں جو کسی اور صحابی کے حصے میں نہیں آسکتے۔ اس میں بارہ ایسی موافقات کی تفصیل دی گئی ہے جس میں وحی الہی نے آپ کے مشوروں و دعاؤں، اقوال اور اعمال کی تائید کی۔ اس سے آپ کی اجتہادی بصیرت کے نہایت صحیح، قابل اعتناء اور قابل عمل ہونے کی تصدیق ہوتی ہے۔ ہم عصر حاضر میں پوری یکسوئی اور اطمینان سے آپ کی بصیرت و فرست کو شاہ کلید (Master Key) کے طور پر استعمال کرتے ہوئے تمام اجتماعی مسائل کے افعال کھول سکتے ہیں۔

یہ باب میں قرآن حکیم سے آپ کے صحابی نظری اور جذباتی تعلق کی نشاندہی کے ساتھ ساتھ آپ کے تفسیری ذوق و شوق کی متعدد مثالیں دی گئی ہیں۔ نمونے کے طور پر بہت سی ایسی آیات بھی پیش کی گئی ہیں جن کی آپ نے تفسیر کی اس سے آپ کے تفسیری درخان کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ آپ آیت قرآنیہ کو عملی مسائل پر کیسے منطبق کرتے تھے؟ اس باب میں اس کا جائزہ بھی لیا گیا ہے۔ مزید برآں قرآنی علوم کی ترویج و اشاعت اور ان کی صحیح تفہیم و تدریس احکامات قرآنی کو عملی جامہ پہنانے کیلئے آپ کے اقدامات کو اس میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ جو ایک طرف علماء و محققین کیلئے اور دوسری طرف امت مسلمہ کے اجتماعی معاملات کے ذمہ دار حکومتی اہلکاروں کیلئے عہد حاضر میں رہنمائی کا بہترین منبع ہیں۔

### باب پنجم:

اس باب کا عنوان ”بصیرت عمرؓ اور اصلاحیٹ نبویؐ“ رکھا گیا ہے۔ اسلام میں حدیث کی تشریحی و تفسیری حیثیت کی وجہ سے صرف آپ ہی کے عہد ہی میں نہیں بلکہ دور جدید میں بھی ان کا معاملہ نہایت نازک بھی ہے اور اہم بھی۔ ایک طرف تو اس کی قدر ترویج و اشاعت کی ضرورت ہے کہ امت مسلمہ کا بچہ بچہ ان سے آگاہ ہو تاکہ اس کی سوچ اور عمل سنت نبویؐ کے مطابق ہو اور دوسری طرف اسے حزم و احتیاط کی ضرورت ہے کہ کوئی غلط قول و عمل حدیث و سنت کے نام سے رواج پا کر ہدایت کے بجائے ضلالت و خیر کے بجائے شر اور ثواب کے بجائے عذاب کا باعث نہ بن جائے۔ بصیرت عمرؓ نے اس مسئلے کی نزاکت کو کسی طرح سمجھا اور اسے حل کرنے کیلئے کیا طریقہ اختیار کیا؟ اس باب میں اس کی تفصیل ہے۔ اس کو سامنے رکھتے ہوئے ہم عصر حاضر میں بہتر حکمت عملی وضع کر سکتے ہیں۔

### باب ششم:

”بصیرت عمرؓ اور عصر حاضر کے سیاسی مسائل“ کے عنوان سے موجود اس باب میں سیاسی نہیں منظر کے ساتھ ہی اصلاحیٹ نبویؐ کی تاریخ کی گئی ہیں جن میں آپ کے عہد میں اسلام کے نئے سیاسی امن و استحکام اور ترقی کی پیش گوئی کی گئی ہے۔ پھر اس سیاسی مشورہ کا جائزہ لیا گیا ہے جو آپ نے اپنے پیچھے خطبے میں پیش کیا۔ آپ کی پوری خلافت جس کا مرتع قرار دی ہے پھر آپ نے بعض روایات کو جو سیاسی نوعیت کی ہیں سیاسی اجتہادات کے طور پر زیر بحث لایا گیا ہے۔ ان کے اثرات و نتائج کا جائزہ لیا گیا ہے۔ بعد کی فصلوں میں دور جدید کے سیاسی مسائل کو سامنے رکھتے ہوئے آپ کے ضابطہ اخلاق، سیاسی اصول اس وقت کے حالات کے مطابق سیاسی استحکام کیلئے آپ کے اقدامات، قبائلی سیاست کے معاملات، ریاست کے اندر موجود بیہودہ و نصاریٰ کے معاملات کو ایسے انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ ہم آپ کی بصیرت و حکمت اور سیاسی ادارہ مہارت

اور طریق کار سے ہم عصر حاضر میں رہیں فطوط بھی وضع نہ کریں اور پھر عمل رہنمائی بھی لے سکیں۔ آخر میں آپ نے انتخابی شوری کا تقرر کر کے جو یہ طرز انتخاب متعارف کر لیا اس کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔

### باب ہفتم:

اس باب کا عنوان "بصیرت عمر" اور عصر حاضر کے انتخابی مسائل ہے۔ اگر راقم یہ باب شامل نہ کرتا تو دو سال قبل مقالہ جمع کر سکتا تھا۔ یہ اس طویل عرصے کی محنت کا ثمر ہے اس پر تئی زیادہ توجہ دینے کی وجہ دور جدید میں نظمیں عامہ یا پبلک ایڈمنسٹریشن کی مرکزی حیثیت ہے جو مقامی حکومتوں سے لے کر صوبائی و ملکی معاملات تک یہاں تک کہ بین الاقوامی تعلقات تک اور ہر قسم کے چھوٹے بڑے مسائل میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ سیاست سے الگ کر کے ایک وسیع دائرے کی حیثیت سے اس کے پیشہ ورانہ اور انتخابی کردار کو زیر بحث لایا گیا ہے اور فاروق اعظم کے فکر و عمل کو عصر حاضر کے تناظر اور جدید اصطلاحات و سانچوں میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں مقالہ نگار نے جو مواد اکٹھا کیا ہے افسوس ہے کہ پی ایچ ڈی کے تقاضے وقت کی تنگی و دباؤ اور کام کی طوالت سے بچنے کیلئے صرف اس کا ایک تہائی پیش کرنے کے قابل ہو سکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اگر مدد کی ہمت اور توفیق و وقت سے لولا تو اس کے مختلف پہلوؤں تحقیقی مضامین اور الگ کتاب کی شکل میں پیش کیا جائے گا۔ ابتداء میں پبلک ایڈمنسٹریشن کے جدید تصورات کا مختصر تعارف ہے بعد ازاں فاروق اعظم کا فلسفہ نظمیں عامہ تفصیل سے پیش کیا گیا ہے۔ پھر آپ کی نظامی حکمت عملی کا جدید تناظر میں جائزہ لیا گیا ہے۔ آخر میں نظمیں عامہ کے ضابطہ اخلاق اور شرعی فراخس کو آپ ہی کے دور کے مستند ہمارے نخی مسائل سے واضح کیا گیا ہے۔

### باب ہشتم:

عصر حاضر کے بے شمار معاشی مسائل کو فاروق اعظم کی، جہتہادی بصیرت کی روشنی میں حل کرنے کیلئے اس آخری باب کا عنوان "بصیرت عمر" اور عصر حاضر کے معاشی مسائل "رکھا گیا ہے۔ ان مسائل کی نوعیت و وسعت اور ان سب کے سداہی حل کی ضرورت و ہیئت اس قدر زیادہ ہے کہ پی ایچ ڈی کی سطح کے الگ مقالے کی متقاضی ہے۔ یہ مقالہ نگار کے ذاتی دوق و دچوسی اور طالب علمانہ پیاس کا خاص میدان ہے لیکن دل بہت رنجیدہ ہے کہ اس پر بھی کھل کر اور تفصیل سے بحث کرے کا شوق پورا نہیں ہو سکا۔ بے شمار حوالے اور مواد ہونے کے باوجود بروقت مقالہ جمع کرانے کیلئے اسے تحریری شکل میں لکھ کر شامل نہیں کیا جاسکا۔

جو کچھ پیش کیا جا رہا ہے وہ کلی معاشیات (Macro Economics) کے طرز تحقیق اور زاویہ نگاہ اور اطلاقی معاشیات (Applied Economics) کے انداز کے مطابق ہے۔ فاروق اعظم کی معاشی فکر اور حکمت عملی کا اسی پسو سے جائزہ لیا گیا ہے۔ آپ کے عہد میں جو معاشی مسائل تھے انہیں حل کرے کیلئے جو آپ نے عملی اقدامات کئے ان کو مختلف عنوانات کے تحت جمع کیا گیا ہے۔ ابتدائی فصل میں اسلامی ریاست کے معاشی کردار کو بصیرت عمر کی روشنی میں پیش کیا گیا۔ بعد ازاں ایسے اجتماعی مسائل پر بحث کی گئی ہے جو جدید ریاست کی معاشی کارکردگی اور پالیسیوں کے عوامی و فلاحی ہونے کا معیار سمجھے جاتے ہیں۔ جن سے ریاست کے ہر شہری کا برہور مست فائدہ ہوتا ہے ان میں کھانسی عامہ معاشی ترقی نظام نکلیں اور نظام مٹ شامل ہیں۔

### آخری بات:

مجھے اپنی کم علمی و کم سلی کا پورا احساس ہے۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ ایک طویل عرصے کی ریاضت کے بعد جو کچھ میں نے پیش کیا ہے وہ ایسا معیاری و مستحکم کام ہے کہ اس سے بہتر پیش ہو ناممکن نہیں تھا۔ یقیناً یہ کام اگر مجھ سے زیادہ علم و استعداد اور صلاحیت رکھنے والا کوئی شخص کرتا تو وہ علمی و تحقیقاتی دنیا میں بہت بڑا کارنامہ سر انجام دے سکتا تھا۔ میری یہ طبع علمانہ کاوش ہے۔ بااقتدار میرے لئے اطمینان کا پہلو صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے جتنی کچھ صلاحیتیں دی ہیں انہیں پورے غلو سے اور مستعدی

سے کہتے ہیں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا۔ اگر کوئی چیز بہتر و مفید ہے تو اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل و کرم کی وجہ سے ہے جس نے اسے میرے دہن میں ڈالا اور میرے ماتھے سے تحریر کر دیا۔ لیکن اگر کسی معاملے کو جاننے، سمجھنے پر کھٹے بیان کرنے اور اس سے کوئی نتیجہ نکالنے میں کوئی کوتاہی و کمی ہوئی ہے تو وہ میری اپنی کمزوریوں کی نشاندہی کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے معصرت کا خواستگار ہو سہو را پے سے اور اس مقالے کے تمام قاریوں کیسے اس کے حقیقی اثرات سے محفوظ رہنے کی دعا کرتا ہوں۔

جہاں تک اسلوب بیان کا تعلق ہے میں نے اس میں نہ تو کسی کی نقل کی ہے اور نہ ہی کسی قسم کے کلافہ و قسطنج سے کام لیا ہے۔ جو کچھ میرے ذہن میں تھا اسے میں اپنے فطری مزاج و انداز کے مطابق ضبط تحریر میں لاتا گیا ہوں اس میں میرے جذبات خود بخود شامل ہوتے گئے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ فنی و تحقیقی اعتبار سے اس کی قدر و قیمت کیا ہے؟ اس لئے کہ جذبات کی اپنی زبان ہوتی ہے جو ٹوٹی پھوٹی، بربط اور توتلی بھی ہو سکتی ہے۔

مجھے یاد نہیں کہ میں نے اس مقالے کا کوئی ایک جلد بھی حالت وضو میں ہوئے بغیر تحریر کیا ہو یا تحقیقی مقصد سے کتب کا مطالعہ کرتے وقت اس کا اہتمام کیا ہو۔ اسے مقدس کام سمجھ کر خلوص و ذمہ داری اور دیانت سے سر انجام دینے کی کوشش کی ہے۔ اس لئے مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے میرے سب سے اجر اور دوسروں کیلئے خیر و برکت کا ذریعہ بنائے گا۔

اس مقالے کی ضمنی سمت سے کئی گنا زیادہ مولا مستند حوالوں کے ساتھ میری فائلوں میں موجود ہے جس سے حضرت عمر فاروقؓ کی سیرت و شخصیت اور کارناموں کو نئے مقاصد، نئے زاویے اور نئے انداز میں مرتب کرنے کی گنجائش موجود ہے اور عصری ضروریات و تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے آپ کی اجتہادی بصیرت سے استفادے کی نئی شکلیں اور نئی راہیں تلاش کی جاسکتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مجھے یہ ہمت و توفیق دے کہ بقیہ زندگی میں اپنی بساط کے مطابق اس کام کو سر انجام دے سکوں (سین شم سین)

## مفتاح المصادر

### القرآن الحكيم



القرآن الحكيم	بر ..... ابن عبد الله	(i) الاستيعاب
		(ii) الدرر
	بغوي	مصباح السنه
آلوسی 'علامه آلوسی	روح المعانی	بلاذری
الثور 'ابن الثور	(i) الكامل فی التاريخ	(i) فصح البلدان
	(ii) اسد الفاهه	(ii) الانساب الاشراف
الثور 'مبارک بن محمد	(iii) جامع الاصول	(i) تفسير بيضاوي
اسد 'ابن اسد	الباب فی التهذيب الانساب	(ii) منهاج الوصول
اصفهانى 'امام راجب	المفردات	السنن
اصلاحى 'امين احسن	(i) تذهيب القرآن	علوم القرآن
	(ii) اسلامى رياضت	عمر بن خطاب
	(iii) تزكية نفس	(i) سياست الهيه
احمد 'ابن احمد	الفتح	(ii) سياست شرعيه
القبال 'علامه القبال	(i) بال جبريل	(iii) فتاوى
	(ii) ضرب كلمه	(iv) منهاج السنه
امينى 'محمد تقى	(i) فقه اسلامى كا تاريخى	(v) مجموعه الرسائل
	پس منظر	(vi) الصارم المسلول
	(ii) احكام شريعه ميں حالات	
	وزماته كى رهايت	(i) البيان واليمين
	(iii) اسلام كا زرعى نظام	(ii) كتاب الحيوان
اب		قوانين الفقه
بخارى 'امام بخارى	(i) جامع الصحيح	احكام القرآن
	(ii) تاريخ بخارى	(i) سيرت عمر
بلر 'بلر عالم	ترجمان السنه	(ii) صفة الصفوة
		(iii) الولاء

ولہیات الاعیان	محلکان	المستدرک	حاکم نیشاپوری
حضرت عمرؓ کے	خورشید، خورشید فاروق	اسلام کا نظام حکومت	حامد، حامد الانصاری
سرکاری خطوط	ح	صحیح ابن حبان	حبان، ابن حبان
السنن	داؤد، ابو داؤد	(i) الملل والنحل	حزم
السنن	دارمی	(ii) الاحکام	
	ذ	(iii) المحلی	
(i) تذکرۃ الحفاظ	ذہبی	(i) الاصابہ	حجر، ابن حجر عسقلانی
(ii) میزان الاعتدال	و	(ii) تہذیب التہذیب	
		(iii) الدرر الکامنه	
التفسیر الکبیر	رازی، فخر الدین	(iv) فتح الباری	
بداية المجتهد	رشد، ابن رشد	(v) لسان المیزان	
تفسیر المتار	رضا، رشید رضا	المنظوم الاسلامیہ	حسن، ابراہیم حسن
موسوعة فقہ عمرؓ	رواس، قلعة جی	معجم البلدان	حموی، یاقوت
فقہ عمرؓ بن خطاب	رویی، ابن راجح	(i) سیاسی وثیقہ جات	حمید اللہ، ڈاکٹر
	ز	(ii) عہد نبویؐ میں	
مناہل العرفان	زرقالی	نظام حکمرانی	
البرہان	زرکشی، بدر الدین	المستند	حنبل، امام احمد
الاعلام	زرکلی		خج
الکشاف	زمنخیری	خلفاء الرسول	خالد، محمد خالد
	س	حفاظت حدیث	خالد علوی
طبقات الشافعیہ	السبکی	المصحیح	خزیمہ، ابن خزیمہ
المبسوط	سرخسی	(i) سیرت الخلفاء	خضری، خضری ہک
الطبقات الکبری	سعد، ابن سعد	(ii) تاریخ تشریع الاسلامی	
الروض الانف	سہلی	(i) المقدمہ	خلدون، ابن خلدون
عیون الاثر	سید، سید الناس	(ii) تاریخ ابن خلدون	

سیوطی	(i) تاریخ الخلفاء	ط	
	(ii) الاشیاء والنظائر	طبرانی	المعجم الصغير
	(iii) شرح الموطا	طبرسی	مجمع البیان
	(iv) تلخیص الراوی	طبری	(i) جامع البیان
ش			(ii) تاریخ الرسل والملوک
شاه ولی اللہ	(i) ازالة الخفاء	طبا	تاریخ الدول الاسلامیہ
	(ii) حجة البالغة	طنطاوی	عمر بن خطابؓ
	(iii) البلاغ المبین	ج	
	(iv) عقد الجید	عابدین، ابن عابدین	ردالمحتار
الشاطبی	(i) الموالمات	عاصم، ابن عاصم	تحفة الاحکام
	(ii) الاعتصام	عبد ربیع، محمد بن عبد ربیع	العقد القریب
الشافعی	(i) کتاب الام	عبدالرزاق	المصنف عبدالرزق
	(ii) الرسالة	عبد، ابو عبد القاسم	کتاب الاموال
شلی	(i) سیرت النبیؐ	عثمانی، فہیم عثمانی	حفاظت و حجیت حدیث
	(ii) الفاروقی	عربی، ابن العربی	احکام القرآن
شفیع، مفتی محمد شفیع	معارف القرآن	عروہ، عروہ بن زہیر	مغازی رسول اللہ
شہرستانی	الملل والنحل	عساکر، ابن عساکر	تاریخ دمشق
شوکانی	(i) نیل الاوطار	عقاد، عباس محمود	المبقریات الاسلامیہ
	(ii) القول المفید	عماد، ابن عماد	شہرات الذهب
	(iii) فتح القلندر	عردہ	التشریح الجنائی الاسلامی
شیبانی	(i) الجامع الصغير	عینی	عمدة القاری
	(ii) الجامع الكبير	غ	
	(iii) کتاب الآثار	الغزالی	احیاء علوم الدین
شیبہ، ابن ابی شیبہ	المصنف	خفاری، نور محمد	(i) اسلام کا قانون محاصل
شیرازی	(i) طبقات الفقہاء		(ii) لبی کریم کی معاشی زندگی
	(ii) المہذب		(iii) اسلام کا معاشی نظام





		خلیفائے راشدین	نوروی، شاہ معین
		الفہرست	نوریم، ابن النعم
	۵	سنن نسائی	نسائی
سیرۃ النبیؐ	ہشام	معارف الحديث	نعمانی، محمد منظور
عمر ابن خطابؓ	ہیکل	شرح صحیح مسلم	نوروی
	۶		۷
تاریخ یعقوبی	یعقوبی	کتاب المغازی	والدی
احکام السلطانیہ	یعلیٰ، ابو یعلیٰ		
کتاب الخراج	یوسف، امام ابو یوسف		

نوٹ: انگریزی مآخذ کیلئے ملاحظہ ہو ماخذ و مراجع صفحہ ۵۰۶

باب اولی

عہد جاہلیت۔۔۔۔۔ بصیرت عمر کا آغاز و اظہار

☆۔ بچپن و جوانی

☆۔ قبول اسلام

☆۔ شہادت

☆۔ شجرہ نسب

## حالات زندگی

### ۵. نام و لقب:

آپ کا نام عمرؓ اور کنیت "ابو حفص" یا ابوالاسود جس کے معنی ہیں شیر کا باپ (۱)۔ آپ کا اپنا قول ہے کہ سب سے پہلے مجھے یہ کنیت نبی کریم ﷺ نے عطا فرمائی۔ فرمایا "ابا حفص افضل عم یلک" میں نے عرض کیا آپ اگر حکم دیں گے تو یہ بھی کر گزروں گا۔ فرمایا "لوگ چہ سیکویاں کریں گے کہ میں اپنے ساتھیوں کو قتل کراؤں۔" اس طرح مجھے ابو حفص کی کنیت ملی (۲)۔ جو رسول اللہ ﷺ نے عطا فرمائی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ بدر کے روز رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا "مجھے معلوم ہوا ہے کہ بنی ہاشم اور کچھ دیگر لوگوں کو زبردستی (جنگ کیلئے) باہر نکالا گیا ہے۔ انہیں ہمارے ساتھ جنگ کرنے سے کوئی سروکار نہیں۔ اس لئے تم میں سے کوئی شخص بنی ہاشم کے کسی شخص سے ملے تو اسے قتل نہ کرے اور جو ابوالہجر بن ہشام سے ملے تو اسے قتل نہ کرے اور جو رسول اللہ ﷺ کے چچا عباس بن عبدالمطلب سے ملے تو انہیں قتل نہ کرے کیونکہ وہ زبردستی نکالے گئے ہیں۔ اس پر حضرت ابو حذیفہؓ نے کہا کہ ہم اپنے باپ دوا بیڑوں پوتوں بھائیوں اور اپنے خاندان کے لوگوں کو تو قتل کریں اور عباس کو چھوڑ دیں واللہ اگر میں ان سے ملوں گا تو ضرور نکولہ کا نوالہ کھاؤں گا۔ یہ خبر رسول اللہ ﷺ تک پہنچی تو آپؐ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا "یا ابا حفص، ابصر بوجہ عم رسول اللہ ﷺ بالسیف" حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ یہ پہلا روز تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ابو حفص کی کنیت سے خطاب فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ رسول اللہ ﷺ مجھے اجداد دیجئے کہ اس کی گردن کلوں سے اڑاؤں واللہ منافق ہو گیا ہے (۳)۔

آپ کا لقب "الفاروق" ہے۔ یہ عظیم الشان لقب آپ کو کیسے ملا؟ اس بارے میں مختلف روایات مذکور ہیں۔ زبال بن سبرہ الہملالی سے مروی ہے کہ ایک دن ہم حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر تھے۔ ہم نے کہا اے امیر المؤمنین! ہمیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں کچھ بتائیے۔ فرمایا "ذالک امر نو السماء اللہ۔ الفاروق" فرق بین الحق والباطل سمعت رسول اللہ ﷺ يقول: اللهم انصر الاسلام بعمر" (۴)۔

بعض اور روایات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لقب رسول اکرم ﷺ کا عطا کردہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں۔ میں نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ آپ کا لقب فاروق کس طرح پڑ گیا تو آپؓ نے اپنے قبول اسلام کے واقعے کی تفصیل بیان کرنے کے بعد کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں ہم ضرور حق پر ہیں۔ میں نے عرض کیا تو پھر ہم جیتے کیوں ہیں؟ تو پھر ہم دو صفیں بنا کر نکلے۔ ایک میں حضرت حمزہؓ تھے اور دوسری میں میں تھا حتیٰ کہ ہم مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ قریش نے جب مجھے اور حمزہؓ کو دیکھا تو انہیں بہت شدید صدمہ پہنچا۔ اس روز مجھے رسول اللہ ﷺ نے "فاروق" کا خطاب بخش دیا کیونکہ اسلام ظاہر ہو گیا اور حق و باطل کے درمیان فرق پیدا ہو گیا (۵)۔ اسی طرح حضرت ابو بکرؓ بن موسیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "ان الله جعل الحق على لسان عمر و قلبه وهو الفاروق" فرق الله به بين الحق والباطل" (۶)۔

ابو عمروؓ کو ان کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ حضرت عمرؓ کا نام فاروق کس نے رکھا؟ جواب دیا "رسول اللہ ﷺ نے" (۷)۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ کو پہلے یہ لقب اہل کتاب نے دیا پھر مسلمانوں کو بھی پسند آگیا اور انہوں نے بھی اختیار کر لیا۔ چنانچہ ابن شہاب کہتے ہیں

(۱) سعد ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱

”بلغنا ان اهل الكتاب كانوا اول من قال لعمر الفاروق وكان المسلمون ياثرون ذلك من قولهم<sup>(۱)</sup>۔“ اس کی تائید ایک اور روایت سے بھی ہوتی ہے کہ فتح بیت المقدس کے موقع پر جب آپؐ مقدس مقامات کی زیارت کر رہے تھے تو اس مقام پر پہنچے جہاں بنی اسرائیل کے زمانے میں رومیوں نے بیت المقدس کو ہندسہ بنایا تھا۔ اسے میں اچانک نعرہ بکیر کی آواز سنی۔ آپؐ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ بتایا گیا کہ حضرت کعب اور ان کے ساتھ کچھ اور لوگوں نے بکیر باند کی ہے۔ آپؐ نے فرمایا اسے میرے پاس لاؤ وہ آئے اور عرض کیا ”اے امیر المومنین آج جو کچھ میں نے کہا ہے اس کے بارے میں پانچ سو سال پہلے ایک نبی نے پیشین گوئی کی تھی۔“ آپؐ نے پوچھا وہ کیسے؟ وہ بولے ”نبی نے کہا تھا کہ لوگوں نے ظلم تمہیں خوشخبری کی کہ تمہارے پاس ”فاروق“ آئے گا جو تمہیں پاک صاف کرے گا۔ ربیعہ الثانی نے بھی اسی قسم کی روایت کی ہے جس میں یہ الفاظ زائد ہیں۔“ تیرے پاس ایک فاروق میرے فرمانبردار لشکر کو لے کر آئے گا اور اہل روم سے تیرا انتقام لے گا۔“<sup>(۲)</sup>۔“

حضرت عمرؓ کا ایک اور لقب ”الاصلیع“ بھی ہے جس کے معنی ہیں ایسا شخص جس کے سر کے اگلے حصے کے بال نہ ہوں<sup>(۳)</sup> لیکن یہ زیادہ مشہور نہیں ہوا۔ اس لئے تاریخ کی کسی کتاب میں اس کا کہیں ذکر نہیں ملا۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں تشریف و مدح کا پہلو نہیں پایا جاتا۔ اس بارے میں بس ایک ہی روایت موجود ہے۔ عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ ”رايت الاصليع يعني عمرؓ (فی رواية المصنفی وایہی کامل ”الاصليع“) يقبل الحجر و يقول والله اني لافيلك والى اعلم انك حجر وانك لا تصبر ولا تنفع ولو لا اني رايت رسول الله ﷺ فليلك ما قبلتك“<sup>(۴)</sup>۔ بہر حال اس روایت سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپؐ کے عہد خلافت میں یہ لقب اس قدر معروف ضرور تھا۔ کہنے اور سننے والے اس سے آپؐ کی ذات گرامی مرادے سکیں۔

### ○ ..... حلیہ:

بے حد قوی و مضبوط<sup>(۵)</sup> اور بھاری و خوبصورت جسم<sup>(۶)</sup> چمکتا ہوا سفید رنگ اس پر سرخی غالب<sup>(۷)</sup> آنکھوں میں سرخ زورے<sup>(۸)</sup> پیشانی سے اڑے ہوئے<sup>(۹)</sup> مگر کنگھی سے سنورے ہوئے سنبرے بالی<sup>(۱۰)</sup> ذرا سے پچکے ہوئے گال<sup>(۱۱)</sup> سفید و خوبصورت دانت<sup>(۱۲)</sup> بڑی اور گھنی مونچھیں<sup>(۱۳)</sup> زردی مائل داڑھی<sup>(۱۴)</sup> مسوڑے پن سے مجتنب پر و قار اور تین پنجرہ جس سے ہیبت و جلال چھٹکے<sup>(۱۵)</sup> گرجدار آواز<sup>(۱۶)</sup> سب سے نمایاں اور ممتاز کرنے والا لبائے<sup>(۱۷)</sup> کندھوں میں ”گے“ کی طرف خفیف سا جھکاؤ<sup>(۱۸)</sup> بازوؤں پر سرخی مائل گھنے بالوں کی کثرت<sup>(۱۹)</sup> دونوں ہاتھوں سے یکساں کام لینے کی صلاحیت<sup>(۲۰)</sup> زمین پر پڑنے والے جے ہوئے قدم<sup>(۲۱)</sup> اور چلتے وقت دونوں پاؤں میں کشادگی<sup>(۲۲)</sup> رفتار میں ایسی تیزی اور وقار جیسے کسی گھوڑے پر سوار ہوں اور لوگ آگے سے بچتے جائیں<sup>(۲۳)</sup>۔

یہ ہے فاروق اعظمؓ کا سر۔ آخری عمر میں بالوں میں خضاب بھی لگاتے تھے<sup>(۲۴)</sup>۔ پیشانی کے بال آخری عمر میں جھڑنا شروع ہوئے<sup>(۲۵)</sup> عہد خلافت میں شدید قحط خشک سالی کے دنوں میں گھی اور گوشت سے کھل اہتمام کرنے کی وجہ سے رنگ کچھ گندی سا ہو گیا<sup>(۲۶)</sup>۔

- (۱) سعد ۲۷۰/۳ طبری ۱۹۵/۴ حوری ۱۴۱/۴ شیر ۵۷/۴ طبری ۶۱۱/۳ (۳) مسطور ۴۸ ۲ لويس ۴۳۲ (۴) مسلم ۶۷/۴ حسن ۲۵۷ (۵) حوری ۴ (۶) حوری ۴ سعد ۳۲۵/۳ (۷) سعد ۳۲۵/۳ طبری ۱۹۶/۴ شیر ۷۸/۴ سیوطی ۱۱۳ کثیر ۱۳۸/۷ (۸) حوری ۴ بر ۱۱۴۶ ۴ (۹) ۱۳۸/۷ (۱۰) سعد ۳۲۵/۳ شیر ۷۸/۴ سیوطی ۱۳۰ (۱۱) سعد ۳۲۵/۳ یعقوبی ۱۶۱/۲ (۱۲) کثیر ۱۳۸/۷ (۱۳) سیوطی ۱۳۰ (۱۴) شیر ۷۸/۴ (۱۵) مسعودی ۳۱۳/۲ حوری ۴ (۱۶) حوری ۴ (۱۷) سعد ۳۲۵/۳ بر ۱۱۴۶/۴ حوری ۴ شیر ۷۸/۴ (۱۸) حوری ۴ بر ۱۱۴۶/۴ (۱۹) ایضاً (۲۰) سعد ۳۲۵/۲ یعقوبی ۱۶۱/۲ شیر ۷۸/۴ (۲۱) حوری ۴ (۲۲) سعد ۳۲۵/۳ طبری ۱۹۶ (۲۳) حوری ۴ شیر ۷۸/۴ (۲۴) یعقوبی ۱۶۱/۲ حوری ۴ (۲۵) سعد ۳۲۵/۲ مسطور ۱۹۶ (۲۶) سعد ۳۱۵/۲ بر ۷۸/۴ سیوطی ۱۳

## ۵..... خاندان:

آپ خاندان بنو عدی کے چشم و چراغ ہیں <sup>(۱)</sup>۔ آپ کا سلسلہ نسبت انھوں پر پشت پر نبی آخر الزماں ﷺ کے ساتھ مل جاتا ہے <sup>(۲)</sup>۔ آپ کا خاندان جبل عاتر کے دامن میں سکونت پذیر تھا۔ عہد جاہلیت میں آپ کا مکان اسی جگہ پر تھا اس لئے بعد میں اس پہاڑ کا نام ”جبل عمر“ مشہور ہو گیا <sup>(۳)</sup>۔ قید سودی قریش کے دس نامور قبیلوں میں سے ایک تھا۔ عہد جاہلیت میں قریش نے، نظامی امور کو مختلف قبیلوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ان میں سے سفارت و مناظرہ منصب نہیں حاصل تھا جسے سالہا سال سے انہوں نے بطریق احسن سنبھال رکھا تھا۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ کے جد امجد عبد المطلب اور حب بن امیہ کے درمیان سفر حبشہ کے دوران مناظرہ کی ٹھہری تو انہوں نے پہلے نجاشی کو حکم فرمایا لیکن اس نے بیچ میں پڑنے اور فیصلہ دینے سے انکار کر دیا (غالباً اس کی وجہ یہی ہو گی کہ جس پیہ شناسی نسب دانی، جرأت اور ترجیح دہن کی ضرورت ہوتی ہے، نجاشی اپنے آپ کو اس کا بل نہیں سمجھتا تھا یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے عربوں کے معاملات میں مداخلت کو قرین مصلحت نہ سمجھا ہو) چنانچہ حتیٰ فیصلے کیلئے انہوں نے ہاتھ فر حضرت عمر فاروق کے دادا نفیل بن عبد العزیٰ کی طرف رجوع کیا۔ وہ چونکہ دونوں کے حالات و معاملات سے اچھی طرح باخبر تھے۔ انہوں نے بڑے بیخ انداز میں فیصلہ دیتے ہوئے عرب سے مخاطب ہوئے

”یا ابا عمرو اتناظر رجلا هو اطول منك فامة واعظم منك هامة واوسم منك سامة واقل منك لامة واكثر منك ولداً واجزل منك حصصاً واطول منك جلوداً“ <sup>(۴)</sup> یہ تو اس سے منافرہ کرتا ہے جو تجھ سے زیادہ بلند و بالا ہے، تجھ سے زیادہ بڑے سردال ہے، تجھ سے زیادہ وجہ ہے، موبہت ملامت میں تجھ سے بہت کم ہے، تجھ سے زیادہ کثیر الاولاد ہے، تجھ سے زیادہ وہ جزیل المعطاء و کریم الجود ہے اور تجھ سے زیادہ لمبی زبان وال (فصحی لسان) ہے۔ اور اس کے بارے میں کہا ”وانك بعد الغضب رفیع الصوت فی العرب جلد المریة لجبل العشیرة“ ولکنك نافرت منرا <sup>(۵)</sup>۔ اس طرح دونوں کا تقابل کرنے کے بعد جب عبد المطلب کے حق میں فیصلہ دے دیا تو وہ ناراض ہو گیا اور عبد المطلب کو چھوڑ کر عبد اللہ بن جدعان کی رفاقت و ہم نشینی اختیار کر لی <sup>(۶)</sup>۔ اس طرح ان کے پاس مختلف فیصلے آتے رہتے تھے۔ اس لئے مؤرخین نے یہ لکھا ہے ”کان یتحاكم الیہ قریش“ <sup>(۷)</sup> اور ”قصاة العرب فی الجاهلیة كانت تتحاكم الیہ فی خصو ماتھا و منازعاتھا“ <sup>(۸)</sup>۔

حضرت عمر فاروق نے جب جوانی کی دائر پر قدم رکھا تو یہی عظیم منصب اہل قریش نے آپ کے حوالے کر دیا۔ روایت میں آتا ہے ”وكان عمر بن الخطاب رضى الله عنه من اشراف قریش“ والیہ كانت السفارة فی الجاهلیة“ وذلک ان قریشاً كانت اذا وقعت بیهم حرب و بین غیرهم بعثوا سفيراً وذلک ما فرهم مسافر او فاحرهم معاحرو صوابه بعثوه مسافراً و معاخراً <sup>(۹)</sup>۔ ”یعنی“ آپ شراف قریش میں سے تھے اور جاہلیت کے زمانہ میں آپ کے ساتھ سفارت متعلق تھی یعنی جب قریش کی آپس میں لڑائی ہوتی تھی یا کسی دوسرے ملک سے جنگ ہوتی تھی تو قریش آپ کو ہی سفیر بنا کر بھیجا کرتے تھے یا کبھی اگر آپس میں فخر نسب کے اظہار کی ضرورت لاحق ہوتی تھی تو آپ ہی اس کام کیلئے روانہ کئے جاتے تھے۔“

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ عہد جاہلیت میں جب کہ ابھی نوجوان تھے، قوت فیصلہ، فہم و فراست، حکمت و بصیرت، انتظام و تدبیر کی صداقتوں سے بہرہ ور تھے اور انہی کی بدولت آپ قریش میں معروف بھی تھے اور ممتاز بھی۔ آپ کی قیادت پر اعتماد کیا جاتا تھا۔ خطاب قریش کے ممتاز آدمیوں میں سے تھے۔ طبیعت کے اعتبار سے نہایت سخت گیر تھے۔ مشرکانہ عقائد میں بڑے پختہ، مرد و نظام کے پر جوش حامی و محافظ اور کفر قوم پرست رہنما تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قوم کا دین چھوڑ کر

(۱) سعد ۳: ۲۶۵، میرقصی ۱: ۱۰۸، (۲) سعد ۳: ۲۶۵، ریبی ۱۰: ۴۷، ۳: ۴۱، (۳) سعد ۳: ۲۶۶، (۴) سعد ۸۷: ۸، (۵) حیا ۱: ۲۰، (۶) سعد

۸۷/۱، حیا ۱: ۲، (۷) ریبی ۱۰: ۴۷، ۳: ۴۱، (۸) ۸۳/۱۰، (۹) درکلی ۱۸/۹، (۹) طبر ۱: ۱۱۴، حوری ۱: ۲، حیا ۱: ۲، میرقصی ۱: ۱۰

توحید پر حق اختیار کرنے کے جرم میں اپنے بھتیجے زید بن عمرو کو سخت تکلیفیں دیتے رہے<sup>(۱)</sup>۔ ان کی بیوی صفیہ کے ذریعے سرگرمیوں کی اطلاع حاصل کرتے بالآخر شہر بدر کر دیا اور انہیں حرامیں پنہائی پڑی۔ اس پر بھی ان کی تسلی نہ ہوئی انہوں نے قریش کے اوباش نوجوانوں اور جاہلوں کو ان کے پیچھے لگایا اور یہ کہہ دیا کہ اسے مکہ میں داخل نہ ہونے دو۔ جب کبھی وہ چوری چھپے مکہ میں داخل ہوتے تو وہ لوگ خطاب کو اطلاع دیتے پھر سب مل کر انہیں تکلیفیں دیتے اور وہاں سے نکال باہر کرتے<sup>(۲)</sup>۔ اس کا سبب بروایت ابن ہشام یہ تھا ”کراهية ان يفسد عليهم دينهم و ان يتابعه احد منهم على فراقه“<sup>(۳)</sup>۔ کہ کہیں ان کا دین نہ بگاڑیں اور اس میں سے کوئی الگ ہو کر کہیں ان کا پیروکار نہ بن جائے۔ آخر تنگ آکر وہ شام کی طرف چلے گئے۔ ان واقعات سے بعض مورخین کے اس خیال کی تردید ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ خطاب ایک غیر معروف آدمی تھے۔ اپنے آبائی دین کے تحفظ و دفاع کیلئے یہ منظم کاوشیں اور سرگرمیاں ان کا محفوظ ہونا اس بات کی شہادت ہے کہ وہ با اثر اور نمایاں افراد میں سے تھے۔

خطاب نے دو شادیاں کیں۔ پہلی اسماء بنت وہب جس سے زید بن خطاب پیدا ہوئے<sup>(۴)</sup>۔ حضرت عمر فاروقؓ سے بڑے تھے ابتدائی مسلمانوں میں سے تھے۔ ان کی شہادت کی تمنا جنگ یمامہ کے موقع پر پوری ہوئی۔ حضرت عمرؓ اس سے بہت شدید محبت کرتے تھے اس لئے چھڑنے پر بہت متول ہوئے۔ کہا کرتے تھے ”ما هبت الصبا ولا اقسى بريح ريح“ اور فرماتے تھے ”رحم الله اخي زيدا فانه سبقني الى الحسبين اسم قبي“ و روف الشهادة قبلي“<sup>(۵)</sup> دوسری شادی حنتمہ بنت ہاشم سے کی جن سے حضرت عمر فاروقؓ و ان کی دو بیٹیاں صفیہ اور امیہ (فاطمہ؟)<sup>(۶)</sup> پیدا ہوئیں۔ حضرت عمرؓ کی والدہ حنتمہ بنت ہاشم ہو مخزوم سے تھیں اور نہایت معزز خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کے والد ہشام عرب کے سرداروں اور قبیلہ مخزوم کے رئیسوں میں سے تھے<sup>(۷)</sup>۔ ان کے دادا مغیرہ اس پائے کے آدمی تھے کہ جب قریش کسی قبیلہ سے فیر آزمائی کیلئے جاتے تھے تو فوج کا ہتھم انہی کے سپرد ہوتا تھا<sup>(۸)</sup>۔ وہ خالد بن ولیدؓ اور ابو جہل کی چچا زاد بہن تھیں<sup>(۹)</sup>۔ آپ کی والدہ کا سسہ نسب ساتویں پشت پر رسول اکرم ﷺ سے مل جاتا ہے<sup>(۱۰)</sup>۔ حضرت عمر فاروقؓ واقعہ لیل کے ۱۳ سال بعد<sup>(۱۱)</sup> اور حرب بنار اعظم سے چار سال قبل پیدا ہوئے۔ ان کا اپنا قول ہے کہ ”ولدت قبل الفجار ولا عظم الاخر باربع سنين“<sup>(۱۲)</sup>۔

زیدہ اولاد کی فطری خواہش اہل عرب کے ہاں محض کفایت و معاونت کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ فخر و مہابت کی بنیاد ہونے کی وجہ سے بھی حد سے زیادہ پائی جاتی تھی۔ عام طور پر اسی بنا پر زیادہ شادیاں کرنے کا رواج تھا۔ ان کے والد کے ہاں ادا کی کمی تھی اس لئے ان کی پیدائش پر غیر معمولی خوشی کا اظہار کیا گیا۔ حضرت عمرؓ کو اس لیے بچپن کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں ایک جسد میں جیسا ہوا تھا کہ دفعۃً ایک نعل تھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ خطابؓ کے گھر جیٹا پیدا ہوا ہے<sup>(۱۳)</sup>۔ انہی کے حوالے سے ایک روایت یہ بھی منقول ہے۔ ”رايت مصباحا في مبرن الخطاب فسلمت عنه فھب لي ولد اللبنة للخطاب غلام فكان عمر بن الخطاب رضي الله عنه“<sup>(۱۴)</sup>۔

## ○ ..... مشاغل :

معلوم یہ ہوتا ہے کہ آپ کے والد نے بچپن ہی سے آپ کی تربیت پر خصوصی توجہ دی۔ س لئے آپ کے مزاج و طبیعت اور عقائد و فکار پر اپنے والد کا گہرا اثر ہوا۔ جب حضرت عمرؓ رشید تک پہنچے تو ان کے والد نے انہیں اپنے کاموں میں ساتھ دایا اور عرب کے دیگر معزز گھرانوں کے بچوں کی طرح انہوں نے بھی

(۱) ولسن ۳۶۸، (۲) حنم ۲۶۴، مسعودی ۱، ۷، کثیر ۲۳۸، (۳) حنم ۲۶۶، (۴) بیرونی ۳۴۷، (۵) بعد (۶) بعد (۷) کتب

۸۸، ۹، سبکی ۵۰، (۹) عبد البر ۴۴، (۱۰) مسعودی ۳۲۲، (۱۱) سبکی ۱۱، (۱۲) بعد ۲۶۹، (۱۳) سبکی ۵۰، (۱۴) حنم ۲۶۹،

۱۹۷/۱، حنم ۲۶۴، عبد البر ۵۳/۱، (۱۳) سبکی ۵۰، (۱۴) حنم ۲۶۹،

بکریاں اور اونٹ چرانے شروع کر دیئے<sup>(۱)</sup>۔ ان کے والد کچھ تو اپنے مزاج کی درستی اور کچھ انہیں سخت کوٹھی اور محنت کا عادی بنانے کیلئے ان پر بھر کرتے اور سرد ساراؤں ان کو مشغول رکھتے۔ اس کے پیچھے معاشی مقاصد بھی کار فرماتے، کیونکہ اہل عرب کیلئے تجارت کے علاوہ آمدنی کا بہت بڑا ذریعہ بھیڑ بکریاں اور اونٹوں کی پرورش تھی۔ ان کے والد معاشی اعتبار سے زیادہ خوشحال نہیں تھے اور نرینہ اولاد کی بھی قلت تھی اس لئے ان کی یہ ضرورت تھی کہ زیادہ وقت انہیں کام میں لگا کر بہنامعاشی سہارا بنائیں۔ حضرت عمرؓ اپنی یہ خدمت والی مہمان میں عام طور پر سرانجام دیا کرتے تھے جو مکہ سے ۱۵ میل کے فاصلے پر تھی<sup>(۲)</sup>۔ اپنے عہد خلافت میں آخری حج کے موقع پر اسی وادی سے گزر ہوا تو اپنا بچپن یاد آگیا اور فرمایا: ”بعدها الحمد لله ولا اله الا الله يعطى من يشاء ما يشاء“ لقد كنت بهدا الوادی یعنی صحبان ارحمی ابلالاً للخطاب وکان فظاً غلیظاً یعصی اذا عملت و یصری اذا قصرت وقد اصبحت وامسیت ولیس بی و بین الله احد احشاه اس کے بعد انہوں نے چند عبرت آموز اشعار پڑھے جن میں دنیا کی بے ثباتی اور بڑے بڑے بادشاہوں کے ختم ہو جانے کا تذکرہ ہے<sup>(۳)</sup>۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر فاروقؓ کو بچپن ہی سے بحر پر خود اعتمادی سے نوازا اسی وجہ سے اپنے اہم عربیوں کی قیادت کرتے۔ اپنے سے بڑے لوگوں سے محض عمر کی وجہ سے مرعوب نہیں ہوتے تھے اور دوسرے بچوں کو بھی اس کی تلقین کرتے۔ ایک مرتبہ اپنے بھائی اور چچا راہبھائی کو مخاطب کر کے کہا ”نحن صبیان احداث لا نحقر و انفسکم بعدالة اساکم“<sup>(۴)</sup>۔ ”اپنے آپ کو اس لئے کم تر نہ سمجھو کہ تمہارا سن کم ہے اور کم عمر ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے دل میں بچوں کی عزت اور اہمیت ہمیشہ موجود رہی۔ بقول ابن جوزی ”حضرت عمرؓ مشکل مسائل کے بارے میں چھوٹی عمر کے بچوں تک سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کی عقلوں کی ترمیم کی سے فائدہ اٹھائیں<sup>(۵)</sup>۔ اس میں ایک حکمت یہ بھی نظر آتی ہے کہ ان کو دینی معاملات اور عملی مسائل کی طرف رغبت کیا جائے تاکہ ان میں فہم و فراست دین کی سمجھ اور اجتہادی بصیرت پیدا ہو۔ اس لئے کہ اسلام کا مستقبل انہی سے وابستہ تھا۔

آپؐ نے ان تمام جسمانی مشاغل میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جو ان کے عہد کے جوانوں میں مقبول و مروج تھے۔ ان میں ایک پہلوانی دشتی ہے۔ شعیبی سے روایت ہے کہ بچپن میں حضرت خالد بن ولید اور حضرت عمر فاروقؓ کشتی لڑا کرتے تھے (وہ ان کے ماموں کے بیٹے تھے) حضرت خالدؓ نے ایک مرتبہ ان کی ہڈی توڑ دی۔ علاج کرانے کے بعد ٹھیک ہو گئی<sup>(۶)</sup>۔ اس کے باوجود انہوں نے حوصلہ نہیں ہارا کہ حوصلہ ہارنا ان کی طبیعت ہی میں نہیں تھا۔ بلاآخر اس شوق نے انہیں درجہ کمال تک پہنچا دیا اور میدان عکاظ میں بھی اپنی مہارت و طاقت کا لوہا منوایا جو نخل و طائف کے مابین واقع تھا۔ عہد جاہلیت میں یہاں ہر سال اہل عرب اکٹھے ہوتے اور ایک عظیم میلہ لگتا۔ مختلف قبائل کے جوانوں کے مابین مقابلے ہوتے اور فخر و مسابقت کے دعوؤں کی آرائش ہوتی اور تمام مروجہ فنون کے ماہرین کے درمیان فیصلے ہوئے<sup>(۷)</sup>۔

پہلوانی نے انہیں صحرائے عرب میں اس قدر مشہور کر دیا کہ چرواہوں تک ان کے نام سے شناسا تھے۔ ان کے عزم و ہمت اور قوت ارادی سے بھی آگاہ تھے کہ جس کام کے علمبردار بننے ہیں اسے سر بلند کر کے چھوڑتے ہیں اور انہیں یہ بھی معلوم تھا ہر فن مولا ہیں۔ ابوالفتح کہتے ہیں کہ میں ایک چرواہے سے عاوار سے کہا ”اشعرت ان داک الا عسوا لا یسر اسلام“ ”کیا تو جانتا ہے کہ وہ شخص جو اپنے ہاتھ سے ہر کام کرنے والا ہے مسلمان ہو گیا ہے“ اس نے پوچھا ”المدی کان یسار فی سوق عکاظ“ ”جو بازار عکاظ میں کشتی لڑا کرتا تھا؟“ کہا: ہاں! اس پر اس چرواہے نے کہا ”اما واللہ لو معہم خیراً اولیو معہم شراً“

(۱) سعد ۳/۲۶۶ (۲) بیہق ۱۲/۱۵۳ (۳) سعد ۳/۲۶۶ طبری ۱۱/۲۱۹ م ۱۱۵۲ (۴) حور ۱/۸۹ کنز ۱۵/۲ (۵) ح ۱/۸۹

(۶) کنز ۱۱/۷۱۵ (۷) باقوسہ ۱۱/۱۳۲/۱۳۱



خدا کی قسم تو وہ ان کے خیر کو وسعت دے گا یہ شر کو (۱)۔ دوسرا بڑا شوق جس میں ان کا کمال مسلم تھا وہ شہسواری ہے۔ اس میں ان کی مہارت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ بغیر رکاب کے اپنے ہاتھوں سے گھوڑے کے کانوں کو پکڑ کر اس کی پشت پر کود کر بیٹھ جاتے تھے (۲)۔ ان کا یہ شوق سخی عمر تک قائم رہا ان کے عہد خلافت کا ایک واقعہ ”ابن مسعود انصاری سے مروی ہے کہ ہم لوگ اپنی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک شخص گھوڑے پر سوار سامنے آیا جو اسے ایزد تارہا چل رہا تھا۔ قریب تھا کہ ہمیں کچل دے۔ ہم اس سے ڈر کے کھڑے ہو گئے۔ دیکھا تو وہ عمر بن الخطاب تھے۔ ہم نے کہا کہ یا امیر المؤمنین آپ کے بعد کون ہے؟ فرمایا تمہیں ہی بات کیا معلوم ہوئی؟ مجھے طبیعت میں فرحت معلوم ہوتی تو میں نے گھوڑا لیا اور اس پر سوار ہوا (۳)۔ اس شوق کا ہی نتیجہ تھا کہ انہوں نے عہد خلافت میں گھوڑوں کی افزائش و حفاظت کے خصوصی انتظامات کیے ان کیلئے چراگاہیں مختص کیں۔ اصطبل بنائے بگڑانوں کا تقرر کیا۔ صرف کوفہ میں ناگہانی واقعات کیلئے چار ہزار گھوڑے محفوظ تھے جن کی ذمہ داری سلمان بن ربیعہ بلی کے سپرد تھی جو کوفہ کے کچھ اور لوگوں کے ساتھ مل کر ان کی غرنی اور دیکھ بھال کرتے تھے ہر سال گھوڑوں کی بھی کرائی جاتی تھی۔ کل سترہ شہروں میں اسی قدر تعداد کیلئے ایسے ہی انتظامات کئے گئے تھے (۴)۔ گھوڑوں کی تربیت کی طرف بھی خصوصی توجہ دیتے تھے اور اپنے تجربے سے جو چند اصول اخذ کئے ان کی طرف لوگوں کو راغب کرتے۔ اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ بقول ابو امامہ آپ نے ارشاد فرمایا ”ادبوا الخیل ونسوکوا واتصنوا والقعدو فی الشمس“ (۵)۔ ”اپنے گھوڑوں کی تربیت کرو انہیں سیر کرو انہیں خوب تھکا دو اور انہیں دھوپ میں رکھو۔ ایک مرتبہ اپنے غلام پر فاسے پوچھا تم ہر گھوڑے کو کتنا چارہ کھلاتے ہو؟ اس نے کہا تین تین بیر کے قریب (تین میا صالح) فرمایا ”ان کان هذا المكان اهل بیت من العرب“ (۶)۔ ”کہ گھوڑے عربوں کیلئے ان کے لیل بیت و خاندان کا درجہ رکھتے ہیں۔“

## ۵۔ علمی و ادبی ذوق:

ان مشائخ کے ساتھ ساتھ حضرت عمر فاروق اعلیٰ علمی و ادبی ذوق بھی رکھتے تھے اور عرب کے تمام مروجہ علوم و فنون سے نہیں خصوصی شغف تھا۔ بچپن ہی سے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا۔ ان کا شمار قریش کے ان ۷ آدمیوں میں ہوتا تھا جو بحث نبوی کے وقت لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ آپ تورات کا مطالعہ بروایت کر لیتے تھے۔ ایک مرتبہ آنحضور ﷺ کے پاس تورا کا نسخہ لے آئے اور کہا یہ تورا ہے پھر اسے پڑھنا شروع کر دیا۔ آنحضور ﷺ کا چہرہ مبارک متغیر ہونا شروع ہو گیا تو حضرت ابو بکرؓ نے کہا تمہیں کھونے والیاں کھوئیں رسول اللہ کا چہرہ نہیں دیکھتے؟ حضرت عمرؓ نے ادھر نظر اٹھائی اور کہا میں اللہ کی پناہ لگتا ہوں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے غضب سے۔ ہم راضی ہوئے اللہ کے رب ہونے اسلام کے دین ہونے اور محمد ﷺ کے پی ہونے پر (۷)۔ اسی سلسلے میں ان کا اپنا بیان ہے کہ ”رانی رسول اللہ وانا امسکت مصحفاً قد تشرفت حواشیہ فقال ما هذا؟ قلت جزء من التوراة فغضب وقال واللہ لو کان موسیٰ حیاً ما وسعہ الا اتباعی“ (۸)۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نبی نے عبرانی زبان بھی سیکھ لی تھی۔ حضرت عمرؓ عہد جاہلیت ہی سے علمی ذوق و شوق سے سرشار تھے۔ اس لئے جب مسلمان ہوئے تو اسلام کی ہر پر کردہ علمی تحریک سے فطری طور پر دوسروں کی نسبت زیادہ متاثر ہوئے اور رفتہ رفتہ علم و فضل کے کمال تک پہنچ گئے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے ”بینا انا قائم شریعت یعنی اللہ حتی انظر الی الری بجرى فی ظفری او فی اظفاری ثم ناولت عمر فقالوا فما اولہ قال العلم“ (۹)۔ ”نبی ﷺ نے فرمایا ”ایک بار میں سورہا تھا سوتے میں میں نے دودھ پیا تاکہ میں دودھ کی ہڈی دیکھنے لگ۔ میرے ناخن یا ناخنوں پر یہ رہی ہے پھر میں نے (اپنا پی ہوا دودھ) عمر کو دے دیا۔“ صحابہؓ نے پوچھا اس کی تعبیر کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”علم۔“ حضرت عمرؓ کے اس علمی فضل و تشخص کے سب معترف تھے اور اس کا کھل کر اظہار کرتے تھے۔ ان کے جذبات و احساسات کا اندازہ ابن

(۱) سعد ۳۷۵۳ (۲) سعد ۲۹۳۳ ابن جریر ۱۷ (۳) سعد ۲۲۰۲ (۴) طبرہ ۵۲۴ (۵) جو ۱۹۳ (۶) جریر ۱۶۶

(۷) درمنی ۱۱۵۱۱ (۸) ابن ظہری: ۲۳/۱ (۹) بخاری: ۱۹۸/۲ مسند: ۱۱۲/۷ ترمذی: ۲۸۲/۵ شیر ۱۱۰۴ ح ۹۰ حاکم ۸۰۲ درمنی ۱۲۸۲

واکل کی اس روایت سے کیا جاسکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ عمر کا علم اگر تیرہ روز کے ایک پلہ میں رکھا جائے اور تمام آدمیوں کا علم دوسرے پلہ میں تو عمر کا علم بھاری ہوگا۔ میں نے جب اس کا ذکر ابراہیم سے کیا تو انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم عبداللہ بن مسعود نے اس سے بڑھ کر کہا ہے۔ میں نے پوچھا کیا کہا ہے۔ جواب دیا کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ جب عمر کی وفات ہو گئی تو علم کے دس حصوں میں سے نو حصے جاتے رہے<sup>(۱)</sup>۔ عمرو بن میمون نے ایک مرتبہ فرمایا "عمر ایک تہائی علم کے ساتھ وفات پا گئے۔" جب حکماء ابراہیم کے سامنے بیان کی گئی تو انہوں نے فرمایا علم کے دس میں سے نو حصوں کے ساتھ چلے گئے<sup>(۲)</sup>۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ تمام دنیا کا علم حضرت عمر فاروقؓ کی گود میں چھپا ہوا ہے<sup>(۳)</sup>۔ روایت میں آتا ہے کہ ابن عباسؓ نے عین آدمیوں سے علم سیکھ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ<sup>(۴)</sup>۔ جن علوم و فنون میں انہیں خصوصی مہارت حاصل تھی ان میں ایک نسب دانہ ہے یہ اہل عرب کا شعار تھا۔ ان کے والد اور دلا بھی بہت بڑے نسب تھے۔ سفارت کا موروثی منصب جو انہیں حاصل ہوا اس کا بھی یہ تقاضا تھا کہ اس فن میں انہیں مہارت حاصل ہو۔ چنانچہ انہیں عربوں کے نبیوں کی تفصیل کا ملکہ حاصل تھا<sup>(۵)</sup>۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص سے دریافت کیا کہ تم کس قبیلے سے تعلق رکھتے ہو۔ اس نے بتایا تو پوچھا کیا تمہارے نسب کا تعلق نجران سے بھی ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تعلق ہے اس نے کہا نہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کوئی شخص اگر نجران سے اس کے سلسلہ نسب سے واقف ہو تو میں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ ضرور خبر دے۔ ایک شخص نے کہا اے امیر المؤمنینؓ میں جانتا ہوں اس کو اہل نجران کی ایک عورت نے بتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ٹھیک ہے ہم آثار دیکھ کر قیافہ لگاتے ہیں<sup>(۶)</sup>۔ نسب کے بارے میں بہت تشدد تھے۔ حضرت صہبؓ کو فرمایا کہ "اگر تمہارے اندر تین خامیاں نہ ہوتیں تو تم پر کسی کو مقدم نہ ٹھہراتا۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ تم اپنا نسب عربی بتاتے ہو<sup>(۷)</sup>۔" اس اہتمام کی وجہ انہوں خود بیان فرمائی کہ ہم قرآن میں پڑھا کرتے تھے کہ "لا تو غبوا عن اہلکم فانہ کفرو بکم" کہ اپنے آباء سے منہ نہ موڑو کہ یہ تمہارا کفر ہے یا یہ کہ "ان کفرو بکم ان تو غبوا عن اہلکم"<sup>(۸)</sup>۔ "کہ تمہارا کفر یہ ہے کہ تم اپنے آباء سے منہ موڑو۔"

نسب بہت سے سلمی و معاشی مسائل کی بنیاد ہے اور اس پر بہت سے شرعی احکام کا مدار ہے۔ لہذا حضرت عمرؓ یہ حکم دیتے تھے "نعموا من الانساب ما تروا اصلوں بھا"<sup>(۹)</sup>۔ علم الانساب سیکھو کہ جس کے سبب تم آپس میں لٹے ہو۔ بھی فرماتے "تعلموا انسابکم لتصلوا اور حاکمکم"<sup>(۱۰)</sup>۔ "خاندانی رشتوں سے واقف رہو تاکہ صلہ رحمی کر سکو۔ علم الانساب سے اسی دلچسپی کا نتیجہ تھا کہ حضرت عمر فاروقؓ نے وظائف کیسے رجنروں کا اہتمام نسب کی بنیاد پر کیا اور اس کام کیلئے قریش کے مشہور نسابوں کی خدمات حاصل کیں۔ ان میں عقیل بن ابی طالبؓ، خزیمہ بن نوفلؓ اور جہیر بن مطعمؓ شامل تھے<sup>(۱۱)</sup>۔ اس کام کی انہوں نے اپنی اس مہارت کی بناء پر خود نگرانی کی اور جہاں جھول دیکھا اس کی اصلاح کی۔ چنانچہ جب ناموں کی فہرست غیش کی گئی تو اس میں بنو ہاشم کے بعد بنو تیم اور اس کے بعد بنو عدی درج تھا چنانچہ فرمایا عمرؓ کو اس کے مقام پر رکھو۔ شروع ان سے کہ وہ جو رسول اللہ ﷺ سے قریب تر ہوں<sup>(۱۲)</sup>۔ نسب کا یہ اہتمام کسی تفاخر و تعصب کی بنا پر نہیں تھا بلکہ خالص تمدنی و شرعی ضرورتوں کی بنا پر کیا۔ اس لئے یہ واضح کر دیا کہ "فلا یظن رجل الی القرابة و یعمل لہا عدالہ فان من قصر بہ عملہ لا یسرع بہ سبہ"<sup>(۱۳)</sup>۔ "کوئی شخص قرابت کو نہ دیکھے اور جو (نعت) اللہ کے پاس ہے اس کیلئے عمل کرے کیونکہ جس کے عمل نے اس کے ساتھ کسی کی اسے اس کا نسب پورا نہیں کر سکے گا۔"

(۱) انیر ۱۱/۴، سیوطی ۱۲۰، (۲) دارمی ۱۰۱، (۳) سیوطی ۱۲، (۴) حوری ۱۸۹، (۵) روس ۱۶۶، (۶) سعد ۲۹۰، (۷) حر ۱۱۱، ۲۹۷

(۸) عبداللہ ۹، (۹) حوری ۱۹۶، (۱۰) حوری ۱۹۶، (۱۱) سعد ۲۹۵/۳، سیوطی ۱۷، (۱۲) سعد ۲۹۵، (۱۳) سعد ۲۹۶

حضرت عمرؓ کی مہارت کا ایک اور پہلو زبان دانی بھی تھا۔ عربی زبان پر انہیں دسترس حاصل تھی۔ اعلیٰ علمی و ادبی ذوق نے انہیں عربی زبان میں بھی بصیرت عطا کی۔ زبان کی ہارکیوں سے خوب واقف تھے۔ ان کے خطبات، اقوال اور خطوط اس کا بین ثبوت ہیں۔ ایک مرتبہ ایک اعرابی نے ایک شخص کو قرآن کی یہ آیت یوں پڑھاتے سنا ”اد اللہ بری من المشرکین و رسولہ“<sup>(۱)</sup> یعنی رسولہ کے لام کے نیچے زیر تو کہا کہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ پر یہ نازل نہیں کیا۔ جھگڑا ہوا اور اس کے گلے میں کپڑا ڈال کر کہا میرے اور تمہارے درمیان عمرؓ بن خطاب ہیں۔ چنانچہ جب حضرت عمرؓ کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا گیا تو فرمایا ”صدق الاعرابی انما ہی و رسولہ“<sup>(۲)</sup>۔ حضرت عمرؓ اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ عربی کتاب و سنت کی زبان ہے۔ لوگ جس قدر زیادہ سیکھیں گے اتنا زیادہ ان کی فکر و نظر اور اخلاق و عادات کی اصلاح ہوگی۔ تنقہ فی الدین اور عبادات کے ساتھ تنظیم عربی پر بھی زور دیتے تھے فرمایا ”علیکم بالفقہ فی الدین و حسن العبادة و التعمہ فی العربیة“<sup>(۳)</sup>۔ ان کے نزدیک یہ عقل میں ثبوت اور حوصلہ مندی میں اضافے کا بہترین ذریعہ تھی۔ چنانچہ ارشاد ہوا ”تعلموا العربیة لانہا تثبت العقول و تزيد فی المروءة“<sup>(۴)</sup>۔ ”تعلیم و تعلم کا سلسلہ اگر چہ ذاتی ذوق سے ہی استوار ہوتا ہے، لیکن اس کو پروان چڑھانا حکومت کی آمد واریوں میں سے ایک ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کو اس کا احساس تھا اس لئے انہوں نے اپنے ایک گورنر حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا ”من قبلک بتعلم العربیة فانہا تدل علی صواب الکلام“<sup>(۵)</sup>۔ ”ان کا اپنا یہ طریقہ تھا کہ اگر کوئی زبان کی غلطی کرتا تو اسے سمجھاتے، بجاتے اور اس کی اصلاح کرتے لیکن اگر کوئی کُن و اعراب کی غلطی کرتا تو اسے درے سے سزا دیتے کیونکہ اس طرح جملے کے معنی بھی تبدیل ہو جاتے۔ ابی عمرؓ کے بقول ”کان عمر بن الخطاب اذا سمع رجلاً یخطئ فتح علیہ و اذا اصابه بلحن ضربه بالعروة“<sup>(۶)</sup>۔

ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے کاتب نے حضرت عمرؓ کے نام ایک خط بھیجا اور اس میں لکھا ”من ابو موسیٰ اشعری“ حضرت عمر فاروقؓ نے اسے درہ مارنے اور برطرف کرنے کا حکم دیا۔ اپنے خط میں لکھا ”اذا اتاک کتابی هذا فاصرب کتابک سوطا واعزله عن عملک“<sup>(۷)</sup>۔ حضرت عمر فاروقؓ کی دلچسپی و مہارت کا ایک اور پہلو خطابت و مقررری ہے۔ اس کی افادیت ہر دور میں مسلمہ رہی ہے اور ہمیشہ رہے گی، لیکن اہل عرب کے ہاں ابلاغ کا واحد موثر ذریعہ بھی تھا۔ حضرت عمرؓ کو اس فن میں بھی کمال حاصل تھا۔ ان کے مختلف خطبات جو کتب تاریخ میں محفوظ ہیں۔ یہی ثابت کرتے ہیں کہ وہ اس فن کے تمام اسرار و موز سے آگاہ تھے۔ وہ انتہائی بین البیان اور فصیح الکلام تھے۔ موقع محل کی مناسبت سے چچی ملی بات کرتے۔ مثلاً شیعہ بنی ساعدہ میں جب خلافت کے مسئلے پر انصار و مہاجرین میں گرم گرم بحث و تجویس ہو رہی تھی تو حضرت عمرؓ مجمع کی نوعیت اور کیفیت کو سامنے رکھتے ہوئے پہلے سے ہی تقریر تیار کر کے گئے۔ گفتگو کی ابتدا کرنی چاہی تو حضرت ابو بکرؓ نے روک دیا۔ اس پہل کی وجہ انہوں نے یہ بیان کی ”قد هیات کلاماً قد اعجبی“<sup>(۸)</sup> پھر درمیان میں ایک تقریر کی<sup>(۹)</sup> وہ اتنا اثر پذیر تھی کہ لوگوں نے حضرت ابو بکرؓ پر اتفاق کر لیا۔ ایک اچھا مقرر وہ ہوتا ہے جس کی تقریر میں اس کے جذبات و احساسات کی اس قدر آمیزش ہو کہ جو کچھ وہ کہے اس کا پورا سراپا اس کی جھلک پیش کر رہا ہو۔ اس کی بات میں دلیل بھی ہو، زور بھی ہو، جوش بھی ہو اور اعتدال بھی۔ وہ مجمع کے جذبات کو اپنے جذبات کے ساتھ لے کر چل رہا ہو۔ جس نتیجے تک پہنچنا چاہتا ہے اس کو محسوس حقیقت کے طور پر جلوہ گر کر دے۔ وفات نبوی ﷺ کے موقع پر حضرت عمرؓ کی تقریر<sup>(۱۰)</sup> میں یہ سب خوبیاں شامل تھیں وہاں کی جذباتیت کا نقطہ عروج تھا۔ انہوں نے ہر سامع کے دل و ذہن میں یہ بات اتار دی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کا انتقال نہیں ہوا<sup>(۱۱)</sup>۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابو بکرؓ نے دلائل سے جب یہ ثابت کر دیا کہ رسول اکرم ﷺ اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں تو لوگوں کو پہلی مرتبہ حقیقت کا احساس ہوا اور پھوٹ پھوٹ

(۱) التوبة ۳۹ (۲) المظنی ۲۰۱/۱ (۳) حوری ۱۹۷ (۴) ایضاً (۵) التبی ۲۰۰/۱۰ (۶) ایضاً (۷) بلاذری ۴۲۴/۲ (۸) بخاری ۱۹۴، ۴ (۹) سعد

۱۶۷/۳، بلاذری ۵۸۰/۱۰ (۱۰) بخاری ۱۹۴، ۴، سعد طبری ۲۰۰/۳ (۱۱) طبری ۲۰۰/۳، بلاذری ۵۶۷/۱۰۔

کر دینے لگے اور حضرت عمرؓ خود گر کر بے ہوش ہو گئے<sup>(۱)</sup>۔ تاثیر و نتائج کے اعتبار سے دونوں کے خطبات نفع بخش ثابت ہوئے اور حضرت عمرؓ نے سر عام جو اسکی دی تھی کہ ”جو لوگ یہ سمجھیں گے کہ رسول اللہ وفات پا گئے ہیں آپ واپس آئیں گے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں گے“<sup>(۲)</sup>۔ بقول حضرت عائشہ صدیقہ ”فما كانت من خطبتهما الا بفتح الله بها لقد حوف عمر و ان فيهم لضعافاً فردهم الله بذلك“<sup>(۳)</sup>۔

حضرت عمرؓ کی خطابت کا ایک اور مظہر ان کا وہ خطبہ ہے جو انہوں نے غلیف بنے ہی دیا تھا<sup>(۴)</sup>۔ اس میں انہوں نے اپنے آئندہ کے لئے کچھ عمل اور سیاسی پالیسی کا اعلان کیا۔ اس میں انکساری بھی ہے اور عزم بھی کمزور اور خوفزدہ لوگوں کو حوصلہ دیا اور زیادتی کرنے والوں کو ڈرایا۔ اس کا ہر جملہ حکمت و فراست پر مبنی ہے۔ اس کی جامعیت و صداقت کا یہ عالم ہے کہ راوی کے بقول ”هو الله ما اراد على“<sup>(۵)</sup>۔ ”علاء ازیں انہوں نے اپنے عہد خلافت میں بے شمار خطبے دیئے جو ہمیشہ موقع محل کی مناسبت سے ہوتے<sup>(۶)</sup> تھے۔ ان میں دعوتی بھی تھے اور تربیتی بھی سیاسی بھی اور انتظامی بھی۔ ہمیشہ حمد و ثنائے آغاز کرتے اور سرور کو نین ﷺ نے جامعیت و اختصار کی جو روایت چھوڑی تھی اس پر پوری طرح عمل پیرا رہے۔ بقول زر کلی ”وله كلمات و خطب و مسائل غاية في البلاغة“<sup>(۷)</sup>۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے خطابت کا آغاز کب کیا؟ اس بارے میں تاریخ خاموش ہے لیکن اغلب یہی ہے کہ خطابت کا فن انہوں نے عہد جاہلیت ہی سے سیکھ لیا تھا۔ چنانچہ مولانا شبلی نعمانی نے ان کے منصب سفارت کو دلیل بنا کر یہ صحیح نتیجہ نکالا ہے کہ یہ منصب صرف اسی شخص کو مل سکتا تھا جو قوت تقریر اور معاملہ فہمی میں کمال رکھتا تھا<sup>(۸)</sup>۔ ان تمام دلچسپیوں کے ساتھ ساتھ حضرت عمرؓ کا ذہنی شعری بھی نہایت شستہ اور بلند تھا۔ عہد جاہلیت میں شعر و سخن کا بہت چرچا تھا۔ حضرت عمرؓ نے ان محفلوں سے خوب فائدہ اٹھایا۔ عکاظ اور اس کے علاوہ دوسرے مقامات پر شاعروں کا کلام سنتے اور جو شعر پسند آتے انہیں اپنے ذہن میں محفوظ کر لیتے اور مناسب موقعوں پر مزے لے لے کر پڑھتے<sup>(۹)</sup>۔ احمسی کہتے ہیں ”ما قطع عمرُ امراً الا تمثل بيت من الشعر“<sup>(۱۰)</sup>۔ ”ایک دن نابذہ جعدی سے فرمایا ”مجھے اپنے وہ اشعار سنو جو اللہ کے نزدیک جائز ہیں۔“ اس نے چند اشعار سنائے تو آپ نے پوچھا ”یہ تمہاری کہے ہیں؟“ بول ”ہاں“ فرمایا ”خطاب کے اونٹ چراتے ہوئے میں نے نہ تو یہ شعر پڑھے ہیں“<sup>(۱۱)</sup>۔ ”روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ عہد جاہلیت کے بڑے بڑے شعراء اور ان کے کلام سے نہ صرف بخوبی واقف تھے بلکہ تنقیدی جائزوں کے ان میں ترجیحات بھی قائم کرتے تھے۔ امر القیس کے بارے میں کہا ”سابق الشعراء و خسف لهم عین الشعر“<sup>(۱۲)</sup>۔ ”بقول اطل آپ نے نابذہ زبانی کو متعدد مرتبہ کئی شعر اپر فضیلت دی“<sup>(۱۳)</sup>۔ ان میں سے آپ کے عہد میں جب شام فتح ہو تو وہاں تشریف لے گئے۔ غوطہ دمشق کو دیکھا۔ شہر محلات اور باغات پر نظریں ڈالیں اور یہ آیت پڑھی ”کم ترکوا من جنات و عیون و دروع و مقام کریم و نعمۃ کانوا فیہا فاکھیں کذلک و اور شاہا قوماً آخوہیں“<sup>(۱۴)</sup>۔ ”بعد ازاں اسی مناسبت سے نابذہ کے وہ اشعار پڑھے“<sup>(۱۵)</sup>۔ آپ کا پسندیدہ شاعر زہیر بن ابی سلمیٰ تھا۔ اس کے اشعار انہیں سب سے زیادہ یاد تھے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رات کے وقت دوران سفر مجھے اپنے پاس بلایا اور پوچھا کیا تمہیں سب سے بڑے شاعر کا کوئی شعر یاد ہے؟ میں نے پوچھا وہ کون ہے؟ فرمایا جس نے یہ شعر کہا ہے ولو ان حمداً یحلد الناس اخلدوا ولكن حمد الناس لیس بمخدد۔“

(۱) طبری، ۲۰۱، ۳۔ بلاذری II ۵۶۶/۱ (۲) بخاری ۱۹۴/۴ طبری ۳/۲۔ ملاذری II ۵۶۶/۱ (۳) بخاری ۱۹۴/۴ (۴) سعد ۲۷۵، ۳ طبری ۲۰۱، ۴

سیوطی ۱۱۲، ۱ (۵) سعد ۲۷۵، ۳ (۶) معجم کتب ملاحظہ ہو طبری ۵/۲۱۱، طبری (۷) زر کلی ۲۰۱، ۴ (۸) شبلی II ۵۲ (۹) حبش ۱۰۲، ۱ (۱۰)

حررہ ۱۸۶ (۱۱) حبش ۳۳، ۱ (۱۲) شبلی ۶۸، ۱ (۱۳) شبلی ۹۲، ۱ (۱۴) انصاری (۱۵) کبیر II ۷۷

میں نے کہا یہ زہیر کا شعر ہے۔ فرمایا ”فداک شاعر الشعراء۔“ میں نے کہا وہ کیوں؟ فرمایا ”لانه كان لا يعاظر في الكلام، وكان يتعجب وحشي الكلام ولا يمدح احداً الا بما فيه (۱)۔“ وہ مطلق کلام نہیں لے تا ناخوس الفاظ و اشعار سے بچتا ہے اور کسی کی اس وقت تک تعریف نہیں کرتا جب تک اس میں وہ وصف نہ ہو۔ ابن عباس کہتے ہیں پھر انہوں نے مجھے کہا کہ مجھے اس کے اشعار سنو۔ میں نے سائے اتنے میں صبح ہو گئی تو فرمایا سورہ واقعہ کی تلاوت کرو۔ میں نے تلاوت کی پھر اپنی سواری سے اترے اور صبح کی نماز ادا کی اور اس میں سورہ واقعہ ہی کی تلاوت فرمائی (۲)۔

چلتے پھرتے مختلف اشعار ان کی زبان پر جاری رہے۔ ایک مرتبہ دلائی خوجا سے گزر ہوا تو بچپن کا وہ وقت یاد آ گیا جب یہاں اونٹ چرایا کرتے تھے اور تمثیلاً اشعار پڑھے (۳)۔ ایک مرتبہ مکہ کی طرف سفر کرتے ہوئے راستے کا ساتھی انتقال کر گیا۔ اس کی وجہ سے راستے میں رکے دفن کیا اور اس کے بارے میں اشعار کہے (۴)۔ سفیان ثوری کہتے ہیں کہ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ”ان شرح الشباب والشعر الا مسود ما لم يعاين مكان جنوما۔“ سفر جیبہ کے موقع پر ساری رات وقفے وقفے سے اشعار پڑھتے رہے (۵)۔ اسی طرح اپنی فقہی تعلیم میں بھی اشعار استعمال کرتے تھے (۶)۔ کتب تاریخ میں س کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ ایسے اشعار جن کے شاعر کا نام نہیں علم نہ ہوتا تھا تو وہ لوگوں سے دریافت کرتے (۷)۔ انہیں اپنے زمانے کا سب سے بڑا شعر شناس سمجھا جاتا تھا۔ شبلی نے علامہ ابن رطیق القیر والی کی کتاب الفہمہ کے قلمی نسخے سے ان کا قول نقل کیا ہے ”وكان من انقد اهل زمانه للشعر وانقد هم فيه معرفة (۸)۔“ آپ شعر کی اہمیت سے بخوبی واقف تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا اہل عرب کا بہترین فن اشعار ہیں کہ انسان اپنی ضروریات میں اس سے کام لیتا ہے، مٹی کو مائل کرتا ہے اور بنخیل کو مہربان بنالیتا ہے (۹)۔ ”مجھے اشعار کو یاد کرنے کی ترغیب دیتے اور عمال کو بھی یہ حکم دیتے تھے کہ اس کا اہتمام کریں۔ چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کو لکھا ”مرہم بروایت الشعر لانه يدل على معالي الاخلاق (۱۰)۔“

کتب تاریخ میں متعدد ایسے واقعات موجود ہیں کہ آپ کے اس ذوقی سخن سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ضرورت مند اپنی حاجات اشعار کے ذریعے پیش کرتے اور آپ انہیں پورا کرتے۔ ایک اعرابی نے شعر کے ذریعے سواہی کیا۔ اتاحاثر ہوئے کہ غلام سے کہا کہ میرا یہ کرتا اس کے حوالے کر دو۔ پھر فرمایا بخدا اس قیص کے ماسوا میرے پاس اور کوئی قیص نہیں (۱۱)۔ عہد عمر میں عورتوں میں ذوق شاعری موجود تھا۔ ایک دن مدینہ کی گلیوں میں گشت کرتے ہوئے ایک خیمے کے پاس سے گزرے وہاں سے ہلکی سی آواز آرہی تھی۔ کان لگا کر سنا تو ایک بوجھانغیہ اشعار گارہی تھی من کر ایسی رقت طاری ہوئی کہ رو پڑے۔ پھر اسلام علیکم کہا اس نے اندر بلایا تو فرمائش کر کے دوبارہ وہ اشعار سنے (۱۲)۔ حضرت عمرؓ کی بیویوں میں سے عائشہؓ بہت معروف شاعرہ تھیں۔ انہوں نے آپؐ کی وفات پر بھی مرثیہ لکھا (۱۳)۔ حضرت عمرؓ کے نزدیک شعر کی حیثیت ابدی اور دائمی ہوتی ہے۔ اس کے ذریعے کسی کی تعریف و توصیف یا بددولت کے اہاروں سے زیادہ حقیقی ہوتی ہے۔ روایت میں آتا ہے کہ زہیر نے ہرم بن سنان کی مدح میں کچھ اشعار کہے جس سے خوش ہو کر اس نے زہیر کو امن و اکرام سے نوازا۔ ہرم کی اولاد میں سے کسی سے حضرت عمرؓ کی ملاقات ہوئی تو فرمایا وہ اشعار سنو۔ سننے کے بعد کہا ”لقد كان يقول فيكم فيحس۔“ اس نے کہا ”يا امير المؤمنين اما كنا نعطيہ فلعجل۔“ آپؐ نے فرمایا ”ذهب ما اعطيتموه وبقي ما اعطاكم (۱۴)۔“ اسی طرح زہیر کے بیٹے سے ملاقات ہوئی تو پوچھا اس جلے کا کیا بنا جو ہرم نے

(۱) قیہ ۱۷ ۷۶/۱، اصل: ۱۲۳۰ ۳ (۲) طبرقہ ۲۲۲/۴، حورقہ ۱۹۰، قیہ ۱۷ ۸۱/۱ (۳) سعد ۲۶۷/۳، طبرقہ ۲۱۹، حورقہ ۱۸۵ (۴) حورقہ ۱۸۵

(۵) طبرقہ ۲۲۳، (۶) ایضاً (۷) قیہ ۱۷ ۹۳/۱ (۸) شبلی ۳۶۶ (۹) ططاوی ۱۶۳ (۱۰) لغتی ۱۱ ۲ (۱۱) حورقہ ۱۹، شبر ۶۶ (۱۲) ۱۳

حورقہ ۸۱ (۱۳) دیری ۳۶۵/۱۰، ذکر کلی ۷/۴، کثیر ۱۴۰/۷، سیوطی ۱۴۶، (۱۴) قیہ ۸۲/۱۰، اصل ۱۲۳۷/۳

تمہارے والد کو دیا تھا؟ اس نے جواب دیا اسے زمانے نے بوسیدہ کر دیا ہے۔ آپ نے فرمایا ”لكن الحلل التي كساها ابوك هر ما لم يلها الدهر“<sup>(۱)</sup>۔

حضرت عمرؓ کو اس بات کا بخوبی احساس تھا کہ جہاں اچھے اشعار اچھائی کو پھیلانے کا بہترین ذریعہ ہوتے ہیں وہاں برے اشعار برائیوں کے فروغ کا سبب بنتے ہیں اس لئے وہ ان پر خوب گرفت کرتے تھے۔ میان کے عامل نعمان بن عدی نے ایسے اشعار کہے جن میں شراب کا ذکر تھا۔ حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو معزول کر دیا<sup>(۲)</sup>۔ حلیہ نے زیر قاس کی جھوکی۔ حضرت عمرؓ کے سامنے شکایت کی گئی تو انہوں نے وہ اشعار سنے۔ حضرت حسان بن ثابت اور لبید بن ربیعہ سے پوچھا کہ کیا یہ جھوٹے؟ انہوں نے تصدیق کی تو اسے قید کر دیا<sup>(۳)</sup>۔ وہ اشعار کے ذریعے رحم کی اہل کر رہا لیکن حضرت عمرؓ نے توجہ نہ دی۔ آخر اس نے یہ اشعار پیش کئے۔

ماذا اودت لافراخ بلى موح

حمر الحواصل لا ماء ولا شجر

القيت كما بهم في قعر مظلمة

فاغفر عليك سلام الله يا عمر<sup>(۴)</sup>

آپ کا ان چھوٹے چھوٹے چوزوں کے بارے میں کیا ارادہ ہے جو ذی مرغ میں پڑے ہوئے ہیں جہاں نہ تو پانی ہے نہ درخت۔ آپ نے ان کے کمانے والے کو تاریک گڑھے میں ڈال دیا ہے۔ اے عمرؓ معاف کر دے تجھ پر اللہ کی سلامتی ہو۔ ان اشعار نے حضرت عمرؓ کو رونا دھونا اور اس سے آئندہ بازار بننے کا وعدہ لے کر چھوڑ دیا<sup>(۵)</sup>۔ اشعار آپ کے بہت سے اہم اقدامات کی بنیاد بنتے رہے۔ اس کی ایک مثال رات کو نکلتے کے دوران ایک عورت کی آواز سنی جو اپنے شوہر کے فراق میں اشعار پڑھ رہی تھی۔ اس سے پوچھا تو نے کہیں برے کام کا ارادہ تو نہیں کیا؟ اس نے کہا معاذ اللہ! آپ نے فرمایا اپنے نفس کو قابو میں رکھ صبح ہی اسے بلاتا ہوں چنانچہ صبح ہوئی تو قاصد روانہ کر دیا۔ بعد ازاں حضرت عہد کے مشورے سے یہ حکم جاری کیا کہ چار ماہ سے زیادہ میدان جنگ میں کسی لشکر کو نہ روکا جائے<sup>(۶)</sup>۔ اسی طرح بعض تعزیرات بھی اشعار کی بنیاد پر جاری فرمائیں مثلاً ایک عورت کو نصر بن حجاج سہمی کے بارے میں شعر پڑھتے سنا اسے بولا وہ بہت خوبصورت تھا۔ اس کے بال کاٹنے کا حکم دیا اس کا حسن اور بڑھ گیا۔ آخر اسے بصرہ کی جانب جلا وطن کر دیا<sup>(۷)</sup>۔ اسی طرح بنو سہم کے ایک اور شخص ابو ذئب کے بارے میں عورتوں کو گفتگو کرتے سنا کہ مدینہ کا سب سے خوبصورت فرد ہے۔ اسے صبح بلا کر کہا ”است واللہ ذلیہیں“ اسے بھی بصرہ روانہ کر دیا<sup>(۸)</sup>۔ ایک کاغذ پر جعدہ کے بارے میں چند اشعار پڑھے جس سے انہیں معلوم ہوا کہ جعدہ ایسی عورتوں کی تاک میں لگا رہتا ہے جن کے خاوند جنگ پر گئے ہوئے ہوں۔ اسے بلا کر سواتزیانے لگائے اور ان عورتوں کے پاس جانے سے روک دیا<sup>(۹)</sup>۔ عبد صدیقی میں مانعین زکوٰۃ کے خلاف حضرت خاند کی فوج کے مقابلے میں جو گردہ لڑے ان میں ہبسی سلیم کا ایک گردہ بھی تھا جس کا سردار ابو شجرہ تھا وہ بعد میں مسلمان ہو گیا۔ حضرت عمرؓ کے پاس آیا وہ اس وقت مساکین کو عطیے دے رہے تھے۔ اس نے بھی کچھ مانگا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کیا تو نے یہ شعر نہیں کہا ہے ”ارويت ومعي من كتبتيه خالد امي لارجو بعد ها ان اعمر۔“ (میں نے خالد کے لشکر سے اپنے نیزے کی پیاس بجھائی۔ اب میں امید کرتا ہوں کہ میری عمر ورازی ہو جائے گی۔“ حضرت عمرؓ نے یہ شعر پڑھ کر اسے درہ مارا۔ اس نے کہا اے امیر المؤمنین اس کو تو اسلام نے محو کر دیا<sup>(۱۰)</sup>۔

(۱) واصل ۳/۱۲۳۷ (۲) ربرہ ۱۱/۳۸ بلادرجہ ۱۱/۲۱۷/۱ (۳) قبہ ۱۷/۲۴۵ واصل ۲۳۳/۱ (۴) قبہ ۱۷/۲۴۵ (۵) ایضاً (۶) سیرطی ۱/۱۴۱ حوری ۱

۸۱ (۷) جعدہ ۳/۲۸۵ (۸) ایضاً (۹) ایضاً (۱۰) بلادری ۱۱/۲۱۷/۱

آپ مسجد میں شعر پڑھنے کو تاپند کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مسجد میں داخل ہوئے، حضرت حسان شعر پڑھ رہے تھے ان کی طرف (گھور کر) دیکھ تو حضرت حسان نے کہا میں تو اس وقت یہاں شعر پڑھا کرتا تھا جب آپ سے بہتر شخص (رسول اللہ ﷺ) یہاں موجود ہوتے تھے<sup>(۱)</sup> یہ سن کر خاموش ہو گئے۔ بقول ابو ہریرہؓ اس بات سے ڈرے کہ اگر منع کیا تو رسول اللہ ﷺ کی اجازت کی دلیل لے آئیں گے<sup>(۲)</sup>۔ اب یہی یہ بات کہ آپ خود بھی شاعر تھے یا نہیں امام شیعہ سے منقول ہے ”کان عمر شاعراً“<sup>(۳)</sup>۔ وفات نبوی ﷺ پر حسب ذیل مرثیہ کہا۔

مازلت مذ وضع القراض لجنه  
ولوی مریضاً عانفاً التوقع  
لنفاً علیہ ان یزول مکالہ!!  
عما لیبقی بعده التصجع  
فلیبکہ اهل المدينة کلہم!!  
والمسلمون لکل ارض تجزع  
نفسی فلذاؤک من لنا فی امرنا  
ام من نشاورہ اذا طرجمع<sup>(۴)</sup>

ان اشعار کے علاوہ حضرت عمرؓ کے ذاتی اشعار کی تفصیل ہمیں کہیں نہیں ملتی۔ البتہ اپنی گفتگو ”خطبات اور شعر و سخن کی محافل میں جو شعر وہ پڑھتے تھے ان میں سے بہت سے ایسے ہیں جن کے شعراء کا ہمیں علم نہیں ہو سکتا ہے کہ ان میں سے بعض ان کے اپنے کہے ہوئے ہوں اور انہوں نے اس کی صراحت کرنا پسند نہ کیا ہو لیکن یہ بات ثابت شدہ ہے کہ وہ باقاعدہ شاعر نہیں تھے اور نہ ہی شاعر کے طور پر معروف تھے۔ اس بات پر خود ان کا اپنا قول دلالت کرتا ہے۔ ”تم بن نویرہ سے ان کی ملاقات ہوئی تو فرمایا ”اپنے بھائی مالک بن نویرہ کے ہاں میں وہ اشعار سننا جو تم نے کہے ہیں۔“ جب سن لئے تو فرمایا ”گو کنت احسن الشعر“ لقلت فی اخی ربد مثل الذی قلت فی اخیك<sup>(۵)</sup>۔ ”شعر و سخن سے اس قدر گہرے تعلق کے باوجود آپ کے علمی و ادبی ذوق کی تسکین کا اصل سرچشمہ کلام الہی تھا جس کے سامنے علم و فن کی تمام وسعتیں سمٹ گئیں۔ شعر و ادب کی جولانیاں تھم گئیں اور فصاحت و بلاغت کی تمام چوٹیاں سرنگوں ہو گئیں۔ لبید بن ربیعہ سے کہا کہ اپنے شعر سنو۔ انہوں نے سورۃ البقرہ کی تلاوت کی اور فرمایا ”ما کنت لا قول شعراً بعد اذ علمنی اللہ البقرہ وال عمران“ حضرت عمرؓ نے یہ جواب سن کر ان کے دھنیے میں پانچ سو درہم کا اضافہ کر دیا<sup>(۶)</sup>۔

### ○..... معاشی سرگرمیاں:

آپ نے عہد جاہلیت میں تمام مروجہ علوم و فنون میں بھرپور حصہ لیا اور ان میں کامل و کرمہارت حاصل کی۔ اس کے ساتھ ساتھ فکر معاش سے بھی غافل نہیں رہے۔ جوانی کی سرحدوں میں قدم رکھتے ہی اہل قریش کا سب سے محبوب اور معزز مشفق تجارت اختیار کیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے شام و عراق کے بہت سے سفر کئے۔ یہ سفر اگرچہ کاروباری نوعیت کے ہوتے تھے لیکن آپ کے ذوق تجسس، طلب علم اور سفارتی ذمہ داریوں کے احساس نے انہیں کثیر المقاصد بنادیا۔

(۱) بخاری، ۷۹، ۴، ۵۱۰/۲ (۳) ۵۱۰/۲، ۵۱۰/۲ (۴) بخاری، ۱۸۳ (۵) بخاری، ۲۴۸۱، ۱۷۵۵

بخاری، ۱۱۸/۱ (۶) ۱۷۵/۱

اس دوران وہ عراق و شام کے بائو لوگوں اور حکمرانوں سے ملاقاتیں بھی کرتے تھے۔ بقول مسعودی "ولعمرو بن الخطاب رضى الله عنه اخبار كثيرة فى اسفاره فى الجاهلية الى الشام والعراق مع كثير من طوك العرب والعجم" (۱)۔ مسعودی کہتے ہیں کہ میں نے ان سفروں کی تفصیل اپنی کتب اخبار الزمان اور کتاب الاوسط میں دی ہے، لیکن افسوس ہے کہ آج یہ کتب ناپید ہیں۔ بہر حال یہ حقیقت ہے کہ وہ شام و حجاز کے مابین تجارت کیا کرتے تھے (۲)۔ ان سفروں میں سے ایک عجیب و غریب واقعہ دمشق کا ہے۔ آپ قریشی تہجد کے ساتھ دمشق آئے اور جب وہ باہر چلے گئے تو حضرت عمرؓ ایک کام کیلئے پیچھے رہ گئے اور ابھی آپ شہر ہی میں تھے کہ ایک جرئیل نے اچانک آپ کو گردن سے پکڑ لیا اور وہ آپ سے جھگڑنا چاہا گیا، مگر وہ آپ کی برابری نہ کر سکا۔ پس اس نے آپ کو ایک گھر میں داخل کر دیا جس میں مٹی کھلاڑا نیچلے اور زخمیل پڑی تھی اور اس نے آپ سے کہا کہ اس کو یہاں سے ہٹا کر یہاں تک لے جاؤ اور آپ پر دروازہ بند کر دیا اور واپس چلا گیا اور دوپہر کو آیا۔ حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں میں سوچ بچار کرتا ہوا بیٹھ گیا اور اس نے جو مجھے کہا تھا میں نے اس میں سے کچھ بھی نہ کیا۔ جب وہ آیا تو کہنے لگا کیا وجہ ہے کہ تم نے کام نہیں کیا؟ اور اس نے اپنے ہاتھ سے میرے سر پر کھ مارا۔ حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کھلاڑا پکڑ کر اسے مارا اور اسے قتل کر دیا اور سیدھا باہر نکل گیا اور شام کی تاریکی میں ایک راہب کی خانقاہ کے پاس آکر بیٹھ گیا، راہب نے مجھے دیکھا تو اتر کر مجھے خانقاہ کے اندر لے گیا اور مجھے کھلایا پڑا اور اس نے مجھے تنہا بھی دیا اور مجھے غور سے دیکھنے لگا اور اس نے میرے معاملے کے متعلق بھی مجھ سے دریافت کیا۔ میں نے کہا میں اپنے اصحاب کو کھو چکا ہوں۔ اس نے کہا تو خوف زدہ آنکھ سے دیکھ رہا ہے اور وہ مجھے پہچاننے لگا۔ پھر اس نے کہا "میسائیوں کو معلوم ہو چکا ہے کہ میں ان کی کتاب کو سب سے بہتر جانتا ہوں اور میں تجھے وہ شخص پاتا ہوں جو ہمیں اپنے اس ملک سے نکال دے گا۔ کیا آپ مجھے میری اس خانقاہ کے متعلق پروا دینا لکھ کر دے سکتے ہیں؟" میں نے کہا "ارے آپ تو اور طرف چلے گئے ہیں اور وہ مسلسل مجھ سے اصرار کرتا رہا" حتیٰ کہ میں نے اس کا مطلوبہ پروا نہ اسے لکھ دیا اور جب واپس کا وقت آیا تو اس نے مجھے ایک گدھی عطا کی اور کہا اس پر سوار ہو جاؤ اور جب آپ اپنے اصحاب کے پاس پہنچ جائیں تو اسے اکیلے میرے پاس بھیج دینا یا شب یہ جس خانقاہ کے پاس سے گزرے گی وہ اس کا اکرام کریں گے۔ میں نے اس کے حکم کے مطابق عمل کیا اور جب حضرت عمرؓ بیت المقدس کو فتح کرنے آئے تو یہ راہب آپ کے پاس آیا اور وہ اس پروا دے کے ساتھ جابیہ میں مقیم تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس کیلئے اسے تانڈ کر دیا اور اس پر شرط عائد کی کہ جو مسلمان اس کے پاس سے گزرے اس کی ضیافت کرے اور انہیں راستہ بتائے (۳)۔ تہجد کی غرض سے کئے گئے انہی سفروں میں سے آپ نے ظہور اسلام سے قبل اپنے شام کے ایک سفر کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس سفر میں کسی غول بیہانی نے آپ کو راستے سے ہٹانے کی کوشش کی تھی، لیکن آپ نے اپنی کمرہ میان سے نکال کر اسے ٹھکانے لگا دیا (۴)۔ بعد رسالت میں بھی تہجد ہی آپ کا ذریعہ معاش رہا۔ چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے جب حدیث استیذان پیش کی تو فرمایا کہ گواہی لاؤ۔ جب صحابہ کرامؓ نے گواہی دے دی تو بقول ابو سعید خدریؓ آپ نے فرمایا "خصی علی من امر رسول اللہ ﷺ الہانی الصنف بالاصواف یعنی الخروج الى نجارة" (۵)۔ "رسول اللہ ﷺ کا ایک حکم مجھ سے مخفی رہا، افسوس کہ بازاروں کی خرید و فروخت نے مجھے غافل کر دیا" آپ کی مراد تہجد تھی۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کیلئے استبرق کا ایک جب لے کر گئے جو بازار میں بک رہا تھا اور عرض کیا اسے خرید لیجئے عید اور وفود کی پذیرائی کیلئے پہنا کیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "یہ تو اس کا لباس ہے جس کا آخرت میں حصہ نہیں" (۶)۔ "قرآن کا یہ فرمان آپ پر صادق آتا ہے "رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله" (۷)۔ بخاری نے اسی باب کے ذیل میں یہ روایت نقل کی ہے کہ آنحضور ﷺ ایک مرتبہ

(۱) مسعودی: ۳۳۹، ۲ (۲) در کئی ۲۰۳، ۵ (۳) کبیر ۱۱/۷ (۴) مسعودی: ۱۵۶/۲ (۵) بخاری: ۶۳، ۶، مسلم: ۱۷۹، ۶، ۴۶۹، ۱ (۶) بخاری: ۲۲۷



ہمارے لیے مسجد میں موجود تھے۔ خطبہ کیلئے کھڑے ہوئے کہ باہر اونٹوں کا ایک (تجارتی) قافلہ آیا۔ سوائے بارہ آدمیوں کے سب لوگ ادھر چلے گئے۔ چنانچہ آیت اتری <sup>(۱)</sup> ”وَادْأَوَّلُ حَارَّةٍ أَوْ لَهْوًا أَنْصَبُوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَانِمًا“ <sup>(۲)</sup>۔ ”ترمذی کی روایت میں یہ صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس رہ جاے والے صحابہ کرام میں حضرت عمرؓ بھی شامل تھے <sup>(۳)</sup>۔

یہی سلسلہ عہد خلافت میں بھی جاری رہا۔ نحسی کے بقول حضرت عمرؓ زمانہ خلافت میں تجارت کرتے تھے <sup>(۴)</sup>۔ یہ تجارت اپنے ذاتی مال سے ہوتی تھی <sup>(۵)</sup> مگر کبھی کاروباری مقصد کیلئے رقم کی ضرورت پیش آتی تو ذاتی طور پر کسی سے قرض لے لیتے۔ ابراہیم سے مروی ہے کہ عمرؓ بن الخطاب تجارت کرتے تھے حالانکہ وہ خلیفہ تھے (بروایت یحییٰ) انہوں نے شام کیلئے ایک تجارتی قافلہ تیار کیا اور عبدالرحمن بن عوف کے پاس (اور بروایت فضل) نبی ﷺ کے کسی صحابی کے پاس (بروایت یحییٰ و فضل) چار ہزار درم قرض مانگنے کو بھیجا۔ اسہو نے قاصد سے کہا کہ ان سے کہو کہ وہ بیت المال سے لے میں پھر اسے ادا کر دیں۔ قاصد ان کے پاس آیا اور ان کے جواب کی خبر دی تو یہ انہیں ناگوار ہوا۔ پھر ان سے عمرؓ ملے اور کہا کہ تم کہتے ہو بیت المال سے لے لیں۔ اگر میں اس (مال) کے آنے سے پہلے مر جاؤں تو تم لوگ کہو گے کہ اسے امیر المؤمنین نے یا ہے وہ رقم تم نبی کو چھوڑ دو اور قیامت میں مجھ سے اس کا مواخذہ ہو۔ نہیں! (میں اس سے باز آیا) میں چاہتا ہوں کہ میں تمہارے جیسے حریص اور لالچی سے لوں کہ اگر میں مر جاؤں تو وہ اس مال کو (بروایت یحییٰ) میری میراث سے (بروایت فضل) میرے مال سے لے لے <sup>(۶)</sup>۔ ”سپ کی ان تجارتی سرگرمیوں کے کئی واقعات کتب تاریخ میں موجود ہیں۔ خلافت کے ساتھ ساتھ انہیں جاری رکھنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا تھا کہ وہ قیمتوں کی سطح اشیاء کی قلت و کثرت اور لوگوں کی ضروریات سے براہ راست آگاہی حاصل کرتے۔ لوگوں کے کاروباری معاملات کی اصلاح کرتے ان کی مشکلات کے ازالے کا بروقت انتظام کرتے اور عوام سے قریبی تعلق قائم رکھتے۔ حسب ذیل روایت سے آپ کی ان سرگرمیوں اور ان کے مختلف پہلوؤں کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اصح بن نباتہ کا بیان ہے کہ میں اور میرے والد زروہ سے روانہ ہوئے صبح ہوتے ہی مدینے جا پہنچے۔ صبح صادق کا عمل تھا لوگ نچر ادا کر رہے تھے نماز ہو چکی تو لوگ اپنے اپنے دھندوں پر نکل کھڑے ہوئے۔ تھوڑی دیر میں ہم نے دیکھا کہ ایک شخص ہاتھ میں درہائے ہوئے ہمارے سر پر تھا۔ یہ شخص یہ کہتا ہوا سنا گیا ”اعرابی! اسے پھو گے“ اور اس کے بعد جس قیمت پر وہ خریدنا چاہتا تھا اس پر اعرابی (یعنی میرے والد) کو راضی کر لیا۔ معلوم ہوا یہ مول تول کرنے دار شخص خود فاروق اعظمؓ تھے۔ اس کے بعد عمرؓ بازار کا چکر لگانے گئے اور دکانداروں اور اہل کاروبار کو معاملات، ورلین دین میں اللہ سے ڈرنے کی ہدایت فرمانے گئے۔ عمرؓ کبھی بازار کے ایک سرے تک جاتے کبھی دوسرے سرے تک۔ ایک دفعہ وہ میرے والد کے قریب سے گزرے تو بوسے مجھے رقم ابھی تک نہیں ملی۔ ”میرے والد نے پھر کہا ”بکی وعدہ تھا آپ کا؟“ ایک چکر اور لگایا اور فاروقؓ کا اور میرے والد کا ایک بار پھر ”مناسا منا ہوا“ اس بار میرے والد نے وہی بے صبری کے الفاظ پھر دہرائے۔ جواب دیا گیا ”میں جب تک تمہارا مطالبہ نہ دے دوں گا جاؤں گا نہیں۔“ تیسری بار عمرؓ جب پھر اسی جگہ سے گزرے جہاں میرے والد کھڑے تھے تو عالم غیظ و غضب میں وہاں پر جھپٹ پڑے اور ان کا گریبان تھام لیا اور کہا ”تم مجھ سے جھوٹ بولے تم نے میرے ساتھ زیادتی کی۔“ یہ کہہ اور ان سے دست و گریباں ہو گئے۔ یہ منظر دیکھ کر بہت سے مسلمان میرے والد پر ٹوٹ پڑے اور کہا ”او خدا کے دشمن! تو نے امیر المؤمنین سے یہ جسارت کی ہے؟“

عمرؓ نے میرے والد کا گریبان اس مضبوطی سے تھام لیا کہ وہ بالکل بے بس ہو گئے۔ عمرؓ بھی بے حد شدید و ر قوی۔ پھر وہ انہیں لئے لئے ایک قصاب کی دکان پر پہنچے۔ فرمایا ”میں نے تم کو قسم دلائی تھی کہ اس شخص کو اس کا حق دے دینا اور مجھے میرا منافع۔“

قصاب نے کہا "امیر المؤمنین! میں نے ابھی تک ایسا نہیں کیا لیکن میں اس شخص کو اس کا حق دیتا ہوں اور آپ کو آپ کا منافع۔" قصہ یہ تھا کہ عمرؓ نے میرے والد سے قصاب کیلئے جانور خرید کئے تھے تو میرے والد کو جانور کی قیمت اور عمرؓ کو اس کا منافع ملنا تھا۔ چنانچہ جب میرے والد کو ان کا مطالبہ مل گیا تو عمرؓ نے فرمایا "تمہیں تمہارا مطالبہ مل گیا۔" انہوں نے کہا "ہاں۔" فرمایا "لیکن ہذا مطالبہ تم پر اب تک باقی ہے۔ تم نے مجھے زرد کو ب کیا اور کئے رسید کئے اور میں نے جوابی کارروائی کو اللہ کی خاطر ترک کر دیا۔"

اصح کہتے ہیں "وہ منقراب تک میری نکلروں میں ہے۔" عمرؓ نے اپنے منافع کی ایک ران ایک ہاتھ میں نکلا رکھی ہے اور دائیں ہاتھ میں ان کا درہ ہے۔ وہ پورے بازار سے اسی عالم میں گزرنے لگے اور اپنے لونٹ پر جانیٹھے<sup>(۱)</sup>۔

تجداتی معاملات میں مہدت کے ساتھ ساتھ آپ کی لمانت و دیانت کا یہ نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت بھی آپ کے شامل حال رہتی ہے اور آپ کے کم سرمائے میں بھی دوسروں کے مقابلے میں زیادہ برکت شامل ہوتی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ "میں جلوہ لاکہ مہم میں شریک تھا اور میرے حصہ میں اتنا مال غنیمت آیا تھا کہ میں نے اسے چالیس ہزار درہم میں فروخت کر دیا۔ اس خطیر رقم کو لے کر میں مدینہ آگیا اور اپنے والد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ والد نے مجھ سے پوچھا: "یہ کیسی رقم ہے؟"

میں نے کہا: "میں نے اپنے حصہ کامل غنیمت فروخت کیا ہے۔"

کہنے لگے "عبداللہ! اگر یہ رقم مجھے دوزخ کی آگ کی طرف لے گئی تو پھر تمہیں اس کا فدیہ دینا پڑے گا۔"

عبداللہ نے کہا "میرے پاس جتنا مال ہے وہ سب کا سب میں بطور فدیہ دینے کیلئے تیار ہوں (یعنی غیر مشتہ ہے)"

امیر المؤمنین اس پر بھی مطمئن نہ ہوئے اور کہا "میرا خیال ہے کہ اتنی رقم تم کو اس لئے مل گئی کہ لوگوں نے سوچا ہو گا کہ تم رسول اللہ ﷺ کے صحابی اور ان کی صحبت میں اٹھنے بیٹھنے والے اور امیر المؤمنین کے بیٹے اور ان کے خاندان کے سب سے معزز کن ہو۔ اس لئے تمہارے معاملے میں رعایت ہونی چاہئے۔ تم سے ترجیحی سلوک کیا گیا ہے۔ مجھے یہ منظور ہے کہ بجائے اس کے کہ تم سے ایک درہم کی بھی رعایت کی جائے تم سے ایک درہم زیادہ ہی وصول کیا جائے۔" پھر مجھ سے یہ تمام مال لے کر فرمایا "اب میں تم کو اتنا منافع دلاؤں گا جو اس منافع سے زیادہ ہو گا جو عام حالات میں کسی اہل قریش کو ملتا۔" بعد ازاں امیر المؤمنین صلیبیہ بنت ابی عبیدہ کے یہاں گئے اور ان سے جس قدر رقم بھی وہ دے سکتی تھیں اس کا مطالبہ کیا۔ صلیبیہ نے یہ رقم خوشی دے دی۔ اب امیر المؤمنین، ایک ہفتہ تک بالکل مجھ سے الگ تھلک رہے۔ پھر تاجروں کو بلوایا اور اس قلیل مدت میں انہوں نے جو مال حاصل کر لیا تھا اس کا معاملہ تاجروں سے کر لیا گیا تھا۔ درہم نہیں چارہاکہ کی رقم ملی۔ اس رقم میں انہوں نے اسی ہزار درہم مجھے دیئے اور تین سو بیس ہزار درہم سعید کے پاس بھیج دیئے۔ سعد کو ہدایت دی گئی تھی کہ وہ اس رقم کو غازیان معرکہ میں تقسیم کر دیں اور جو لوگ اس معرکہ میں جام شہادت نوش کر چکے ہیں ان کے حصے کی رقم ان کے وارثوں میں تقسیم کر دی جائے<sup>(۲)</sup>۔ آپ کو معلوم تھا کہ معاشی سرگرمیوں میں مقابلہ و مسابقت ہی سے جوش و خروش پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے لوگوں میں یہ جذبہ پیدا کرنے کی کوشش فرماتے۔ ابن میرین کہتے ہیں "ایک مرتبہ میں نے نماز مغرب حضرت عمرؓ کے پیچھے پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو کر وہ میری طرف آئے۔ میرے پاس ایک گھڑی تھی۔ "پوچھ" یہ کیا ہے؟" میں نے جواب دیا "یہ گھڑی ہے میں اسے لے کر بازار میں کھڑا ہوں اور اپنا کاروبار کرتا ہوں۔" آپ اہل قریش کی ایک جماعت کی طرف

متوجہ ہوئے اور فرمایا "اے اہل قریش دیکھو یہ اور اس کے ساتھ تجارت میں تم پر غالب نہ ہونے پائیں (بازی نہ لے جائیں) کیونکہ یہ ایک ٹلٹ سلطنت ہے۔" ایک اور روایت کے مطابق فرمایا "فان التجارة ثلاث الا ماره (۱)۔" آپ کا ارشاد ہے "لا مال لمن لا رفق له (۲)۔" وہ مال ہی نہیں جو ہمیں نفع نہ دے۔ چنانچہ اس کا اصول یہ بتایا کہ "اگر کوئی شخص تین مرتبہ کسی شے کی تجارت کرے لیکن اسے کچھ بھی حاصل نہ ہو تو اسے چاہئے کہ کاروبار بدل لے (۳)۔ آپ کے اس حکیمانہ قول میں تاجروں کیلئے اعتدال و توازن کا ایک لازوال درس پنہاں ہے کہ نہ تو انہیں اس قدر جلد باز ہونا چاہئے کہ بار بار کاروبار بدلتے رہیں کہ کسی پر بھی انہیں دلجمعی اور یکسوئی حاصل نہ ہو۔ کیونکہ اس میں کسی بہت بڑے اور غیر متوقع نقصان کا امکان زیادہ ہوتا ہے اور نہ ہی انہیں اس قدر لکیر کا فقیر ہونا چاہئے کہ کچھ حاصل ہونے پر ایک ہی کام سے چٹے رہیں۔ آپ کے عہد خلافت میں سلطنت اسلامیہ مسلسل وسعت پذیر رہی۔ نئے نئے مسائل پیدا ہوتے رہے ذمہ داریوں کا بوجھ بڑھتا رہا جس کے نتیجے میں تمہاری سرگرمیاں ماند پڑتے پڑتے ختم ہو گئیں۔ ایک ایسا تاجر جو لایب بھی ہے وہ اس کیفیت میں اپنے جذبات و احساسات کا ظہار اس سے بڑھ کر اور کس پیرائے میں بیان کر سکتا ہے۔ جو تجارت و لایب کے حسین امتزاج کا مرقع بھی ہو "لو كنت ناعراً ما اخترت عمى العطر شيئا ان فالتى وبعده لم يفتنى وبعده (۴)۔"

## قبول اسلام

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبول اسلام میں ایک نمایاں اہمیت و مقام کا حامل ہے۔ یہ محض ایک فرد کی تبدیلی نہیں تھی بلکہ حالات اور تاریخ کے رخ کی تبدیلی کا عمل تھا۔ مظلومیت کے گڑھے میں گرے ہوئے حق پرستوں کا قائد عزت و وقار کی شاہرہ پر گامزن ہو گیا۔ بقول حضرت عبداللہ بن مسعودؓ دلائل اعرافہ مذ اسلم عمر<sup>(۱)</sup> مسلمانوں میں ایک نیا اعتماد اور ولولہ پیدا ہوا۔ یوسیوں کے بادل چٹھ گئے اور باطل کے سامنے سر اٹھا کر چلنے کے قابل ہو گئے۔ صدیوں سے مشرکوں کے نجس و ناپاک جسموں اور رسموں سے آلودہ رہنے والے خاندان میں توحید پرستوں کے مقدس طبقے کا آغاز ہوا اور جبر و استبداد کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ نمودار ہوا۔ حضرت مسیبؓ اس کا نقشہ کچھ یوں کھینچتے ہیں۔ لما اسلم عمر رضی اللہ عنہ اظهر الاسلام و دعا عليه اليه علانية و جلسنا حول البيت حلقا و طفا بالبيت و نصفنا ممن غلظ علينا و ردنا عليه بعض ماياتي به<sup>(۲)</sup> اس کی خوشیاں آسمانوں میں سنائی گئیں اور جبریل امین نے ہادی برحق ﷺ کو اطلاع دی یا محمد! لقد استبشر اهل السماء باسلام عمر<sup>(۳)</sup> نو حلال باطل کے ایوانوں میں زلزلہ آگیا اور پکارا اٹھے کہ آج مسلمانوں نے ہم سے اپنا سارا بدلہ چکا دیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے لما اسلم عمر قال المشركون قد انتصف القوم اليوم ما<sup>(۴)</sup> اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی<sup>(۵)</sup> يا ايها النبي حسبك الله ومن اتبعك من المؤمنين<sup>(۶)</sup> حق و باطل کی کشمکش نے مرحلے میں داخل ہو گئی۔ اب کھل کر ایک دوسرے کے مد مقابل آگئے اور اس طرح حضرت عمرؓ کے ایمان کے قبول پر اعلیٰ عالم کے سامنے دونوں کا فرق واضح ہو گیا۔ سرور کونین ﷺ نے انہیں فاروق کے لقب سے نوازا۔ ارشاد ہوا ان الله جعل الحق على لسان عمر و قلبه و هو العاروق فرق الله به بين الحق والباطل<sup>(۷)</sup> قبول اسلام کی اس اہمیت کا تقاضا ہے کہ اس کا حقیقی جائزہ لیا جائے۔ اس کے پس منظر، محرکات، عوامل اور اثرات و نتائج کو واضح کیا جائے۔ پھر یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ اس کا جس قدر کھوج لگایا جائے، آپ کی سیرت و شخصیت کے مختلف گوشے اتنا زیادہ نکھر کر سامنے آتے ہیں۔ آپ کی فہم و فراست، جرات و ہمت، غصہ و رقت، محبت و نفرت، اخلاص و غیرت، عقلی ہذا القیاس آپ کی ہر صلاحیت کو بھرپور عکس ہمارے سامنے آپ کے عہد جاہلیت کا کھل کر سراپا دکھاتا ہے۔

آپ کسی شخصیت سے متاثر ہو کر دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کا بھی ان پر کوئی اثر نہ پڑا آخری لمحے تک شدید دشمن رہے۔ آپ قربت داری اور تعلقات کی بناء پر بھی ہرگز مسلمان نہیں ہوئے۔ حالانکہ آپ کے قبیلے کے بہت سے مرد اور عورتیں یہاں تک کے آپ کے اکلوتے بھائی اور دونوں بہنیں اور بہنوئی اسلام قبول کر چکے تھے۔ وہ انہیں اسلام کے قریب تو کیا لانے آپ کے تشدد کے خوف سے چپتے پھر رہے ہوتے۔ کسی کی یہ ہمت نہیں تھی کہ ان کے سامنے اسلام کی حمایت میں کوئی ایسا جملہ بھی کہہ سکے۔ آپ اپنے حراج اور اپنی سیرت کے اعتبار سے بھی اس قدر پاکیزہ اور شریف النفس نہیں تھے کہ اسلام کی اخلاقی تعلیمات اور تقدس سے فطری طور پر قریب ہو جاتے۔ آپ مروجہ نظام سے بیزار اور اس کے باغی بھی نہیں تھے کہ اس کے خلاف رد عمل کی وجہ سے اسلام کا علم تمام لینے۔ اس کے برعکس آپ مشرکانہ نظام کے علمبردار اور پر جوش حامی تھے۔ تو پھر آپ کیسے مسلمان ہوئے؟ پس اس کا

(۱) بخاری، ۲/۲۷۰، مسند، ۳/۲۷۰، حاکم، ۳/۸۲، کبیر، ۱۱/۷۹ (۲) مسند، ۳/۲۶۹، سیوطی، ۱۱/۱۱۵ (۳) مسند، ۳/۱۲۹، حاکم، ۳/۸۲، بخاری، ۱۸/۹

سیوطی، ۱۱/۳۱، مسند، ۳/۸۵، ابی، ۱۱/۵۷، سیوطی، ۱۱/۱۱۴ (۵) سیوطی، ۱۱/۱۱۴ (۶) سورہ لیلہ، ۸۰/۶۴ (۷) مسند، ۳/۲۸، ابی، ۱۱/۵۷

جواب تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ عام تاثر یہ ہے کہ آپ کسی واقعے سے اچانک اس قدر متاثر ہو گئے کہ خلاف توقع کھلم شہادت پڑھ لیا اور مسلمان ہو گئے۔ اس سلسلے میں کتب تاریخ میں مجموعی طور پر پانچ مختلف روایتیں ہمیں ملتی ہیں اور ہر روایت کو قبول اسلام کے واقعے کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ ان میں سے نہ تو کسی کو مکمل طور پر رد کرنا ممکن ہے اور نہ ہی ایک وقت سب کو تسلیم کرنا۔ ان میں بس ایک بات مشترک ہے وہ یہ کہ آپ کو صرف اور صرف قرآن حکیم کے اعجاز اور انقلابی دعوت نے بدل دیا۔ ہمارے نزدیک یہ روایتیں بس اسی چیز پر دلالت کرتی ہیں کہ آپ نے قرآن مجید کئی مرتبہ سنا اور ہر مرتبہ متاثر ہوئے۔ اس کے نتیجے میں آپ کے اندر ایک کشش برپا ہو گئی جو بلا آخر اسلام پر منتج ہوئی۔ ہم نے آپ کے اندر کے اس تاریخی عمل کو واقعاتی شہادتوں اور حوالوں سے واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس لئے مذکورہ روایات میں بھی اسی اعتبار سے ترجیح قائم کی ہے۔ اسلام کی طرف آپ کا یہ ذہنی اور نفسیاتی سفر چھ مرحلوں میں مکمل ہوا۔

### ۵..... پہلا مرحلہ:

حضرت عمرؓ نے ایک مجلس میں گفتگو کرتے ہوئے فرمایا ایک مرتبہ میں بتوں کے قریب سویا ہوا تھا۔ ایک شخص ایک ٹھنڈا لایا اور بت پر اسے ذبح کر دیا۔ اس پر کسی چپختے والے نے اتنی رور سے چیخ کر کہا کہ میں نے ایسی شدید جج کبھی نہیں سنی تھی۔ اس نے یا حلیع امر صحیح روجل فصیح بقول لا الہ الا انت کہا۔ اے چست و چالاک شخص! کامیابی کی طرف لے جانے والا ایک امر ظاہر ہونے والا ہے۔ ایک فصیح شخص کہے گا کہ ”تیرے سوا (اے اللہ) کوئی معبود نہیں۔“ تمام لوگ اٹھ کھڑے ہوئے میں نے کہا اب میں یہ معلوم کئے بغیر نہ رہوں گا کہ اس کے پیچھے کیا چیز ہے۔ اس نے میں پھر وہی آواز آئی۔ اے چست و چالاک شخص! کامیابی کی طرف لے جانے والا امر ظاہر ہونے والا ہے۔ ایک فصیح شخص کہے گا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں اور میں بھی کھڑا ہو گیا کچھ ہی دن گزرے تھے کہ کہا جانے لگا ”نبی مبعوث ہو گئے ہیں“ (۱)۔

ابن ہشام کی روایت ہے کہ فرمایا ہم اس ذبح کئے ہوئے ٹھنڈے کی تقسیم کا انتظار کر رہے تھے کہ یکایک یہ آواز آئی۔ یہ واقعہ ظہور اسلام سے کچھ ہی دنوں پہلے کا ہے ایک مہینہ یا کچھ دن کہ۔ ”اسی طرح یا طلح کے بجائے یا ذر“ کے الفاظ ہیں۔ ابن ہشام نے مزید یہ بھی لکھا ہے کہ بعض روایتوں میں ”ارحل بصیح ہسان فصیح“ بھی آیا ہے (۲)۔ ابن سعد کی روایت میں مذکورہ جملے حضرت مجاہد سے نقل کئے گئے ہیں اور اس میں یہ وضاحت بھی ہے کہ وہ ٹھنڈے ہی غفار کا تھا۔ بعد میں جب حساب لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ میں اسی وقت بعثت نبوی ﷺ ہوئی (۳)۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ظہور اسلام کے وقت ہی آپ کو اس کی اطلاع ہو گئی۔ حالانکہ یہ گورخ آپ کے شعور میں جگہ نہ پاسکی۔ اس لئے کہ مروجہ عقائد و نظریات پر غیر حزرزل اعتماد و یقین نے اسے تحلیل کرنا شعور میں منتقل کر دیا۔ آپ کسی صورت میں بھی اس کی طرف توجہ دینے کیلئے تیار نہ تھے۔ اس لئے کہ کسی بات کو جانچنے اور پرکھنے بغیر معجزاتی طور پر مان لینا آپ کی طبیعت کے خلاف تھا۔ آپ کے عین عالم جوانی میں اسلام کی دعوت کا آغاز ہوا تھا۔ یہ ہمہ گیر دعوت انقلاب ابتدائی تین سال خفیہ طور پر سعید روحوں میں نفوذ کرتی رہی۔ آپ نے بھی دیگر اہل قریش کی طرح نظر انداز کیا، لیکن جب اس کا اعلانیہ اظہار ہوا اور اس کے بتوں کا ذکر آیا اور ان کے عیوب سامنے آنے لگے تو سب مخالفت و دشمنی میں متحد ہو گئے (۴)۔ کیونکہ اس سے ان کے اس بنیادی عقیدے اور نظریے پر ہر اور است ضرب لگی جس پر پورا مشرکانہ نظام قائم تھا۔ اسلام کا حلقہ اثر وسیع ہوتا گیا اور اس سے کسی سرد جنگ کا آغاز ہوا جس کا دائرہ گمروں، مخلوق، کلیوں، بازاروں اور ہر قسم کی سماجی و مذہبی تقریبات تک پھیل گیا۔ بلا آخر یہ کشش اہل جاہلیت کی پر تشدد یورش میں بدل گئی اور انہوں نے ”سرد کو نین“ کے طور پر آپ پر ایمان لانے والے ہر شخص پر ظلم و جور کی انتہا کر دی۔ جبر و استبداد میں جو لوگ سب سے نمایاں تھے ان میں

ایک حضرت عمر بن خطاب بھی تھے۔ اس لئے تاریخ میں یہ صراحت ہے لما بعث الله محمداً ﷺ كان عمر مسلماً عليه و على المسلمين<sup>(۱)</sup>۔ آپ کا اپنا قول یہ ہے کہ میں رسول اکرم ﷺ پر تمام لوگوں سے زیادہ سخت تھا۔ کنت اشد الناس على رسول الله<sup>(۲)</sup>۔ ایک شب جب نبی محترم ﷺ کا پیچھا کر رہے تھے انہوں نے جگ آکر فرمایا: ”يا عمر ما تروى كفى ليلاً و نهاراً“<sup>(۳)</sup>۔

رسول خدا سے دشمنی کی وجہ وہ پر اشد دعوت تھی جو جاہلیت کو فکر و نظر، علم و عمل اور عقیدہ و اخلاق کے ہر میدان میں چیلنج کر رہی تھی۔ مہذب جو بھی اس کو قبول کر لیتا وہی آپ کا نشانہ ہو جاتا جس کسی پر بتائیں چلتے تشدد میں کوئی کسر نہ چھوڑتے اس کی بہت سی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ قلم سبے دلوں میں بیسی اسرائیل میں بیسی المؤمنین کی ایک خلاصہ لپٹ تھیں جو حضرت عمرؓ سے پہلے مسلمان ہو گئیں۔ انہیں قیامت دیتے دیتے جب تھک جاتے تو کہتے ہیں معذرت خواہ ہوں کہ تمہیں صرف تھکاوٹ کی وجہ سے چھوڑا ہے۔ وہ کہتے ہیں ”اگر تم اسلام نہ لائے تو اللہ تمہیں بھی اسی طرح عذاب دے گا“<sup>(۴)</sup>۔ حضرت حسان بن ثابتؓ کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ عمرؓ کو مارنے کیسے کہ آیا تو اس وقت نبی ﷺ لوگوں کو دعوت دے رہے تھے اور آپ کے اصحاب کو عذاب و ایذا دیا جا رہا تھا۔ میں عمرؓ کے پاس ٹھہرا وہ نبی مؤمل کی باندی کو گزار سے باندھے گلہ دار ہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ ان کے ہاتھوں میں لٹک جاتی تو میں کہتا کہ مر گئی ہے۔ پھر وہ اسے چھوڑ دیتے اور زنجیر پر ٹوٹ پڑتے اور اس کے ساتھ بھی وہی ہی سلوک کرتے<sup>(۵)</sup>۔ اس سلسلے میں اس قدر حساس تھے کہ اپنے قریبی رشتے داروں کو بھی معاف نہیں کرتے تھے چنانچہ آپ کے بہنوئی سعید بن زید کہتے ہیں ”لو دائی مولی عمر علی الاسلام لما و اخوته و ما اسلم“<sup>(۶)</sup>۔ ”قول اسلام دالے دن اپنی بہن اور بہنوئی کو اس قدر مارا کہ لہو لہاں کر دیا۔ اپنی بہن کا تو سر پھاڑ دیا اور اس قدر خون بہا کہ خود اپنے روئے پر بچھتاے لیکن ان کی طرف سے یہی جواب تھا ”قد اسلمنا و اما بائلا و رسولہ فاصع ما بدالك“<sup>(۷)</sup>۔ ”اس دن دراصل اس نیت سے گھر سے نکلے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کر دیں“<sup>(۸)</sup>۔ آپ کی یہ اسلام دشمنی محض جہل و تعصب کی بنا پر نہیں تھی بلکہ پورے شعور و ادراک کے ساتھ تھی۔ اس کے پیچھے گہری سوچ پھلا تھی۔ وہ عام آدمیوں کے برعکس اس دعوت کے اثرات کو خطہ عرب کے وسیع پس منظر میں دیکھ رہے تھے۔ سفارت جیسے اہم منصب نے انہیں یہ بات سوچنے پر مجبور کر دیا کہ نظریے اور عقیدے کے اتفاق نے قبائل عرب کو چھوٹے موٹے اختلافات کے باوجود جس طرح مربوط کر رکھا ہے یہ نئی دعوت اس کا شیرازہ بکھیر دے گی۔ وہ سارے مل و ملت کے جن کا اس نظام کے استحکام میں اہم کردار ہے اور معاشرے کے معزز ہیں ان کی قیادت و سیاست پر اعتماد ختم ہو جائے گا اور وہ سارے معبود کہ جو قریش کی حاجت روائی کر رہے ہیں جن کے دم قدم سے ساری روئیں ہیں۔ ان پر یقین و ایمان متزلزل ہو جائے گا اور وہ دیں منٹ جائے گا جس نے زندگی کے ہر شعبے کو اپنے سانچے میں ڈھال کر ایک مکمل سماجی نظام کی شکل اختیار کر رکھی ہے تو پھر کون سی چیز باقی رہے گی جو عرب کو متحد رکھ سکے اس پر جتنا غور کرتے اتنا زیادہ انہیں عمر عربیؓ اور ان کے پیروکاروں پر خصر آتا اور وہ آپ سے باہر ہو جاتے۔ ان محرکات کا اندازہ ان کے قبول اسلام کی رویت سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ چنانچہ نسیم بن عبد اللہ نے انہیں لکھا کہ اس کے ہوئے اور تیور بدلے ہوئے دیکھا تو پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ جواب دیا ”ارید محمداً هدا الصابی الذی لوف امر لوفیش و سفہ احلامها و عاب دینها و سب آلہنها فاقطلہ“<sup>(۹)</sup>۔ ”حضرت عمرؓ کے پر تشدد رویے کی ایک اور وجہ یہ بھی تھی کہ ان کے پچازاد بھائی زید بن عمرو بن نفیل نے بھی توحید کا علم بلند کیا تھا اور بت پرستی ترک کر دی تھی اور دیں ابراہیمی کو اختیار کر لیا تھا“<sup>(۱۰)</sup>۔

(۱) تہذیب ۵۳، ۴: ۵۱۱/۲۲ حمر ۵۱۱/۲۲ (۲) حوری: ۷۷: ۵۴/۱ (۳) حوری: ۱ (۴) حمر ۳۴۱/۱ (۵) بلاذری: ۱۹۵: ۵ (۶) حمر ۱۹۵: ۵ (۷) حمر ۱۹۵: ۵ (۸) حوری: ۱ (۹) حمر ۱۹۵: ۵ (۱۰) حمر ۱۹۵: ۵

نوٹ: یہاں بھی حضرت ابو بکر صدیقؓ سے یہی خبر ملے گی کہ وہ کبھی نہ کبھی (۶) حمر ۳۴۱/۱ (۷) حمر ۳۴۱/۱ (۸) حمر ۳۴۱/۱ (۹) حمر ۳۴۱/۱ (۱۰) حمر ۳۴۱/۱

اور یہ اعلان کیا کہ میں ہزاروں کے مقابلے میں ایک رب کی عبادت کرتا ہوں۔ ”اربا واحداً ام الف رب اذین ادا تقسمت الامور“<sup>(۱)</sup>۔ ”بھئی یہ شعر پڑھتے کہ میں نے اپنی گردن اس ذات کے آگے جھکا دی جس کے آگے بھاری چٹانوں کو اٹھانے والی زمین نے سر خم کیا۔“ واسلمت وجهی لمن اسمنت له الارض لحمل صخراتها“<sup>(۲)</sup>۔ ”علاوہ ازیں دیگر تمام جاہلانہ رسموں سے بھی کنارہ کشی اختیار کر لی“۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”یاتی یوم القیامۃ واحده“<sup>(۳)</sup>۔ حضرت عمرؓ کے والد خطاب ان پر ظلم کرتے تھے، کئے کے غنڈوں کو ان پر مسلط کر رکھا تھا۔ یہاں تک کہ وہ پہاڑی علاقے میں قیام کرتے رات کو چھپ کر کے آتے آخر وہ تنگ آکر شام کی طرف چلے گئے اور وہیں پر قتل کر دیئے گئے<sup>(۴)</sup>۔ یہ سب کچھ حضرت عمرؓ کے سامنے ہوا۔ اس طرح توحید کے خلاف نفرت ان کے شعور میں پیوست ہو گئی۔ یہ خطاب ہی کی تربیت کا نتیجہ تھا کہ آپؐ اپنے ہائی دین کے ساتھ اس قدر جڑ گئے کہ وہ اس میں کسی قسم کا رجحان برداشت نہیں کر سکتے تھے، خواہ خونی رشتوں کو منقطع کیوں نہ کرنا پڑے۔ چنانچہ توحید کی وہی دعوت اس سے کہیں زیادہ پر زور، مبلغ اور واضح انداز میں دوبارہ سنی تودل میں وہ چھپی نفرت دوبارہ جاگ اٹھی اور پھر اسے مٹانے کے درپے ہو گئے۔

ابتداء میں ان کا خیال تھا کہ اس نئی آواز کو بھی اپنی غتوں اور کارروائیوں سے دبا دبانے میں کامیاب ہو جائیں گے، لیکن انہیں شدید مایوسی ہوئی جب انہوں نے دیکھا کہ اس میں دن بدن توانائی پیدا ہو رہی ہے اس کے نہ توٹنے کا امکان ہے نہ پسپا ہونے کا۔ اس کی جلالت کی طرف کان متوجہ ہو رہے ہیں اور اس کی صداقت و حقانیت دلوں میں اتر رہی ہے۔ ایک شخص کی ذات سے نکل کر جماعت کی شکل اختیار کر رہی ہے تو ترپ، اٹھتے، انہیں کچھ سمجھ نہ آتا کہ کیا کریں۔ ان کے پاس اسے روکنے کیسے صرف ایک ہی ہتھیار تھا تشدد، مگر یہ کتنا ناکارہ اور بے اثر تھا کہ اس کے ذریعے کسی ایک مسلمان کو بھی واپس اپنے دین کی طرف پلٹنے پر مجبور نہ کر سکے۔ اس موقع پر لا شعور میں دہی ہوئی مالہ کی ٹیپی ڈانے شعور کے ہاروں کو چھیڑنا شروع کر دیا۔

## ○..... دوسرا مرحلہ:

کہہ کی سر زمین پیردان عمرؓ کیلئے تنگ ہوتی جا رہی تھی۔ قرآن کی اثر انگیزی نے ایک تہلکہ برپا کر دیا تھا۔ ہر قبیلے سے مرد اور عورتیں اس پر ایمان لانے لگیں<sup>(۵)</sup>۔ تو عرب کے سوراؤں نے یہ فیصلہ کیا ”لا تسمعوا لهذا القرآن والغوا فیہ لعلکم تلعبون“<sup>(۶)</sup>۔ ”اور دوسری طرف ان کا اپنا یہ عالم تھا کہ راتوں کو چھپ چھپ کر رسول اللہ ﷺ کی تلاوت سنا کرتے تھے (۸)۔ انہیں راتوں میں سے ایک مہارک رات وہ بھی تھی جب حضرت عمر فاروقؓ کو پہلی مرتبہ براہ راست قرآن سننے کا اتفاق ہوا حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آپؐ کا یہ بیان نقل کیا ہے ”میری ہمشیرہ در دزدہ میں جتا تھا اس سلسلے میں مجھے گھر سے باہر آنا پڑا اور رات کی تاریکی میں خانہ کعبہ میں داخل ہوا۔ اتنی دیر میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے ہاتھ میں اٹھائے حجر اسود کی جانب گئے۔ نماز سے فارغ ہو کر ہر تشریف لائے تو میں نے صدائے دل انگیز سنی جو پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ آپؐ باہر نکلے تو میں بھی پیچھے پیچھے ہو لی۔ آپؐ نے پوچھا کون ہے میں نے کہا عمرؓ نے کہا اے عمر تم دن رات میرے تعاقب میں لگے رہتے ہو۔ میں ڈر کر کہیں آپؐ بدعت دے دیں اور کہیں ”اشہد ان لا اله الا الله والله رسول الله“ آپؐ نے ارشاد فرمایا، سے چھپاؤ۔ میں نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا میں سے اسی طرح سر عام ظہر کروں گا جس طرح شرک کو کرتا تھا“<sup>(۹)</sup>۔ اس روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اپنا کام بھول کر اسے زیادہ سے زیادہ سننے کیلئے پیچھے پیچھے چل دیئے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی

(۱) هشام ۲۴۱، کثیر ۲۴۲/۲، (۲) هشام ۲۴۱، کثیر ۲۴۲/۲، (۳) واصل ۳۵، کثیر ۲۳۹، ۲، (۴) مسعودی ۱، ۷ کثیر ۲۳۸، ۲۱

ہشام ۲۴۱، (۵) حسام ۲۴۱، کثیر ۲۴۳/۲، (۶) سورۃ جو السجدہ ۲۷، (۷) سورۃ جو السجدہ ۲۷، (۸) ح ۱، ۳۳۷، (۹) یہ ۲، ۳۱۹، سورۃ جو السجدہ ۲۷، ۵۔

ہے کہ مخالفت کی شدت کی وجہ سے اسے جاننے کا جتنس بھی شدید ہو گیا۔ آپ سمجھنا چاہتے ہوں گے کہ ”خزروہ کون سی بات ہے جو لوگوں کو دین اور قبیلے سے جدا کر دیتی ہے“ لیکن کیا اس موقع پر ہی اسلام بھی قبول کر لیا؟ یہ ناممکن ہے کیونکہ اگر پہلی ہی مرتبہ قرآن سننے سے فوری طور پر مسلمان ہونے والے ہوتے تو پھر ابتدائی چند مسلمانوں میں ان کا شمار ہوتا پھر یہ آپ کی اپنی ہی بیان کردہ دیگر روایتوں کے بھی خلاف ہے۔ اس کا آخری حصہ جس میں اسلام کا کھل کر اعلان کرنے کا عزم ہے وہ دہرا راقم کے موقع پر بھی آپ نے کیا تھا بعد میں اس پر عمل بھی کر کے دکھایا۔ ہمارے نزدیک اس واقعے کا آپ کے ذہنی سفر میں اہم رول ہے۔

### ○ .... تیسرا مرحلہ:

حق و باطل کی سر درجنگ زوروں پر تھی دل کل کے میدان میں مسلسل شکست کھا رہے تھے۔ ایک طرف بھوس ابن اسحاق انہوں نے غنڈوں کو اکس کر جھلنے اور جسمانی ازیتیں دینا شروع کر دیں اور دوسری طرف رسول خدا ﷺ کے خلاف شاعری 'جادوگری' کہانت اور جنون کا پروپیگنڈا شروع کر دیا، لیکن اس کے باوجود آپ کچھ چپے بچے بغیر احکام خداوندی کا کھل کر انہماک فرماتے رہے۔ ان کے دین کی برائیوں اور ناپسندیدہ باتوں کو خوب واضح کرتے اور ان کے بتوں سے بیزاری اور حالات کفر سے علیحدگی کا اعلان کرتے<sup>(۱)</sup>۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی آپ کو ستانے کا وطیرہ اپنایا تھا۔ ایک روز اسی غرض سے نکلے ذہن میں تہمت طرازیوں کا اثر تھا، مگر انہیں کیا خبر تھی کہ اس پیش قدمی سے اسلام کی طرف کچھ اور مسافت طے ہو جائے گی۔ خود ہی بیان کرتے ہیں کہ اسلام لانے سے پہلے ایک روز میں رسول اللہ ﷺ کو ستانے کیسے گھر سے نکلا، مگر آپ مجھ سے پہلے حرم میں داخل ہو چکے تھے۔ میں پہنچا تو آپ نماز میں سورہ الی قد پڑھ رہے تھے۔ میں آپ کے پیچھے کھڑا ہو گیا اور سننے لگا۔ قرآن کی شان کلام پر میں حیران ہو رہا تھا کہ میرے دل میں پکایک یہ خیال آیا کہ یہ شخص ضرور شاعر ہے جیسا کہ قریش کہتے ہیں۔ فوراً ہی حضور ﷺ کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے کہ ”انہ لقول رسول کریم وما هو بقول شاعر قليلاً ما تقولون“<sup>(۲)</sup>۔ ”یہ ایک رسوں کریم کا قول ہے کسی شاعر کا قول نہیں ہے تم لوگ کم ہی ایمان لاتے ہو۔ میں نے اپنے دل میں کہا شاعر نہیں تو پھر کمال ہے۔ اسی وقت زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری ہوئے ”ولا بقول کماھن“ قليلاً ما قد تکترون“ اور نہ یہ کسی کا بہن کا قول ہے تم لوگ کم ہی غور کرتے ہو ”میریل من رب المسلمین“<sup>(۳)</sup>۔ ”یہ رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ یہ سن کر اسلام میرے دل میں گہرا اثر کیا“<sup>(۴)</sup>۔

### ○ .... چوتھا مرحلہ:

جیسا کہ قبل ازیں بیان ہو چکا ہے کہ آپ نے مسلمانوں پر بہت زیادہ مظالم ڈھائے، مگر وہ بے نتیجہ ثابت ہوئے آخر کار تنگ آکر انہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کا پروگرام بنایا۔ ان میں آپ کے اپنے عزیز و اقارب بھی شامل تھے جو اپنا وطن اور گھربار چھوڑ رہے تھے، مگر کس جرم پر؟ یہی سوال حضرت عمرؓ کیلئے ضمیر کی خلش بن گیا۔ اس نے انہیں جھنجھوڑ کر اسلام کے مزید قریب کر دیا۔ اس تاثر کو مؤرخین نے حضرت علیؓ بہت اہی شرمہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔ یہ حضرت عمرؓ کی قریشی رشتہ دار تھیں اور اپنے شوہر حضرت عامر بن ربیعۃ العدوی کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کر گئی تھیں۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ میں ہجرت کیلئے پناہ مان باند رہی تھی اور میرے شوہر عامرؓ بن ربیعہ کسی کام سے باہر گئے ہوئے تھے۔ اتنے میں عمرؓ آئے جبکہ وہ اپنے شرک پر قائم تھے اور ہم ان کے ہاتھوں بہت تکلیفیں اٹھا چکے تھے، مگر اس وقت وہ کھڑے ہو کر میری مشغولیت دیکھتے رہے۔ پھر کہنے لگے ”عبداللہ کی ماں کیا بس اب دوا لگی ہے؟“ میں نے کہا ”ہاں! جب تم لوگوں نے ہمیں بہت ستایا اور ہم پر ظلم کیا تو اب ہم خدا کی زمین میں کہیں نکل جائیں گے، جہاں خدا ہمارے ہمتے اہل منیعت سے بچنے کی کوئی راہ نکال دے۔“ اس پر عمرؓ نے

(۱) حصہ ۱، ۳ (۲) سورہ المائدہ ۱۶۹-۱۷۰ (۳) ص ۱۳۰ (۴) (۵) ج ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲



کہا "اللہ تمہارے ساتھ ہو۔" اس وقت میں نے ان پر وہ وقت دیکھی جو ابھی نہ دیکھی تھی۔ ہمارے وطن چھوڑنے پر وہ غمگین ہو کر واپس چلے گئے۔ اس کے بعد جب عامرؓ ہمارا مطلوبہ سامان لے کر واپس آئے تو میں نے کہا "عبداللہ کے ابا کا شتم اس وقت عمر کو اور ہمارے حال پر ان کی رقت اور رنج کو دیکھتے ابھی ابھی وہ یہاں سے ہو کر گئے ہیں۔" عامرؓ نے کہا کیا تمہیں اس کے مسلمان ہونے کی امید ہو گئی ہے؟ میں نے کہا ہاں انہوں نے کہا کہ جس شخص کو تم نے ابھی دیکھا ہے وہ اس وقت تک مسلمان نہ ہو گا جب تک خطاب کا گدھا مسلمان نہ ہو جائے۔ ام عبداللہ نے کہا "یہ بات انہوں (عامر) نے اس لئے کہی کہ وہ عمرؓ سے ناامید تھے کیونکہ اسلام کے متعلق عمرؓ کی سختی اور شدت مدت سے دیکھتے آرہے تھے" (۱)۔ آپ اپنے عقیدے میں اس قدر پختہ تھے کہ مسلمان یہ توقع نہیں رکھتے تھے کہ اسے ترک کرنے کیلئے کبھی آمادہ بھی ہو سکیں گے۔

## ۵۔ پانچواں مرحلہ:

آپؐ مردجہ نظام کے پر جوش حامی تھے۔ محض اپنی ذاتی تعلق واریوں، محبتوں اور عقیدتوں کی خاطر اس قدر جلد نکلت کھانا آپ کی طبیعت و مزاج کے خلاف تھا لہذا اپنے موقف پر جبرے رہے، لیکن اسلام کو جاننے کا تجسس بڑھ گیا۔ قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت اور زور بیان اور ادب کی چاشنی انہیں بار بار اپنی طرف کھینچتی اور اسے سن کر لطف اندوز ہونے کے لیے تلاش کرتے۔ پھر انہیں مذہب سے بھی بہت لگاؤ تھا، انہیں اور نذریں بھی ماما کرتے تھے۔ اسی دور کی ایک احکاف کی نذر کو آغوشِ حضور ﷺ نے عہد اسلام میں پورا کرنے کا حکم دیا۔ عرض کیا "كنت نذرت في الجاهلية ان اعتكف ليلة في المسجد الحرام قال اوف بنبوك" (۲)۔ "اسی طرح آپؐ راتوں کو بھی جا جا کر خانہ کعبہ کا طواف کیا کرتے تھے۔ پانچہ ان کے اسی ذوق نے اسلام سے ان کے فاصلے کو مزید سیٹھ دیا۔ ابن اسحاق نے کہا "مجھ سے عبداللہ بن ابی الحنفیؓ کی نے اپنے رفیقوں عطاء اور مجاہد اور ادویوں سے حضرت عمرؓ کے اسلام کا حال خود ان کی زبانی یوں بیان کیا ہے۔ وہ کہا کرتے تھے میں اسلام سے بہت دور بھاگنے والا تھا اور جاہلیت کے زمانے میں شراب پیا کرتا تھا اس کا بڑا شوقین اور خوب پینے والا تھا۔ ہماری ایک مجلس حزو (ہزار مکہ) میں عمر بن عبد (بن عمران الحزوی) کے کنبہ والوں کے پاس تھی جس میں قریش جمع ہو کر تھے۔ ایک رات میں ساتھ، ٹخنے پیٹنے والوں کے پاس جانے کے ارادے سے اس مجلس کی طرف چلا اور وہاں پہنچا تو ساتھیوں میں سے کسی کو بھی نہ پایا۔ میں نے سوچا کہ مجھے فلاں شراب فروش کے پاس جو کہ مکہ میں شراب بیچا کرتا تھا جانا چاہئے۔ شاید وہاں سے شراب مل جائے اور میں کچھ پی سکوں۔ پھر میں چلا اور اس کے پاس پہنچا تو اسے بھی نہ پایا۔ پھر میں نے سوچا بہتر ہو میں کعبہ اللہ جاؤں اور اس کے ساتھ یا ستر چکر لگاؤں۔ پھر میں مسجد میں آیا کہ کعبہ اللہ کا طواف کروں تو رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ آپؐ جب نماز پڑھا کرتے تو شام کی جانب منہ کرتے اور کعبہ اللہ کو اپنے اور شام کے درمیان رکھتے۔ آپؐ کا نماز پڑھنے کا مقام رکن اسود اور رکن یمیل دونوں کے درمیان تھا۔ کہا جب میں نے آپؐ کو دیکھ تو دل میں کہا "واللہ آج رات محمد (ﷺ) کی طرف توجہ کروں اور سنوں کہ وہ کیا کہتے ہیں؟" پھر میں نے کہا "اگر میں سننے کیلئے ان سے نزدیک ہوا تو وہ ڈر جائیں گے۔ اس لئے میں حجر (عظیم) کی جانب سے آیا اور کعبہ اللہ کے خلاف کے اندر ہو گیا آہستہ آہستہ قریب تر ہونے لگا۔ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے نماز پڑھتے اور قرآن کی تلاوت فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ میں آپؐ کے قیلے کی سمت میں آپؐ کے مقابل ہو گیا۔ آپؐ کے اور میرے درمیان غلاف کعبہ کے سوا اور کوئی چیز نہ تھی۔ کہا "جب میں نے قرآن سنا تو اس سے میرے دل میں رقت پیدا ہوئی۔ میں رو پڑا اور مجھ پر اسلام اثر کر گیا۔ غرض میں اسی جگہ کھڑا رہا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز پوری کر لی اور سوٹ گئے۔" آپؐ جب واپس تشریف لے جایا کرتے تو ابن ابی حسین کے گھر سے ہو کر تشریف لے

(۱) ہشتم ۳۶۷/۱ طبری، کتب ۷۹/۳ (۲) بخاری ۶۶۰/۵، مسلم ۸۰/۳، ترمذی ۲۸/۳

جاتے تھے اور یہی آپ کا راستہ تھا۔ اس کے بعد آپ مقام سعی سے گزرتے۔ عباس بن عبدالمطلب، امین ازہر بن عبدعوف، الزہری کے گھروں کے درمیان سے الاخنس بن شریق کے گھر کے پاس سے ہوتے ہوئے اپنے گھر تشریف لے جاتے۔ آنحضرت ﷺ کے رہنے کا مقام الدار المقظاء میں تھا جو معاویہ بن ابی سفیان کے قبضے میں تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس کے بعد میں آپ کے پیچھے ہو گیا۔ یہاں تک کہ جب آپ عباس اور امین ازہر کے گھروں کے درمیان پہنچے تو میں آپ کے پاس پہنچ گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے میری آہٹ سنی تو مجھے پہچان لیا۔ آپ نے خیال فرمایا کہ میں نے صرف آپ کو ستانے کیلئے آپ کا پیچھا کیا ہے، چنانچہ مجھے ڈانٹا اور فرمایا ”ما جاء بك يا ابن الخطاب هذه الساعده“ اے خطاب کے بیٹے! تجھے اس وقت کون سی چیز یہاں لائی ہے؟

عرض کی ”اللہ! اس کے رسولؐ اور اس چیز پر ایمان لانے کیلئے آیا ہوں جو وہ اللہ کے پاس سے لایا ہے۔“ کہا ”پھر تو رسول اللہ ﷺ نے اللہ کا شکر کیا“ اور فرمایا ”قد صدق اللہ یا عمر“ اے عمر! اللہ نے تجھے سید مہمی رلود کھادی۔ پھر آپ نے میرے بیٹے پر دست مبارک پھیرا اور میرے لئے ثابت قدمی کی دعا فرمائی۔ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس سے لوٹ آیا اور آپ اپنے دولت کدے میں تشریف لے گئے<sup>(۱)</sup>۔ یہ روایت ایک طرف عہد جاہلیت و جوانی میں آپ کی ذاتی سرگرمیوں اور رنگین محفلوں کی دلچسپیوں کی بلکی سی جھلک پیش کرتی ہے۔ دوسری طرف مذہب سے آپ کے قلبی، ذہنی تعلق کو اجاگر کرتی ہے اور تیسری طرف اسلام کو جاننے اور سمجھنے کیلئے ایک تجسس اور ایک تڑپ کی نشاندہی کرتی ہے جس میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔ آپ کا ذوق لطیف قرآن کے آگے سرنگوں ہو گیا۔ آپ کی سخت مزاجی جب قرآن کی زد میں آئی تو وقت قلبی میں ڈھل گئی اور پھر بے اختیار آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے، مگر یہ آنسو کس چیز کے تھے ندامت کے یا احساس شکست کے؟ کیا اس کے فوراً بعد آپ نے ہتھیار ڈال دیئے؟ میرے نزدیک یہ آنسو دراصل آپ کی نفسیاتی بے چارگی و بے بسی کی ایک علامت تھے کہ جس کی بنا پر کسی حتمی نتیجے تک پہنچنا دشوار ہو گیا تھا۔ وہ کرناک کشمکش ان کا سبب تھی جو آپ کے عقیدے اور ضمیر کے مابین اور فکر اور جذبات کے مابین برپا تھی۔ دو متضاد نظریات اور نظاموں کا تصادم ان کے اپنے اندر اب عروج تک پہنچ چکا تھا۔ ان کی اپنی شخصیت اب اندرونی طور پر لوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکی تھی۔ جس خطرے سے معاشرے کو بچانا چاہتے تھے اس کی زد میں ان کا اپنا قبیلہ اور خاندان آیا تو غیظ و غضب میں مزید شدت پیدا ہو گئی۔ اب ان کی اپنی ذات اس کی زد میں آئی تو بے چین ہو گئے۔ رات کی نیند اور دن کا چین لٹ گیا۔ قرآن سے متاثر ہونے کے باوجود ابھی تک اپنے موقف پر اڑے ہوئے تھے اور ہار ماننے کیلئے تیار نہ تھے۔ بقول سید مودودی ”ذہنی کشمکش نے آخر کار ایک روز انہیں اس بات پر آمادہ کر دیا کہ جا کر رسول اللہ ﷺ کو قتل کر دیں تاکہ یہ قضیہ ہی ختم ہو جائے جس نے ان کو الجھن میں ڈال رکھا ہے“<sup>(۲)</sup>۔

جہاں تک اس روایت کے اس جملے کا تعلق ہے کہ آنحضور ﷺ سے کہا کہ میں ایمان لانے کیلئے آیا ہوں محل نظر ہے۔ ایکت و اس لئے کہ یہ ان کے اپنے ہی بیان کے خلاف ہے جو انہوں نے بہت سے لوگوں کے سامنے دیا۔ اپنے لقب فاروق کی وجہ تسمیہ میں قبول اسلام کے واقعے کی بھی تفصیل بتائی کہ اپنی بہن اور بہنوئی کے گھر میں مسلمان ہونے کا فیصلہ کیا۔ اسے ابن عباس نے روایت کیا ہے<sup>(۳)</sup>۔ دوسرا یہ کہ وہ مشہور واقعہ زیادہ قابل اعتماد ہے جو دارالرقم میں پیش آیا کیونکہ وہ چالیس پینتالیس مسلمانوں کے سامنے پیش آیا۔ تیسرا یہ کہ حضرت عمرؓ کا مجموعی مزاج بھی اتنا بڑا فیصلہ اور اقدام چھپ کر کرنے سے مطابقت نہیں رکھتا۔ جو تھا یہ کہ ہشام نے اسے ابن عباس کے حوالے سے رقم کیا ہے اور دوسرے نمبر پر رکھا ہے اور ابن عباس کا یہ قول نقل کیا ہے ”واللہ اعلم اہی ذلک کما“<sup>(۴)</sup>۔ اسی طرح ابن سعد اور دیگر معروف مؤرخین نے دارالرقم کے واقعے کو ترجیح دی ہے<sup>(۵)</sup>۔

## ○ آخری مرحلہ:

یہ ان دنوں کی بات ہے جب اہل اسلام پر سختیوں کی شدت کا یہ عالم ہو گیا کہ بقول ابن عباسؓ مشرکوں نے ان صحابیوںؓ پر جنہوں نے اسلام اختیار کیا اور رسول اللہ ﷺ کی پیروی اختیار کی، ظلم و ستم ڈھائے اور ہر قبیلے نے اپنے تعلق دار مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ انہیں قید کرتے، مارتے، بھوکے پیاسے رکھتے، تہمتی ہوئی زمین پر لٹا کر تکلیفیں دیتے اور بعض تو شدید آفتوں کی تاب نہ لاسکے اور تختے میں الجھ گئے اور بعض ان کے مقابلے میں سختیاں برداشت کر گئے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں بچالیا<sup>(۱)</sup> اس پر آنحضور ﷺ نے فرمایا: ”تم روئے زمین میں منتشر ہو جاؤ“<sup>(۲)</sup>۔ چنانچہ ہجرت حبشہ کا عمل شروع ہوا اور مجموعی طور پر تقریباً 83 مسلمان گھربار چھوڑ کر روانہ ہو گئے<sup>(۳)</sup>۔ قریش نے ایک طرف ان کی بازیابی کی کوششیں شروع کر دیں اور دوسری طرف باقی ماندہ مسلمانوں پر جبر میں اضافہ کر دیا۔ ایک دن حضرت ابو بکرؓ رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے کر خانہ کعبہ میں تقریر کرنے گئے تو قریش نے حملہ کر دیا۔ اس قدر ضرر میں لگاؤں کہ بے ہوش ہو گئے، چہرے اس قدر مسخ ہو گیا کہ پہچاننا مشکل ہو گیا۔ قریش نے مردہ سمجھ کر چھوڑا جب دارالقام انہیں لے جایا گیا تو حالت دیکھ کر دوسرے لوگوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ بھی آبدیدہ ہو گئے، بلکہ زار و قطار روئے گئے۔ اسی روز حضرت حمزہؓ بھی مسلمان ہوئے اور رسول اللہ ﷺ نے اسی روز حضرت عمرؓ ابو جہلؓ میں سے کسی ایک کے مسلمان ہونے کی دعا فرمائی<sup>(۴)</sup>۔ اس کی وجہ وہ بلند مقام ہے جو آپ کو اس معاشرے میں حاصل تھا، بے پناہ ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کے حامل تھے۔ بقول طبری آپ نہایت زبردست طاقتور اور جری آدمی تھے<sup>(۵)</sup>۔ آپ کی غیرت عرب کے دیگر جوانوں سے ممتاز تھی۔ جس بات کو صحیح سمجھتے تھے اس کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کرنے کیلئے تیار ہو جاتے تھے۔ کسی قسم کا خوف و خطر حصول مقصد کی راہ میں ان کے آگے رکاوٹ نہیں بن سکتا تھا۔ ان کے اوصاف پورے معاشرے میں نمایاں تھے۔ رسول مقبول ﷺ کو بھی معلوم تھا کہ اس طرح کی صلاحیتیں رکھنے والا نوجوان جاہلیت کو چھوڑ کر اگر اسلام کا علمبردار بن جائے تو اسلامی تحریک کو بام عروج تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کرے گا۔ چنانچہ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی ”اللہم اعز الاسلام باحبہ ہدیب الوحیب الیہ باہی جہل او بعمر ابن الخطاب“<sup>(۶)</sup>۔ ”اے اللہ تو اسلام کو ابو جہل اور عمرؓ بن خطاب میں سے کسی ایک کے ذریعے غلبہ و عزت دے جو تجھے زیادہ محبوب ہو۔“ قال وکان احبہما الیہ عمر۔ ”راوی کہتے ہیں کہ ان دونوں میں سے اللہ کو محبوب حضرت عمرؓ تھے۔ ایک اور حدیث میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ بقول ابن عباسؓ رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی ”اللہم اعز الاسلام باہی جہل بن ہشام او بعمر بن الخطاب“ قال فاصبح فلقد اعز عمر عی رسول اللہ ﷺ<sup>(۷)</sup>۔ ”اے اللہ تو اسلام کو ابو جہل بن ہشام، عمر بن الخطاب کے ذریعے عطا فرمایا۔ چنانچہ صبح ہوئی تو حضرت عمرؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔

تحرکیوں کو باصلاحیت افراد کی اشد ضرورت ہوتی ہے کیونکہ انہیں کی بدولت یہ پرواں چڑھتی ہیں۔ انہیں کے ذریعہ غلبہ حاصل کرتی ہیں اور یہی اسے قائم رکھنے کا مادی واسطہ ہوتے ہیں۔ اگرچہ ابو جہل بھی باصلاحیت تھا مگر یہ سعادت حضرت عمر فاروقؓ کے حصے میں آئی کہ انہوں نے دولت ایمان سے مالا مال ہو کر دنیا و آخرت دونوں میں بلند مقام حاصل کیا۔ بعض حدیثوں میں تو صرف حضرت عمر فاروقؓ ہی کے بارے میں دعا ملتی ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اللہم اعز الاسلام بعمر بن الخطاب خاصہ“<sup>(۸)</sup>۔ ”یا اللہ خاص حضرت عمرؓ بن خطاب سے اسلام کو عزت دے۔ بعض روایات میں

(۱) مسلم ۱، ۳۳۹، کتبہ ۷۹/۳۵۱ (۲) مسند ۲، ۲۰۳، (۳) مسلم ۱، ۳۵۳، مسند ۲، ۷/۱، کتبہ ۶۹/۳۵۱ (۴) کتبہ ۲۱/۳۵۱، ۳۰ (۵) طبری ۲، ۳۳۵/۲ (۶) ترمذی ۵، ۶۷۹

مسند ۳، ۶۶۷، حوالہ ۱۷، ۹، حاکم ۳، ۸۲، (۷) مسند ۱، ۳۷۲، ترمذی ۵، ۲۸ (۸) مسند ۱، ۳۷۲، حاکم ۳، ۸۲، حوالہ ۱۷، ۹

”ایک الاسلام بعمر“ بھی ہے۔ بعض میں ہے کہ آپؐ نے تین مرتبہ فرمایا ”اللهم اشدد الدین بعمر“<sup>(۱)</sup>۔ ”بقول حاکم رسول اکرم ﷺ کی دعا کو اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کے سلسلے میں قبول فرمایا اور ان کے ذریعے اسلام کے نلبے کو ستوار فرمایا اور بتوں کو توڑ ڈال“<sup>(۲)</sup>۔ سخر کا روہ وقت آن پہنچا کہ جس دین کی شدت سے حفاظت کرتے رہے اللہ تعالیٰ کی مشیت سے اسی کے علمبردار بن کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ آپؐ کی بہن فاطمہ بنت الخطابؓ سعید بن زید (بن عمرو بن نفیل) کے نکاح میں تھیں۔ انہوں نے اور ان کے شوہر سعید بن زید نے اسلام اختیار کر لیا تھا لیکن عمرؓ سے وہ اپنے اسلام کو چھپاتے تھے۔ نعیم بن عبد اللہ الخثعم کہہ کا ایک شخص انہیں کی قوم یعنی حبشی بن کعب کا تھا۔ اس نے بھی اسلام اختیار کر لیا تھا اور اسلام کو قوم کے ذریعے چھپاتا تھا۔ خبابؓ بن الارت فاطمہ بنت الخطاب کے پاس بوجہ کرتے تھے اور انہیں قرآن پڑھیا کرتے تھے۔ ایک روز عمرؓ اپنی گوار حاصل کئے ہوئے رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کی ایک جماعت کے پاس جانے کے راوے سے نکلے جن کے متعلق انہیں معلوم ہوا تھا کہ کوہ صفا کے پاس یک گھر میں جمع ہیں اور مردوں، عورتوں کو مل کر ان کی تعداد تقریباً چالیس ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس آپ کے چچ حمزہ بن عبد المطلب ابو بکر صدیق بن قاضی بن علی بن ابی طالب اور دوسرے وہ مسلمان بھی تھے جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ میں رہ گئے تھے۔ سر زمین حبشہ کی جانب جو لوگ چلے گئے تھے ان کے ساتھ یہ لوگ نہیں گئے تھے اللہ ان سے راضی ہوا۔ ”خزیم بن عبد اللہ عمرؓ سے ملے تو انہوں نے ان سے کہا ”عمرؓ کہاں کا ارادہ ہے؟“ عمرؓ نے کہا ”اس بے دین شخص محمد (ﷺ) کی جانب جس نے قریش میں پھوٹ ڈال دی ہے۔ ان کے عقلمندوں کو یہ خوف بٹا رکھا ہے ان کے دین میں عیب نکالے ہیں اور ان کے معبودوں کو گالیاں دے رہے ہیں چاہتا ہوں کہ اسے قتل کر دوں۔ نعیم نے ان سے کہا ”اے عمرؓ اللہ تمہارے نفس نے تمہیں دھوکا دیا ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو محمد (ﷺ) کو تم نے قتل کر دیا تو منی عبد مناف تمہیں چھوڑ دیں گے کہ تم زمین پر چل بھی سکو؟ تم اپنے گھر والوں کی جانب کیوں نہیں دیکھتے کہ پیسے ان کی اصلاح کرو۔“ انہوں نے کہا ”میرے گھر والوں میں ایسے کون ہے؟“ انہوں نے کہا ”تمہارا بہنوئی اور تمہارا چچرا بھائی سعید بن زید (بن عمرو) اور تمہاری بہن فاطمہ بنت الخطاب۔“ واللہ ان دونوں نے اسلام اختیار کر لیا اور محمد (ﷺ) کے پیرو ہو گئے ہیں تم پر ان کی دیکھ بھال لازم ہے۔

راوی نے کہا ”پھر تو عمرؓ اپنی بہن اور بہنوئی کی طرف کا روہ کر کے لوٹے اور ان دونوں کے پاس خبابؓ بن الارت موجود تھے۔ ان کے پاس ایک کتاب تھی جس میں سورہ طہ لکھی ہوئی تھی اور وہ سورہ طہ پڑھا رہے تھے۔ جب ان لوگوں نے عمرؓ کی سبست سنی تو خبابؓ گھر کے کسی حصے یا حجرے کے اندرونی حصے میں چھپ گئے اور فاطمہ بنت الخطاب نے اس کتاب کو اپنی ران کے نیچے رکھ دیا تاکہ عمرؓ جب گھر کے نزدیک آئے تھے تو انہوں نے خبابؓ کی قرأت سن لی تھی۔ جب وہ اندر آئے تو کہا ”یہ کس کے لکھنے کی آواز تھی جو میں نے سنی؟“ لیکن بہنوئی دونوں نے کہا نہیں تم نے کچھ نہیں سنا۔ عمرؓ نے کہا ”کیوں نہیں؟ اللہ! میں نے سنا ہے اور مجھے یہ خبر بھی پہنچی ہے کہ تم دونوں نے محمد (ﷺ) کے دین کی پیروی اختیار کر لی ہے۔“ اپنے بہنوئی سعید بن زید کو بلا لیا تو فاطمہ بنت الخطاب عمرؓ کی بہن انھیں کہ اپنے شوہر سے روکیں۔ عمرؓ نے فاطمہ کو ایسا مارا کہ ان کا سر زخمی کر دیا۔ جب اسوں نے ایسا کیا تو ان کی بہن اور ان کے بہنوئی نے کہا ”ہاں ہم نے اسلام اختیار کر لیا ہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ہم ایمان لا چکے ہیں تم جو چاہو کرو۔“

جب عمرؓ نے اپنی بہن کا خون دیکھا تو اپنے گھر پر چھپ گئے۔ مارنے سے رک گئے اور اس سے کہا ”اچھا مجھے وہ کتاب تو دے جو تم لوگ پڑھ رہے تھے اور میں نے ابھی ابھی تمہیں پڑھتے سنا ہے۔ میں بھی تو دیکھوں کہ وہ کیا چیز ہے جو محمد (ﷺ) لایا ہے؟“ عمرؓ لکھے پڑھے فہم تھے۔ جب انہوں نے یہ کہا تو بہن نے کہا ”ہمیں اس

(۱) تصحیح کتب ملاحظہ ہو صحیح ۵۹۷/۲ حاکم ۸۳/۳ (۲) حاکم ۸۳/۳

کے متعلق تم سے ڈر لگتا ہے۔“ عثر نے کہا ”ڈر نہیں اور ان کے آگے اپنے معبودوں کی قسمیں کھائیں کہ اسے پڑھ کر ضرور واپس کر دوں گا۔ یہ سن کر ان کے اسلام کی امید پیدا ہوئی اور کہا ”بھائی جان! آپ تو اپنے شرک کی نجاست میں ہیں اور اس کتاب کو تو پاک شخص کے سوا دوسرا چھو نہیں سکتا۔ عثر اٹھ کھڑے ہوئے اور غسل کیا۔ بہن نے انہیں وہ کتاب دی اس میں سورہ طہ تھی اسے پڑھا۔ جب اس کا ابتدائی حصہ پڑھا تو کہا ”یہ کلام کس قدر چھا اور کس قدر عظمت والا ہے۔“ جب خبابؓ نے یہ بات سنی تو ان کے سامنے باہر نکل گئے اور کہا ”اے عثر! بخدا مجھے امید ہو گئی کہ اللہ نے اپنے نبی ﷺ کی دعا سے تمہیں منتخب کر لیا کیونکہ میں نے کل آپ کو یہ دعا کرتے سنا ہے ”اللهم ابدل اسلام باہی الحکم بن هشام او بعمرو بن الخطاب۔“ یا اللہ! ابو الحکم بن ہشام یا عمر بن الخطاب سے اسلام کی تائید فرما لہذا اے عمر! اللہ سے ڈرو۔ عثر نے اس وقت ان سے کہا ”اے خبابؓ! مجھے محمد ﷺ کے پاس سے چلو کہ میں وہاں پہنچ کر اسلام اختیار کر دوں۔“ خبابؓ نے ان سے کہا ”رسول اللہ ﷺ کوہ صف کے پاس ایک گھر میں ہیں جس میں آپ کے ساتھ اصحابؓ بھی ہیں۔“

عثر نے تلواریں اسے حمل کر لیں۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کی طرف قصد کیا وہاں پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ جب ان کی آواز سنی تو رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ میں سے ایک صاحب کھڑے ہو گئے اور دروازے کی درازوں میں سے نہیں دیکھا کہ تلواریں کھل گئے ہوئے ہیں۔ وہ گھبرائے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے پاس لوٹے عرض کی ”عمر بن الخطاب ہیں اور تلواریں حمل کئے ہوئے ہیں۔ حمزہ بن عبد المطلب نے کہا ”اسے“ نے کی اجازت دیجئے۔ مگر وہ بھلائی کے ارادے سے آیا ہے تو ہم اس کے ساتھ بھلائی ہی کا سلوک کریں گے اور اگر وہ کسی برائی کے ارادے سے آیا ہے تو اسی کی تلواریں سے قتل کر ڈالیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اللہ! انہیں آنے دو۔ اس شخص نے آنے کی اجازت سنائی۔ رسول اللہ ﷺ ان کی جانب ٹھہ کھڑے ہوئے۔ حجرے میں ملاقات کی ان کی کمریاں جمع الرواء کو پکڑ لیا اور انہیں خوب بھیج کر فرمایا ”ما جاء بک یا ابن الخطاب فواللہ ما آری ان لتنبہی حتی یمرل اللہ بک فارعد۔“ اے خطاب کے بیٹے! تجھے کون سی چیز مائی ہے؟ واللہ! میں نہیں سمجھتا کہ تو ہاڑ آئے گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کوئی آفت تجھ پر نازل فرمائے۔

عثر نے عرض کی ”اے اللہ کے رسول ﷺ! میں آپ کے پاس اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ اللہ اس کے رسول ﷺ اور اس چیز پر ایمان لائیں جو اللہ کے پاس سے آپ لائے ہیں۔“ راوی نے کہا ”پھر تو رسول اللہ ﷺ نے اس زور سے عجبر کہی کہ جو صحابہؓ گھر میں موجود تھے جان گئے کہ عمر مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ جب اس مقام سے اوجھڑا دھڑلے تو اپنے آپ کو غالب محسوس کرنے لگے۔ اس وجہ سے کہ حمزہ کے اسلام کے ساتھ ساتھ عثر نے بھی اسلام اختیار کر لیا تھا۔ وہ سب بات کو سمجھ گئے کہ یہ دونوں رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کریں گے اور مسلمانانِ دونوں کی بددست و دشمنوں سے بدلہ لے سکیں گے۔ یہ عمر بن الخطاب کے اسلام کے متعلق مدینے والے راویوں کی روایت ہے (۱)۔“

گزشتہ تمام واقعات یہ ثابت کرتے ہیں کہ آپ یک طویل کشمکش کے بعد مسلمان ہوئے یہ ایک وقت بیرونی طور پر بھی برپا رہی اور اندرونی طور پر بھی۔ بیرونِ طور پر بازار انگلیاں اور گھروں کے آگن اس کی جاگڑا تھے اور اندرونی طور پر آپ کا دل ذہن اور ضمیر اس کامیدانِ عمل تھے۔ بیرونی کشمکش کے واقعات سے تاریخی بھری ہوئی ہیں لیکن اندرونی کشمکش کے ارتقاء کو سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ ہم آپ کی مجموعی شخصیت کو اس دور کے حالات کی منہدر میں رکھ کر دیکھیں تو حالات آپ کی شخصیت کے بہت سے پہلوؤں کو نکھار کر ہمارے سامنے لاتے ہیں اور آپ کی شخصیت سے حالات کے رخ کو سمجھنے اور اس کے نقشہ گوشوں تک رسائی حاصل کرنے میں مدد ملتی ہے۔ آپ نے اسلام کو دلِ کل کی کسوٹی پر پرکھ کر قبول کیا۔ اس کے عقائد و نظریات کا جاہلیت سے مسلسل موازنہ اور تقابل کرتے رہے

لیکن یہ سب کچھ لاشعور میں ہو رہا ہے۔ اس لئے شعوری فیصلے تک اپنے سابقہ موقف پر ڈٹے رہے۔ اگر ہم غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے دہن میں ابھرنے والے حسب ذیل سوالات نے آپ کے جاہلیت پر قائم رہنے کے جواز کو چیلنج کیا اور رفتہ رفتہ اسلام کے قریب کر دیا۔

☆... یہ نئی دعوت فی الواقع کیا ہے؟

☆... اس کے دلائل کیا ہیں اور اس کا مقابلہ کیا ہے؟

☆... یہ کس طرح کے لوگوں کو متاثر کر رہی ہے اور کیوں؟

☆... اس کے قبول کرنے والے واپس کیوں نہیں پلٹتے؟

☆... اس کی شدید دشمنی کا کیا قاعدہ ہے؟

☆... اس کے پیش کرنے والے کا اپنا قول و فعل کیسا ہے؟

☆... اس کو پیش کرنے اور پھیلانے میں اس کا کیا مقصد ہے اور اسے کیا حاصل ہو رہا ہے؟

☆... جن عقائد اور رسومات پر اس نے تنقید کی ہے کیا وہ صحیح ہیں؟

☆... کیا مروجہ نظام واقعی عدل اور سچائی پر مبنی ہے؟

☆... کیا جس دین کے ہم دیکھ رہے ہیں واقعی وہ ابراہیمی دین ہے؟

☆... کیا مرنے کے بعد دوبارہ انہیں اٹھایا جائے گا؟ اگر نہیں تو کیوں؟ اور انہیں کیا تو پھر؟

یہ اور اسی طرح کے دیگر سوالات نے لازمی طور پر حضرت عمرؓ کو مجبوراً ہو گا کیونکہ وہ فہم و فراست اور سوچ سمجھ رکھنے والے حساس انسان تھے، مختلف ادیان اور ان کے عقائد سے پوری طرح آشنا تھے۔ انبیائے سابقہ اور مختلف اقوام کے بارے میں مشہور قصے کہانیوں سے بھی واقف تھے۔ تجارتی سفروں میں ان مقامات سے گزرنے کا انہیں کئی مرتبہ اتفاق ہو چکا تھا جو تاریخی اہمیت کے حامل تھے۔ خود خانہ کعبہ کی مرکزی تہ و تقدس کے بارے میں انہیں آگہی تھی۔ ان ساری باتوں نے آخر کار انہیں ملحدہ اسلام میں داخل کر دیا۔ آپ کا قبول اسلام کسی فوری دہنگامی واقعے کا نتیجہ نہیں، جیسا کہ روایات سے بظاہر تاثر ملتا ہے بلکہ چھ سال کے گہرے تجزیے، عملی تجربے اور بھرپور سوچ بچار کا نتیجہ تھا۔ کوئی بھی انسان اپنا عقیدہ فوری اور ہنگامی طور پر تبدیل نہیں کر سکتا، اس کا ایک پس منظر ہوتا ہے۔ اس کے اندر تبدیلی کا عمل غیر شعوری اور غیر ارادی طور پر جاری رہتا ہے۔ کوئی اچانک واقعہ اس کی تکمیل کا ذریعہ بن جاتا ہے، اس کے ذریعے اس کی گولگی کی کیفیت ختم ہو جاتی ہے اور وہ حتمی نتیجے تک پہنچ جاتا ہے۔

حضرت عمرؓ بھی ان مختلف مرحلوں سے گزر کر مسلمان ہوئے۔ یہ وہ مرحلے ہیں جنہوں نے آپ کو اسلام کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنے اور معروضی تجزیہ کرنے پر مجبور کر دیا اور آپ کے قلب و ذہن میں اسلام کی صداقت و حقانیت بتدریج اترتی چلی گئی۔ جب اسلام میں داخل ہو گئے تو حائق کائنات کی عبادت سرعام ہونے لگی۔ بقول حضرت عبداللہ بن مسعودؓ "ما عبدنا اللہ جہراً حتی اسلم عمر" (۱)۔ "ابن اسحاق کہتے ہیں کہ آپ نے اسلام مانتے ہی فرمایا خدا کی قسم ہم کفر کی حالت میں کھڑے کھڑے کرتے تھے تب اسلام اس کا زیادہ حقدار ہے کہ ہم اسے ظاہر کریں۔ اللہ کا دین کے میں ضرور غائب ہو کر رہے گا۔ ہماری قوم اگر ہم

پر ظلم و تعدی کرتا چاہے گی تو اس سے لڑیں گے۔ اگر انصاف کرے گی تو قبول کریں گے، پھر آپ صحابہ کرام کو لے جا کر مسجد میں بیٹھے<sup>(۱)</sup>۔ عبداللہ بن مسعودؓ کہہ کرتے تھے ”ہم لوگ کعبۃ اللہ کے پاس نماز نہیں پڑھ سکتے تھے۔ یہاں تک کہ عمرؓ نے اسلام اختیار کیا اور جب عمرؓ نے اسلام اختیار کیا تو قریش سے جنگ کی۔ آخر انہوں نے کعبۃ اللہ کے پاس نماز پڑھی اور ان کے ساتھ ہم نے بھی نماز پڑھی“<sup>(۲)</sup>۔ رسول خدا ﷺ کو جو سب سے پہلا مشورہ دیا وہ یہی تھا کہ یہ رسول اللہ ﷺ ہم دین کو کیوں چھپائیں جبکہ ہم حق پر ہیں، جبکہ وہ لوگ باطل پر ہونے کے باوجود اپنے دین کو ظاہر کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا ”یا عمر! قلیل قدر ایت باقیہا۔“ آپ نے پر عزم لہجے میں کہا ”فواللہی بعثت بالحق لایبقی مجلس جلست فیہ بالکفر الا اظهرت فیہ الایمان“<sup>(۳)</sup>۔ ”چنانچہ گھر سے نکلے اور ابو جہل اور دیگر جو جو لوگ عداوت میں سخت تھے ان کے گھروں کے دروازے کھٹکھٹا کر انہیں اپنے ایمان سے مطلع کیا اور اس مقصد کی خاطر اہل قریش کی ہر محفل اور ہر جلسے تک پہنچے“<sup>(۴)</sup>۔ پھر اس پر بھی آپ کی قلیل نہ ہوئی، پیٹ کے سب سے ہلکے شخص جمیل بن معمر کو صبح کے وقت جا کر بتایا کہ ہر کسی کو یہ خبر پہنچا دے۔<sup>(۵)</sup> ”اس طرح اگلے دن تک ہر طرف آپ کے اسلام کا چہرہ بکھرا۔“<sup>(۶)</sup> ”اول من جہر الاسلام عمر بن الخطاب“<sup>(۷)</sup>۔ ”مکہ کی فضاؤں میں جب یہی مرتبہ مسلمانوں کا نعرہ نکلیں گے تو انہیں تو اہل قریش سہم گئے“<sup>(۸)</sup>۔ مسلمانوں کو دو مہینے پائے علانیہ مسجد حرام میں داخل ہوتے دیکھا تو انہیں شدید صدمہ پہنچا۔<sup>(۹)</sup> لیکن انہیں ہمت نہیں ہوتی تھی کہ حضرت عمرؓ پر ہاتھ اٹھائیں، دوسرے مسلمانوں پر تشدد کا سلسلہ جاری تھا مگر آپ سے وہ آنکھ بھی نہیں ملاتے تھے۔<sup>(۱۰)</sup> آپ کو یہ بات ناگوار گزری۔ حق کی راہ میں امتوں سے لذت آشنا ہونے کی تڑپ دل میں جاگی۔ حجر کے پاس لوگوں کے مجمع میں جمیل بن معمر کے پیچھے پیچھے جا پہنچے۔ یہاں تک کہ وہ مسجد کے دروازے پر کھڑا ہوا اور انتہائی بلند آواز سے چیخا ”اے گروہ قریش! اور کعبۃ اللہ کے گرد اپنی اپنی مجلسوں میں بیٹھنے والو! اس نو کہ عمرو بن الخطابؓ نے بے دینی اختیار کر لی۔“ عمرؓ اس کے پیچھے کہتے جا رہے تھے ”اس نے جھوٹ کہا (میں بے دین نہیں ہوا) بلکہ میں نے اسلام اختیار کیا ہے۔ اس بات کی کوئی گواہی دی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ ان لوگوں نے آپ پر حملہ کر دیا۔ آپ بھی ان سے جنگ کرتے رہے اور وہ آپ سے جنگ کرتے رہے، یہاں تک کہ آفتاب ان کے سروں پر آگیا۔ آپ تھک کر بیٹھ گئے اور قریش آپ کے سر پر کھڑے رہے۔ آپ نے فرمایا ”تم جو چاہو کرو میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ اگر ہم تین سو مرد ہو جائیں تو (ہم برابر لڑیں) پھر یا ہم مکہ کو تمہارے لئے چھوڑ دیں گے یا تم ہمارے لئے چھوڑ دو گے“<sup>(۱۱)</sup>۔ وہ لوگ اسی حالت میں تھے کہ قریش سے ایک بوڑھا عاص بن داؤدؓ لکھی جو یعنی کپڑے کا تیاں لباس اور نقش و نگار کی قیص پہنے ہوئے تھا وہ آکر پاس کھڑا ہو گیا اور کہا ”آخر تمہارا قصہ کیا ہے؟“ انہوں نے کہا ”عمرؓ بے دین ہو گیا ہے۔“ اس نے کہا تو کیا ہو؟ ایک شخص نے اپنی بات کیلئے ایک بات اختیار کر لی ہے، پھر تم کیا چاہتے ہو؟“ کیا تم سمجھتے ہو کہ بنی عدی کعب اپنے آدمی کو اس طرح تمہارے حوالے کر دیں گے۔ اس شخص کو چھوڑ دو، واللہ! پھر تو وہ آپ سے اسی طرح الگ ہو گئے گویا کپڑا کھینچ کر پھینک دیا گیا“<sup>(۱۲)</sup>۔ مشرکوں کے ساتھ قدم قدم پر مقابلہ جاری رکھنا ان کے جبر کی مزاحمت کی۔ بہت سے لوگوں کے ساتھ اکیلے لڑتے۔ ایک مرتبہ انہوں نے حملہ کیا تو یہ عقبہ بن ربیعہ کو گرا کر اس کے سینے پر بیٹھ گئے۔ اس کی دونوں آنکھوں میں انگلیاں گاڑ دیں یہ دیکھ کر باقی سب لوگ بھاگ گئے<sup>(۱۳)</sup>۔ قریش آپ کے قتل کے ور پے ہو گئے۔ ایک مرتبہ آپ اپنے گھر میں تھے اور باہر دلوئی میں اس غرض سے انسانوں کا فضا نہیں مارتا ہوا سمندر اکٹھا تھا۔

(۱) تہذیب: ۵۶/۴: (۲) حسان: ۳۶۶/۱: حاکم: ۸۲/۲: صحیح: ۶۹/۲: حاکم: ۵۱۱/۲: سیوطی: ۱۱۵/۲: (۳) تہذیب: ۳۱/۲: سیوطی: ۱۱۴/۴: (۴) حسان: ۳۷۴/۱: تہذیب: ۵۵/۲: حاکم: ۳۳/۲

سیوطی: ۱۱۲/۲: (۵) حسان: ۳۷۴/۱: حاکم: ۵۱۱/۲: تہذیب: ۵۵/۲: حاکم: ۵۱۱/۲: سیوطی: ۱۱۴/۴: (۶) تہذیب: ۳۱/۲: سیوطی: ۱۱۴/۴: (۷) تہذیب: ۵۶/۴: حاکم: ۵۱۱/۲: (۸) تہذیب: ۵۶/۴: سیوطی: ۱۱۴/۴: (۹)

سیوطی: ۱۱۲/۲: (۱۰) تہذیب: ۳۷۴/۱: حاکم: ۵۱۱/۲: حسان: ۳۷۴/۱: (۱۱) حسان: ۳۷۴/۱: (۱۲) تہذیب: ۳۱/۲

جاہلیت میں آپ کے حلیف عامر بن وائل نے یہ کہا کہ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ پھر کہیں جا کر وہ مرگ واپس آئے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں اس وقت چھوٹا تھا اور گھر کی چھت پر چڑھ کر یہ منظر دیکھ رہا تھا<sup>(۱)</sup>۔ ایک اور مرتبہ کفار کے ساتھ لڑائی کے دوران آپ کے ماموں ابو جہل نے پناہ دی تو لوگوں نے حملہ بند کیا<sup>(۲)</sup>۔ اور آئندہ سے تعرض کرنا چھوڑ دیا لیکن یہ بات آپ کے ضمیر کی خلش بن گئی۔ آپ کے اپنے بقول ”مجھے یہ برا معلوم ہوا کہ دوسرے مسلمانوں سے مار پٹائی جاری رہے اور میں کھڑا دیکھوں چنانچہ مومنوں کے پاس پھر گیا اور اس سے جا کر کہا کہ میں تیری پناہ میں رہنا نہیں چاہتا۔ اس کے بعد مارتے پینے رہے حتیٰ کہ خدا کو تعالیٰ نے اسلام کو قوت بخشی<sup>(۳)</sup>۔“

مستشرق موسیو سدیو کے بقول ”حضرت عمرؓ مسلمان ہو گئے ان کا اسلام لانا تھا کہ قریش کے جسموں پر لرزہ چھ گیا خوف سے گھبرا گئے۔ آپ نبی ﷺ کے سخت دشمن تھے مگر قضاء قدر نے کر رکھا تھا کہ اسلام کی قوت انہی سے قائم ہو گئی<sup>(۴)</sup>۔ یہی بات کہ آپ کب مسلمان ہوئے بعض راوی ۵ سن نبوی بتاتے ہیں اور بعض کھینچ کر ہجرت سے چار سال قبل ۹ سن نبوی تک لے جاتے ہیں<sup>(۵)</sup> لیکن ایسی روایتی شاذ ہیں۔ واقعی شہادتیں دونوں میں سے کسی کی تصدیق نہیں کرتیں۔ اس لئے راجح وہی بات ہے جسے راویوں کی واضح اکثریت نے بیان کیا ہے اور تقریباً تمام مؤرخین نے اسے تسلیم کیا ہے کہ آپ نبوت کے چھٹے سال مسلمان ہوئے<sup>(۶)</sup> ابن سعد نے ذی الحج کا مہینہ لکھا ہے<sup>(۷)</sup>۔ اس وقت آپ کی عمر کیا تھی؟ اس بارے میں بھی اختلاف ہے۔ اس کی وجہ آپ کے سن پیدائش کے تعین میں اختلاف ہے۔ بعض روایات کے مطابق آپ قبول اسلام کے وقت ۲۶ سال کے تھے<sup>(۸)</sup> اور بعض کے مطابق ۲۷ سال کے تھے<sup>(۹)</sup> لیکن اگر آپ کی ولادت کو عام الفیل کے ۱۳ سال بعد مانا جائے جیسا کہ روایت میں آتا ہے<sup>(۱۰)</sup> تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ سے تقریباً ۱۳ سال چھوٹے تھے۔ اس طرح آپ کی عمر تقریباً ۳۳ سال ہونی چاہئے ہمارے نزدیک یہی صحیح ہے۔ اس بات کو ان روایات سے بھی تقویت ملتی ہے جن میں شہادت کے وقت آپ کی عمر ۶۳ سال بیان کی گئی ہے<sup>(۱۱)</sup>۔ جاہلیت میں آپ کے پاس سفارت کا منصب ہونا بھی اس بات کی علامت ہے کہ آپ عمر میں بھی ضرور پختہ ہوں گے۔ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ آپ بعثت نبوی سے ۳۰ سال قبل پیدا ہوئے<sup>(۱۲)</sup> اس سے قبول اسلام کے وقت آپ کی عمر ۳۶ سال بنتی ہے۔

آپ سے پہلے کتنے لوگ دامن اسلام میں آچکے تھے اس بارے میں بھی مختلف بیانات ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان اپنے ایمان کو خفیہ رکھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن ثعلبہ کا بیان ہے کہ آپ ۴۵ مرد اور ۱۱ عورتوں کے بعد مسلمان ہوئے۔ ابو جعفر نے بھی اس کی تائید کی ہے<sup>(۱۳)</sup>۔ ہاربا بن یزید زبیر سعید السیب ۴۰ مرد اور ۱۱ عورتوں کے بعد قبول اسلام کے قائل ہیں۔ زہری بھی یہی کہتے ہیں<sup>(۱۴)</sup>۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ۳۹ مردوں اور عورتوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ حضرت عمرؓ اسام لائے تو ۴۰ آدمی ہو گئے<sup>(۱۵)</sup>۔ تقریباً تمام مؤرخین نے ان روایات کو محض نقل کر دینے پر قناعت کی ہے ان کا تنقیدی جائزہ نہیں لیا۔ اس لئے یہی بات مشہور و معروف ہو گئی ہے۔ ہمارے نزدیک ان کو تسلیم کرنے کی شرط یہ ہے کہ یہ مانا جائے کہ یہ تعداد ان لوگوں کی ہے جو اس وقت دینے کے اندر موجود تھے ورنہ مجموعی تعداد اس سے کہیں زیادہ بنتی ہے۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ مؤرخین کا اس بات پر تقریباً اتفاق ہے کہ آپ ۶ سن نبوی میں

(۱) بخاری ۲/۴۶۲ (۲) سیوطی ۱/۱۱۳ اثیر ۱/۴۵۵ (۳) سیوطی ۱/۱۱۳ اثیر ۱/۴۵۵ (۴) موسیو ۱۰۳ (۵) مسعودی ۲/۲۲ کثیر ۳/۸۲ (۶)

سعد ۳/۲۶۹ طبری حور ۲/۲۰ کثیر سیوطی ۱/۲۰ (۷) سعد ۳/۲۶۹ (۸) سعد ۳/۲۸۰ سیوطی ۱/۵۱ (۹) کثیر ۳/۱۳۳ سیوطی ۱/۸۱ (۱۰) مسیح ۸۷۷

حاکم ۹۱/۳ طبری ۱/۹۷۰ دہلی ۱/۸۱ (۱۱) حجر ۲/۵۱۱ (۱۲) سعد ۳/۲۶۹ طبری ۱/۲۰ اثیر ۱/۴۵۵ (۱۳) سعد ۳/۲۶۹ صی ۱/۲۰ حور ۱/۱۲ اثیر ۱/۵۲

کثیر ۳/۲۶۹ سیوطی ۱/۹۱ (۱۴) اثیر ۱/۴۵۵ حور ۱/۱۲ (۱۵) مسیح ۳۰۷۰ کثیر ۳/۲۶۹



مسلمان ہوئے۔ یہ ان دونوں کی بات ہے جبکہ ہجرت حبشہ ثانیہ ہو چکی تھی کیونکہ پہلی ہجرت بالکل خفیہ تھی اور دوسری ہجرت کا موقع تھا۔ جب آپ اپنی عزیزہ لیلیٰ بنت ابی ثمرہ کے جانے پر ملول تھے<sup>(۱)</sup>۔ ابن اسحاق کے بقول ”کان اسلام عمر بعد خروج من خرج من اصحاب رسول اللہ ﷺ الی الحبشہ“<sup>(۲)</sup>۔ ”ابن ہشام اور ابن کثیر نے ان کی مجموعی تعداد ۸۳ بتائی ہے“<sup>(۳)</sup>۔ ابن سعد کی نقل کردہ روایت میں ۸۳ مرد تھے مزید ۱۱ عورتیں اور ۷ بچے اور لوگ تھے<sup>(۴)</sup>۔ ابن کثیر نے بالکل ہی کہا ہے ”ہذا یؤد قول من دعم انه کان تمام الاربعمین من المسلمین فان المهاجرین الی الحبشہ کانوا فوق الثمانین“<sup>(۵)</sup>۔ ”البتہ ابن کثیر نے یہ امکان ضرور ظاہر کیا ہے کہ ہجرت حبشہ کے بعد جو لوگ مسلمان ہوئے ان میں آپ چالیسویں ہو سکتے ہیں“<sup>(۶)</sup>۔

### نوٹ:

قاروق اعظم کے حالات زندگی میں سے عہد نبوی، عہد صدیقی اور عہد خلافت کے اہم واقعات مقالے کے اگلے ابواب میں حسب موقع تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ اس لئے اس باب میں انہیں بیان کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ البتہ شہادت کا اہم واقعہ اور اس کے محرکات و نتائج کسی اور باب میں نہیں آسکتے تھے لہذا اسی باب میں اس کی تفصیلات دے دی گئی ہیں تاکہ سوانحی خاکہ مکمل ہو سکے۔

## شہادت

حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک مرتبہ احد پہاڑ کے اوپر چڑھے۔ آپ کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ بھی تھے، احد پہاڑ پہنچے گا۔ آپ نے فرمایا ”اے احد ٹھہر جا کہ تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں“<sup>(۱)</sup>۔ ”سرور کونین کا یہ فرمان پیشین گوئی تھی، بنارت تھی، حقیقت کی نشاندہی تھی یا حوصلہ افزائی؟ ہو سکتا ہے یہ چاروں چیزیں بیک وقت مقصود ہوں، لیکن معلوم یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے ذہن میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ آپ اللہ کی راہ میں قتل ہو کر شہادت کا مرتبہ حاصل کریں گے۔ سب یہی سمجھتے رہے کہ آپ ان معنوں میں شہید ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے لئے ہوئے پیغام حق کی سچائی کی گواہی دینے کی چوٹ پر دی اور کوئی ایک لمحہ بھی ایسا نہیں ملتا کہ قبول اسلام کے بعد آپ کے دل و ذہن میں کسی قسم کا کوئی شک ہو۔ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ آپ نے ہر اہم موڑ پر اپنے قول اور عمل سے دین کی حقانیت کی شہادت دی۔ یہاں تک کہ آپ کا وقت آخر آچھڑا اور شہادت حق کی بنا پر حق شہادت کے مستحق قرار پائے۔ ”ایک مرتبہ رسول اکرمؐ نے آپ کو سفید رنگ کا کرت پہنے ہوئے دیکھا تو پوچھا نیا غولیا ہے یا دھوا ہے؟“ حضرت عمرؓ نے جواب دیا: ”وہلا ہوا ہے۔“ آپ نے ارشاد فرمایا: ”الہی جفیلدا و عش حمیددا ومت شہیددا و یوزقک اللہ لفرۃ عین فی الدنیا والاخرۃ“<sup>(۲)</sup>۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کی بات ہے۔ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کے بقول میں نے خواب میں دیکھا کہ دوگ ایک جگہ جمع کئے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک شخص دیگر سارے لوگوں سے تین گز بلند ہے۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے تو کہا گیا عمر بن الخطابؓ۔ میں نے پوچھا یہ کس وجہ سے ان لوگوں سے بلند ہیں؟ کہا گیا ان میں تین خصلتیں ہیں ایک یہ کہ اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے وہ شہید بنائے ہوئے شہید ہیں اور خلیفہ بنائے ہوئے خلیفہ ہیں<sup>(۳)</sup>۔ حضرت عوفؓ نے جا کر اپنا خواب حضرت ابو بکر صدیقؓ کو سنایا انہوں نے حضرت عمر فاروقؓ کو بلا بھیجا۔ جب وہ آئے تو حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عوفؓ سے کہا کہ اپنا خواب بیان کرو۔ جب انہوں نے کہا کہ خلیفہ بنائے ہوئے خلیفہ ہیں تو حضرت عمرؓ نے انہیں جھڑک دیا فرمایا ”خاموش! ایسی بات کہتا ہے حالانکہ ابو بکرؓ زندہ ہیں“<sup>(۴)</sup>۔ ”آپ کا یہ عمل نہایت حکمت و بصیرت پر مبنی تھا اس سے مسلمانوں کے اجتماعی، سیاسی معاملات سے بے شمار فرائد حاصل ہو سکتی تھیں۔ البتہ آپ کے ذہن میں حضرت عوفؓ کا خواب محفوظ رہا چنانچہ اپنے عہد خلافت میں ملک شام میں آپ خطبہ دے رہے تھے۔ آپ کی نگاہ عوف بن مالکؓ پر پڑی تو آپ نے اپنے تصورات کو کھل کر بیان کرنے کا موقع سمجھا۔ انہیں بلا کر اپنے پاس منبر پر چڑھا لیا اور فرمایا کہ اپنا خواب بیان کرو۔ انہوں نے اسے بیان کر دیا تو آپ نے فرمایا یہ بات کہ میں اللہ کے معاملے میں ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتا تو میں اللہ سے آرزو کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایسے ہی لوگوں میں کر دے۔ یہ بات کہ میں خلیفہ بنایا ہوا خلیفہ ہوں تو میں (واضح کرتا ہوں) کہ خلیفہ بنایا گیا ہوں اور اللہ سے درخواست کرتا ہوں کہ اس نے جو چیز میرے پردہ کی ہے اس میں میری مدد کرے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ شہید بنایا ہوا شہید تو مجھے کہاں سے شہادت مل سکتی ہے۔ میں جزیرۃ العرب میں ہوں، جہاد نہیں کرتا اور لوگ میرے ارد گرد ہیں، مجھے اس کا فوس ہے، مجھے اس کا فوس ہے۔ ہاں اگر اللہ چاہے تو اسے لے لے گا“<sup>(۵)</sup>۔

(۱) بیہقی، ۱۹۷، ص ۱۲۸، رمندی، ۲۸۷، ۵، ۲۹۵/۴، (۲) حبان، ۲۳/۹، سعد، ۲۲۹/۳، حبان، ۲۴۱، البراء، ۱۱۵۷، (۳) سعد، ۳، سیوطی، ۱۳۲،

(۴) سعد، ۳۳/۳، طبرانی، ۱۵۶۱، (۵) سعد، ۳۳۱/۳، طبرانی، ۱۵۶۱

ایک مرتبہ کعب احبار نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ تورات میں آپ کی یہ یہ صفات بیان ہوئی ہیں اور آپ کو وہاں شہید دکھایا گیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”جزیرہ عرب میں رہتے ہوئے میری شہادت کے امکانات کیسے پیدا ہو سکتے ہیں۔“ کعب بولے بہر حال تورات میں آپ شہید امام عادل اور حق کے معاملے میں مامور سے بے نیاز نظر آتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ”اگرچہ یہ بات درست ہے کہ حق کے معاملے میں میں ملامت کی پروا نہیں کرتا لیکن مجھے شہادت کیسے ملے گی (۱)۔“

ان تمام اشارات کے باوجود آپ کیلئے یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ قدرت کا فیصلہ کیا ہے؟ اور اس کی تکمیل کی صورت کیا ہوگی؟ آپ اس کے امکان کو محدود سمجھنے میں بالکل حق بجانب تھے کیونکہ ظاہری حالات آپ کی تائید کرتے تھے۔ اس کی آپ کو خوشی نہیں بلکہ افسوس تھا کیونکہ شہادت کی موت آپ کی دلی آرزو تھی اس کی عظمت سے آپ اچھی طرح آگاہ تھے۔ آپ کے خادم حضرت زید بن اسلم سے مروی ہے کہ آپ کہا کرتے تھے ”اللہم اور فی شہادۃ فی سبک واجعل موتی فی بلد رسولک (۲)۔“ یہی کلمات آپ کی بیٹی ام المومنین حضرت حفصہؓ نے بھی سنے تو عرض کی ”یہ کیسے ممکن ہو گا؟“ آپ نے فرمایا ”اللہ اپنا حکم جہاں چاہے پورا کر سکتا ہے (۳)۔“

آپ نے ۶۱ سن نبوی میں قبولِ اسام سے ۶۳ سن ہجری یعنی خلافت کے آخر تک چالیس سال نہایت بھرپور اور متحرک کردار ادا کیا۔ خاص طور پر تقریباً ساڑھے دس سالہ دور خلافت جس میں بائیس ماہہ مربع میل رقبے تک پھیل ہوئی وسیع سلطنت جس کے بیشتر حصے کی فتوحات کی منصوبہ بندی سے کر ‘ امن و امان، تعلیم و تربیت، کفالت و عدل اور انتظام و انصرام کے تمام معاملات کو بے مثال جذبے اور احساسِ دہمہ درمی سے سر انجام دیتے رہنے کا خاص طور پر ۱۸ھ کی قحط سالی جس کی فکر نے آپ کے جسم کو کمزور و ریمک کو تبدیل اور توانائیوں کو مضطرب کر دیا۔ اس میں زیدؓ اپنے باپ واداسے روایت کرتے ہیں کہ ”ہم لوگ کہا کرتے تھے کہ اگر اللہ نے قحط رفع نہ کیا تو عمرؓ مسلمانوں کی فکر میں مر جائیں گے (۴)۔“ آپ کے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ آپ نے قحط کے زمانے میں ایک نیا کام کیا جسے وہ پہلے نہیں کرتے تھے وہ یہ کہ لوگوں کو عشاء کی نماز پڑھا کر گھر میں داخل ہوتے اور برابر نماز پڑھتے رہتے پھر نکلنے اور پہاڑی راستوں پر گھومتے ایک رات کو پچھلے پہر میں انہیں یہ کہتے ہوئے سن رہا تھا ”اے اللہ امت محمدؐ کی ہلاکت میرے ہاتھوں نہ کر (۵)۔“

اسلام اور عوام کی خاطر اپنے آپ کو اس طرح گھما دینے والے کے شایانِ شان یہی تھا جب اپنے اندر کمزوری و ناتوانی محسوس کرے جہذاً حد اپنے رب سے ملنے کا خواہاں ہو۔ چنانچہ ہر سال کی طرح ۶۳ ہجری میں آپ امہات المومنین کو ساتھ لے کر حج پر تشریف لے گئے اور ارکانِ حج سے فارغ ہونے کے بعد منی سے اپنے بلخ میں اپنا اونٹ بٹھالیا، منکر یزے جمع کر کے ایک چوہرہ سا بنایا اور اس پر اپنی چادر کا کنارہ ڈال دیا پھر چٹ لیٹ گئے اور اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھ کر کہنے لگے ”اے اللہ میری عمر زیادہ ہو گئی ہے ہڈیاں نرم پڑ گئی ہیں تو تم جو اب دے رہی ہیں اور رعایا پھیل گئی ہے اس کے انتشار کا اندیشہ ہے اب مجھے اپنے پاس بلا لے۔ اس حال میں کہ میرا دامن جزوِ ملامت سے پاک ہو (۶)۔“ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے کی پر خصوص دعاؤں کو شرفِ قبولیت بخش اور اسی حج کے دوران اور فوراً بعد ایسے اشارے دے دیئے کہ خود آپ پر اور آپ کے ساتھیوں پر واضح ہو گیا کہ آپ کا وقت رخصت انتہائی قریب ہے۔ اس سلسلے میں تواریخ میں ہمیں متعدد روایات ملتی ہیں جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) جز ۱ ص ۲۰۷ (۲) بخاری ۲۲۵۵، مالک ۱۶۶۲، مسند ۱۶۱۳، مسند ۴۴۱ (۳) مسند ۳۳۱، کبیر ۱۳۷، (۴) مسند ۳۵۳، (۵) مسند ۲۲۳، ۲۲۲

(۶) ح ۲ ص ۹۲، مسند ۳۳۶، (۷) ص ۷۳۔

## ○ ابو موسیٰ اشعریؓ کا خواب:

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں نے بہت سے راستے اختیار کئے سب مٹ گئے۔ ایک راستہ رہ گیا جس پر میں چل کے ایک پہاڑ تک پہنچا۔ اتفاق سے رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف فرما تھے۔ آپ کے پہلو میں ابو بکرؓ تھے اور عمرؓ کی طرف اشارہ فرما رہے تھے کہ ”میں نے کہا ”انا للہ وانا الیہ راجعون۔“ واللہ امیر المؤمنین مر جائیں گے۔“ راوی نے کہا کہ آپ یہ عمرؓ کو لکھ کیوں نہیں دیتے؟ جواب دیا کہ ”میں ایسا نہیں ہوں کہ خود انہی کو ان کی وفات کی خبر دوں (۱)۔“

## ○ عیینہ بن حصن کی درخواست:

انہوں نے آپ سے عرض کی ”یا تو آپ اپنی حفاظت کیجئے یا مال غنیم کو دینے سے باہر نکال دیجئے کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ ان میں سے کوئی شخص آپ کے یہاں در نہ کر بیٹھے۔ یہ کہہ کر اپنا ہاتھ اس مقام پر رکھا جہاں ابولولؤ نے وار کیا تھا (۲)۔“

## ○ جبیر بن مطعم کی گواہی:

ان سے روایت ہے اپنے سامنے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اپنے سفری حج کے موقع پر عذ کی پہاڑیوں پر کھڑے تھے کہ انہوں نے ایک شخص کو پکار پکار کر کہتے سنا ”یا خلیفہ! یا خلیفہ!“ کچھ لوگ سفر کی تیاری کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک شخص نے یہ سن کر اس سے کہا ”اللہ تجھے سرمہ در گلو کرے!“ تجھے کیا ہوا؟“ جبیرؓ نے بلند آواز میں اس دوسرے شخص سے کہا ”اسے گالی نہ دو!“ دوسرے دن حضرت عمرؓ عقبہ پر کھڑے رہی جہاں فرما رہے تھے۔ جبیرؓ اس کے ساتھ تھے کہ ایک کنکری حضرت عمرؓ کے ہنر لگی اور ان کا سر پھوٹ گیا۔ جبیرؓ نے پہاڑ سے کسی کی آواز آتے سنی جو کہہ رہا تھا ”رب کہہ کی قسم! مجھے بتایا گیا ہے کہ اس سال کے بعد عمرؓ اس مقام پر کبھی کھڑے نہ ہوں گے۔“ اور یہ وہی شخص تھا جو کل چچ پنج کر ”یا خلیفہ! یا خلیفہ!“ کہہ رہا تھا اور وہ مجھ پر سخت گزر (۳)۔

## ○ حضرت حذیفہؓ کی فتنہ کے متعلق پیش گوئی:

حذیفہؓ سے مروی ہے کہ میں نے عمرؓ بن الخطاب کے ہمراہ وقوف عرفات کیا تھا۔ میرا اونٹ ان کے اونٹ کے پہلو میں تھا اور میرا گھنٹا ان کے گھنٹے سے لگ رہا تھا۔ ہم لوگ منتظر تھے کہ آفتاب غروب ہو تو نہیں۔ انہوں نے لوگوں کی تکبیر اور دعا اور جو کچھ وہ کر رہے تھے اسے دیکھ تو پسند کیا اور فرمایا ”اے حذیفہؓ تمہاری رائے میں یہ طریقہ لوگوں کیلئے کب تک باقی رہے گا۔“ عرض کی کہ فتنے پر یک دروازہ لگا ہوا ہے جب وہ توڑ ڈال جائے گا یا کھوس دیا جائے گا تو وہ نکلے گا۔“ عمرؓ گھبرا گئے اور فرمایا کہ ”وہ کونسا دروازہ ہے اور اس کا ٹوٹنا یا کھوسنا کیا ہے؟“ عرض کی کہ ”ایک شخص مرے گا یا قتل کیا جائے گا۔“ فرمایا ”اے حذیفہؓ تمہارے رائے میں قوم میرے بعد کس کو امیر بنائے گی۔“ عرض کی ”میری رائے میں لوگ عثمان بن عفان کا سپہرا میں گئے (۴)۔“

## ○ حضرت عائشہؓ کی روایت:

عائشہؓ سے مروی ہے کہ آخری حج میں جو عمرؓ نے امہات المؤمنین کو کرایا۔ ہم لوگ عرنے سے پلنے میں الجھب (مٹنی وکے کے درمیانی مقام) سے گزری تو ایک شخص کو اپنے سواری پر کہتے تھے کہ امیر المؤمنین عمرؓ کہاں تھے۔ میں نے دوسرے آدمی کو جو ب دیتے سنا کہ امیر المؤمنین یہاں تھے پھر اس نے اپنا اونٹ بٹھایا

(۱) سعد ۳، ۳۳۲، سیوطی ۱، ۱۳۳ (۲) صلیبی ۵۴۲ (۳) اشرا ۷۳۲، سعد ۳، ۳۳۳، سیوطی ۱، ۴۴ (۴) سعد ۲، ۳۳۲، مرید، مقبول، اب الصلح، ص ۲۵۹

اور گانے کی آواز بلند کر کے کہا

عليك سلام من امام و بارکت

يدالله في ذلك الاديم المعمول

(اے امام تم پر سلام ہو اور اللہ کا ہاتھ اس پھیلی ہوئی کشادہ زمین میں برکت کرے۔)

لمن يسع او يركب جناحي نعام

لهدرك ما قدمت بالامس يسبق

(پھر جو دوڑے گا یا ستر مرغ کے بازوؤں پر سوار ہوگا، تم نے جو کچھ کل بھیجا اسے آگے جاتا ہو پائے گا۔)

"قضيت اموراً ثم غادرت بعدها

بوالى في انعامها لم تغفل

(تم نے تمام امور پورے کر دیے اس کے بعد تم نے اس حالت میں چھوڑ دیا کہ وہ کلیاں ہیں جو اس طرح بنے خلاف میں ہیں کہ چٹکی نہیں ہیں)

اس سوار نے وہاں سے جنبش بھی نہ کی اور نہ معنوم ہوا کہ وہ کون ہے، ہم لوگ بیان کیا کرتے تھے کہ وہ جنوں میں سے تھا۔ عمر اس حج سے آئے اور انہیں نخر مارا گیا اور وہ انتقال کر گئے۔ محمد بن جابر بن مطعم نے اپنے والد سے اسی حدیث کے مثل روایت کی ہے اور انہوں نے کہا کہ وہ شخص جس نے عرفات میں کہا کہ اے خلیفہ خدا تمہیں موت دے اس سال کے بعد عمر اس موقف میں بھی کھڑا ہوں گے اور جس شخص نے حمرے پر کہا کہ مجھے خبر دی گئی ہے کہ والدہ میں سوئے اس کے نہیں دیکھتا کہ امیر المؤمنین عنقریب قتل کئے جائیں گے۔ وہ شخص قبیۃ البیت کا تھا جو انازد کے بطن سے ہے اور وہ گھوم رہا تھا<sup>(۱)</sup>۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے شعر کہنے والے کے بارے میں پوری چھان بین کی۔ چنانچہ موسیٰ بن عقبہ سے مروی ہے کہ عائشہ نے پوچھا کہ "یہ اشعار کہنے وال کون ہے؟" حوی اللہ خیرا من امام بارکت المح (علیک سلام من امام و بارکت)۔ "تو لوگوں نے کہا کہ مزد بن ضرار۔ عائشہ نے کہا کہ "میں اس کے بعد مزار سے ملی تو انہوں نے خدا کی قسم کھائی کہ وہ اس سال کے موسم میں حج میں موجود نہ تھے<sup>(۲)</sup>۔ حج کر کے جب آپ واپس مدینے پہنچے تو چند اور واقعات ایسے پیش آئے جنہوں نے آپ کی شہادت کے امکان کو یقین میں بدل دیا۔

## ۵..... ابولؤلؤ کی دھمکی:

حضرت عمر ایک دن بار بار کاٹھ لگانے لگے۔ راستے میں ابولؤلؤ ملے اور ان سے کہے لگا "امیر المؤمنین! مجھے مغیرہ بن شعبہ سے بچائیے، مجھ پر بہت زیادہ خراج ہے۔" حضرت عمرؓ نے پوچھا "تم کتنا خراج ادا کرتے ہو؟" بولا "دو درہم روزانہ" حضرت عمرؓ نے کہا "اور کیا کام کرتے ہو؟" کہنے لگا "ہماری نقاشی اور آہن گری۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا "تمہارے پیشوں کو دیکھتے ہوئے خرچ زیادہ معلوم نہیں ہوتا۔ میں نے سنا ہے تم کہتے ہو کہ "اگر میں چاہوں تو ہوا سے چنے دلی چکی بنا سکتا ہوں۔" کہنے لگا "ہاں" فرمایا "تو پھر مجھے ایک چکی بنا دو" بولا "اگر میں زندہ رہا تو آپ کیسے ایسی چکی بناؤں گا جس کا چرچا مشرق سے مغرب تک ہوگا" اور یہ کہہ کر چلا گیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا "اس غلام نے ابھی ابھی مجھے دھمکی دی ہے"<sup>(۳)</sup>۔ ابن شیر کی روایت میں آتا ہے کہ حضرت علیؓ ساتھ تھے یہاں

(۱) مسند ۳ ص ۳۲۱ سیوطی ۱۶۱۱ البراء ۱۱۵۸ (۲) مسند ۳ ص ۳۳۴ (۳) مسند ۳ ص ۲۴۵ شیر ۲ ص ۷۶ شرا ۱۱۵۱ سیوطی ۱۲۳ طبرانی ۹ ص ۵۷۵

نے کہا کہ امیر المومنین وہ آپ کو قتل کی دھمکی دیتا ہے (۱)۔ روایت میں آتا ہے کہ آپ نے یہ بھی کہا کہ اللہ سے ڈر اور اپنے آقا سے نیک سلوک کر۔ آپ کا اصل ارادہ یہ تھا کہ مغیرہ سے مل کر اس کے بارے میں سفارش کریں گے لیکن بد بخت کو غصہ آگیا اور کہنے لگا ”عمرؓ کا عدل تمام لوگوں کیسے عام ہے سوائے میرے۔“ اس کے دل میں قتل کا ارادہ پیدا ہو گیا اس نے دونوں کو والا خنجر عطا اس کو خوب تیز کیا اور زہر میں بچھانے کے بعد ہر مرہن کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ ”دیکھو یہ خنجر کیسا ہے؟“ اس نے کہا ”میرے نزدیک یہ ایسا ہے کہ جس کو مار دے مر جائے گا“ (۲)۔

## ○ کعب الاحبار کی پیشین گوئی:

ابو لؤلؤ کی دھمکی کے بعد حضرت عمرؓ اپنے گھر میں تشریف لے گئے۔ دوسرے دن کعب احبار کے پاس آئے اور کہا ”امیر المومنین! تیار ہو جائیے آپ نہیں دن میں وفات پا جائیں گے۔“ کعب عہد رسالت میں یہودیوں کے ایک بہت بڑے عالم تھے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اکثر حاضر ہوتے تھے۔ وہ اپنا مذہب اسلام کی طرف ظاہر کرتے تھے، لیکن اعلان اس وقت کرنا چاہتے تھے جب ان پر وہ تمام علما متیں آئینہ ہو جائیں جو نبی عربی علیہ التحسینہ والتسلیم اور آپ کے صحابہ کرام کے متعلق انہوں نے کتب یہود میں پائی تھیں۔ چنانچہ جب حضرت عثمان کے حق میں خلافت کا فیصلہ ہو گیا تو کعب نے اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے کعب کے اس ڈر کو بے پر متوجہ ہو کر ان سے پوچھا ”تمہارا مطلب کیا ہے؟“ بولے ”میں نے یہ توریث میں پڑھا ہے۔“ حضرت عمرؓ یہ بات سن کر حیرت میں رہ گئے اور فرمایا ”اللہ! عمر بن خطاب کا نام تم نے توریث میں پڑھا ہے۔“ کعب نے کہا ”نام نہیں آپ کا علیہ اور صفات اور یہ کہ آپ کا وقت ختم ہو گیا ہے۔“ حضرت عمرؓ کو چونکہ کوئی تکلیف یا بیماری نہیں تھی اس لئے کعب کی اس گفتگو سے انہیں اور بھی حیرت ہوئی تاہم انہوں نے اس پر کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ دوسرے دن کعب پھر آئے اور کہا ”امیر المومنین! ایک دن گزر چکا ہے اور دو دن باقی رہ گئے ہیں۔“ پھر اس کے ایک دن بعد انہوں نے کہا ”دو دن گزر گئے ہیں اور اب صرف ایک دن اور ایک رات باقی ہے۔ آپ کی زندگی بس کل صبح تک ہے“ اور دوسرے دن صبح ابو لؤلؤ نے حضرت عمرؓ کو کاری زخم لگائے۔ اس کے بعد جب لوگ بوران کے ساتھ کعب حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور حضرت عمرؓ نے کعب کو دیکھا تو فرمایا

لَوْ عَلَنِي كَعْبٌ لَلَأَنَّا أَعْدَا

وَلَا شَكَّ أَنَّ الْقَوْلَ مَقَالٌ لِي كَعْبٌ

(کعب نے مجھے ڈرایا ہے کہ میری زندگی کے صرف تین دن باقی رہ گئے ہیں اور جو کچھ کعب نے مجھ سے کہا ہے اس میں کچھ شبہ نہیں)

وَمَا بِي حَذَارُ الْمَوْتِ إِنِّي لَمَيِّتٌ

وَلَكِنْ حَذَارُ اللَّذْبِ يَتَّبِعُهُ اللَّذْبُ (۳)

(مجھے موت کا کیڑا کہ میں تو میری رہا ہوں البتہ یہ خوف ہے کہ ایک گناہ کے بعد دوسرا گناہ ہوتا ہے۔)

## ○ ..... حضرت عمرؓ کا خواب:

حضرت عمرؓ فاروق نے زندگی کے آخری جمعہ کو حج سے واپس آنے کے بعد جو بیکل کی تحقیق کے مطابق ۲۲ ذی الحجہ تھے اس دن جو خطبہ دیا اس میں رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک مرغ نے مجھے تین ٹھونکیں ماری ہیں۔ میں سمجھتا ہوں

کہ اس کی تصویر یہ ہے کہ میری موت اب نزدیک ہے<sup>(۱)</sup>۔ بعض روایات کے مطابق آپؐ فرمایا ”مجھے سرخ مرغ نے دو چو نہیں ماریں۔ اللہ میرے پاس شہادت کو ہنگالائے گا اور مجھے بھی قتل کرے گا“ (۲)۔

## ○ واقعہ شہادت کی تفصیل:

۳۶ ذی الحج ۱۰ کو بدھ کے دن حضرت عمرؓ سورج طلوع ہونے سے پہلے لوگوں کو نماز پڑھانے کیلئے کاشانہ خلافت سے لکے۔ انہوں نے مسجد میں کچھ لوگ مقرر کر رکھے تھے جو ہر نماز سے پہلے مصلیٰ درست کیا کرتے تھے۔ جب مصلیٰ درست ہو گئیں تو حضرت عمرؓ آئے اور دیکھا کہ پہلی صف کچھ ”گے پیچھے ہے۔ اسے درے سے ٹھیک کیا لوگ اپنی اپنی جگہ قرینے سے بیٹھ گئے تو ان دن دی گئی اور حضرت عمرؓ امانت کیسے آگے بڑھے۔ اس وقت صبح کی سفیدی پوری طرح نمایاں نہ ہوئی تھی۔ ابھی حضرت عمرؓ نے نماز کی تکبیر شروع ہی کی تھی کہ ایک شخص اچانک ان کے سامنے آیا اور اپنے خنجر سے اس پر تین یا چھ وار کئے جن میں سے ایک زہر ناپ پڑا۔ حضرت عمرؓ نے دھار وار آنے کی گرمی محسوس کی۔ نمازیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ہاتھ پھیلا کر کہا ”پکڑو اس کتے کو اس نے مجھے قتل کیا ہے۔“ یہ کتابتاب مغیرہ بن شعبہ کا نصرانی غلام ابو لؤلؤ فیروز تھا۔ یہ ایران کا باشندہ تھا جو نہادند کی جنگ میں پکڑا گیا اور اس کے بعد جناب مغیرہ بن شعبہ کی غلامی میں آگیا۔ وہ حضرت عمرؓ کو شہید کرنے کی نیت سے منہ اند میرے مسجد میں آگیا تھا۔ اس نے اپنی چادر میں ایک خنجر چھپا رکھا تھا جس کا دست بچ میں تھا اور دونوں طرف بڑی تیز دھاروں کے پھل تھے۔ وہ مسجد کے ایک گوشے میں چھپ گیا اور جب نماز شروع ہوئی تو وار کر دیا اور اس کے بعد اپنی جان بچنے کیلئے بھاگا۔ نمازیوں میں ایک بے چینی سی پھیل گئی بہت سے لوگ اس کتے کو پکڑنے اور سزا دینے کیلئے اس کی طرف دوڑے لیکن فیروز نے ان کا ہاتھ اپنی کمر تک نہ پہنچنے دیا اور دائیں بائیں خنجر کے وار کرنے لگا۔ یہاں تک کہ ہارہ آدمی زخمی ہو گئے جن میں سے ایک قول کے مطابق چھ اور دوسرے قول کے مطابق ۹ جاہر نہ ہو سکے۔ آخر ایک شخص اس کے پیچھے سے آیا اور اپنی چادر اس پر ڈال کر اسے زمین پر گرادیا۔ فیروز کو یقین ہو گیا کہ وہ سی جگہ قتل کر دیا جائے گا چنانچہ جس خنجر سے اس نے امیر المومنین کو مجروح کیا تھا اسی خنجر سے اپنا کام بھی تمام کر لیا۔

جودار حضرت عمرؓ کے زہر ناپ پڑا تھا اس سے صفاق اور آنتیں کٹ گئی تھیں اس لئے وہ مہلک ثابت ہوا۔ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ زخم لگنے کے بعد کھڑے نہ رہ سکے بلکہ فرش پر گر پڑے اور اپنی جگہ نماز پڑھانے کیلئے حضرت عبدالرحمن بن عوف کو کھڑا کر دیا۔ حضرت ابن عوفؓ نے قرآن کی دو مختصر ترین سورتوں ”سورۃ العصر اور سورۃ الفکوثر“ میں لوگوں کو نماز پڑھائی۔ لیکن ایک روایت یہ ہے کہ لوگ حضرت عمرؓ اور ان کے گرد دوسرے مسلمانوں کو زخمی پڑے دیکھ کر اپنے حواس کھو بیٹھے اور جب لوگ حضرت عمرؓ کو ٹھاکر کاشانہ خلافت میں لے جانے لگے تو اس منظر سے ان کے غم و اضطراب میں اور اضافہ ہو گیا۔ مجمع اسی بدحواسی و بے چینی میں تھا کہ کسی نے کہا ”اللہ کے بند و انماز تو پڑھ لو سورج نکل آیا ہے۔“ چنانچہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ امام بنائے گئے اور انہوں نے دو مختصر ترین سورتوں میں نماز پڑھائی۔ بقول بیکل یہ دوسری روایت بلاشبہ صحیح ہے۔ لوگ اس پریشانی و بدحواسی کے عالم میں نماز کیلئے از سر نو مصلیٰ کیسے درست کر سکتے تھے جبکہ میرا مومنین ان کی نگاہوں کے سامنے زمین پر پڑے تھے اور ان کے زخموں سے جیتا جیتا خون بہہ رہا تھا۔ ان کے گرد دوسرے مجروحین خون میں تھڑے ہوئے تھے اور انہیں میں قاتل کی ناش بھی تھی۔ اگر ہم یہ تصور کر بھی لیں کہ زخم کھانے کے باوجود وہ اپنی جگہ امامت کیلئے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کو کھڑا کرنے کے متعلق سوچ سکتے تھے حالانکہ اس قسم کا تصور عقل سے سراسر بعید ہے تو بھی یہ خیال کرنا ہمارے لئے ناممکن ہے کہ لوگ خوف و پریشانی کے مناجات میں مصلیٰ درست

کر سکتے تھے۔ اس لئے ہمیں لازمی طور پر یہ ماننا پڑے گا کہ حضرت عمرؓ ہوشیار بنے ہوئی کی حالت میں مسجد کے قریب کاشانہ خلافت میں لے جائے گئے۔ رخیوں کو مسجد کے کسی گوشے میں پہنچا دیا گیا فیروز کی لاشیں بطحائیں لے جا کر ڈال دی گئی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں ”میں عمرؓ کے پاس تھا ان پر مسلسل غشی طاری تھی یہاں تک کہ صبح نمودار ہو گئی۔ جب دن نکلا تو عمرؓ کو ہوش آیا انہوں نے ہماری صورتیں دیکھیں اور پوچھا ”لوگوں نے نماز پڑھ لی؟“ میں نے کہا ”ہاں“ بولے ”جس نے نماز چھوڑی وہ مسلمان نہیں ہے“ اس کے بعد حضرت ابن عباسؓ حضرت عمرؓ کے ارشاد کے مطابق باہر آئے اور پکار کر لوگوں سے کہا ”لوگو! امیر المومنینؓ دریافت فرماتے ہیں ”کیا یہ واقعہ تم لوگوں کے مشورے سے ہوا؟“ لوگ یہ دیکھ کر سہم گئے کہ یہ بات ان کی طرف رخ کر کے کہی جا رہی ہے اور یک زبان ہو کر چلائے ”معاذ اللہ! ہمیں اس کا کوئی علم نہیں، ہمیں اس کی کوئی خبر نہیں“ اور یہ ہو بھی کیسے سکتا تھا۔ اگر انہیں یہ بات معلوم ہوتی تو وہ اپنی جانیں اور اپنی اولاد فاروق اعظمؓ پر سے فدا کر دیتے۔ حضرت ابن عباسؓ نے ان سے پوچھا ”امیر المومنینؓ پر حملہ کس نے کیا ہے؟“ لوگوں نے کہا ”اللہ کے دشمن ابولؤلؤؓ نے جو مغیرہ بن شعبہ کا غلام ہے۔“

حضرت عمرؓ اپنے بستر پر لیٹے حضرت ابن عباسؓ کے منظر تھے کہ وہ ان کے سوال کا کیا جواب لے کر آتے ہیں۔ نہیں اس طبیب کا بھی انتظار تھا جو انہوں نے اپنے رشتہ داروں کے ذریعے بلوایا تھا۔ جب حضرت ابن عباسؓ واپس آئے اور لوگوں کی کہیں انہیں سنائی اور بتایا کہ ان پر حملہ ابولؤلؤؓ نے کیا ہے اور دوسرے چند آدمیوں کو زخمی کر کے خودکشی کر لی ہے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا ”اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میرا قاتل کسی ایسے شخص کو نہیں بتایا جو اس کے حضور اپنے کبھی کے ہوئے ایک سجدے کو میرے لئے جہت بناتا الحمد للہ کہ مجھے کسی عرب نے قتل نہیں کیا۔“

ایک عرب طبیب آیا اور اس نے نیب پلائی۔ وہ نیب جب ناف کے نیچے والے زخم سے نکلی ہے تو بالکل خون معلوم ہوتی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک انصاری طبیب کو بلوایا، پھر بنو معاویہ کا ایک اور طبیب آیا۔ اس نے حضرت عمرؓ کو دودھ پلایا، لیکن وہ جوں کا توں زخم سے نکل گیا اور اس کے رنگ میں کوئی تغیر پیدا نہ ہوا۔ طبیب نے کہا ”امیر المومنینؓ! اللہ کو یاد کیجئے۔“ مطلب یہ تھا کہ موت جینی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”بنو معاویہ کے بھائی اتم نے جج کہا اگر اس کے سوا اتم کوئی بات کہتے تو جھوٹ بولتے۔“ طبیب کی یہ بات سن کر حاضرین پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اور وہ رونے لگے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”ہم پر آنسو نہ بہاؤ جسے روتا ہو“ یہاں سے چلا جائے۔ کیا تم نے رسول اللہ ﷺ سے نہیں سنا کہ ”رشتہ داروں کے رونے سے میت پر عذاب ہوتا ہے۔“

## ۵..... قتل ایک سازش

ہم دیکھتے ہیں کہ فاروق اعظمؓ کو عین ان دنوں میں شہید کیا گیا جب اسلامی فوجیں مشرق میں شاہ مکران راسل کو شکست دے کر علاقے پر قبضہ کر چکی تھیں اور دریافت کرنے پر صحابہ عبدی یوں حالات بیان کر رہے تھے ”امیر المومنینؓ اس کے روم میدانوں کی زمین بھی پہاڑ کی طرح ہے وہاں پانی کی بھل خراب دشمن دلیہ بھلائی تھوڑی اور برائی زیادہ ہے۔ کثیر تعداد تھوڑی معلوم ہے اور قلیل تعداد بڑھتی ہو جاتی ہے۔ اس کا پچھلا حصہ اس سے بھی بدتر ہے۔“ آپ نے سن کر فرمایا تم قافیہ پکائی کر رہے ہو یا خبر دے رہے ہو؟“ اس نے کہا ”صحیح خبر دے رہا ہوں۔“ آپ نے فرمایا ”بخدا امیر لشکر وہاں بھی حملہ نہیں کرے گا۔“ آپ نے وہاں کے سالار حضرت حکم بن عمرو اور سہیل کو لکھا ”تم دونوں کے لشکروں میں سے کوئی بھی مکران سے آگے نہیں بڑھے گا اور دریا سے درے کے علاقوں



تک محدود ہو<sup>(۱)</sup>۔ ”بس اسی فرمان نے ان کے قدم روک دیے تھے۔

جب کسریٰ کی عظیم سلطنت کے سخری فرمانروا یزدگرد جان بچانے کیلئے درہر کی ٹھوکریں کھا رہا تھا، اس کے باہمی علاقے اسے پناہ دینے سے معذور تھے۔ س نے چھین کے شہنشاہ سے مدد طلب کی تو س نے جواب میں لکھا ”مجھے آپ کی طرف ایک عظیم الشان لشکر بھیجنے سے جس کا ایک حصہ مرو میں ہو (جہاں یزدگرد چھپا ہوا تھا) اور دوسرا حصہ چین تک ہو، صرف اس بات نے روک رکھا تھا کہ میں اس قوم کے حالات سے ناواقف تھا مگر جیسا کہ آپ کے سفیر نے بتایا ہے یہ قوم ایسی ہے کہ اگر پہاڑوں کا مقابلہ کرے تو نہیں بھی پش پاش کر دے اور اگر ان کے لشکر کو آزاد چھوڑ دیا جائے تو مجھے بھی ہٹا سکتے ہیں بشرطیکہ ان میں یہ خصوصیات باقی رہ گئی ہوں۔ (میرا مشورہ ہے) کہ آپ ان سے مصاحبت کر لیں اور مصاحبت کرنے کو عزت سمجھیں، جب تک وہ برسرِ پیکار نہ ہوں آپ ان سے ہرگز جنگ نہ کریں<sup>(۲)</sup>۔ آخر کار یزدگرد کے قتل ہو جانے کی اطلاع جب حضرت عمرؓ تک پہنچی تو آپ نے خطاب کرتے ہوئے اعلان کیا ”آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے جو بیت کی بادشاہت کا خاتمہ کر دیا ہے ان کا شیرازہ منتشر کر دیا ہے۔ اب وہ اپنے ملک کی ایسی ہاشت بھر زمین پر قابض نہیں ہو سکیں گے جس سے مسلمانوں کو نقصان پہنچے۔ دیکھو اللہ نے تمہیں ان کی سر زمین ان کے ملک ان کے مال و دولت اور ان کے فرزندوں کا ملک بنا دیا ہے تاکہ وہ معلوم کر سکیں کہ تم گے کیا کارنامے انجام دو گے۔“

جب اسلامی لشکروں کے قدم باہل اور نیوی کی قدیم تہذیبوں کے آثار نے چوم لئے تھے تو آگے بڑھ کر آرمینیا کی سرحدیں عبور کر چکے تھے اور ان کے ایک جرنیل قتیبہ بن فرقداسلمی فاروق اعظمؓ کو یہ اطلاع دے رہے تھے کہ ”میں اپنی فوج کے سلسلے میں ”ذریعہ جان تک پہنچ چکا ہوں“<sup>(۳)</sup>۔ ”ادھر عبدالرحمن بن ربیعہ ترکی کے مفتوحہ علاقوں کا مال غنیمت لے کر حضرت عمرؓ کے قدموں میں ڈھیر کر چکے تھے“<sup>(۴)</sup>۔ جبکہ پہلی مرتبہ برصغیر کی طرف بحری ہمیں بھیجی گئیں۔ ایک نے حکم بن العاص کی زیر قیادت (بسنفی کے قریب) تھانہ پر اور دوسری السیرہ کی زیر قیادت دہل (کراچی) پر کامیاب حملہ کر کے واپس آچکی تھیں اور مسلمانوں کی دھاک سمندر عبور کر چکی تھی اور شرک و بت پرستی کی سر زمین توحید کے سردوں سے آشنا ہو چکی تھی<sup>(۵)</sup>۔

جب انبیاء کی سر زمین فلسطین پر یہود و نصاریٰ کا تسلط ختم ہو چکا تھا۔ بیت المقدس میں مسلمان سجدہ ریز تھے، تاریخی اور مقدس مقامات کی حفاظت و نگرانی کے ذمہ دار بن چکے تھے۔ رومیوں کی ساہا سال کی عظیم الشان سلطنت کی جزیرہ عرب سے بساطِ لپیٹ دی گئی تھی۔ قیصر اور قیصریت، مٹی کی تہوں میں دفن ہو چکے تھے اور ان کی جان مال، عزت، مذہب اور دیگر بنیادی حقوق کے سلسلے میں امان نامے پر دستخط خود امیر المومنین کر چکے تھے<sup>(۶)</sup>۔ جب براعظم فریقہ میں مسلمانوں کے فاتحانہ قدم پہنچ چکے تھے، فرمان کی سر زمین مصر پر اسلام کا پرچم لہرا رہا تھا اور سکندریہ اور قسطنطنیہ جیسے تاریخی و تہذیبی مراکز اب اسلامی تہذیب کا گہوارہ بن چکے تھے۔ وہاں کی فضلوں میں گونجنے والی اذانیں اللہ کی حاکمیت و کبریائی کا اعلان کر رہی تھیں<sup>(۷)</sup> اور مراہس پر حملے کی اجازت طلب کر رہی تھیں تو حضرت عمرؓ کو شہید کر دیا گیا۔ کیا یہ اتفاقی واقعہ تھا؟ کیا اپنے دور کی دوسرے طاقتوں کے سرنگوں ہونے کے بعد ان کے سابقہ اہلکاروں اور مراعات یافتہ طبقوں نے اسلام کی مادامتی کو صدق دل سے تسلیم کر لیا ہو گا اور اپنی دست و محردی کا بدلہ ظلیفہ وقت سے چکانے کا نہیں سوچا ہو گا؟ کیا یہود و نصاریٰ کیلئے سر زمین حجاز سے نکل جانے کا غم اور فلسطین کی مقدس سر زمین کے چھین جانے کا المیہ جس کیلئے آج کی طرح تاریخ کے ہر دور میں وہ جانیں بچھا کر رہے ہیں، اتنا ہلکا تھا کہ وہ مسلمانوں کی رواداری، عدل و انصاف، مذہبی آزادی، بنیادی حقوق کی پاسداری سے متاثر ہو کر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے و قادیار ہو گئے ہوں گے اور اس عظیم انسان سے معاہدہ کرنے کے بعد جسے

(۱) طرف ۴: ۲۶۹ (۲) طرف ۴: ۲۱۵ (۳) بلاد ۴: ۴۹ طبری ۴: ۱۸۸، ۴ (۴) طبری ۴: ۱۹۴، ۴ (۵) بلاد ۴: ۲۶۹ (۶) بلاد ۴: ۱۹۵

تکبر ۴: ۵۵/۷ (۷) بلاد ۴: ۲۲۸

انہوں نے اپنی خواہش و مطالبہ پر ہوا تھا مگر یہی محبت کے جذبات رکھتے ہوں گے اور انہوں نے بغض و عناد اور رنج و ملالت کو دوزخ سے نکال دیا ہو گا؟ کیا ان عجیب قبائل نے جو ہمیشہ نسل اور قوم پرستی کی وجہ سے عرب سے برسرِ پیکار رہے اور ان کے ساحلی اور زرخیز علاقوں پر قبضہ کر کے خوشحالی کا لطف اٹھاتے رہے اب ان کے زیرِ نگین آنے کے بعد سہولت و فخر محسوس کرتے ہوں گے۔ کیا وہ قیدی اور غلام جن کے خاندان اسلام سے متعلق تھے انہوں نے متشربانیت دنا ہو چکے تھے ان کی تربیت اتنی ہو چکی تھی کہ وہ اسلامی احکام اور اسلامی قیادت کے آگے ”تسلیم و رضا“ کا رویہ اختیار کر لیں؟

حقیقت یہ ہے کہ عوام کی کثرت نے ابتدائی طور پر مجبوری اور ضرورت کے تحت ہی سبکی اسلام کی سیادت و قیادت کو تسلیم کر لیا تھا۔ اس کی بڑی وجہ حضرت عمر فاروقؓ کی ان علاقوں کے سلسلے میں بصیرت و حکمت پر مبنی پالیسی تھی۔ ”پہلے آزادی‘ نرمی‘ عدس‘ معاہدات کی مکمل پاسداری‘ فلاحی و رفاهی سرگرمیوں‘ خیر خواہی و بھلائی‘ کفالت عامہ اور حفاظت کے اقدامات کے ذریعے تمام علاقوں میں یہ ثابت کر دیا کہ ان کی حکومت اور یڈمنسٹریشن سابقہ حکمرانوں سے کئی گنا بہتر ہے۔ اس طرح انہوں نے بہت ہی قلیل عرصے میں مسلمانوں کو دشمن کے بجائے نجات دہندہ سمجھنا شروع کر دیا۔ ان کے ذہنوں کے خوف اور دلوں کی نفرتیں یگانگت اور تنہاؤ میں ڈھلنا شروع ہو گئیں۔ اس کی نمایاں مثال وہ مشہور واقعہ ہے جو فتوحات شام کے دوران پیش آیا۔ سامار لشکر حضرت ابو عبیدہؓ کو مختلف ذرائع سے مصدقہ اطلاعات میں کہ رومیوں نے مقابلے کیلئے اتنا زبردست لشکر جمع کر لیا ہے جس کی نظیر ملنا مشکل ہے“ تو انہوں نے ان تمام شہروں کے والیوں کو جو معاہدہ صلح سے فسخ ہوئے تھے یہ حکم دیا کہ ”وہاں کے باشندوں سے جزیہ و خراج کی جو رقمیں وصول کی گئی ہیں وہ ہمیں واپس کر دی جائیں اور یہ بات واضح کر دی جائے کہ ہم نے یہ رقوم اس لئے واپس کی ہیں کہ تم نے ہم سے یہ عہد لیا تھا کہ ہم تمہارا دفاع کریں گے، لیکن ہمارے خلاف جتنے زبردست لشکر جمع کر لئے گئے ہیں ان کی خبر ہمیں مل گئی ہے اور ہم اتنے طاقتور نہیں ہیں کہ ان کا مقابلہ کر کے تمہارا دفاع کر سکیں۔ اس لئے ہم نے تم سے وصول کردہ رقوم تمہیں واپس کر دی ہیں۔ اگر اللہ نے ہمیں فتح عطا کی تو ہم ان شرائط کی پوری پابندی کریں گے جو ہمارے تمہارے درمیان طے پا چکی ہیں۔“ جب ان والیوں نے ان لوگوں سے یہ بات کہی اور ان سے وصول کیا ہوا مال ان کو واپس دے دیا تو وہ لوگ کہنے لگے ”خدا تمہیں فتح عطا کرے اور دوبارہ ہم پر واپس (حکمران بنا کر) دے۔ آج اگر تمہاری جگہ رومی ہوتے تو ہمیں کچھ بھی واپس نہ کرتے“ بلکہ ہر وہ چیز چھین لیتے جو ہمارے پاس باقی رہ گئی ہے اور ہمارے پاس کچھ بھی نہ رہتا (۱)۔

اس کے باوجود ملک کے طول و عرض میں ایسے محدود طبقات اور افراد موجود تھے جو اسلام اور مسلمانوں کے شدید دشمن تھے جو اپنے اقتدار و اختیار کے چھین جانے یا علاقوں اور قوموں کے مغلوب ہو جانے پر کڑھتے رہتے تھے اور یہ دیکھ کر ان کے جذبات نفرت میں اور زیادہ شدت پیدا ہو جاتی تھی جب وہ دیکھتے کہ عوام اسلامی تہذیب کے اندر جذب ہوتے جا رہے ہیں اور مسلمانوں کا اقتدار روز بروز مستحکم ہو جا رہا ہے۔ وہ اچھی طرح سمجھتے تھے ان فتوحات کے اصل ذمہ دار حضرت عمر فاروقؓ ہیں جن کی بارعب شخصیت، عبقری قیادت اور بے مثال منصوبہ بندی نے دنیا کے نہایت اہم خطے کا سیاسی نقشہ تبدیل کر دیا ہے۔ اس کا اندازہ اس روایت سے کیا جاسکتا ہے کہ اجنادین کی فتح کے بعد بیت المقدس کی فتح کیلئے تیاریاں ہو رہی تھیں۔ مخالف فوج کے امیر و سپہ سالار اور مشہور ائمہ و طبوت کے ساتھ حضرت عمرو بن العاصؓ کی خط و کتابت ہوئی۔ اس میں انہوں نے ایک دوسرے کو نفسیاتی طور پر پسا کرنے کی کوشش کی۔ ”طوب نے خط میں لکھا ”خدا کی قسم اجنادین کے بعد تو فلسطین میں سے کچھ بھی فتح نہیں کرے گا“ واپس چلا جا“ فریب نہ کھا ورنہ تجھے بھی پہلے لوگوں کی طرح شکست کا سامنا کرنا پڑے گا۔“ حضرت عمرو بن العاصؓ نے جواب میں لکھا ”تو اپنی قوم میں میری مثل اور نظیر ہے۔ اگر کوئی عادت مجھے ملے گی اسے تو تو میری نصیحت سے بے گانہ ہو گا“

حالانکہ تجھے معلوم ہے کہ میں ان ممالک کا فاتح ہوں اور میرے اس خط کو اپنے دربار کی موجودگی میں پڑھنا۔ جب خط اس کے پاس پہنچا تو اس نے اپنے وزراء کو جمع کیا اور انہیں خط پڑھ کر سنایا تو انہوں نے ہر طبقہ سے پوچھا کہ تجھے کیسے پتہ چلا ہے کہ وہ ان ممالک کا فاتح نہیں ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ ان ممالک کا فاتح وہ ہے جس کے نام کے تین حرف ہیں (یعنی عمر<sup>(۱)</sup>)

حضرت عمر فاروق جیسا بصیرت و فراست رکھنے والا شخص جو پورے خطے کے حالات کی جزئیات اور گہرائیوں تک سے آگاہ تھا۔ وہ مملکت اسلامیہ کے خلاف سازش کرنے والے عناصر ان کے مذموم عزائم اور انہیں عملی جامہ پہنانے کے ممکنہ طریقوں سے بے پردہ نہیں ہو سکتے تھے۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ اسلام حال اور مستقبل کی ایک عظیم تہذیبی قوت ہے۔ اس کے استحکام کا دار و مدار اس کے مرکز کے مضبوط متحد اور مستحکم ہونے پر ہے۔ اس لئے انہوں نے متحدہ دایہ اقدامات کئے جو ہر قسم کے خطرات اور اندیشوں کے مقابلے میں حفاظتی حصار بن سکتے تھے۔ ان میں ایک یہ تھا کہ پورے عرب کو متحد و منظم کر کے اسلام کا پشت پناہ بنادیں۔ آپ نے رسول کریم ﷺ کی اس سنت کو کہ انہوں نے کسی عرب مرد کو غلام نہیں بنایا تھا مزید آگے بڑھایا کہ آپ نے عرب جاہلیت کے عہد کے تمام قیدیوں اور کثیروں کو اس شرط پر آزاد کر کے ان کے قبائل کو واپس کر دیا کہ وہ ان مسلمانوں کو فدیہ دے دیں جن کے وہ قبضے میں آئے ہیں۔ آپ نے ایک مرتبہ تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ ”کسی عربی پر مالکانہ حقوق (غلام بن کر) حاصل نہیں ہوں گے اور ساتھ ہی ہم کسی ایسے شخص سے اس کی ملکیت سے کوئی چیز نہیں چھینیں گے جو اسلام قبول کر چکا ہو“<sup>(۲)</sup>۔ علاوہ ازیں بھی ان پر بے شمار رعایات و مہربانیاں کیں۔ دوسرا کام یہ کیا جو دودھ نزاری کے تمام قبائل کو جو جریرہ عرب میں مقیم تھے ان کو جلاوطن کر کے ملک کے دیگر علاقوں میں بسایا اور ان کو بہتر قبول زمینیں دیں (تفصیل آپ کے سیاسی لائحہ عمل کے باب میں دی گئی ہے) آپ نے ان میں سے کسی کو کوئی کلیدی عہدہ دینے سے اجتناب کیا۔ آپ کا ایک عیسائی غلام اسبق تھا جو بڑا باصلاحیت تھا اس کا کہنا ہے کہ عمر فاروق مجھے کہہ کرتے تھے کہ تم اگر مسلمان ہو جاؤ تو تمہیں اہم کام سونپ دیں۔ میں نے انکار کیا تو انہوں نے آزاد کر دیا کہ جہاں چاہوں چلا جاؤں<sup>(۳)</sup>۔ اسی طرح حضرت ابو موسیٰ نے انہیں لکھا کہ ان کا سیکرٹری عیسائی ہے اس لئے مسجد میں داخل نہیں ہو سکے گا تو آپ ناراض ہوئے اور کہا ”ابو موسیٰ تم نے ایک نصرانی کو کیوں اپنا کاتب بنایا“<sup>(۴)</sup>۔ یہ سب احتیاط کے قیام تھے۔

تیسرا کام یہ کیا کہ غیر مسلموں اور خصوصاً عجمیوں اور عجمی غلاموں کو دار الخلافہ میں زیادہ سے زیادہ تین دن قیام کی اجازت دیتے تھے۔ ان کے مستقل قیام کرنے اور لا کر رہنے سے منع کر دیا۔ اس کی وجہ سکیورٹی تھی اور دوسری ثقافتی کہ ”ان کی خرابیاں آجائیں گی“<sup>(۵)</sup>۔ ”ابن شہاب سے روایت ہے کہ قیدیوں میں جو بالغ ہو جاتے اسے دینے آنے کی اجازت نہیں دیتے تھے“<sup>(۶)</sup>۔ کوفہ کے عامل حضرت مغیرہ بن شعبہ نے ایک خط لکھ کر اپنے پاس ایک کار گیر غلام کا ذکر کیا اور یہ کہہ کر دینے میں داخلے کی اجازت چاہی کہ وہ لوگوں کے فائدے کے بہت سے کام جانتا ہے، کوہا ہے، بڑھئی ہے اور نقاش ہے<sup>(۷)</sup>۔ حضرت عمر فاروق نے ان کے اصرار اور لوگوں کے وسیع تر فائدے کیلئے اپنے اصول میں نرمی کی آخر کار وہی شخص آپ کا قاتل بن گیا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اندرونی طور پر اس پالیسی کو نرم رکھنے کے بارے میں آپ پر بہت زیادہ دباؤ تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ امرائے لشکر کو لکھا کرتے تھے کہ ہمارے پاس کفار کو گھسیٹ کر نہ لانا اسی کے مطابق عمل ہو تا تھا جب انہیں ابو لؤلؤ نے خنجر مارا تو پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ مغیرہ بن شعبہ کا غلام۔ فرمایا ”میں نے

(۱) کبیر II ۱۵۵۷ (۲) حدیث ۱۳۴ (۳) حور ۱۱۹ (۴) بیہقی ۱۲۷/۱۰ حور ۱۱۲ (۵) حور ۲۱۲ (۶) حدیث ۲۵۶۱۰ مسند ۲۶۹۲

میوہی ۱۶۸ (۷) مسند ۳/۲۴۵

نے تم لوگوں سے کہا نہیں تھا کہ ہمارے پاس کسی کافر کو تعینت کرنے لانا مگر تم لوگ مجھ پر غالب آ گئے (۱)۔ جو لوگ حضرت عمرؓ کی اس پالیسی کو غیر ضروری احتیاط اور سخت سمجھتے تھے ان میں "حضرت عیسیٰؑ کے چچا حضرت عباسؓ اور ان کے فرزند حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی تھے۔ جن کی رائے کے احترام میں حضرت عمرؓ کو پالیسی میں ہلک پیدا کرنی پڑی تھی۔ جب حضرت ابن عباسؓ نے آپ کو اطلاع دی کہ آپ کا قاتل ابولؤلؤؓ ہے تو آپ نے فرمایا "تم اور تمہارے والد اس کے بہت خواہشمند تھے کہ عجمی غلام مدینے میں زیادہ سے زیادہ لائے جائیں۔ یوں بھی ان کے پاس بہت غلام تھے۔" (اس پر ابن عباسؓ کو شرمندگی ہوئی) انہوں نے عرض کی کہ آپ فرمائیں تو ہم بھی کر گزریں؟ مقصد یہ تھا کہ ہم (مدینے میں مقیم تمام عجمی غلاموں کو) قتل کر دیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "یہ انتہائی غلط فکری ہے۔ خصوصاً جب تمہاری زبان میں گفتگو کرتے ہیں تمہارے قبیلے کی طرف تہذیب پڑھتے ہیں اور تمہاری طرح جگہ کرتے ہیں (۲) یعنی مسلمان ہو گئے ہیں۔"

یہ تھے حضرت عمر فاروقؓ کے خصوصی اقدامات جو آپ نے دار الخلافہ کیلئے کئے تھے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے اپنی ذات کی حفاظت کا کیوں ہتمام نہیں کیا جب کہ آپ کی حیثیت ایک فرد کی نہیں بلکہ پوری امت مسلمہ کے امیر، مختکم اور نمائندہ کی تھی اور آپ ایک وسیع و عریض سطحت کے حکمران تھے۔ ارد گرد کی صورت حال یہ تھی کہ بادشاہوں کیلئے تمام مملکتوں میں پروکار محلوں کی خدمت رباروں میں محفوظ دماموں ہوئے کے باوجود سکورٹی اور پردہ کوئل کے وسیع انتظامات کا رواج تھا۔ حضرت عمرؓ عہد جاہلیت ہی سے ان سے اچھی طرح آگاہ تھے۔ ان سے لگے وقت آپ کو کیوں یہ احساس نہیں ہوا کہ آپ کی جان کو حضرت لاحق ہو سکتے ہیں؟ اس کا سید حاسد اجواب یہ ہے کہ آپ حکمرانی کے ان تمام ملکوں اور طریقوں کے خلاف تھے۔ آپ خود کو عوام کا خادم نمائندہ اور عی فیض سمجھتے تھے۔ راقوں کو جاگ کر اور گشت کر کے اپنی اس ذمہ داری کو پورا کرتے تھے۔ آپ نے پوری زندگی جرأت و استقامت کا مظاہرہ کیا۔

مذکورہ بالا ساری تفصیل بیان کرنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ ہمارے اس گماں کو تقویت ملے کہ فاروق اعظمؓ کی شہادت کے پیچھے ایک گہری سازش کار فرما تھی۔ اس میں یہود نصاریٰ مجوسیوں اور بیت پرستوں کی مشترکہ کاوش و خواہش تھی جسے مقامی سطح پر عملی جامہ پہنایا گیا۔ اس میں مذہبی اور سیاسی عوامل کے ساتھ ساتھ جذبہ انتقام بھی کار فرما تھا جو خاص طور پر فاروق اعظمؓ کی ذات کے خلاف تھا۔ اس کی پشت پر عوام الناس نہیں بلکہ وہ مخصوص طبقات اور گروہ تھے جنہیں قیصر و کسریٰ کے عہد میں سر بلندی اور تسلط حاصل تھا سازش ہمیشہ خفیہ ہوتی ہے۔ اکثر اوقات فحوس شہادت سے اسے ثابت کرنا مشکل ہوتا ہے۔ حالات و واقعات کی کڑیاں ماکر اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ حالات کا تاثر پیش کیا جا چکا ہے واقعات کی گواہی حسب ذیل ہے

## ۵۔ ابولؤلؤ فیروز کا کردار:

فاروق اعظمؓ کا رول راست قاتل ابولؤلؤؓ ہے جس کا اصل نام فیروز تھا۔ دو سال قبل امامہ میں وہ نہاد کے معر کے میں قید ہوا اور حضرت مغیرہ بن شعبہ کے حصے میں آیا (۳)۔ انہوں نے صرف چار روز ہم روزانہ یہ بعض روایات کے مطابق سوراہہ نکس خانہ کر دیا۔ بجائے اس کے کہ اس کی ساری کمائی خود رکھ لیتے کیونکہ یہ ان کی ملکیت میں تھا اور حضرت عمرؓ سے خصوصی اجازت ملے کر اسے مدینے بھجوا دیا وہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ منتقل ہو گیا۔ وہاں ایرانی علاقوں سے گرفتار ہو کر آئے ہوئے کئی قیدی بچے بھی موجود تھے۔ اس کو اپنی قوم کے مغلوب ہو جانے کے علاقے چمن جانے اور خود گرفتار ہونے کا اتنا شدید دکھ تھا کہ بی اعتراف سے مروی ہے کہ "وہ بہت ضیعت تھا جب چھوٹے قیدیوں کو دیکھتا تو ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتا اور رو کر کہتا کہ عرب نے میرا جگر کھا لیا ہے" (۴)۔ اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا

(۱) مسند ۳۴۸۲ عبد الرزاق ۳۵۷۱ مسعودی ۳۶۹/۲ ص ۲۸۱/۱۲ (۲) بخاری ۷۵۲۰ (۳) مسند ۳۴۶۳ ص ۵۷۵ (۴) مسند ۳۴۶۳ ص ۵۷۵

ہے کہ اس کے اندر قوم پرستی اور علاقائی تعصب کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ دینے کے اندر رہتے ہوئے بھی وہ کھلے اظہار سے جتناب نہیں کر سکتا تھا۔ اس کا بہ اختیار رویہ اس کے دل میں موجزن جذبہ و احساسات کی نشاندہی کرتا ہے۔ یہی ہے وہ اصل محرک جس نے اسے فاروق اعظم کے قتل کرنے پر آمادہ کیا کیونکہ وہ مذکورہ تمام مسائل کا انہی کو ذمہ دار سمجھتا تھا<sup>(۱)</sup>۔ روایات میں آتا ہے کہ وہ کبھی کبھی یہ بھی کہتا تھا ”عمر نے میرا کیچہ چبا لیا ہے۔“ جہاں تک حضرت مغیرہ کی طرف سے زیادہ ٹیکس لگانے کا تعلق ہے تو اس کے ذمہ دار حضرت عمر نہیں تھے۔ مدعا علیہ کا موقف سنے بغیر یکطرفہ طور پر فیصلہ نہیں دے سکتے تھے۔ اس کے اس کہنے کا کوئی جواز نہیں تھا کہ ”عمر کا عدل ہر کسی کیلئے ہے سوائے میرے۔“ اس لئے کہ انہوں نے حتیٰ فیصلہ نہیں دیا تھا۔ جیسا کہ مورخین نے لکھا ہے کہ آپ حضرت مغیرہ سے اس معاملے میں بات کرنا چاہتے تھے۔ انک کی خیر خواہی و وفاداری کی نصیحت کرتا اور اسے عارضی طور پر مطمئن کرنے کیلئے یہ کہنا کہ جتنے کام کرتے ہو ان کے مقابلے میں رقم زیادہ نہیں ہے یہ بطور مربی آپ کی ذمہ داری تھی۔ جب حضرت عمر کو معلوم ہوا کہ اسی کارہ گرنے آپ کو زخمی کیا ہے تو آپ نے فرمایا ”خدا سے براہو کرے اسے کوئی شکایت نہیں تھی سوائے اس کے کہ میں نے اسے اچھی بات کہی تھی“<sup>(۲)</sup>۔ اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شکایت محض قتل کا بہانہ تراشنے کیلئے تھی۔ قتل کرنے کی سازش پہلے ہی تیار کی جا چکی تھی اس کا جواز اور موقع تلاش کیا جا رہا تھا۔ اس کا اظہار شکایت کے فوراً بعد اس وقت ہو گیا جب س نے ترش روئی سے یہ کہہ کر کہ ”آپ کیلئے ضرور ایسی جگہ بنائیں کہ جس کو لوگ بیان کریں گے۔“ اس وقت لوگوں کی ایک جماعت آپ کے ساتھ موجود تھی آپ نے اس کے پیچھے پھرتے ہی لوگوں کو مخاطب ہو کر کہا تھا کہ غلام نے مجھے قتل کی دھمکی دی ہے<sup>(۳)</sup>۔

ابو لؤلؤ نے یہی لحاظ سے کیا تھا اس بارے میں اختلاف پیدا جاتا ہے۔ بعض کے نزدیک وہ نصرانی تھا اور بعض کے نزدیک مجوسی۔ حاکم اور ابن شیبہ نے نصرانی قرار دیا ہے۔ ہمارے خیال میں وہ قوم پرست ایرانی تھا جس نے مجوسیت سے نصرانیت قبول کر لی تھی اس کے اندر دونوں صفات جمع تھیں۔ اس نے قتل کا فیصلہ خود نہیں کیا تھا نہ اس وجہ کی بنا پر کیا تھا جو مذکور ہے بلکہ اس کے انتہا پسندانہ خیالات و جذبات کو ہر مزان ٹھیند اور عباس محمود العقاد کے خیال میں کعب احبار نے استعمال کیا اور اسے ایک منصوبہ بندی سے فدائی جسے پر تیار کیا جس میں خود اس کے اپنے بچ جانے کا امکان کم تھا۔ آخر کار اسے حیرہ آدمیوں کو زخمی کرنے کے بعد جن میں سے تقریباً سات بعد میں شہید ہو گئے تھے۔ اس وجہ سے خود کشی کرنی پڑی جدید مورخین بجا طور پر اسے سازش قرار دیتے ہیں۔ حسین ہیکل کے بقول جبرائی ان لوگوں پر ہونی چاہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ فیروز نے حضرت عمر کو اس لئے شہید کیا کہ امیر المومنین نے خراج میں کمی نہ کر کے اس کے ساتھ انصاف نہیں کیا حالانکہ خراج کی زیادتی کی دوبارہ شکایت لے کر آتا اس کیلئے کوئی دشاہت بات نہیں تھی۔ اس طرح عباس محمود العقاد کے بقول حضرت عمرؓ (اللہ اس کو اپنی رحمت سے نوازے) اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلامی حکومت کے دشمنوں کی سازش کا شکار ہوئے۔ خراج کا قصہ تو محض ایک پردہ تھا جو مدینہ اور دوسرے ملکوں کے سازشیوں نے اس قصاص سے بچنے کیلئے ڈالا تھا جس کی سزا نہیں اس سازش یا اس سازش کے اسباب و محرکات کے انکشاف پر بھیگسی پڑتی<sup>(۴)</sup>۔

ڈاکٹر طہ حسین نے بھی اس قسم کے خیال کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ معاملہ محض حق ادا کیلئے کسی رقوم کی ادائیگی کا نہیں تھا اس سے بہت زیادہ تھا۔ معاہدہ بن ایرانیوں کا تھا جن کا دس ان سے چھن گیا تھا جن کی قوم قتل ہو گئی تھی جو اپنے انتقام کی آتش نہ بجھا سکے تھے۔ چنانچہ یہ شخص دھکی جوش انتقام سے پر تھا اور اس کے دل میں اپنے تمام ہم وطن قیدیوں کیلئے جواب تمام عرب میں تھے غیظ و غضب کی دھبھی سنگ رہی تھی۔ اس کے خیال میں گویا عرب اس کا (یعنی اس کی قوم کا) جگر کھا گیا تھا۔ اکیلا یہی شخص نہیں تھا جو مدینہ میں رہتا تھا وہاں ایرانی اور بھی بس رہے تھے جن کے اعزہ جنگوں میں ہلاک کئے گئے تھے<sup>(۵)</sup>۔

(۱) طبری ۱: ۱۶۱ (۲) بحار ۲: ۲۷۱ (۳) مسند ۳: ۳۱۰-۳۱۱ (۴) مسند ۳: ۳۱۰ (۵) طہ ۲: ۲۸۸۔

## ۵۔۔۔۔۔ ہرمزان کا کردار:

یہ ایران کے معروف سپہ سالاروں میں سے تھا اور بڑے علاقے کا سردار اور بادشاہ تھا۔ ان میں ممتاز، اما، ہوان، مہر مزدغیر شامل ہیں<sup>(۱)</sup>۔ اے اس میں فارس کے معرکوں میں اس نے عراقی اور ایرانی رمیدوں اور کاشکاروں کو مسلسل مسلمانوں کے خلاف برسر پیکار رکھا۔ ایک مرتبہ شکست کھا کر حضرت عتبہؓ کے ساتھ صبح کی پھر شرفاء کی خلاف ورزی کر کے بغاوت کر دی اسی طرح کئی مرتبہ مغلوب ہو کر صبح کر لیتا۔ جب موقع ملا عہد شکنی کر کے مقابلے پر آ جاتا اسی کے ہاتھوں دو جلیل القدر صحابی حضرت مجاہد بن ثورؓ اور حضرت براء بن مالکؓ شہید ہوئے۔ آخر کار تیسرے قلعے میں محصور ہو گیا، مشرکوں نے مسلمانوں پر ۸۰ حصے کئے، بلا آخر مسلمان قلعہ فتح کرنے میں کامیاب ہو گئے، جب اندر گھسے ہرمزان کو اپنی موت یقینی نظر آئی اور اس نے دیکھا کہ مسلمان اس کی طرف بڑھے چلے آ رہے ہیں تو بول ”تم مجھے تنگی کی حالت میں دیکھ رہے ہو مگر میرے ترکش میں ایک سوتیر ہیں۔ خدا کی قسم جب تک میرے پاس ایک تیر بھی باقی رہے گا تم مجھے پکڑ نہیں سکتے۔ میری اس گرفتاری سے کیا فائدہ جبکہ میں تمہارے سو آدمیوں کو نقصان پہنچاؤں۔ ان میں سے کوئی مقتول ہو گا کوئی زخمی ہو گا۔“ مسلمانوں نے کہا ”تم کیا چاہتے ہو؟“ وہ بولا میں اس شرط پر آپ کو گرفتاری کیسے پیش کر سکتا ہوں کہ میرے بارے میں خود حضرت عمرؓ جو چاہیں فیصلہ کریں۔“ مسلمانوں نے کہا ”تمہاری خواہش پوری ہو گی اس پر اس نے اپنی کمان پھینک دی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اسے وفد کے ساتھ مدینے لے آئے اسے اصلی لباس اور تاج پہنایا گیا۔ جب حضرت عمرؓ کے پاس لایا گیا تو آپؐ کو ٹپکی بنائے مسجد میں اکیلے لینے ہوئے تھے وہ دیکھ کر حیراں ہوا۔ اس نے پوچھا کہ ”آپ کے محافظ اور دربان کہاں ہیں؟“ تو لوگوں نے جواب دیا کہ ”نہ تو ان کا کوئی محافظ ہے نہ دربان نہ سیکرٹری نہ دفتر۔“ وہ بولا ”پھر تو پیغمبر ہیں۔“ لوگوں نے کہا۔ ”وہ پیغمبر تو نہیں، لیکن کام پیغمبروں والے کرتے ہیں۔“ آپؐ کی کٹھن کھلی تو ہرمزان پر نگاہ ڈال کر پوچھا کیا یہ ہرمزان ہے۔ لوگوں نے کہا ہاں تو آپؐ نے اسے اور اس کے لباس کو غور سے دیکھنے کے بعد فرمایا ”میں دوزخ کی آگ سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اور اسی سے مدد کا طالب ہوں۔“ پھر فرمایا ”خدا کا شکر ہے جس نے اسلام کے ذریعے اس کو اس کے ساتھیوں کو ڈھیل کیا۔ اے مسلمانو! تم اس دین کی پابندی کرو جو اپنے پیغمبر کے طریقے سے ہدایت حاصل کرو۔ تم دنیا حاصل کر کے مت اتراؤ کیونکہ یہ دھوکہ دینے والا ہے۔“ لوگوں نے کہا ”یہ احمق کا بادشاہ ہے، آپ اس سے گفتگو کیجئے۔“ آپؐ نے فرمایا ”نہیں! جب تک اس کے بدن پر کوئی ریور باقی ہو گا۔“ اس پر اس کے بدن سے ہر چیز اتار دی گئی صرف ستر کا لباس باقی رہ گیا تھا۔ اس کے بعد سے معمولی لباس پہنایا گیا اس وقت حضرت عمرؓ نے پوچھا ”اے ہرمزان! تمہیں غداری اور اللہ کے حکم کی نافرمانی کا انجام کیا لگا؟“ وہ بولا ”مے عمرؓ اور جاہلیت میں اللہ نے ہمیں اور تمہیں تہ جھوڑ کھاتا تھا تو ہم آپؐ لوگوں پر غائب تھے کیونکہ اس وقت اللہ نہ ہمارے ساتھ تھا نہ تمہارے ساتھ تھا مگر جب وہ آپؐ کے ساتھ آگیا تو آپؐ ہم پر غالب آ گئے“۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”تم دور جاہلیت میں ہم پر اس لئے غائب آ گئے تھے کہ تم متحد تھے اور ہم پر اگدو۔“ پھر آپؐ نے پوچھا ”تم نے بار بار عہد شکنی کیوں کی؟“ وہ بولا ”مجھے اندیشہ ہے کہ اس سے پہلے کہ میں آپؐ کو کسی بات کی اطلاع دوں آپ مجھے قتل کر دیں گے۔“ آپؐ نے فرمایا ”تم اس بات کا اندیشہ نہ کرو۔“ پھر اس نے پانی مانگا تو اسے ایک معمولی سے پیالے میں پانی دے دیا گیا۔ اس نے کہا ”میں اگر پیاس سے مر بھی جاؤں تو بھی اس پیالے میں پانی نہیں پیوں گا اس پر اس کی پسند کے مطابق برتن لیا گیا۔“ اس کا ہاتھ کانپنے لگا کہنے لگا ”مجھے اندیشہ ہے کہ مجھے پانی پیتے ہوئے قتل کر دیا جائے گا۔“ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”جب تک تم پانی نہیں پیو گے اس وقت تک تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔“ یہ سن کر اس نے برتن اٹھ دیا۔ آپؐ نے فرمایا ”سے دوبارہ پانی مانگو تاکہ اسے قتل اور پیاس کی سزا نہ ملے۔“ وہ بولا ”مجھے پانی کی کوئی خواہش نہیں ہے بلکہ میرا

مقصد صرف یہ تھا کہ پناہ حاصل کروں۔“ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”میں تمہیں قتل کروں گا۔“ اس نے کہا ”آپ نے مجھے پناہ دی ہے۔“ آپ نے فرمایا ”تم جھوٹ بول رہے ہو۔“ اس پر حضرت انسؓ نے کہا ”میرا لومنین یہ سچ کہتا ہے۔“ آپ نے فرمایا ”اے انسؓ! کیا میں مجراۃ بن ثور اور براۃ بن مالک کے قاتل کو پناہ دے سکتا ہوں؟ خدا کی قسم تم جھوٹ لاد رہے ہو میں تمہیں سزا دوں گا۔“ وہ بولے ”آپ نے فرمایا تھا کہ تم پر کوئی حرج نہیں جب تک تم ہات نہ کرو“ اور یہ بھی فرمایا تھا ”تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا جب تک تم پانی نہ پیو۔“ اس قوس کی تائید اور ہوگوں نے بھی کی جو ارد گرد بیٹھے ہوئے تھے۔ اس پر آپ نے ہر سزا ان سے مخاطب ہو کر فرمایا ”تم نے مجھے فریب دیا ہے خدا کی قسم میں صرف ایک مسلمان سے فریب میں آسکوں گا۔“ اس پر وہ مسلمان ہو گیا (۱)۔ آپ نے اس کا دوا ہزار وظیفہ مقرر کیا اور مدھیہ میں آباد کیا۔ حضرت انسؓ نے قتل نہ کرنے کا مشورہ دیا تاکہ چچھے وگ پر میر رہیں (۲)۔

اس ساری تفصیل کا تجزیہ کریں تو حسب ذیل باتیں سامنے آتی ہیں:

۱۔ وہ انتہائی رکار فحش تھا، باؤ میں آکر صلح کر لیتا تھا لیکن اپنے ارادے اور دشمنی سے دستبردار نہیں ہوتا تھا۔ جنگوں میں اس کا یہی طریقہ رہا۔

۲۔ اپنے منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کیلئے مسلسل کوششیں جاری رکھتا اور نئے طریقے سوچتا رہتا تھا اسے موقع ملتا ہی مقابل آجاتا۔

۳۔ وہ انتہائی چالاک اور ہوشیار شخص تھا، نہایت دانشمندی سے اپنے حق میں حالات پیدا کرنے اور ان سے بروقت فائدہ اٹھانے کا ہر اچھی طرح جانتا تھا۔ مگر قدری کے وقت بھی اس نے کامیاب چال چلی اور حضرت عمرؓ سے بھی شاطرانہ طریقے پر امان حاصل کی۔

۴۔ اس کے دہن میں عرب و عجم تازے کا براگہرا نقش تھا، وہ اسلام کی سر بندی و سر فرازی کو بھی اسی تناظر میں دیکھتا تھا۔ وہ قوم پرستانہ جذبات و خیالات رکھتا تھا اس کے نزدیک اسلام کا غلبہ دراصل عربوں کا غلبہ تھا۔

۵۔ اس پر سرداری و بادشاہت کا غرور اور نخوت طاری تھی۔ سے ترک کر دینا اور ایک عام آدمی کی طرح سادگی کی زندگی اختیار کرنا بہت مشکل اور کمضن فیصد تھا جو فحش موت کو عام پیالے میں پانی پینے پر ترجیح دیتا ہو اس کی کیا کیفیت ہوگی جب اسے بے سرو سامانی اور مغلوبیت کی زندگی بسر کرنی پڑ رہی ہو۔

۶۔ اس کا سام قوس کرینا کسی گہری سوچ اسلام کی صداقت و حقانیت پر یقین اور ان تمام مناظر سے متاثر ہونے کی وجہ سے نہیں تھا جو اس نے مدینے میں آکر دیکھے تھے بلکہ خالص غنا و ہوا اور جان کے خوف کی وجہ سے تھا۔

مگر چہ ابن کثیر کا خیال یہ ہے کہ وہ ایک اچھا مسلمان بن گیا تھا اور حضرت عمرؓ سے علیحدہ نہیں ہوتا تھا یہاں تک کہ آپ شہید ہو گئے (۳)۔ سے آہستہ آہستہ اپنے قریب کیا اور جب آپ کو یہ یقین ہو گیا کہ اہل ایران کی بار بار عہد شکنی کی وجہ سے مسلمانوں کی دیوثی و انصافی یا معاہدوں کی خلاف ورزی نہیں بلکہ بقول حضرت اصفہان کا موجود رہنا ہے تو آپ نے اس رائے سے اتفاق کرتے ہوئے اگلے سال یعنی ۶۵ھ میں ان کے حمل خاتمے کیلئے کلرد وئی شروع کی تو ہر سزا سے بھی مشورہ کیا (۴) کہ تمہاری کیا رائے ہے میں جنگ کا آغاز اس سے کروں اور بائیں سے یا اصفہان سے؟ اس نے جواب دیا ”فلاس اور آذربائیجان بازو ہیں اور اصفہان سر ہے اگر آپ ایک بازو کاٹیں گے تو دوسرا کھڑ ہو جائے گا (۵) اگر آپ سر کاٹیں گے تو دونوں ہاتھ گر جائیں گے اس لئے آپ سر سے آٹھ کریں (۶)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس نے کہا دونوں بازو کاٹ دیں سر ختم ہو جائے گا۔ آپ نے فرمایا ”اے اللہ کے دشمن تم جھوٹ بول رہے ہو میں اس کا سر کاٹنے کی کوشش کروں گا۔ جب اللہ سر کو کاٹ دے گا تو دونوں بازو خود بخود ختم ہو جائیں گے (۷)۔“

(۱) ابن کثیر ۳۸۴: ۱، طبرستان ۸۹: ۱، ابن کثیر ۸۸: ۷، (۲) عید ۱۶۶، (۳) کثیر ۸۸: ۷، (۴) طبرستان ۸۹: ۱، (۵) طبرستان ۸۹: ۱، (۶) طبرستان ۸۹: ۱، (۷) طبرستان ۸۹: ۱

بہر حال اس کا معاملہ مشکوک رہا لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس نے اپنے علاقے واپس جانے کے بجائے مدینہ شہر میں قیام کو کیوں ترجیح دی؟ اس بارے میں تاریخ نویس خاموش ہیں اس کا اندازہ ہمیں خود لگانا پڑے گا جس میں صواب و خطاء دونوں کا احتمال موجود ہے لیکن شہادت عمرؓ کی تحقیق کرنے کیلئے اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ ہم رائے رنی کریں۔ اگر ہم اس وقت کے حالات پر نظر ڈالیں تو مدینہ میں قیام کے فیصلے کی متعدد وجوہات ہو سکتی ہیں۔

اپنے علاقے میں اس کا کوئی مستقبل نہیں تھا وہ سب مسلمانوں کے قبضے میں آچکے تھے۔ اس نے کسی معاہدے کے درپے نہیں بلکہ آخر وقت تک مقابلے کے ذریعے سے گموائے تھے۔ اس کے بہت سے معتقد ساتھی یا تو مارے گئے یا دیگر علاقوں کی طرف فرار ہو گئے یا پھر انہوں نے اجماعت قبول کر لی تھی۔ واپس جا کر کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا تھا نہ مال و دولت نہ علاقے نہ مقام نہ سرداری اور نہ ہی عوام کی تائید۔ اس نے وہاں کے مسلم سالاروں سے بار بار عہد شکنی کر کے اپنا اعتماد اس قدر گموا دیا تھا کہ اس کی بجائے ناممکن تھی۔ اس کا بھائی شہر یا اس کی گرفتاری کے بعد بھی مسلمانوں کے ساتھ نبرد آزما تھا۔ اس کیلئے وہاں جا کر غیر جاہل و پست ممکن نہیں تھا بصورت دیگر اس کی جان کو دوبارہ خطرہ لاحق ہو سکتا تھا جسے اس نے بڑی عیاری سے پہچان لیا تھا۔ پھر اسے اس بات کا اچھی طرح اندازہ تھا کہ اسلام کا پرچم اب ہر طرف لہرائے گا۔ یہ اب مستقل سیاسی قوت اور تہذیبی طاقت کے طور پر عکرائی کرے گا۔ مسلمانوں کا غلبہ یقینی تھا یہ جنگیں نہ تو فنی دشمنی جذبہ انتقام اور محدود مقاصد کیلئے تھیں اور نہ ہی عارضی سیاسی تسلط کیلئے۔ اس لئے دہراٹھلانے میں قیام کرنا اس کیلئے زیادہ مفید تھا۔ اس کے دل میں عرب یا اسلام یا حضرت عمرؓ کے خلاف جن کی وجہ سے اسے اس کے خاندان اس کی قوم اور اس کے بادشاہوں کو ذلت و رسوائی سے دوچار ہونا پڑا تھا جذبہ انتقام کو پورا کرنے کا یہاں وہ بہترین موقع مل سکتا تھا۔ اس نے امیر المومنین کی ذاتی سکورنی کے عدم اہتمام کو پہلے ہی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔ اسے اس کی بزدلی سمجھیں یا حکمت و مصمت یا صبر و ضبط کا کمال کہ پانچ سال تک وہ خود کوئی اقدام نہ کر سکا۔ اس دوران اسے بدلہ لینے کے بے شمار مواقع ملے ہوں گے مگر اس نے ان سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ یہاں تک کہ اسے ابو لؤلؤ فیروز جیسا شخص مل گیا جس کے دل میں نفرت و انتقام کی بیٹی اس سے کہیں زیادہ گرم تھی اور اس کو سرد کرنے کیلئے وہ اپنی جان سے گزر جانے کیلئے بھی تیار ہو گیا اور ان دونوں کے جذبات کا شریک بڑائی عیسائی بھینہ بھی ان کے ساتھ شریک ہو گیا اس طرح تینوں نے مل کر قتل کی منصوبہ بندی کی۔

## ○ ..... جفینہ کا کردار:

بھینہ عیسائی تھا جنوبی یمن کے علاقے نجران کی بدستی حمزہ کا رہنے والا تھا قومیت کے اعتبار سے عرب تھا۔ حضرت عبید اللہ بن عمرؓ کے بقول ”میں نے جفینہ کو پایا وہ حمزہ کا ایک عیسائی تھا اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا دودھ شریک بھائی تھا اس رشتے سے اسے مدینہ لائے۔ یہاں وہ لوگوں کو پڑھنا لکھنا کرنا تھا“۔ جب میں نے اسے گوار ماری تو اس نے اپنی دونوں آنکھوں کے درمیان صلیب کا نشان بنایا۔ حضرت عمر فاروقؓ سے اس کی دشمنی کا سبب یہ تھا کہ آپ نے نجران کے عیسائیوں کو خلافت کے آخری سال علاقہ بدر کر دیا تھا کیونکہ ان کے رومیوں کے ساتھ رابطے تھے وہ ان کیلئے جاسوسی کرتے تھے جبکہ اسلامی فوجیں ان کے خلاف برسرِ پیکار تھیں اور نہیں شکستوں پر شکستیں دیئے جا رہی تھیں۔ امام ابو یوسفؒ کے بقول ”عمرؓ اس لوگوں کو نجران یمن سے جلا وطن کر کے نجران عراق میں بے دیا تھا کیونکہ آپ کو یہ اندیشہ تھا کہ یہ لوگ مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں گے“۔ جفینہ جیسے پڑھے لکھے اور کٹر عیسائی کے دل میں نفرت و انتقام کا طوفان برپا تھا۔ ایک طرف تو وہ یہ دیکھ رہا تھا کہ عالمی طور پر اس کا مذہب اسلام سے ٹکرا کر پست ہو رہا ہے۔ دوسری طرف اس کا قبیلہ اور رشتے دار علاقہ بدر ہو چکے ہیں۔ اس طرح نہ ہی اور قبائلی دونوں حصبات یکجا ہو گئے اور وہ قتل کی سازش میں متحرک ہو گیا۔ اس بات کا بھی قوی امکان ہے اس نے ایک گہری منصوبہ بندی



سے محض اقام لینے کیلئے مدینہ میں قیام پذیر ہونے کا فیصلہ کیا اور اسے رومیوں اور اس کے قبیلے کے لوگوں کی عمل پشت پناہی حاصل ہو اور وہ مسلسل فاروق اعظمؓ کو شہید کرانے کیلئے کسی موردوں موقع کی تلاش میں رہا ہو۔ عملاً ہوا یہی کہ وہ اپنے ہی ہم مذہب ابو لؤلؤ کو اس کام کیلئے آمادہ کر کے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے میں کامیاب ہو گیا۔

## ۵۔۔۔۔۔ کعب الاحبار کا کردار:

قتل کی سازش کا چوتھا کردار کعب الاحبار ہے ابتدا میں وہ یہودی تھے مدینہ ہی میں قیام پذیر تھے۔ تورات کے بڑے عالم ہونے کی وجہ سے ان کی عزت تھی۔ یہ بات حیران کن ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے مدینے میں ہونے کے باوجود کبھی نہیں ملے۔ ان کے قبول اسلام کے بارے میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک عہد صدیقی میں، بعض کے نزدیک عہد عثمانی میں اس وقت مسلمان ہوئے، جب وہ تمام علاقوں میں پوری ہو گئیں، جو حضرت محمد ﷺ اور اسلام کے بارے میں انہوں نے تورات میں پرہ رکھی تھیں۔ طبری کا بیان ہے کہ وہ ۷۰ھ میں عہد فاروقی میں مسلمان ہوئے۔ دوسرے نزدیک یہی زیادہ ترین قیاس ہے۔ ۱۰۰ھ میں جب فاروق اعظمؓ بیت المقدس کے موقع پر وہاں تشریف لے گئے تو یہ بھی ساتھ تھے۔ آپ صبح کی نماز کے بعد یہودیوں کے قبیلے محمرہ کے پاس پہنچے اور ان سے اس کا صحیح مقام دریافت کیا۔ آپ کا ارادہ تھا کہ مسجد ہوا میں کعب نے اس کے پیچھے مسجد بنانے کا مشورہ دیا تھا۔ آپ نے پوچھا کس طرف رخ کریں تو انہوں نے کہا محمرہ کی طرف۔ آپ نے فرمایا تم نے یہودیت کی مشابہت کی ہے اور میں نے دیکھا تم نے اپنے جوتے بھی اتار لئے تھے وہ بولے یہاں میں برادر است قدم رکھنا چاہتا تھا۔ آپ نے فرمایا میں نے تمہیں دیکھ لیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے یہ کہہ کر محمرہ کے آگے مسجد بنادی کہ ہمیں کعب کی طرف نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے نہ کہ محمرہ کی طرف (۱)۔ وہ مسجد آج بھی مسجد عمر کہلاتی ہے۔ پھر آپ نے محمرہ کے مقام کو جسے رومیوں نے کوزا کر کن پھینکے کی جگہ بنادیا تھا جس کی وجہ سے اس کا نام قناتہ پڑ گیا قناتہ صاف کر لیا۔ اتنی دیر میں کعب نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور مسلمانوں نے بھی نعرہ تکبیر لگایا۔ حضرت عمرؓ نے انہیں بلا کر وجہ پوچھی انہوں نے جواب دیا امیر المومنین آج جو میں نے دیکھا ہے اس کے بارے میں پانچ سو برس پہلے ایک نبی نے روشن گوئی کی تھی۔ آپ نے فرمایا ”دو کیسے ہوئی؟“ وہ بولے ”رومیوں نے بھی اسرائیل پر حملہ کیا تھا اور وہاں کے مطہج ہو گئے تھے۔ اس پر انہوں نے اس کو تہہ کر دیا تھا۔ اس کے بعد اہل فہر نے اہل روم پر حملہ کیا تو انہوں نے بھی بھی اسرائیل پر زبیدیاں کیں۔ پھر اہل روم اس پر غالب آ گئے تا آنکہ آپ حاکم ہوئے اللہ نے اس حالت میں ایک نبی بھیجا تھا جس نے فرمایا تھا اے یرشلیم (بیت المقدس) تمہیں خوشخبری ہو تمہارا پاس فاروق آئے گا جو تمہیں پاک و صاف کرے گا (۲)۔“

کعب الاحبار کا تاریخ میں ایک اور ذکر ہمیں ۷۰ھ میں ملتا ہے۔ طبری کے مطابق حضرت عمرؓ نے ۷۰ھ جمادی الاول کے مہینے میں من سے شہروں کے بارے میں مشورہ طلب کیا اور فرمایا ”میں مسلمانوں کے شہروں کی سیاحت کرنا چاہتا ہوں“ تاکہ آثار و احوال کا خود مشاہدہ کروں تم مجھے اس بارے میں مشورہ دو۔ اس مجمع میں کعب الاحبار بھی موجود تھے وہ سی ماں مسلمان ہوئے تھے۔ وہ بولے ”امیر المومنین! آپ سفر کا آغاز کہاں سے کرنا چاہتے ہیں؟“ آپ نے فرمایا ”عراق سے۔“ وہ بولے ”کہ یہاں کریں کیونکہ برائی کے دس حصے ہیں اور بھلائی کے بھی دس حصے ہیں۔ برائی کا ایک حصہ مغرب میں اور نو حصے مشرق میں ہیں اور بھلائی کا صرف ایک حصہ مشرق میں اور نو حصے مغرب میں ہیں۔ مشرق میں ہی شیطان کا سیگ اور ہر مہلک بیماری ہے۔“ حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر کوفے کی اہمیت بیان کی وہاں سے آغاز کا مشورہ دیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”اے امیر المومنین مغرب شرارتوں کی زمین ہے اور برائی کے سوا حصے ہیں۔ ان میں ایک حصہ دنیا کے تمام لوگوں میں اور ننانوے حصے وہاں ہیں“ حضرت عمرؓ نے سب کے دلائل کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ پہلے شام جائیں گے کیونکہ وہاں حاعون کی

وجد سے دگوں کے موروثی مال ضائع ہو رہے ہیں، میں وہاں سے سفر کا آغاز کرتا ہوں۔ ان کے وارثوں میں مال تقسیم کروں گا پھر وٹ کر باقی شیروں میں گھوموں گا اور انہیں اپنے دکام دوں گا<sup>(۱)</sup>۔

ان واقعات سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ کعب الا حبار کے اندر یہودیت کی طرف خصوصی رجحان اور قدیم واقعات کو اپنے رنگ میں پیش کرنے کی عادت اور عراق و شام کے تقابلیں میں شام کی طرف خصوصی رغبت اور اس کی بالادستی و برتری کا احساس موجود تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اسلام کا اعلان کرنے کے باوجود یہودیت سے ان کا فکری و عملی رابطہ برقرار رہا ہو۔ فاروق اعظمؓ نے حجاز کے علاقے خصوصاً خیبر وغیرہ سے یہودیوں کو جلا وطن کر کے شام کے علاقوں میں جو آباد کیا تھا اس کے پس منظر میں بھی نجرانیوں کی طرح ان کی متعدد سازشیں اور ریشہ دوانیاں تھیں جن سے وہ باز نہیں آتے تھے کعب الا حبار پر اس کے اثرات ہوں گے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے آخری دنوں میں خاص طور پر وہ متحرک نظر آتے ہیں۔ جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں دیکھ چکے ہیں کہ انہوں نے کہا تھا کہ قورات میں آپ کو شہید دکھایا گیا ہے۔ اسی طرح انہوں نے شہادت سے تین روز قبل آکر یہ کہا تھا امیر المومنین آپ تین دن بعد شہید ہو جائیں گے۔ اگلے روز کہا کہ باقی رو دن رو گئے ہیں۔ پھر کہا کہ باقی ایک دن ہے۔ پھر کہا کہ کل صبح آپ کی وفات یقینی ہے۔

شہادین اس کعب سے روایت کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک بادشاہ مگر رہا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کے خصائل بہت ملتے جلتے تھے۔ جب کبھی ہم اس کا ذکر کرتے تھے تو حضرت عمر ضرور یاد آجاتے تھے اور جب کبھی عمر کا ذکر ہوتا تھا تو خواہ خواہ یاد آ جاتا تھا۔ اس کے زمانہ بادشاہت میں ایک نبی تھے ان کو ایک مرتبہ وحی ہوئی کہ تم اس بادشاہ سے کہہ دو کہ تیری عمر کے تین دن باقی ہیں ولی عہد بتا دے اور اگر کچھ وصیت کرنا ہو تو کر دے۔ جب تیسرا دن ہوا تو بادشاہ نے زمین پر سجدہ میں گر کر نہایت عاجزی سے دعا کی۔ الہی مجھے اتنی مہلت دے دیجئے کہ میرا لڑکا جوان ہو جائے۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ میں نے آپ کے حکم کی کہاں تک تعمیل کی ہے اور اپنی رعایا سے حتی الامکان کتنا دل کیا ہے اور جب کبھی اختلاف واقع ہوا تو میرے حکم کے خلاف ہرگز نہیں چلا۔ اسی طرح کچھ اور باتیں بیان کیں۔ نبی علیہ السلام کے پاس پھر وحی ہوئی کہ اس نے ہم سے ایسی ایسی دعا کی ہے اور اس نے دعا میں جو کچھ واسطہ دے کر کہا ہے سچ کہا ہے ہم اس کی عمر میں چند رو برس کا اضافہ کرتے ہیں تاکہ اس مدت میں اس کا لڑکا جوان ہو جائے اور پرورش پائے۔ جس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نیزہ لگا اور آپ زخمی ہو گئے تو کعب احبار نے یہ قصہ بیان کر کے کہا کہ اگر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حد و اند تعالیٰ سے یہی سوال کریں تو خداوند تعالیٰ انہیں ابھی اور باقی رکھیں گے۔ جس وقت اس کی خبر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہوئی تو آپ نے دعا کی الہی مجھے بغیر عاجز کئے اور بغیر ملہ مت دیئے انھاری لیجئے<sup>(۲)</sup>۔ علاوہ ازیں جب آپ زخمی ہو گئے تو کہا کہ امیر المومنین میں نے کہا نہیں تھا کہ آپ بغیر شہید ہوئے نہیں مریں گے اور آپ کہتے تھے کہ ”کیسے شہید ہوں گا میں تو جزیرۃ العرب میں ہوں؟“

سرویم میور نے اپنی کتاب خلاۃ الاولیٰ میں تین دن قبل جنتین کوئی کا قصہ بیان کرنے کے بعد لکھا ہے ”ہمارے لئے یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ یہ عجیب قصہ کیسے وجود میں آیا۔ ہو سکتا ہے ابو لؤلؤ کے چہرے پر دشمنی اور غضب کے آثار دیکھ کر کعب نے عمر کو خبردار کیا ہو۔“ حسین بیکل کا کہنا ہے کہ ابو لؤلؤ اور حضرت عمرؓ کی گفتگو اور کعب کے قصے سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ ایرانی نے امیر المومنین کو قتل کی دھمکی دی اور یہودی سے تین دن پہلے قتل کا وقت مقرر کر دیا۔ ہمارے خیال میں کوئی شخص یہ نہیں سمجھتا کہ آسمانی کتابیں انفرادی واقعات کی تعمین اتنی دقت اور تفصیل کے ساتھ کرتی ہوں۔ اس لئے کہ تمام کتب تلاویہ

علم غیب کو صرف خدا نے وحد کیلئے مخصوص قرار دیتی ہیں۔ اس سے لازمی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ کعب اس راز سے واقف تھے (۱)۔ اس لئے انہوں نے حضرت عمرؓ کو خبردار کیا تھا۔ آگے لکھتے ہیں کہ اس پر توفیقین رکھتا ہوں کہ انہیں سازش کا علم تھا لیکن قطعی طور پر یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ اس میں شریک بھی تھے۔

اس کے برعکس جناب عقاد کی رائے ہے کہ وہ اس سازش میں برابر کے شریک تھے (۲)۔ اسی طرح محمد ابو نصر نے کعب کی شخصیت کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے "کعب ایک عالم آدمی تھے اور توراۃ کو عبرانی زبان میں پڑھا کرتے تھے۔ تورات کے اشعار ایسی ایسی پیچیدہ عبارتوں سے بھرے پڑے تھے کہ جن کو کوئی عرب خواہ وہ عبرانی ہی کیوں نہ پڑھا ہو ابھو سمجھ ہی نہیں سکتا تھا۔ اس سے فائدہ اٹھا کر انہوں نے من گھڑت باتیں مسلمانوں کے درمیان پھیلا دیں اور ان کے دین اور عقیدے کی پاکیزگی کو کمزور کر دیا۔ انہوں نے اوائل اسلام ہی میں ایک بلند اور ممتاز مرتبہ حاصل کر لیا تھا۔ اکثر لوگ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ جو توراۃ پڑھتے ہیں اسی میں سب چیزوں کا علم موجود ہے اور جو کچھ وہ انہیں بتاتے ہیں وہ بالکل سچ ہے۔ لوگوں کا ان کی نسبت یہ اعتقاد اور بھی پختہ ہو گیا جب انہوں نے تین روز پہلے حضرت عمرؓ کی وفات کی خبر دی اور وہ فی الواقع وقوع میں آ بھی گئی۔ بہت سے لوگ ان اسرائیلیات پر جو انہوں نے بیان کیں آنکھیں بند کر کے ایمان لے آئے اور اسباب سے ان کو تاریخ اور احادیث و تفسیر کی کتابوں میں داخل کر دیا۔ وہ خود بھی اس سے زیادہ ان کی حقیقت سے واقف نہ تھے کہ وہ خود ان کی بنائی ہوئی باتیں تھیں۔ وہ اپنے کلام کی سند توراۃ میں سے دیتے تھے لیکن توراۃ ان باتوں سے خالی تھی۔ آج کل توراۃ ہمارے سامنے ہے ہم اسے پڑھتے ہیں لیکن ان باتوں میں سے ایک بھی اس میں نہیں ملتی جو کعب اما جبار نے زمانہ گزشتہ میں بیان کی تھیں۔" ان امور کی موجودگی میں ہمارے لئے یہ شک نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں رہ جاتی اور کوئی آدمی اس کو جھٹلا نہیں سکتا کہ کعب نے حضرت عمرؓ سے تین روز پہلے آپ کی وفات کا جو تذکرہ کیا تھا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انہیں اس تمام سکیم کا پتہ تھا جو ابولولؤ نے حضرت عمرؓ کو شہید کرنے کیلئے تیار کی تھی۔ حضرت عمرؓ کو مٹانے کا مقصد یہ تھا کہ ان کی قدر و منزلت مسلمانوں میں زیادہ ہو جائے اور وہ ان کی پیال کردہ روایات اور کہانیوں کو بے دھڑک قبول کر لیں (۳)۔

## ۵..... سازش کے ثبوت:

گزشتہ صفحات میں حالات و واقعات کی شہادتیں پیش کی گئی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فاروق اعظمؓ کو شہید کرنے کی سازش میں ابولولؤ کے چچے ایک مجوسی و ایرانی پس منظر رکھنے والے شخص ہرمزان اور ایک عیسائی بھینہ بور ایک یہودی بنیاد رکھنے والا شخص کعب ال جبار موجود تھے۔ ان میں سے دو اپنے مذہب اور قوم پرستی پر پوری طرح پختہ ہوئے تھے اور وہ اسلام کا لہو داڑھنے کے باوجود اپنے دلوں اور ذہنوں کو ان جذبات و خیالات سے جو ان کے سابقہ علاقے اور عقیدے سے وابستہ تھے آزاد نہیں ہو سکے تھے۔ ان کی شدت کا یہ عام تھا کہ وہ رسول اکرم ﷺ کے ایک دیرینہ رفیق اسلام کے ایک عظیم سپوت اور تاریخ کے نمایاں مدبر و منتظم اور انسانیت کے بہت بڑے محسن کے قتل کی سازش میں ملوث ہو گئے۔ جہاں تک جنی شہادتوں کا تعلق ہے وہ ابتدائی تین لوگوں کے بارے میں ٹھوس ثبوت فراہم کرتی ہیں البتہ آخری کے بارے میں خاموش ہیں۔ اس لئے اگر کوئی اس کا انوکھ کعب کو دینا چاہے تو اس کی گنجائش موجود ہے۔ یعنی گواہوں میں ایک حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فرزند عبدالرحمن ہیں۔

سعید بن اسیب سے مروی ہے کہ عبدالرحمن بن ابی بکر صدیق نے کہا کہ جس وقت عمرؓ قتل کے گئے تو میں ابولولؤ کے پاس سے گزرا اس کے ہمراہ بھینہ اور ہرمزان بھی تھے جنہوں نے گواہی کر رہے تھے۔ جب میں دفعۃً ان کے پاس پہنچ گیا تو وہ بھاگے ان کے درمیان سے ایک خنجر گر پڑا جس کے دوسرے تھے اور اس کی



پہلے کا واقعہ ہے۔ اس وقت مسلمانوں کا کوئی حکم نہیں تھا (۱)۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کیلئے کوئی فیصلہ کرنا مشکل تھا۔ ایک طرف یہ اندیشہ تھا کہ تحقیقات کا دائرہ وسیع کیا گیا تو ہو سکتا ہے کہ تمام عجمیوں کی جانیں خطرے میں پڑ جائیں اور وسیع و عریض سلطنت کے دوسرے علاقوں پر بھی اس کے منفی اثرات پڑیں۔ دوسری طرف حضرت عمرؓ کے خاندان اور دیگر مسلمانوں کے جذبات کا کیا عالم ہو گا جو پہلے ہی انتہائی غمزدہ ہیں۔ تیسری طرف یہ حقیقت واضح ہو چکی تھی کہ ہر مزان اور جھیمہ واقعی قتل کی سازش میں براہ راست شریک تھے۔ اگر وہ زندہ ہوتے تو یہی کام جو عبید اللہ نے کیا حکومت کو کرنا پڑتا۔ چوتھا اہم پہلو یہ تھا کہ مقتولوں کا کوئی قانونی وارث موجود نہیں تھا۔ اس لئے شرعی طور پر بطور حکمران وہی ان کے ولی بنتے تھے۔ اس لئے انہوں نے نہایت خوش اسلوبی سے اس مسئلے کو حل فرمایا اور فیصلہ دیا "میں مسلمانوں کا ولی ہوں۔ میں نے اس (قتل) کیلئے دیت مقرر کی ہے جسے میں اپنے مال سے ادا کروں گا (۲)۔" اس طرح انہوں نے دیت کی رقم بیت المال میں جمع کرادی۔

اس طرح انتظامی اعتبار سے مسئلہ تو حل ہو گیا، لیکن مجرموں کے قتل ہو جانے اور قہقش و تحقیقات کا دائرہ نہایت محدود اور اندازاً بالکل سادہ رکھا گیا۔ یہاں تک کہ کعب الاحبار سے بھی کسی نے یہ پوچھنے کی کوشش نہ کی کہ ان کی جیٹن گولیوں کا ماخذ کیا تھا؟ اس طرح پشت پناہ قوتوں اور سارٹش کی تہہ در تہہ دستوں تک رسائی کا امکان ہمیشہ کیلئے ختم ہو گیا۔





- ۱۰۔ فاطمہ بنت ولید بن عقیقہ حضرت خالد بن ولید کی ہمیشہ تھیں<sup>(۱)</sup>۔ ان کے خاوند حارث بن ہشام طاعون سے فوت ہو گئے۔ ۲۰ھ میں ان سے شادی کی تھی<sup>(۲)</sup>۔ یہ عبدالرحمن بن حارث بن ہشام کی والدہ تھیں<sup>(۳)</sup>۔
- ۱۱۔ فسکیہ: ام ولد تھیں<sup>(۴)</sup>۔
- ۱۲۔ لہیہ: ام ولد تھیں<sup>(۵)</sup>۔ بعض نے انہیں یعنی عورت بتایا ہے<sup>(۶)</sup>۔ ابن سعد نے ان کے بیٹے عبدالرحمن کا لقب ابو الجبر بتایا ہے<sup>(۷)</sup>۔

(۱) ابن کثیر: ۶/۷، طبری: ۴/۱۱۲ (۲) ابن کثیر: ۱۱/۷، ۱۱/۷ (۳) طبری: ۴/۱۱۲، ۴/۱۱۲ (۴) طبری: ۴/۱۱۲، ۴/۱۱۲ (۵) طبری: ۴/۱۱۲، ۴/۱۱۲ (۶) ابن

کثیر: ۱۱/۷، ۱۱/۷، ۱۱/۷ (۷) طبری: ۴/۱۱۲، ۴/۱۱۲



## باب سوم

# عہد صدیقیؒ ---- بصیرت عمرؓ کی جولانیاں

☆۔ صدیقؒ و فاروقؒ دوساتھی دو کردار

☆۔ حضرت ابوبکرؓ کا انتخاب

☆۔ بطور مشیر اعلیٰ

☆۔ بطور قاضی

☆۔ فاروق اعظمؓ کا انتخاب

## عہد نبوی... بصیرت عمر کی تربیت و ارتقاء

### ۵..... تعلق بالرسول:

ارشاد نبوی ﷺ: "انلس معادن كمعادن النعب وحقصة خيلهم في الاحطال خيلهم في الاسلام انا قهوا والارواح مجالة فما تطرف منها اظف وما تناكر منها اظف" (۱)۔ (لوگ تو کانیں ہیں جس طرح سونے اور چاندی کی کانیں ہوتی ہیں ان میں سے جو جاہلیت میں اچھے تھے وہ اسلام میں بھی اچھے ہیں جبکہ وہ دین میں کچھ پیدا کریں اور وہیں طے جلتے لشکروں کی مانند ہیں جو باہم متعارف ہوئے وہ تو بڑھ گئے اور جو آپس میں ایک دوسرے سے متعارف رہے تو ان میں اختلاف رہا سرور کو نین ﷺ کا یہ فرمان حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت پر حرف بہ حرف صادق آتا ہے۔ آپ عہد جاہلیت ہی سے انتہائی بصیرت تھے مگر چہ اس دور کے بدے میں بدعت ہمیں بہت زیادہ معلومات فراہم نہیں کرتی لیکن اس قدر گہم شخص بھی نہیں تھے کہ ہم آپ کے ماضی کے بدے میں کچھ جان ہی نہ سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو واقعات مذکور ہیں وہ آپ کے دیگر ہم عصر لوگوں کی بہ نسبت کہیں زیادہ ہیں اور یہی آپ کے معروف اور متحرک ہونے پر دلالت بھی کرتے ہیں۔ ان واقعات میں آپ کی سیرت و شخصیت کی پوری صفا صاف دکھائی دیتی ہے۔ فہم و فراست، عزم و حوصلہ، علمی ذوق، نظریاتی و عملی میں خلوص، مزاج میں شدت، ہمدردی، صلاحیتیں اور خصائص جو عہد اسلام میں آپ کا طرہ امتیاز تھے ان کی بنیادوں کا سرِ عہد جاہلیت میں تلاش کرنا مشکل نہیں۔ جرأت و ہمت، قلب میں رقت، مخالفوں سے نفرت، انتظامی صلاحیت، غیرت، حق گوئی، بیوک۔ آپ کے سرِ پا میں یہ ساری باتیں جمع تھیں اور قبولِ اسلام سے پہلے آپ نے انہیں اسلامی انقلاب کا راستہ روکے میں بھرپور طور پر استعمال کیا۔ سرور کو نین ﷺ سے زیادہ جو ہر شناس اور کون ہو سکتا ہے؟ آپ کو معصوم تھا کہ ان صلاحیتوں کا حامل شخص اگر اسلام قبول کر لے تو اسلام کی سر بلندی کیسے کی جائے وہاں جہد و جد ایک نئے مرحلے میں داخل ہو سکتی ہے۔ چنانچہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے ان کے قبولِ اسلام کی دعا فرمائی جو منظور ہوئی اور آپ کی توقع بھی پوری ہوئی۔ اسلام جاہلیت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنا پیغام پہنچانے کے قابل ہو گیا۔

مرتبِ اعظم ﷺ نے ۳۳ سال کے اس باصلاحیت جوان کو اپنی تربیت میں لیا تو اس پر خصوصی توجہ فرمائی۔ اسے مقصد زندگی کا شعور دیا، قدم قدم پر اس کی رہنمائی کی۔ اس کی صلاحیتوں میں نکھار پیدا کیا اس کی سوچ کو نیا ڈھونڈا اور فراست کو نئی شان، جرأت و ہمت کو مقصدیت کی پہچان اور غیرت کو نیا دھولہ عطا فرمایا۔ یہ سب کچھ آپ کے منصب رسالت کا لازمی حصہ تھا کیونکہ فرد کی تربیت اور تعمیر شخصیت کیسے اللہ تعالیٰ نے جو ذمہ داری آپ کو سونپی تھی وہ کچھ بوسا ہے۔ "لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیہم رسولا من انفسہم يتلو علیہم ایتہ و یرکبہم و یعلمہم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لعی ضلال مبین" (۲)۔ (در حقیقت اہل ایمان پر اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انہی میں سے ایک ایسا پیغمبر اٹھایا ہے جو اس کی آیات انہیں سناتا ہے ان کا ترمیم کر ۲ ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے یہی لوگ مرتع گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے۔) آپ کا یہ فیض سارے مسلمانوں کیسے عام تھا، لیکن اس سے استفادہ آپسے اپنے ذوق، ظرف، استعداد، صلاحیت اور حاصل ہونے والے مواقع کے لحاظ سے مختلف لوگوں مختلف کیا۔ حضرت عمر فاروقؓ کی یہ خوش نصیبی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں موقع بھی بھرپور عطا کیا اور استعداد و صلاحیت بھی وافر دی۔ آپ معلم انسانیت ﷺ کے قدم قدم پر رفیق و معاون، سعادت مند شاگرد اور معتد علیہ مشیر رہے اور اس کے ساتھ ساتھ ایسی فکری و دینی صلاحیتوں کے بھی حامل تھے کہ ہر بات کی تہ میں اتر جاتے اور کسی بھی معاملے میں حقیقت تک رسائی سے قبل مطمئن نہ ہوتے اور دین کے مزاج اور اس کی روح کو سمجھنے کی کوشش کرتے۔ اگر کوئی اشکال پیدا ہوتا تو پوری بیباکی

سے سوال کر کے دور فرما دیتے۔ اگر ہم حضرت عمرؓ کی سیرت و کردار کا مذکورہ آیت کے حوالے سے تجزیہ کریں تو دیکھتے ہیں کہ بشت جوئی ﷺ کے خدائی احسان کا پورا شعور رکھتے تھے اور آپؐ کی دمت بابرکت کے فیض سے پوری طرح فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے کیوں کہ رسول محترم ﷺ کی زندگی ان کیسے مثالی حیثیت کی حامل تھی۔ ایک مرتبہ ان سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو عمرہ میں بیت اللہ کا طواف تو کر لیتا ہے لیکن صفادمرہ کی سعی نہیں کرتا کہ کیا وہ اپنی بیوی سے ہم بستر ہو سکتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا نبی ﷺ مکہ میں تشریف لائے تو آپؐ نے بیت اللہ کا سات چکروں کے ساتھ طواف کیا اور مقام ابراہیم کے چبچبے دور کعت نماز پڑھی پھر صفادمرہ کی سات مرتبہ سعی کی۔ یہ کہہ کر حضرت عمرؓ نے یہ آیت تلاوت فرمائی <sup>(۱)</sup> "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ"۔ "رہوئی کے بقول جب ہم نے اس سے متعلق جابر بن عبد اللہ سے بھی پوچھا تو انہوں نے جواب دیا صفادمرہ کی سعی سے پہلے بیوی کے قریب بھی نہ جاؤ <sup>(۲)</sup>۔ جب ان کے سامنے آیات کی تلاوت ہوتی تو ان کا اس ہیئت سے کانپ اٹھتا اور رقت سے بریز ہو جاتا۔ انہیں ذہن نشین بھی کر لیتے، سمجھنے کی بھی کوشش کرتے اور پھر عملی زندگی کا حصہ بھی بنالیتے۔ تزکیہ حاصل کیا تو ایسا کہ دس واپس کی کائنات ہی بدل گئی۔ جذبات و احساسات کا رخ تبدیل ہو گیا اور احوال و اعمال میں ایک ہمہ گیر انقلاب برپا ہو گیا اور آپ کا ہر ایک ضرب لٹل بن گیا۔ کتب کی تعلیم اس طرح حاصل کی کہ ان کا ذوق بھی وحی الہی سے ہم آہنگ ہو گیا اور اس کے اندر چھپے ہوئے علوم کے بے پناہ خزانوں سے بھی مالا مال ہو گئے۔

حکمت کی تعلیم ایسی حاصل کی کہ بصیرت و فراست کے دریا کے شاداب بن گئے۔ آپ کو زبان نبوت سے "محدث" کا خطاب ملا آپ کی آراء احکام اور فیصلوں میں حکمت کی جھلک بہت نمایاں ہے اور پھر مگر اسی وضاحت کی تاریکیوں سے نکلے تو حق و باطل کی حد فاصل "فاروق" بن گئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اجتہادی بصیرت تربیت نبوی ﷺ کے زیر سایہ پروان چڑھی۔ اس عہد باسعادت میں ان چند لوگوں میں سے تھے جو فتویٰ دیا کرتے تھے <sup>(۳)</sup>۔ رسول اکرم ﷺ یہ جانتے تھے کہ ان کے اندر حق پرستی کا ایسا لازوال جذبہ موجود ہے جو بے لوث بھی ہے اور قوی بھی۔ یہ انہیں فکری اور علمی دونوں اعتبار سے کبھی ٹھوکر نہیں کھائے دے گا۔ کیوں کہ وہ اس کی رگوں میں نہ تو کسی بات کی پروا کرتے ہیں اور نہ قطع کی۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا "رَحِمَ اللَّهُ عُمَرَ" بقول الحق ان کان مورا نرکہ الحق و ماله صدیق <sup>(۴)</sup>۔ "اللہ عز و جل رحم کرے وہ حق کہتے ہیں اگرچہ کڑا ہو حق نے ان کو اس حال میں کر دیا کہ ان کا کوئی دوست نہ رہا۔" یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ بجا طور پر یہ سمجھتے تھے کہ عمر ہمیشہ حق و صداقت ہی کے طہر داور ہیں گے اس کا اکتہار کچھ اس طرح فرمایا "الصدق والحق بعدی مع عمرو" <sup>(۵)</sup>۔ "ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے کوئی بات کہی تو رسول اللہ ﷺ مسکرائے اور ارشاد فرمایا "عمرو معی وان مع عمرو" <sup>(۶)</sup>۔ "والحق بعدی مع عمرو حیث کان" <sup>(۷)</sup>۔ "اگر میرے ساتھ ہیں اور میں عمر کے ساتھ ہوں۔ میرے بعد حق عمر کے ساتھ رہیگا وہ جہاں اور جیسے ہوں۔"

حضرت عمرؓ پر یہ بھرپور اعتماد دراصل ان کی اجتہادی بصیرت اور مومنانہ فراست کی بناء پر تھا جو اللہ تعالیٰ نے انہیں خصوصی طور پر عطا فرمائی تھی جس کے ذریعے پیش آنے والے ہر سنے اور پیچیدہ مسئلے کو شریعت اسلامی کی روح کے مطابق حل کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ اس بصیرت کے قابل اعتماد ہونے کی مضبوط بنیاد یہ تھی کہ وہ مزاج شناس نبوت تھے ان کی پسند اور ذوق کا معیار نبی ﷺ کی پسند اور ذوق کے معیار کے ساتھ ہم آہنگ تھا۔ جب کسی مجتہد کو یہ مقام حاصل ہو جائے تو حق تک پہنچنے کے سب دروازے اس کیلئے کھل جاتے ہیں۔ علامہ ابن جوزی نے مذکورہ روایت میں رسول اکرم ﷺ کے اس قول کا اصفیہ کیا ہے "عمرو بن الخطاب معی حیث احب وانا معہ حیث یحب" <sup>(۸)</sup>۔ "اگر خطاب میرے ساتھ ہیں جس طرح میں پسند کرتا ہوں اور میں ان کے ساتھ ہوں جیسا کہ وہ

(۱) بخاری: ۲، ۱۷ (۲) مسند احمد: ۱۲، ۳۳ (۳) بخاری: ۲، ۱۷ (۴) مسند احمد: ۲۵، ۲۸ (۵) بخاری: ۲۸، ۱۸ (۶) مسند احمد: ۲۸، ۱۸ (۷) بخاری: ۲، ۱۷ (۸) بخاری: ۲، ۱۷

روایت میں یہ جملہ اضافی ہے (۸) بخاری: ۲، ۱۷ (۹) مسند احمد: ۲۵، ۲۸ (۱۰) مسند احمد: ۲۵، ۲۸ (۱۱) مسند احمد: ۲۵، ۲۸ (۱۲) مسند احمد: ۲۵، ۲۸

پسند کرتے ہیں۔ اسلئے نبوت نے حضرت عمرؓ کے بہت سے فضائل و مناقب کو واضح کیا ہے جنہیں اس مقالے میں موقع و محل کی مناسبت سے مختلف جگہوں پر درج کیا گیا ہے۔ آپؐ نے یہاں تک ارشاد فرمایا ”ماطلعت الشمس علی رجل خیر من عمر (۱)۔“ (عمر سے بہتر کسی شخص پر کبھی سورج طلوع نہیں ہوا۔) حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت معیرہ بن شعبہؓ نے ایک جگہ نکاح کیلئے پیغام بھیجا۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کے بجائے حضرت منیرہؓ کے ساتھ نکاح کر دیا۔ رسول اکرم ﷺ کو جب اس کی اطلاع ملی تو فرمایا کہ انہوں نے اس امت کے سب سے بہتر شخص کو ٹھکرا دیا ہے ”لقد توکوا اور ذوا حیر ہلہ الامۃ (۲)۔“

ان احادیث میں حضرت عمرؓ کو رسول اللہ ﷺ نے سب سے بہترین شخص قرار دیا جبکہ بعض دیگر روایات کی بنیاد پر امت کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کی فضیلت کے اعتبار سے اول نمبر پر ہیں۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہاں چند ملا جلتوں کی بناء پر سرور کو نین ﷺ نے حضرت عمرؓ کے بارے میں مذکورہ رائے دی ہے۔ بحیثیت مجموعی نہیں (واللہ اعلم) ان ملا جلتوں میں سب سے اہم اجتہادی بصیرت ہے جس کی بناء پر نبی ﷺ ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ ان کے تمام مناقب پر تقابلی نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس وصف کو آنحضور ﷺ نے سب سے زیادہ اہمیت دی ہے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جس شخص نے عمرؓ سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا جس نے عمرؓ سے محبت رکھی اس نے مجھ سے محبت رکھی۔ اللہ جل شانہ نے فلک عرفہ پر عموماً اور حضرت عمرؓ پر خصوصاً فخر کیا ہے“ جتنے انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے ہیں ان سب کی امت میں ایک محدث ہوا ہے۔ اگر میری امت میں کوئی محدث ہے تو وہ عمرؓ ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ رسول اللہ ﷺ! محدث کون ہوتا ہے؟ فرمایا: ”جس کی زبان سے ملائکہ گفتگو کریں (۳)۔“

خود حضرت عمر فاروقؓ کی سرور دو جہاں سے محبت کا کیا عالم تھا؟ اس کا اندازہ حضرت عبداللہ بن ہشام کی اس روایت سے کیا جاسکتا ہے کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ تھے اور آپؐ حضرت عمرؓ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ رسول اللہ ﷺ آپؐ مجھے ہر چیز سے محبوب ہیں سوائے میری اپنی جان کے۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا: ”نہیں! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے (ایمان اس وقت تک کھل نہیں ہو سکتا) جب تک میں تمہیں تمہاری جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا ”واللہ اب آپؐ مجھے اپنی جان سے زیادہ محبوب ہیں۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا ”اے عمر! بات ہوئی (۴)۔“ عہد رسالت میں فاروق اعظمؓ کی اجتہادی بصیرت کی تربیت و فروغ میں مختلف عوامل نے حصہ لیا۔ اس میں سب سے اہم کردار اس فکری، قلبی اور جذباتی تحقق کا ہے جو انہیں رسالت مآب ﷺ سے تھما۔ پھر اس رفاقت کا بھی گہرا دخل ہے جو قدم قدم پر انہیں میسر رہا۔ پھر آنحضور ﷺ کی شاگردی کا برہنہ راست جو موقع انہیں ملا اس کا بھی اثر ہوا۔ کئی مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی ترجمانی کے فرائض بھی انہوں نے سرانجام دیے جس سے ان کی فراست کو سہارا اور استحکام ملا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ شیر رسالت ہونے کی حیثیت سے مختلف قسم کے مسائل میں وہ عملاً شریک مشورہ رہے۔ اس سے ان کی خاطر خولہ فکری تربیت ہوئی۔ ان کا شعور اور سوچنے سمجھنے کا انداز اسلام کے زاویہ نگاہ اور مزاج کے سانچوں میں ڈھلتا چلا گیا اور پھر اطاعت رسول ﷺ کے دلولے نے ان کے قلب و ذہن کو بصیرت نبوی کی روشنی سے منور کر دیا۔ یہ ہیں وہ عوامل جنہوں نے حضرت عمر فاروقؓ کی اجتہادی بصیرت کی تربیت کی۔ ان کا محور و مرکز تعلق با رسول ہے۔ اسی تعلق نے آپؐ کی بصیرت کو ایک خاص سطح سے بلند کر کے مقام عروج تک پہنچا دیا۔ آپؐ نے سرچشمہ نبوت سے جو نور فیض حاصل کیا اس کی کرنوں سے زندگی کے ہر شعبے کو اجالنے کیلئے آخری سانسوں تک سرگرم عمل رہے۔ تعلق با رسول نے آپؐ کی شخصیت کی تعمیر اور اجتہادی بصیرت کے ارتقاء میں جو کردار سرانجام دیا ہم اس کا تجزیہ کرنے کیلئے اس بحث کو مختلف حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

(۱) ترجمہ ص ۲۸۱ شہر ۱۱/۴۱۱ ۲۴۴۱ ۲۵۷۷، ۱۱ (۲) ص ۲۵۱۲۲ (شہر ۱۱/۴۱۱) (۳) مہر طبعی ۱۱۹۳ بخاری ۲۰۷۲ مسلم ۶۹۱ برہنہ ص ۲۸۵

## ۵..... مخلص رفیق:

حضرت عمر فاروقؓ کی اجتہادی بصیرت کی تربیت میں اس رفاقت کا بڑا حصہ ہے جو رسول اکرم ﷺ کے ساتھ نہیں میسر رہی۔ یہ ایک فطری بات ہے کہ آدمی ہمہ وقت جس کے ساتھ رہے اس کے افکار و عقائد، اخلاق و کردار اور ذوق و مزاج کا اثر قبول کرتا ہے اور پھر ہر رفاقت میں کوئی وجہ مشترک ہوتی ہے۔ جس نوعیت کی وجہ ہوگی رفاقت کی نوعیت بھی ویسی ہی ہوگی اور اس کے اثرات بھی اسی طرح کے مرتب ہوں گے۔ سب سے زیادہ بے لوث مضبوط اور پائیدار رفاقت وہ ہوتی ہے جو نظریے اور عقیدے پر استوار ہو، مقصد زندگی اور نصب العین کی وحدت ہر کام کرنے کا ذریعہ بن جائے اور رب کائنات کی پہچان اور رضا کی طلب منزل مراد قرار پائے۔ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ظاہری اور باطنی ہر طرح کی یک رنگی پیدا ہو جاتی ہے۔ قرآن حکیم اس کو اللہ کا رنگ قرار دیتا ہے۔ ”صبغة الله ومن احسن من الله صبغة“ (۱)۔ ”کیونکہ اللہ کا رنگ اختیار کرو اس کے رنگ سے اچھا اور کس کا رنگ ہو گا ہم اس کی ایسی کی زندگی کرنے والے لوگ ہیں۔“

رسول اکرم ﷺ نے ایسے ہی ساتھیوں اور رفیقوں کے ذریعے ایک ہمہ گیر انقلاب برپا کیا اور دین حق کو تمام باطل ادیان پر غالب کر دیا۔ قرآن حکیم میں ان کی صفات کا تذکرہ کچھ یوں کیا گیا ہے ”محمد رسول الله والذين معه اشياء على الكفار رحماء بينهم تراهم ركعوا مسجداً يستمعون فضلاً من الله ورضواناً سيماهم في وجوههم من اثر السجود“ (۲)۔ ”محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رنجیم ہیں۔ تم جب دیکھو گے انہیں رکوع و سجود اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں مشغول پڑے گے۔ سجود کے اثرات ان کے چہروں پر موجود ہیں جن سے وہ الگ پہچانے جاتے ہیں۔“

اس آیت کریمہ میں جن رفقاء رسالت کا ذکر کیا گیا ہے حضرت عمر فاروقؓ ان میں بہت نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ یہ ساری صفات اور نشانیاں ان میں بدرجہ کمال موجود تھیں جو اس میں بیان کی گئی ہیں۔ اس کی وجہ اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ آنحضور ﷺ کی رفاقت نے ان پر وہی رنگ چڑھایا جو ان کا اپنا رنگ تھا۔ حقیقت میں جو اللہ کا رنگ تھا۔۔۔۔۔ اور ان کے اندر وہی صفات پیدا کیں جن سے وہ خود متصف تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد رفقاء خاص میں ان کا ہی نام آتا ہے۔ اکثر واقعات میں آنحضور ﷺ کے ساتھ آپ کے دونوں ساتھیوں کا ذکر اکٹھے آیا ہے اور صحابہ کرامؓ کے فضائل میں انہیں جو فوقیت حاصل ہے اس کی وجہ یہی رفاقت ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے ایک موقع پر انہیں اپنے کان اور آنکھیں قرار دیا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ ظاہر ہوئے آپؐ نے ان پر نظر ڈالا اور فرمایا ”هذان السمع والبصر“ (۳)۔ ”ایک اور مرتبہ انہیں زمین پر اپنا دوزیر قرار دیا۔ حضرت سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا ”ہر نبی کیسے دوزیر آسمان والوں میں سے ہوتے ہیں اور دوزیر زمین والوں میں سے ہوں میرے آسمان والے دوزیر جبرائیل اور میکائیل ہیں اور زمین والے دوزیر ابو بکرؓ و عمرؓ ہیں“ (۴)۔

حضرت عبد العزیز بن الخطابؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ نے اہل آسمان میں سے جبرائیل اور میکائیل اور اہل زمین میں سے ابو بکرؓ و عمرؓ کے ذریعے میری نصرت فرمائی ہے باقی لوگ ان کے بعد آتے ہیں“ (۵)۔ ”دوزیر صحیح معنوں میں وہی ہو سکتے ہیں جو مطاوع و مددگار، ہمدرد اور غمخوار ہونے کے ساتھ ساتھ فہم و فراست کے حامل بھی ہوں کہ بہترین مشورے دے سکیں اور اپنے قائد کی مرضی و منشاء کو اس کی صحیح روح کے ساتھ نافذ کرنے کی بھی صلاحت رکھتے ہوں یہ دونوں صفات اہل میں موجود تھیں۔ وجہ بن خلیفہ کہتے ہیں ”رسول اللہ ﷺ نے اپنا ہمدرد میرے حوالے کر کے مجھے

(۱) سورہ البقرہ ۱۳۸ (۲) سورہ البقرہ ۲۸۵ (۳) درمنہ ۲۷۰ ج ۱ ص ۲۹ (۴) درمنہ ۲۷۸ ج ۱ ص ۲۸ (۵) ج ۱ ص ۲

قصرِ روم کے پاس روانہ کیا۔ میں نے بادشاہِ روم کو پیغمبر ﷺ کا نام مقدس دیا۔ بادشاہ نے مہرِ نبوت کو جو نامہ پر ثبت تھا بوسہ دیا اور خط کو مسند کے نیچے رکھ دیا اور پھر سینہ ہی سرداروں اور اہل قوم کو بولا۔ سب جمع ہو گئے تو بقولِ سیر پیغمبرِ وحید کے ”بادشاہ نے اپنے جوادہ شاهی پر کھڑے ہو کر (کسی منبر یا پلیٹ فارم پر نہیں) قوم کو مخاطب کیا اور نامہ کا یہ کہہ کر تعارف کر دیا کہ یہ اسماعیل بن ابراہیم کی نسل کے اس پیغمبر کا خط ہے جس کی آمد کی اطلاع ہمیں مسیح علیہ السلام نے دی تھی۔“ بادشاہ نے کہا ”ہمیں تمہاری عیسائیت اور نصرانیت کا بھی حال معلوم ہے۔ دوسرے دن مجھے طلب کیا اور مجھے ایک بڑے محل میں لے گیا۔ یہ محل ایک تصویر خانہ تھا تین سو تیرہ تصاویر سے مزین یہ سب تصاویر انبیاء اور مسلمانین کی تصاویر تھیں۔“ بادشاہ نے مجھ سے کہا ”ان تصاویر میں اپنے صاحب (مراونی علیہ السلام) کی تصویر تلاش کرو۔ مجھے تصویر کی نشاندہی میں کوئی دقت نہ پیش آئی۔ حضور انور ﷺ کی ایک تصویر آویزاں تھی جیسے وہ کسی شے کو دیکھ رہے ہوں۔“

بادشاہ بولا ”تم نے ٹھیک کہا۔“ پھر پوچھا

”یہ دائیں جانب کون ہے؟“ میں نے کہا

”یہ پیغمبر ہی کی قوم کا ایک شخص ہے جسے لوگ ابو بکر صدیق کے نام سے پکارتے ہیں۔ پھر پوچھا اور یہ بائیں جانب کس کی تصویر ہے؟“

میں نے کہا ”یہ بھی پیغمبر کا ہم قبیلہ ایک شخص ہے۔ قوم اسے عمر بن الخطاب کے نام سے پکارتی ہے۔“

بادشاہ نے کہا ”ہماری کتاب میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دین کو نبی کے ان دو ساتھیوں کے ذریعہ مکمل کرے گا۔ یعنی ان کے ذریعہ اس دین کا پورے طور پر نفاذ ہو گا۔ دائیں پر میں نے نبی علیہ السلام سے یہ سب عرض کیا تو فرمایا ”صدق ہائی بکرو و عمر یتیم اللہ ہذا الدین ویفتح“<sup>(۱)</sup>۔ بادشاہ نے سچ کہا۔ ابو بکرؓ اور عمرؓ کے ذریعہ اس دین کی تکمیل اور کشائش ہو گی۔ بعد کی تاریخ نے اس پیش گوئی کو حرف بحرف ثابت کر دکھایا۔ آپؐ کے ان رفیقوں کی بدولت دین کی حفاظت بھی ہوئی اس کا مکمل نفاذ بھی اسے فروغ بھی ملا اور استحکام بھی۔

رسول اکرم ﷺ کو اپنے دونوں ساتھیوں کی دینی و اجتماعی بصیرت اور راست روی پر اس قدر اعتماد تھا کہ اہل قادیان سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا ”ان یطلع الناس ابابکر و عمر فقد ارشدوا“<sup>(۲)</sup>۔ ”اگر لوگ ابو بکرؓ اور عمرؓ کی اطاعت کرتے رہیں گے تو ہدایت پر رہیں گے۔“ ایک اور مرتبہ سرورِ دو جہاں ﷺ نے ان دونوں کی اطاعت کا قاعدہ حکم دیا۔ یہ آپؐ کی زندگی کے آخری دنوں کی بات ہے۔ حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپؐ نے فرمایا ”اسی لا ادری ما قلتم بقائی فیکم فافقدوا باللہ من بعدی و ارشد الی ابو بکر و عمر“<sup>(۳)</sup>۔ ”مجھے معلوم نہیں کہ تم لوگوں میں میرا کس قدر رہنما ہو گا لہذا تم ان دونوں کی پیروی کرنا جو میرے بعد ہوں گے“ آپؐ نے ابو بکرؓ اور عمرؓ کی طرف اشارہ کیا۔

اس احادیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سرورِ دو جہاں ﷺ نے ان دونوں بزرگوں کو خصوصی طور پر اپنی رفاقت میں رکھا۔ آپؐ کی حداد و صلہ جیتوں سے آگاہ تھے۔ اس سے ان کو پی توجہ کا خصوصی محور بنایا۔ ان کی تربیت کی اور ان کے جوہروں کو نکھار اور اس قابل بنایا کہ آپؐ کی وفات کے بعد امتِ مسلمہ کی ذمہ داریوں کو سنبھال کر خلافتِ علی منہاجِ انبوت کی بنیاد رکھیں۔ اسی رفاقت کی بدولت تاریخ میں ”شیحین“ کے لقب سے نوازے گئے۔ قبولِ اسلام کے بعد قدم قدم ساتھ رہے کوئی اہم واقعہ ایسا نہیں تھا جس میں یہ دونوں مقدس ہستیاں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہ ہوں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ عام طور پر دائیں جانب اور حضرت عمر فاروقؓ بائیں جانب ہوتے تھے۔ یہ رفاقتِ قبر کی آغوش میں پیچنے کے بعد بھی قائم ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کی یہ رفاقت نہ تو رشتہ داری کی بناء پر تھی اور

نہ ہی مجبوری و ضرورت کی بناء پر اس کی نوعیت نہ تو کاروباری قسم کی تھی اور نہ ہی محض جماعتی و تنظیمی بلکہ قلب و دماغ کی کھل ہم آہنگی کی اساس پر استوار تھی اور اس کے پیچھے الفت و محبت کے لازوال جذبات موجزن تھے۔ دیگر سارے تعلقات اسی کا نتیجہ تھے۔ عمر کو صرف حبیب سے نہیں بلکہ دیار حبیب سے بھی انس تھا۔ آپ کی بیٹی حضرت حصہؓ اور آپ کے خادم حضرت اسلمؓ سے روایت ہے کہ آپ نے دعا فرمائی ”اللهم ادرقنی شہادۃ فی سبیلک واجعل موتی فی بلا رسولک ﷺ“ (۱)۔ ”اے میرے مولیٰ مجھے اپنے راستے میں شہادت عطا فرما اور میری موت اپنے رسول ﷺ کے شہر میں مقدر فرما۔“ آپ کی موت کا وقت قریب آیا تو آپ کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ دفن ہوں۔ اس مقصد کیلئے حضرت عائشہؓ کی طرف اپنے بیٹے حضرت عبداللہ کو بھیجا جب انہوں نے واپس آکر اطلاع دی کہ انہوں نے اجازت دے دی ہے تو فرمایا ”ماکان فیء اہم الی من ذلک المصعب“ (۲)۔ ”(اس خواب گاہ سے زیادہ اہم میرے نزدیک کوئی چیز نہ تھی۔) ان کی خوش نصیبی اس سے بڑی اور کیا ہو سکتی ہے کہ آخرت میں بھی یہ ساتھ برقرار رہے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن نکلے اور مسجد میں تشریف لائے۔ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ میں سے ایک دائیں طرف تھے اور ایک بائیں طرف آپ دونوں کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا ”ہکذا مبعث یوم القیامۃ“ (۳)۔ ”(ہم تینوں قیامت کے روز اسی طرح اٹھائے جائیں گے۔)

یہ رفاقت صحابہ کرامؓ میں معروف و مشہور تھی سب اسے قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ابن ابی ملیکہؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں ان لوگوں میں سے تھا جو (وفات کے بعد) حضرت عمرؓ کیلئے مغفرت کی دعا کر رہے تھے ان کا جنازہ رکھا ہوا تھا۔ اتنے میں ایک شخص نے چیخے سے اپنی کہنی میرے کندھے پر رکھی اور کہنے لگا۔ اللہ تم پر رحم کرے۔ مجھے یہی امید تھی کہ اللہ تمہیں تمہارے دونوں ساتھیوں کے ساتھ رکھے گا کیونکہ میں اکثر نبی کریم ﷺ سے سنا کرتا تھا کہ فلاں جگہ میں اور ابو بکرؓ و عمرؓ تھے۔ میں نے یہ کیا اور ابو بکرؓ و عمرؓ بھی گئے (گویا ہمیشہ ساتھ رکھتے تھے) اس لئے میں امید کرتا تھا اللہ تعالیٰ تمہیں ان دونوں کے ساتھ رکھے گا۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے جو پٹ کر دیکھا تو کہنے والے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے (۴)۔ یہ بات بھی لوگوں سے پوشیدہ نہیں تھی کہ رسول اللہ ﷺ اپنے دونوں رفیقوں سے بے حد محبت کرتے ہیں یہ متعدد روایات سے ثابت ہے۔ عبداللہ بن شقیف کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ کے اصحاب میں سے کون آپ کو زیادہ محبوب تھے؟ جواب دیا حضرت ابو بکرؓ۔ میں نے پوچھا پھر کون؟ انہوں نے جواب دیا حضرت عمرؓ۔ میں نے پوچھا پھر کون؟ فرمایا ابو حبیہؓ بن الجراح۔ میں نے پوچھا پھر کون؟ اس پر حضرت عائشہؓ چپ ہو گئیں (۵)۔ صرف یہی نہیں کہ آپ ان سے خود محبت کرتے تھے بلکہ ان سے محبت کو ایمان و نفاق کی پیمائش قرار دیا۔ ابوسفیانؓ نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی محترم نے فرمایا ”لا یحب ابو بکر و عمر صافق ولا یفصھما مومن“ (۶)۔ ”(منافق ابو بکر و عمر سے محبت نہیں کر سکتا اور مومن ان دونوں سے کینہ و بغض نہیں رکھ سکتا۔)

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ اس سے گہری محبت و عقیدت رکھتے تھے اور ان کے احترام و اکرام میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کرتے تھے۔ یہ سب کچھ محض ان کے ذاتی اوصاف کی بنا پر نہیں تھا بلکہ اس میں اس رفاقت کا بھی بڑا حصہ تھا۔ حضرت علیؓ نے عہد خلافت میں بعض روافض و عالیوں نے ان دونوں اصحاب رسالت کی تہقیر کرنا شروع کر دی۔ جب ان کو اس بات کا علم ہوا تو ان کا رد عمل ہماری اس بات کی تصدیق کرتا ہے۔ یزید بن وہب کا بیان ہے ”سوید بن علفہؓ ایک دن حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملے گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ علیؓ امیر المومنین تھے۔“ سوید نے عرض کیا ”امیر المومنین میں بعض لوگوں سے عداوتوں جو ابو بکرؓ و عمرؓ کو ان کے

(۱) بخاری ۲/۲۲۵، ص ۶۱، ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰

درجے سے گرانے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کی عظیم خدمات کا استخفاف کرتے ہیں۔ "شیر خدا غضبناک ہو گئے اور اپنی منٹھیاں بھینچتے ہوئے منبر خطاب پر جلوہ افروز ہوئے اور پھر ہر تفسوی خطابت کا شہکار ملاحظہ ہو "س ذات کی قسم جو دے کو اگا اور مخلوق کو پالتا ہے۔ ان دونوں سے وہی محبت کرے گا جو موسیٰ اور صاحب فصیلت ہو گا۔ ان سے بغض و عناد رکھنا شقاوت اور گمراہی ہے۔ محبت شجاعت باعث تقرب الہی اور ان سے عناد ضلالت کا سبب ہے۔ آخر دو گوں کو ہو کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ان بھائیوں، وزیروں اور دوستوں سرداروں قریش و پدران امت کا یوں (بہ بدی) ذکر کرتے ہیں۔ ابو بکرؓ اور عمرؓ کے نام برائی سے پہنچنے والوں سے میں بری ہوتا ہوں۔ ایسے بدگو کو اس کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا (۱)۔"

صحابہ کرامؓ ان دونوں کی محبت کو لے کر اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کا لازمی حصہ اور دریغ نہایت خیال کرتے تھے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا قیامت کب آئے گی؟ آپؐ نے پوچھا تو نے قیامت کیسے تیار کی ہے؟ کچھ نہیں بس اتنی بات ہے میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت رکھتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا "انت مع من احببت" (جس توقیعت کے دن اسی کے ساتھ ہو گا جس سے محبت رکھتا ہے۔) حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ یہ حدیث سن کر ہمتا خوش ہوئے تاکسی اور شے پر خوش نہیں ہوئے۔ پھر کہتے ہیں کہ میں حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ سے محبت رکھتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ اس محبت کی وجہ سے میں ان کے ساتھ ہوں گا اگرچہ میں ان جیسے عمل نہ کر سکا (۲)۔ اکابرین کے ہاں ان کی عزت حب رسول کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ چنانچہ محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ میں نہیں سمجھتا کہ جو شخص ابو بکرؓ و عمرؓ کی تنقیص کرتا ہے وہ رسول خدا ﷺ سے محبت رکھتا ہے (۳)۔

اس رفاقت ہی کی برکت سے بارہا ایسا ہوا کہ جب رب ذوالجلال کی طرف سے پیغمبر برحق ﷺ پر وحی نازل ہوئی تو اپنی آنکھوں سے حضرت عمرؓ نے کیفیت کا مشاہدہ کیا اور نازل ہونے والے احکام اور ان کے موقع و محل اور سیاق و سباق سے واقف ہوئے اس سے ان کی قرآن فہمی میں اضافہ ہوا۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ پر جب وحی اترتی تھی تو آپؐ کے منہ کے پاس شہد کی ٹھیکوں کی سی گنگناہٹ سنی جاتی تھی۔ ایک دن ان پر وحی نازل ہوئی تو ہم گھڑی بھر کیلئے ٹھہر گئے۔ اہم ہوں نے قبلہ کی طرف منہ کیا اور اپنے ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگی "اے اللہ ہمیں زیادہ دینا اور کم مت کرنا" ہمیں عزت و ینال میل مت کرنا ہم پر عنایت کر محروم مت کرنا۔ ہمیں اور دس پر مقدم کر ہم پر کسی اور کو مقدم مت کرنا ہمیں رضی کر اور ہم پر راضی ہو۔ پھر آپؐ نے (ہماری طرف متوجہ ہو کر) فرمایا مجھ پر دس آیات نازل ہوئی ہیں جو ان پر عمل کرنا ہے گا وہ جنت میں داخل ہو گا پھر آپؐ نے عداوت فرمائی (قد افلح المؤمنون) (۴) دس آیات تک (۵)۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے حضرت یحییٰ بن امیہ کو ان کی خواہش پر نزول وحی کے دوران کیفیت نبوی ﷺ کا مشاہدہ کرایا (۶)۔

ایک مرتبہ حضرت جبرئیل امینؓ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں تشریف لائے تو حضرت عمرؓ ان خوش نصیبوں میں سے تھے جنہیں ان کے دیدار کا شرف بھی حاصل ہوا اور ان سے دین کو براہ راست سیکھنے اور سمجھنے کا بھی موقع ملا اس سے آپؐ کی بصیرت و فراست میں اساسیات دین کا شعور رچ بس گیا۔ حضرت عمرؓ میں خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے (اسی حدیث کی ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت مجلس مبارک میں صیہ کا ایک مجمع تھا اور حضرت ان سے خطاب فرما رہے تھے۔) (فتح) کہ اچانک ایک شخص سامنے سے نمودار ہوا جس کے کپڑے نہایت سفید اور پاس بہت سی زیادہ سیاہ تھے اور اس شخص پر سفر کا کوئی اثر بھی معلوم نہیں ہوتا تھا (جس سے خیال ہوتا تھا کہ یہ کوئی بیرونی شخص نہیں ہے) اور اسی کے ساتھ یہ بات بھی تھی کہ ہم میں سے کوئی اس نوادر کو پہچانتا تھا (جس سے خیال ہوتا تھا کہ یہ کوئی باہر کا آدمی ہے تو یہ شخص حاضرین کے حلقہ میں سے گزرتا ہوا آیا۔



یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے آکر دوزخ اس طرح جیٹ گیا کہ اپنے گھٹنے پر محضرت ﷺ کے گھٹنوں سے جڑا دیئے اور اپنے ہاتھ حضور کی رانوں پر رکھ دیئے اور کہا ”اے محمد ﷺ! مجھے بتا دیجئے کہ ”اسلام“ کیا ہے؟“ آپ نے فرمایا ”اسلام“ یہ ہے (یعنی) اس کے ارکان یہ ہیں کہ دس روزہاں سے) تم یہ شہادت ادا کرو کہ ”اللہ“ کے سو کوئی ”الہ“ (کوئی ذات عبادت و بندگی کے مائق) نہیں اور محمد ﷺ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور ہمارے مضان کے روزے رکھو اور اگر حج بیت اللہ کی تم استطاعت رکھتے ہو تو حج کرو۔ اس نووارد سا کل نے آپ کا یہ جواب سن کر کہا ”آپ نے سچ کہا۔“ رولای حدیث حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ ہم کو اس پر تعجب ہوا کہ یہ شخص پوچھتا بھی ہے اور پھر خود تصدیق و تصویب بھی کرتا جاتا ہے۔ اس کے بعد اس شخص نے عرض کیا اب مجھے بتلائیے کہ ”ایمان“ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ”ایمان یہ ہے کہ تم اللہ کو اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور یوم آخرت یعنی روز قیامت کو حق جانو اور حق مانو اور ہر خیر شرکی تقدیر کو بھی حق جانو اور حق مانو (یہ سن کر بھی اس نے کہا ”آپ نے سچ کہا۔“ اس کے بعد اس شخص نے عرض کیا مجھے بتلائیے کہ احسان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ”احسان یہ ہے کہ اللہ کی عبادت و بندگی تم اس طرح کرو گویا وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔“ پھر اس شخص نے عرض کیا مجھے قیامت کی بابت بتلائیے؟ وہ کب واقع ہوگی؟ آپ نے فرمایا کہ ”جس سے یہ سوال کیا جا رہا ہے وہ اس کو سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔“ پھر اس نے کہا تو مجھے اس کی کچھ نشانیاں ہی بتلائیے؟ آپ نے فرمایا ”(اس کی ایک نشانی تو یہ ہے کہ کلوٹری اپنی مالک اور ”قا کو جئے کو اور دوسری نشانی ایک یہ ہے کہ) تم دیکھو گے کہ جن کے پاؤں میں جو تاوڑ تن پر کپڑا نہیں ہے اور جو تہی دست اور بکریاں چرانے والے ہیں وہ بڑی بڑی عمارتیں بنانے لگیں گے اور اس میں ایک دوسرے پر بازی سے جانے کی کوشش کریں گے۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ یہ باتیں کر کے یہ نووارد شخص چلا گیا۔ پھر مجھے کچھ عرصہ گزر گیا تو حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا ”اے عمرؓ! تم کیا تمہیں پتہ ہے کہ سوال کرنے والا شخص کون تھا؟“ میں نے عرض کیا ”اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں۔“ آپ نے فرمایا ”وہ جبرئیل تھے تمہاری اس مجلس میں اس لئے آئے تھے کہ تم لوگوں کو تمہارا دین سکھادیں (۱)۔“

رسول خدا ﷺ کی رفاقت انہیں ہر دنیوی مفاد سے زیادہ عزیز تھی۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ایک مرتبہ جمعہ کے دن کھڑے ہو کر خطبہ دے رہے تھے کہ اتنے میں ایک بھاری دھڑکنے میں داخل ہوا۔ سو حضور ﷺ کے اصحاب اس کی طرف دوڑ پڑے یہاں تک کہ پیچھے آپ کے صرف ہارہ آدمی رہ گئے ان میں حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ بھی تھے تو یہ آیت نازل ہوئی (۲)۔ ”وَاِذَا رَاوُتْجَارَةً وَّالِهَوا۟ اَنْفُسُوۡا۟ اِلَيْهَا وَاَنْتُمْ كَوْنُ فَاَنْتُمْ اَقْلٰمٌ مِّنْ اَعْيُنِ اللّٰهِ خِيَرٌ مِّنْ اَعْيُنِ اللّٰهِ“ (اور جب تمہوں نے تجارت اور کہیں تماشا دیکھا تو اس کی طرف ہلک گئے اور تجھے کھڑ چھوڑ دیا۔ ان سے کہو جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ تمہیں تمہارے در تجارت سے بہتر ہے اور اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔)

یہ ایک ایسی رفاقت تھی جو آزمائش کی ہر گھڑی میں قائم رہی اور دکھ سکھ کے ہر مرحلے سے سرخرو ہو کر منزل کی طرف رواں دواں رہی۔ مہربانی عظمیٰ نے کسی موقع پر بھی اپنے رفقاء کی تربیت کی ذمہ داری کو فراموش نہ کیا۔ اپنی فکر اور نظریے کے ذریعے ان کی شخصیتوں کو سنوارتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ عالم انسانیت کے سامنے اپنی ماہرانہ صلاحیت کے دو عظیم شاہکار پیش کر دیئے ’جہیں دیکھ کر دنیا عیش و عشرت، محلی۔ ان کی راہوں میں عقیدت و احترام کی نگاہیں بچھا دیں۔ نبی آخر الزماں ﷺ کے بعد ان کی سب سے زیادہ عزت کی اور سب سے بڑھ کر اطاعت۔ تربیت کا یہ عمل کس طرح جاری و ساری رہتا تھا؟ اس کی ایک جھلک حضرت ابو ہریرہؓ کی اس روایت سے دیکھی جاسکتی ہے۔ ایک رات رسول اللہ ﷺ باہر نکلے دیکھا کہ ابو بکرؓ و عمرؓ بھی پھر رہے ہیں۔ ان سے دریافت فرمایا کہ ”تم اس وقت کیوں نکلے ہو۔“ انہوں نے جواب دیا ”یار رسول اللہ ﷺ! بھوک کے مارے نکلے ہیں۔“ آپ نے فرمایا ”اس رات کی قسم جس کے قبضے میں میری

جان ہے میں بھی اسی وجہ سے نکلا ہوں کہ وہاں۔ ”چنانچہ وہ آپ کے ساتھ چل دیئے اور ایک انصاری کے دروازے پر آئے وہ اپنے گھر پر نہیں تھا۔ اس کی بیوی نے دیکھا تو کہہ کر حیا ہلا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ فذل شخص کہاں ہے؟ وہ یوں ہمارے لئے بیٹھاپائی لینے گیا ہے۔ اتنے میں وہ انصاری آگیا اور اس نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے دونوں ساتھیوں کو دیکھا تو پکار اٹھا کہ ”خدا کا شکر ہے کہ آج کے دن کسی کے پاس، ایسے عزت والے مہمان نہیں ہیں جیسے میرے پاس ہیں۔“ پھر وہ گیا اور کھجور کا ایک خوشہ لایا جس میں گدہ اور سوکھی اور تازی کھجوریں تھیں اور کہنے لگا اس میں سے کھائے۔ پھر اس نے چھری لی آپ نے فرمایا ”دودھ والی بکری مت کاٹنا۔“ اس نے ایک بکری دیکھی اور سب نے اس کا گوشت کھایا اور کھجور بھی کھائی اور پانی بھی پیا۔ جب کھانے سے سیر ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ سے فرمایا ”والدی نفسی بیدہ تسنس عن هذا العیم یوم الفیامۃ اخر حکم من یؤتکم الجوع ثم لم ترجعوا حتی اصابکم هذا العیم (۱)۔“ (قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم سے قیامت کے دن ان نعمتوں کے بارے میں ضرور پوچھا جائے گا۔ تم اپنے گھروں سے بھوک کے مارے نکلے مگر اس وقت تک نہیں ملے جب تک کہ یہ نعمت تمہیں نہیں ملے گی۔)

حدیث کے اس آخری حصے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ ہر ہر موقع پر اپنے ساتھیوں کی تربیت کرتے رہتے تھے۔ اس لئے یہ بات بجا طور پر کہی جا سکتی ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کی اجتہادی بصیرت کو پروان چڑھانے کا سہرا آپ ہی کے سر ہے۔ کہاں عہد جاہلیت کا عمر اور کہاں عہد خلافت کا فاروق، عظیم تربیت نبوی نے مس خام کو کند بنادیا۔ اس رفاقت کا ایک اور اہم پہلو یہ بھی ہے کہ اس کا دائرہ فنی اور گھریلو معاملات تک وسیع تھا۔ آپ رسول خدا ﷺ کی خدمت میں مناسب مشورے بھی پیش کرتے تھے جیسے ازواج مطہرات کو پردہ کرانے کا مشورہ (۲)۔ اس طرح واقعہ الکک کے موقع پر آپ کا یہ اطمینان دانا کہ الزام سر اسر جھوٹا ہے۔ اس سلسلے میں آپ نے انتہائی بصیرت افروز طریقہ اختیار کیا۔ اس کی تفصیل میں جائے بغیر کہ واقعہ کیا ہوا؟ کیوں ہوا؟ کیسے ہوا؟ آپ نے مہابت ادب سے عرض کیا ”یا رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہؓ سے آپ کا نکاح کس نے کیا تھا؟“ آپ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ نے۔“ عرض کیا ”حضور ﷺ! کیا آپ گمان کرتے ہیں کہ آپ کے رب نے آپ کو عیب دار چیز دی ہوگی (۳)؟“ آپ نے اس طرح اس واقعہ کی سچائی کے مکان کو ہی مسترد کر دیا اور تمام شکوک و شبہات اور مد گمانوں کی جزاکاٹ کر رکھ دی۔ ان کی بات میں اس قدر وزن تھا کہ کسی اور دلیل کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ یہ رسول اللہ ﷺ اور تمام مسلمانوں کے ذہنی و قلبی اطمینان کیلئے کافی تھی۔

نبی محترمؐ کی خانگی زندگی میں جب کبھی کوئی الجھن پیدا ہوتی تو حضرت عمرؓ نے آگے بڑھ کر اسے سلجھانے میں بھرپور کردار سرانجام دیا۔ ہجرت مدینہ کے بعد ابتدائی سالوں میں نبی اکرم ﷺ شدید بدن مشکلات سے دوچار تھے تو ازواج مطہرات نے فاقوں سے تنگ نہ کرنا و نفقے کا مطالبہ کیا تو آپ کو پریشانی لاحق ہوئی۔ حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو آپ کے گھر پہنچے۔ آپ اپنی بیویوں کے درمیان خاموش اور غمگین بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دل میں سوچا کہ میں اسکی بات کہوں جس سے نبی ﷺ کو جسادوں چنانچہ عرض کیا ”یا رسول اللہ ﷺ! کاش آپ خارجہ کی بیٹی کو دیکھتے (حضرت عمرؓ کی بیوی) کہ اس سے مجھ سے خرچ مانگا تو میں اس کے پاس کھڑا ہو کر اس کا گلا گھونٹنے لگا۔“ یہ سن کر حضور ﷺ ہنس دیئے اور فرمایا ”یہ سب بھی جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو میرے گرا جمع ہیں اور خرچ مانگ رہی ہیں۔“ تو حضرت ابو بکرؓ اٹھے اور اپنی بیٹی حضرت عائشہؓ کا گلا گھونٹنے لگے اور حضرت عمرؓ اٹھے اور اپنی بیٹی حضرت حفصہؓ کا گلا گھونٹنے لگے۔ دونوں یہ کہہ رہے تھے کہ تم رسول اللہ ﷺ سے وہ چیز مانگتی ہو جو ان کے پاس نہیں ہے۔ وہ کہنے لگیں خدا کی قسم ہم اب کبھی آپ سے ایسی

چیز نہ انگلیں گی جو آپؐ کے پاس نہیں ہے (۱)۔ اس یقین دہانی کے بعد ہی انہوں نے انہیں چھوڑا۔

ایک اور مرتبہ ازواج مطہرات کی باہمی آدرش نے رسول اللہ ﷺ کی حاجی زندگی کو تلخ کر دیا۔ یہاں تک کہ آپؐ ان سے ترک تعلق کر کے ایک لاکھ پانچ سو خانہ میں پناہ گزین ہو گئے (۲)۔ حضرت عمرؓ کو جب اس شکر رگ کی کاظم ہوا تو بے قرار ہو گئے اور ان میں سے ایک ایک کے پاس پہنچے اور نہیں سمجھنے کی کوشش کی۔ یہاں تک کہ اپنی رشتہ دار حضرت ام سلمہؓ کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا ”اے عمرؓ تم عجیب آدمی ہو ہر معاملے میں تم نے دھل دیا ہے یہاں تک کہ اب رسول اللہ ﷺ اور ان کی بیویوں کے بارے میں بھی دخل دینے چاہتے ہو (۳)۔“ یہ جواب سن کر ان کی بہت ٹوٹ گئی اور خاموش ہو گئے اور سر گرمی بند کر دی۔

پھر ایک دن ان تک یہ افواہ پھیلی کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے تو زہراؓ نے یہ پریشانی حضرت حصہؓ کے ہاں ہونے کی حیثیت سے نہیں تھی بلکہ سرور کو نین ﷺ کے رفت و جاٹا ہونے کی حیثیت سے تھی کہ جس تعلق کے سامنے دنیا کے تمام رشتے ان کے نزدیک پتھر تھے صحیح صورت حال معلوم کرنے کیلئے خود خدمت نبویؐ میں حاضر ہونے کا فیصلہ کیا۔ جہرہ کے کی چوکت پر بیٹھے ہوئے خادمہ رباعہ سے ہند آواز میں کہا کہ میرے لئے حاضر ہونے کی اجازت طلب کرو۔ تین مرتبہ یہ بات کہی مگر اندر سے جواب نہ آیا تو بولے ”میں گمان کرتا ہوں کہ شاید رسول اللہ ﷺ نے خیال فرمایا ہے کہ میں حصہؓ کیلئے آیا ہوں۔ خدا کی قسم اگر آپؐ مجھے حکم دیں تو میں اس کی گردن مار دوں۔“ آخر حضور ﷺ تک یہ آواز پہنچی تو انہوں نے اندر بلایا (۴)۔

حضرت عمرؓ کا اپنا قول ہے کہ میں جب اندر داخل ہوا تو رسول اللہ ﷺ ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ میں بیٹھ گیا تو آپؐ نے اپنی تہ بٹاپا اپنے اوپر کر لی۔ اس کے سوا آپؐ کے پاس کوئی اور کپڑا نہ تھا آپؐ کے بارہ پر چٹائی کا نشان پڑ گیا تھا۔ میں نے دوسرے کو نظر دوڑائی تو دیکھا کہ آپؐ کے خزانے میں ایک صاع کے قریب چند مٹھی بھر جوڑے تھے اور سی کے مساوی سلم کے پتے جہرہ کے کے ایک کونے میں پڑے تھے اور ایک کپاچہ جس کی دباغت خوب نہیں ہوئی تھی لٹک رہا تھا۔ یہ دیکھ کر میری آنکھیں بھر آئیں۔ آپؐ نے پوچھا ”اے ابن خطابؓ تجھے کس چیز نے اشک بار کیا ہے؟“ میں نے کہا ”اے اللہ کے نبی ﷺ میں کیوں نہ روؤں؟“ چٹائی کا اثر آپؐ کے بازوؤں پر ہے اور یہ ہے آپؐ کا خزانہ کہ جس میں چند جو کے علاوہ میں کچھ نہیں دیکھتا جبکہ قیصر و کسریٰ پھولوں اور نہروں میں زندگیاں بسر کر رہے ہیں حالانکہ ”سپ اللہ کے رسول اور برگزیدہ ہیں اور آپؐ کے خزانے کا یہ عالم ہے۔“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”الا نرعى ان تکون لنا الا حمرہ ولہم الدب“ (کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ ہمارے لئے آخرت ہو اور ان کیلئے دنیا۔) میں نے کہا ”کیوں نہیں (یعنی میں راضی ہوں) (۵)۔“ پھر حضرت عمرؓ نے ازواج مطہرات کے مسئلہ پر بات چیت کی معلوم ہوا کہ آپؐ نے طلاق نہیں دی تو مسجد نبویؐ کے دروازے پر آکر اس کا اعلان کر دیا (۶)۔“

اس روایت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے حق رفاقت کو ذاتی و نجی معاملات تک نبھایا اور پھر یہ بھی بات سامنے آتی ہے کہ سرور کو نین ﷺ نے بھی ان کی ذہنی و فکری تربیت کا کوئی موقع ہاتھ سے بچس جانے دیا۔ قیصر و کسریٰ کی پریش زندگی کے مقابلے میں آخرت کی کامیابی کے مقصد کو ان کے دل میں اس قدر اتار دیا کہ مرتے دم تک پھر بھی اس کی خواہش نہ کی۔ قیصر و کسریٰ کے دسائل ان کے قدموں کے سامنے ڈھیر کئے گئے تو ان کی آنکھیں پر ہم ہو گئیں (۷)۔ اسلئے خدا اور پھنے پرانے کپڑوں میں عمر گرامی (۸) اور حکومت کے ایوانوں کو سلام کی درخشندہ روایات کا نمونہ بنادیا۔ نبی محترم ﷺ سے رفاقت و تعلق کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلا کہ عہد جاہلیت کا وہ عمر جوان کا شدید ترین دشمن تھا جو انہیں ہمیشہ تنگ کرنے اور ختم کر دینے کے منصوبہ بناتا رہتا تھا اب اس قدر جان نثار بن گیا کہ

(۱) مسند: ۱۸۷ (۲) بخاری: ۱۰۶۲، مسند: ۱۹۱، بیہقی: ۱۶۶ (۳) بخاری: ۶۹۰۶، مسند: ۱۹۱ (۴) مسند: ۱۸۸ (۵) بخاری: ۶، مسند: ۱۸۹

حسین: ۷۵۵، مرقا: ۹۵، مسند: ۱۸۹ (۶) مسند: ۱۸۹ (۷) مسند: ۳۱۳، بخاری: ۱۶۵۱، بیہقی: ۳۴۷ (۸) مسند: ۳۱۹، کبیر: ۳۴۷

یہ گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ آنحضور ﷺ کی شان میں کوئی گستاخی کرے انہیں کسی قسم کا کوئی رنج پہنچائے یا ان کے فیصلے پر کسی قسم کا اعتراض کرے یا ان کے مشن و تحریک کے سگے کسی قسم کی رکاوٹ بنے مگر یہ کہ اس کی گردن اڑا دیں۔ چنانچہ اسیران بدر میں سہیل بن عمرو بھی تھے جو قبل ازیں رسول اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ دیکھا تو عرض کیا ”یا رسول اللہ ﷺ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں سہیل بن عمرو کے سامنے کے دو درود انت توڑ دوں کہ اس کی زبان نلک جائے اور آپ کے خلاف کسی جگہ تقریر کرنے کیلئے کبھی کھڑا نہ ہو سکے۔“ رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا ”میں اس کو مشہ نہ کر دوں گا ورنہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی مشہ کر دے گا اگرچہ میں نبی ہوں۔“ اور فرمایا ”مجھے امید ہے کہ وہ ایسے مقام پر کھڑا ہو گا کہ تم اس کی خدمت نہیں کر سکو گے (۱)۔“

اس طرح قیام مکہ کے دوران رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کو تکلیفیں دینے والوں میں عیسٰی بن وہب بھی تھے۔ بدر میں ان کا بیعت ہو گیا اس کو چھڑانے کے بہانے آپ کو شہید کرنے کے ارادے سے تلوار کو ہر آلود کئے دینے پہنچے۔ حضرت عمرؓ کی نگاہ پڑی تو کہا ”واللہ! یہ کتنا اللہ کا دشمن کوئی بدیئے بغیر نہیں آیا۔ یہ وہی شخص ہے جس نے ہمارے درمیان جنگ کی آگ بھڑکائی اور میں نے بدر کے روز ہماری تعداد کا تخمینہ قریش کو بتایا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اس کی تلوار اس کی گردن ہی میں اس کے گریباں سے ملا کر پکڑی اور ساتھ جو دھنسا تھے ان سے کہا ”اسے رسول اللہ ﷺ کے پاس اندر لے چلو اور آپ کے پاس بٹھا لیکن آپ سے متعلق اس خبیث سے احتیاط کرو کہ یہ بھروسے کے قابل نہیں۔ پھر اسے آپ کے پاس مسجد کے اندر لے گئے۔“ آنحضور ﷺ نے فرمایا ”اے عمرؓ سے چھوڑ دو تو پھر چھوڑا۔“ رسول اللہ ﷺ نے ان کے نیت و ارادے کا برا افشا کیا تو سن کر مسلمان ہو گئے کہ واقعی آپ اللہ کے رسول ہیں (۲)۔“

اسی طرح حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے ایک خط کے ذریعے اہل قریش کو یہ اطلاع روانہ کی کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ پر چڑھائی کا قصد فرمایا ہے۔ جب وہ خط رسول اکرم ﷺ نے برآمد کر دیا تو حضرت حاطب کو بلوایا وہ آئے تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ ﷺ! مجھے اجازت ہو تو میں اس شخص کی گردن اڑا دوں اس نے منافقت کی ہے۔“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اے عمرؓ! تمہیں کیا معلوم شاید اللہ تعالیٰ کی نظر لطف ان لوگوں پر ہو جو جنگ بدر میں موجود تھے کہ اس نے فرمایا ہے کہ ”اعصموا صلبکم فقد عصمت لکم“ (جو تمہارا جی چاہے کہ وہ میں نے تمہیں بخش دیا ہے) (۳)۔ یہ جواب سن کر ان کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے اور کہا اللہ اور اس کا رسول سب سے زیادہ جانتے ہیں (۴)۔“

رسول خدا ﷺ سے حضرت عمرؓ کے طوموس و وفاداری اور اپنی حیثیت کی ایک اور مثال وہ واقعہ ہے کہ جب آنحضور ﷺ کے مکہ کی جانب قصد کی قریش کو اطلاع ملی تو انہوں نے حضرت ابوسفیانؓ کو تجدید معاہدے کیلئے روانہ کیا تو مدینہ پہنچنے پر حضرت عباسؓ نے انہیں ہٹا دی اور خنجر پر اپنے پیچھے بٹھا کر رسول اللہ ﷺ کے پاس لے جا رہے تھے تو حضرت عمرؓ دیکھ لیا۔ وہ نبی محترم ﷺ اور اسلام کے خلاف ان کی کارگزار یوں سے پوری طرح آگاہ تھے ان سے ضبط نہ ہو سکا اور پکار اٹھے ”یہ تو دشمن خدا ابوسفیان ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ جس نے بغیر کسی عہد و پیمان کے تجھ پر قدرت دی ہے۔“ اس کے بعد دوزکر آنحضور ﷺ کے پاس جاے لگے وہ ان کے پیچھے سے پیچھے اندر داخل ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ ﷺ! یہ ابوسفیان ہے اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی عہد و پیمان کے اس پر قدرت دی ہے آپ مجھے اس کی گردن تلوار سے اڑانے کی اجازت دیجئے۔“ لیکن آنحضور ﷺ نے اگلے روز انہیں حاضر کرنے کا حکم دیا آخر کار وہ مسلمان ہو گئے (۵)۔

حضرت عمر فاروقؓ کیلئے یہ بات قابل برداشت نہیں تھی کہ کوئی شخص رسول اکرم ﷺ کے کسی فیصلے پر بد اعتمادی کا اظہار کرے کی ہمت کرے۔ چنانچہ جنگ ینین کے موقع پر جب آپ مال غنیمت تقسیم کر رہے تھے تو ابو حمیم کا ایک شخص آیا جسے ذوالنورہؓ کہنا تھا اور آکر رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ آپ

اس وقت لوگوں کو مال قیمت عطا فرما رہے تھے۔ اس نے کہا ”اے محمد ﷺ آج کے دن آپ نے جو کچھ کیا ہے وہ میں نے دیکھا ہے۔“ آپ نے فرمایا ”ٹھیک ہے پھر کیا دیکھ؟“ اس نے جواب دیا ”لہ اذک عدلت“ میں نے آپ کو عدل کرتا ہوا نہیں پایا۔

عبداللہ بن عمرو ابن اہص نے بیان کیا کہ پھر رسول اللہ ﷺ کو غصہ آگیا۔ آپ نے فرمایا ”تیرا برا ہو۔ جب عدل میرے پاس نہیں ہوگا تو کس کے پاس ہوگا؟“ اس پر مڑ بول اٹھے ”یا رسول اللہ ﷺ کیا میں اسے قتل نہ کر دوں؟“ آپ نے فرمایا ”نہیں اسے چھوڑ دو۔ عنقریب اس کی ایک جماعت ہوگی جو دین میں تعقیب کیا کرے گی (دین کے معاملات میں باں کی کھال نکالا کرے گی) اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ (تعقیب فی الدین کرتے کرتے) دین سے اسی طرح نکل جایا کرے گی جیسے تیر کسی جسم میں لگ کر اور اس میں کھس کر نکل جاتا ہے۔ اس کے لوہے میں دیکھا جائے تو اس میں کوئی چیز نہ ملے۔“ پھر خود تیر میں دیکھا جائے تو اس میں بھی کوئی چیز نظر نہ آئے پھر اس کے سوا فار میں دیکھا جائے تو اس میں بھی کوئی چیز نہ پائی جائے۔ تیر لگا اور معدے کی غلاظت اور (جسم کے) خون سے صاف نکل گیا (۱)۔

ان واقعات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ رسول اکرم ﷺ کے احکام اور عظیم مقصد کی راہ میں رکاوٹ بننے والے کسی شخص کو برداشت نہیں کر سکتے تھے خواہ وہ کوئی ہو لیکن اس کے باوجود جلد باری میں کبھی کوئی کام نہیں کرتے تھے بیٹھ جماعتی نظام کی پابندی کرتے۔ اپنی طرف سے کوئی کارروائی کرنے کے بجائے ”غصہ“ سے اجازت طلب کرتے تاکہ کسی قسم کی پیچیدگی پیدا نہ ہو۔ ان کی دانش مندی و فراست کو ان کے جذبات و احساسات پر مکمل کنٹرول تھا بحیثیت رفیق رسالت ان کی یہ خوبی بہت مثبت مہرے اور دور رس اثرات کی حامل تھی چنانچہ خلیفہ بننے کے بعد آپ نے منبر رسول ﷺ پر کھڑے ہو کر جو خطبہ دیا اس میں اللہ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا ”لوگو! میں جانتا ہوں کہ تمہیں میری شدت دشمنی کا احساس ہے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک غلام اور خادم کی حیثیت سے موجود تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ مومنوں کیلئے رؤف رحیم ہیں ”بالعومنین رؤف رحیم“ (۲)۔“ پس میں ان کے سامنے ایک بے نیام تلوار کی طرح تھا۔ الا یہ کہ وہ مجھے ڈھانپ لیتے کسی کام سے روک دیتے تو میں رک جاتا اور نہ میں لوگوں کیلئے یک نرم گوشہ رکھنے والا آدمی ہوں (۳)۔“

## ○ دانشمند مشیر:

حضرت عمر فاروقؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عہد نبوی میں ایک اور حیثیت جس نے ان کی اجتہادی بصیرت کے پروان چڑھانے میں نہایت اہم کردار سرانجام دیا۔ وہ سرور کونین ﷺ کے مشیر ہونے کی حیثیت ہے ہی کریم ﷺ ہمیشہ ایسے بچے ساتھ رکھتے۔ ان کا اپنا بیان ہے ”رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کے مختلف امور میں سے کسی امر کے بارے میں جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے باتیں کرتے تھے تو میں بھی ان دونوں کے ساتھ ہوتا تھا (۴)۔“ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ”شاوہم فی الامر“ (۵)۔ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بارے میں نازل ہوئی (۶)۔

اسلامی تحریک مظلومیت، کشمکش، سماجی مقابلہ، ہجرت، جہاد و قتال اندرونی مسائل، بیرونی خطرات، تعلیم و تربیت، تنظیم و انتظام اور بین الاقوامی امور جیسے

(۱) فتح ۴: ۱۳۹، مسند ۹: ۳، ص ۱۱۸، ۷، ۲۲: ۱۱۱ (۲) سورہ طہ ۹: ۱۲۸ (۳) حاکم ۱: ۱۲۶، (۴) ح ۱، ۲۳، ص ۱، (۵) سورہ ۵: ۵۰،

عمر بن ۱: ۱۵۹، (۶) سیوطی ۱: ۹۹

مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے ایک ہم گیر انقلاب کی طرف رواں دواں رہی۔ اس دور میں بے شمار فکری، تہذیبی، تمدنی، سیاسی، معاشی، اخلاقی اور قانونی معاملات سے متعلق انفرادی و اجتماعی مسائل سامنے آئے اور نبی ﷺ نے انہیں وحی الہی اور اپنی پیغمبرانہ بصیرت کے ساتھ حل فرمایا، لیکن آپ نے حکم نامے کی صورت میں پیش کرنے کے بجائے دین کے بنیادی اصولوں کی روشنی میں مشاورتی طرز عمل اپنایا۔ تاکہ ایک طرف سیاسی و سماجی استحکام و وحدت کی بنیادی کڑی ”مشاورت“ کا طریق کار رائج پائے اور دوسری طرف صحابہ کرام میں دین کی سمجھ اور عملی مسائل میں اس کے اطلاق کی صلاحیت پیدا ہو۔ حضرت عمر فاروقؓ کی یہ خوش نصیبی تھی کہ سرور دو جہاں ان پر سب پناہ عطا بھی کرتے اور انہیں ہر نئے مرحلے میں شریک مشورہ بھی رکھتے۔ اس طرح شریعت اسلامی کی روح و سرانجام سے بھی واقف ہوتے چلے گئے اور احکام دین کی حکمتوں، مصلحتوں اور مستحق کے شناسا بھی روزمرہ کے عملی مسائل کو روح اسلام کے مطابق حل کرنے کی انہیں تربیت بھی ملتی تھی، درمقدار شریعت کا شعور بھی۔ بطور نمونہ آپ کا سرمایہ انفرادی تھا اور عہد صدیقی اور دور خلافت میں آپ کی اس تربیت کے ثمرات سب کے سامنے آگئے۔ وہ تاب دیو کی جگہ لاتی رہیں گی در منزل مقصود تک پہنچنے کا حوالہ شہد ہر قافلہ رہنمائی کیسے ان کا محتاج رہے گا۔

آپ کے کٹر مشوروں کو بارگاہ رسالت میں شرف قبولیت حاصل ہوا۔ آپ کے صاحبِ ارادے اور صحیح فکر ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے، لیکن کچھ مشورے ایسے بھی ہیں جس پر نبی محترم ﷺ نے عمل نہ فرمایا، لیکن اس سے ان کی عظمت میں کوئی فرق نہیں آتا، کیونکہ وہ اخلاص سے ہر بڑے اور جن مقاصد کیلئے آپ نے پیش کئے وہ بھی شک و شبہ سے بالاتر تھے جن حالات کے پس منظر میں وہ دیئے گئے ان میں عمل کی محجاش موجود تھی۔ سرور کو نبین ﷺ کا ان پر عمل نہ کرنا وسیع تر حکمت پر مبنی تھا، حضرت عمر فاروقؓ کی فکری تربیت میں ان کا بھی بہت بڑا حصہ تھا۔ اس طرح انہیں اپنے خیالات کی مختلف راہوں سے چھان بھٹک کرنے کا موقع ملا اور ان میں اپنی رائے کو تنقیدی نگاہ سے دیکھنے اور اس سے رجوع کرینے کی عادت پروان چڑھی۔ وہ اپنے مشیر ہونے کی حیثیت اور ذمہ داری کو سمجھتے تھے۔ مشیر کا کام یہ بھی ہے کہ وہ اپنی پر غلوص رائے کی امانت اپنے قائد کے سامنے پیش کر دے۔ اس پر عمل کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ اسی پر چھوڑ دے۔ پنی رائے ہی کو خط سے پاک اور حتمی سمجھنے کی غلطی نہ کرے۔ اسے اپنے قائد کی قوت فیصلہ اور حکمت و دانائی پر جتنا زیادہ اعتماد ہوگا اتنا اچھا مشیر بن سکے گا۔ حضرت عمر فاروقؓ بطور مشیر انہیں دو صاف سے متصف تھے۔

ابن شہاب سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ منبر پر کھڑے ہوئے در خطبے میں فرمایا: ”يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ الْمُرَايَ الْعَمَّا كَانَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مَصِيبَ لَانِ اللَّهِ كَانَ يَرِيهِ وَأَمَّا هُوَ ابْنُ الْإِطْلِ وَالْكَفِيفِ (۱)۔“ (اے لوگو! بدشبہ صحیح رائے تو صرف رسول اللہ ﷺ کی تھی کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ سمجھا تا تھا ہماری رائے تو محض گمان اور کاوش و محنت ہے۔) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جو مشورے دیئے ان میں سے بعض کو تائید ایزدی بھی حاصل ہوئی مثلاً جنگ بدر کا فیصلہ، سیران بدر کا معاملہ، عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ، مقام ابراہیم کو بطور نماز گاہ بنانے کا مشورہ، ازواج مطہرات کو پردہ کرنے کا مشورہ، استئذان، استماع شرب وغیرہ ان سب کی تفصیل ہم موافقات میں بیان کر چکے ہیں ان سے آپ کی اجتہادی بصیرت اور انہماکی طبیعت کے جواہر کھتے چلے گئے۔ آنحضور ﷺ اور تمام مسلمانوں کے دلوں میں آپ کی فہم و فراست کا مسکہ بینہ گیا۔ ہر نوعیت کے معاملات میں اس مشیر خاص کے مشوروں کو بڑی اہمیت حاصل ہو گئی۔ ان میں سیاسی، سماجی، معاشی اور تنظیمی و نظریاتی ہر طرح کے امور شامل ہیں۔ یہاں تک کہ دینی معاملات میں بھی حضرت عمر فاروقؓ کے مشورے سرور کو نبین ﷺ کے فیصلوں کی بنیاد بنے۔ ان میں سے ایک اہم مشورہ نماز باجماعت کیلئے لوگوں کو مسجد نبوی میں جانے کا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: ”جب

مسمماں مدیے "نے تو ایک خاص وقت پر جماعت کیلئے جمع ہو جاتے، کوئی منادی نہ ہوتی تھی۔ ایک دن صحابہؓ اس بارے میں گفتگو کرنے لگے، "بعضوں نے فرمایا "نصارئی جیسا ناقوس بٹاؤ۔" بعض نے کہا "یہود جیسا رسنگا بٹاؤ۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا "کسی شخص کو ہمارے اعلان کیلئے کیوں نہ کھڑا کر دو؟" آپؐ نے فرمایا "بلال، اٹھو نماز کیلئے پکارو (۱)۔"

اس طرح حضرت عمرؓ نے عبادت کیلئے بلانے کے مروجہ طریقوں سے ہٹ کر مشورہ دیا۔ غیر مسمموں سے تظہیر سے گریز کیا اور آپؐ ہی کے مشورے کو شرف قبولیت نصیب ہوا۔ کچھ عرصہ تک ہی طرح سلسلہ چلتا رہا پھر اللہ تعالیٰ نے ایک بچے خواب کے ذریعے دو صحابہؓ کو اذان کے وہ الفاظ سکھائے جو آج بھی ہمارے کانوں میں گونجتے ہیں اور قیامت تک انسانوں کو رب کائنات کی طرف ہدایت رہیں گے۔ ان خوش قسمت صحابہؓ کو اذان میں ایک فاروق اعظمؓ بھی ہیں۔ عبد اللہ بن زید بن عبد ربہؓ نے بیان کیا ہے "جب رسول اللہ ﷺ نے ناقوس کو اعلان نماز کیلئے منتخب فرمایا تو میں نے خوب میں ایک شخص کو ناقوس لئے دیکھا، میں نے کہا "اے بندہ خدا کیا ناقوس بیچتے ہو؟"

وہ بولا: "کیا کرو گے؟"

میں نے کہا "نماز کیلئے لوگوں کو بیدار کریں گے۔"

وہ بولا: "میں اس سے بہتر چیز کیوں نہ بتا دوں۔"

میں نے کہا "ضرور۔"

وہ بولا: "چار مرتبہ اللہ اکبر کہنا... آخر تک اذان۔"

جب صبح ہوئی تو میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جو کچھ خواب میں دیکھا تھا بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا "یہ سچا خواب ہے، ان شاء اللہ، جلا بادل کو بتا دو، وہ اذان دے گا کیونکہ اس کی آواز بہت بلند ہے۔" میں بدل کے پاس گیا اور انہی کلمات کی تلقین کی، تو انہوں نے اذان دی۔ حضرت عمرؓ بن الخطابؓ اپنے گھر بیٹھے تھے کہ انہوں نے اذان کی آواز سنی تو چادر کشاں نکلے اور کہا "قسم ہے اس ذات کی جس نے آپؐ کو حق دے کر بھیجا ہے، میں نے بھی بعینہ ایسا ہی خواب دیکھا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "فیللہ الحمد" (۲) "تم تم تعریفیں اللہ کیلئے ہیں۔" حضرت عمرؓ دین کے مقاصد اور اس کی وسیع تر حکمتوں کو پوری طرح سمجھتے تھے۔ ان کے مشورہ سے یہی بات جھلکتی ہے کہ اس کی نمایاں مثال ہر کلمہ کو جو جنت کی بشارت دینے کے سلسلہ میں ان کا مشورہ ہے، جسے آنحضور ﷺ نے قبول فرمایا۔ ایک طویل حدیث میں اس کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ اس کو مکمل طور پر اس نے درج کیا جا رہا ہے کہ اس میں حضرت عمر فاروقؓ کی شخصیت و فرست کے بہت سے پہلوئیں پر روشنی پڑتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ ایک دن ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے اور آپؐ کے گرد گرد بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ بھی ہمارے ساتھ اس مجلس میں تھے کہ "حضرت ﷺ ہمارے درمیان سے اٹھے اور کسی طرف کو نکل گئے اور پھر آپؐ کی ویسی میں بہت دیر ہو گئی، تو ہمیں ڈر ہوا کہ کہیں ہم سے پیچھے آپؐ کو کوئی تکلیف نہ پہنچائی جائے یعنی ہماری عدم موجودگی میں کسی دشمن وغیرہ سے آپؐ کو کوئی ایذا نہ پہنچ جائے۔ پس اس خیال سے ہمیں سخت گھبراہٹ اور فکر لاحق ہوئی اور ہم لوگ آپؐ کی جستجو میں نکل کھڑے ہوئے اور سب سے پہلے میں ہی گھبرا کر حضور ﷺ کی تلاش میں نکلے۔ یہاں تک کہ انصار کے

خاندان بنی النجار کے ایک باغ پر پہنچ گیا جو چار دیواری سے گھرا ہوا تھا اور میں نے اس کے چاروں طرف چکر لگایا کہ اندر جانے کیلئے مجھے راستہ مل جائے، لیکن نہیں ملا۔ پھر مجھے پانی کی ایک گول (چھوٹی سی نہر) نظر پڑی جو باہر کے ایک کنویں سے باغ کے اندر جاتی تھی (ابو ہریرہؓ کہتے ہیں) میں سمٹ اور سکر کر اس باغ کے اندر گھس گیا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس جا پہنچا۔ حضور نے فرمایا ”ابو ہریرہؓ“ میں نے عرض کیا ”ہاں یا رسول اللہ ﷺ میں ہی ہوں۔“ آپ نے فرمایا ”تم کیسے آئے؟“ میں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ ﷺ آپ ہمارے درمیان تشریف رکھتے تھے پھر وہاں سے اٹھ کر چلے آئے اور جب دیر تک آپ کی واپسی نہیں ہوئی تو ہمیں خطرہ ہوا کہ مبادا ہم سے علیحدہ آپ کو کوئی ایذا پہنچائی جائے۔ اسے خطرے سے گھبرا کر ہم سب چل پڑے اور سب سے پہلے گھبرا کے میں ہی نکلا تھا یہاں تک کہ میں اس باغ تک پہنچا اور جب مجھے کوئی دروازہ نہیں ملا تو لمبائی کی طرح سمٹ سکر کے میں اس گول سوراخ میں سے کسی طرح گھس آیا ہوں اور دوسرے لوگ بھی میرے پیچھے آ رہے ہیں۔“ پھر حضور ﷺ نے اپنے نعلین مبارک مجھے عطا فرمائے اور ارشاد فرمایا کہ ”میرے یہ جوتے لے کر جاؤ اور اس باغ سے نکل کے جو آدمی بھی تمہیں ایسے جودل کے پورے یقین کے ساتھ لا الہ الا اللہ کی شہادت دینا ہو اس کو جنت کی خوشخبری سنادو۔“ (ابو ہریرہؓ کہتے ہیں میں وہاں سے چلا) تو سب سے پہلے میری ملاقات عمرؓ سے ہوئی۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا ”ابو ہریرہؓ تمہارے ہاتھ میں یہ دو جوتیاں کیسی ہیں؟“ میں نے کہا ”یہ حضور ﷺ کی نعلین مبارک ہیں۔“ حضور ﷺ نے مجھ سے کہا ”جو کوئی بھی دل سے لا الہ الا اللہ کی شہادت دینے والا مجھے ملے، میں اس کو جنت کی خوشخبری سنادوں۔“ (ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ) پس مرنے میرے سینے پر ایک ہاتھ مارا جس سے میں اپنی سریوں کے بل پیچھے کو گر پڑا اور مجھ سے انہوں نے کہا ”پیچھے کو لوٹو۔“ میں روتا ہوا حضور ﷺ کے پاس واپس آیا اور عمرؓ بھی پیچھے پیچھے آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے (مجھے اس حالت میں دیکھ کر) پوچھا ”ابو ہریرہؓ تمہیں کیا ہوا؟“ میں نے عرض کیا کہ ”عمرؓ مجھے ملے تھے، حضور ﷺ نے مجھے جو پیغام دے کر بھیجا تھا میں نے وہ انہیں بتلایا تو انہوں نے میرے سینے پر ایک اسکی ضرب لگائی جس سے میں پٹی سریوں کے بل گر پڑا اور مجھے کہا کہ ”پیچھے لوٹو۔“ رسول اللہ ﷺ نے عمرؓ کو خطاب کر کے فرمایا ”عمرؓ تم نے ایسا کیوں کیا؟“ انہوں نے عرض کیا ”حضور ﷺ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ کیا آپ نے ابو ہریرہؓ کو اپنے نعلین مبارک دے کر اس لئے بھیجا تھا کہ جو کوئی بھی دل کے یقین کے ساتھ لا الہ الا اللہ کی شہادت دینے والا ان کو ملے وہ اس کو جنت کی بشارت دے دیں؟“ حضور ﷺ نے فرمایا ”ہاں! میں نے ہی یہ کہہ کر بھیجا تھا۔“ عمرؓ نے عرض کیا ”حضور ﷺ! ایسا نہ کہجئے، مجھے خطرہ ہے کہ انہیں لوگ بس اس شہادت پر ہی بھروسہ کر کے سعی و عمل سے بے پروا ہو سکے نہ بیٹھ جائیں، لہذا انہیں اسی طرح عمل کرنے دیجئے۔“ حضور ﷺ نے فرمایا ”تو جانے دو“ (۱)۔ ”مولانا منکونر نعمانی اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے بجا طور پر لکھتے ہیں

بس حدیث مندرجہ بالا کے بارے میں یہ بھی بہت زیادہ قرین قیاس ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ جس وقت مسی النجار کے اس باغ میں حضور ﷺ کے پاس پہنچے ہوں تو اس وقت آپ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت اور تجلیات کرم کے مراتب و مشاہدے میں مستغرق ہوں اور اسی حالت میں آپؐ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو بطور نشانی اپنی نعلین مبارک عطا فرما کر ہر شاہد توحید کو جنت کی خوشخبری سنادینے کا حکم دے دیا ہو، لیکن حضرت عمرؓ چونکہ اس پوری حقیقت کے رازوں اور ان احوال و کیفیات کے آثار چڑھانے سے باخبر تھے اس لئے انہوں نے حضور ﷺ سے برہنہ راست مراجعت و تحقیق تک حضرت ابو ہریرہؓ کو اس کے اعلان عام سے روکا ہو۔ دوسرے طور پر اس کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ پر اس وقت رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک کی اس خاص کیفیت (یعنی غلبہ رجا و رحمت) کا انکشاف منجانب اللہ ہو چکا تھا اور ان کو اپنے نور فرست سے اس بات کا یقین تھا کہ جب حضور ﷺ پر اس کیفیت کا غلبہ نہیں رہے گا اور ان کا دوسرا پہلو آپؐ کے سامنے رکھا



جائے گا تو خود آپ اس کو منع فرمادیں گے جیسا کہ ظہور میں آیا۔ اس طرح کے مواقع پر صحیح حقیقت کا ادراک و انکشاف حضرت عمرؓ کی امتیازی فضیلت ہے جس کو حدیث نبوی ﷺ میں "مقام محد حیت" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس واقعہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کے ساتھ جو سختی کا معاملہ فرمایا اس کی صحیح نوعیت کو سمجھنے کیلئے حضرت عمرؓ کی اس امتیازی حیثیت کو پیش نظر رکھنا چاہئے جو صحابہ کرامؓ کی جماعت میں ان کو حاصل تھی یعنی وہ اور حضرت ابو بکرؓ بھی حضور ﷺ کے خاص شریک کار، محرم راز، مشیر خصوصی اور گویا آپ کے وزیر نائب تھے اور صحابہ کرامؓ عام طور سے ان کے اس امتیازی مقام کو پہچانتے تھے اور جس طرح ہر جماعت اور ہر خاندان کا بڑا اپنے چھوٹوں کو تنبیہ اور سرزنش کا حق رکھتا ہے اسی طرح حضرت عمرؓ بھی یہ حق رکھتے تھے اور بسا اوقات حسب ضرورت اس حق کو آپ استعمال بھی فرماتے تھے (۱)۔

اس حدیث سے ایک بات یہ سامنے آئی ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ عام طور پر رسول اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر رہتے تھے۔ اس طرح ہر موقع پر مشورہ میں شریک ہونے کا انہیں موقع ملا۔ دوسری یہ کہ آنحضور ﷺ سے انہیں بے پناہ محبت تھی۔ آپ کی تلاش میں حضرت ابو ہریرہؓ کے بعد قریب تر پہنچنے والے یہی تھے۔ تیسری بات یہ ہے کہ دینی معاملات میں ناگوار بات کو بہت جلد بھانپ جاتے اور اگر ان کے نزدیک وہ سنگین نوعیت کی ہوتی تو فوری اور شدید رد عمل کا اظہار کرتے کیونکہ ایک زبردست قوت ربوی اور خود اعتمادی کے مالک تھے۔ چوتھا یہ کہ انہوں نے آنحضور ﷺ کو اپنی دانشمندانہ مشورہ بھرپور دلیل کے ساتھ دیا جس کی بنا پر آپؐ نے اس پر فوری طور پر عمل فرمایا۔ اسی نوعیت کا ایک اور واقعہ بھی پیش آیا

ابو موسیٰ اشعرؓ فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اپنی قوم کے چند افراد کے ساتھ حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا "تمہیں خوشخبری ہو اور جو لوگ تمہارے اس طرح ہیں ان کو بھی یہ خوشخبری سنا دو کہ جو شخص صدق دل سے گواہی دے گا کہ خدا کوئی نہیں مگر اللہ وہ جنت میں جائے گا۔ ہم آنحضرت ﷺ کی خدمت میں سے یہ خوشخبری سنانے کیلئے نکلے تو سامنے سے عمر بن الخطابؓ آرہے تھے وہ ہم کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پھر واپس لے گئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ لوگ تو اس پر مجبور کر کے بیٹھ جائیں گے۔ آپؐ نے کچھ نہ فرمایا اور خاموش ہو گئے (۲)۔ دینی معاملات کی طرح سیاسی امور میں بھی حضرت عمر فاروقؓ کے مشورے قابل قبول ہوتے تھے۔ ان کی حقیقت پسندی اور سوجھ بوجھ سے آنحضور ﷺ ہمیشہ استفادہ فرماتے۔ چنانچہ ۶ھ میں جب رسول اللہ ﷺ عمرہ کی عرض سے اپنے ساتھیوں کو لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے تو دفاعی سازدسان کو ساتھ لے جانا ضروری نہ سمجھا کیونکہ جنگ کرنے کا نہ تو کوئی راہ تھا اور نہ ہی ظاہر مکان یہاں تک کہ ذی الحجۃ تک پہنچ گئے۔ حضرت عمر فاروقؓ اسے قرین مصلحت نہیں سمجھتے تھے اس لئے پوری بے باکی سے عرض کیا "آپ دشمن کے علاقے میں بغیر اسلحہ اور دوسری ضروریات جنگ کے جا رہے ہیں یہ مناسب مظلوم نہیں ہو گا۔" رسول کرم ﷺ نے اس مشورے کو قبول فرمایا اور فوراً کسی کو نہ بھیجا وہاں سے جس قدر اسلحہ اور جانور تھے سب کو ساتھ لے آیا (۳)۔

ی طرح فتح مکہ کے موقع پر ایک جھنڈا حضرت سعد بن عبادہؓ کے پاس تھا جب داخل ہونے لگے تو کہا "اليوم يوم الملحمة" (اليوم نستحل الحرمۃ) (آج کا دن جنگ یعنی زد و کشت کا دن ہے) حج کعبہ اللہ کی حرمت حلال سمجھی جائے گی۔ ایک مہاجر نے سن لیا بقول ابن ہشام وہ مہاجر حضرت عمرؓ تھے۔ انہوں نے عرض کیا "یا رسول اللہ ﷺ سعد بن عبادہؓ نے جو کہا ہے اسے آپ سنئے ہمیں ان سے قریش پر حملہ کرنے کے متعلق اطمینان نہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عقیؓ بن ابی طالب سے کہا "تم جاؤ ان سے جھنڈا لے لو اور خود اسے لے کر مکہ میں داخل ہو (۴)۔

(۱) بعد میں ۱۱ ۱۲ (۲) مسند ۱: ۱۱۱ ص ۱۱۱ ۱۲۰ (۳) صحیح ۱۱: ۶۲۲ ۲۰ ۶۲۲ ۲۰ ۶۲۲ ۲۰ (۴) مسند ۱: ۱۱۱ ص ۱۱۱ ۱۲۰

”مختصر سیاحی معاملات میں حضرت عمر فاروقؓ کی بصیرت و تجربہ سے فائدہ اٹھانے کیلئے انہیں ہمیشہ شریک مشورہ رکھتے۔ انہیں حالات سے بھی آگاہ فرماتے اور اسے بتاتے۔ اس کی ایک اور مثال غزوہ حنین کا موقع ہے کہ مالک بن عوف کی قیادت میں بوہازن کے لوگوں نے بھرپور جنگ کا فیصلہ کر لیا۔ بوہازن کی یہ خبریں رسول اللہ ﷺ کو ملیں تو آپؐ نے عبد اللہ بن ابی حدرد اسلمیؓ کو روانہ کیا اور ہدایت کی کہ لوگوں کے اندر چلے جائیں اور اس وقت تک انہیں میں رہیں جب تک تمام حالات کا پورا علم نہ ہو جائے۔ پھر واپس آکر آگاہ کریں۔ عبد اللہ بن حدرد ورنہ ہو گئے اور اس وقت تک غیروں میں قیام پذیر رہے جب تک انہوں نے ایک ایک بات نہ سن لی اور جنگ کے جو منصوبے تیار کئے گئے تھے ان کا پورا علم نہیں ہو گیا۔ عبد اللہ بن حدرد نے ہو ملک اور بوہازن کے جو حالات تھے انہوں نے پوری طرح معلوم کر لیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر ایک ایک بات کی خبر دی۔ اب رسول اللہ ﷺ نے عمر بن خطابؓ کو بلایا اور تمام حالات سے آگاہ کیا۔ اس پر عمرؓ بول اٹھے ”ابن حدرد غلط کہتے ہیں۔“ اس کا جواب ابن حدرد نے یہ دیا ”اگر آپؐ نے مجھے غلط قرار دیا ہے تو کیا بات ہے۔ آپؐ نے تو بعض اوقات حق سے بھی اختلاف کیا ہے۔ آپؐ نے تو ایسی ہستی سے بھی اختلاف کیا ہے جو مجھ سے کہیں بہتر ہے۔“ عمرؓ نے کہا ”یا رسول اللہ ﷺ کیا آپؐ نہیں سن رہے ہیں حدردؓ کیا کہتے ہیں؟“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”عمرؓ تم غلطی پر تھے اللہ تمہیں سیدھا راستہ دکھائے (۱)۔“

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ سیاحی معاملات میں انہیں اعتماد میں لیتے اور یہ اپنی بے باک رائے پیش کرتے۔ لوگ ان سے اختلاف بھی کرتے تھے۔ مشاورت کے سلسلے میں ایک آراء و حول تھا۔ آنحضرت ﷺ بھی ان کی غلطی ان پر واضح فرماتے تاکہ ان کی صحیح تربیت ہو سکے۔ سی طرح روزمرہ کے دیگر عام معاملات میں بھی حضرت عمرؓ کے مخلصانہ مشورے جاری رہے تھے۔ اعمش نامی نے اپنے استاد ابو صراح سے اس شک کے ساتھ نقل کیا کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے یا ابو سعید خدریؓ سے کہ غزوہ جہوک کے دنوں میں جب سالن خوراک ختم ہو گیا اور لوگوں کو بھوک نے ستایا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ”حضرت! اگر اجازت دیں تو ہم اپنی لانے والے اپنے اونٹوں کو ذبح کر میں پھر ان کو کھا بھی لیں اور ان سے روغن بھی حاصل کر لیں۔ حضورؐ نے فرمایا ”اچھا کرو۔“ راوی کہتے ہیں کہ پھر حضرت عمرؓ آئے اور انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اگر آپؐ نے ایسا کیا (یعنی لوگوں کو اگر اونٹ ذبح کرنے کی اجازت دے دی اور لوگوں نے ذبح کر ڈالے) تو سواریاں کم ہو جائیں گی (لہذا ایسا تو نہ کیا جائے) البتہ لوگوں کو آپؐ ﷺ ان کے بچے کچھ سالن خوراک کے ساتھ بلا لیجئے پھر ان کے واسطے اللہ سے اس میں برکت کر دینے کی دعا کیجئے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میں برکت فرمائے گا۔“ حضور ﷺ نے فرمایا ”ہاں ٹھیک ہے۔“ چنانچہ آپؐ نے چمڑے کا بڑا دسترخوان طلب فرمایا، پس وہ بچا دیا گیا پھر آپؐ نے لوگوں سے ان کا بچا کچھ سالن خوراک منگو یا، پس کوئی آدمی ایک مٹھی چنے کے دانے ہی سئے آرہا ہے کوئی ایک مٹھی بھجوریں لارہا ہے اور کوئی روٹی کا ایک ٹکڑا ہی لئے چلا آرہا ہے۔ حتیٰ کہ دسترخوال پر تھوڑی سی مقدار میں یہ چیزیں جمع ہو گئیں۔ راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے پھر برکت کی دعا فرمائی اس کے بعد فرمایا ”اب تم سب اس میں سے اپنے اپنے برتنوں میں بھر لو۔“ چنانچہ سب نے اپنے اپنے برتن بھر لئے حتیٰ کہ (قریباتیں برادر کے اس ٹکڑے میں) لوگوں نے ایک برتن بھی بغیر بھرے نہیں چھوڑا۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر سب نے کھایا حتیٰ کہ خوب سیر ہو گئے اور کچھ فاضل بھی بچ رہا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔“ نہیں ہے کوئی بندہ جو بغیر کسی شہ کے کامل یقین و اذعان کے ساتھ ان دو شہادتوں کے ساتھ اللہ کے سامنے جائے پھر وہ جنت سے رد کا جائے (۲)۔“

چند مسائل سے بھی جن میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ کے مشورے پر عمل نہیں فرمایا لیکن اس بارے میں دلیل کے ساتھ انہیں مطمئن کیا۔ اس

طرح ان میں خود اعتمادی بھی قائم رہی اور مشورے دینے کا جوش و جذبہ بھی تروتازہ رہا۔ اس کی نمایاں مثال منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی کا معاملہ ہے اس نے، ایک سفر کے دوران مہاجر و انصاری کے جھگڑے کو وسیع کرنے اور قبائلی رنگ دینے کی کوشش کی اور انصار کو مہاجرین کے خلاف اکسا کر الگ الگ کرنے کی کوشش کی<sup>(۱)</sup> تو حضرت زید بن ارقم نے اس کی ساری تقریر سنی اور جا کر آنحضور ﷺ کو سنائی۔ حضرت عمر فاروق بھی پاس موجود تھے عرض کیا ”یار رسول اللہ ﷺ آپ عبادہ بن بشر کو حکم دیجئے کہ جا کر اسے قتل کر دیں۔“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”عمرؓ یہ کیوں کر ہو سکتا ہے لوگ کہیں گے کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔ یہ مناسب نہیں مگر اب کوچ کا اعلان کر دو۔“ چنانچہ سب لوگ کوچ کیلئے تیار ہو گئے<sup>(۲)</sup>۔ اس طرح نبی ﷺ نے اس معاملے میں حضرت عمرؓ کے مشورے پر عمل کرنے کے بجائے انتہائی مہر و تحمل کا طریقہ اختیار فرمایا۔ اس وقت حکمت کا یہی نفاذ تھا کچھ عرصہ کے بعد منافقین کے بارے میں آیات نازل ہوئیں ”اذا جاءك المصافقون والحق“<sup>(۳)</sup>۔ ”تو عبداللہ بن ابی کے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ جو ایک مخلص صحابی تھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا ”مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپؐ نے عبداللہ بن ابی کے بارے میں جو سنا ہے اس کے باعث آپ انہیں قتل کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ اگر آپ قتل ہی کرنے والے ہیں تو میں خود جاتا ہوں ان کا سر کاٹ کر آپؐ کی خدمت میں پیش کر تا ہوں۔ خدا کی قسم قبیلہ خزرج کو معصوم ہے کہ اس قبیلے کا کوئی آدمی ایسا نہیں جو اپنے باپ کا اتنا فراموش ہو جتنا میں ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہ میرے سوا کسی دوسرے شخص کو آپؐ نے ان کے قتل کرنے کا حکم دیا اور اس نے قتل کر دیا تو شاید میرا نفس اس بات پر قابو نہ پاسکے کہ میں عبداللہ بن ابی کے قاتل کو لوگوں میں چلتا پھرتا دیکھوں۔ اس طرح ایک کافر کے بدلے ایک مومن کو قتل کر دوں اور دوزخی بن جاؤں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”نہیں بلکہ میں ان کے ساتھ نرمی کا برہنہ کر رہا ہوں اور جب تک وہ ہمارے ساتھ ہیں ان کی صحبت کو اچھا رکھنا چاہتا ہوں۔“ اس کے بعد عبداللہ بن ابی جب قندہ بڑا کر تا تو خود اسی کی قوم ناراض ہو کر اسے پکڑتی اور اس کے ساتھ سختی کا برہنہ کرتی۔ رسول اللہ ﷺ کو جب یہ حال معلوم ہوا تو حضرت عمرؓ سے فرمایا ”عزب تم کیا رائے رکھتے ہو خدا کی قسم اگر میں اسی دور اسے قتل کر دیتا جب تم نے کہا تھا کہ اسے قتل کر دو تو اس کیلئے ان لوگوں کی ناک بھوں ضرور چڑھ جاتی جنہیں اگر آج میں اس کے قتل کا حکم دوں تو وہ خود ہی اسے قتل کر دیں گے۔“ حضرت عمرؓ نے عرض کی ”واللہ مجھے معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بات میری بات سے کہیں زیادہ بابرکت ہے“<sup>(۴)</sup>۔ ”رسول کریم ﷺ کی اس بصیرت، افروز تدبیر کا نتیجہ یہ نکلا کہ منافقین کا وہ سردار خود اپنے قبیلے و اپنے گھر میں بے وقعت و بے حیثیت ہو کر رہ گیا اس کا جھوٹ کھل گیا اس کا اصلی روپ اور حقیقی عزائم بے نقاب ہو گئے۔ پھر وہ کبھی قندہ بڑا کرنے کے قابل نہ ہو سکا۔

رسول اکرم ﷺ اپنے مشیر کی خصوصی تربیت کرنا چاہتے تھے اس لئے اسے بلا کر یہ بات سمجھائی کہ مازک حالات اور حساس سیاسی مسائل میں غصہ و جذباتیت سے کبھی بہتر نتائج نہیں نکل سکتے۔ جہاں لوگوں کے جذبات براہینتہ کر کے غلط رخ دیا جا رہا ہو اور انہیں اپنے ذاتی مقاصد کیلئے استعمال کیا جا رہا ہو وہاں سختی کے بجائے نرمی کا اٹھیا زیادہ کارگر ہوتا ہے وہاں مڑ سوں کو سزا دے کر انہیں زیادہ مقبول بنانے کے بجائے ان کے حقیقی مقاصد و عزائم اور صحیح کردار سے سادہ لوح و گول کور و شناس کرنا اور ان سے بھرپور و تعلق کے رشتوں کو کاٹ دینا زیادہ مفید ہوتا ہے۔ اس طرح حضرت عمرؓ کی بصیرت و فراست کو مریٰ اعظم ﷺ نے عملی اقدامات اور اس سے حاصل ہونے والے محسوس نتائج سے گزرا کر پروان چڑھایا۔ یہی وجہ ہے کہ جب ان کندھوں پر ایک وسیع سلطنت کی خلافت کی ذمہ داریوں

کا بوجھ آیا تو اپنی حکمت و تدبیر اور حسن انتظام سے ایک ترقی یافتہ پر امن، منظم معاشرہ قائم کیا اور تاریخ عالم میں بے مثال نقوش چھوڑ گئے۔ حضرت عمر فاروقؓ بطور مشیر بہت ہی جرأت مند اور بے باک تھے۔ وہ بارہا جھک بھر پورا انداز میں اپنی رائے پیش کرتے اپنے موقف کو واضح اور دونوں کانوں میں بیٹھاتے۔ انہیں اپنی رائے پر عمل عائد ہوتا تھا اور اس کے برعکس کسی بھی بات کو اس وقت تک قبول نہیں کرتے تھے جب تک کہ دل نکل سے مطمئن نہ ہو جائیں۔ جب انہیں طمیناں ہو جاتا تو ہر وقت چشم قبول کر لیتے۔ اس کی لہریاں مثال حدیبیہ کا واقعہ ہے۔

ہجرت کے چھپے سارے رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو حج کا حکم دیا اور جب مکہ کے قریب پہنچے تو قریش کے سوار آپ کو شہر میں داخل ہونے سے روکنے کیلئے نکلے۔ قریش نے قسم کھائی تھی کہ وہ محمد ﷺ کو زبردستی مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے لیکن رسول اللہ ﷺ جنگ کے ارادے سے نہیں حج کے ارادے سے تشریف لائے تھے اس لئے آپ ﷺ نے صحابہ کے ساتھ حدیبیہ کے مقام پر قیام فرمایا<sup>(۱)</sup> اور قریش سے گفتگو کرنی چاہی کہ وہ مسلمانوں کو فریضہ حج کی ادائیگی اور کعبے کے طواف سے نہ روکیں۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عمر بن الخطاب سے فرمایا کہ ”وہ مکہ جائیں اور اس مسئلے میں قریش سے گفتگو کریں۔“ حضرت عمرؓ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ ﷺ! مجھے اندیشہ ہے کہ قریش میرے ساتھ زیادتی کریں گے اور مکہ میں بے مدد بن کعب کا کوئی فرد نہیں جو میری حمایت کرے۔“ مشرکین جانتے ہیں کہ میں ان کا کتنا دشمن ہوں میرا طرز عمل ان کے مقابلے میں کتنا سخت ہے۔ تاہم آپ کو ایک ایسے شخص کا نام بتاتا ہوں جو قریش کے نزدیک مجھ سے بھی زیادہ معزز ہے اور وہ عثمان بن عفان ہیں<sup>(۲)</sup>۔“ چنانچہ حضرت عثمان بن عفان مکہ تشریف لے گئے جہاں قریش سے ان کی گفتگو خاصی طویل ہو گئی اور انہیں رکنا پڑا۔ مسلمان سمجھے کہ حضرت عثمان بن عفان شہید کر دیئے گئے ہیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں سے بیعت لی جو بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے کہ اگر مشرکین قریش نے عثمان کو شہید کر دیا تو مسلمان ان سے لڑیں گے<sup>(۳)</sup>۔ لیکن حضرت عثمان واپس تشریف لے آئے اور بتایا کہ قریش نے عرب میں پناہ دار قائم رکھنے کیلئے مسلمانوں کو اس سال مکہ میں داخل ہونے دینا نہیں چاہتے لیکن یہ یقین ہو جانے کے بعد کہ حضور جنگ کے ارادے سے نہیں حج کی نیت سے تشریف لائے ہیں وہ صلح کی بات چیت کرنے پر تیار ہو گئے ہیں۔ فریقین میں معاہدہ صلح کے متعلق گفتگو جاری رہی۔ حضرت عمرؓ ان شرطوں سے بہت پریشان اور دل شکستہ تھے جو اس گفتگو میں رسول اللہ ﷺ قبول فرما رہے تھے۔ چنانچہ وہ یک دم اٹھے اور حضرت ابو بکرؓ کے پاس پہنچ کر ان سے کہنے لگے ”ابو بکر! کیا حضور ﷺ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟“ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا ”کیوں نہیں؟“ حضرت عمرؓ نے کہا ”کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟“ انہوں نے جواب دیا ”کیوں نہیں؟“ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”کیا وہ مشرک نہیں؟“ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا ”ہیں۔“ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”تو پھر ہم اپنے دین میں کمزوری کو داخل کیوں دے رہے ہیں؟“ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا ”عمر! حضور ﷺ کی اطاعت کرو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں“ اور حضرت عمرؓ نے کہا ”اور میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔“

حضرت عمرؓ اس گفتگو سے مطمئن نہیں ہوئے جو ان کے اور حضرت ابو بکرؓ کے درمیان ہوئی تھی۔ چنانچہ اسی غم و غصے کے عالم میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ”یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟“ ”ہوں۔“ پھر پوچھا ”کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟“ فرمایا ”ہیں۔“ ”کیا وہ مشرک نہیں ہیں؟“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”ہیں۔“ حضرت عمرؓ نے کہا ”تو پھر ہم اپنے دین میں کمزوری کو داخل کیوں دے رہے ہیں۔“ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”میں اللہ کا بندہ اور اس کا نبی ہوں۔ ہر گز اس کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کروں گا اور وہ کبھی مجھے ناکام نہیں ہونے دے گا۔“ اس جواب سے حضرت

عزخاموش ہو گئے<sup>(۱)</sup>۔ بعد کو وہ فرمایا کرتے تھے ”اس دن میں نے جو کچھ کیا اور اپنے نزدیک بھلائی کیلئے جو باتیں کہیں ان کے ذمے سے آج تک صدقہ دیتا ہوں“ روزے رکھتا ہوں، نفل پڑھتا ہوں اور غلام آزاد کراتا ہوں<sup>(۲)</sup>۔“

وقدی نے مزید روایت کیا ہے کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اور ان کے ساتھ کچھ اور اصحاب نبیؐ نے کہا ”اے اللہ کے رسول ﷺ کیا آپؐ نے ہمیں نہیں فرمایا تھا کہ آپؐ عقریب مسجد حرام میں داخل ہوں گے اور کعبہ اللہ کی چابی لیں گے اور عرفہ میں قیام فرمائیں گے جبکہ صور حال یہ ہے کہ ہماری قربانی اور ہم بیت اللہ تک نہیں پہنچ سکے؟“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”کیا میں نے تم سے یہ کہا تھا کہ اس سفر میں ہی دیا ہو گا؟“ حضرت عمرؓ نے جواب دیا ”نہیں“ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”سنو! تم یقیناً عقریب اس میں داخل ہو گے اور میں کعبہ کی چابی ہوں گا اور اپنا اور تمہارے سر ملن کہ میں منذوقوں کا اور میں عرفہ والوں کے ساتھ قیام کروں گا<sup>(۳)</sup>۔“ پھر حضرت عمرؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا ”کیا تم حد کا دن بھول گئے؟ جب تم اپنے جادے تھے اور کسی کی بات پر دھیان نہیں دیتے تھے اور میں تمہیں پیچھے سے پکار رہا تھا؟ کیا تم یوم الاحزاب کو بھول گئے؟ جبکہ انہوں نے ہر طرف سے تمہیں گھیر لیا تھا اور نکالیں پسند ہی تمہیں اور کیجئے نہ کہو کہ آ رہے تھے کیا تم اس دن کو بھی بھول گئے؟“ رسول اکرم ﷺ انہیں کچھ چیزیں یاد کرانے لگے پھر فرمایا ”تم اس دن کو بھی بھول گئے؟“ تو مسلمانوں نے عرض کیا ”اے اللہ کے نبی ﷺ اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا۔ ہم نے تو غور ہی نہیں کیا جس میں کہ آپؐ نے غور فرمایا ہے۔ یقیناً آپؐ اللہ اور اس کے معاملے کو ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔“ جب رسول اکرم ﷺ عام الفصہ میں داخل ہوئے اور اپنا سر منذوق لایا تو فرمایا ”یہ ہے وہ جس کا میں نے تم سے وعدہ کیا تھا۔“ پھر جب فتح مکہ کا دن آیا آپؐ نے چابی لے لی اور فرمایا ”عمر بن الخطاب کو میرے پاس لاؤ۔ ان سے فرمایا کہ یہ ہے وہ جس کا میں نے تم سے کہا تھا۔ پھر حجۃ الوداع کے موقع پر عرفہ میں تھے تو فرمایا ”اے عمرؓ! یہ ہے وہ بات جو میں نے تم سے کہی تھی۔“ تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا ”ماکان فتح فی الاسلام اعظم من صلح الحلیبہ<sup>(۴)</sup>۔“ (اسلام میں صلح حدیبیہ سے بڑھ کر کوئی اور فتح نہیں ہے۔)

حضرت عمرؓ اپنی بے باکی کے باوجود مجلس نبوی ﷺ میں انتہائی مودبانہ انداز میں سوال کرتے اور مشورے دیتے۔ ان کے مشورے عموماً درنی دلائل اور وسیع تر حکمت سے ہرگز ہوتے تھے۔ اس لئے آنحضور ﷺ انہیں بہت زیادہ اہمیت دیتے۔ حدیبیہ کے موقع پر بھی قریش سے گفتگو کیے انہوں نے اپنی جگہ پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھیجے کا مشورہ دیا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے شرف قبولیت بخشا لیکن صلح نامہ کی شرائط کو دیکھ کر انہوں نے جس رد عمل کا مظاہرہ کیا وہ اپنی نوعیت کا منفرد اور انوکھا واقعہ ہے اس انداز میں آنحضور ﷺ کے سامنے بھی کسی صحابی کو بات کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ اس موقع پر اور بھی تقریباً سب دگ بول اور غمزہ تھے لیکن کسی نے اپنی رائے کا اس طرح اظہار نہیں کیا تھا جس طرح کہ حضرت عمرؓ نے۔ حضرت عمرؓ اس موقع پر اس قدر جذباتی کیوں ہوئے؟ ایک نیاز مند اور انتہائی مودب بشر ہونے کے باوجود ان کی بات چیت میں ایسی شدت اور تندگی کیوں پیدا ہوئی؟ اس کی مختلف وجوہات ہیں۔

اس یہ کہ قریش کو کسی قانون اور صابطے کے اعتبار سے اور نہ ہی اخلاقی طور پر یہ حق تھا کہ خاتہ کعبہ کے حوالے سے روکیں۔ سالہا سال کی روایات بھی یہی تھیں کہ قبائلی اختلافات اور آدیرشوں کے باوجود کسی بھی فرد یا گروہ کو نہیں روکا جاتا تھا۔ دوم یہ کہ مسلمان اب مجبور و مقہور نہیں تھے اب وہ آزاد و خود مختار اور فاتح تھے۔ نبیؐ نے میدان جنگ میں قریش کی قوت اور غرور کو خاک میں ملا دیا تھا اب وہ خالصتاً ہی جذبہ سے آئے تھے۔ ان کے پیش نظر امن تھا اس کے باوجود قریش محض ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے دھونس چلا رہے تھے۔ حضرت عمرؓ کی دینی غیرت یہ گوارا نہیں کر سکتی تھی کہ ان کی یہ بار بار دھونس مانی جائے اور اس موقع پر

(۱) بخاری، ۸۲/۲، ۱۷۵۵، مسلم، ۲۳۱/۲، ابوداؤد، ۸۲/۲ - طبرانی، ۲۳۴/۱، (۲) بخاری، ۱۸۲/۲، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷،

کنزوری دکھائی جائے۔ وہ تو کئی دور میں بھی ان کی بالادستی قبول کرنے کیلئے تیار نہ تھے۔ سوم یہ کہ معاہدے کے اندر شرائط بھی قریشی کی مرضی کے مطابق تھیں۔ جب کہ وہ اپنی فکر و نظر کے اعتبار سے قیام پر ہی تھے، لیکن اس معاملے میں وہ خود اپنے ہی وضع کئے ہوئے ساہا سال کے ضابطوں کی رو سے بھی باطل پر تھے اور اسے زبردستی تھوپ رہے تھے۔ چہاں یہ کہ حضرت عمرؓ کی حیثیت اسے بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی کہ اللہ کے رسول ﷺ اور ان کے قائد جس عظیم مقصد کیلئے اتنا دور سے چل کر آئے تھے اور اپنے ساتھیوں کو ساتھ لائے تھے اس میں ناکامی ہو اور بغیر عمرہ کئے واپس پلٹ جائیں۔ پنجم یہ کہ جب انہوں نے اپنے ہی مسلمان ساتھی حضرت ابو جندل کو کفار کے زعم میں تشدد سببے ہوئے دیکھا معاہدے کی رو سے جنہیں واپس کیا جا رہا تھا اور وہ تیج کر پکار رہے تھے ”اے مسلمانو! کیا میں مشرکوں کی طرف واپس جاسکتا ہوں جو میرے دین کو برباد کر دیں گے“ (۱)۔

یہ ایک ایسا جذباتی منظر تھا جس نے ہر دہن کو پریشان اور ہر آنکھ کو اٹکھار کر دیا۔ بقول طبری ”مسلمانوں کے دلوں میں اس کا اس قدر رنج اور نقب پیدا ہوا کہ قریب تھا کہ وہ ہلاک ہو جائیں“ (۲)۔ ”فطری قائل فہم اور حسب توقع تھا وہ ان عوامل کے نتیجے میں تھا جنہوں نے ان کے اندر کی کائنات کو جھنجھوڑا تھا۔ رسول اللہ ﷺ ان کے اخلاص پر پورا اعتماد رکھتے تھے اور ان کے جذبات و احساسات کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ حضرت عمرؓ کی رائے کو ظاہری حالات کے تناظر میں چھی طرح دیکھ رہے تھے۔ اس لئے ان کے سوالات کا برا نہیں منایا بلکہ انہیں مطمئن کیا۔ حضرت عمرؓ نے بھی ایک تابع فرمان مشیر کی طرح فیصلہ ہو جانے کے بعد بطور شہد اپنے دستخط ثبت کر دیے“ (۳)۔

حضرت عمر بن خطابؓ نے کہا رسول اللہ ﷺ سے ایسی صلح کی ضرورت نہ تھی انہیں عطا کی کہ اگر نبی اللہ ﷺ کسی اور کو مجھ پر امیر بنادیتے اور وہ وہی کچھ کرتا جو نبی کریم ﷺ نے کیا تو میں اس کی نہ سہمت کرتا اور نہ اطاعت۔ وہ بات جو آپ نے ان کیلئے کر دی تھی۔ وہ یہ تھی کہ کوئی مسلمان جب کفار سے ملے گا تو اسے واپس نہیں کریں گے اور جو کوئی کفار میں سے مسلمانوں سے آئے گا تو اسے واپس کر دیں گے (۴)۔ صلح فیصلے کے نافذ ہو جانے کے باوجود وہ حوصلہ ہارنے والے نہ تھے۔ وہ کفر اور اہل کفر کو شکست دینے کیلئے ہمیشہ نئی نئی راہیں تلاش کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ اس موقع پر بھی فوری طور پر انہوں نے اپنی بصیرت و فراست کے ذریعے نئی راہ نکالی، جس میں معاہدے کی خلاف ورزی بھی نہ تھی اور کفار سے انتقام لیا جاسکتا تھا۔ وہ یہ کہ خود ابو جندل موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے والد کو قتل کر دیں۔ حضرت عمرؓ نے اس سے روک دیا کہ میں کوہ جندل کے پہلو میں بیٹھا اور سبیل بن عمرو انہیں دور دھکیل رہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا ”اے ابو جندل صبر کیجئے، یقیناً یہ لوگ مشرک ہیں اور ان کا خون کتے کے خون کی طرح ہے۔ وہ بھی ایک آدمی ہے اور آپ بھی ایک آدمی ہیں اور آپ کے پاس تلوار بھی ہے۔“ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے امید لگائی کہ وہ اپنی تلوار سے اپنے والد کو قتل کر دے گا، لیکن اس نے اپنے والد کے بارے میں گریز سے کام لیا تو حضرت عمرؓ نے کہا ”اے ابو جندل! تھینا آدمی اپنے والد کو بھی اللہ کی راہ میں قتل کر دیتا ہے۔ اللہ کی قسم اگر ہم اپنے آباء کو پاتے تو ان کو اللہ کی راہ میں قتل کر دیتے، پس آدمی تو آدمی کے بدلے میں ہے۔ کہتے ہیں کہ ابو جندل حضرت عمرؓ کے پاس سامنے ہوئے اور کہا ”تم ہی انہیں کیوں نہیں قتل کر دیتے؟“ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ان کو اور ان کے علاوہ دیگر لوگوں کو قتل کرنے سے منع کیا ہے۔“ ابو جندل نے کہا ”رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں مجھ سے کچھ زیادہ حق نہیں رکھتے“ (۵)۔ اگرچہ حضرت عمرؓ کی تجویز پر حضرت ابو جندل نے عمل نہ کیا، لیکن اس صورتحال کے مطابق وہ تجویز بڑی دانشمندانہ جدت آمیز اور دور رس نتائج کی حامل تھی جو اس کے اجتہادی

(۱) بحار ۱۸۲/۳، حاشیہ ۳۳۳، وفتی ۸۲، طبرہ ۲۰۱/۲، ۲۵، (۲) طبرہ ۲۰۱/۲، ۲۳ (۳) ہ ۲۳۳/۲، ۲۳، طبرہ ۲۰۱/۲، ۲۳ (۴) سعد ۲، ۲

(۵) وفتی ۲۰۸/۲، طبرہ ۲۰۱/۲، ۳۶

دہن کی جھلک پیش کرتی تھی۔ بطور مشیر ان تمام واقعات سے حسب ذیل امور پر روشنی پڑتی ہے

۱۔ حضرت عمر فاروقؓ کو ان کی فہم و فراست، اصابت رائے اور اخلاص کی بدولت رسول اکرم ﷺ نے مشیر خاص کا درجہ دے رکھا تھا اور کم و بیش تمام معاملات میں انہیں شریک مشورہ رکھتے۔ ان پر اعتماد کرتے اور ان کے مشوروں کو اہمیت دیتے تھے۔

۲۔ حضرت عمر فاروقؓ میں دین کی سمجھ اور اجتہادی بصیرت کے پروان چڑھانے میں اس منصب کا بہت بڑا حصہ ہے۔ اس سے وہ مزاج شناس نبوت بنے اور انہیں شریعت اسمائی کی روح تک پہنچنے اور اس کے رموز و حکمتوں کو جاننے کا بھی موقع ملا اور عملی مسائل پر ان کے اطلاق کا شعور بھی حاصل ہوا۔

۳۔ حضرت عمرؓ مشورہ دینے میں بڑے جری اور بے باک تھے اپنی رائے اور محسوسات کو نبی کریم ﷺ سے کبھی نہیں چھپاتے تھے۔ آپؐ بھی ان کی حوصلہ افزائی فرماتے۔ ان کے مشورے پر خلوص اور دلالت پر مبنی ہوتے تھے اور اجتہادی معاملات میں ان کی گہری بصیرت کے آئینہ دار بھی۔

۴۔ حضرت عمرؓ خود اجتہادی کے جوہر سے مالا مال تھے۔ سوچ سمجھ کر مشورہ دیتے۔ اس کے مختلف پہلوؤں کو واضح کرتے۔ اس کے قبول کئے جانے کی توقع بھی رکھتے اور اصرار بھی کرتے، لیکن جب فیصلہ ہو جاتا تو پھر بلا شک و تردد اس کے آگے سر تسلیم خم کر دیتے اور اس کے نفاذ میں اپنی پوری توانائیاں کھپا دیتے۔

## ۵..... بے لوث مطیع:

رسول اکرم ﷺ کی غیر مشروط اطاعت شرط ایمان ہے۔ اس کے بغیر اللہ تعالیٰ کے حکام و فرامین کی بجا آوری و اطاعت ناممکن ہے اس لئے ارشاد رہا ہے ”وما ارسلنا من رسول الا لیطاع بامر اللہ (۱)۔“ (ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اسی لئے بھیجا ہے کہ اذن خداوندی کی بنا پر اس کی اطاعت کی جائے۔) مرنے والے کے مختلف معاملات میں خالق کائنات اپنے بندے سے جس طرح کے طرز عمل کا مطالبہ کرتا ہے۔ اپنے رسول کو دیانتی کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اس لئے رسول اللہ تعالیٰ ہی کی تعلیمات کا عملی مظہر ہوتے ہیں۔ ان کی اطاعت حقیقت میں اللہ ہی کی اطاعت ہوتی ہے۔ ”من بطع الرسول فقد اطاع اللہ (۲)۔“ (جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے دراصل خدا کی اطاعت کی۔) فرمان نبوی کے مطابق تو صحیح مومن وہ ہے جس کے ارادے سرغوبت اور نفس کی خواہشات بھی شریعت الہی کے مطابق ہو جائیں۔ کسی ایسی چیز کی طرف سرے سے میلان ہی نہ پیدا ہو جو شریعت کے نزدیک ناپسند ہو۔ ”لا یومن احدکم حتی یکون هواہ تبعاً لما جنت بہ (۳)۔“ (تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ اس کی خواہش نفس اس دین کے تابع نہ ہو جائے جو میں لیا ہوں۔)

یہ ہے روحانیت اور اخلاص کا اعلیٰ ترین درجہ ایک مجتہد اپنی فکر و نظر اور قول و عمل کے اعتبار سے جب تک اس مقام تک نہ پہنچے وہ اسلام کی صحیح نمائندگی نہیں کر سکتا نہ ہی معتبر ٹھہر سکتا ہے۔ اس کی بصیرت و فراست صرف اسی وقت دین حق کی ترجمان بن سکے گی جب وہ اطاعت نبوی کا حق ادا کرتا ہو۔ حضرت عمر فاروق کی اجتہادی بصیرت کے معتبر قائل تقلید اور قوی ہونے کا راز بھی یہی ہے کہ انہوں نے انفرادی و اجتماعی معاملات و احساسات اور فکر و عمل کے تمام دائروں میں اطاعت نبوی ہی کو شعار بنایا۔ اپنے جذبات و احساسات اور خواہشات و میمانات تک کو سرنگوں کر دیا۔ ان کے اپنے عہد کے سب لوگ اس بات سے بخوبی آگاہ تھے ورنہ ان کی سیرت و کردار میں اس کی جھلک دیکھتے تھے۔ اس لئے ان کی بات کو وزن دیا جاتا تھا۔ ان کی رائے اور اجتہاد پر اعتماد کیا جاتا تھا اور ان کے فیصلوں کو سر و چشم قبول کر لیا جاتا تھا۔ ان کا اپنا قول ہے ”اب الاقتصاد فی السیاسة خیر من الاجتهاد فی الصلابة (۴)۔“ (طریق نبوی پر معتد مانہ عمل اس اجتہاد سے بہتر ہے جو گمراہی ثابت ہو یا جس میں بدعت ہو۔) اس کی حکمت انہوں نے یہ بیان فرمائی ”السیاسة الرموھا تحکم من البلاء (۵)۔“ (طریق نبوی پر قائم رہو گے تو بدعتوں سے محفوظ رہو گے۔)

حضرت عمر فاروق کی بے چون و چرا اطاعت کی بنیاد رسول اکرم ﷺ کی رسالت پر غیر متزلزل یقین و اعتماد تھا۔ وہ یہ جانتے تھے کہ آپ کا وجود عالم انبیت کیلئے دنیوی و اخروی دونوں اعتبار سے خیر و بھلائی کا ذریعہ ہے اور آپ کی دعائیں خالق و جہاں کے ہاں مقبوس و مستجاب ہیں۔ اس لئے کہ آپ اس کے سچے رسول ہیں۔ بن کعب بن مالک نے حدیث بیان کی ”ورانیس جابر بن عبد اللہ نے خبر دی کہ احد کی لڑائی میں ان کے والد شہید ہو گئے اور قرض چھوڑ گئے۔ قرض خو ہوں نے تقاضے میں بڑی شدت اختیار کی تو میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے اس سلسلے میں گفتگو کی۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ”وہ میرے بارگاہ کی کھجور لے لیں اور میرے وعدہ کو معاف کر دیں“ ”میں انہوں نے انکار کیا۔ حضور کرم ﷺ نے بھی میرے بارگاہ انہیں نہیں دیا اور نہ ان کیلئے پھل تر وائے بلکہ فرمایا کہ کل صبح میں تمہارے یہاں کھجوریں گاہ صبح کے وقت آپ تشریف لائے اور کھجور کے درختوں میں ٹہکتے رہے اور برکت کی دعا فرماتے رہے۔ پھر میں نے پھل توڑ کر قرض خواہوں کے سارے حقوق ادا کر دیئے اور میرے پاس کھجور بچ بھی گئی۔ اس کے بعد میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ



تشریف فرماتے ہیں نے آپ کو واقعہ کی اطلاع دی۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی وہیں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا ”عمرؓ میں رہے ہو؟“ عمرؓ نے عرض کیا ہمیں تو پہلے سے معلوم ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، بخدا اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں (۱)۔ اس سے بھی بڑھ کر آپ کا تو یہ خیال تھا کہ انسان کی دعا آسمان اور زمین کے مابین لگی رہتی ہے جب تک رسول اکرم ﷺ پروردگار نہ بھیجے۔ چنانچہ فرمایا ”ان الدعاء موقوف بین السماء والارض لا یصل منہ شئی حتی تصلی علی فیہک ﷺ (۲)۔“

انہیں یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہونے کی حیثیت سے محمد عربی ﷺ کی کوئی بات بھی خلاف حق نہیں ہو سکتی۔ وہ تمام صداقتیں اور حقیقتیں جو بظاہر ناممکن نظر آتی ہیں۔ جب سال نبوت سے یہاں ہوتی ہیں تو ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہو جاتی ہیں کیونکہ وہ اللہ ہی کے کریمہ قدرت کا تذکرہ ہوتی ہیں جس کے اختیار و قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں۔ رسول اکرم ﷺ کو ان کے ایمان و یقین کی اس کیفیت کا علم تھا۔ اس لئے ان پر مکمل اعتماد بھی کرتے تھے اور سر عام اظہار بھی۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا کہ آپؐ نے فرمایا ”(بنی اسرائیل کا) ایک چرواہا اپنی بکریوں میں تھامتے میں بھیڑیا اس کی ایک بکری لے کر بھاگا۔ چرواہا اس کے پیچھے لگا اور اس سے بکری کو چھڑا لیا۔ بھڑیئے نے اس کی طرف دیکھا اور کہنے لگا ”اس دن کون بکری کو پھانسی لگا جس دن میرے سوا کوئی چرواہا نہیں ہو گا۔“ لوگوں نے تعجب سے کہا ”سبحان اللہ!“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”فانی اؤمیں بدالک انا و ابو بکر و عمر و ما ہما فی القوم (۳)۔“ (میں اس پر ایمان لایا اور ابو بکرؓ و عمرؓ بھی۔) وہ دونوں اس وقت موجود نہ تھے ان لوگوں میں۔ اسی طرح ایک نمل کے بولنے کا واقعہ بھی ہے کہ دیگر صحابہ کرامؓ نے تو اس کے بولنے پر تعجب کا اظہار کیا تو رسول اکرم ﷺ نے اپنی طرف سے حضرت ابو بکرؓ اور عمر فاروقؓ کے یہاں مانے کا اعلان فرمایا۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”ایک شخص نمل پر سوار تھا۔“ اتنے میں نمل نے کہا: ”میں تو کھیتی کیلئے پیدا کیا گیا ہوں سواری کیلئے نہیں۔“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اس پر میں ایمان لایا اور ابو بکرؓ و عمرؓ اس دن دونوں ان لوگوں میں موجود نہیں تھے (۴)۔“

حضرت عمر فاروقؓ یہ سمجھتے تھے دین کے تمام احکام و مناسک کی روح یہ ہے کہ ہر معاملے میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی جائے۔ زندگی کی تمام اشیاء سے ایک مسلمان کے تعلق کی بنیاد نہ تو اس کی ذاتی پسند و ناپسند اور نہ ہی اس کی ذاتی حسن و قبح بلکہ صرف اور صرف اللہ کا حکم اور اس کے رسول ﷺ کا سوا ہو کر چلے۔ اسی کی اطاعت ہمارے اوپر لازم ہے۔ چنانچہ متعدد صحابہ کرامؓ سے احادیث کی تقریباً تمام کتب میں یہ روایت منقول ہے کہ آپؐ نے حج کے موقع پر حجر سود کو مخاطب کر کے فرمایا ”مجھے معلوم ہے کہ تو محض ایک پتھر ہے تو کسی کو نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ فیضان اور اُمر میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھا ہو تا تو میں ہر گز تجھے نہ بوسہ دیتا (۵)۔“

حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت میں یہ وضاحت ہے کہ یہ آپ کے منصب خلافت پر فائز ہونے کے بعد پہلے سال کے حج کا واقعہ ہے۔ اس میں مزید یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ سے یہ بات سنی تو فرمایا ”امیر المؤمنین ایہ نہ کہتے حجر سود میں نفع اور نقصان پہنچانے کی مصاحبت موجود ہے۔“ یہ میں جو کہہ رہا ہوں یہ قرآن سے ثابت ہے آپؐ جانتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”واد احد ریلک من ہی ادم من ظہورہم و ذریاتہم و اشہدہم علی انفسہم المست یریکم قالوا بلی شہدنا (۶)۔“

(۱) بخاری، ۱۳۸۳ (۲) ترمذی، ۳۱۲ (۳) بخاری، ۱۶۹ مسلم، ۸۵/۶ ترمذی، ۲۸۶ (۴) بخاری، ۱۶۹ حبان، ۲۵۹ (۵) بخاری، ۱۶۲

چنانچہ جب تمام ہواغ نے اقرار بندگی کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس بیان کو صحیفہ میں درج کیا اور اسے اس پتھر کے بطن میں محفوظ کر دیا۔ اب قیامت کے روز اس پتھر کو آنکھیں زبان اور لب عطا ہوں گے اور یہ اس لوگوں کی طرف سے گویا نمٹا گواہی دے گا جسہوں نے اس بیان کو پورا کر دکھایا ہوگا۔ یہ پتھر اس مقام پر اللہ کا امانت دار ہے۔ "امیر المومنین نے یہ سنا تو بے حد متاثر ہوئے اور فرمایا "ابوالحسن میری خواہش تو یہ ہے کہ میں اور تم ہر حالت میں ساتھ رہیں (۱)۔" اس طرح حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تصریح کو بے حد پسند فرمایا لیکن ان کے پیش نظر دین کی وسیع تر حکمت عملی تھی جس کی بنا پر سب کے سامنے آپ نے حجر اسود کو مخاطب کیا تھا چنانچہ علامہ ابن جوری نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ "میرے نزدیک حضرت عمرؓ نے حجر اسود کے بارے میں یہ سب کچھ اس لئے کہا تھا کہ سے بوسہ دینے اور اسے بعد احترام چھونے کی رسم عہد جاہلیت میں بھی تھی اور حضرت والا کی خواہش یہ تھی کہ دنیا کو اس امر کا احساس ہو جائے کہ مسلمانوں کا حجر اسود کو چھونا اور چھوٹا ایک جاہلانہ روایت کا اعادہ نہ تھا بلکہ محض اور محض رسول اللہ ﷺ کے طرز عمل کی پیروی تھی (۲)۔" حضرت عمر فاروقؓ نے یہ ساری عمر اطاعت نبوی ﷺ میں گزاری چھوٹے بڑے ہر معاملے میں حتیٰ المقدور اس پر کاربند رہے۔ بے شمار واقعات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ چند حسب ذیل ہیں

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کی ایک بیوی تھی (بعض دیگر روایات کے مطابق ان کا نام عاتکہ تھا) جو صبح و رات نماز ہجرت پڑھنے کیلئے مسجد میں آیا کرتی تھیں۔ ان سے کہا گیا کہ آپ یہ جانتے ہوئے بھی کہ حضرت عمرؓ اس کو ناپسند کرتے ہیں اور غیرت محسوس کرتے ہیں آپ مسجد میں کیوں جاتی ہیں؟ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ پھر مجھے منع کرنے میں انہیں کیا چیز مانع ہے؟ کہا گیا رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان کہ "لا تمسوا اماء اللہ مساحد اللہ (۳)۔" (اللہ کی بندہ کو اس کی مسجدوں میں آنے سے نہ روکو۔) حضرت سعید بن المسیب سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے فہیت کے مال میں سے "سے ہوئے ایک اونٹ کو ذبح کیا۔ ایک حصہ ازواج النبی ﷺ کی خدمت میں بھیجا جو پچاسے تیار کر لیا اور بعض مسلمانوں کی دعوت کی جن میں اس روز حضرت عباسؓ بھی تھے۔ حضرت عباسؓ نے کہا "اے امیر المومنین! اگر آپ روزانہ ہمارے لئے ایسا کریں تو ہم لوگ آپ کے پاس کھائیں اور باتیں کریں۔" حضرت عمرؓ نے کہا "میں ایسا دو بار نہ کروں گا۔ میرے دونوں صاحب یعنی نبی کریم ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ ایک عمل کر کے اور ایک راست چل کر گزر گئے ہیں۔ اگر میں ان کے خلاف کروں گا تو رات اور است سے بھگ جاؤں گا (۴)۔"

حضرت عمر فاروقؓ نے اطاعت نبی ﷺ میں اپنی زندگی کا انداز ہی بدل دیا۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ فکر و نظر عادات و اطوار 'بود و باش' ہر چیز میں اسودہ رسالت کو پنائیں۔ عہد خلافت میں زہد کے اثرات اس قدر گہرے ہو گئے کہ انہوں نے ہر طرح کی راحت کو ترک کر دیا۔ راتیں سہن اور خورد و نوش میں ایک اوسط درجے کے آدمی سے بھی کم معیار زندگی اپنایا۔ حالانکہ وسائل کی فراوانی ہو چکی تھی۔ ان کے پیش نظر تو بس ایک ہی بات تھی کہ آخرت میں اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ ہوں۔ ان کے نزدیک اس کی صرف یہی ایک صورت تھی کہ دنیا میں ان کے نقش قدم پر چلیں اور وہ ساری مشکلات برداشت کریں جو انہوں نے برداشت کی تھیں۔

موصوف بن سعدؓ سے مروی ہے کہ حصہ بنت عمرؓ نے اپنے والد سے کہا " (روایت یزید) یا امیر المومنین! (اور بروایت ابو سائبہ) اے والد! اللہ نے آپ کو خوب رزق دیا اور زمین کو آپ پر فتح کر دیا مال بہت کر دیا۔ اگر آپ اپنے کھانے میں باریک اناج کھائیں اور لباس میں باریک کپڑا پہنیں تو بہتر ہو۔" فرمایا "کہ میں تمہارا فیصلہ تمہیں سے کرتا ہوں۔ کیا تمہیں یاد نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کیسی مصیبت کی زندگی گزارتے تھے۔ وہ برابر انہیں بدولتے رہے یہاں تک کہ وہ دریں۔" پھر

فرمایا کہ ”میں نے تم سے کہا ہے کہ اللہ اگر مجھ سے ہوسکے گا تو میں ضرور ضرور نادموں (حضرات یحییٰ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی مصیبت کی زندگی میں شرکت کروں گا کہ شاید میں سادوں کے ساتھ ان دونوں کی رحمت کی زندگی میں بھی (جو آخرت میں ہے) شریک ہو جاؤں“ (۱)۔

بعض معادلات میں بہت حس واقع ہوئے تھے خاص طور پر یہی چیزیں جن میں نہیں نمود و نمائش محسوس ہوتی یا جن کے ذریعے ضرورت مندوں کی حاجت روائی کی جاسکتی تھی۔ وہ انہیں محفوظ کرنے کو ناپسند کرتے تھے، لیکن نہیں اپنے احساسات سے علی الرغم اعتدال و توازن پر قائم رکھنے وان قوت استماع نبوت ہی کا جذبہ تھا۔

بودائیں کا بیان ہے کہ میں شیبہ کے ساتھ کعبہ میں ایک کری پر بیٹھا ہوا تھا تو شیبہ نے کہا کہ سی جگہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے بیٹھ کر فرمایا تھا ”لقد هممت ان لا ادع فيها صفراء ولا بيضاء الا قسمته“ (میں چاہتا ہوں کہ کعبہ کے اندر سرخ و سفید (سونے چاندی جیسی) کوئی چیز نہ رہے نہ دوں اور سب کچھ تقسیم کر دوں۔) میں نے عرض کیا آپ کے ساتھیوں نے تو ایسا نہیں کیا تھا۔ جواب دیا ”ہما الموان الفندی بہما۔“ (میں بھی انہیں کی اقتداء کرتا ہوں) (۲)۔

روزمرہ کے معاملات میں طریق نبوی ﷺ پر عمل پیرا رہنا ان کا معمول تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ امیر المومنین کی خدمت میں عراق سے بیچ کا مال آیا ہے۔ آپ نے سے دوگوں میں تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ ایک شخص کھڑا ہوا اور بولا ”اے امیر المومنین کیا یہ اچھا ہو کہ اس رقم کا کچھ حصہ ممکنہ ساری مہم و جنگی وغیرہ متوقع خدمات کے پیش نظر محفوظ کر لیا جائے۔“ حضرت عمرؓ نے غصے سے فرمایا ”اس شیطانی وسوسے کا جواب یہ ہے کہ میں آنے والے کل کیلئے آج اللہ کی تافرمانی ہر گز ہر گز نہیں کروں گا اور یہ تمام رقوم آج ہی بالکل اسی انداز میں بانٹ دوں گا جیسے رسول اللہ ﷺ بانٹ دیا کرتے تھے“ (۳)۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ قوت نافذہ سے نوازا تھا۔ اپنے فیصلوں میں بھرپور استدلال سے کام لیتے تھے اور سرور کونین ﷺ کے قول و عمل کو بجا خوف و خراس کی حقیقی روح کے مطابق نافذ فرمادیتے۔ اس بارے میں کسی کی پروا نہیں کرتے تھے۔ اس کی نمایاں مثال ان کے عہد خلافت میں بنی نفیر کے اموال کے بارے میں حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کے دعوے کے بارے میں آپ کا فیصلہ ہے۔ حضرت عمرؓ کی مجلس میں ایک دن کہاں صیہ حضرت عثمانؓ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ حضرت زبیرؓ بن عوامؓ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ وغیرہ موجود تھے اتنے میں حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ بھی آگئے۔ حضرت عباسؓ نے عرض کیا ”اے امیر المومنین امیرے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دیجئے۔“ اس پر حضرت عثمانؓ اور ان کے ساتھ جو صیہ رضی اللہ عنہم تھے انہوں نے کہا ”امیر المومنین ان دونوں حضرات میں کوئی فیصلہ فرمادیجئے اور معاملہ ختم کر دیجئے۔“ عمرؓ نے فرمایا ”اچھا تو پھر ذرا صبر کیجئے میں آپ لوگوں سے س اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں جس کے حکم سے آسمان اور زمین قائم ہیں کہ کیا آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ”ہماری ورثت تقسیم نہیں ہوتی، جو کچھ ہم (انبیاء) چھوڑ کر جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے جس سے حضور اکرم ﷺ کی مراد (تمام دوسرے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ) خود اپنی ذات بھی تھی۔“ ان حضرات نے تصدیق کی کہ ”حضور ﷺ نے یہ حدیث فرمائی تھی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اب میں آپ لوگوں سے اس مسئلہ پر گفتگو کروں گا (جو مابہ النزاع بنا ہوا ہے) یہ واقعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کیسے س فیہی کا ایک حصہ مخصوص کر دیا تھا جسے آنحضور ﷺ نے بھی کسی دوسرے کو نہیں دیا تھا۔ پھر آپ نے اس آیت کی تفسیر فرمائی ”ما افاء اللہ علی رسولہ منہم“ (۴)۔ (جس میں اس تخصیص کا ذکر ہے) اور وہ حصہ آنحضور ﷺ کیسے خاص رہا۔ خدا گواہ ہے میں نے وہ حصہ کوئی اپنے لئے مخصوص نہیں کر لیا تھا اور نہ میں آپ لوگوں کو نظر انداز کر کے اس حصہ کا تنہا مالک بن گیا ہوں۔ فیہی کا مال آنحضور ﷺ خود سب کو عطا فرماتے تھے اور سب میں اس کی تقسیم ہوتی تھی۔ اس صرف یہ مال میں سے باقی رہ گیا تھا اور آنحضور ﷺ اس سے

اپنے گھروالوں کو سب بھر خرچ دیا کرتے تھے اور اگر کچھ تقسیم کے بعد باقی بچ جاتا تو اسے اللہ کے مال کے مصرف میں خرچ کر دیتے تھے (رفاء عام اور دوسرے دینی مصاع میں)۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی پوری زندگی میں سب مال کے معاملے میں یہی طرز عمل رکھا۔ اللہ کا واسطہ دے کر آپ حضرات سے پوچھتا ہوں کہ کیا آپ لوگوں کو یہ بات معلوم ہے؟ سب حضرات نے کہا ”ہاں!“ پھر عمر رضی اللہ عنہ نے علی اور عباس رضی اللہ عنہما کو خاص طور پر مخاطب کیا اور ان سے پوچھا ”میں آپ حضرات سے بھی اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا اس کے متعلق آپ لوگوں کو معلوم ہے؟“ دونوں حضرات نے ثبات میں جواب دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اپنے پاس بلا لیا اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے (جب ان سے تمام مسلمانوں نے بیعت خلافت کر لی) فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کا خلیفہ ہوں اور اس لئے انہوں نے (آنحضرت ﷺ کے اس مخصوص) مال پر قبضہ کیا اور جس طرح آنحضرت ﷺ اس میں تصرفات کیا کرتے تھے۔ انہوں نے بھی بالکل وہی طرز عمل اختیار کیا۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ اپنے اس طرز عمل میں سچے، مخلص، نیکوکار اور حق کی پیروی کرنے والے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی اپنے پاس بلا لیا اور اب میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نائب مقرر ہوا ہوں۔ میری خلاف کو دو سال ہو گئے ہیں اور میں نے بھی اس مال کا تحویل میں رکھا ہے جو تصرفات رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ اس میں کیا کرتے تھے میں نے بھی خود کو اسی کا پابند بنایا اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میں اپنے اس طرز عمل میں سچے، مخلص اور حق کی پیروی کرنے والا ہوں۔ پھر آپ دونوں حضرات میرے پاس مجھ سے گفتگو کرنے آئے تھے اور دونوں حضرت کا معاملہ یکساں ہے جناب عباسؓ آپ تو اس لئے تشریف لائے تھے کہ آپ کو اپنے بھتیجے (ﷺ) کی میراث کا دعویٰ میرے سامنے پیش کرنا تھا اور آپ (عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا خطاب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تھا۔ اس لئے تشریف لائے تھے کہ آپ کو اپنی بیوی (فاطمہ رضی اللہ عنہا) کا دعویٰ پیش کرنا تھا کہ ان کے والد (رسول اللہ ﷺ) کی میراث انہیں ملنی چاہئے۔ میں نے آپ دونوں حضرات سے عرض کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ خود فرما گئے ہیں کہ ہماری میراث تقسیم نہیں ہوتی، جو کچھ ہم چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے، لیکن پھر جب میرے سامنے یہ صورت آئی کہ مال آپ لوگوں کے انتظام میں (ملکیت میں نہیں) منتقل کر دوں تو میں نے آپ لوگوں سے یہ کہہ دیا تھا کہ اگر آپ لوگ چاہیں تو مال مذکور آپ لوگوں کے انتظام میں منتقل کر سکتا ہوں، لیکن آپ لوگوں کیسے ضروری ہو گا کہ اللہ کے عہد اور اس کے بیٹاق پر مضبوطی سے قائم رہیں اور اس مال میں وہی مصارف باقی رکھیں جو رسول اللہ ﷺ نے متعین کئے تھے اور جن پر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اور میں نے جب سے مسلمانوں کا دامن بنایا ہوں، عمل کیا۔ آپ لوگوں نے اس پر کہا کہ ہمارے انتظام میں دے دیں اور میں نے ہی شرط پر سے آپ لوگوں کے انتظام میں دے دیا اب میں آپ حضرات سے خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ میں نے انہیں وہ مال اسی شرط پر دیا تھا؟ عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ آنے والے حضرات نے کہا کہ جی ہاں اسی شرط پر دیا تھا۔ اس کے بعد عمرؓ عباسؓ اور علی رضی اللہ عنہما کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ میں آپ حضرات سے بھی خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں۔ میں نے آپ لوگوں کو وہ مال اسی شرط پر دیا تھا؟ ان دونوں حضرات نے بھی یہی کہا کہ جی ہاں (اسی شرط پر دیا تھا) عمر رضی اللہ عنہ نے پھر فرمایا کہ کیا اب آپ حضرات مجھ سے کوئی اور فیصد چاہتے ہیں؟ اس اللہ کی قسم جس کے حکم سے آسمان اور زمین قائم ہیں اس کے سوا میں اس معاملے میں کوئی دوسرا فیصد نہیں کر سکتا اور اگر آپ لوگ اس مال کے (شرط کے مطابق) انتظام پر قادر نہیں تو مجھے واپس کر دیجئے میں خود اس کا انتظام کر لوں گا<sup>(۱)</sup>۔

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمان الہی اور شادات نبوی اور اسوہ حسنہ کی روشنی میں اس معاملے پر غور کیا اور جو کچھ سمجھا اسے پورے دل سے واضح فرمایا اور اس حقائق کی تصدیق پوری مجلس سے کرائی اور خود معاملے کے فریقین سے بھی جن کی بنا پر وہ فیصد کرنا چاہتے تھے تاکہ فیصد مصفا نہ بھی

ہو غیر جاہدار نہ بھی اور قوی بھی۔ جب حجت چوری ہو گئی تو اسے پوری قوت سے نافذ فرمادیا۔ یہ اطاعت نبوی ﷺ کا ہی جذبہ تھا کہ جب بھی کبھی فیصلہ کرتے تو پہلے اس معاملے میں سربراہ کو نہیں ﷺ کا قول و عمل دریافت کرنے کی کوشش کرتے۔ اگر نہ ملتا تو پھر اپنی رائے سے فیصلہ دے دیتے، لیکن بعد میں بھی گرت پ کو ﷺ کا کوئی حکم ملتا تو فوراً فیصلے سے رجوع کر بیٹے۔ اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ معمر نے عبداللہ بن عبد الرحمن الانصاری سے اور انہوں نے ابن المسیب سے سنا تھا ”اصحاب کے مقام پر ابن خطاب نے کوئی فیصلہ کیا۔ بعد میں انہیں آنحضرت ﷺ کے ایک فرمان کے بارے میں جو آپ کے حکم سے لکھا گیا تھا بتایا گیا تو آپ نے اپنے فیصلے کو بدل دیا“ (۱)۔ ”آپ دینی معاملات میں اپنی رائے کو آخری چارہ کار کے طور پر اختیار کرتے اور اس میں بھی ان کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ نئے پیش کردہ معاملے پر خوب بحث و تحقیق ہو، پھر اس کی روشنی میں جو صاحب رائے ہو اسے اختیار کیا جائے۔ اس نئے انفرادی طور پر رائے رتی کو ناپسند فرماتے تھے۔ اس لئے لوگوں کو یہ ترغیب دیتے تھے کہ اطاعت نبوی ﷺ کو شعور بنائیں اور ذاتی آراء سے گریز کریں تاکہ صراطِ مستقیم پر گامزن رہنے میں کوئی شبہ نہ رہے۔ عبدالملک بن ہارون بن عمر ہ نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے والد سے نقل کیا ہے ”حضرت عمرؓ نے برسرِ منبر اعلان کیا کہ اصحابِ اربعہ (وہ لوگ جو وضع دینی امور و مسائل میں اپنی ذاتی رائے کو دخل دیتے ہیں) اسام کے دشمن ہیں۔ حدیثوں کا محفوظ رکھنا نہیں گراں گزرتا ہے تو وہاں چھ میگوئیاں اور فکری دراندازیوں کرنے لگتے ہیں اور یوں خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ یاد رکھو ہمارا کام سنت کی اتباع اور پیروی اور تقلید ہے۔ جدت طرازی اور خیال آرائی نہیں اور پیہر ﷺ کے نقش قدم پر ہم جب تک چلتے رہیں گے گمراہ نہیں ہوں گے“ (۲)۔

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات تک اطاعت رسول کادم بھرا۔ ان کا سب سے اہم آخری معاملہ خیفہ کے تقرر کے بارے میں فیصلہ کرنا تھا۔ جب لوگوں نے تقرر کرنے کے بارے میں اصرار کیا تو جواب دیا ”اگر میں خیفہ مقرر نہ کروں (تو بھی ہو سکتا ہے) کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے کسی کو خیفہ مقرر نہیں کیا اور اگر مقرر کر دوں (تو بھی ہو سکتا ہے) کیونکہ ابو بکر صدیقؓ نے خیفہ مقرر کیا ہے۔“ راوی کہتے ہیں کہ ہمیں یقین ہو گیا کہ وہ کسی کو بھی خیفہ بنانے والے نہیں (۳)۔ چنانچہ اطاعت نبی ﷺ کے بارے میں صحابہ کرام کا جو خیال تھا وہ درست ثابت ہوا اور انہوں نے اعلان کر دیا کہ میں بھی تمہیں اسی طرح چھوڑے جا رہا ہوں جیسے نبی ﷺ نے چھوڑا تھا (۴)۔

## ○ ..... سعادت مند شاگرد:

حضرت عمر فاروقؓ کی اجتہادی بصیرت کی تربیت میں برلور است معلم انصاریت ﷺ سے اکتسابِ علم کا بھی بہت بڑا حصہ ہے۔ انہوں نے ایک طالب علم کے طور پر آنحضور ﷺ کی صحبت و رفاقت سے بھرپور استفادہ کیا۔ اگر کسی قریب نہ ہوتے تو بھی علمی تعلق قائم رہتا۔ ان کا اپنا قول ہے ”میں اور میرا ایک انصاری ہمسا یہ مدینہ کے بندھے ی امیہ بن زید میں رہتے تھے اور ہم دونوں باری باری رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ ایک دن وہ آتا اور ایک دن میں آتا جس دن میں آتا تو اس دن کی وجہ اور (مجلس نبوی کی) دیگر باتوں کی اطلاع اس کو دیتا اور جس دن وہ آتا تو وہ بھی اسی طرح کرتا (۵)۔

عہد جاہلیت ہی سے علم کی ان دلچسپیوں کا خصوصی میدان تھا لیکن جب اسام قبول کیا تو ان کے ذوق و شوق کی اتنا نہ رہی۔ یہاں کیونکہ ہوتا؟ اسامی تحریک کی اساس ہی علم پر تھی۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے ”الناس رجلا ن عالم و متعلم ولا ینبغ فیہما سواھما“ (۶)۔ ”انسانوں میں دو قسم کے لوگ ہیں ایک عالم دوسرے

(۱) حورن: ۱۶۵ (۲) حورن: ۱۶۱ (۳) حورن: ۱۸۵ (۴) حورن: ۱۸۵ (۵) حورن: ۱۸۵ (۶) حورن: ۱۸۵



ت پر پھٹتے ہوں گے کیونکہ ایک شاگرد کے طرز سوال کی اصلاح کیلئے استاد کا اس سے بہتر طریقہ اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ آپ کے رویے میں اس سے لائق طور پر تبدیلیاں درنما ہوئیں اور آپ آہستہ آہستہ آداب شاگردی سے پوری طرح آشنا ہو گئے اور پھر عالم یہ تھا کہ جو بات بھی دریافت کرنی ہوتی تھی ہمیشہ کے موقع محل کا پورا لحاظ رکھتے اور نہایت مناسب طریقے سے معلوم کرتے۔ اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں مثلاً حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”حضور ﷺ ہر نماز کیلئے وضو کرتے تھے جب تک کہ کاؤن آیا تو آپ نے سب نمازوں کو ایک ہی وضو سے پڑھا۔“ حضرت عمرؓ نے آپ سے عرض کیا ”یا رسول اللہ ﷺ آپ نے آج ایسا کام کیا جو کبھی نہیں کرتے تھے (یعنی ہمیشہ آپ ہر ایک نماز کیلئے وضو کیا کرتے تھے اور آج کئی نمازیں ایک وضو سے پڑھیں)“ آپ نے فرمایا: ”میں نے قصد کیا کیا ہے اے عمرؓ! (۱)۔“

حکمت و بصیرت کا یہ تقاضا ہے کہ معلم جب غصے کی حالت میں ہو تو اس سے سوال نہ کیا جائے مبادا کہ غصے میں مزید اضافہ ہو اور یہ سوئے لاپ بھی ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کا ہمیشہ یہی طریقہ رہا۔ پھر نبی کریم ﷺ کی حیثیت محض معلم کی ہی نہیں بلکہ پیغمبر خدا کی تھی۔ آپ کو ناگوار گزرنے وال کوئی سوال عارت اعمال کا سبب بن سکتا تھا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی تو غلطی سے دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیا۔ پھر مسجد کے آگے لگی ہوئی ایک لکڑی کی طرف گئے اس کے اوپر نیچے ہاتھ رکھے اس وقت آپ کے چہرے پر غصے کے آثار نمایاں تھے۔ جلد باز لوگ چپے گئے اور باقی یہ کہہ رہے تھے کہ نماز کم ہو گئی ہے۔ ان میں حضرت ابو بکرؓ عمرؓ بھی تھے دونوں خوف کی وجہ سے آنحضور ﷺ سے بات نہ کر سکے۔ ایک شخص کھڑا ہوا جس کا نام ذوالسیدین تھا اور عرض کیا ”یا رسول اللہ ﷺ آپ بھول گئے ہیں یا نماز کم ہو گئی ہے؟“ آپ نے فرمایا ”نہ میں بھولا ہوں اور نہ ہی نماز کم ہو گئی ہے۔“ اس نے عرض کیا ”یا رسول اللہ ﷺ آپ بھول گئے ہیں۔“ آپ لوگوں سے مخاطب ہوئے اور پوچھا ”کیا یہ سچ کہتا ہے؟“ لوگوں نے اشارے سے کہا کہ ہاں! آپ پھر امامت کی جگہ پر آئے اور باقی ماندہ رکعتیں پڑھیں پھر سلام پھیرا۔ اس کے بعد اللہ اکبر کہا اور باقی سجدوں کے برابر یا کچھ لمبا سجدہ کیا پھر اللہ اکبر کہہ کر دوسرا سجدہ کیا (۲)۔ حضرت عمر فاروقؓ سوالات پوچھنے میں جری ہونے کے باوجود اس موقع پر خاموش رہے۔ یہ خاموشی بظاہر ان کی طبیعت کے برعکس تھی لیکن اگر ہم غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی بصیرت و فراست کے عین مطابق تھی۔ وہ مزاج شناس نبوت بھی تھے ایسے معاملات کی نزاکتوں کو سمجھنے والے بھی۔ آنحضور ﷺ کے چہرہ اللہ سے پر غصے کے آثار دیکھ کر انہوں نے یہی مناسب سمجھا کہ صورتحال کے واضح ہونے کا انتظار کریں۔ ایک سعادت مند شاگرد کی حیثیت سے ہمیشہ آپ کا یہی طرز عمل رہا ایک اور روایت سے اس کی مزید تصدیق ہوتی ہے ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ ایک شخص ”یا رسول اللہ ﷺ کے پاس اور عرض کیا کہ آپ کیوں کر رکھتے ہیں روزہ؟“ اس پر آپ ﷺ غصہ ہو گئے (سوال پوچھنے کا انداز غلط تھا) حضرت عمرؓ نے جب آپ کا غصہ دیکھا تو عرض کیا ”رُصا باللہ ربنا وبالاسلام و بمحمد نبینا بعدو باللہ من غصب اللہ و غضب رسولہ بیہما بیعہ“ (ہم راضی ہوئے اللہ تعالیٰ کے معبود ہونے پر

اسلام کے دین ہونے پر اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر اور پناہ مانگتے ہیں ہم اللہ اور اس کے رسول کے غصے اور اپنی بیعت سے کہ وہی بیعت ہے۔) یہ کلمات بار بار دہراتے رہے یہاں تک کہ آپ کا غصہ ختم کیا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ ”یا رسول اللہ ﷺ جو ہمیشہ روزہ رکھتے وہ کیسے ہے؟“ آپ سے فرمایا ”نہ اس نے روزہ کھانا افطار کیا۔“ پھر کہا ”جو دو دن روزہ رکھے اور ایک دن افطار کرے وہ کیا؟“ آپ نے فرمایا ”اسکی طاقت کس کو ہے (یعنی اگر طاقت ہو تو خوب ہے)۔“ پھر کہا ”جو ایک دن روزہ رکھے ایک دن افطار کرے؟“ آپ نے فرمایا ”یہ روزہ ہے داؤد علیہ السلام

کار۔ پھر کہا ”جو ایک دن روزہ رکھے اور دو دن فطر کرے؟“ آپؐ نے فرمایا کہ ”میں آزاد رکھتا ہوں کہ مجھے اتنی طاقت ہو (یعنی یہ بھی خوب ہے اگر طاقت ہو۔)“ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”تین روزے ہر ماہ اور رمضان کے روزے، ایک کے بعد دوسرے رمضان تک یہ ہمیشہ کارورہ ہے (یعنی ثواب میں) اور غرض کے دن کارورہ ایسا ہے کہ میں امیدوار ہوں اللہ پاک سے کہ ایک سہ اگلے اور ایک سال چھپے گناہوں کا کفارہ ہو جائے اور عشاء کے روزہ سے امید رکھتا ہوں ایک سال گنگے کا کفارہ ہو جائے“ (۱)۔ اس طرح حضرت عمرؓ نے اپنے استاد کے غصے کو ٹھنڈا کرنے کیسے نہایت حکیمانہ طریقہ اختیار کیا۔ پھر ایک اور شخص کے خلاف ادب انداز کے مقابلے میں ایسے کلمات کہے جو ایمان، عقیدت اور فرمانبرداری و ادب سے لبریز تھے اس طرح اس کی غلطی کا ازالہ کر دیا۔ پھر جو نئی مناسب موقع دیکھا تو صرف وہی سوال ہی نہیں جو اس شخص نے کیا تھا اس سے متعلقہ اور بھی بہت سے سوالات نہایت اچھے انداز سے پوچھے اور خاطر خواہ جوابات حاصل کئے۔ اس طرح انہوں نے ہر دور کے طالب علموں کیلئے ایک روشن مثال قائم کی جسے دیکھ کر وہ اپنے طالب علمانہ طرز عمل کو صحیح خطوط پر استوار کر سکتے ہیں۔ اسی نوعیت کا ایک اور واقعہ بھی مجالس نبوی ﷺ میں حضرت عمرؓ کے طالب علمانہ کردار کی جھلک پیش کرتا ہے۔ حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ ایک روز لوگوں نے آپؐ سے سوالات پوچھنا شروع کر دیئے یہاں تک کہ تنگ کر دیا۔ پھر آپؐ (غصے سے) منبر پر کھڑے ہوئے (ایک اور روایت کے مطابق طہر کی نماز کے بعد) اور فرمایا ”مجھ سے پوچھو اور جو چیز بھی پوچھو گے میں اسے بیان کر دوں گا۔“ جب لوگوں نے یہ سنا تو خاموش ہو گئے اور ڈرے کہ کہیں اسکی ویسی بات نہ ہو جائے (یعنی عذاب سے ڈاکنہ ہو جائیں)۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دائیں بائیں دیکھا کہ ہر شخص کپڑے میں اپنا سر لپیٹے رو رہا تھا۔ آخر ایک شخص مسجد میں اٹھا جس سے بگ بگ مچھڑتے تھے اور اسے اس کے باپ کے علاوہ کسی اور نام سے پکارتے تھے پوچھا ”اے اللہ کے نبی ﷺ! میرا باپ کون ہے؟“ آپؐ نے جواب دیا، ”تیرا باپ حذیفہ ہے۔“

اتنے میں حضرت عمرؓ فاروقؓ اٹھے اور عرض کیا ”ہم اللہ کے رب ہونے اسلام کے دین ہونے اور محمد ﷺ کے رسول ہونے پر راضی ہیں اور فتنوں کی برائی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”میں نے آج کی طرح بھائی اور برائی کبھی نہیں دیکھی۔ جنت اور دوزخ دونوں کی شکل میرے سامنے آئی گئی میں نے ان دونوں کو اس دیوار کے پاس دیکھا“ (۲)۔ اسی واقعہ کو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے یوں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے کچھ ایسی باتیں دریافت کی گئیں جو آپؐ کو ناگوار ہوئیں اور جب (اس قسم کے سوالات کی) آپؐ پر بہت زیادتی کی گئی تو آپؐ کو غصہ چھایا اور پھر آپؐ نے لوگوں سے فرمایا (چھا باب) مجھ سے جو چاہو پوچھو تو ایک شخص نے دریافت کیا کہ میرا باپ کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا ”تیرا باپ حذیفہ ہے۔“ پھر دوسرے آدمی کھڑا ہوا ”اس نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میرا باپ کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا ”کہ تیرا باپ سام شیبہ کا آراؤ کر دہ علام ہے۔“ آخر حضرت عمرؓ نے آپؐ کے چہرے کا حال دیکھا تو عرض کیا ”یا رسول اللہ! ما تنوب الی اللہ عرو وجہ۔“ (اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم اللہ رب العزت سے توجہ کرتے ہیں)۔ جیسا کہ شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ناراض ہونے کی وجہ یہ تھی غیر ضروری اور غیر متعلق سوالات کئے گئے۔ آپؐ نے اس لئے پابند فرمایا کہ کہیں مسلمانوں کیسے کسی شی کی تحریم کا باعث نہ بن جائیں ’خوان کیلئے ازیت‘ مشکلات یا ہاکت کا باعث ہو۔ آنحضور ﷺ نے ناراضی کے عام میں یہ فرمایا کہ مجھ سے جو چاہو پوچھو۔ اس کے باوجود بعض اصحاب نے اس بات کو نظر انداز کر کے بے فائدہ سوالات کرنے شروع کر دیئے (۳)۔



حضرت عمر فاروقؓ اپنی فراست کی بنا پر بات کی تہہ تک پہنچ گئے اور فوراً ایسے فتوے سے اللہ تعالیٰ کی بناء بھی، مکی اور قوبہ بھی کی۔ انہیں یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں یہ سوالات شک و الجہات کی بناء پر نہ ہوں کہ ان کی وجہ سے اللہ کا غضب ٹوٹ پڑے<sup>(۱)</sup>۔ انہوں نے یہ جملہ کہہ کر تمام لوگوں کو بالواسطہ غلطی کا احساس دلادیا اور خاموش کرادیا اور آنحضرت ﷺ کے غصے کو بھی ٹھنڈا کر دیا۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن ثابت سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن الخطابؓ آنے اور عرض کیا ”اے اللہ کے رسول ﷺ! میں یہود میں سے اپنے ایک بھائی کے پاس گیا تو اس نے توراۃ کی جوامع (تعلیمات) میں سے مجھے کچھ لکھ دیا تو میں آپ کی خدمت میں پیش کر دوں؟“ (یہ سن کر) رسول اکرم ﷺ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا تو عبداللہ نے کہا تمہاری عقل ماری گئی کیا تم رسول اللہ ﷺ کا چہرہ نہیں دیکھتے تب حضرت عمرؓ نے عرض کیا ”میں اللہ کے رب ہونے اور محمد ﷺ کے رسول ہونے پر راضی ہوا“<sup>(۲)</sup>۔ اس پر رسول اکرم ﷺ کی وہ کیفیت جاتی رہی پھر آپؐ نے فرمایا ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر تم میں موسیٰ علیہ السلام آجائیں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کی پیروی کرو تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔“ پھر فرمایا ”امتوں میں تم میرا نصیب ہو اور انبیاء میں سے میں تمہارا نصیب ہوں“<sup>(۳)</sup>۔

کتب احادیث و تواتر شاہد ہیں کہ انہوں نے بطور طالب علم مجالس نبوت میں کبھی کوئی ایسا سوال نہیں کیا جو سرور کونین ﷺ کی ناراضی کا باعث بنے۔ ہمیشہ سوچ سمجھ کر اور چچا تلامذہ سوال کرتے اور یہ توقع رکھتے تھے کہ آپؐ اس کا جواب بھی دیں گے۔ ان کے نزدیک رسول خدا ﷺ کا خاموش ہو جانا انتہائی تعین بات تھی کیونکہ اس میں سوال کے غلط یا بے موقع ہونے کا احتمال پیدا جاتا تھا۔ اس سلسلے میں دو کس قدر حساس تھے؟ اس کا اندازہ ان کے خادم حضرت اسلمؓ کی روایت سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کسی سفر میں تھے (سفر حدیبیہ میں) رات کا وقت تھا اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے کچھ پوچھا لیکن آپؐ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ انہوں نے پھر پوچھا آپؐ نے اس مرتبہ بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ اس پر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (اپنے دل میں) کہا ”عمر! تمہاری ماں تجھے روئے۔ رسول اللہ ﷺ سے تم نے تین مرتبہ سوال کیا جو آپؐ کو پسند نہیں تھا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے تمہیں یک مرتبہ بھی جواب نہیں دیا۔“ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ پھر میں نے اپنے اونٹ کو ایڑ لگائی اور مسلمانوں سے آگے نکل گیا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں میرے بارے میں کوئی وحی نازل نہ ہو جائے۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ میں نے سنا ایک شخص مجھے آواز دے رہا تھا۔ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے سوچا کہ میں تو پیسے ہی ڈر رہا تھا کہ میرے بارے میں کہیں کوئی وحی نازل نہ ہو جائے۔ بہر حال میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ کو سلام کیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ رات مجھ پر ایک سورۃ نازل ہوئی ہے اور وہ مجھے اس تمام کائنات سے عزیز ہے جس پر سورج طلوع ہوتا ہے پھر آپؐ نے ”انا فتحناک فتحاً مبیا“<sup>(۴)</sup>۔ ”یہ شک ہم نے آپؐ کو کھلی ہوئی فتح دی ہے“ کی تلاوت فرمائی<sup>(۵)</sup>۔

رسول اکرم ﷺ نے نزول وحی کی کیفیت میں مشغول ہونے کی وجہ سے جواب نہ دیا<sup>(۶)</sup> لیکن حضرت عمرؓ نے یہی سمجھا کہ شاید ان کا سوال نا پسندیدہ تھا۔ اس بنا پر ان کے دس میں جو خوف اور دوسو سے پیدا ہوئے ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اپنے استاد محترم کے مقام و مرتبہ کو اچھی طرح پہچانتے تھے اور ان کی سچائی و صداقت پر ایمان کامل رکھتے تھے۔ ان کی رضامندی و تائید راضی کو خالق کائنات کی رضامندی و تائید راضی کی علامت سمجھتے تھے۔ ان کی ہر رائے اور حکم فکر و عمل کی راہوں میں ان کیلئے قدیل رہتا تھا۔ وہ یہ گمراہ نہیں کر سکتے تھے کہ ان کے منہ سے نکلا ہو کوئی جملہ اس کے برعکس ہو۔ حضرت حارث بن عبدالرحمن کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ

(۱) مسطلمانی ۱۹۱، کرماسی ۸۲، (۲) حجر ۱۴۷، ۱۵۲، (۳) عبدطریق ۲۱۳/۱، دارمی ۱۱۵۱، دارمی کی روایت کے مطابق حضرت ابو بکرؓ یہ کہنا معصی

۱۰۰، زیاد، ۱۰۱، (۴) سورۃ الفتح ۱، ۴۸، (۵) بخاری ۵، ۶۷، ۲، ۴، ۱، حبیل ۲۴۶، ۱، برہذ ۶۱، ۵، وائس ۲۳۱، ۲، (۶) حجر ۸، ۴۷۲۔

عمرؓ کے پاس آیا اور پوچھا کہ اگر کوئی عورت یوم الحرام کو خنہ کعبہ کا طواف کرے اور پھر اسے حیض آجائے تو کیا کرے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ وہ (انتظار کرے اور) طواف دہرایا کر کے جائے۔ "حضرت حدیث کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ "مجھے رسول اللہ ﷺ نے بھی ایسا ہی بتلایا تھا۔" حضرت عمرؓ نے (عارض ہو کر) کہا "اربت عن بلدك سالسی عن شییء سالت رسول اللہ ﷺ لکیما احالف (۱)۔" (تو نے مجھ سے وہ بات پوچھی ہے جو رسول اللہ ﷺ سے پوچھ چکا تھا تاکہ میں اس کے خلاف بیان کروں۔)

ان ساری احتیاطوں کے باوجود بطور غالب علم اپنی اس ذمہ داری سے اچھی طرح آگاہ تھے کہ اپنے استاد مکرم سے ہر وہ بات پوچھ لیں جس کا جاننا ضروری ہو۔ خاص طور پر وہ امور جس کا سماجی اور عملی زندگی سے گہرا تعلق ہے، حضرت عمرؓ کی تحقیق و جستجو کا اصل موضوع ہوتے تھے۔ علم کو حاصل کرنے اور دین کو سمجھنے میں وہ کبھی شرم و جھجک کو اپنے قریب نہیں آنے دیتے تھے۔ حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ قبیلہ جہنیہ کی ایک عورت نے نبی کریم ﷺ کے سامنے رہا کا اقرار کیا اور ساتھ یہ بھی بتایا کہ میں حامد ہوں۔ آنحضور ﷺ نے اس کے دلی سے فرمایا "اس کو بہت اچھی طرح رکھو جب پیر جن لے تو مجھے خبر دینا۔" اس نے ایسا ہی کیا، پھر آپؐ کے حکم سے اسے کپڑے باندھ کر رجم کیا گیا، پھر آپؐ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ اس پر حضرت عمر فاروقؓ نے پوچھا "یا رسول اللہ ﷺ! آپؐ نے اسے رجم بھی کر لیا ہے پھر اس پر نہر بھی پڑھتے ہیں؟" آپؐ نے جواب دیا "اس کی توبہ ایسی قبول ہوئی ہے کہ اگر اسے مدینے کے ستر آدمیوں پر تقسیم کیا جائے تو سب کیسے کافی ہو۔ کیا تو اس سے افضل کوئی چیز یا تا ہے کہ اس نے اللہ کی راہ میں اپنی جان دے دی؟" (۲)۔

حضرت عمرؓ کی یہ دن خوانش تھی ان کی اولاد بھی علم اور دین کی سمجھ میں بہت نمایاں ہوں ایک بھر پور علمی ذوق رکھنے والے شخص کیلئے اس سے بڑھ کر اور سرمایہ کیا ہو سکتا ہے؟ معظم انسانیت ﷺ و قافو قاف اپنے شاگردوں کے علم و فہم کا امتحان فرماتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ آپؐ نے ایسی ہی سوال دریافت فرمایا تو حضرت عمرؓ اپنے بیٹے کی طرف سے صحیح جواب دینے کے کس قدر متنبی تھے؟ اس کا اندازہ درج ذیل روایت سے لگایا جاسکتا ہے۔ عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک مرتبہ) پوچھا کہ درختوں میں سے ایک درخت (ایسا) ہے جس کے پتے (کبھی) نہیں جھڑتے اور اس کی مثال مسلمان جیسی ہے، مجھے بتلاؤ وہ کیا (درخت) ہے؟ تو دو گ جنگلی درختوں (کے خیال) میں پڑ گئے اور میرے جی میں آیا کہ وہ کھجور (کا درخت) ہے۔ عبد اللہ کہتے ہیں کہ پھر مجھے شرم آئی تب لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپؐ ہی (خود) اس کے بارے میں بتلائیے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "وہ کھجور ہے۔" عبد اللہ کہتے ہیں کہ میرے جی میں جو بات تھی وہ میں نے اپنے والد (حضرت عمرؓ) کو بتلائی وہ کہنے لگے کہ اگر تو (اس وقت) کہہ دیتا تو میرے لئے ایسے ایسے قیمتی سرمایہ سے زیادہ محبوب تھا (۳)۔

معظم انسانیت ﷺ کے حلقہ درس و تدریس اور مجالس تعلیم و تعلم میں حضرت عمر فاروقؓ ہمیشہ موب و زین اور علمی ذوق و شوق رکھنے والے یکسوطاب علم کے طور پر شریک ہوتے اور بھرپور استفادہ کرتے۔ ہر بات پوری توجہ سے سنتے اس پر غور و خوض کرتے اس کے مختلف پہلوؤں کا تجزیہ کرتے پھر جب اطمینان حاصل ہو جاتا تو اسے ذہن میں محفوظ کر لیتے۔ یہی وجہ ہے کہ علم و فضل اجتہادی بصیرت اور دین کی سمجھ میں تمام صحابہ کرامؓ پر فوقیت رکھتے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ جیسے عالم فقیہ صحابیؓ فرماتے ہیں "ان عمر کان اعلمنا باللہ و اقرانا لکتاب اللہ و افھما فی دین اللہ (۴)۔" (بناشہ عمرؓ اللہ کی ہم سب سے زیادہ معرفت رکھنے والے اور اللہ کی کتاب کے ہم سب سے زیادہ قاری و عالم اور اللہ کے دین کو ہم سب سے زیادہ سمجھنے والے تھے۔) حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں "کان علم الناس کمہم قد درس فی علم عمر (۵)۔" (تمام انسانوں کا علم حضرت عمرؓ کے علم میں شامل تھا۔)

(۱) دود ۲۸ (۲) رمض ۲۲۲: ۶۳ (۳) بخاری ۱۲/۱۰۲: ۲۶ (۴) مسند ۵/۲۶: ۵ (۵) بر ۵/۲۶: ۱۱

حضرت عمر فاروق کا یہ سارا علم درحقیقت سرچشمہ نبوت سے اکتساب کیا ہوا تھا۔ ان کا جو بھی علمی مقام و مرتبہ ہے وہ عظیم انسانیت کے تلمیذ ہونے کی بنا پر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس تلمیذ خاص کی تربیت کی اور اسے علمی وارث بنایا۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے ”میں نے خواب میں دودھ پیا اور سیرابی کے اثر کو مائتوں تک محسوس کیا پھر وہ پیلہ عمر کو دے دیا۔“ صحابہؓ نے پوچھا ”یا رسول اللہ ﷺ اس خواب کی تعبیر کیا ہے؟“ فرمایا ”علم“ (۱)۔ یہ اسی تربیتی عمل کا حصہ تھا کہ سرور کائنات ﷺ کی موجودگی میں حضرت عمر فاروقؓ جس بات کو دینی اعتبار سے غلط سمجھتے اسے ٹوکتے اور آپؐ اس کا برہنہ کرنے کے بجائے تصدیق کر کے حوصلہ افزائی کرتے اور یہ سلسلہ جاری رہتا چند مثالیں حسب ذیل ہیں۔

ارزاق بن قیس سے روایت ہے کہ ہم نے اور شہ کی لامست میں نماز پڑھی بعد ازاں انہوں نے بتایا کہ میں نے یہی یا ایسی ہی نماز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پڑھی۔ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ پہلی صف میں دائیں جانب کھڑے ہوئے تھے۔ ایک شخص بکیر ادوی میں شریک ہوا نبی ﷺ نے جب دہائی اور پانچویں جانب سلام پھیرا تو ہم نے آپؐ کے گالوں کی سفیدی دیکھی۔ اتنے میں بکیر ادوی پانے والا شخص کھڑا ہوا تاکہ دو رکعت نفل پڑھے۔ حضرت عمر فاروقؓ اس کی طرف لپکے اور کندھے سے پکڑ کر ہلایا اور اسے نصیحت کیا کہ یہود و نصاریٰ اسی وجہ سے جاہلوں کے کہنے پر ایک نماز کو دوسری نماز سے الگ نہ کیا۔ نبی ﷺ نے نظر اٹھا کر دیکھا اور فرمایا ”اے ابن خطاب! اللہ تعالیٰ نے تجھے درست بات کہنے کی توفیق دی ہے“ (۲)۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں نے شہر کے دور دراز گوشے میں ایک عورت سے لطف افشایا ہے سوائے بدکاری کے اس سے سب کچھ کیا ہے اب میں حاضر ہوں جو چاہیں میرے بارے میں فیصلہ کریں۔“ حضرت عمرؓ پکار اٹھے ”اللہ نے تیرا عیب ڈھانپا ہے تو بھی اگر اپنا عیب ڈھانپتا تو بہتر ہوتا۔“ رسول اللہ ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا آخر وہ شخص اٹھ کر چلا گیا پھر آپؐ نے پیچھے ایک آدمی کو بھیج کر اسے بلوایا اور یہ آیت پڑھی ”اقم الصلوٰۃ طرفی الہمار وذلنا فاص الیل ان العسل یذہب السینات ذلک ذکوی للذاکریں“ (۳)۔ (اور نماز قائم کر دوں گے دونوں سروں پر اور کچھ رات گزارنے پر بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ یہ ایک یاد دہانی ہے ان لوگوں کیسے جو خدا کو یاد رکھنے والے ہیں۔) ایک شخص بولا یا رسول اللہ ﷺ! ”کیا یہ حکم خاص اس کیسے ہے؟“ آپؐ نے فرمایا ”نہیں! سب لوگوں کیسے ہے“ (۴)۔

اس حدیث سے حضرت عمرؓ کی طالعلمانہ جسارت کا پتہ چلتا ہے جو صرف انہیں کی ذات کا حصہ تھی۔ انہوں نے پہل کر کے اسے ٹوکا اور غلطی کا احساس درایا۔ رسول اکرم ﷺ کا سکوت ان کی اس بات کی تصدیق کے مترادف تھا۔ پھر آپؐ نے مزید وضاحت کی ضرورت محسوس کی تو اسے واپس بدایا۔ حضرت عمر فاروقؓ مجاہد نبوی میں بھی منکرات و مکروہات کے خلاف آگے بڑھ کر اقدام کرنے کی جرأت رکھتے تھے اور دینی معاملات میں بڑے شدید تھے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے ”اشد امنی فی امور اللہ عمر“ (۵)۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں پر ان کا بڑا عرصہ و مدہ تھا رسول اکرم ﷺ سے زیادہ اس سے ڈرتے تھے۔ رسول اکرم ﷺ اپنی نرمی اور رحمت و شفقت کی بناء پر بعض چھوٹی موٹی باتوں سے صرف نظر فرماتے تھے لیکن حضرت عمرؓ انہیں برداشت نہیں کرتے تھے۔ ان کی یہ صفت وسیع تر دینی مقاصد کے حصول اور اندام منکرات میں ممد و معاون ثابت ہوتی تھی اس لئے نبی کریم ﷺ ان کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے آنحضرت ﷺ سے انحراف آنے کی جازت چاہی اس وقت قریش کی عورتیں (امہات المؤمنین) آپؐ سے ہاتھیں

(۱) بخاری ۱۹۸۰/۷، مسلم ۱۱۲/۷، حیا ۱۶۹، ترمذی ۲۸۲/۵، حاکم ۸۶/۳، دارمی ۱۲۸/۲، حذیفہ ۲۵۰، (۲) (۳) (۴) (۵) سورہ نور ۱۱۴، (۶)

کر رہی تھیں اور زیادہ خرچ مانگ رہی تھیں اس کی آواز آپ کی آواز پر غالب ہو گئی تھی۔ جب حضرت عمرؓ نے اندر آنے کی اجازت چاہی تو سب لپک کر پردے کے پیچھے ہو گئیں۔ آنحضور ﷺ نے انہیں اجازت دی وہ اندر آئے تو آپؐ ہنس رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کو بہتر رکھے۔ آپؐ نے فرمایا ”مجھے ن عورتوں پر تعجب ہوا، جو ابھی میرے پاس بیٹھی تھیں کہ جو نئی انہوں نے تمہاری آواز سنی تو لپک کر پردے کے پیچھے چل دیں۔“ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”یا رسول اللہ ﷺ! چاہئے تو یہ تھا کہ میری نسبت آپؐ سے زیادہ ذرتیں (آپ کا زیادہ استحقاق ہے کہ آپ سے ذرتیں) پھر عورتوں کو مخاطب کر کے کہا ”اے اپنی جانوں کی دشمنو! مجھ سے تو ذرتی ہو، لیکن رسول اللہ ﷺ سے نہیں ذرتیں؟“ انہوں نے کہا ”ہاں! آپ آنحضرت ﷺ سے زیادہ غصیلے اور سخت ہیں۔“ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”ایہا یاہن الحطاب والندی نفسی بیدہ مالفیک الشیطان سالکا فجاء فط الا سلك فجاء غیر فحک (۱)۔“ (اے ابن خطاب! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، جب شیطان تم کو کسی راہ میں چلا ہوا ملتا ہے تو اس راہ کو چھوڑ کر جس راہ پر تو چلتا ہے کسی دوسرے راستے پر چلتا ہے۔)

ایک روایت سے بھی حضرت عمر فاروقؓ کے رعب و دبدبہ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیٹھے ہوئے تھے کہ اسٹن میں ہم نے ایک شور سنا اور بچوں کے گانے کی آواز بھی سنی رسول اللہ اٹھے تو دیکھا کہ ایک جھن جھن رہی ہے اور کہیں رہی ہے اور اس کے چاروں طرف بچے جمع ہیں اور آنحضور ﷺ نے فرمایا ”عائشہ! آؤ اور دیکھو میں مٹی اور میں نے اپنی ٹھوڑی رسول اللہ ﷺ کے کندھے پر رکھ دی اور سر کے درمیان سے جھن کا تماشا دیکھنے لگی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”ابھی تمہارا جی نہیں بھرا؟“ میں کہنے لگی ”نہیں! تاکہ میں اپنے مرتبہ کا آپ کے نزدیک اندازہ کروں۔“ اسے میں حضرت عمرؓ آگئے ان کا آتا تھا کہ دوگ جھن کے پاس سے منتشر ہو گئے (اور مجمع درہم برہم ہو گیا) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”امی لا نظرو الی شب طیس الحب والاس قد فروا من عمر فالت فرجعت (۲)۔“ (میں جن اور انس کے شیطانوں کو دیکھتا ہوں کہ عمرؓ کو کچھ کر بھاگ گئے۔) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں تب میں وہیں آگئی۔ حضرت عمر فاروقؓ کا یہی رعب و دبدبہ ہی تھا جو لوگوں کے خلاف شرع رسومات و رواج اور عادات و اطوار کی راہ میں حاکم ہو جاتا تھا۔ اس طرح کا ایک دروازہ بھی ہمیں کتب احادیث میں یوں ملتا ہے۔ حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کسی غزوہ کیسے باہر تشریف لے گئے جب واپس آئے تو ایک کالی لڑکی آئی اور اس نے عرصہ کیا ”یا رسول اللہ ﷺ! میں نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ آپ کو صحیح سالم واپس لائے گا تو میں آپ کے سامنے دف بجائوں گی اور گانا گاؤں گی۔“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”اگر تو نے نذر مانی تھی تو بجادرت نہیں وہ لڑکی دف بجائے گی اسے میں حضرت ابو بکرؓ تشریف لائے، لیکن پھر بھی وہ دف بجاتی رہی پھر حضرت عثمانؓ تشریف لائے، لیکن وہی طرح دف بجاتی رہی۔ پھر حضرت عمرؓ تشریف لائے تو وہ لڑکی اپنے دف کو سرین کے نیچے رکھ کر اس پر بیٹھ گئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”ان الشیطان بحاف ملک یا عمر امی کت جالسا وھی تصرب فلما دخل ابو بکر وھی تصرب ثم دخل علی وھی تصرب فلما دخلت امی یا عمر الف الف (۳)۔“ (اے عمرؓ سے شیطان ڈرتا ہے۔ میں بیٹھا ہوا تھا لیکن یہ لڑکی دف بجاتی رہی ابو بکرؓ آئے تب بھی یہ دف بجاتی رہی، مٹی آئے پھر بھی دف بجاتی رہی عثمانؓ آئے تب بھی دف بجاتی رہی مگر اے عمرؓ جب تم داخل ہوئے تو اس نے دف رکھ دیا۔)

رسول اکرم ﷺ جب کسی معاملے میں اپنے شاگرد کی شدت کو غیر ضروری خیال کرتے تو اصلاح بھی فرماتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ مسجد نبویؐ میں تشریف لائے دیکھا کہ حبشی کھیل رہے ہیں اس پر انہیں ڈانٹا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اے عمرؓ! ان کو کھیلنے دو یہ بنی ارفدہ

ہیں<sup>(۱)</sup>۔ اسی نوعیت کا ایک اور واقعہ بھی ہے کہ کئی بات پر حضرت عمر فاروقؓ نے کسی کو ٹوکا لیکس رسول اکرم ﷺ نے اجازت دی۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ عمرہ انصاف کے موقع پر نبی کریم ﷺ کے میں داخل ہوئے تو حضرت عبداللہ بن رواحہؓ آپ کے سامنے چل رہے تھے اور یہ اشعار پڑھ رہے تھے۔

خلوا بنی الکفار عن صیلہ

الیوم نصرکم علی ناولہ

ضرہا یویل الہام عن مقلہ

و یلعل الخلیل عن خلیلہ

(اے کافروں کے بیٹاؤں کی راہ سے ہٹ جاؤ ورنہ ان کے حکم سے ہم تمہیں خوب ماریں گے۔ ایسی ضرب سے کہ جو سر کو تن سے الگ کر دے گی اور دوست کو دوست سے جدا کر دے گی۔)

حضرت عمرؓ جب دیکھا تو فرمایا ”اے ابن رواحہ! تم اللہ کے حرم میں اور اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے یہ اشعار پڑھتے ہو؟“ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ”اے عمرؓ! اسے پڑھنے دو“ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اس کا کلام کافروں پر حیران کرنے سے بھی زیادہ سخت ہے<sup>(۲)</sup>۔

محاسن نبویؐ میں حضرت عمر فاروقؓ کے اس طرز عمل اور بھرپور شرکت، کھلے علمی و تربیتی ماحول، آنحضور ﷺ کی خصوصی توجہ نے ان پوشیدہ صلاحیتوں کو جلا بخشی ان کے بے پناہ فکری و علمی جوہروں کو اظہار و نمونہ کا موقع فراہم کیا اور ان کی شخصیت کی تشکیل و تعمیر میں بہت نمایاں کردار سرانجام دیا۔ پھر سرور کو نبین ﷺ نے چھوٹے بڑے انفرادی و اجتماعی تمام معاملات میں ان کی تربیت و تزکیے کا عمل جاری رکھا۔ آپؐ یہ جانتے تھے کہ ان کا یہ شاگرد رشید مستقبل میں ایک منظم اسلامی ریاست کا معمار، عظیم منتظم و مدبر، معلم و مجتہد، سپہ سالار و فاتح بنے گا۔ اس کی خداوندی صلاحیتیں و غیر مذہبی مشن کی ترویج و اشاعت اور فرد و غافلہ میں بے مثال کارنامے کا باعث بنیں گی۔ اس لئے ان کی ہر بات و کردار کا کوئی پہلو بھی تشدد تربیت نہ رہے دیا۔

ایک سفر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر فاروقؓ کو اپنے باپ کی قسم کھاتے ہوئے سنا تو فرمایا ”اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے باپ کی قسم کھانے سے منع فرماتا ہے۔ تم میں سے اگر کوئی قسم کھانا چاہے تو اللہ تعالیٰ کی کھائے ورنہ چپ رہے“<sup>(۳)</sup>۔ حضرت عمر فاروقؓ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم میں نے پھر اس طرح کی قسم کبھی نہیں کھائی۔ نہ تو کوئی چیز خود بیان کرتے ہوئے اور نہ ہی کسی کی طرف سے حکایت کرتے ہوئے<sup>(۴)</sup>۔ ”یہ حدیث معلم کی طرف سے تنبیہ اور حکم کی طرف سے بے چون و چرا اور مستقل اطاعت کی بہترین مثال ہے۔ حضرت عمرؓ کی بھی یہ عادت تھی کہ فرمانبردار شاگرد کی طرح ہر چھوٹے بڑے معاملے میں اپنے معلم و مربی سے رہنمائی حاصل کرتے۔ ایک مرتبہ انہوں نے ایک شخص کو نہایت عمدہ گھوڑا فی سبیل اللہ ہمد کردیا۔ وہ شخص بڑا نادار تھا اس نے سے تباہ کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے اسے ستے داسوں بکتے ہوئے دیکھا تو اسے خرید لے کا ارادہ فرمایا مشورے کیلئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ”اے مت خرید اگرچہ تجھے ایک درہم میں ملے۔ اپنے صدقے کو لوٹانے والے کی مثال اس کتے کی ہے جو تے کر کے پھر سے چانتا ہے“<sup>(۵)</sup>۔

حضرت عمرؓ کو جس بات سے روک دیا جاتا تو وہ اسے کرنے کا بھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے وہ اس بارے میں بہت حساس تھے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے (درنہم) کا کوہاری دار کپڑا مسجد نبوی کے دروازے پر (فروخت ہوتے) لایا کھلا انہوں نے فریاد کیا کہ ”یا رسول اللہ ﷺ بڑا اچھا

ہو تا اگر آپ اسے خرید بیٹے اور جمعہ کے دن اور دو دفعہ جب تاتے تو ان کی پزیرائی کیسے آپ اسے پہنا کرتے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”اے تو وہی پہن سکتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو۔“ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس اسی طرح کے کچھ حصے آئے تو اس میں سے ایک حصہ آپ نے عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھے یہ حصہ پہنا رہے ہیں، حالانکہ اس سے پہلے عطار کے حلوں کے بار میں آپ کو جو کچھ فرمایا تھا فرما چکے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں سے تمہیں پہنے کیسے نہیں اسے رہا چنانچہ حضرت عمرؓ نے اسے اپنے ایک مشرک بھائی کو دے دیا جو کچھ میں رہتا تھا<sup>(۱)</sup>۔ ان کے دس میں اپنے معلم کی تعییمات پر ان کی روح کے مطابق عمل کرنے کا بپناہ جذبہ موجزن تھا ان کے تمام خارجی افعال کا حقیقی محرک یہی تھا۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک روز تختے میں آئی ہوئی دیہ کی تباہی پھر اسے اتار کر حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دیا جب لوگوں نے تار ڈالنے کی وجہ پوچھی تو فرمایا ”مجھے جبرائیل علیہ السلام نے منع کر دیا ہے یہ سن کر حضرت عمرؓ روتے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ جس چیز کو آپ نے ناپسند فرمایا وہ مجھے دے دی میرا کیا حال ہو گا؟“ آپ نے فرمایا ”میں نے تمہیں پہنے کیلئے نہیں دی بلکہ اس لئے دی ہے کہ اسے بیچ ڈالو“ چنانچہ حضرت عمرؓ نے دو ہزار درہم میں بیچ دی<sup>(۲)</sup>۔ اپنے معلم کی اطاعت میں اس قدر مخلص تھے کہ مادی سود و زیاں ان کے نزدیک کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ حضرت عطاء بن یدرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ کے پاس کچھ مال بھیجا، نبیوں نے اسے واپس مانا۔ یہ آغوش رسول اللہ ﷺ نے پوچھا ”تم نے اسے کیوں واپس کیا ہے؟“ جواب دیا ”یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے فرمایا ہے کہ بہتر شخص وہ ہے جو کسی سے کچھ نہ لے۔“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اس کا تو مطلب یہ ہے کہ مانگ کر کسی سے کچھ نہ لے۔ جو بن مانگے ملے وہ تو اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا رزق ہے۔“ حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ نے کہا ”اما واللہ نفسی بیدہ لا اسال احدا شئنا ولا یاتینی شیء من غیر مسئلۃ الا اخلتہ“<sup>(۳)</sup>۔ ”(تم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں اب کسی سے کچھ نہ مانگوں گا اور جو بن مانگے میرے پاس آئے گا اسے لے لوں گا۔)

مرتب اعظم ﷺ ان میں صحیح و غلط کی پہچان اور رویے میں عتدال و توازن پیدا کرنے کیسے ضروری ہدایات دیتے رہتے تھے۔ اس طرح ان کی شخصیت کی تعمیر ہوتی رہی۔ حضرت عمرؓ کا اپنا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بھی مجھے کوئی چیز عطا فرماتے تو میں عرض کرتا کہ ”آپ مجھ سے زیادہ محتاج کو دے دیں۔“ آپ فرماتے کہ ”اے لے لو۔ اگر تمہیں کوئی ایسا مال ملے جس پر تمہاری حریصانہ نظر نہ ہو اور نہ ہی تم نے مانگا ہو تو اسے قبول کر لو اور اگر ایسی صورت نہ ہو تو اس کے پیچھے نہ پڑو“<sup>(۴)</sup>۔ ”معلم ان نیت ﷺ اپنے شاگردوں کے حوالہ و مسمودت سے عموماً باخبر رہتے تھے۔ آپؐ یہ بات جاننے کی کوشش فرماتے تھے کہ آپ ﷺ کی دی ہوئی تعییمات پر کس حد تک عمل کیا جا رہا ہے؟ ان سے لوگوں کی سیرتوں پر کس قدر مثبت اثرات مرتب ہو رہے ہیں؟ اور شخصیتوں کی تعمیر کے سلسلے میں آپ کا پیغمبرانہ مشن کہاں تک پورا ہو رہا ہے اس مقصد کیلئے کبھی کبھی پتی مجلس میں سوالات بھی کرتے تھے۔ اس سے آپ کو معلومات بھی حاصل ہو جاتی تھیں۔ صحابہ کرام کو عمل کی ترغیب بھی ملتی تھی، نیکوؤں کے معاملے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کا جذبہ بھی پرواں پڑھتا تھا ورنہ ان کے باہمی روابط کے استحکام، ناجی تعلقات کی اصلاح اور ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہونے کا احساس بھی بیدار ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ اسی طرح کے سوالات کے ذریعے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے معمولات آپ کے سامنے آئے۔

(۱) بخاری ۶۲۴، مسلم ۱۳۶، مالک ۹۱۷، احمد ۸۷، (۲) مسلم ۶، ۱۴، صحاح ۲۸۵، (۳) مالک ۹۹۸، (۴) بخاری ۱۰۳

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہؓ سے پوچھا: ”آج تم میں سے کون کسی جنازے میں شریک ہوا؟“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ”میں نے؟“

پھر پوچھا: ”آج تم میں سے کس نے کسی مریض کی عیادت کی ہے؟“ حضرت عمرؓ نے جواب دیا: ”میں نے۔“

پھر پوچھا: ”آج تم میں سے کس نے صدقہ کیا ہے؟“ حضرت عمرؓ نے کہا: ”میں نے۔“

پھر پوچھا: ”آج تم میں سے کس نے اس حالت میں صبح کی ہے کہ رو رہے ہیں؟“ حضرت عمرؓ کا جواب: ”میں نے۔“

اس پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”وجبت وجبت (۱)۔“ (کہ جنت واجب ہوگی، جنت واجب ہوگئی۔) اسی طرح کی ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ

نے خاص طور پر اپنے شاگرداں رشید حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ سے سوال پوچھا۔ حضرت ابو بکرؓ کہتے ہیں کہ آنحضور ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ سے پوچھا کہ ”آپ کب وتر پڑھتے ہیں؟“ انہوں نے جواب دیا: ”اول شب میں۔“ پھر حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ ”آپ کب وتر پڑھتے ہیں؟“ انہوں نے جواب دیا: ”آخر شب میں۔“ پھر آپؐ نے حضرت ابو بکرؓ سے کہا کہ ”آپ نے احتیاط ہر عمل کیا“ اور حضرت عمرؓ سے فرمایا: ”آپ نے طاقت طلب کام کیا (۲)۔“

کبھی ایسا بھی ہوا تھا کہ سرور دو جہان ﷺ اپنے شاگردوں کے احوال و معمولات کا جو مشاہدہ فرماتے۔ مثال کے طور پر ایک واقعہ حسب ذیل ہے۔ ابو قتادہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک شب کو نکلے۔ انہوں نے ابو بکرؓ کو دیکھا چپکے چپکے نماز پڑھ رہے ہیں اور عمرؓ کو دیکھا بلند آواز سے قرات کر رہے ہیں۔ جب دونوں (ابو بکرؓ و عمرؓ) رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے آپؐ نے پوچھا: ”اے ابو بکرؓ میں جو تمہارے پاس گیا تو دیکھ تم چپکے چپکے نماز پڑھ رہے تھے۔“ انہوں نے کہا: ”یا رسول اللہ ﷺ میں اس کو نہ تھا جو کتنا پھوسی بھی من مینا ہے (میں خداوند کریم کو)۔“ پھر آپؐ نے فرمایا: ”اے عمرؓ میں جو تمہارے پاس گیا تو دیکھ تم بلند آواز سے پڑھ رہے تھے۔“ انہوں نے کہا: ”یا رسول اللہ ﷺ میں سوتے کو جگا تھا اور شیطان کو بھگا تھا (یعنی پکار کر پڑھنے سے یہ غرض تھی کہ جو لوگ سو رہے ہیں نماز کو نہیں سمجھتے وہ آواز سن کر چونک جائیں)۔“ حسن کی روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اے ابو بکرؓ تم اپنی آواز تھوڑی بلند کرو۔ اے عمرؓ تم اپنی آواز تھوڑی پست کرو (۳)۔“

حضرت ابو ہریرہؓ اس واقعہ کی تو تصدیق کرتے ہیں لیکن اس بات سے اختلاف رکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابین کو آواز پست یا بلند کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ ابو ہریرہؓ سے روایت کی طرح ہے کہ اس قصہ میں نہ رسول اللہ ﷺ نے ابو بکرؓ سے آواز بلند کرنے کو کہا نہ عمرؓ سے آواز پست کرنے کو بلکہ ہلالؓ سے آپؐ نے سنا تم تھوڑا سا اس سورت میں سے پڑھتے تھے اور تھوڑا سا اس سورت میں سے۔ انہوں نے کہا: ”یا رسول اللہ ﷺ یہ کلام سب کا سب پاکیزہ ہے اللہ یک دوسرے سے ملتا ہے۔“ آپؐ نے فرمایا: ”تم سب نے ٹھیک کیا (۴)۔“ اس طرح پھونے بڑے سب معاملات میں معمم انسانیت ﷺ اپنے شاگردوں کی تعلیم و تربیت کا فریضہ افرماتے تھے۔ دعا عبادت کا مغز، نسائی جذبات و حساسات کا عکس اور خواہشات و عزائم کا مظہر ہوتی ہے۔ انسان تہائی کے لمحات میں اپنے رب سے جو کچھ ملتا ہے اس سے دراصل اس کے مقاصد زندگی جھلکتے ہیں۔ سرور کو نین ﷺ نے اپنے اس شاگرد رشید کو حسب ذیل دعا سکھائی۔ اس کے راوی حضرت عمرؓ روایت خود میں ”اللھم اجعل سریرتی خیر، من علامتی واجعل علامتی صالحة اللھم امی اسئلك من صالح ما تؤتی الناس من المال والاهل والولد غیر الصال ولا المصل (۵)۔“ (اے اللہ میں تجھ سے اس میں سے بہتر کا سوال کرتا ہوں جو تو انسانوں کو مال و دولت اہل خانہ اور اولاد میں سے دیتا ہے۔

وہ یہ کہ نہ تو وہ خود مگر وہ ہوں اور نہ دوسروں کو مگر وہ کریں۔)

- یہ ہے معلم انسانیت ﷺ کے شاگرد ہونے کی حیثیت سے حضرت عمر فاروق کی سیرت و شخصیت کی تصویر جس کے نمایاں ضد و خال حسب ذیل ہیں
- ۱۔ حضرت عمرؓ بہ پناہ علمی و شوق رکھتے تھے اس لئے انہوں نے آنحضور ﷺ سے علمی طور پر بھرپور فائدہ اٹھایا۔
  - ۲۔ حصول علم میں نہ تو شرماتے تھے اور نہ ہی جھجکتے تھے۔ دیگر صحابہ کرام کی یہ نسبت زیادہ ہے باقی سے آنحضور ﷺ سے سوالات پوچھ کر کرتے تھے۔
  - ۳۔ طلب علم میں آداب و احترام کا پورا لحاظ رکھتے۔ ان کا سوال ہمیشہ اہم اور موقع و محل کی مناسبت سے ہوتا تھا اور انداز بھی نہایت معیاری ہوتا تھا۔
  - ۴۔ آنحضور ﷺ کے ارشادات و فرامین کے مقاصد و مصالح کی گہرائیوں میں بہت جلد اتر جاتے اور صحیح معنوں میں اپنے معلم کے مزاج شناس تھے۔
  - ۵۔ انہیں اپنے معلم اور ان کے علم و فہم کی سچائی و صداقت پر کامل ایمان و یقین تھا۔ اس کے سوا کوئی بات بھی ان کیلئے باعث کشش نہ تھی۔ ہر چیز کو اسی کوئی پر پرکھ کر رد و قبول کرتے۔

۶۔ مختلف احکام و مسائل پر دینی نقطہ نظر سے ہمیشہ غور و خوض کرتے رہتے تھے۔ ان کے تمام پہلوؤں پر گہری نظر ڈالتے۔ جو الجھن پیش آتی اسے بھی تشدد و وضاحت نہ رہنے دیتے۔

۷۔ آنحضور ﷺ بھی ان کے علمی رجحان کی قدر کرتے تھے اور انہیں اپنی تعلیم و تربیت کا خصوصی مرکز بنائے رکھتے۔ ہر چھوٹے بڑے معاملے میں ان کی رہنمائی فرماتے تھے۔ اچھی بات کی حوصلہ افزائی فرماتے اور قابل توجہ بات پر نوکتے تھے۔

۸۔ مجلس نبوی ﷺ میں بھی حضرت عمرؓ کی حیثیت بہت نمایاں ہوتی تھی۔ کئی معاملات میں یہ خود آپ ﷺ کی موجودگی میں رائے دیتے اور بعض منکرات کے انسداد میں بھی پہل کرتے۔ انہیں رسول اکرم ﷺ کی مکمل تائید حاصل ہوتی تھی۔

۹۔ ان کے معمولات آنحضور ﷺ کے سامنے ہوتے تھے۔ آپ ترغیب و ترہیب کے ذریعے انہیں اپنی تعلیم و تربیت کا شاہکار بناتے رہے تاکہ آپ کے بعد آپ کی تعلیمی روایت کے امن و استمرار قائم رہے۔

۱۰۔ آپ کا حصول علم برائے علم نہیں تھا بلکہ انفرادی و اجتماعی تمام معاملات میں اعمال کی بنیاد تھا۔ انہوں نے اپنی ساری زندگی کو اسی علم کے عملی سانچے میں ڈھال دیا۔

مذکورہ تمام حقائق یہ ثابت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی انتہائی بصیرت کے پختہ ہونے ان میں روزِ مرہ کے مسائل میں صحیح نقطہ کی تیز پہچان ہونے اور دین کی وسیع تر حکمتوں کے فہم و اورک میں معلم انسانیت ﷺ کی شاگردی کے اس شرف کا بہت بڑا حصہ ہے جو انہیں میسر رہا۔



## باب سوم

# عہد صدیقیؒ ---- بصیرت عمرؓ کی جولانیاں

☆۔ صدیق و فاروقؓ دوساتھی دو کردار

☆۔ حضرت ابوبکرؓ کا انتخاب

☆۔ بطور مشیر اعلیٰ

☆۔ بطور قاضی

☆۔ فاروق اعظمؓ کا انتخاب

## صدیق و فاروق ..... دو ساتھی ..... دو کردار

نبیؐ صحرا ازمانؓ کی انقلابی تحریک کی ایک بہت بڑی خوبی یہ تھی کہ اس نے مختلف ذوق 'مزان' طباع اور صلاحیت و استعداد رکھنے والے انسانوں کو یکجا کر کے بنیاد پر صومعہ بنادیا۔ ہر قسم کے میلانات و رجحانات رکھنے والوں کو مقصد زندگی کا شعور دے کر ایک ہی منزل کی طرف گامزن کر کے باہم معاون و مددگار بنادیا اور اپنی تعلیم و تربیت کے ذریعے عالم انسانیت کے سامنے نفوس قدسیہ پر مشتمل ایک یہ گلدستہ پیش کیا جس کا ہر پھول اپنی فطری ساخت و رنگت خوشبو اور خاص نغص کے اعتبار سے دوسروں سے مختلف ہونے کے باوجود پورے گلدستے کا حصہ اور اس کی شان میں اضافے کا ذریعہ تھا۔ اس کی نمایاں جھلک آپؐ کے دو عظیم ساتھیوں ابو بکر و عمر رضوان اللہ علیہما کی سیرت و کردار میں دیکھی جاسکتی ہے۔ یہ دونوں کردار اپنے خلاق و عادات اور قوتوں اور صلاحیتوں کے اعتبار سے مختلف ہونے کے باوجود آپؐ کے دست و بازو تھے ان دونوں کو آپؐ نے اپنا چشم و گوش بھی قرار دیا<sup>(۱)</sup> اور اہل زمین میں سے اپنے دوست و در پر بھی<sup>(۲)</sup>۔

دونوں کی صلاحیتیں محسن انسانیت ﷺ کیلئے تقویت کا ذریعہ تھیں۔ ایک مرتبہ اہل طرف مخاطب ہو کر فرمایا ”اللہ کا شکر ہے کہ جس نے تم دونوں کو میرا مددگار بنادیا<sup>(۳)</sup>۔“ یہ ان کی خدمات کا اعتراف اور اسلام میں ان کے مقام و مرتبہ کی نشاندہی تھی کہ ان سے محبت و بغض کو ایمان و نفاق کی علامت ہوا کر آیا۔ ارشاد ہوا کہ منافق ابو بکر و عمرؓ سے محبت نہیں کرتا اور مومن بغض نہیں رکھتا<sup>(۴)</sup>۔ کتب احادیث میں بیسیوں فضائل و مناقب میں دونوں کا ایک ساتھ ذکر آیا ہے<sup>(۵)</sup>۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا فضیلت و بزرگی اور عظمت و شرف کیلئے مزان و طبائع کی یکسانیت فکر و فہم کی کلی وحدت اور اندرونی رابطہ کا مکمل ہم آہنگ ہونا ناگزیر ہے؟ نہیں ایسا ہرگز نہیں کیونکہ خالق کائنات نے اپنے علم و حکمت کی بدولت تمام خلقتیں اصل حیثیتیں اور استعداد تمام انسانوں میں کیمیت و کیت کے اعتبار سے مختلف رکھی ہیں لیکن ان کا معیار ایک رکھا ہے دردی عظمت و شرف کی بنیاد ہے ”اِنَّ اَكْبَرَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اتْقَاكُمْ“<sup>(۶)</sup>۔

یعنی کسی کام کے کرنے کا محرک اگر اللہ کی محبت و رضا ہے اور اس سے رکمنے کی وجہ سے کا خوف و خشیت ہے تو یہی شخص اللہ کے نزدیک معزز ہے۔ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ابو بکر و عمرؓ دونوں ہی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے محبوب بندے ہیں۔ عشرہ مبشرہ میں ان کا شمار ہوتا ہے<sup>(۷)</sup>۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جنت میں بڑے مرتبے والے لوگ اس طرح دکھائی دیں گے جیسے آسمان کے افق پر ستارے نظر آتے ہیں ابو بکر و عمرؓ انہیں میں سے ہیں<sup>(۸)</sup>۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں داخل ہوئے آپؐ کے دائیں بائیں حضرت ابو بکر و عمرؓ تھے در آپؐ ان دونوں کے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ آپؐ نے فرمایا ”ہم قیامت کے دن اسی طرح اٹھیں گے“<sup>(۹)</sup>۔ یہ مقام و مرتبہ انہیں اس لئے حاصل نہیں تھا کہ ان کے سوچنے اور سمجھنے کا مدار ایک تھا یا کسی واقعے کے سلسلے میں رد عمل ایک جیسا بلکہ اس لئے حاصل تھا کہ دونوں کا نصب العین ایک تھا دونوں کے صحیح و غلط کا پیمانہ ایک تھا۔ دونوں کتاب و سنت کی حدود و تقاضوں پر عملی طور پر کاربند تھے۔

ہم یہ دیکھتے ہیں کہ تقریباً زندگی کے تمام معاملات و مسائل میں ان کے اپنا پنا نقطہ نظر سے دین کی تشریحات و تعبیرات سے لے کر عملی مسائل پر ان کے مطابق

(۱) برآمدی: ۲۷۵، حوری: ۲۷۱، انیس: ۹۱، ۴۵۰، منی: ۱۱، ۵۶۲ (۲) برآمدی: ۵، ۲۷۸، حوری: ۲۷۱، ۲۷، ۱۳۴، منی: ۱۱، ۵۶ (۳) سیوطی: ۵۱، (۴)

حوری: ۱، ۲، سیوطی: ۵۲، (۵) برآمدی: ۵، ۲۷۱، حوری: ۲۷۱، ۲۷، ۱۱، ۴۵۴، سیوطی: ۵ (۶) سورۃ الحجرات: ۱۳، (۷) ۲۹۴، ۱۱، حوری: ۱۱،

سیوطی: ۵۲، (۸) برآمدی: ۵، ۲۷۸، حوری: ۲۷، ۱۱، ۴۵۵، سیوطی: ۵۱، (۹) سیوطی: ۵۱۔

و اطلاق تک اس کا طر، عمل ان کے الگ الگ فکری و دینی رجحانات کی نمائندگی کرتا ہے۔ یہاں تک کہ قبول اسلام کی وجوہات بھی دونوں کی بالکل مختلف ہیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ہادی برحق ﷺ کی دعوت کو دوستی کے ذریعے سے پہچانا۔ اپنی طبعی شرافت کی وجہ سے آنحضور ﷺ سے محبت رکھتے تھے۔ بعثت سے پہلے ہی آپ کے انتہائی قریبی دوست تھے۔ ان کی امانت و سچائی کو قریب سے دیکھ چکے تھے۔ اس لئے جو نبی آپؐ نے نبوت کا اعلان کیا تو جاپس و پیش ایمان لے آئے اور زندگی بھر بلا چوس وچ اطاعت کرتے رہے اور ایسی اطاعت کہ جو اور کسی کے حصے میں نہ آسکی اور یہی ان کی عظمت کا راز تھا۔ اس کے برعکس حضرت عمر فاروقؓ نے اسلام اور داعی اسلام کو دشمن کی نگاہوں سے دیکھا جو مردِ نظام کے باغی تھے، بنو آپائی عقائد و نظریات کو جھوٹا قرار دے کر معاشرے کے امن و آشتی کو دوپہر لگا رہے تھے اور ان تمام اقدار کو مٹانے کا جرم کر رہے تھے۔ جن پر سامی استحکام کا دار و مدار تھا۔ اس طرح انہوں نے ایک ایک چیز کو شک کی نگاہ سے دیکھا۔ اس کے فوائد و نقصانات اور نتائج و اثرات کا گہرا تجزیہ کیا اور حق باطل کو دلائل کی کسوٹی پر پرکھا اور اپنی، جہادی بصیرت اور فکر و تدبیر کے ذریعے اسلام میں داخل ہوئے اور اپنی شخصیت کو شعوری طور پر اسلام کے سانچوں میں ڈھالا۔

قبول اسلام کے ان دونوں واقعات کو ہم سامنے رکھ کر دیگر تمام معاملات ان کے اندر و فکر کی متحقی تو سلجھ سکتے ہیں اور ان کے طر، عمل کی توجیہ و تعبیر کر سکتے ہیں۔ حضرت ابو قتادہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ایک شب کو نکلے انہوں نے حضرت ابو بکرؓ کو دیکھا تو وہ چپکے چپکے نماز پڑھ رہے تھے۔ پھر حضرت عمرؓ کو دیکھا تو وہ بلند آواز سے نماز پڑھ کر رہے تھے۔ جب وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو آپؐ نے پوچھا ”اے ابو بکرؓ میں جو تمہارے پاس گیا تو دیکھا کہ تم چپکے چپکے نماز پڑھ رہے تھے۔“ انہوں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ ﷺ میں اس کو سنا تھا جو کتا پھوسی بھی سن لیتا ہے۔“ پھر آپؐ نے فرمایا ”اے عمرؓ میں جو تمہارے پاس گیا تو دیکھا کہ تم بلند آواز سے نماز پڑھ رہے تھے۔“ انہوں نے جواب دیا ”یا رسول اللہ ﷺ میں سوتے کو جگاتا تھا اور شیطان کو بھگاتا تھا۔“ حسن کی روایت میں یہ زائد ہے کہ آپؐ نے فرمایا ”اے ابو بکرؓ تم اپنی آواز بلند کرو اور اے عمرؓ تم اپنی آواز تھوڑی پست کرو“ (۱)۔ ”دینی معاملات میں حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ کا رویہ اختیار کرتے کیونکہ ایسی ہی ان کی طبیعت تھی جبکہ حضرت عمرؓ مشکل پسندی اور شدت سے کام لیتے تھے کیونکہ یہی ان کی طبیعت تھی۔ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ سے پوچھا کہ ”آپ در کب پڑھتے ہیں؟“ انہوں نے جواب دیا ”اوس شب میں“ اور حضرت عمرؓ سے پوچھا ”آپ در کب پڑھتے ہیں۔“ انہوں نے جواب دیا ”آخر شب میں“ تو آپؐ نے حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا ”احد ہذا باحد۔“ آپؐ نے احتیاط پر عمل کیا اور ہوشیاری کی اور حضرت عمرؓ سے فرمایا ”احد ہذا بالقوة“ آپؐ نے مشکل کام اختیار کیا جس کیلئے طاقت چاہئے (۲)۔“

ان مثالوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں کا انداز مختلف ہے، مگر عمل کا محرک ایک ہے یعنی جذبہ اطاعت اور بے پایاں غلو میں اور دونوں کے مقاصد بھی بلند تر ہیں اور دونوں کے اعمال سانچے کے اعتبار سے بھی یکساں طور پر قابل ستائش ہیں۔ اس سے آپؐ نے دونوں کو اپنے انداز کے مطابق چلتے رہنے کو پسند فرمایا کہ یہی زندگی کی سیر جی و گہم بھی کی علامت ہے۔ دونوں ہی رسالت کے شیر و دریر تھے۔ بقول فاروق اعظمؓ رسول اکرم ﷺ جب مسلمانوں کے امور میں سے کسی امر کے بارے میں ابو بکرؓ سے باتیں کرتے تھے تو میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تھا۔ ان دونوں کا وجود آنحضور ﷺ کیسے قوت کا دریہ تھا۔ دونوں کا اختلاف رائے آپؐ کیلئے اہم تھا اس لئے کہ اس سے پیش آمد مسئلے کے تمام ممکنہ پہلو سامنے آجاتے اور آپؐ کو صحیح فیصلے تک پہنچنے میں مدد ملتی تھی۔ آپؐ دونوں کی آراء کی قدر و قیمت سے بھی واقف تھے اور ان کے پیچھے چھپے ہوئے جذبہ غلو سے بھی آپؐ کے نزدیک دونوں کا یہ اختلاف دینی و دنیوی اعتبار سے رحمت ہی رحمت اور برکت ہی برکت تھا۔ آپؐ حسب ضرورت و حکمت کبھی ایک کی رائے پر عمل کرتے اور کبھی دوسرے کی، مگر حوصلہ فزائی دونوں ہی کی کرتے کیونکہ وہ اپنی اپنی

جگہ برسر حق ہوتے۔ امیر ان بدر کے معاملے میں حضرت ابو بکر کا مشورہ شفقت و احسان پر مبنی تھا اس کی غرض دعائیت یہ تھی کہ صلہ رحمی بھی ہو جائے ان پر رحم بھی اور ہو گوس کی ماں مشکلات کا بوجھ بھی ہلکا ہو سکے، لیکس حضرت عمر فاروق شدت و سختی کے قائل تھے تاکہ دین کے مقابلے میں تمام رشتوں کی حیثیت ختم ہو جائے اور مشرکین کا غرور و قوت ختم کر دی جائے تاکہ دین حق کے مقابلے میں پھر کبھی آنے کی انہیں ہمت نہ ہو۔ رسول اکرم ﷺ ان دونوں آراء کی قدر و قیمت کو سمجھتے تھے۔ اس لئے کسی کو غلط یا کسی کو صحیح قرار دینے کے بجائے دونوں کی حوصلہ افزائی فرمائی اور انہیں پیغمبرانہ خلوص و حکمت کے مشابہ قرار دیا کیونکہ مزاج و طباع کا اختلاف تو پیغمبروں میں بھی موجود رہا ہے مگر حیثیت و مقام کے اعتبار سے سب برابر تھے۔ حضرت ابو بکر کو حضرت ابراہیم و حضرت یسعی علیہم السلام کے مشابہ اور حضرت عمر فاروق کو حضرت نوح اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کے مشابہ قرار دیا<sup>(۱)</sup>۔

ایک اور روایت میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر اور حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے فرمایا ”میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ ملائکہ میں تم دونوں میکائیل اور جبریل علیہم السلام اور انبیاء میں ابراہیم و نوح علیہم السلام سے مشابہ ہو۔ میکائیل اپنی رحمت اور ابراہیم علیہ السلام اپنے غفور و مہربان کی صفات کے ساتھ ابو بکرؓ کی شخصیت میں اور جبریل اپنی شدت و ہیبت اور دشمنان خدا پر اپنی گرفت اور نوح علیہ السلام اپنے پیغمبرانہ جلال اور رہن پر کفار کی بربادی مطلق کی آرزو کے ساتھ عمرؓ کی شخصیت میں جلوہ فرما ہیں<sup>(۲)</sup>۔“ ابراہیم معاملے میں دونوں شخصیتوں کا فرق بہت نمایاں نظر آتا ہے لیکن دونوں تربیت نبوی ﷺ کے شاہکار اور ملت اسلامیہ کے عظیم سچوتے تھے اس لئے کہ ان کی منزل ایک تھی اگرچہ انکی عظمتوں اور رفعتوں کی وجہ اور دلائل الگ الگ ہیں۔ بقول عباس محمود العقاد ان دونوں کرداروں کے مابین تقابل و موازنہ کرتے وقت جتنی گونا گوں صورتیں پیدا ہو سکتی ہیں وہ تعداد شمار سے باہر ہیں البتہ انکو سمیت کر ”جامع الفاظ سے ضرور تعبیر کیا جاسکتا ہے۔“ الفاظ ہیں اقتداء و اجتہاد۔ ابو بکرؓ اقتداء کا اعلیٰ کردار تھے اور عمرؓ اجتہاد کا ماقانی کردار نبی ﷺ سے محبت کرتے اور آپؐ کی اطاعت میں ان دونوں حضرات کو یکساں مقام حاصل ہے۔ آپؐ کے نقش قدم پر چلنے کی خواہش اور تڑپ دونوں حضرات میں یکساں طور پر موجود تھی لیکن اس کے باوجود ان کے عشق و محبت کی راہیں جدا جدا ہیں۔ اگرچہ ہیں متوازی اور ایک ہی سمت کو جانے والے<sup>(۳)</sup>۔

حضرت ابو بکرؓ کو ”صدیق“ کا لقب اس لئے ملا کہ وہ سرور کو نہیں ﷺ کی ہر بات کی تصدیق کرتے تھے۔ اس میں سوچ بچار کی کوئی ہیبت نہ تھی کیونکہ بچپن ہی سے آپؐ کی سچائی سے واقف تھے پھر جب اللہ کا برحق نبی تسلیم کر لیا تو اس بات کی مجبائش ہی کیا تھی کہ آپؐ کی کسی بات کیسے دلیل مانگی جائے۔ ان کے نزدیک آپؐ کی شخصیت اور نبوی حیثیت میں کوئی فرق نہیں تھا۔ ہر بات واجب الاتباع تھی اور شکوک و شبہ سے بالاتر۔ اس لئے کہ بنیادی طور پر مقتدی تھے۔ ان کے برعکس حضرت عمرؓ کو ”فاروق“ کا لقب اس لئے ملا کہ وہ حق و باطل کے مابین فرق کرنے والے تھے۔ انہوں نے اسلام کی سچائی کو دلائل کی کسوٹی پر پرکھ کر قبول کیا۔ اس وقت تک رسول اکرم ﷺ کا مقابلہ کرتے رہے جب تک کہ ان کا دل و ذہن سچائی پر مطمئن نہ ہو گیا۔ سرور کو نہیں ﷺ کی شخصیت اور نبوی حیثیت میں فرق کرتے تھے اس لئے کہ وہ مجتہد تھے۔ ان تمام امور کے بارے میں پالیسی کا تنقیدی جائزہ لینا دلیل طلب کرنا اختلاف کرنا اور اپنی رائے ظاہر کرنا اپنا حق سمجھتے تھے۔ جو انتظامی و سیاسی نوعیت کے ہوں اور ہی محترم ﷺ انہیں ذاتی حیثیت میں پیش کر رہے ہوں۔ ہاں البتہ جب انہیں یہ معلوم ہو جاتا کہ پیغمبر نہ حیثیت میں کوئی حکم دے رہے ہیں تو پھر اسے بلا چون و چرا تسلیم بھی کرتے اور پوری قوت سے تائید کرنے کیلئے بھی سرگرم عمل ہو جاتے اس کی نمایاں مثال صلح نامہ حدیبیہ کا واقعہ ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے ان شرائط کو تسلیم کرنے میں ذرا برابر بھی تردد نہ کیا لیکن حضرت عمر فاروق کو ان پر شدید اعتراض تھا۔ حضرت ابو بکرؓ کے

پاس پہنچے تو انہوں نے حضور ﷺ کی اطاعت کا مشورہ دیا خود محمد عربی ﷺ نے جب یہ فرمایا کہ میں اللہ کا نبی ہوں اور اس کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا تو پھر خاموش ہو گئے (۱)۔ بنیادی طور پر تو دونوں ہی پیکرِ اطاعت تھے زندگی بھر انہوں نے اپنے محبوب قائد ﷺ کے حکم و مشاء کی خلاف ورزی نہیں کی اور نہ ہی اپنی موجودگی میں کبھی خلاف ورزی ہونے دی، لیکن دونوں کا انداز الگ الگ تھا۔ ایک کے نزدیک اتباع کا درجہ پہلا تھا اور فکر و فہم کا بعد میں اور دوسرے کے نزدیک فکر و فہم بھی اتباع ہی کا لازمہ تھا۔ ایک کے نزدیک حکم کے الفاظ کی زیادہ قدر و قیمت تھی، خواہ نتائج کچھ بھی نکلیں اور دوسرے کے نزدیک حکم کا مقصد و مشاء زیادہ اہمیت کا حامل تھا، خواہ الفاظ کچھ بھی ہوں۔ احکام و مسائل کے بارے میں ان دو مختلف نظریوں اور رویوں کی بناء پر اختلاف پیدا ہوتا یا نکل پڑتا تھا اور پھر رائے کے اختلاف کی بنا پر کبھی تلخی بھی ہو جاتی تھی کہ دونوں انسان تھے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ بنو حنیملہ کے چند سوار نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمارا کوئی امیر منتخب کر دیجئے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ "تعلق بنو حنیملہ کا امیر مقرر کر دیجئے۔" عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا "یار رسول اللہ ﷺ بلکہ آپ اقرع بن حابس کو امیر مقرر کیجئے۔" اس پر حضرت ابو بکرؓ نے کہا "تمہارا مقصد صرف مجھ سے اختلاف کرنا ہے۔" حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ "نہیک ہے میرا مقصد صرف تمہاری رائے سے اختلاف کرنا ہی ہے۔" دونوں حضرات میں بات بڑھ گئی اور آواز بلند ہو گئی۔ اس واقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی (۲)۔ "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْلُوبُوا أَلْحَا (۳)۔" مگر یہ مقصد کی یکسانیت تھی اور صحبت نبوی ﷺ کا شرکہ دونوں خلوص محبت کے ایسے مازوال رشتے میں جڑے ہوئے تھے جیسے ایک جان دو قاسب ہوں ان کی عظمت کی بنیاد یہ نہیں تھی کہ کوئی بافوق الشرح خصوصیات کے حامل تھے اور ان میں باہمی اختلاف و رنجش کے امکانات معدوم تھے، بلکہ یہ تھی کہ جب کبھی ایسا موقع آتا تو یہ اختلاف و رنجش زیادہ و بر تک پر قرار نہ رہتے اور کبھی انا کے پردوں میں چھپ کر مستقل شکل اختیار نہ کر پاتے۔ دونوں جلد ہی اپنے رویے پر غور کرتے، غلطی پر ندامت محسوس کرتے اور ایک دوسرے کو معاف کر دینے کیلئے بے قرار ہو جاتے۔

حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ میں ایک روز حضور ﷺ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ آئے اور سلام کے بعد عرض کیا کہ "میرے اور عمرؓ بن خطاب کے درمیان باتوں باتوں میں کچھ رنج ہو گیا۔ میں ان کی طرف بڑھا پھر مجھے ندامت آئی اور میں نے ان سے معافی چاہی مگر انہوں نے معافی سے انکار کر دیا۔ سب سب کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔" آپؐ نے تمس مرتب فرمایا "خدا تجھے معاف کرے گاے ابو بکرؓ۔" اس کے بعد حضرت عمرؓ بھی نام ہو کر حضرت ابو بکرؓ کے مکان پر تشریف لے گئے، مگر حضرت ابو بکرؓ کو مکان پر نہ پا کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک غصہ سے تھما اٹھا حتیٰ کہ حضرت عمر فاروقؓ پر حضرت ابو بکرؓ کو بھی رحم آگیا۔ آپؐ نے گھٹنوں کے بل گر کر عرض کیا "یار رسول اللہ ﷺ میں دن سے زیادہ تصور وار ہوں۔" حضور ﷺ نے فرمایا کہ "جب خداوند تعالیٰ نے مجھے تمہارے پاس مبعوث فرمایا تو تم سب لوگوں نے مجھے جھوٹا کہا، مگر ابو بکرؓ نے میری تصدیق کی اور اپنی جان و مال سے مدد کی۔ کیا آج تم میرے دوست کو چھوڑ دیتے ہو؟" (یہ آپؐ نے دوسرے مرتبہ فرمایا) ایسا معاملہ پھر کبھی نہیں ہوا (۴)۔ اس واقعہ سے دونوں کے مثالی تعلقات کی بہت بڑی خوبی جھلک رہی ہے کہ ایک دوسرے سے ایک دن کیلئے بھی رنجیدہ نہیں رہ سکتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے غلطی کا حساس ہوتے ہی فوراً معافی طلب کی اور حضرت عمرؓ نے مثبت جواب نہ دیا تو یہ سمجھ کر مطمئن نہ ہو سکے کہ میں نے اپنی کوشش کر لی ہے۔ اب محبت پوری ہو گئی، بلکہ آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ وہ معافی دیں۔ اسی طرح تھوڑے سے وقفے کے بعد حضرت عمرؓ کو بھی معافی نہ دینے پر ندامت ہوئی اور بے گناہ ہو گئے اور خود ہی

(۱) بخاری ج ۱ ص ۱۲۳، مسلم ج ۱ ص ۱۵۵، سیوطی ج ۷ ص ۴۹، (۲) بخاری ج ۱ ص ۱۱۶، (۳) مسند الصحابہ ج ۱ ص ۲۰۱، (۴) بخاری ج ۱ ص ۱۹۲

خلانی کرنے کیلئے نکل کھڑے ہوئے۔ ان دونوں کے تعلقات خلوص و محبت، احترام و ادب، اعتماد و تعاون کا ایک حسین استخراج تھے۔ یہ تعلقات با مقصد تھے اور مقصد ہی کی لگن کی بیدار پر مستحکم و مضبوط بھی۔ اس لئے مقصد کی طرف پیش رفت کیلئے دونوں میں مقابلہ و مسابقت کی کیفیت رہتی تھی۔ ہر ایک کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ نیکی و بھلائی کے معاملے میں دوسرے سے سبقت لے جائے۔ اس کا محرک یہ حکم خداوندی تھا ”فاسبقوا الخیرات“ (۱)۔ اس کی نمایاں مثال غزوہ تبوک کی تیاری کے سلسلے میں پیش آنے والا وہ مشہور واقعہ ہے جو تاریخ اسلام میں ایک منفرد مقام رکھتا ہے۔ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے ہمیں صدقے کا حکم دیا۔ اتفاق سے ان دونوں میرے پاس کچھ مال تھا میں نے اپنے دس میں کہا کہ اگر میں آج بڑھ گیا تو حضرت ابو بکرؓ سے سبقت لے جاؤں گا۔ چنانچہ میں اپنا آدھا مال رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے آیا۔ آپؐ نے پوچھا ”اپنے اہل خانہ کیلئے کیا چھوڑا ہے؟“ میں نے جواب دیا ”اسی کے برابر۔“ اتنی دیر میں ابو بکرؓ وہ سارا مال لے آئے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے کہا میں ان سے کسی چیز میں کبھی آگے نہ بڑھ سکوں گا (۲)۔ ”مسابقت کا یہ جذبہ خیر و بھلائی اور خدمت خلق کے تمام کاموں میں موجود تھا جو انہیں رات دن متحرک رکھتا تھا۔

ابو صالح غفاریؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ ایک بڑھیا اندھی پانچ کی جو مدینہ کے اطراف میں رہتی تھی خبر گیری کیا کرتے تھے۔ اس کو روٹی پانی اور اس کے دوسرے کام کر دیا کرتے تھے۔ ایک روز جو اس کے پاس آپؓ تشریف لے گئے تو بجا توقع اس کا تمام کاروبار ہوا پاپا اور اب ہمیشہ ہی کوئی آپؓ سے پیسے کر جانے لگا۔ آپؓ کو بہت حیرت ہوئی۔ آپؓ نے اس کی جستجو کی تو وہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نکلے حالانکہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اس زمانہ میں حلیفہ تھے۔ آپؓ کو دیکھ کر حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا ”واللہ! آپؓ کے سوا اور کون ہو سکتا تھا (۳)۔“ اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ دونوں بزرگ اپنے تمام تر مقام و مرتبے اور معصومیت و ذمہ داریوں کے باوجود انسانیت کی فلاح و بہبود کیلئے کتنی لازوال داستانیں رقم کر رہے تھے اور عالم یہ تھا کہ چھپ چھپ کر ایسے کام کرتے تاکہ ان کے دامن خلوص پر ریاکاری کا میل نہ لگنے پائے۔ ان کے نزدیک چھوٹے چھوٹے امور بھی اپنے اثر و افادیت اور سماجی تعلقات اور تنظیمی استحکام کیلئے بنیادی کردار ادا کرنے کی مصاحبت رکھتے تھے اس لئے انہیں سرانجام دینے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے مثلاً حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ میں ایک روز مسجد میں نماز پڑھ کر دعا مانگ رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ مع حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کے مسجد میں تشریف لائے اور ارشاد فرمایا ”جو مانگو گے پاؤ گے۔“ پھر فرمایا ”جو شخص چاہے کہ میں قرآن شریف ٹھیک اور اچھائی کے ساتھ پڑھوں تو چاہئے کہ وہ عبد اللہ بن مسعودؓ کی قرأت اختیار کرے۔“ اس کے بعد میں اپنے گھر چلا آیا اور ابو بکرؓ کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ مجھے مبارکباد دینے تشریف لائے اور آپؓ تشریف لے ہی جاتے تھے کہ اتنے میں حضرت عمرؓ بھی تشریف لائے اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کو دیکھ کر فرمانے لگے ”آپؓ ہمیشہ نیک کام میں آگے ہی رہتے ہیں (۴)۔“

ہادی برحق ﷺ کے پرپاکے ہوئے عظیم انقلاب کی یہ خاصیت تھی کہ اس نے فکر و ذہن کے زاویے بدل دیے اور اخلاق و کردار کے نئے پیکر تیار کئے اور پھر اس سے آگے پیش قدمی کر کے انسانی جذبات و احساسات کی کائنات کو سنوار دیا۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ آپؐ نے جلاوطنی، مال و دوست اور اوروں و خاندان کے تقاضوں پر استوار معاشرے کا ذوق و مزاج تبدیل کر دیا۔ اب وہ ان جھوٹے مقاصد کے حصوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے بجائے عبادات، تقویٰ، خیر خواہی و مددگاری کے کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے خواہشمند ہو گئے۔ آپؐ اپنے جانثاروں کے حوالے سے آگاہ بھی رہتے اور اس طرح

(۱) سورہ المدد ۴۸ (۲) برآمد ۵ ۲۷۷ ۲ ۵۵۵ ۶ ۱۷۳ ۶ رمی ۱ ۳۹۱ ۶ ۹۰۱۱ ۶۲۲ ۶ ۵۸۰ ۶ سہمی ۳ (۳) مسوطی: ۸ (۴) مسوطی: ۵۶۱۔

کے مقابلہ و مسابقت کی حوصلہ افزائی بھی فرماتے تھے۔ حضرت عبدالرحمنؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز پڑھ کر صبح کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے کہ ”آج تم میں سے کسی نے روزہ کا منہ لے کر صبح کی؟“ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کہا کہ ”رات میں نے روزہ کی نیت کی تھی اور مجھ کو اللہ میں روزہ ہے کرنا تھا۔“ حضور ﷺ نے فرمایا ”تم میں سے آج کسی نے صریض کی عبادت کی ہے؟“ حضرت عمرؓ نے عرض کی ”میں اب تک مسجد سے ہی نہیں نکلا چکا ہوں۔“ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا کہ ”مجھے خبر ملی تھی کہ بھائی عبدالرحمنؓ کی طبیعت کچھ خراب ہے میں مسجد میں آتی دیکھ ان کے پاس ہو کر آیا ہوں کہ ان کی طبیعت کیسی رہی؟“ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ”آج تم میں سے کسی نے مسکین کو کھانا کھلایا ہے؟“ حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا کہ ”ہمیں تو ابھی آپؐ نے نماز پڑھا دی ہے ہم ابھی تک کہیں نہیں گئے۔“ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کہا ”یا رسول اللہ ﷺ میں مسجد میں داخل ہی ہوا تھا کہ اچانک ایک ماٹنگے والا آگیا میں نے عہد ارحمن کے ہاتھ میں ایک کھڑا جو کہ روٹی کا دیکھا اور ان سے لے کر اس سائل کو دے دیا۔“ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ”میں تجھے جنت کی خوشخبری دیتا ہوں۔“ پھر حضور ﷺ نے یہ کلمات بھی فرمائے کہ جن سے حضرت عمرؓ بھی راضی ہو گئے اور حضرت عمر فاروقؓ نے بھی یقین کر لیا کہ ایسا کوئی نیک کام نہیں جس میں حضرت ابو بکر صدیقؓ نے سبقت نہ کی ہو<sup>(۱)</sup>۔

یہ تو تھانیکوں کے معاملے میں دونوں کی مسابقت کا حال جہاں تک دنیاوی شرف و عزت، اختیارات و مفادات اور جاہ و منصب کے مواقع تھے ان میں صورت حال اس سے بالکل برعکس تھی۔ ان میں سے ہر ایک دوسرے کو اپنے اوپر ترجیح دیتا ہے اور دوسرے کو آگے کرنے میں فخر محسوس کرتا ہے۔ تعلقات کی یہ انوکھی نوعیت تھی جو عالم نہایت نے اسلامی تحریک کے کارکنوں میں ملاحظہ کی۔ یہ مادہ پرستی کے مقابلے میں خدا پرستی ہو جس کے مقابلے میں ایمان و اتفاق کے مقابلے میں اخلاق اور دہریت کے مقابلے میں روحانیت کی فتح تھی۔ اس کے بہت سے مظاہر ہمیں ان دونوں صاحبان رسول اللہ ﷺ کے عملی رویے میں ملتے ہیں۔ نبی آخر الزمان ﷺ اپنی بیماری کے دنوں مسجد میں پہنچنے سے بھی قاصر ہو گئے تو امامت کا مسئلہ تھا۔ اس سے بڑھ کر اور بڑی سعادت کیا ہو سکتی تھی کہ کوئی ایسے منصب پر کھڑا ہو جس پر سرور کو نبین ﷺ کھڑے ہوتے تھے۔ رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کو کہا بھیجا کہ آپ نماز پڑھا دیں لیکن آپ اپنی رقت قلبی کی وجہ سے یہ ہمت نہیں پورے تھے تو انہوں نے حضرت عمرؓ سے فرمایا ”اے عمرؓ! لوگوں کو نماز پڑھا دیجئے۔“ حضرت عمرؓ نے جواب دیا ”جی نہیں آپ ہی اس کے سب سے زیادہ مستحق ہیں“<sup>(۲)</sup>۔ اسی طرح سیاسی قیادت کے معاملے میں بھی ایک دوسرے کو آگے کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ دونوں کو ایک دوسرے کی فہم و فراست پر مکمل اعتماد تھا۔ پیغمبر نبی سادہ کی مگر ماکرم بحث کا پتہ چلا تو فاروق اعظمؓ نے وہاں پہنچتے پہنچتے ایک نہایت مدلل و خوبصورت تقریر ذہن میں تیار کر لی لیکن جب حضرت ابو بکر صدیقؓ رضی اللہ عنہ نے تقریر کا ارادہ کیا تو اپنی تقریر سے دستبردار ہو گئے اور ان کی تقریر کو اپنی تقریر سے راہ بہتر قرار دیا<sup>(۳)</sup>۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فاروق اعظمؓ کی یہ خواہش کہیں تھی کہ خود آگے آئیں اور اپنی اہلیت ثابت کریں اور اس سیاسی صورت حال کو اپنے لئے ہموار کریں بلکہ وہ یہ چاہتے تھے کہ صدیق اکبرؓ کی کھالفت کا منصب سونپ جائے۔ اس طرح حضرت ابو بکرؓ نے بھی خوبصورت تقریر کرنے کے بعد حضرت عمرؓ حضرت ابو عبیدہؓ کا نام پیش کیا<sup>(۴)</sup> تاکہ اس منصب پر انہیں فائز کیا جائے اور وفات کے وقت بھی ان کی یہی حسرت تھی کہ ”کاش اس موقع پر یہ دمہ داری میں انہیں کے حوالے کر دیتا اور خود ان کے در پر دمیر کے طور پر کام کرتا“<sup>(۵)</sup>۔ اور حضرت عمر فاروقؓ کا یہ عالم تھا کہ جب حضرت ابو بکرؓ نے ان کا نام پیش کیا تو فوراً فرمایا ”کیا آپ کے ہوتے ہوئے کسی شخص کیلئے یہ زیبا ہے کہ آپ کو اس مقام سے ہٹائے جس پر آپ کو رسول اللہ ﷺ نے کھڑا کیا ہے۔ اس لئے ہاتھ بڑھائیے۔“ اسہوں نے ہاتھ بڑھایا تو حضرت عمرؓ نے اور اہیت کر لیں<sup>(۶)</sup>۔

(۱) مسند احمد (۲) مسند ۲ صفحہ ۹۹۲ (۳) مسند ۲ صفحہ ۳۲۰ (۴) مسند ۲ صفحہ ۳۲۰ (۵) مسند ۲ صفحہ ۳۲۷ (۶) مسند ۲ صفحہ ۳۲۷

فاروق اعظم فرمایا کرتے تھے کہ "ابوبکرؓ کی پوری تقریر میں بس یہی بات مجھے ناپسند ہوئی کہ انہوں نے خلافت کے بارے میں میرا نام تجویز کیا کیونکہ مجھے اپنی گردن کاہر دیا جاتا اس سے زیادہ محبوب تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کو اس مقام سے ہٹاؤں جس پر رسول اللہ ﷺ نے انہیں مقرر کیا تھا" (۱)۔ "اس قسم مصدقہ واقعات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دونوں مربی اعظم ﷺ کے حسن تربیت کا بہترین شاہکار تھے۔ دونوں اپنی مختلف خصوصیات مزاج طہائع اور ذوق مصاحبت کے باوجود ایک جاں دو قالب تھے۔ ان کا مقابلہ و مسابقت بھی مٹان تھا اور تعاون و اشتراک بھی ایک دوسرے کیسے خلوص و محبت اور یار و قربانی کا پیکر تھے۔ باہمی مشاورت، اعتماد، ہمدردی اور تعاون کی جو درخشندہ روایات انہوں نے پھوڑی ہیں وہ تاقیامت مسلمانوں کیسے باہمی تعلقات کے بہترین نمونے کے طور پر زندہ رہیں گی۔ اختلاف رائے رکھنے، سننے، برداشت کرنے، دلیل کی بنیاد پر قبول کرنے، فیصلے کے بعد مل جل کر اس پر ڈٹ جانے اور اسے نافذ کر دینے کی جو عادات انہوں نے اختیار کیں وہ آج مسلم معاشرہ کو رواداری کا پیغام دے رہی ہیں اور مختلف فرقوں اور گروہوں کیسے حدود کار کا تعین کر رہی ہیں۔ جو عقل سے مراد یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا "دونوں ہدایت کے امام، راستہ پانے والے، راستہ بتانے والے، صلاح کرنے والے اور کامیابی تک پہنچنے والے تھے جو دنیا سے اس طرح رخصت ہوئے کہ شکم سیر نہ تھے" (۲)۔"

## حضرت ابوبکرؓ کا انتخاب

رسول اکرم ﷺ کی وفات نے صحابہ کرامؓ کو غمگین کر دیا (۳)۔ انہیں کچھ نہیں سمجھ آ رہا تھا کہ وہ تنہا بڑے سائے کو کس طرح حقیقت سمجھ کر برداشت کریں۔ حضرت عمرؓ کا یہ عالم تھا کہ مجمع عام میں کھڑے ہو کر یہ کہہ رہے تھے "خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ کی وفات نہیں ہوئی۔" ان کا ہنقوں ہے کہ "میرا دل اس کے سوا کسی بات کیسے تیار نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ آنحضور ﷺ کو دوبارہ مبعوث فرمائیں گے اور اس لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیں گے (جو ایک باتیں کہہ رہے ہیں) (۴)۔" ان کا یہ خیال تھا کہ وفات کی باتیں منافقین کہہ رہے ہیں، حالانکہ آنحضور ﷺ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح چالیس راتیں الگ رہنے کے بعد واپس پیٹ آئیں گے (۵)۔" اسی اثنا میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے جو مدینے کے واد میں واقع ایک مقام مسخ میں قیام پذیر تھے، آکر حضور ﷺ کی نفش مبارک کو کھول کر بوسہ دیا اور کہا "میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ زندگی میں پاکیزہ تھے اور وفات کے بعد بھی اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ آپ پر دو اموات ہرگز طاری نہیں کرے گا۔" اس کے بعد آپ باہر آئے جہاں حضرت عمرؓ تھیں کھا کھا کر کہہ رہے تھے کہ آنحضور ﷺ کی وفات نہیں ہوئی۔ فرمایا "اے قسم کھانے والے عجلت مت کرو، پھر تقریر شروع کی۔ حضرت عمرؓ بیٹھ گئے اور حضرت ابوبکرؓ نے قرآنی آیات کے حوالے سے یہ واضح کیا کہ آپ وفات پا چکے ہیں (۶)۔" صحابہ کرامؓ کو جب یقین ہو گیا تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور حضرت عمرؓ بہ ہوش ہو کر گر پڑے (۷)۔ اس نے کہ وہ ذہنی طور پر اتنے بڑے حادثے کو سنبھلنے کیلئے بالکل تیار نہیں تھے۔ اس موقع پر آپ کا رد عمل بڑا عجیب و غریب و فراست کے برعکس نظر آتا ہے۔ اس سے "آنحضور ﷺ کی ذات سے آپ کے گہرے جذباتی تعلق کی نشاندہی ہوتی ہے۔ یہ دراصل اس پیدا ہونے والے عظیم ترین خلاء کے احساس کا نتیجہ تھا جو نبی

(۱) حشام، ۲۱، شبیہ ۴، ۵۶۶، بلادری، ۲، ۵۸۴ (۲) سعد، ۳، ۱۱ (۳) تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے، ۵۹۵، ۶ (۴) بحاری، ۱۹۴، ۲، طبری، ۲۰۳، ۲

(۵) حشام، ۳۰، ۵، طبری، ۲۰، ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰



ارم علیہ السلام کی وفات کے نتیجے میں پیدا ہوا۔ آپ نے ان ممکنہ خطرات و نقصانات کو زیادہ شدت سے محسوس کیا جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چھڑنے کی صورت میں اسلام، اسلامی ریاست اور امت مسلمہ کو گھیرنے والے تھے۔ بہر حال وہ انسان تھے ان سے غلطی کا صدور ہونا کوئی غیر معمولی بات نہیں۔ اس سے آپ کی اجتہادی بصیرت پر کوئی حرف نہیں آتا۔ اس لئے کہ کوئی مجتہد بھی معصوم من الخطا نہیں ہوتا۔ حضرت عمرؓ کی اس مثال سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ بقول عمرؓ تلمسانی "حضرت عمرؓ بہترین نمونہ اور تربیت کی اعلیٰ مثال تھے۔ انسان ہونے کی حیثیت سے ان سے غلطیاں اور کوتاہیاں بھی ہوئیں مگر وہ غلطی پر اصرار کرنے کے بجائے کھلے عام اس کا اعتراف کر لیتے اور فوراً اصلاح احوال کی فکر کرتے تھے۔ اپنی غلطی کو چھپانے کے بجائے کھلے عام اس کا اعتراف اور اپنے موقف سے رجوع ان کا طریقہ تھا" (۱)۔ چنانچہ اس معاملے میں بھی ایسا ہی ہوا اگلے روز حضرت ابو بکرؓ کی بیعت عامہ سے پہلے مجمع عام میں انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا (۲)۔ یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس موقف و تقریر کو بھی مسلمانوں کی خیر و بھلائی کا ذریعہ بنادیا۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وفات ہوئی پر حضرت عمرؓ اور حضرت ابو بکرؓ کی تقاریر کے بارے میں فرماتی ہیں کہ "دونوں تقاریر نے فائدہ پہنچا کیونکہ ان میں منافق بھی تھے۔" حضرت عمرؓ کے دھمکانے کے ذریعے سے اللہ نے انہیں (نقصان پہنچانے سے) باز رکھا (۳)۔

بہر حال جب عالم ہوش میں آئے تو آپ کی بصیرت و فراست پورے طور پر بھل ہو چکی تھی جذباتی کیفیت کا اثر زائل ہو چکا تھا۔ اب انہوں نے گرد و پیش کے حالات کو حقائق کی کسوٹی پر پرکھنا شروع کیا۔ ان کے نزدیک سب سے اہم سوال اب اسلام کے مستقبل کا تھا جو اس نوزائیدہ ریاست کے ساتھ وابستہ تھا جس کی بنیاد سرور کو نین صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی تھی۔ یہ پورے کرہ ارض پر وہ واحد سر زمین تھی جہاں خدا کی حاکمیت کا اعلان کیا جا چکا تھا۔ جہاں بطور نظام زندگی اسلام کے شرائط و درجات جلوہ فگن ہونا شروع ہو چکے تھے جو دشمنان اسلام کی آنکھوں میں ٹپکتے ہوئے کانٹے کی طرح تھے۔ سرحدوں پر اس وقت کی سپر پاور روم کے ساتھ چھیڑ چھاڑ شروع ہو چکی تھی مدینہ میں منافقین کی ریشہ دوانیاں جاری تھیں یمن کی طرف بھڑکنے نبوت کے دعویدار اسود عسی نے گمراہی کا علم تھم لیا تھا۔ ادھر مہاجرین و انصار کے مابین سیاسی اختلاف موجود تھا جو کسی وقت خطرناک شکل اختیار کر سکتا تھا۔ ایسے عالم میں انہوں نے یہ محسوس کیا کہ نجات کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ فوری طور پر خلیفہ کا انتخاب عمل میں آجائے تاکہ ان تمام خطرات پر قابو پانا آسان ہو جائے۔ اس سلسلے میں ان کی فکر مندی کا یہ حال تھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تجویز و تنگیس کے کام میں ہاتھ بٹاتا بھی انہیں بھول گیا۔ ان کے دہن میں یہ بات راسخ ہو گئی کہ خلیفہ کے بغیر ایک لمحہ گزارنا بھی درست نہیں فوراً حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ کے پاس پہنچے اور کہا "ہاتھ بڑھائیے کہ میں بیعت کروں لسان نبوت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو امین الامت فرمادیا ہے۔" حضرت عمرؓ کی یہ بات سن کر حضرت ابو عبیدہ دم بخور ہو گئے اور حضرت عمرؓ کی طرح اس مسئلے کی اہمیت انہوں نے بھی محسوس کر لی لیکن ان کی رائے سے مطمئن نہ ہوئے۔ انہیں غور سے دیکھا اور کہا "جب سے تم مسلمان ہوئے ہو ایک بے وقوفی کی بات میں نے تمہاری زبان سے نہیں سنی۔ کیا تم مجھ سے بیعت کر دو گے جب کہ تم میں ثانی امین صدیق جیسی شخصیت موجود ہے" (۴)۔

ابھی یہ دونوں اس اہم مسئلے پر تبادلہ خیال کر رہے تھے کہ خبر ملی کہ انصار عقیدہ بنی ساعدہ میں جمع ہو کر خلافت کے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کی امامت انہیں ملے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ تیزی سے چلے اور حضرت ابو بکرؓ کو بلانے کیلئے ایک آدمی حضرت عائشہؓ کے گھر بھیجا جسے حضرت ابو بکرؓ نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ میں مصروف ہوں لیکن حضرت عمرؓ نے محسوس کیا کہ مسلمانوں کا مسئلہ ہر مصدر دیت پر مقدم ہے چاہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجویز

(۱) تلمسانی ۴۵ (۲) هشام ۲۰۸/۲ (۳) بخاری ۱۹۵/۲ (۴) بلاذری ۵۷۹/۲ سعد ۱۸۱/۳۔

و تحقیق ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے انہوں نے آدمی کے ہاتھ دوبارہ پیغمبر بھیجا ”ایک نہایت اہم مسئلہ درپیش ہے، اس میں آپ کا ہونا شد ضروری ہے“ (۱)۔ حضرت ابو بکرؓ یہ کہتے ہوئے گھر سے نکلے ”اسی کیا بات پیش آگئی جو رسول اللہ ﷺ کی تجویز و تحقیق سے بھی اہم ہے؟“ حضرت عمرؓ نے جواب دیا ”آپ کو نہیں معلوم کہ انصار سقیہ ہنسی ساعدہ میں جمع ہیں اور سعد بن عبادہ کو مسلمانوں کا امیر بنانا چاہتے ہیں۔“ جو بات وہاں سب سے زیادہ پسند کی جا رہی ہے وہ یہ ہے کہ ایک امیر انصار میں سے ہو اور ایک مہاجرین میں سے (۲)۔ حضرت ابو بکرؓ نے معاملے کی نزاکت کو محسوس فرمایا اور ان دونوں حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہ کے ساتھ تیزی سے سقیہ ہنسی ساعدہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ بقول حضرت عمرؓ راستے میں انصار کے دو صالح آدمی معن بن عدی اور عوف بن ساعدہ ملے اور انہوں نے بتایا کہ انصار کسی معاملے میں متفق ہو گئے ہیں۔ ان دونوں نے کہا کہ ”اے گروہ مہاجرین کہ ہر کار لادہ ہے۔“ ہم نے بتایا کہ ”انصاری بھائیوں سے ملنے نکلے ہیں۔“ انہوں نے کہا ”نہیں، نہیں اے گروہ مہاجرین! تم انصار کے پاس نہ جلا اپنے معاملات کا خود فیصلہ کر لو۔“ مگر میں نے کہا ”خدا کی قسم! ہم اس سے ضرور ملیں گے (۳)۔“

حضرت عمرؓ کی یہ رائے بہت صائب ہے اور ان کے شورائی طرز فکر کی نمائندہ بھی۔ انہوں نے بجا طور پر یہ سمجھ کر خلافت کا اہم اور تازک مسئلہ الگ بیٹھ کر حل نہیں ہو سکتا اس کیلئے ضروری ہے کہ جہاں بحث و تحقیق ہو رہی ہے وہیں پر ہی دلائل و براہین کی قوت سے اسے طے کیا جائے تاکہ مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق میں کوئی رخنہ پیدا نہ ہو۔ ان کے نزدیک سیاسی مسئلے کو طے کرنے کا واحد طریقہ بات چیت ہی تھی۔ اس لئے انہوں نے عین مجمع میں جا کر دوسروں کے موقف کو سننے اور سمجھنے اور اپنے موقف کو پیش کرنے کو ترجیح دی وہاں تک پہنچتے پہنچتے ذہن میں ایک مدلل تقریر کے نکات سوچ لئے۔ ان کا اپنا بیانیہ ہے کہ ”جب ہم سقیہ ہنسی ساعدہ پہنچے تو وہاں دیکھا کہ ایک شخص چادر میں لپٹا ہوا بیٹھا ہے۔“ میں نے پوچھا ”یہ کون ہے؟“ لوگوں نے بتایا کہ یہ سعد بن عبادہ ہیں۔ میں نے پوچھا ”انہیں کیا ہوا؟“ لوگوں نے کہا کہ یہ بیمار ہیں۔ پھر جب ہم لوگ بیٹھ گئے تو ان کے حطیب نے کھڑے ہو کر توحید و رسالت کی شہادت دی اور اللہ تعالیٰ کے شایان شان حمد و ثناء کی پھر کہنا شروع کیا ”ابا بعد ہم اللہ کے انصار اور اسلام کے شکر ہیں اور اے گروہ مہاجرین تم ہمیں سے یک گروہ ہو اور تمہاری قوم کی ایک جماعت چل کر ہمارے پاس آئی، لیکن دیکھتے کیا ہیں کہ اب ان کا ارادہ ہے کہ ہماری اصل سے کٹ کر لگ ہو جائیں اور ہم سے امارت غصب کر لیں (۴)۔ پھر جب ان کا حطیب خاموش ہو گیا تو میں نے چاہا کہ جواب دوں۔ میں نے بخدا ایسا صرف اس لئے کیا کہ میں نے اپنے دس میں ایک ایسی تقریر تیار کر لی تھی جو خود مجھے بہت پسند تھی، لیکن پھر بھی مجھے یہ ڈر تھا کہ ابو بکرؓ کی برابری نہیں ہو سکے گی (۵)۔ میں نے ارادہ کیا کہ اے ابو بکرؓ کے سامنے پیش کر دوں۔ میں ان کے معاملے میں اپنی تیزی کو کم کر کے ان کی مہارت کیا کرتا تھا۔ ابو بکرؓ نے کہا ”عمرؓ سہولت سے کام

و مخالفین ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے انہوں نے آدمی کے ہاتھ دوبارہ پیغام بھیجا ”ایک نہایت اہم مسئلہ درپیش ہے اور اس میں آپ کا ہونا شد ضروری ہے“ (۱)۔ حضرت ابو بکرؓ یہ کہتے ہوئے گھر سے نکلے۔ ”یہی کیا بات پیش کی جی جو رسول اللہ ﷺ کی تجویز و سفین سے بھی اہم ہے؟“ حضرت عمرؓ نے جواب دیا ”آپ کو نہیں معلوم کہ انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہیں اور سعد بن عبادہ کو مسلمانوں کا امیر بنانا چاہتے ہیں۔“ جو بات وہاں سب سے زیادہ پسند کی جا رہی ہے وہ یہ ہے کہ ایک امیر انصار میں سے ہو اور ایک مہاجرین میں سے (۲)۔ حضرت ابو بکرؓ نے معاملے کی نزاکت کو محسوس فرمایا اور ان دونوں حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ کے ساتھ تیزی سے سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ بقول حضرت عمرؓ ”میں انصار کے دو صالح آدمی معن بن عدی اور عویم بن سعدہ بنے اور انہوں نے بتایا کہ انصار کسی معاملے میں متفق ہو گئے ہیں۔ ان دونوں نے کہا کہ ”اے گروہ مہاجرین کہ ہر کارادہ ہے۔“ ہم نے بتایا کہ ”انصار کی بھائیوں سے ملنے نکلے ہیں۔“ انہوں نے کہا ”نہیں نہیں اے گروہ مہاجرین! تم انصار کے پاس نہ جاؤ اپنے معاملات کا خود فیصلہ کرو۔“ مگر میں نے کہا ”خدا کی قسم! ہم ان سے ضرور ملیں گے (۳)۔“

حضرت عمرؓ کی یہ رائے بہت صائب ہے ورنہ ان کے شورائی طرز فکر کی نمائندہ بھی۔ انہوں نے بجا طور پر یہ سمجھا کہ حلف کا اہم دور نازک مسئلہ لگ بیٹھ کر حل نہیں ہو سکتا اس کیلئے ضروری ہے کہ جہاں بحث و تحقیق ہو رہی ہے وہیں پر ہی دل نکل و براہین کی قوت سے اسے طے کیا جائے تاکہ مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق میں کوئی رخنہ پیدا نہ ہو۔ ان کے نزدیک سیاسی مسائل کو طے کرنے کا واحد طریقہ بات چیت ہی تھی۔ اس لئے انہوں نے عین مجمع میں جا کر دوسروں کے موقف کو سننے اور سمجھنے اور اپنے موقف کو پیش کرنے کو ترجیح دی وہاں تک پہنچتے پہنچتے ذہن میں یک مدلل تقریر کے نکات سوچ لئے۔ ان کا پتہ بیان ہے کہ ”جب ہم سقیفہ بنی ساعدہ پہنچے تو وہاں دیکھا کہ ایک شخص چادر میں لپٹا ہوا بیٹھا ہے۔“ میں نے پوچھا ”یہ کون ہے؟“ لوگوں نے بتایا کہ یہ سعد بن عبادہ ہیں۔ میں نے پوچھا ”نہیں کیا ہوا؟“ لوگوں نے کہا کہ یہ بیمار ہیں۔ پھر جب ہم لوگ بیٹھ گئے تو ان کے خطیب نے کھڑے ہو کر توحید و رسالت کی شہادت دی و اللہ تعالیٰ کے شایان شان حمد و ثناء کی پھر کہا شروع کیا ”اے بعد ہم اللہ کے انصار اور اسلام کے لشکر ہیں اور اے گروہ مہاجرین تم ہمیں میں سے ایک گروہ ہو اور تمہاری قوم کی ایک جماعت چل کر ہمارے پاس آئی لیکن دیکھتے کیا ہیں کہ اب ن کارادہ ہے کہ ہماری صل سے کٹ کر الگ ہو جائیں اور ہم سے امارت غصب کریں (۴)۔ پھر جب اس کا خطیب خاموش ہو گیا تو میں نے چاہا کہ جو ب دوں۔ میں نے بعد ایسا صرف اس لئے کیا کہ میں نے اپنے دل میں ایک ایسی تقریر تیار کر لی تھی جو خود مجھے بہت پسند تھی لیکن پھر بھی مجھے یہ ڈر تھا کہ ابو بکرؓ کی برتری نہیں ہو سکے گی (۵)۔ میں نے ارادہ کیا کہ اسے ابو بکرؓ کے سامنے پیش کروں۔ میں ان کے معاملے میں اپنی تیزی کو کم کر کے ن کی مدارت کیا کرتا تھا۔ ابو بکرؓ نے کہا ”عمرؓ سہولت سے کام لو۔“ میں نے پسند نہ کیا کہ ن سے ناراضی کا اظہار کروں بہر حال ابو بکرؓ مجھ سے زیادہ صاحب علم اور باوقار آدمی تھے۔ انہوں نے تقریر شروع کی تو خدا کی قسم کوئی ایسا کلمہ نہ چھوڑا جو میں نے اپنے دس میں خوب سنوار کر تیار کیا ہو اور مجھے پسند آیا ہو جسے انہوں نے اسی کلمے جیسا یا اس سے بھی زیادہ فصیح کلمہ فی البدیہہ نہ کیا ہو (۶)۔“ حضرت ابو بکرؓ نے اپنی تقریر میں انصار کی خدمات کی تعریف کی ورنہ سب ہو گا کہ میر ہم ہوں اور تم وزیر ہر معاملے میں تم سے مشورہ لیا جائے گا اور تمہارے اتفاق رائے کے بغیر ہم کوئی کام نہیں کریں گے (۷)۔ اس تقریر نے چھانڑ چھوڑا لیکن حضرت حباب بن المنذرؓ نے انصار کو پھر بھڑکانا شروع کر دیا اور انہیں کچھ دیر قبل کیا گیا وہ فیصلہ یاد دلایا کہ ایک امیر ہم میں ہو گا اور ایک مہاجرین میں سے۔ یہ سن

(۱) ابراہیم: ۲۲۲ (۲) یہ: ۲۲۲ (۳) مسلم: ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲،

کہ حضرت عمرؓ کا موش نہ روئے ضبط کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا اور بول اٹھے ”ہاں ایک وقت میں دو امیر جمع نہیں ہو سکتے خدا کی قسم اعراب تمہاری سیاست پر گزرتیم نہیں کریں گے جبکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تم میں سے نہیں تھے۔ وہ تو انہی کو اپنا امیر مانیں گے جن میں نبوت تھی۔ اس روشن دلیل اور اس نمایاں اقتدار سے جو کوئی انکار کرے گا ہم اس سے لڑیں گے۔ ہم محمد ﷺ کے عزیز و اقارب میں ہیں جو کوئی امارت و اقتدار کے مسئلے پر ہم سے جھگڑا کرے گا وہ باطل کی طرف بے جا نہ والا گناہ کی طرف ڈھلنے والا اور ہلاکت کی دلدل میں پھنسنے والا ہو گا۔“ اس کے جواب میں جناب نے انصار سے مطالبہ کیا کہ مہاجرین کو مدینہ سے نکال دیں یا ان پر حکومت کریں۔ اس کے بعد ان تینوں نے مہاجرین سے خطاب کر کے کہا ”خدا کی قسم اگر تم چاہو تو ہم تمہیں اب بھی نکال باہر کریں۔“ حضرت عمرؓ نے چیخ کر کہا ”تو پھر اللہ تمہیں ہلاک کر دے گا۔“ جناب نے ترکی بہ ترکی جواب دیا ”میں تمہیں ہلاک کرے گا“۔ ان جملوں نے جذبات میں طوفان برپا کر دیا۔ فوراً حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ نے مداخلت کی اور اہل مدینہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا ”اے گروہ انصار! تم نے حمایت و نصرت میں سبقت کی تھی اب تو پھوڑ میں پھل نہ کرو“ (۲)۔

حضرت ابو عبیدہؓ کی اس بات نے دونوں کا خوش ٹھنڈا کر دیا اور لوگوں میں بحث مباحثہ پھر شروع ہو گیا۔ بشیر بن سعد قبیلہ خزرج کے ایک ممتاز فرد تھے۔ وہ مہاجرین کے ہم نوا ہو گئے جس سے انصار کے اتحاد میں رخنہ پڑ گیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے اسی وقت اندازہ کر لیا کہ راستہ ہموار ہو گیا ہے اور یہ لمحہ فضل ہے چنانچہ انہوں نے انصار کو فرقہ بندی سے بچنے اور جماعت کی طرف آنے کی دعوت دی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ کا ہاتھ پکڑ کر بلند آواز سے فرمایا ”یہ عمرؓ ہیں اور یہ ابو عبیدہؓ ان میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو بیعت کرو“ (۳)۔ حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ لوگوں میں اختلاف پایا جاتا ہے اسے جڑ پکڑنے کی مہمت نہیں دینی چاہئے وہ اٹھے اور اپنی پاٹ دار آواز میں فرمایا ”ابو بکرؓ اپنا ہاتھ بڑھائیے۔“ حضرت ابو بکرؓ نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا اور حضرت عمرؓ نے یہ کہتے ہوئے بیعت کر لی ”ابو بکرؓ یہ رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم نہیں دیا تھا کہ آپ مسلمانوں کو نماز پڑھائیے۔ آپ علیہ السلام رسول ہیں اور ہم آپ کے ہاتھ پر اس لئے بیعت کر رہے ہیں کہ آپ ہم سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کو محبوب تھے“ (۴)۔ اس کے بعد بقول حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ”عمرؓ لوگوں سے مخاطب ہوئے اور کہا ”اے گروہ انصار کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو بکرؓ کو حکم دیا کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں؟“ انہوں نے جواب دیا ”کیوں نہیں۔“ حضرت عمرؓ نے کہا کہ ”پھر تم میں سے کس کا دل خوش ہو گا کہ وہ ابو بکرؓ سے آگے ہوں“ (۵)۔

حضرت عمرؓ کے اس بروقت اقدام کا نتیجہ یہ نکلا کہ خلافت جیسا اہم مسئلہ طے ہو گیا۔ اختلاف و انتشار کا سارا ماحول مٹ گیا۔ حضرت عبداللہ بن عبد الرحمن سے مروی ہے کہ لوگ اب ہر طرف سے آکر حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کرنے لگے۔ قریب تھا کہ وہ حضرت سعد بن عبادہؓ کو روند ڈالتے اس پر ان کے کسی آدمی نے کہا کہ سعد کو پیادوں کو روند دو۔ حضرت عمرؓ نے کہا ”اللہ اسے ہلاک کرے اس کو قتل کر دو“ (۶)۔ حضرت عمرؓ نے اندازہ کر لیا کہ رنے کا مدد اب ان کے ساتھ ہو گئی ہے اب سعد کے خلاف سخت رویہ اپنانا ضروری ہے تاکہ کسی قسم کے رخنہ پڑنے کا امکان نہ رہے وہ جانتے تھے کہ یہ معاملہ انہیں کی وجہ سے پیچیدہ ہو گیا تھا اب پھر کہیں بھڑانہ پیدا ہو چنانچہ وہ ان کے سرہانے پہنچ گئے اور کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تم کو روہ کر ہلاک کر دوں۔ اس پر حضرت سعدؓ نے اس کی دائرگی پکڑی حضرت عمرؓ نے کہا ”چھوڑو اگر اس کا ایک بال بھی بیکار ہو تو تمہارے منہ میں ایک دانت بھی نہ رہے گا۔“ حضرت ابو بکرؓ نے مداخلت کی اور کہا: ”عمرؓ کا موش نہ ہو“

(۱) طبری، ۱/۱۶۹، ۱/۱۷۰، ۱/۱۷۱، ۱/۱۷۲، ۱/۱۷۳، ۱/۱۷۴، ۱/۱۷۵، ۱/۱۷۶، ۱/۱۷۷، ۱/۱۷۸، ۱/۱۷۹، ۱/۱۸۰، ۱/۱۸۱، ۱/۱۸۲، ۱/۱۸۳، ۱/۱۸۴، ۱/۱۸۵، ۱/۱۸۶، ۱/۱۸۷، ۱/۱۸۸، ۱/۱۸۹، ۱/۱۹۰، ۱/۱۹۱، ۱/۱۹۲، ۱/۱۹۳، ۱/۱۹۴، ۱/۱۹۵، ۱/۱۹۶، ۱/۱۹۷، ۱/۱۹۸، ۱/۱۹۹، ۱/۲۰۰، ۱/۲۰۱، ۱/۲۰۲، ۱/۲۰۳، ۱/۲۰۴، ۱/۲۰۵، ۱/۲۰۶، ۱/۲۰۷، ۱/۲۰۸، ۱/۲۰۹، ۱/۲۱۰، ۱/۲۱۱، ۱/۲۱۲، ۱/۲۱۳، ۱/۲۱۴، ۱/۲۱۵، ۱/۲۱۶، ۱/۲۱۷، ۱/۲۱۸، ۱/۲۱۹، ۱/۲۲۰، ۱/۲۲۱، ۱/۲۲۲، ۱/۲۲۳، ۱/۲۲۴، ۱/۲۲۵، ۱/۲۲۶، ۱/۲۲۷، ۱/۲۲۸، ۱/۲۲۹، ۱/۲۳۰، ۱/۲۳۱، ۱/۲۳۲، ۱/۲۳۳، ۱/۲۳۴، ۱/۲۳۵، ۱/۲۳۶، ۱/۲۳۷، ۱/۲۳۸، ۱/۲۳۹، ۱/۲۴۰، ۱/۲۴۱، ۱/۲۴۲، ۱/۲۴۳، ۱/۲۴۴، ۱/۲۴۵، ۱/۲۴۶، ۱/۲۴۷، ۱/۲۴۸، ۱/۲۴۹، ۱/۲۵۰، ۱/۲۵۱، ۱/۲۵۲، ۱/۲۵۳، ۱/۲۵۴، ۱/۲۵۵، ۱/۲۵۶، ۱/۲۵۷، ۱/۲۵۸، ۱/۲۵۹، ۱/۲۶۰، ۱/۲۶۱، ۱/۲۶۲، ۱/۲۶۳، ۱/۲۶۴، ۱/۲۶۵، ۱/۲۶۶، ۱/۲۶۷، ۱/۲۶۸، ۱/۲۶۹، ۱/۲۷۰، ۱/۲۷۱، ۱/۲۷۲، ۱/۲۷۳، ۱/۲۷۴، ۱/۲۷۵، ۱/۲۷۶، ۱/۲۷۷، ۱/۲۷۸، ۱/۲۷۹، ۱/۲۸۰، ۱/۲۸۱، ۱/۲۸۲، ۱/۲۸۳، ۱/۲۸۴، ۱/۲۸۵، ۱/۲۸۶، ۱/۲۸۷، ۱/۲۸۸، ۱/۲۸۹، ۱/۲۹۰، ۱/۲۹۱، ۱/۲۹۲، ۱/۲۹۳، ۱/۲۹۴، ۱/۲۹۵، ۱/۲۹۶، ۱/۲۹۷، ۱/۲۹۸، ۱/۲۹۹، ۱/۳۰۰، ۱/۳۰۱، ۱/۳۰۲، ۱/۳۰۳، ۱/۳۰۴، ۱/۳۰۵، ۱/۳۰۶، ۱/۳۰۷، ۱/۳۰۸، ۱/۳۰۹، ۱/۳۱۰، ۱/۳۱۱، ۱/۳۱۲، ۱/۳۱۳، ۱/۳۱۴، ۱/۳۱۵، ۱/۳۱۶، ۱/۳۱۷، ۱/۳۱۸، ۱/۳۱۹، ۱/۳۲۰، ۱/۳۲۱، ۱/۳۲۲، ۱/۳۲۳، ۱/۳۲۴، ۱/۳۲۵، ۱/۳۲۶، ۱/۳۲۷، ۱/۳۲۸، ۱/۳۲۹، ۱/۳۳۰، ۱/۳۳۱، ۱/۳۳۲، ۱/۳۳۳، ۱/۳۳۴، ۱/۳۳۵، ۱/۳۳۶، ۱/۳۳۷، ۱/۳۳۸، ۱/۳۳۹، ۱/۳۴۰، ۱/۳۴۱، ۱/۳۴۲، ۱/۳۴۳، ۱/۳۴۴، ۱/۳۴۵، ۱/۳۴۶، ۱/۳۴۷، ۱/۳۴۸، ۱/۳۴۹، ۱/۳۵۰، ۱/۳۵۱، ۱/۳۵۲، ۱/۳۵۳، ۱/۳۵۴، ۱/۳۵۵، ۱/۳۵۶، ۱/۳۵۷، ۱/۳۵۸، ۱/۳۵۹، ۱/۳۶۰، ۱/۳۶۱، ۱/۳۶۲، ۱/۳۶۳، ۱/۳۶۴، ۱/۳۶۵، ۱/۳۶۶، ۱/۳۶۷، ۱/۳۶۸، ۱/۳۶۹، ۱/۳۷۰، ۱/۳۷۱، ۱/۳۷۲، ۱/۳۷۳، ۱/۳۷۴، ۱/۳۷۵، ۱/۳۷۶، ۱/۳۷۷، ۱/۳۷۸، ۱/۳۷۹، ۱/۳۸۰، ۱/۳۸۱، ۱/۳۸۲، ۱/۳۸۳، ۱/۳۸۴، ۱/۳۸۵، ۱/۳۸۶، ۱/۳۸۷، ۱/۳۸۸، ۱/۳۸۹، ۱/۳۹۰، ۱/۳۹۱، ۱/۳۹۲، ۱/۳۹۳، ۱/۳۹۴، ۱/۳۹۵، ۱/۳۹۶، ۱/۳۹۷، ۱/۳۹۸، ۱/۳۹۹، ۱/۴۰۰، ۱/۴۰۱، ۱/۴۰۲، ۱/۴۰۳، ۱/۴۰۴، ۱/۴۰۵، ۱/۴۰۶، ۱/۴۰۷، ۱/۴۰۸، ۱/۴۰۹، ۱/۴۱۰، ۱/۴۱۱، ۱/۴۱۲، ۱/۴۱۳، ۱/۴۱۴، ۱/۴۱۵، ۱/۴۱۶، ۱/۴۱۷، ۱/۴۱۸، ۱/۴۱۹، ۱/۴۲۰، ۱/۴۲۱، ۱/۴۲۲، ۱/۴۲۳، ۱/۴۲۴، ۱/۴۲۵، ۱/۴۲۶، ۱/۴۲۷، ۱/۴۲۸، ۱/۴۲۹، ۱/۴۳۰، ۱/۴۳۱، ۱/۴۳۲، ۱/۴۳۳، ۱/۴۳۴، ۱/۴۳۵، ۱/۴۳۶، ۱/۴۳۷، ۱/۴۳۸، ۱/۴۳۹، ۱/۴۴۰، ۱/۴۴۱، ۱/۴۴۲، ۱/۴۴۳، ۱/۴۴۴، ۱/۴۴۵، ۱/۴۴۶، ۱/۴۴۷، ۱/۴۴۸، ۱/۴۴۹، ۱/۴۵۰، ۱/۴۵۱، ۱/۴۵۲، ۱/۴۵۳، ۱/۴۵۴، ۱/۴۵۵، ۱/۴۵۶، ۱/۴۵۷، ۱/۴۵۸، ۱/۴۵۹، ۱/۴۶۰، ۱/۴۶۱، ۱/۴۶۲، ۱/۴۶۳، ۱/۴۶۴، ۱/۴۶۵، ۱/۴۶۶، ۱/۴۶۷، ۱/۴۶۸، ۱/۴۶۹، ۱/۴۷۰، ۱/۴۷۱، ۱/۴۷۲، ۱/۴۷۳، ۱/۴۷۴، ۱/۴۷۵، ۱/۴۷۶، ۱/۴۷۷، ۱/۴۷۸، ۱/۴۷۹، ۱/۴۸۰، ۱/۴۸۱، ۱/۴۸۲، ۱/۴۸۳، ۱/۴۸۴، ۱/۴۸۵، ۱/۴۸۶، ۱/۴۸۷، ۱/۴۸۸، ۱/۴۸۹، ۱/۴۹۰، ۱/۴۹۱، ۱/۴۹۲، ۱/۴۹۳، ۱/۴۹۴، ۱/۴۹۵، ۱/۴۹۶، ۱/۴۹۷، ۱/۴۹۸، ۱/۴۹۹، ۱/۵۰۰، ۱/۵۰۱، ۱/۵۰۲، ۱/۵۰۳، ۱/۵۰۴، ۱/۵۰۵، ۱/۵۰۶، ۱/۵۰۷، ۱/۵۰۸، ۱/۵۰۹، ۱/۵۱۰، ۱/۵۱۱، ۱/۵۱۲، ۱/۵۱۳، ۱/۵۱۴، ۱/۵۱۵، ۱/۵۱۶، ۱/۵۱۷، ۱/۵۱۸، ۱/۵۱۹، ۱/۵۲۰، ۱/۵۲۱، ۱/۵۲۲، ۱/۵۲۳، ۱/۵۲۴، ۱/۵۲۵، ۱/۵۲۶، ۱/۵۲۷، ۱/۵۲۸، ۱/۵۲۹، ۱/۵۳۰، ۱/۵۳۱، ۱/۵۳۲، ۱/۵۳۳، ۱/۵۳۴، ۱/۵۳۵، ۱/۵۳۶، ۱/۵۳۷، ۱/۵۳۸، ۱/۵۳۹، ۱/۵۴۰، ۱/۵۴۱، ۱/۵۴۲، ۱/۵۴۳، ۱/۵۴۴، ۱/۵۴۵، ۱/۵۴۶، ۱/۵۴۷، ۱/۵۴۸، ۱/۵۴۹، ۱/۵۵۰، ۱/۵۵۱، ۱/۵۵۲، ۱/۵۵۳، ۱/۵۵۴، ۱/۵۵۵، ۱/۵۵۶، ۱/۵۵۷، ۱/۵۵۸، ۱/۵۵۹، ۱/۵۶۰، ۱/۵۶۱، ۱/۵۶۲، ۱/۵۶۳، ۱/۵۶۴، ۱/۵۶۵، ۱/۵۶۶، ۱/۵۶۷، ۱/۵۶۸، ۱/۵۶۹، ۱/۵۷۰، ۱/۵۷۱، ۱/۵۷۲، ۱/۵۷۳، ۱/۵۷۴، ۱/۵۷۵، ۱/۵۷۶، ۱/۵۷۷، ۱/۵۷۸، ۱/۵۷۹، ۱/۵۸۰، ۱/۵۸۱، ۱/۵۸۲، ۱/۵۸۳، ۱/۵۸۴، ۱/۵۸۵، ۱/۵۸۶، ۱/۵۸۷، ۱/۵۸۸، ۱/۵۸۹، ۱/۵۹۰، ۱/۵۹۱، ۱/۵۹۲، ۱/۵۹۳، ۱/۵۹۴، ۱/۵۹۵، ۱/۵۹۶، ۱/۵۹۷، ۱/۵۹۸، ۱/۵۹۹، ۱/۶۰۰، ۱/۶۰۱، ۱/۶۰۲، ۱/۶۰۳، ۱/۶۰۴، ۱/۶۰۵، ۱/۶۰۶، ۱/۶۰۷، ۱/۶۰۸، ۱/۶۰۹، ۱/۶۱۰، ۱/۶۱۱، ۱/۶۱۲، ۱/۶۱۳، ۱/۶۱۴، ۱/۶۱۵، ۱/۶۱۶، ۱/۶۱۷، ۱/۶۱۸، ۱/۶۱۹، ۱/۶۲۰، ۱/۶۲۱، ۱/۶۲۲، ۱/۶۲۳، ۱/۶۲۴، ۱/۶۲۵، ۱/۶۲۶، ۱/۶۲۷، ۱/۶۲۸، ۱/۶۲۹، ۱/۶۳۰، ۱/۶۳۱، ۱/۶۳۲، ۱/۶۳۳، ۱/۶۳۴، ۱/۶۳۵، ۱/۶۳۶، ۱/۶۳۷، ۱/۶۳۸، ۱/۶۳۹، ۱/۶۴۰، ۱/۶۴۱، ۱/۶۴۲، ۱/۶۴۳، ۱/۶۴۴، ۱/۶۴۵، ۱/۶۴۶، ۱/۶۴۷، ۱/۶۴۸، ۱/۶۴۹، ۱/۶۵۰، ۱/۶۵۱، ۱/۶۵۲، ۱/۶۵۳، ۱/۶۵۴، ۱/۶۵۵، ۱/۶۵۶، ۱/۶۵۷، ۱/۶۵۸، ۱/۶۵۹، ۱/۶۶۰، ۱/۶۶۱، ۱/۶۶۲، ۱/۶۶۳، ۱/۶۶۴، ۱/۶۶۵، ۱/۶۶۶، ۱/۶۶۷، ۱/۶۶۸، ۱/۶۶۹، ۱/۶۷۰، ۱/۶۷۱، ۱/۶۷۲، ۱/۶۷۳، ۱/۶۷۴، ۱/۶۷۵، ۱/۶۷۶، ۱/۶۷۷، ۱/۶۷۸، ۱/۶۷۹، ۱/۶۸۰، ۱/۶۸۱، ۱/۶۸۲، ۱/۶۸۳، ۱/۶۸۴، ۱/۶۸۵، ۱/۶۸۶، ۱/۶۸۷، ۱/۶۸۸، ۱/۶۸۹، ۱/۶۹۰، ۱/۶۹۱، ۱/۶۹۲، ۱/۶۹۳، ۱/۶۹۴، ۱/۶۹۵، ۱/۶۹۶، ۱/۶۹۷، ۱/۶۹۸، ۱/۶۹۹، ۱/۷۰۰، ۱/۷۰۱، ۱/۷۰۲، ۱/۷۰۳، ۱/۷۰۴، ۱/۷۰۵، ۱/۷۰۶، ۱/۷۰۷، ۱/۷۰۸، ۱/۷۰۹، ۱/۷۱۰، ۱/۷۱۱، ۱/۷۱۲، ۱/۷۱۳، ۱/۷۱۴، ۱/۷۱۵، ۱/۷۱۶، ۱/۷۱۷، ۱/۷۱۸، ۱/۷۱۹، ۱/۷۲۰، ۱/۷۲۱، ۱/۷۲۲، ۱/۷۲۳، ۱/۷۲۴، ۱/۷۲۵، ۱/۷۲۶، ۱/۷۲۷، ۱/۷۲۸، ۱/۷۲۹، ۱/۷۳۰، ۱/۷۳۱، ۱/۷۳۲، ۱/۷۳۳، ۱/۷۳۴، ۱/۷۳۵، ۱/۷۳۶، ۱/۷۳۷، ۱/۷۳۸، ۱/۷۳۹، ۱/۷۴۰، ۱/۷۴۱، ۱/۷۴۲، ۱/۷۴۳، ۱/۷۴۴، ۱/۷۴۵، ۱/۷۴۶، ۱/۷۴۷، ۱/۷۴۸، ۱/۷۴۹، ۱/۷۵۰، ۱/۷۵۱، ۱/۷۵۲، ۱/۷۵۳، ۱/۷۵۴، ۱/۷۵۵، ۱/۷۵۶، ۱/۷۵۷، ۱/۷۵۸، ۱/۷۵۹، ۱/۷۶۰، ۱/۷۶۱، ۱/۷۶۲، ۱/۷۶۳، ۱/۷۶۴، ۱/۷۶۵، ۱/۷۶۶، ۱/۷۶۷، ۱/۷۶۸، ۱/۷۶۹، ۱/۷۷۰، ۱/۷۷۱، ۱/۷۷۲، ۱/۷۷۳، ۱/۷۷۴، ۱/۷۷۵، ۱/۷۷۶، ۱/۷۷۷، ۱/۷۷۸، ۱/۷۷۹، ۱/۷۸۰، ۱/۷۸۱، ۱/۷۸۲، ۱/۷۸۳، ۱/۷۸۴، ۱/۷۸۵، ۱/۷۸۶، ۱/۷۸۷، ۱/۷۸۸، ۱/۷۸۹، ۱/۷۹۰، ۱/۷۹۱، ۱/۷۹۲، ۱/۷۹۳، ۱/۷۹۴، ۱/۷۹۵، ۱/۷۹۶، ۱/۷۹۷، ۱/۷۹۸، ۱/۷۹۹، ۱/۸۰۰، ۱/۸۰۱، ۱/۸۰۲، ۱/۸۰۳، ۱/۸۰۴، ۱/۸۰۵، ۱/۸۰۶، ۱/۸۰۷، ۱/۸۰۸، ۱/۸۰۹، ۱/۸۱۰، ۱/۸۱۱، ۱/۸۱۲، ۱/۸۱۳، ۱/۸۱۴، ۱/۸۱۵، ۱/۸۱۶، ۱/۸۱۷، ۱/۸۱۸، ۱/۸۱۹، ۱/۸۲۰، ۱/۸۲۱، ۱/۸۲۲، ۱/۸۲۳، ۱/۸۲۴، ۱/۸۲۵، ۱/۸۲۶، ۱/۸۲۷، ۱/۸۲۸، ۱/۸۲۹، ۱/۸۳۰، ۱/۸۳۱، ۱/۸۳۲، ۱/۸۳۳، ۱/۸۳۴، ۱/۸۳۵، ۱/۸۳۶، ۱/۸۳۷، ۱/۸۳۸، ۱/۸۳۹، ۱/۸۴۰، ۱/۸۴۱، ۱/۸۴۲، ۱/۸۴۳، ۱/۸۴۴، ۱/۸۴۵، ۱/۸۴۶، ۱/۸۴۷، ۱/۸۴۸، ۱/۸۴۹، ۱/۸۵۰، ۱/۸۵۱، ۱/۸۵۲، ۱/۸۵۳، ۱/۸۵۴، ۱/۸۵۵، ۱/۸۵۶، ۱/۸۵۷، ۱/۸۵۸، ۱/۸۵۹، ۱/۸۶۰، ۱/۸۶۱، ۱/۸۶۲، ۱/۸۶۳، ۱/۸۶۴، ۱/۸۶۵، ۱/۸۶۶، ۱/۸۶۷، ۱/۸۶۸، ۱/۸۶۹، ۱/۸۷۰، ۱/۸۷۱، ۱/۸۷۲، ۱/۸۷۳، ۱/۸۷۴، ۱/۸۷۵، ۱/۸۷۶، ۱/۸۷۷، ۱/۸۷۸، ۱/۸۷۹، ۱/۸۸۰، ۱/۸۸۱، ۱/۸۸۲، ۱/۸۸۳، ۱/۸۸۴، ۱/۸۸۵، ۱/۸۸۶، ۱/۸۸۷، ۱/۸۸۸، ۱/۸۸۹، ۱/۸۹۰، ۱/۸۹۱، ۱/۸۹۲، ۱/۸۹۳، ۱/۸۹۴، ۱/۸۹۵، ۱/۸۹۶، ۱/۸۹۷، ۱/۸۹۸، ۱/۸۹۹، ۱/۹۰۰، ۱/۹۰۱، ۱/۹۰۲، ۱/۹۰۳، ۱/۹۰۴، ۱/۹۰۵، ۱/۹۰۶، ۱/۹۰۷، ۱/۹۰۸، ۱/۹۰۹، ۱/۹۱۰، ۱/۹۱۱، ۱/۹۱۲، ۱/۹۱۳، ۱/۹۱۴، ۱/۹۱۵، ۱/۹۱۶، ۱/۹۱۷، ۱/۹۱۸، ۱/۹۱۹، ۱/۹۲۰، ۱/۹۲۱، ۱/۹۲۲، ۱/۹۲۳، ۱/۹۲۴، ۱/۹۲۵، ۱/۹۲۶، ۱/۹۲۷، ۱/۹۲۸، ۱/۹۲۹، ۱/۹۳۰، ۱/۹۳۱، ۱/۹۳۲، ۱/۹۳۳، ۱/۹۳۴، ۱/۹۳۵، ۱/۹۳۶، ۱/۹۳۷، ۱/۹۳۸، ۱/۹۳۹، ۱/۹۴۰، ۱/۹۴۱، ۱/۹۴۲، ۱/۹۴۳، ۱/۹۴۴، ۱/۹۴۵، ۱/۹۴۶، ۱/۹۴۷، ۱/۹۴۸، ۱/۹۴۹، ۱/۹۵۰، ۱/۹۵۱، ۱/۹۵۲، ۱/۹۵۳، ۱/۹۵۴، ۱/۹۵۵، ۱/۹۵۶، ۱/۹۵۷، ۱/۹۵۸، ۱/۹۵۹، ۱/۹۶۰، ۱/۹۶۱، ۱/۹۶۲، ۱/۹۶۳، ۱/۹۶۴، ۱/۹۶۵، ۱/۹۶۶، ۱/۹۶۷، ۱/۹۶۸، ۱/۹۶۹، ۱/۹۷۰، ۱/۹۷۱، ۱/۹۷۲، ۱/۹۷۳، ۱/۹۷۴، ۱/۹۷۵، ۱/۹۷۶، ۱/۹۷۷، ۱/۹۷۸، ۱/۹۷۹، ۱/۹۸۰، ۱/۹۸۱، ۱/۹۸۲، ۱/۹۸۳، ۱/۹۸۴، ۱/۹۸۵، ۱/۹۸۶، ۱/۹۸۷، ۱/۹۸۸، ۱/۹۸۹، ۱/۹۹۰، ۱/۹۹۱، ۱/۹۹۲، ۱/۹۹۳، ۱/۹۹۴، ۱/۹۹۵، ۱/۹۹۶، ۱/۹۹۷، ۱/۹۹۸، ۱/۹۹۹، ۱/۱۰۰۰، ۱/۱۰۰۱، ۱/۱۰۰۲، ۱/۱۰۰۳، ۱/۱۰۰۴، ۱/۱۰۰۵، ۱/۱۰۰۶، ۱/۱۰۰۷، ۱/۱۰۰۸، ۱/۱۰۰۹، ۱/۱۰۱۰، ۱/۱۰۱۱، ۱/۱۰۱۲، ۱/۱۰۱۳، ۱/۱۰۱۴، ۱/۱۰۱۵، ۱/۱۰۱۶، ۱/۱۰۱۷، ۱/۱۰۱۸، ۱/۱۰۱۹، ۱/۱۰۲۰، ۱/۱۰۲۱، ۱/۱۰۲۲، ۱/۱۰۲۳، ۱/۱۰۲۴، ۱/۱۰۲۵، ۱/۱۰۲۶، ۱/۱۰۲۷، ۱/۱۰۲۸، ۱/۱۰۲۹، ۱/۱۰۳۰، ۱/۱۰۳۱، ۱/۱۰۳۲، ۱/۱۰۳۳، ۱/۱۰۳۴، ۱/۱۰۳۵، ۱/۱۰۳۶، ۱/۱۰۳۷، ۱/۱۰۳۸، ۱/۱۰۳۹، ۱/۱۰۴۰، ۱/۱۰۴۱، ۱/۱۰۴۲، ۱/۱۰۴۳، ۱/۱۰۴۴، ۱/۱۰۴۵، ۱/۱۰۴۶، ۱/۱۰۴۷، ۱/۱۰۴۸، ۱/۱۰۴۹، ۱/۱۰۵۰، ۱/۱۰۵۱، ۱/۱۰۵۲، ۱/۱۰۵۳، ۱/۱۰۵۴، ۱/۱۰۵۵، ۱/۱۰۵۶، ۱/۱۰۵۷، ۱/۱۰۵۸، ۱/۱۰۵۹، ۱/۱۰۶۰، ۱/۱۰۶۱، ۱/۱۰۶۲، ۱/۱۰۶۳، ۱/۱۰۶۴، ۱/۱۰۶۵، ۱/۱۰۶۶، ۱/۱۰۶۷، ۱/۱۰۶۸، ۱/۱۰۶۹، ۱/۱۰۷۰، ۱/۱۰۷۱، ۱/۱۰۷۲، ۱/۱۰۷۳، ۱/۱۰۷۴، ۱/۱۰۷۵، ۱/۱۰۷۶، ۱/۱۰۷۷، ۱/۱۰۷۸، ۱/۱۰۷۹، ۱/۱۰۸۰، ۱/۱۰۸۱، ۱/۱۰۸۲، ۱/۱۰۸۳، ۱/۱۰۸۴، ۱/۱۰۸۵، ۱/۱۰۸۶، ۱/۱۰۸۷، ۱/۱۰۸۸، ۱/۱۰۸۹، ۱/۱۰۹۰، ۱/۱۰۹۱، ۱/۱۰۹۲، ۱/۱۰۹۳، ۱/۱۰۹۴، ۱/۱۰۹۵، ۱/۱۰۹۶، ۱/۱۰۹۷، ۱/۱۰۹۸، ۱/۱۰۹۹، ۱/۱۱۰۰، ۱/۱۱۰۱، ۱/۱۱۰۲، ۱/۱۱۰۳، ۱/۱۱۰۴، ۱/۱۱۰۵، ۱/۱۱۰۶، ۱/۱۱۰۷، ۱/۱۱۰۸، ۱/۱۱۰۹، ۱/۱۱۱۰، ۱/۱۱۱۱، ۱/۱۱۱۲، ۱/۱۱۱۳، ۱/۱۱۱۴، ۱/۱۱۱۵، ۱/۱۱۱۶، ۱/۱۱۱۷، ۱/۱۱۱۸، ۱/۱۱۱۹، ۱/۱۱۲۰، ۱/۱۱۲۱، ۱/۱۱۲۲، ۱/۱۱۲۳، ۱/۱۱۲۴، ۱/۱۱۲۵، ۱/۱۱۲۶، ۱/۱۱۲۷، ۱/۱۱۲۸، ۱/۱۱۲۹، ۱/۱۱۳۰، ۱/۱۱۳۱، ۱/۱۱۳۲، ۱/۱۱۳۳، ۱/۱۱۳۴،

اس موقع پر نرمی برتنا زیادہ سودمند ہے۔ "چنانچہ انہوں نے پیچھا چھوڑ دیا" (۱)۔ دوسرے اہم شخص جنہوں نے انصار کو بھڑکانے میں اہم کردار ادا کیا تھا وہ حضرت حباب بن امیرؓ تھے۔ وہ کھڑے ہوئے اور کھوار نکال کر کہا "میں ابھی اس کا تعقیب کرتا ہوں" میں شیر ہوں شیر کی کھوکھ میں ہوں اور شیر کا بیٹا ہوں۔ "حضرت عمرؓ نے فوراً جھپٹ کر ان کے ہاتھ پر روک دیا۔ اس سے ان کی کھوار گر پڑی تو حضرت عمرؓ نے اسے اٹھالیا (۲)۔ یہ معاملہ انتہائی دانشمندی اور خوش اسلوبی سے طے کرنے کے بعد حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ رسول اکرم ﷺ کے حجرے کی طرف چلے گئے تاکہ تجویز و تکفین میں مدد کریں تو ان کے پہنچنے سے قبل ہی انہیں دھکیلا جا چکا تھا (۳)۔ علامہ ابن کثیر کے بقول رسول اللہ ﷺ نے سو موار کے دن وفات پائی اور اسی دن تھکید بنی ساعدہ میں حضرت ابو بکرؓ کی بیعت ہوئی اگلے دن منگل کی صبح بیعت عامہ ہوئی (۴)۔ "ابن اشیر کے بقول اسی دن اسی لئے بیعت کی گئی تاکہ کوئی ایک دن بھی بلا بیعت نہ گزرے" (۵)۔ بہر حال اگلے روز جب تمام لوگ بیعت کیلئے اکٹھے ہو گئے تو مسجد نبویؐ میں حضرت ابو بکر صدیقؓ منبر پر بیٹھ گئے اور حضرت عمر فاروقؓ کھڑے ہوئے اور اسہوں نے حضرت ابو بکرؓ سے پہلے تقریر کی۔ پہلے اللہ تعالیٰ کے شایان شان حمد و ثناء بیاں کی پھر فرمایا "لوگو! میں نے کل آپ سے ایک ایسی بات کہی تھی جو مجھے کتاب اللہ میں کہیں ملی تھی نہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی مجھے فرمائی تھی لیکن میرا ہنپایہ خیال تھا کہ حضور ﷺ ہماری رہنمائی فرماتے رہیں گے اور آخر تک ہم میں موجود رہیں گے لیکن اللہ نے اپنی وہ کتاب تم میں باقی رکھی ہے جس سے اس کے رسول ﷺ نے ہدایت پائی تھی اور اگر تم بھی اس سے وابستہ رہو گے تو اللہ اپنے رسول ﷺ کی طرح تمہیں بھی اس کے ذریعے ہدایت دیتا رہے گا۔ اللہ نے تمہاری باگ ڈور ایک ایسے شخص کے حوالے کی ہے جو تم میں سب سے بہتر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا رفیق اور دوست کا دوسرا ہے جب وہ دونوں عار میں تھے پس اٹھو اور اس کی بیعت کرو" (۶)۔ "اس طرح اسہوں نے نہ صرف یہ کہ وفات نبی ﷺ پر اپنے رد عمل پر معذرت کی اور غلطی کو تسلیم کیا بلکہ لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بھی راسخ کی کہ ایک مسلمان کی فکر و نظر اور کردار و عمل کا اصل معیار صرف کتاب و سنت ہی ہیں۔ لوگوں کو توجہ دنانے کیلئے یہی موقع سب سے زیادہ مناسب تھا۔ آخر میں انہوں نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی عظمت و استحقاق کو ایک مرتبہ پھر اجاگر کیا تاکہ لوگ خوشامدنی اور پوری یکسوئی سے بیعت کریں۔ انہوں نے تقریر ختم کی تو حضرت ابو بکر صدیقؓ ذمہ داری کے عظیم بوجھ کا اندازہ کر کے اٹھنے سے ہچکچاہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ہی انہیں ہمت دے کر بیعت کیلئے اٹھایا۔ بقول انس بن مالکؓ میں نے اس روز حضرت عمرؓ کو حضرت ابو بکرؓ سے کہتے سنا "منبر پر چڑھیے" آپ مسلسل انہیں یہی بات کہتے رہے یہاں تک کہ آپ منبر پر چڑھ گئے اور عوام الناس نے آپ کی بیعت کی (۷)۔ "بیعت کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کا سب سے پہلا خطبہ ارشاد فرمایا (۸)۔ مسعودی کہتے ہیں کہ مسلسل تین دن تک بیعت ہوتی رہی (۹)۔

حضرت عمر فاروقؓ ابھی تک مکمل طور پر مطمئن نہیں تھے ان کے دل میں دو باتیں کھٹک رہی تھیں۔ ایک یہ کہ حضرت سعد بن عبادہؓ نے ابھی تک بیعت نہیں کی تھی اور دوسرا یہ کہ بنو ہاشم اور خاص طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دل میں ابھی تک شکوکہ موجود تھا کہ ان سے خلافت کے بارے میں مشورہ نہیں کیا گیا اس لئے وہ بھی بیعت سے ہچکچاہے تھے۔ حضرت عمرؓ یہ سمجھتے تھے کہ سیاسی استحکام اور مکمل اتفاق و اتحاد کی فضا پیدا کرنے کیلئے یہ ضروری ہے کہ دونوں بیعت کر لیں۔ حضرت سعد بن عبادہؓ اپنے قبیلے کے سردار بھی تھے اور انصار میں مقبول بھی۔ انہیں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے منتخب ہونے پر شدید صدمہ ہوا۔ چند روز تک تو ان سے کوئی تعرض نہ کیا گیا لیکن بعد میں ان سے کہا بھیجا گیا کہ چونکہ تمام لوگوں نے اور خود تمہاری قوم نے بیعت کر دی ہے اس لئے تم

(۱) طبری ۳: ۲۲۳ (۲) طبری ۲: ۲۲۳ (۳) ص ۱۱۴ ۵۶۸ (۴) کبیر ۱: ۶۶۱ (۵) تہذیب ۳: ۲۲۴ (۶) بخاری ۸: ۳۹۸ - مسلم ۴: ۳۱۱ - حبان ۱: ۵۰۹

کبیر ۵: ۳۱۸ (۷) کبیر ۵: ۳۱۸ (۸) تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو ص ۴۰ ۳۱۱ - مسلم ۳: ۱۸۲ - صبیح ۲: ۲۱ (۹) مسعودی ۲: ۷۲۰

بھی بیعت کرو، لیکن انہوں نے جواب دیا کہ یہ نہیں ہو سکتا، فتنہ میں تمہارے مقابلے میں اپنا ترکش خانی نہ کر دوں<sup>(۱)</sup>۔ اس پر حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابو بکرؓ سے کہا کہ نہیں بغیر بیعت لئے نہیں چھوڑنا چاہئے، لیکن حضرت بشیر بن سعد کا مشورہ تھا کہ مناسب ہے کہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ حضرت ابو بکرؓ نے یہ رائے قبول کر لی اور حضرت عمرؓ نے بھی اس پر مزید اصرار نہ کیا۔ جہاں تک حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر جوہدہ کا معاملہ ہے، یہ اس لئے ضروری تھا کہ ان کا تعلق آنحضور ﷺ کے حامد ان سے تھا۔ ان سے تمام مسلمانوں کو عقیدت تھی، یہ محض ایک فرد کا معاملہ نہیں تھا کہ جسے نظر انداز کر دیا جاتا، ان کی یہ شکایت اپنی جگہ پر بجا تھی کہ انہیں مشورے میں شامل نہیں کیا گیا<sup>(۲)</sup>۔ اگرچہ اس وقت حالات کارخ ایب تھا، تجبیز و عقیقین سے ان کی فراغت تک انتظار کرنا ممکن تھا اور صورتحال کے بگڑ جانے کا اندیشہ تھا۔ حضرت علیؓ کی بیعت کے بارے میں روایت مختلف ہیں۔ بعض میں ہے کہ انہوں نے تجبیز و عقیقین سے بھی قبل بیعت کی تھی<sup>(۳)</sup>۔ بعض میں ہے کہ دوسرے روز بیعت کر لی تھی<sup>(۴)</sup> اور بعض میں ہے کہ چھ ماہ بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد انہوں نے بیعت کی تھی<sup>(۵)</sup>۔ صحیح بات یہی ہے جو علامہ ابن کثیر نے لکھی ہے کہ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ نے دوسرے ہی دن بیعت کر لی تھی۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے حضرت ابو بکرؓ سے کسی وقت بھی علیحدگی اختیار نہیں کی اور نہ ہی آپ کے پیچھے نذر پڑھنے سے رکے ہیں۔ یہاں تک کہ مرتدین کے خلاف تلوار اس وقت لے کر جب حضرت ابو بکرؓ القصبہ کی طرف نکلے، تو حضرت علیؓ بھی ساتھ تھے۔ البتہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد جو بیعت انہوں نے کی وہ تجدید تھی<sup>(۶)</sup> تاکہ بعض لوگوں میں جو غلط فہمی پائی جاتی تھی کہ انہوں نے بیعت نہیں کی وہ دور ہو جائے۔ اس سلسلے میں حضرت عمر فاروقؓ نے جو کردار سر انجام دیا مختلف روایتوں میں اس کی جھلک موجود ہے۔

ابلی نقرۃ سے روایت ہے کہ لوگوں نے جب حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کی تو حضرت علیؓ وزیر الملک ہو رہے تھے۔ انہوں نے ان دونوں کی طرف حضرت عمرؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کو بھیجا کہ وہ حضرت علیؓ کے گھر پہنچے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضرت زبیرؓ نے جھروکے سے دیکھا اور حضرت علیؓ کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ اہل جنت میں سے دو آدمی آئے ہیں، ہمارے لئے جائز نہیں کہ ہم ان کے خلاف لڑیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ”اں کیلئے دروازہ کھول دو“ پھر وہ ان دونوں کو ساتھ لے کر حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئے، انہوں نے فرمایا ”اے علیؓ! کیا تم رسول اکرم ﷺ کے چچے کے بیٹے اور داماد ہو۔ تم کہتے ہو کہ تم اس امر خلافت کے زیادہ حقدار ہو اللہ کی قسم میں تم سے زیادہ حق رکھتا ہوں۔“ انہوں نے جواب دیا کہ ”اے حدیث رسول کوئی بات نہیں اپنا ہاتھ بڑھائیے تاکہ میں بیعت کروں۔“ انہوں نے ہاتھ بڑھایا تو حضرت علیؓ نے بیعت کر لی۔ اس طرح حضرت زبیرؓ نے بھی بیعت کر لی<sup>(۷)</sup>۔ کچھ روایات اس کے برعکس بھی ہیں جن سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ نے دیگر لوگوں کے ساتھ بیعت کر لی تھی، مگر یہ بیعت انہوں نے خوش دن سے نہیں کی تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے نہیں مجبور کر دیا کہ وہ بیعت کریں۔ زیاد بن کلب سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ بن الخطابؓ حضرت علیؓ کے مکان پر آئے، وہاں حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ اور بعض دوسرے مہاجر موجود تھے۔ حضرت عمرؓ نے انہیں کہا کہ ”چل کر بیعت کرو، ورنہ میں اس گھر میں آگ لگا دوں گا۔“ حضرت زبیرؓ تلوار نکال کر بڑھے، تو فرش میں پاؤں اچھ جانے کی وجہ سے گر پڑے۔ تلوار ہاتھ سے چھوٹ گئی، لوگوں نے حضرت زبیرؓ کو قابو میں کر لیا<sup>(۸)</sup>۔ بعض صحابہ کرامؓ کا بیان یہ بھی ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ بیعت کرنے نہیں آئے۔ حضرت زبیرؓ نے اپنی تلوار نیام سے نکالی اور کہا ”جب تک علیؓ کی بیعت نہیں کی جائے گی میں

(۱) طبری: ۲/۲۲۲ (۲) بحار: ۵۸۶/۵، کبیر: ۵۰۰/۵ (۳) کبیر: ۵۰۰/۵ (۴) تہذیب: ۲۲۰/۲ (۵) بحار: ۸۲/۵، مسعودی: ۲۰۹/۲ (۶) کبیر: ۵۰۰/۵ (۷)

بحار: ۵۸۵/۲ (۸) طبری: ۲۰۲/۲ (۹) ۳۳

یہ کمور نیام میں نہیں رکھوں گا۔ اس کی اطلاع حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو ہوئی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا "زیرِ ست کموار چھین کر پتھر پر دے دو" اور پھر حضرت عمرؓ ان کے پاس گئے اور انہیں زبردستی لے کر آئے۔ انہیں کہا کہ "بیعت تو تمہیں کرنا پڑے گی، خود خوشی سے کرو یا بادل ناخواستہ" تب ان دونوں نے بیعت کر لی (۱)۔ ایک اور روایت میں حضرت ربیع بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ اور حضرت زبیرؓ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گھر جا کر خلافت کے معاملے میں مشورے کیا کرتے تھے۔ جب اس کی خبر حضرت عمر بن الخطابؓ کو ہوئی تو وہ حضرت فاطمہؓ کے ہاں پہنچے اور کہا "اے دختر رسول ﷺ اللہ کی قسم آپ کے والد محترم سے بڑھ کر ہمیں کوئی محبوب نہیں اور نہ ہی آپ کے والد محترم کے بعد آپ سے بڑھ کر ہمیں کوئی عزیز ہے۔ یہ کیا معاملہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد یہ لوگ آپ کے ہاں جمع رہتے ہیں۔ خدا کی قسم میں حکم دوں گا کہ ان کے گھر جلا دیے جائیں۔" جب حضرت عمرؓ چلے گئے تو وہ صاحبان حضرت فاطمہؓ کے پاس آئے تو انہوں نے کہا "تم حائے ہو کہ عمرؓ میرے پاس آئے تھے اور انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ اگر تم نے دوبارہ ایسا کیا تو تمہارے گھر دوں کو جلا دیا جائے گا۔ اللہ کی قسم مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے حلف کو ضرور پورا کریں گے، تم اپنی رائے پر نظر ثانی کرو اور میری طرف نہ لوٹنا۔" چنانچہ وہ وہاں سے رخصت ہو گئے اور اس وقت تک ان کی طرف نہ پلٹے جب تک حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی (۲)۔

صحیح صورت جو بھی ہو ان روایات سے بہر حال یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے بیعت کی تکمیل تک اپنی کاوشیں جاری رکھیں۔ آنحضور ﷺ کی وفات کے بعد حالات کا سب سے بڑا تقاضا یہی تھا کہ نظم جماعت کو مضبوط کیا جائے اور امت مسلمہ کے شیرازہ کو منتشر ہونے سے بچایا جائے تاکہ وہ اپنا مقصدی وجود برقرار رکھ سکے اور آنے والے تمام خطرات کا مقابلہ کرنے کی اہل ہو۔ یقیناً وہ اس میں کامیاب رہے اور تاریخ اسلام پر اس کے بہت دور رس اثرات مرتب ہوئے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ساتھ انہوں نے قدم قدم پر ایسا بھرپور تعاون کیا کہ تاریخ میں اس سے بڑھ کر کسی تعاون کی مثال نہیں دی جاسکتی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ نے (لا سر نو) مصالحت اور بیعت کیلئے حضرت ابو بکرؓ کے ہاں کھلوا بھجوا کہ آپ ہمارے ہاں تشریف لائیں لیکن آپ کے ساتھ کوئی دوسرا نہ ہو۔ بقول حضرت عائشہؓ وہ دراصل اس موقع پر حضرت عمرؓ کی موجودگی کو پسند نہیں کر رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ سے کہا کہ "ہرگز نہیں! بعد آپ ان کے ہاں تنہا تشریف لے جائیں۔" حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا کہ "میں ان سے یہ توقع نہیں رکھتا کہ میرے ساتھ ان کا کوئی برا ارادہ ہو گا۔ خدا کی قسم میں ان کے پاس ضرور جاؤں گا (۳)۔" چنانچہ وہ اکیسے ہی گئے حضرت عمرؓ پوری خوشدلی سے اپنی رائے سے دستبردار ہو گئے۔ اس موقع پر بھی انہیں صرف یہی اندیشہ تھا کہ کہیں معاملے میں الجھا پیدا نہ ہو اور وہ خود جس حد تک کوئی مثبت تعاون کر سکتے ہیں ضرور کریں۔ ان کی بے لوثی کا یہ عالم تھا کہ جب حضرت ابو بکر صدیقؓ نے خلافت کیلئے سفید بھٹی سادہ میں ان کا نام پیش کیا تو اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ "ابو بکرؓ کی کمی ہوئی کوئی بات مجھے ناگوار نہیں ہوئی سوائے اس بات کے خدا کی قسم یہ چیز کہ میں آگے بڑھوں اور کموار سے میری گردن مار دی جائے جو مجھے گناہ کے قریب نہ کرے۔ مجھے اس چیز سے زیادہ پسند تھی کہ جس قوم میں ابو بکرؓ موجود ہو اس کا میرے ہوں (۴)۔"

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بیعت کا جو طریق کار اختیار کیا گیا حضرت عمر فاروقؓ یہ سمجھتے تھے کہ اسے آئندہ کیلئے مثال نہیں بنانا چاہئے کیونکہ وہ ایک استثنائی صورت ہے۔ ایک تو اس لئے کہ حضرت ابو بکرؓ کو جو مقام و مرتبہ حاصل ہے وہ کسی اور کو کبھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ دوسرا اس لئے کہ آنحضور ﷺ نے قوی اور علمی طور پر مختلف اشاروں کتابوں میں صدیق اکبرؓ کے استحقاق خلافت کا جو عندیہ دیا وہ کسی اور کے بارے میں نہیں ہے (۵)۔ تیسرا یہ کہ اس وقت حالات ہی ایسے تھے

(۱) طبرستان ۳: ۲۳۳ (۲) ص ۱۱۷ (۳) بحار ۵: ۸۲ (۴) ص ۳۱ ص ۱۱۷ (۵) بحار ۵: ۸۲ (۶) ص ۱۱۷ (۷) ص ۱۱۷ (۸) ص ۱۱۷ (۹) ص ۱۱۷ (۱۰) ص ۱۱۷

کہ فوری بیعت ضروری ہو گئی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے علاوہ کسی اور شخصیت پر اتفاق رائے پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ مسلمانوں کیلئے فائدہ اسی میں تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد صاحب رسول اللہ ﷺ کے فائدہوں پر ذمہ داری کا یہ عظیم بوجھ ڈالا جائے۔ وفات نبوی ﷺ پر ان کی دانشمندانہ تقریر اور بعد کے حادثات نے یہ ثابت کر دیا کہ اس سے بڑھ کر کوئی اس منصب کا اہل نہیں تھا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کو اپنے عہد خلافت کے آخری دن کے موقع پر یہ طعن لایا کہ فلاں شخص کہتا ہے کہ بکرؓ اگر عمر بن الخطابؓ مر جاتے تو میں فلاں شخص کے ہاتھ پر بیعت کر دیتا کیونکہ ابو بکرؓ کی بیعت تو محض وقتی تھی جو پوری ہو گئی (۱)۔ اس پر غضبناک ہو گئے اور مدینہ پہنچ کر ایک خطبہ دیا جس میں اس بات کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا: ”کسی کو اس شخص کا یہ کہنا دھوکہ میں نہ رکھے کہ ابو بکرؓ کی بیعت محض وقتی کی گئی تھی۔ سب شک وہ ایسی ہی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے ہمیں شر سے بچایا اور پھر تم میں کوئی بھی ابو بکرؓ جیسا نہیں ہے جس کی طرف گردنیں جھک جائیں۔“

پس جس شخص نے بغیر مسلمانوں کے مشورے کے کسی بھی شخص سے بیعت کی تو اس کی بیعت کا اعتبار نہ ہو گا اور نہ ہی کسی ایسی بیعت کا اعتبار ہو گا جو جماعت کو نظر انداز کر کے دو آدمیوں نے آپس میں کر لی ہو۔ پھر جماعت کی طرف سے ان دونوں کو قتل کا مستحق سمجھا گیا ہو (۲)۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ خلافت کے انعقاد کیلئے زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو شریک مشورہ رکھنے کو اسلام کی روح سمجھتے تھے۔ انہوں نے نہایت یلغ، انداز میں چوری چھپے اور سازش کے تحت بیعت کرنے کے تصورات کو رد کیا۔ انہوں نے عملی طور پر بھی اس کا ثبوت پیش کیا کہ خفیہ طور پر اور مسلمانوں سے الگ ہو کر حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کرنے کے بجائے عین مجمع عام میں جا کر ہر طرح نتائج کا خطرہ منسوب اور پوری بحث و تحقیق کے بعد درکل کے ذریعے حضرت ابو بکرؓ کے استحقاق کو ثابت کیا اور پھر کہیں بیعت کیسے ان کی طرف ہاتھ بڑھائے۔ اس پیش قدمی کے سلسلے میں بھی ان کے پاس قوی دل کھل موجود تھے۔ چنانچہ آپ نے اپنے اس خطبے میں واقعہ سفینہ کی روداد بیان کرنے کے بعد فرمایا ”خدا کی قسم اہم حاضرین نے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت سے بڑھ کر کسی امر کو نفع بخش نہیں پایا، ہمیں یہ خدشہ تھا کہ اگر ہم لوگ ملگ ہو گئے اور بیعت نہ ہوئی تو وہ ہمارے بعد بیعت کر لیں گے۔ پھر تو ہمیں اپنی مرضی کے خلاف ان سے بیعت کرنی پڑے گی یا پھر وہ ہمارے بعد بیعت کر لیں گے۔ پھر یا تو ہمیں اپنی مرضی کے خلاف ان سے بیعت کرنی پڑے گی یا پھر ہم ان کی مخالفت کریں گے، جس سے نساہت برپا ہو گا، پس جو کوئی مسلمانوں کے مشورے کے بغیر کسی امیر کی بیعت کرے تو اس کی کوئی بیعت نہیں اور نہ ہی اس کی بیعت معتبر ہے، جس نے یہ بیعت کی ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان دونوں کو قتل کر دیا جائے (۳)۔“

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا حضرت عمر فاروقؓ کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بالکل یہی کہا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کی لوگوں پر چار فضیلتیں ہیں۔ ۱۔ میں سے ایک یہ ہے کہ ان کی رائے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو حلیف بنانے کے بارے میں ہوئی (۴)۔ ۲۔ رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد یہ پہلا معاملہ تھا کہ جس میں حضرت عمر فاروقؓ کو اپنی صلاحیتیں بروئے کار لانے کا موقع ملا اور انہوں نے بڑی حکمت و دانائی، خلوص و جرات کے ساتھ اس کو کامیابی کی منزل تک پہنچایا۔ اس سے ہم ان کی شخصیت میں جو ہر قیادت نمایاں طور پر دیکھ سکتے ہیں۔ انہوں نے اپنی تمام تر توجہ مت مسلمہ کی بھلائی اور اسلام کے مستقبل پر مرکوز کر لی تھیں۔ آنحضور ﷺ کی وفات کے صدے سے ان پر جو کیفیت طاری ہوئی وہ بالکل فطری تھی، مگر حیرت انگیز بات یہ ہے کہ وہ بہت ہی جلد ختم ہو گئی اور غم نے انہیں اس قدر بے حال نہ ہونے دیا کہ ایک روگ لے کر بیٹھ جاتے۔ ان کی بصیرت و فراست نے فوراً اپنا کام شروع کر دیا۔

(۱) حاکم ۱/۶۴، مسند ۱/۵۶۳، حبل ۱/۳۲۳، اسیر ۲/۲۲، کنز ۵/۶۵۵ (۲) مسند ۲/۸۲، ضیہ ۱۴/۵۶۵، حبل ۱/۳۲۵، طبرہ ۱/۵۳، ۲/۵۳ (۳)

حبل ۱/۳۲۸، طبرہ ۱/۳۰۶، کنز ۵/۶۵۵ (۴) ضیہ ۱۴/۶۶۔



نہیں سب سے زیادہ اس بات کی فکر ہوئی کہ اب قبائل قیادت کا انتظام کرنا سب سے اہم ہے۔ پھر وہ سرگرم عمل ہو گئے اور ایک ہی دس کے بڑے مختصر حصے میں انہوں نے خلافت کے مسئلے کو طے کر لیا۔ حالات کے ہر مرحلے پر انہوں نے بہایت دانشمندانہ طریق کار اختیار کیا اور تمام مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق پیدا کر کے ساری ریاست کو مضبوط پیادوں پر استوار کر دیا۔ اب مسلمان سنے والے ہر خطرے کا مقابلہ کرنے کیلئے پوری طرح تیار تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی باصلاحیت قیادت میں صرف سو دو سو کے اندر یہ ریاست اس قابل ہو گئی کہ قیصر و کسریٰ کو چیلنج کر سکے۔

## ۵..... مشیر اعلیٰ:

حضرت عبدالرحمن بن غنم سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے فرمایا: ”لو اجتمعتما ہی مشورۃ ما حالفتكما“<sup>(۱)</sup>۔ ”(مشورہ کر کے تم جس چیز پر متفق ہو میں اس میں کبھی اختلاف نہیں کرتا۔) اس ارشاد کے ذریعے رسول اکرم ﷺ نے اپنے دونوں صاحبوں اور مشیروں کو ہاوا سیدہ طور پر اس بات کی تلقین کی ہے کہ انہیں ہمیشہ آپس میں مشورہ کر کے چنا چاہئے اور پھر دونوں کے مشورے کی اہمیت و افادیت کو بھی واضح فرما دیا ہے کہ ان کا اتفاق رائے خود نبی ﷺ کی خواہش و رضاء کا ترجمان ہوتا ہے۔ اس کی حیثیت و قوت وہی ہوگی جو خود ان کے اپنے فرمان کی ہو۔ یہ بات مسلمانوں کیلئے بھی نوید و بشارت تھی کہ آپ کی بصیرت و حکمت اثرات و نتائج کے اعتبار سے ان دونوں بزرگوں کے مشترکہ موقف میں جلوہ لگن رہے گی۔ چنانچہ عہد صدیقی میں حضرت عمرؓ کی حیثیت مشیر و وزیر کی تھی جنہیں ایک طرف تو ضعیفہ رسول ﷺ کا مکمل اعتماد حاصل تھا اور دوسری طرف وہ لوگوں کی تمناؤں کا محور اور جذبہات کے ترجمان تھے۔ لوگوں کی بہت سی باتیں اور درخواستیں انہیں کے ذریعے حضرت ابو بکرؓ تک پہنچتی تھیں۔ حضرت ابو بکر صدیق بھی تمام انتظامی معاملات میں کوئی قدم اٹھانے سے پہلے ہمیشہ انہیں شریک مشورہ کرتے اور انہیں اعتماد میں دیتے۔ یہ مشورت فقہی، قانونی اور سیاسی تمام معاملات پر جاری ہوتی تھی اور ان میں حضرت عمرؓ پہلے نمبر پر تھے۔ چنانچہ عبدالرحمن بن قاسم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ابو بکر صدیقؓ کو جب کوئی ایسا امر پیش آتا جس میں وہ اہل علم اور اہل الرائے کا مشورہ لینا چاہتے اور مہاجرین و انصار کے آدمیوں کو جانتے تو وہ عمرؓ عثمانؓ علیؓ عبدالرحمن بن عوفؓ معاذ بن جبلؓ ابی بن کعبؓ اور زید بن ثابتؓ کو بھی بلاتے تھے<sup>(۲)</sup>۔

حضرت عمرؓ کی حیثیت عہد صدیقی میں مشیر سے بھی بڑھ کر دریر کی تھی۔ مختلف معاملات میں حضرت ابو بکر صدیقؓ اپنی دماغی داریاں ان کے سپرد کر دیتے تھے اور ان کو نہ نکلنے کے طور پر پورے اعتماد سے انہیں سرانجام دیتے۔ خلافت کے ابتدائی چھ ماہ دینے کے نواح میں واقع ایک مقام ”سح“ میں قیام پذیر رہے وہاں سے حاکم خلافت کی دماغی داریاں بھی پوری کرتے تھے اور نمازیں بھی پڑھاتے تھے۔ جب وہ موجود نہیں ہوتے تھے تو ان کے قائم مقام کے طور پر حضرت عمر فاروقؓ ہی امامت کرتے تھے<sup>(۳)</sup>۔ اس دور میں غمار کی امامت معتدترین شخص ہی کے سپرد ہوتی تھی۔ اسی طرح خلافت کے پچیس سالہ عہد کو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت عمر فاروقؓ ہی کو چھ سال کا مال بنا کر بھیجا<sup>(۴)</sup>۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ قریب ترین ساتھی و رفیق رہنے کی وجہ سے ان کی تمام صلاحیتوں سے پوری طرح آگاہ تھے۔ انہیں یہ معلوم تھا کہ جو قرب و جوار کے تمام قبائل اور اقوام کے تمام احوال و معاملات سے واقف بھی ہیں اور جرأت و حمیت کے پیر بھی بہترین منصوبہ ساز بھی

(۱) مسودہ ص ۱۱۵ (۲) مسودہ ص ۲۵ (۳) مسودہ ص ۱۸۶/۳، ۱۸۶/۲، ۱۸۶/۱ (۴) مسودہ ص ۱۸۶/۳، ۱۸۶/۲، ۱۸۶/۱۔ مسودہ ص ۸۰۔

ہیں وہ قائدانہ صفات کے حامل بھی۔ اس لئے اگر انہیں سالار لشکر بنا کر بھیجا جائے تو اسلامی فتوحات کا ایک وسیع باب کھل سکتا ہے اور ان کے ذریعے دور دراز کے علاقوں تک خدا کی حاکمیت کا ذکر کیا جاسکتا ہے لیکن انہوں نے نہیں یہ ذمہ داری نہیں سونپی۔ یہ ان کے دل کی حسرت ہی رہی جو ایک مرتبہ ان کی زبان پر ان الفاظ میں ظاہر ہوئی ”میں اپنے تئیں ارادوں سے باز رہا حالانکہ میں دن میں سے ایک سے بھی باز رہنا نہیں چاہتا تھا۔ ایک یہ کہ جب اشعث بن قیس میرے پاس لایا گیا تو میں نے چاہا کہ سے قتل کرادوں۔ دوسرا یہ کہ جب انھما میرے سامنے پیش کیا گیا تو میں سے جو انہما نہیں چاہتا تھا بلکہ قتل کرانا چاہتا تھا۔ تیسرا یہ کہ جب میں نے خالد کو شام کی طرف بھیجا تو عمر بن الخطابؓ کو عراق کی طرف بھیجنے کا ارادہ کیا تاکہ میرے دونوں ہاتھ اللہ کی راہ میں پھیل جائیں (۱)۔“ صدیق اکبرؐ نے اپنے اس ردے کو عملی جامہ پہنانے کے بجائے حضرت عمر فاروقؓ کو اپنے پاس بطور مشیر و وزیر مدینے عی میں رکھ رکھا کیونکہ ان کی اجتہادی بصیرت اور فکر و نظر کی گہرائی کے تناہی معترف تھے جتنا قائدانہ اور سپہیانہ صلاحیت کے۔ انہوں نے یہ محسوس کیا کہ انہیں مدینے میں ٹھہرنا زیادہ مفید ہے۔ اس طرح ریاست و خلافت کے تمام چھوٹے بڑے امور میں ان کے بصیرت افروز مشوروں سے استفادہ کیا جاسکے اور پورے نظام میں ان کی معاونت محض ایک شعبہ کی سپردگی کی بہ نسبت زیادہ ضروری ہے اور آپ سمجھنے میں وہ حق بجانب تھے۔

بطور مشیر مدینے میں ان کا قیام اس لئے بھی اہم تھا کہ صدیق اکبرؐ یہ جانتے تھے کہ وہ ہر مسئلے کے تمام ممکنہ پہلوؤں پر پورا غور کرتے ہیں اس کے عواقب و نتائج کا تنقیدی جائزہ لیتے ہیں۔ پوری بے باکی اور مضبوط دل کل سے اپنا موقف پیش کرتے اور دیل کی بنیاد پر اپنی رائے کو تبدیل کر کے اطاعت کا حق ادا کرتے ہیں۔ مشورے کی امانت پہنچا دینے کے بعد اپنی رائے پر بے جا اصرار نہ کرنا اور خلافت کے فیصلے کے آگے سر تسلیم خم کر کے پورے خلاص کے ساتھ اسے نافذ کرنا ایک ایسی صفت ہے جو ان جیسے جلیل القدر انسان کا ہی خاصہ ہو سکتی ہے۔ یہی وہ چیز تھی جو صدیق اکبرؐ کیلئے انتہائی تقویت کا باعث بنی۔ فاروق اعظمؓ کے مشوروں کا تجزیہ کیا جائے تو ان میں بصیرت گہرائی و مائیں بے باکی اور خصوص سب میں چمکتا نظر آتا ہے۔ مشورہ قبول کیا گیا نہیں کسی حالت میں بھی اطاعت کا من ہاتھ سے نہ چھوٹا۔

۱۔ لشکر اسامہؓ:

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے منصب خلافت پر فائز ہونے کے بعد سب سے بڑا اور سب سے اہم مسئلہ روم کی طرف لشکر اسامہؓ کی روانگی کا تھا جس کا حکم خود سرور دو جہاں ﷺ دے چکے تھے۔ وفات سے چند روز قبل حضرت اسامہ بن زیدؓ کو بلا کر فرمایا ”اپنے باپ کے قتل پر جاؤ اور کفار کو کھل دو میں نے اس لشکر کا تمہیں دان بتا دیا ہے (۲)۔“ مہاجرین و انصار کے معززین میں سے کوئی شخص ایسا نہ تھا جو اس غزوے میں نہ بلایا گیا ہو۔ ان میں حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ، سعد بن ابی وقاصؓ وغیرہ جیسے جلیل القدر صحابہ کرام بھی شامل تھے (۳)۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو سر پر ہاٹے کیلئے آپ ﷺ نے مشغی کر لیا (۴)۔ لوگوں کو یہ اعتراض تھا کہ آنحضرت ﷺ نے مہاجرین و انصار پر ایک نوعِ عدم کو امیر بنا دیا ہے۔ آپ نے محسوس کیا کہ سی وجہ سے تساہل و تاخیر سے کام لے رہے ہیں۔ اس پر آپ نہایت غصے ہوئے اور ایسے عالم میں ہر تشریف لائے کہ سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور جسم پر ایک چادر تھی۔ منبر پر چڑھے اور اللہ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا ”دگو اسامہؓ کا لشکر صد بھیج دو قسم کھ کر کہتا ہوں کہ اگر تم نے اسامہؓ کی مارت پر اعتراض کیا ہے تو تم ان سے پہلے ان کے باپ کی مارت پر بھی اعتراض کر چکے ہو (جو لفظ ثابت ہوا) خوب سمجھو کہ اسامہؓ مارت کے قطعی مل ہیں ورنہ ان کے باپ بھی اس کے اہل ثابت ہو چکے ہیں (۵)۔“ یہ لشکر اگلے روز روانہ

ہو گیا "جرف" کے مقام تک پہنچا تو اطلاع ملی کہ رسول اکرم ﷺ انتقال کر چکے ہیں تو سب لوگ واپس آ گئے۔ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی گئی تو انہوں نے سب سے پہلے حکم یہ دیا کہ لشکرِ اسماءؓ روانہ ہو جائے۔ اس وقت صورِ تحال یہ تھی کہ تمام عرب قبائل یا تو پورے کے پورے مرتد ہو چکے تھے یا ان میں سے کچھ دگ ضرور مرتد ہو گئے۔ بہر حال کوئی قبیلہ بھی مکمل طور پر مسلمان نہ رہا، ہر طرف فحاش پھوٹ پڑا، اب یہود و نصاریٰ بھی مسلمانوں کو ہلچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے تھے اور خود مسلمانوں کی حالت یہ تھی کہ نبی ﷺ کی وفات (کے غم) اور اپنی قلت اور دشمن کی کثرت کی وجہ سے ان بھیڑ بکریوں کی طرح ہو گئے جو موسمِ سرما کی برساتی رات میں خیران ہو گئی ہوں<sup>(۱)</sup>۔ ان حالات کی وجہ سے حضرت عمر فاروقؓ اور دیگر مسلمانوں نے حضرت ابو بکرؓ کو یہ مشورہ دیا کہ یہ لشکر ابھی روانہ نہ کیا جائے، لیکن اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا "خدا کی قسم! میں اس علم کو نہیں کھول سکتا جس کو رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ دیا ہو، خود ہمیں پرندے اچک سے چائیں، مدینہ میں درندوں کا دور دورہ ہو جائے، پورا مہلت المؤمنین تک کو کتے کھینچے پھریں، ہمیشہ اسماءؓ کی ردا گئی کسی حال میں ملتی نہیں کی جا سکتی۔"<sup>(۲)</sup>

اس پر عزم اور اہل جواب کے بعد لوگ لشکرِ گامہ میں اکٹھے ہو گئے۔ مذہب کی ابھی تک کیفیت موجود تھی، خود حضرت اسماءؓ صورِ تحال کی نزاکت کو دیکھ رہے تھے، انہیں یہ بھی خدشہ تھا کہ شاید انہیں مطلوبہ اطاعت نہیں مل سکے گی اس لئے انہوں نے خلیفہ وقت کے مشیر و وزیر حضرت عمرؓ کو جو اس وقت ان کی زیرِ کمان تھے ان کو حکم دیا "آپ جائیں اور خلیفہ رسول ﷺ سے میری واپسی کی اجازت لے کر آئیں، کیونکہ تمام اکابر اور بہادر مسلمان میرے ساتھ ہیں اور مجھے خلیفہ رسول ﷺ اور رسول اللہ ﷺ کے متعلقین اور دیگر مسلمانوں کے متعلقین کی جانوں کا اندیشہ ہے کہ کہیں مشرکین اچانک انہیں قتل نہ کر دیں"<sup>(۳)</sup>۔ اس مہم کے انصاریوں نے ایک متبادل تجویز بھی پیش کی۔ حضرت عمرؓ سے یہ کہا کہ اگر خلیفہ رسول ﷺ واپسی کی اجازت نہ دیں اور جانے ہی پر اصرار کریں تو آپ ان کو ہماری طرف سے کہیں کہ وہ ہمارا امیر ایسے شخص کو مقرر کریں جو عمر میں اسماءؓ سے بڑا ہو"<sup>(۴)</sup>۔ حضرت اسماءؓ کے حکم پر حضرت عمر فاروقؓ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس مدینہ آئے اور آنے کی غرض بیان کی اور اسماءؓ کی درخواست سنائی تو انہوں نے جواب دیا "اگر کتے اور بھیڑیے تنہائی کی وجہ سے مجھے کھا جائیں، تب بھی میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کو رد نہیں کروں گا"<sup>(۵)</sup>۔ پھر حضرت عمر فاروقؓ نے متبادل تجویز پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ "انصار نے آپ سے درخواست کی ہے کہ آپ ان کا امیر کسی ایسے شخص کو مقرر کر دیں جو اسماءؓ سے بڑا ہو۔" یہ سن کر ابو بکرؓ جو بیٹھے ہوئے تھے غصے سے اچھل پڑے اور "گے بڑھ کر حضرت عمرؓ کی داڑھی پکڑ لی اور فرمایا "اے خطابؓ کے بیٹے! تیری ماں تجھے کھودے، تم مر جاتے، جس شخص کو رسول اللہ ﷺ نے اس منصب پر فائز کیا ہے تم مجھ سے کہتے ہو کہ میں اسے پیچھے کر دوں"<sup>(۶)</sup>۔ چنانچہ حضرت عمرؓ بے نعل و مرام اپنی فوج میں واپس آئے تو انہوں نے پوچھا "کیا کہہ کر آئے ہیں؟" حضرت عمرؓ نے جواب دیا "اللہ تمہاری ماں کو تمہارا سو گوار بنائے" آگے بڑھو خلیفہ رسول ﷺ کے ہاں تمہاری درخواست مقبول نہیں ہوئی"<sup>(۷)</sup>۔ بعد ازاں حضرت ابو بکرؓ خود اس مہم کے پڑاؤ میں تشریف لائے اور سے روانہ کرنے لگے تو حضرت اسماءؓ سے کہا "بہتر ہو تاکہ عمرؓ کو آپ میرے پاس چھوڑ جاتے۔" انہوں نے جواب دیا "ٹھیک ہے نہیں سے چائے"<sup>(۸)</sup>۔ اس طرح وہ انہیں لے کر واپس مدینہ آ گئے۔ بقول مسعودی انہوں نے یہ اس لئے کیا تاکہ خلافت کے معاملات میں ان سے مدد حاصل کریں"<sup>(۹)</sup>۔

(۱) طبری ۳۲۵/۳۱۱ کثیر ۴۴۱/۱۱۱ ۲ ۴۲۶/۲۱۱ (۲) طبری ۲۶۵/۳۱۱ کثیر ۳۰۵/۶۱۱ (۳) طبری ۲۲۶/۳۱۱ ۲۲۶/۲۱۱ (۴) طبری ۳۲۶/۳۱۱

کثیر ۳۰۵/۳۱۱ ۳ ۴۲۶/۲۱۱ (۵) طبری ۳۲۶/۳۱۱ ۲۲۶/۲۱۱ (۶) طبری ۲۲۶/۳۱۱ ۲۲۶/۲۱۱ ۳۰۵/۶۱۱ کثیر ۵۸۳/۶۱۱ (۷) طبری ۳۲۶/۳۱۱ (۸) ۴۲۶/۳۱۱ (۹)

طبری ۳۲۶/۳۱۱ کثیر ۳۰۵/۶۱۱ (۹) مسعودی ۱۲۷/۲



ان کے نزدیک اور دُور کے فتنوں سے زیادہ بڑا اور خطرناک فتنہ یہ تھا کہ مسلمان اطاعت نبوی ﷺ سے انحراف کریں اور خیر و بھلائی کی در راہیں تلاش کریں اور اسے حکمت و مصمت کا نام دیں۔ حضرت ابو بکر کا یہ اقدام سانح کے اعتبار سے بہت منفی اور دور رس ثابت ہوا۔ ایک طرف بیرونی طاقتوں کو اندرونی حالت سے فائدہ اٹھانے کا موقع نہ مل سکا۔ دوسری طرف بے جاوت پر آمادہ بہت سے قبائل مرعوب ہو کر خاموش ہو گئے۔ تیسری طرف اس لشکر کی کامیابی نے دیگر مہمات میں مصروف مسلمانوں کے حوصلے بلند کر دیے۔ جو تھی طرف مین ضرورت کے وقت مسلمانوں کو اس فاتح لشکر کے شرکاء کی تازہ دم کمک حاصل ہو گئی اور مرتدین کے خلاف کارروائیوں میں مسلمانوں کے حق میں جنگوں کا پانسہ پٹ گیا اور سب سے بڑی بات جو دراصل حضرت ابو بکرؓ کے پیش نظر تھی یعنی پیغمبر آخر الزماں ﷺ کی ہر حال میں کامل اور غیر مشروط فرمانبرداری کا درس اس میں وہ کامیاب ہو گئے اور یہ ثابت ہو گیا کہ مسلمانوں کی دنیوی اور اخروی دوسوں کامیابیوں کا راز صرف اور صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں پنہاں ہے۔ یہ درس مسلمانوں کے اجتماعی شعور کو رہتی دنیا تک اتباع کی شاہراہ پر گامزن رکھے گا۔ حضرت ابو بکرؓ رضی اللہ عنہ لشکرِ اسماء کی روانگی کے سلسلے میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پر عزم موقف اور اس کے اثرات کا حوالہ دے کر یہ فرماتے ہیں کہ ”قسم ہے وحدہ لا شریک لہ کی اگر ابو بکرؓ غلیفہ نہ ہوتے تو روئے زمین پر کوئی اللہ کی عبادت نہ کرتا“ (۱)۔ حضرت ابو بکرؓ نے جہاں اپنی رائے کو سب سے منویا وہاں خود بھی اطاعت امر کی درخشندہ مثال پیش کی اور حضرت عمر فاروقؓ کو خود روک لینے کے بجائے حضرت اسماءؓ سے اجازت لی اس لئے کہ اس وقت وہی صاحب امر تھے اپنے مشیر و وزیر کو اپنے پاس رکھا۔ اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ وہ ہر بات میں ان کی ہاں میں ہاں ملاتا ہے بلکہ صرف اس خاصیت کی وجہ سے کہ وہ ان سے اختلاف کرے کی ہمت رکھتا ہے مشورے کو لمانت سمجھ کر ہر حال میں پیش کرتا ہے۔ مافی الضمیر کو پورے درمائل اور اخلاص کے ساتھ سامنے لاتا ہے اور رضاع و غربت سے فیصلے کے آگے سر تسلیم خم کر دیتا ہے۔

## ۲۔ مائتین زکوٰۃ کا معاملہ :

سرور کونین ﷺ کی وفات کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیلی اور انتہائی تیزی سے جزیرہ عرب کی حدود سے نکل کر دنیا کے دور دراز گوشوں تک پہنچ گئی۔ اس سے اپنے پرائے سب سہم گئے یہ حادثہ مسلمانوں کیسے تو بڑا جانکسل تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ کی روایت کے مطابق مدینے میں عالم یہ تھا کہ لوگ مدہوش ہو گئے ان کی عقل جاتی رہی ان پر سکے جاری ہو گیا، فہم، شعور ختم ہو گئے ان میں سے بعض تو غم سے اس قدر غمگین ہو گئے کہ عقل ہی کھو بیٹھے۔ بعض چپ ہو رہے، بعض زمین پر بیٹھ گئے۔ حضرت عمرؓ بھی ان میں سے تھے جو غمزدہ ہو کر حواس باختہ ہو گئے اور حج کر کہنے لگے کہ رسول اکرم ﷺ مرے نہیں۔ حضرت عثمانؓ کو لنگ لاحق ہو گیا اور قوت گویائی جاتی رہی۔ ان کو لایا اور لے جایا جاتا رہا وہ بات نہ کر پاتے۔ حضرت علیؓ تو ایسے بیٹھے کہ حرکت ہی نہ کر پاتے۔ رہے عبداللہ بن ابی اسحاقؓ تو ان کو ایسا مرض لاحق ہوا کہ انتقال کر گئے (۲)۔ جب صحابہ کرامؓ کا یہ عالم تھا تو سلاطت کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ہزاروں لوگوں کی کیفیت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے جن کا نہ تو عقیدہ راسخ تھا نہ اسلام کے مقصد سے آگاہ تھے اور نہ اس کی حقیقی روح و مزاج کی تہہ تک پہنچ سکے تھے اور نہ ہی ان کی تعلیم و تربیت کا خاطر خواہ بندوبست ہو سکا تھا۔ ان کے ذہنوں میں شکوک شبہات پیدا ہوا اور بے یقینی کی حالت میں انتشار و انحراف کی راہوں پر چل پڑنا بالکل فطری تھا۔ رسول کرم ﷺ مرکز توازن کی حیثیت رکھتے تھے۔ وہ لوگوں کی عقیدہ توں اور محبتوں کا محور تھے۔ ان کے اچانک وفات پانے سے وحدت کے ہار کی لڑی ٹوٹ گئی اور فکری و عملی قیادت کا ایک بہت بڑا خلا پیدا ہوا۔ جب کوئی خلا پیدا ہوتا ہے تو اس کو پر کرنے کیلئے آندھیاں، ہچکڑ اور گولے مودار ہوتے ہیں چنانچہ ایسا

ہی ہوا۔ شطروچہ لہار و گوں نے عوم کی جہالت و سادہ دہی سے خوب فائدہ اٹھایا اور جھوٹی نبوت کے دعویدار بن کر مدینہ کی مرکزیت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ جہاں نہایت خوش اسلوبی مگر بڑی مشکل سے خلافت کا مسئلہ طے کر لیا گیا تھا۔ انہوں نے اپنے مفادات کیلئے ہر وہ حربہ استعمال کیا جو ان حالات میں کارگر ہو سکتا تھا۔ قبائلی عصبیتوں کو ہوا دی لوگوں کی افتاد طبع سے فائدہ اٹھایا۔ عہد جاہلیت کے رسوم و رواج سے ان کے تعلق کو زینہ بٹایا۔ آنحضور ﷺ کے ساتھ ہی اسلام کے کمزور ہونے اور اس کے تقاضوں کے ختم ہو جانے کا پروپیگنڈا بھی کیا۔ ایک اور چیز جو ارتداد کے علمبرداروں کیلئے سودمند ثابت ہوئی وہ یہ تھی کہ مل عرب کا طرز و تمدن ہمیشہ سے بدویت پر استوار تھا۔ وہ کبھی مرکزیت اقتدار کے تحت رہنے کے عادی نہیں رہے تھے۔ اسلام نے انہیں ایک مستحکم وحدانی نظام تو دے دیا لیکن وہاں بھی اس سے مکمل طور پر مانوس نہ ہوئے تھے اور نہ ہی فکری و عملی طور پر ہم آہنگ۔ بعض دلوں میں خوابیدہ مذہبی تعصب دوبارہ جاگ اٹھا اور اپنا کام کر گیا۔

یہ تھے وہ عوامل جو تندرست ارتداد کے پیچھے کار فرما تھے۔ ہر قبیلہ اور ہر گروہ اپنے اپنے حالات و ظروف کے مطابق اس میں شریک ہوا۔ مدینے سے دور کے علاقے اور ساحلی قبائل تو مکمل طور پر ارتداد کی لپیٹ میں آ گئے، لیکن نزدیک بسنے والوں نے ذکاوت دینے سے انکار کر دیا۔ کچھ قبائل ایسے بھی تھے جو ابھی تک مذہب کا شکار تھے، وراثت کا رخ دیکھ رہے تھے۔ اور یہ حالت تھی کہ سات سو آدمیوں پر مشتمل لشکر اسلام کی قیادت میں روانہ ہو چکا لوگوں میں خوف اور مایوسی موجود تھی اور پیچھے فرادی قوت بھی بہت کم رہ گئی تھی۔ مدینے کے اندر منافقین کا ایک مضبوط گروہ موجود تھا جو کوئی حرکت کر سکتا تھا۔ مہاجرین و انصار کے دلوں میں خلافت کے مسئلے پر بحث و تحقیق کے اثرات ابھی نے نہیں تھے۔ خود آنحضور ﷺ کے اپنے قبیلے بنو ہاشم کے اکابرین اور اہل بیت کو یہ شکوہ تھا کہ مسئلہ خلافت میں انہیں شامل مشورہ نہیں کیا گیا۔ اس پس منظر میں ایک سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ اسلام کو کس طرح بچایا جائے اور لوگوں کو کس طرح اس کا پر خلوص مطیع بنایا جائے؟ دوسرا بڑا مسئلہ یہ تھا کہ پوری سلطنت میں کسی طرح امن و امان بحال کر کے سیاسی استحکام پیدا کیا جائے؟ تیسرا مسئلہ یہ تھا کہ خود دار اختلاف مدینہ کو کیسے محفوظ کیا جائے؟ خوف و خطر کے اس طوفان میں مذکورہ تینوں مسائل کو حل کرنے کیلئے کیا لائحہ عمل اختیار کیا جائے؟ ہر مسلمان اس سوچ میں کھوتا تھا اور سب سے زیادہ جنہیں یہ فکر لاحق ہو سکتی تھی وہ رسول اکرم ﷺ کے دونوں ساتھی حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ تھے۔ لوگوں کی نظریں انہیں کی طرف اٹھ رہی تھیں اور ان کی یہ ذمہ داری بھی تھی کہ امت مسلمہ کی اس کشتی کو گردابوں سے نکالنے کی راہ تلاش کریں۔ ایک وقت کا خلیفہ تھا اور دوسرا اسے اس منصب پر بٹھانے والا معتقد و مشیر۔ دونوں حالات کی معروضیت کو اپنے اپنے زاویہ نگاہ سے دیکھ رہے تھے۔ مسائل کو حل کرنے کیلئے اپنی سوچ اور اپنی رائے رکھتے تھے اور اپنے اپنے مزاج و طبیعت کے مطابق حل کرنے کے خواہشمند تھے۔ ان میں ایک مجتہد تھا اور دوسرا مقتدی اس لئے، ایک ہی مقصد کو حاصل کرنے کیلئے فکر و فکر کی راہوں کا جدا جدا ناگزیر تھا۔ اجتماعی معاملات میں آراء کی یہی نیرنگی و فرقہ رندی کے وجود اور اس کے ارتقاء کی ملامت ہے۔ دونوں میں طریق کار کے بارے میں شدید اختلاف پیدا ہوا۔ پر زور دلائل سے انہوں نے ایک دوسرے کو قائل کرنے کی کوشش کی اور اپنے موقف کی وضاحت کی لیکن یہ اختلاف باہمی ادب و احترام اور اعتماد و تعاون کی راہ میں حل نہ ہوا۔ جب فیصلہ ہو گیا تو مل کر اسے عملی جامہ پہنانے کیلئے سر یکف ہو گئے۔

ماہنامہ رکوۃ کا معاملہ یہ تھا کہ اس میں مدینہ کے گرد و نواح میں بسنے والے قبائل شامل تھے جن میں بنو اسد، بنو غطفان، بنو خزاعہ، بنو عیسٰی، بنو دبیان، بنو کنانہ، سرفہرست تھے<sup>(۱)</sup>۔ رکوۃ سے انکار کے محرکات میں جہاں مال کی محبت، بغل قبائلی عصبیت جزیہ کی طرح کا ایک ٹیکس سمجھ لینے کی غلط فہمی کا ذکر فرما تھی وہاں انہوں نے ایک آیت قرآنی کی غلط تاویل کو بھی بنیاد بنایا۔ اور اشارہ دیا ہے:

”حد من اموالهم صدقہ بطہرہم و ترکہم بہا و صل علیہم ان صلاتک مسکن لہم واللہ سمیع علیم“<sup>(۱)</sup>۔ اے نبی ان کے اموال سے صدقہ لے کر انہیں پاک کر داور (بتکی کی راہ میں) انہیں بڑھاد اور ان کے حق میں دعائے رحمت کرو کیونکہ تمہاری دعا ان کیلئے وجہ تسکین ہوگی اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم کسی شخص کو اپنی زکوٰۃ دینے کیلئے تیار نہیں ہیں سوائے اس کے کہ اس کی دعا ہمارے لئے باعث تسکین ہو۔ ان میں سے بعض نے یہ شعر پڑھا۔

اطعنا رسول اللہ اذ کان یسنا

فواعجبا ما بال ملک ابی بکر<sup>(۲)</sup>

(جب تک رسول اللہ ﷺ ہم میں موجود تھے تو ہم نے اس کی اطاعت کی پس تعجب ہے کہ ابو بکرؓ کی حکومت کی بخر کیا دیشیت ہے۔)

ان دنوں میں ان کی فکر و نظر کی بجائیں صاف جھلک رہی ہیں۔ اصل بات یہی تھی کہ وہ کسی صورت میں زکوٰۃ دینے کیلئے تیار نہیں تھے۔ انہیں پہلے ہی یہ اندازہ تھا کہ اس کی خواہش پوری نہیں ہو سکے گی اس لئے انہوں نے مسخ تیار کیا شروع کر دیں اور ساتھ ساتھ سیاسی و اخلاقی دباؤ ڈالنے کیلئے حضرت ابو بکرؓ کے پاس دُعا بھیج کر بات چیت کرنے کا فیصلہ کیا۔ وفات نبوی ﷺ کے تقریباً دس دن بعد نبی اسد مغلطیان، ہوازن، طے اور قھضہ کے دُعا دینے میں جمع ہو چکے تھے<sup>(۳)</sup>۔ انہوں نے سوائے حضرت عباسؓ کے تمام مسلمان مائندین کے ہاں قیام کیا۔ اپنے میزبانوں کو قائل کرنے کے ساتھ ساتھ آپس میں بھی اس مطالبے پر سمجھوتہ کر لیا کہ ہم نماز پڑھنے کیلئے تیار ہیں بشرطیکہ زکوٰۃ معاف کر دی جائے<sup>(۴)</sup>۔ انہوں نے حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر جب اپنے اکابرین کے سمجھوتے کی خبر دی تو انہوں نے یہ کہہ کر مطالبہ مسترد کر دیا کہ میں وہی زکوٰۃ براہِ وصول کروں گا جو نبی ﷺ وصول فرماتے تھے اور انہیں دینے سے نکل جانے کیلئے ایک رات اور ایک دن کی مہلت دی<sup>(۵)</sup>۔ ان کے خلاف جب فوجی کارروائی کا ارادہ کیا تو صحابہ کرامؓ نے گفتگو کی اور کہا کہ یہ لوگ زکوٰۃ کی عدم دہائی کی جس حالت پر قائم ہیں انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دیں اور ان سے اغت و محبت کا تعلق قائم کریں یہاں تک کہ ایمان ان کے دلوں میں جاگزیں ہو جائے اور خود ہی زکوٰۃ دینے لگ جائیں<sup>(۶)</sup>۔ حضرت عمر فاروقؓ کی بھی یہی رائے تھی تو انہوں نے بطور مشیر دوزیر اپنے طور پر یہی مشورہ دیا اور انہیں قائل کرنے کی کوشش کی ان کا اپنا بیان ہے ”جب رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہو گیا تو بعض لوگ مرتد ہو گئے اور کہنے لگے کہ ہم نماز تو پڑھیں گے مگر زکوٰۃ نہیں دیں گے۔“ میں حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا ”اے رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیجئے اور ان سے نرمی برتنے یہ تو دُشمنوں کی طرح ہیں۔“ حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا ”میں تو تم سے مدد کی امید کر رہا تھا لیکن تمہیں میری ہی تباہی کی فکر ہے۔ جاہلیت کا جاہ و جری اور اب اسلام میں کمزور پڑ گیا ہے۔ آخر میں کس طرح ان کے دلوں کو متوجہ کروں؟ ان کے سامنے باتیں بنا کر یا جاہ و جری کر کے؟ افسوس صد افسوس رسول اللہ ﷺ کا انتقال فرما گئے ہیں اور وہی بند ہو گئی ہے۔ و نہ جب تک میرے ہاتھ میں تمکوہ کا قلعہ ہے میں ان سے ضرور جہاد کروں گا کہ اگرچہ یہ معمولی سے رسی وغیرہ بھی نہیں دیں گے۔“ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے اس معاملے میں ان کو اپنے سے زیادہ سخت اور مستعد پایا اور لوگوں کو اس طرح سدھایا کہ میرے لئے بہت سی آسانیاں پیدا ہو گئیں<sup>(۷)</sup>۔

حضرت بوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے حضرت عمرؓ اور حضرت ابو بکرؓ کے مابین ہونے والے مباحثے کی مزید تفصیل سامنے آتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی اور خلیفہ ابو بکر رضی اللہ عنہ ہوئے لاہر عرب کے بہت سے قبائل نے کفر و انکار شروع کر دیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ”آپ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کی موجودگی میں کیونکر جنگ کر سکتے ہو کہ ”مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جنگ کروں گا جب تک وہ لا الہ الا

(۱) مسند ابی یوسف ۱/۳۹۸ (۲) کنز الدقائق ۳۱۱/۲ (۳) طبرستان ۲/۲۵۸ کنز الدقائق ۳۱۱/۲ (۴) (۵) (۶) کنز الدقائق ۳۱۱/۲ (۷) سیوطی ۲/۷۲

اللہ کی شہادت نہ دے دین و جو شخص اس کی شہادت دے دے گا تو میری طرف سے اس کے جان و مال محفوظ ہو جائیں گے سوائے اس کے ذمے واجب الادا حقوق کے۔ رہا اس کا سلب تو وہ اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔ اس پر حضرت ابو بکر نے جو لہجہ دیا ”بھئی میں ہر اس شخص سے لڑوں گا جو ذکوہ طور غلام میں تفریق کرے گا کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے۔ اللہ کی قسم اگر انہوں نے چار مہینے کے بچے کے دینے سے بھی انکار کیا جسے وہ رسول اللہ ﷺ کو دیتے تھے تو میں ان سے لڑوں گا۔“

حضرت عمرؓ نے فرمایا ”بھئی یہ بات اس کا نتیجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ابو بکرؓ کو شرح صدر عطا فرمایا اور بعد میں میں بھی اسی نتیجہ تک پہنچا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی حق پر تھے (۱)۔“ اگر ہم اس کے نتائج کو نظر انداز کر کے کہ جن کا پیشگی کسی کو علم نہیں ہو سکتا تھا حالات کے تناظر میں دونوں کے موقف کا تجزیہ کریں تو دونوں اپنی جگہ حق بجانب نظر آتے ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ کا خیال یہ تھا کہ اس وسیع فتنے کو قوت کے بل بوتے پر ختم کرنا مشکل ہے۔ مسلمان اس قائل نہیں ہیں کہ بیک وقت پورے صحرائے عرب سے ٹکر لے سکیں۔ جب تک قبائل اپنے اپنے علاقوں میں محدود ہیں ان سے گفت و شنید ہو سکتی ہے، لیکن اگر ایک بار مدینے پر حملہ آور ہو گئے تو پھر ان پر قابو پانا اور ان سے اپنی بات منوانا ناممکن ہو جائے گا۔ اس لئے انہیں حکمت اور حسن تدبیر سے رہبر است پر دایا جائے اور جنگ سے گریز کیا جائے۔ کم از کم لشکر اسلام کی داغی کا انتظار کیا جائے۔ ان کے نزدیک اصل پہنچ اور تعداد کا مقابلہ کرنا تھا اس لئے زیادہ سے زیادہ قبائل کو اپنے ساتھ ملانے اور اپنی قوت کو مجتمع کرنے کی ضرورت محسوس کرتے تھے۔ وہ مرتدین اور مانعین زکوٰۃ کو ایک ہی سطح پر رکھنے کے خلاف تھے۔ اس لئے کہ یہ لوگ ہیں تو کلمہ گو ہی اگر انہوں نے تادیل میں غلطی کی ہے تو انہیں آہستہ آہستہ سمجھا بھگا کر ٹھیک کیا جاسکتا ہے۔ اگر ان کی اطاعت سیاسی غلبے کی بنیاد پر تھی اور انتشار سے فائدہ اٹھا کر دباؤ ڈال رہے ہیں تو پھر بھی اہم چیز سیاسی استحکام کا حصول ہے وہ اگر ہو گیا تو یہ خود بخود مطیع ہو جائیں گے بصورت دیگر قوت بھی استعمال کی جاسکتی ہے، لیکن اس وقت حالات کا تقاضا یہی ہے کہ ان سے نرمی برتی جائے اور ان کی تالیف قلب کی جائے اور ان سے تعاون حاصل کر کے نبوت کے جھوٹے دعویداروں کی سرکوبی کی جائے۔ ان سے سختی کا ایک تو یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ مسلمانوں کیلئے لڑائی کا ایک اور محاذ کھل جائے گا اور دوسرا یہ کہ مرتدین کے ساتھ مل جائیں اور ان کیلئے تقویت کا وسیع بنیں اور مسلمانوں کیلئے ان کی متحدہ قوت کو شکست دینا مشکل ہو جائے۔ دور والے دشمنوں اور باغیوں کی طرف مہمات بھیجنے کیلئے بھی ضروری ہے کہ مدینے کے اطراف کا ماحول پر سکون ہو۔ یہ تھا ان کی رائے کا تاثر ”جس کو مد نظر رکھ کر ہم اس کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں۔ وہ اجتہادی ذہن رکھتے تھے“ اس لئے اسلام کے وسیع تر مقاصد کیلئے اس وقت کے حالات کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ ان کے ہر مشورے میں حالات کی رعایت کا غلط تاثر نہ تھا ایسا سوچنے میں وہ حق بجانب تھے۔ اس معاملے میں عمائدین اور عام لوگوں کی اکثریت بھی ان کے ساتھ تھی۔ وہ سیاستدان تھے اور اس مسئلے کو سیاسی سمجھتے تھے اس لئے قوت کے بجائے سیاست سے حل کرنا چاہتے تھے جہاں جذبات کے بجائے عقل کو رہنما بنانے کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ ذرا سی بے احتیاطی حالات کو بے قابو بنا سکتی تھی اس لئے اپنی طبیعت کے برعکس ان کا رویہ انتہائی نرم تھا۔

ان کے برعکس حضرت ابو بکر صدیقؓ اپنے تمام رحیم اور بردباری کے باوجود انتہائی سخت دکھائی دے رہے ہیں یہ کوئی انوکھی بات نہیں اس لئے کہ انسانی طبیعت میں نرمی و خفی دونوں رخ موجود ہوتے ہیں۔ عام حالات اور درمروہ کے معمولات میں انسان کے وہی اخلاق و عادات سامنے آتے ہیں جن کا اس کے مزاج پر غلبہ ہوتا ہے، لیکن ہنگامی حالات اور بحر انسانی شخصیت کے ان خفیہ گوشوں کو بھی ابھار کر سامنے لے آتے ہیں جنہیں ظاہر ہونے کا پہلے موقع نہیں ملا تھا۔ یہ تیار حقائق زیادہ نمایاں ہوتا ہے جتنا زیادہ اس کے جذباتی اور نفسیاتی پہلوؤں پر زور پڑتی ہے۔ حضرت ابو بکرؓ کی پوری زندگی ایمان و ایقان کا سرچشمہ تھی۔ خدا اور اس کے رسولؐ



کی بنا چوسا چر اعلیٰ امت نے انہیں مقام صدیقیت پر سرفراز کیا۔ انہوں نے اسلام کی خاطر سب کچھ نچھاور کر دیا تھا۔ اپنے مثالی قائد اور محبوب ساتھی کے پھرنے کے بعد انہیں اس بات کا شدید احساس تھا کہ دین اسلام کی مانت اب ان کے سپرد ہے اس کے تمام اجزاء اور ہر ستون کی حفاظت ان کی ذمہ داری ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ اسلام میں تحریف کی جاتی رہے اور ابو بکرؓ زندہ رہے۔ اس کے وجود کا فائدہ ہی کیا ہے کہ جس نظریہ کے فروغ کیلئے اس نے اپنی پوری زندگی کھپادی ہو اب اس کی بقاء کا مسئلہ درپیش ہو تو وہ مصالحت اور مدافعت کی خود ساختہ رنجیروں میں پنے آپ کو باندھ کر تماشا دیکھتا رہے؟ یہ تھا ان کا جذباتی اور غلبیاتی پہلو جب اس پر رد پڑی تو وہ جرأت کی چٹاں اور عزم و استقامت کے پہاڑ بن گئے۔ ان کے نزدیک، صلیبیوں کی زکوٰۃ کا مطالبہ سیاسی نہیں بلکہ خاص دینی معاملہ تھا۔ سنا دین کے ایک ستون کو گرادیے کے مترادف تھا۔ ان کی غیرت ایمانی یہ گوار نہیں کر سکتی تھی کہ سرور کونین ﷺ کی قبر کی مٹی ابھی تک خشک بھی نہ ہوئی ہو در اسلام کا ایک رکن ساقط کر دیا جائے۔ آدمی کلمہ پڑھ کے فرمانبرداری و اطاعت کا عہد کر لیتا ہے۔ اس کے جان و مال کی حفاظت ال حقوق کی ادائیگی سے مشروط ہے جو اس کے ذمے ہو سب جب وہ ان کا انکار کر دیتا ہے تو گویا خود ہی اب اعلان جنگ کر رہا ہے۔

پھر قرآن حکیم میں صلوٰۃ و زکوٰۃ کا ذکر ہے شمار موقعوں پر ایک ساتھ آیا ہے۔ رسول کرم ﷺ نے خود زکوٰۃ و صلوٰۃ میں فرق کرنے والوں کا مطالبہ نہیں مانا تھا۔ جب کچھ لوگوں نے آکر یہ درخواست کی تھی کہ ہم زکوٰۃ تو دیں گے لیکن نماز معاف کر دی جائے تو آپؐ نے فرمایا تھا: ”بھلا وہ بھی کوئی دین ہے جس میں نماز نہ ہو“ (۱)۔ ”اپنے قائد کا یہ اسوہ حسنہ حضرت ابو بکرؓ کے سامنے تھا اس لئے انہوں نے یہ پر عزم اعلان کیا ”بخدا میں ہر اس شخص سے لڑوں گا جو زکوٰۃ و نماز میں تفریق کرے گا“ (۲)۔ پھر ان کا یہ بھی خیال تھا رسول اللہ ﷺ دین کو مکمل حالت میں دے گئے ہیں انہوں نے زکوٰۃ کو نافذ بھی فرمایا اور اس کی شرح و طریقہ بھی بتا دیا ہے۔ اب سحران کی وفات کے بعد دین میں کیا کی واقع ہو گئی ہے؟ اگر اس عمل کو من مانی تاویل کی وجہ سے ترک کر دیا جائے تو باقی کوئی چیز متروک ہونے سے رہ جائے گی۔ اصل عبادت تو اللہ تعالیٰ ہی کی ہے جو زندہ و جاوید ہے۔ سیاسی اعتبار سے بھی اس مطالبے کو ماننا ان کے نزدیک نقصان دہ تھا۔ کسی ایک گروہ کے دباؤ میں آکر اس کی تاجزہات کو قبول کر لینا حکومت کی کمزوری و ہپائی کی علامت تھا۔ اس سے ہائیوں کی تالیف قلب اتانہ ہوتی، جتنا ان کا حوصلہ بلند ہو تا ورنہ رفتہ رفتہ تاجزہات پر مٹا ہوں کی بھر مار شروع ہو جاتی جسے روکنا ممکن ہو تا پھر سود کا معاملہ کر کے ساتھ چلنے والوں پر مکمل اعتماد اور بھروسہ کرنا مشکل ہو تا اور مرتدین کے خلاف مہم میں کبھی وہ مجبوری و یکسوئی سے شریک نہ ہوتے اور ہمیشہ سر پر سوار رہتے۔ باغرض اگر سیاسی فائدے کا کچھ امکان بھی ہو تو اس کی خاطر دین سے واضح انحراف کسی صورت میں نفع بخش نہیں ہو سکتا تھا۔ ان کے نزدیک اصل امتحان عزم و استقامت کا تھا اور اصل مقابلہ ایمان و کفر اور ایقان و نفاق کے مابین تھا۔ اس لئے انہیں امید تھی کہ اللہ کی نصرت و مدد مسلمانوں کا مقدر رہے گی اور ان کا مساعد حالات میں اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کیا تو وہ اپنے دین کی خود حفاظت کرے گا۔ بہر حال حضرت ابو بکرؓ کا فیصلہ نافذ ہوا۔ ان کے مشیر و وزیر حضرت عمرؓ نے اپنا موقف پیش کرنے کے بعد اپنے قائد کے موقف کو پورے غور سے سنا اور اس کی سچائی کے قائل ہو گئے اور اس کی قوت ایمانی کو ان الفاظ میں سراہا ”گر ابو بکر صدیقؓ کے ایمان اور تمام اہل زمین کے ایمان کا وزن کیا جائے تو ابو بکرؓ کے ایمان کا پتہ بھاری رہے گا“ (۳)۔ حضرت عمرؓ نے اب حلیفہ وقت کی حکمت عملی کے مطابق سوچنا شروع کر دیا اور پوری یکسوئی سے اسے کامیاب بنانے میں لگ گئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے بھی انہیں قدم قدم پر شریک مشورہ رکھنے اور اس کی اصابت رہنے سے فائدہ اٹھانے کیلئے کسی مہم پر روانہ کرنے سے گریز کیا اور اپنے پاس رکھ دیا تاکہ کام پختہ رہے و خود نے بھی مقابلی کی شانیں اور انہوں نے اپنے اپنے قبیلوں میں جا کر مدینے میں مسلمانوں کی قلت کے بارے میں بتلایا اور انہیں رنج دے کر حملہ کرنے پر اکسایا (۴)۔

حضرت ابو بکرؓ کو اس کی پوری توقع تھی اس لئے انہوں نے مضبوط دفاعی حکمت عملی مرتب کی۔ مدینہ کے راستوں پر محاذ مقرر کر دیئے اور اہل مدینہ پر مسجد میں حاضر ہونا واجب کر دیا اور تقریر کرتے ہوئے فرمایا ”بلشبہ وہ علاقہ کافر ہو چکا ہے ان کے وفد نے تمہاری قلت کو دیکھ لیا ہے۔ تم نہیں جانتے کہ وہ رات کو حملہ آور ہوں گے یا دن کو ان میں سے جو تمہارے قریب تر ہے وہ بارہ میل کی مسافت پر ہے۔ وہ لوگ امید کرتے تھے کہ ہم ان کی بات مان میں گئے اور ان سے مصالحت کر لیں گے مگر ہم نے ان کی بات نہیں مانی بس تیار ہو جاؤ اور خوب تیاری کرو“ (۱)۔ حضرت عمر فاروقؓ نے بھی اپنا بھرپور کردار سرانجام دیا اور اصرار سے پہنچنے والی خبریں جب لوگوں کو پریشان کرتیں تو حضرت عمر فاروقؓ ان کے حوصلوں کو بلند کرتے اور انہیں تسلیاں دیتے کہ گھبراہٹ کی کوئی بات نہیں حالات جلد ٹھیک ہو جائیں گے اور پھر ابو بکرؓ کو بھی اندرونی و بیرونی حالات سے آگاہ کرتے اور انہیں مفید مشورے دیتے۔ چنانچہ ان پریشان کن خبروں میں سے ایک خبر حضرت عمرؓ بن العاص نے لوگوں تک پہنچائی جو عثمان سے مدینہ پہنچے اور راستے میں تمام قبیلوں کی صورت حال دیکھ کر آئے۔ لوگوں نے جب ان سے احوال پوچھے تو جواب دیا ”وہا سے لے کر مدینہ تک ہر جگہ فوجی لشکر مجتمع ہو کر تیار بیٹھے ہوئے ہیں۔“ یہ سن کر قریش متفرق ہو کر مختلف حلقوں میں تقسیم ہو گئے اور آپس میں مشورے کرنے لگے۔ حضرت عمر بن الخطابؓ عمرؓ بن العاص سے ملے آ رہے تھے کہ ان کو کچھ سوچ نظر پڑے جو عمرؓ بن العاص کے بیان کردہ واقعات پر تامل خیال کر رہے تھے۔ اس حلقے میں حضرت عثمانؓ علیؓ طلحہؓ زبیرؓ عبدالرحمنؓ اور سعدؓ تھے۔ جب ان کے قریب آئے وہ خاموش ہو گئے۔ عمرؓ نے پوچھا کیا گفتگو تھی؟ انہوں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ عمرؓ نے کہا ”جو بات تم لوگوں نے مجھ سے چھپانا چاہی وہ مجھے معلوم ہے۔“ طلحہؓ بگڑے اور کہنے لگے ”اے ابن الخطابؓ اب تم ہم کو غیب کی باتیں بتاتے ہو۔“ عمرؓ نے کہا کہ ”غیب کا علم تو صرف اللہ کو ہے مگر میرا خیال ہے کہ آپ حضرات یہ ہی کہتے ہوں گے کہ ہمیں عربوں سے قریش کیلئے سخت اندیشہ ہے۔“ اب عمرؓ نے قسم دے کر ان سب سے پوچھا کیا یہ بات نہ تھی۔ انہوں نے اس کا قرار کیا اور کہا کہ آپ سچ کہتے ہیں۔ عمرؓ نے کہا ”آپ لوگوں کو اس حالت سے قطعی خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ مجھے تو عربوں کیلئے آپ کی جانب سے اس سے زیادہ اندیشہ ہے جتنا کہ آپ کو ان کی جانب سے ہے۔ بخدا اگر قریش کے قبائل کسی ٹکڑ و تاریک غار میں جائیں تو تمام عرب ان کی متابعت میں وہاں چلے جائیں گے۔ اللہ سے ان کے معاملے میں ڈرو اور اس قدر سوئے ظن ان سے نہ رکھو۔ یہ کہہ کر عمرؓ بن العاص سے بیٹے چلے گئے اور ان سے مل کر حضرت ابو بکرؓ کے پاس چلے گئے (۲)۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پنی اہل بیت و دو بغدت کے دستگیر فتنے کو منانے کیلئے جو حکمت عملی اختیار کی اس میں ان معروضی حالات کو سامنے رکھا جس کی نشاندہی حضرت عمرؓ کے موقف کے ذریعے ہوئی تھی اور ان خطرات و خدشات کا مقابلہ کرنے کیلئے پیشگی ایسے اقدامات کے لئے جو کارگر ثابت ہوں۔

پہلا کام یہ کیا کہ اہل مدینہ کے سامنے تقریر کی اور ان کے اندر جدہ جہاد کو تازہ کیا اور ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کے احسانات رکھے اور اس کی نصرت و مدد کے وعدوں و آیات پیش کر کے ان کا حوصلہ بڑھایا (۳)۔ دوسرا کام یہ کیا تمام مرتدین کے نام خطوط لکھے ان میں بھرپور دلائل اور قرآنی آیات کے ذریعے ان کی غلط فہمیوں کو دور کیا۔ انہیں خدا کا خوف دیا اور اسلحہ کی طرف پلٹنے اور اسلحہ کی طرف پلٹنے پر غلوص دل سے جم جانے کی نصیحت کی اور یہاں ہر دلوں کو حکم دیا کہ اسے مجمع عام میں پڑھ کر سنائیں اور کہیں یہ تنبیہ کی کہ ان اہل ایمان اور اہل عتقیوں کو قتل کر کے ان کے اہل و عیال کو لوٹائی و غلام بنایا جائے گا (۴)۔ تیسرا کام یہ کیا کہ ایک وقت مختلف طرف میں گیارہ فوجی دستے روانہ کر دیئے تاکہ وہ ایک دوسرے کی مدد نہ کر سکیں۔ مجموعی کمان اپنے ہاتھ میں رکھی اور تمام ساماروں کو ان کے اہداف راستے اور ایک دوسرے سے تعاون کے طریقے سمجھائیے (۵)۔

(۱) کتب ۱/۲۶۱ ص ۲۶۱ (۲) صحیح ۳/۳۵۹ کہ ۲/۳۸۸ (۳) صحیح ۱/۲۶۱ ص ۲۶۱ (۴) صحیح ۱/۲۶۱ ص ۲۶۱ (۵) صحیح ۱/۲۶۱ ص ۲۶۱

چوتھا کام یہ کیا کہ اہل مدینہ کی فاعلی پیرت بہت مضبوط کر دی اور حقائق انتظامات و عمرانی کام پورا بہتمام کیا اور گرد و نواح کے ابتدائی معرکوں کی خود کمان کی (۱)۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کی اور چھ ماہ کی فقیل مدت کے اندر اندر ہر طرف امن و امان بحال ہو گیا یہ ایک معجزہ سے کم نہ تھا۔ ایک مستحکم اور پائیدار حکومت معرض وجود میں آگئی، انصاف اور فتنوں کے دروازے بند ہو گئے۔ مسلمانوں میں باہمی اتحاد و اخوت کی ایک نئی روح بیدار ہو گئی۔ عزم و حوصلے جل چٹے، دین اسلام کو حیات نو ملی، جہاد کا جذبہ اجاگر ہو گیا، رنج و اہفاق کے مقابلے میں جذبہ ایمانی فتح یاب ہوا۔ مسلمانوں کو تائید ایزدی کا پھر سے یقین ہو گیا اور نئی فتوحات کے دروازے کھل گئے، حضرت ابو بکر صدیقؓ اس عظیم کارنامے کے ہیرو و نمبر ۱۔ عباس محمود العقاد نے یہ روایت رقم کر کے بہت خوب تبصرہ کیا ہے کہ بقول ابو رجاء بصری ”جب میں مدینے میں داخل ہوا تو میں نے لوگوں کا ایک جم غفیر دیکھا۔ اس مجمع میں میں نے دیکھا کہ ایک آدمی ایک دوسرے آدمی کا سر چوم رہا ہے اور کہہ رہا ہے ”میں آپ پر قربان جاؤں“ آپ نہ ہوتے تو ہم ہلاک ہو جاتے۔“ میں نے پوچھا ”یہ دونوں بزرگ کون ہیں؟“ لوگوں نے بتایا کہ یہ حضرت عمرؓ ہیں، جو حضرت ابو بکرؓ کا سر خوشی سے چوم رہے ہیں کہ مرتدین آپ ہی کی بدولت زیرِ تلگیں ہوئے اور زکوٰۃ روک لینے کے بعد دوبارہ دینے پر مجبور ہوئے۔ ابو رجاء ایک معتبر اور ثقہ راوی ہیں۔ انہوں نے ان دونوں عظیم انسانوں کی محبت اور تعظیم کا آنکھوں دیکھا حال بیان کیا ہے وہ انوکھا نہیں۔ حضرت ابو بکرؓ اسی بات کے سردار تھے کہ حضرت عمرؓ ان کی عظمت کا اعتراف اسی انداز میں کریں۔ یہ واقعہ اپنی سند کے اعتبار سے صحیح معلوم نہیں ہے، تو اسے صحیح ہونا چاہئے (۲)۔

### ۳۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کا معاملہ :

ایک در بڑا اختلاف اور اپنی نوعیت کے اعتبار سے زیادہ گہرا اور وسیع جو حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے مابین ہوا وہ حضرت خالد بن ولیدؓ کے معاملے میں تھا۔ حضرت عمرؓ تو اتنا اور شدت سے حضرت ابو بکرؓ کو یہ مشورہ دیتے رہے کہ خالدؓ کو سپہ سالاری کے منصب سے معزول کر کے قید کیا جائے اور انہیں شرعی ضابطوں کے مطابق سزا دی جائے، لیکن انہوں نے یہ مشورہ ماننے سے انکار کر دیا اور انہیں مابین زکوٰۃ مرتدین کے خلاف مہمات میں بھیجنے کے بعد عراق و شام کے خلاف کارروائیوں میں بھی فوج کا سربراہ بنائے رکھا۔ یہ واحد معاملہ ہے جس میں فاروق اعظمؓ نے صدیق اکبرؓ کے فیصلے کو خوشدلی اور اطمینان قلب سے قبول نہ کیا۔ یہ ان کے دس میں حضرت ابو بکرؓ کی وفات تک کانٹے کی طرح کھٹکنا رہا یہاں تک کہ انہوں نے خود منصب خلافت سنبھال لیا اور سب سے پہلا فرمان جو انہوں نے جاری کیا وہ حضرت خالد بن ولیدؓ کو سپہ سالاری سے معزول کا تھا انہیں حضرت ابو عبیدہؓ کی کمان میں دے دیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرت خالدؓ کا قصور کیا تھا؟ دونوں برہمنوں کا کیا موقف تھا اور ان کے دلائل کیا تھے؟ حضرت عمرؓ اپنے دیگر مشوروں کے برعکس اس بارے میں زیادہ حساس کیوں تھے اور اپنی رائے پر اس قدر مصر کیوں رہے؟ تاکہ ہم دونوں بزرگوں کے مزاج کو جان سکیں اور سیاسی انتظامی معاملات میں ان کی فکر و نظر اور طریق کار کے فرق کو سمجھ سکیں۔ کتب تاریخ میں حضرت خالدؓ پر حسب ذیل الزامات کا پتہ چلتا ہے

۱۔ انہوں نے مالک بن نویرہ کو حالت اسلام میں قتل کر لیا۔

۲۔ مالک بن نویرہ کی بیوی لیلیٰ سے دوران عہد شادی کر لی۔

۳۔ بنت مجاہد سے حالت جنگ میں نکاح کیا۔

۴۔ مال غنیمت خود ہی تقسیم کر دیتے تھے اور خلیفہ کے پاس حسابات بھیجنے میں کوتاہی کرتے تھے۔

مالک بن نویرہ بنو تمیم کی شاخ بنی یربوع کا سردار تھا۔ عرب کے مشہور شعراء اور شہسواروں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ ۸ یا ۹ ہجری کو مسلمان ہوئے بنو تمیم کے ایک وفد کے ساتھ خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئے آپؐ نے اس کو عامل زکوٰۃ مقرر فرمایا۔ جب اسے رسول اکرم ﷺ کی وفات کی خبر پہنچی تو اس نے زکوٰۃ کو مدینے بھیجنے کے بجائے اپنی قوم میں تقسیم کر دیا اور جواز میں اشعار کہے<sup>(۱)</sup>۔ پھر سجاج میں آکر نبوت کا اعلان کیا تو اس نے اس کا ساتھ دیا وہ اسی کے قبیلے سے تعلق رکھتی تھی<sup>(۲)</sup>۔ اس نے مدینے پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو مالک نے اسے اپنے ہی قبیلے کو پوری طرح مطلع کرنے کا مشورہ دیا جو اس نے قبول کر لیا۔ پھر سجاج نے پیامد حاکم مسیلہؓ مذاب سے جب شادی رچالی تو مالک بن نویرہ کو اس کا ساتھ دینے کی غلطی کا احساس ہو گیا اور لوہر حضرت خالدؓ اسد اور عطفان کے قبائل کو مطلع کر چکے تھے۔ بطرح کی جانب آکر مالک بن نویرہ اور اس کے حلیف قبائل سے مقابلہ کرنے آ رہے تھے تو اسے خوف لاحق ہوا اور اس نے اپنے پیروکاروں کو منتشر کر دیا اور اجتماع کی ممانعت کر دی کہ کہیں مسلمان انہیں اپنا مقابل نہ سمجھ لیں اور انہیں یہ ہدایت کی ”تم اس شورش سے مسجد کی اختیار کرو اپنے علاقوں کو چلے جاؤ اور، غلام میں دخل ہو جاؤ“<sup>(۳)</sup>۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے بنی تمیم کے قبائل سے خود مقابلہ کرنے کے بجائے مختلف فوجی دستے روانہ کر دیے اور انہیں حضرت ابو بکرؓ کے اس فرمان پر عمل کرنے کی تلقین کی کہ جس جگہ جائیں وہاں لوہان اور اقامت کہیں۔ اگر وہ ان اسلامی شعائر کا ثبوت جواب دیں تو ان سے زکوٰۃ کی

وانجی کا قرار لیں۔ گر وہ مان جائیں تو ٹھیک ورنہ اچانک ان پر حملہ کر کے انہیں قتل کر دیں<sup>(۱)</sup>۔ مالک بن نویرہ سے جس دستے کا سامنا ہوا اس کی قیادت ضرار بن امارہ کر رہے تھے۔ اس میں ایک انصاری صحابی حضرت ابو قتادہؓ بھی شامل تھے ایک روایت کے مطابق ان کی باقاعدہ جنگ ہوئی<sup>(۲)</sup>۔ دوسری میں تو یہاں تک بھی ہے اسی مقابلے میں مالک قتل ہوا<sup>(۳)</sup>۔ لیکن راجح یہی ہے کہ ان کے درمیان مقابلے کی نوبت نہیں آئی اور اسے ساتھیوں سمیت گرفتار کر لیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خود دستے کے لوگوں میں یہ اختلاف پیدا ہو گیا کہ ان لوگوں نے اذان دی اقامت کہی اور نماز پڑھی یا کہ نہیں<sup>(۴)</sup>۔ اس اختلاف کی وجہ غالباً یہ ہو گی کہ دستے کو ان لوگوں کی تلاش کیلئے مزید حصوں میں تقسیم کر لیا گیا ہو گا اور رات کی تاریکی میں ہر کسی کو اصل صورت حال کا پتہ نہیں چل سکا ہو گا۔ بہر حال حضرت ابو قتادہؓ اس واقعہ کی تفصیل یوں بیان کرتے ہیں کہ جب خالدؓ کی فوج نے مالک کے قبیلے پرورش کی تور ت کی وجہ سے وہ حملہ آوروں سے خائف ہوئے اور نہوں نے سحر سنبال یا ہم نے ان سے کہا کہ ہم مسلمان ہیں۔ ہم بے پوچھ گریباں ہی ہے جیسا کہ تم کہتے ہو تو ہتھیار رکھ دو انہوں نے ہتھیار رکھ دیئے۔ ہم بے نماز پڑھی اور ہمارے ساتھ انہوں نے بھی نماز پڑھی<sup>(۵)</sup>۔

اس روایت میں زکوٰۃ کے اقرار کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ دستے میں اختلاف زیادہ تر اسی بارے میں ہو گا کیونکہ نماز اس نے بہت سے لوگوں کے سامنے پڑھی تھی بہت زکوٰۃ کا اقرار منکوک تھا کہ اس نے اپنے موقف سے رجوع کر لیا تھا یا نہیں۔ حضرت ابو قتادہؓ کا خیال تھا کہ اس نے زکوٰۃ کا بھی اقرار کر لیا تھا۔ دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ نہیں۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے اس سے خود اس بارے میں پوچھ گچھ کی۔ روایت میں آتا ہے کہ مالک نے کہا ”میں نماز پڑھنے کا تو اقرار کرتا ہوں لیکن زکوٰۃ دینے سے انکاری ہوں۔“ خالدؓ نے فرمایا ”کیا تجھے معلوم نہیں کہ نماز اور زکوٰۃ ایک ساتھ قبول ہوتی ہیں نماز کے بغیر زکوٰۃ اور زکوٰۃ کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی“<sup>(۶)</sup> مالک نے کہا ”کیا آپ کے صاحب بھی یہی کہتے تھے؟“ خالدؓ نے کہا ”کیا تو انہیں اپنا صاحب خیال نہیں کرتا؟ اللہ کی قسم! میں نے تیری گردن اڑانے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے۔“ اس کے بعد بحث طول پکڑ گئی اور گفتگو میں تیزی آگئی۔ آخر خالدؓ نے کہا ”میں تجھے قتل کر کے رہوں گا۔“ اس نے کہا ”کیا تمہارے صاحب نے تمہیں یہی حکم دیا تھا؟“ خالدؓ نے کہا ”اب تو میں تجھے ضرور قتل کروں گا“ چنانچہ آپ نے اپنے آدمیوں کو اس کی گردن مارنے کا حکم دیا<sup>(۷)</sup>۔

یعقوبی کی روایت میں ہے کہ زکوٰۃ کے بارے میں اس نے حضرت خالد بن ولیدؓ سے باقاعدہ مناظرہ کیا اس وقت اس کے ساتھ اس کی بیوی بھی تھی جو حضرت خالدؓ کو اچھی لگی۔ انہوں نے مالک کو کہا کہ جو تیرا مکان ہے تو اس وقت تک اس کو نہیں پائے گا جب تک میں تجھے قتل نہ کر دوں پھر اس کی بیوی سے نکاح کیا<sup>(۸)</sup>۔ ان غالی میں ہے کہ اس موقع پر مالک کی بیوی اپنے خاوند سے غلو و ترحم کیلئے حضرت خالدؓ کے قدموں میں گر گئی۔ ہاں کندھوں پر پھیلے ہوئے تھے اور آنسوؤں کی لڑی آنکھوں سے جاری تھی اس حال میں اس کی خوبصورتی دوہلا ہو گئی جس نے خالدؓ کو مسحور کر لیا۔ جب مالک نے دیکھا تو کہا ”افسوس میری بیوی ہی میرے قتل کا باعث بنی۔“ حضرت خالدؓ نے کہا ”نہیں! بلکہ تیرے اعمال ہی اس کا باعث بنے۔ یہ کہہ کر اس کی گردن اڑانے کا حکم دیا<sup>(۹)</sup>۔“ پھر لوگوں کو عبرت دینے کیلئے مالک بن نویرہؓ اس کے دوسرے ساتھیوں کے سروں پر سپاہیوں نے دنگیں رکھ دیں جس سے سوائے مالک کے سب کے چہرے جھٹس گئے۔ اس کا چہرہ اس لئے محفوظ رہا کہ اس کے بال بہت گھنے تھے<sup>(۱۰)</sup>۔

(۱) طبرستان ۳: ۲۷۷ (۲) دلائل ۷: ۱ (۳) ابصار ۴: ۲۸۷ (۵) طبری ۳: ۲۸ (۶) حشکات (۷) حشکات (۸) کتب ۱۱: ۳۲۲/۶ (۹)

یعقوبی ۱۳: ۱۳۱ (۹) حشکات ۲۱۴ (۱۰) طبری ۳: ۲۷۹ کتب ۱۱: ۳۲۲/۶

ایک روایت میں یہ آتا ہے کہ حضرت خالدؓ نے خود حکم دے کر اپنے سامنے قتل نہیں کرایا تھا بلکہ مالک اور اس کے ساتھیوں کو قید رکھا تھا۔ اس رات اس قدر شدید سردی اور ہوا تھی کہ کوئی شے س کی تاب نہیں لاتی تھی۔ جب سردی اور بڑھنے لگی تو حضرت خالدؓ نے منادی کو حکم دیا اور اس نے بلند آواز سے چلا کر کہا ”ادخلوا اسراکم“ یعنی اپنے قیدیوں کو گرم کرو۔ بنی کنانہ کے محارمے میں اس کے معنی قتل کرنے کے تھے اس لئے یہاں قتل کر دیا۔ حضرت خالدؓ نے جب شور و غل سنا تو فیصے سے باہر آئے سپاہی ان سب کا کام تمام کر چکے تھے اب کیا ہو سکتا تھا۔ حضرت خالدؓ نے کہا ”اللہ جس کام کو کرنا چاہتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے“ (۱)۔ ان روایات سے ایک بات یہ ظاہر ہوتی ہے کہ مالک بن نویرہ نے زکوٰۃ ادا کرنے کا اقرار نہیں کیا تھا اور اپنے اس غلط موقف پر ازار ہا کہ حضرت ابو بکرؓ کو زکوٰۃ وصول کرنے کا حق نہیں ہے چہ جائیکہ اس کیسے قوت استعمال کریں۔ اس لئے وہ حضرت ابو بکرؓ کے فرمان کی روشنی میں قابل گردن زنی تھا۔ دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت خالدؓ سے قتل کرانے کے بارے میں ہچکچاہٹ رہے تھے لیکن اس بارے میں انہیں یکسو کرنے کا سبب آنحضور ﷺ کے بارے میں صاحب حکم کا لفظ استعمال کیا۔ حضرت خالدؓ یقین کر گیا کہ وہ آپ کو اپنا قاتل تسلیم نہیں کرتا۔ ایک مرتبہ حضرت خالدؓ نے اسی کو قتل کا سبب قرار دیا (۲)۔ تیسری بات یہ سامنے آتی ہے کہ حضرت خالدؓ نے اپنے طور پر تحقیق و تمسق کر لی تھی یہ کہ وہ نماز و زکوٰۃ میں فرق کر رہا تھا اس لئے مرتد اور واجب القتل ہے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ س کی بیوی کی خوبصورتی سے متاثر ہوئے اس کا امکان تو ہے لیکن اس بنا پر قتل کر دینا قاتل یقین ہے۔ ہاں البتہ مالک نے کمال ذہانت سے اپنے فیصلہ قتل کو یہ رخ دینے کی کوشش کی جو کافی حد تک کامیاب رہی اور بعد میں حضرت خالدؓ کے بارے میں غلط فہمیوں کی بنیاد بنی۔

دوسری بات کہ حضرت خالد بن ولیدؓ نے سے خود ہی قتل کا حکم دیا تھا قاتل ہو گیا۔ اگر اختلافی روایات میں ترجیح قائم کی جائے تو قتل کا حکم دینا زیادہ درست معلوم ہوتا ہے لیکن اگر تطبیق دی جائے تو اس کا بھی مکان ہے کہ قتل کرنے کا انہوں نے فیصلہ تو کر لیا ہو لیکن عملدرآمد کو مزید غور و خوض کیسے اگلے دن تک موخر کر دیا ہو کیونکہ لوگوں میں بھی تک اس کے مسلمان ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں اختلاف موجود تھا۔ پھر قیدیوں کو گرم کرنے کے بارے میں ان کے حکم کی غلط فہمی کی بناء پر مالک اور اس کے ساتھی مقتول ہوئے ہوں (واللہ اعلم بالصواب)۔ یہ بات بالکل صحیح ہے کہ حضرت خالد بن ولیدؓ نے فوراً بعد مالک کی بیوی ام حنیم سے نکاح کر لیا (۳)۔ خواہ اس کی ان کے پاس کچھ بھی تاویل ہو البتہ طبری میں یہ صراحت موجود ہے کہ انہوں نے نکاح کے بعد طہر کیسے چھوڑ دیا (۴)۔ ابن کثیر کے بقول جب حلال ہوئی تو اس کے پاس آئے (۵)۔ ایک روایت گرچہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے عدت گزرنے کے بعد باقاعدہ پیغام نکاح بھیج کر ام حنیم کی رضامندی سے نکاح کیا (۶) لیکن اگر اس کو صحیح مان لیا جائے تو پھر قابل اعتراض بات نہیں رہتی۔ حضرت عمرؓ برطانی کا مطالبہ کریں اور حضرت ابو بکرؓ انہیں عدت کریں اور طلاق دینے کا حکم دیں (۷)۔ بہر حال حضرت خالدؓ پر تنقید کا سلسلہ اس وقت شروع ہوا جب حضرت ابو قتادہؓ نے مالک اور اس کے ساتھیوں کے قتل کے بعد سخت برہمی کا اظہار کیا اور یہ عہد کیا کہ ”عندہ کبھی حضرت خالدؓ کے ساتھ کسی بھی جنگ میں شریک نہ ہوں گے“ (۸)۔ لوگوں کے اندر تو پہلے اس کے بارے میں اختلاف تھا اب وہ مزید ہو گیا اور چہ میگو یاں شروع ہو گئیں اور ام حنیم سے شادی کا مسئلہ بھی لوگوں کی خصوصی توجہ کا مرکز بن گیا اور اسے قتل کے ساتھ جوڑا جانے لگا۔ جنگ کے دنوں میں شادی کو عربوں کے ہاں ویسے بھی محبوب سمجھا جاتا تھا۔

حضرت ابو قتادہؓ نے فیصلہ کر لیا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو اس کی اطلاع دیں گے کہ حضرت خالدؓ نے ایک مسلمان کو قتل کیا ہے۔ جب حضرت ابو بکرؓ کی خدمت

(۱) طبرقہ: ۳/۲۷۸، تاریخ: ۱/۲۹۵، (۲) طبرقہ: ۳/۲۸، تاریخ: ۲/۲۹۶، (۳) تاریخ: ۲/۲۹۵، مجموعی: ۲/۳۱، (۴) طبرقہ: ۳/۲۸۷، (۵) کثیر: ۶/۲۲۶، (۶)

صعید: ۲۰۹، جواب الروایات (۷) حصر: ۱/۴۱۴، (۸) طبرقہ: ۳/۲۸، تاریخ: ۲/۲۹۶، تاریخ: ۲/۲۹۵، مجموعی: ۲/۳۱۲۔

میں بچے تو وہ اس سے ناراض ہوئے کہ امیر کی اجازت کے بغیر کیوں آئے ہو اور فرمایا ”جب تک امیر کے پاس واپس نہیں جائیں گے“ معاف نہیں کروں گا“ (۱)۔ اور واقعہ کے بارے میں کوئی توجہ نہ کی اور کہا کہ انہیں ایسے شخص کے بارے میں ایسی بات نہیں کہنی چاہئے جسے رسول اللہ ﷺ نے سیف اللہ کا خطاب مرحمت فرمایا ہو۔ حضرت ابو قتادہؓ مطمئن نہ ہوئے اور حضرت عمرؓ کو سارے واقعہ سنایا اور ایسا نقشہ کھینچا کہ وہ بہت متاثر ہوئے اور حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر اصرار کیا کہ ”حضرت خالدؓ ایک مسلمان کے خون کے دمہ دار ہیں انہیں قید کر لیا جائے۔“ حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا ”عمرؓ اس بارے میں خاموشی اختیار کرو“ خالدؓ سے اجتہادی غلطی ہوئی ہے تم اس بارے میں اب ہرگز کچھ مت کہو (۲)۔ ”لیکن اس سے حضرت عمرؓ مطمئن نہ ہوئے اور کم از کم معزول کر دینے پر پراہر اصرار کرتے رہے۔ اسی اثناء میں انہیں معلوم ہوا کہ حضرت خالدؓ نے مالک کی بیوی ام قیس سے شادی کر لی ہے تو برہم ہوئے اور ایک مرتبہ پھر حضرت ابو بکرؓ سے کہا کہ ”وثن بن خدا خالدؓ سے ایک مسلمان کو قتل کیا اور پھر اس کی بیوی پر کود پڑا“ (۳)۔ لہذا اسے ہر طرف کر دیا جائے۔ انہی دنوں مالک بن نویرہ کے بھائی قیس بن نویرہ بھی حضرت ابو بکرؓ کے پاس اپنے بھائی کے قصص لینے کیلئے آئے اور ساتھ یہ بھی درخواست کی کہ ہمارے قیدی رہا کر دیئے جائیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے قیدیوں کی رہائی کی درخواست قبول کر لی اور حکم لکھ دیا۔ اس موقع پر بھی حضرت عمرؓ نے حضرت خالدؓ کے بارے میں سخت اصرار کیا کہ انہیں ہر طرف کر دیا جائے کیونکہ ان کی تلوار میں بگناہ مسلمان کا خون ہے، لیکن حضرت ابو بکرؓ نے یہ کہہ کر دونوں کو فیصلہ دے دیا کہ ”عمرؓ یہ نہیں ہو سکتا میں اس تلوار کو نیام میں نہیں رکھوں گا جسے اللہ تعالیٰ نے کفار کیسے بے نیام کیا ہے“ (۴)۔ ”لیکن اس کے ساتھ ہی اپنے شیر خاں کے اس پر زور مطالبے کا لحاظ رکھتے ہوئے حضرت خالدؓ بن ولید کو مدینے بلوایا تاکہ ان سے ہنر س کر سکیں۔ چنانچہ حضرت خالدؓ میدان جنگ سے مدینے پہنچے اور سیدھے مسجد نبوی تشریف لائے۔ وہ ایک زنگاری قبائلی تھے اور اپنے دل سے میں تیر لگا رکھے تھے۔ جب حضرت عمرؓ نے انہیں مسجد میں داخل ہوتے دیکھا تو آگے بڑھ کر ان تیروں کو سمجھ کر توڑ ڈالا اور کہا کہ حصہ دکھانے کیسے اس ہیبت سے آئے ہو تم نے ایک مسلمان کو قتل کیا اور اس کی بیوہ سے نکاح کر لیا۔ واللہ میں تمہیں سنگسار کر دوں گا۔“

حضرت خالدؓ نے اس وقت ایک لفظ بھی زبان سے نہیں کہا کیونکہ وہ سمجھے کہ شاید ابو بکرؓ کا بھی یہی خیال ہے۔ وہ حضرت ابو بکرؓ کے پاس سیدھے چلے آئے اور سارے واقعہ سنایا اور معذرت چاہی۔ اس اعتراف پر حضرت ابو بکرؓ نے انہیں معاف کر دیا (۵)۔ ان کی خوشنودی حاصل کر کے اٹھ آئے حضرت عمرؓ ابھی مسجد ہی میں بیٹھے تھے انہیں مخاطب کر کے حضرت خالدؓ نے کہا ”اے ام شملہ کے بیٹے اب آؤ کیا کہتے ہو۔“ حضرت عمرؓ سمجھ گئے کہ حضرت ابو بکرؓ ان سے راضی ہو گئے ہیں چنانچہ چپکے سے اٹھے اور گھر چلے گئے۔ حضرت خالدؓ کو کوئی جواب نہ دیا (۶)۔ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ کو خاموش کرانے اور مالک کے بھائی قیس کے ایک اور کام یہ کیا کہ مالک کے قتل کی ریت بیت المال سے ادا کر دی (۷)۔ اس کا مقصد یہ بھی تھا کہ جن لوگوں کے گناہ کے مطابق مالک مسلمان تھا ان کو اطمینان ہو جائے اور یہ قصہ یہیں ختم ہو جائے لیکن یہ مسئلہ کسی نہ کسی انداز میں تروتازہ رہا۔ حضرت عمرؓ قافو قافرا نش کر کے قسطنطنیہ سے وہاں شہر سنتے تھے کہ جو اس نے اپنے بھائی کی وفات پر کہے تھے (۸)۔ یہ واحد معاملہ ہے جس سے حضرت عمر فاروقؓ اپنے موقف پر حضرت ابو بکرؓ کے حتمی فیصلہ کر دینے کے بعد بھی قائم رہے۔ اس کے دل میں حضرت خالدؓ کے بارے میں جو شبہات تھے وہ پورے عہد صدیقی میں قائم رہے اور اپنے آپ کو برسر حق سمجھتے رہے۔ اس کی پہلی بنیاد تو خود حضرت ابو قتادہؓ کی گواہی تھی جو خود عمرؓ کے میں موجود تھے اور حضرت عمرؓ کی معلومات کا واحد ذریعہ تھے۔ دوسری بنیاد ام قیس سے شادی تھی جو ان کے شہر کیلئے تقویت کا باعث تھی۔

(۱) طبری ۲۷۸/۳: ۱۱ (۲) طبری ۲۷۹/۳: ۱۱ (۳) طبری ۲۸۰/۳: ۱۱ (۴) طبری ۲۷۹/۳: ۱۱ (۵) طبری ۲۷۹/۳: ۱۱ (۶) طبری ۲۷۹/۳: ۱۱ (۷) طبری ۲۷۹/۳: ۱۱ (۸) طبری ۲۷۹/۳: ۱۱

تیسری بنیادی تھی کہ حضرت خالدؓ نے ہوتیم کے دیگر سرداروں قرہ اللہؓ ابو شجرہؓ اور عیینہؓ وغیرہ کو تو خود قتل کرنے کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ نہیں مدینے روانہ کر دیا تاکہ حضرت ابو بکرؓ خود جیسا چاہیں فیصلہ کریں لیکن انہی کے ہمہ سردار مالک بن نویرہ کو قتل کر دیا (۱) اور جو تھی وجہ متم کے وہ اشعار تھے جنہوں نے خاص و عام کی توجہ کامر کز بن کر مالک کی بے گنائی کا اثر مستحکم کر دیا۔ تھوڑے ہی عرصے بعد ایک اور واقعہ نے حضرت عمرؓ کو اپنی رائے پر مزید پختہ کر دیا کہ جنگ یمامہ کے بعد حضرت خالدؓ نے ہی حنیفہ کے ایک سردار بجاء کی بیٹی سے شادی کر لی۔ اس کی اطلاع حضرت ابو بکرؓ تک پہنچی تو انہیں بھی شدید دکھ ہو اور انہوں نے بہت ہی خشم آگین خط لکھا۔ ”اے م خالد بڑے افسوس کی بات ہے معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں اور کوئی کام ہی نہیں رہا کہ تم عورتوں سے نکاح کر رہے ہو حالانکہ بارہ سو مسلمانوں کا خون تمہارے صحن میں ابھی تک تازہ ہے اور جنگ بھی نہیں ہو۔“ یہ خط جب ان کے پاس پہنچا تو کہے گئے ”یہ عمر یعنی حضرت عمر بن الخطابؓ کی حرکت ہے کہ امیر المؤمنین نے یہ خط مجھے لکھا ہے (۲)۔“ یہ نام بائیں ہاتھ سے کام کرنے کی وجہ سے دیا۔

ایک اور بات بھی تھی جس کی وجہ سے حضرت عمر فاروقؓ یہ سمجھتے تھے کہ حضرت خالدؓ کو معزول کر دینا چاہئے وہ یہ کہ حضرت خالدؓ سرد میدان تھے۔ اس لئے وہ حساب کتاب کے تکلفات میں زیادہ پڑنے کے بجائے خود ہی مال غنیمت جہادین میں تقسیم کر دیتے تھے حضرت ابو بکرؓ کو نہیں سمجھتے تھے (۳)۔ حضرت عمر فاروقؓ کو ان کی یہ بات بھی سخت ناگوار تھی کیونکہ بیت امال کے سلسلے میں بہت غلط اور حساس تھے۔ روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو مشورہ دیا کہ خالد کو لکھیں کہ وہ آپ کے حکم کے بغیر کوئی بکری اور دھن نہ دیں۔ انہوں نے بات لکھ کر بھیج دی جواب میں حضرت خالدؓ نے لکھا کہ ”آپ اپنا کام کریں اور مجھے اپنا کام کرنے دیں۔“ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ ”آپ انہیں معزول کر دیں۔“ انہوں نے پوچھا کہ ”پھر ان کا قائم مقام کون ہو گا؟“ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا ”میں۔“ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا ”آپ؟“ اس پر حضرت عمرؓ نے تیاریاں شروع کر دیں حتیٰ کہ سوار یوں کو بھی اپنے گھر میں بٹھایا۔ صبیہ کرام کو معلوم ہوا تو حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشورہ دیا کہ حضرت عمرؓ کو مدینے ہی میں رہنے دیں اور حضرت خالدؓ کو شام میں انہوں نے یہ مشورہ قبول کر لیا۔ جب حضرت عمرؓ حنیفہ پہنچے تو انہوں نے ایسی ہی بات انہیں لکھی اور دیسا ہی جواب آئے پر معزول کر دیا کہ واللہ اب نہیں ہے کہ مجھے ایک بات سمجھائے جس کا میں ابو بکرؓ کو حکم دوں اور اسے خود نافذ نہ کر سکوں (۴)۔“

### ۳۔ حضرت عمرؓ و ابو بکرؓ کا مؤقف:

حضرت خالدؓ بن دید کے بارے میں دونوں بزرگوں کے موقف کے پس منظر میں مذکورہ تمام واقعات کارفرما تھے۔ دونوں کے پاس اپنی اپنی رائے قائم رکھنے کیلئے بھرپور دلائل تھے اس لئے اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتے تھے۔ یہ وہ حد مسئلہ ہے جس میں ان میں سے کوئی بھی دوسرے کو قائل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ حضرت عمر فاروقؓ قانونی مسدات کے علمبردار تھے۔ ان کے نزدیک مجرم خواہ کوئی بھی ہو اس کو ضرور سزا ملنی چاہئے۔ عدل و انصاف کا تقاضا یہی تھا کہ سیف اللہ کا قہقہہ پائے وال شخص بھی قانون کی گرفت سے آزاد نہ ہو۔ حضرت خالدؓ نے ایک کلمہ گو کو محمدؐ کو قتل کر دیا تھا۔ اگر انہیں غلط فہمی تھی تو بھی دیگر سرداروں کی طرح حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں رونہ کرنا چاہئے تھا۔ ایک دوسرے کی حیثیت سے ان کی اس کوتاہی کی کم سے کم سزا یہی تھی کہ انہیں معزول کر دیا جائے تاکہ ”سندہ کوئی شخص بھی ایسی بے احتیاطی نہ کر سکے۔ ان کے برعکس حضرت ابو بکرؓ کے نزدیک سب سے اہم بات یہ تھی کہ انہیں خود سوس اللہ ﷺ نے سزاوارہ شکر بنایا تھا۔ لسان نبوت ﷺ سے انہیں سیف اللہ کے لقب سے سرفراز کیا گیا تھا (۵) اور پھر اسوہ نبویؐ موجود تھا کہ جو جزیہ کے کچھ لاگوں کو ایسی ہی غلط فہمی کی وجہ سے حضرت

(۱) بلا۔ ص ۳۱۱ (۲) جہد ۱۱۱ ص ۳۰ مجموعہ ۱۳۱۲ (۳) جہد ۱۱۱ ص ۳۰ (۴) کتبہ ۱۱۱ ص ۳۰ (۵) اشیر ۱۱۱ ص ۹۴ جہد ۱۱۱ ص ۳۰ کتبہ ۱۱۱ ص ۳۰



خالدؓ نے قتل کر لیا تھا تو آپؐ نے دیت اور دی تھی، لیکن معزول نہیں فرمایا تھا<sup>(۱)</sup>۔ اس لئے انہیں معزول کرنا سنت کی خلاف ورزی کے مترادف تھا پھر مالک بن نویرہ نے زکوٰۃ کا انکار کیا تھا اس لئے وہ مرتد اور واجب القتل تھا۔ حضرت خالدؓ نے خلافت ہی کی طرف سے دیئے ہوئے اختیار کو استعمال کیا تھا اس لئے وہ قصور وار نہیں تھے۔ مگر پھر غلطی بھی تھی تو محض تاویل اور اجتہاد کی غلطی تھی جس کا مکان ہر وقت ہوتا ہے اس کی وجہ سے کسی ذمہ دار کو سزا نہیں دی جاسکتی۔ اس معمولی سی بات پر گرفت کے مقابلے میں ان کارناموں کا لیڈر کھنہ ضروری تھا جو انہوں نے اسلام کی سربندی، دور مشرکین کو نیست و نابود کرنے کیلئے سرانجام دیئے تھے۔ حضرت عمرؓ کا خیال تھا کہ دور ان جنگ شادیاں رہ چکا کہ حضرت خالدؓ نے مسلمانوں کی شہرت پر دھبہ لگایا تھا۔ یہ کسی عام آدمی کا فعل نہیں تھا بلکہ ایک معروف سالار کا فعل تھا اسے عہد جاہلیت اور عہد اسلام دونوں میں معیوب سمجھا جاتا تھا۔ اس نئے مسلمانوں میں پیدا ہونے والے بڑے اثرات کے ازالے اور تمام لوگوں میں مسلمانوں کے تشخص کی حفاظت کیلئے حضرت خالدؓ کو قرار دینی سزا مہنی چائے اور خاص طور پر مہتمم سے اسہول نے دور ان عدت نکاح کر کے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا تھا اس لئے انہیں صرف معزول کر دینا کافی نہیں تھا بلکہ یہ بھی ضروری تھا کہ انہیں قید کر کے ان پر حد نافذ کر دی جائے۔ اس سلسلے میں چشم پوشی حکام الہی کو پس پشت ڈالنے کے مترادف تھی۔ اس سے دین میں خلل پڑنے کا خطرہ تھا لہذا حضرت خالدؓ کی کوئی تاویل و توجہ بہرہ قابل قبول نہیں تھی۔ اگر وہ ایک مقتول مسلمان کی بیوہ تھی اور باقاعدہ نکاح کیا گیا تھا تو دور ان عدت ایسا کرنا موجب حد تھا اور اگر غیر مسلم کی بیوہ تھی اور مال غنیمت کے طور پر آئی تھی تو بھی انہیں یہ حق نہیں پہنچتا تھا کہ خلیفہ کے ذریعے مال کی تقسیم کے بجائے خود ہی قبضہ کریں۔ اس بارے میں حضرت عمرؓ کی شدت ان کے مجموعی مزاج کے عین مطابق تھی جس کی بنا پر سرور کوئین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا ”اشد ہم ملی امر اللہ عمر (۲)۔“

ان کے برعکس حضرت ابو بکر صدیقؓ یہ سمجھتے تھے کہ حضرت خالدؓ کی یہ بے احتیاطی ضرور تھی اور اس کا انہوں نے خود بھی اعتراف کیا تھا لیکن بتایا کہ قصور نہیں تھا کہ انہیں قید کیا جائے یا موجب حد قرار دیا جائے کیونکہ وہ ایک مرتد کی بیوہ تھی اس لئے اس کی حیثیت مٹادی کی تھی۔ اس نئے شرعی طور پر ان کا مواخذہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کیلئے ان کی سرزنش کرنا اور آئندہ کیلئے تنبیہ کر دینا کافی تھا اور پھر انہوں نے معافی مانگ کر اس کی عطا کر لی تھی۔ اس بارے میں ان کو کسی قسم کی سزا دینا مسلمانوں کی شہرت کیلئے زیادہ خطرناک تھا اور اس سے ایک الزام کی خود ہی تشہیر ہو جاتی اور فتنہ و فساد کی اس لہر میں مخالفین کو پراپیگنڈہ کا موقع مل جاتا۔ پھر حضرت خالدؓ کے ہٹ جانے سے مخالفین کے حوصلے مزید بلند ہو جاتے اور مسلمانوں کے حوصلے پست ہو جاتے۔ اس نئے سیاسی اور جنگی اعتبار سے ناقابل عطا فی نقصان پہنچتا لہذا بہتر صورت یہی تھی کہ انہیں سمجھانے بجھانے پر ہی قناعت کی جائے۔ مسلمانوں کو ابھی ان کی تلوار کی ضرورت تھی انفرادی غلطی کو معاف کر دینا زیادہ قرین مصلحت تھا۔ اس لئے ام حاتم سے نکاح پر حضرت ابو بکرؓ نے خود ہار کر تاپسندیدگی کا اظہار کیا اور بہت مجاہد سے شادی پر بہت ہی سخت خط لکھا لیکن معزوں کرنے سے گریز کیا۔ مال غنیمت کے تصرف و تقسیم کے بارے میں حضرت عمرؓ کا یہ خیال تھا کہ سے مرکزی نظم کے تحت ہونا چاہئے۔ کسی کو یہ اختیار نہیں ملنا چاہئے کہ وہ اپنی مرضی کر سکے اس لئے انہوں نے باقاعدہ خط بھی لکھوایا لیکن ان کا جو جواب تھا وہ ان کی معزولی کا تقاضا کرتا تھا اور معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کو بھی یہ بات بری لگی اس لئے انہوں نے حضرت عمرؓ کو متبادل کے طور پر بھیجے کا مشورہ کیا لیکن شوری کے فیصلے کو قبول کرتے ہوئے معزوں نہ کیا اور ان کی اس بات کو نظر انداز کر دیا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان کے پاس جنگوں میں قیادت کیلئے حضرت خالدؓ کا کوئی متبادل نہیں تھا اور مدینے میں مشیر و وزیر کیلئے حضرت عمرؓ کا کوئی متبادل نہیں تھا۔ اس لئے انہوں نے اسلام، اسلامی ریاست اور مسلمانوں کے وسیع تر مفاد کیلئے دونوں سے حسب مہارت و صلاحیت استفادہ

جاری رکھے کا فیصلہ کیا اور مال غنیمت کی تقسیم کے اسی طریقے کو مناسب سمجھا کہ سالار لشکر ریاست کا فیس نکال کر باقی حصے کو خود ہی مجاہدین میں تقسیم کرے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کے بارے میں دونوں برہمنوں کا مذکورہ وقف دونوں کے الگ الگ افتاد طبع کی نشاندہی کرتا ہے۔ ایک میں غنودترحم کا پہلو نمایاں ہے اور دوسرے میں سختی و شدت کا۔ ایک کے مسائل کا تجزیہ کرنے اور اس کے نتائج کو اخذ کرنے کا اندازہ اور ہے دوسرے کا اور۔ ایک کے نزدیک عدل و انصاف اور حکمت و مصلحت کے تقاضے مختلف ہیں اور دوسرے کے نزدیک مختلف ایک کی فکر و نظر کا زاویہ اپنا ہے اور دوسرے کا اپنا ایک کے آدمیوں کو ناپنے کا پیمانہ جدا ہے اور دوسرے کا جدا ایک کی سیاسی اور فوجی تدابیر کا رجحان اور ہے اور دوسرے کا اور۔ اگر ان سب باتوں کو ایک ہی جیسے میں سمیٹ دیا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ ایک میں اقتداء کا پہلو نمایاں ہے اور دوسرے میں اجتہاد اور تخلیق و نمو کا اور یہ امر بھی قابلِ غماز ہے کہ جس کے کندھوں پر ذمہ داریوں کا بوجھ ہوتا ہے اس کی حالت و کیفیت بھی مختلف ہوتی ہے۔ اسے اپنے فیصلے میں بہت معتدل و محتاط ہونا پڑتا ہے۔ اس کا منصب اسے بہت سے اقدامات سے روکتا ہے اور بہت سے فیصلوں پر مجبور کرتا ہے۔ جسے ایک مشیر صحیح طور پر محسوس نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عمر فاروق خود منصب خلافت پر فائز ہوئے تو اپنے وقف پر نظر ثانی کی ان کی وہ شدت جاتی رہی۔ انہوں نے ابتداء میں حضرت خالدؓ کو فوج سے برطرف کرے کے بجائے حضرت ابو عبیدہؓ کی کمان میں دے دیا۔ نہ تو انہیں قید کیا نہ ہی ان پر حد نافذ کی بلکہ ان کے پاس جب قسم بن لوہہ مالک کے قدم کا مطالبہ لے کر آئے تو جواب دیا کہ ابو بکرؓ جو کر گئے ہیں میں اس کو رد نہیں کروں گا۔ "لا اراہبنا صعة ابو بکر" (۱)۔ "پھر آہستہ آہستہ جب مسائل کے ہجوم میں گھرے تو ان کے سامنے حضرت ابو بکرؓ کی رائے کا اس بارے میں بھی برسرِ صواب ہونا واضح ہو گیا اور حضرت خالدؓ کی صلاحیتوں کے معترف ہو گئے۔ جب حضرت خالدؓ کے ہاتھوں قرین کی فتح کی انہیں اطلاع دی گئی تو پکار اٹھے "برحم الله ابا بکر۔ هو کمان اعلم بالرجال" (۲)۔ "اللہ ابو بکرؓ پر رحم کرے وہ مجھ سے زیادہ مردم شناس واقع ہوئے تھے اور جب حضرت خالدؓ کا انتقال ہوا تو ان کا دل مزید نرم ہو گیا اور فرمایا "اللہ ابو سلمانؓ پر رحم کرے ہم نے ان کے بارے میں بعض امور کا گمان کیا جو ان میں نہیں تھے" (۳)۔

##### ۵۔ حضرت خالد بن سعید کا معاملہ:

حضرت عمر فاروق خلیفہ اول کے ایسے مشیر نہیں تھے جو محض اپنا راستہ ارادہ مشورہ دینے پر ہی قناعت کرتے ہوں بلکہ صحیح معنوں میں ساتھی و ہم سفر تھے۔ وہ طے ہونے والے امور نافذ کرانے میں اپنی پوری توانائیاں صرف کرتے اور منکرات کے خاتمے کیلئے خود آگے بڑھ کر اقدام کرنے کا حوصلہ رکھتے تھے۔ اس کا احساس دہندہ اور رعب و دہدہ حضرت ابو بکرؓ کیلئے بہت تقویت کا ذریعہ تھے۔ پھر ان کی بصیرت و فراست اور مردم شناسی بھی انتظامی معاملات میں ان کیلئے مددگار ثابت ہوتی۔ بقول طبریؒ بھی حضرت عمرؓ کا مشورہ مان لیتے تھے کبھی نہیں (۴)۔ اس لئے کہ خلیفہ کی حیثیت سے انہیں یہ حق پہنچتا تھا کہ اپنی صوابدید استعمال کریں اور اپنی سمجھ بوجھ اور ذوق و مزاج کے مطابق کاروبار مملکت چلائیں۔ اس بارے میں سب سے زیادہ ذمہ دار بھی وہی تھے اور جواب دہ بھی لیکن اگر حضرت عمرؓ کا مشورہ قبول نہ بھی کرتے تو انہیں یہ پورا اعتماد ہوتا تھا کہ کسی قسم کا مسئلہ پیدا نہیں ہوگا۔ بلکہ چونکہ اطاعت بھی کریں گے اور ہر طرح کا تعاون بھی کیونکہ وہ نظم جماعت کے بڑی سختی سے پابند تھے۔ عہد صدیقی میں ان کے مقام و کردار اور اصابت رائے کی ایک جھلک ہمیں حضرت خالد بن سعید کے معاملے میں بھی ملتی ہے۔

(۱) مسعودی: ۲۱۳ (۲) طبری: ۱۱۷/۲ (۳) کتیر: ۱۱۷/۲ (۴) طبری: ۲۸۸/۲

حضرت خالد بن سعید ابتدائی چند مسلمانوں میں سے تھے اور انہیں حبشہ کی جانب ہجرت کرنے کی سعادت بھی حاصل ہوئی<sup>(۱)</sup>۔ اسلام کو جب پورے حجاز پر غلبہ حاصل ہو گیا تو سرور کونین ﷺ نے انہیں یمن میں عامل صدقات بنا کر بھیجا اور آپ کی وفات کے وقت ہی منصب پر فائز تھے<sup>(۲)</sup>۔ ایک ماہ بعد مدینہ پہنچے تو اس وقت دیان کا جبہ پہنے ہوئے تھے۔ اسی لباس میں حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے ملے۔ حضرت عمرؓ نے، اپنے پاس والوں سے چلا کر کہا کہ ان کا جبہ بھار دو گیا یہ ریشم پہنتے ہیں حالانکہ بحالت امن مردوں کیسے اس کا پہننا ممنوع ہے۔ لوگوں نے یہ سنتے ہی ان کے بچے کو ہار تار کر دیا<sup>(۳)</sup>۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ ہاتھوں کو بالقرۃ رکھنے کے سلسلے میں بہت جری تھے اور عہد نبوی کی طرح عہد صدیقی میں بھی اپنا کردار ادا کرتے رہے اور بوگ بھی ان کا حکم ماننے میں کبھی پس و پیش نہیں کرتے تھے۔ حضرت خالد بن سعید نے مدینہ میں آنے کے بعد دوبارہ تک حضرت ابو بکرؓ کی بیعت نہیں کی<sup>(۴)</sup>۔ اس دوران مسلسل اس بات کیسے کو شال رہے کہ حکومت ہوشم کو ملے۔ اس کیسے مختلف طریقوں سے انہیں بھڑکانے کی کوشش کرتے رہے۔ کبھی کہتے ”اے ہوشم آپ کا شجرہ نسب عالی درجہ (منصب) کا میوہ شیریں ہے ہم آپ کے تابع ہیں“<sup>(۵)</sup>۔ ”کبھی حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کے پاس جا کر کہتے ”اے علی عہد مناف حکومت پر فیرون نے قبضہ کر لیا ہے اور تم یمن سے بیٹھے ہوئے ہو“<sup>(۶)</sup>۔

ایک مرتبہ انہوں نے حضرت علیؓ سے مخاطب ہو کر کہا ”اے ابوالحسن! اے عہد مناف کیا تم حکومت کے معاملے میں مغلوب ہو گئے ہو۔“ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ ”تم اسے غلبہ سمجھتے ہو یا خلافت؟“ بولے ”اے ابو عہد مناف! اہیت کے اعتبار سے تم سے زیادہ اس کا کون مستحق ہو سکتا ہے۔“ یہ باتیں حضرت عمرؓ نے بھی سن میں چنانچہ پکارا اٹھے اللہ تیرا منہ توڑ دے جھوٹے کہیں کے تیرے دماغ میں ایسی ہی باتیں ساتی رہیں گی مگر یاد رکھو اس کا خیارہ بھگتنا پڑے گا“<sup>(۷)</sup>۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے عظیم قائد ﷺ کے عامل کو حسب سابق اپنے منصب پر قائم رکھنے اور آپ کی پالیسیوں کی حرف بحرف پیروی کر کے عزم رکھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے حضرت خالد بن سعیدؓ اور ان کے بھائیوں کو جو مختلف ذمہ داریوں پر کام کر رہے تھے یمن سے واپسی کے موقع پر ہی کہا تھا ”تم کیوں واپس لوٹ آئے رسول اللہ ﷺ کے عامل سے زیادہ کوئی شخص مستحق نہیں ہے۔ تم لوگ اپنے کاموں پر واپس جاؤ۔“ انہوں نے جواب دیا کہ ابوالحجۃ کے ہم سب بیٹے رسول ﷺ کے بعد اور کسی کی جانب سے کام نہیں کریں گے<sup>(۸)</sup>۔ اس پر حضرت ابو بکرؓ خاموش ہو گئے لیکن اس کے بعد بھی ان کی یہی خواہش تھی کہ سرور کونین ﷺ کے عامل کو ضرور کوئی نہ کوئی پروانہ کی؟ در شام کی طرف لشکر تیار ہونے لگا تو ایک چوتھائی حصے پر انہیں میر مقرر کر دیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اس کو ناپسند کیا۔ ان کے دس میں کھٹک تو پیپہ ہی سے تھی اس لئے انہوں نے حضرت ابو بکرؓ سے کہا ”آپ ایسے شخص کو امیر بنا رہے ہیں جس کے یہ اقوال و افعال ہیں۔“ وہ انہیں ہار ہار نوکتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے خالد بن سعیدؓ کو معزوں کر کے یزید بن ابی سفیان کو میر مقرر کر دیا<sup>(۹)</sup>۔ بعد ازاں مرتدین کی سرکوبی کیسے سارا منتجب کئے تو ان کو علم دیئے ان میں سے ایک خالد بن سعید بھی تھے۔ حضرت عمرؓ نے غنیمت کی اور کہا کہ وہ ناکارہ اور کم عقل ہیں۔ انہوں نے ایسی بے تنگی باتیں منہ سے نکالی ہیں جن سے ہمیشہ فتنے برپا رہیں گے۔ ان کو اپنی بات پر گھمبہ اور اصرار بھی ہے اس لئے ان سے کوئی کام نہ لیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے ان کی رائے سے درامتاثر نہ ہوئے اور حضرت خالدؓ کو تیسرا امداوی دستے پر متعین کر دیا<sup>(۱۰)</sup>۔ بعد میں مختلف ہدایات انہیں بھیجتے رہے اور حسب ضرورت کمک بھی۔ حضرت خالدؓ نے شام کی طرف پیش قدمی کے دوران مرج الصفر کے مقام پر کامیابی کا سہرا اپنے سر پہنے کیسے دیگر امراء کے لشکر کا انتظار کئے بغیر

(۱) شہر ۸۳/۲:۱۱، حشر ۱:۱، ۴ (۲) بلاذری ۸۰:۱، شہر ۲:۱۱، ۸۳ (۳) طبری ۳:۱۱، ۳۸۸، کبیر ۳:۱۱، ۳۷۷، منی ۱۳، ۳۷۷ (۴) طبری ۳:۱۱، ۳۸۷، منی ۱۳، ۳۷۷

بلاذری ۳:۱۱، ۵۸۸، (۵) شہر ۲:۱۱، ۳۸۷، (۶) طبری ۳:۱۱، ۳۸۷، (۷) طبری ۳:۱۱، ۳۸۸، کبیر ۳:۱۱، ۳۷۷، (۸) شہر ۲:۱۱، ۸۳، (۹) طبری ۳:۱۱، ۳۸۷، کبیر ۳:۱۱، ۳۷۷، (۱۰) طبری ۳:۱۱، ۳۹۲

حمہ کر دیا۔ مد مقابل فوج کے کمانڈر بہاں نے سامنے سے ہٹ کر انہیں غیر محسوس انداز میں اپنے گھیرے میں لے لیا اور ان کے بیٹے سعید بن خالد کو اس کے کچھ آدمیوں نے پانی کی تلاش میں گھومتے ہوئے پا کر شہید کر دیا۔ انہیں اس کی خبر ہوئی تو فرار ہو گئے<sup>(۱)</sup>۔ وہاں سے شکست کھا کر مدینے کی طرف لوٹے تو حضرت ابو بکرؓ نے انہیں ایک ماہ تک مدینے میں داخل نہ ہونے دیا<sup>(۲)</sup> ذی المرہ میں ان کا قیام رہا۔ حضرت ابو بکرؓ نے انہیں لکھا ”تم اب وہیں رہو خدا کی قسم تمہیں مہمات میں آگے بڑھا آتا ہے مگر بڑے بزدل اور معرکوں سے جان بچا کر بھاگنے والے ہو تمہیں مہمات کو پایہ تکمیل تک پہنچانا اور مشکلات میں صبر و ضبط سے کام لینا نہیں آتا۔“ جب انہیں مدینے میں داخل ہونے کی اجازت مل گئی تو انہوں نے حضرت ابو بکرؓ سے معذرت کی۔ اہل نے کہا ”تم میدان جنگ میں بڑے بزدل ہو“ جب وہ اٹھ کر چلے گئے تو حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا ”خالد بن سعید کو عمرؓ اور علیؓ خوب جانتے تھے۔ اگر میں ان کا کہنا مانتا تو میں ان سے ڈرتا اور اجتناب کرتا“<sup>(۳)</sup>۔ ایک روایت یہ بھی ہے مروج الصغر ہی کے موقع پر شہید ہو گئے<sup>(۴)</sup>۔ اس بارے میں تقریباً تمام قدیم مورخین نے دونوں طرح کی روایتیں درج کر دی ہیں۔ علامہ ابن اثیر ان اختلافات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ”خالد بن سعید کا واقعہ مروج الصغر بعد خلافت ابو بکر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ یہ ملک شام میں واقعہ اجتارین میں حضرت ابو بکرؓ کی وفات سے ۲۴ دن پہلے شہید ہوئے۔ اصحاب سیر نے واقعہ اجتارین واقعہ مروج الصغر اور واقعہ یرموک کے بارے میں اختلاف کیا ہے کہ ان میں سے کون سا پہلے پیش آیا اور کون سا بعد میں<sup>(۵)</sup>۔ واللہ اعلم!

اس واقعہ سے حضرت عمر فاروقؓ کی مردم شناسی کا پتہ چلتا ہے اور اس کا اعتزال حضرت ابو بکرؓ نے بھی کیا۔ حضرت عمرؓ نے مدینہ میں حضرت خالد بن سعید کی باتوں کا سختی سے نوٹس لیا اور انہیں حضرت ابو بکرؓ تک پہنچایا۔ ان کی بصیرت نے بجا طور پر یہ محسوس کر لیا کہ بوہاشم کے استحقاق خلافت کے سلسلے میں کی جانے والی باتیں اثرات کے لحاظ سے وقتی و عارضی ثابت نہیں ہوں گی بلکہ ہمیشہ کیسے اختلافات و فتنوں کی بنیاد بنی رہیں گی۔ اس لئے انہوں نے سخت ناپسند کیا کہ ایسے کسی شخص کو کوئی منصب دیا جائے جو انتشار کو کم کرنے کے بجائے بڑھانے کی کوشش کرے اور طے شدہ امور کو پھر سے اچھالے۔ اگرچہ وہ عہد نبوی میں عامل ہی کیوں نہ رہا ہو وہ اپنے اجتہادی مزاج کی وجہ سے اس میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے کہ ایک نظم و خفیہ انتظامی معاملات کے سلسلے میں اپنے تجربات اور نئی ضروریات کی روشنی میں کوئی لائحہ عمل مرتب کرے۔ مختلف مناصب پر سرور کو نین علیہ السلام کی تقرری کو سامنے رکھنا بہتر ہے لیکن لازمی نہیں۔ افراد کے عملی رویے کی بنا پر ان کی طبیعت و مناسبت کا از سر نو جائزہ لینا اور حالات کے تناظر میں تبدیلی یا معزول کرنا ضروری ہے اس لئے انہوں نے حضرت اسامہؓ حضرت خالد بن سعید کے بارے میں مکمل کر پٹی رائے کا اظہار کیا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ اپنی تقلیدی روش پر قائم رہے ابستہ جزوی طور پر انہوں نے حضرت خالد بن سعید کے بارے میں حضرت عمرؓ کا مشورہ قبول کر لیا اور انہیں ساما بنانے کے بجائے صرف امدادی دتے کا نگران بنایا۔

## ۶۔ تدوین قرآن:

رسول اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ ”لا تکتبوا عسی شینا عبیر القرآن“<sup>(۶)</sup>۔ ”صحابہ کرامؓ کو اپنی تمام عسی توجہ مرکوز کر کے قرآن حکیم کو ضبط تحریر میں لانے کی بھرپور ترغیب دی اسلئے بہت سے صحابہ کرامؓ نے لکھ لیا لیکن وہ کسی ایک جگہ تمام سورتوں کی ترتیب کے ساتھ مدون نہیں تھا<sup>(۷)</sup>۔ بقول خطابی اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ آپ پر نزول قرآن کا سلسلہ جاری تھا اور بعض احکام یا خلافات کے نسخہ کرنے والے حکم کے نازل ہونے کا امکان تھا<sup>(۸)</sup>۔ بہت سے صحابہ کرامؓ اسے حافظے

(۱) طبری: ۳/ ۳۹۱ (۲) کتب: ۲/ ۳۲۷ (۳) طبری: ۳/ ۳۹۲، (۴) ملاحجہ: ۱/ ۲۶، طبری: ۳/ ۴۰۶، کتب: ۳/ ۳۲۷، (۵) تہذیب: ۲/ ۸۱ (۶) مسلم: ۸/ ۲۶۹

منہی: ۱۰/ ۲۶۱، (۷) سیوطی: ۱/ ۵۸، (۸) سیوطی: ۱/ ۵۸۔

میں بھی محفوظ کر دیتے تھے۔ رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد بعض صحابہ کرام نے اپنے خصوصی ذوق کی بناء پر ذاتی سطح پر قرآن کے زیادہ سے زیادہ حصے جمع کرنے کی کوشش کی۔ ان میں حضرت علیؓ، حضرت سالمؓ (۱) وغیرہ قابل ذکر ہیں، لیکن اس کی ضرورت ابھی تک باقی تھی کہ سرکاری سطح پر اس کا اہتمام کیا جائے اور شہادتوں اور حقیقتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایک نسخہ سامنے لایا جائے جو ہر قسم کے شک و شبہ سے بالترتیب تمام امت کیلئے معتد علیہ ہو جس کی حیثیت ایسی میزان کی ہو جس کے ساتھ موازنہ کر کے لوگ اپنے نسخوں کی اصداغ کر سکیں اور اسی کے مطابق ترتیب دے سکیں۔ رحلت نبوی ﷺ کے فوراً بعد ارتداد و انتشار کی اڑھتی ہوئی لہر نے سب کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لی اور اس اہم مسئلے پر کسی کو سوچنے کا موقع نہ مل سکا۔ اسی دوران مرتدین کے خلاف وہ سب سے بڑا معرکہ پیش آیا جو جنگ یمامہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں بہت سے مسلمان شہید ہوئے جن کی صحیح تعداد کے بارے میں اختلاف ہے۔ کم سے کم تعداد سات سو اور زیادہ تعداد سترہ سو بیان کی جاتی ہے۔ بعض کے نزدیک بارہ سو ہے (۲)۔ ان میں ایک بڑی تعداد صحابہ کرام اور حفاظ قرآن کی بھی تھی (۳)۔ یہ سلاط حضرت عمر فاروقؓ کے حصے میں آئی کہ انہیں سب سے پہلے کتاب اللہ کی باقاعدہ تدوین کا خیال آیا۔ اس خیال کا فوری سبب کیا تھا؟ اس بارے میں حضرت حسنؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے قرآن کی ایک آیت کے بارے میں دریافت کیا تو انہیں بتایا گیا کہ اس کا جسے علم تھا وہ جنگ یمامہ میں شہید کر دیا گیا ہے۔ اس پر انہوں نے فرمایا ”نا اللہ!“ پھر قرآن حکیم کے جمع کرنے کا حکم دیا۔ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسے مصحف میں جمع کیا (۴)۔

اس روایت سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہو گا کہ حضرت حسنؓ کے نزدیک یہ عہد فاروقی کا زمانہ ہے جیسا کہ حکم دیا اور جمع کیا کے الفاظ سے ظاہر یہ تاثر ملتا ہے کہ چونکہ حضرت عمرؓ نے صرف تدوین قرآن کا مشورہ دینے اور فیصلہ کرانے پر ہی اکتفا نہیں کیا تھا بلکہ اس کیلئے عملاً بھی بھرپور جدوجہد کی تھی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے پوتے سالم بن عبد اللہ سے مروی ہے ”جب ابو بکرؓ نے قرآن کو قراطیس میں جمع کیا تو زید بن ثابتؓ کو یہ کام سر نہام دینے کیلئے کہہ انہوں نے انکار کر دیا یہاں تک کہ ابو بکرؓ نے عمرؓ کی مدد سے یہ کام کیا (۵)۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت زیدؓ نے جو کوشش کی اس کی ذمہ داری و نگرانی حضرت عمرؓ کے سپرد تھی اور اس کی بھی متعدد مثالیں ہیں کہ عہد صدیقی میں حضرت عمرؓ کی ہمت کی بھی عام طور پر لوگ حکم کی طرح پیروی کرتے تھے اور تدوین کے بارے میں توجہ قاعدہ خلافت کی طرف سے وہ تعینات بھی تھے۔

حضرت عمر فاروقؓ کے دس میں تدوین قرآن کا جو خیال آیا دو سرا سبب جنگ یمامہ ہی میں حضرت سالم مولیٰ ابو حذیفہؓ کی شہادت ہے کیونکہ وہ قرآن کے بہت بڑے عالم و قاری تھے۔ رسول اکرمؐ نے جن چار آدمیوں سے قرآن حکیم اخذ کرنے کا حکم دیا تھا ان میں یہ بھی تھے (۶)۔ حضرت عائشہؓ کو ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آنے میں دیر ہو گئی تو انہوں نے وجہ پوچھی۔ انہوں نے بتایا کہ ایک قاری قرآن پڑھ رہا ہے پھر اس کی خوبی قرأت کو بیان کیا۔ آپؐ چادر لے کے باہر نکلے تو دیکھا کہ وہ حضرت سالمؓ تھے۔ ارشاد فرمایا ”خدا کا شکر ہے جس نے تم جیسے شخص کو میری امت میں پیدا کیا (۷)۔ حضرت عمرؓ ان کی بہت تعریف کرتے تھے (۸) شہادت سے پہلے فرمایا ”اگر سالمؓ زندہ ہوتے تو میں نہیں مشورے پر نہ چھوڑتا یعنی خلیفہ بنادیتا (۹)۔“ حضرت عمرؓ کو ان جیسے عظیم المرتبت آدمی کی شہادت پر یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ کہیں قرآن ضائع نہ ہو جائے (۱۰)۔ تیسرا اہم سبب جس نے انہیں اس عظیم کام کی طرف متوجہ کیا اور حضرت ابو بکرؓ کو بالآخر راضی کرنے پر مجبور کیا وہ مگر بہت سے حفاظ کرام کی شہادت ہے۔

(۱) سجستانی ۱، سیوطی ۱۷، ۵۸، ۱/۲، ۵۸، ۲، ۱۳۵، (۲) بلادری ۱۲، (۳) رد کشی ۱، ۲۱۲، (۴) جوری ۱، ۲۹، سیوطی ۱۷، ۵۹

سجستانی ۱۰، (۵) سجستانی ۹، سیوطی ۱۷، ۶۰، (۶) بخاری ۱، ۲، ۱۲، ۲۴۵، حجر ۲، ۷، (۷) ابوالہادی ۲، ۲۴۵، حجر ۲، ۷، (۸) برا ۲، ۵۶۷، (۹)

مسند ۳، ۲۴۳، ابوالہادی ۲، ۲۴۶، (۱۰) بخاری ۵، ۳۱، برہانی ۱، ۳۴۱، ۲، ۱۳۵

اس کی تفصیل حضرت زید بن ثابت نے کچھ اس طرح بیان کی ہے۔ حضرت ابو بکر کو جنگ یمامہ میں صحابہ کے شہید ہونے کی خبر ملی تو اسی وقت عمرؓ بھی آپ کے پاس آئے۔ ابو بکرؓ کہتے ہیں عمرؓ نے میرے پاس آکر کہا کہ ”معرکہ یمامہ میں بہت سے کاربان قرآن کریم مقتول ہو گئے ہیں اور مجھے ڈر ہے کہ آئندہ معرکوں میں بھی وہ مقتول ہوتے جائیں گے اور اس طرح بہت سا قرآن ہاتھوں سے جاتا رہے گا۔ میری رائے ہے کہ تم قرآن کے جمع کئے جانے کا حکم دو۔“ میں نے عمرؓ کو جواب دیا ”جس کام کو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا میں اسے کس طرح کروں؟“ عمرؓ نے کہا ”واللہ یہ بات بہتر ہے۔“ غرضیکہ وہ مجھ سے بار بار کہتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا دل کھول دیا اور میں نے بھی اس بارے میں وہی رائے قائم کر لی جو عمرؓ نے قائم کی تھی۔ زیدؓ کہتے ہیں ”ابو بکرؓ نے مجھ سے کہا ”تم ایک سمجھدار نوجوان ہو اور ہم تم کو متہم نہیں کرتے اور تم رسول اللہ ﷺ کے کاتب وحی بھی تھے۔ اس لئے اب قرآن کی تفتیش اور تحقیق کر کے اسے جمع کرو۔“ زیدؓ کہتے ہیں ”واللہ مجھ کو ایک پہاڑ اس کی جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھ دینے کا حکم دیتے تو یہ بات مجھ پر اتنی گراں نہ ہوتی جس قدر قرآن کے جمع کرنے کا حکم مجھ پر شاق گزرا اور میں نے ابو بکرؓ کو عمرؓ سے کہا ”تم دونوں صاحب وہ کام کس طرح کرتے ہو جسے رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا؟“ ابو بکرؓ نے جواب دیا ”واللہ یہ بات بہتر ہے“ اور پھر وہ برابر مجھ سے اس بارے میں بار بار کہتے رہے تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے میرا دل بھی اسی بات کیلئے کھول دیا جس بات کے واسطے ابو بکرؓ عمرؓ کا دل کھولا تھا۔ پھر تو میں نے قرآن کی تلاش اور جستجو شروع کر دی اور اسے سمجھور کی شاخوں اور سفید پتھروں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں اور لوگوں کے سینوں سے جمع کرنا شروع کر دیا اور میں نے سورہ التوبہ کے خاتمہ کی آیتوں ”لقد جاءکم رسول الاہات“ صرف ابو خزیمہ انصاری کے پاس پائیں اور ان کے سوا کسی سے یہ آیتیں نہ مل سکیں۔ وہ منقول صحیفہ ابو بکرؓ کے پاس رہے یہاں تک کہ انہوں نے وفات پائی تو عمرؓ نے ان کی محافظت کی اور عمرؓ کا انتقال ہونے کے بعد وہ صحائف حسب حضرت طلحہؓ بنت عمرؓ کے پاس محفوظ رہے<sup>(۱)</sup>۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ یہ جانتے تھے کہ اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانا کسی ایک کے بس کی بات نہیں ہے اور پھر یہ بھاری ذمہ داری کا معاملہ تھا جیسا کہ حضرت زیدؓ پر شاق گزرا۔ اس لئے حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت زیدؓ دونوں کو مقرر کیا۔ کتابت تو حضرت زیدؓ ہی کے سپرد تھی کیونکہ وہ سوس اکرم ﷺ کے کاتب رہ چکے تھے لیکن عمرانی دوسری کافرینہ حضرت عمرؓ نے سرانجام دیا۔ روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت زیدؓ بن ثابت سے فرمایا ”مسجد کے دروازے پر بیٹھ جائیے اور جو شخص کتاب اللہ کے کسی حصے پر دو گواہی کرے تو وہ حصہ لکھ لیا کرو“<sup>(۲)</sup>۔ بقول علامہ سیوطی شہادت لینے سے مراد یہ ہے کہ حضرت عمرؓ اور زیدؓ دونوں اس بات کی شہادت ہم پہنچاتے تھے کہ جو قرآن انہیں کسی نے سنیا ہے وہ نبی ﷺ کے سامنے ان کے سال وفات میں پیش ہو چکا ہے یا نہیں<sup>(۳)</sup>۔ حضرت عمرؓ اس کام کے محرک تھے اور پھر اس کی عمرانی دوسری بھی چونکہ ان کے سپرد تھی اس لئے انہوں نے اس عظیم کام کے سرانجام دینے میں انتہائی سرگرمی و مہارت سے کام لیا اور ممکنہ ذرائع اختیار کئے۔ ایک کام یہ کیا کہ مجمع عام میں یہ اعلان کیا کہ جس شخص کو آنحضرت ﷺ سے کوئی آیت ملی وہ اسے ہمارے پاس لے آئے<sup>(۴)</sup>۔ اس کا یہ فائدہ ہوا کہ تمام لوگوں کو اس کام کے شروع ہونے کا علم ہوا اور ان کے دلوں میں یہ احساس و جذبہ بھی پیدا ہوا کہ وہ اس میں تعاون کریں اور اپنی جمع کردہ آیات کو سامنے لے آئیں۔ اس سے تدوین کی ایک عمومی فضا ابلی اور رقم کرنے والی کمیٹی کیلئے بھی آسانی پیدا ہو گئی کہ ان کے پاس جانچنے پر کھنے اور پورے اعتماد کے ساتھ رقم کرنے کیلئے بہت سا مواد اکٹھا ہو گیا۔ دوسرا کام یہ کیا کہ حضرت زیدؓ بن ثابت کی مدد اور معاونت کیلئے ایک جماعت بھاری اور انہیں یہ ہدایت کی کہ اگر کسی لفظ کی لغت کے بارے میں کسی قسم کا اختلاف پیدا ہو تو اسے قبیلہ معز کی لغت کے مطابق لکھو اس لئے کہ قرآن ہو معز ہی سے

تعلق رکھنے والے صاحب پر ناز ہو<sup>(۱)</sup>۔ بقول یعقوبی اس مجلس میں ۲۵ قریش اور ۵۰ انصاری شامل تھے انہیں کہا گیا کہ قرآن لکھو اور سعید بن مسعود کے سامنے پیش کرو کیونکہ وہ فصیح آدمی ہیں<sup>(۲)</sup>۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس مقدس کام میں ایک شوری اور اجتماعی رنگ پیدا ہو گیا اور بہت سے لوگوں کا علم تجربہ اور عملی تعاون شامل ہو گیا جس کی بنا پر یہ کام بہت جلد اور انتہائی خوش سوبی سے سرانجام پایا گیا اور اس کے مستند اور قابل اعتماد ہونے میں کسی قسم کے شک شبہ کی گنجائش باقی نہ رہی اور غلطی کے تمام امکانات بھی معدوم ہو گئے۔ لغت کے اعتبار سے بنو مضر کا معیار اختلاف کو مناسبت کا ذریعہ بنا دیا گیا کہ یہ حکم دیا کہ مصحف کی کتابت کیلئے اللہ سوائے قریش اور ثقیف کے نوجوانوں کے اور کوئی بھی نہ کرے۔ اس میں بھی یہی حکمت تھی کہ قرآن حکیم صحیح لفاظ و لہجے میں رقم ہو جائے اور تحریر میں بھی کوئی ایسی غلطی نہ رہ جائے جو بعد میں معافی کے اختلاف کا باعث بن سکے۔ چوتھا کام یہ کیا کہ دو معتبر گواہوں کی شہادت کے بارے میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے حکم کی سختی سے پابندی کی<sup>(۳)</sup>۔ یہاں تک کہ آیت رحم کے بارے میں تنہا حضرت عمرؓ خود ہی گواہ تھے کوئی اور شہادت موجود نہیں تھی اس لئے اسے نہیں لکھ گیا تھا<sup>(۴)</sup>۔ لیکن حکم چونکہ موجود تھا اس لئے انہیں اندیشہ تھا کہ کہیں لوگ حکم کو بھی فراموش نہ کر دیں۔ اس لئے وفات سے قبل ایک خطبے میں منبر رسوں پر بیٹھ کر ارشاد فرمایا ”اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا اور ان پر آیت رحم ”الشیخ والشیخۃ اذا راجعوا“ نازل فرمائی ہم نے اسے پڑھا اور لکھا اور سمجھا اور رسول اللہ ﷺ نے رحم کیا بعد میں ہم نے بھی رحم کیا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ مدت گزرنے پر کوئی یہ نہ کہے ہمیں کتاب اللہ میں رحم نہیں ملتا اور ایک فریضہ ترک کرنے پر مگر وہ ہو جائے جسے اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے“ بے شک اللہ کی کتاب میں حق ہے۔ ہر اس زانی پر جو شادی شدہ ہو خولہ مرد ہو یا عورت جبکہ گواہ موجود ہوں حمل نمودار ہو یا وہ خود اعتراف کرے<sup>(۵)</sup>۔ اس عظیم حقیقت کے باوجود انہوں نے آیت رحم کو لکھنے سے اجتناب کیا تاکہ تدوین قرآن میں گواہوں کی شرط پوری رہے البتہ اس کے حکم پر عمل کرنے کی تاکید کیلئے فرمایا ”قسم ہے اس بات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ اگر لوگ یہ نہ کہتے کہ عمر بن خطابؓ نے کتاب اللہ میں اضافہ کیا ہے تو میں اس میں آیت رحم لکھ دیتا کیوں کہ ہم نے اسے پڑھا ہے“<sup>(۶)</sup>۔

یہ ہے حضرت عمر فاروق کا وہ عظیم کردار جو انہوں نے جمع و تدوین قرآن کے سلسلے میں ادا کیا بطور مشیر آپ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو جتنے بھی مشورے دیئے ان میں یہ مشورہ آپ کی اجتہادی بصیرت کا شاہکار ہے انہوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ایک ایسے کام کے سرانجام دینے کیلئے راضی کر لیا جو سرور کو نہیں ملتا تھا۔ اے کہیں کیا تھا وہ دن اور اصرار کے ساتھ انہیں اس بات پر قائل کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ اس میں خیر ہی خیر ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ تدوین قرآن عہد صدیقی کا بہت عظیم اور لازوال کارنامہ ہے۔ اگر اعتبار سے اس کا سہرا انہی کے سر کی رونق بھی ہے کہ ان کی رضامندی کے بغیر اس کا نام تکمیل تک پہنچانا ممکن تھا۔ اس

تعلق رکھنے والے صاحب پر نازل ہوا<sup>(۱)</sup>۔ بقول یعقوبی اس مجلس میں ۲۵ قریش، ۵۰ انصاری شامل تھے، انہیں کہا گیا کہ قرآن لکھو اور سعید بن العاص کے سامنے پیش کرو کیونکہ وہ فصیح آدمی ہیں<sup>(۲)</sup>۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس مقدس کام میں ایک شورائی اور اجتماعی رنگ پیدا ہو گیا اور بہت سے لوگوں کا علم، تجربہ اور عملی تعاون شامل ہو گیا جس کی بنا پر یہ کام بہت جلد وراثت کی خوش سولہی سے سرانجام پا گیا اور اس کے مستند اور قابل اعتماد ہونے میں کسی قسم کے شک شبہ کی گنجائش باقی نہ رہی اور غلطی کے تمام امکانات بھی معدوم ہو گئے۔ لغت کے اعتبار سے ہر مضر کا معیار اختلاف کو مٹانے کا ذریعہ بنا۔ تیسرا کام یہ کیا کہ یہ حکم دیا کہ صحیف کی کتابت کیسے لکھا سوائے قریش اور ثقیف کے جو انہوں نے اور کوئی بھی نہ کرائے۔ اس میں بھی یہی حکمت تھی کہ قرآن حکیم صحیح الفاظ و لہجہ میں رقم ہو جائے اور تحریر میں بھی کوئی ایسی غلطی نہ رہ جائے جو بعد میں معانی کے اختلاف کا باعث بن سکے۔ چوتھا کام یہ کیا کہ دو معتبر گواہوں کی شہادت کے بارے میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے حکم کی سختی سے پابندی کی<sup>(۳)</sup>۔ یہاں تک کہ آیت رجم کے بارے میں تھا حضرت عمرؓ خود ہی گواہ تھے کوئی اور شہادت موجود نہیں تھی اس لئے اسے نہیں لکھا گیا تھا<sup>(۴)</sup>۔ لیکن حکم چوتھا موجود تھا اس لئے نہیں اندیشہ تھا کہ کہیں لوگ حکم کو بھی فراموش نہ کر دیں۔ اس لئے وفات سے قبل ایک خطبے میں منبر رسول پر بیٹھ کر ارشاد فرمایا ”اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا اور ان پر آیت رجم ”الشیخ والشیخۃ اذا رجموا رجموا“ نازل فرمائی ہم نے اسے پڑھا یاد رکھا اور سمجھا اور رسول اللہ ﷺ نے رجم کیا بعد میں ہم نے بھی رجم کیا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ مدت گزرنے پر کوئی یہ نہ کہے ہمیں کتاب اللہ میں رجم نہیں ملتا اور ایک فریضہ ترک کرنے پر گمراہ ہو جائے جسے اللہ تعالیٰ نے اتارا نہ، سب شک اللہ کی کتاب میں حق ہے۔ ہر اس زانی پر جو شادی شدہ ہو خواہ مرد ہو یا عورت، جبکہ گواہ موجود ہوں، حمل نمودار ہو یا وہ خود اعتراف کرے<sup>(۵)</sup>۔ اس عظیم حقیقت کے باوجود انہوں نے آیت رجم کو لکھنے سے اجتناب کیا تاکہ تدوین قرآن میں گواہوں کی شرط پوری رہے البتہ اس کے حکم پر عمل کرنے کی تاکید کیلئے فرمایا ”قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ اگر لوگ یہ نہ کہتے کہ عمر بن خطابؓ نے کتاب اللہ میں اضافہ کیا ہے تو میں اس میں آیت رجم لکھ دیتا کیوں کہ ہم نے اسے پڑھا ہے<sup>(۶)</sup>۔“

یہ ہے حضرت عمر فاروق کا وہ عظیم کردار جو انہوں نے جمع و تدوین قرآن کے سلسلے میں ادا کیا بطور مشیر آپ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو جتنے بھی مشورے دیئے ان میں یہ مشورہ آپ کی اجتہادی بصیرت کا شہکار ہے۔ انہوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ایک ایسے کام کے سرانجام دینے کیلئے رضی کر یا جو سرور کو نبین ﷺ نے نہیں کیا تھا۔ وہ لائیکل اور اصرار کے ساتھ انہیں اس بات پر قائل کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ اس میں خیر ہی خیر ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ تدوین قرآن عہد صدیقی کا بہت عظیم اور نازوال کارنامہ ہے۔ اس اعتبار سے اس کا سہرا انہی کے سر کا رونق بھی ہے کہ ان کی رضامندی کے بغیر اس کا یہ تکمیل تک پہنچانا ممکن تھا۔ اس اعتبار سے وہ اجر کے مستحق ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ کہنے میں حق بیونہ ہیں ”اللہ ابو بکرؓ پر رحم فرمائے کہ نبیوں نے قرآن کو دو جہدوں کے درمیان جمع کر دیا“<sup>(۸)</sup>۔ ”بقول امام ابو عبد اللہ بخاری بن اسد اعجازی انہوں نے عہد نبوی ہی کے منتشر اجزاء کو جو اوراق کی مانند تھے ایک ڈورے میں پرو دیا تاکہ کوئی ٹکڑا ضائع نہ ہو جائے“<sup>(۹)</sup>۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو حضرت عمر فاروقؓ بھی کم اجر کے حقدار نہیں ہیں اس لئے کہ وہی اس کام کے اصل محرک تھے۔ انہوں نے عملی تعاون بھی کیا اور بعد میں بھی اس کی تحفظ کی۔ اپنے عہد میں اس کے ایک ماکھ سے زیادہ نسخے کرا کے سلطنت کے طول و عرض میں پھیلا دیئے<sup>(۱۰)</sup> اور وفات کے وقت

(۱) مجلسی ۱۱، جوری ۱۲۹، سیوطی ۱۷، ۴۹ (۲) بمعربی ۲، ۱۳۵ (۳) مجلسی ۱۱، جوری ۱۲۹، (۴) مجلسی ۱ (۵) سیوطی ۱۷، ۶۰ (۶)

مسم. ۱۶، ۵، برقی ۱۲، ۴، ۴۴، ۲، ۲۰۳ (۷) مالک ۲، ۸۲۳، حبی، ۲۲۲، برقی ۲، ۴۴، ۲، ۲۰۳ (۸) شبہ ۱، ۵۴۴، مجلسی ۵

ور کسی ۲۳۹/۱ (۹) رد المحتار ۱/۲۳۸، سیوطی ۱۷، ۶۱/۱ (۱۰) حریم ۲، ۱۸



اصل مسودے کی مات اپنی بیٹی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سپرد کر گئے۔ حضرت عثمان کے عہد میں جب قرأت کے اختلاف رونما ہونے شروع ہوئے اور اس کی وجہ سے معانی و مطالب کے اختلاف کا احتمال ہونے لگا، یہی نسخہ مدگار ثابت ہوا۔ روایت میں آتا ہے کہ حضرت عثمان نے اسے حضرت حفصہ سے منگوایا اس کی نقلیں کروا کے دیں و یادیاں اور اپنی سلطنت کے ہر علاقے میں نقل شدہ مصحف کا ایک ایک نسخہ بھجوایا اور حکم دیا کہ اس کے سوا کوئی چیز اگر قرآن کی طرف منسوب کی جاتی ہے، 'خوالہ وہ کسی صحیفہ یا مصحف میں ہو' تو اسے جلا دیا جائے<sup>(۱)</sup>۔ یہ ہیں وہ اہم معاملات جن میں فاروق اعظمؓ نے بطور مشیر نہایت اہم کردار ادا کیا۔ ہم یہ دیکھتے ہیں دونوں صاحبان رسول اللہ ﷺ کے سامنے جوں جوں نئے مسائل آتے جا رہے ہیں، 'توں توں ان کا نظام مشاورت مستحکم ہوتا جا رہا ہے اور بتدریج ان کی آراء میں ہم آہنگی اور پیدا ہو رہی ہے اور ان کی سوچ میں ربط و گہراہ تاجا رہا ہے۔ وہ ایک دوسرے کے موقف کو سمجھنے اور سمجھانے میں زیادہ کامیاب ہوتے جا رہے ہیں۔

لشکر اسلام کی روانگی کے موقع پر صدیق اکبرؓ نہ صرف یہ کہ ان کا مشورہ مستر کر دیتے ہیں بلکہ انہیں فتنی سے جھڑک بھی دیتے ہیں۔ ان کی کسی بھی دلیل پر غور کرنے کیسے تیار نہیں ہوتے اس کے بعد ماضی زکوۃ کے معاملے میں ان کے دلائل کو غور سے سنتے ہیں اور پھر ان کا جواب زیادہ قوی دلائل کے ساتھ دیتے ہیں اور اپنے مشیر کو قائل کرتے ہیں کہ صلوۃ و زکوۃ میں فرق کرنے والوں کے خلاف تلوار اٹھانا ضروری ہے۔ پھر حضرت خالد بن ولیدؓ کی معزولی کے بارے میں ان کے مشورے پر عمل تو نہیں کرتے مگر اسے بہت زیادہ اہمیت ضرور دیتے ہیں اور انہیں مطمئن کرنے کیسے حضرت خالدؓ کو مدینے میں طلب کر کے سخت تنبیہ بھی کر دیتے ہیں اور دیگر غلطیوں پر سخت الفاظ میں خطوط بھی لکھتے ہیں۔ پھر حضرت خالد بن سعید کے معاملے میں حضرت عمرؓ کے مشورے کو بزودی طور پر قبول کرتے ہیں اور انہیں ایک تہائی لشکر کی سالاری سے معزول کر کے ایک چھوٹے سے اہل دیوستان کی کمان دیتے ہیں۔ آخر کار تدوین قرآن کے مشورے پر کچھ ہچکچاہٹ کے بعد مکمل طور پر قبول کر دیتے ہیں اور پوری یکسوئی و دلجمعی کے ساتھ تدوین کا انتظام کرتے ہیں۔ دونوں کے نقطہ نظر میں یہ تدریجی اختلاف و توازن اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ باہمی مشاورت کی بڑی قدر و قیمت ہوتی ہے اور اس کا تسلسل بلا خرابی و اتفاق، اتحاد کی منزل تک پہنچاتا ہے۔ عملی مسائل اپنا حل مانگتے ہیں اور باہمی مشاورت اس مسئلہ حل کی طرف لے جاتی ہے جو زیادہ مفید و موثر اور حقیقت پسند ہو تا ہے۔ ان دونوں ساتھیوں نے باہمی مشاورت اور اتفاق رائے کی طرف پیش قدمی کرنی ہی تھی کیونکہ عہد رسالت میں دونوں کا اختلافی نقطہ نظر آنحضرت ﷺ کے حتمی فیصلے کے بعد ختم ہو جاتا تھا۔ لیکن آپؐ کی وفات کے بعد دونوں نے خود ہی مل کر ایک نتیجہ تک پہنچنا ہوتا تھا اس لئے ان کی آراء رفتہ رفتہ نقطہ اتصال کی طرف گامزن رہیں۔ پھر اسلام کے ایک اور اصول نے بھی بہت اہم کردار ادا کیا۔ وہ تھا اطاعت امر کا حکم۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اس کے تمام تقاضے پوری طرح ادا کئے۔

ان دونوں برادرگوں کے باہمی مشوروں کے مزاج و انداز اور قیوس کے معیار، ہر اجنبی و دلائل اخلاص و ایماننداری اور ان پر عملی نفاذ پر غور کر کے ہم اسلام کے نظام مشاورت کے حدود و ضوابط کو بخوبی جان سکتے ہیں اور اسی کی بنیاد پر ہم عہد جدید کے بے شمار پیچیدہ مسائل کو بڑی آسانی کے ساتھ حل کر سکتے ہیں۔

## ۰..... بطور قاضی:

ابو ایہم غنی کے بقول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلیفہ بننے کے بعد سب سے پہلے مسلمانوں کے امور پر جسے مقرر کیا وہ حضرت عمر بن الخطابؓ ہیں۔ انہیں منصب قضا تفویض کیا اور وہ اسلام میں سب سے پہلے قاضی ہیں<sup>(۱)</sup>۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اس سے فرمایا کہ ”میں تو خلافت کے کاموں میں مشغول ہوں اس لئے مسلمانوں کے فیصلے آپ کیا کریں“<sup>(۲)</sup>۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کے خلیفہ بن جانے کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے تقسیم کار کا مشورہ دیا تو خود ہی محکمہ قضاء کے سلسلے میں اپنی خدمات کی پیشکش کی<sup>(۳)</sup>۔ اس سے علامہ ابن کثیر کی نقل کردہ اس بات کی تردید ہو جاتی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کا کوئی قاضی نہ تھا<sup>(۴)</sup>۔ اس غلط فہمی کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ حضرت عمرؓ کو قاضی کے تقرر کے بعد باقاعدہ ابوہان عدالت بنانے کی ضرورت ہی پیش نہ آئی۔ ایک تو اس لئے کہ عدل و انصاف کا دور دورہ ہو گیا اور لوگ اپنے اختلافات کو جھگڑوں میں تبدیل کرنے کے بجائے رد واری، ہم آہنگی اور افہام و تفہیم سے خود ہی حل کر رہے تھے۔ دوسرا امکان اس بات کا بھی ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کی بیعت و جلال کی وجہ سے لوگ برہادر است ان کی طرف رجوع کرنے سے ہچکچاتے ہوں۔ چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ ایک سال تک اور بعض کے مطابق دو سال تک انتظار کرتے رہے۔ اس عرصے میں کوئی ایک یا دو شخص بھی ان کے پاس اپنا مقدمہ لے کر نہیں آئے<sup>(۵)</sup>۔ حضرت عمرؓ کا اپنا قوس ہے کہ ”مہینہ گزر جاتا، مگر دو آدمی بھی فیصلہ کرانے کیلئے میرے پاس نہ آئے“<sup>(۶)</sup>۔

صورت احوال یہ تھی کہ عہد نبویؐ میں سرور کو نہیں پہنچنے کی ذات بابرکات مرکزیت کی حامل تھی۔ آپؐ ہی حاکم بھی تھے، معلم بھی، سپہ سالار بھی تھے اور منصف اعلیٰ بھی۔ ہر معاملے میں لوگ برہادر است آپؐ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے۔ عہد صدیقی میں بھی معاملات بالکل اسی نچ اور انداز کے مطابق چلتے رہے۔ شعبہ جات کی تقسیم کا سوشل نظام معرض وجود میں نہ آ سکا اس لئے کہ مسائل کی نوعیت و وسعت میں کوئی بڑی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی اور معاملات کی سادگی بھی حسب سابق برقرار تھی۔ لوگ اپنے زامی امور خلیفہ رسول ﷺ حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں آکر پیش کرتے تھے۔ پھر آپؓ کا یہ مستقل دھیرہ تھا کہ اس مقدمے کو حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دیتے تھے۔ اگر خود فیصلہ کرتے تو بھی اس کی تصدیق کیسے حضرت عمرؓ کی گواہی ضرور ثبت کرتے اور اگر اپنی موجودگی میں فیصلہ کرنے کا ارادہ کرتے تو حضرت عمرؓ کو ضرور شریک مشورہ کرتے۔ مختلف واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ سیاسی و انتظامی معاملات کے برعکس جہاں حضرت ابو بکرؓ اپنی ہی صوابدید پر پالیسی کا تعین کرتے تھے، قانونی معاملات میں ہمیشہ قاضی مدینہ حضرت عمر فاروقؓ ہی کی رائے کو فوقیت دیتے تھے۔

ابو جہدہ سہمی کا بیان ہے کہ میں اپنے گھر کے ایک غلام سے سختی سے پیش آیا۔ اس نے اپنے دانٹوں سے میرا کان پکڑ کر کاٹ لیا۔ میں نے اس کا کان کاٹ لیا (یہاں راوی کو شبہ ہے کہ، انہوں نے کیا بتایا) پھر ہم ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے جو حج کے سلسلے میں ہمارے پاس آئے تھے۔ انہوں نے ہمیں حضرت عمرؓ کی طرف بھیج دیا اور فرمایا ”انہیں عمرؓ کے پاس لے جاؤ، وہ تحقیق کریں کہ اگر زخم تہذیب تک پہنچ گیا ہے تو قصاص لیں۔“ جب ہم عمرؓ کے سامنے پیش کئے گئے تو انہوں نے زخم دیکھ کر فرمایا ”خدا کی قسم یہ زخم تو ہڈی تک پہنچ گیا ہے اس پر تو قصاص ہے۔ پھر حکم دیا کہ حجام کو بلاؤ تاکہ وہ قصاص لے“ چنانچہ انہوں نے قصاص لیا<sup>(۷)</sup>۔

(۱) ۳۱، ۱۱۵، حدیث (۴۸)، سعد (۸۷)، (۲) ۸۷، (۳) سعد (۸۸)، ۱۸۱/۲، ۳۱۶، ۳۱۷، ۲۸۹، (۴) کبیر (۱۴)، (۵) حدیث (۱۲۶)، (۶)

سعد (۸۸)، ۱۸۴/۳، (۷) ۳۶۵، ۳۶۶، حدیث (۳۸)

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ بطور قاصی اپنی ذمہ داریاں پوری طرح سرانجام دیتے تھے اور حضرت ابو بکرؓ بہت سے قصے انہیں کی طرف فیصلہ کیلئے بھیجتے تھے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ حضرت ابو بکرؓ کوئی فیصلہ کھلی کچہری میں کر رہے ہوتے تو حضرت عمرؓ اس میں اپنی رائے کا اظہار کرتے جسے حضرت ابو بکرؓ نافذ کر دیتے تھے اس کی نمایاں مثال حسب ذیل واقعہ ہے: ”ہو اسد اور بو عطفان کے لوگوں پر مشتمل ایک وفد بدافہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور طالب صلح ہوا۔ یہ لوگ منکرین زکوٰۃ میں سے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے انہیں کھلی جنگ یا ذلت آمیز صلح کی پیشکش کی وہ بولے ”کھلی جنگ کو تو ہم سمجھتے ہیں مگر ذلت آمیز صلح کیا ہوتی ہے؟“ فرمایا ”تمہارے جانور چھین لئے جائیں گے جو کچھ تمہارا مال ہمارے ہاتھ لٹا ہے وہ ہمارا مال غنیمت ہے اور جو کچھ ہمارا مال تمہارے ہاتھ لگا ہے وہ وہاں سے دینا ہو گا۔ تمہیں ہمارے مقتولوں کی دیت دی ہو گی اور تمہارے مقتول جنم میں جائیں گے اور تم لوگوں کو لونگوں کی دموں کے پیچھے چھوڑ دیا جائے گا۔ تا آنکہ اللہ اپنے رسول ﷺ کے خلیفہ اور مہاجرین کو تمہارے ہارے میں کسی عذر کی راہ نہ کھلاوے۔“ جب حضرت ابو بکرؓ فرما چکے تو حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے اور فرمایا ”آپ نے اپنی رائے کا اظہار کر دیا ہے ہم بھی اس ہارے میں مشورہ دے سکتے ہیں۔ آپ نے جو کھلی جنگ یا ذلت آمیز صلح کا ذکر کیا ہے وہ ٹھیک ہے اور یہ جو فرمایا ہے کہ جو کچھ ہمارے ہاتھ لگا ہے وہاں غنیمت ہے اور جو کچھ تمہارے ہاتھ لگا ہے وہاں ہارے ہیں یہ بھی درست ہے مگر آپ نے جو فرمایا ہے کہ ہمارے مقتولوں کی دیت دینی پڑے گی یہ غلط ہے کیونکہ ہمارے مقتول رلوحہ میں قتل ہوئے ان کی کوئی دیت نہیں ان کا اجر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے (۱)۔“ سب لوگوں نے اس رائے کو پسند کیا اور اسی پر عمل کیا۔

حضرت ابو بکرؓ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو عامل مقرر کیا۔ وہ اپنی علمداری سے واپس لوٹے تو ان کے پاس بہت سا ساز و سامان تھا۔ انہوں نے صدیق اکبرؓ سے کہا کہ اس میں سے کچھ تو آپ کیلئے (یعنی بیت المال) ہے اور کچھ مجھے تنہ ملے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”سارے کا سارا مال ابو بکرؓ کے حوالے کر دو۔“ انہوں نے اس سے انکار کیا۔ انہیں اسی رات ایک خواب دکھائی دیا کہ وہ آگ کے ایک بہت بڑے الاؤ سے ذرا بہت کر اوپر کی طرف کھڑے ہیں اور ذرا رہے ہیں کہ ابھی اس میں گر جائیں گے۔ اٹھنے میں حضرت عمرؓ آتے ہیں اور انہیں کمر سے پکڑ کر بچا لیتے ہیں۔ صبح ہوتے ہی حضرت معاذؓ حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا خواب بیان کر کے سارا مال ان کے حوالے کر دیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا ”اے معاذ اتم نے یہ سب بغیر امر اللہ کے کیا ہے اس لئے اب یہ تمہارے لئے حلال ہے۔“ حضرت عمرؓ نے کہا ”ہاں اب یہ تمہارے لئے پاک ہے (۲)۔“ حضرت ابو بکرؓ کسی معاملے میں خود فیصلہ کرنا چاہتے تو خود ہی اس کی تحقیق و تفتیش کرتے اور فیصلہ فرماتے اس کا وہ بجا طور پر حق رکھتے تھے اور اس حق و اختیار کو انہوں نے کئی مرتبہ استعمال کیا (۳)۔ لیکن اس میں بھی ان کی کوشش یہی ہوتی تھی کہ بصیرت فاروقی سے بھی استفادہ کریں جو ان کیلئے بہت بڑا سرمایہ تھی۔

روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک ایسے شخص نے چوری کی جس کا پہلے ہی ایک ہاتھ اور ایک پاں اسی جرم میں کٹا ہوا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے ارادہ کیا کہ اس چوری پر (اس کے ہاتھ کے بجائے) پاؤں ہی کاٹا جائے تاکہ اس کا ایک ہاتھ باقی رہ جائے جس سے وہ کھانکے طہارت کر سکے اور دیگر کام کر سکے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ”نہیں بخدا آپ اس کا دوسرا ہاتھ ہی کاٹیں گے۔“ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ نے اسی رائے کے مطابق حکم دیا اور اس کا دوسرا ہاتھ بھی کاٹ دیا گیا (۴)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے کہا کہ سنت ہاتھ کاٹنا ہی ہے (۵)۔ البتہ اپنے عہد خلافت میں اپنی اس رائے سے انہوں نے رجوع کر لیا اور تیسری یا چوتھی چوری کی صورت میں قید خانے میں بند کرنے کے قائل ہو گئے چنانچہ مدوہ نامی شخص کا ہاتھ کاٹنے کے بجائے اسے قید کر دیا (۶)۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ قیدیوں کے ہارے میں عام طور پر حضرت عمرؓ پر بھروسہ کرتے تھے اور حسب ضرورت ان سے تعاون لیتے بھی تھے اور انہیں تعاون دیتے بھی تھے۔ البتہ اگر ان کا کوئی معاملہ

ہوتا تو اس کا فیصلہ خود فرماتے تھے تاکہ عدس و انصاف کے تقاضے پورے ہو سکیں، حسب ذیل واقعہ اس کا ثبوت ہے۔ قاسم بن محمد سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ بن الخطابؓ نے پاس ایک انصاری عورت تھی۔ اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام عاصم بن عمر رکھا گیا۔ پھر آپ نے اس عورت کو چھوڑ دیا (ایک دن) وہ مسجد قبائیں آئے تو وہاں عاصم کو اور لڑکوں کے ساتھ مسجد میں کھلتا ہوا پلایا چنانچہ انہوں نے اس کا بازو پکڑا اور اسے اپنے جانور پر سوار کر لیا۔ لڑکے کی مانی نے یہ دیکھ کر ان سے جھگڑا کیا اور بچہ طلب کیا، یہاں تک کہ دونوں حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ ”یہ میرا بیٹا ہے۔“ حضرت ابو بکرؓ نے (فریقین کا توقف سننے کے بعد) فرمایا ”عمرؓ اسے چھوڑ دو اس کی مانی کے حوالے کر دو۔“ راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اسے لٹا دیا اور کوئی بھی نکر لٹہ نہ کی<sup>(۱)</sup>۔

اس فیصلے کی وجہ یہ ہے کہ جب تک بچہ سن شعور کو نہ پہنچے پرورش کا حق مانی کو حاصل ہے۔ چنانچہ امام مالک کے بارے میں آتا ہے کہ وہ اسی کے مطابق عمل کرتے تھے۔ بعض ایسی مثالیں بھی موجود ہیں جن کے مطابق حضرت عمر فاروقؓ نے خود خلیفہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکرؓ کے احکام و فرامین کو جب رفاہ عامہ اور عدس و انصاف کے ترازو میں توازن کی تائید و تصدیق کرنے سے انکار کر دیا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان کے فیصلے کو بدلتے سے انکار کر دیا اور اسی کو صائب جانا۔ عمر بن یحییٰ لڑتی سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ کو زمین کا ایک قطعہ بطور جاگیر لکھ دیا اور اس تحریر پر کچھ لوگوں کو گواہ بھی بنالیا، جن میں حضرت عمرؓ بھی تھے۔ حضرت طلحہؓ وہ تحریر لے کر ان کے پاس پہنچے اور انہیں کہا کہ اس پر اپنی ہر شے کر دیجئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”میں اس پر اپنی ہر شے نہیں لگاؤں گا۔ کیا سارے لوگوں کو چھوڑ کر یہ سب کی سب تمہاری اکیلے کی ہو جائے گی۔“ یہ سن کر حضرت طلحہؓ غصے کی حالت میں حضرت ابو بکرؓ کے پاس ہوئے اور کہا ”واللہ! میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ خلیفہ آپ ہیں یا عمرؓ۔“ انہوں نے جواب دیا بلکہ عمرؓ، لیکن انہوں نے انکار کر دیا ہے<sup>(۲)</sup>۔ علامہ طبری نے غائبی واقعہ کو یہ پھر اسی سے ملتے جلتے ایک اور واقعہ کو بیان کیا ہے جس کا مرکزی کردار حضرت طلحہؓ ہی ہیں۔ تفصیل کچھ اس طرح ہے

حضرت رکان اور اقرع حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئے اور کہا کہ بحرین کا خراج آپ ہمیں لکھ دیں، ہم اس بات کی ضمانت دیتے ہیں کہ ہماری قوم میں سے ایک بھی اسلام کو ترک نہیں کرے گا۔ حضرت ابو بکرؓ نے ان کی درخواست قبول کر لی اور اس سلسلے میں ایک تحریر بھی لکھ دی۔ حضرت طلحہؓ بن عبد اللہ نے اس معاملے میں طرفین کی سفارت کی تھی۔ اس تھپیے پر کئی اشخاص گونہ بتائے گئے، ان میں حضرت عمرؓ بھی تھے۔ جب باقاعدہ تحریر لکھ لی گئی اور گواہی کیلئے حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کی گئی تو انہوں نے شرانگہ دیکھیں، تو گواہی ثبت نہ کی۔ پھر فرمایا ”نہیں! واللہ میں ہر گز اس کا لحاظ نہیں کروں گا۔ یہ کہہ کر اسے مٹا دیا اور پھر نکلے نکلے کر دیا۔“ حضرت طلحہؓ اس پر غصے ہوئے اور حضرت ابو بکرؓ کے پاس آکر کہا ”ہمیر آپ ہیں یا عمرؓ؟“ انہوں نے جواب دیا ”عمرؓ!“ یہ الگ بات ہے کہ اطاعت میری قیوں کی گئی ہے، یہ سن کر وہ خاموش ہو گئے<sup>(۳)</sup>۔ اسی طرح کا ایک اور واقعہ حضرت عیینہ بن حصن کے ساتھ بھی پیش آیا۔ انہیں بھی حضرت ابو بکرؓ نے ایک قطعہ زمین بطور جاگیر لکھ دیا۔ ان سے حضرت طلحہؓ یا کسی دوسرے آدمی نے کہا ”یہ صاحب یعنی حضرت عمرؓ اس بارے میں صحیح رہنمائی کر سکیں گے۔ بہتر ہو گا آپ اپنی تحریر انہیں پڑھنے کیلئے دے دیں۔“ چنانچہ حضرت عیینہ حضرت عمرؓ کے پاس گئے اور وہ خط پڑھنے کیلئے دیا (بقیہ عبارت پہلے واقعے کی طرح مذکورہ ہے) آخر میں مزید اضافہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس تحریر پر تھوک کر اسے ملا دیا۔ بعد ازاں حضرت عیینہ نے حضرت ابو بکرؓ سے درخواست کی کہ وہ اسی مصمون کی ایک نئی تحریر انہیں لکھ دیں، لیکن حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا ”بھلا میں اس چیز کی تجدید نہیں کروں گا جس کی عمر نے تردید کر دی ہو“<sup>(۴)</sup>۔

مذکورہ متنوں واقعات کو دیکھ کر سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے تحریری احکام کو آخر کس حیثیت میں ملائے اور تار تار کر دینے کی جرأت کی تھی؟ کیا سہ تھی دوست ہونے کی حیثیت سے؟ نہیں ایس نہیں ہو سکتا کیونکہ حضرت ابو بکرؓ خلیفہ تھے اس لئے ان کی وسعت داری اور استحقاق مختلف تھا۔ اس سے تقاضے بھی شرعی اور قانونی حیثیت رکھتے تھے جو ذاتی تعلقات سے ماوراء تھے۔ دو دن کی حیثیت ثانوی تھی۔ ایک دوست ہونے کی بنا پر انہیں یہ حق نہیں تھا کہ خلیفہ وقت کے فرمان سے یہ سوک کریں۔ تو پھر کیا مشیر و وزیر کی حیثیت سے؟ نہیں ایسا بھی نہیں کیونکہ ایک مشیر کا کام خلیفہ کو مشورہ دینا اور اپنی مخلصانہ اور دیانتدارانہ رائے سے آگاہ کرنا ہے۔ آگے اس پر عمل کرنا یا نہ کرنا خلیفہ کی صوابدید پر ہوتا ہے۔ مشیر کیلئے یہ مناسب نہیں ہوتا کہ وہ اس کی طرف سے کسی جبری کردہ فرمان کی خلاف ورزی کرے۔ اگر کوئی بات ناپسند بھی ہو تو اسی کی طرف رجوع کرنے کا پابند ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے بطور مشیر بہت سے مشورے دیئے۔ بعض قبول کئے گئے، بعض نہیں لیکن انہوں نے کسی صورت میں اطاعت و فرمانبرداری کا درس نہ دیا تھا۔ انہیں چھوڑنا اور اپنی رائے کے برعکس اسے نافذ کرنے کیلئے اپنی مصلحتیں کھپادیں۔ وزیر کا کام بھی درحقیقت یہی ہے کہ حکومت کی طے شدہ پالیسیوں کو عملی جامہ پہنائے۔ تو پھر یہ گولہ کی حیثیت سے؟ ایسا بھی نہیں اس لئے کہ انہیں یہ حق تو پہنچتا تھا کہ اگر ان تحریروں سے غلط فہم نہیں رکھتے تو گواہی نہ دیں لیکن یہ حق نہیں تھا کہ سرے سے وہ عہد ہی مٹا دیں جبکہ گولہ بھی اکیلے ہی نہیں تھے اور ہوگ بھی تھے۔

ہم جب اس معاملے کی نوعیت اور حضرت عمر فاروقؓ کے رد عمل اور ان کے فیصلے سے نافذ ہونے پر غور کرتے ہیں تو اس نتیجے تک پہنچتے ہیں کہ انہوں نے یہ کام قاضی و منصف ہونے کی حیثیت سے کیا تھا۔ اس لئے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ فقہی و قانونی مہارت کو ان کی طرف ارسال کرتے تھے یا ان کی رائے کے موافق طے کرتے تھے۔ ان فرامین کو جبری کرتے وقت بھی انہوں نے یہ ضروری خیال کیا کہ حضرت عمرؓ کو بھی غلط فہمی میں مبتلا نہ کر دے اور ان کے غلط سے پہلے ان کی گواہی بھی ثبت ہو جائے لیکن حضرت عمرؓ نے بطور قاضی یہ مناسب نہیں سمجھا کہ زمین کے یہ قطعات تمام لوگوں کے تصرفات سے نکل کر محض چند لوگوں کے ہاتھوں میں منتقل ہو جائیں۔ انہیں یہ حق حاصل تھا کہ اگر خلیفہ وقت کے بھی کسی حکم کو انصاف کے خلاف سمجھیں تو اسے منسوخ کر دیں۔ اس پر عملدرآمد روک دیں انہوں نے ایسا ہی کیا۔ یہ حالات کا تقاضا بھی تھا اور ان کے ضمیر کی آواز بھی۔ حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ ان کی اجتہادی بصیرت کی فلاحی کرہا ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ کھرتی چلی جا رہی تھی۔ بدلتے ہوئے حالات پر ان کی گہری نظر تھی۔ وہ اسلامی ریاست اور مسلمانوں کی آئندہ کی ضروریات کو پسپے ہی محسوس کر رہے تھے۔ وہ یہ جانتے تھے کہ اسلام نے اجتماعی مفاد اور فلاح عامہ کو انفرادی اغراض پر جو ترجیح دی ہے اسے نئے مسائل پر کس طرح لاگو کیا جاسکتا ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے یہ زمینیں عطا کر کے کوئی نیا کام نہیں کیا تھا۔ خود سرور کوئین رضی اللہ عنہ کا اسوہ موجود تھا لیکن حضرت عمرؓ کے نزدیک نبی محترمؐ نے جن حالات میں یہ طریق کار اختیار کیا تھا ان میں وہی فلاح عامہ کے مطابق کام تھا۔ ریاست کے دفاع اسلام کی ترویج و اشاعت زمینوں کی آباد کاری زراعت کے پیشے کی طرف لوگوں کو رغبت دلانے انفرادی اور قومی آمدنی میں اضافے اور اناس و بیروں دنگاری کے خاتمے کیلئے وہ انتہائی ضروری تھا۔ آپؐ نے بہت سے لوگوں کو جو قطعے دیئے تھے جن میں حضرت ذبیرؓ، جابر بن حارثؓ، عمر بن الخطابؓ، ابوشعبہؓ اور حمید بن ابی سفیانؓ وغیرہ شامل ہیں <sup>(۱)</sup>۔ اس میں دراصل ایک حکمت شامل تھی۔

لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے قدام کے وقت انہوں نے محسوس کیا کہ اب مصراع عامہ کی حکمت نئے طرز عمل کا تقاضا کر رہی ہے اس لئے اسی کو اپنانا چاہئے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ آپ کی فراست و بصیرت کے قائل تھے۔ آپ کے فیصلوں کا اس کران کے عوامل و مقاصد کو سمجھ گئے اور کسی قسم کی خفت و ناراضی کا اظہار کرنے کے بجائے جادہاں و پیش انہیں نافذ کر دیا اور انہیں آپ کے اختیارات و منصب کیلئے چیلنج باور کرانے کی جو کاوش کی گئی اسے یہ کہہ کر ناکام کر دیا کہ خلیفہ تو دراصل عمرؓ ہی ہیں اور پھر دونوں کا لفظ میں اعلان کر دیا جس چیز کی عمرؓ نے تائید کی ہو میں اس کی تجدید نہیں کروں گا۔ یہ دراصل حضرت عمرؓ کی اجتہادی بصیرت اور فیصلے کی صداقت پر ایک غیر متزلزل اعتماد تھا کہ جس سے بڑھ کر کسی اعتماد کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔

## ۵۔۔۔ فاروق اعظمؓ کا انتخاب:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو انہیں یہ فکر لاحق ہوئی کہ ان کے بعد اس عظیم ذمہ داری کو کون سنبھالے گا؟ انہیں کیسے یہ بات نہایت آساں تھی کہ جس طرح سرور کونین ﷺ نے کسی کا تقرر نہیں فرمایا تھا اسی طرح وہ خود بھی اس دار فانی سے رخصت ہو جائیں اور بعد میں لوگ جس کو چاہیں پنا خلیفہ مقرر کر دیں، لیکن سقیفہ بنی ساعدہ کے تلخ تجربے نے بظاہر پر انہیں یہ رائے اختیار کرنے پر مجبور کیا کہ خلیفہ کا تقرر ان کی زندگی میں ہو جانا چاہئے تاکہ بعد میں کسی بڑے اختلاف و انتشار کا امکاں نہ رہے۔ جس طرح ان کی پوری زندگی اسوہ نبوی ﷺ کی بجاوٹ و چراغ امت میں گزری تھی، یہاں تک کہ بطور خلیفہ سیاسی و انتظامی معاملات میں بھی اپنی رائے اور اختیار کو جماع کلی کے سانچوں میں ڈھال دیا۔ اسی طرح شان صدیقیت کا تقاضا یہ بھی تھا کہ نئے خلیفہ کا معاملہ بھی فطائے نبوی ﷺ کی روح کے عین مطابق طے پائے اور مسلمانوں کو خود اس معاملے میں فیصلہ کرنے کا موقع دیا جائے۔ چنانچہ جب گراں جانی کا عالم طاری ہوا اور انہیں موت کے آثار دکھائی دینے لگے تو لوگ ان کی طرف اکٹھے ہوئے تو انہوں نے ان کے مجمع سے مخاطب ہو کر فرمایا: ”تم لوگوں پر میری حالت اور میرے مزاج کی کیفیت ظاہر ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میں اس مرض سے جانبر نہ ہو سکوں گا۔ اب تم میری مامت اور بیعت سے آزاد ہو اور میرا اور تمہارا پھر وہی تعلق رہ گیا جو میری خلافت سے پہلے تھا۔ تم جسے مناسب سمجھو اپنا اور میرا قائد بن لو، البتہ اگر میرے مرنے سے پہلے تم ایسا کر سکو تو بہتر ہو گا تاکہ میرے بعد اختلاف کی گنجائش نہ رہ سکے۔“

لوگ الگ ہٹ گئے اور اس مسئلہ پر غور کیا، لیکن وہ کوئی فیصلہ نہ کر سکے، یعنی ایسا کوئی فیصلہ نہ کر پائے جو سب کیسے قابل قبول ہو تا۔ مجمع صدیق کبریٰ خدمت میں دوٹو آیا (یک ایک لمحہ تارخ سے ہٹکار تھا) اور اعلان کیا: ”یا خلیفہ رسول اللہ! اس باب میں آپ کی جو رائے بھی ہو گی ہمیں تسلیم ہو گی۔“

صدیق کبریٰ نے فرمایا: ”مکمل ہے تم لوگ بعد میں اختلاف رائے میں مبتلا ہو جاؤ۔“

لوگوں نے کہا: ”نہیں ایسا نہیں ہو گا۔“

اس کے بعد سلام کے مرد بزرگ نے قوم سے عہد لیا کہ وہ ان کی سفارش کو بجاوٹ و چراغ قبول کر لے گی۔ امت نے اس بات کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ اب ابو بکرؓ نے قوم سے ہمت چاہی تاکہ وہ اس اہم مسئلہ کو خاص دینی و دنیائی نقطہ نظر سے حل کرنے کی کوشش کریں<sup>(۱)</sup>۔ جب لوگوں کی طرف سے ساری ذمہ داری انہیں پر ڈال دی گئی تو ان کی بے چینی میں اور اضافہ ہو گا، مسلمان بہت تازہ کر مٹھے سے گزر رہے تھے۔ روم ایران کی سالہا سال سے مستحکم و منظم سلطنتوں سے پنجہ آزمائی ہو رہی تھی۔ اسلامی ریاست کی سرحدیں جزیرہ نمائے حجاز سے آگے نہیں رہی تھیں، عجمی قبائل اور طرح طرح کی قوموں کے زیر تسلیم ہونے سے نئے تمدنی تہذیبی، سیاسی، اخلاقی اور اقتصادی مسائل کا پہنچ سامنے تھا۔ فتنہ ارتداد کے قسم ہو جانے کے باوجود ابھی اس کے اثرات ہاتھی تھے اور ریاست کو اندرونی طور پر مستحکم کرنے کیلئے ابھی بہت کچھ کرنا تھا اور در زعاقوں میں بسنے والے لوگوں کے فکر و نظر اور اخلاق و کردار کو یکس طور پر اسلامی سانچوں میں ڈھالنے کی اشد ضرورت تھی، قبائلی طریقہ ریاست کو ایک نظام میں جذب کر دینا، طبقاتی تقسیم کو ختم کرنا، مفلوک الحال لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنا خواہ وہ ادارہ اختلاف سے کتنے ہی دور کیوں نہ ہوتے ہوں اور ایک نئے طریقہ فکری و فانی و فاعلی ریاست کے خواب کو شرمندہ تعبیر کرنا بھی باقی تھا جس کا اٹھانچہ اور بنیادیں ہادی برحق

محسن کائنات ﷺ نے فراہم کر دی تھیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ ان تمام مقاصد کی تکمیل کیلئے ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جو ایک طرف فہم و فراست اور اجتہاد ہی بصیرت سے مزین ہو اور دوسری طرف بے پناہ انتظامی صلاحیت کا مالک ہو، ایک طرف جرأت و عزیمت کا پیکر ہو تو دوسری طرف سیاسی تدبیر اور معاملہ فہمی سے آگاہ ایک طرف علم و فن کا ماہر ہو تو دوسری طرف عمل و کردار کا نمونہ ایک طرف رعب و دہد بہ کا حامل ہو تو دوسری طرف رقت و تقویٰ کا شاہکار۔ یہ سب شمار اور متفرق صلاحیتیں کس کے اندر یکجا ہیں؟ انہوں نے کہا مصیبت میں سے ایک ایک پر نظر ڈالنا شروع کی۔ ایک ایک کے ماضی و حال کو ٹولا ایک ایک کے انفرادی و اجتماعی رویے کا تجزیہ کیا تو ایک ہی شخص پر سب کا نظر ٹھہر جاتی کہ وہ شخصیت صرف اور صرف حضرت عمر فاروق ہیں۔ ان کی زندگی کا ہر گوشہ ان کے سامنے کھلی کتاب کی طرح تھا۔ اس کا کوئی ورق داغدار نہیں تھا اور کوئی جوہر پوشیدہ نہیں تھا۔ وہ اپنی شخصیت کے کسی پہلو کو چھپا نہیں سکتے تھے۔ رسول کرم ﷺ کی رفاقت میں رہتے ہوئے بھی بہت نمایاں تھے اور ان کے اپنے عہد خلافت میں بھی نہایت اہم اور نہایت قریب پھر ان کے مناقب و فضائل سے بھی اچھی طرح واقف تھے لہذا انہوں نے پورے خلوص اور دیانتداری سے یہ فیصلہ کر لیا یہ منصب فاروق اعظمؓ ہی کے سپرد کیا جائے۔ اس پر ان کا دل اور ضمیر پوری طرح مطمئن ہو گئے۔

صدیق اکبرؓ یہ چاہتے تھے کہ اپنے دل و ضمیر کے اس فیصلے کو اسلام کے مشاورتی طریق کار کے مطابق ہی عملی جامہ پہنائیں۔ یہ بات صحیح تھی کہ لوگوں نے ان کی رائے پر مکمل اعتماد کرنے کا اعلان کیا تھا اور خود ہی نہیں تقرری کا اختیار دے دیا تھا لیکن پھر بھی یہ ضروری تھا۔ چیدہ چیدہ اکابرین کو عہدہ میں لیا جائے اور انہیں شریک مشورہ کر کے جماعتی صورت پیدا کی جائے۔ یہ خیال آتے ہی انہوں نے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کو بلایا اور ان سے کہا ”بتلاؤ عمرؓ کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے۔“ عبدالرحمنؓ نے کہا ”اے خلیفہ رسول وہاں وہاں کی بہ نسبت آپ کی رائے سے بھی افضل ہیں مگر ان کے مزاج میں ذرا شدت ہے۔“ ابو بکرؓ نے کہا ”یہ شدت اس وجہ سے تھی کہ وہ مجھ کو نرم دیکھتے تھے جب حکومت خود ان کو تنویض ہوگی تو اس قسم کی کٹھ پتلی چھوڑ دیں گے۔ اے ابو محمد میں نے ان کو بغور دیکھا ہے کہ جس وقت میں کسی شخص پر کسی معاملے میں غضبناک ہوتا تھا تو عمرؓ مجھ کو اس پر راضی ہونے کا مشورہ دیتے تھے اور جب کبھی میں کسی پر نرم ہوتا تھا تو وہ مجھ کو اس پر سختی کرنے کا مشورہ دیتے۔ اے ابو محمد یہ باتیں جو میں نے تم سے کہی ہیں تم ان کا کسی دور سے ذکر نہ کرنا۔“ عبدالرحمنؓ نے کہا ”بہت اچھا! (۱)۔“ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ اپنی رائے تھوپنا نہیں چاہتے تھے۔ ان کی خواہش تھی ہر شخص آزادانہ طور پر اپنی ذاتی رائے پیش کرے۔ اسی لئے انہوں نے اس بات چیت کو خفیہ رکھنے کا حکم دیا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے کھل کر یہ بات بتائی کہ مزاج کی سختی کے علاوہ ان میں اور کوئی نقص نہیں۔ وہ سب سے زیادہ منصب خلافت کے اہل ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے ذاتی تجربے کی بنا پر وضع کیا یہ نقص نہیں بلکہ ایک ایسی خوبی تھی جو ان کیسے بوقت ضرورت نہایت مفید ثابت ہوتی تھی۔ اس کے بعد ابو بکرؓ نے عثمان بن عفانؓ کو بلایا اور ان سے کہا ”اے ابو عبد اللہ! مجھے بتاؤ کہ عمرؓ کیسے ہیں؟“ عثمانؓ نے کہا ”آپ ان کو سب سے زیادہ جانتے ہیں۔“ ابو بکرؓ نے کہا ”ہاں اے ابو عبد اللہ! اس کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔“ پھر آپؓ نے کہا ”بارہا میں عمرؓ کے باطن کو ان کے ظاہر سے بہتر سمجھتا ہوں! ہم میں ان جیسا کوئی دوسرا شخص نہیں ہے۔“ پھر ابو بکرؓ نے کہا ”اے ابو عبد اللہ! تم پر رحم فرمائے! ان باتوں کا تم کسی سے ذکر نہ کرنا۔“ عثمانؓ نے کہا ”بہت اچھا!“ اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے کہا ”اگر میں نے عمرؓ کو چھوڑ دیا تو تمہیں نہیں چھوڑوں گا! مجھے معلوم نہیں ممکن ہے عمرؓ اس کو قبول نہ کریں۔ ان کیلئے تو یہی بہتر ہے کہ وہ تمہاری حکومت کا بار اپنے سر نہ لیں۔ میری خواہش تو یہ تھی کہ میں تم لوگوں کے اس معاملے سے بے تعلق رہتا اور اپنے پیشرو کے طریقے کو اختیار کرتا۔ اے ابو عبد اللہ



میں نے جس کام لینے نہیں بلایا ہے اور عمر کے لعل جو چھ لم سے کہا ہے تم کسی سے اس کا لڑ نہ لڑنا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی رائے سے بھی یہی اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ سے بہت متاثر تھے اور انہیں ہی سب سے زیادہ اہل سمجھتے تھے لیکن حضرت ابو بکر صدیقؓ کو ابھی تک یہ یقین نہیں تھا کہ حضرت عمرؓ اس منصب کو سنبھالنے کیلئے خوشدلی سے تیار بھی ہوں گے یا نہیں۔ اس خدشے کی وجہ یہ تھی کہ وہ ان کی بے غرضی دے لوٹی سے اچھی طرح آگاہ تھے اس نے انہوں نے احتیاط حضرت عثمان کو بھی یہ اشارہ دے دیا کہ دوسرے نمبر پر ان کے دین میں انہیں کا نام ہے۔ ان کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے سعید بن زیدؓ ابو بکرؓ اور اسید بن الحکیر سے مشورہ کیا تو حضرت اسید نے کہا "اے اللہ! مجھے حق توفیق دے" آپ کے بعد میں انہیں سے سب سے بہتر سمجھتا ہوں جو رضائے الہی سے راضی اور ناراضی سے ناراض ہوتا ہے۔ ان کا باطن ان کے ظاہر سے زیادہ بہتر ہے اور اس امر پر کوئی ایسا دلی نہیں جو ان سے زیادہ قوی ہو (۲)۔"

بعد ازاں صدیق اکبرؓ نے جب مشاورت کا دائرہ دیگر مہاجرین و انصار تک وسیع کیا تو گدگد و حصوں میں منقسم ہو گئے۔ کچھ لوگ تو انہیں خلیفہ بنانے کے حق میں تھے اور کچھ لوگ مخالف۔ جو لوگ مخالفت کر رہے تھے انہیں اس کے علاوہ اور کوئی اعتراض نہیں تھا کہ ان کے مزاج میں شدت اور تند خوئی ہے جو نبی انہیں یہ اندازہ ہوا کہ حضرت عمر فاروقؓ ہی کو خلیفہ بنائے جانے کا قوی امکان ہے تو وہ سرگرم عمل ہو گئے۔ فحشی کا بیان ہے "طلحہ زبیر" عبدالرحمن بن عوفؓ اور سعدؓ ابو بکرؓ کے مکان پر موجود تھے یہ سب عیادت کیلئے آئے ہوئے تھے۔ ابو بکرؓ نے عمرؓ کو بوجھا کر اُٹھائے تو ان حضرات نے محسوس کیا کہ جیسے حضرت صدیق اکبرؓ سے تھیلے میں کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ یہ سب وہاں سے اُٹھ گئے اور ابو بکرؓ کو تنہا چھوڑ دیا۔ اب یہ حضرات مسجد نبویؐ میں تشریف لائے اور حضرت علیؓ سے کہنا بھیجا کہ وہ مع اپنے آدمیوں کے مسجد میں آجائیں۔ علیؓ اور ان لوگوں کو ایک احاد میں سے تشریف فرما ملے سب ان کے گرد جمع ہو گئے اور کہا "علیؓ تمہیں معلوم ہے خلیفہ رسول اللہؐ عمرؓ کو اپنا جانشین مقرر کر رہے ہیں اور یہ تو خلیفہ رسولؐ کو بھی معصوم ہے اور ہم بھی جانتے ہیں کہ اسلام قبول کرنے میں ہم میں سے اکثر کو ان پر (عمرؓ) سبقت حاصل ہے۔ ہمیں یہ معصوم ہے کہ ہاتھ پیر اور بافتہ ارنہ ہونے کے باوجود قوم عمرؓ سے کس قدر مرعوب اور خائف سی رہتی ہے۔ تم ہمارے ساتھ چلو کہ ہم ابو بکرؓ سے اس بارے میں کچھ سوالات کر سکیں۔ اگر انہوں نے واقعی عمرؓ کو ہم حکومت سونپ دی ہے تو ہم اس باب میں اپنے خیالات کا اظہار کر سکتے ہیں۔ یہ سب ہوا اب ابو بکرؓ نے مرشد فرمایا "سب لوگوں کو جمع کر لیا جائے تاکہ میں سب کو بتا سکوں کہ میں نے کسے منتخب کیا ہے۔ مسجد میں سب لوگ جمع ہو گئے اور خلیفہ ارسوس منبر پر جلوہ فگن ہوئے اور سلطان کے بعد کہ عمرؓ کو منتخب کیا گیا ہے اور انہیں گئے مگر قوم ابھی تک متذبذب تھی۔ لوگوں نے اصرار نو بار باریاب ہوئے کی اجازت مانگی۔ انہیں لاس و رود بخشا گیا۔" نے وہوں نے گویا بیک زبان کہا کہ "عمرؓ کو ہم پر مسلط کر کے آپ اللہ کو کیا جواب دیں گے" ارشاد ہوا "میں اپنے رب سے کہوں گا کہ میں تیرے سب سے افضل بندے کو اپنا جانشین بنا کر آیا ہوں (۳)۔"

ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ جب لوگوں نے مذکورہ سوال کیا تو غصے سے کانپ اٹھے۔ اس وقت آپؐ لینے ہوئے تھے لوگوں سے کہا کہ مجھے بندہ دو۔ پھر ان لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا "کیا تم لوگ مجھے اللہ کا خوف دلاتے ہو۔ تمہاری امارت سے جس نے ظلم سے توشہ حاصل کیا وہ برباد ہو گیا۔ اگر اللہ مجھ سے سوال کرے گا تو میں کہوں گا کہ اے اللہ تیرے خاص بندوں میں جو سب سے بہتر تھا میں نے سے خلیفہ بنایا۔ اے شخص میں نے جو تم سے کہا ہے اسے ان لوگوں تک پہنچا دینا جو تمہارے پیچھے ہیں (۴)۔" لوگوں کی ترجمانی کرتے ہوئے یہ سوال کرنے والے حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ تھے (۵)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ حضرت علیؓ بھی حضرت طلحہؓ کے ساتھ تھے اس گفتگو کے خلیفہ اس کو رزوا دیا۔ جس احسن

(۱) سعد ۳: ۱۹۹ طبری ۱۱: ۲۸۳ ج ۵: ۵۰، بیہ ۲: ۲۹۲، بیہ طبری ۱۱: ۸۲ (۲) سعد ۳: ۱۹۹، بیہ ۱۱: ۴۹ (۳) حوری ۱: ۴۸، سعد ۳: ۱۹۹، حوری ۵: ۵

بیہ طبری ۱۱: ۸۲، بیہ ۱۱: ۲۹، بیہ ۱۱: ۴۳۳، بیہ ۲: ۲۹۲، (۵) سعد ۳: ۲۷۲



طریق پر مکمل اتفاق و اتحاد کے درجے وہ اس مسئلے کو طے کرنا چاہتے تھے وہ سب آرزوئیں بکھرتی ہوئی نظر آنے لگیں۔ ان کی چشم تصور میں سقیفہ بنی ساعدہ کا کرناک منظر ایک مرتبہ پھر گھوم گیا۔ انہیں یہ اندیشہ ہونے لگا کہ مسلمان برضاد و غبت حضرت عمر فاروق کی خلافت پر متفق نہیں ہوں گے۔ انہیں اس بات کا دکھ بھی کھائے جا رہا تھا۔ پہلے تو ان پر مکمل اعتماد کا اظہار کیا گیا لیکن جب انہوں نے پورے خلوص اور دیانتداری سے ایک نام پیش کیا ہے تو اس پر تنقید کی جانے لگی ہے۔ گریبی سلسلہ جاری رہا تو اور بھی کسی شخص پر اتفاق ہونا ممکن نہیں ہو گا۔ پھر امت مسلمہ کا کیا حال ہو جائے گا۔ اس فکر و پریشانی میں انہوں نے ساری رات آنکھوں میں کانٹ دی لوگوں کے اعتراض پر سنجیدگی سے غور کیا، عمر فاروق کے مزاج کی شدت و سختی واقعی لوگوں کیلئے قیامت و تکلیف کا باعث بنے گی؟ کیا وہ اپنی اس سختی کے ہوتے ہوئے معزز اور اہل الرائے لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر چل سکیں گے؟ جن کا تعاون مملکت و سیاست کے امور چلانے کیلئے انہیں قدم قدم پر درکار ہو گا؟ کیا ان کی بے شمار اعلیٰ صفات اس بگاڑ پر قابو پانے میں کامیاب ہو جائیں گی؟ جو ان کی درستی کی وجہ سے پیدا ہو سکتا ہے؟ جب انہوں نے حضرت عمرؓ کی فہم و فراست، انتظامی صلاحیت، خلوص و جذبہ اور عزم و استقامت اور اسی طرح کی دوسری خوبیوں کا موازنہ ان کی شدت سے کیا تو ایک مرتبہ پھر اسی نتیجے پر پہنچے کہ اس اعتراض میں کوئی وزن نہیں ہے اور لوگوں کے دلوں میں پایا جانے والا خوف محض و ابہرہ ہے۔ کیوں کہ حضرت عمرؓ کے غصے میں خواہش نفس اور ناکاک کوئی دخل نہیں ہوتا۔ ان کی شدت دینی غیرت کی وجہ سے ہوتی ہے، جن کی شدت کی تعریف یہ کہہ کر خود سرور کو نہیں پہنچتے نے فرمائی ہو۔ ”اشد امنی لی امر اللہ عمرؓ“۔ جن کے ہارے میں خود جبریل علیہ السلام نے آکر آنحضور ﷺ سے کہا ہو کہ عمرؓ کو میرا سلام پیش کیجئے اور انہیں خبر دیجئے کہ ان کی رضا حکم ہے اور غصہ عزت (۲)۔ وہ انصافی کیلئے نہیں بلکہ اصلاح کیلئے اور حق و صداقت کی بالادستی کی وجہ سے جوش میں آتے تھے۔ لوگوں کے خائف ہونے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ کسی کے ساتھ زیادتی کریں گے بلکہ اس لئے تھی کہ وہ زیادتی روکنے کیلئے کسی کو خاطر میں نہیں لائیں گے۔ ان کی سابقہ زندگی خود اس بات کا بین ثبوت تھی۔ اس لئے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ غور و خوض کیا تو اور بھی زیادہ یکسوئی حاصل ہو گئی کہ احکام خداوندی کی سر بلندی و نفاذ کیلئے بھی اور فتوحات و جہاد کی پالیسی کو جاری رکھنے کیلئے بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بہتر کوئی شخص اس منصب خلافت کا اہل نہیں ہے، البتہ انہیں اس بات کا رنج ضرور تھا کہ لوگ ان کے جذبات و احساسات اور اغراض و مقاصد کو حقیقی پس منظر اور مستقبل کے تناظر میں سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہے۔ اگلی صبح اس کا اظہار انہوں نے کچھ اس طرح کیا ”عبدالرحمن بن عوفؓ سے مروی ہے کہ وہ ابو بکرؓ کے مرض الموت کے زمانے میں ان کے پاس گئے اور ان کو کچھ تمکین سپاہی۔ عبدالرحمنؓ نے آپ سے کہا ”خدا کا شکر ہے کہ آپ نے تندستی کے ساتھ صبح کی ہے۔“ ابو بکرؓ نے کہا کہ ”میں نے تمہاری حکومت ایک ایسے شخص کے حوالے کی ہے جو میرے نزدیک تم سب سے بہتر ہے مگر اس سے تم سب کی ناکیں پھول گئیں، ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ یہ منصب خود اس کو مل جائے (۳)۔“

حضرت عبدالرحمنؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا ”امیر المؤمنینؓ اس قدر جوش میں نہ آئے اس سے آپ غمناک ہوئے جاتے ہیں۔ لوگوں میں ہر شخص وہ حال سے خلی نہیں ہے یا تو اس کی رائے بھی وہی ہے جو آپ کی ہے تو وہ آپ کے ساتھ ہے یا آپ کی رائے کے خلاف کہنے والا ہے تو وہ آپ کو مشورہ دے رہا ہے مگر آپ کی پسند اور نخواستہ کے ساتھ ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ آپ صرف حیر خواہی چاہتے ہیں آپ ہمیشہ صانع اور مصلح رہے ہیں اور آپ کے دل میں دنیا کی کسی چیز کی حسرت نہیں ہے (۴)۔ اس طرح انہوں نے صدیق اکبرؓ کو یہ بات سمجھا دی کہ لوگوں کا اختلاف فطری اور معمولی نوعیت کا ہے یہ کوئی بہت بڑا سنگین معاملہ نہیں ہے جس کو بہت زیادہ محسوس کیا جائے اور اختلاف رائے رکھنے والے لوگ بھی بد اعتمادی کا اظہار نہیں کر رہے بلکہ محض اپنے محسوسات بیان کر رہے ہیں اور نہ صدق دل سے ہر فیصلے

(۱) سعد ۳، حدیث ۲۲۹، کتب ۷، ۱۳۴ (۲) مہ ۱۲، ۳۸، ۱۲، حدیث ۲۳، ۱۰، ۷۷۹ (۳) سعدی ۱۳۷۰، حدیث ۴۹۹/۳، ۱۱ (۴) سعدی ۱۳۷۰، حدیث ۲۲۹، ۳، ۱۱

کی وہ بھی اطاعت کریں گے۔ اس جواب سے حضرت ابو بکرؓ کے ذہن کا بوجھ ہٹا ہو گیا اور ان کی پریشانی کافی حد تک دور ہو گئی اور ایک مرتبہ پھر انہوں نے عوام سے مخاطب ہونے کا فیصلہ کیا۔ عاصم بن عدی کہتے ہیں کہ اپنی بیماری کے زمانے میں اندھیروں میں ابو بکرؓ نے مجمع عام میں ایک تقریر ارشاد فرمائی جو ان کی آخری تقریر تھی۔ اس کے خاص نکات یہ ہیں "دنیا سے مجتنب رہو اور اس پر اعتلا مت کرو اس لئے کہ دنیا دھوکا ہے۔ دنیا پر عقی کو ترجیح دو اور آخرت اور عقی کو اپنا مطمح نظر بناؤ۔ دنیا دور آخرت دونوں کی محبتیں ایک دوسرے کی ضد میں امت کو جو مسائل درپیش ہیں ان کے حل کیلئے ہمیں ہمیشہ نبی علیہ السلام کے اسوہ کو اپنا رہنما بنانا پڑے گا۔ رہنما مکار اور حکومت سنبھالنے کا مسئلہ تو ظاہر ہے اس کا مستحق ایک ایسا ہی شخص ہو سکتا ہے جو قوی الارادہ اور طاقتور ہو اور جسے اپنی رات پر پورا اور مکمل قابو ہو اور جہاں تختی کا موقع ہو وہاں اس سے زیادہ شدید کوئی نہ ہو اور جہاں نرمی کا محل ہو وہاں اس سے زیادہ نرم کوئی دوسرا نہ ہو۔ وہ عقلمند اور خردمند اشخاص کی بات مانے اور لائینی اور بے کار اور غیر ضروری چیزوں سے اجتناب کرتے مصائب اور مسائل کے روبرو حزن و غایتی نہ دکھائے، سیکھنے اور جاننے سے گریز نہ کرے۔ جو چیزیں مذہبی اور لازمی ہیں ان پر متحر نہ ہو۔ مسائل پر پوری گرفت پائے اور کسی معاملے میں بھی حد اعتدال سے تجاوز نہ کرے۔ ظلم و ستم سے گریز کرے اور مسائل سے باخبر ہو۔ ایسا شخص عمر بن الخطابؓ ہے" (۱)۔

صدیق اکبرؓ کی یہ تقریر بہت بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ ابتدا میں تو انہوں نے یہ بات ذہن نشین کرانے کی کوشش کی کہ تمام اختلافات و انتشار دنیوی زندگی کو مطمح نظر بنانے سے پیدا ہوتا ہے اس لئے اس سے اجتناب کرنے کی ضرورت ہے۔ اس بارے میں اسوہ نبوی ﷺ ہی صحیح رہنمائی کر سکتا ہے بعد ازاں انہوں نے ان تمام صفات کا ذکر کیا جو مسلمانوں کے خلیفہ کے اندر ہونا ضروری ہیں۔ اس طرح انہوں نے اہلیت کا ایک جامع معیار پیش کر دیا جس پر سیاسی معاملات کی پرچہ راہوں میں قیادت کرنے والی شخصیت کو جانچنا چاہئے۔ یہ وہ صفات ہیں جو دین کے ساتھ گہری وابستگی اس کے شعور اور اخلاق و کردار کی پختگی کے علاوہ ہیں کیونکہ وہ توبیہادی شرط ہیں۔ حضرت عمرؓ کی خداوندی صلاحیتوں کا اس سے زیادہ جامع نقشہ نور اس سے بڑا اعتراف ہمیں اور کہیں سے نہیں ملے گا۔ مجمع عام میں جب انہوں نے پوری ذمہ داری کے ساتھ ان کا ذکر کیا تو وہ سب لوگ جو ابھی تک کبیروہ خاطر اور متذبذب تھے وہ بھی ان کی خلافت کے بارے میں یکسو ہو کر مطمئن ہو گئے۔ مزید انہوں نے اس بات کو وضاحت کرنے کی بھی ضرورت محسوس کی کہ یہ عظیم منصب خاندانی اور موروثی نہیں ہے بلکہ ایک ایسی امانت ہے جو کسی اہل تر شخص ہی کے حوالے ہو سکتی ہے جسے لوگوں کی اکثریت بھی قبول کرنے کیلئے تیار ہو خود ان کے تقرر کی بنیاد بھی رفاقت و دوستی نہیں بلکہ اہلیت و استعداد ہے۔

ابو اسفر کی روایت ہے کہ ابو بکرؓ نے اپنے گوشے سے جھانکا "اسماء بنت عمیس جن کے ہاتھ گودے ہوئے تھے آپ کو پکڑے ہوئے تھیں۔ آپ نے کہا "لوگوں میں جس شخص کو تم پر خلیفہ بنانا ہوں کیا تم اس کو پسند کرتے ہو؟" کیونکہ میں نے اس کے متعلق غور کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا اور نہ میں نے اپنے کسی قرابت دار کا انتخاب کیا ہے۔ میں نے عمر بن الخطابؓ کو تمہارا خلیفہ بنایا ہے تمہارا حکم سوا اور ان کی اطاعت کرو۔ یہ سن کر سب نے کہا ہم بسرد چشم منظور کرتے ہیں اور ہم ان کی اطاعت کریں گے" (۲)۔ حضرت علیؓ نے فرمایا "ہم تو اس وقت راضی ہوں گے جب خلیفہ عمر بن خطابؓ ہوں گے" (۳)۔ "مسلمانوں کے اس اتفاق و اجماع سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو مکمل اور دلی راحت و تسکین حاصل ہو گئی۔ وہ سارے تقاضے پورے ہو چکے تھے جو اسلامی احکام کی روح کے مطابق اعتقاد خلافت سے قبل ہونے ضروری تھے۔ چنانچہ انہوں نے چپکے سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی خواہش میں بولا اور تختیے میں انہیں اپنا وصیت نامہ لکھوا دیا

"بسم اللہ الرحمن الرحیم ایہ ابو بکر بن قنفذہ کی دنیوی زندگی کا آخری اور آخری دم کی کاپیہا عہد ہے۔ میری دنیوی زندگی کا انجام یہ پہنچا ہے اور میں ایک ایسی منزل میں داخل

داخل ہو رہا ہوں، جہاں پہنچ کر کافروں پر ناجور بھی ان حقوق کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے، جن سے وہ تمام عمر انکار کرتا رہتا ہے۔ یہ ایسی منزل ہے کہ حقیقتیں عیاں ہو جاتی ہیں اور منکر کو بھی حق کی تصدیق کرنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔ میں نے عمر بن الخطابؓ کو اپنے بعد تمہارے لئے خلیفہ مقرر کیا ہے، اس کی اطاعت اور فرمانبرداری تمہارا فرض ہے۔ اس معاملہ میں میرے پیش نظر اللہ رسول ﷺ، اسلام اور میری اپنی ذات کی بھلائی مقصود تھی، تاکہ میں ایک عظیم شخصیت کو حکمرانی سونپ کر اللہ کے یہاں مانجور ہو سکوں۔ اب اگر عمر عدل و انصاف کریں گے، تو یہ میری توقع کے مطابق ہوگا، لیکن اگر وہ میرے کہاں کے خلاف عمل پیرا ہوتے ہیں، تو بہر حال ہر شخص اپنے اعمال کا خود مددہ دہ ہوگا۔ میری ہیبت تو ظاہر ہے صلح و فلاح کی تھی اور میں غیب کا علم نہیں رکھتا، پھر ظلم کرنے والوں کو بہت جدید یہ معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس جانب چل پڑے ہیں۔ اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں امت کے ساتھ رہیں (۱)۔ "یزید بن اسلم نے اپنے والد سے روایت کیا ہے، "بو بکرؓ کے جانشین خلیفہ کیلئے فرمان عثمان بن عفانؓ نے لکھا تھا۔ فرماں لکھتے وقت ابو بکر صدیقؓ نے جانشین کے نام کی جگہ خالی رکھی تھی، اسی اثناء میں صدیق اکبرؓ ہوش ہو گئے۔ "عثمان رضی اللہ عنہ نے حالات کی نزکت کا احساس کرتے ہوئے خالی جگہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسم گرامی سے پر کر دیا۔ خلیفۃ الرسول ہوش میں آئے، تو کہا کہ مجھے وصیت نامہ دکھایا جائے۔ وصیت نامہ میں عمر کا نام دیکھتے ہی پوچھا، "یہ کس نے لکھا؟" اور جب عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا، "میں نے۔" تو فرمایا، "اللہ تم کو اپنی کرم گستری سے نوازے، تم نے بہت صحیح نام لکھا اور تم خود اپنا نام بھی لکھ لیتے، تو یہ بالکل صحیح اور سوزوں ہوتا۔ اس لئے کہ تم بھی اس منصب کی پوری اہلیت رکھتے ہو (۲)۔" جب یہ کام ہو چکا تو انہوں نے سوچا کہ اب فاروق اعظمؓ کو اعتماد میں میں اور انہیں ساری صورت احوال سے سگاہ کریں، تاکہ وہ زندہ حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے آئندہ کیلئے اپنے طرز عمل کو استوار کریں۔ ابو بکر بن سالم نے بیان کیا کہ، "بو بکرؓ نے جب اپنا وصیت نامہ لکھوایا تو انہوں نے حضرت عمرؓ کو بلوایا اور ان پر یہ بات واضح کر دی کہ کچھ لوگ انہیں ناپسند کرتے ہیں اور کچھ پسند کرتے ہیں اور یہ بھی کہہ دیا کہ کبھی کبھی اچھوس سے بھی بغض و عناد ہو جاتا ہے اور مردوں اور برائیوں سے محبت کی جانے لگتی ہے۔" حضرت عمر فاروقؓ نے جواب دیا کہ، "مجھے خلافت کی کوئی حاجت نہیں ہے۔" حضرت ابو بکرؓ نے فوراً فرمایا کہ، "خود خلافت کو تمہاری حاجت ہے (۳)۔" اس طرح انہیں آخر کار مددہ داری کے اس بوجھ کو اٹھانے کیلئے تیار کر دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مہر صدیقی سے مزین یہ فرمان لے کر باہر نکلے، ان کے ہمراہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت اسید بن سعد القرظی بھی تھے (۴)۔ اور ساتھ ہی حضرت ابو بکرؓ کے غلام جن کا نام شدید تھا، وہ بھی ہر مجمع انتظار کر رہا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے ہاتھ میں اس وقت کھجور کی ایک چھڑی تھی، انہوں نے اس کے ذریعے دو گوں کو بیٹھ جانے کا اشارہ کیا (۵)۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دو گوں کو غنیمت سمجھ کر کے فرمایا کہ، "کیا تم اس شخص کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہو، جو اس فرمان میں ہے؟" سب دو گوں نے کہا، "جی ہاں!" اکثر دو گوں نے جہاں لیا کہ اس میں کسی کا نام درج ہے (۶)۔ حضرت قیس بن ابی حازم کے بقول اس فرمان کی تفصیل حضرت ابو بکرؓ کے غلام سے پڑھ کر سنائی۔ بعد ازاں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھے اور تمام دو گوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی (۷)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بالکل ہی فرمایا ہے کہ، "تمیں فراہ کی فراست اور ہوش مندی کی کوئی مثال نہیں، یعنی ابو بکرؓ کی فراست اور دانائی کی، عمر رضی اللہ عنہ کے انتخاب میں، پشت شعیب علیہ السلام کی فراست کی اس بات کے کہنے میں کہ بابائیں (موسیٰ علیہ السلام کو) ملازم رکھ بیٹھے اور یوسف علیہ السلام کے ولی نعمت کی فراست کی، جس نے ان کے تقدس اور ان کی جلالت شان کو خوب سمجھا تھا (۸)۔"

(۱) سعد ۳/۲۰۰، جو ۱/۵۱، مسند ص ۸۲۱ (۲) سعد ۳/۲۰۰، جو ۱/۵۱، مسند ص ۸۲۱ (۳) جو ۱/۵۱، مسند ص ۸۲۱ (۴) سعد ۳/۲۰۰، جو ۱/۵۱، مسند ص ۸۲۱ (۵) جو ۱/۵۱، مسند ص ۸۲۱ (۶) سعد ۳/۲۰۰، جو ۱/۵۱، مسند ص ۸۲۱ (۷) جو ۱/۵۱، مسند ص ۸۲۱ (۸) سعد ۳/۲۰۰، جو ۱/۵۱، مسند ص ۸۲۱

بیعت ہو جانے کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے خیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ کو تنہائی میں بلایا اور نہیں کی گئی کہ لفظ نصیحتیں کیسے بقول حضرت زید رضی اللہ عنہ وہ حسب ذیل ہیں

”میں تم کو چند نصیحتیں کرتا ہوں اگر تم ان پر کاربند ہو سکو اللہ کے کچھ حقوق ہیں جو گردن میں لایا ہوئے ہیں تو وہ راستہ میں انہیں قبول نہیں کرتا اور اگر وہ راستہ کیسے ہیں تو وہ وہ میں انہیں قبول نہیں کرتا۔ اگر فرائض اور نہیں ہوتے تو نوافل بے کار ہیں۔ قیامت کے دن میزان میں اسی کے اعمال درج ہوں گے جس نے اس دنیا میں حق کی پیروی کی ہے۔ اسی طرح میزان میں اسی شخص کے اعمال کو سبک قرار دے گی جس نے باطل کی اتباع کی ہے۔ میزان صرف حق کو قبول کرے گی باطل کو نہیں۔ اللہ تعالیٰ اہل جنت کے اعمال صاف کو درخور اعتناء قرار دے گا اور انہی اعمال کی بنیاد پر انہیں فردوس کی نعمتوں سے نوازے گا اور اہل دوزخ کو ان کے بدترین اعمال کی بنیاد پر جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور ان اعمال شنیعہ کے باعث ان کے اچھے کام بھی رائیگاں جائیں گے۔ اللہ نے آیات قرآنی کے ذریعے ترغیب بھی دی ہے۔ ترہیب بھی کی ہے یعنی جنت کی طرف مائل بھی کیا ہے اور جہنم سے ڈرایا بھی ہے۔ اللہ سے ہمیشہ کی تمنا کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔ یعنی اپنی خودی کی پسہائی کرو تم میری ان نصیحتوں پر عمل پیرا ہو گے تو موت جس سے یوں بھی کوئی مفر نہیں۔ تمہارے لئے بے حد خوشگوار اور محبوب ہو جائے گی اور اگر (خدا خواستہ) تم نے میری بات کو ضائع کر دیا تو یہی موت جس پر کوئی بھی قابو نہیں پاسکتا تمہارے لئے بے حد ناگوار اور مکروہ ٹھہری جائے گی (۱)۔“

حضرت ابو بکر بن سالم کے مطابق مذکورہ باتوں کے علاوہ یہ بھی شامل تھیں ”تم نے رسول اللہ ﷺ کی صحبتیں اٹھائی ہیں۔ تم نے دیکھا کہ سردار نے کس کس طرح ہماری خاطر ایثار کیا ہے۔ کبھی کبھی یہ بھی ہو ہے کہ ہمیں آقا کے بخشے ہوئے عطیہ سے ہی ان کے متعلقین کی خدمت کرنی پڑی ہے۔ تم نے یہ سب حیرت انگیز اور ملوثی باتیں دیکھ رکھی ہیں۔ تم نے مجھے بھی خوب برتا ہے اور میرا طرز عمل سکھا ہے جو اس کے سوا کچھ اور نہ تھا کہ میں سردار ﷺ کی کامل اتباع کروں اور ان کے نقش قدم پر چلوں۔ تمہارا ہر خواب ایک بشارت تھا اور تمہارا ہر قیاس ایک حقیقت تھا۔ بہر حال تمہیں یہ یاد سنبھالنا ہو گا اور میں راہ آخرت اختیار کر رہا ہوں۔“ سب سے پہلی چیز جس سے تم کو ہوشیار رہنا ہے وہ تمہاری اپنی ذات ہے (یعنی حاکم کو اپنی ذات پر پورا قابو ہونا چاہئے) اسی طرح تم کو قوم سے بھی چوکنار ہونا پڑے گا۔ قوم کی آنکھیں مگر ان ہیں اور وہ سب سے زیادہ اس پر متوجہ ہوں گی کہ تم مرعوب ہو گئے اور تم نے سپرد ڈال دی۔ زہر کہ ایسا ہونے پائے یاد رکھو جب تم اللہ اور اللہ والوں سے خائف رہو گے قوم بھی تمہارا وہ بہ تسلیم کرتی رہے گی۔ یہی میری وصیت ہے یہی میری تلقین ہے میرا سلام قبول کرو (۲)۔“

ہمارے سے ثابت ہے کہ فاروق اعظمؓ نے اپنے پیش رو اور اپنے ساتھی و رفیق کی ان ملامتوں پر نصیحتوں پر حرف بہ حرف عمل کیا جس طرح ان کی زندگی میں ان کا حق رفاقت ادا کیا اسی طرح ان کی وفات کے بعد بھی ان کی متعین کردہ راہ وصیت و استقامت پر گامزن رہے۔ ان کی تمام توقعات پر پورا اترے ان کے سہانے خوابوں کی عملی تعبیر پیش کی۔ زندگی کے تمام شعبوں کو اپنی اجتہادی بصیرت کو استعمال کرتے ہوئے بدلتے ہوئے حالات و ضروریات کے مطابق منظم کیا اپنی سیاسی حکمت عملی کے ذریعے سماجی ریاست کو دنیا کی سب سے بڑی منظم اور فلاحی ریاست بنا کے چھوڑا۔ صدیق کبیر رضی اللہ عنہ جب اپنے اس آخری بڑے کارنامے کو سرانجام دے چکے اور اپنے جانشین کو تمام ضروری نصیحتوں سے نوازا کے فارغ ہوئے تو پنے دونوں ہاتھ ٹھاکر اپنے رب کے حضور پھیرا دیے اور زندگی کی آخری دعا کی۔ ”اے اللہ میری نیت میں اس (فرمان) سے صرف ان لوگوں کی نیکی ہے۔ میں نے فتنے کا اندیشہ کیا اس لئے ان لوگوں کے معاملے میں وہ عمل کیا جس کو تو خوب جانتا ہے۔ نہ کیسے میں نے اپنی رائے سے اجتہاد کیا میں نے ان پر ان کے سب سے بہتر سب سے قوی تر اور سب سے زیادہ راہ راست پر چلانے کے خواہشمند

کو دلی بنایا۔ میرے پاس تیر حکم و باد تو آجی گیا ہے، میرے بعد بس تو ہی ان کا مالک و نگران ہے کیونکہ وہ تیرے بندے ہیں اور ان کی پیشانیاں تیرے قبضے میں ہیں۔ اے اللہ ان لوگوں کیلئے ان کے ولی کی اصلاح کر، اے بچے خلفائے راشدین میں سے بنا جو تیرے نبی رحمت ﷺ کی راہ ہدایت اور ان کے بعد صالحین کی راہ ہدایت کی پیروی کرے۔ اور اس کیلئے بھی اس کی رعیت کی اصلاح فرما دے (۱)۔ اس دعا کا ایک ایک جہدہ خصوصاً جو حوائی کا مرقع ہے۔ جس اجتہاد کا اس میں انہوں نے ذکر کیا ہے وہ اپنی موجودگی میں خیفہ کے تقرر کا اجتہاد ہے۔ اس میں حضرت عمرؓ کی نمایاں خوبیوں پر خود اللہ ہی کو گواہ بنایا ہے۔ اس کے بعد خیفہ و رعایا دونوں کی اصلاح کیلئے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی ہے۔ یہ دعا صدیق اکبرؓ کی قلبی کیفیات کی خوب جھلک پیش کرتی ہے۔

ان کی بے غرضی و بے سوچی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ پوری طرح مستحق والہ ہونے کے باوجود خلافت کے منصب جلیلہ کے ذرا برابر بھی خواہشمند نہیں رہے۔ وہ اسے ہماری ذمہ داری سمجھتے تھے جو حاصل کرنے والوں کیلئے پھوسوں کی بیج نہیں بلکہ کانٹوں کا بستر تھا۔ وفات سے قبل فرمایا کہ تین چیزیں ایسی ہیں جو اگر میں نہ کرتا تو بہتر تھا۔ ان میں سے ایک یہ تھی کہ کاش میں بنی سقیفہ کے روز س امارت کو دو میں سے کسی ایک شخص کے گلے میں ڈال دیتا۔ ان کا اشارہ حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ کی طرف تھا۔ اس دو میں سے ایک میر ہوتا اور میں اس کا وزیر ہوتا (۲)۔

اس روایت سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فائدہ مند صلاحیت کے پہلے ہی سے معترف تھے۔ ان کی ایک اور خوبی جس کی صدیق اکبرؓ کے ہاں بہت زیادہ قدر و منزلت تھی وہ سپاہیانہ جرأت و استعداد تھی۔ وہ انہی طرح باخبر تھے کہ ان کا معتد ترین ساتھی اور مشیر و وزیر جس طرح علم و فن، فہم و فراست، نقد و اجتہاد و سیاست و انتظام کا باہر ہے اسی طرح حرب و ضرب کے میدان کا بھی شہسوار ہے۔ اگر دار الخلافہ میں امور مملکت اور روزمرہ کے معاملات و مسائل میں انہیں ان کا کوئی اور جانی میسر ہوتا تو انہیں میدان جہاد میں اتار دیتے کیونکہ ان کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ دنیا کے دور دراز گوشوں میں بھی خدا کی حاکمیت کا ذکر لکا بجے اور اسلام کا پھر یہ الہرے۔ انہوں نے اپنے مختصر عرصہ خلافت کو اسی لئے جہاد و فتوحات کیلئے وقف کر دیا۔ انہیں اس بات کا افسوس تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عسکری ذوق و تجربے سے وہ بھرپور فائدہ نہیں اٹھا سکے۔ چنانچہ وفات سے قبل ارشاد فرمایا "تین چیزیں ایسی ہیں جو مجھ سے چھوٹ گئی ہیں۔ ان میں ایک یہ ہے کہ کاش جب میں نے خالد بن ولید کو شام کی طرف بھیجا تھا اس وقت مڑا بن خطاب کو عراق کی طرف بھیج دیتا تو میرے دونوں ہاتھ اللہ کی راہ میں بچھل جاتے یہ کہہ کر انہوں نے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے (۳)۔

بہر حال حضرت عمر فاروقؓ کو خیفہ بنانے کے سلسلے میں جو ان کی رائے ہی اس میں ان کی جنگی حکمت عملی اور جہاد و فتوحات کی اس پالیسی کا مگرہ و غل تھا جس کو جاری رکھنے کی شدید خواہش رکھتے تھے۔ انہیں یہ یقین تھا فاروق اعظمؓ اسے پوری مہارت و کامیابی سے آگے بڑھائیں گے۔ اگرچہ وہ ابتداء میں معنوں دل کس کی بنا پر اس سے اختلاف رکھتے تھے جیسا کہ الفکر اسامہ اور مانعین و مرتدین کے خلاف مہم سے قبل انہوں نے اس کا اظہار بھی کیا، لیکن جب اس کے انتہائی خوشگوار نتائج سامنے آئے تو انہیں شرح صدر حاصل ہو گیا کہ اسلام کی سر بلندی و سر فرازی کا واحد راستہ جہاد ہی ہے۔ چنانچہ فتہ ارتداد کے دہانے اور حزیہ نمائے عرب کو ایک جھنڈے تلے جمع کر دیے کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے عراق و شام کی طرف پیش قدمی کا فیصلہ کیا تو حضرت عمرؓ نے اپنی تمام تر قوتیں تائید و حمایت میں صرف کر دیں اور لوگوں کے دلوں سے ان دونوں قوتوں کا خوف ختم کر کے انہیں جد بہ جہاد سے مرشار کر دیا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے مرض نے جب سے شدت اختیار کی تھی اور ان کیلئے باہر مسجد میں جا کر نماز پڑھنا مشکل ہو گیا تھا تو حضرت عمرؓ ہی کو حکم دیا کرتے تھے

کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں (۱) جس دن حضرت عمر فاروقؓ کی بیعت ہو گئی اور اپنی سب سے بڑی مودودی سے بحسن و خوبی عہدہ برہو چکے تو چند نصائح اور دعا کے بعد ام المومنین اور دختر نیک اختر عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ ”آج کیا دن ہے؟“ انہوں نے کہا ”دوشنبہ۔“ پوچھا ”رسول اللہ ﷺ کی وفات کس دن ہوئی تھی؟“ انہوں نے جواب دیا ”دوشنبہ کو۔“ تو فرمایا کہ میرے اور رات کے درمیان موت کا فاصلہ ہے (۲)۔ بلاخر یہی ہوا غروب آفتاب کے بعد ان کی مقدس روح مالک حقیقی سے جا مل گئی اور فاروق اعظمؓ ہی نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور اسی رات ہی کو ان کے جسد خاکی کو سرور کوئین ﷺ کے پہلو میں دفن کر دیا (۳)۔ ”تاللہ والتالیہ راجعون“ دفاکر جب فارغ ہوئے تو لوگوں سے مخاطب ہو کر سب سے پہلی جومات انہوں نے کہی وہ یہ تھی ”عربوں کی مثال ایسی ہے جیسے نکیل میں بندھا ہوا لوث جو اپنے قائد کے پیچھے پیچھے چلتا رہتا ہے لہذا قائد کو چاہئے کہ سوچ سمجھ کر قیادت کرے۔ رب کعبہ کی قسم! میں ضرور انہیں سیدھے راستے پر لے کر چلوں گا (۴)۔“

حضرت عمر فاروقؓ کا عربوں کی غیبات و رویے کے بارے میں یہ تجربہ بصیرت افزائی کی علامت ہے۔ وہ یہ جانتے ہیں کہ ساہا سال سے مروجہ قبلی نظام نے ان کے مزاج کو بنیادی طور پر اطاعت کو شکی کا عادی بنا دیا۔ نظام جاہلیت نے انہیں حق و صداقت کے ہمہ گیر وادہی معیار سے بے گانہ کر کے ہر صحیح و غلط میں سردار و قبیلہ کی پیروی کا خوگر بنائے رکھا ہے۔ اس لئے ان کے بھٹکنے یا نہیں رہنا درست پر رکھنے کا اصل دعوہ دار قاعدی ہوتا ہے۔ ان کا یہ کہنا ان کے مثبت انداز فکر کی ترجمانی کرتا ہے۔ ان کے نزدیک لوگوں کا یہ جذبہ اطاعت ان کی بہت بڑی خوبی تھی جسے نظم و ضبط کا پابند بنا کر ایک منظم اور فلاحی معاشرے کے قیام کیلئے استعمال کیا جاسکتا تھا۔ نبیوں نے لوگوں کی خامیوں اور کوتاہیوں کا الزام انہیں پر دھر کے مستقبل کو مایوسیوں کے حوالے کرنے کے بجائے اصلاح کے چیلنج کو خود قبول کیا اور انہیں پر عزم بھی میں انہیں راہ راست پر چلائے رکھنے کا اعلان کیا۔ حضرت عمرؓ کے اس مختصر سے قول نے ان کے نصب العین کا تعین کر دیا اور لوگوں کو بھی یہ پیغام دے دیا کہ اب عمرؓ کا دور حکمرانی شروع ہو چکا ہے اب اپنے آپ کو ٹھیک کئے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ شدت و سختی کے اعتراضات سے وہ کسی قسم کے دباؤ میں نہیں آئے کہ اب وہ دہشت پر اتر آئیں۔ یہی وہ ابتدائی تاثر تھا جس کو فاروق اعظمؓ نے بلائے حکیمانہ انداز میں برقرار رکھا اور آنے والے وقتوں میں عملی طور پر سے بچ کر دکھایا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دور دراز کے علاقوں میں بسنے والے لوگ بھی تنہائی میں کوئی جرم کرتے وقت ان سے خوفزدہ رہتے تھے۔

ہم یہ دیکھتے ہیں کہ خلافت کی تقرری کے تمام مراحل میں حضرت عمر فاروقؓ ہمیں کہیں بھی سرگرم عمل نظر نہیں آئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس منصب کے نہ تو خواہش مند تھے اور نہ اس کیسے تیار۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے انہیں استصواب رائے میں شامل نہ کیا تاکہ لوگوں کی آراء سے آزادانہ طور پر آگاہ ہو سکیں اور لوگوں کو بھی اپنے تاثرات میں کسی قسم کی تکلیف نہ ہو جب بات کھل کر عام مشاورت میں آگئی تو ظاہر بات ہے کہ حضرت عمرؓ کو لوگوں کی ان سے جو سختی کی شکایت تھی اس کا علم ہو گیا ہو گا۔ مگر انہوں نے اس موقع پر بھی کسی قسم کی مداخلت نہ کی اور نہ ہی اپنے حق و صفائی میں کوئی جھکاؤ کیا کیونکہ وہ بے لوثی و بے غرضی کے پیکر تھے۔ وہ یہ پسند کرتے تھے کہ لوگ کھل کر اس معاملے پر غور و خوض کریں اور پورے اتفاق و یکسوئی سے جس نتیجے پر بھی پہنچیں وہی سلام اور مسلمانوں کیسے مفید ہو گا۔ انہیں یہ عقائد تھا کہ صدیق اکبرؓ یہ معاملہ خود ہی خوش اسلوبی سے طے کر لیں گے۔ ان کا پناہ نام کیونکہ زیر غور تھا اس لئے ان کی دانشمندی و فراست نے انہیں بجا طور پر بے نیازی و غیر جانبداری کا رویہ اپنانے پر آمادہ کیا کیونکہ اسی میں امت مسلمہ کی بھلائی تھی۔ اگرچہ وہ اس کے خواہشمند نہیں تھے مگر کھل کر انکار کر دیتے تو مسلمان مشکلات میں پڑ جاتے اور ایک بحر ال پیدا ہونے کا خطرہ درپیش ہوتا۔ اس لئے انہوں نے علیحدگی ہی میں صدیق اکبرؓ سے یہ گزارش کی کہ انہیں اس منصب سے معذور رکھا جائے لیکن جب ان پر دم داری و ذال وی گئی تو انہوں نے اسے پورے شعور سے سنبھالا اور تمام تر صداقتوں کو استعمال کر کے اس کا حق ادا کر دیا اور عملی طور پر صدیق اکبرؓ کی اس بات کو بچ کر دکھایا کہ اس حالات میں خلافت ہی ان کی ضرورت مند تھی۔

(۱) سعد ۲۰۲، ۲۰۱، ۲۸۸ (۲) سعد ۱۰۳، ۲ (۳) سعد ۲۰۲، ۲۰۱، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱

## باب چہارم

# بصیرت عمرؓ اور قرآن حکیم

- ☆۔ الہامی طبیعت
- ☆۔ موافقات قرآنی
- ☆۔ تعلق بالقرآن

## ۵۔ .... الہامی طبعیت:

حضرت عمر فاروقؓ جب درگاہ اسلام میں داخل ہوئے تو آپ کی وہ فہم و فراست جو عہد جاہلیت میں طرہ امتیاز تھی دین کی سمجھ اور اجتہادی بصیرت میں تبدیل ہو گئی۔ ہجرت کے بعد آپ کی طبیعت کا الہامی جو ہر زیادہ کھل کر سامنے آتا گیا جو قرآن حکیم اور معظم انسانیت کی صحبت و فیض کا نتیجہ تھا۔ وہ علم جسے آنحضور ﷺ نے اپنے سچے خواب میں پیاسے کے طور پر آپ کے حوالے کیا تھا<sup>(۱)</sup> وہ محدثانہ شان میں بدل گیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”قد کان یکنون فی الامم قبلکم محدثون فان یکس فی امتی منهم احد فان عمر بن الخطاب منهم“<sup>(۲)</sup>۔ ”تم سے پہلے انہی امتوں میں محدث ہو کر رہے تھے اگر میری امت میں ایسا کوئی ہو تو وہ عمر بن خطاب ہوں گے۔“

امام مسلم اس حدیث کو رقم کر کے لکھتے ہیں کہ ابن وہبؒ نے ”محدثون“ کی تفسیر میں لکھا ہے ”مطہون“ یعنی جن پر الہام ہوا کرتا ہے جن کی رائے ٹھیک اور جن کا گمان صحیح ہوتا ہے<sup>(۳)</sup>۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کے مراد وہ لوگ ہیں جن سے فرشتے باتیں کریں اور وہ جن کی زبانوں پر صحیح بات جاری ہو<sup>(۴)</sup>۔ امام ترمذی یہی حدیث رقم کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ مجھے سفیان بن عیینہ کے بعض اصحاب نے خبر دی ہے کہ ”محدثون“ کے معنی ہیں ”مطہون“ یعنی جنہیں دین کی غامض سمجھ یا فہم عطا کیا گیا ہو<sup>(۵)</sup>۔ امام بخاری نے یہی حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے اور اس واسطے سے اس میں یہ الفاظ زائد لکھے ہیں ”لقد کان فیہم من کان قبلکم من ہبی اسرائیل رجال یكلمون من غیر ان ینکونوا اہباء فان یکس من امتی منهم احد فلعمر“<sup>(۶)</sup>۔ ”تم سے پہلے ہبی اسرائیل میں ایسے لوگ گزر چکے ہیں جن سے فرشتے باتیں کیا کرتے تھے اس کے بغیر کہ انہی ہوں۔ اگر میری امت میں کوئی ایسا ہو تو وہ عمر بن خطاب ہوں گے۔“

محدث و فہم کون ہوتا ہے؟ اس بارے میں شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں ”وہ شخص جس کو فرست صادق عطا کی گئی ہو اور اس کی عقل و فہم کو حظیرۃ القدس سے تائید کی جاتی ہو جو یہاں تک کہ تحریر میں اکثر اصابت کرتا ہو اور یہ ان امور میں واقع ہوا ہے کہ جن میں صحابہؓ سے آنحضرت ﷺ کے مشورہ لینے کے بعد وحی نازل ہوئی اور اس صورت میں یہ کسب حاصل کرنے والا آنحضرت ﷺ کا طفیل ہوتا ہے۔ مگر قرب و منازل میں اسے ایک مقام و مرتبہ حاصل ہوتا ہے اور اس کی مثال اس طرح پر ہے کہ ایک بادشاہ اپنے دربار سے مشورہ کرتا ہو اور جو خادموں و وزیروں سے بادشاہ کے اشارات و اشارات کو دیکھتا اور سنتا ہو اور نقل اس کے بارے میں ان اشارات و اشارات کو بیان کرے دربار ان سے آگاہ ہو گا۔ اس مقام کا نام محدثیت ہے اور اس مقام کے لوازم سے یہ مرہ ہے کہ وحی ہر بار اس کے اجتہاد کے موافق نازل ہوئی۔ پس بدین وجہ جب وہ مظن غائب کسی امر کے متعلق جو کچھ خیال کرتا ہے اس کے مطابق ہی واقع ہوتا ہے فیما بین الناس ممتاز و فائق ہوتا ہے<sup>(۷)</sup>۔“

ہجرت مدینہ کے بعد کرہ ارض پر خدا کی حاکمیت کی بنیاد پر استوار ہونے والی ایک ریاست کی تاسیس ہوئی۔ قرآن نے اپنی دعوت کا رخ اور انداز تبدیل کر لیا اور اجتماعی مسائل کے بارے میں احکام اثرنا شروع ہوئے۔ ایک طرف اسلامی ریاست کے تحفظ و بقاء کا مسئلہ تھا دوسری طرف اس کے نظم و استحکام کی ضرورت تھی اور تیسری طرف اجتماعی معاملات کو اس کے مقاصد کے سانچوں میں ڈھالنا۔ اس مرحلے پر سب نے اس بات کو محسوس کیا کہ بہت سے اہم مسائل

(۱) بخاری، ۱۹۸۱ء، ج ۱، ص ۱۶۹، ترمذی، ۱۳۸۱ء، ج ۲، ص ۳۶۸، حاکم، ۱۶/۳، ج ۱، ص ۲۵، (۲) بخاری، ۱، ص ۲۰، مسلم، ۱۱۵/۷، ترمذی، ۲۸۵/۵، ج ۱، ص ۲۱۹۔

حاکم، ۸۶/۳، ج ۱، ص ۸۸، (۳) ابوالہادی، ۱۱۵/۷، ص ۶۴، (۴) مسلم، ۱۱۵/۷، ص ۶۴، (۵) ترمذی، ۲۸۶/۷، ص ۲۸۶، (۶) بخاری، ۱۹۸۱ء، ج ۱، ص ۱۳۲۔





کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ”بِإِسْمِ اللَّهِ نَزَّلْتُ إِلَيْكُمْ رُبِّيَّ الْمَاءَ عَرُوصًا عَلِيًّا وَعَلَيْهِمْ قَمِيصٌ فَمَعَهَا مَا يَبْلَعُ النَّدَى وَمَهَا مَا يَبْلَعُ دُونَ ذَلِكَ وَعَرُوصٌ عَلِيٌّ عَمْرُو عَلَيْهِ قَمِيصٌ اجْتَرَهُ قَالُوا فَمَا أَوْلَاهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ الدِّينُ“ (۱)۔ (ایک بار میں سورہاتھا میں نے خواب میں دیکھا کہ لوگ میرے سامنے لائے جاتے ہیں۔ بعض کے قمیص تو اتنے اونچے ہیں کہ چھاتی تک پہنچتے ہیں اور بعض کے یہاں تک بھی نہیں پہنچتے۔ عمر جو لائے گئے تو ان کا قمیص اتنا لمبا تھا کہ جس کو وہ کھینچ رہے تھے۔) صحیح مسلم میں ”عرض علی عمر“ عمر میرے سامنے لائے گئے کی جگہ ”مر عمر“ عمر آتے ہیں (۲)۔ اس حدیث کی تشریح میں امام نووی نے لکھا ہے کہ دین اور کونے میں مناسبت ہے۔ جیسے کہ تابدن کو چھپاتا ہے اور سردی و گرمی سے بچاتا ہے ویسے ہی دین روح اور دس کو محفوظ رکھتا ہے اور گناہ سے بچاتا ہے۔ تحفۃ الابرار میں ہے کہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عمر کا دین نہایت کامل اور حد سے زیادہ تھا (۳)۔

فتح الباری میں ہے کہ قمیص دنیا میں ستر پوشی کا ذریعہ ہے جبکہ دین آخرت میں عربوں کے ہاں قمیص سے مراد پاکدامنی اور فضل و شرف ہے۔ ابن عربی کے نزدیک نبی ﷺ نے اس کی تائید دین اس لئے کی ہے کہ دین جہالت کو چھپاتا ہے جس طرح کپڑا بدن کے تنک کو چھپاتا ہے۔ ابو حمزہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد دین کے تقاضوں پر عمل پیرا ہونا ہے مثلاً احکام بجالانے کی حرص اور منافی سے اجتناب وغیرہ اور حضرت عمر کا مقام اس لحاظ سے بہت بلند تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کی تعبیر اس کی ہدایت کی کئی بیشی کے لحاظ سے ہونی چاہئے کہ جس کے جو مناسب حال ہو دین اس کی طرف منسوب کیا جائے گا مثلاً دین ”علم جمال“ برداری وغیرہ (۴)۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ کی اجتہادی بصیرت انہماکی فراست اور دین کی سمجھ کا دار و مدار کس چیز پر تھا؟ اس پر ہم جتنا غور کریں اور واقعاتی شہادتوں کا جس قدر تجزیہ کریں صرف ایک ہی نتیجہ تک پہنچتے ہیں۔ قرآن حکیم سے آپ کا گہرا تعلق اس سرچشمہ بصیرت و فراست اور رشددہدایت سے آپ کی قلبی و فکری اور علمی و عملی وابستگی آپ کے اندر چھپے ہوئے خدا دلجو ہر کو تابدن کی درخشانی عطا کی۔ یہاں تک کہ کئی معاملات میں وحی الہی نے آپ کی موافقت کی۔

## ○..... موافقات قرآنی

قرآن حکیم سے اس گہرے تعلق نے آپ کے فہم و فراست کے اندر ایک الہامی شان پیدا کر دی ’مدنی دور میں متعدد ایسے مواقع آئے جن میں وحی الہی نے آپ کی موافقت کی۔ آپ کی اجتہادی بصیرت کے مستند و معتبر ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے۔ اس کے بعد دوسری بڑی دلیل سرور کو نبی ﷺ کے ارشادات ہیں جن میں آپ کے علم اور بصیرت پر اعتقاد کا اظہار کیا گیا ہے اور اس کی تعریف کی گئی ہے۔ ان میں سے ایک ”محدث“ کا عظیم خطاب ہے۔ نبی محترم ﷺ نے مختلف انداز میں کئی مرتبہ عطا فرمایا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”انہ کان فیمن مضی و حال ینحدثون فی غیر صوہ۔ فان یکن فی امتی احد منهم فعمرو“ (۵)۔

تیسری بڑی دلیل صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی وہ آراء ہیں جو انہوں نے آپ کی بصیرت کے بارے میں ارشاد فرمائیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ کہہ صحابہؓ میں سے بہت بڑے فقیہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں ”ما کنا بعد ان السکینة تنطق بلسان عمر“ (۶)۔ ”علاء واریں صحابہ کرامؓ نے آپ کے

(۱) بخاری ۳/۴ ص ۱۱۶۷، ترمذی ۳۶۸۳، نسائی ۱۱۳/۶ ص ۲، ابوداؤد ۱۳۷/۲، حاکم ۱۱۲/۷ ص ۳ (۲) مسلم ۱۱۲/۷ ص ۳ (۳) حاکم ۱۱۳/۶ ص ۳ (۴) بخاری ۱۱۳/۶ ص ۳ (۵) بخاری ۱۱۳/۶ ص ۳ (۶) بخاری ۱۱۳/۶ ص ۳

(۵) بخاری ۱۱۳/۶ ص ۳ (۶) بخاری ۱۱۳/۶ ص ۳

بیشتر اجتہادی فیصلوں اور قرآن حکیم سے استنبلا کئے ہوئے فرامیں اور تفسیری کلمات کو اپنے لئے اطاعت و رہنمائی کا مستحق قرار دیا۔ چوتھی بڑی دلیل فقہاء کا آپ کے بصیرت فرد فتنی و اجتہادی مسلک سے بھرپور استفادہ ہے جس کے تحت انہوں نے فقہ اصول فقہ اور بنی شمار احکام و مسائل میں سے دلیل کے طور پر پیش کیا اور عینی مسائل پر اس کے اطلاق کیلئے اسے سمجھنے کی کوشش کی اور حسب ضرورت اس کی تاویل 'توجیہ' اور تشریح بھی کی۔ یہ سلسلہ قرون اولیٰ سے لے کر اب تک جاری ہے اور ہمیشہ جاری رہے گا۔ موافقات قرآنی کی چار نوعیتیں ہیں۔

۱۔ آپ نے کسی مسئلے کے بارے میں کوئی رائے مشورہ دیا تو بعد میں وحی الہی کے ذریعے اس کی تائید کی گئی۔

۲۔ آپ کسی بارے میں خداوند و جلال کے کسی واضح حکم کے متنی تھے اور اس کیلئے دعا مانگی تو اسے شرف قبولیت حاصل ہوا اور ایسا حکم نازل ہوا جو آپ ہی کے مشاء کے مطابق تھا، آپ کی رائے کے موافق اس حکم میں صراحت کر دی گئی۔

۳۔ آپ نے اپنے اجتہاد ہی کی بدولت کوئی عمل کیا اور آیت قرآنی کے ذریعے اس کی توثیق و تصدیق کی گئی۔

۴۔ بعض اوقات کسی بارے میں آپ کے منہ سے کچھ الفاظ نکلے اور بعد میں اسی طرح کے الفاظ وحی الہی کے ذریعے نازل ہوئے۔

## ۵۔۔۔۔۔ وحی بمطابق مشورہ

ان موافقات کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ جنگ بدر کا فیصلہ :

آپ کی رائے کی تائید کی پہلی مثال ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے جنگ بدر کیلئے نکلنے کے بارے میں مشورہ طلب فرمایا تو حضرت عمر فاروقؓ نے نکلنے کا مشورہ دیا تب یہ آیت نازل ہوئی <sup>(۱)</sup> ”کَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ لِرَبِّكَ لَكَا رَهُونَ“ <sup>(۲)</sup>۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ ہجرت کے دوسرے سال رسول اللہ ﷺ کے علم میں یہ بات آئی کہ اس وقت اہل قریش کا بہت بڑا سردار ابوسفیان بہت بڑے مال و متاع کے ساتھ ایک تجارتی قافلے کے ساتھ شام سے آ رہا ہے۔ چنانچہ آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا کہ تم لوگ کیا کہتے ہو کیا اس قافلے کی راہ روکنے کیلئے ہم نکل پڑیں۔ ممکن ہے کہ تم لوگوں کو بہت مال و دولت مل جائے۔ سب نے مل کر یہ کہا کہ ہاں ضرور چلنا چاہئے۔ اس وقت کچھ لوگوں کے پاس ہتھیار تھے کچھ نہ تھے سب چل پڑے۔ ان کی تعداد ایردایت تین سو تیرہ تھی <sup>(۳)</sup>۔ رسول خدا ﷺ تب چاہتے تھے کہ ایک طرف اہل قریش پر معاشی اور سیاسی دباؤ ڈالا جائے اور دوسری طرف یہ کہ مشرکین نے جن لوگوں کو گھروں سے نکل جانے پر مجبور کیا ہے ان کی کفالت کا بھی اہتمام ہو سکے۔

رسول اللہ ﷺ کو لوگوں کو لے کر نکلے دو روز بعد ایک مقام رفراں تک پہنچے تو آپ کو اطلاع ملی کہ قافلے کی مدد کیلئے ایک ہزار کا لشکر لے کر چل پڑے ہیں۔ سب آپ کے سامنے دو راستے تھے یا تو قافلے کو روکنے یا پھر لشکر کا مقابلہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آپ کو بتایا کہ دو میں سے ایک چیز تمہیں ملے گی۔ آپ ﷺ نے جب دوبارہ مشورہ کیا تو بہت سے لوگوں کی یہ رائے تھی اور اس پر انہوں نے مجاہدہ بھی کیا کہ ہمیں آپ قافلے سے نکلنے کیلئے لے کر نکلے تھے۔ ہم کو گمان بھی نہ تھا کہ ہمیں جنگ کرنا پڑے گی اور نہ ہم جنگ کیلئے تیار ہو کر نکلے ہیں۔ کچھ در لوگ تھے جو دل میں جنگ سے کراہت و ہچکچاہٹ رکھتے تھے اور خوفزدہ تھے۔

(۱) سیدوطی ۱۲۳۱ (۲) سورہ الانعام ۵۸ (۳) مروجہ ۲۷/۳ عروجہ ۱۳۸

لیکن منہ سے کچھ نہ کہتے تھے۔ ایسے عالم میں حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بہت مدلل اور بھرپور تقریر کی اور بعد میں حضرت عمر فاروقؓ نے بھی بھرپور تقریر کی۔ ان کی یہ رائے تھی کہ کفار کے لشکر کا مقابلہ کیا جائے اور قافلے سے تعرض نہ کیا جائے۔ ان تقاریر کا نتیجہ یہ نکلا کہ دیگر لوگوں نے بھی تائید کی۔ حضرت مقداد بن عمروؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہم آپ کے ساتھ ہیں خدا کا جو منشاء ہے اسے پورا کیجئے۔ خدا کی قسم ہم حضرت موسیٰ کی امت کی طرح نہیں ہیں کہ یہ کہیں ”ادھب امت و دبت فقاتلانا ماھب فاعدون“<sup>(۱)</sup>۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ اگر آپ ہمیں برک اضراد (جستہ یا جس) بھی لے چلیں تو ہم آپ کا ساتھ دیں گے۔ یہی طرح انصار کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے حضرت سعد بن معاذؓ نے بھی بھرپور تائید کی اور کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ جہاں چاہیں تشریف لے چلیں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو سچائی کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے خدا کی قسم اگر سمندر کے کنارے کھڑے ہو کر بھی آپ اس میں گھوڑا ڈال دیں تو ہم بھی اس میں کود پڑیں گے۔ ہم میں سے کوئی بھی ذرا بھی تامل نہ کرے گا کہ ہم لڑائیوں میں بہادری دکھانے والے اور مصیبتوں کو جھیننے والے ہیں۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری جانب سے آپ کو ایسے کارنامے دکھائے گا جن سے آپ مطمئن ہو جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اسی وقت کوچ کا حکم دیا اور فرمایا ”ب نے دو میں سے ایک کا مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کیا مجب کہ وہ ایک یہی جنگ ہو۔ میں شرکین کا قتل یہیں سے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں“<sup>(۲)</sup>۔

حضرت عمرؓ کی موافقات میں اسے اسی لئے شامل کیا جاتا ہے کہ آپ نے جنگ کا نہ صرف مشورہ دیا بلکہ ایک اچھی تقریر بھی کی اور دیگر لوگوں کی رائے کو ہموار کرنے میں حصہ لیا۔ آپ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ وہ قریش ہیں اور ان کے معزز لوگ۔ اللہ تعالیٰ نے جب سے آپ کو نبوت کی عزت سے نوازا ہے پھر کسی قسم کی کوئی بے عزتی والی بات آپ کے حق میں ممکن نہیں رہی۔ وہ لوگ آپ سے ضرور لڑیں گے اس لئے آپ کھل تیری فرمائیں<sup>(۳)</sup>۔ چنانچہ اسی مشورے پر عمل کیا گیا۔ وحی الہی کے ذریعے اس فیصلے کی ستائش کی گئی کہ یہی اللہ تعالیٰ کا منشاء تھا کہ حق باطل کے مابین پہلے مسلح مقابلہ ہو تاکہ حق کا کلمہ سر بلند ہو۔ حق باطل کا فرق واضح ہو اور کافروں کی جزاکت جائے اور ان کا گھمنڈ اور رعب خاک میں مل جائے۔ جیسا کہ بعد والی آیت میں ارشاد ہوا ”کما اخرجتک ربک من بینک بالحق و ان فریقاً من المؤمنین لکنارھوں یحاد لولیک فی الحق بعد ما تبین کما ما یسافون الی الموت وھم یظرون واد بعدکم اللہ احدی الطوائفین ابھا لکم و قودون ان غیر ذات الشوكة تکنون لکم و یرید اللہ ان یحق الحق بکلمتھ و یقطع دابر الکافرین لیحق الحق ویطلل الباطل ولو کثرہ المجرمون“<sup>(۴)</sup>۔

## ۲۔ امیر ان بدر کا معاملہ :

اسی طرح آپ کے مشورے کے سلسلے میں تائید قرآنی کی دوسری مثال امیر ان بدر کا معاملہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ”جب ہم جنگ بدر میں کفار سے لڑے تو اللہ نے مشرکوں کو شکست دی اور ان میں سے ستر مارے گئے اور ستر قید ہوئے۔“

جنگ بدر کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ عمرؓ اور علیؓ سے مشورہ کیا کہ قیدیوں کے ساتھ کیا سوچا جائے۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا ”یا رسول اللہ ﷺ یہ لوگ ہمارے جو نعم بھائی اور خاندان والے ہیں لہذا امیرے خیال میں آپ ان سے فدیہ لے لیں اور انہیں رہا کر دیں اس طرح فدیہ لینے سے ہمیں طاقت نصیب ہوگی اور شاید اللہ تعالیٰ، انہیں کسی وقت ہدایت دیدے تو وہ ہمارے دست و پاؤں ثابت ہوں گے۔“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اے ابن خطاب تمہاری کیا رائے ہے؟“

(۱) سورہ لہندہ ۲۴:۵ (۲) فضیل ملاحظہ ہو ص ۲۶-۲۷ بحوالہ ۲۸۶/۲۹۱ مرقی ۱۶۸:۹ عروہ ۱۲۹:۱۱۱ حوری ۲۷۷:۱۱۱ (۳) عروہ ۱۲۹:۱۱۱ (۴) سورہ الاعمال ۸:۵۸



کہ نام کو اختیار ہے کہ وہ جو چاہے کرے (۱)۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بصیرت افروز مشورے کی اہمیت کا اندازہ اللہ تعالیٰ کے انتہائی بخوبی لگایا ہو سکتا ہے۔ رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے ”لو تول عذاب یوم بدر مانجامہ الا عمر“ (۲)۔ حضرت عمر فاروق کے مشورے سے ہم آجنگ مشورہ صرف حضرت

سعد بن معاذ کا تھا اس نے رسول کریم ﷺ نے ان کے بارے میں بھی ایسے ہی جذبات کا اظہار فرمایا (۳)۔ آپ کا اپنا قول ہے ”خداوند تعالیٰ نے مجھ سے تین باتوں میں موافقت کی ہے۔ اول پردے کے بارے میں دوم اسیران بدر کے بارے میں تیسرا مقام ابراہیم کے سلسلے میں (۴)۔“ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق کی لوگوں پر چار فضیلتیں ہیں۔ اول یہ کہ بدر کے قیدیوں کی ہمت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں قتل کا مشورہ دیا اور اسی کے موافق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ”لولا کتاب من اللہ سبق لمسکم فیما اعدتم عذاب عظیم (۵)۔“

دوسرا حجاب کے متعلق حضرت عمرؓ نے مشورہ دیا کہ نبی ﷺ کی ازواج مصہرات پردے میں رہیں۔ اس پر حضرت زینبؓ نے کہا اے ابن خطاب تم ہم پھر حکم چلاتے ہو حالانکہ وحی تمہارے گھر میں آتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ”واذا سالموہن متاعا فامتلوا من وراء حجاب (۶)۔“ تیسرا یہ کہ حضرت عمرؓ کے بارے میں نبی ﷺ نے دعا فرمائی ”اللہم ایذا لاسلام بعمر۔“

چوتھا یہ کہ حضرت عمرؓ کی رائے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بارے میں ہوئی (۷)۔ اس روایت سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کی عظمت و فضیلت اور صحابہ کرامؓ کی نگاہ میں قدر و منزلت کی جہاں اور بہت سی بنیادیں تھیں وہاں موافقت کا بھی گہرا دخل تھا اور خاص طور پر اسیران بدر کا معاملہ اس قدر نمایاں تھا کہ آپ کی بصیرت و فراست کا ہر طرف چرچا ہوا اور آپ پر لوگوں کا اعتماد بہت بڑھ گیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ لوگوں کو کوئی ایسا امر ہرگز پیش نہیں آیا کہ اس میں لوگوں نے مشورہ دیا اور حضرت عمرؓ نے بھی مشورہ دیا ہو مگر یہ کہ اس میں حضرت عمرؓ کے موافق قرآن نازل ہوا جیسا کہ اسیران بدر کی نسبت کہ جب حضرت عمرؓ نے انہیں قتل کر دینے کا مشورہ دیا اور دوسرے لوگوں نے فدیہ لینے کی رائے دی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ”لولا کتاب من اللہ الیح“۔ یہی طرح حجاب و شراب کے بارے میں بھی حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حکم نازل فرمایا (۸)۔

### ۳۔ ابن ابی کی نماز جنازہ:

آپ کے مشورے سے موافقت کی ایک اور مثال منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی بن سلول کی نماز جنازہ کے موقع پر آپ کا نبی ﷺ کی خدمت میں یہ عرض کرنا ہے کہ آپ اس کی نماز جنازہ نہ پڑھائیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مدینے منتقل ہونے کے بعد سب سے زیادہ جن لوگوں نے قدم قدم پر اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کیلئے مختلف سازشیں اور پروپیگنڈہ کیا وہ یہی منافقین تھے اور انہیں عبداللہ بن ابی کی سرپرستی حاصل تھی۔ جنگ احد کے موقع پر عبداللہ بن ابی نے ایک تہائی لشکر تقریباً تین سو افراد کا ایک دستہ عین موقع پر الگ کر لیا (۹)۔ غزوہ بدر میں مسطلق کے موقع پر ایک مہاجر انصاری کے معمولی سے بھگڑے سے لکڑہٹھا کر اس نے قوی رنگ دینے کی کوشش کی اور یہاں تک کہہ دیا کہ ہم واپس جب مدینے جائیں گے تو ہم میں سے عزت اور لوگ ذلیلوں کو (نحوہ باند) نکال دیں گے۔ اس موقع پر حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا یا رسول اللہ ﷺ اچھے چھوڑ دینے میں اس منافق کی گردن مار دوں، لیکن نبی محترم نے رحمہ کی دگر گزر کی بنا پر یہ فرما کر معاملہ خال

(۱) صغریٰ: ۳۷ (۲) صغریٰ: ۱۱ (۳) طبرستان: ۲۷۷/۲، وصی: ۱۱۰/۱ (۴) مسلم: ۱۱۶/۷، قرطبی: ۱۱۲/۲، مسوطی: ۱۲۲ (۵) سورہ الاحزاب: ۶۸

(۶) سورہ احزاب: ۵۳ (۷) تہذیب: ۶۶ (۸) تہذیب: ۶۳ (۹) عروہ: ۱۱۷، طبرستان: ۲۷۷/۲، وصی: ۱۱۰/۱

دیا کہ جانے دو لوگ کہیں گے کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو مروا رہے ہیں (۱)۔

میں انہیں دنوں میں جب کہ مسلمان چاروں طرف سے خطرات میں گم رہے ہوئے تھے۔ ان کے پاس مادی وسائل کی شدید قلت تھی صرف نظریے اور عقیدے کا استحکام ہی ان کی مصیبتی دور و فاق کا واحد ذریعہ تھا منافقین کی یہ کوشش رہی کہ وہ اس میں نقب لگائیں۔ اس نئے شلوک و شبہات اور بدوں پھیلنے میں سرگرداں رہتے۔ چنانچہ غزوہ خندق کے موقع پر جب پورا عرب اپنی قوت کو مجتمع کر کے مسلمانوں پر چڑھ دوزا اُدھر بنو قریظہ نے معاہدہ توڑ دیا تو مسلمانوں کی مصیبت بڑھ گئی اور وہ غمزدہ ہوئے۔ اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے حضرت سلمان کے خواب کی تعبیر میں مسلمانوں کو قیصر و کسریٰ کی فتح کی بشارت دی۔ مسلمانوں میں امید رہا اور جوش و خروش پیدا ہوا جبکہ منافقین یہ کہنے لگے کہ تمہیں اس بات پر تعجب نہیں ہوتا کہ وہ (محمد ﷺ) (نعمو باللہ) تم سے خرافات کہتے ہیں غلط امید دلاتے ہیں اور جھوٹے وعدے کرتے ہیں۔ ایک طرف تم سے کہتے ہیں کہ وہ یثرب میں بیٹھے ہوئے حیرہ کے قیصر اور کسریٰ کے شہر دیکھ رہے ہیں اور کہتے ہیں تم ان سب کو فتح کر دو گے اور یہاں دوسری طرف تمہاری یہ حالت ہے کہ خندق کھود رہے ہو اتنی بھی طاقت تم میں نہیں کہ کھلے میدان میں دشمن کا مقابلہ کر سکو (۲)۔ کبھی کہتے کہ اب حالت یہ ہے کہ ہم میں سے کوئی شخص بے فکری سے رفع حاجت کیلئے بھی نہیں جاسکتا (۳)۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ کلام نازل فرمایا "وَادْعُوا الْيَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا" (۴)۔ "یہ اور اس طرح کی بے شمار چیزیں منافقین کے آئے دن کا معمول تھا۔

۹ھ میں رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو روم کے خلاف لڑائی کی تیاری کا حکم دیا اس وقت مسلمان بہت ہی عسرت کی حالت میں تھے۔ اس قدر شدید گرمی تھی کہ ہر شخص زیر سایہ رہنا چاہتا تھا۔ قط سالی بھی تھی اور میوے کی فصل بھی تیار تھی۔ ان دنوں منافقین نے لوگوں کو جہاد سے روکنے دین لہی میں شک ڈالنے اور رسول اللہ ﷺ کی بات بگاڑنے کیسے یہ کہنا شروع کر دیا کہ تم اس گرمی میں نہ جؤ۔ انہیں منافقین کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی (۵)۔ "وَقُلُوا لَا تَمْنُوا فِي الْحَرْبِ قُلْ مَا رَجَعْتُمْ مِنْهُ لَكُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ" (۶)۔ "انہوں نے لوگوں سے کہا کہ اس سخت گرمی میں نہ نکلو ان سے کہو جنہم اس سے زیادہ گرم ہے۔ کاش انہیں اس کا شعور ہو۔ اب چاہئے کہ یہ لوگ ہمتا کم کر دیں اور روئیں زیادہ اس لئے کہ جو بدی کھاتے رہتے ہیں اس کی جزا ایسی ہی ہے۔

بحر جب قافلہ قیادت نبویؐ میں روانہ ہو کر شیعہ الوداع پر پہنچا تو عبد اللہ بن ابی بکر کے انتقال کوہ زباب پر اپنی الگ چھوٹی بٹائی۔ ان کی تعداد رسول اللہ ﷺ سے کم نہ تھی۔ جب آپ وہاں سے روانہ ہوئے تو وہ دوسرے منافقوں کے ساتھ ارلہ پیچھے رہ گئی اور اس نے آپ کا ساتھ نہ دیا (۷)۔ اسی سال اس ابو منافقین کی زندگی کی مہلت بھی ختم ہو گئی۔ پنی بیماری کے زمانے میں اس نے رسول اللہ ﷺ کو بلایا آپ تشریف لے گئے اور فرمایا یہودیوں کی محبت نے تجھے تباہ کر دیا۔ اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ وقت ڈانٹ ڈپٹ کا نہیں بلکہ میری خواہش ہے کہ آپ میرے لئے دعائے استغفار فرمائیں میں مر جاؤں تو مجھے پیرائیں میں کہنائیں (۸)۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ اس کے مرنے پر اس کے صاحبزادے حضرت عبد اللہؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ میرے باپ کے کفن کیسے آپ خاص اپنا پہنا ہوا کرتا عنایت فرمائیے۔ آپ نے دے دیا پھر کہا کہ آپ خود اس کے جنازے کی نماز پڑھائیے۔ آپ

(۱) بحاری، ۶/۱۵۸، مسلم، ۵/۹، طبری، ۶/۱۸۹، (۲) طبری، ۲/۵۷، (۳) مسلم، ۲/۱۶۹، (۴) سورہ الاحزاب ۳۳/۱۲ (۵)

طبری، ۱۰۱/۳، (۶) سورہ فرقہ ۸۱-۸۲، (۷) طبری، ۱۰۳/۳، (۸) طبری، ۶/۱۰۶، و معشری، ۲۹۸/۲۔

نے یہ درخواست بھی منظور کر لی اور نماز پڑھانے کے ارادے سے اٹھے، لیکن حضرت عمرؓ نے آپ کا دامن تھام لیا اور عرض کی کہ حضورؐ آپ اس کے جنازے کی نماز پڑھائیں گے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے۔ ”استغفرلہم اولا نستغفرلہم سبعین مرة فلا یعفوالہ سبعین“ (اے نبی ﷺ) تم خواہ ایسے لوگوں کیسے (منافقین) معافی کی درخواست کر دینا کرو۔ اگر تم ستر مرتبہ بھی انہیں معاف کر دینے کی درخواست کرو گے تو اللہ انہیں ہرگز معاف نہ کرے گا۔ میں ستر سے زیادہ مرتبہ دعا کروں گا۔ حضرت عمرؓ فرماتے تھے: یا رسول اللہ ﷺ! یہ منافق تھا تاہم حضور ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اس پر یہ آیت اتری (۲)۔ ”ولا تصل علی احد منہم مات ابدا ولا تقم علی قبرہ انہم کھروا باللہ ورسولہ وما لہوا وھم فاسقون“ (۳) اور آئندہ ان میں سے جو کوئی مرے اس کی نماز جنازہ بھی تم ہرگز نہ پڑھنا اور نہ کبھی اس کی قبر پر کھڑے ہونا کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کھڑ کیا اور وہ مرے ہیں اس حال میں کہ وہ فاسق تھے۔)

اور روایت میں ہے کہ اس نماز میں صحابہؓ بھی آپؐ کی اقتداء میں تھے اور روایت میں ہے حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب آپؐ اس کی نماز کیلئے کھڑے ہو گئے تو میں صف سے نکل کر آپؐ کے سامنے آکھڑا ہوا اور کہا کیا آپؐ دشمن خدا عبد اللہ بن ابی کے جنازے کی نماز پڑھائیں گے؟ حالانکہ فلاں دن اس نے یوں کہا اور فلاں دن یوں کہا اس کی وہ تمام باتیں دہرائیں۔ حضور ﷺ مسکراتے ہوئے سب سنتے رہے آخر میں فرمایا عمرؓ مجھے چھوڑ دے اللہ تعالیٰ نے استغفار کا مجھے اختیار دیا ہے اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار سے اس کے گناہ معاف کر سکتا ہوں تو میں یقیناً ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کروں گا۔ چنانچہ آپؐ نے نماز بھی پڑھائی جنازے کے ساتھ بھی چپے دفن میں بھی موجود رہے۔ اس کے بعد مجھے اپنی اس گستاخی پر بہت افسوس ہونے لگا کہ خدا اور اس کے رسول ﷺ کو خوب ہم والے ہیں۔ میں نے ایسی اور اس قدر جرأت کیوں کی کچھ عیادیر ہوئی ہوگی جو یہ دونوں آیتیں نازل ہوئیں۔ اس کے بعد آخر دم تک نہ حضور ﷺ نے کسی منافق کے جنازے کی نماز پڑھائی نہ اس کی قبر پر آکر دعا کی (۴) اور روایت میں ہے کہ اس کے صاحبزادے عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے آپؐ سے یہ بھی کہا تھا کہ اگر آپؐ شریف نہ مائے تو ہمیشہ کیلئے یہ بات ہم پر رہ جائے گی۔ جب آپؐ تشریف لائے تو اسے قبر میں اتار دیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا ”اس سے پہلے مجھے کیوں نہ لائے چنانچہ اسے قبر سے نکال آیا“ آپؐ نے اس کے سرے جسم پر دم کیا اور اسے اپنا کرتہ پہنایا (۵) اور روایت میں ہے کہ وہ خود وصیت کر کے مرا تھا کہ اس کے جنازے کی نماز خود رسول اللہ ﷺ پڑھائیں۔ اس کے لڑکے نے آکر حضور ﷺ کو اس کی رزق اور اس آخری وصیت کی بھی خبر دی تھی اور یہ بھی کہا تھا کہ اس کی وصیت یہ بھی ہے کہ اسے آپؐ کے پیراہن میں کھنایا جائے۔ آپؐ اس کے جنازے کی نماز سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ حضرت جبریلؑ یہ آیتیں لے کر اترے (۶) اور روایت میں ہے کہ جبریلؑ نے آپؐ کا دامن تھام کر نماز کے ارادے کے وقت یہ آیت سنائی، لیکن یہ روایت ضعیف ہے (۷)۔

آپؐ کے اس عطف و کرم کے مختلف محرکات تھے۔ بعض سلف سے مروی ہے کہ دینے کی وجہ یہ بھی تھی کہ جب بدر کے موقع پر قید ہو کر حضرت عباسؓ آئے تو ان کے جسم پر سی کا پتھر اٹھیک نہیں آیا۔ آخر اس کا کرتہ بیا گیا وہ انہیں پورا آگیا اس لئے کہ یہ آدمی بھی بڑی ذلیل و الا تھا جس اس کے بدے میں آپؐ نے اس کے کیسے اپنا کر عطا فرمایا۔ اس آیت کے اترنے کے بعد نہ تو کسی منافق کے جنازے کی نماز پڑھیں نہ کسی کیلئے استغفار کیا (۸)۔ اس کی دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ حدیبیہ

(۱) سورہ شوریہ ۸۰/۹، (۲) معارجہ ۶۶/۲، مسند ۱۲۰/۸، ردی ۳۴۳/۴، طبری ۲۶۰/۱، (۳) (۲/۶۳) سنن ۳۶/۲، حوری ۴۱۹، صفحہ ۱۷، (۴) سورہ لقمان ۸۱/۴، (۵)

بحرہ ۲، ج ۱، ۱۹۰/۱، سنن ۶۸/۲، ردی ۳۴۳/۴، طبری ۲۶۰/۱، حصص ۱۷۸/۳، کیر ۳۷۸/۱، (۵) مسند ۱۲۰/۸، طبری ۲۶۰/۱، کیر ۳۰۵/۱، ۱۷۹/۱، سنن ۳۶/۲،

(۶) طبری ۲۶۰/۱، کیر ۳۰۵/۱، حصص ۱۷۹/۳، طبری ۲۶۰/۱، (۷) مسند ۱۲۰/۸، کیر ۳۷۸/۱، (۸) مسند ۱۲۰/۸، کیر ۳۷۸/۱، سنن ۳۶/۲،





کھڑے ہونے لگے تو حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چنگی لے کر ابیس روک لیا<sup>(۱)</sup>۔ جنارے کی نمار اور استغفار ان دونوں چیزوں کے بارے میں مسلمانوں کو روک دینا یہ دلیل ہے اس امر کی کہ مسلمانوں کے بارے میں ان دونوں چیزوں کی تاکید ہے۔ ان میں مردوں کیسے بھی پورا نفع ہے اور زندوں کیلئے بھی کامل جرد و توبہ ہے<sup>(۲)</sup>۔

## ۸۔۔۔۔۔ وحی بمطابق دعا:

حضرت عمر فاروقؓ کی موافقت کی دوسری قسم آپ کی کسی خواہش و دعا کو شرف قبولیت حاصل ہونا اور بارگاہ ابرہہ سے اسی کے مطابق فرمان کے نزول پر مشتمل ہے۔

### ۱۔ مقام ابراہیمی پر نماز:

اس کی ایک مثال مقام ابراہیمی کو نماز کی ایک جگہ بنانے کی خواہش ہے۔ حضرت جابرؓ کی طویل حدیث میں ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے طواف کر لیا تو حضرت عمرؓ نے مقام ابراہیم کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ کیا یہی وہاں ہے باپ ابراہیم کا مقام ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہاں! کہا پھر ہم اسے قبلہ کیوں نہ بنائیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی<sup>(۳)</sup>۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے سوال پر تھوڑی دیر گزری تھی جو یہ حکم نازل ہوا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ فتح مکہ والے دن مقام ابراہیم کے پتھر کی طرف اشارہ کر کے حضرت عمرؓ نے پوچھا یہی ہے جسے قبلہ بنانے کا ہمیں حکم ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا ”ہاں ایسا ہے“<sup>(۴)</sup>۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں ’میں نے اپنے رب سے تین باتوں میں موافقت کی جو خدا کو منظور تھا میری رہبان سے لکھا۔ ایک یہ کہ میں نے کہا حضور ﷺ کا شہم مقام ابراہیم کو قبلہ بنا لیتے تو حکم نازل ہوا<sup>(۵)</sup>۔ “واخذوا من مقام ابراہیم مصلیٰ“<sup>(۶)</sup>۔ اس حکم کے نازل ہونے کے بعد مرد کو نین ﷺ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ آپ کی اتباع میں آج تک حاجی اسی پر عمل کرتے ہیں اور قیامت تک کرتے رہیں گے۔

ابن جریرؒ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پہلے طواف میں تین مرتبہ رمل کیا یعنی ”ڈنگلی“ چاں چلے اور چار پھیرے چل کر گئے پھر مقام ابراہیم کے پیچھے مکہ دو رکعت نماز ادا کی اور یہ آیت تلاوت فرمائی ”واخذوا من مقام ابراہیم مصلیٰ۔“ حضرت جابرؓ کی حدیث میں ہے کہ مقام ابراہیم کو آپؐ نے اپنے اور بیت اللہ کے درمیان کر لیا تھا<sup>(۷)</sup>۔ رہی یہ بات کہ مقام ابراہیم سے کیا مراد ہے اس بارے میں علما نے تفسیر کے ماہرین اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس بارے میں دو گروہ ہیں۔ اختلاف کی بنیادی وجہ لفظ مقام کے معانی کا تعین ہے۔ پہلے گروہ کے نزدیک اس سے مراد مسکن و مستقر ہے اور دوسرے کے نزدیک خاص کھڑے ہونے کی جگہ<sup>(۸)</sup>۔ جو لوگ اسے مسکن و مستقر کے معنی میں لیتے ہیں ان میں سے بھی بعض کے نزدیک پورا حج اس سے مراد ہے جس کے ارکان میں مختلف مقامات شامل ہیں۔ ان میں عرفہ، مزدلفہ، مشعر الحرام، منیٰ، زمی، جمرہ، صفا، روا اور مطاف و حیرہ۔ یہ حضرت ابن عباسؓ، مجاہد اور عطاء کا قوس ہے<sup>(۹)</sup>۔ بعض دوسروں کے نزدیک پورا حرم مقام ابراہیم ہے۔ یہ مجاہد کا قوس ہے شعبی اور نخعی بھی اس کے قائل ہیں<sup>(۱۰)</sup>۔

مفسرین کا دوسرا گروہ جو اس سے مراد خاص پتھر لیتا ہے اس میں بعض کے نزدیک اس سے مراد وہ پتھر ہے جسے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زودہ محترمہ نے مردھوے

(۱) کبیر ۱/۲۷۹ (۲) کبیر ۱/۳۸ (۳) قرطبی ۱/۱۱۲/۲ کبیر ۱/۱۶۹/۱ بیضاوی ۱/۱۶۳ (۴) کبیر ۱/۱۶۹ (۵) بخاری ۱/۱۴۹/۱ مسند ۱/۱۱۶

ترمذی ۱/۲۷۵/۱ حبل ۱/۲۱۳/۱ درمی ۱/۴۴۲/۱ حبل ۱/۲۱۶/۱ (۶) سورہ بقرہ ۱/۱۲۵ (۷) کبیر ۱/۱۷/۱ طبری ۱/۲۶۳/۱ (۸) ترمذی ۱/۲۸۵/۱ (۹) طبری ۱/۳۳۳/۱

دارق ۱/۵۳ کبیر ۱/۶۸۱/۱ درمی ۱/۱۱۳/۱ (۱۰) صبر ۱/۳۴۲/۱ ر ۱/۴۱۴/۱ قرطبی ۱/۱۱۳/۱

کیسے حضرت ابراہیمؑ کے پاؤں کے نیچے رکھا تھا۔ حضرت برہنہؑ نے اس پر ایک پاؤں رکھا تو انہوں نے ان کے سر کا ایک حصہ دھویا ان کا پاؤں اس پتھر میں دھنسن گیا۔ پھر انہوں نے پاؤں نیچے کیا در دوسرا رکھا تو دوسرا بھی دھنسن گیا۔ اللہ نے اسے حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام کا معجزہ بنا دیا۔ یہ حضرت حسنؑ قنودہ اور ربیع بن انسؑ کا قول ہے<sup>(۱)</sup>۔

بعض کے نزدیک مقام ابراہیم سے مراد وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت برہنہؑ علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر شروع کی تھی۔ اس وقت حضرت اسماعیلؑ علیہ السلام بھی ساتھ تھے۔ اس موقع پر دونوں مل کر یہ دعا لگتے رہے جس کا قرآن حکیم میں ذکر ہے<sup>(۲)</sup>۔ ”وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ“<sup>(۳)</sup>۔ ”ہمارے نزدیک ٹھیک بات یہی آخری ہے جیسا کہ علامہ ابن کثیرؒ نے مذکورہ حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے تفصیل بیان کی ہے۔ لکھتے ہیں کہ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مقام ابراہیم سے مراد وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام بیت اللہ کی تعمیر کر رہے تھے۔ حضرت اسماعیلؑ آپ کو پتھر دیتے جاتے تھے اور کعبہ کی دیوار بنا کرتے جاتے تھے اور اس پتھر کو سرکاتے جاتے تھے جہاں دیوار اونچی کرنی ہوتی تھی وہاں لے جاتے تھے اس طرح کعبہ کی دیواریں پوری کیں۔ اس پتھر پر آپ کے دونوں قدموں کے نشان ظاہر تھے۔ عرب کی جاہلیت کے زمانہ کے لوگوں نے بھی دیکھے تھے ابو طالب نے اپنے مشہور قصیدہ میں کہا ہے۔

و موطیٰ ابراہیم فی الصخر رطبہ

علی قدمہ حافلہ غیر ماعل

یعنی اس پتھر میں حضرت ابراہیمؑ کے دونوں پیروں کے نشان تازہ بہ تازہ ہیں جن میں جوتی نہیں بلکہ مسماںوں نے بھی اسے دیکھا تھا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ مقام ابراہیمؑ میں حضرت فضیلؓ نے علیہ السلام کے پیروں کی انگلیوں اور آپ کے تلوے کا نشان دیکھا تھا۔ پھر لوگوں کے چھوٹے سے وہ نشان مٹ گئے۔ حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں حکم اس کی جانب نماز ادا کرنے کا ہے تم رک کے طور پر چھوٹے اور ہاتھ لگانے کا نہیں۔ اس امت نے بھی اگلی امتوں کی طرح بلا حکم خدا بعض کام اپنے ذمہ لازم کر لئے جو نقصان رساں ہیں۔ وہ نشان لوگوں کے ہاتھ لگانے سے مٹ گئے تھے یہ مقام ابراہیمؑ پہلے دیوار کعبہ سے متصل تھا۔ کعبہ کے دروازے کی طرف حجر اسود کی جانب دروازہ سے جانے دے کے دائیں جانب مستقل جگہ پر تھا جو آج بھی لوگوں کو معصوم ہے۔ سیدنا ابراہیمؑ علیہ السلام نے یا تو سے یہاں رکھوا دیا تھا یا بیت اللہ بناتے ہوئے آخری حصہ یہی بنایا ہو گا اور یہیں وہ پتھر پڑ رہا۔ امیر المومنین حضرت عمرؓ نے پنی خلافت کے زمانے میں اسے پیچھے ہٹا دیا۔

اس کے ثبوت میں بہت سی روایات ہیں پھر ایک مرتبہ سیلاب میں پتھر یہاں سے ہٹ گیا تھا لیکن حضرت عمرؓ نے اسے پھر اپنی جگہ پر رکھوا دیا۔ حضرت سفیانؓ فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ جب یہ اصلی جگہ سے ہٹایا گیا اس سے پہلے دیوار کعبہ سے کتنی دور تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ خود آنحضرت ﷺ نے اسے اس کی اصلی جگہ سے ہٹا کر وہاں رکھا جہاں اب ہے لیکن یہ روایت مرسل ہے۔ ٹھیک بات یہی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اسے پیچھے رکھا (واللہ اعلم<sup>(۴)</sup>) امام رازی نے اپنی تفسیر میں بھرپور دلیل سے یہ ثابت کیا ہے کہ مقام ابراہیمؑ سے مراد وہی پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر خانہ خدا کی انہوں نے تعمیر کی۔ وہ لکھتے ہیں کہ اس پر محققین کا اتفاق ہے اس کی کئی وجوہ ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ طواف سے فارغ ہوئے تو اسی جگہ کھڑے ہو کر یہ آیت تلاوت فرمائی (وَاتَّخِذُوا الْحَجَّ

ان الفاظ کی اس جگہ تلاوت و رالت کرتی ہے کہ اس سے مراد یہی مقام ہے۔

۲۔ دوسرا یہ کہ عرف عام میں یہ نام اسی جگہ سے شخص ہے اور دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کے میں رہنے والے کسی آدمی سے مقام ابراہیم کے بارے میں سوال کرے تو وہ اس جگہ کے سوا کوئی اور جگہ نہیں بتائے گا اور اس پتھر کے سوا اس کا کوئی اور جواب نہیں ہوگا۔

۳۔ روایت ہے کہ نبی ﷺ اس مقام کے پاس سے گزرے اور ان کے ساتھ حضرت عمرؓ بھی تھے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ ہمارے باپ ابراہیم کا مقام نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہاں“ حضرت عمرؓ نے کہا ”کیا ہم سے نماز پڑھنے کی جگہ نہ بتالیں؟“ حضور ﷺ نے فرمایا ”مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا۔ اس دن ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

۴۔ یہ پتھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نیچے مٹی کی طرح نرم ہو گیا تھا حتیٰ کہ ان کے پاؤں اس میں دھنس گئے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے دلائل میں سے کئی دلیل ہے در حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ ہے لہذا اس کا اختصاص حضرت ابراہیم سے زیادہ مناسب رکھتا ہے بہ نسبت غیر کے۔ لہذا اس پتھر پر اس نام کا اطلاق زیادہ مناسب ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے (وانخذوا من مقام ابراہیم مصلیٰ) اور یہ واضح ہے کہ نماز کا تعلق حرم سے یا دوسرے مقامات سے ایسا نہیں ہے جیسا کہ اس مقام سے ہے۔ اس سے لازم آتا ہے کہ مقام ابراہیم یہی جگہ ہونی چاہیے۔

۶۔ مقام ابراہیم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کھڑ ہونے کی جگہ ہے اور روایت سے یہ بات ثابت ہے کہ غسل کے وقت اس پتھر پر کھڑے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ کسی اور جگہ پر ان کا قیام ثابت نہیں ہے۔ سو مقام ابراہیم کا خطاب پتھر پر اطلاق کرنا زیادہ مناسب ہے (۱)۔

حضرت عمرؓ کی خدا داد اور عظیم فہم و فرست کا یہ ایک منہ بولا ثبوت ہے کہ یہ مقام ابراہیم کی اہمیت اور اس کے تقدس کو جان گئے۔ حضرت ابراہیم کی مختلف اہمیت اور اعمال جہاں مناسک حج میں شامل ہوئے وہاں اس پتھر کو کیسے نظر انداز کیا جاسکتا تھا۔ جو ہر حج کی ایک واضح علامت و نشانیوں میں سے ایک ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ کے گھر کی بہت بڑی عظمت ہے۔ وہاں اس کے معرکہ کی عظمتوں کی بھی حد نہیں لیکن جس پتھر پر کھڑے ہو کر معمار نے اپنے کام کی تکمیل کی اللہ نے اسے بھی عظیم بنادیا۔ اس پر اپنے پیغمبر کے قدموں کے نشانات ثبت کر کے معجزہ بنادیا اور کعبہ سے اس کی نسبت کو یہ فرما کر لازوال بنادیا ”ان اول بیت وضع للناس للدی ببکۃ مبرکاً و ہدیٰ لتعلمین فیہ آیت مبیت مقام ابراہیم و من دخلہ کماں امنا“ (۲)۔ ”بے شک سب سے پہلی عبادت گاہ جو انسانوں کیلئے تعمیر ہوئی وہ وہی ہے جو مکہ میں ہے۔ اس کو خیر و برکت دی گئی اور تمام جہان والوں کیسے مرکز ہدایت بنایا گیا۔ اس میں کھلی نشانیاں ہیں اور مقام ابراہیم ہے اس کا حال یہ ہے کہ جو اس میں داخل ہو لیا منوں ہو گیا۔“

حضرت عمرؓ کی خواہش کی جب موافقت ہوئی تو اللہ کے نبی ﷺ نے خود اس کے قریب دو رکعتیں نماز ادا کر کے خدا کے حکم کی تعمیل کی اور ایک سو۶۷ حصہ چھوڑ (۳)۔ حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ یہ حکم ہے کہ اس کے پاس نماز ادا کریں اور یہ تمام مکلفین کیلئے ہے (۴)۔ نماز کے ساتھ اس کے قریب دعا مانگنا بھی محبوب ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں مصلیٰ کے معنی ہیں ”مدعی یدی فیہ“ (۵)۔ ”چنانچہ حضرت چاروں سے روایت ہے کہ اس کے قریب ایک شخص کو کسی کیسے دعا کے مغفرت کرتے دیکھا تو نبی ﷺ نے فرمایا: ”ارجع فقد غفر لصاحبک“ (۶)۔

مقام برائیم آج بھی ہزاروں سال گزرنے کے باوجود پوری طرح محفوظ ہے۔ اس کا رنگ رر دی اور سرخی کے درمیان ہے، مگر پیید رنگ کے زیادہ قریب ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشانات اب بھی موجود ہیں۔ دونوں قدموں کا طوب ستائیس سینٹی میٹر اور عرض چودہ سینٹی میٹر ہے اور ان کے مابین درمیانی فاصلہ ایک سینٹی میٹر ہے۔ یہ ایک صندوق میں بند ہے اور اس کے اوپر غلاف لپٹا ہوا ہے<sup>(۱)</sup>۔

## ۲۔ حجاب کا حکم

اسی سلسلے میں ایک اور مثال پردے کے بارے میں حضرت عمر فاروقؓ کی خواہش ہے۔ پردہ ایک اہم سماجی شعار ہے اور اسلامی تہذیب و ثقافت کی جان ہے۔ اس کے ذریعے اسلام نے عورت و مرد کی فطری حدود کا تعین کیا ہے اور معاشرے میں ان کے دائرہ کار اور رول کو متعین کر کے بہت سی اخلاقی اور سماجی برائیوں کا دوروارہ بند کر دیا ہے۔ دونوں صنف کی عزت و وقار آزادی اور خود اعتمادی سے نہائی معقول اور حکمت آمیز حدود کے اندر رہتے ہوئے معاشرے کی تعمیر و ترقی اور اپنی صلاحیتوں کے اظہار کیلئے بھرپور کردار سرانجام دینے کی راہ ہموار کی ہے۔ احکام حجاب سے قبل بھی اسلام کے مخصوص مزاج اور تقدس و پاکبازی کے درخشندہ تصورات کے زیر اثر کافی حد تک چادروں کا اہتمام کیا جاتا تھا اور بے جان حفاظ سے بھی حتی المقدور، جتناب کیا جاتا تھا، مگر اس کی حیثیت عادت و رواج و روایتی اقدار کی تھی۔

حضرت عمرؓ اس بارے میں واضح شرعی حکم کے متنی تھے تاکہ ایک طرف اس کے محرکات بدل جائیں لوگ اسے عبادت و فرمانبرداری کے طور پر اختیار کریں اور پوری یکسوئی اور شعور کے ساتھ معاشرے میں اس کو پروان چڑھائیں۔ دوسری طرف اثرات و نتائج کے اعتبار سے ایک مستحکم اور پائیدار قدر معروض وجود میں آئے جو ہر علاقے اور ہر دور میں ایک مقدس اور باحیاء نظام تمدن کی اساس بن سکے۔ یہ اجتماعی معاملات میں آپ کی فہم و فراست کے لازوال نقوش میں سے ایک ہے۔ اس مقصد کیلئے آپ سرور کو نبی ﷺ کی خدمت میں عرض کرتے رہتے تھے کہ اپنی بیویوں کو پابند کریں تاکہ آپ کے اسوہ حسنہ کی پیروی میں 'جو کہ صحابیات اور صحابہ کرامؓ کی زندگی کا دُرُ حنا بھونا تھی لوگ عملی اقدامات کریں۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا "میں نے عرض کیا کہ رسول اللہ ﷺ آپ کی ازواج مطہراتؓ کے پاس نیک اور بد ہر طرح کے آدمی آتے ہیں تو آپ انہیں پردے کا حکم دے دیتے۔" اس کے بعد پردے کی آیت نازل ہوئی<sup>(۲)</sup>۔

آپ سی طرح کی ترغیب ازواج مطہراتؓ کو براہ راست بھی دیتے رہتے تھے کیونکہ آپ کے دل میں یہ شدید خواہش تھی کہ پردے کے اصولوں کا چلن ہو۔ اس پر سختی سے عمل کیا جائے لیکن یہ اس وقت تک ناممکن تھا جب تک کہ خود خانہ نبوی ﷺ سے اس کا آغاز نہ ہو۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایک دفعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ازواج نبی ﷺ کو حکم دیا کہ پردہ کریں۔ اس پر حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے کہا "اے عمرؓ تم ہمارے اوپر خواہ مخواہ کے حکم چلاتے ہو جبکہ وحی ہمارے گھر میں نازل ہوتی ہے" تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی<sup>(۳)</sup>۔ "وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسَلُوهُنَّ مِمَّا وَرَاءَ حِجَابٍ ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقَالِكُمْ وَقُلُوبِكُمْ"۔<sup>(۴)</sup>

ایک مرتبہ اور واقعہ پیش آیا جس نے پردے کے بارے میں آپ کی رائے کو مزید پختہ کیا اور آپ کے دل میں چھٹی ہوئی آرزو کو توانا کر دیا اور آپ کی رہاں سے

(۱) الکرونی: ۱۶۹، مرید: غصیل اور س: کی: ۵، بحوالہ ملاحظہ ہو ص: ۱۹، ۱۴، (۲) بخاری: ۱۴۹۵، حبل: ۲۲۳، حوالہ: ۲۲۹، حوالہ: ۱۰۴، حوالہ: ۱۰۴

طبری: ۳۹/۲۲، کنز: ۵۰۳/۳، مہوعلی: ۱۶۲، (۳) طبری: ۴۰/۲۲، اشیر: ۶۶/۱، حوالہ: ۱۷، (۴) سورة الاحزاب: ۵۳-۵۴

بہ سادہ اس کا اظہار ہوا۔ مجاہد سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مل کر ہامیدہ کھ رہے تھے۔ ہوں نے حضرت عمرؓ کو بھی دعوت دے دی۔ جب اہل دونوں کے ساتھ ساتھ حضرت عمرؓ نے بھی چاہا تو وہ ڈالا تو وہ حضرت عائشہ کے ہاتھ سے چھو گیا تو پکار اٹھے، اے افسوس گر میری بات مان لی جاتی تو کوئی تکہ بھی نہ دیکھ سکتی۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ بات آیت حجاب کے نزول سے پہلے ہوئی پھر آیت حجاب نازل ہوئی (۱)۔

آیت حجاب کے شان نزول میں ایک اور واقعہ بھی مذکور ہے جس کا تعلق حضرت عمر فاروقؓ سے ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بیویاں رات کو ”منامع“ کی طرف رفع حاجت کیلئے جاتی تھیں جو ایک کھامیدان ہے۔ حضرت عمرؓ رسول اللہ ﷺ سے کہا کرتے تھے کہ اپنی بیویوں کو پردہ کرائیے، لیکن نبیوں نے اس پر عمل نہیں کیا تھا۔ ایک روز رات کو عشاء کے وقت ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعدؓ رسول اکرم ﷺ کی بلیدہ جو دراز قد تھیں باہر گئیں۔ حضرت عمرؓ نے آواز دی اے سودہ ہم نے تمہیں پہچان لیا ہے۔ چاہتے تھے کہ پردے کا حکم نازل ہو جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے پردے کا حکم نازل کر دیا (۲)۔ اس روایت سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ واقعات کی مختلف کڑیاں جو حکمت خداوندی کے تحت احکام حجاب کے نزول کا باعث بنیں ان میں ایک یہ بھی ہے لیکن ہمارے نزدیک راجح بات یہ ہے کہ یہ واقعہ احکام حجاب کے نازل ہونے کے بعد کا ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اگر احکام نازل ہی نہیں ہوئے تھے تو پہچان یا جاننا کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہو سکتی تھی۔ دوسری وجہ حضرت عائشہؓ سے مروی ایک اور حدیث ہے جس میں اسی واقعہ کی مزید تفصیل بیان کی گئی ہے۔ علامہ ابن کثیر کے بقول ”والمشہور ان هذا كان بعد نزول الحجاب (۳)۔“ ہاں البتہ معاملات حجاب کے تفصیلی احکام میں اس واقعے کو بھی بہت بڑی اہمیت حاصل ہے کیونکہ آپ کے اس نوکٹے سے وحی الہی کے ذریعے ضروری حوائج کیلئے بعض شرائط کے ساتھ گھر سے باہر نکلنے کی اجازت مل گئی۔

حضرت ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ”جب ہمیں پردے کا حکم ہوا تو اس کے بعد حضرت سودہ رضی اللہ عنہا رفع حاجت کیلئے نکلیں وہ مونی نازی عورت تھیں اور اس وجہ سے دیگر عورتوں میں نمایاں ہوتی تھیں۔ جو شخص انہیں جانتا تھا اس سے چھپ نہیں سکتی تھیں۔“ حضرت عمر فاروقؓ نے انہیں دیکھا تو فرمایا ”اے سودہ! اللہ تم اپنے آپ کو ہم سے چھپا نہیں سکتیں۔ اب دیکھ لو کہ تم کیسے نکلتی ہو یہ سن کر وہ واپس پٹ گئیں۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں رات کا کھانا کھا رہے تھے۔ آپ کے ہاتھ میں ایک ہڈی تھی۔ اتنے میں سودہ آئیں اور کہا ”رسول اللہ ﷺ میں نکلتی تھی تو حضرت عمرؓ نے مجھے یہ کچھ کہا۔“ پس اسی وقت آپ پر وحی نازل ہوئی۔ جب وہ خاص کیفیت دور ہوئی تو ہڈی ابھی تک آپ کے ہاتھ میں ہی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”قد اذن لکم ان تخرجن لحاجتکم (۴)۔“ (تمہیں ضروری حاجت کیلئے باہر نکلنے کی اجازت دی گئی ہے۔)

اس روایت میں صراحت یہ بات کہی گئی ہے کہ یہ واقعہ احکام حجاب کے نزول کے بعد کا ہے اور دوسرا یہ کہ ضروری حاجت کیلئے باہر نکلنے کی اجازت ہے۔ اگرچہ راوی نے یہ کہا ہے کہ حاجت سے مراد یہاں پاخانہ ہے لیکن اس پر قیاس کر کے ان تمام امور میں نکلنے کا جواز پیدا کیا جاسکتا ہے جو نہایت ضروری ہوں۔ تیسری بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اس اجازت کا سبب بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی بنے۔ بہر حال یہ حضرت عمرؓ کے بہت بڑے اعزازات میں سے ایک ہے کہ آپ کی رائے کے مطابق پردے کا حکم نازل ہوا۔ بعد میں یہی حکم امہات المومنین اور ان کے درجے تمام سومات کا شعار بن گیا۔ قید بنت اشعث رسول اللہ ﷺ کی ملکیت میں آگئی تھیں۔ آپ کے انتقال کے بعد اس نے عمرہ بن ابو جہل سے نکاح کر لیا تو یہ بات حضرت ابو بکرؓ پر بہت گراں گزری۔ حضرت عمرؓ نے کہا ”اے خلیفہ

اور رسول اللہ ﷺ کی بیوی نہیں تھی کیونکہ انہوں نے نہ تو اسے اختیار دیا اور نہ ہی پردے کا حکم اور اس کی قوم کی روت کے ساتھ اس کی روت کی وجہ سے اللہ نے اسے حضور ﷺ سے بری کر دیا (۱)۔ "اس طرح گویا پردہ امہات المؤمنین کی شناخت بن گیا۔

### ۳۔ استیذان:

موافقت کی اس قسم کی ایک اور مثال طلب اجازت کے بارے میں حکم خداوندی ہے۔ آپ ایک مرتبہ سو رہے تھے کہ ایک غلام بے دھڑک اندر چلا آیا تو آپ نے دعا کی "اے اللہ بغیر اجازت کے آنا حرام کر دے" اس پر آیت الاستیذان نازل ہوئی (۲)۔ اس واقعہ کی تفصیل حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول کرم ﷺ نے ایک نصاریٰ لڑکے کو بھیجا کہ وہ حضرت عمرؓ کو جا کر لائے۔ وہ جب اوھر پہنچا تو انہیں گھر میں سویا ہوا پایا۔ اس نے دروازے کو دھکیلا اور سہام کیا۔ مگر حضرت عمرؓ بیدار نہ ہوئے۔ پھر وہ واپس لوٹا اور دروازہ بند کر کے کھڑا ہو گیا اور اسے ہلانا شروع کر دیا لیکن پھر بھی وہ بیدار نہ ہوئے تو اس نے دعا کی کہ اے اللہ انہیں بیدار کر دے۔ پھر اس نے دروازے کو دھکیلا اور انہیں "وازدی۔ اس پر وہ بیدار ہو گئے اور انھ کے بیٹھ گئے۔ لڑکا اندر داخل ہوا تو اس دوران ان کا ستر کھل گیا۔ انہوں نے سمجھا کہ شاید لڑکے پر بھی ستر ظاہر ہو گیا ہے۔ اس پر انہوں نے یہ خواہش کی کہ کاش اللہ تعالیٰ ہمارے بیٹوں، عورتوں اور خدمت گاروں کو ان اوقات میں بڑا اجازت ہمارے ہاں داخلے سے روک دے۔ پھر وہ اسی رائے کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہیں اس حاصل میں پایا کہ آپ ﷺ یہ آیت نازل ہو چکی تھی۔ "یا ایہا الدین! اموا! لست اذیکم الذین ملکتم ایماکم والذین لم یمنعوا الحکم مکم ثلاث مرات من قبل صلوة الصبح وحين تصنعون لیاکم من الظہيرة ومن بعد صلوۃ العشاء (۳)۔

حضرت عمرؓ نے اس موقع پر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا "اے عمرؓ کیا ہے؟" جواب میں حضرت عمرؓ نے وہ سب کچھ بیان کیا جو اس لڑکے نے کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس بات پر تعجب کیا جو اس نے کیا تھا۔ اس کا نام معلوم کیا اور تعریف کی۔ پھر فرمایا "اللہ تعالیٰ ایک حلیم کے حکم اور پاکیزہ کی پاکدامنی سے محبت کرتا ہے۔ وہ بدگو اور پٹ پٹ کر سوال کرنے والے کو ناپسند کرتا ہے۔" یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد امام رازی فرماتے ہیں "فہذہ الابیۃ احدی الابیات المنزلۃ بسبب عمر (۴)۔"

### ۴۔ حرمت خمر:

ایک اور اہم واقعہ جس میں وحی الہی نے حضرت عمرؓ کی رائے سے موافقت کی وہ حرمت شراب ہے (۵)۔ اہل عرب شراب کے بہت رسیہ تھے حضرت عمرؓ فاروقؓ خود بھی عہد جاہلیت میں بلا کے بادہ نوش تھے بلکہ دوسروں کو بھی مغلوب میں پیش کرنے میں فخر محسوس کرتے تھے (۶)۔ شراب کو کیونکہ منع نہیں کیا گیا تھا اس لئے سہام قبوں کرنے کے باوجود بھی بہت سے لوگوں میں اس کی عادت موجود تھی۔ اس لئے اس بارے میں روایات نقل کرنے والوں میں کوئی اختلاف نہیں کہ بتائے سہام میں شراب مباح تھی اور اکثر مسلمان مدینے میں بھی اسے پیتے تھے (۷)۔ یہ مختلف اشیاء سے بنائی جاتی تھی جیسا کہ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ منبر پر کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا "جس زمانے میں حرمت خمر کا حکم نازل ہوا اس وقت خمر باغی چیزوں سے بنتی تھی انگور، کھجور، شہد، گندم اور جو اور خمر کے معنی میں وہ چیز جو عقل پر پردہ ڈال دے (۸)۔

(۱) طبری: ۴۱، ۲۲۱، ۴۱، ۶۳، ۵ (۲) سیوطی: ۱۲۴، (۳) سورۃ النور: ۵۸، ۲۴، ۲۸ (۴) بر: ۱۸، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳

حضرت عمرؓ محسوس کیا کہ شراب لوگوں میں پہچان و غصب پیدا کرتی ہے اسے پی کر شرابی ایک دوسرے کی بدگوئی کرتے اور آپس میں بدگامی سے پیش آتے ہیں پھر یہودی اور منافقین اوس و خزرج کو بھڑکانے ان کے پرانے جھگڑوں کو ہوا دے کیے اکثر و بیشتر شراب نوشی کے اوقات سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہ دیکھ کر انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے فتویٰ پوچھا<sup>(۱)</sup>۔ حضرت عمر فاروقؓ یہ چاہتے تھے کہ اس پر پابندی لگادی جائے لیکن اس میں رکاوٹ یہ تھی کہ مسلمان مکہ میں تارن ہوئے والی اس آیت کی مدد سے صرف یہ کہ اسے پیتے تھے بلکہ اسے پوری طرح اپنے لئے حلال سمجھتے تھے۔ ”ومن ثمرات النخيل والاعناب تتحدون منه مسكرا ورضا حسنا“<sup>(۲)</sup>۔

چنانچہ انہوں نے اس بارے میں حضور ﷺ سے فتویٰ پوچھا ان کے ساتھ حضرت معاذ اور صہبہ کرام کا ایک گروہ بھی شامل تھا۔ عرض کیا ”یا رسول اللہ ہمیں شراب کے بارے میں فتویٰ دیجئے کیوں کہ یہ عقل کو رصت اور مال کو سب کر دینے والی ہے“<sup>(۳)</sup>۔ اس وقت تک بھی شراب کی حرمت کے سلسلے میں کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ سے بھی حضرت عمرؓ نے دعا فرمائی ”اے اللہ ہمیں شراب کے بارے میں صاف صاف بیان کر دے اس پر یہ آیت نازل ہوئی“<sup>(۴)</sup>۔

”يسئدوك عن العمر والعمر قل فيهما الم كبير و مافع للناس والمهما اكبر من دفعهما“<sup>(۵)</sup>۔ ”اے پیغمبر ﷺ“ مسلمان تم سے پوچھتے ہیں شراب پینا اور جو اکیلنا کیسا ہے؟ کہہ دو ان دونوں چیزوں میں بڑا نقصان ہے اور لوگوں کے کچھ فائدے بھی ہیں مگر ان کا نقصان فائدے سے بڑھ کر ہے۔“ حضرت عمرؓ کو بلوایا گیا اور انہیں یہ آیت پڑھ کر سنائی گئی لیکن اس میں کیونکہ معرفت واضح طور پر نہیں کی گئی تھی اس لئے کچھ لوگوں کے ترک کر دینے کے باوجود بہت سے لوگوں نے پینا جاری رکھا اور دیکھ یہ وہی کہ اس میں نفع ہے تو ہمیں نفع اٹھاتے رہنا چاہئے<sup>(۶)</sup> اور اسی حالت میں نماز پڑھتے اور اکثر اوقات انہیں پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ کیا پڑھ رہے ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمن بن عوف نے امامت کرائی اور سورۃ الکافرون کو غلط طور پر پڑھ گئے۔ ”قل يا ايها الكافرون لا اعبد ما تعبدون ولا انتم عابدون ما اعبد ولا انا عابد ما عبدتم لكم ديسكم ولي دين“ اس طرح ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے امامت کرائی تو جس طرح پڑھنا چاہئے تھا نہ پڑھ سکے<sup>(۷)</sup>۔ یہ وہ حالت تھی جن کی وجہ سے حضرت عمر فاروقؓ کا دل مطمئن نہیں ہو رہا تھا۔ اس لئے انہوں نے پھر دعا کی ”اے اللہ تعالیٰ ہمیں شراب کے بارے میں صاف صاف بیان فرما۔“ اس پر ایک اور آیت نازل ہوئی اور حضرت عمرؓ کو بجا کر سنائی گئی۔ ”يا ايها الذين آمنوا لا تقربوا الصلوة وانتم سكارى حتى تعلموا ما تقولون“<sup>(۸)</sup>۔ ”اے وہ لوگو جو ایمان لائے نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔ یہاں تک کہ (نشہ اتر جائے اور) جو منہ سے نکالتے ہو س کو سمجھنے لگو۔“ اس دن سے رسول اللہ ﷺ نے اعلان کر دیا کہ لوگ مستی و بے خبری کی حالت میں نماز کے قریب نہ آئیں<sup>(۹)</sup>۔ اس اعلان سے مسلمانوں نے اگر شراب نوشی ترک نہ کی تو برائے نام ضرور کر دی لیکن کچھ لوگوں میں اس کے برے اثرات قائم رہے۔ بعض نے یہ کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم نماز کے وقت نہیں پیئیں گے اور یہ سن کر رسول اللہ ﷺ خاموش رہے<sup>(۱۰)</sup>۔ اس طرح نماز میں شرابی کا توسد باب ہو گیا اور نماز عشاء کے بعد پی جانے لگی لیکن اس کی سماجی خرابیاں موجود رہیں۔ شراب نوشی کرنے والے لوگ باہم لڑتے جھگڑتے رہتے تھے<sup>(۱۱)</sup>۔

(۱) مہکمل ۱: ۶۵ (۲) سورۃ النحل ۶۷ (۳) راوی: ۴۲، ۶، معشری ۱: ۲۶۰، طبری ۲: ۲۰۵ (۴) حبش ۱: ۳۱۷، ۳، ۴۴۵/۲، رمضی ۴: ۳۷۰، ۴، نسائی ۸: ۳۸۶

شوکی ۱: ۱۹۷، ۱، بیضاوی ۱: ۱۹۷، ۱، عربی ۲: ۶۵ (۵) سورۃ البقرہ ۲: ۲۱۹ (۶) کثیر: ۲: ۹۲، شوکی ۱: ۱۹۷ (۷) دارود: ۳: ۴۴۵، رری: ۲: ۲۶، معشری ۱: ۳۶

کثیر: ۱: ۵۰۰ (۸) سورۃ النساء ۴: ۴۳ (۹) کثیر: ۱: ۵۰۰ (۱۰) کثیر: ۲: ۹۲ (۱۱) حواصل: ۳۸۱/۱





منفعت بھی تو تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہاں میں خدا کے غضب سے ڈر کر ایسا کر رہا ہوں۔ شراب میں خدا کی ناراضی ہے۔“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ”اے میں سب مشکیزے چردوں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا ”نہیں! میں خود اس کو ضائع کر دوں گا (۱)۔“

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ شراب سے بچو کیونکہ وہ ساری برائیوں کی جڑ ہے۔ ایک واقعہ سنو کہ تم سے پہلے زمانے میں ایک شخص بڑا ہی عابد تھا۔ لوگوں کو چھوڑ چھوڑ کر مستی سے الگ تھلگ عبادت خانے میں عبادت کرتا تھا۔ ایک بدکار عورت کی اس پر نظر تھی اس نے اپنی خادمہ کو بھیجا کہ ایک گواہی کے بہانے اس کو بلانے 'وہ ہے چارہ آگیا۔ جب وہ کسی دروازے سے داخل ہوتا تو باہر سے اسے بند کر دیا جاتا یہاں تک کہ اس بدکار عورت تک جا پہنچی۔ اس کے پاس ایک بچہ تھا اور ایک شراب کا منگاری کھا ہو۔ وہ کہنے لگی خدا کی قسم! میں نے تجھے کسی گواہی کیلئے نہیں بلایا بلکہ اس لئے بلایا ہے کہ تو میرے ساتھ رات بسر کرے یا اس بچے کو قتل کر دے یہ شراب پئے۔ اس نے یہ سوچا کہ دونوں گناہوں کی نسبت شراب کا گناہ ہلکا ہے چنانچہ اس نے شراب پی لی۔ اب وہ ایک جام کے بعد پے در پے اور جام مانگنے لگا۔ یہاں تک کہ شراب کے نشے میں اس لڑکے کو بھی قتل کر دیا اور اس عورت کے ساتھ بھی رات گزار دی۔ اس لئے شراب سے بچو وہ ساری برائیوں کی جڑ ہے۔ شراب اور ایمان کبھی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے اگر شراب ہے تو ایمان نہیں اور ایمان ہے تو شراب نہیں (۲)۔

روایت میں ہے کہ اتفاق شراب کا یہ حکم بعض مسلمانوں کو شاق گزارا اور، انہوں نے کہا شراب ناپاک کیسے ہو سکتی ہے جبکہ یہ فلاں فلاں کے پیٹ میں تھی۔ جب وہ حد میں شہید ہوئے اور فلاں فلاں کے پیٹ میں تھی جب وہ بدر میں شہید ہوئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (۳) ”لیس علی الذین اعموا و عملوا الطالحات جناح فیما طعموا اذا ما اتقوا و اعموا و عملوا الطالحات لم اتقوا و اعموا و الله یحب المحسنین“ (۴)۔ (جو لوگ ایمان لائے اور (جہوں نے) نیک کام کئے ان پر (پہلے) جو کچھ کھاپی چکے اس کا کچھ گناہ نہیں جب وہ شرک سے بچیں اور ایمان پر قائم رہیں اور نیک کام کرتے رہیں پھر (حرام چیزوں سے) بچیں اور یقین کریں اور پھر بچیں اور اچھے کام کریں اور اللہ اچھے کام کرنے والوں کو پسند کرتا ہے (۵)۔

## ○ وحی بمطابق عمل:

حضرت عمر فاروق کی موافقات کی تیسری قسم وہ ہے کہ جس میں آپ کے کسی عمل کو سند جواز عطا کی گئی۔ اس کی توثیق میں حکم نازل ہوا اس کی بھی کئی مثالیں موجود ہیں۔

### ۱۔ شب رمضان میں جماع۔

شریعت محمدیہ ﷺ کے ابتدائی دنوں میں جب ماہ رمضان میں لوگ روزہ رکھتے تو افطار کے بعد ان کیلئے کھانا پینا عورتوں کے پاس جانا حلال ہو جاتا تھا۔ جب تک کہ وہ سو نہ جاتے یا نماز عشاء نہ کریتے۔ ان دنوں میں سے اگر کوئی کام کر لیتے تو پھر روزہ شروع ہو جاتا اور ساری پابندیاں عاید ہو جاتیں۔ حضرت معاذ بن جبلؓ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت کعب بن مالکؓ کی روایات سے یہی ثابت ہے (۵)۔ تمام مفسرین کا بھی اس بارے میں اتفاق ہے البتہ اس امر میں اختلاف ہے کہ یہ

(۱) تفسیر: ۹۵: ۲ (۲) تفسیر: ۹۸: ۲ (۳) بخاری: ۱۸۹۵، رمہ: ۳۲۱ (۴) سورہ البالغہ: ۹۳ (۵) طبری: ۱۶۴: ۲، رمہ: ۱۱۲، وحشی: ۱: ۲۲۹

حرمت محض نصاریٰ کی شریعت سے ثابت ہے یا شریعت محمدیہ سے بھی؟ جب طلوع فجر تک مذکورہ کام حلال ہونے کا حکم نازل ہوا تو سابقہ شریعت کا نسخ ہو گیا سابقہ حکم کا؟<sup>(۱)</sup> دونوں طرف قوی دلائل ہیں<sup>(۲)</sup>۔ حضرت برائہؓ سے مروی ہے کہ جب رمضان کے روزے کا حکم نازل ہوا تو مسلمان پورے رمضان میں اپنی بیویوں کے قریب نہیں جاتے تھے۔ کچھ لوگوں نے اپنے آپ کو خیانت میں مبتلا کر لیا تو یہ آیت نازل ہوئی<sup>(۳)</sup>۔ "علم اللہ انکم کنتم تختلون فتاب علیکم و عفا عنکم"<sup>(۴)</sup>۔ "ذکر روایات میں ہمیں اس کی تفصیل ملتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ان افراد میں سب سے نمایاں شخصیت حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تھی۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ فرمان الہی (احل لکم لیلۃ الصیام الخ) کے بارے میں کہتے ہیں کہ جب مسلمان ماہ رمضان میں نماز عشاء ادا کر لیتے تو اس کیلئے عورتیں کھانا اور سب طرح کی چیزیں حرام ہو جاتی تھیں۔ پھر مسلمانوں میں سے کچھ لوگ ماہ رمضان میں عشاء کے بعد بھی کھانے اور عورتوں میں مبتلا ہوئے تو دور ہار نبوت میں شکایتیں ہوئیں پھر آیت اتزی<sup>(۵)</sup>۔

حضرت عبداللہ بن کعب بن مالکؓ آپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ ایک رات دیر تک مسجد نبویؐ میں بیٹھے رہے۔ گھر پہنچے تو بیوی کا قصد کیا، اس نے کہا کہ مجھے نیند مگنی تھی۔ انہوں نے سمجھا کہ یہاں نہ رہی ہے اس لئے اس سے جماع کر لیا تو اس پر آیت نازل ہوئی <sup>(۶)</sup>۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ ایک رات سوئے تھے تو ان کے نفس نے ان کو بھسکایا۔ پس انہوں نے اپنی اہلیہ سے حاجت پوری کی پھر غسل کیا پھر رونے لگے اور اپنے نفس کو ملامت کرنے لگے شدید ترین عامت۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا ”اے اللہ کے رسول ﷺ! میں اپنے خطاکار نفس کے بارے میں اللہ اور آپ کے حضور معذرت خواہ ہوں۔ اس نے (نفس) میرے لئے اسے مزین کیا تو میں اپنی اہلیہ سے جا مل۔ اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا آپ میرے لئے رخصت پاسے ہیں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”اے عمرؓ! میں ایسا کرنے کا حق نہیں تھا جب حضرت عمرؓ گھر لوٹے تو آنحضور ﷺ نے ان کی طرف پیغام بھیجا اور آیت قرآنی کے ذریعے ان کے عذر کے بارے میں انہیں آگاہ فرمایا اور یہ آیت نازل ہوئی <sup>(۷)</sup>۔ ”اٰھل لکم لیلۃ الصیام الرفث الی ساء کم ھن لباس لکم و انتم لباس لھن عدم اللہ انکم کنتم نختانوں انفسکم فتاب علیکم و عفا عنکم للذن باشر وھن وابتغوا ما کتب اللہ لکم وکلوا واشربوا حتی یتبیں لکم العیط الابیض من العیط الاسود من المعجر الخ <sup>(۸)</sup>“ اس طرح حضرت عمرؓ نے جو کام کیا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کیسے علو نازل فرمایا اور رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ اس آیت کو سورۃ البقرہ کی درمیانی سوایت میں رکھیں <sup>(۹)</sup>۔ اس آیت کا پہلا حصہ جس کا تعلق مباشرت کے ذکر اور اس کی اجازت سے ہے وہ حضرت عمرؓ کی عمل کے بارے میں نازل ہوا <sup>(۱۰)</sup>۔ چنانچہ بقول ابن عربیؒ ”فالذن باشر وھن ھذا بدل علی الذ سبب الایۃ جماع عمرؓ <sup>(۱۱)</sup>۔“ تو اس طرح ان کی وجہ سے قیامت تک کے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی رعایت سے نوازا جو نہ صرف یہ کہ سہولت کا باعث ہے بلکہ ان کی حفاظت و پاکیزگی کی بھی ضمانت ہے۔ اگر یہ نہ ہوتی تو نہ جانے کتنے لوگ نفس کی منہ زور خواہشات سے مجبور ہو کر ہر دور میں گناہ کا ارتکاب کرتے۔ یہ حضرت عمرؓ کی فعل کی برکت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی بنیاد پر انسانوں کو بہت بڑی آزمائش سے بچالیا۔

عذمہ جلال الدین سیوطی نے موافقات عمر میں اسے شمار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اجتہاد اسام میں رمضان شریف کی رات کو بھی، یعنی بیوی سے مباشرت حرام

(۱) سیبوی ۷/۲۲۲ (۲) بقیتیل کیلے ملاحظہ ہو۔ رازی ۵/۱۳ (۳) بخاری، ۵/۱۵۶ (۴) سورۃ البقرہ ۲/۱۸۷ (۵) طبری، ۲/۱۶۵، ۱/۱۱۱ ۲۲

سرکشی ۱۶۱ (۶) دود ۲۰۱۱ طبری، ۱۶۴: ۲۲۰ (۷) طبری، ۱۶۵: ۱۱۴، ۵، رازی، ۳۱۵: ۲، یساروی، ۲۶۸ (A) سرود البقره ۱۸۷

(۹) طبری: ۱۶۵/۲ (۱۰) قرطبی: ۳۱۷/۲ (۱۱) یعقوبی:

تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس کے حقائق کچھ کی تو آیت نازل ہوئی (احل لکم الخ<sup>(۱)</sup>) اس بارے میں بھی اتفاق ہے کہ اس آیت کا دوسرا حصہ جس میں رات کو خورد و نوش کی اجازت دی گئی ہے اس کے نزول کے پس منظر میں حضرت قیس بن صرمد انصاریؓ کا واقعہ ہے کہ وہ مزدوری سے واپس آئے۔ اظہار کیے گھر میں کچھ نہ تھا بیوی کہیں سے لینے کیسے گئی تو تھکاوٹ کی وجہ سے انہیں نیند آگئی۔ بیوی بیٹی تو سو جا دی کہ کر کہا ہائے تیری مژدہ۔ چنانچہ اسی طرح بغیر کھائے پئے انکار و زہ شروع ہو گیا انگل دن جب چڑھا تو دو پہر کو بے ہوش ہو گئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی<sup>(۲)</sup>۔

### ۳۔ طریق جماع:

حضرت عمر فاروقؓ کی اس موافقت کی دوسری مثال اس آیت کریمہ کا نزول ہے "نساء کم حرث لکم فانوا حرثکم امی شنتم وقدموا لانفسکم واتفقوا لہ واعدوا لکم معقوہ و بشر الموہبین<sup>(۳)</sup>"۔ (تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں۔ تمہیں اختیار ہے جس طرح چاہو اپنی کھیتی میں جلا کر اپنے مستقبل کی فکر کرو در اللہ کی ناراضی سے بچو اور خوب جان لو کہ تمہیں ایک دن اس سے منا ہے (اور) یہی جو تمہاری ہدایت مان لیں (نہیں) خوشخبری دے دو۔) اس آیت کے شان نزول کے بارے میں تین واقعات بیان کئے جاتے ہیں۔ پہلے یہ کہ اس کے ذریعے یہود کے ایک خیال کا رد کیا گیا ہے۔ حضرت چارے مردوں نے یہودی کہتے تھے کہ اگر عورت سے ہم بستی کیلئے کوئی پیچھے سے آئے گا تو بچہ بیہوش پیدا ہو گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جہاں سے چاہو آؤ<sup>(۴)</sup>۔ ان کا خیال تھا کہ یہ بات تو واقعہ میں درج ہے۔ جس وقت یہ بات رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیان کی گئی تو آپ نے فرمایا یہودی جھوٹ کہتے ہیں اور یہ آیت نازل ہوئی<sup>(۵)</sup>۔

دوسرے یہ کہ یہودی علماء کے زیر اثر انصار یوں کا خیال بھی یہی ہے جو اوپر بیان ہوا ہے اور اکثر افعال میں وہ ان کی پیروی کرتے تھے اور ان لٹانے سے گریز کرتے۔ ان کے برعکس ملکہ کسی خاص طریقے کے پابند نہ تھے جس طرح جو چاہتے کرتے۔ ایک مہاجر مرد نے مدنی انصار یہ عورت سے نکاح کیا اور اپنے من پسند طریقے برتنے چاہے تو اس نے انکار کر دیا کہ میں ہرگز بات نہ مانوں گی جب تک (حضور ﷺ) کی خدمت میں یہ واقعہ بیان نہ کر لوں۔ چنانچہ اس نے حضرت ام سلمہؓ کے ذریعے آپ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی<sup>(۶)</sup>۔

تیسرا یہ کہ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں ہلاک ہو گیا۔ آپ ﷺ نے دریافت کیا "کیا بات ہوئی؟" عرض کی "صبح شب میں نے پنی سوری اسٹ دی۔" اس پر آپ نے کوئی جواب نہ دیا پھر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر یہ آیت نازل فرمائی یعنی سامنے سے بھی در پشت سے بھی لیکن در و در حیض سے بچو<sup>(۷)</sup>۔

اب رہی یہ بات کہ مذکورہ واقعات میں سے کس کو ثقہ ہم حاصل ہے اور فی الواقع کون سا واقعہ سبب نزول ہے۔ روایات میں اس طرح کی کوئی تخصیص موجود نہیں ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ آیت ایک واقعہ کے بعد نازل ہو چکی ہو اور دیگر دونوں پر اس کا اطلاق کیا گیا ہو اور یہ بھی امکان ہے کہ تینوں باتیں پہلے ہو چکی ہوں پھر یہ آیت نازل ہوئی ہو۔ ہمارے نزدیک اغلب یہی ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ ہی کا فعل اس کی بنیاد بنا (واللہ اعلم) حضرت عمرؓ کا اپنا قول ہماری رائے کو تقویت دیتا ہے۔ حضرت مافع سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ جب قرآن کی تلاوت کرتے تو خشم کرنے تک بات نہ کرتے لیکن ایک روز سورۃ البقرہ پڑھا رہے تھے۔ پڑھتے

(۱) سیوطی ۱۲۱: ۷، برمدی ۲۶۸: ۳، سورۃ البقرہ ۲۲۳: ۴ (۴) بحر، ۵: ۶، شیعہ ۲۲۹: ۴، برمدی ۲۸۳: ۴، بیہقی ۱۹۹/۷ (۵) دارق ۸۵/۶ (۶)

شیعہ ۲۲: ۴، بیہقی ۱۹۵: ۷، طبری ۳۹۵: ۶، بیضاوی ۳۳۴: ۲، کبیر ۲۶۱: ۱، سہکسی ۲۶: ۲ (۷) برمدی ۲۸۴: ۴، طبری ۳۹۷: ۲، بیہقی ۱۹۸: ۷

بیضاوی ۳۳۴: ۲، دارق ۸۵: ۶، برمدی ۲۶۸: ۳، کبیر ۲۶۱: ۱، سہکسی ۲۶: ۲

پڑھتے ایک مقام پر رک گئے اور فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ یہ کس بارے میں نازل ہوئی ہے۔ میں نے کہا نہیں۔ فرمایا ”یہ میرے بارے میں یوں اور یوں نازل ہوئی“ (۱)۔ علاوہ انہیں قرآن پر غور کرنے سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے جیسا کہ اس سے قبل والی آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایک سوال کے جواب میں نازل ہوئی اس لئے اس کے پیچھے کسی خاص رد و معامہ ہونے والے واقعے کا ہونا ناگزیر ہے جبکہ یہودیوں کا خیال پہلے ہی سے چلا آ رہا تھا۔ اس کی کسی فوری تردید کی ضرورت نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ سب رسول ہی بن جائے۔ ہاں البتہ آپ ﷺ نے اس آیت کے ذریعے ان کے خیال کی تکذیب ضرور فرمائی۔

اسی طرح انصار یہ کے واقعے کے بارے میں دو مختلف باتیں منقول ہیں۔ ایک کے مطابق جب آپ ﷺ تک بات پہنچی تو یہ آیت نازل ہوئی اور دوسری میں ہے کہ آپ نے اسے بلا اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔ نازل ہونے کا ذکر نہیں ہے چنانچہ ام المومنین حضرت ام سلمہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”ادعی الانصار لہ فذعنہا لفلان علیہا ہذہ الآیۃ“ (۲) اس کے برعکس حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ کے سلسلہ میں حضرت ابن عباسؓ کی یہ بات قائل غور ہے کہ آنحضور ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت تک اس آیت کا نزول نہیں ہوا تھا پھر نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے بیان فرمائی۔

### ۳۔ منافق کا قتل

حضرت عمر فاروقؓ کی بے مثال اجتہادی بصیرت اور دارال فہم و فراست کا شاہکار واقعہ وہ ہے کہ جس میں انہوں نے سرور کو نبی ﷺ کے فیصلے کو تسلیم نہ کرے والے نام نہاد مسلمان کو قتل کر دیا۔ اس سے حضرت عمرؓ کے خلاف ہر طرف پروپیگنڈے کا طوفان برپا ہو گیا۔ رسول خدا ﷺ خود بھی بہت پریشان ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے اس اقدام کی نہ صرف یہ کہ توثیق فرمائی اور حضرت عمرؓ کے بری ہونے کا اعلان کیا بلکہ ایک مستقل قاعدہ اور اصول بنادیا کہ جو شخص نبی ﷺ کے فیصلے اور حکم کو تسلیم نہیں کرتا اور آخری اتھارٹی نہیں سمجھتا وہ الزمہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اس طرح حضرت عمرؓ کے اس عمل کو حق و صداقت کا معیار اور کسوٹی بنادیا۔ اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

عسید بن ضمرہ نے یہاں کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد نے دو آدمیوں کے بارے میں بیان کیا جو رسول اللہ ﷺ کے پاس کوئی جھگڑا (فیصلہ طلب امر) لے کر آئے تو آپ ﷺ نے ہر سرباطل کے خلاف حقدار کے حق میں فیصلہ صادر فرمایا۔ جس شخص کے خلاف فیصلہ دیا گیا اس نے کہا میں تو اس فیصلے سے راضی نہیں تو فریق ثانی نے کہا تم کیا چاہتے ہو کہا کہ ہم حضرت ابو بکر صدیقؓ کی طرف چلیں تو وہ دونوں ان کی طرف گئے پس جس کے حق میں فیصلہ دیا گیا تھا اس نے کہا کہ ہم یہ جھگڑا نبی کریم ﷺ کے پاس لے گئے تو آپ نے اس کے خلاف میرے حق میں فیصلہ دے دیا ہے تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا کہ تم نبی کریم ﷺ کے فیصلے کی پابندی کرو لیکن ان کے ساتھی نے (یہاں بھی) راضی ہونے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم حضرت عمر بن الخطابؓ کے پاس چلیں یہیں وہ دونوں ان کے پاس آگئے۔ جس کے حق میں فیصلہ دیا گیا تھا اس نے کہا کہ ہم اپنا جھگڑا لے کر نبی کریم ﷺ کی طرف گئے تھے تو آپ ﷺ نے اس شخص کے خلاف میرے حق میں فیصلہ فرمایا۔ یہ شخص راضی نہ ہوا تو ہم حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئے تو انہوں نے رسول اکرم ﷺ کے فیصلے پر قائم رہنے کی تلقین فرمائی، لیکن یہ شخص پھر بھی راضی نہ ہوا۔ حضرت عمرؓ نے اس سے پوچھا تو اس نے وہی جواب دیا۔ حضرت عمرؓ اپنے گھر میں داخل ہوئے اور ہاتھ میں کھوار سونے ہوئے نکلے اور اس شخص کا سر اڑا دیا جو نبی کریم ﷺ کے فیصلے سے باخبر تھا۔ جب انہوں نے اسے قتل کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (۳)۔

(۱) عربی: ۱۷۴/۱، طبری: ۲۹۶/۲، کبیر: ۲۶۱/۱ (۳) کبیر: ۵۲۱/۱، تہذیب: ۳۸۵/۲، کبیر: ۴۱۸/۱۔

”فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في انفسهم حرجا مما قضيت ويسلموا تسليما“ (۱)۔ (اے محمد ﷺ)

تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دوسروں میں کوئی تنگی نہ محسوس کریں بلکہ سر تسلیم خم کر دیں۔ (۱) یہی واقعہ حضرت عروہ بن زبیرؓ سے تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ مروی ہے ”دو شخص اپنا ایک جھگڑے کر رہے تھے آپ ﷺ میں آئے۔ آپ ﷺ نے فیصلہ کر دیا لیکن جس کے خلاف فیصلہ ہوا اس نے کہا حضور آپ ہمیں حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دیجئے۔ آپ نے فرمایا بہت اچھا ان کے پاس جاکو۔ جب یہاں آئے تو جس کے موافق فیصلہ ہوا تھا اس نے سارا واقعہ کہہ سنایا۔ حضرت عمرؓ نے دوسرے آدمی سے پوچھا کہ یہ سچ ہے۔ س نے اقرار کیا۔ آپ نے فرمایا چھ تم دونوں یہاں ٹھہرو میں آتا ہوں اور فیصلہ کر دیتا ہوں۔ تھوڑی دیر میں تلوار لئے آئے اور اس شخص کی جس نے کہا تھا کہ ہمیں حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دیجئے گردن اڑ دی۔ دوسرا شخص یہ دیکھتے ہی دوڑ کر آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچا اور کہا حضور ﷺ میرے ساتھی کو مار ڈال دیا اور اگر میں بھی جان بچا کر بھاگ نہ آتا تو میری بھی خیر نہ تھی۔ آپ نے فرمایا ”میں عمرؓ کے بارے میں یہ خیال نہیں کرتا تھا کہ وہ اس جرأت کے ساتھ ایک مومن کا خون بہا دے گا۔“ اس پر یہ آیت اتری اور اس کا خون کا عدم ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کو بری کر دیا لیکن یہ طریقہ لوگوں میں اس کے بعد بھی جاری نہ ہو جائے س نے اس کے بعد ہی یہ آیت اتری ”ولو آتا کعبا“ الحج جو آگے آئی ہے (۲)۔

علامہ ابن کثیر اور امام شوکانی نے اس قصہ کو غریب قرار دیا ہے کیونکہ راویوں میں ایک نام ابن لہیعہ کا آتا ہے جو کہ ضعیف ہے (۳)۔ لیکن امام ابن تیمیہ نے اسے درج کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ قصہ دو اور ذریعوں سے بھی روایت کیا گیا ہے پھر ابو عبد اللہ احمد بن حنبل کا قول نقل کرتے ہیں کہ میں نے ابن لہیعہ سے روایت محض استدلال کی ہے۔ میں نے حدیث کو اس شخص سے اس معنی میں یاد ہے گویا کہ میں س سے استدلال کر رہا ہوں۔ اس کے ساتھ ایک اور روایت کی وجہ سے جو اس کو مضبوط کرتی ہے اس لئے نہیں کہ یہ تباہی ہے (۴)۔ امام رازی نے لکھا ہے کہ اس آیت کے سبب نزول کے بارے میں دو آراء ہیں اس میں ایک یہ ہے کہ یہ آیت یہودی اور منافق کے قصے کے سلسلے میں نازل ہوئی جیسا کہ عطاء مجاہد و شععی کا قول ہے اور میرے نزدیک یہی قول زیادہ صحیح ہے (۵)۔ امام رازی نے س آیت کو سابقہ ایک آیت سے متصل قرار دیا ہے جس میں ارشاد ہوتا ہے ”الم تر انا انزلنا ہذا بالبرکات وما انزل من قبلنا یوبدون ان یحاکموا انی الطاغوت وقد امرنا ان یحکروا ویرید الشیطان ان یضلنا صلا لا بعدا“ (۶)۔ (اے نبی ﷺ تم نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں کہ اس کتاب پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور ان کتابوں پر جو تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں مگر چاہتے ہیں کہ اپنے معاصات کا فیصلہ کرانے کیسے طاغوت کی طرف رجوع کریں حالانکہ انہیں طاغوت سے کفر کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔)

اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اکثر مفسرین نے س کے اسباب نزول میں کہا ہے کہ یہ منافقین میں سے ایک فرد اور یہودی میں سے ایک فرد کے تنازع کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہودی نے کہا میرے اور تمہارے درمیان ابوالقاسم (محمد ﷺ) ہیں۔ منافق نے جس کا نام بشر تھا نے کہا کہ میرے اور تمہارے درمیان کعب بن اشرف ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ رسول کرم ﷺ حق کے مطابق فیصلہ فرماتے تھے اور رشوت کی طرف راغب نہیں ہوتے تھے جبکہ کعب بن اشرف رشوت کی شدید رغبت رکھتا تھا اور یہودی حق پر تھا جبکہ منافق باطل پر۔ اس بنا پر یہودی یہ چاہتا تھا کہ آنحضرت ﷺ فیصلہ فرمائیں اور منافق یہ چاہتا تھا کہ کعب

(۱) سورہ النساء: ۶۵ (۲) تفسیر: ۵۲۱، سورہ ص: ۱۲۴، سورہ ابراہیم: ۳۹ (۳) کثیر: ۵۲، شوکانی: ۴۴۸ (۴) سورہ: ۳۹، ۱۷ (۵) در: ۱۶۳، ۱۰ (۶) سورہ

بن اشرف فیصلہ کرے۔ پھر یہودی نے اپنی بات پر شدید اصرار کیا۔ اس پر دونوں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے، انہوں نے یہودی کے حق میں فیصلہ دیا۔ اس پر منافق نے کہا کہ میں راضی نہیں ہوں گا، جب تک ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فیصلہ نہ دیں۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ نے بھی یہودی کے حق میں فیصلہ دیا۔ اس پر بھی منافق راضی نہ ہوا پھر کہا میرے اور تمہارے درمیان عہد ہے۔ دونوں ان کے پاس گئے تو یہودی نے انہیں اطلاع دی کہ نبی علیہ السلام نے اور ابو بکرؓ نے میرے حق میں فیصلہ دیا ہے، لیکن یہ ان کے فیصلے پر راضی نہیں ہوا۔ آپ نے منافق سے پوچھا کیا یہ بات صحیح ہے اس نے کہا ہاں پھر انہوں نے فرمایا ٹھہریے مجھے ایک ضرورت ہے میں اسے پورا کر کے تمہاری طرف آتا ہوں۔ گھر کے اندر داخل ہوئے کھوار لی ان کی طرف آئے اور اس سے منافق پر ور کیا یہاں تک کہ وہ ٹھنڈ ہو گیا، یہودی دوڑ گیا۔ منافق کے وارثوں نے آنحضرت ﷺ سے شکایت کی۔ آپ نے حضرت عمرؓ سے اس واقعے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا رسول اللہ ﷺ اس نے آپ کے حکم کو رد کیا تھا۔ پس اسی وقت حضرت جبرائیلؑ نازل ہوئے اور کہا وہ فاروق ہیں، انہوں نے حق و باطل میں فرق کیا ہے۔ نبی ﷺ نے حضرت عمرؓ سے کہا: ”انت الفاروق“ اس قول کے مطابق طاغوت کعب بن اشرف ہے (۱)۔ علامہ آنوسی نے روح المعالی میں یہ واقعہ بذریعہ شعبی و ابن ابی حاتم حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ اس میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اسے قتل کرنے کے بعد فرمایا ”هكذا اقصى لمن يدهم بفساء الله تعالى ورسوله (۲)۔“ ہمارے نزدیک یہ واقعہ بالکل صحیح ہے اور ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے (واللہ اعلم) اس لئے کہ یہ کم از کم تین مختلف واسطوں سے منقول ہے۔ صرف ایک واسطے میں کسی ایک راوی کے ضعیف ہونے سے اس کی صداقت پر کوئی فرق نہیں پڑتا اور یہ حضرت عمر فاروقؓ کی موافقات میں بہت ہی نمایاں مقام دیئے جانے کے قائل ہے، کیونکہ آپ کی اجتہادی بصیرت، اخلاص، دینی غیرت، حق شناسی و حق پرستی کا نقطہ کمال ہے۔

## ۵..... وحی بمطابق اقوال:

موافقات کی چوتھی قسم وہ ہے کہ آپ نے کسی بارے میں ایک رائے قائم کی تو نہ صرف یہ کہ اس کی موافقت کی گئی بلکہ آپ کی زبان سے جو الفاظ نکلے کہ وہ بیش و بی الفاظ وحی الہی کا حصہ بن گئے۔

۱۔ ازواج مطہرات کا جھگڑا:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پناہ شاد ہے کہ جب ازواج مطہراتؓ رسوں اکرم ﷺ کی غیرت کے معاملے میں مجتمع ہو گئیں تو میں نے کہا ”عمی رہہ ان طلقن ان بیدلہ او ارجا حیر مسکن (۳)۔“ اس کے بعد بالکل ٹھیک یہی الفاظ قرآن مجید میں نازل ہوئے (۴)۔ اس واقعہ کی تفصیل کیا ہے؟ اس کا پس منظر کیا ہے؟ طلاق کی نوبت کیوں پہنچی؟ اس معاملے میں حضرت عمرؓ کا کیا رول رہا؟ ان تمام سوالوں کا جواب ہمیں قرآن وحدیث سے ملتا ہے۔ مفسرین نے بھی اس پر خوب بحث کی ہے۔ سورہ تحریم کی ابتدائی پانچ آیات میں اس معاملے کے مختلف پہلوؤں کا اجماعی طور پر ذکر کیا گیا ہے جو حسب ذیل ہے ”یا ایہا النبی لم تحرم ما احل اللہ لك تبخی مرعات او واجلت و اللہ غفور رحیم قد فرض اللہ لکم تحلة ایماکم واللہ مولکم وهو العليم الحکیم واد اسر النبی الی بعض رواحه حدیثاً فمن نيات له و اظهره الله علیه عرف بعصه و اعرض عن بعض فلما نباح به قالت من ابناک هذا قال نباء نبي العیم الحیر

ان تنوبا الى الله فقد صفت قلوبكمما وان تطهروا عبده فان الله هو موله و جبریل و صالح المؤمنین و الممتکة بعد ذلك ظہیر عسی ربه ان طائفک ان یبدلہ ارواحا حیرا مکی مسلمات مؤمنات قانتات تائبات عابدات صالحات نسیات و ابکارا<sup>(۱)</sup>۔ ”(اے پیغمبر ﷺ) جو چیز اللہ نے تم پر حلال کی ہے تم سے (اپنے اوپر) حرام کیوں کرتے ہو؟ (کیا اس سے) اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہو اور خدا بخشنے والا مہربان ہے۔ خدا نے تم کو گوں کیلئے تمہاری قسموں کا کفارہ مقرر کر دیا ہے اور خدا ہی تمہارا کارساز ہے اور وہ دانا (اور) حکمت والا ہے اور (یاد کرو) جب پیغمبر نے اپنی ایک بیوی سے راز کی بات کہی (اور کہا کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا) پھر جب اس نے (دوسری بی بی کو) خبر کر دی اور اللہ تعالیٰ نے پیغمبر پر اس کا حال کھوس دیا تو پیغمبر نے کچھ تو (اس بیوی کو) بتلایا (جس نے راز فاش کر دیا تھا) اور کچھ نہیں بتلایا (چشم پوشی کی اس کی عزت رکھنے کی) جب پیغمبر نے اس بیوی کو یہ بتلایا تو وہ کہنے لگی تم کو یہ (سب حال کس نے بتلایا ہے۔ پیغمبر نے کہا چاہئے وہ خبر دے۔ خبر دے۔) (اے پیغمبر کی دونوں بیبیوں) اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں (اس قصور سے) توبہ کرو (تو تمہارے حق میں بہتر ہو گا) تمہارے دل جھک پڑے ہیں اور اگر تم دونوں (ایک دوسرے کی مددگار بن کر) پیغمبر پر زور ڈالنا چاہو گی تو یہ سمجھ رکھو کہ خدا اور جبرائیل اور میک اور نیک مسلمان سب پیغمبر کے حمایتی ہیں اور فرشتے الگ ان کے علاوہ مدد کو حاضر ہیں۔ اگر پیغمبر تم کو طلاق دے دیں تو عجب نہیں ان کا پروردگار تمہارے بدلے ان کو تم سے بہتر بیویاں عنایت فرما دے (جو) فرمانبردار ایماندار نماز گزار توبہ کرنے والیاں عاجزی کرنے والیاں روزہ رکھنے والیاں بیوی ہوئی اور کنواریاں ہوں۔ ان آیات کے شان نزول کے سلسلے میں دو مختلف واقعات منقول ہیں۔

ایک یہ کہ حضرت ادریہ قطیبہؓ جو کہ ایک بوٹھڑی اور رسوا اکرم ﷺ کے فرزند اور جند حضرت ابراہیم کی والدہ تھیں۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ حضرت حفصہؓ کے گھرانہ کی باری والے دن ان سے ملے اس پر انہیں رنج ہوا اور کہا میری باری والے دن میرے بستر پر حضور ﷺ نے نہیں رضا مند کرنے کیلئے کہہ دیا کہ میں اسے اپنے اوپر حرام کرنا ہوں۔ اب تم اس واقعے کا ذکر کسی سے نہ کرنا لیکن حضرت حفصہؓ نے یہ واقعہ حضرت عائشہؓ سے کہہ دیا۔ اللہ نے اس کی اطلاع اپنے نبی ﷺ کو دے دی اور یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ آپ نے کفارہ دے کر اپنی قسم توڑ دی<sup>(۲)</sup>۔ ایک اور روایت کے مطابق حضرت حفصہؓ کے گھر میں آپ تھے وہ جب تشریف لائیں اور حضرت ادریہؓ سے آپ کو مشغول پایا تو آپ نے انہیں فرمایا تم (حضرت عائشہؓ کو خبر نہ کرنا میں تمہیں ایک بشارت سناتا ہوں۔ میرے انتقال کے بعد میری خلافت پر (حضرت) ابو بکرؓ کے بعد تمہارے والد آئیں گے۔ حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ کو خبر کر دی۔ پس حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا اس کی خبر آپ کو کس نے پہنچائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”مجھے عیساؑ وغیرہ نے یہ خبر پہنچائی ہے۔“ صدیقہؓ نے کہا ”میں آپ کی طرف نہ دیکھوں گی جب تک کہ آپ میرے گواہ نہ ہوں اور حرام نہ کریں۔“ آپ نے کرنی اس پر ”یت یا ایہا النبی“ الح ”ماں ہوئی“<sup>(۳)</sup>۔ دوسرا یہ کہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں شہد پیتے تھے اور وہاں ٹھہرتے تھے پھر میر اور حفصہؓ کا اس پر اتفاق ہوا کہ ہم میں سے حضورؐ جس کے ہاں داخل ہوں تو وہ کہے کیا آپ نے مغایر (ایک بوٹی) کھائی ہے؟ آپ کے منہ سے مغایر کی بو آتی ہے (چنانچہ جب آپ تشریف لائے تو اس منصوبے پر عمل کیا گیا) آپ نے فرمایا ”نہیں میں زینب بنت جحش کے ہاں شہد یا کرتا ہوں لیکن اب ہرگز نہیں پیوں گا۔ میں نے اس کی قسم کھالی ہے لیکن تم کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا“<sup>(۴)</sup>۔

صحیح مسلم کی ایک اور روایت کے مطابق آپ نے حضرت حفصہؓ کے ہاں شہد یا اور باہمی ریکا کرنے والی ازواج مطہرات میں حضرت عائشہؓ کے ساتھ حضرت سودہؓ

(۱) سورہ التحریم ۵۱: ۶۶ (۲) طبرانی ۱۸: ۵۷-۱۵۶، مسند ۵۶۲: ۴، راجز ۱۳۳: ۱، کبیر ۳۸۶: ۴ (۳) کبیر ۱۱: ۳۹، مختصر ۵۶۲: ۴ (۴)



اور حضرت صدیقؓ تھیں۔ یہ حدیث حضرت عائشہؓ سے ان الفاظ میں بھی مروی ہے کہ حضور ﷺ کو منہاس اور شہد بہت پسند تھا۔ عصر کے بعد اپنی بیویوں کے گھر آتے اور کسی سے رزویٰ کرتے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ حضرت حصہؓ کے پاس گئے اور بتا دیا ہاں کہتے تھے اس سے زیادہ کے۔ مجھے غیرت سوار ہوئی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ ان کی قوم ایک عورت نے ایک کچی شہد کی انہیں بطور ہدیہ بھیجی ہے۔ اسوں نے حضور کو شہد کا شربت پلایا اور اتنی دیر روک رکھا۔ میں نے کہا خیر اسے کسی حیلہ سے مال دوں گی۔ چنانچہ میں نے حضرت سودہ بنت زمعہؓ سے کہا کہ تمہارے پاس جب حضور ﷺ آئیں اور قریب ہوں تو تم کہنا کہ آج کیا آپ نے معاف کر دیا ہے۔ آپ فرمائیں گے نہیں۔ تم کہنا پھر یہ بدبو کیسی آتی ہے۔ آپ فرمائیں گے مجھے حصہؓ نے شہد پلایا تھا تو کہنا شاید شہد کی مکھی نے عرفہ نامی خاردار درخت چوسا ہو گا۔ میرے پاس آئیں گے میں بھی یہی کہوں گی۔ پھر اسے صنفیہؓ جب تمہارے پاس آپ آئیں تو تو بھی یہی کہنا۔ حضرت سودہؓ فرماتی ہیں جب حضور ﷺ میرے گھر آئے تو دروازے ہی پر تھے جو میں نے ارادہ کیا کہ تم نے جو مجھ سے کہا ہے میں آپ سے کہہ دوں کیونکہ میں تم سے بہت ذرتی تھی لیکن خیر اس وقت تو خاموش رہی۔ جب آپ میرے پاس آئے میں نے بھی یہی کہا پھر حضرت صنفیہؓ کے پاس گئے تو انہوں نے بھی یہی کہا پھر حضرت حصہؓ نے شہد کا شربت پلانا چاہا۔ آپ نے فرمایا ”مجھے اس کی حاجت نہیں۔“ حضرت سودہؓ فرماتے لگیں افسوس ہم نے اسے حرام کر دیا۔ میں نے کہا خاموش رہو<sup>(۱)</sup>۔ علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ شہد پلانے والیوں میں حضرت حصہؓ اور حضرت رعبہ بنت جحش دونوں کا نام ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دو الگ واقعے ہیں ان میں کو نہ سب نزول ہے یہ غور طلب ہے<sup>(۲)</sup>۔

اب رہی یہ بات ان آیات کے شان نزول کے سلسلے میں مذکور دونوں واقعات میں سے کونسا قائل ترجیح ہے؟ عام طور پر مفسرین کرام کا خیال یہ ہے کہ شہد ہی کو حضور کرم ﷺ نے اپنے اوپر حرام قرار دیا تھا<sup>(۳)</sup>۔ لیکن ہماری رائے میں اغلب یہ ہے کہ دونوں ہی واقعے پورے در پورے رونما ہوئے ہوں گے (واللہ عالم) علاوہ ازیں چھوٹے موٹے اور بھی مسائل ایسے تھے جن کی وجہ سے آپ کی خانگی زندگی تلخ ہو گئی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے برابر ست اور اراج مطہرات کی گرفت بھی فرمائی اور تربیت بھی اور اپنے رسوں سے فرمایا کہ آپ ان کی خوشنودی کی خاطر اپنے اصولوں اور خدا کی حدود میں ہرگز نرمی نہ پیدا کریں۔ وہ بات جس کو نبی ﷺ نے صیغہ راز میں رکھنے کا حکم دیا تھا جس کی طرف آیت نمبر ۳ میں اشارہ ہے۔ مذکورہ بالا روایات میں اس کی طرف بھی نشاندہی کر دی گئی ہے۔ ان سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ دو عورتیں جنہیں اس سورۃ کی چوتھی آیت میں مخاطب کیا گیا ہے وہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حصہؓ رضی اللہ عنہما تھیں کیونکہ مذکورہ واقعات میں ان کا ایک مرکزی کردار تھا۔

اس سارے معاملے میں حضرت عمر فاروقؓ کو اس لئے مداخلت کرنی پڑی کہ ان کی اپنی بیٹھی حضرت حصہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ازواج مطہرات میں شامل تھیں۔ مزید یہ بھی کہ آپ یہ جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی پریشانی کو کم کرنے اور مسائل کو سلجھانے میں جو بھی ممکن ہو سکے کریں۔ آپ کو اس شکر رنجی کی کیسے اطلاع ہوئی؟ آپ سے اس کیلئے کیا کیا جس کی بناء پر قرآن مجید میں آپ کی موافقت کی گئی؟ یہ ایک دلچسپ داستان ہے جو تھوڑے سے لفظی اختلاف کے ساتھ کتب احادیث و تفسیر میں موجود ہے۔ حضرت امین عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ”میں ایک مدت سے اس فکر میں تھا کہ حضرت عمرؓ سے پوچھوں کہ رسول اللہ ﷺ کی بیویوں میں سے وہ کون سی دو بیویاں ہیں جنہوں نے حضور ﷺ کے مقابلے میں جتھہ بندی کر لی تھی اور جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت ارشاد فرمائی ہے کہ ”ان فتوا بالی اللہ فقد صلب قلوبکمما“ لیکن ان کی حیثیت کی وجہ سے میری ہمت نہ پڑتی تھی۔ سخر ایک مرتبہ وہ حج کیلئے تشریف لے گئے اور

میں اس کے ساتھ گیا۔ واپسی پر راستہ میں ایک جگہ ان کو وضو کراتے ہوئے مجھے موقع مل گیا اور میں نے یہ سوال پوچھ لیا۔ انہوں نے جواب دیا وہ عائشہؓ اور حفصہؓ تھیں۔ پھر انہوں نے بیاں کرنا شروع کیا کہ ہم قریش کے لوگ اپنی عورتوں کو دبا کر رکھنے کے عادی تھے۔ جب ہم مدینہ آئے تو ہمیں یہاں ایسے لوگ ملے جن پر ان کی بیویاں عادی تھیں اور یہی سبق ہماری عورتیں بھی ان سے سیکھے لگیں۔ ایک روز میں اپنی بیوی پر ناراض ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ مجھے پٹ کر جواب دے رہی ہے (صل الفاظ ہیں فاداً ہی تو اچھی) مجھے یہ بہت ناگوار ہوا کہ وہ مجھے پٹ کر جواب دے رہی ہے۔ اس نے کہا آپ اس بات پر کیوں بگڑتے ہیں کہ میں آپ کو پٹ کر جواب دوں؟ حد کی قسم رسول اللہ ﷺ کی بیویاں حضور کو درد و جواب دیتی ہیں (اصل لفظ ہے لیوا جعہ) اور ان میں سے کوئی حضور ﷺ سے دن دن بھر روٹھی رہتی ہے (بخاری کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ اس سے دن بھر ناراض رہتے ہیں) یہ سن کر میں گھر سے نکلا اور حفصہؓ کے ہاں گیا (جو حضرت عمرؓ کی سیٹی اور حضور ﷺ کی بیوی تھیں) میں نے ان سے پوچھا کیا تو رسول اللہ ﷺ کو درد و جواب دیتی ہے؟ اس نے کہا ہاں امیں نے پوچھا اور کیا تم میں سے کوئی دن دن بھر حضورؐ سے روٹھی رہتی ہے۔ (بخاری کی روایت میں ہے کہ حضور دن بھر اس سے ناراض رہتے ہیں) اس نے کہا ہاں امیں نے کہا تارا اور ہونگی اور گھانے میں پڑ گئی وہ عورت جو تم میں سے ایسا کرے۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات سے بے خوف ہو گئی ہے کہ اپنے رسول ﷺ کے غضب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہو جائے اور وہ ہلاکت میں پڑ جائے۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کبھی رہاں و رازی نہ کر (یہاں بھی وی الفاظ ہیں لا ترا جعی) اور نہ ان سے کسی چیز کا مطالبہ کر۔ میرے ماں سے تیرا جوئی چاہے مانگ لیا کر۔ تو اس بات سے کسی دھوکے میں نہ پڑ کہ تیری پڑوسن (مراد حضرت عائشہؓ) تجھ سے زیادہ خوبصورت اور رسول اللہ ﷺ کو زیادہ محبوب ہے۔ اس کے بعد میں وہاں سے نکل کر ام سلمہؓ کے پاس پہنچا جو میری رشتہ دار تھیں اور میں نے اس معاملہ میں ان سے بات کی۔ انہوں نے کہا ”ابن خطابؓ تم بھی عجیب آدمی ہو۔ ہر معاملہ میں تم نے دخل دیا یہاں تک کہ اب رسول اللہ ﷺ اور ان کی بیویوں کے معاملے میں بھی دخل دینے چلے ہو۔“ ان کی اس بات نے میری ہمت توڑ دی پھر ایسا ہوا کہ میرا ایک انصاری پڑوسی رات کے وقت میرے گھر آیا اور اس نے مجھے پکارا۔ ہم دونوں ہماری ماری رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے اور جو بات کسی کی ماری کے دس ہوتی تھی وہ دوسرے کو بتا دیا کرتا تھا۔ زمانہ وہ تھا جب ہمیں غسان کے حملے کا خطرہ لگا ہوا تھا۔ اس کے پکارنے پر جب میں نکلا تو اس نے کہا کہ ایک بڑا حادثہ پیش آگیا ہے۔ میں نے کہا ”کیا غسانی چڑھ آئے ہیں؟“ اس نے کہا نہیں اس سے بھی زیادہ بڑا معاملہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ میں نے کہا ”برباد ہوئی اور نامراد ہو گئی حفصہؓ (بخاری کے الفاظ میں رخم انف حفصہؓ عائشہؓ) مجھے پیر ہی اندیشہ تھا کہ یہ ہونے والی بات ہے۔“

صبح کی نماز پڑھتے ہی کپڑے پہن کر میں چلا ’سیدہ عاصہؓ کے پاس گیا دیکھا کہ وہ دروغی ہے۔ میں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے تمہیں طلاق دے دی؟ جواب دیا یہ تو کچھ معلوم نہیں ’آپ‘ ہم سے الگ ہو کر اپنے بالا خانے میں تشریف فرما ہیں۔ میں وہاں گیا دیکھا کہ ایک حبشی غلام پھرے پر ہے۔ میں نے کہا ”جلا میرے لئے اجازت طلب کرو۔“ وہ گیا پھر آکر کہا کہ حضور ﷺ نے کچھ جواب نہیں دیا۔ میں وہاں سے واپس چلا آیا ’مسجد میں گیا دیکھا کہ منبر کے پاس ایک گروہ صحابہؓ بیٹھا ہوا ہے اور بعض کے آنسو نکل رہے ہیں۔ میں تھوڑی دیر بیٹھا لیکن جیسں کہاں؟ پھر اٹھ کھڑا ہوا اور وہاں جا کر غلام سے کہا کہ میرے لئے اجازت طلب کرو۔ اس نے پھر کہا کہ کچھ جواب نہیں ملا۔ میں دوبارہ مسجد میں چلا گیا پھر وہاں سے گھبرا کر نکلا یہاں آیا پھر غلام سے کہا ’غلام گیا اور وی جواب دیا۔ میں واپس مڑا ہی تھا کہ غلام نے مجھے آواز دی کہ آئیے آپ کو اجازت مل گئی۔ میں گیا دیکھا کہ حضور ﷺ ایک بورے پر ٹیک لگائے بیٹھے ہیں جس کے نشان آپ ﷺ کے جسم مبارک پر ظاہر ہیں۔ میں نے کہا۔ ”یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔“ آپؐ نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور فرمایا۔ ”نہیں؟“ میں نے کہا۔ ”اللہ اکبر یا رسول اللہ بات یہ ہے کہ قوم قریش تو اپنی بیویوں کو اپنے دلوں میں رکھا کرتے تھے لیکن مدینے والوں پر ان کی بیویاں غالب ہیں۔ یہاں آکر

ہماری عورتوں نے بھی ان کی دیکھا دیکھی یہی حرکت شروع کر دی ہے۔ "پھر میں نے اپنی بیوی کا واقعہ بیان کیا اور اپنا۔ یہ خبر پا کر حضور ﷺ کی بیویاں بھی ایسا کرتی ہیں یہ کہنا بھی بیان کیا کہ نہیں ڈر نہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کے غصے کی وجہ سے خدا بھی اس سے ناراض ہو جائے اور وہ ہلاک ہو جائیں۔ اس پر حضور ﷺ مسکرائے میں نے پھر اپنا قصہ کے پاس جانا اور انہیں حضرت عائشہؓ کی رہیں کرنے سے روکنا بیان کیا اس پر دوبارہ مسکرائے میں نے عرض کیا اگر اجازت ہو تو کچھ دیر رک جاؤں۔ آپ نے اجازت دی میں بیٹھ گیا۔ اب جو سرائے کر چاروں طرف نظریں دوڑائیں تو آپ کی بیٹھک (دربار خاص) میں سوائے تین شک کھانوں کے اور کوئی چیز نہ دیکھی۔ آزر وہ دل ہو کر عرض کیا کہ "یا رسول اللہ ﷺ اوجہ کیجئے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امت پر کشادگی کرے۔ دیکھئے تو فارسی و رومی جو اللہ کی عبادت ہی نہیں کرتے انہیں کس قدر دنیا کی نعمتوں میں وسعت دی گئی ہے۔" یہ سنتے ہی آپؐ سنبھل بیٹھے اور فرمائے گئے "اے ابن خطاب! کیا تو شک میں ہے؟" اس قوم کے احکامات انہیں بخلت دنیا میں ہی دے دیئے گئے ہیں۔" میں نے کہا "حضور ﷺ امیرے لئے اللہ سے بخشش کی طلب کیجئے۔" بات یہ تھی کہ آپؐ بے وجہ سخت ناراضگی قسم کھاتی تھی کہ مہینہ بھر تک اپنی بیویوں کے پاس نہ جاؤں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تنبیہ کی (۱)۔

بخاری میں حضرت انسؓ سے اور مسند میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے 'حضرت عائشہؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ روایات منقول ہوئی ہیں کہ حضور ﷺ نے ایک مہینہ تک کینے اپنی بیویوں سے علیحدہ رہنے کا عہد فرمایا تھا اور اپنے بالا خانے میں بیٹھ گئے تھے۔ ۲۹ دن گزر جانے پر جبریل علیہ السلام نے آکر کہا "آپ کی قسم پوری ہو گئی ہے" مہینہ مکمل ہو گیا (۲)۔ "سورۃ التحریم کی پانچویں آیت میں تمام ارواح مطہرات کو تنبیہ کی گئی ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ مرکزی کردار تو دونوں ادا کیا لیکن باقی سب بھی اس جھگڑے میں شریک ہو گئیں اس لئے حضور ﷺ نے سب سے قطع تعلق کر لیا۔ حافظ بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری میں حضرت عائشہؓ کے حوالے سے یہ بات نقل کی ہے کہ ازواج مطہرات کی دو پرئیاں بن گئی تھیں۔ ایک میں خود حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ حضرت سودہؓ اور حضرت صفیہؓ تھیں اور دوسری میں حضرت زینبؓ حضرت ام سلمہؓ اور باقی ازواج مطہرات تھیں (۳)۔ حضرت عمرؓ نے بطور تنبیہ جو الفاظ ازواج مطہرات کو کہے وہی قرآن حکیم کا حصہ بن گئے۔

بخاری میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "نبی ﷺ کی بیویوں نے آپس کے رشک و رقابت میں مل جل کر حضور ﷺ کو تنگ کر دیا تھا۔ (اصل الفاظ میں اجتماع النساء السیئہ فی العیوۃ علیہ) اس پر میں نے ان سے کہا کہ بعید نہیں اگر حضور ﷺ تم کو طلاق دے دیں تو اللہ تم سے بہتر بیویاں آپ کو عطا فرمادے (۴)۔ ابن ابی حاتم نے حضرت انسؓ کے حوالے سے حضرت عمرؓ کا بیان اس الفاظ میں نقل کیا ہے "مجھے خبر پہنچی کہ امہات المؤمنین اور نبی ﷺ کے درمیان کچھ ناچاقی ہو گئی ہے۔ اس پر میں ان میں سے ایک ایک کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ تم رسول اللہ ﷺ کو تنگ کرنے سے باز رہنا۔ اور وہ اللہ تمہارے بدلے تم سے بہتر بیویاں حضور ﷺ کو عطا فرمادے گا۔" یہاں تک کہ جب امہات المؤمنین میں سے آخری کے پاس گیا (اور یہ بخاری کی ایک روایت کے بموجب حضرت ام سلمہؓ تھیں) تو انہوں نے مجھے جواب دیا "اے عمر! یہ رسول اللہ ﷺ عورتوں کی نصیحت کیلئے کافی نہیں ہیں کہ تم انہیں نصیحت کرنے چلے ہو؟ اس پر میں خاموش ہو گیا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (۵)۔"

روایات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضور ﷺ کو بھی تسلی دی اور یہاں بھی جو حفاظ آپ کے منہ سے نکلے کم و بیش وہی الفاظ وحی الہی کا حصہ

(۱) بخاری، ۶/۶۹، مسلم، ۱/۹۰، حبل ۲۵۲/۱، رمعی، ۵/۹۳، طبرانی، ۱۸/۱۶۱، (۲) بخاری، ۱/۶/۳، مسلم، ۶/۱۹۱، (۳) مودودی، ۲۷/۶۱

(۴) بخاری، ۶/۷۱، (۵) حبان، ۲۲/۹، طبرانی، ۱۸/۱۶۴، تفسیر، ۴/۳۹۰۔

بن گئے۔ سورۃ التحریم کی جو تھی آیت کے آخری کلمات انہیں پر مشتعل ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان سے بیان کیا کہ جب نبی ﷺ نے اپنی بیویوں سے علیحدگی اختیار فرمائی تو میں مسجد نبویؐ میں پہنچا۔ دیکھا کہ لوگ متشکر بیٹھے ہوئے کنکریں اٹھا اٹھا کر گرا رہے ہیں اور آپس میں کہہ رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت عائشہ اور حفصہؓ کے ہاں اپنے جانے اور ان کی نصیحت کرنے کا ذکر کیا۔ پھر فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا ”بیویوں کے معاملہ میں آپ کیوں پریشان ہوتے ہیں؟ اگر آپ ان کو طلاق دے دیں تو اللہ آپ کے ساتھ ہے، سارے ملکہ اور جبریل اور میکائیل آپ کے ساتھ ہیں اور میں اور ابو بکرؓ اور سب اہل ایمان آپ کے ساتھ ہیں۔“ میں اللہ کا شکر بجالاؤں کہ کم ہی ایسا ہوتا ہے کہ میں نے کوئی بات کہی ہو اور اللہ سے یہ امید نہ رکھی ہو کہ وہ میرے قوس کی تصدیق فرمادے گا۔ چنانچہ اس کے بعد سورۃ التحریم کی یہ آیات نازل ہو گئیں۔ پھر میں نے حضور ﷺ سے پوچھا ”کیا آپ نے بیویوں کو طلاق دے دی ہے؟“ حضور ﷺ نے فرمایا ”نہیں“ اس پر میں نے مسجد نبویؐ کے دروازے پر کھڑے ہو کر باؤ ز بلند اعلان کیا کہ حضور ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دی ہے<sup>(۱)</sup>۔

اس پورے قصے میں حضرت عمر فاروقؓ کا کردار مثالی رہا کیونکہ جب آنحضور ﷺ ازواج مطہرات سے علیحدہ ہو کر ہالا خانے میں قیام پذیر ہو گئے تو یہ تاثر پیدا ہوا کہ شاید آپ نے نہیں طلاق دے دی ہے۔ منافقین نے صورتحال سے خوب فائدہ اٹھایا اور اس افواہ کو ایک حقیقت کے طور پر پھیلنا شروع کر دیا۔ وہ عام طور پر مختلف افواہوں سے ہی مایوسی ہے یقینی اور بددلی پھیلاتے اور اپنے مقاصد حاصل کرتے تھے۔ اکثر لوگوں کو اس کا یقین ہو گیا ہر طرف پریشانی مچی اور اسی چھاگنی۔ ایسے عالم میں حضرت عمر فاروقؓ ہی وہ شخص تھے جنہوں نے اس پر یقین کر لینے کے بجائے اس کی پوری چھان بین اور تحقیق کی ازواج مطہرات سے بھی ملے مصیبت کراٹھ سے بھی ملے۔ بار بار کوشش کر کے خود سرور کو نین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ صحیح بات تک پہنچ سکیں اور اس کی تصدیق کر سکیں۔ آخر کار وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہے اور آپ ﷺ سے معلوم کر کے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر باؤ ز بلند یہ اعلان کر دیا کہ آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دی۔ اسی طرح س مسئلے کو سمجھانے کیلئے بھی جو کچھ کیا وہ آپ کے فہم و فراست اور حکمت و تدبیر کا بین ثبوت ہے۔ روایت میں آتا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی<sup>(۲)</sup> ”وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولَى الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَسَى اللَّهُ أَنْ يَكُونَ مَعَهُمْ وَلَوْ لَا فَصَّلَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتِهِ لَا تَعْتَمِدُ الشَّيْطَانُ إِلَّا قَلِيلًا“<sup>(۳)</sup>۔ (جہاں نہیں کوئی خبر امن یا خوف کی ملتی ہے اسے پھیلانا شروع کر دیتے ہیں۔ حالانکہ اگر یہ سے رسول اللہ ﷺ اور اپنی جماعت کے ذمہ دار صحابہ تک پہنچائیں وہ ایسے لوگوں کے علم میں آجائے جو یہ صلاحیت رکھتے ہیں کہ اس سے صحیح نتیجہ اخذ کر سکیں۔ تم لوگوں پر اللہ کی مہربانی اور رحمت نہ ہوتی تو معدودے چند کے سوا تمام شیطان کے پیچھے لگ جاتے۔) حضرت عمرؓ یہ آیت پڑھ کر فرماتے تھے کہ بے شک میں اس امر کا استنباط کرنے والوں میں سے ہوں<sup>(۴)</sup>۔

## ۲۔ واقعہ انک:

آپ کے الفاظ کی موافقت کی ایک اور مثال واقعہ انک بھی ہے۔ ۶ھ میں غزوہ بنی مصطلق سے واپسی پر مسلمانوں کے قافلے نے ایک جگہ رات کو پڑاؤ ڈالا۔ رات کے آخری پہر رسول اکرم ﷺ نے وہاں سے روانگی کا حکم دیا۔ حضرت عائشہؓ رفع حاجت کیلئے نکلی ہوئی تھیں۔ ایک عمار کی تلاش میں انہیں دیر ہو گئی۔ کجاوہ باندھے در رکھنے پر متعین لوگوں نے حودج کو اونٹ پر رکھ کر باندھ دیا اور یہ سمجھے کہ حضرت عائشہؓ اس میں موجود ہیں قافلہ روانہ ہو گیا۔ حضرت عائشہؓ کو ایک برہنہ

(۱) مسلم، ۱/۱۸۸، طبری، ۱/۱۸۸، وریحہ، ۲/۳۰، کتب، ۲/۳۸۹، (۲) مسلم، ۱/۱۹۰، (۳) سورۃ النساء، ۸۳، (۴) کتب، ۲/۳۸۹

بزرگ صحابی صفوان بن محرز جو پیچھے آ رہے تھے اونٹ پر بٹھ کر آئے۔ منافقین نے بہتان لگا دیا اور پراپیگنڈے کی بھرپور مہم شروع کر دی جو ایک ماہ تک جاری رہی۔ اس سے متاثر ہو کر بہت سے مخلص مسلمان مثلاً حضرت حمزہؓ، حضرت جعشؓ، حضرت حسان بن ثابتؓ اور حضرت مسطحؓ بھی شریک ہو گئے۔ رسول اکرم ﷺ بہت پریشان ہوئے اور تحقیق حالات کیلئے مشورہ طلب فرمایا۔ مختلف صحابہ کرامؓ نے اپنی اپنی رائے ظاہر کی<sup>(۱)</sup>۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ ﷺ! حضرت عائشہؓ سے آپ کا نکاح کس نے کیا تھا؟“ آپؐ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ ہے۔“ حضرت عمرؓ نے عرض کیا ”حضور ﷺ! کیا آپ گمان کرتے ہیں کہ آپؐ کے رب نے آپؐ کو عیب دار چیز دی ہوگی؟“ ”سبحانک ہذا بہتان عظیم۔“ بس اسی طرح کی ایک آیت نازل ہوئی<sup>(۲)</sup>۔ ارشاد ہو ”ولو لا ادا سمعتموه فلتنم ما یکتون لنا ان تکلم بهذا سبحانک هذا بہتان عظیم“<sup>(۳)</sup>۔ ”اس سے اللہ تعالیٰ نے نہ صرف یہ کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو اس الزام سے بری قرار دیا بلکہ اسے سراسر الٹ اور جھوٹ قرار دیا اور انسانی عزت کو محترم قرار دیا۔ اس بارے میں تفصیلی احکام نازل فرمائے اور اس واقعے کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔“<sup>(۴)</sup>

۳۔ اسی نوعیت کی ایک اور موافقت یہ بھی ہے۔ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی ”ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین ثم جعلہ نطفۃ فی قرار مکین ثم خلقنا النطفۃ علقۃ فخلقنا العلقۃ مصفۃ فخلقنا المصفۃ عظاما فکسونا العظام لحما ثم انشاناہ خلقا آخر“<sup>(۵)</sup>۔ ”ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے پیدا کیا پھر اسے ایک خاص مقام پر نطفہ بنایا پھر نطفہ کو خون بستہ پھر بستہ خون کو توڑا پھر لو توڑے کو ہڈیاں پھر ہڈیوں کو گوشت پہنایا بعد ازاں ہم نے اسے دوسری تخلیق عطا کی۔“ تو میں نے کہا ”تبارک اللہ احسن الخالقین“<sup>(۶)</sup>۔ ”بس برتر ہے سب سے اچھا خالق“ چنانچہ وحی نازل ہوئی ”تبارک اللہ احسن الخالقین“<sup>(۷)</sup>۔

۴۔ ایک اور موافقت یہ بھی ہے حضرت عمرؓ کی طرف گئے اور فرمایا ”میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات اتاری“ کیا تم لوگ حضرت عمرؓ کی اپنی کتاب میں تو میسج پاتے ہو؟“ انہوں نے کہا: ”ہاں!“

فرمایا: ”تو پھر تم لوگ ان کا اتباع کیوں نہیں کرتے؟“

انہوں نے کہا ”اللہ نے جو بھی نبی بھیجا اس کیلئے ایک فرشتہ مقرر کیا جبریل آپؐ کا کفیل ہے اور وہی ان کے پاس آتا جاتا ہے وہ ہمارا دشمن ہے البتہ میکائیل ہمارا دوست ہے۔ اگر وہ وحی لاتے تو ہم ان کا اتباع ضرور کرتے۔“

راوی فرماتے ہیں ”اور اسے آپؐ کا گزر ہوا تو وہ بولے ”آپ حاضر خدمت ہوئے تو یہ وحی اتر چکی تھی“<sup>(۸)</sup>۔ ”قل من کان عدوا للمجریل فامہ برالہ علی قلبک یادن اللہ مصدقا لما بین یدیدہ وهدی و بشری للمومنین من کان عدوا للہ وملتکته ورسولہ و جبریل و میکال فان اللہ عدو للمکفرین“<sup>(۹)</sup>۔

(۱) تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو ہشتم ۳۱۰، محاورہ ۵۵۱، مسلم ۳۱۲/۸، رمذی ۱۳/۵، سیوطی ۴۰۸/۷ (۲) سیوطی ۱۲۳ (۳) سورہ النور ۱۶، ۲۴ (۴)

ملاحظہ ہو سورہ النور ۲۴، ۲۶ (۵) سورہ المومنین ۱۴، ۱۳ (۶) قرطبی ۱۱/۱۲، کتیبہ ۲۴۱/۳، سیوطی ۱۲۳، مرغی ۹۱، ۱۸ (۷) سورہ

المومنون ۱۴، ۲۳ (۸) طبری ۴۳۴/۱، مختصری: ۱۶۹/۱، بیضاوی: ۱۶۳/۱ (۹) سورہ الفرقہ ۹۷۔

(آپ کہہ دیجئے اے نبی کہ جو شخص جبریل کا دشمن ہے وہ ہوا کرے اسے اللہ کے حکم سے آپ کے دل پر قرآن اتار دے جو موجودہ کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور ہدایت و بشارت ہے مومنوں کے واسطے جو شخص اللہ کا نیکہ رسولوں اور جبریل و میکائیل کا دشمن ہے وہ ہوا کرے بے شک اللہ کافروں کا دشمن ہے۔)

اس واقعہ کی مزید تفصیل ایک اور روایت سے معلوم ہوتی ہے جسے معمر بن یاسر نے تھوڑے بہت لفظی اختلاف سے مذکورہ آیت کے شان نزول کے ضمن میں نقل کیا ہے جو حسب ذیل ہے ”شععی کہتے ہیں حضرت عمرؓ و حوا میں آئے دیکھا کہ لوگ دوڑ بھاگ کر پتھروں کے ایک تودے کے پاس جا کر نماز ادا کر رہے ہیں۔ پوچھا کہ کیا بات ہے جواب ملا کہ اس جگہ رسول اللہ ﷺ نے نماز ادا کی ہے۔ آپ بہت ناراض ہوئے کہ حضور ﷺ کو جہاں کہیں نماز کا وقت آتا تھا پڑھ لیا کرتے تھے پھر چلے جایا کرتے تھے۔ اب ان مقامات کو تبرک سمجھ کر خواہ مخواہ وہیں جا کر نماز ادا کرنا کس نے بتایا؟ پھر آپ اور باتوں میں لگ گئے فرمانے لگے میں یہودیوں کے مجمع میں کبھی کبھی چلا گیا کرتا اور یہ دیکھتا رہتا تھا کہ کس طرح قرآن تورات اور تورات قرآن کی تصدیق کر رہی ہے۔ یہودی مجھ سے محبت ظاہر کرے لگے اور اکثر بات چیت ہوا کرتی تھی۔ ایک دن میں ان سے باتیں کر رہا تھا جو راستے سے حضور ﷺ نکلے انہوں نے مجھ سے کہا تمہارے نبی وہ جارہے ہیں۔ میں نے کہا خیر میں جاتا ہوں لیکن یہ تو بتاؤ تمہیں اللہ واحد کی قسم خدا کے حق یاد کرو اور خدا کی نعمتوں پر نظر رکھ کر خدا کی کتاب تم میں موجود ہونے کا خیال رکھ کر اسی رب کی قسم کھا کر کہو کہ تم حضور ﷺ کو رسواں نہیں مانتے۔ اب سب خاموش ہو گئے ان کے بڑے عالم نے جو ان سب میں علم میں بھی کامل تھا اور سب کا سردار بھی تھا ان سے کہا: تمہاری قسم اس نے دی ہے کیونکہ تم صاف اور سچے جواب نہیں دیتے؟ انہوں نے کہا کہ حضرت آپ ہی ہمارے بڑے ہیں اور آپ ہی جواب دیجئے۔ اس لاث پادری نے کہا سنئے جناب آپ نے زبردست قسم دی ہے حق تو یہ ہے کہ ہم دل سے جانتے ہیں کہ حضور ﷺ خدا کے بچے رسول ہیں۔“

میں نے کہا ”افسوس جب جانتے ہو تو ماننے کیوں نہیں۔“ کہ صرف اس وجہ سے کہ ان کے پاس وحی آسانی لے کر آنے والے جبریل ہیں وہ نہایت سختی و سختی شدت عذاب اور تکلیف کے فرشتے ہیں ہم ان کے اور وہ ہمارے دشمن ہیں۔ اگر وحی لے کر حضرت میکائیل آتے جو رحمت و راحت و تخفیف و راحت والے فرشتے ہیں تو ہمیں ماننے میں بھی تامل نہ ہوتا۔ میں نے کہا ”جہاں ملاؤ ان دونوں کی خدا کے نزدیک کیا قدر و منزلت ہے؟“ انہوں نے کہا کہ ایک تو جناب ہاری تعالیٰ کے دائیں طرف ہیں دوسرا دوسری طرف۔ میں نے کہا ”اللہ کی قسم جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں جو ان میں سے کسی کا دشمن ہو اس کا دشمن خدا بھی ہے اور دوسرا فرشتہ بھی جبریل کے دشمن سے میکائیل دوستی نہیں کر سکتے اور میکائیل کا دشمن جبریل کا دوست نہیں ہو سکتا۔ نہ انہیں سے کسی کا دشمن خدا کا دوست ہو سکتا ہے۔ نہ ان دونوں میں سے کوئی بے اجازت باری تعالیٰ کے زمین پر آسکتا ہے نہ کوئی کام کر سکتا ہے۔ واللہ مجھے نہ تم سے مانع ہے نہ خوف ہے۔ سنو جو شخص اللہ تعالیٰ کا دشمن ہو اس کے فرشتوں اس کے رسولوں اور جبریل و میکائیل کا دشمن ہو تو ایسے کافر کا خدا بھی دشمن ہے اتنا کہہ کر میں چلا آیا۔ حضور ﷺ کے پاس پہنچا تو آپ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا ”اے ابن خطاب! مجھ پر تازہ وحی نازل ہوئی ہے۔“ میں نے کہا ”حضور ﷺ نے فرمایا؟“ آپ نے یہی آیت پڑھ کر سنائی۔ میں نے کہا ”حضور ﷺ آپ پر میرے ماں باپ قربان یہی باتیں بھی ابھی یہودیوں سے میری ہو رہی تھیں۔ میں تو چاہتا تھا بلکہ اسی لئے حاضر ہوا تھا کہ آپ کو خبر کروں مگر میرے آنے سے پہلے لطیف خبر سننے دیکھنے والے خدا نے آپ ﷺ کو خبر پہنچا دی (۱)۔“

علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ یہ روایت منقطع ہے اس کی سند متصل نہیں کیونکہ شععی نے حضرت عمرؓ کا زمانہ نہیں پایا (۲)۔ امام شوکانی کہتے ہیں اس کے باوجود اس کی استناد صحیح ہیں (۳)۔

(۱) طبری ۱/۱۳۲، روایت ۳/۱۶۶، کبیر ۱/۱۳۱، (۲) کبیر ۱/۱۳۱، (۳) شوکانی ۱/۱۰۰۔

اس بات سے اس روایت کی صداقت پر کوئی حرف نہیں آتا کیونکہ مضمون کے اعتبار سے بالکل صحیح ہے کیونکہ صرف شعبی کے طریق پر ہی مروی نہیں ہے بلکہ اسے قتادہ، اسدی اور ابن ابی لیلیٰ نے بھی روایت کیا ہے <sup>(۱)</sup>۔ عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ یہود حضرت عمرؓ سے ملے اور کہا تمہارے دوست کے پاس جبریلؑ آتا ہے لیکن وہ ہمارا دشمن ہے اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا ”میں کماں عبد اللہ و ملائکہ و رسلہ و جبریل و میکائیل فان اللہ عدو لکافرین۔“ راوی کہتے ہیں ”فخرت علی لسان عمر (۲)۔“

اس آیت کے سبب نزول کے سلسلہ میں ایک واقعہ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ یہود کا مناظرہ خود سرور کو نہیں <sup>(۳)</sup> سے ہو۔ انہوں نے آکر کہا کہ ہم آپ سے چند سوالات پوچھتے ہیں جس کے صحیح جوابات نبی کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔ اگر آپ بچے نبی ہیں تو ان کے جوابات دیجئے۔ آپ نے فرمایا ”بہتر ہے جو چاہو پوچھو مگر عہد کرو کہ اگر ٹھیک ٹھیک جواب دوں تو میری نبوت کا اقرار کر دو گے اور میری فرمانبرداری میں لگ جاؤ گے۔“ انہوں نے وعدہ کیا اور دمہ داری قبول کی لیکن جب صحیح جوابات مل گئے تو اس بناء پر وہ اپنے وعدے سے منحرف ہو گئے کہ آپ کے پاس جبریلؑ وحی لے کر آتا ہے وہ ہمارا دشمن ہے اور میکائیل ہمارا دوست ہے <sup>(۴)</sup>۔ مفسرین نے دونوں واقعات رقم کئے ہیں بعض نے ایک کو دوسرے پر ترجیح دی ہے ہو سکتا ہے کہ دونوں واقعات ایک ساتھ رونما ہوئے ہوں۔ یہودی ایک جماعت رسول اللہ <sup>(۵)</sup> سے سوالات کر رہی ہو اور دوسری حضرت عمرؓ فاروقؓ سے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں واقعات قریب قریب رونما ہوئے ہوں اور بعد میں وحی نازل ہوئی ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک واقعہ بعد میں رونما ہوا ہو لیکن آیت کا اطلاق اس پر بھی کیا گیا ہو۔

ہمارے نزدیک دونوں روایتوں کو جمع کرنے کی صورت یہی ہے کہ دونوں واقعات کو ایک ساتھ مانا جائے لیکن اگر ترجیح دینی ہو تو حضرت عمرؓ کی موافقت و ملی روایت زیادہ قابل ترجیح ہے کیونکہ امام بخاری نے حضرت انسؓ سے جو روایت نقل کی ہے جو مفسرین کیلئے ایک قوی دلیل ہے اس میں یہ بات تو ہے کہ حضرت جبریلؑ میں نے نبی <sup>(۶)</sup> کو تمام سوالوں کے جوابات بتائے لیکن یہ نہیں ہے کہ مذکورہ آیت اسی سلسلے میں نازل ہوئی بلکہ یہ ہے کہ آپ نے یہ آیت پڑھی ”فقرا ہذہ الایۃ“ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نازل تو پہلے ہو چکی تھی لیکن اس کو آپ نے اس وقت تلاوت کیا کیونکہ یہود نے یہ کہا تھا کہ جبریلؑ یہود کا دشمن ہے جبکہ حضرت عمرؓ کے سلسلے میں جو روایات ہیں ان میں یہ صراحت ہے کہ پس یہ آیت نازل ہوئی (واللہ اعلم)۔

۵۔ حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی، ایک اور موافقت یہ بھی ہے ارشاد باری ہے ”والسفقون السبقون اولئذ المقربون فی جنت العیم ثلثۃ من الاولین و قبلہ من الآخرین“ <sup>(۷)</sup>۔ ”آگے والے تو پھر آگے والے ہی ہیں وہی تو مقرب لوگ ہیں۔ نعمت بھری جنتوں میں رہیں گے انگوٹوں میں سے بہت ہوں گے اور پچھلوں میں سے کم۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت کو سن کر حضور <sup>(۸)</sup> کی خدمت میں عرض کیا ”یا رسول اللہ <sup>(۹)</sup> کیا انکی امتوں میں سے بہت لوگ سابقین میں شامل ہوں گے درہم میں سے بہت کم لوگ؟“ اس کے ایک سال بعد یہ آیت نازل ہوئی ”ثلثۃ من الاولین و ثلثۃ من الآخرین“ <sup>(۱۰)</sup>۔ ”وہ انگوٹوں میں سے بھی بہت ہوں گے اور پچھلوں میں سے بھی بہت۔“

بی کریم <sup>(۱۱)</sup> نے حضرت عمرؓ کو بلا کر فرمایا ”سنو حضرت آدمؑ سے لے کر مجھ تک ایک ثلثہ ہے اور میری امت ایک ثلثہ ہے۔ ہم اپنے اس ثلثہ کو پورا کرنے

(۱) طبرانی ۱۳۴: ۱، مسکنی ۱: ۱۰۰، (۲) طبرانی ۱۳۹: ۱، ترمذی ۱۳۲: ۱، سیوطی ۱۲۴: ۱ (۳) تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو بحار، ۱۸۸: ۲، طبری ۱۳۱: ۱،

روزی ۲۱۶/۳، ترمذی ۱۳۰: ۱، طبرانی ۱۳۰: ۱، (۴) سورہ فوسفہ ۵۶: ۱، (۵) سورہ فوسفہ ۵۶: ۱، (۶) سورہ فوسفہ ۵۶: ۱، (۷) سورہ فوسفہ ۵۶: ۱، (۸) سورہ فوسفہ ۵۶: ۱، (۹) سورہ فوسفہ ۵۶: ۱، (۱۰) سورہ فوسفہ ۵۶: ۱، (۱۱) سورہ فوسفہ ۵۶: ۱۔

کیلئے ان صحیحوں کو بھی ساتھ لے میں گئے جو اونٹ کے چر رہے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے واحد و لاشریک ہونے کی شہادت دیتے ہیں (۱)۔ "ان تمام موافقات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ اجتہادی بصیرت سے نوازا تھا۔ خصوصاً اجتماعی معاملات میں آپ کے فہم و فراست بے مثال تھے۔ آپ کو ایک ایسی الہامی طبیعت نصیب ہوئی تھی کہ آپ سماجی اور عملی مسائل میں دین حق کی حکمتوں اور مصلحتوں کا ادراک کر لیتے۔ آپ کی فکر اسلام کے مزاج اور روح کی گہرائیوں میں اتار کر گوہر حقیقت تک رسائی حاصل کر لیتی۔ یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ آپ نے اپنے عہد حکمرانی میں نئے نئے اور پرچھ مسائل کو نہایت خوش اسلوبی سے حل کیا اور ایک ایسی عظیم اور فلاحی ریاست کا اسلامی تصور پیش کیا جو ہر دور کیلئے روشنی کا مندر ہے۔ آپ کو اس خدا داد بصیرت کا شعور تھا کبھی ایسا بھی ہو تاکہ آپ شکر کے طور پر خدا کے حضور سجدہ ریز ہو جاتے۔

ایک روز کعب احبار نے کہا کہ آسمان کا بادشاہ زمین کے بادشاہ پر افسوس کرتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "مگر اس بادشاہ پر نہیں جس نے اپنے نفس کو قابو میں رکھا" اور اس کو سن کر کعب احبار نے کہا واللہ التورات میں یہی الفاظ موجود ہیں۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سجدہ شکر میں گر گئے (۲)۔



## تعلق بالقرآن

### ۵. تعلق بالقرآن کے مختلف پہلو:

قرآن حکیم سے آپ کے تعلق کا مختلف عنوانات کے تحت جائزہ لیا جاسکتا ہے۔ مثلاً  
۱۔ صفاتی تعلق۔

قرآن حکیم کا ایک اہم نام ”مفرقان“ ہے جس کے معنی ہیں ہر وہ چیز جس کے ذریعے حق و باطل میں فرق و امتیاز ہو۔ اس کے مزید معانی میں دلیل و برہان، مدد و نصرت، صبح اور سحر کا ابتدائی وقت شامل ہیں<sup>(۱)</sup>۔ قرآن حکیم نے نہ صرف یہ کہ حق و باطل کا امتیاز واضح کیا بلکہ سچائی کی دلیل و حجت بھی بھرپور انداز میں پیش کی۔ جاہلیت کی تاریکیاں چھٹ گئیں اور علم و آگہی کی صبح نمودار ہوئی۔ ارشاد و بانی ہے ”شہر رمضان الہدیٰ مولیٰ فیہ القرآن ہدیٰ للناس و ہیئت من المہدیٰ والعرفان“<sup>(۲)</sup>۔ ”رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو، انسانوں کیلئے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو اور است دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں۔ یعنی ماہ رمضان کی عظمت و تقدس کی ایک وجہ اس فرقان کا نازل ہونا ہے۔ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کے ممبرک ہونے کی دلیل کے طور پر اسی فرقان کو بھی پیش کیا گیا ہے ”تبرک الہی مولیٰ الفرقان علی عبدہ لیکون للعلمین مدبراً“<sup>(۳)</sup>۔ ”(نہایت ممبرک ہے وہ جس نے یہ فرقان اپنے بندے پر نازل کیا تاکہ سارے جہاں والوں کیلئے خبردار کر دینے والا ہو۔)

کلام الہی کے فرقان ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ عقائد حق و باطل میں فرق کر دیتا ہے۔ سچ اور جھوٹی باتوں اور اچھے اور برے اعمال بالکل الگ الگ بیان کر دیتا ہے<sup>(۴)</sup>۔ قرآن حکیم کے اس نام کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ حلال و حرام کے مابین فرق کر دینے والی کتاب ہے<sup>(۵)</sup>۔ ادھر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا لقب ”انفادوق“ اس لئے کہ وہ حق کو باطل سے جدا کرنے والے تھے<sup>(۶)</sup>۔ ان کے ذریعے سے اسلام ظاہر ہو گیا<sup>(۷)</sup>۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا ”لقد فرق اللہ بہ بین الحق والباطل“<sup>(۸)</sup>۔ ”(کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے حق و باطل میں فرق کر دیا۔)

ایک حدیث کے مطابق خود رسول اللہ ﷺ انسانوں کے مابین تصدیق و تکذیب کی بناء پر مومنین اور کافرین کا فرق کرنے والے تھے<sup>(۹)</sup>۔ اللہ تعالیٰ نے میدان بدر میں حق و باطل کے پہلے مستح تصادم کو یوم فرقان کا نام دیا ہے۔ اس لئے کہ مسلمانوں کو فتح و نصرت حاصل ہوئی اور اہل دنیا کے سامنے حق و باطل کا امتیاز واضح ہو گیا<sup>(۱۰)</sup>۔ ارشاد ہوا ”وما ابولہا علی عبدنا یوم الفرقان“<sup>(۱۱)</sup>۔ ”ان ساری باتوں کو سامنے رکھیں تو قرآن حکیم سے حضرت عمر فاروقؓ کا فکری، صدیقی، مقصدی، جذباتی، اعتقادی اور عملی تعلق نکھر کر ہمارے سامنے آ جاتا ہے۔ قرآن حکیم نے حق و باطل کے جس فرق کو فکار و نظریات کے میدان میں واضح کیا، حضرت عمرؓ نے پوری جرأت و قوت سے سماجی و عمومی میدان میں آشکار کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کے پیروکاروں میں مخلص، جری اور قربانیاں دیئے و اے پر عزم و گوہ کی کوئی کمی نہیں تھی مگر حضرت عمرؓ نے قرآن حکیم کے علمبردار بنے تو پر عزم و عزم کے عزم میں عرض کیا

(۱) مفسر ۳۲۱، بوس ۵۶۹ (۲) سورہ البقرہ ۸۵ (۳) سورہ الفرقان ۱۲۵ (۴) وادع ۳۷۸ (۵) مفسر ۳۲۱، (۶) رعب ۳۷۸ (۷)

سبوطی ۱۱۳، جود ۱۳، مفسر ۳۲۱، (۸) سعد ۳، جودی ۱۴، امیر ۵۷، (۹) مفسر ۳۲۱، (۱۰) رعب ۳۷۸، مفسر ۳۲۱، (۱۱)

”والدی بعنک بالحق لاعلمه کما اعلمت الشریک“<sup>(۱)</sup>۔ ”قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے سامنے معوث فرمایا۔ میں سلام کا اسی قدر مکمل کر اعلان کروں گا جس طرح شرک کا کرتا تھا۔“

۲۔ فکری تعلق۔

آپ نے صرف اور صرف قرآن ہی سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا تھا۔ اس کے پس منظر میں ایک مسلسل سوچ بچار، چھان بھونک اور تدریج شامل تھی۔ اس طرح آپ کی اجتہاد کی بصیرت ایک تدریجی اور ارتقائی عمل سے گزر کر مستحکم ہوئی۔ وحی الہی کے مزاج و انداز کے سانچوں میں ڈھلتی رہی اور اس مقام تک پہنچ گئی جہاں خدا اور اس کے بندے کی مرضی جدا جدا نہیں رہتی۔ بقول اقبالؒ۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر شہر سے پہلے

خدا بندے سے خود پوچھے تا تیری رضا کیا ہے<sup>(۲)</sup>

حدیث میں آتا ہے ”رضا اللہ رضا عمرو و رضا عمرو رضا اللہ“<sup>(۳)</sup>۔ پھر اس میں عجیب بات کیا ہے کہ بے شمار مقامات پر آپ کی رائے رضا الہی سے ہم آہنگ ہوئی۔ جیسا کہ قبول اسلام کے واقعات میں بیان ہو چکا ہے کہ آپ نے پہلی مرتبہ قرآن مجید سنا تو انتہائی آواز کے باوجود اس کی فصاحت و بلاغت، زور بیان اور سوز و گداز سے بے حد متاثر ہوئے<sup>(۴)</sup>۔ دوسری مرتبہ سنا اس کے اسلوب بیان نے انہیں ششدر کر دیا۔ اس کے طرز استدلال نے ان کے ذہن کو جکڑ لیا اور ان آیات کا سنا کر تاپڑا۔ ”انہ لقول رسول کریم وما هو بقول شاعر فلیلا ما تؤمنون ولا بقول کاهن فلیلا ماتدکرون فسریل من رب العلمین ولو تقول علیا بعض الاقاریل لا خدامہ بالیمین ثم لقطعنا منہ الوئیں لہما منکم من احد عنہ حجریں وانہ لندکرة للمتقیں وانہ لعلہم انکم مکذبین وانہ لحسرة علی الکفرین وانہ لحق البقیں فسبح باسم ربک العظیم“<sup>(۵)</sup>۔

اگر ہم ان آیات پر غور کریں اور ساتھ ہی آپ کی قلبی و ذہنی کیفیت کا اندازہ لگائیں تو ہم آپ کی بصیرت پر امنٹ اثرات کا کھوج لگا سکتے ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ آپ کے ذہن میں قرآن کی دعوت اور حال قرآن کی شخصیت کے بارے میں بہت سے شکوک و شبہات پائے جاتے تھے۔ وہ لمحہ بہ لمحہ ابھر رہے تھے اور ایک ایک کر کے ان کا جواب آرہا تھا۔ پھر اعتراضات کا جواز ختم ہو گیا۔ انتہائی پر یقین انداز میں کہہ دیا گیا کہ یہ تو رب العالمین کا کلام ہے اور پھر پر زور انداز میں یہ بات کہ اس نبی کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی کہ ہم پر صوفی بات منسوب کرے۔ ہم اس کی دگ گردن کاٹ ڈالتے اس سے خدا کے کام ہونے کو ہر قسم کے شک و شبہ سے نکال بیٹھا اور آخر میں جھلنے والوں کی حسرت و ناکامی کا ذکر کرتے ہوئے اس بات کو ثابت کر دیا گیا کہ ان کے پاس دلیل کی قوت ختم ہو چکی ہے اور پھر اس کی صداقت کا یہ بے شک اظہار کہ ”انہ لحق البقیں“ اور آنحضور ﷺ کو اپنے رب کی تسبیح کی نصیحت کر کے کلام کا خاتمہ۔ ان آیات نے نہ صرف یہ کہ آپ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا بلکہ دس کی تھاہ گہرائیوں میں اتر گئیں اور اس کی ہر ہر حرکن کو اپنا ہوا بنالیا۔ بقول آپ کے ”فوقع فی قلبی الاسلام کل موقع“<sup>(۶)</sup>۔

اس واقعے کے بعد تو عالم یہ ہو گیا کہ قرآن کو سننے کیلئے بے چین و مضطرب رہنے لگے۔ ہر وقت یہی آرزو دل میں موجزن رہتی کہ چند آیات ہی سننے کا موقع مل سکے۔ اس کی علامات سے فیض یاب ہونے کیلئے ایک رات محمد مصطفیٰ ﷺ کو تلاش کرتے کرتے خانہ خدا کے غلاب کے پیچھے جا پیچھے۔ ب کے قرآن سنا تو وقت قلبی سے رو پڑے اور سلام میں دل طے کی رو کو کچھ اور کھل گئی۔ خود ہی بیان کرتے ہیں ”فلما سمعت القرآن رق له قلبی فیکت و حلیی الاسلام“<sup>(۷)</sup>۔

(۱) بحار، ۱: ۱۰۴، سیدہ ۱۶، ۲۱۹ (۲) مال حریق ۵۵ (۳) مسی ۱۱، ۵۷۹ (۴) یہ ۱۴، ۳۱۹ (۵) سورہ فتح ۶۹، ۲۸، ۵۲ (۶) سیرطی، ۱: ۱۱۰ (۷) مشاہیر، ۱: ۳۷۲۔

قبول سام سے قبل تو یہ الم تھا کہ اس کتاب کو بذات خود پڑھنے کیلئے بچیں تھے۔ ان سے مانگی تو انہوں نے دینے میں ہچکچاہٹ کی۔ اس پر معبودوں کی قسمیں کھانے لگے کہ اسے پڑھ کر ضرور واپس کر دوں گا۔ انہوں نے جب یہ کہا کہ ناپاک اس کو ہاتھ نہیں لگا سکتا غسل تک کر لیا<sup>(۱)</sup>۔ جب دیکھا تو قرآنی آیات نے اندر کی کائنات ہی پس ڈالی۔ اس صحیفے پر مختلف سورتوں کی آیات رقم تھیں۔ خود فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ لکھا ہوا تھا۔ میں نے اللہ کا نام دیکھا تو کانپ گیا اور کتاب ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ جب ذرا میرے اوسان بجا ہوئے تو میں نے پھر اٹھا کر پڑھا تو یہ آیات لکھی تھیں ”سبح لله ما فی السموات والارض وهو العزیز الحکیم له ملک السموات والارض یحیی ویمیت وهو علی کل شیء قدیر هو الاول والآخر والظاهر والباطن وهو بکل شیء علیم هو الذی خلق السموات والارض فی ستة ایام ثم استوی علی العرش یعلم ما یبلغ فی الارض وما یخرج منها وما یرسل من السماء وما یرجع فیها وهو معکم ایما کتم واللہ ما تعملون بصیر له ملک السموات والارض والی اللہ ترجع الامور ویولج الہمار فی اللیل وهو علیم بکتاب الصدور اموا باللہ ورسوله واسفقوا مما جعلکم مستخلفین فیہ فالذین آمنوا منکم واسفقوا لہم اجر کبیر وما لکم لاتؤمنون باللہ والرسول یدعوکم لتؤمنوا بریکم وقد احدث مینا فکم ان کتمتم مو میں (۲)۔“

ان آیات کو پڑھتے وقت جب بھی اللہ تعالیٰ کا نام آتا کاپ اٹھتے۔ اس کی تائید وحاکیت اس کا زبردست حائقور ہوتا انتہائی حکیم ہوتا آسمانوں اور زمین کا تہہ مالک ہوتا اور زندگی و موت پر قدرت رکھتا۔ نہ صرف اول و آخر ہوتا بلکہ ظاہر و باطن کے ہر کہیں میں جلوہ گر ہوتا اور ہر چیز کے ہر بعد سے کلی طور پر واقف ہوتا یہ سب باتیں واقعی کسی صاحب عقل و دانش کو لڑا دینے کیلئے کافی ہیں۔ ان آیات میں خالق کائنات کائنات نور انسان کی اپنی حقیقت کو انتہائی جامع اور بیخ انداز میں کھول کر رکھ دیا گیا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی قوت قدرت بادشاہی ملکیت علم کلی کی صفات کا ایسے دو نوک انداز میں ذکر ہے کہ واقعی ایک فہم و فراست رکھنے وال آدمی ان پر غور کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ توحید کیلئے آفاقی دلائل پیش کرنے کے ساتھ ساتھ انسان کی حیثیت خلیفہ اور عہد و میثاق کو یاد دہا کر ایک عظیم ترجمت قائم کر دی گئی ہے۔ انہیں پڑھنے کے بعد آگے بڑھے تو سورہ طہ کی ان آیات نے چونکا دیا ”طہ ما نزلنا علیک القرآن لتشفی الا تذکرة لمن یخشی تعزیرا من خلق الارض والسموات العلوی الرحمن علی العرش استوی۔ له ما فی السموات وما فی الارض وما بینہما وما تحت الثری وان نخرجہم بالقول فانه یعلم السر و اخی فی اللہ لا الہ الا هو له الاسماء الحسنی (۳)۔“

خالق کائنات کی عظمت کا نقش دل پر ثبت ہوتے ہی اس کے کلام برحق کی عظمت و حیثیت کا اعلاں اور نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے بالواسطہ طور پر مخاطب اللہ ہونے کا اظہار اور پھر یہ کہ اس کو ماننے والے جن مشقتوں سے دوچار ہیں قرآن کا مقصود یہ نہیں بلکہ یہ ہمہ گیر نصیحت ہے پھر اس شخص کیلئے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے گویا یہ مقصد اس قدر عظیم ہے کہ اس کی رگوں میں تکلیفیں پیچ ہیں اور پھر اس کے نازل کرنے والے کی عظمت و کبریائی ظاہر و چھپی ہوئی ہر بات سے آگہی الوہیت و وحدانیت تمام اچھے ناموں کا مالک و مستحق یعنی اس کا اعتراف کرتے ہوئے تو قرآن کی دعوت کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ حضرت عمرؓ کے دل میں عظمت قرآن جاگزیں ہو گئی۔ بولے ”کیا قریشی اس سے بھاگتے ہیں؟“ پھر آگے پڑھنے لگے جب اللہ تعالیٰ اس قول پر پہنچے ”اسی اما اللہ لا الہ الا انا فاعبدنی واقم الصلوٰۃ لذکری ان الساعة اتینا اکادا احیہا لتجری کل نفس بما تسعى فلا یصدک عہا من لا یومن بها واتبع ہواہ ہتدی (۵)۔“ (بے شک میں اللہ ہوں میرے سوائے کوئی معبود نہیں تم میری ہی عبادت کرو اور میری ہی یاد میں نماز قائم کرو ورنہ شبہ قیامت آنے والا ہے۔ میں اسے

(۱) حصہ ۳۶۹ صفحہ ۲۶۸ (۲) سورہ فتحہ ۱۰۷ (۳) سورہ طہ ۱۲۸ (۴) سورہ ۱۱ (۵) سورہ طہ ۴۲۔ ۱۶

پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تاکہ بدلہ نہ دیا جائے ہر نفس کو اس کے اعمال کا لہذا تمہیں اس سے نہ روک دے وہ شخص جو اس پر ایمان نہیں لائے اور اپنی خواہشات کا اتباع کرتا ہے نہیں تم ہلاک نہ ہو جاؤ۔) حضرت عمرؓ نے کہا ”جو ذات ایسی باتیں کہتی ہے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا چاہئے مجھے بتاؤ محمد ﷺ کہاں ہیں؟“ (۱)۔

قبورِ مسام کے بعد قرآن سے تعلق اور زیادہ گہر ہو گیا۔ اب بہت بڑے عالم اور قاری بن گئے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ”ما راہت وجلالہ اعلم باللہ ولا افرأ کتاب اللہ ولا افہم فی الدین“ (۲)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ہم سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کے عالم و قاری تھے۔ ”کان عمر انقاد للرب وافرأنا لکتاب اللہ“ (۳)۔ ”زید بن وہب سے مروی ہے کہ ابن مسعود کے پاس قرآن کی ایک آیت کی قرأت پوچھنے آیا۔ انہوں نے مجھے اس کی قرأت اس طرح بتائی۔ میں نے ان کی قرأت کے خلاف کہا کہ عمرؓ نے مجھے اس طرح قرأت بتائی تھی۔ وہ رونے لگے یہاں تک کہ میں نے ان کے آنسو سنگریزوں کے درمیان دیکھے۔ پھر فرمایا کہ اسی طرح پڑھو جس طرح تمہیں عمرؓ نے اس کی قرأت بتائی۔ واللہ یہ السیاحین کے رستے سے بھی زیادہ واضح ہے کہ عمرؓ اسلام کیسے ایک محفوظ قلم تھے۔ مسام میں داخل ہوا تھا اور اس سے ٹکنا تھا۔ جب عمرؓ قتل کر دیئے گئے تو قلعے میں درز پڑ گئی اب اسلام اس سے لکھا ہے اور داخل نہیں ہوا“ (۴)۔

### ۳۔ جذباتی تعلق:

اس تعلق کی انتہا کا یہ عالم تھا کہ عموماً قرآن پڑھتے ہوئے آپ پر رقت طاری ہو جاتی۔ روایت از علقمہ بن وقاص اللیثی ”عمرؓ عشاء کی نماز میں سورہ یوسف کی تلاوت کیا کرتے اور اکثر و بیشتر میں آخری صف میں کھڑا ہوتا اور یوسف علیہ السلام سے متعلق قرآنی آیتیں تلاوت کرتے وقت مجھے حضرت عمرؓ کے رونے کی آواز صاف سنائی دیتی“ (۵)۔ ”اسامیل بن محمد بن یوسف نے عبداللہ بن شداد کا قول نقل کیا ہے ”وانما اشکوا ہنی وحرنی الی اللہ“ (یعنی میں اپنے قلبی اضطراب اور حزن وصال کی شکایت صرف اللہ سے کرتا ہوں) پر پہنچے تو ہاوجود آخری صفوں میں ہونے کے ان کی صدائے گریہ مجھے صاف سنائی دی“ (۶)۔ ابن عمرؓ کا بیان بھی سی نوعیت کا ہے کہ نہیں تیری صف میں ہونے کے باوجود اپنے والد کے رونے کی آواز واضح طور پر سنائی دیتی تھی“ (۷)۔

عبداللہ بن عیسیٰ کا قول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چہرے پر سیاہ نشان تھے۔ یہ نشان جو گھوڑے کے نعل سے کسی کی پشت پر پڑ جائیں۔ حسن نے ہمیں بتایا کہ رات کو تلاوت کرتے کرتے حضرت عمرؓ جب کسی مخصوص آیت کی تلاوت کرتے تو ان پر رقت طاری ہو جاتی اور کبھی کبھی تو وہ روتے روتے گر پڑتے۔ کھڑا اس شدت تاثر کے نتیجہ میں وہ بیمار تک ہو جاتے۔ یہ کہ لوگ عبادت کو آنے لگتے۔ ابن عباس نے ایک بار حضرت عمرؓ کو اس شدت سے روتے دیکھا تھا کہ ان کی پسلیاں تک بل رہی تھیں“ (۸)۔

”آپ نے ایک مرتبہ ایک تارک الدنیا عیسائی راہب کو دیکھا کہ وہ اپنے صومعہ میں مشغول عبادت ہے۔ آپ نے اس سے ”وازدی“ ”راہب راہب ذرا سنا۔“ راہب نے سر کمال کر باہر کی طرف دیکھا آپ اسے دیکھتے ہی رونے لگے۔

راہب نے پوچھا۔ ”یہ آپ کیوں روتے ہیں؟“

جواب میں یہ آیت تلاوت فرمائی ”وجوہ یومذ حاشعہ“ عاملۃ ناصبۃ تصلی مارا حامیہ“ (۹)۔ ”(کچھ چہرے اس روز خوفزدہ ہو گئے، تھکے جاتے ہو گئے،

(۱) جلد ۱ ص ۱۱ (۲) مسیح ۱۶، ۲۶، ۴۱ (۳) حاکم ۳، ۸۶ (۴) سعد ۳، ۲۷۱، ۱۲، ۳۴ (۵) جلد ۱، ۶۶۷، ۶ (جلد ۱، ۱۶۷، ۷) جلد ۱، ۱۶۸

(۸) جلد ۱، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰ (۹) سورہ العاصیہ ۸۸، ۸۹

شدید آگ میں جھلس رہے ہوں گے۔) فرمانے لگے میں اسی وجہ سے رو رہا تھا<sup>(۱)</sup>۔

## O ..... تفسیری ذوق و شوق:

۱۔ رسول اللہ سے تفسیر پوچھنا۔

آپ کا یہ جذباتی تعلق سچی نہیں تھا بلکہ قرآن کی بیان کردہ حقیقتوں اور صد اقول پر گہرے ایمان اور یقین کا نتیجہ تھا۔ اس لئے آپ کو ہمیشہ معانی و مطالب جاننے کی فکر دامن گیر رہتی۔ اس سلسلے میں ہدیٰ برحق ﷺ سے پوچھنے میں دوسرے صحابہ کرام کی بہ نسبت زیادہ جری تھے۔ اس سلسلے میں کبھی شرم و جھجک رکاوٹ نہیں بنتی تھی۔ حضرت عمرؓ خود ہی روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری ”فصمہم شقی وسعید فاما الدین شقوا فصم النار لهم فیہا وغیر و شہیق“<sup>(۲)</sup>۔ ”(قیامت کے روز) کچھ لوگ بد بخت ہوں گے اور کچھ نیک بخت ہو جائیں گے وہ دوزخ میں جائیں گے (جہاں پر گری و پیس) کی شدت سے ہاتھیں گے اور پھٹکارے ماریں گے۔“

میں نے پوچھا ”کہ اے اللہ کے نبی ﷺ ہم کس چیز کے مطابق عمل کرتے ہیں؟“ کہا ”ہم ایسی چیز کے موافق عمل کرتے ہیں جس سے فراغت ہو چکی ہے یا ایسی چیز جس سے فراغت نہیں ہوتی“ (یعنی کیا نامہ اعمال پیسے سے لکھا ہوا ہے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”تم ایسی چیز کے مطابق عمل کرتے ہو جس سے فراغت ہو چکی ہے۔ اے عمرؓ قلم جاری ہو چکے ہیں لیکن ہر شخص پر وہی آسان ہے جس کیلئے وہ پیدا کیا گیا ہے“<sup>(۳)</sup>۔ یعنی بن امیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”فلیس علیکم حاح ان تفصروا من الصلوة ان عصم ان یمتکم الدین کھرو“<sup>(۴)</sup>۔ ”اب تو لوگ! امن میں ہو گئے ہیں (یعنی کیا اب بھی قعر ضروری ہے) حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ مجھے بھی یہی تعجب ہوا جیسا کہ تمہیں ہو ہے۔ تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہی بات پوچھی تو انہوں نے ارشاد فرمایا ”صدقة تصدق اللہ بها علیکم فاقبلوا صدقۃ“<sup>(۵)</sup>۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت اتری ”والدین یکنون الذهب والفضة ولا یفقوہا فی سبیل اللہ لبشرہم بعداہ الہم“<sup>(۶)</sup>۔ ”تو صحابہ کرام کو بہت شاق گزری۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں یہ مشکل رفع کرتا ہوں۔ پھر وہ گئے اور عرض کیا اے اللہ کے نبی ﷺ! یہ آیت آپ کے صحابہ کرام پر بہت شاق گزری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”ان اللہ لم یفرض الزکوۃ الا لیطوب عابقی من اموالکم وانما فرض المواریث لتکون لمن بعدکم۔“ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے مرہ نگیر بلند کیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”کیا میں تمہیں سب سے بہتر کرنے کی خبر دوں جو کوئی شخص جمع کرے؟“<sup>(۷)</sup> ”(المرأة الصالحة اذا نظر الیہا سرته وادامرہا اطاعتہ و اذا غاب عہا حفظہ)“<sup>(۸)</sup>۔

۲۔ صحابہ کرامؓ سے تفسیر پوچھنا:

آپ اس میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے کہ اگر کسی آیت کے مطلب میں کہیں اشتباہ ہو تو دوسرے اصحاب سے پوچھ لیں۔ اس سلسلے میں چھوٹے بڑے کی کوئی قید نہیں ہوتی تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھ سے دوسرے اصحاب انہی ﷺ کے سامنے مسئلہ پوچھا کرتے تھے۔ ایک دن حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ آپ ان سے مسئلہ پوچھتے ہیں جبکہ وہ ۱۱۵ سال کی عمر میں تھے۔ حضرت عمرؓ نے

(۱) حورث ۱۸۸۴ (۲) سورہ ہود ۵۱-۶۱ (۳) ترمذی ۳۵۲/۱ حبل ۱۲۱ معنی ۳۷۸ (۴) سورہ النساء ۱۱ (۵) مسند ۱۲۳

حبل ۱۲۹/۱ نسائی ۱۱۶/۳ ترمذی ۱۵۱/۱ (۶) سورہ التوبہ ۹۷ (۷) (۲) دلائل ۱۶۹/۲۔

جواب دیا کہ میں اس بات کو خوب جانتا ہوں جس وجہ سے میں مسئلہ پوچھتا ہوں۔ پھر آپ نے مجھ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا۔ ”اذا جاء نصر الله والفتح (۱)۔“ میں نے کہا کہ ”اس میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر دی ہے اور یہ سورہ آخر تک پڑھی۔“ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”واللہ میں بھی دی جانتا ہوں جو تم جانتے ہو (۲)۔“

ابو نعیم نے محمد بن کعب القرظی سے روایت کی ہے کہ ابن عباسؓ نے کہا ”عمر بن الخطابؓ نے صحابہ کی ایک جماعت میں بیٹھ کر بانہم لیلۃ القدر کا ذکر پھیلایا اور ہر شخص نے جو کچھ اس بارے میں اسے معلوم تھا وہ بیان کر دیا پھر حضرت عمرؓ نے مجھ سے کہا ”ابن عباسؓ تم کیوں چپ ہو اور کچھ نہیں کہتے۔ تم اپنی کم سنی کا خیال نہ کرو اور جو کہنا ہے ضرور کہو۔“ میں نے یہ اشارہ پا کر کہا ”امیر المؤمنین! اللہ تعالیٰ طاق ہے اور وہ طاق عدد کو محبوب رکھتا ہے۔ اس نے دنیا کے دنوں کو سات کی تعداد پر دوڑا و ساز کیا ہے۔ انسان کی حلقہ سات (ادوار میں) کی ہے۔ ہماری روزیوں کو سات (تغیرات) سے پیدا فرماتا ہے۔ ہمارے سروں پر سات آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور ہمارے قدموں کے تلے سات حق زمین کے پیدا فرمائے۔ سات ہی غنی (آیتیں) عطا کی ہیں۔ اپنی کتاب کو ہم میں سات قرابت مندوں سے نکاح کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ اپنی کتاب ہی میں میراث کو سات وارثوں پر تقسیم فرمایا ہے۔ ہم لوگ سجدہ کرنے کی حالت میں اپنے بدن کے سات حصوں کو زمین پر لگایا کرتے ہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے خانہ کعبہ کے سات ہی طواف فرمائے۔ صفا و مروہ کے مابین سات ہی بار دوڑے اور شیطانوں کو بھی سات سات ہی تنگنریاں دیں لہذا میرا خیال ہے کہ لیلۃ القدر بھی ہمارے مضان کی آخری سات راتوں ہی میں ہوگی۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ بات سن کر متحجب ہوئے اور انہوں نے کہا ”اس بارے میں مجزاس کسن لڑ کے جس کو ابھی جوئی کے زمانے میں بھی قدم رکھنا نصیب نہیں ہوا اور کسی نے میری موافقت نہیں کی ہے۔“ یعنی بس ایک ہی میرا ہم خیال ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا ”کیوں صاحبو! اس مطلب کو میرے سامنے اس طرح کون ادا کرے گا جس طرح کہ ابن عباسؓ نے ادا کیا ہے (۳)۔“

ابن عباسؓ سے مسئلہ پوچھنے کی وجہ جس کی طرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اشارہ کیا ہے یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے نہیں اپنے سینے سے لگایا تھا اور فرمایا تھا ”اللہم علمہ الحکمۃ (۴)۔“ ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ سے پوچھا کہ آپ حضرات کا کیا خیال ہے کہ یہ آیت کس سلسلے میں نازل ہوئی ”ایو واحد کم ال نکون له جنۃ من بحبل و اعاب نجرى من تحتها الا نهر له فیہا من کل الثمرات و احبابہ الکبر و له ذریۃ ضعیفاء (۵)۔“ سب نے کہا اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے جواب سن کر بہت غصے ہوئے اور فرمایا کہ صاف جواب دیجئے کہ آپ لوگوں کو اس سلسلے میں کچھ معلوم ہے یا نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے عرض کیا ”امیر المؤمنین! میرے ذہن میں اس سے متعلق کچھ چیز ہے۔“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ”بیٹے کہو اور اپنے آپ کو حقیر مت سمجھو۔“ ابن عباسؓ نے عرض کیا ”اس میں عمل کی مثال بیان کی گئی ہے۔“ پوچھا ”کیسے عمل کی؟“ عرض کیا ”عمل کی۔“ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا ”در اصل ایک مادر شخص کی مثال بیان کی گئی ہے جو پہلے تو اللہ عزوجل کی اطاعت کرتا تھا لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر شیطان کو مسلط کر دیا اور وہ معاصی میں مبتلا ہو گیا اور اس کے سارے اعمال عبادت ہو گئے (۶)۔“

اس روایت سے قرآن مجید کے سمجھنے اور سمجھانے کے سلسلے میں حضرت عمرؓ کی پالیسی کے بہت سے پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔

(۱) سورہ النصر ۱۱۰ (۲) ترمذی، ۵۱۷، ۱۲، مسند طبری، ۵۱۷، ۲۶۸، ۱۱۱ (۳) مسند طبری، ۱۸۸، ۲۵۷، ۱۱۰، ۲ (۴) بخاری، ۴، ۲۱۷

ترمذی، ۳۴۴/۵ (۵) سورہ البقرہ ۲۶۶ (۶) بخاری، ۱۶۶۲/۵، مسند طبری، ۱۸۸، ۱۳۲/۲

- ☆ ایک یہ کہ آپ صہؐ کرام کی توجہ آیات کی طرف دلاتے رہتے تھے تاکہ وہ ان پر غور و خوض کرتے رہیں۔
- ☆ دوسرے یہ کہ آپ مشاورتی طریق کار اختیار کرتے تاکہ صحیح مفہوم تک پہنچنے میں مدد ملے اور غلطی کا احتمال نہ رہے۔
- ☆ تیسرا یہ کہ وفات النبی ﷺ کے بعد لوگوں کے اندر معانی و مفہوم کے بارے میں اعتماد پیدا ہوا اور وہ اپنی ذمہ داری کو محسوس کریں۔
- ☆ چوتھا یہ کہ جس کے دہن میں مفہوم ہو وہ بنا جھجک پیش کرے اور اس کو چھپا کر نہ رکھے تاکہ ایک طرف کتمان علم سے بچ سکے اور دوسری طرف اس کی تہذیب و تصحیح ہو سکے۔

- ☆ پانچواں یہ کہ قرآن کی سمجھ اور فہم کا تعلق عمر سے نہیں بلکہ ذوق سے ہے۔ چھوٹی عمر کے لوگوں کی جس قدر حوصلہ افزائی کی جائے گی ان میں ذوق اسی قدر بڑھے گا اور بڑے ہو کر دینی فرائض بہتر طور پر پورا کرنے کے قابل ہو سکیں گے۔
- ☆ چھٹا یہ کہ آپ اپنی تشریح و تاویل بھی کھول کر سامنے رکھ دیتے تاکہ لوگ اس سے استفادہ بھی کر سکیں اور اگر اس کے برعکس کوئی بات ہو تو اس کو بیان بھی کر سکیں۔

مذکورہ بالا مقاصد کو حاصل کرنے کیلئے قرآن حکیم کے علماء اور قاریوں کو شریک مشورہ رکھتے۔ اس کیلئے انہوں نے ہر قاعدہ ایک مجلس قائم کر رکھی تھی۔ اس میں بوزھے اور جوان سب شامل ہوتے تھے۔ بقول ابن عباسؓ ”کان القراء اصحاب مجلس عمر و مشاورتہ کھولا کھولا او شہانا“<sup>(۱)</sup>۔ ”آپ قرآن حکیم کو سمجھنے اور اس کو عملی زندگی کا حصہ بنانے میں کس قدر حریص تھے اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے سورہ البقرہ سیکھنے میں بارہ سال صرف کئے اور ختم کرنے کے بعد قربانیاں کیں۔ بقول ابن عمرؓ ”تعلم عمر بن الخطاب البقرۃ فی اثنی عشرۃ سۃ فلما حتمھا بحر جرودا“<sup>(۲)</sup>۔ ”اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہوگا کہ بس اسی سورہ ہی میں مشغول رہے بلکہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پورے قرآن مجید پر غور و خوض کے ساتھ ساتھ اس کو بطور خاص اپنی فکر و تدبیر کا مرکز و محور بنائے رکھا۔

### ۳۔ شان نزول سے واقفیت:

آپ کی اجتہادی بصیرت کا دار و مدار قرآن فہمی پر تھا آپ خود مفسر قرآن تھے۔ بہت سی آیات کے بارے میں آپ کی آراء حدیث فقہ اور تاریخ کی کتابوں میں ہیں۔ آپ کثر آیات کے شان نزول سے واقف تھے۔ اس لئے ان کے مطالب و مفاہیم کو جاننے اور متعین کرنے پر پوری طرح قادر تھے۔ اس پر قرآن سے خصوصی دلچسپی نے ہمیشہ کا کام کیا۔ طارق بن شہاب روایت کرتے ہیں کہ یہود نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ تم لوگ ایک آیت پڑھتے ہو۔ اگر وہ آیت ہم پر اتنی تو اس دن عید مناتے۔ وہ آیت یہ ہے ”الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا“<sup>(۳)</sup>۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا میں جانتا ہوں کہ یہ آیت کہاں اتری کس دن اتری اور کس وقت اتری۔ یہ آیت عرفات میں اتری جب رسول اللہ ﷺ وہاں غنیمتے ہوئے تھے اور اس روز جمعہ تھا<sup>(۴)</sup>۔ یعنی یوم عرفہ بھی مسلمانوں کی عید کا دن ہے اور جمعہ کو بھی خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ سے پوچھا ”اے امیر المؤمنین انبی کریم ﷺ کی نزول میں دو دیو یاں کون سی ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”ان تعوبا الی اللہ فقد صغت قلوبکما“<sup>(۵)</sup>۔“

(۱) بحرہ: ۸، ۱۴۱ (۲) جوری: ۱۸۸ (۳) سورہ فہمائد: ۳ (۴) مسند: ۲۳۸، ۸، ۲۲۸، ۲۱۶/۲، مسانی: ۲۰۱، ۲۰۱، ۱۹ (۵) سورہ التحریم: ۴۶۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر فرمایا ”ابن عباس تم پر حیرت ہے وہ عائشہ اور حفصہ ہیں۔“ پھر آپ نے تفصیل کے ساتھ حدیث بیان کرنا شروع کی (۱)۔ ایک مرتبہ آپ سے پوچھا گیا کہ اس آیت کے معنی کیا ہیں ”وَادْعُوا دُرَيْكَم مِّنْ بَنِي آدَمَ مِمَّنْ ظَهَرَ مِنْهُمْ وَذُرِّيَّتَهُمْ أَشْهَدُ هُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَنَّهُمْ بِالْآيَةِ الْفَلْحَةِ الْيَوْمِ الْقَلِيمَةِ إِذَا نَادَىٰ هَذَا غُلَامٌ“ (۲)۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ ”رسول اللہ ﷺ سے بھی اس آیت کی تفسیر کا سوال ہوا آپ نے فرمایا کہ اللہ جل جلالہ نے آدم کو پیدا کیا پھر ان کی بیٹھ پر اپنا دایہ ہاتھ پھیرا اور اولاد نکالی اور فرمایا میں نے ان کو جہنم کیلئے پیدا کیا اور یہ لوگ جنتیوں کے کام کریں گے پھر ہاتھ پھیرا ال کی بیٹھ پر اور اولاد نکالی۔ فرمایا میں نے ان کو جہنم کیلئے پیدا کیا اور یہ جہنمیوں کے کام کریں گے۔“ ایک شخص بولا ”یا رسول اللہ ﷺ پھر عمل کرنے سے کیا فائدہ؟“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اللہ جب پیدا کرتا ہے کسی بندے کو جنت کے واسطے تو اس سے جنتیوں کے کام کرواتا ہے اور موت کے وقت بھی وہ نیک عمل کر کے مرتا ہے تو اللہ جل جلالہ اسے جنت میں داخل کرتا ہے اور جب کسی بندے کو جہنم کیلئے پیدا کرتا ہے تو اس سے جہنمیوں کے کام کرتا ہے اور یہاں تک کہ موت کے وقت بھی وہ برے کام پر مرتا ہے تو اسے جہنم میں داخل کرتا ہے (۳)۔“

ہجرت مدینہ کیلئے آپ نکلے تو پردہ گرام کے مطابق حضرت ہشام بن العاص نے بھی آپ کے ساتھ آملنا تھا لیکن کافروں نے انہیں قید کر لیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہمیشہ ان کی فکر دامن گیر تھی۔ خود فرماتے ہیں ”ہم کہا کرتے تھے کہ جو لوگ کفار ہی میں رہ گئے اللہ نہ تو ان کی توبہ قبول کرے گا نہ کوئی نذیر یا قربانی کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے خدا کو پچھانا پھر معصیت پڑنے کی وجہ سے کفار سے مل گئے۔ مگر جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لے آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اور ہماری ان باتوں کے بارے میں یہ آیتیں نازل فرمائیں ”قُلْ بِاعْبَادِيَ الَّذِينَ اسْرِفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْضُوا مِنْ رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ اللَّيْلُ بِمَا يَشَاءُ إِنَّهُ هُوَ الْعَفُوفُ الرَّحِيمُ وَانْصِبُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَأَسْلَمُوا لَهُ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ لَمْ يَلْتَمِسُوا أَحْسَنَ مَا أَوْصَىٰ بِهِمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بِغَضَبٍ وَانْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ“ (۴)۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ آیتیں ایک درق پر لکھیں اور ہشام بن العاص کو بھیج دیں۔ ہشام کہتے ہیں کہ ”جب یہ چٹھی مجھے ملی تو میں ان آیتوں کو ہر بار پڑھتا تھا مگر میری سمجھ میں کچھ بھی نہ آتا تھا۔ آخر میں کہنے لگا ”اے اللہ اچھے ان آیتوں کا مطلب سمجھا دے۔“ یہ دعا کرتے ہی میرے دل میں یہ بات پیدا ہوئی کہ یہ آیتیں ہمارے بارے میں نازل ہوئی ہیں کیونکہ لوگ اور خود ہم اپنے بارے میں نامعلوم کیا کیا کہتے تھے (۵)۔“ رسول اکرم ﷺ کے مشیر خاص ہونے کی وجہ سے اکثر مواقع پر آپ کو وفات کا شرف حاصل رہا۔ بارہا آپ نے وحی کے نزول کی کیفیت اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کی۔ آپ سے روایت ہے ”رسول اللہ ﷺ پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو آپ کے منہ کے پاس شہد کی مکھی کی سی جھنجھٹ سی جاتی تھی۔ ایک دن وحی اترے لگی تو ہم گھڑی بھر کیسے ٹھہر گئے۔ آپ سے قبلہ رخ ہو کر ہاتھ اٹھائے اور یہ دعا فرمائی ”اللهم ردنا ولا نقصنا واکرمنا ولا تنهنا واعطنا ولا تحرمنا واتنا ولا تؤنر علينا وارحمنا“ پھر آپ نے (ہماری طرف مخاطب ہو کر) فرمایا ”آج مجھ پر دس ایسی آیات اتری ہیں کہ جو ان پر قائم رہے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔“ پھر آپ نے ہمارے سامنے یہ آیات تلاوت فرمائیں (۶) ”قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ

(۱) بخاری ۱۴۷/۲، سنن ۱۳۷/۱، حبل ۲۵۲/۱ (۲) سورہ الاعراف ۱۷۲/۲ (۳) مائتہ ۸۹۸، رمذی ۶۳/۵، حبل ۲۹/۱ (۴) ۵۵۳۳۹، ۵۵۳۳۹

(۵) بیہقی ۱۳/۱ (۶) حبل ۲۵۶/۱، رمذی ۸/۵



والدین هم للزکوة فعلون والدین هم لمرؤجهم حفظون الاعلیٰ ازواجهم او ما ملکک ایمانهم فبهم غیر ملومین فمن ابتغی وراء ذالک هم العدون والدین هم لا منهم و عهد هم راعون والدین هم علی صلواتهم یحافظون اولئک هم الورثون الدین یرثون المرؤوس هم فیها خالدون (۱)۔

حضرت یحییٰؑ حضرت عمرؓ سے پیش کہا کرتے تھے کہ کاش میں رسول اللہ ﷺ کو کبھی اس وقت دیکھتا جب آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی ہے۔ پھر ایک مرتبہ آپؐ جہرانہ میں تھے اور آپؐ کے اوپر ایک کپڑے کا سایہ کیا گیا تھا۔ آپؐ کے ساتھ چند صحابہ کرامؓ تھے جن میں حضرت عمرؓ بھی تھے کہ ایک شخص آیا جس نے ایک خوشبودار جبہ پہن رکھا تھا۔ اس نے عرض کیا ”یا رسول اللہ ﷺ آپ کا ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جس نے عمرے کا احرام باندھا ہو اور ایک ایسا جبہ پہنا ہو جس میں خوشبو لگی ہو؟“ آپؐ نے خاموشی سے تھوڑی دیر اس پر نظر ڈالی پھر آپؐ پر وحی اثرنا شروع ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے یحییٰؑ کو ہاتھ سے اشارہ کیا کہ آؤ۔ وہ آئے اور اپنا سر کپڑے کے اندر کیا۔ نبی ﷺ کو دیکھا کہ آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو رہا ہے اور آپؐ لمبے لمبے سانس لے رہے ہیں پھر وہ کیفیت دور ہوئی تو آپؐ نے فرمایا ”مجھ سے عمرے کا حکم پوچھنے والا سائل کہاں ہے؟“ اسے دھونڈ کر لایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ”تیں بار خوشبودار خوشبو ڈالو“ جبہ اتار دو اور باقی وہی کچھ کر دو جو اپنے عمرے اور حج میں کرتے ہو (۲)۔

حضرت زید بن اسلمؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کسی سفر میں تھے (سفر حدیبیہ میں) رات کا وقت تھا حضرت عمرؓ بن الخطاب بھی آپؐ کے ساتھ تھے۔ حضرت عمرؓ نے نبی ﷺ سے کچھ پوچھا لیکن آپؐ نے کوئی جواب نہ دیا۔ انہوں نے پھر پوچھا آپؐ نے کوئی جواب نہ دیا۔ انہوں نے پھر پوچھا آپؐ نے اس مرتبہ بھی کوئی جواب نہ دیا۔ اس پر انہوں نے اپنے دل میں کہا ”اے عمرؓ اتنی دن تجھے روئے تو نے تین مرتبہ سوال کیا لیکن آنحضور ﷺ نے تمہیں ایک مرتبہ بھی جواب دینا پسند نہیں کیا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے اونٹ کو ایڑی لگائی اور تمام مسلمانوں سے آگے نکل گیا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں میرے بارے میں کوئی وحی نازل نہ ہو جائے۔ ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی میں نے سنا کہ یک شخص مجھے آواز دے رہا ہے۔ میں نے سوچا کہ میں تو پہلے ہی ذر رہا تھا کہ کہیں میرے بارے میں وحی نہ نازل ہو جائے۔ بہر حال میں آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ کو سلام کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”آج رات مجھ پر ایک ایسی سورہ نازل ہوئی ہے جو مجھے اس تمام کائنات سے زیادہ عزیز ہے جس پر سورج طلوع ہوتا ہے پھر آپؐ نے پڑھا (۳)“ اما فتحا لک فتحا مبینا (۴)۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مختلف آیات کے سلسلے میں رسول مقبول ﷺ کی بیان کردہ تفسیر سے بخوبی آگاہ تھے اور حسب ضرورت و موقع ایسے لوگوں تک پہنچاتے۔ آپؐ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”بے شک اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جن پر انبیاء اور شہداء بھی رشک کرتے ہیں۔“ صحابہؓ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ ﷺ وہ کون لوگ ہیں؟“ فرمایا ”وہ لوگ جنہوں نے اموال و انساب کے بغیر محض اللہ تعالیٰ ہائیم دوستی و محبت کی ہوگی۔ وہ اس وقت بھی سراپد نہ ہوں گے جب دوسرے لوگ گھبرائے ہوئے پائے جائیں گے انہیں اس وقت کوئی رنج نہ ہوگا جب سب لوگ رنجیدہ ہوں گے۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی (۵)۔ ”الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا هم یحزنون (۶)۔“ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ

(۱) سورۃ المؤمنین ۲۳، ۱۰، (۲) مسلم ۴، (۳) بخاری ۵/۶۷، ۲-۳، (۴) سورۃ الحج ۱، (۵) علی ۱۷، ۲، ۱۹۶، (۶)

حضرت عمرؓ کے روئے آیت کریمہ ”كلما مضت جلودهم بدلناهم جلودا غیرھا“ (۱) پڑھی گئی۔ اس کو سن کر حضرت معاویہؓ نے کہا کہ ”میں اس کی تفسیر جانتا ہوں۔ وہ یہ کہ وہ جلدیں ایسی ہوں گی جو ایک ساعت میں ایک سو مرتبہ تبدیل ہوں گی۔“ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”میں نے بھی رسول اللہ ﷺ سے ایسا ہی سنا ہے۔“ (۲) حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا کہ آیت ”ان الدین فروعا دیہم و کابوا شیعھا“ (۳) سے مراد وہ لوگ ہیں جو بدعتی اور نفس پرست ہیں (۴)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت ہے کہ نبی ﷺ نے آیت قرآں ”اقم الصلوة لعلواک الشمس“ (۵) کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے مراد ”زوال آفتاب کا وقت“ ہے (۶)۔ کئی آیات کے شان نزول میں آپؐ کے اپنے کسی عمل کا کوئی حوالہ شامل تھا۔ ایک مرتبہ نبی ﷺ کی موجودگی میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک معاملے میں تکرار ہوئی دو بوس کی آوازیں بلند ہو گئیں تو یہ آیت نازل ہوئی ”یا ایہا المدین امنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی“ (۷)۔ ”راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حالت ہو گئی کہ نبی ﷺ سے جب بات کرتے تو آواز سنائی نہ دیتی یہاں تک کہ اسے خود نہ سمجھاتے (۸)۔

نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں دوبارہ منبر رسول ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص بولا ”مجھے مسلمان ہونے کے بعد اپنے کسی عمل کی کوئی پروا نہیں کیونکہ میں حایوں کو اپنی پٹاؤں گا۔“ دوسرے نے کہا ”مجھے بھی اسلام کے بعد اپنے کسی عمل کی پروا نہیں کیونکہ میں مسجد حرام کی مرمت کرتا ہوں۔“ تیسرے نے کہا کہ ”ان چیزوں سے تو جہاد افضل ہے۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ڈانٹ کر کہا کہ ”آج جمعہ کا دن ہے منبر رسول ﷺ کے پاس بلند آواز میں نماز کے بعد تم سے اس بارے میں پوچھو گا جس میں تم نے اختلاف کیا ہے“ (۹)۔ ”اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری ”اجعلکم سقایة الحاج و عمارة المسجد الحرام کم من امس باللہ والیوم الآخر و جہد فی سبیل اللہ لا یستون عند اللہ واللہ لا یہدی القوم الظالمین“ (۱۰)۔“

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ بنی عبد مناف کے چند کافر شرابا بو طالب کے پاس آکر کہنے لگے ”اے ابو طالب! کاش تمہارا (بھتیجا محمد ﷺ) ہمارے غلاموں اور حلیوں کو اپنے پاس سے ہٹا دیتا کیونکہ وہ ہمارے غلام اور خدام ہیں اور یہ بات ہمیں بہت شاق گزرتی ہے۔ اس صورت میں ہم محمد (ﷺ) کی اطاعت کریں گے اور ان کی پیروی اور تصدیق کریں گے تو ابو طالب نبی ﷺ کے پاس آئے اور اس کا ذکر کیا تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی ﷺ سے کہنے لگے ”اچھا اب بھی کر دیکھئے“ معصوم ہو جائے گا کہ ان کا کیا ارادہ ہے اور اس کے بعد وہ کیا کریں گے“ (تو یہ آیت برتری (۱۱)۔ ”وانذروہ المدین یحافلون ان یحشروا الی ربہم لہم من ذوبہ ولی ولا شفع لعلہم یتقون ولا تطرد الدین یدعون ربہم بالغلوۃ والعشی یریدون وجہہ ما علیک من حسابہم من شیء وما من حسابک علیہم من شیء فطردہم فتکون من الظالمین وکذا لک فتا بعہم بعض لیقولوا اھولاء من اللہ علیہم من یسا الیس اللہ باعلم بالشکریں“ (۱۲)۔“ (اور نبی ﷺ تم اس (علم وحی) کے ذریعے سے ان لوگوں کو نصیحت کرو جو اس کا خوف رکھتے ہیں کہ اپنے رب کے سامنے کبھی اس حال میں پیش کئے جائیں گے کہ اس کے سوا وہاں کوئی ایسا ہی اقتدار نہ ہو گا جو ان کا حامی و مددگار ہو یا ان کی سفارش کرے شاید کہ اس نصیحت سے متنبہ ہو کر وہ خدا ترسی کی

(۱) سورۃ النساء ۵۶ (۲) طبرانی ۳۱/۲ سیوطی ۱۹۲/۲ (۳) سورۃ الاحقاف ۱۰۹/۶ (۴) طبرانی ۱۰۲/۲ سیوطی ۱۹۱/۲ (۵) سورۃ یس اسرائیل ۷۸/۷

(۶) سیوطی ۱۹۸/۲ (۷) سورۃ الاحزاب ۴۹/۲ (۸) مرموقہ ۶۳/۱ (۹) مسلم ۲۶/۱ (۱۰) سورۃ النور ۱۹/۹ (۱۱) طبرانی ۲۶/۲ (۱۲) کلثوم ۱۳۵/۲ (۱۳)



اپنی ذات سے متمتع ہونے دے۔ اور حضرت عمرؓ کے بارے میں نازل ہوئی انہوں نے اپنے ماموں عامر بن ہشام بن سفیرہ کو جنگ بدر میں قتل کیا تھا (۱)۔  
۴۔ بطور مفسر

آپ سے کئی قرآنی الفاظ کے معنی بیان فرمائے اور اپنی معلومات اور فہم و فراست کے مطابق متعدد آیات کی تفسیر و تشریح کی۔ چنانچہ اس آیت قرآنی "الم نور الی الدین او تواصب من الکتب یومون بالحبیت والطاعون" (۲)۔ "حضرت چارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ طاعون سے مراد وہ دوگ ہیں جن کے ہاں جاہلیت میں لوگ فیصلے کیے جاتے تھے۔ اس میں ایک قبد حبیبہ میں تھا اور ایک قبد اسم میں اور ہر قبیلے میں ایک طاعون ہوتا تھا۔ یہ وہی کاہن تھے جن کے پاس شیطان (مستقبل کی خبریں لے کر) آیا کرتے تھے۔ حضرت عکرمہ کہتے ہیں کہ الجہت حبش زبان میں شیطان کو کہتے ہیں اور الطاعون کے معنی کاہن ہے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ الجہت سے مراد سحر ہے اور الطاعون سے مراد شیطان (۳)۔

اسی طرح آیت "تری" "احل ولکم صید البحر و طعامہ مناعا لکم ولبسارہ" (۴)۔ کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ "دریا کا شکار وہ ہے جو اس کے بندر کیا جائے اور اس کا کھانا وہ ہے جسے پانی نے باہر پھینک دیا ہو۔" حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے تھے "جو دریا کا جانور مر کر پانی کے اوپر آجائے وہ حلال ہے۔" حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے "اس کا کھانا" سے مراد دریا کا مردار ہے "سوائے اس کے جو بگڑ گیا ہو" (۵)۔ آپ نے آیت "وإذا السوس رجعت" (۶)۔ کے بارے میں فرمایا "العاجر مع العاجر والمصالح مع المصالح" (۷)۔ "یعنی قیامت کے روز۔ ایک اور روایت "یا ایہا الدین امنوا اتوبوا الی اللہ توبۃ نصوحا" (۸)۔

فرمایا کہ اس میں توبۃ النصوح کے معنی یہ ہیں کہ ایک آدمی اپنے سابقہ برے اعمال سے خوف کھانے لگے اور اللہ تعالیٰ سے ان کے بارے میں اس طرح توبہ کرے کہ پھر ان کی طرف کبھی نہ پلٹے (۹)۔

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے خط کے ذریعے پوچھا گیا۔ اے امیر المومنین! کونسا شخص افضل ہے؟ وہ جسے رغبت گناہ بھی نہ ہو اور گناہ پر عمل بھی نہ کرے یا وہ جسے رغبت تو ہو، لیکن پھر بھی وہ اس پر عمل نہ کرے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں لکھا کہ "وہ دوگ افضل ہیں جنہیں معصیت کی جانب رغبت تو ہوتی ہے لیکن اس پر عمل نہیں کرتے۔ وضاحت کیلئے یہ آیت رقم فرمائی (۱۰)۔ "اولئک الدین امنوا اللہ فلوہم للنضوی لہم مغفرہ و اجر عظیم" (۱۱)۔ "اللہ سبحانہ کے فرمان "واتموا الحج والعمرة لہ" (۱۲)۔ کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ حج اور عمرہ میں سے ہر ایک کا اتمام یہ ہے کہ دونوں کو متحدہ یا متحدہ کیا جائے اور عمرہ حج کے مہینوں کے علاوہ دوسرے مہینوں میں کیا جائے (۱۳)۔ اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ دونوں بہتر طریقے سے پورے ہو سکیں (۱۴)۔

عبد المطلب بن حنطب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو "امت طالق البتہ" کہہ کر طلاق دے دی ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ آیت پر غالب نہیں ہو سکتی۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے (۱۵)۔ "یا ایہا الدین امنوا اصبروا وصابروا وابطوا واتفوا اللہ لعلکم تفلحوا" (۱۶)۔ "حضرت عمرؓ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کہ حاجی زہد حج میں تجارت کرے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

(۱) کنز ۱: ۳۲۹ (۲) سورۃ النساء: ۵ (۳) بخاری ۵: ۱۸۰ (۴) سورۃ المائدہ: ۹۶ (۵) بخاری ۷: ۲۲۳ (۶) سورۃ الشکرہ: ۸۱ (۷) حوری: ۱۹۲ (۸)

سورۃ التحریم: ۸۶ (۹) حوری: ۱۹۲ (۱۰) حوری: ۱۸۱ (۱۱) سورۃ الاحزاب: ۴۹ (۱۲) سورۃ البقرہ: ۱۹۳ (۱۳) کنز: ۱: ۲۳ مالک: ۳۵۷ (۱۴)

حرم: ۱۰۷/۷ (۱۵) مالک: ۴۴۶/۲ (۱۶) سورۃ آل عمران: ۲۰۰۔

”لیس علیکم جناح ان یتغوا فصلا من دیکم (۱)۔“ آپ نے فرمایا کہ قرآن کریم کا یہ ارشاد مومنین جج ہی کے بارے میں ہے (۲)۔ ابو صالح مولیٰ عمرؓ سے مروی ہے کہ میں نے آپ سے دریافت کیا ”اے امیر المومنین سپ جج کے دنوں میں تجارت بھی کیا کرتے تھے۔“ فرمایا ”نہن (اہل عرب) کی روزی توج جج سے وابستہ تھی (۳)۔“

آپ یہ پسند فرماتے تھے کہ تعزیت کرنے والے کے اہل خانہ کو صبر اور ایمان کی تلقین کرے اور انہیں یاد دلائے کہ اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والوں کیلئے کیا جزا رکھی ہے اور انہیں قرآن کا وہ حصہ سنائے جس سے یہ تذکیر حاصل ہو۔ آپ نے فرمایا کہ اس موقع پر اس آیت کا پڑھنا موزوں ہے (۴)۔ ”اللہیں اذا اصابتهم مصیبة قالوا انا لله وانا الیہ راجعون اولئک علیہم صلوات من ربہم ورحمتہ و اولئک ہم المہتدون (۵)۔“ آپ کی فقہی آراء اور اجتہادی بصیرت کا حاصل منج قرآن حکیم ہی تھا۔ اس پر غور و خوض نے آپ کے اندر حکمت و فراست پیدا کی۔ آپ کا شہر صحابہ کرامؓ میں سے دس چوٹی کے مفسرین میں ہوتا ہے (۶)۔ خود نبی کریم ﷺ نے آپ کی تفسیر کی تصدیق فرمائی۔ ایک شخص نے ایک عورت کو سواری پر اپنے پاس بٹھا کر بلا جہان تلخ ذرا صل کیا۔ بعد میں اسے ندامت ہوئی تو حضرت عمرؓ کے پاس آیا۔ آپ نے کہا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ! پھر معاملہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اللہ س میں پیش ہوا تو یہ آیت نازل ہوئی ”اقم الصلوٰۃ طوفی الہار و لعلامس اللیل ان الحسنت یدہین السیئات ذالک ذکری للذاکرین (۷)۔“

اس شخص نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ رعایت صرف میرے لئے خاص ہے یا سب لوگوں کیلئے ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی چھاتی پر ہاتھ مارا اور کہا ”لا ولا نعمة بل للناس عامة“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”صدق عمرو (۸)۔“ حضرت عمرؓ کی رائے تھی کہ فرمان الہی ”فاعتزلوا النساء فی المحیص (۹)۔“ کا مقتضیہ ہے کہ مرد بیوی کا بستر چھوڑ کر علیحدہ بستر پر سونے بشرطیکہ وہ فراخی رکھتا ہو لیکن اگر فقیر ہو اور ایک ہی بستر ہو تو اس کے ساتھ سو سکا ہے (۱۰)۔ چنانچہ ابو امامہ البہالی سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا ابتداء میں کیونکہ تنگی تھی تو ہم حاکمہ بیویوں کے ساتھ ایک ہی بستر اور لحاف میں بیٹھا کرتے تھے لیکن اب جبکہ اللہ نے بستر اور خانوں میں فراخی عطا کر دی ہے تو اس سے علیحدہ لیٹو جیسا کہ اللہ نے حکم دیا ہے (۱۱)۔“

معلوم یہ ہوتا ہے کہ آپ کا یہ حکم احتیاط کے پیش نظر تھا۔ ایسی ہی احتیاط رسول اکرم ﷺ بھی بعض اوقات کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب میں حیض سے ہوتی تھی تو بستر سے اتر جاتی اور بوسے پر آ جاتی۔ نبی کریم ﷺ قریب نہ آتے جب تک پاک نہ ہو جاتی (۱۲)۔ ”بقول ابن کثیر یہ روایت محمول ہے کہ آپ پر ریز اور احتیاط کرتے تھے نہ یہ کہ یہ محمول ہو حرمت اور ممانعت پر (۱۳)۔“ آپ تفسیر قرآن حکیم میں مکمل طور پر رسول خدا ﷺ ہی کی پیروی کو مقدم رکھتے تھے کہ کوئی فتویٰ دینے سے قبل یہ اطمینان کر لیں کہ رسول خدا ﷺ کا فعل و عمل کیا ہے۔

حیض کے مسئلہ میں بھی صحیح احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ جماع کے علاوہ ہر چیز جائز ہے (۱۴)۔ رسول اکرم ﷺ کا عمل یہی تھا۔ آپ سے اس دوران بیویوں کے ساتھ لیٹنا مس کرنا وغیرہ میں سر رکھ کر سونا ایک برتن میں پانی پینا، ساتھ ٹیک لگا کر قرآن حکیم تک پڑھنا ثابت ہے (۱۵)۔ چنانچہ عراق سے آنے والے کچھ لوگوں نے آپ کے عہد خلافت میں کچھ سوالات پوچھے۔ آپ نے فرمایا ”یہ وہ سوالات ہیں جن کے بارے میں میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تھا

(۱) سورۃ البقرہ ۹۸۔ (۲) شبہ ۲۸۵، طبری ۲۸۵ (۳) طبری ۲۸۵ (۴) بیہقی ۶۵۴، روس ۶۲۷ (۵) سورۃ البقرہ ۲۵۶ (۶) سیوطی ۱۸۷، ۲۱۷ (۷) سورۃ

مائدہ ۱۱۴ (۸) حوری ۴۲ (۹) سورۃ البقرہ ۲۲۲ (۱۰) روس ۲۹۱ (۱۱) حریم ۷۶ (۱۲) دیلمی ۱۱۳ (۱۳) کثیر ۲۵۹ (۱۴) بخاری ۷۸۱

مسلم ۱۰۸، مسالٰی ۱۴۷، ۱۵۰، مدب ۸۹، جصاص ۳۹۷ (۱۵) بخاری ۷۷، دیلمی ۱۱، کثیر ۲۵۹، جصاص ۳۹۷، ۱

ان میں سے ایک سوال کے جواب میں انہوں نے یہ کہا "ما یحل للوحل من امرئہ حائضا" آپ نے فرمایا "فلک مایفوف الا ذار" (۱)۔ مذکورہ بالا آیت کے بارے میں آپ کی تفسیر اور اس فتویٰ میں کوئی غلطی نہیں کیونکہ اگر مساس کے درمیانیہ صبط کے بعد مہن نوٹنے کا خطرہ ہو تو اجتناب اور دوری ہی بہتر ہے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ایک در حدیث کے مطابق زار کے اوپر سب کچھ جائز قرار دینے کے ساتھ یہ بھی فرمایا تھا "والصعب عن ذالک الفصل (۲)۔"

اسی وجہ سے حضرت عائشہؓ، حضرت ابن عباسؓ، سعید بن المسیبؓ، شرح مام شافعیؒ اور اکثر اہل عراق کا یہی مذہب ہے۔ یہ حضرات فرماتے تھے ہیں کہ یہ تو متفقہ فیصد ہے کہ جماع حرام ہے اس لئے اس کے سوا پاس سے بھی بچنا چاہئے تاکہ حرمت میں واقع ہونے کا خطرہ نہ رہے (۳)۔ قرآن حکیم سے اس قسم تر فکری و قلبی تعلق کے باوجود بہر حال انسان تھے۔ یہ ناممکن ہے کہ عام کل کے کلام علم و حکمت کے بحر بیکراں کا کوئی یک ذہن انسانی حاط کر سکے۔ قرآن حکیم ایک طرف تو بے شمار علوم و فنون کا مخزن ہے اور دوسری طرف اس کی پنی اصداحات ہیں اور سینکڑوں الفاظ کے منفرد معانی اور اپنا پیرایہ بیان ہے۔ اس لئے کئی الفاظ ایسے بھی تھے جن کے حضرت عمر فاروقؓ کو معنی و مطالب معلوم نہیں تھے اور انہیں اس بات کا اعتراف بھی تھا۔ آپ کی عظمت کی دیوبند میں سے ایک یہ بھی ہے۔ حضرت نسؓ سے روایت ہے کہ آپ نے یہ آیت پڑھی "فابتنی فیہا حب و عبا و فصبا و ربتونا و مخلا و حدائق علیا و فاکھة و اہا (۴)۔" ہم نے اگائے اس میں دانے 'گور' 'تکاریاں' 'زیتون' 'بھور' 'سر سبز باغ' اور گھاس۔ فرمایا "فاکھہ" قصب اور ان سب چیزوں کو تو ہم پہچانتے ہیں مگر "اب" کیا ہے؟ پھر اپنا ہاتھ سر پر رکھا بعد ازاں فرمایا "اے عمر کی ماں کے بیٹے! یہ تو تکلفات ہیں! کیا ہوا اگر تجھے "اب" کے معنی معلوم نہیں (۵)۔"

۵۔ تفسیر سے رجوع:

اسی طرح ایک آیت بھی ہیں کہ آپ نے ان کا جو مطلب سمجھا اور ان کا جو اطلاق کیا وہ صحیح نہیں تھا۔ اس لئے استدلال کی بناء پر جو نئی آپ کو اپنی عقلی کا احساس ہوا تو اس سے رجوع کر لیں۔ اس کی نمایاں مثال وفات نبوی ﷺ پر آپ کا رد عمل ہے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اپنے عہد خلافت میں عمرؓ اپنی کسی ضرورت سے جا رہے تھے انہیں بھی ان کے ساتھ تھا۔ ان کے ہاتھ میں وہ تھا اور اس وقت ان کے ساتھ میرے سوا کوئی دوسرا نہ تھا۔ وہ اپنے دل میں کچھ باتیں کرتے جاتے تھے اور درے سے اپنے پاؤں کو مارتے جاتے تھے۔ یکایک وہ میری طرف متوجہ ہوئے اور انہوں نے کہا "جانتے ہو کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت کیوں وہ بات کہی تھی کہ آپ نہیں مرے زندہ ہیں۔" میں نے کہا "مجھے معلوم نہیں امیر المؤمنین بہتر جانتے ہیں۔" عمرؓ نے کہا "بخدا صرف اس آیت کی وجہ سے 'و کذلک جعلنا کم امة وسط لتکونوا شہداء علی الناس و یكون الرسول علیکم شہیدا' (۶)۔" اس آیت سے میں سمجھتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنی امت کے آخری اعمال دیکھنے تک کیلئے زندہ رہیں گے۔ اسی وجہ سے میں نے رسول اللہ ﷺ کے متعلق وہ بات کہی تھی (۷)۔

یہ ممکن نہیں کہ زندگی کے ہر معاملے کے بارے میں قرآن حکیم کا ہر حکم و اس کی روح کی انساں کے ذہن میں ہر وقت مستحضر رہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے مشاوری نظام کو رائج کرنے کے ساتھ لوگوں کو یہ آزادی دے رکھی تھی کہ دین کے معاملے میں کسی جھجک اور رو رعایت کے بغیر کتاب و سنت کا حکم سامنے لائیں۔ آپ کے عہد مبارک میں مرد تو کیا عورتیں بھی اس سلسلے میں اپنا بھرپور کردار سرانجام دیتی تھیں۔ اس کی نمایاں مثال وہ واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے جیسے میں بقول حضرت عبداللہ بن معصبؓ ارشاد فرمایا "اپنی عورتوں کے مہر چالیس لواتیہ سے زیادہ نہ باندھو۔ خود ہی اقصیٰ والوں یعنی یزید بن حصین کی بیٹی کیوں

(۱) عبداللہ بن ابی: ۲۵۷، بیہقی ۳۱۲، حرم ۷۷/۱، حصص ۲۹۸، (۲) ۱۵۱، ۹۵ (۳) کنز: ۲۵۹، (۴) سرور عبس ۲۷، ۸۱، ۳۱ (۵) سیبہ ۱۱، ۱۲، ۱۵۱

حدیث: ۱۶۱، (۶) سرور البصر ۱۴۳، (۷) حیا ۱۵/۹، طبری: ۱/۱، ۷۱۱، بلاذری: ۱۴۲، سیبہ: ۵۵۶/۶۔



تو اسے ہاتھ کانے کی سزا دی گئی۔ دوسری مرتبہ چوری کی تو پاؤں کانے کی سزا دی گئی۔ تیسری مرتبہ چوری کی تو آپ نے اس کا دوسرا ہاتھ پائوں کانے کی سزا دیے کا ارادہ فرمایا تو حضرت عائشہؓ نے کہا: "یہ سزا دینے کے بجائے چور کیلئے صرف ایک ہاتھ اور ایک پیر کانے کی سزا ہے۔ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے: "امسا جوارہ الدین یحاربون اللہ ورسولہ و یسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا او یقطع ابلیہم و ارجلہم من خلاف" (۱)۔ "چنانچہ یہ مناسب نہیں کہ آپ اسے اس حال کو پہنچا دیں کہ وہ جل پھر سکے اور نہ کھا سکے۔ اس لئے آپ اسے یا تو تعزیری سزائیں یا قید خانہ میں ڈال دیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اس کو قید خانے میں بند کر دیا (۲)۔

بعض آیات ایسی بھی ہیں کہ جن کا آپ نے جو مطلب سمجھا اور جو تفسیر بیان کی اس کو قبول عام کا درجہ حاصل نہ ہو سکا۔ صحابہ کرامؓ محدثین اور فقہاء نے قوی دلیل کی بناء پر اس سے برعکس فتویٰ دیا اور عمل کیا۔ اس سے آپ کی عظمت و بصیرت پر کوئی حرف نہیں آتا کیونکہ آپ انسان تھے، معصوم عن الخطاء نہیں تھے۔ ایک مجتہد کی حیثیت سے آپ کے قول و عمل میں خطا و صواب دونوں کا احتمال موجود تھا۔ اس کی نمایاں مثال تہم کے بارے میں آپ کی رائے ہے۔ جنابی کے بارے میں آپ کی یہ رائے تھی کہ اس کیسے غسل ضروری ہے، محض تہم کافی نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی اس بات پر آپ سے متفق تھے (۳)۔ آپ کی دلیل قرآن حکیم کی یہ آیت ہے: "ولا جنبا الا عابری سبیل حتی تغسلوا" (۴)۔ "آپ کے نزدیک آیہ کریمہ: "وان کنتم مرضی او علی سفر او جاء احدکم من الماء فیمموا صعبا طیباً" (۵) کے حکم میں جنبی داخل نہیں تھا (۶)۔ کیونکہ اس آیت میں لمس کی تفسیر میں حضرت عمرؓ کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد ہاتھ سے چھونا ہے، جماع نہیں، لہذا جب ہے کہ آپ کے نزدیک عورت کے چھونے پر وضو واجب ہے (۷)۔

حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور عرض کیا مجھے جنابت ہوئی ہے، لیکن پانی نہیں ملتا۔ آپ نے فرمایا: "نماز نہ پڑھ"۔ ابوہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ اس شخص نے کہا کہ ہم ایک دو ملائی جگہ قیام کرتے ہیں (جہاں پانی نہیں ہوتا) آپ نے فرمایا میں تو نماز نہ پڑھوں جب تک پانی نہ ملے۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے کہا: "اے امیر المؤمنین آپ کو یاد نہیں جب آپ اور میں ایک غزوہ میں تھے دونوں جسی ہو گئے تھے اور پانی نہیں تھا۔ آپ نے نماز نہیں پڑھی تھی اور میں نے مٹی مل کر نماز پڑھ لی تھی۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں یہی کافی تھا کہ تم اپنے ہاتھ مٹی پر مار کر جھار بیٹے اور پھر انہیں اپنے منہ اور گلہبوں پر پھیرتے (۸)۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: "اے خداوند سے ڈرو۔" حضرت عثمانؓ نے کہا: "بھلا اگر آپ چاہیں تو میں بھی بھی یہ بات بیان نہ کروں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا کھجور حق مقرر کیا ہے۔" اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: "کلا واللہ لنو لیک من ذالک ما تولیت" (۹)۔

حضرت عمر فاروقؓ کے اسی موقف کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بھی اختیار کیا۔ امثلش کے بقول، شفیق بن مسدد سے روایت ہے کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعرئیؓ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ حضرت ابو موسیٰؓ نے پوچھا اے ابو عبدالرحمنؓ آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر کسی کو غسل کی ضرورت ہو اور پانی نہ ملے تو سے کیا کرنا چاہیے۔ عبداللہؓ نے فرمایا اسے نماز نہیں پڑھنی چاہئے جب تک کہ پانی نہ مل جائے (ایک روایت کے مطابق حوالہ ایک ملا تک پانی نہ ملے)۔ اس پر ابو موسیٰؓ نے پوچھا پھر عثمانؓ کی روایت کا کیا ہوگا، جبکہ نبی ﷺ نے نہیں فرمایا تھا "تمہیں صرف (ہاتھ اور منہ کا) تیمم کافی تھا۔" حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جواب دیا کہ "تم عمرؓ کو نہیں دیکھتے کہ وہ نماز کی اس بات سے مطمئن نہیں تھے؟ پھر ابو موسیٰؓ نے کہا اچھا عثمانؓ کی بات کو چھوڑ دو لیکن اس آیت کا کیا جواب دو گے؟" قسم

(۱) سورہ المائدہ ۳۳ (۲) عبداللہ بن مسعودؓ ۱۸۶/۱، بیہقی ۲۷۴/۸، حر ۱۱۱/۱، (۳) ۲۳۴، (۴) سورہ النساء ۴۳، (۵) ایضاً (۶) رد اس ۱۷۷ (۷)

حکمہ ص ۳۹۲ (۸) صحیح احمد ۱۸۸، مسند ۱۹۳، حدیث ۱۳۶، ح ۲، ۲۰، کبیر ۱/۵، طبرانی ۱۳۸، مسانی ۱۶۶، (۹) مسند ۱۹۳

حدیث ۱۳۶، طبرانی ۱۳۸، حدیث ۱۶۶، عبداللہ بن مسعودؓ ۲۳۸



تَجَلَدُوا مَاءً شَبِيعًا طَيِّبًا<sup>(۱)</sup>۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس کا جواب نہ دے سکے اور فرمایا ”اگر ہم اس کی بھی لوگوں کو اجازت دے دیں تو ان کا یہ حال ہو جائے گا کہ اگر کسی کو پانی ٹھنڈا محسوس ہوا تو اسے چھوڑ کر تھیم کر لیا کرے گا۔“ حضرت عائشہؓ کہتے ہیں ”میں نے شقیق سے کہا گویا عبداللہ بن مسعودؓ نے اس وجہ سے یہ صورت ناپسند کی تھی۔“ انہوں نے جواب دیا ”ہاں“<sup>(۲)</sup>۔ اس کی کثیر روایت میں حضرت عبداللہ کے قول میں یہ اضافہ ہے کہ سورۃ النہد میں فرمان الہی ہے<sup>(۳)</sup>۔ ”فَامْسَحُوا بِوُجُوْهِكُمْ مَّاءً“<sup>(۴)</sup>۔ یعنی پھر وہ اس آیت کو دلیل بنالیں گے لیکن تمام امت کا عمل حضرت عمر فاروقؓ کی رائے کے برعکس ہے بقول ابن قدامہ ”واما الاجماع فاجمعت الامة على حواء التميم في الجملة“<sup>(۵)</sup>۔ اس کی وجہ مذکورہ آیت اور صحیح احادیث ہیں۔ ان میں حضرت عمارؓ کی حدیث بھی شامل ہے ایک اور قوی حدیث سے جنسی کے تھیم کے جوڑ کو مزید تقویت ملتی ہے۔

عمران بن حصین سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ ایک شخص علیحدہ کھڑا ہے اور لوگوں کے ساتھ نماز میں شریک نہیں ہو۔ آپ نے اس سے پوچھا ”سے فلاں تم نے لوگوں کے ساتھ نماز کیوں نہیں پڑھی؟“ اس نے کہا کہ میں جنسی ہوں اور پانی نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”مٹی سے تھیم کر لو یہ تمہارے لئے کافی ہے“<sup>(۶)</sup>۔ یہی صحابہ کرامؓ اور جمہور علماء کا مسلک ہے۔ ابن میں حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت عمرؓ بن العاصؓ، حضرت ابو موسیٰ اشعرؓ، حضرت عمارؓ شامل ہیں اور یہی ثوری مالکؓ ابو ثورؓ شافعیؓ اسحاقؓ ابن المنذرؓ اور اصحاب کا قول ہے<sup>(۷)</sup>۔ علامہ ابن حزمؒ نے لکھا ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اور شاذ نوویؒ پوشیدہ و مخفی رہا<sup>(۸)</sup>۔

سب رہی یہ بات کہ کیا رسول اللہ ﷺ کی تعبیر و تشریح حضرت عمرؓ سے تاحیات مخفی رہی؟ حالات و قرآن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپ اس سے آگاہ ہو چکے تھے کیونکہ یہ اس قدر اہم اور کثیر الوقوع مسئلہ تھا کہ زیادہ دیر تک پوشیدہ نہیں رہ سکتا تھا اس لئے آپ نے رجوع کر لیا تھا۔ چنانچہ امام نوویؒ نے ابن العساکرؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا تھا<sup>(۹)</sup>۔ امام قرطبیؒ نے قطعیت کے ساتھ یہ کہا ہے کہ آپ نے اس رائے سے رجوع کر لیا تھا<sup>(۱۰)</sup>۔ ہمارا بھی یہی خیال ہے۔

ابتداء میں حضرت عمرؓ سے مراد بیوی کا بوسہ لینا اور اسے ہاتھ لگانا سمجھتے تھے اور اسے ناقض وضو خیال کرتے تھے<sup>(۱۱)</sup>۔ بعد میں آپ نے رائے سے رجوع کر کے اس سے مراد جماع لے لیا (واللہ اعلم) اس کا ثبوت آپ کا اپنا عمل ہے۔ یحییٰ بن سعیدؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ مار کیلئے نکلے تو اپنی بیوی کو بوسہ دیا پھر نماز پڑھ لی لیکن وضو نہ کیا<sup>(۱۲)</sup>۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ دونوں روایتوں کو ثابت ماننے کے بعد یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ آپ وضو کو مستحب مانتے تھے<sup>(۱۳)</sup>۔

ہمارے خیال میں آپ جنسی کے تھیم کو رجوع کرنے کے بعد جائز سمجھنے لگے تھے۔ البتہ آپ نے اپنے طبعی میلان اور دوق نفاست کی بنا پر کوشش یہی کرتے تھے کہ غسل کا موقع مل سکے تو کریں۔ ایک مرتبہ سفر کے دوران جنابت ہو گئی آپ کے پاس پانی نہیں تھا تو لوگوں سے پوچھا کہ اگر ہم تیز تیز چلیں تو کیا سورج طلوع ہونے سے پہلے پانی حاصل کر سکتے ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں۔ آپ نے حکم دیا چلو سواریاں کو تیز کرو چنانچہ سورج طلوع ہونے سے پہلے پہنچ گئے۔ غسل کیا پھر نماز پڑھی<sup>(۱۴)</sup>۔

(۱) سورۃ المائدہ ۶ (۲) بخاری ۱۰۹۱، مسیحہ ۱۰۵۷/۱، حیاں ۲۹۹/۲، ابی داؤد ۴۲۱۱/۱ (۳) کبیر ۵۰۱، (۴) سورۃ المائدہ ۶ (۵) امامہ ۱۰۵۱ (۶)

بخاری ۹۱۱، مسیحہ ۵۶۱، امامہ ۲۳۵، نسائی ۱۷۱ (۷) امامہ ۲۳۴/۱، الترمذی ۶۲/۵ (۸) حرم ۴۹۱ (۹) رواہ ابن ۱۷۸ (۱۰) ایضاً (۱۱)

صحتی ۱۲۴/۱، کبیر ۲۰۱ (۱۲) عبدلرحمن ۱۳۵، کبیر ۳۰۱، (۱۳) کبیر ۳۰۱، (۱۴) عبدلرحمن ۲۴۴

غالباً آپ کے پیش نظر وہی حکمت تھی جس کا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ذکر کیا ہے کہ کہیں معصوم سے عذر پر پالی کے بجائے تحیم کرنے کے عادی نہ ہو جائیں (واللہ اعلم) اگر ہم درہم درہم بھی غور کریں تو یہ نتیجہ تک پہنچتے ہیں جیسا کہ روایات نے کہا ہے کہ آپ جمہور صحابہؓ کی رائے سے متفق ہو گئے تھے (۱)۔

ایک قویہ کہ آپ نے حضرت عمر بن یاسرؓ کو اس حدیث کی روایت کرنے سے ہرگز نہیں روکا تھا بلکہ صرف ان پر اس کی دہرائی ڈال دی تھی۔ یہ روایت حدیث کے سلسلے میں حقیقہ کی پابندی کے پیش نظر تھا اور غلط سمجھتے تو ضرور روک دیتے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ان کے قول سے مطمئن ہو گئے تھے۔ یہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ذاتی اعتراف تھا کہ مطمئن نہیں ہوئے۔ ورنہ حضرت عمرؓ کے قول و عمل سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ دوم یہ کہ حضرت عمرؓ کے بارے میں یہ خیال کرنا محال ہے کہ آپ کو آنحضرت ﷺ کی تفسیر پہنچے اور اس کے وجود اپنی رائے اور اجتہاد پر قائم رہیں جبکہ بہت سے مٹائیں یہ ظاہر کرتی ہیں کہ آپ بارہا حدیث پہنچنے پر اپنی رائے سے دستبردار ہو گئے۔

سوم یہ کہ یہ بات بھی ناممکن ہے کہ سارے فقہاء صحابہ کرام کا اس بارے میں اجماع ہو اور اس کے قوی دلائل ہوں مگر اس کے برعکس حضرت عمرؓ اپنی رائے ہی کو فوقیت دیتے رہے۔ اس کے برعکس آپ کا پورا عہد خلافت اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ چھوٹے معاملات میں بھی صحابہ کرام کی رائے سے پیٹتے اور جو صاحب ہوتے اور جسے اکثریت کی حمایت حاصل ہوتی اسی کے مطابق عمل کرتے۔

## ۵ .... احکام قرآنی پر عمل:

اجتہاد کی بصیرت و تفسیر فی الدین میں گیرائی و گہرائی کیلئے ضروری ہے کہ آدمی کتاب و سنت پر پوری طرح عمل پیرا ہو۔ قرآن ایک دعوت انقلاب ہے اس کے سر اور موریک صحیح معنوں میں وہی لوگ پہنچ سکتے ہیں جو عالم با عمل ہوں جو اس پر ایسا ایمان رکھیں کہ اس میں شک و شبہ تک نہ ہو اور عمل بھی اس طرح کریں کہ اس کی عملی تفسیر دکھائی دیں۔ بقول اقبالؒ

یہ را کسی کو نہیں معلوم کہ مومن

کاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن<sup>(۱)</sup>

حضرت عمر فاروقؓ کی بصیرت کا راز بھی اسی میں پنہاں تھا۔ متعدد واقعات اس کا ثبوت ہیں۔ آسانش و آرام کی خواہش ہر آدمی کے دل میں فطری طور پر ودیعت کی گئی ہے۔ ہر انسان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کی غذا اور اس کا لباس اچھا ہو۔ رہائش اور روزمرہ کی زندگی آرام دہ ہو۔ ان مرغوبات نفس کا ذکر قرآن حکیم میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔ ”رِزْقٌ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْخَرْثِ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاللَّهُ عِنْدَهُ حِجَابُ الْمَغَابِ<sup>(۲)</sup>۔“ نفس کی ان خواہشات پر کنٹرول وہی شخص کر سکتا ہے جو کلام الہی سے گہرا تعلق رکھتا ہو اور اسے اس کے عقائد و نظریات پر شعوری یقین ہو اور اس کی تعلیمات کو اپنے ہر عمل کی بنیاد سمجھتا ہو۔ ہم دیکھتے ہیں حضرت عمرؓ نے اپنی زندگی کا رخ ہی بدس کر رکھ دیا۔ خلافت کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد توبہ حالت ہو گئی کہ آپ کا رہن سہن ریاست کے ایک عام شہری سے بھی کم درجے کا ہو گیا۔

حسن سے مروی ہے کہ عمرؓ میں خطابؓ نے شدت اور اپنے نفس پر عقلی کو لازم کر دیا۔ اللہ وسعت لایا تو مسلمان ام المؤمنین حفصہؓ کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ ”میرے سوائے شدت اور نفس پر عقلی کے سب چیز سے انکار کر دیا، حالانکہ اللہ نے رزق میں کثافت دے دی ہے۔ انہیں چاہئے کہ اسی مال غنیمت میں سے جو چاہیں اپنے لئے کثافت کر لیں، نہیں جماعت مسلمین کی طرف سے پوری اجازت ہے۔ ام المؤمنین حفصہؓ ان لوگوں کی خواہش سے متفق ہو گئیں جب لوگ واپس ہوئے تو عمرؓ ان کے پاس آئے۔ ام المؤمنین حفصہؓ نے انہیں ان باتوں سے آگاہ کیا جو قوم نے کہی تھیں۔ عمرؓ نے ان سے کہا کہ اے حفصہؓ اے دختر عمرؓ تم نے اپنی قوم کی توفیر خواہی کی مگر اپنے باپ کے ساتھ بے وفائی کی میرے خاندان والوں کا صرف میرے جان و مال میں حق ہے لیکن میرے دین و امانت میں کسی کا حق نہیں<sup>(۳)</sup>۔ آپ نے اپنے بود و باش میں ہمہ گیر تبدیلی قرآن حکیم کے ایک ارشاد کو سامنے رکھتے ہوئے کی۔ چنانچہ حسن سے مروی ہے کہ ابو موسیٰ اہل بصرہ کے ایک وفد کے ساتھ حضرت عمرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم لوگ روزانہ تو ایسے وقت عمرؓ کے پاس جاتے تھے کہ ان کیلئے تین روٹیاں ہوتی تھیں، کبھی تو ہم سے بطور سنان کے روغن زیتون پیا، کبھی گھی پیا، کبھی دودھ، کبھی خشک کیا ہوا گوشت جو باریک کر کے اہل بیجا تھا، کبھی تازہ گوشت اور یہ کم ہوتا تھا۔ انہوں نے ایک روز ہم سے فرمایا کہ ”اے قوم! میں اپنے کھانے کے متعلق تم لوگوں کی ناگواری و ناپسندیدگی محسوس کرتا ہوں۔ اگر میں چاہوں تو تم سب سے اچھا کھانے والا تم سب سے چھٹی رندگی بسر کرنے والا ہو جاؤں۔ میں بھی سینے اور کولہاں کے گوشت کے مزے سے اور بھونے ہوئے گوشت اور رائی اور زیتون کے سانس سے اور باریک روٹیوں کے مزے سے ناواقف نہیں ہوں، لیکن میں نے جل و شام کا شلنا جس نے قوم کو ان کے کسی کام پر جو ان لوگوں نے کیا عار دہائی ہے<sup>(۴)</sup>۔ اس نے فرمایا ”ادھتہم طیباتکم فی حیاتکم الدنیا واستمتعتم بہا“<sup>(۵)</sup>۔“ (تم لوگ اپنی پاکیزہ چیزیں اپنی حیات دنیا میں سے جا چکے اور تم ان سے فائدہ اٹھ چکے اس لئے حیات آخر میں تمہارا حصہ

(۱) ابن جریر ص ۵۳ کلیم ۵۳ (۲) سورہ عصر ۱۴ (۳) سعد ۲۷۸ (۴) سعد ۳۲۷۷ (۵) سورہ الاحزاب ۴۶

باقی نہیں رہا۔) حرم پاک کے بارے میں قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ جو بھی اس میں داخل ہوا اسے من مل گیا ”ومن دخلہ کان امسا“<sup>(۱)</sup> اسی بناء پر حضرت عمرؓ کا یہ خیال تھا کہ اس کی حدود میں جو شخص ہو اس سے قصاص نہیں کیا جاسکتا۔ آپ اس پر ہی عمل پیرا رہے آپ اس سلسلے میں کس حد تک پر عزم تھے اس کا اندازہ اس روایت سے لگایا جاسکتا ہے۔ عمر بن خالد سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر حرم مکہ میں مجھے پنے باپ خطاب کا قاتل بھی مل جاتا تو میں اسے کچھ نہ کہتا یہاں تک کہ وہ حرم سے باہر نہ آجاتا<sup>(۲)</sup>۔

قرآن حکیم سے اسی عملی تعلق ہی کی یہ شاں تھی کہ آپ نے اپنے قول و عمل سے اپنے عہد خلافت میں بھی حتی المقدور کوششیں کیں کہ لوگوں کو ان عملی تقاصوں کو پورا کرنے پر مجبور کیا جائے۔ ان میں سب سے اہم چیز دینی فرائض کی بجا آوری ہے۔ حج کے بارے میں حکم رہائی ہے ”وللہ عسی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلاً“<sup>(۳)</sup>۔ آپ نے اس پر عمل کرانے کیسے سب سے پہلے زبانی ترغیب کا طریقہ اپنایا اور اس سے متعلق حدیث نبویؐ کو لوگوں کے سامنے بیاں رکھے فرمایا کہ جو حالت کے باوجود حج نہ کرے وہ یہودی اور نصرانی ہو کر مرے گا<sup>(۴)</sup>۔ پھر آپ نے فرمایا کہ میرا یہ ارادہ ہے کہ لوگوں کو مختلف شہروں میں بھیجوں۔ وہ دیکھیں جو لوگ مال رکھنے کے باوجود حج نہ کرتے ہوں ان پر جزیہ لگادیں وہ مسلمان نہیں<sup>(۵)</sup>۔ آپ نماز تہجد و مسطشب میں پڑھنا محبوب رکھتے تھے<sup>(۶)</sup>۔ جتنا اللہ تعالیٰ کو منظور ہو تارات کو نماز پڑھتے اور ”خربش ہوتی تو آپ گھر والوں کو بھی بیدار کرتے تھے۔ نہیں الصلوۃ الصلوۃ کہہ کر آواز دیتے اور یہ آیت تلاوت فرماتے<sup>(۷)</sup>۔ ”وامر اہلک بالصلوۃ واصطبر علیہا لا یسلک ورقا نص نورقک والعاقبۃ للفقوی“<sup>(۸)</sup>۔

آپ کی یہ انتہائی کوشش ہوتی کہ آپ کے عملی اقدامات قرآن حکیم کی روح کے عین مطابق ہوں۔ ایک طرف تو حدود الہی کو پوری قوت سے نافذ کیا جانے اور دوسری طرف جو رعایات ہیں ان سے استفادے کا موقع دیا جائے۔ چنانچہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ پر جبکہ وہ مصرہ کے گورنر تھے بائع بن حارث شہل بن معبد اور ابو بکرؓ نے بدکاری کی تہمت لگائی۔ حضرت عمرؓ نے بائع اور چوتھے گواہ زیاد بن ابیہ نے محض شک کا اظہار کیا تو آپ نے بقیہ تینوں پر حد قذف نافذ فرمادی<sup>(۹)</sup>۔ آپ کے عمل کی بنیاد یہ آیت تھی<sup>(۱۰)</sup>۔ ”والدین یرمون المحصن ثم لم یأتوا بأربعة شهداء فاجلدوہم ثمین جلدۃ ولا تقبلوہم شہادۃ ابدا و اولئک ہم العاصفون الا الذین تابوا من بعد ذلک واصلحوا فان اللہ غفور رحیم“<sup>(۱۱)</sup>۔ ”بعد والی آیت میں کیونکہ توبہ کرنے والوں کو چھوٹ دی گئی ہے۔ اس لئے آپ نے فرمایا جو شخص توبہ کرے گا میں اس کی گواہی قبول کر لوں گا“<sup>(۱۲)</sup>۔ ان سے کہا توبہ کرو چنانچہ بائع اور شہل نے توبہ کر لی تو آپ ان کی گواہی قبول کرتے لیکن ابو بکرؓ نے اپنے آپ کو جھٹلانے سے انکار کر دیا لہذا حضرت عمرؓ ان کی گواہی قبول نہیں کرتے تھے<sup>(۱۳)</sup>۔ اسی طرح آپ حد سرقہ کو بھی پوری قوت لیکن ضبط کے ساتھ نافذ کرنے کا حکم دیتے تھے۔ آپ کا قول تھا کہ چوروں پر سختی کرو اور یکے بعد دیگرے ان کے ہاتھ اور پیر کاٹ دو تاکہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تطبیق ہو جائے<sup>(۱۴)</sup>۔ ”السارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیہما جزاء بما کسبا نکالا من اللہ“<sup>(۱۵)</sup>۔

محمد بن سیرین سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے اپنے ایک ساتھی کے ساتھ جنگ گھاتی میں گھوڑے ڈالے۔ وہاں ہم نے ایک ہرن مارا جبکہ ہم دونوں احرام کی حالت میں تھے اب اس بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ حضرت عمرؓ نے اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے ایک شخص

(۱) سورہ آل عمران ۹۷ (۲) حرم ۱۱۶ (۳) سورہ آل عمران ۹۷ (۴) کثیر: ۳۸۶ (۵) کثیر: ۳۸۶ (۶) سعد: ۳۸۶ (۷) مائتہ ۹۱ (۸) عبد البروق: ۴۹ (۹) سورہ طہ ۱۳۲ (۱۰) طہ: ۴ (۱۱) کثیر: ۷ (۱۲) مائتہ: ۸۱ (۱۳) بخاری: ۱۵ (۱۴) سورہ النہ ۴۲ (۱۵) بخاری: ۱۵

(۱) سورہ آل عمران ۹۷ (۲) حرم ۱۱۶ (۳) سورہ آل عمران ۹۷ (۴) کثیر: ۳۸۶ (۵) کثیر: ۳۸۶ (۶) سعد: ۳۸۶ (۷) مائتہ ۹۱ (۸) عبد البروق: ۴۹ (۹) سورہ طہ ۱۳۲ (۱۰) طہ: ۴ (۱۱) کثیر: ۷ (۱۲) مائتہ: ۸۱ (۱۳) بخاری: ۱۵ (۱۴) سورہ النہ ۴۲ (۱۵) بخاری: ۱۵

بخاری: ۱۵۰۱/۳ عبد البروق: ۳۸۶/۷ (۱۳) کثیر: ۷ (۱۴) مائتہ: ۸۱ (۱۵) سورہ النہ ۴۲ (۱۶) بخاری: ۱۵

سے کہا آؤ میں اور آپ اس بارے میں فیصلہ کریں چنانچہ ان دونوں نے ایک بکری کا حکم دیا۔ پوچھنے والا شخص مڑا اور کہا کہ یہ عجیب امیر المومنین ہیں کہ ایک ہرن کا فیصلہ بھی اکیسے نہیں کر سکے۔ جب تک کہ ایک اور شخص کو پنے پاس نہیں بولیا۔ حضرت عمرؓ نے اس شخص کی بات سن لی۔ اسے جا کر پوچھا ”کیا تم نے سورہ المائدہ پڑھی ہے؟“ وہ بولا نہیں پوچھا ”کیا اس شخص کو جانتے ہو جس نے میرے ساتھ مل کر فیصلہ دیا ہے؟“ اس نے جواب دیا نہیں ”فرمایا کہ اگر مجھے معلوم ہو جاتا کہ تو نے سورہ المائدہ پڑھی ہے (اور اس کے باوجود اس کی بات کہتا ہے) تو تجھے مارتا۔“ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا اپنی کتاب میں فرمان ہے ”یَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ هَدْيًا بِلِغِ الْكَعْبَةِ“ (۱)۔ اور یہ عبدالرحمن بن عوف ہیں (۲)۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ یہ چاہتے ہیں کہ لوگ قرآن مجید کو سوچ سمجھ کر پڑھیں اور احکام کو یاد رکھیں۔ آپ کی اجتہادی بصیرت احکام قرآنی کی حکمت اور روح تک پہنچنے میں سرگرم رہتی تھی۔ جب آپ کو کسی بارے میں شرح صدر حاصل ہو جاتا تو اسی کے مطابق فتویٰ دے دیتے۔ آپ کے بیشتر احکام و فرامین میں یہی بات ہمیں چھلکتی ہوئی نظر آتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے ”وَ اتَمُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ“ (۳)۔

حضرت عمرؓ کے نزدیک ان کا پورا کرنا یہ ہے کہ ان دونوں کو الگ الگ ادا کیا جائے۔ عمرؓ کو حج کے مہینوں میں ادا نہ کیا جائے (۴)۔ اس لئے کہ قرآن مجید میں آتا ہے کہ حج کے مہینے مقرر ہیں (۵)۔ ”الحج اشهر معلومات“ (۶)۔ ابو نضر سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ جس منع کرنے کی اجازت دیتے تھے اور ابن زبیر منع کرتے تھے۔ میں نے جابر بن عبد اللہ سے اس بارے میں ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا ”میرے پہلو پر دار حدیث واقع ہے۔“ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمتع کیا تھا۔ ایک دن حضرت عمر فاروقؓ (عہد خلافت میں) کھڑے ہوئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے پنے رسول ﷺ کیسے جو کچھ جائز قرار دیا تھا اے دیا۔ قرآن حکیم اپنی منازل پر نازل ہوا لہذا حج اور عمرے کی سی طرح تکمیل کرو جیسے قرآن چاہتا ہے (۷)۔

حضرت عمر فاروقؓ کے پیش نظر تین حکمتیں تھیں۔ پہلی یہ کہ حج و عمرہ کے الگ الگ ادا کرنے سے دونوں کو بہتر طور پر پوری شعوری و قلبی کیفیت کے ساتھ ادا کیا جاسکے گا۔ دوسری یہ کہ اصل عبادات کی روح ہے۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ حج و عمرہ کو جدا کر دنا کہ تم میں سے کسی کا حج بھی پوری طرح ادا ہو اور عمرہ بھی وہ اس طرح کہ کوئی عمرہ حج کے مہینوں میں ادا نہ کرے بلکہ اور دنوں میں کرے (۸)۔ دوسری یہ کہ آپ یہ چاہتے تھے کہ بیت اللہ کی زیارت زیادہ سے زیادہ ہو۔ لوگ حج کیسے ملک نیت و سفر کر کے آئیں اور عمرے کیلئے الگ اس طرح اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور برکتوں سے خوب فیض یاب ہوں اور اس کا گھر بھی پر رونق و آباد رہے کیونکہ خانہ کعبہ کی مرکزیت توحید کی عظمت اور امت مسلمہ کی فکری و عملی وحدت و اخوت کی بنیاد ہے۔

حضرت سالم سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے حج تمتع کے بارے میں استفسار کیا گیا تو انہوں نے اس کے کرے کا حکم دیا۔ کسی نے کہا تم پنے والد کی مخالفت کر رہے ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ حضرت عمرؓ نے کبھی وہ نہیں کیا جو تم کہہ رہے ہو۔ انہوں نے تو یہ کہا تھا کہ عمرہ حج سے علیحدہ کر دو اور ان کا مقصود یہ تھا کہ حج کے مہینوں کے علاوہ بھی بیت اللہ کی زیارت جاری رہے۔ تم نے خود اس (تمتع کو) حرام قرار دے دیا ہے اور اس پر مزادینے لگے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے حلال قرار دیا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس پر عمل کیا تھا (۹)۔ حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ کیا آپ نے حج تمتع سے منع کیا ہے۔ جواب دیا نہیں بلکہ میرا ارادہ یہ تھا کہ بیت اللہ کی کثرت سے زیارت کی جائے (۱۰)۔ تیسری حکمت جو آپ کے پیش نظر تھی وہ خانہ خدا اور حرم پاک کا تقدس ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری کے بیٹے ابراہیم روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو موسیٰؓ حج تمتع کرے کا فتویٰ دیا کرتے تھے۔ کسی نے ان سے کہا کہ آپ پنے فتوے پر غور کریں کیونکہ آپ کو

(۱) سورہ المائدہ ۹۵ (۲) مالک ۶۱۶، سنن ۱۰۲ (۳) سورہ البقرہ ۱۹۶ (۴) طبری ۳۶۶، ۱: ۲۲۰ (۵) کبیر ۱: ۲۲ (۶) حصاصی ۱: ۳۳۶

ر ر ۱۰۹ (۶) سورہ البقرہ ۹۷ (۷) مسند ۳۸: ۲۸ (۸) مالک ۲۴۷ حصاصی ۱: ۳۳۵ (۹) بیہقی ۵: ۲۱ (۱۰) بیہقی ۵: ۲۱۔

معلوم نہیں کہ امیر المومنین نے بعد میں حج کے بارے میں کیا حکم جاری کیا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابو موسیٰؓ نے حضرت عمرؓ سے ملاقات کی اور اس بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا مجھے معلوم ہے کہ نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب نے حج تمتع کیا ہے لیکن مجھے یہ بات یاد ہے کہ لوگ حرم کے قریب اپنی بیویوں کے ساتھ شب ہائش ہوئے اور جب پٹنیں تو اس کے سروں سے پانی کے قطرے پک رہے ہوں<sup>(۱)</sup>۔ یعنی یہ بات کہ منع کرنے کی حیثیت کیا ہے؟ کیا حج تمتع کو ناجائز سمجھتے تھے یا حج عمرہ کے ننگ کرنے کو افضل جانتے تھے اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک ابتداء میں جوار کے قائل نہیں تھے بعد میں اپنی رائے سے رجوع کر لیا بن حزم کا بھی یہی خیال ہے<sup>(۲)</sup>۔ لیکن بعض دیگر علماء کہتے ہیں کہ سب الگ الگ کرنے کو افضل گردانتے تھے۔ چنانچہ ابن کثیر کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی ممانعت بطور حرام کہنے کے نہ تھی بلکہ اس لئے تھی کہ لوگ کثرت بیت اللہ شریف کا قصد حج اور عمرے کیلئے کریں جیسا کہ سب سے صراحت امر وی ہے<sup>(۳)</sup>۔ علامہ قرطبی کے بقول بعض علماء کا یہ خیال بھی ہے کہ حضرت عمرؓ نے جس تمتع سے منع کیا تھا اور سزا دی تھی وہ یہ تھا کہ حج کو عمرے ہی میں فتح کر دیا جائے<sup>(۴)</sup>۔

ہمارے نزدیک حضرت عمرؓ جوار تمتع کے قائل تھے اس لئے آپ حتیٰ سے منع نہیں کرتے تھے۔ آپ کا اپنا قول ہے کہ ہمیں تمہیں تمتع سے منع نہیں کرنا کیونکہ یہ تو کتاب اللہ میں موجود ہے اور رسول اللہ ﷺ نے بھی کیا ہے<sup>(۵)</sup>۔ یہ رجوع کر لینے کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ مذکور حکمتوں کے پیش نظر آپ افضل اسی کو خیال کرتے تھے کہ حج اور عمرہ الگ الگ کیا جائے۔ بھلا اس کی یہ بات بالکل درست ہے جس میں انہوں نے حضرت عمر فاروقؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ کے موقف کو پیش کرتے ہوئے فرمایا ہے ”کان الاختلاف فی الافضل لا فی الحظر والایباحہ“<sup>(۶)</sup>۔ ”آپ کی قرآن حکیم سے عملی و انتہائی کالی نتیجہ تھا کہ جب آپ کے کسی اقدام یا عمل پر کوئی آیت یا روایت اپنی غلطی کا اعتراف کر کے رجوع کر لیتے تھے۔ آپ لوگوں کی فلاح و بہبود اور تقسیم و تربیت کا بہت خیال رکھتے تھے اس کیلئے عملی منصوبے بنانے کیلئے عوام کے حالات سے آگہی بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ آپ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے منصبی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کیلئے ہر وقت سرگرداں رہتے۔ یہی بات تجسس پر آمادہ کرتی تھی۔ متعدد ایسے واقعات ہیں کہ آپ کے سامنے آیت قرآن ”ولا تجسسوا“<sup>(۷)</sup> پڑھی گئی تو آپ نے کام پر سزا دینے کا ارادہ ترک کر دیا اور محض تنبیہ پر قناعت کی کیونکہ آپ کے اپنے عمل میں تجسس کا عنصر شامل تھا۔

ایک مرتبہ آپ کو اطلاع دی گئی کہ ابو محصن ثقیفی اور ان کے ساتھی اپنے گھر میں مئے نوشی کر رہے ہیں۔ آپ فوراً روانہ ہوئے اور ان کے گھر پہنچ گئے۔ دیکھا تو ان کے پاس ایک ہی شخص تھا۔ ابو محصن نے کہا اے امیر المومنین یہ آپ کیلئے جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تجسس سے منع کیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ اس پر حضرت رید بن ثابتؓ اور حضرت عبداللہ بن ارقمؓ نے کہا اے امیر المومنین یہ درست کہہ رہے ہیں کیونکہ یہ بھی تجسس ہی ہے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں چھوڑ دیا اور باہر آ گئے<sup>(۸)</sup>۔ آپ کا یہ طریقہ رہا کہ لوگوں کے حالات سے واقفیت اور ان کی حفاظت و نگرانی کرنے کیلئے رتوب کو مدینے کی گلیوں میں گشت لگایا کرتے تھے<sup>(۹)</sup>۔ کئی مرتبہ آپ اپنے ساتھ کسی اور صحابی کو بھی مالا لیتے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ سے مروی ہے کہ ایک شب میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ گشت پر تھا۔ چلتے چلتے ہم نے دیکھا کہ ایک گھر میں چراغ جل رہا ہے۔ چنانچہ ہم اس سمت کو ہوتے قریب پہنچے تو گھر کا دروازہ بند تھا اور گھر میں شور و شب کی آوازیں آرہی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کا ہاتھ پکڑا اور پوچھا تمہیں معلوم ہے کہ یہ کس کا گھر ہے۔ میں نے کہا نہیں، حضرت عمرؓ نے بتایا کہ یہ ربیعہ بنت امیہ بن خلف کا گھر ہے اور ان لوگوں نے شراب کی مجلس جمادی کی ہے لہذا اب تمہارا کیا خیال ہے؟

(۱) بیہمی ۵، ۶، سنائی ۵، ۵۳، ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶

اس پر حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ ہم تجسّس کر رہے ہیں اور اللہ نے تجسّس سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ان لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا اور وہاں سے چلے گئے<sup>(۱)</sup>۔ آپ اس آیت کی تاویل کر کے مزاحمت کتے تھے کیونکہ خود اس کے جتنی شہادت تھے لیکن آپ نے حکم قرآنی کے آگے سر تسلیم خم کر دیا اور اپنے جذبات پر قابو پایا۔ آپ کے دل میں یہ کھٹکنا لگا رہتا تھا کہ کہیں آپ سے احکام قرآنی کی خلاف ورزی نہ سرزد ہو جائے اس بارے میں خود ہی اپنا چکر بہتے رہتے تھے۔ آپ سداً منکرات کیسے دورے کو استعمال کرتے تھے وہ آپ کی علامت و نشانی بن گیا۔ اس سے لوگ بہت ڈرتے تھے اور یہ مثل مشہور ہو گئی کہ عمرؓ کا دورہ تمہاری تلوار سے زیادہ ہیبت ناک ہے ”اللہ رة عمر احیب من سیفکم“<sup>(۲)</sup>۔ آپ کو اس بات کا احساس بھی تھا کہ حضرت حسن ابصرؓ سے روایت ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینے کی گلیوں میں گھوم پھر رہے تھے کہ آپ کے سامنے یہ آیت آئی۔ ”والذین یودون المؤمنین والمؤمنات بغير ما کنسبوا لقد احتملوا بهتانا واتمما مہیا“<sup>(۳)</sup>۔ اس آیت کو سنتے ہی آپ نے اپنا سر شروع کر دیا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا ”میں مومنوں اور مومنات کو بڑی ادیت پہنچاتا ہوں۔“ اس کے بعد حضرت ابی بن کعبؓ کے پاس پہنچے۔ گھر میں داخل ہوئے وہ ایک سجادہ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے اسے اپنے پیچے سے کھینچا اور آپ سے کہا امیر المؤمنین آپ اس پر تشریف رکھئے۔ آپ نے فرمایا ”نہیں!“ پھر اسے اپنے پاؤں سے سر کا دیا اور یونہی بیٹھ گئے اور مذکورہ بالا آیت تلاوت کرنے کے بعد فرمایا ”میں ذرا تاہوں کہ کہیں میں اس آیت کریمہ کے مصداق نہ ہوں کیونکہ میں بھی مومن مردوں اور عورتوں کو تکلیف پہنچاتا ہوں۔“

حضرت ابی نے کہا نہیں نہیں ان شاء اللہ کیونکہ آپ تو لوگوں کو لاپ سکھاتے ہیں۔ اس سلسلے میں آپ مجبور ہیں کہ آپ اپنی رعیت کی ہدایت و تربیت کریں۔ بعض چیزوں کا اسے حکم دیں اور بعض سے منع کریں۔ حضرت عمرؓ نے یہ سن کر فرمایا میں تو کہتا ہوں کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے<sup>(۴)</sup>۔ قرآن حکیم سے گہرے فکری و عملی رشتے کا یہ نتیجہ تھا کہ جب آپ کے سامنے اللہ تعالیٰ کا نام آیا تو کوئی آیت قرآنی پیش کی جاتی آپ کا قصہ بھی ٹھنڈا ہو جاتا۔

زید بن اسلم نے اپنے والد سے روایت کی کہ بلائ نے عمرؓ کے پاس جانے کی اجازت چاہی تو میں نے کہا وہ سوتے ہیں۔ انہوں نے کہا ”اے اسلم تم عمر کو کیسا پاتے ہو؟“ میں نے کہا ”وہ سب سے اچھے ہیں سوئے اس کہ جب غضب میں ہوتے ہیں تو امر عظیم ہوتے ہیں۔ بلائ نے کہا کہ اگر میں اس وقت ان کے پاس ہوتا تو ان کے سامنے قرآن اتنا پڑھتا کہ ان کا غضب چلا جاتا<sup>(۵)</sup>۔ عبد اللہ بن عون بن مالک مدہ نے اپنے باپ دواسے روایت کی کہ مجھے ایک روز عمرؓ نے ڈانٹا اور درے سے مدعا عرض کیا میں ”آپ کو اللہ یاد دلاتا ہوں۔ عمرؓ نے دروہ ڈال دیا اور کہا کہ تم نے بہت بڑے کو یاد دلادیا“<sup>(۶)</sup>۔ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ میں نے کبھی ایسا نہیں دیکھا کہ عمرؓ غضب میں ہوں اور ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے یا خوف دیا جائے یا کوئی شخص قرآن کی آیت پڑھ دے تو وہ درے سے ہارت آجائیں<sup>(۷)</sup>۔ ایک شخص عیینہ نے ملنے کی اجازت مانگی آپ نے دے دی تو آتے ہی اس نے کہا اے ابن خطاب تم ہمیں بد اخق نہیں دیتے اور نہ ہی عدل کے مطابق فیصلے کرتے ہو۔ یہ سن کر آپ کو غصہ آ گیا۔ حذیفہؓ کہتے ہیں کہ میں سے سوچا اب خیر نہیں اس لئے عرض کیا اے امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ نے آپے نبی ﷺ سے فرمایا ہے<sup>(۸)</sup>۔ ”خلدالمعروف وامر بالمعروف واعرض عن الجاہلین“<sup>(۹)</sup>۔

انسان کے جذبہ عمل کی سب سے بڑی اساس ایمان و یقین ہے۔ خاص طور پر سماجی معاملات میں جہاں جائز و ناجائز کی حدود قدم قدم پر انسان کے نفع و نقصان پر فوری اور براہ راست اثر انداز ہو رہی ہوتی ہیں وہاں انسان کے ایمان کی آزمائش بڑی سخت ہوتی ہے اور شک و تردید کا شکار انسان کبھی ثابت قدم نہیں رہ سکتا۔ آپ کے سارے عملی رویے کا دورہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر کامل ایمان اور ان کے احکامات کے دیوبی اور اخروی دونوں اعتبار سے مفید ہونے کے شعوری یقین

(۱) عبد اللہ بن ابی ۲۳۱، ۱۰، بیہقی ۸، ۲۳۳ (۲) سیوطی ۱۲۷، (۳) سورہ الاحزاب ۵۸، ۲۳ (۴) حورث ۱۶۷، (۵) سعد ۲۹۳، ۳، سیوطی ۱۲، (۶)

سعد ۳۰۹، ۳، (۷) سعد ۳۰۹، ۳، سیوطی ۱۳۰، (۸) حورث ۱۵۵، (۹) سورہ الاعراف ۱۹۹، ۷۔

پر تھا۔ اس کی نمیاں مثال کے بارے میں آپ کی احتیاط ہے۔ سود جابلانہ معاشرے کی معاشی رگوں میں خون کی طرح گردش کر رہا تھا۔ اس کو فوری طور پر شتم کرنا ناممکن تھا یہی وجہ ہے کہ اس کی حرمت کی آیات بہت بعد میں نازل ہوئیں اور اس کے بارے میں احکام بھی بہت سخت نازل ہوئے۔

بقولِ رسد اس حضرت عمرؓ نے رہائی آیاتِ عداوت کیں تو آپ کا دل خوف سے کاپ اٹھا اور ایسے واقعات جن سے اس آیت کی وضاحت میں مدد ملتی اپنی نوعیت کے اعتبار سے بہت کم وقوع پذیر ہوئے تھے۔ علاوہ بریں حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی کوئی تشریح بھی نہیں سنی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عمرؓ رہا کے معاملے میں بہت محکم ہو گئے تھے تھے<sup>(۱)</sup>۔ چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے: "قرآن میں آخری آیت 'تیت رہا نزل ہوئی'۔" رسول اللہ ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے اور آپ نے اس کی وضاحت نہیں فرمائی۔ اس لئے رہا سے بھی بچو اور ریدہ (شک) سے بھی بچو<sup>(۲)</sup>۔ ریدہ سے حضرت عمرؓ کی مراد وہ امر ہے جس کے بارے میں یہ گمان ہو کہ ہو سکتا ہے کہ یہ رہا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ رہا کے معاملہ میں بہت احتیاط کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم نے عدل کے دس حصوں میں نو حصے رہا کے خوف سے ترک کر دیئے<sup>(۳)</sup>۔

ایک دن آپ نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ قسم بخدا ہمیں نہیں معلوم کہ ہم تمہیں کوئی حکم دیں یا وہ تمہارے لئے بہتر نہ ہو اور ہو سکتا ہے کہ بعض امور سے تم کو روک دیں، لیکن وہ تمہارے لئے بہتر ہوں۔ آیت رہا اعتبار نزول قرآن پاک کی آخری آیات ہیں۔ رسول اللہ ﷺ ان کی تفصیل بیان کرنے سے قبل ہی وفات پا گئے۔ اب یہی طریقہ ہے کہ آپ لوگ ان امور کو ترک کر دیں جس میں رہا کا شبہ بھی ہو اور ان امور کو اختیار کریں جن میں رہا کا شبہ نہ ہو<sup>(۴)</sup>۔

## ۵۔ قرآنی علوم کی فروج و اشاعت:

### ۱۔ تعلیم قرآن پر عمل:

آپ کی بصیرت و فراست پر یہ بات پوری طرح عیاں تھی کہ مسلمانوں کا قرآن حکیم سے تعلق بہتار یا دہ مضبوط ہو گا اتنا زیادہ ان کا ایمان پختہ ہو گا عقیدہ صحیح ہو گا عمل صالح ہو گا اور اپنی سیرت و کردار کے اعتبار سے انسانی ریاست کے ذمہ دار شہری بن سکیں گے اور دنیا و آخرت میں سرخروئی اور نجات کے مستحق قرار پائیں گے۔ علاوہ ازیں عملی زندگی کے نت نئے مسائل کو بھی حکم خداوندی کی روح کے مطابق حل کرنے کے قابل ہوں گے۔ معاشرے کی مادی و روحانی ترقی کا سارے انحصار اسی تعلق پر ہے۔ اسی وجہ سے آپ نے اپنے عہد خلافت میں قرآن حکیم کی تعلیم کا خصوصی ہتمام کیا۔ عہد صدیقی میں آپ ہی کے مشورے پر قرآن مجید کی تدوین ہوئی<sup>(۵)</sup>۔ جب خلافت کی ذمہ داریوں کا بوجھ آپ کے کندھوں پر آیا تو آپ نے لوگوں کی تعلیم و تربیت کیلئے قرآن حکیم کو مرکز محور بنایا۔ عدم شبہی نعمتی نے بالکل صحیح کہا ہے "اس وقت قرآن مجید کی حفاظت اور صحت کیلئے چند امور نہایت ضروری تھے۔ اول یہ کہ نہایت وسعت کے ساتھ اس کی تعلیم شروع کی جائے اور سینکڑوں ہزاروں آدمی حافظ قرآن بنادئے جائیں تاکہ تحریف و تغیر کا احتمال نہ رہے۔ دوسرے یہ کہ اعراب اور ہجاء کی صحت نہایت اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھی جائے۔ تیسرے یہ کہ قرآن مجید کی بہت سی نقلیں ہو کر ملک میں کثرت سے شائع ہو جائیں۔ حضرت عمرؓ نے ان تینوں امور کو اس کمال کے ساتھ سرانجام دیا کہ اس سے جھگڑا ممکن نہ تھا<sup>(۶)</sup>۔

آپ کا یہ ارشاد تھا "تعلّموا کتاب اللہ تعرّفوا بہ واعملوا بہ تکتونوا من اہلہ"<sup>(۷)</sup>۔ "آپ نے جو نظام تعلیم مرتب کیا اس نے بچوں، جوانوں، بوڑھوں

(۱) رداس ۳۳۰ (۲) مسلم ۱/۲۶۲ ح ۴۷۷، ۸ (۳) عبدلررق ۸/۱۵۲ (۴) حرمہ ۸/۱۷۷ (۵) بحرہ ۵/۲۱۰ رمذی ۴/۳۴۶ حدیث ۳۶

مسوحتی ۱۷۴/۱۴۴ (۶) شبلی ۱۱/۲۶۶ (۷) مسوحتی ۱۰۰/۲۵۴ سے ۲۵۵۔



مردوں، عورتوں، ذہیب، تیس اور شہریوں میں قرآن کو پڑھنے اور سمجھنے کا جوش و جذبہ پیدا کر دیا۔ آپ نے مفت تعلیمی سہولیات، کمپنیاں کیلئے ریاست کے طوں و عرض میں معلمین جیسے اور ان کی باقاعدہ تنخواہوں کا جراء کیا تاکہ وہ اپنی معاشی ضرورتوں سے بے نیاز ہو کر علم قرآن کی ترویج کیلئے کوشاں رہیں۔ حضرت حس کی ریاست میں آتا ہے "ان عصر بن الخطاب و عثمان بن العاص کان یرفان المودیس والائمة والمعلمین والقضاة"۔<sup>(۱)</sup> یہ تنخواہیں اس وقت کے حالات سے ایسی ہوتی تھیں جن سے ہسانی گزر و قات کا انتظام ہو سکے۔ مدینہ منورہ کے خدو بچوں کی تعلیم کیلئے بہت سے چھوٹے چھوٹے کتب تھے۔ ان کے معلمین کی تنخواہیں پندرہ پندرہ درہم ماہانہ ہوتی تھیں<sup>(۲)</sup>۔ آپ نے قرآن کی تعلیم لاری اور جبری قرار دی کیونکہ آپ یہ جانتے تھے کہ اس کے بغیر آدمی صحیح طور پر اسلام کے تقاضوں کو پورا نہیں کر سکتا۔ یہاں شخص جو قرآن حکیم کی تدوین کو سمجھتا ہو نہ مزاج کو جسے نہ تو اس کے احکام کا علم ہو اور نہ صاحب و حرم کا تودہ برائے نام ہی مسلمان ہو کر رہ جائے گا۔ خاص طور پر بدوی اور دیہاتی اس معاملے میں غفلت برتتے تھے۔ جہاں ترغیب موثر نہ ہو وہاں تعزیری پنا کام دکھائی ہے۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ آپ نے ایک ایسے شخص جس کا نام ابو سفیان تھا چند اور لوگوں کے ساتھ مامور کیا کہ قبائل میں پھر پھر کر ہر شخص کا امتحان لے کر جس کو قرآن مجید کا کوئی حصہ یاد نہ ہو سے مراد<sup>(۳)</sup>۔ آپ کا یہ فرمان تھا کہ قرآن کو پانچ پانچ آیات کر کے سیکھو کیونکہ جبریل مین نبی ﷺ پر پانچ پانچ آیات کے ساتھ نازل ہوتے تھے<sup>(۴)</sup>۔ آپ کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ سب لوگ احکام قرآن سے آگاہ ہوں۔ اس لئے سورہ نساء، مائدہ اور نور کی نسبت یہ حکم دیا کہ سب لوگ اس قدر قرآن ضرور سیکھیں کیونکہ ان میں حکام و فرائض مذکور ہیں<sup>(۵)</sup>۔ عورتوں کے بارے میں چاہتے تھے کہ وہ سورہ النور ضرور پڑھیں چنانچہ اپنے ایک خط میں لکھا "وعلموا نساءکم سورۃ النور"<sup>(۶)</sup>۔

آپ قرآن مجید کے حصول کو حفظ کر کے کی ترغیب دیتے تھے اس لئے کہ آپ بخوبی جانتے تھے کہ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ قرآن کی اتنی مقدار ضرور حفظ کرے جس کی تلاوت سے نماز صحیح ہو سکے۔ چنانچہ آپ کی رائے تھی کہ اس کی کم از کم مقدار چھ سورتیں ہیں جن کو وہ جبری نمازوں میں تلاوت کرے اور ایک سورہ آدن میں ایک مرتبہ سے زائد بار نہ پڑھے۔ قنادہ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب نے فرمایا کہ ہر مسلمان کیلئے ضروری ہے کہ اسے چھ سورتیں یاد ہوں۔ دو صبح کی نماز کیلئے دو مغرب کی نماز کیلئے اور دو عشاء کی نماز کیلئے<sup>(۷)</sup>۔ آپ کے نزدیک قرآن حکیم سے تعلق ہی نبوت کا واحد راستہ تھا۔ آپ یہ چاہتے تھے کہ مرتے دم تک لوگ اس کا دامن تھامے رہیں اسی کیلئے کوشاں رہتے تھے۔ اسی بناء پر آپ کی رائے یہ تھی کہ جس شخص کی موت کا وقت قریب ہو اس کے گھر والوں کو چاہئے کہ اس کے پاس بیٹھ کر قرآن کریم پڑھیں تاکہ وہ بھی حد کو یاد کرے اور اس پر اللہ سبحانہ کی رحمتیں نازل ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اپنے مرنے والوں کے پاس موجود ہوں ان کو مالہ اللہ کی تلقین کرتے رہو (مرنے کے بعد ان کی آنکھیں بند کر دو اور ان کے پاس قرآن پڑھو)<sup>(۸)</sup>۔

آپ نے علوم القرآن کے فروغ و درس کے معانی و مطالب سے لوگوں کو آگاہ کرنے کیلئے جو انتظامات کئے ان میں یہ بھی تھا کہ تمام مفتوحہ علاقوں میں قرآن حکیم کے درس کا اہتمام کیا۔ یہ کام صرف معلمین کے دے نہیں بلکہ حکومت کے مختلف اہلکاروں کی بھی ذمہ داری تھی کہ خود بھی درس قرآن دیں۔ مثلاً آپ نے جب حضرت عمار بن یاسرؓ کو کوفہ کا گورنر بنا کر بھیجا تو حضرت عثمان بن عفیفؓ، معصومات اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو بیت اعمال کی ذمہ داری سونپی اور ان تینوں کو یہ حکم دیا کہ وہ اہل کوفہ کو قرآن کی کم سے کم ایک آیت کا درس دیا کریں<sup>(۹)</sup>۔ آپ کے نزدیک یہ معادہ نہایت اہم تھا اس لئے آپ نے ریاست کے طوں و عرض میں قرآن حکیم کے چوٹی کے علموں کو بھیجا تاکہ وہ بھی تعلیم القرآن کا انتظام بھی کریں اور نگرانی بھی اور اس کی ترویج کیلئے جو ممکنہ درائع اور طریقے ہو سکیں

(۱) حبر: ۱، ۶۱ (۲) سی: ۱۱، ۲۷۱ (۳) سی: ۱۱، ۲۶۱ (۴) مسر: ۰ (۵) سی: ۱۱، ۲۶۸ (۶) مسر: ۰ (۷) مسر: ۱۱، ۲۶۳ (۸) مسر: ۱۱، ۲۶۳ (۹) مسر: ۱۱، ۲۶۳

”سَيَاتِي الْمَسَّاجِدُ يُجَادِلُونَكُمْ بِشِبْهَاتِ الْقُرْآنِ فَجَلِّدُوهُمْ بِالْحَسَنِ فَإِنَّ أَصْحَابَ الْمَسْأَلَةِ أَعْلَمُ بِكِتَابِ اللَّهِ“ (۱)۔ ”آپ تو صرف یہ چاہتے تھے کہ صحیح اور مستند حدیث روایت کی جائیں۔ راوی ثقہ ہو اور پوری ذمہ داری سے بات کہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک مقصد یہ بھی تھا کہ قرآن وحدیث کا فرق و امتیاز قائم رہے۔“ سی بناء پر آپ مسلمانوں کو ایک بصیرت افروز تاکید یہ بھی فرماتے تھے کہ قرآن کو علیحدہ لکھو اس کے ساتھ احادیث رسول ﷺ یا تفسیر کی الفاظ بھی نہ لکھو۔ آپ کو یہ اندیشہ تھا کہ کہیں خط ملط نہ ہو جائیں۔ جب بھی کوئی ایسی شے دیکھتے اسے کھف کر دیتے۔ چنانچہ عامر شعلی سے مروی ہے کہ ایک شخص نے مصحف لکھا اور ہر آیت کے ساتھ اس کی تفسیر بھی لکھی۔ حضرت عمرؓ نے اسے منگوایا اور قہقہی سے کٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا (۲)۔

## ۲۔ قاریوں کی حوصلہ افزائی:

آپ کی بصیرت و فراست سے یہ بات بھی مخفی نہیں تھی کہ قرآن کی تعلیم کی ترویج اور اس کے حفظ کی طرف زیادہ سے زیادہ لوگوں کو متوجہ کرنے کیلئے صرف وعظ و نصیحت کافی نہیں ہے۔ اس کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ حوصلہ افزائی کیلئے انہیں عطیات دیئے جائیں۔ چنانچہ آپ نے وفائف کی تقسیم میں جو درجہ بندی کی اس میں قرأت کا بھی لحاظ رکھا (۳) اور عمال کو بھی ایسی ہی بدلیات جاری فرمائیں۔ چنانچہ ایک عامل کے ہام خط تحریر کیا کہ لوگوں کو قرآن سیکھے پر عطیات دیا کرو۔ اس پر عامل نے جواب لکھا کہ آپ نے تحریر کیا ہے کہ میں لوگوں کو قرآن کے سیکھنے پر عطیات دیا کروں۔ مجھے یہ اندیشہ ہے کہ بعض لوگ صرف انعام کی خاطر قرآن سیکھیں گے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ عطیات دینے میں آپ لوگوں کی مالی غریبی اور قرآن سے شغف کو بھی ملحوظ خاطر رکھیں (۴)۔

عمال سے دو قافو قاف قرآن خوانوں کے رجسٹر منگواتے رہتے تھے۔ ان تدبیروں کا نتیجہ یہ نکلا کہ بے شمار آدمی قرآن پڑھ گئے۔ ناظرہ خوانوں کا تو شمار نہ تھا لیکن حافظوں کی تعداد سینکڑوں ہزاروں تک پہنچ گئی (۵)۔ فوج کو جو ضروری بدلیات بھیجتے تھے ان میں یہ بھی ہوتا کہ قرآن مجید پڑھیں۔ ایک مرتبہ فوجی افسروں کو لکھا کہ حفاظ قرآن کو میرے پاس بھیج دو تاکہ میں ان کو قرآن کی تعلیم کیلئے جا بجا بھیجوں تو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے جواب دیا کہ میری فوج میں تین سو حفاظ ہیں (۶)۔ آپ نے حوصلہ افزائی کا ایک طریقہ یہ بھی اختیار کیا کہ قرآن کے عاملوں کی خوب عزت و تکریم کی جائے اور ان کا سماجی مقام و مرتبہ بلند کیا جائے۔ آپ س وجہ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ جو عمر میں چھوٹے تھے کو شیوخ بدر کے پاس جگہ دیتے اور اپنے ساتھ بٹھاتے۔ کسی نے عرض کیا کہ یہ لڑکا ساتھ کیوں داخل کیا جاتا ہے حالانکہ ان کی ہمسری تو ہمارے بیٹے کر سکتے ہیں؟ حضرت عمرؓ نے یہ اعتراض سن کر فرمایا: ”یہ لڑکا ان لوگوں میں سے ہے جن (کے درجہ) کو تم جانتے ہو۔“ چنانچہ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے ایک دن شیوخ بدر کو طلب کیا اور ابن عباسؓ کو بھی ان ہی کے ساتھ بٹھایا۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں میں سمجھ گیا کہ حضرت عمرؓ نے آج مجھ کو ان لوگوں کے ساتھ محض اس لئے طلب کیا ہے تاکہ ان کو (میرا مرتبہ) دکھا دیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے شیوخ بدر کو مخاطب کر کے دریافت کیا تم لوگ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ”اداء بصر اللہ والفتح“ کے بارے میں کیا کہتے ہو۔ بعض شیوخ نے اس کے جواب میں کہا ”ہمیں اس وقت اللہ تعالیٰ کی حمد کرنے اور اس سے مغفرت چاہنے“ کا حکم دیا گیا ہے جبکہ ہم کو نصرت عطا ہو اور ہمیں فتوحات ہاتھ آئیں۔ بعض شیوخ بالکل سکت ہو رہے اس لئے کوئی بات نہیں کی۔ حضرت عمرؓ نے ان کا جواب سن کر میری طرف توجہ فرمائی اور کہا ”کیوں ابن عباسؓ کی تم بھی ایسا ہی کہتے ہو؟“ میں نے کہا ”نہیں“ حضرت عمرؓ نے دریافت فرمایا ”پھر تم کیا کہتے ہو؟“ میں نے کہا ”دور رسول اللہ ﷺ کی رحلت کی طرف اشارہ ہے جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے آپ کو دی تھی اور فرمایا کہ ”جس وقت اللہ تعالیٰ کی مدد اور فتح آئے تو یہ بات تمہارے دنیا سے سفر کرنے کی علامت ہے اس وقت تم اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تسبیح خوانی کرنا اور اس سے مغفرت

چاہتا کہ در حقیقت اللہ پاک بڑا توبہ کا قبول کرنے والا ہے۔ ”میرا یہ جواب سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا ”مجھ کو بھی اس سورت کے بارے میں یہی بات معلوم ہے جو تم کہتے ہو (۱)۔“

آپ حکومت کے مختلف مناصب پر تقرریوں کے وقت بھی اہل علم ہی کو فزیت دیتے تھے۔ یہاں تک کہ عسکری عہدے پر بھی پیشہ درانہ مہارت کے ساتھ ساتھ علم کا بطور خاص لحاظ رکھتے۔ بقول سلمان بن بريدہ ”ان امير المؤمنين كان اذا اجتمع اليه جيش من اهل الايمان امر عليهم رجلا من اهل العلم والفقه (۲)۔“ یہاں علم سے مراد کتاب و سنت ہی کا علم ہے۔ آپ کے پورے عہد خلافت میں یہی روح کار فرما رہی اور دیگر مقامات پر بھی آپ کی اسی پالیسی کی پیروی کی جاتی تھی۔ عامر بن واثلہ سے روایت ہے ”تابع بن عبد اللہ نے جو عثمانؓ میں سے تھے حضرت عمرؓ سے ملاقات کی۔ آپ نے مکہ کا عامل بنادیا پھر ان سے پوچھا کہ تم نے جنگل والوں پر تحصیلدار مقرر کیا ہے؟“ انہوں نے جواب دیا ابن ابزی کو پوچھا ابن ابزی کون ہے؟ جواب دیا کہ وہ ہمارے آزاد کردہ غلاموں میں سے ایک ہے۔ فرمایا ”کیا تم نے ایک غلام کو ان پر تحصیلدار بنادیا ہے؟“ انہوں نے جواب دیا ”اے فداوی کتاب اللہ تعالیٰ و اللہ عالم بالقوالص“ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا ”سنو بے شک تمہارے نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے بہت سے لوگوں کو سر بلند کرے گا اور بہت سے لوگوں کو نیچے گرا دے گا (۳)۔“

آپ صحابہ کرامؓ کے فہم القرآن میں خصوصی دلچسپی لیتے تھے۔ ایسے تمام افراد کی عزت و تکریم کرتے جن سے استفادہ کرتے ان سے مختلف سوالات پوچھتے۔ ان کا امتحان لیتے ان کی تربیت فرماتے ان کو اپنا قرب عطا فرماتے اجتماعی مسائل میں انہیں شریک مشورہ کرتے تاکہ ایک طرف اسلامی احکام کی روح کے عین مطابق فیصلے صادر کرنے اور نہیں نافذ کرنے میں مدد مل سکے اور دوسری طرف لوگوں کے اندر سوچ بچار کا مادہ پیدا ہو ان کی صلاحیتوں کو جاننے اور وہ احکام کے استنباط و طلاق کی تربیت پائیں۔ تیسری طرف مشاورتی طرز عمل اختیار کرنے کا رجحان مستحکم ہو اور لوگ معاشرتی معاملات میں اپنی شراکت و ذمہ داری کو محسوس کریں اور جو قسمی طرف کتاب و سنت اور علوم و فنون کی طرف لوگ پورے جوش و خروش سے راغب ہوں اور ایک علمی فضا اور ماحول پیدا ہو۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ان عظیم مقاصد میں کامیابی عطا فرمائی اور آپ نے جو علمی روایات چھوڑی ہیں وہ ہر دور کے مسلمانوں کیلئے اور خاص طور پر ارباب اقتدار و اختیار کیلئے روشنی کا مینار ہیں۔ فہم القرآن سے آپ کی دلچسپی کا اندازہ شعبی کی اس روایت سے لگایا جاسکتا ہے

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی سفر میں ایک سواروں کی جماعت سے ملے جن میں ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ ان لوگوں سے پکار کر دریافت کرو کہ وہ کہاں سے آرہے ہیں۔ قافلہ کے لوگوں نے جواب دیا ”اقلنا من الصبح العمیق بريد البيت العتيق۔“ یعنی ہم لوگ دور دراز منزل سے آرہے ہیں اور بیت اللہ شریف کو جاتے ہیں۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ جواب سن کر فرمایا ”بے شک ان لوگوں میں ضرور کوئی عالم آدمی ہے۔“ پھر انہوں نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ ان سے با واز بلند دریافت کرے کہ قرآن کا کونسا حصہ عظیم تر ہے؟ عبد اللہ بن مسعود نے اس سوال کے جواب میں کہا ”اللہ لا الہ الا هو الحي القيوم (۴)۔“ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شخص سے فرمایا ”ان سے دریافت کرو کہ قرآن کا کونسا حصہ حکم ہے؟“ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ”ان اللہ باصر بالعدل والاحسان وابتداء دی القرطبی (۵)۔“ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ”ان سے دریافت کرو کہ قرآن کا کونسا حصہ جمع (جامع تر) ہے؟“

(۱) سیوطی ۱۸۸۱: ۲۷ (۲) طرق اللہ ۱۸۶: ۲ (۳) مسند ۲۰۱: ۱۲۷ (۴) مسند ۲۵۸: ۱۷۷ (۵) مسند ۲۵۵: ۲ (۶) سورہ فصل ۱۶: ۹۰

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ”فمن يعمل مثقال ذرة خيرا يره ومن يعمل مثقال ذرة شرا يره“<sup>(۱)</sup>۔ ”عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ ان سے دریافت کرو کہ ”قرآن کا کونسا حصہ احسن ہے؟“ جواب ملا ”من يعمل سوءا يعجزه“<sup>(۲)</sup>۔ ”پھر حضرت عمرؓ نے ان سے کہا ”ان سے پوچھو کہ قرآن میں ارجمند کونسا ہے؟“ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ”قل يا عبادي الذين اسرفوا على انفسهم“<sup>(۳)</sup>۔ ”یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس جماعت سے دریافت کیا کہ ”کیا تم لوگوں میں ابن مسعودؓ موجود ہیں۔“ انہوں نے کہا ”ہاں!“<sup>(۴)</sup>۔

اس روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ قرآن فنی کا جو ہر جہاں بھی پاتے اس کی طرف متوجہ ہوتے۔ سوالات کا اندازہ یہ بتاتا ہے کہ امتحان بھی دینا چاہتے تھے تاکہ یہ جان سکیں کہ واقعی اس کا رخ بھی صحیح ہے۔ اس سے آپ کی مردم شناسی کا بھی پتا چلتا ہے کہ آپ یہ جان گئے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے جوابات ہی ہو سکتے ہیں۔ ”پھر حوصلہ افزائی کے ساتھ ساتھ یہ بھی اہتمام کرتے تھے کہ لوگ بے دریغی تھریں بلکہ پوری تحقیق کے ساتھ صحیح بات بیان کریں۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے کہا کہ مجھے کتاب اللہ میں ایک آیت شدید تر معطوم ہوئی ہے۔ آپ نے پتہ کر اس شخص کو درود مبارک اور فرمایا ”کیا تو نے اس کا سراغ لگا کر اسے معلوم کیا ہے؟ اچھا بتاؤ کونسی آیت ہے؟“ اس نے جواب دیا ”ومن يعمل سوءا يعجزه“<sup>(۵)</sup>۔ ”آپ نے سن کر فرمایا ”جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی اس وقت ہم بہت عرصہ تک اس حالت میں مبتلا رہے کہ ہمیں کھانا پینا کچھ بھی اچھا نہیں لگتا تھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد یہ آیت نازل فرمائی اور ہمیں آسانی عطا کی“<sup>(۶)</sup>۔ ”من يعمل سوءا و يظلم نفسه ثم يستعطف الله يجد الله عفورا رحيما“<sup>(۷)</sup>۔ ”پہلے پہل آپ کو یہ اندیشہ ہوا کہ شاید وہ شخص با تحقیق بات کہہ رہا ہے، لیکن جب جواب سن کر اطمینان ہوا تو پھر آپ نے اس کی صحیح رہنمائی بھی کر دی کہ ایسا ہی ٹرھی ہے کرامؓ پر بھی ہوا تھا لیکن اس کا جواب بھی قرآن مجید میں موجود ہے۔ اس طرح اس کی معلومات میں اضافہ کر کے اسے اطمینان دلادیا کہ اللہ تعالیٰ نے استغفار کا راستہ بھی کھلا رکھا ہے۔

### ۳۔ آداب تلاوت:

آپ قرآن حکیم کے بارے میں بہت حساس تھے آپ یہ چاہتے تھے کہ لوگ اسے صحیح طور پر پڑھیں اگر شبہ ہو تو عہد نبویؐ میں بھی آپ اس کی کڑی گرفت کرتے۔ عبدالرحمن بن عبدالقاری سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا بیان کرتے تھے کہ میں نے ہشام بن حکم بن حرام کو سورۃ الفرقان ایک ایسی قرأت سے پڑھتے سنا جو اس قرأت کے خلاف تھی جس طرح میں پڑھتا تھا حالانکہ میری قرأت خود رسول اللہ ﷺ نے مجھے سکھائی تھی۔ یہ غیر متوقع نہ تھا کہ میں فوراً ہی ان سے الجھ جاتا لیکن میں نے انہیں مہلت دی تاکہ (نہذ سے) فارغ ہو لیں اس کے بعد میں نے ان کی چادر پکڑ کر کھینچا اور انہیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا اور آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ میں نے انہیں اس قرأت کے خلاف پڑھتے سنا ہے جو آپ نے مجھے سکھائی تھی۔ حضور اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ پہلے انہیں چھوڑ دو پھر ان سے ارشاد فرمایا کہ اچھا اب قرأت سنو۔ انہوں نے سنائی تو آپ نے فرمایا کہ اسی طرح نازل ہوئی تھی۔ اس کے بعد مجھے آپ نے ارشاد فرمایا اب تم پڑھو میں نے بھی پڑھ کر سنلے آنحضرت ﷺ نے اس پر بھی فرمایا کہ اسی طرح پڑھو ہوئی ہے پھر فرمایا قرآن سات طریقوں سے نازل ہوا ہے اور جس میں آسانی ہو اسی طرح پڑھو“<sup>(۸)</sup>۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ پسند تھا کہ قرآن کریم کو کلمات کی واضح لا لگی کے ساتھ اس طرح پڑھا جائے کہ الفاظ کے آخری حرف پر جو حرکات ہوں

(۱) سورۃ الزمر ۸۶: ۹۹ (۲) سورۃ النہ ۴۰: ۱۲۳ (۳) سورۃ فرقہ ۲۹: ۵ (۴) سورۃ طہ ۲: ۱۶۰ (۵) سورۃ طہ ۴: ۱۶۲ (۶) سورۃ طہ ۲: ۱۶۲

(۷) سورۃ طہ ۴: ۱۶۱ (۸) سورۃ طہ ۴: ۱۶۱ (۹) سورۃ طہ ۴: ۱۶۱ (۱۰) سورۃ طہ ۴: ۱۶۱ (۱۱) سورۃ طہ ۴: ۱۶۱ (۱۲) سورۃ طہ ۴: ۱۶۱ (۱۳) سورۃ طہ ۴: ۱۶۱ (۱۴) سورۃ طہ ۴: ۱۶۱ (۱۵) سورۃ طہ ۴: ۱۶۱ (۱۶) سورۃ طہ ۴: ۱۶۱ (۱۷) سورۃ طہ ۴: ۱۶۱ (۱۸) سورۃ طہ ۴: ۱۶۱ (۱۹) سورۃ طہ ۴: ۱۶۱ (۲۰) سورۃ طہ ۴: ۱۶۱

وہ بھی پوری طرح ادب و سادہ چنانچہ ایک مرتبہ آپ کا کچھ لوگوں کے پاس سے گزر ہوا جو ایک دوسرے کو قرآن پڑھ کر سنا رہے تھے۔ جب انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا تو خاموش ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ تم کیا ہمارے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہم قرآن پڑھ کر ایک دوسرے کو سنا رہے ہیں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ قرآن پڑھو لیکن اعراب کی غلطی نہ کرو<sup>(۱)</sup>۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ سنت کا فہم حاصل کرو عربیت کی سمجھ بوجھ پیدا کرو اور قرآن کو زیرِ پورے اظہار کے ساتھ پڑھو کیونکہ قرآن عربی ہے اور عموماً اللہ کے لہجے میں پڑھو کہ تم معدی ہو<sup>(۲)</sup>۔

آپ قرآن حکیم کی تلاوت کے آداب کا پورا لحاظ رکھتے تھے اس لئے حکم خداوندی کی پیروی کرتے ہوئے روایات میں آتا ہے کہ جب آپ قرآن کریم کی تلاوت کرتے تھے تو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرتے تھے<sup>(۳)</sup>۔ آداب تلاوت میں یہ بات بھی شامل ہے کہ آواز میں حسن پیدا کیا جائے اس لئے آپ فرماتے تھے کہ قرآن پڑھتے وقت اپنی آواز کو خوبصورت بناؤ<sup>(۴)</sup>۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ خوش آواز تھے اور قرآن کریم تجوید کے ساتھ پڑھتے تھے۔ حضرت عمرؓ جب ان کے پاس بیٹھے تو ان سے فرماتے کہ اے ابو موسیٰ ہمیں ہمارے رب کی یاد دلاؤ۔ اس پر حضرت ابو موسیٰؓ قرآن کی تلاوت فرماتے<sup>(۵)</sup>۔ آپ تلاوت میں باقاعدگی کو پسند فرماتے تھے کیونکہ مسلمان کیسے مستحب یہی ہے کہ قرآن کا ایک حصہ ہر روز کی تلاوت کیلئے اس طرح مقرر کرے کہ اگر کسی دن پڑھنا بھول جائے اور اسے کسی اور کام میں مشغول ہونے کی وجہ سے نہ پڑھ سکے تو بعد ازاں اس معمول کی تھا کرے تاکہ قرآن سے دائمی تعلق برقرار رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کسی شخص کی رات کسی تلاوت کا مقررہ حصہ چھٹ جائے اور وہ شخص ذوال آفتاب کے بعد سے ظہر تک پڑھ لے تو گویا وہ حصہ اس کا چھٹائی نہیں یا گویا اس نے اسے پالیا<sup>(۶)</sup>۔

آپ اس بات کی ترغیب دیتے تھے کہ قرآن کو خلاصۃ اللہ پڑھا جائے آپ کے نزدیک آداب قرأت کا سب سے بڑا تقاضا یہی ہے۔ آپ بجا طور پر یہ جانتے تھے کہ قارئین قرآن کیلئے ضروری ہے کہ علم قرآن سے اس کی نیت اللہ سے ثواب حاصل کرنا ہو۔ اس کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ قرآن کے ذریعہ سے دنیا اور مال و دوست دین طلب کرے۔ اس لئے آپ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن پڑھو اور اس کے وسیلہ سے اللہ سے مانگو۔ اس سے قبل کہ قرآن ایسے لوگ پڑھیں جو اس کو ذریعہ بنا کر لوگوں سے سوال کریں<sup>(۷)</sup>۔ ایک مرتبہ آپ نے خطبہ میں کہا کہ ایک زمانہ تھا جب لوگ کتاب اللہ کا علم صرف رضائے الہی کی خاطر حاصل کرتے تھے اور اب یہ مرحلہ آگیا ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ لوگ قرآن اس لئے سیکھتے ہیں کہ لوگوں کو خوش کریں اور ان کے پاس جو دنیا ہے وہ حاصل کریں۔ اپنے اعمال اور قرأت قرآن سے رضائے الہی کی نیت رکھو<sup>(۸)</sup> اور اس سے اپنے اعمال کی اصلاح کی غرض رکھو۔ آپ کا ارشاد تھا ”ان هذا القرآن کلام اللہ فلا یغربکم ما عطفتموہ علی اہوائکم“<sup>(۹)</sup>۔ ”نہی وجہ ہے کہ آپ قرآن حکیم پڑھنے کی اجرت لینے دینے کو غلط سمجھتے تھے تاکہ لوگ اسے محض مادی مفادات کا ذریعہ نہ سمجھ لیں۔ انکی نیتیں خاص رہیں اور اس کے روحانی فیوض و برکات سے پوری طرح مستفیج ہو سکیں۔ ایک موقع پر سعد بن ابی وقاصؓ نے کہا کہ جو شخص قرآن پڑھے گا میں اس کا نام دو ہزار و طیفہ پانے والوں میں روح کر دوں گا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا ”اے اف! کیا کتاب اللہ کے پڑھنے پر اجرت دی جائے گی“<sup>(۱۰)</sup>۔

آپ قرآن مجید زبانی پڑھنے کیلئے با وضو ہونا ضروری خیال نہیں کرتے تھے اس لئے اکثر بغیر وضو کے قرآن پڑھتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کچھ لوگوں کے درمیان تھے جو قرآن پڑھ رہے تھے۔ اسی اثناء میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حوائج ضروری کیلئے گئے۔ جب آپ واپس آئے تو قرآن پڑھتے ہوئے آئے۔ کسی نے کہا اے

(۱) سیہ ۱۵۹، (۲) سیہ ۱۵۷، (۳) سیہ ۱۶۳، (۴) سیہ ۱۶۴، (۵) عبدلرحمن، ۱۸۶، ۲، درمی ۱۷۲، (۶) عبدلرحمن، ۵۰، ۳، ص ۲۰، (۷) سیہ ۱۵۹، (۸) عبدلرحمن، ۲۸۳، ۳، ص ۱۷۹، (۹) ح ۳۱۰، (۱۰) حرمہ، ۱۹۵، ۸، ص ۵۴۲

میر المومنین! آپ بغیر وضو کے قرآن پڑھ رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ”یہ توئی تمہیں کس نے دیا؟ کیا مسلمان نے؟“<sup>(۱)</sup> جس شخص نے یہ بات کہی تھی وہ مسلمان کے ساتھ رہا تھا۔

بقول علامہ ابن رشد ”ذهب الجمهور الى انه يجوز لغير متوضي ان يقرأ القرآن ويدكر الله“<sup>(۲)</sup>۔ آپ قرآن مجید کی کتابت کے آداب کا بھی خیال رکھتے تھے۔ روایت میں آتا ہے حضرت عمرؓ نے کسی شخص کے پاس ایک مصحف نہایت باریک قلم سے لکھا ہوا دیکھا تو اس بات کو برد خیال کیا اور اس آدمی کو جسمانی سزا دی پھر فرمایا کتاب اللہ کی تعظیم کرو۔ آپ جب بھی کوئی بڑا مصحف دیکھتے تو بہت خوش ہوتے<sup>(۳)</sup>۔ یہی آیات کے سلسلے میں معاملہ تھا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ کے کاتب نے حضرت عمرؓ کے نام ایک خط لکھتے ہوئے اس میں ”بسم اللہ الرحمن الرحیم کو ”سین“ کے بغیر لکھا اس پر آپ نے اسے تازیانے کی سزا دی۔ کسی نے اس سے پوچھا تمہیں میر المومنین نے تازیانے کی سزا کیوں دی ہے؟ اس نے جواب دیا مجھ پر ایک سین کی وجہ سے تازیانے کی سزا پڑی<sup>(۴)</sup>۔

۴۔ سرچشمہ علم کی حیثیت۔

بصیرت و حکمت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ آپ یہ چاہتے تھے کہ مسلمان سرچشمہ علم کے طور پر صرف قرآن حکیم ہی کی طرف رجوع کریں۔ اسی سے فکری، ذہنی اور روحانی غذا حاصل کریں تمام علوم کو اسی کی بنیاد پر استوار کریں۔ اس دور کی دیگر کتب سے کھل طور پر اجتناب کریں تاکہ ان کا علم و عقیدہ حاصر رہے اور ہر قسم کے توہمات و خرافات سے محفوظ رہیں۔ آپ بجا طور پر یہ سمجھتے تھے کہ یہود و نصاریٰ کی گمراہی وہ اعتدالی کی بنیادی وجہ و جی الہی کو نظر انداز کر کے ادھر ادھر کے انسانی خیالات کو سند مانا اور، نہیں علم کا منبع قرار دینا ہے۔ چنانچہ آپ مسلمانوں کو ان خرابیوں سے دور رکھنے کیلئے سختی کرتے تھے۔ عمرو بن میمون اپنے والد سے روایت کرتے ہیں ”آپ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور کہا ”اے امیر المومنین! جب ہم نے اُن فحش کیا تو میرے ہاتھ ایک کتاب لگی۔ اس میں بڑی اچھی اچھی باتیں لکھی ہیں۔“

فرمایا ”کیا قرآن سے بھی زیادہ اچھی باتیں؟“

اس نے کہا ”نہیں!“

آپ نے درہ متکویں اور یہ آیات پڑھنے لگے ”الوا ملک ابیت المکتب المبین اما انزلہ قرآنا عربیا لعلکم تعقلون بحن نقص علیہ احسن القصص بما اوحیا الیک هذا القرآن و ان کنت من قبلہ لمن الغفلین“<sup>(۵)</sup>۔ (یہ واضح کتب کی آیتیں ہیں ہم نے عربی قرآن اتارا تاکہ تم سمجھو ہم تمہیں سب سے پاکرہ قصہ سناتے ہیں جو وحی قرآنی کے ذریعے اتارا گیا اگرچہ آپ اب بھی اس سے پہلے غافل تھے۔“

پھر فرمایا ”تم سے پہلے امتیں اسی وجہ سے برباد ہوئیں کہ وہ اپنے علماء اور پادریوں کی کتابوں پر ٹوٹ پڑیں اور تورات و انجیل کو چھوڑ بیٹھیں حتیٰ کہ یہ دونوں کتبیں مٹ گئیں اور جو کچھ ان میں تھا وہ ضائع ہو گیا“<sup>(۶)</sup>۔ ابراہیم سے روایت ہے کہ عمرؓ کے علم میں یہ بات آئی کہ کسی نے اپنے لئے کتاب دانیال عقل کر لی ہے۔ حضرت عمرؓ نے اسے طلب کیا اور اس کی بتیلیوں پر اپنے دونوں ہاتھوں سے مارنا شروع کیا۔ امیر المومنین اس شخص کو مارتے جاتے اور سورۃ یوسف کی ابتدائی آیات پڑھتے جاتے تھے۔ اس کے بعد اس شخص سے مخاطب ہو کر کہا ”کیا کتاب اللہ سے بھی زیادہ کشش اور خوبصورت باتیں کہیں لکھی ہوئی ہیں۔“

(۱) مالک ۱، عبد الرزاق ۱/۳۲۹، شعبہ ۱/۳، (۲) رد ۱/۳۱۱، (۳) سیوطی ۱/۱۷۰، (۴) سیوطی ۲/۱۷، (۵) سورہ یوسف ۱۱، ۱۲، (۶)

مسلکے کتاب دانیل ہوا "امیر المومنین میں معافی چاہتا ہوں" بخدا میں نے جو کچھ نقل کیا ہے اسے ملاؤں گا۔ "زید بن مسلم نے اپنے والد کو کہتے سنا تھا کہ "عمر بن الخطابؓ نے ایک بار فرمایا "جب اسلام ظاہر ہو چکا تو تلاش حق کیا حتیٰ اسلام ہی حق ہے مگر رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ہم جو جو کرتے تھے اسے نہ ترک کریں گے" (۱)۔

۵۔ غلط تاویلات پر سزائیں:

اسی طرح آپ آیت قرآنی کی غلط تاویل کرنے یا ان کی تشریح میں تشکیک پیدا کرنے پر بھی سزائیں دیتے تھے۔ اس کی نمایاں مثالیں ایک شخص صبیح تمیمی کا واقعہ ہے۔

سائب بن یزید سے روایت ہے۔ ایک شخص نے امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا "امیر المومنین ہماری ملاقات ایک ایسے شخص سے ہوئی جو قرآن کی تاویل چاہتا ہے۔" آپ نے فرمایا: "مکاش یہ شخص میرے ہاتھ لگ جاتا۔"

ایک صبح جب امیر المومنین بیٹھے لوگوں کو کھانا کھلا رہے تھے یہ شخص سر پر عمامہ باندھے اور پورا لباس پہنے وارد ہوا۔ امیر المومنین فارغ ہوئے تو نووارد نے ان سے کہا "والداریات دروا" (یعنی ان بکھیرنے دیوں کی قسم جو از کر بکھیر دیتی ہیں) سے کیا مراد ہے؟ "آپ نے فرمایا "ان سے مراد ہوا ہے اور اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے نہ ہوتا تو میں یہ نہ کہتا۔" مطلب یہ کہ یہ تشریح اس تشریح کے عین مطابق ہے جو آنحضرت ﷺ نے اس آیت کی فرمائی تھی۔ پھر والدہاملات و قوا (پہلی کا بوجھ اٹھانے والیوں) کے بارے میں سوال کیا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "بادل۔" اور جب پوچھا گیا "والمفسحات امرا" (۲) (چیزیں تقسیم کرنے والیاں) کیا ہیں؟ تو جواب ملا "فرشتے" پھر پہلی بار کی طرح دوسری اور تیسری بار جواب دیتے وقت بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہی بات دہرائی کہ یہ تشریحات عین ارشاد نبوی کے مطابق ہیں۔ پھر حضرت عمرؓ نے کہا "تم ہی ہو وہ؟" (یعنی تمہارے ہی بارے میں مجھے یہ اطلاع ملی تھی کہ تم آنجنوں کی تاویل کرتے رہتے ہو۔) "ہاں پھر کیا تھا امیر المومنین اٹھ کھڑے ہوئے اور اس شخص کو اس کی چپٹہ ننگی کر کے بے تحاشہ مارے لگانے شروع کر دیئے۔ امیر المومنین نے اس شخص کو اس قدر مارا کہ اس کا عمامہ بھی اس کے سر سے گر گیا۔ اس کے بعد حکم ہوا کہ اس آدمی کو اس کے کپڑے پہن دیئے جائیں اور اس کو ایک بے کبودہ اونٹ پر سوار کر کے اس کے وطن چھوڑ آیا جائے اور وہاں یہ اعلان کر دیا جائے کہ صبیح نے (تاویل کرنے والے کا نام جس کا قصہ بیان کیا جا رہا ہے) جو اپنی قوم کا سردار تھا علم کی تلاش تو کی مگر وہ غلط رو پر چل پڑا اور اس کے علم نے اسے گمراہ کر دیا" (۳)۔

اس کے بعد صبیح چھراپی قوم میں معزور نہ ہو سکا۔ صبیح ہی سے روایت ہے "میں نے عمرؓ سے مسلمات اور ناریات کے بارے میں سوال کیا فوراً بولے "اپنا سر کھو دو۔" اتفاق سے میرے سر پر گیسو تھے۔ ارشاد ہوا "تیرا سر گھٹا ہوا ہوتا تو میں تیرا سری اڑا دیتا۔" اس کے بعد اہل بصرہ کو تاکید کر دی گئی کہ وہ میری صحبت میں نہ بیٹھیں (۴)۔ "ایک اور روایت کے مطابق آپ نے صبیح کو سو کوڑے لگوائے اور ایک مکان میں قید کر دیا در جب اس کی حالت بہتر ہو گئی تو سے پھر وہی سزا دی اور اسے اونٹ کی نگی پشت پر سوار کرا کے بصرہ بھیجوا دیا اور ابو موسیٰ اشعریؓ کو ہدایت لکھ بھیجی کہ صبیح سے لوگ ہٹنے پائیں (۵)۔"

تھوڑے عرصہ بعد صبیح نے ابو موسیٰ کے سامنے اپنا بیان طعنی پیش کیا کہ اب ان کے دل میں تشکیک کے دوسو سو کا دخل و عمل ذرا بھی نہیں۔ ابو موسیٰ نے یہ بات امیر المومنین کو لکھ بھیجی۔ آپ نے لوگوں کو صبیح سے طعنے کی اجازت دے دی (۶)۔ امام زہریؒ کا بیان ہے کہ "ابن خطابؓ نے صبیح تمیمی کو حروف قرآن کے بارے میں شک امیر شفا پر اس قدر سختی سے سزا دی کہ ان کی پشت خونچکاں ہو گئی (۷)۔"

(۱) منہج ۱: ۳۷۴، ج ۱: ۱۲۶ (۲) سورۃ المدثر: ۵۱، ۵۲ (۳) ج ۱: ۱۲۷ (۴) ج ۱: ۱۲۷ (۵) درمی ۱: ۵۵ (۶) درمی ۱: ۵۶ (۷) ج ۱: ۱۲۸

باب پنجم

## بصیرت عمرؓ اور احادیث نبویؐ

☆ - تعلق بالحدیث

☆ - احادیث کی ترویج و اشاعت

☆ - حزم و احتیاط



## تعلق بالحديث

حضرت عمر فاروقؓ حدیث و سنت سے بڑا گہرا فکری، قلبی اور عملی تعلق رکھتے تھے۔ اسوہ نبی کی مکمل پیروی ان کی زندگی کا بہت بڑا مقصد تھا۔ اس لئے اس بارے میں بڑا ذوق و شوق رکھتے تھے۔ ان سے مروی احادیث سے بھی اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ابن جوزی کے مطابق ان کی تعداد ۵۵۷ ہے<sup>(۱)</sup>۔ سیوطی نے "۵۳۹" رقم کی ہے۔ ان سے روایت کرنے والوں میں نہایت جلیل القدر صحابہ کرام کے نام شامل ہیں۔ مثلاً حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت عبداللہ بن عوفؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابوذرؓ، حضرت عمرو بن عبسہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن زبیرؓ، حضرت انسؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عمرؓ، ابن العاصؓ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، حضرت براؤ بن عازبؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین<sup>(۲)</sup>۔ روایت حدیث کے لحاظ سے شہداء اللہ انہیں مکلفین صحابہؓ کے طبقے میں شمار کرتے ہیں، جن کی مرویات کی تعداد ان کے نزدیک ایک ہزار یا اس سے اوپر ہے۔ اس کی دلیل میں فرماتے ہیں کہ "حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی پیشتر روایات اگرچہ ظاہر میں موقوف ہیں، لیکن حقیقت میں سب مرفوع ہیں، کیونکہ ان اصحاب کی اکثر روایات باب فقہ، باب احسان اور باب حکمت میں ہیں کہ وہ متعدد طریقوں سے مرفوع ہیں۔ پھر دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ خود ان اصحاب کے الفاظ میں کوئی اشارہ خفی ایسا ہوتا ہے جو مرفوع ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ پس اصول حدیث کے قاعدے کے مطابق ان اصحاب کی بہت سی موقوف روایات حقیقت میں مرفوع ہیں۔ اس لحاظ سے یہ اصحاب الاماکلفین صحابہؓ میں داخل ہیں<sup>(۳)</sup>۔"

اس طرح بہت سے ایسے استمدات اور فیصلے جو آپؐ نے فقہی معاملات اور قرآن حکیم کی تعبیر و تفسیر اور احکام و مسائل کی توضیح و تبيين میں رسول اکرم ﷺ کے طرز عمل اور احکام کی روشنی میں کئے اگر ان کا شہد کیا جائے تو تعداد لاتینا ممکن نہیں۔ فن حدیث کی رود سے وہ بھی احادیث ہی کی تعریف میں آتے ہیں<sup>(۴)</sup>۔ حدیث کے علم و فن کی خدمت کے اعتبار سے حضرت عمر فاروقؓ کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے احادیث کی ترویج و اشاعت میں خصوصی دلچسپی لی۔ ایسا کیوں نہ ہو؟ جب کہ ارشاد نبوی ہے: "بلغوا عنی ولو آية وحفظوا عنی امرائیل ولا حرج" افس کذب علی مصلحاً فلیتوا مقصدہ من النار<sup>(۵)</sup>۔ "میری طرف سے بیان کرو اگرچہ ایک ہی آیت کیوں نہ ہو، انہی امرائیل سے بھی روایات کرو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن جس نے جہاں بوجھ کر جھوٹ باندھا وہاں پناہ کا گناہ جہنم میں ہمارے۔"

### ۵..... ترویج و اشاعت:

احادیث کے ضمن میں حضرت عمرؓ کے طرز عمل کا جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو وہ نہ کوہ بالا حدیث میں بیان کردہ دونوں اہم پہلوؤں پر پوری طرح کاربند نظر آتے ہیں۔ ایک یہ کہ حدیث کی بھرپور اشاعت کی جائے اور دوسرا یہ کہ اس بات کا اہتمام کیا جائے کہ کوئی جھوٹ آ غرضور ﷺ کی طرف منسوب نہ ہونے پائے۔ جہاں تک احادیث کی ترویج و اشاعت کا تعلق ہے، حضرت عمر فاروقؓ کی اجتہادی کوششوں کو حسب ذیل عنوانات میں سمیٹا جاسکتا ہے۔

#### ۱۔ کتاب و سنت لازم و ملزوم:

۱۔ حضرت عمر فاروقؓ قرآن و سنت کو لازم و ملزوم سمجھتے تھے۔ لوگوں کو اس بات کی ترغیب دیتے تھے کہ جس انہماک سے وہ قرآن مجید سیکھتے ہیں اسی ذوق و شوق کے ساتھ احادیث و سنت، علم الحیرت اور قرأت و غیرہ بھی سیکھیں، کیونکہ اسلامی تعلیمات کے فہم و لوراک کیلئے ان سب کی طرف توجہ ناگزیر ہے۔ ارشاد فرمایا "تعلموا المس والفرانص واللح کما تعلمون القرآن"<sup>(۶)</sup>۔ "ان کا یہ خیال بالکل بجا تھا کہ خود قرآن حکیم کو سمجھنے کیلئے بھی سنت کو جاننا ضروری ہے اور

(۱) ح. ر. ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷،

سنت ہی واحد ذریعہ ہے جو قرآن حکیم کی من مانی روایات، معنوی تحریفات اور فکری کجیوں کا راستہ روک سکتی ہے۔ اس لئے قرآن حکیم کو سمجھنے کیلئے وہی لوگ مفید ہو سکتے ہیں جو سنتوں کے علم کو زیادہ جاننے والے ہوں۔ اسی لئے ارشاد فرمایا "سَيَأْتِي النَّاسَ يَجَادُلُوكُمْ بِسَهَابِ الْفُرْقَانِ فَخُذُوهُمْ بِالسِّنَنِ" (ایک وقت آئے گا کہ لوگ قرآن کی کتابہات کے بارے میں مجادلہ کریں گے پس ان کا مقابلہ سنن سے کرو۔) اصحاب السنن اعلم بكتاب الله (۱)۔ "ایک وقت آئے گا کہ لوگ حدیث و سنت کی تعلیم کی طرف راغب ہوئے اور پھر سنتوں کے شک، صحاب سنن اللہ کی کتاب کا زیادہ علم رکھنے والے ہیں۔" ان ارشادات کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ حدیث و سنت کی تعلیم کی طرف راغب ہوئے اور پھر سنتوں کے علم سے آگہی رکھنے والوں کی حوصلہ افزائی ہوئی۔ لوگوں کے دلوں میں اس کی عزت بڑھی اور ان کی سماجی حیثیت بلند ہوئی۔ لوگ احکام و مسائل کو جاننے کیلئے انہی کی طرف رجوع کرتے رہے۔ انہی کی روایت کردہ احادیث کو لوگوں نے سینوں میں محفوظ کیا اور آئندہ نسلوں تک منتقل کیا اور جب باقاعدہ تدوین کا مرحلہ آیا تو کتابوں میں محفوظ ہو گئیں۔ ہم سرور کو نمین علیہ السلام کے احکام، اعمال، افعال اور سرگرمیوں کی زندہ تصویر ان میں دیکھ سکتے ہیں۔

### ۳۔ تلاش و تجسس:

دوسرا اہم پہلو یہ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے تلاش حدیث میں بہت کدوش کی زمانے کے بدلے ہوئے حالات، وسیع تر تحوات اور نئے نئے سماجی و تمدنی مسائل کا اسوہ نبیؐ کی روشنی میں حل تلاش کرنے کیلئے مجمع عام میں لوگوں سے سوال کرتے کہ اگر اس بارے میں آنحضورؐ کا کوئی حکم یا عمل موجود ہو تو پیش کریں۔ چنانچہ جس کسی کو بھی کوئی حدیث معلوم ہوتی وہ کفرے ہو کر بیان کرتا۔ یہ ملاقات کئی بار صحابہؓ بھی اس کی تصدیق کرتے۔ اس استفاد کے ذریعے آپؐ نے بہت سی ایسی احادیث کا کھوج لگایا جو قبل ازیں ان کے عمل میں نہیں تھیں۔ اس کی بہت سی مثالیں کتب احادیث میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں، مثال کیلئے چند حسب ذیل ہیں۔ اہل کتاب سے جزیہ لینے کے بارے میں تو ان کا ذہن واضح تھا لیکن نجوس سے جزیہ لینے یا نہ لینے کے بارے میں پریشان تھے۔ اس سلسلے میں مختلف عمال نے ان سے مسئلہ دریافت کیا۔ یک دن فرمایا کہ "مجھے سمجھ نہیں آتی کہ ان کے بارے میں کیا کروں اس پر حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے گواہی دی کہ میں نے رسول اکرمؐ سے سنا ہے کہ آپؐ نے فرمایا "سُوا اِھِم مِثْلَ اھل الْکِتَاب" (۲)۔ "اس بارے میں" ان سے وہی طریقہ برتو جو اہل کتاب سے برتتے ہو۔" گوریہ بھی خبر دی کہ آنحضورؐ نے ہجر کے نجوسیوں سے جزیہ لیا تھا (۳)۔ اس کے بعد انہوں نے نجوس سے جزیہ لینے کے احکام صادر کر دیئے چنانچہ فارس کے نجوسیوں سے بھی وصول کیا گیا (۴)۔ نیز آپؐ نے جزیہ بن معاویہ کو جو معتز و دست میان کے اہل تھے کو بھی حکم دیا کہ تمہارے ملاقاتی میں نجوس آتا ہے ان سے جزیہ وصول کرو (۵)۔ اہل بیت حضرت عمرؓ نے پی ایبتہادی بصیرت سے کام لیتے ہوئے انہیں جس حصوں میں تقسیم کیا۔ تنگ محل، خوشحال اور متوسط محل اور پھر ان کی حیثیت کے مطابق جزیہ عائد کیا (۶)۔

ایک اور مثال یہ بھی ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کو معلوم نہیں تھا کہ آیدیت میں سے منتقل کی زوجہ کو بھی حصہ ملے گا یا نہیں۔ چنانچہ بن شہاب سے روایت ہے کہ انہوں نے منی میں دو گوں کو بلایا اور فرمایا "جس شخص کو دیت کا مسئلہ معلوم ہو تو بیان کرے۔" اس پر حضرت صفاک بن سفیان الکلابی کفرے ہوئے اور عرض کیا کہ "نبیؐ نے مجھے لکھ بھیجا تھا کہ ایشم ضبابی کی عورت کو اس کی دیت میں سے میراث دلاؤں۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا "تم جیسے میں جاؤ اور میراث (اس وقت تک انتظار کرو) جب تک میں آؤں۔" جب حضرت عمرؓ پہنچے تو حضرت صفاکؓ نے پھر وہی بات بتائی چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے اسی کے مطابق فیصلہ صادر فرمایا (۸)۔ اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ کے علم میں بات نہیں تھی کہ اگر کسی کے مارنے سے عورت کے پین کا پچ (جنسین) مر جائے تو اس کی دیت کتنی ہوگی اس

(۱) ۱۶۶/۳، ۱۶۷/۳، ۱۶۸/۳، ۱۶۹/۳، ۱۷۰/۳، ۱۷۱/۳، ۱۷۲/۳، ۱۷۳/۳، ۱۷۴/۳، ۱۷۵/۳، ۱۷۶/۳، ۱۷۷/۳، ۱۷۸/۳، ۱۷۹/۳، ۱۸۰/۳، ۱۸۱/۳، ۱۸۲/۳، ۱۸۳/۳، ۱۸۴/۳، ۱۸۵/۳، ۱۸۶/۳، ۱۸۷/۳، ۱۸۸/۳، ۱۸۹/۳، ۱۹۰/۳، ۱۹۱/۳، ۱۹۲/۳، ۱۹۳/۳، ۱۹۴/۳، ۱۹۵/۳، ۱۹۶/۳، ۱۹۷/۳، ۱۹۸/۳، ۱۹۹/۳، ۲۰۰/۳، ۲۰۱/۳، ۲۰۲/۳، ۲۰۳/۳، ۲۰۴/۳، ۲۰۵/۳، ۲۰۶/۳، ۲۰۷/۳، ۲۰۸/۳، ۲۰۹/۳، ۲۱۰/۳، ۲۱۱/۳، ۲۱۲/۳، ۲۱۳/۳، ۲۱۴/۳، ۲۱۵/۳، ۲۱۶/۳، ۲۱۷/۳، ۲۱۸/۳، ۲۱۹/۳، ۲۲۰/۳، ۲۲۱/۳، ۲۲۲/۳، ۲۲۳/۳، ۲۲۴/۳، ۲۲۵/۳، ۲۲۶/۳، ۲۲۷/۳، ۲۲۸/۳، ۲۲۹/۳، ۲۳۰/۳، ۲۳۱/۳، ۲۳۲/۳، ۲۳۳/۳، ۲۳۴/۳، ۲۳۵/۳، ۲۳۶/۳، ۲۳۷/۳، ۲۳۸/۳، ۲۳۹/۳، ۲۴۰/۳، ۲۴۱/۳، ۲۴۲/۳، ۲۴۳/۳، ۲۴۴/۳، ۲۴۵/۳، ۲۴۶/۳، ۲۴۷/۳، ۲۴۸/۳، ۲۴۹/۳، ۲۵۰/۳، ۲۵۱/۳، ۲۵۲/۳، ۲۵۳/۳، ۲۵۴/۳، ۲۵۵/۳، ۲۵۶/۳، ۲۵۷/۳، ۲۵۸/۳، ۲۵۹/۳، ۲۶۰/۳، ۲۶۱/۳، ۲۶۲/۳، ۲۶۳/۳، ۲۶۴/۳، ۲۶۵/۳، ۲۶۶/۳، ۲۶۷/۳، ۲۶۸/۳، ۲۶۹/۳، ۲۷۰/۳، ۲۷۱/۳، ۲۷۲/۳، ۲۷۳/۳، ۲۷۴/۳، ۲۷۵/۳، ۲۷۶/۳، ۲۷۷/۳، ۲۷۸/۳، ۲۷۹/۳، ۲۸۰/۳، ۲۸۱/۳، ۲۸۲/۳، ۲۸۳/۳، ۲۸۴/۳، ۲۸۵/۳، ۲۸۶/۳، ۲۸۷/۳، ۲۸۸/۳، ۲۸۹/۳، ۲۹۰/۳، ۲۹۱/۳، ۲۹۲/۳، ۲۹۳/۳، ۲۹۴/۳، ۲۹۵/۳، ۲۹۶/۳، ۲۹۷/۳، ۲۹۸/۳، ۲۹۹/۳، ۳۰۰/۳، ۳۰۱/۳، ۳۰۲/۳، ۳۰۳/۳، ۳۰۴/۳، ۳۰۵/۳، ۳۰۶/۳، ۳۰۷/۳، ۳۰۸/۳، ۳۰۹/۳، ۳۱۰/۳، ۳۱۱/۳، ۳۱۲/۳، ۳۱۳/۳، ۳۱۴/۳، ۳۱۵/۳، ۳۱۶/۳، ۳۱۷/۳، ۳۱۸/۳، ۳۱۹/۳، ۳۲۰/۳، ۳۲۱/۳، ۳۲۲/۳، ۳۲۳/۳، ۳۲۴/۳، ۳۲۵/۳، ۳۲۶/۳، ۳۲۷/۳، ۳۲۸/۳، ۳۲۹/۳، ۳۳۰/۳، ۳۳۱/۳، ۳۳۲/۳، ۳۳۳/۳، ۳۳۴/۳، ۳۳۵/۳، ۳۳۶/۳، ۳۳۷/۳، ۳۳۸/۳، ۳۳۹/۳، ۳۴۰/۳، ۳۴۱/۳، ۳۴۲/۳، ۳۴۳/۳، ۳۴۴/۳، ۳۴۵/۳، ۳۴۶/۳، ۳۴۷/۳، ۳۴۸/۳، ۳۴۹/۳، ۳۵۰/۳، ۳۵۱/۳، ۳۵۲/۳، ۳۵۳/۳، ۳۵۴/۳، ۳۵۵/۳، ۳۵۶/۳، ۳۵۷/۳، ۳۵۸/۳، ۳۵۹/۳، ۳۶۰/۳، ۳۶۱/۳، ۳۶۲/۳، ۳۶۳/۳، ۳۶۴/۳، ۳۶۵/۳، ۳۶۶/۳، ۳۶۷/۳، ۳۶۸/۳، ۳۶۹/۳، ۳۷۰/۳، ۳۷۱/۳، ۳۷۲/۳، ۳۷۳/۳، ۳۷۴/۳، ۳۷۵/۳، ۳۷۶/۳، ۳۷۷/۳، ۳۷۸/۳، ۳۷۹/۳، ۳۸۰/۳، ۳۸۱/۳، ۳۸۲/۳، ۳۸۳/۳، ۳۸۴/۳، ۳۸۵/۳، ۳۸۶/۳، ۳۸۷/۳، ۳۸۸/۳، ۳۸۹/۳، ۳۹۰/۳، ۳۹۱/۳، ۳۹۲/۳، ۳۹۳/۳، ۳۹۴/۳، ۳۹۵/۳، ۳۹۶/۳، ۳۹۷/۳، ۳۹۸/۳، ۳۹۹/۳، ۴۰۰/۳، ۴۰۱/۳، ۴۰۲/۳، ۴۰۳/۳، ۴۰۴/۳، ۴۰۵/۳، ۴۰۶/۳، ۴۰۷/۳، ۴۰۸/۳، ۴۰۹/۳، ۴۱۰/۳، ۴۱۱/۳، ۴۱۲/۳، ۴۱۳/۳، ۴۱۴/۳، ۴۱۵/۳، ۴۱۶/۳، ۴۱۷/۳، ۴۱۸/۳، ۴۱۹/۳، ۴۲۰/۳، ۴۲۱/۳، ۴۲۲/۳، ۴۲۳/۳، ۴۲۴/۳، ۴۲۵/۳، ۴۲۶/۳، ۴۲۷/۳، ۴۲۸/۳، ۴۲۹/۳، ۴۳۰/۳، ۴۳۱/۳، ۴۳۲/۳، ۴۳۳/۳، ۴۳۴/۳، ۴۳۵/۳، ۴۳۶/۳، ۴۳۷/۳، ۴۳۸/۳، ۴۳۹/۳، ۴۴۰/۳، ۴۴۱/۳، ۴۴۲/۳، ۴۴۳/۳، ۴۴۴/۳، ۴۴۵/۳، ۴۴۶/۳، ۴۴۷/۳، ۴۴۸/۳، ۴۴۹/۳، ۴۵۰/۳، ۴۵۱/۳، ۴۵۲/۳، ۴۵۳/۳، ۴۵۴/۳، ۴۵۵/۳، ۴۵۶/۳، ۴۵۷/۳، ۴۵۸/۳، ۴۵۹/۳، ۴۶۰/۳، ۴۶۱/۳، ۴۶۲/۳، ۴۶۳/۳، ۴۶۴/۳، ۴۶۵/۳، ۴۶۶/۳، ۴۶۷/۳، ۴۶۸/۳، ۴۶۹/۳، ۴۷۰/۳، ۴۷۱/۳، ۴۷۲/۳، ۴۷۳/۳، ۴۷۴/۳، ۴۷۵/۳، ۴۷۶/۳، ۴۷۷/۳، ۴۷۸/۳، ۴۷۹/۳، ۴۸۰/۳، ۴۸۱/۳، ۴۸۲/۳، ۴۸۳/۳، ۴۸۴/۳، ۴۸۵/۳، ۴۸۶/۳، ۴۸۷/۳، ۴۸۸/۳، ۴۸۹/۳، ۴۹۰/۳، ۴۹۱/۳، ۴۹۲/۳، ۴۹۳/۳، ۴۹۴/۳، ۴۹۵/۳، ۴۹۶/۳، ۴۹۷/۳، ۴۹۸/۳، ۴۹۹/۳، ۵۰۰/۳، ۵۰۱/۳، ۵۰۲/۳، ۵۰۳/۳، ۵۰۴/۳، ۵۰۵/۳، ۵۰۶/۳، ۵۰۷/۳، ۵۰۸/۳، ۵۰۹/۳، ۵۱۰/۳، ۵۱۱/۳، ۵۱۲/۳، ۵۱۳/۳، ۵۱۴/۳، ۵۱۵/۳، ۵۱۶/۳، ۵۱۷/۳، ۵۱۸/۳، ۵۱۹/۳، ۵۲۰/۳، ۵۲۱/۳، ۵۲۲/۳، ۵۲۳/۳، ۵۲۴/۳، ۵۲۵/۳، ۵۲۶/۳، ۵۲۷/۳، ۵۲۸/۳، ۵۲۹/۳، ۵۳۰/۳، ۵۳۱/۳، ۵۳۲/۳، ۵۳۳/۳، ۵۳۴/۳، ۵۳۵/۳، ۵۳۶/۳، ۵۳۷/۳، ۵۳۸/۳، ۵۳۹/۳، ۵۴۰/۳، ۵۴۱/۳، ۵۴۲/۳، ۵۴۳/۳، ۵۴۴/۳، ۵۴۵/۳، ۵۴۶/۳، ۵۴۷/۳، ۵۴۸/۳، ۵۴۹/۳، ۵۵۰/۳، ۵۵۱/۳، ۵۵۲/۳، ۵۵۳/۳، ۵۵۴/۳، ۵۵۵/۳، ۵۵۶/۳، ۵۵۷/۳، ۵۵۸/۳، ۵۵۹/۳، ۵۶۰/۳، ۵۶۱/۳، ۵۶۲/۳، ۵۶۳/۳، ۵۶۴/۳، ۵۶۵/۳، ۵۶۶/۳، ۵۶۷/۳، ۵۶۸/۳، ۵۶۹/۳، ۵۷۰/۳، ۵۷۱/۳، ۵۷۲/۳، ۵۷۳/۳، ۵۷۴/۳، ۵۷۵/۳، ۵۷۶/۳، ۵۷۷/۳، ۵۷۸/۳، ۵۷۹/۳، ۵۸۰/۳، ۵۸۱/۳، ۵۸۲/۳، ۵۸۳/۳، ۵۸۴/۳، ۵۸۵/۳، ۵۸۶/۳، ۵۸۷/۳، ۵۸۸/۳، ۵۸۹/۳، ۵۹۰/۳، ۵۹۱/۳، ۵۹۲/۳، ۵۹۳/۳، ۵۹۴/۳، ۵۹۵/۳، ۵۹۶/۳، ۵۹۷/۳، ۵۹۸/۳، ۵۹۹/۳، ۶۰۰/۳، ۶۰۱/۳، ۶۰۲/۳، ۶۰۳/۳، ۶۰۴/۳، ۶۰۵/۳، ۶۰۶/۳، ۶۰۷/۳، ۶۰۸/۳، ۶۰۹/۳، ۶۱۰/۳، ۶۱۱/۳، ۶۱۲/۳، ۶۱۳/۳، ۶۱۴/۳، ۶۱۵/۳، ۶۱۶/۳، ۶۱۷/۳، ۶۱۸/۳، ۶۱۹/۳، ۶۲۰/۳، ۶۲۱/۳، ۶۲۲/۳، ۶۲۳/۳، ۶۲۴/۳، ۶۲۵/۳، ۶۲۶/۳، ۶۲۷/۳، ۶۲۸/۳، ۶۲۹/۳، ۶۳۰/۳، ۶۳۱/۳، ۶۳۲/۳، ۶۳۳/۳، ۶۳۴/۳، ۶۳۵/۳، ۶۳۶/۳، ۶۳۷/۳، ۶۳۸/۳، ۶۳۹/۳، ۶۴۰/۳، ۶۴۱/۳، ۶۴۲/۳، ۶۴۳/۳، ۶۴۴/۳، ۶۴۵/۳، ۶۴۶/۳، ۶۴۷/۳، ۶۴۸/۳، ۶۴۹/۳، ۶۵۰/۳، ۶۵۱/۳، ۶۵۲/۳، ۶۵۳/۳، ۶۵۴/۳، ۶۵۵/۳، ۶۵۶/۳، ۶۵۷/۳، ۶۵۸/۳، ۶۵۹/۳، ۶۶۰/۳، ۶۶۱/۳، ۶۶۲/۳، ۶۶۳/۳، ۶۶۴/۳، ۶۶۵/۳، ۶۶۶/۳، ۶۶۷/۳، ۶۶۸/۳، ۶۶۹/۳، ۶۷۰/۳، ۶۷۱/۳، ۶۷۲/۳، ۶۷۳/۳، ۶۷۴/۳، ۶۷۵/۳، ۶۷۶/۳، ۶۷۷/۳، ۶۷۸/۳، ۶۷۹/۳، ۶۸۰/۳، ۶۸۱/۳، ۶۸۲/۳، ۶۸۳/۳، ۶۸۴/۳، ۶۸۵/۳، ۶۸۶/۳، ۶۸۷/۳، ۶۸۸/۳، ۶۸۹/۳، ۶۹۰/۳، ۶۹۱/۳، ۶۹۲/۳، ۶۹۳/۳، ۶۹۴/۳، ۶۹۵/۳، ۶۹۶/۳، ۶۹۷/۳، ۶۹۸/۳، ۶۹۹/۳، ۷۰۰/۳، ۷۰۱/۳، ۷۰۲/۳، ۷۰۳/۳، ۷۰۴/۳، ۷۰۵/۳، ۷۰۶/۳، ۷۰۷/۳، ۷۰۸/۳، ۷۰۹/۳، ۷۱۰/۳، ۷۱۱/۳، ۷۱۲/۳، ۷۱۳/۳، ۷۱۴/۳، ۷۱۵/۳، ۷۱۶/۳، ۷۱۷/۳، ۷۱۸/۳، ۷۱۹/۳، ۷۲۰/۳، ۷۲۱/۳، ۷۲۲/۳، ۷۲۳/۳، ۷۲۴/۳، ۷۲۵/۳، ۷۲۶/۳، ۷۲۷/۳، ۷۲۸/۳، ۷۲۹/۳، ۷۳۰/۳، ۷۳۱/۳، ۷۳۲/۳، ۷۳۳/۳، ۷۳۴/۳، ۷۳۵/۳، ۷۳۶/۳، ۷۳۷/۳، ۷۳۸/۳، ۷۳۹/۳، ۷۴۰/۳، ۷۴۱/۳، ۷۴۲/۳، ۷۴۳/۳، ۷۴۴/۳، ۷۴۵/۳، ۷۴۶/۳، ۷۴۷/۳، ۷۴۸/۳، ۷۴۹/۳، ۷۵۰/۳، ۷۵۱/۳، ۷۵۲/۳، ۷۵۳/۳، ۷۵۴/۳، ۷۵۵/۳، ۷۵۶/۳، ۷۵۷/۳، ۷۵۸/۳، ۷۵۹/۳، ۷۶۰/۳، ۷۶۱/۳، ۷۶۲/۳، ۷۶۳/۳، ۷۶۴/۳، ۷۶۵/۳، ۷۶۶/۳، ۷۶۷/۳، ۷۶۸/۳، ۷۶۹/۳، ۷۷۰/۳، ۷۷۱/۳، ۷۷۲/۳، ۷۷۳/۳، ۷۷۴/۳، ۷۷۵/۳، ۷۷۶/۳، ۷۷۷/۳، ۷۷۸/۳، ۷۷۹/۳، ۷۸۰/۳، ۷۸۱/۳، ۷۸۲/۳، ۷۸۳/۳، ۷۸۴/۳، ۷۸۵/۳، ۷۸۶/۳، ۷۸۷/۳، ۷۸۸/۳، ۷۸۹/۳، ۷۹۰/۳، ۷۹۱/۳، ۷۹۲/۳، ۷۹۳/۳، ۷۹۴/۳، ۷۹۵/۳، ۷۹۶/۳، ۷۹۷/۳، ۷۹۸/۳، ۷۹۹/۳، ۸۰۰/۳، ۸۰۱/۳، ۸۰۲/۳، ۸۰۳/۳، ۸۰۴/۳، ۸۰۵/۳، ۸۰۶/۳، ۸۰۷/۳، ۸۰۸/۳، ۸۰۹/۳، ۸۱۰/۳، ۸۱۱/۳، ۸۱۲/۳، ۸۱۳/۳، ۸۱۴/۳، ۸۱۵/۳، ۸۱۶/۳، ۸۱۷/۳، ۸۱۸/۳، ۸۱۹/۳، ۸۲۰/۳، ۸۲۱/۳، ۸۲۲/۳، ۸۲۳/۳، ۸۲۴/۳، ۸۲۵/۳، ۸۲۶/۳، ۸۲۷/۳، ۸۲۸/۳، ۸۲۹/۳، ۸۳۰/۳، ۸۳۱/۳، ۸۳۲/۳، ۸۳۳/۳، ۸۳۴/۳، ۸۳۵/۳، ۸۳۶/۳، ۸۳۷/۳، ۸۳۸/۳، ۸۳۹/۳، ۸۴۰/۳، ۸۴۱/۳، ۸۴۲/۳، ۸۴۳/۳، ۸۴۴/۳، ۸۴۵/۳، ۸۴۶/۳، ۸۴۷/۳، ۸۴۸/۳، ۸۴۹/۳، ۸۵۰/۳، ۸۵۱/۳، ۸۵۲/۳، ۸۵۳/۳، ۸۵۴/۳، ۸۵۵/۳، ۸۵۶/۳، ۸۵۷/۳، ۸۵۸/۳، ۸۵۹/۳، ۸۶۰/۳، ۸۶۱/۳، ۸۶۲/۳، ۸۶۳/۳، ۸۶۴/۳، ۸۶۵/۳، ۸۶۶/۳، ۸۶۷/۳، ۸۶۸/۳، ۸۶۹/۳، ۸۷۰/۳، ۸۷۱/۳، ۸۷۲/۳، ۸۷۳/۳، ۸۷۴/۳، ۸۷۵/۳، ۸۷۶/۳، ۸۷۷/۳، ۸۷۸/۳، ۸۷۹/۳، ۸۸۰/۳، ۸۸۱/۳، ۸۸۲/۳، ۸۸۳/۳، ۸۸۴/۳، ۸۸۵/۳، ۸۸۶/۳، ۸۸۷/۳، ۸۸۸/۳، ۸۸۹/۳، ۸۹۰/۳، ۸۹۱/۳، ۸۹۲/۳، ۸۹۳/۳، ۸۹۴/۳، ۸۹۵/۳، ۸۹۶/۳، ۸۹۷/۳، ۸۹۸/۳، ۸۹۹/۳، ۹۰۰/۳، ۹۰۱/۳، ۹۰۲/۳، ۹۰۳/۳، ۹۰۴/۳، ۹۰۵/۳، ۹۰۶/۳، ۹۰۷/۳، ۹۰۸/۳، ۹۰۹/۳، ۹۱۰/۳، ۹۱۱/۳، ۹۱۲/۳، ۹۱۳/۳، ۹۱۴/۳، ۹۱۵/۳، ۹۱۶/۳، ۹۱۷/۳، ۹۱۸/۳، ۹۱۹/۳، ۹۲۰/۳، ۹۲۱/۳، ۹۲۲/۳، ۹۲۳/۳، ۹۲۴/۳، ۹۲۵/۳، ۹۲۶/۳، ۹۲۷/۳، ۹۲۸/۳، ۹۲۹/۳، ۹۳۰/۳، ۹۳۱/۳، ۹۳۲/۳، ۹۳۳/۳، ۹۳۴/۳، ۹۳۵/۳، ۹۳۶/۳، ۹۳۷/۳، ۹۳۸/۳، ۹۳۹/۳، ۹۴۰/۳، ۹۴۱/۳، ۹۴۲/۳، ۹۴۳/۳، ۹۴۴/۳، ۹۴۵/۳، ۹۴۶/۳، ۹۴۷/۳، ۹۴۸/۳، ۹۴۹/۳، ۹۵۰/۳، ۹۵۱/۳، ۹۵۲/۳، ۹۵۳/۳، ۹۵۴/۳، ۹۵۵/۳، ۹۵۶/۳، ۹۵۷/۳، ۹۵۸/۳، ۹۵۹/۳، ۹۶۰/۳، ۹۶۱/۳، ۹۶۲/۳، ۹۶۳/۳، ۹۶۴/۳، ۹۶۵/۳، ۹۶۶/۳، ۹۶۷/۳، ۹۶۸/۳، ۹۶۹/۳، ۹۷۰/۳، ۹۷۱/۳، ۹۷۲/۳، ۹۷۳/۳، ۹۷۴/۳، ۹۷۵/۳، ۹۷۶/۳، ۹۷۷/۳، ۹۷۸/۳، ۹۷۹/۳، ۹۸۰/۳، ۹۸۱/۳، ۹۸۲/۳، ۹۸۳/۳، ۹۸۴/۳، ۹۸۵/۳، ۹۸۶/۳، ۹۸۷/۳، ۹۸۸/۳، ۹۸۹/۳، ۹۹۰/۳، ۹۹۱/۳، ۹۹۲/۳، ۹۹۳/۳، ۹۹۴/۳، ۹۹۵/۳، ۹۹۶/۳، ۹۹۷/۳، ۹۹۸/۳، ۹۹۹/۳، ۱۰۰۰/۳، ۱۰۰۱/۳، ۱۰۰۲/۳، ۱۰۰۳/۳، ۱۰۰۴/۳، ۱۰۰۵/۳، ۱۰۰۶/۳، ۱۰۰۷/۳، ۱۰۰۸/۳، ۱۰۰۹/۳، ۱۰۱۰/۳، ۱۰۱۱/۳، ۱۰۱۲/۳، ۱۰۱۳/۳، ۱۰۱۴/۳، ۱۰۱۵/۳، ۱۰۱۶/۳، ۱۰۱۷/۳، ۱۰۱۸/۳، ۱۰۱۹/۳، ۱۰۲۰/۳، ۱۰۲۱/۳، ۱۰۲۲/۳، ۱۰۲۳/۳، ۱۰۲۴/۳، ۱۰۲۵/۳، ۱۰۲۶/۳، ۱۰۲۷/۳، ۱۰۲۸/۳، ۱۰۲۹/۳، ۱۰۳۰/۳، ۱۰۳۱/۳، ۱۰۳۲/۳، ۱۰۳۳/۳، ۱۰۳۴/۳، ۱۰۳۵/۳، ۱۰۳۶/۳، ۱۰۳۷/۳، ۱۰۳۸/۳، ۱۰۳۹/۳، ۱۰۴۰/۳، ۱۰۴۱/۳، ۱۰۴۲/۳، ۱۰۴۳/۳، ۱۰۴۴/۳، ۱۰۴۵/۳، ۱۰۴۶/۳، ۱۰۴۷/۳، ۱۰۴۸/۳، ۱۰۴۹/۳، ۱۰۵۰/۳، ۱۰۵۱/۳، ۱۰۵۲/۳، ۱۰۵۳/۳، ۱۰۵۴/۳، ۱۰۵۵/۳، ۱۰۵۶/۳، ۱۰۵۷/۳، ۱۰۵۸/۳، ۱۰۵۹/۳، ۱۰۶۰/۳، ۱۰۶۱/۳، ۱۰۶۲/۳، ۱۰۶۳/۳، ۱۰۶۴/۳، ۱۰۶۵/۳، ۱۰۶۶/۳، ۱۰۶۷/۳، ۱۰۶۸/۳، ۱۰۶۹/۳، ۱۰۷۰/۳، ۱۰۷۱/۳، ۱۰۷۲/۳، ۱۰۷۳/۳، ۱۰۷۴/۳، ۱۰۷۵/۳، ۱۰۷۶/۳، ۱۰۷۷/۳، ۱۰۷۸/۳، ۱۰۷۹/۳، ۱۰۸۰/۳، ۱۰۸۱/۳، ۱۰۸۲/۳، ۱۰۸۳/۳، ۱۰۸۴/۳، ۱۰۸۵/۳، ۱۰۸۶/۳، ۱۰۸۷/۳، ۱۰۸۸/۳، ۱۰۸۹/۳، ۱۰۹۰/۳، ۱۰۹۱/۳، ۱۰۹۲/۳، ۱۰۹۳/۳، ۱۰۹۴/۳، ۱۰۹۵/۳، ۱۰۹۶/۳، ۱۰۹۷/۳، ۱۰۹۸/۳، ۱۰۹۹/۳، ۱۱۰۰/۳، ۱۱۰۱/۳، ۱۱۰۲/۳، ۱۱۰۳/۳، ۱۱۰۴/۳، ۱۱۰۵/۳، ۱۱۰۶/۳، ۱۱۰۷/۳، ۱۱۰۸/۳، ۱۱۰۹/۳، ۱۱۱۰/۳، ۱۱۱۱/۳، ۱۱۱۲/۳، ۱۱۱۳/۳، ۱۱۱۴/۳، ۱۱۱۵/۳، ۱۱۱۶/۳، ۱۱۱۷/۳، ۱۱۱۸/۳، ۱۱۱۹/۳، ۱۱۲۰/۳، ۱۱۲۱/۳، ۱۱۲۲/۳، ۱۱۲۳/۳، ۱۱۲۴/۳، ۱۱۲۵/۳، ۱۱۲۶/۳، ۱۱۲۷

نے ایک مسئلہ درپیش ہوا<sup>(۱)</sup>۔ تو انہوں نے لوگوں کو دیوالیہ اور ان سے مشورہ کیا اور انہیں قسموں کر پوچھا کہ آیا کسی نے نبی ﷺ سے حسنین کے سلسلے میں فیصلے سنا ہے؟ اس پر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں نے آنحضور ﷺ سے سنا ہے۔ انہوں نے اس میں ایک غلام یا ایک کنیز دینے کا فیصلہ فرمایا تھا۔ حضرت عمرؓ نے ان سے کہا کہ اپنا کوئی گولہ لانا چنانچہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ نبی ﷺ نے یہ فیصلہ کیا تھا<sup>(۲)</sup>۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا ”اللہ اکبر لولم اسمع بهذا لقصيا بغير هذا“<sup>(۳)</sup>۔ (اللہ اکبر اگر ہم نے یہ نہ سنا لیا ہوتا تو اس کے برعکس فیصلہ کرتے۔) ایک اور مثل یہ بھی ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک عورت لائی گئی جو گودنا کرتی تھی تو حضرت عمرؓ نے لوگوں سے فرمایا کہ ”میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ تم میں سے کسی نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں کچھ سنا ہے؟“ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں انصار عرض کیا ”میں امیر المومنین میں نے آپ سے سنا ہے فرماتے تھے کہ نہ گود دہو نہ گدو“<sup>(۴)</sup>۔

حضرت عمر فاروقؓ کے اس بصیرت افروز طریق کار سے بے شمار مثبت نتائج برآمد ہوئے۔ لوگوں میں علم حدیث کا ذوق و شوق پیدا ہوا۔ انہوں نے ذہنوں میں محفوظ کرنا شروع کر دیا اور ان کے تجتس میں منہبک ہو گئے۔ دوسرا یہ کہ خبر واحد کو شہرت کا رنگ حاصل ہو گیا۔ وہ حدیث جو پہلے ایک یا چند صحابہ کرامؓ کے علم میں تھی اب سب شمار لوگوں کے سامنے آگئی اور تدوین میں مختلف طریق کے ذریعے نہایت مستند احادیث کا ذخیرہ اکٹھا کرنے میں آسانی پیدا ہو گئی۔ تیسرا یہ کہ سنت نبوی ﷺ کی اہمیت واضح ہوئی اور اجتماعی طور پر روزمرہ کے مسائل کو اسوہ حسنہ کی روشنی میں حل کرنے میں مدد ملی۔ لوگ ہر مسئلے میں رہنمائی کیلئے احادیث نبوی ﷺ کو تلاش کرنے لگے اور جو احادیث اس طرح سامنے آئیں ان کو عمل کی بنیاد بناتے رہے۔ چوتھا یہ کہ اس طرح نہایت صحیح احادیث سامنے آئیں جو ہر طرح کے شک و شبہ سے پاک تھیں۔ ان کو جاننے، صحیح پس منظر میں سمجھنے اور ان سے مسائل کا استنباط کرنے میں غلطی کی گنجائش نہ رہی۔ اگر کہیں کوئی اشکال پیدا ہوا تو دیگر روایوں اور یعنی شاہدوں کے بیان سے دور ہو گیا۔ پانچواں یہ کہ اس سے صحیح فیصلے کرنے میں مدد ملی اور خلافت علی منہاج السنۃ کے تقاضے نہایت عمدگی سے پورے ہوتے رہے کتاب و سنت سے تعلق مضبوط رہا۔ چھٹا یہ کہ فیصلوں میں ایک اجمل رنگ پیدا ہو گیا۔ اختلافات کو بھلنے پھولنے کا موقع نہ مل سکا۔ ایک ہم گیر یکسوئی پیدا ہوئی جو ان کے احترام اور تنقید میں نہایت کارگر ثابت ہوئی۔ ساتواں یہ کہ مدینہ کی فکری و ذہنی مرکزیت مستحکم ہوئی۔ یہاں کے فیصلے دیگر تمام علاقوں کی توجہ کا محور بنے۔ یہاں کی روایات ہر طرف منتقل ہوئیں اور سرچشمہ ہدایت بنیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام مالک نے اہل مدینہ کے عمل کو بھی اپنی فقہ کی بنیاد بنایا ہے کیونکہ عہد عمرؓ میں یہاں احادیث کا چرچا رہا۔

۳۔ معاصمین کا تقرر۔

۳۔ احادیث کی اشاعت میں حضرت عمر فاروقؓ نے تیسرا اہم اقدام یہ کیا کہ سلطنت کے طول و عرض میں مختلف معاصمین بھیجے تاکہ وہ لوگوں کو کتاب و سنت کی تعلیم دین اور علم دین سکھائیں۔ چنانچہ انہوں نے حمص، دمشق اور فلسطین کی طرف تین جلیل القدر اصحاب کو بھیجا جن میں حضرت معاذ بن جبلؓ حضرت ابو درداءؓ اور حضرت عبادہ بن صامتؓ رضوان اللہ علیہم اجمعین شامل تھے۔ ان کی یہ واداری لگائی کہ ان تمام علاقوں میں علم دین پھیلائیں<sup>(۵)</sup>۔ کوفہ کی طرف عبداللہ بن مسعود کو بھیجا<sup>(۶)</sup>۔ جن کے بارے میں اس کی رائے یہ تھی کہ وہ ایک ایسا سندوق ہیں جو علم سے بھرا ہوا ہے<sup>(۷)</sup>۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو بصرہ کی طرف بھیجا۔ وہ وہاں پہنچے تو لوگوں سے کہا ”مجھے امیر المومنین حضرت عمرؓ بن الخطابؓ نے تمہاری طرف اس لئے بھیجا ہے کہ ”اعلمکم کتاب ربکم و مستکم و انظف طرفکم“<sup>(۸)</sup>۔ (تمہیں تمہارے رب کی کتاب اور رسول ﷺ کی سنت کی تعلیم دوں اور تمہارے راستوں کو صاف کروں۔)

(۱) عبدالرزاق (۲) ۵۸۱ (بحرہ) ۵۰۱۸، مسند ۱۱۱/۵، ۲۶۶/۴، ۱۷۰۰۵ (۳) ۲۶۷، ۴، ۱۷۲/۵، ۱۷۲/۵، ۲۵۲ (۴) ۱۸۸، ۸

(۵) مسند ۲۵۷، ۲ (۶) طریق ۱۲۹، ۱۲۷/۲، ۴۲۷/۲ (۷) مسند ۲۴۴، ۲ (۸) ۲۵۷، ۲، ۴۲۷/۲، ۴۲۷/۲

شاہ ولی اللہ نے بالکل بجا کہا ہے کہ حضرت عمرؓ نے مختلف ممالک میں علماء صحابہؓ کو روایت حدیث کیلئے بھیجا اور انہیں وہاں اقامت کا حکم دیا (۱)۔ وہ سب لوگ جنہیں معصین کے طور پر بھیجا گیا ان کی خصوصی صفت یہی تھی کہ قرآن کے ساتھ ساتھ احادیث کا علم و فہم بھی رکھتے ہوں کیونکہ اس کے بغیر نہ تو قرآن کو صحیح طور پر سمجھنا ممکن ہے اور نہ ہی دین کی تصدیق کو مثلاً مذکورہ لوگوں میں حضرت معاذ بن جبلؓ بھی شامل ہیں جن کے بارے میں ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ "معاذ قیامت کے روز عشاء سے اس قدر آگے ہوں گے جتنا کہ حد نظر ہے" (۲)۔ "رسول اکرم ﷺ نے انہیں یمن کا قاضی مقرر کیا تو پوچھا کیسے فیصلہ کرو گے تو انہوں نے بالترتیب کتاب و سنت اور اجتہاد کا ذکر کیا تو فرمایا "تم تعریفیں اس اللہ کیسے ہیں جس نے قاصد رسول ﷺ کو ایسے امر کی توفیق دی جس پر رسول اللہ ﷺ خوش ہیں" (۳)۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے فیصلوں کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے بھی کتاب و سنت کے ساتھ صالحین کے فیصلوں کو بھی بطور نظیر سامنے رکھنے اور پھر اجتہاد کرنے پر زور دیا (۴)۔

حضرت عبادہ بن صامت کتاب و سنت کے گہرے علم کے ساتھ جرأت بھی رکھتے تھے۔ کسی بھی مسئلے پر شام کے گورنر حضرت امیر معاویہؓ سے اختلاف کیا تو حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع ملی۔ انہوں نے ان کی حوصلہ افزائی کی اور انہیں علمی آزادی مہیا کرتے ہوئے لکھا کہ امیر معاویہؓ کی ان پر کوئی عکرائی نہیں ہوگی (۵)۔ حضرت ابوذر دائیؓ بھی بہت بڑے عالم و فقیہ تھے اور باعمل بھی۔ ان کا قول ہے کہ "عالم نہیں ہو تا جب تک محکم نہیں ہو اور علم پر عامل نہ ہو" (۶)۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ، نہیں شریک مشورہ رکھتے تھے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے تھے کہ ہم سے دونوں عاقلوں کا حال بیان کر دو۔ کہا چاہتا کہ وہ عاقل کون ہیں تو وہ کہتے معاذ اور ابوذر دائیؓ (۷)۔ اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ معلمین کتنے بلند مرتبہ عالم اور محدث تھے۔

### ۴۔ عالم قاضیوں کا تقرر:

اس سلسلے میں چوتھا اقدام جو حضرت عمر فاروقؓ نے کیا وہ یہ تھا مختلف عمال اور قاضیوں کے تقرر میں ان کی انتظامی صلاحیتوں کے ساتھ دین کے علم و فہم کا بھی لحاظ رکھا اور انہیں اس بات کا پابند بنایا کہ وہ اپنے روزمرہ کے امور اور فیصلوں میں کتاب و سنت ہی کو بنیاد بنائیں اور پھر سنت کی تعلیم کا بھی اہتمام کریں۔ ان کے نزدیک یہ کام اس قدر اہم تھا کہ مختلف عمال اور گورنروں کی بنیادی ذمہ داریوں میں سنت کی تعلیم دینا بھی شامل تھا۔ ایک مرتبہ جمعہ کے خطبے میں لوگوں کے سامنے اللہ کو گواہ بنا کر فرمایا "اللہم ابی اسہلک علی امراء الامصار انی انما بعثکم لیعلموا الناس دینہم و سبہ دینہم و ان یقسموا فیہم فہم و ان یعدلو" فان اشکک علیہم شیء دفعوہ الی (۸)۔ "اے اللہ! میں تیرے سامنے حکام ہمارے بارے میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ میں نے انہیں صرف اس کام کیلئے مقرر کیا ہے کہ وہ لوگوں کو دین و مذہب کی تعلیم دیں اور سنت نبوی ﷺ کی اشاعت کریں اور ان کے ہاں غیبت کو ان کے درمیان منصفانہ طور پر تقسیم کریں اور اگر کوئی دقت پیش آئے تو وہ مجھے مطلع کریں۔"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمام کاموں میں ان کے نزدیک ترجیح دین و سنت کی تعلیم کو حاصل تھی۔ یہ کام وہ اسی صورت میں سرانجام دے سکتے تھے جبکہ وہ خود سنتوں سے باخبر ہوں۔ پھر وہ اس کام کو اس قدر اہم کرنا چاہتے تھے کہ لوگ خود ان سے صرف مسئلے کے سلسلے میں نہیں بلکہ دین و سنت کیلئے بھی رجوع کریں اور اپنے عمال کی سیرت و کردار کا جائزہ اسی اعتبار سے لیں۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ رائے عامہ اس قدر بیدار رہے کہ عمال کو ان کی ذمہ داریوں سے غرافہ نہ کرنے دے۔ اس لئے عوام سے یک خطاب کرتے ہوئے فرمایا "خدا کی قسم میں اپنے افسروں کو تمہارے یہاں اس لئے نہیں بھیجتا کہ وہ تمہارے منہ پر چپت ماریں یا تمہارے مال

(۱) س: ۲۷۷/۲ (۲) س: ۳۷۷/۲ (۳) درود: ۱۲/۳ (۴) س: ۳۹۱/۲ (۵) س: ۲۳۰/۸ (۶) س: ۵۵۲/۱ (۷) س: ۶۱/۱ (۸) س: ۲۷۷/۲

شہ: ۴۷۷/۲ (۹) س: ۳۵۷/۲ (۱۰) س: ۳۵۷/۲ (۱۱) س: ۳۵۷/۲ (۱۲) س: ۳۵۷/۲ (۱۳) س: ۳۵۷/۲ (۱۴) س: ۳۵۷/۲ (۱۵) س: ۳۵۷/۲

چھین لیں۔ میں تو اس لئے بھیجتا ہوں کہ تمہیں تمہارا دین سکھائیں اور تمہارے ہی <sup>میں</sup> سنت کی تعلیم دیں۔ جس کسی سے اس سے برعکس معاملہ کیا جائے۔ اسے چاہئے کہ میرے سامنے پیش کریں۔ اس بات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے میں متعلقہ افسر سے اس کا بدلہ لے کر رہوں گا<sup>(۱)</sup>۔ اسی طرح قاضیوں کو بھی کتاب و سنت ہی کو اساس بنانے کا جو حکم دیا اس کی مثال قاضی شریح کو کوفہ کی طرف روانہ کرتے وقت جو بد بینیں دیں اس میں یہ بھی تھی ”خدا کی کتاب میں جو فیصلہ تمکو ملے اس کو چوں چوں اختیار کر لو اور اگر وہاں کوئی فیصلہ نہ ملے تو سنت کی طرف رجوع کرو مگر وہاں بھی نہ ملے تو اجتہاد کرو<sup>(۲)</sup>۔“ وہ وہاں چلے گئے اور اپنی ذمہ داریاں پوری کر کے لگے۔ پھر انہیں یاد دہانی اور تاکید کیلئے سرکاری خط ارسال کیا اور انہیں کتاب و سنت کے بعد آئمہ ہدیٰ کی آراء اور فیصلوں سے بھی کام لینے کا حکم دیا اور یہ بھی فرمایا کہ ”بعد ازاں یہ تو اجتہاد کر دیا پھر میری طرف رجوع کرو اور تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ میری طرف رجوع کرو<sup>(۳)</sup>۔“ اس میں جی طرف رجوع کرنے کے حکم میں بھی یہی حکمت کار فرما نظر آتی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس بارے میں محترم کا کوئی فرمان موجود ہو جسے شریح سے نہ جانتے ہوں تو رجوع کرنے سے اس تک پہنچنے میں، نہیں مدد مل سکتی ہے کیونکہ تمام اکابر صحابہ کرام اور سنتوں کو جاننے والے لوگ مدینے میں قیام پزیر تھے۔ ان فرض عمال اور قاضیوں کو دی جانے والی ہدایات و فرامین بھی سنت کی اہمیت کو اجاگر کر کے اس کو تلاش کرنے اور ان کی طرف رغبت و رجوع کرنے کا باعث بنے اور علم حدیث کی اشاعت کی طرف پیش قدمی ہوئی۔

#### ۵۔ خطبات میں استعمال:

۵۔ احادیث کی اشاعت و فروغ کے ضمن میں حضرت عمرؓ کی کادشوں کا پانچواں اہم پہلو خود ان کی روایت کردہ احادیث ہیں جو مختلف صورتوں میں لوگوں کے سامنے آئیں اور پھر کتب احادیث میں محفوظ ہوئیں۔ انکی بھرپور سیاسی و سماجی زندگی کا اس میں بڑا گہرا دخل ہے۔ محمد بن عمر اسلمی کے بقول رسول اکرم ﷺ کے انکابر اصحاب سے صرف اس لئے روایت کی قلت ہے کہ وہ لوگ قبل اس کے کہ ان کی حاجت ہو، وفات پا گئے صرف حضرت عمر بن خطابؓ اور حضرت علیؓ بن ابی طالب سے کثرت ہوئی اس لئے کہ یہ دونوں وہاں ہوئے اور ان دونوں نے لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کیا<sup>(۴)</sup>۔ آپ کی روایت کردہ احادیث خطبات، فرامین اور فیصلوں کی شکل میں موجود ہیں۔ ان میں مرفوع بھی ہیں اور موقوف بھی علاوہ ازیں بہت سی احادیث ایہوں نے حسب ضرورت روایت بھی کی ہیں۔ آپ اپنے خطبات میں ہمیشہ قرآن و سنت ہی کو بنیاد بناتے تھے۔ خاص طور پر تعمیری تربیتی اور اصلاحی اغراض کی خاطر دیئے گئے خطبے اسی سرچشمہ ہدایت سے ماخوذ ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ منبر پر کھڑے ہوئے اور خطبہ میں فرمایا ”اے مومنین! صبح اور درست رہئے تو صرف رسول اللہ ﷺ کی تھی اس لئے کہ انہیں اللہ تعالیٰ سمجھا تھا کہ وہی راہ ہے تو محض گمان و تکلف ہے<sup>(۵)</sup>۔ بس یہی وہ بات تھی جس کی بنا پر آپ اپنی رائے سے حتیٰ الامکان گریز کرتے اور احادیث نبوی ﷺ ہی کو پیش نظر رکھتے۔ ایک مرتبہ شام کے سر کے دوران جابیہ تشریف لے گئے اور وہاں لوگوں کے سامنے تقریر کی اور فرمایا ”اے مومنین! تمہارے درمیان اسی طرح کھڑا ہوں جیسے رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان کھڑے ہوئے تھے اور آپ نے فرمایا کہ ”میں تمہیں اپنے اصحاب کے بارے میں وصیت کرتا ہوں (عزت و اطاعت کی) پھر ان کے بعد جو آنے والے ہیں (تابعین) پھر ان کے بعد جھوٹ مروج ہو جائے گا یہاں تک کہ ایک شخص حلف و قسم اٹھائے گا۔ اس سے پہلے کہ اس سے قسم لی جائے اور گواہی دے گا بغیر اس کے کہ اس سے گواہی طلب کی جائے“ خبردار کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ تہائی میں نہیں ہو تا مگر یہ کہ اس دونوں کے ساتھ تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ تم رازی طور پر جماعت ہی کے ساتھ وابستہ رہو“ جس شخص کو اس کی نیکی خوش کر دے اور برائی عنکبوت مومن ہے<sup>(۶)</sup>۔“ اس طرح اپنے

(۱) حبش ۱۹۳۱، یوسف ۱۱۵، طبری ۱: ۴۰۴ (۲) بیہقی ۱: ۱۱۱، مسانی ۸: ۲۳۱ (۳) بیہقی ۱: ۱۱۱، رمی ۱: ۱۰ (۴) مسند ۲: ۳۶۶ (۵) ذخیرہ ۳: ۴

(۶) رمی ۳: ۳۶۵، حبش ۱: ۲۳۳، ۲: ۱۶/۸۹، کتب ۷: ۷۰، مسند ۵: ۳۰۳۔

اس خطبے میں انہوں نے بہت سی احادیث کی روایت کی ہے اور ایسے لوگوں تک انہیں منتقل کیا جو دور دراز علاقوں میں قیام پزیر تھے۔

رسول اکرم ﷺ کے روزِ جمعہ مسجد کی طرف آنا اور غسل کرنا بہت پسند فرماتے تھے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ ارشاد فرمایا کہ جمعہ کے روز نہانا بر باغ پر واجب ہے<sup>(۱)</sup>۔ حضرت عمرؓ ایک دن جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ اصحاب مہاجرین و انہیں میں سے ایک بزرگ (حضرت عثمانؓ) مسجد میں تشریف لائے۔ حضرت عمرؓ نے (دورانِ خطبہ) پوچھا ”کیا یہ آنے کا وقت ہے؟“ انہوں نے جواب دیا کہ ”میں ایک کام میں مصروف ہو گیا تھا، مگر سونا تو نواں کی آوار سنی اور وضو سے زیادہ اور کچھ نہ کر سکا۔“ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”صرف وضو؟“ انا کہ آپ جانتے ہیں کہ نبی ﷺ غسل کا حکم فرماتے تھے<sup>(۲)</sup>۔ اسی طرح غسل کے وجوب کے بارے میں حدیث نبوی ﷺ تمام لوگوں کے سامنے آگئی جو ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کسی کے علم میں نہ ہو اور پھر حدیث پر عمل کرنے کی ترغیب بھی دی اور تنبیہ بھی کی اور پھر ہدایت حلیل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمع میں نوکارتا کہ دیگر لوگ اس کا پورا اہتمام کریں۔ یہ بالواسطہ طور پر توجہ دلانے کا بہت حکیمانہ انداز تھا۔

”یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ کوئی حکم شرعی اور اسوۂ نبویؐ ضائع ہو جائے چنانچہ رجم کے بارے میں انہیں یہ اندیشہ ہوا تو خطبہ دیا جو حضرت ابن عباسؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اور حضرت سعید بن المسیبؓ سے تھوڑے سے لفظی اختلاف کے ساتھ مروی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا ”اے لوگو! جو تمہارے سامنے سنتیں مقرر کر دی گئی ہیں وہ سنتیں ہیں اور جو فرائض مقرر کر دیے گئے ہیں وہ فرائض ہیں اس طرح تمام چیزیں تم پر واضح کر دی گئی ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم دائیں اور بائیں بہک جاؤ۔“ پھر آپ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے پر مار کر فرمایا ”تم آیت رجم کے بارے میں جاگت سے بچو کہ کوئی کہنے والا یہ کہے کہ ہم کتاب اللہ میں دو حدیں نہیں پاتے جبکہ رسول اللہ ﷺ نے رجم کیا تھا اور ہم نے بھی رجم کیا ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر لوگ یہ نہ کہتے کہ کتاب اللہ میں اضافہ کر دیا ہے تو میں اس میں لکھوا دیتا“ الشیخ والنبیحة طار جمعہما البند۔“ بے شک ہم نے اس آیت کو پڑھا ہے<sup>(۳)</sup>۔

حضرت عمر فاروقؓ جہاں ان احادیث کو لوگوں کے سامنے لانے میں سرگرم ہوتے تھے جہاں کے علم میں تھیں وہاں ان باتوں کا ذکر بھی فرمادیتے تھے جن کے بارے میں انہیں کوئی اشکال لاحق ہو تا تھا یا جن کے بارے میں ان کے خیال کے مطابق واضح و حتمی احکام موجود نہیں ہوتے تھے تاکہ سوچ بچار کے دروازے کھلے رہیں اور سمجھدار لوگ ان پر سنجیدگی سے غور و خوض کرتے رہیں اور تلاش حق کا سفر جاری رہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے منبر رسول ﷺ پر خطبہ دیا اور اللہ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا ”جب شراب حرام ہوئی تو پانچ چیزوں سے بنا کرتی تھی گیسوں، بوجھور، انگور اور شہد سے اور شراب وہ ہے جو عقل میں فتور ڈالے وراے لوگو! میں چاہتا ہوں کہ کاش رسول اللہ ﷺ ہم سے دوا کا کلام اور سود کے چند ابواب کے بارے میں (مفصل) بیان فرمادیجئے“<sup>(۴)</sup>۔ یہاں آپ نے شراب اور اس کے متعلقات کے بارے میں حدیث نبویؐ کو اپنے الفاظ میں بیان بھی فرمایا ہے اور اس حسرت و تپش کا بھی اظہار کر دیا ہے جس کا محرک اسوۂ نبویؐ کی مکمل اطاعت کے جذبے کے علاوہ کچھ اور نہیں تھا۔

حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کے غلام ابو سعید سے روایت ہے کہ وہ حضرت عمر بن خطابؓ کے ساتھ شریک ہوئے۔ انہوں نے خطبے سے پہلے بغیر اذان و اقامت کے نماز پڑھی پھر بعد میں خطاب کیا اور فرمایا ”اے لوگو! رسول اکرم ﷺ نے ان دونوں کے روزوں سے منع فرمایا ہے ان دونوں میں سے ایک تمہارے

(۱) مسند ۱: ۶۹ (۲) بخاری ۱: ۲۱۲، مسند ۲: ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳،

روزوں کے بعد تمہارے افطار اور عید کا دن ہے اور دوسرا وہ ہے کہ جس میں تم اپنی قربانیوں میں سے کھاتے ہو<sup>(۱)</sup>۔ اسی طرح ایک دن سر پر خطبہ دیتے ہوئے رسول کریم ﷺ کی حدیث پیش کی اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے ”اعمال کا دار و مدار بیٹوں پر ہے“ ہر آدمی کیلئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کیلئے ہی ہے اور جس کی ہجرت طلب دنیا کیلئے ہو یا کسی عورت سے شادی کیلئے تو اس کی ہجرت اسی کیلئے شمار ہوگی<sup>(۲)</sup>۔ اسی طرح عین ان دنوں میں جبکہ ہر طرف جنگیں لڑی جا رہی تھیں اور لوگ اپنے اپنے عزیز و اقارب کی شرکت و شہادت پر فخر کر رہے تھے حضرت عمرؓ نے، نہائی ہسرت افروز اور حالات کی مناسبت سے نہایت اہم تر جہتی خطبہ دیا اور اس میں دیگر امور کے علاوہ یہ بات بھی فرمائی ”ایک اور بات ان جنگوں میں جو آج لڑی جا رہی ہیں یہ ہے کہ جو شخص مار جاتا ہے تم اس کے بارے میں کہتے ہو کہ فلاں شخص شہید ہو گیا حالانکہ ہو سکتا ہے کہ اس کی نیت طلب دنیا ہو اور اس نے اپنی سواری کی دونوں خرچیوں میں سونا اور چاندی بھر لیا ہو تو تم اس طرح نہ کہو بلکہ اس طرح کہو جیسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو راہ خدا میں قتل کیا گیا یا مریا وہ جنتی ہے“<sup>(۳)</sup>۔

## ۶۔ فرامین:

حادیث کے تحریری ذخیرے میں حضرت عمر فاروقؓ کے احکامات و فرامین بھی شامل ہیں جو بذریعہ خطوط انہوں نے بحیثیت خلیفہ مختلف عمال کے نام ارسال کئے۔ آپ محض سیاسی انتظامی اور جنگی معاملات ہی میں اس کی رہنمائی نہیں فرماتے تھے بلکہ دینی و لقیہ معاملات میں بھی انہیں ہدایات دیتے تھے اور وہ بھی ہر معاملے میں، نہیں سے رجوع کرتے تھے۔ آپ کے خطوط میں پائی جانے والی احادیث مرفوع بھی ہیں اور موقوف بھی۔ اس طرح احادیث کی ترویج و اشاعت میں ایک اہم ذریعہ خطوط بھی ہیں مثلاً جانوروں کی زکوٰۃ تصاب و شرح کی تفصیل حضرت عمرؓ کے پاس تحریری شکل میں کتاب الصدقہ کے نام سے موجود تھی۔ امام مالک نے اسے اپنی معروف کتاب الموطا میں تحریر کیا ہے اور لکھا ہے کہ میں نے اسے خود پڑھا تھا<sup>(۴)</sup>۔ یہ غائبانہ کتاب تھی جو خود آنحضور ﷺ نے تحریر فرمائی تھی اور عمال کے پاس بھیجنے سے پہلے وصال فرما گئے جیسا کہ ابو داؤد کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ حضرت ابو بکرؓ پھر حضرت عمرؓ کے پاس رہی ان کی اوامد سے آگے رقم کی گئی<sup>(۵)</sup>۔ یہ حدیث بظاہر موقوف ہے کیونکہ اس میں رسول اکرم ﷺ کا نام نہیں لیا گیا لیکن حقیقت میں مرفوع ہے کیونکہ آنحضور ﷺ نے ہی یہ تفصیل بیان فرمائی تھی پھر حضرت عمر فاروقؓ خود شائع نہیں تھے کہ اپنی مرضی سے کچھ لکھتے۔ دیگر روایت سے بھی تصدیق ہوتی ہے کہ یہ تحریر دراصل ارشادات نبویؐ پر ہی مشتمل ہے۔ ابو عثمان نہدی سے روایت ہے کہ عتبہ بن فرقہ کے پاس آذربائیجان میں تھے کہ حضرت عمرؓ کا ایک خط آیا اس میں لکھا تھا ”اے عتبہ بن فرقہ! یہ مال جو میرے پاس ہے نہ تیرا، نہ میرا ہے اور نہ تیرے باپ کا نہ تیری ماں کا“ اس سے تو مسلمانوں کو اس کے ٹھکانوں میں اسی طرح حیر کر جس طرح تو اپنے ٹھکانے میں حیر ہوتا ہے۔ تنعم و عیش کو شہی و شرکوں کی وضع اور ریشی لباس پہننے سے بچو“ بے شک رسول اللہ ﷺ نے ریشی لباس پہننے سے منع فرمایا ہے سوائے اتنا کہ آپؐ نے اپنی بیچ کی انگلی اور کلہ کی انگلی کو آپس میں ماکر بتایا<sup>(۶)</sup>۔ (یعنی دو انگلی کے برابر گر کہیں لگا ہو، ہو تو حرج نہیں)۔ اس خط میں آپؐ نے جن چیزوں سے منع فرمایا ہے وہ دراصل احادیث ہی میں منع کی ہوئی باتیں ہیں جنہیں انہوں نے اپنے الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ عطاء بن یسار سے روایت ہے کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان نے سونے یا چاندی کا ایک برتن جو پانی پینے کیلئے تھا زیادہ سونے اور چاندی کے بدے بچا تو حضرت ابوذرؓ نے ان سے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپؐ اس

(۱) حبل ۲۵۶، داؤد ۲۹۲ (۲) بحری ۲۱، مسند ۶، ۸، نسائی ۶، ۱۵۸ (۳) بیہقی ۶، ۳۳۲ (۴) مالک ۲۵۷، اشعرا ۱۱۱، ۵۵ (۵) داؤد ۲/۱۳۱

(۶) مسند ۶، ۱۱، حبل ۹۶، حرجہ ۱۳

سے منع فرماتے تھے 'سوئے اس کے کہ برابر برابر بیچا جائے۔ حضرت معاویہؓ نے کہا کہ میں تو اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا۔ حضرت ابوذرؓ نے جواب دیا: بھلا کون میرا مقرر معاویہ کے بارے میں قیوں کرے گا کہ میں تو انہیں رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرتا ہوں اور وہ مجھ سے اپنی رائے بیان کرتے ہیں۔ اب میں اس معاملے میں نہیں رہوں گا جس میں آپ ہیں۔ پھر حضرت ابوذرؓ حضرت عمرؓ بن خطاب کے پاس چلے آئے اور انہیں قصہ بتایا تو حضرت عمرؓ نے امیر معاویہؓ کو خط لکھا اور حکم دیا کہ اس طرح کی بیخ کنی کریں سوئے اس کے کہ وہ کسی ہی ہو اور برابر تول کر<sup>(۱)</sup>۔ اس میں بھی حضرت عمرؓ نے حدیث ہی کے مطابق اپنا حکم جاری کیا۔ یہ حدیث تھی ان کا اپنا اجتہاد نہ تھا۔ آپ کے عمل کا یہ طریقہ تھا کہ ایسے دینی معاملات میں جن کا انہیں حقیقی علم نہیں ہو تھا آپ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے اور آپ کے احکامات کی روشنی میں فیصلہ کرتے تھے۔ س نے نہایت مربوط انداز میں کتب و سنت کا عملی مسائل پر اطلاق جاری رہا تھا۔ آپ کے علم میں جب کوئی ایسی حدیث آتی تھی جس کا اجتماعی مسائل سے تعلق ہو تھا تو اسے عمل کی طرف لکھ کر روکنہ کر دیتے تھے تاکہ اسی کو فیصلوں کی بنیاد بنائیں۔ بحال بن عبدہ کہتے ہیں کہ میں منظر میں جزم بن معاویہ کا کاتب تھا ہمارے پاس حضرت عمرؓ کا ایک خط آیا جس میں لکھا تھا "تمہاری طرف جو بخوی ہیں ان پر نظر ڈالو اور ان پر جزیہ عاید کرو کیونکہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے مجھے خبر دی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حمر کے بخوس سے جزیہ لیا تھا"<sup>(۲)</sup>۔ ابوہریرہ بن سہل سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے ابو عبیدہ بن الجراح کو لکھا کہ نو جوانوں کو بچہ کی اور لڑنے کے قابل دو گوں کو تیر اندازی سکھانا چنانچہ اس غرض سے لوگ اکٹھے تھے اور نشانے لے رہے تھے کہ اتنے میں ایک تیز دھڑا تیر اگر ایک لڑکے کو لگا اور اسے ہلاک کر دیا۔ اس لڑکے کا کوئی اصل (حقیقی وارث) نہ تھا۔ پائیہ۔ اس وقت وہ اپنے ماموں کی گود میں تھا چنانچہ حضرت ابو عبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو لکھ کر بھیجا کہ میں اس کی دیت کس کو لو کروں؟ حضرت عمرؓ نے جواب میں لکھا کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے "اللہ ورسولہ مولى من لا مولیٰ لہ والاعمال وارث من لا وارث لہ"<sup>(۳)</sup>۔ (اللہ اور اس کا رسول ﷺ ایسے شخص کے ولی وارث ہیں جس کا کوئی ولی وارث نہ ہو اور ماموں اس کا وارث ہے جس کا اور کوئی وارث نہ ہو۔) اس طرح حضرت عمر فاروقؓ کے ذریعے ایک ایسی حدیث تحریر میں آئی اور دور دراز تک پہنچ گئی جو اجتماعی معاملات میں نہایت اہمیت کی حامل ہے اور اس کے اطلاقات بھی بہت وسیع ہیں۔

### ۷۔ ذاتی روایات

احادیث نبوی ﷺ کی ترویج و شاعت میں حضرت عمر فاروقؓ کے کارنامے میں خود ان کی اپنی روایت کردہ احادیث بھی شامل ہیں جن کی تعداد اچھی خاصی ہے اور وہ ایسی ہیں جن کا اعتقاد و عمل سے گہرا تعلق ہے۔ جو زیادہ تر انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی کے ان پہلوؤں میں رہنمائی دیتی ہیں جو سماجی زندگی میں اہم کردار سر انجام دیتے ہیں۔ ان میں معیشت، معاشرت، آداب زندگی اور فنی و قانونی معاملات شامل ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کی دلچسپی کامیابیوں ہی میں تھی لیکن اس سے بڑھ کر دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ نظری معاملات میں روایت کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ آپ کی روایت کردہ چند احادیث کو نمونے کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ زہد ایک آسمان کا سرمایہ حیات ہوتا ہے 'مادی اسباب کے بجائے ایک مومن کو اللہ تعالیٰ پر جتنا زیادہ اعتماد و توکل ہو گا وہ اتنا بہتر انداز میں اپنی آمد و دریاں پوری کر سکے گا۔ بروایت عمر فاروقؓ نبوی ﷺ ہے "اگر تم اللہ تعالیٰ پر اسی طرح توکل کرو جیسا کہ توکل کرنے کا حق ہے تو تم کو اسی طرح رزق ملے گا جیسا کہ پرندوں کو ملتا ہے۔ صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے ہوئے واپس لوٹتے ہیں"<sup>(۴)</sup>۔

حضرت عمر فاروقؓ اس حدیث کی اہمیت کو سمجھتے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ روزمرہ کے معاملات میں توکل کی کیا قدر و قیمت ہے۔ اس لئے انہوں نے اس حدیث کو روایت کیا اور ان کی عملی زندگی میں بھی اسی کی جھلک پیش کرتی ہے۔ ایک مسلمان کیلئے ضروری ہے کہ ان تمام چیزوں سے اللہ کی پناہ لے لے جن سے سرور و جہاں ﷺ



لے پناہ لگی ہے۔ اس کا انسان کی عملی زندگی سے براہ راست تعلق ہے، ایسے حضرت عمر فاروقؓ سے روایت ہے کہ ”کان النبی ﷺ یعود من خمس من الجسد والبخل و سوء العمر و فسة الصدور و عذاب القبر“ (۱) (رسول اللہ ﷺ پانچ چیزوں سے پناہ لگتے تھے۔ نامردی، بخل، بری عمر، سینے کے فتنے اور عذاب قبر سے۔)

نماز کے معاملے میں ایک اہم چیز اوقات کا معاملہ ہے، یہ پانچ وقت کا فریضہ ہے۔ عام طور پر ہر مسلمان کو اس کے اوقات کا پتہ ہوتا ہے لیکن اس کے ممنوع اوقات کے بارے میں اکثر لوگ بہ خبر رہتے ہیں جس کی وجہ سے بجائے ثواب کے حصول گناہ کے مرتکب ہوتے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اس بارے میں حدیث نبوی ﷺ کو روایت کر کے بڑے عظیم معاملے میں لوگوں کو خبردار فرمایا۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جن چند حضرات نے جن کی سچائی و دینداری میں کسی قسم کا شک نہیں کیا جاسکتا اور جن میں میرے سب سے محبوب حضرت عمرؓ نے بتایا ہے کہ نبی ﷺ نے فجر کی نماز کے بعد سورج بند ہونے تک اور غرض کی نماز کے بعد سورج غروب ہونے تک نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے (۲)۔ اسی طرح روزے کے معاملے میں انظار کی کاسسد زیادہ حساس ہوتا ہے اور ہر روزہ رکوع کا شدید انتظار ہوتا ہے۔ اس کے وقت کی پہچان کے بارے میں حضرت عمرؓ کو ایک حدیث معلوم تھی تو انہوں نے لوگوں کی رہنمائی کیسے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب پورب کی طرف سے رات کی سیاہی آئے اور عجم کی طرف دن جانے لگے۔ سیاہی بڑھ جائے اور سورج غروب ہو جائے تو روزہ رکوع چاہئے کہ روزہ کھولے (۳)۔ شادی و نکاح کے معاملات میں لوگ عام طور پر اعتدال سے ہٹ جاتے ہیں اور بہت بوجھل اور سخت شرائط عاید کرنا شروع کر دیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بعد کی زندگی میں اسے پورا نہیں کر سکتے اور یہ بات شکر ربی اور تاسوا للقت کا باعث بنتی ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ اس بارے میں سرور کو نبین ﷺ کے ارشادات اور سواہ کو لوگوں کے سامنے بیان فرماتے تاکہ وہ صحیح روش اختیار کریں۔ ایک مرتبہ لوگوں کے سامنے یہ حدیث پیش کی۔ ”یحیو النکاح ایسره“ (۴)۔ ”بمختار نکاح وہ ہے جو آسان ہو۔“

ایک مرتبہ فرمایا ”خبردار عورتوں کے مہربانہ ہونے میں غلو نہ کرو۔ مگر یہ دنیا میں عزت و تکریم کا ذریعہ ہے۔ نزدیک تقویٰ کا ذریعہ ہوتی تو نبی ﷺ اس کے زیادہ حقدار تھے۔ آپؐ نے اپنی کسی بیوی و کسی بیٹی کا مہربانہ وقتہ سے زیادہ عیبت کا نہیں باندھا۔ ایک شخص پہلے تو بیوی کے مہر میں سو کر تا ہے پھر اس کے دل میں اس کے بارے میں دشمنی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ پکار اٹھتا ہے کہ میں نے تمہارے لئے مصیبت جمائی ہے (۵)۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ اسوۂ نبویؐ کی اہمیتوں و حکمتوں کو بھی اچھی طرح سمجھتے تھے۔ پورے یقین و شعور کے ساتھ اسے منتقل کرتے تھے کیونکہ ان کے نزدیک دنیا و آخرت کی نجات کا واحد ذریعہ یہی تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ سے زندگی کے بہ شمار پہلوؤں کے بارے میں بہت سی حدیثیں مروی ہیں مثلاً یہ کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا ”سب سے پہلی چیز جو لوگوں سے اٹھائی جائے گی وہ مانت ہے اور آخری چیز جو ماتی رہ جائے گی وہ نماز ہے اور کتنے ہی نمازی ایسے ہیں جن میں کوئی حیر نہیں (۶)۔“ اس حدیث کو بھی اسی سبب سے روایت کیا ہے کہ حقوق العباد اور حقوق اللہ میں سے دو اہم چیزوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور نمازوں کو پر ثمر بنانے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ لوگوں کو حادثات کی طرف متوجہ کرانے کا ایک طریقہ یہ بھی اختیار کرتے تھے کہ خود ایک خاص ماحول میں عملی اقدام کر کے یہ بتاتے کہ اسوۂ نبویؐ بھی یہی تھا۔ یہ طریقہ بڑا انفعالی اور عملی تھا۔ حضرت ابو اسود دہلیؓ سے روایت ہے کہ میں مدینے میں آیا اور حضرت عمرؓ روئے کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک جنازہ سامنے سے گزر رہا تھا تو لوگوں نے اس کی تعریف کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”و جب ہو گئی۔“ پھر دوسرا جنازہ گزر رہا تھا تو لوگوں نے اس کی تعریف کی حضرت عمرؓ نے فرمایا

(۱) ۲۰۰۲ء، ج ۱، ص ۲۶۷، (۲) بحوالہ ۲۹۹۱ء، ج ۱، ص ۲۰۱، (۳) ردود ۱۹۲، (۴) ردود ۲۲۱، (۵) مسالہ ۱۷، (۶) طبرانی ۱۳۸

”واجب ہو گئی۔“ پھر تیسرا جنازہ نکالا لوگوں نے اس کی برائی کی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: ”واجب ہو گئی۔“ میں نے پوچھا: ”اے امیر المومنین کیا چیز واجب ہو گئی؟“ آپ نے جواب دیا: ”میں نے اسی طرح کیا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”جس مسلمان کیلئے چار آدمیوں نے بھائی کی گواہی دی لہذا اس کو جنت میں لے جاے گا۔“ ہم نے عرض کیا کہ اگر تین آدمی گواہی دیں؟ آپ نے فرمایا: ”تین ہی سہی۔“ ہم نے عرض کیا ”اگر دو آدمی گواہی دیں؟“ آپ نے فرمایا: ”دو ہی سہی (۱)۔“ حضرت عمر فاروقؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا ”اے عائشہؓ جس لوگوں نے دین میں تفرقہ پیدا کیا اور گروہوں میں بٹ گئے وہ بدعتی اور خواہشات نفس کے بندے ہیں ان کیلئے توبہ بھی نہیں ہے۔ میں ان سے بری ہوں اور وہ مجھ سے بری (۲)۔“ حضرت عمر فاروقؓ سے مروی روایات میں ایک یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا ”رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا اور ہمیں صدقہ داکرنے کا حکم دیا اور مسئلہ سے منع فرمایا (۳)۔“ یہ روایت بھی آپ ہی سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آزاد عورت سے اس کی جارت کے بغیر عزل کرنے کی ممانعت فرمائی (۴)۔ اسی طرح یہ روایت بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جس نے کسی چیز پر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی قسم کھائی تو اس نے شرک کیا (۵)۔“

## ۸۔ فیصلے:

احادیث کی روایت اور ترویج و اشاعت میں حضرت عمرؓ کے فیصلوں کا بھی اہم کردار ہے کیونکہ آپ کے فیصلوں کا دہریہ کتاب و سنت پر ہونا تھا اور اپنے فیصلوں میں جب کسی حدیث کا حوالہ دیتے تھے تو وہ مشہور و معروف ہو جاتی تھی۔ مثلاً ابنی تفسیر کے اسوال کے سلسلے میں حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے تنازع میں آپ نے سرور کو نین ﷺ کی اس حدیث کو فیصلے کی بنیاد بنایا ”لا نورث ما ترک کنا صدقہ“ (ہماری وراثت تقسیم نہیں ہوتی ہم (انبیاء) جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں صدقہ ہوتا ہے۔) پھر حضور ﷺ کے اسوہ اور طریق کار کی تفصیل بھی بیان فرمائی۔ مالک بن نواس سے روایت ہے کہ دن چڑھ آیا تھا اور میں اپنے گھر والوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اسے میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قاصد میرے پاس آیا اور کہا کہ امیر المومنینؓ آپ کو جا رہے ہیں۔ میں قاصد کے ساتھ ہی چلا گیا اور عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ مجھ کی شانوں سے ہی ہوئی ایک چارپائی پر بیٹھے تھے جس پر کوئی بستر وغیرہ بھی نہیں بچھا تھا اور ایک چمڑے کے ٹکینے پر ٹیک لگائے ہوئے تھے میں سلام کر کے بیٹھ گیا۔ پھر آپ نے فرمایا ”مالک! تمہاری قوم کے ہتھ لوگ میرے پاس آئے تھے اور قحط اور فقر و فاقہ کی شکایت کر رہے تھے۔ میں نے ان کیلئے ایک معمولی سے عطیے کا فیصلہ کر لیا ہے تم اسے اپنی عمرانی میں قوم کے درمیان تقسیم کرادو۔“ میں نے عرض کیا ”یا امیر المومنینؓ اگر آپ اس کام پر کسی اور کو مامور فرمادیتے تو بہتر تھا“ لیکن عمر رضی اللہ عنہ نے یہی اصرار کیا کہ ”نہیں! اپنی ہی تحویل میں کام لے لو۔“ ابھی میں وہیں حاضر تھا کہ امیر المومنینؓ کے حاجب پر فائز آئے اور کہا کہ عثمان بن عفان، عبدالرحمن بن عوف، زبیر بن عوام اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم اندر آنے کی اجازت چاہتے ہیں کیا آپ کی طرف سے اجازت ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ”ہاں! انہیں اندر بلاؤ۔“ آپ کی اجازت پر یہ حضرات بھی اندر تشریف لائے اور سلام کر کے بیٹھ گئے۔ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”یا امیر المومنینؓ امیر اور ان کا فیصلہ کر دیجئے۔ ان حضرات کا نزاع اس نئے کے بارے میں تھا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو نبی تفسیر کے اسوال میں سے (فحس کے طور پر) عتامت فرمائی تھی۔“ اس پر حضرت عثمانؓ اور ان کے ساتھ جو صحابہ رضی اللہ عنہم تھے اہل بیت کے کہا ”امیر المومنینؓ ان دونوں حضرات میں کوئی فیصلہ فرما دیجئے اور معاملہ ختم کر دیجئے۔“ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”اچھا! تو ذرا صبر کیجئے میں آپ لوگوں سے

اس اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں جس کے حکم سے آسمان اور زمین قائم ہیں۔ کیا آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ”ہماری ورثت تقسیم نہیں ہوتی، جو کچھ ہم (انبیاء) چھوڑ کر جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے جس سے حضور اکرم کی مراد (تمام دوسرے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ) خود اپنی وصیت بھی تھی“ ان حضرات نے تصدیق کی کہ آنحضور ﷺ نے یہ حدیث فرمائی تھی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اب میں آپ لوگوں سے اس مسئلہ پر گفتگو کروں گا (جو ماہ النزاع بنا ہوا ہے) یہ واقعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کیلئے اس فتنے کا ایک حصہ مخصوص کر دیا تھا جسے آنحضور ﷺ نے بھی کسی دوسرے کو نہیں دیا تھا۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی ”ما اداء الله على رسولہ مہم“<sup>(۱)</sup> سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد ”قدر“ تک (جس میں اس تفصیل کا ذکر ہے) اور وہ حصہ آنحضور ﷺ کیلئے خاص رہا۔ خدا گود میں سے وہ حصہ کوئی اپنے لئے مخصوص نہیں کر لیا ہے اور نہ میں آپ لوگوں کو نظر انداز کر کے اس حصہ کا شہ مالک بن گیا ہوں۔ فتنے کا مال آنحضور ﷺ خود سب کو عطا فرماتے تھے اور سب میں اس کی تقسیم ہوتی تھی، بس صرف یہ مال اس میں سے باقی رہ گیا تھا اور آنحضور ﷺ اس سے اپنے گھروالوں کو سال بھر کا خرچہ دے دیا کرتے تھے اور اگر کچھ تقسیم کے بعد باقی بچ جاتا تو اسے اللہ کے مال کے مصرف میں خرچ کر دیا کرتے تھے (رفاہ عام اور دوسرے دینی مصالح میں) آنحضور ﷺ نے اپنی پوری زندگی میں اس مال کے معاملے میں یہی طرز عمل رکھا۔ اللہ کا واسطہ دے کر آپ حضرات سے پوچھتا ہوں کیا آپ لوگوں کو یہ بات معلوم ہے؟“ سب حضرت نے کہا ”ہاں“ پھر عمر رضی اللہ عنہ نے علی اور عباس رضی اللہ عنہما کو خاص طور سے مخاطب کیا اور ان سے پوچھا ”میں آپ حضرات سے بھی اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا اس کے متعلق آپ لوگوں کو معلوم ہے؟“ دونوں حضرات نے اثبات میں جواب دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اپنے پاس بلا لیا اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے (جب اس سے تمام مسلمانوں نے بیعت خلافت کر لی) فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کا خلیفہ ہوں اور اس لئے انہوں نے (آنحضور کے اس مخصوص) مال پر قبضہ کیا اور جس طرح آنحضور ﷺ اس میں تصرفات کیا کرتے تھے انہوں نے بھی بالکل وہی طرز عمل اختیار کیا۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ اپنے اس طرز عمل میں سچے مخلص، نیکو کار اور حق کی پیروی کرنے والے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی اپنے پاس بلا لیا اور اب میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نائب مقرر ہوا میری خلافت کو دوسرے ہو گئے ہیں اور میں بے بھی اس مال کو تحویل میں رکھا ہے۔ جو تصرفات رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ اس میں کیا کرتے تھے میں نے بھی خود کو اسی کا پابند بنایا اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میں اپنے اس طرز عمل میں سچا مخلص اور حق کی پیروی کرنے والا ہوں۔ پھر آپ دونوں حضرات میرے پاس مجھ سے گفتگو کرنے آئے تھے اور دونوں حضرات کا معاملہ یکساں ہے۔ جناب عباس! آپ تو اس لئے تشریف لائے تھے کہ آپ کو اپنے بھتیجے (عمر رضی اللہ عنہ) کی میراث کا دعویٰ میرے سامنے پیش کرنا تھا اور آپ (عمر رضی اللہ عنہ) کا خطاب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تھا۔ اس نے تشریف لائے تھے کہ آپ کو اپنی بیوی (فاطمہ رضی اللہ عنہا) کا دعویٰ پیش کرنا تھا کہ اس کے والد (رسول اللہ ﷺ) کی میراث انہیں ملنی چاہئے۔ میں نے آپ دونوں حضرات سے عرض کر دیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ خود فرما گئے ہیں کہ ہماری میراث تقسیم نہیں ہوتی، جو کچھ ہم چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے، لیکن پھر جب میرے سامنے یہ صورت آئی کہ مال آپ لوگوں کے انتظام میں (ملکیت میں نہیں) منتقل کر دوں تو میں نے آپ لوگوں سے یہ کہہ دیا تھا کہ اگر آپ لوگ چاہیں تو مال مذکور آپ لوگوں کے انتظام میں منتقل کر سکتا ہوں، لیکن آپ لوگوں کیلئے ضروری ہو گا کہ اللہ کے عہد اور اس کی میثاق پر مضبوطی سے قائم رہیں اور اس مال میں وہی مصارف باقی رکھیں جو رسول اللہ ﷺ نے متعین کئے تھے اور جن پر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اور میں نے جب سے مسلمانوں کا ولی بنایا کیا عمل کیا۔ آپ لوگوں نے اس پر کہا کہ مال ہمارے انتظام میں دے دیں اور میں نے اسی

کی شرط پر سے آپ لوگوں کے نظام میں دے دیں۔ اب میں آپ حضرات سے خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں میں نے انہیں وہاں اسی شرط پر دیا تھا کہ ”عمر بن رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ آنے والے حضرات نے کہا کہ ”جی ہاں اسی شرط پر دیا تھا۔“ اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ، عباس اور علی رضی اللہ عنہما کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ ”میں آپ حضرات سے بھی خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں میں نے آپ لوگوں کو وہاں اسی شرط پر دیا تھا“ ان دونوں حضرات نے بھی یہی کہا کہ ”جی ہاں اسی شرط پر دیا تھا۔“ عمر رضی اللہ عنہ نے پھر فرمایا ”کیا اب آپ حضرات مجھ سے کوئی اور فیصلہ چاہتے ہیں؟ اس اللہ کی قسم جس کے حکم سے آسمان اور زمین قائم ہیں اس کے سوا میں اس معاملے میں کوئی دوسرا فیصلہ نہیں کر سکتا اور اگر آپ لوگ اس مال کے (شرط کے مطابق) کا نظام پر قادر نہیں تو مجھے واپس کر دیجئے میں خود اس کا انتظام کروں گا“ (۱)۔

حضرت عمر نے انہیوں کی دیت کے سلسلے میں فیصلہ کیا کہ انکو ٹھکانے پر چند ہونٹ انگشت شہادت کاٹنے پر دس ہونٹ اور میلی انگلی کاٹنے پر دس ہونٹ اور اس کے برابر دلی انگلی کاٹنے پر نو ہونٹ اور چھنگلی کاٹنے پر چھ ہونٹ لیکن کچھ مدت بعد آپ کو مل حرم کے پاس موجود رسول کریم ﷺ کے ایک خط میں یہ بات لکھی ہوئی تھی کہ سب انگلیوں کی دیت برابر ہے تو آپ نے اسی کو اختیار کیا (۲) اور بعد ازاں ہاتھوں اور پیروں کی کوئی انگلی کاٹنے پر دس ہونٹ دیت کا فیصلہ نہ کرتے تھے (۳) اور آپ نے فرمایا ”تمام انگلیاں برابر ہیں خود کو چھنگلیاں ہو یا ٹھکانا“ (۴)۔

بن شہاب کہتے ہیں کہ مجھے مالک بن نویر رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ انہیں سودینار بھنانے تھے۔ پھر مجھے طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے بتایا اور ہم نے بات جیت کی اور ان سے میرا معاملہ ہو گیا۔ وہ سونے (دینار) کو پینے ہاتھ میں لے کر اٹھنے پلٹنے لگے اور کہنے لگے کہ در میرے خزانچی کو غناہ سے آئینے دو (تو میں تمہارے یہ دینار بھنا دوں گا) عمر رضی اللہ عنہ بھی ہماری باتیں سن رہے تھے۔ آپ نے فرمایا ”جب تک تم ان سے اپنے دینار کے عوض در ہم یا اور کوئی چیز جس کا معاملہ ہو یا ہو گا لے نہ لو“ ان سے جدا نہ ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ سونا سونے کے بدلہ میں اگر برسر ابر نہ ہو تو سود ہو جاتا ہے۔ گیسوں گیسوں کے بدلے میں اگر جیسے کا قیسانہ ہو تو سود ہو جاتا ہے۔ جو بھوکے بدلہ میں اگر برسر ابر نہ ہو تو سود ہو جاتا ہے اور کھجور کے بدلہ میں اگر برسر ابر نہ ہو تو سود ہو جاتی ہے (۵)۔

## O ..... حزم و احتیاط:

علم احادیث کے سلسلے میں حضرت عمر فاروقؓ کے کارنامے کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ انہوں نے روایت میں انتہائی احتیاط کو ملحوظ رکھا تاکہ رسول اکرم ﷺ کی طرف کوئی غلط بات منسوب نہ ہونے پائے در ساتھ ساتھ شریعت کے اصل مقاصد کی تکمیل ہو اور عملی پہلوؤں کی طرف سے لوگوں کی توجہ پر قرار رہے۔ یہ ایک بصیرت افروز طریق کار تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کا عہد ہر طرح کی خرافات اور فکری کجیوں سے محفوظ رہا اور روایت حدیث میں پوری ذمہ داری اور خدا خوفی کا ثبوت دیتے رہے جاقیل و قال ہے ضرورت اور فرضی باتوں اور محض قیسے کہانیوں سے گریز کرتے۔ صرف مستند احادیث ہی کو شہرت ملی اور دین کی بنیاد مضبوط و مستحکم رہی۔ لوگ یہ جانتے تھے کہ آپ اس بارے میں بہت حساس ہیں اور شدت و سختی سے بھی بوقت ضرورت کام لیتے ہیں۔ آپ کا یہ طریقہ بعد والوں کیلئے ایک درخشندہ مثال بنا اور آپ کے دور کی احادیث کو بھی اعتماد کا درجہ ملا۔ حضرت امیر معاویہؓ کے بارے میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے فرمایا، ”ایا حکم والا احادیث الا حلیثا کان فی عہد عمر فان عمر کان بخیف الناس فی اللہ سمعت رسول اللہ ﷺ من یرد اللہ بہ خیر یعصہ فی الدین“ (۶)۔

(روایت حدیث سے بچو سوائے ان احادیث کے جو حضرت عمرؓ کے زمانے میں تھیں۔ اسی لئے کہ حضرت عمرؓ لوگوں کو اللہ سے ڈرنا کرتے تھے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے اللہ تعالیٰ جس سے بھلائی کرنے کا ارادہ کرتا ہے سے دین کی سمجھ عطا کر دیتا ہے۔) حضرت عمر فاروقؓ نے احتیاط کا جو طریق اختیار فرمایا اس

(۱) ۱۲۰۵ھ ۱۵۲۵ء بمطابق ۱۸/۳/۱۹۳۳ء (۲) بیہقی ۹۳/۸: حزم ۱۱۱/۱۰: ۴۳۷/۱۰: عبد البر ۳۸۴/۹: (۳) عبد البر ۳۸۴/۹: (۴)

ع ۱۱۱/۱۰: ۴۳۷/۱۰: (۵) بخاری ۳۳۰: (۶) مسلم ۹۵: تہذیب ۱۰: ۵۴۳: شاہ ۲/۲۷۸: ۴۷۸۔

کے سات اہم نکات میں

### ۱۔ دین کے جینا کی پہلو پر زور

پہلا کام یہ کیا کہ رسول اکرم ﷺ اور حضرت بو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی پالیسی کی روح پر حقی سے عمل درآمد کیا اور دین کے جینا کی پہلو پر زور دیا جس کا تعلق عملی زندگی سے تھا جس کو پھیلانا اور اس میں عمومیت کا رنگ پیدا کرنا ضروری تھا جو مقاصد رسالت سے وابستہ تھا۔ دوسرا پہلو جو غیر مینائی ہے جس کا تعلق محض مصنوعات سے تھا اس کو پھیلانے سے بچنا کہ وہ شریعت کا لازمی حصہ نہ شمار ہونے لگے اور لوگ دونوں میں امتیاز کریں۔ شاہ ولی اللہ نے بالکل سچ فرمایا ہے "اچھی طرح تلاش و تفتیش سے معلوم ہوا کہ فاروق اعظم کی دقیق نظر حدیث کے دونوں حصوں میں امتیاز پیدا کرنے پر جمی رہی یعنی وہ حصہ جو شرائع کی تبلیغ اور فراہم انسانی کی تکمیل سے متعلق تھا۔ اس میں مشغول رکھ کر دوسرے حصے میں انہماک سے لوگوں کو روکتے تھے۔ اسی لئے شام کی نبوی سے متعلق احادیث اور سنن روایت پر مشتمل احادیث جن کا تعلق رسول اکرم ﷺ کے لباس اور آپ کی عادات سے تھا ان کو کم روایت کرتے تھے کیونکہ ان حدیثوں کا شمار ان علوم میں نہیں ہے جن کا لوگوں کو مکلف بنایا گیا تھا اور عام تشریح و قانون کی حیثیت ان کی نہیں ہے۔ اس سے اس کا احتمال تھا کہ اگر زیادہ توجہ ان کی اشاعت میں کی جائے گی تو سنن زد اور سنن ہدی آپس میں خلط ملط ہو جائیں گے" (۱)۔ حضرت عمر فاروق نے حضرت قرظہ کو قتل روایت کی جو تلقین کی تھی امام دارمی اسے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ میرے خیال میں حضرت عمرؓ کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ایام کی حیثیت سنن اور فرائض کی نہیں (۲)۔ اسلئے گویا اس کے اہتمام کی زیادہ ضرورت انہوں نے محسوس نہ کی۔

### ۲۔ قلت روایت کا حکم:

حضرت عمر فاروق نے دوسرا اہم کام یہ کیا کہ کثرت روایت سے منع فرمایا اور روایات میں کمی کرنے کا حکم دیا۔ شام کی طرف معلمین کو روانہ کرتے وقت بقول حضرت قرظہ بن کعب سے فرمایا "تم ایک ایسے شہر پہنچو گے جس کے باشندوں میں قرآن کی تلاوت اس طرح کو مجتبیٰ ہے جیسے شہد کی کھپوں کی بھنبھناہٹ سے گونج پیدا ہوتی ہے تو دیکھنا رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں کو بیان کر کے ان لوگوں کو (قرآن کی) مشغولیت سے نہ روک دینا قرآن کو پڑھنے میں خوبی پیدا کرنا اور رسول اکرم ﷺ سے روایت میں کمی کرنا۔ اب جاؤ میں اس معاملے میں تمہارا ساتھ ہوں" (۳)۔ ایک اور روایت کے مطابق آپ نے مزید فرمایا "میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا تو اسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے" (۴)۔ آپ کے اس حکم پر پوری طرح عمل کیا گیا چنانچہ جب حضرت قرظہ اپنے مقررہ مقام پر پہنچے تو لوگوں نے فرمائش کی کہ ہم سے حدیثیں بیان کرو تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں ابن خطابؓ سے منع کر دیا ہے (۵)۔

حضرت عمر فاروق کا پناہ عمل بھی اسی کے مطابق تھا اور اس حقیقہ پر ہمیشہ کاربند رہے۔ ان کے غلام حضرت اسمؓ سے روایت ہے کہ ہم جب بھی حضرت عمر فاروقؓ سے کہتے کہ رسول اکرم ﷺ کی حدیث بیان کیجئے تو جواب دیتے کہ میں ڈرتا ہوں اس بات سے کہ کسی ایک حرف کا اضافہ کروں یا کمی کروں کیونکہ آنحضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھے گا وہ آگ میں جاے گا (۶)۔ ان روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ تقلیل روایت کے حکم میں آپ کے پیش نظر حسب ذیل امور تھے۔ ایک یہ کہ حدیث کو قرآن پر فوقیت نہ دی جانے لگے اور لوگ اس میں مشغول ہو کر قرآن کے شغف سے محروم نہ ہو جائیں۔ دوسرا یہ لوگ کثرت روایات کی بنا پر شعوری یا ناشعوری طور پر روایات میں کمی و بیشی کے مرتکب نہ ہوں کہ اصل حقیقت مختلف الفاظ کی تبدیلیوں میں کھو جائے۔ تیسرا یہ

کہ عام طور پر لوگ ہر کان پڑی بات کو ادھر ادھر پھیلاتا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ عادت اگر عام ہو جائے تو غلطیوں کا امکان بھی بڑھ جاتا ہے، لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے کہ روایت حدیث کو مطلقاً مکروہ سمجھتے تو قلت و کثرت دونوں سے روک دیتے<sup>(۱)</sup>۔

### ۳۔ کتابت حدیث سے اجتناب:

اہل عرب کا حافظہ بہت تیز تھا انہیں اس پر ناز بھی تھا۔ وہ قلم سے زیادہ حفظ کو ترجیح دیتے تھے اور عام طور پر اہم چیزوں کو قلمبند کرنے سے گریز کرتے تھے۔ اس لئے کہ یہ ان کے نزدیک پسندیدہ بات نہیں تھی اور رسول اکرم ﷺ نے بھی احادیث کے بارے میں ان کے حافظے پر اعتماد فرمایا اور اس اندیشے کے پیش نظر کہ کہیں قرآن و حدیث غلط ملط نہ ہو جائیں، لکھنے سے منع فرمایا البتہ روایت حدیث میں لوگوں کو صدق و سچائی پر قائم رکھنے کیلئے جھوٹ باندھنے والے کو جہنم کے ٹھکانے کا مستحق قرار دیا۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”لا تکتبوا عسی ومن کتب عسی غیر القرآن فلیمحه حدیثوا عسی ولا حرج ومن کذب علی معمدنا فلیتوبوا مقعدہ من النار“<sup>(۲)</sup>۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے لکھنے کی اجازت مانگی تو انہوں نے نہ دی<sup>(۳)</sup>۔ کاتب وحی حضرت زید بن ثابتؓ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ حضرت امیر معاویہؓ کے ہاں تشریف لے گئے تو انہوں نے حدیث کے بارے میں پوچھا اور ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لکھ لے۔ حضرت زیدؓ نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم حدیث میں سے کوئی چیز نہ لکھیں چنانچہ انہوں نے منادیا<sup>(۴)</sup>۔ ہاں البتہ رسول اکرم ﷺ نے ایسے لوگوں کو احادیث قلمبند کرنے کی اجازت عطا فرمائی جن کا حافظہ تیز نہیں تھا چنانچہ ایک صحابیؓ نے اپنے حافظے کی شکایت کی تو آپؐ نے فرمایا اپنے دائیں ہاتھ سے مدد لو<sup>(۵)</sup>۔

حضرت عبداللہ ابن عمروؓ کہتے ہیں کہ میں ہر چیز کو لکھ لیا کرتا تھا جو رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا اور میں چاہتا تھا کہ اسے یاد کر لوں۔ قریش نے مجھے اس سے منع کیا اور کہا تم ہر چیز لکھ لیتے ہو جبکہ رسول اللہ ﷺ ایک انسان ہیں، کبھی رخصا سے بات کرتے ہیں، کبھی غضب سے کہتے ہیں کہ میں سن کر خاموش ہو گیا اور اس کا تذکرہ رسول اکرم ﷺ سے کیا تو آپؐ نے اپنے ہاتھ سے منہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ”اكتب فواللہ الذی نفسی بیدہ ما حرج منہ الا حق“<sup>(۶)</sup>۔ ”لکھو، قسم ہے اس بات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس سے حق کے علاوہ کوئی بات باہر نہیں آتی۔ اسی طرح فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے جو خطبہ دیا تھا، حضرت ابو شاہ کے کہنے پر ان کیلئے لکھنے کا حکم دیا<sup>(۷)</sup>۔

حضرت عمر فاروقؓ کے سامنے اسوہ حسنہ نبویؐ کے یہ دونوں پہلو تھے۔ اس لئے اس بارے میں گو گو کا شکار رہے کہ احادیث کو قلمبند کیا جائے یا نہیں۔ ایک طرف تو حدیث کی تشریحی حیثیت اور ضرورت و اہمیت کو اچھی طرح سمجھتے تھے اور یہ اندیشہ رکھتے تھے کہ کہیں عملی زندگی سے متعلق ہدایت کا یہ عظیم ذخیرہ ضائع ہو جائے کیوں نہ اسے بھی اسی طرح محفوظ کر لیا جائے جیسا کہ قرآن حکیم کو ان کے مشورے سے جمع کیا جا چکا تھا اور دوسری طرف انہیں یہ فکر دامن گیر رہتی تھی کہ آنحضور ﷺ نے جس احتیاط کو ملحوظ رکھا تھا کہیں اس سے تجاوز نہ ہو جائے اور قرآن مجید کے ساتھ غلط ملط نہ ہو جائیں یا پھر احادیث کا شغف قرآن کو نظر انداز کرنے کا باعث نہ بن جائے۔ یہ نہایت ہی اہم معاملہ تھا اس لئے انہوں نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ طلب کیا تو انہوں نے کتب پر ہی اتفاق کیا، لیکن اس کے باوجود

(۱) درمی ۱۱۹ ص ۳۴۲ (۲) تہذیب ۲۳/۹، ترجمہ ۱۶۷/۶، درمی ۱۱۹/۱، رد ۳۱۹/۳، ترجمہ ۱۶۷/۶، (۳) ترجمہ ۱۶۵/۴، تہذیب ۲۳/۵، درمی ۱۱۹/۱

(۴) رد ۳۱۹/۳، تہذیب ۲۳/۹، (۵) ترجمہ ۱۶۵/۴، تہذیب ۲۳/۹، درمی ۱۱۹/۱، (۶) رد ۳۱۸/۳، ترجمہ ۱۶۷/۶، (۷) درمی ۱۱۹/۱، تہذیب ۲۳/۹

حضرت عمرؓ کو طینان قلب حاصل نہ ہوا خود مسلسل غور و خوض کرتے رہے۔ ایک ملائکہ استخارے بھی کئے، آخر کار اسی نتیجے پر پہنچے کہ انہیں قلمبند نہ کیا جائے۔ حضرت عروہ بن زبیرؓ سے روایت ہے، حضرت عمرؓ نے احادیث نبویہ کی کتابت کا ارادہ فرمایا تو انہوں نے اصحاب رسول ﷺ سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا کہ احادیث نبویہ کی کتابت کرانی چاہئے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ ایک ملائکہ اللہ تعالیٰ سے اس بارے میں استخارہ کرتے رہے۔ ایک دن صبح کو اٹھے اور اس وقت تک حق تعالیٰ نے فیصلے میں یکسوئی عطا فرمادی تھی تو فرمایا کہ میں نے حدیثوں کو قلمبند کرانے کا ارادہ کیا تھا، لیکن مجھے گزشتہ قوموں کا خیال آیا کہ انہوں نے بھی کتاب لکھی اور پھر اسی پر ٹوٹ پڑیں اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کو جھوڑ بیٹھیں، پھر فرمایا، ”اسی لا اُشوب کتاب اللہ بشیء ابدًا“<sup>(۱)</sup>۔ ”بے شک میں کتاب اللہ کے ساتھ کسی اور چیز کو ملا پند نہیں کرتا۔“

مولانا بدر عالم کے بقول اس بیان سے حسب ذیل نتائج ظاہر ہوتے ہیں، ایک یہ کہ حضرت عمرؓ جمع حدیث کے خود محرک تھے، دوسرا یہ کہ مشیروں کی رائے بھی جمع کرے کی طرف تھی۔ تیسرا یہ کہ حدیثوں کو قلمبند نہ کرنے کی وجہ اہل کتاب کی تاریخ تھی، چوتھا یہ کہ اشوب کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اس وقت سنت کی کتابت کا خیال قائم ہو جاتا تو شاید کتاب اللہ کے حاشیہ میں لکھا جاتا<sup>(۲)</sup>۔ رسول اکرم ﷺ کو بھی یہی اندیشہ تھا اس نے ایک مرتبہ صحابہ کرام کو کتابت حدیث سے منع کرتے ہوئے فرمایا، ”لا تکتب مع کتاب اللہ“<sup>(۳)</sup>۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور میں بھی اسی حکم کو ترجیح دے کر عملی جامہ پہنایا، چنانچہ حضرت عامرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے مصحف (قرآن حکیم) لکھا اور ہر آیت کے نیچے اس کی تفسیر بھی رقم کی۔ حضرت عمرؓ نے اس سے وہ نسخہ طلب فرمایا اور اسے مقرر سے کاٹ دیا<sup>(۴)</sup>۔ حضرت عمر فاروقؓ کے نزدیک تدوین حدیث کا مسئلہ بھی معلوم یہ ہوتا ہے کہ اجتہادی نوعیت کا تھا۔ اسی لئے انہوں نے تمام پہلوؤں پر غور و خوض کیا اور اسی نتیجے تک پہنچے کہ وہ علت ابھی تک موجود ہے، جو خود نبی ﷺ کے پیش نظر تھی اور حکمت کا یہ تقاضا تھا کہ سرکاری طور پر اس کا اہتمام نہ کیا جائے۔ وہ انسانی عقیدت کی ان کارستانیوں سے اچھی طرح آگاہ تھے جو بعد کے ادوار میں قدیم اشیاء، شخصیتوں اور تصورات و علامات سے پیدا ہو جانے کے نتیجے میں گمراہی کا سبب بنتی ہیں۔ اسی لئے انہوں نے شجر رضوان کو جڑ سے اکڑوا دیا<sup>(۵)</sup>۔ حج کے موقع پر مسجد کے ایک کونے میں جہاں رسول اللہ ﷺ نے نماز ادا کی تھی لوگوں کا جھوم دیکھا تو خطبہ دیا اور فرمایا، ”تم سے پہلے اہل کتاب بھی انہیں چیزوں سے ہلاک ہوئے انہوں نے انبیاء علیہم السلام کے آثار اور اہل کی نشانیاں کو اپنے لئے ذریعہ نجات تصور کیا۔ اگر اس مسجد میں نماز کا وقت ہو جائے تو ضرور ہوا کر لی جائے ورنہ ٹھہرنے کی ضرورت نہیں“<sup>(۶)</sup>۔

اسی طرح انہوں نے حدیث کے معاملے میں بھی یہ محسوس کر لیا کہ ایسا نسخہ جو انہوں نے مرتب کر دیا ہو گا محفوظ رہے گا تو بعد کے لوگوں کے نزدیک تقدس کی علامت اور حجت بن جائے گا۔ لوگ اسے قرآن ہی کی طرح اہمیت دیں گے اور عقیدت و عمل میں قرآن ہی کے ساتھ غلط ملط ہونے کا احتمال باقی رہے گا۔ ابتداء میں تو انہوں نے محض سرکاری طور پر اہتمام کتابت سے گریز کیا، لیکن مزید غور کیا تو اس نتیجے تک پہنچے کہ یہی خطرہ ان نسخوں کے بارے میں موجود ہے جو اگرچہ عمرؓ کی طرف سے تو نہیں، مگر عہد عمرؓ سے متعلق ہوں گے اور ان میں ایسی احادیث بھی ہو سکتی ہیں جو حیات میں سے نہ ہوں اور جو تصدیق و توثیق کے مراحل سے بھی نہ گزری ہوں۔ اگرچہ انہوں نے اپنے طور پر بہت احتیاط سے کام لیا تھا مگر یہ ضروری نہیں تھا کہ لوگوں نے انفرادی طور پر اس احتیاط کے تقاضوں کو پوری طرح ملحوظ رکھا ہو۔ بقول قاسم بن محمد، ”حضرت عمرؓ کے زمانے میں حدیثوں کی پھر کثرت ہو گئی تو انہوں نے لوگوں کو قسمیں دے کر حکم دیا کہ ان حدیثوں کو ان کے سامنے پیش کریں، جب لوگوں نے پیش کر دیا تو آپ نے ان کو جلائے کا حکم دیا۔ اس طرح انہوں نے احادیث کو حافظوں میں محفوظ رکھنے اور انہیں آگے منتقل کرنے کے طریقے کو

(۱) بدر ۱، ۲۰۸ (۲) بدر ۱، ۲۰۸ (۳) معنی ۱۰۰/۲۹۲ (۴) معنی ۱۰۰/۵۱۳ (۵) حور ۱، ۱۲۵ (۶) حور ۱، ۱۲۵۔

ہی جاری رہے۔ اس کے باوجود بھی بہت سی احادیث تحریری شکل میں موجود ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنی طرف سے کتابت کی حوصلہ شکنی ضرور کی جس کے بعد میں خاطر خواہ نفاذ برآمد ہوئے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب تدوین حدیث کا آغاز ہوا تو ابتداء میں احادیث و آثار سب آپس میں مل جل گئے۔ بعد میں کہیں جا کر تذکرہ بیان کو الگ کیا گیا۔ اگر ابتداء ہی میں خط ملط ہو جاتے تو نامعلوم بعد میں اس کے کیا کیا منفی اثرات مرتب ہوتے۔

### ۴۔ کثرت روایت پر سزا اٹھیں:

حضرت عمر فاروقؓ یہ بات اچھی طرح سمجھتے تھے کہ رسول اکرم ﷺ سے لوگوں کی عقیدت احکام دین کی پیروی کے جذبے، علمی ذوق و شوق، تحقیق و تجسس کے فطری رجحانات، عہد ہوی سے بڑھتے ہوئے فاصلے اور رسالت کے بدلتے ہوئے تقاضے اور سماجی و تمدنی ضروریات کی بناء پر احادیث و سنت کی طرف لوگوں کا میلان اور انہماک بڑھتا جائے گا۔ صحیحہ و تابعین میں احادیث کے چرچوں سے بھی وہ اچھی طرح آگاہ تھے اس لئے ان کے نزدیک روایت کی ترفیب و اشاعت سے زیادہ نازک اور زیادہ قابل توجہ معاملہ راویوں کو حدود و قیود کے پابند بنانے کا تھا۔ کثرت روایت کے سلسلے میں انہیں سب سے بڑا اندیشہ یہی تھا کہ ہر سطح کے آدمی تک پہنچنے میں کمی و بیشی بھی ہو سکتی ہے اور اس کے معافی و مطالب کے سمجھے میں بھی غمو کریں کھا سکتے ہیں کیونکہ سب لوگ دینی مسائل کو سمجھنے کی یکساں اہلیت نہیں رکھتے۔ ایک امکان یہ بھی ہو سکتا تھا کہ لوگ عملی اور احکامی احادیث کے بجائے سنن و ائمہ دینی میں نہ پڑ جائیں۔ اس لئے حضرت عمرؓ کثرت سے روایت سے صرف منع نہیں کرتے تھے بلکہ ایسے لوگوں پر حتیٰ بھی کرتے تھے۔ دوسری صدی ہجری کے مشہور محدث حضرت سفیان بن عیینہ کے بارے میں آتا ہے کہ جب وہ علم الحدیث کے طلب کے حلقے میں بیٹھتے تو انہیں خطاب کر کے کہتے کہ اگر ہمیں حضرت عمرؓ اس حالت میں پالیتے تو ضرور سزا دیتے<sup>(۱)</sup>۔

حضرت ابو ہریرہؓ کے شاگرد ابو سلمہؓ کہتے ہیں کہ میں نے ابو ہریرہؓ سے کہا کہ جس آزمائی کے ساتھ آج کل آپ حدیثیں بیان کریت ہیں کیا حضرت عمرؓ کے زمانے میں بھی ایسا کر سکتے تھے؟ ابو ہریرہؓ نے جواب دیا اگر عمرؓ کے زمانے میں اس طرح حدیثیں بیان کرتا جیسے تم سے بیان کرتا ہوں تو وہ مجھے اپنے درے سے مارتے<sup>(۲)</sup>۔ ایک اور روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے تین اصحاب حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابو درداءؓ اور حضرت ابو مسعود انصاریؓ کو محبوس کر دیا اور ان سے فرمایا تمام رسول اللہ ﷺ سے منسوب کر کے کثرت سے روایت کرتے ہو<sup>(۳)</sup>۔ اگرچہ اس روایت سے بعض محدثین نے کلام کیا ہے اور ابن حزم نے تو اسے جھوٹ کا پلندہ قرار دیا ہے، لیکن مدکورہ تینوں راویوں کا مرکزی نقطہ ایک ہی ہے کہ صحابہ کرام کثرت روایت پر عام طور پر اس لئے گریز کرتے تھے کہ انہیں حضرت عمرؓ کی سزا کا خوف ہو تا تھا۔ بقول علامہ دینی "حضرت عمرؓ اس خوف سے کہ کہیں صحابہ کرام حضور ﷺ سے روایت کرنے میں غلطی نہ کریں ان کو حکم یہ دیتے تھے کہ کم روایت کریں۔ دوسرا خطرہ یہ بھی تھا کہ لوگ حفظ قرآن سے توجہ ہٹا کر ہمہ تن حدیث میں مشغول نہ ہو جائیں"<sup>(۴)</sup>۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی طرف سے یہ حتیٰ بھی دراصل وسیع تر حکمت پر مبنی تھی۔ اس کا مقصد روایات میں اعتدال و احتیاط کو پیدا کرنا تھا۔ روایات کو بالکل منع کرنا نہیں کیونکہ انہوں نے ایسا کوئی حکم جاری و نافذ نہیں فرمایا تھا کہ پوری سلطنت کے اندر روایت کرنے والوں کو سزا دی جائے۔ اس کا مقصد صرف نظمی اعتبار سے یہ تاثر پیدا کرنا تھا کہ خوب سوچ سمجھ کر بات نہ کرنے سے سزا بھی مل سکتی ہے۔ حتیٰ کلیہ تاثر دینا ان کی سیاسی و انتظامی حکمت عملی کا ایک اہم جزو تھا۔ مثلاً حالی بن حزام سے روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کے ساتھ ایک شخص کو لپٹا اور دونوں کو قتل کر دیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کھلے عام تو یہ حکم دیا کہ اس سے قصاص لو اور خفیہ یہ حکم لکھ کہ مقتول کے وارثوں کو دیت دلاؤ<sup>(۵)</sup>۔ اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ نے ایسے شخص سے جس کی بیوی گئی تھی سب کے سامنے تو یہ کہا کہ جو کرنے



والے کی زبان قطع کر دو اور بیحدگی میں یہ کہہ کہ میں نے جو کہا تھا کہیں اس پر عمل نہ کر لینا وہ بات میں لوگوں کے سامنے اس لئے کہی تھی تاکہ وہ دوبارہ یہ حرکت نہ کرے (۱)۔

##### ۵۔ روایت بالا لفاظ

حضرت عمر فاروقؓ کا روایت حدیث میں احتیاط کی پالیسی کا پانچواں اہم نکتہ یہ تھا کہ آپ یہ چاہتے تھے روایت بالمعنی کے بجائے بیعتہ یعنی الفاظ یاد رکھنا اور انہیں آگے بیان کرنا ضروری ہے جو سرور کو نین ﷺ کی زبان مبارک سے ادا ہوئے ہوں۔ راوی کو صرف اتنی بات کرنی چاہئے جتنا کہ اس کے حافظے میں اچھی طرح محفوظ ہو اور وہی روایت کرنی چاہئے جس کے صحیح ہونے پر اسے پورا اطمینان ہو۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کے سامنے حدیث بیان کرنے کے بعد فرمایا ”من دعاها وعقلها وحفظها فبحدث بها حيث تشتهي به راحلته ومن خشي ان لا يهيها فاني لا احل له ان يكذب علي“ (۲)۔ (جس نے اس حدیث کو اچھی طرح حافظے میں جمالیا ہو، سمجھ لیا ہو اور یاد کر لیا ہو اسے چاہئے کہ اس حدیث کو ان مقامات تک بیان کرنا چلا جائے جہاں تک پہنچ کر اس کی سواری رک جائے مگر جسے اندیشہ ہو کہ وہ اس حدیث کو پوری طرح دل میں نہیں جماسکا، اس کے لئے جائز نہیں کروں گا کہ وہ میری طرف جھوٹ منسوب کرے۔) قیس بن عبادہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ سے سنا فرماتے تھے ”من سمع حديثا فاداه كما سمع فقد مسلم“ (۳)۔ (جس نے کوئی حدیث سنی اور بالکل دیا ہی سے آگے ادا کر دیا تو وہ سلامتی میں رہے) ایک اور مرتبہ ارشاد فرمایا ”السلامه الله ورسوله ﷺ لا تجعلوا خطا الراي سة لسلامه“ (۴)۔ حضرت اسلمؓ کہتے ہیں کہ ہم نے ایک مرتبہ حضرت عمرؓ سے رسول اکرم ﷺ کی حدیث بیان کرنے کی فرمائش کی تو انہوں نے جواب دیا ”اخاف ان اريد حرفا او انقص حرفا ان رسول الله ﷺ قال من كذب علي متعمدا فهو في النار“ (۵)۔

## باب ششم

# بصیرت عمرؓ اور عصر حاضر کے سیاسی مسائل

- ☆۔ پس منظر
- ☆۔ خلافت عمرؓ احادیث نبویؐ کی روشنی میں
- ☆۔ سیاسی منشور
- ☆۔ سیاسی اجتہادات
- ☆۔ ضابطہ اخلاق
- ☆۔ سیاسی اصول
- ☆۔ سیاسی استحکام کافروغ
- ☆۔ قبائلی سیاست کی اصلاح
- ☆۔ یہود و نصاریٰ کی علاقہ بدری
- ☆۔ انتخابی شوریٰ کا تقرر

## بصیرت عمر اور عصر حاضر کے سیاسی مسائل

### ۵۔۔۔ پس منظر:

حضرت عمر فاروقؓ نے ۲۳ جمادی الاول ۳۳ھ کی صبح خلافت کی ذمہ داری سنبھالی<sup>(۱)</sup> اور ۳۶ ذی الحج ۲۳ھ کی صبح کو دفن کئے گئے<sup>(۲)</sup>۔ ان کی مدت خلافت بعض روایات کے مطابق ۱۰ سال ۷ مہینے اور ۸ دن<sup>(۳)</sup> اور بعض کے مطابق دس سال پانچ مہینے اور کبھی روزری<sup>(۴)</sup>۔ تقریباً ساڑھے دس سال کا یہ عرصہ صرف تاریخ اسلام ہی میں نہیں بلکہ تاریخ انسانیت میں نہایت بلند اور معرودہ مقام رکھتا ہے۔ انہیں صحیح معنوں میں عہد جدید کی رفائی و فلاحی ریاست کے تصورات کا نقیب کہا جاسکتا ہے۔ سرور کونین ﷺ نے جس اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی تھی اور وحی ربانی اور اسوۂ حسنہ کے ذریعے جس کے خد و خال اصول و ضوابط کا تعین فرمایا تھا ان کے وسیع تر اطلاق کا موقع آپ ہی کے مشیر و وزیر فاروق اعظمؓ کو ملا۔

سرور عام ﷺ نے مدینہ میں ایک مثالی ریاست قائم کر کے ہدایت و رہنمائی کیلئے ایک عملی نقشہ پیش کر دیا لیکن اپنے تمام تر فیوض و برکات کے لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو وہ بھی تک ایک شہری ریاست تھی کیونکہ آپ کے عہد مبارک میں جزیرہ نما عرب پر سیاسی غلبہ و برتری حاصل ہو جانے کے باوجود مکمل انتظامی کنٹرول حاصل نہیں ہو سکا تھا۔ دس سالہ مدنی دور کے ابتدائی پانچ سال تو سب نیند و ریاست کے دفاع میں صرف ہوئے اور بقیہ پانچ سال فتوحات میں۔ اس طرح آپ کی پوری زندگی جہاد سے عبارت ہے۔ مفتوحہ علاقوں میں آپ کے پیش نظر سب سے اہم معاملہ یہ تھا کہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دی جائے اور انہیں اسلامی تعلیمات سے روشناس کر لیا جائے۔ اگر کسی قبیلہ یا علاقے کا سردار اسلام قبول کر لیتا تھا تو اسے عمدراری پر برقرار رکھا جاتا تھا اور وہاں کے سیاسی نظام میں مداخلت نہیں کی جاتی تھی تاکہ وہ اپنے رواج و عادات کے مطابق معاملات چلاتے رہیں اور ان کی شخصی آزادی متاثر نہ ہو اور نہ ہی اسلام کے وسیع تر مقاصد کے حصول میں کسی قسم کا رخنہ پیدا ہو۔ لوگوں کی تعلیم و تربیت کیلئے معلمین و مبلغین اور غریبوں کی فلاح و بہبود کیلئے مائتین رکھو کا تقرر کر دیا جاتا تھا۔ یہی ریاست مدینہ سے وفاداری و وابستگی کی ایک علامت بھی تھی اور حکمت کا بھی یہی تقاضا تھا کہ ایک ایسا خطہ جو کبھی کسی مرکزی نظم کے تابع نہیں رہا اور جس میں سالہا سال کی قبلہ کی سیاست نے لوگوں کے مزاج و طور کو مخصوص سانچوں میں ڈھال رکھا تھا ان پر کوئی چیز مسلط نہ کی جائے بلکہ ہر پہلو انہیں اسلام کی وسعت و وحدت میں جذب کیا جائے۔

رسول کریم ﷺ کی وفات کے بعد انھیں والے قتلہ مدونے ایک مرتبہ پھر صورت حال کو نقطہ آغاز تک پہنچا دیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فراست و دانشمندی بزرگت و استقامت اور جذبہ جہاد کے ذریعے ایک مرتبہ پھر جزیرہ نما عرب کو فتح کیا اور ریاست مدینہ کے سیاسی نلبے کو منوالیا اور بدلتوں کو ختم کر کے مکمل امن و امان قائم کر دیا لیکن انہیں یہ موقع نہ مل سکا کہ عہد نبوی کے نظم و سن میں کوئی تبدیلی کریں اور یا انتظامی ڈھانچہ پیش کریں جس کے تحت پورا علاقہ ایک مکمل ریاست بن جائے اور ہر ایک شخص مرکزی حکومت کا وفادار اور اطاعت گزار بن جائے۔ وہ بھی اس پوزیشن میں بھی نہیں تھے کہ ایسا کر سکیں کیونکہ خلافت سے توبہ کے بعد لوگوں کی حالت ابھی نو مسلموں کی سی تھی۔ ان کے قلب و دماغ کی کائنات ابھی اسلام کی روشنی سے پوری طرح منور نہیں ہوئی تھی اور نئے ڈھانچے کی شاید ابھی ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ انتظامی امور و معاملات میں اتنی تبدیلیاں اور تغیرات رونما نہیں ہوئے تھے اور نہ ہی سیاسی و سماجی احوال میں ابھی کوئی انقلاب آیا تھا جس سے ایک وسیع تر مستحکم معاشرہ معرض وجود میں آسکے اس لئے حیفہ لوں نے بالکل ایسی غلطیوں پر انتظام و انصرام جاری رکھا جس پر پیغمبر ﷺ نے استوار کیا تھا۔ یہاں تک کہ عمال اور امرائے جیش بھی وہی

برقرار رکھے، جنہیں ہادی برحق ﷺ نے مقرر کیا تھا، سوائے اس کے کہ ان میں سے کسی نے خود معذرت دی ہو اور اگر کسی کو ذمہ داری سونپنے کی ضرورت محسوس کی تو اس سے اجازت لی اور اس کی رضا مندی کو سامنے رکھ کر وقت ایک ایسے ہی شخص کی ضرورت تھی جو حرف بحرف عہد نبوی ﷺ ہی کی پیروی کرنے والا ہو، جو تقلید و اقتداء کا پیرو ہو، لیکن عین اس موقع پر جب حالات نے کروٹ لی ضروریات میں وسعت پیدا ہوئی، معاملات میں جدت و تیرگی نے جنم لیا اور مسائل و مشکلات میں پیچیدہ گیاں اور الجھیں ابھرنے لگیں، تو وقت ایک ایسے شخص کی تلاش میں تھا جو جہاد کی بصیرت کا شاہکار ہو اور جس میں حق و باطل میں فرق کرنے کی صداقت بدرجہ تم موجود ہو، تاکہ وہ شوکر نہ کھائے۔ جو امر الہی میں سخت بھی ہو اور غیرت و حمیت کا بھر بھی، تاکہ وہ لوگوں کو راہِ راست سے بھٹکنے نہ دے۔ مشیت الہی نے وقت کی پکار پر بیک کہا اور فاروق اعظمؓ کو منصبِ قیادت پر فائز کر دیا۔

## ○ خلافتِ عمرؓ احادیث کی روشنی میں:

نبی کریم ﷺ نے آپ کی اہمیت اور کامیاب عہدِ خلافت کی بہت خوب پیشین گوئی فرمائی تھی۔ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ پناہ خواہ بیان فرمایا کہ ”میں نے اپنے آپ کو ایک ایسے کنوئیں پر دیکھا جس پر ایک ڈول پڑا ہوا تھا۔ میں نے کچھ ڈول کھینچے، میرے بعد ابو بکرؓ نے ڈول لیا اور ایک یارو ڈول کھینچے، مگر ان کے کھینچنے میں کچھ ضعف تھا، خدا ان کی مغفرت فرمادیں۔ پھر عمرؓ آئے اور انہوں نے ڈول پکڑا اور اس طرح کھینچا کہ کسی جو انہر دو کو میں نے اس طرح کھینچتے نہیں دیکھا، حتیٰ کہ ہر چار طرف سے پیاسے آئے اور خوب سیراب ہوئے“ (۱)۔ ”امام نووی تہذیب میں لکھتے ہیں کہ عہد نے اس حدیث کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ یہ اشارہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کی خلافت کی طرف ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں کثرت سے فتوحات اور ظہور اسلام بہت زیادہ ہو گا“ (۲)۔ ابو حاتم کے بقول اس سے خلافت مراد ہے (۳)۔

رسول کریم ﷺ نے فاروق اعظمؓ کی فکری و ذہنی اور جسمانی و نظامی صلاحیتوں سے بخوبی واقف تھے۔ انہیں یہ یقین تھا کہ جب لوگوں نے خلافت کی ذمہ داری ان کے سپرد کی تو وہ اس قوت و توانائی کو جو ان کی ذات و فطرت میں موجود ہے۔ حکام خداوندی کے نفاذ میں بھرپور طور پر استعمال کریں گے۔ ارشاد ہوا ”وان تولوا عمرؓ تجدوا قویا فی نفسه قویا فی امر اللہ“ (۴)۔ ”اگر (خلافت کیلئے) عمر کی طرف رخ کرو گے تو انہیں اپنے نفس میں بھی قوی پاؤ گے اور امر الہی میں بھی۔“ سیاسی حالات ہمیشہ تغیر پذیر رہتے ہیں۔ ان میں ہمیشہ سیرگی و گہما گہمی موجود رہتی ہے۔ مختلف فرادہ، خاندان، قبائل اور گروہ اپنے اپنے مزاج و مقاصد کے مطابق سرگرم عمل رہتے ہیں۔ اس لئے ایک سمجھ دار اور کامیاب حکمران وہ ہوتا ہے جو معاملات پر گہری نظر رکھتا ہو اور جس کا ہاتھ ہر وقت حالات کی نبضوں پر رہے۔ فاروق اعظمؓ کے اندر یہ صفت بدرجہ تم موجود تھی۔ طارق کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا کہ عمرؓ کیسے آدمی تھے؟ انہوں نے جواب دیا ”وہ ایک ہوشیار پرندے کی مانند تھے، جو ہر جانب یوں نگاہ دوڑائے رکھے، جیسے اس کیلئے ہر قدم پر ایک جال بچھا دیا گیا ہو“ (۵)۔

سیاسی حالات کے دگرگوں ہونے سے معاشرے میں انتشار و افتراق پیدا ہوتا ہے اور اجتماعی طور پر مختلف فتنے جنم پیتے ہیں۔ بصیرت ہوئی ﷺ سے زیادہ جو ہر شئ اس اور کس کی نظر ہو سکتی ہے؟ آپؐ نے یہ جان لیا کہ جب تک حضرت عمر فاروقؓ جیسا دینی غیرت اور جرأت رکھنے والا شخص موجود ہے، اسلامی معاشرہ فتنوں سے محفوظ رہے گا۔ حضرت معاذؓ سے روایت ہے کہ نبی محترم ﷺ نے فرمایا ”میری امت میں فتنوں کا دور ازاں اس وقت تک مکمل طور پر بند رہے گا جب تک

(۱) بخاری: ۱/۱۹۳، مسند: ۱/۱۱۶، حار: ۲/۲۳۹، سیبہ: ۱/۱۶، رمذی: ۳/۳۶۹، (۲) سیوطی: ۱/۱۹۹، (۳) ح: ۲/۲۳۹، (۴) ح: ۲/۵۸، (۵) بخاری: ۱/۱۹۳، (۶) بخاری: ۱/۵۸۴۔

(۵) بخاری: ۱/۱۶۲، (۶) بخاری: ۱/۵۸۴۔

ان میں عمر بن الخطابؓ زندہ ہیں جب وہ وفات پا گئے تو اس فتنے ظہور پذیر ہوں گے (۱)۔ اس حدیث میں حضرت عمرؓ کے عہد خلافت ہی کی طرف خاص طور پر اشارہ کیا گیا ہے کیونکہ اس میں کوئی بھی فتنہ رونما نہ ہو سکا جبکہ باقی تینوں خلفائے راشدین کے زمانے میں فتنے کسی نہ کسی انداز میں ضرور رونما ہوئے۔ ایک اور روایت میں اس کی مرید وضاحت ہمیں ملتی ہے جس میں نبی محترم ﷺ نے انہیں فتنوں کے آگے رکاوٹ ڈالنے والے بند دروازے سے تشبیہ دی۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ انہوں نے پوچھا کہ فتنوں سے متعلق رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو تم میں سے کس نے یاد رکھا ہے؟ میں نے عرض کی میں نے، اسی طرح اسے یاد رکھا ہے جیسے آپؐ نے فرمایا تھا۔ انہوں نے فرمایا ”تم رسول اللہ ﷺ سے فتنوں کے بارے میں سوال کرنے میں بڑے جری تھے۔“ میں نے جواب دیا ”انسان کے گھر والے مال، اولاد، مسائے سب انسان کیسے فتنہ (یعنی آزمائش کی چیزیں) ہیں اور ان کا کفارہ نماز، روزہ، عہدہ، اچھی باتوں کیلئے لوگوں کو کہنا اور بری باتوں سے روکنا۔“

حضرت عمرؓ نے فرمایا ”میں نے تم سے اس بارے میں نہیں پوچھا بلکہ میں چاہتا ہوں کہ اس فتنے سے متعلق بیچو، جو مسند کی موجوں کی طرح ٹھاٹھیں ملاتا ہوا بڑھے گا۔“ اس پر میں نے کہا ”اے امیر المومنین! آپ اس سے خوف نہ کھائیے کیونکہ آپ کے اور اس فتنے کے درمیان ایک بند دروازہ ہے“ پوچھا ”وہ دروازہ توڑ دیا جائے گا یا صرف کھول دیا جائے گا؟“ میں نے کہا ”توڑ دیا جائے گا“ اس پر ہواٹھے کہ ”پھر تو کبھی بند نہیں ہوگا۔“ شفیق کہتے ہیں کہ ہم نے حذیفہؓ سے پوچھا کہ کیا عمرؓ اس دروازے سے متعلق علم رکھتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ”ہاں بالکل اسی طرح جیسے دس کے بعد رات کے آنے کا یقین ہوتا ہے۔“ رلوی کہتے ہیں میں نے تم سے ایک ایسی حدیث بیان کی ہے جو قطعاً غلط نہیں ہے۔ ہمیں اس کے متعلق حضرت حذیفہؓ سے پوچھنے میں خوف آتا تھا اس لئے مسروقؓ سے کہا گیا کہ وہ پوچھیں ان کے دریافت کرنے پر انہوں نے بتایا کہ ”وہ دروازہ خود حضرت عمر فاروقؓ ہی ہیں (۲)۔“ حضرت خالد بن ولیدؓ نے بالکل بجا کہا کہ ”جب تک ابن خطابؓ زندہ ہیں فتنے کا دور نہیں آسکتا (۳)۔“ فاروقؓ اعظمؓ کا عہد خلافت ہی وہ بہت دور ہے جس کی بشارت سرور عالم ﷺ نے دی تھی جس میں آپؐ کی بہت سی پیشین گوئیاں پوری ہوئیں۔ جب رسول اللہ ﷺ صدیق اکبرؓ کے ساتھ اہل مکہ سے چھپ کر ہجرت کیسے نکلے تو ان کی گرفتاری کی قیمت ایک سو اونٹ مقرر کر دی گئی۔ سراقہ بن مالک تلاش کرتے ہوئے ان کے قریب پہنچ گئے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے سراقہ کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے (۴)۔ حضرت حسنؓ سے روایت ہے کہ اس موقع پر نبی ﷺ نے سراقہ سے فرمایا تھا ”تمہارا کیا حال ہوگا جب تم کسری کے نکلن، کمر بند اور تاج پہنو گے۔“ رلوی کہتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ کے پاس کسری کے نکلن، کمر بند اور تاج آیا تو انہوں نے سراقہ بن مالک کو بلوایا اور یہ چیزیں انہیں پہنائیں۔ سراقہ کے بڑے بڑے ہاں تھے خصوصاً بازوؤں پر بہت ہاں تھے۔ فاروقؓ اعظمؓ نے انہیں کہا کہ ”اپنے ہاتھ اٹھا کر کہو کہ اللہ ہی سب سے بڑا ہے اور سب تعریف اسی اللہ کیسے ہے جس نے کسری بن ہریر سے جو یہ کہتا تھا کہ میں لوگوں کا رب ہوں یہ چیزیں چھین لیں اور نہیں بنی مدینہ کے ایک بد سراقہ کو پہنایا (۵)۔“

اس طرح عہد فاروقی میں یہ بشارت نبوی ﷺ حرف بحرف پوری ہوئی۔ اس کی اس غلط سے بہت بڑی اہمیت ہے کہ آپؐ نے ایسی حالت میں دی جبکہ خود اپنے ہی گھر سے نکلنے پر مجبور کر دیئے گئے، بے سرو سامانی اور خانہ بدوشی کے عالم میں، ایک لمبے سفر پر رواں دواں تھے اور ان کی اپنی جان خطرے میں تھی اور دشمنوں کی نظروں سے بچنے کیلئے چھپتے پھرتے تھے۔ کمزوری و مجبوری کی اس کیفیت میں صرف جزیرہ عرب ہی کا نہیں بلکہ عجم کی بہت قدیم، وسیع اور منظم و مستحکم ریاست کے فتح ہونے کا خواب دیکھ رہے تھے۔ آپؐ کو یہ یقین تھا کہ کلمہ طیبہ کی سچائی کی قوت اور اس کے عہد داران کے خلوص و جذبہ کی طاقت تمام معبودان

(۱) اموی ۱، ۵۸۰، (۲) بخاری ۱، ۲۳۳، مسند ۱، ۸۹، حدائق ۱، ۲۹، مسند ۱، ۲، ۳، مسند ۳، ۳۲۲، (۳) یوسف ۴۸، (۴) سیبوی ۶۲

(۵) شیعہ ۱، ۲۶۶/۲، سیبوی ۳۰۰۔

باہل کے تخت و تاج کی سادہ لپیٹ و بگی اور تمام علامت نظام شکست سے دوچار ہو کر رہیں گے۔ فاروق اعظم کا عہد خلافت انہیں سچے خوابوں کی عملی تعبیر ہے۔ ایک اور موقع پر آنحضور ﷺ نے امن و خوشحالی کی نوید سنائی اور اسی عہد میں پوری ہوئی۔ حضرت عدی بن حاتم فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک صاحب آئے اور فقر و فاقہ کی شکایت کی پھر دوسرے صاحب آئے اور راستوں کے غیر محفوظ ہونے کی شکایت کی۔ اس پر آنحضور ﷺ نے مجھ سے پوچھا ”سے عدی! تم نے مقام حیرہ دیکھا ہے؟“ میں نے عرض کی ”دیکھا تو نہیں ہے امتہ اس کے بارے میں معلومات ضرور ہیں۔“ آپ نے فرمایا ”اگر تم کچھ دن اور زندہ رہ سکتے تو دیکھو گے کہ ایک عورت ہودج میں سفر کرے گی اور (مکہ پہنچ کر) کعبہ کا طواف کرے گی۔ سے اللہ کے سوا کسی کا بھی خوف نہ ہوگا۔“ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ پھر قبیلہ طئے کے اس ڈاکوؤں کا کیا ہوگا جنہوں نے ہر جگہ نساہرپ کر رکھا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے مزید فرمایا ”اگر تم کچھ دنوں اور زندہ رہ سکتے تو کسری کے خزنوں کو کھو لو گے۔“ میں حیرت سے بول اٹھا ”کسری بن ہرمز؟“ آپ نے فرمایا ”ہاں کسری بن ہرمز اور اگر تم کچھ دنوں زندہ رہ سکتے تو دیکھو گے کہ ایک شخص ہاتھ میں سونا چاندی بھر کر نکلے گا اسے کسی ایسے آدمی کی تلاش ہوگی جو اسے قبول کر لے، لیکن اسے ایسا کوئی شخص نہیں ملے گا۔“

اس حدیث کے راوی حضرت عدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ہودج میں بیٹھی ہوئی عورت کو تو خود دیکھ لیا کہ حیرہ سے سفر کیلئے نکلی اور اگر کعبہ کا طواف کیا اور اسے اللہ کے سوا کسی (ڈاکو وغیرہ) کا خوف نہیں تھا اور مجاہدیں کی اس جماعت میں تو میں شریک تھا جس نے کسری بن ہرمز کے خزانے فتح کئے اور تم کچھ دنوں زندہ رہے، تو وہ بھی دیکھ لو گے جو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تھا ایک شخص اپنے ہاتھ بھر کر نکلے گا<sup>(۱)</sup>۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رہبر عالم ﷺ نے ایک ہمہ گیر فکری، اخلاقی، سماجی اور سیاسی و معاشی انقلاب کی بنیاد رکھ دی تھی۔ اس کے بے شمار مثبت نتائج و فوائد تو آپ ﷺ کی اپنی زندگی میں برآمد ہو گئے اور دنیائے آپ کی موجودگی میں ان سے استفادہ کیا، لیکن اپنے اثرات کے اعتبار سے وہ محض آپ کی حلیت طیبہ ہی تک محدود و مقید انقلاب نہیں تھا بلکہ اس کے فیوض و برکات نے ابھی اور جلوہ گر ہونا تھا اور اس کے ثمرات نے نوع انسانی کو اپنی وسعت و تکمیل کے ابھی اور مناظر دکھانے تھے۔ ان گرانقدر اصول و اقدار پر عمل کرتے ہوئے اجتماعی نظام کے تمام شعبوں کی تعمیر و تنظیم اور زندگی کے بہت سے گوشوں کی استواری کے کئی مراحل ابھی باقی تھے تب ہی جا کر ایسا امن میسر آ سکتا تھا جس میں خوف و دہشت نہ ہو ایسی فراخی حاصل ہو سکتی تھی جس میں فقر و فاقہ نہ ہو اور ایسی خوشحالی نصیب ہو سکتی تھی جس میں بڑی بڑی سلطنتوں کے خزانے ہادیہ نشینوں کے قدموں کے آگے ڈھیر ہوں۔

حضرت عمر فاروق ایک ایسی ہی سماجی ریاست کے معمار تھے جس کی بنیادیں کتاب و سنت پر مستور تھیں۔ جس کے مزاج میں اسلامی روح مکمل طور پر سرایت کئے ہوئے تھی جس کے تمام شعبوں میں مقصدیت و افادیت بھی تھی اور بدلتے ہوئے حالات کے تقاضوں کی رعایت بھی۔ اس کے اہداف میں ان تمام سہائے خوابوں کی عملی تعبیر اور ان تمام بشارتوں کی تکمیل شامل تھی جن کی طرف سرور کونین ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا۔ عہد فاروقی ہی میں خاتم الانبیاء ﷺ کی وہ نوید بھی پوری ہوئی کہ زکوٰۃ لینے والا کوئی نہیں ہوگا۔ چنانچہ حضرت عمرو بن شعیب سے روایت ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے یمن بھیجا تو وہ جند میں رہے، تا آنکہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر کا انتقال ہو گیا۔ بعد میں حضرت عمرؓ کے پاس آئے تو انہوں نے بھی انہیں ان کی پہلی جگہ پہنچا دیا۔ پھر حضرت معاذؓ نے حضرت عمرؓ کے پاس دو گوب کی زکوٰۃ کا ایک تہائی حصہ بھیجا تو انہوں نے اعتراض کرتے ہوئے کہا ”میں نے تمہیں مال جمع کرے یا جزیہ وصول کرنے کیلئے نہیں بھیجا بلکہ اس لئے بھیجا ہے کہ تم میرے گوب سے وصول کر کے ان کے محتاجوں کو واپس کر دو۔“ اس پر حضرت معاذؓ نے جواب دیا کہ ”میں نے کوئی ایسی چیز آپ کو نہیں بھیجی کہ یہاں مجھے اس کے وصول نہ ملے اور کوئی مستحق مل رہا ہو۔“ پھر اس کے بعد اگلے سال حضرت معاذؓ نے آدمی زکوٰۃ انہیں بھیجی اور دونوں

میں پہلی جیسی گفتگو کا تبادلہ ہوا اور جب تیسرا سال گزارا تو حضرت معاذؓ نے تمام کی تمام زکوٰۃ ان کے پاس بھیج دی اور جو اب حضرت عمرؓ نے وہی پہلی سی بات کہی تھی حضرت معاذؓ نے کہا ”ما وجدنا احدًا ولا احدًا مني شئاً“ (مجھے یہاں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں ملا جو مجھ سے کچھ لینے کا مستحق ہو۔) یہ سعادت بھی فاروق عظیمؓ ہی کے حصے میں آئی کہ ان کے عہد مبارک میں ’آمریت و استبداد کے بت پاش پاش ہو گئے انسانیت کے سروں پر ساہا سال سے مسطہ خاندانی بادشاہتوں کے تختے اٹ گئے اور قیصر و کسری کے اقتدار کا سورج ہمیشہ کیلئے غروب ہو گیا۔ ہلائی برحق ﷺ کی وہ جیشیں کوئی کجا ثابت ہوئی جیسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ ”جب کسری ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی کسری نہیں آئے گا۔“

تسمیہ اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے ’تم ان دونوں کے خزانوں کو ضرور اللہ عزوجل کی راہ میں خرچ کرو گے‘ (۲)۔

حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کا اعتقاد بالکل اسی ترتیب سے ہوا جس کے اشارے ہمیں احادیث میں ملتے ہیں۔ حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”تجرات مرد صالح کو (خواب) دکھایا گیا کہ ابو بکرؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ملائے گئے ہیں اور عمرؓ ابو بکرؓ کے ساتھ ملائے گئے ہیں اور عثمانؓ عمرؓ کے ساتھ ملائے گئے ہیں۔“ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ جب ہم آپؐ کے پاس سے اٹھے تو ہم نے کہا کہ مرد صالح تو خود رسول اللہ ﷺ ہیں اور یہ جو بعض کا بعض سے ملایا جاتا ہے یہ دراصل اس امر (خلافت و حکومت) کی ذمہ داری و نمائندگی کے سلسلے میں ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو مبعوث فرمایا ہے (۳)۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں خلافت کی اس ذمہ داری کو ترازو کی صورت میں ایک صحابیؓ نے خواب میں دیکھا۔ حضرت ابو بکرؓ سے روایت ہے کہ ایک روز رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ”تم میں سے جس شخص نے کوئی خواب دیکھا ہو تو اسے بیان کرے“ ایک صاحب بولے کہ میں نے دیکھا کہ آسمان سے ایک ترازو اتری ہے۔ اس میں سپا اور ابو بکرؓ تولے گئے تو آپؐ بھاری نکلے۔ پھر ابو بکرؓ عمرؓ تولے گئے تو ابو بکرؓ بھاری نکلے۔ پھر عثمانؓ تولے گئے تو عثمانؓ بھاری نکلے پھر وہ ترازو اتر چلی گئی۔ راولی کہتے ہیں کہ یہ خواب سننے کے بعد ہم نے آپؐ کے چہرہ مبارک پر ناگواری کے آثار دیکھے (۴)۔ یہی حدیث ایک اور واسطے سے بھی مروی ہے جس میں ہے کہ آنحضور ﷺ کو یہ خواب برا معلوم ہوا پھر آپؐ نے فرمایا ”یہ خلافت تو نبوت کی ہے پھر اللہ جسے چاہے گا سلطنت دے گا“ (۵)۔ ”آنحضور ﷺ کی ناگواری کی وجہ یہ تھی کہ اس کے ذریعے خلافت کا راز افشاء ہو گیا لیکن آپؐ نے یہ وضاحت فرمادی۔ یہی وہ دور ہو گا جس میں خلافت علیٰ منہاج النبوت ہوگی۔ ایک اور حدیث کی رو سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دور بھی خلافت راشدہ کا حصہ ہے۔ ارشاد ہوئی ﷺ ہے ”میری امت میں تیس سال تک خلافت رہے گی بعد میں ملوکیت آجائے گی“ (۶)۔

ترتیب خلافت کی طرف اشارہ اس حدیث میں بھی ملتا ہے جسے حضرت ابو ہریرہؓ نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے رتہ (خواب میں) ایک بادل کا ٹکڑا دیکھا جس میں سے تھی اور شہد نیک رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ لوگ اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہیں کسی نے بہت سا یا اور کسی نے تھوڑا سا۔ پھر میں نے دیکھا کہ آسمان سے زمین تک ایک رسی لٹکی ہوئی ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ آپؐ کو دیکھا کہ آپؐ اسے پکڑ کر اوپر چلے گئے پھر ایک اور شخص کو دیکھا کہ اس نے اسے پکڑا اور اوپر چلا گیا پھر ایک اور شخص نے اسے پکڑا اور وہ بھی اوپر چلا گیا پھر ایک اور شخص نے جب اس رسی کو پکڑا تو وہ نوٹ گئی لیکن پھر مل گئی اور وہ بھی اوپر چلا گیا۔ یہ خواب سن کر حضرت ابو بکرؓ بول گئے ”میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں یا رسول اللہ ﷺ آپؐ مجھے موقع دیجئے کہ میں اس کی تعبیر بیان کروں۔“ آپؐ نے فرمایا ”اچھا بیان کرو۔“ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا ”ایر کا ٹکڑا تو دین اسلام ہے اور اس سے چپکنے والا تھی و شہد قرآن ہے اس کی رتہ و علوت اور کسی کا ریا دہ لینا اور کسی کا تم لینا یہ ہے کہ بعض نے زیادہ قرآن حاصل کیا ہے اور بعض نے کم اور یہ جو رسی آسمان سے زمین پر تک

یعنی ہے 'تو اس سے مراد وہ حق ہے جسے آپؐ نے ہوئے ہیں پھر اللہ تعالیٰ آپؐ کو اٹھائے گا اور اس حق کو ایک اور شخص تھا جسے گا پھر ایک اور شخص تھا جسے گا پھر وہ منقطع ہوگا لیکن پھر مل جائے گا اور سے ایک تیسرا شخص حاصل کرے گا اور وہ بھی ٹھہ جائے گا۔ پھر حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا "یار رسول اللہ ﷺ کیا میں نے تعبیر ٹھیک کہی یا غلطی کی؟" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "کچھ تو ٹھیک کہہ دو کچھ غلطی کی۔" حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا "میں قسم کھاتا ہوں کہ میں نے کیا غلطی کی؟" آپؐ نے فرمایا "قسم مت کھا۔" بن عباسؓ اس قصے کو بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (حضرت ابو بکرؓ کی) غلطی سے باخبر کرنے سے انکار فرمایا (۱)۔ اس انکار کی بھی یہی حکمت سمجھ میں آتی ہے کہ لوگ پہلے ہی سے خلافت کے بارے میں حتمی طور پر اپنا خاص دامن نہ بنائیں بلکہ قلمرو تدبیر سے کام لیں، معاملات پر گہری نظر رکھیں اور پوری سوچ بچار و آزادی رائے سے قیادت کا انتخاب کریں۔

یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ ہادی برحق ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرامؓ کو اپنی آرا و انداز مرضی سے خلیفہ کے انتخاب کے مواقع ملے، تو انہوں نے فضائل و مناقب کی اسی ترتیب کو سامنے رکھا جو رشادات نبوی ﷺ سے ظاہر تھی کیونکہ نبی محترم ﷺ کے ہاں خلفائے راشدین کے مقام و مرتبے، علمی و عملی قرب و تعلق، مختلف امور میں مشورت، دینی بصیرت، اسامی کی راہ میں قربانیاں، اعلیٰ صلاحیتیں اور سماجی شرف و عزت سے سب نوگ، بخوبی واقف تھے۔ محمد بن حنفیہ نے بیان کیا ہے کہ میں نے اپنے والد (حضرت علیؓ) سے پوچھا کہ رسول اکرم ﷺ کے بعد سب سے افضل صحابی کون سے ہیں۔ انہوں نے فرمایا "ابو بکرؓ" میں نے پوچھا ان کے بعد؟ انہوں نے جواب دیا "حضرت عمرؓ"۔ پھر مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ اگر پوچھا تو وہ کہہ دیں گے کہ عثمانؓ اس سلسلے میں نے عرض کی ان کے بعد تو آپؐ ہی کا درجہ ہے؟ فرمایا "میں تو مسلمانوں کی جماعت کا ایک فرد ہوں (۲)۔" حضرت بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ عہد نبوی ﷺ میں جب ہمیں صحابہ کرامؓ کے درمیان انتخاب کا کہا جاتا تھا تو ہم سب سے منتخب اور ممتاز ابو بکرؓ کو قرار دیتے تھے پھر عمرؓ بن الخطاب کو پھر عثمان بن عفان کو (۳)۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ "اے مومنین! رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ مقرر کرتے تو کسے کرتے؟" انہوں نے جواب دیا "ابو بکرؓ"۔ پوچھا گیا ابو بکرؓ کے بعد؟ انہوں نے جواب دیا "عمرؓ"۔ ان سے پوچھا گیا ان کے بعد؟ جواب دیا "ابو عبیدہ بن الجراح کو (۴)۔" اسی طرح ان سے پوچھا گیا کہ مردوں میں حضور ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہیں تو انہوں نے حضرت ابو بکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ کی کامیابی (۵)۔ صحابہ کرامؓ میں افضلیت کے اعتبار سے حضرت ابو بکرؓ پہلے نمبر پر ہیں اور حضرت عمرؓ دوسرے نمبر پر (۶)۔ امام نوویؒ کا یہ کہنا بالکل سچ ہے کہ اس پر اہل سنت کا جماع ہے (۷)۔ چنانچہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ تحقیقات خلافت کے اعتبار سے بھی صحابہ کرامؓ نے انہیں درجہ بدرجہ اہل سمجھ اور ذمہ داری سونپی۔ رسول اکرم ﷺ کی وہ پیش گوئی پوری ہو گئی جو انہوں نے حضرت ابو بکرؓ کو مخاطب کر کے کی تھی کہ "میرے بعد تم پر کوئی فتنہ حکم نہیں ہوگا (۸)۔"

## ○ سیاسی منشور

حضرت عمر فاروقؓ نے خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالیں تو دو گوں سے مخاطب ہوئے کیسے منبر پر چڑھے اور سب سے پہلے جو کام کیا وہ یہ تھا کہ تین باتیں ایسی ہیں کہ جب میں نہیں کہوں تو تم لوگ آمین کہو۔

(۱) راہ ۴: ۲۸۸ (۲) دیوبند ۲: ۲۸۹ (۳) بحری، ۱: ۱۹۵ جلد ۲: ۱۲۷ دیوبند ۲: ۲۸۹ جلد ۱: ۲۹۱ بحری، ۱: ۱۹۱ (۴) شیعہ ۱۴: ۵۷۰/۳: ۱۸۱

(۵) (۶) (۷) تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۸۷ (۸) سیرت ابن کثیر ج ۱ ص ۲۲۲ (۹) سیرت ابن کثیر ج ۱ ص ۵۲۱۔



☆ اے اللہ! میں ضعیف ہوں مجھے قوی کر دے۔

☆ اے اللہ! میں سخت ہوں مجھے نرم کر دے۔

☆ اے اللہ! میں بخیل ہوں مجھے سخی کر دے<sup>(۱)</sup>۔

گویا ان کے نزدیک ایک کامیاب حکمران میں ان تین صفات کا ہونا گزیر نہ سکتا۔ پہلی چیز قوت ہے اس سے محض جسمانی قوت مراد نہیں ہے بلکہ وہ تمام قوتیں شامل ہیں جو اقتدار و اختیار کے منصب کا حق ہونا کرنے کیلئے ضروری ہیں مثلاً فکر و تدبیر کی قوت 'عزم و حوصلے کی قوت' صبر و استقامت کی قوت 'بہتر فیصلے کی قوت' اور حق و صداقت اور قوانین و ضوابط کو نافذ کرنے کی قوت۔ ایک قوی حکمران وہی ہوتا ہے جس میں یہ سب قوتیں جمع ہوں۔ حضرت عمرؓ کے اندر یہ سب صلاہتیں موجود تھیں انہیں کی وجہ سے وہ "فدوق" کے لقب سے سناٹے گئے لیکن وہ سمجھتے تھے خلافت کی ذمہ داریوں سے عہدہ براہونے کیلئے انہیں زیادہ قوت کی ضرورت ہے اس لئے وہ اپنے رب کے حضور دست بردار ہوئے۔ دوسری صفت جس کی انہوں نے دعا کی وہ ہری ہے وہ اپنے مرن کی شدت و سختی سے بھی اٹھاتے اور لوگوں کے خوف و اعتراض سے بھی انہیں یہ احساس تھا کہ عہد نبوی و عہد صدیقی میں ان کی سختی چل جاتی تھی اور اس سے امور سلطنت کے بگڑنے کا اندیشہ نہیں ہوتا تھا کیونکہ وہ اصل فیصلہ کرنے والے اور حکم دینے والے نہیں تھے بلکہ مشیر تھے لیکن اب خلیفہ کی حیثیت سے سختی و نرمی میں توازن کی ضرورت تھی۔ وہ ہر ایسے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے نرمی کی درخواست کر رہے تھے جس کے نتیجے کیلئے نرمی کی ضرورت ہو۔ اس جملے سے انہوں نے لوگوں کو بھی یہ پیغام دیا کہ وہ پورے صدق و سچ و صمیمیت سے اپنی سختی کو کم کرنے کے خواہاں ہیں۔

تیسری صفت جس کی انہوں نے دعا کی وہ سخاوت ہے۔ وہ یہ جانتے تھے کہ ایک آدمی کا ذاتی بخل دنیا و آخرت کے اعتبار سے اس کیلئے نقصان دہ ہوتا ہے مگر پورے معاشرے کو اتنا جلد اور اس قدر وسیع پیمانے پر بحر ان کا شکار نہیں کرتا جتنے کہ حکمران کا بخل 'عاجت مندوں کی کفالت اور مفلوک الحال لوگوں کی خوشحالی کیلئے ضروری ہے کہ حکمران وسعت و فراخی سے کام لے سرکاری خزانہ لوگوں کی ملکیت ہے اس لئے لوگوں ہی کیلئے اس کے دروازے کھول دے۔ اس دعا میں عاجزی بھی ہے اور احساس بھی 'ستد عابھی ہے اور عزم بھی 'ایک پیغام بھی ہے اور انہی عمل بھی۔ انہوں نے یہ واضح کر دیا کہ وہ کسی فرد و گھمنڈ میں مبتلا نہیں ہیں۔ انہیں اپنی صلاہتوں سے زیادہ اللہ پر بھروسہ ہے جس کی توفیق اور تائید و نصرت کے بغیر وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ لوگوں نے ان تمام کلمات پر آمین کہہ دیا 'یہ سب بات کا اظہار تھا کہ وہ ان مقدس جذبات و احساسات میں اپنے خلیفہ کے ساتھ ساتھ ہیں۔ اس سے اپنائیت کا حوالہ پیدا ہو گیا۔ فکر و نفیر کے قاصدے من گئے درداوں کی دھڑکنیں ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہو گئیں۔ اس عالم میں خلیفہ دوم نے اپنے پہلے خطبے کا آغاز کیا جس کے چیدہ چیدہ نکات حسب ذیل ہیں

حضرت عروہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں "حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا۔ اللہ کی حمد و ثناء کے بعد آپ نے اللہ بزرگ و بزرگوار کا ذکر کیا۔ بیز روز آخرت کا تذکرہ کیا" پھر آپ نے فرمایا

"اے دو! میں تمہارا خلیفہ مقرر ہوا ہوں اگر یہ توقع نہ ہوتی کہ میں تمہارے لئے بہترین اور سب سے زیادہ طاقتور ثابت ہوں گا اور میں تمہارے اہم کاموں کو سرانجام دینے کی زیادہ صلاحیت رکھتا ہوں تو میں اس ذمہ داری کو قبول نہ کرتا"<sup>(۲)</sup>۔ "قاسم بن محمد کی روایت کے مطابق آپ نے فرمایا کہ اگر میں سمجھتا کہ اس بار خلافت کو نبھانے کی طاقت و اہلیت مجھ سے زیادہ کسی اور شخص میں ہے تو میں یہ ذمہ داری کسی کو سونپ دیتا اور مجھے اپنی رزانہ کا لٹوایا جاتا اس سے زیادہ محبوب ہو تا کہ اس کی اطاعت نہ کی جائے"<sup>(۳)</sup>۔

۲۔ پھر فرمایا "عمر (سیرت لے) کیلئے یہ تشویشناک مہم کافی ہے کہ وہ اس بات کا انتظار کرے کہ وہ تمہارے حقوق کی کیسی حفاظت کرتا ہے اور تمہارے ساتھ

کیا سلوک کرتا ہے۔ اہم کام میں صرف اپنے پروردگار ہی سے مدد و طلب کی جاسکتی ہے کیونکہ عمر کو اپنی قوت و تدبیر پر کوئی اعتماد نہیں ہے جب تک اللہ بزرگ و برتر کی مدد و تائید اور رحمت اس کے شامل حال نہ ہو۔“

۳۔ ”اے فرمایا“ اللہ بزرگ و برتر نے مجھ پر تمہارے کاموں کو احکام دیے کی ذمہ داری سونپی ہے۔ اس لئے میں اللہ ہی سے اس مقصد کی تکمیل کیلئے اللہ کا خواہاں ہوں تاکہ وہ اس کام کی تکمیل میں بھی میری دیکھی حفاظت کرے جیسی اس نے دوسرے کاموں میں میری حفاظت اور مدد فرمائی ہے۔ وہی اپنے احکام کے مطابق مجھے تمہارے مال ہیئت کی تقسیم میں عدل و انصاف کی توفیق عطا فرمائے گا کیونکہ میں بہت ہی کمزور مسلمان بندہ ہوں اللہ ہی میری مدد کر سکتا ہے۔“

۴۔ ”خلافت کا اہم منصب ان شاء اللہ میرے اخلاق و عادات میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کرے گا کیونکہ عظمت اور برتری صرف اللہ و بزرگ و برتر کو حاصل ہے۔ اللہ کے بندوں کو اس میں سے کوئی حصہ حاصل نہیں ہے۔ اس لئے تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ خلیفہ بننے کے بعد عمر تبدیل ہو گیا ہے۔“

۵۔ ”میں بذات خود حق و صداقت کو سمجھوں گا اور اس کیلئے پیش قدمی کروں گا اور اپنا معاملہ تمہارے سامنے پیش کروں گا تاہم جس کسی کو کوئی ضرورت درپیش ہو یا اس پر ظلم ہو یا ہمارے برخلاف اسے کوئی شکایت ہو تو وہ مجھ سے بدلہ لے سکتا ہے کیونکہ میں بھی تمہارے جیسا انسان ہوں۔ اس لئے تم ظاہر و باطن اور اپنی عزت و آبرو کے تحفظ کے وقت ہر حالت میں اللہ سے ڈرتے رہو۔“

۶۔ ”تم بذات خود حق و صداقت کو قائم رکھو اور کوئی ایک دوسرے پر حملہ نہ کرے اور پھر میرے پاس تم اپنے مقدمات لاؤ۔ اس وقت میں کسی کے ساتھ (بے جا) عداوت نہیں کروں گا۔ مجھے تمہاری بھلائی عزیز ہے اور تمہاری شکایت کو دور کرنا میرا محبوب مشغلہ ہے۔“

۷۔ ”تمہارے عوام اللہ کے شہروں میں آباد ہیں اور کچھ شہر ایسے ہیں جہاں کوئی زراعت نہیں ہوتی ہے اور نہ کوئی پیداوار ہے سوئے اس کے جو اللہ تعالیٰ مہیا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت سی نعمتوں کا وعدہ کیا ہے۔“

۸۔ میں اپنی امانت (خلافت) اور اپنے فرائض کا ذمہ دار ہوں اور ان شاء اللہ اپنے فرائض اور کاموں کو بذات خود انجام دوں گا اسے کسی کے سپرد نہیں کروں گا۔ اس کے علاوہ دیگر امور کو بھی مخلص اور خیر خواہ لوگوں کے سپرد کروں گا اور ان شاء اللہ ان لوگوں کے علاوہ اور کسی کے سپرد اپنی امانت نہیں کروں گا (۱)۔“

حضرت حسن سے روایت ہے کہ انہوں نے اللہ کی حمد و ثناء کی پھر کہا کہ اب بعد میں تمہارے شامل حال کر دیا گیا اور تم میرے شامل حال کر دیے گئے۔ میں اپنے دونوں صاحبزادوں کے بعد تم میں خلیفہ ہو گیا۔ جو شخص ہمارے سامنے ہو گا ہم خود ہی اس کا کام کریں گے اور جب ہم سے دور ہو گا تو ہم اہل قوت و امانت کو واپس بلائیں گے۔“

۹۔ آخر میں ارشاد فرمایا ”جو اچھائی کرے گا ہم اس کے ساتھ اچھائی کریں گے اور جو برائی کرے گا ہم اسے سزا دیں گے اور اللہ ہماری اور تمہاری معفرت کرے (۲)۔“

فاروق اعظم کا یہ خطبہ آپ کی بصیرت و فراست کا شاہکار ہے۔ اس میں آپ نے نہایت اہم امور کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کرائی اور اپنے سیاسی و فلاحی عمل کا اعلان کیا تاکہ انہیں آپ کے ہدف کا بھی علم ہو اور طریق کار کا بھی۔ پہلی اہم بات جو آپ نے فرمائی وہ آپ کی خود اعتمادی کا مظہر ہے۔ آپ سے یہ واضح کیا کہ اس کے باوجود آپ کو اس منصب کی کوئی طلب و خواہش نہیں تھی مگر جب یہ ذمہ دہری سپرد کر دی گئی ہے تو میں اس کا پوری طرح اہل ہوں۔ یہ گویا اس بات کا اعلان

تھا کہ آپ اپنے عمل سے قوت و ولایت ثابت کریں گے۔ اس لئے لوگوں کو امور خلافت کے بارے میں فکر مند اور مایوس ہونے کے بجائے طاعت و تعاون کرنا چاہیے۔ یہاں آپ نے بے جا عساری کے بجائے پورے اعتماد کا مظاہرہ کیا تاکہ لوگوں میں بھی اعتماد پیدا ہو اور وہ گوگلو کی کیفیت سے نکل کر پوری یکسوئی سے میدانِ عمل میں آئیں اور نئے حالات کے تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے مستعد ہو جائیں۔

دوسری اہم بات انہوں نے یہ کہی کہ لوگوں کے حقوق کی حفاظت و نگرانی ان کا سب سے بڑا مشن ہے۔ اسے وہ بیرونی محرک سے نہیں بلکہ اپنے اندرونی جذبے سے ہی پورا کرے گا عزم رکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں انہیں صرف اور صرف اللہ ہی کی تائید و رحمت پر اعتماد تھا جس کے بغیر ان کی قوت و تدبیر نتیجہ خیز نہیں ہو سکتی۔ تیسری اہم بات انہوں نے یہ کہی کہ خلافت کا یہ بار اللہ کی امت ہے انہیں امید ہے کہ پہلے کی طرح اب اس کھنکھارے پر بھی حفاظت و تائید فرمائے گا۔ عیسیت کی تقسیم و عدس و انصاف کے تقاضے پورے کرنا اس کی توفیق کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ چوتھی بات یہ کہی کہ منصب خلافت انہیں غرور و تکبر میں مبتلا نہیں کرے گا اور نہ ہی وہ عام چھتے پھرتے انسان کی سطح سے اپنے آپ کو بلند کر کے ”بڑے آدمی“ بن جائیں گے بلکہ اپنے اخلاق و عادات اور اطوار و معامات میں اسی طرح عزمڈ ہیں گے۔

پانچویں بات یہ کہی کہ ان کے نزدیک اصل سرحدی حق و صداقت کو حاصل ہے ان کی بہت بڑی ذمہ داری ہی یہ ہو گی کہ حق کو سمجھیں اس تک پہنچیں مگر قلم و زبانی ان سے بھی ہو گی تو اس کا ازالہ کرے اور اس کا بدلہ دینے کیلئے تیار ہوں گے۔ وہ عام انسان سے زیادہ کوئی اضافی رعایت حاصل کرنے کے روادار نہیں ہوں گے۔ چھٹے نمبر پر انہوں نے لوگوں کو بھی یہ احساس دلایا کہ حق و صداقت کی پیروی اور انصاف پر عمل کرنا صرف حکومت کی ذمہ داری نہیں ہے بلکہ انہیں خود ایک دوسرے کا خیال رکھنا چاہئے۔ معاشرے کی اصلاح تب ہی ہو سکتی ہے کہ حکومت کا کام تو قانون کی بالادستی قائم کرنا ہے جس میں کسی امیر و غریب اور چھوٹے بڑے اور حاکم و محکوم کی تیز نہ ہو تاکہ ہر کسی کی جائز شکایت دور ہو جائے۔ ساتویں بات یہ کہی کہ عوام کی فلاح و بہبود اور رفاه عامہ ان کی ترجیحات میں بنیادی اہمیت کی حامل ہوں گی۔ زمینوں کی آباد کاری کے مواقع پیدا کرنا ان کا فرض ہے۔ جب وہ یہ اقدام کریں گے تو اللہ کی امتوں کے وعدے ایک محسوس حقیقت کا روپ دھار لیں گے۔ آٹھویں بات یہ تھی کہ لوگوں کے سارے کاموں کو ذاتی دلچسپی و توجہ سے پایہ تکمیل تک پہنچائیں گے۔ یہی ان کا فریضہ ہے بصورت دیگر خیر خواہ اور ذی قوت و امانت والیوں کا تقرر کر دیں گے ورنہ ان کے کاموں کے سلسلے میں خود بھی جو بوجہ وہ ہوں گے۔ آخری بات یہ کہی کہ سماجی حیثیت اور مقام و مرتبے کا اعتبار اچھائیوں اور نیکیوں پر ہو گا ورنہ برائی کرنے والے اپنے کئے کی سزا بھگتیں گے۔ قانون کی گرفت سے کوئی بچ کر نہیں جائے گا۔

## ○ سیاسی اجتہادات:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اجتہادی بصیرت و زندگی کے تمام شعبہ جات کے بارے میں اسلامی تعلیمات کو نکھارنے اور ان کے اندر پوشیدہ حکمت و مصالح کے حصول کیسے نئی راہیں اختیار کرے اور ان کی تنقید کیلئے نئے طریقے تلاش کرنے کا باعث بنی۔ اسہوں نے جو سیاسی لائحہ عمل اختیار کیا اور حکمرانی کے جن صوبوں کو پیش نظر رکھا وہ سب کتاب و سنت سے ماخوذ ہیں لیکن ان کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے کتاب و سنت کی روح کو جدید تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے پورے سیاسی نظام میں جاری و ساری کر دیا اور مواصلات کو ایک مکمل عملی ضابطے کی شکل دے دی۔ ان کی سیاسی دلچسپیاں اور سوچ و جدوجہد جو عہد جاہلیت ہی سے مستمد تھی جب وہ عین جوانی کے دنوں میں سفارت کے منصب پر فائز تھے لیکن ان کی سیاسی بصیرت کی تربیت خود سرور کو نین ﷺ نے فرمائی۔ اپنا خصوصی مشیر

بنایا اور ہر طرح کے سیاسی معاملات میں اپنے ساتھ رکھا۔ انہیں رائے دینے اور استدلال فراہم کرنے کا بھرپور موقع دیا۔ انگریزوں کو وزن بھی دیا اور ہر عکس پائلیسی کی صورت میں اختیار میں بھی لیا اور مطمئن بھی کیا۔ نبی محترم ﷺ ان کے اجتہادی جوہر سے اچھی طرح باخبر تھے ان کی آراء عام لوگوں سے اکثر مختلف ہوتی تھیں۔ آنحضور ﷺ ان کی قدر و قیمت کو جانتے تھے اس لئے طور خاص انہیں اپنے زیر تربیت رکھا تاکہ آنے والے وقتوں میں اسلام کیلئے تقویت مسلمانوں کیلئے رحمت و وسعت اور عالم انسانیت کیلئے رہنمائی و ہدایت کا باعث بنیں۔ عہد صدیقی میں ان کی سیاسی فہم و فراست کو مزید جلدی اور ان کے عہد خلافت میں وہ تمام نتائج و ثمرات ظہور پذیر ہوئے جن کی خاطر مشیت ایزدی نے ان کی اجتہادی فکر کی پچاس سال تک آبیاری کی تھی۔ ان کا پورا عہد بے شمار سیاسی اجتہادات اور تابندہ سیاسی لائحہ عمل کا شاہکار تھا۔

### ۱۔ خالد بن ولیدؓ کی معزولی:

حضرت عمر فاروقؓ نے منصب خلافت سنبھالنے کے بعد ابتدائی دنوں میں کام کئے ان میں سب سے پہلا بڑا قدم یہ تھا کہ حضرت خالد بن ولیدؓ کو سپہ سالاری سے ہٹا کر حضرت ابو عبیدہؓ کے ماتحت کر دیا۔ اسی وجہ سے حضرت ابو عبیدہؓ امیر الامراء کے لقب سے مشہور ہوئے (۱)۔ حضرت خالدؓ کیلئے یہ پہلا موقع تھا کہ وہ کسی کی ماتحتی میں آئے (۲)۔ حضرت عمرؓ کا یہ اقدام سیاسی اعتبار سے نہایت جرأت مندانہ تھا اور اس لحاظ سے غیر معمولی بھی کہ حضرت خالدؓ عہد جاہلیت ہی سے بہت عظیم سپہ سالاروں میں شمار ہوتے تھے۔ عزدہ احد میں مسلمانوں کو بھاری نقصان پہنچانے میں انہیں تدبیر کا دخل تھا۔ عہد رسات و عہد صدیقی میں بھی وہ سپہ سالار رہے۔ انہوں نے کسی معرکے میں کبھی شکست نہیں کھائی تھی (۳)۔ تمام مسلمانوں کے دلوں میں ان کے بارے میں عزت و احترام کے گہرے جذبات پائے جاتے تھے۔ ان کی برطرفی حضرت عمرؓ کا سب سے پہلا سیاسی و انتظامی اجتہاد تھا۔ انہوں نے اپنی اس سوچ کو عملی جامہ پہنایا کہ کسی منصب پر کسی کی تفرری اور معزولی خاصیت انتظامی معاملہ ہے۔ اس بارے میں خلیفہ وقت کو مکمل صوابدیدی اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ یہ فیصلہ کر کے، انہوں نے گویا یہ اعلان کر دیا کہ وہ اپنے اختیارات کا بھرپور طور پر استعمال کرنے کا عزم رکھتے ہیں۔ حن اسور کو درست سمجھتے ہیں انہیں لازمی طور پر نافذ کر کے دم لیں گے اور اس سلسلے میں کسی خوف و خطر کی پروا نہیں کریں گے۔ یہ اقدام کرتے وقت انہوں نے فرمایا "اللہ ایسا نہیں ہے کہ وہ مجھے کوئی بات سمجھائے جس کے بارے میں ابو بکرؓ کو تو کہوں لیکن اسے خود نافذ نہ کر سکوں (۴)۔"

فاروقؓ عظیمؓ نے بہر حال اپنی سوچی سمجھی رائے کو نافذ کر کے دکھا دیا۔ یہ ان کی شخصیت اور رعب و رعب کا کمال تھا کہ اس سے کوئی بڑا انتظامی مسئلہ پیدا نہ ہو سکا۔ بقول شاہ ولی اللہؒ یہ امر بھی حضرت عمر فاروقؓ کی سیاست میں داخل ہے کہ حضرت خالد بن ولیدؓ جیسے سپہ سالار اور فاتح کو ان کی چند لغزشوں پر معزوں کر دیا اور وہ چون و چرا نہ کر سکے (۵)۔ یہ واقعہ سیاسی و انتظامی معاملات میں فاروقؓ عظیمؓ کے منفرد نظریات کا عکاس ہے۔ اس سے ان کے اجتہادی طرز فکر کی نشاندہی ہوتی ہے۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ وہ حالات و وقت کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے مطابق ایک نئی حکمت عملی کی بنیاد رکھ رہے ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی اور خلیفہ ہوتا تو شاید تنازعہ اقدام اور وہ بھی آغاز خلافت میں ہرگز نہ اٹھاتا لیکن حضرت عمرؓ اپنے نظریات میں مخلص بھی تھے اور پختہ بھی۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے بے پناہ قوت ارادی سے نوازا تھا۔ انہوں نے سالہا سال کے غور و خوض کو ایمان عام اور ہر وجہ طرز رہائے حکومت کے جائزے اسلام کے گہرے مطالعے مشاورت و وزارت کے تجربے سے اور نبی محترم ﷺ و صدیق اکبرؓ کے درخشندہ واسوئے اپنے ذہن میں ایک مثالی اسلامی ریاست کا جو نقشہ مرتب کیا تھا اس کو عملی حقیقت میں بدلنے کا یہ

بہتریں موقع تھا۔ ان سنیے دوری تھا کہ جس طرح کی عمارت تعمیر کرنا چاہتے ہیں اسی طرح کی بنیاد استوار کریں انہوں نے ایسا ہی کیا۔ یہ ایک فطری ہمت تھی کہ رویت سے ہٹ کر اٹھائے گئے اس قدم پر تنقید ہوتی۔ اس کے بارے میں شلوک و شبہات کا اظہار کیا جاتا کہیں وہ لفظوں میں اور کہیں کھل کر۔ چنانچہ جب شام کے دورے پر تشریف لے گئے تو جابیہ میں عین خطبے کے دوران ابو عمر بن حفص بن مغیرہ نے مجمع عام میں کھل کر تنقید کی اور یہاں تک کہہ دیا "اے عمر! آپ نے معذرت نہیں کی بلکہ اس امیر کو معزول کیا جسے رسول اللہ ﷺ نے مقرر کیا تھا اور اس جھنڈے کو گرایا ہے جسے انہوں نے سر بند کیا تھا اور اس تلوار کو نیام میں ڈال دیا جسے اللہ نے نکالا تھا۔ آپ نے قطع رحمی کی ہے اور مومنوں کو بھائی سے حسد کیا ہے" (۱)۔

حضرت عمرؓ نے جو آزادی فکر و رائے کے بہت بڑے علمبردار تھے ان تمام کڑوی کسمپسی باتوں کو اجنبی خندہ پیشانی اور صبر و تحمل سے سن۔ برائے نامانے کے بجائے مختصر سا جواب دیا کہ "تم حالہ کے قریبی رشتہ دار اور نو عمر ہو اس لئے تمہیں اپنے ابن عم کے بارے میں غصہ ہے" (۲)۔ یہ کہہ کر دوسرے امور کی طرف متوجہ ہو گئے۔ حضرت عمرؓ کے اس اقدام کے حق و مخالفت میں مورخین نے اپنے اپنے خیالات کے مطابق بہت کچھ لکھا ہے، لیکن سیدھی سی بات یہ ہے کہ انہوں نے جو کچھ بھی کیا اس کا ہمیں حق حاصل تھا۔ یہ شرعی نہیں بلکہ انتظامی مسئلہ تھا اس کیلئے یہ ممکن نہیں تھا کہ ایک ایسے شخص کو سپہ سالاری کے منصب پر برقرار رکھیں جن پر وہ اعتماد نہیں کرتے جن کی لغزشوں کی بنا پر عہد صدیقی میں انہیں معزول کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور سنگسار کرنے تک کا وہ مشورہ دے چکے ہوں اس کا خاطر خواہ ازالہ ہوئے بغیر وہ کیسے انہیں اس منصب پر برداشت کر سکتے تھے؟ البتہ خلافت پر فائز ہونے کے بعد ان کے رویے میں وہ پہلی سی شدت نہیں تھی۔ فوج سے مکمل طور پر انہیں برطرف نہ کیا بلکہ بدستور وہ فوجی کے طور پر فوجات شام میں اپنی خدمات سرانجام دیتے رہے حتیٰ کہ دو سال بعد انہیں قنسرین کا گورنر بنا دیا (۳)۔ لیکن باہمی اعتماد زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکا۔ انہوں نے کچھ اور ایسی غلطیاں کیں جو حضرت عمرؓ کی سیاسی پالیسی کے مطابق کسی صورت میں بھی قابل معافی نہیں تھیں اس لئے انہیں عہدہ میں مکمل طور پر معزول کر دیا اور فرمایا کہ "اب کبھی وہ میرے کسی کام کے حاکم نہیں بنیں گے" (۴)۔ "مگر ہم نتائج کے اعتبار سے حضرت عمرؓ کے اس اقدام کا تجزیہ کریں تو دیکھتے ہیں کہ اس سے کوئی نقصان تو نہیں ہوا البتہ بے شمار ایسے فوائد حاصل ہوئے جو سیاسی اور انتظامی دور پر ان کے بعض مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ بنے مثلاً یہ کہ اس فیصلے سے آغاز خلافت ہی میں حکومت کے معاملات پر ان کی گرفت مضبوط ہو گئی ان کی جرأت فیصلہ اور قوت نافذہ کا رعب طاری ہو گیا۔ ہر عام و خاص نے جان لیا کہ ان کی سیاست بدستور سے پاک ہوگی اور حاکمیت سے بے نیاز۔ وہ اپنے ضمیر کی آواز پر ہر صورت میں لپک نہیں گئے اور حسب سابق انہیں کوئی مجبوری و مصلحت اپنی شعوری رائے کو عملی جامہ پہنانے میں رکاوٹ نہیں بن سکے گی۔

دوسرے یہ کہ معاملات حکومت میں اس کے نزدیک قربت و رشتہ داری کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اس بنا پر نہ تو کسی کو خصوصی رعایت دی جاسکتی ہے اور نہ ہی اس کی لغزشوں سے چشم پوشی کی جاسکتی ہے۔ وہ نوعدی کی قیادت و سیاست کو مستحکم کرنے کیلئے نہیں آئے بلکہ مساوی اصولوں کی بالادستی ان کا مقصد اول ہے۔ اس اقدام سے انہوں نے حاکمان و برادری اور قبیلہ و قوم کے جاہلات تصورات پر شدید ضرب لگائی اور ایسے تمام لوگوں کو حیران کر دیا جن کی سوچ بھی تک محدود دائروں میں مقید تھی۔ تیسرا یہ کہ اس سے یہ واضح ہو گیا کہ اس کی آئندہ انتظامی حکمت عملی سخت احتساب پر مبنی ہوگی۔ اس کا آغاز انہوں نے عوام سے نہیں بلکہ اکابرین و عمال سے کیا جو اصلاح معاشرہ کی کلید ثابت ہوئی لوگوں نے یہ سوچا کہ اتنے معروف و مشہور سپہ سالار کو جس کی مہارت کا ذکر کا شرق و غرب میں کیا رہا ہے اگر معاف نہیں کیا جاتا تو پھر ہماری کیا حیثیت ہے۔ اس اثر نے فتنہ و انتشار کے دور کو بے بند کر دیا اور سیاسی استحکام و امن کی راہیں کھول دیں۔ چوتھا یہ کہ سلام میں

قانونی مساوات کا تصور مزید اجاگر ہو گیا۔ فاروق اعظمؓ کا یہ فیصلہ لوگوں تک یہ پیغام پہنچانے کیلئے کافی تھا کہ قانون کی نگاہ میں امیر و غریب، آزاد غلام، حاکم و محکوم، کبیر و صغیر، بزرگ و بچہ سب برابر ہیں۔ بعد میں انہوں نے اس پالیسی کو اور آگے بڑھایا۔ پانچواں یہ کہ اس اقدام سے تاریخ اسلام میں اطاعت امر کی ایک نہایت درخشندہ مثال قائم ہو گئی اور امر و اطاعت کی حدود کے نئے گوشے سامنے آئے۔ حضرت خالدؓ نے کسی حتمی رد عمل کا مظاہرہ نہ کیا اور یہ فیصلہ بخوشی قبول کرتے ہوئے فرمایا ”سمعا و طاعة لامیر المؤمنین“ (۱)۔ اس طرح اس کی عظمت و احترام میں مزید اضافہ ہوا اور لوگوں میں بھی یہ جذبہ اطاعت پیدا ہوا اور معاشرہ بہترین نظم و ضبط کا نمونہ بن گیا۔ چھٹا فائدہ یہ ہوا کہ لوگوں کے ایمان و عقیدے میں مضبوطی پیدا ہوئی۔ حضرت عمرؓ کو یہ اندیشہ تھا کہ کہیں پر فحش و نصرت کو حضرت خالدؓ کی مہارت و فرست سے منسلک نہ کر دیا جائے کہ اللہ پر یقین کمزور پڑ جائے اور وہ بھی غرور میں مبتلا ہو جائیں۔ ان کے نزدیک یہ بات اتنی قابل توجہ تھی کہ ایک مرتبہ فرمایا کہ ”میں خالد بن ولیدؓ اور قثمی بن شیبانؓ کو ضرور ضرور معزول کروں گا“ تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مدد کرتا ہے صرف اس دونوں کی نہیں (۲)۔ ”لوگوں کو شخصیت پرستی اور فتنہ عقیدت سے بچانے کیلئے وہ اس قدر حساس تھے کہ جب روم فتح ہوا اور اس کی اطلاع ان تک پہنچی تو مسجدے میں گر گئے اور فرمایا کہ ”سب تعریف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے جس نے ابو جہیدہ کو فتح دی“ اور اگر فتح ہوتی تو کہنے والا کہتا کہ ”کاش! خالد بن ولیدؓ ہوتے“ (۳)۔ ”ساتواں یہ کہ فاروق اعظمؓ کے اس فیصلے سے فرد کے اوپر ادارے کی فوقیت قائم ہو گئی۔ افراد آتے جاتے رہتے ہیں، لیکن ادارے قائم رہتے ہیں۔ ادارے اگر مضبوط ہوں تو افراد کی تبدیلی سے کوئی بڑا تغیر رونما نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی بہت بڑا غلط پیدا ہوتا ہے۔ صرف ایک ہی شخصیت کے گرد گھومنے والے ادارے فرد کے خاتمے کے ساتھ ہی زوال پزیر ہو جاتے ہیں۔ بہت سے باصلاحیت افراد کو اپنی صلاحیتوں کے اظہار کے صحیح مواقع نہیں مل سکتے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دیگر افراد میں خود اعتمادی اور تجربے کی کمی رہتی ہے اور تہاول قیادت سامنے نہیں آسکتی۔ حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ اداروں کے استحکام کی طرف پہلا قدم ثابت ہوا۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے چھوٹے بڑے فوائد گنوائے جاسکتے ہیں یہ محض غفلت و قیاسی نہیں ہیں بلکہ بعد میں عہد فاروقی کے اقدامات ان کے فلسفہ سیاست کے ان تمام پہلوؤں کو نمایاں کرتے گئے جن کی علامات اس پہلے اقدام سے حشر ہو رہی ہیں۔

### ۲۔ لقب امیر المؤمنین :

ان کا ایک سیاسی اجتہاد یہ تھا کہ انہوں نے اپنے لئے ”امیر المؤمنین“ کا لقب پسند فرمایا اور اسے خطوط و فرمانین، خطبات و مخاطب اور سرکاری و نجی تمام محافل میں استعمال کیا۔ یہاں تک کہ ہر مسلم و غیر مسلم، مرد و عورت اور حیر و جواں کی زبان پر چڑھ گیا۔ اس لفظ میں اختصار کے ساتھ ساتھ مرکزیت، مقصدیت، تشخص اور تقدس ہے۔ اس لقب میں المؤمنین کا لفظ الفت، محبت اور اخوت کے ہمہ گیر رشتے کی علامت ہے اور تمام لوگوں کو ہر قسم کی جمہوریت اور منفی بنیادوں کے بجائے نظریہ و عقیدہ ”ایمان“ کے ہا مقصد، اخلاقی اور عظیم تعلق میں پرو دیتا ہے۔ ان کا امیر گویا انہیں میں سے ایک شخص ہے جو ان تمام رشتوں کا نمائندہ ہے، جو انہیں کے اعتماد و تعاون کی تصویر ہے، پھر امیر کے لفظ میں ایک کشش اور عوامیت ہے۔ یہ لفظ اقتدار و حاکمیت کے بجائے عوام کی شراکت و مشاورت کو نمایاں کرتا ہے اور حاکم و محکوم کی تفریق کو مٹا دیتا ہے۔ یہ لفظ امت و ملت کے عالمگیر تصور کو بھی اجاگر کرتا ہے۔ ایک مومن خواہ کسی خطے میں رہ رہا ہو اس کا ایک قلبی اور فکری تعلق اسی کے ساتھ ہو گا جو مومنوں کا امیر ہے۔ وہ اس کی عقیدت و وفاداری کا سیاسی محور ہو گا۔ یہ لقب کب تکوں اور کیسے اختیار کیا گیا؟ اس بارے میں متعدد روایات ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ابو بکر سلیمان بن ابی شمر سے سوال کیا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانہ خلافت میں از طرف شیعہ

رسول اللہ ﷺ کھا جاتا تھا پھر شروع خلافت حضرت عمرؓ میں اس طرف خیفہ بوبکرؓ نکھ جانے لگا پھر کید وجہ ہوئی اور وہ کوں شخص تھا جس سے سب سے ہوں از امیر المومنین لکھا شروع کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ مجھ سے شفاء نے جو مہجرات میں ایک خاتون ہیں اس طرح بیان کیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس طرف خیفہ رسول اللہ ﷺ کھا کرتے تھے۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس طرف خیفہ رسول اللہ ﷺ لکھا شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دلدہ حاتم عراق کو نکھا کہ تم ہمارے پاس دو مائیں اور ہوشیار آدمیوں کو بھیج دو تاکہ ہم ان سے عراق اور اہل عراق کے متعلق کچھ دریافت کریں۔ حاتم عراق نے آپ کے پاس لبید بن ربیعہ اور عدی بن حاتم کو بھیج دیا۔ جس وقت یہ دونوں مدینہ شریف میں آئے تو مسجد میں پہنچ کر سب سے پہلے عمرو بن عاصؓ سے ملاقات کی اور ان سے یہ کہا کہ میرا مومنین کی خدمت میں ہمیں ہاریا کر دیجئے۔ حضرت عمرو بن عاصؓ نے کہا: ”واللہ! تم نے ان کا بہت اچھا لقب رکھا۔“ یہ کہہ کر آپ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا ”السلام علیک یا امیر المومنین“ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”تمہیں یہ کہاں سے معلوم ہوا؟“ تو انہوں نے آپ کو تمام قصہ سنایا اور کہا کہ ”واقعی آپ امیر ہیں اور ہم مومنین۔“ پس اس روز سے یہ کاغذات سرکاری میں بھی لکھا جانے لگا<sup>(۱)</sup>۔

ایک اور روایت یہ بھی ہے کہ یہ نام سب سے پہلے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے دیا۔ آپ ایک الگ جگہ تشریف فرما تھے کہ وہ داخل ہوئے اور کہا ”السلام علیک یا امیر المومنین“ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”جو بات تم نے کہی ہے اس کی وجہ سے گناہ میں پڑ جاؤ گے۔“ انہوں نے جواب دیا ”کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟“ فرمایا ”ہاں!“ انہوں نے عرض کی ”کیا آپ ہمارے امیر نہیں ہیں؟“ فرمایا ”ہاں!“<sup>(۲)</sup> ایک اور روایت کے مطابق یہ نام سب سے پہلے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بر سر منبر پکارا۔ انہوں نے اس سب سے پہلے انہیں ایک خط کے ذریعے اس لقب سے مخاطب کیا۔ اس کا آغاز اس طرح کیا: ”تعبد اللہ عمر امیر المومنین من ابو موسیٰ اشعری۔“ جب ان کے سامنے اس خط کو پڑھا گیا تو فرمایا ”میں اللہ کا بندہ عمر ہوں اور امیر المومنین ہوں۔ ساری تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کیسے ہے جو دونوں جہانوں کا رب ہے“<sup>(۳)</sup>۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس لقب سے سب سے پہلے حضرت عبداللہ بن حبشؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ نے پکارا<sup>(۴)</sup>۔ ایک اور کے مطابق وہ خود ہی اس لقب کے سوجدہ ہیں اس کا پس منظر یوں بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت عمرؓ خیفہ مقرر ہوئے تو مسلمان آپ کو اس طرح پکارتے تھے ”اے خیفہ رسول اللہ کے خیفہ!“ آپ نے فرمایا ”اس طرح خطاب بہت طویل ہو جائے گا۔ تم مومنین ہو اور میں تمہارا امیر ہوں۔“ اس طرح آپ کا لقب امیر المومنین ہو گیا<sup>(۵)</sup>۔

ان روایات کے اختلاف کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ راویوں نے جس کی زبان سے سب سے پہلے یہ لقب سنایا اس کو اس کا سوجدہ سمجھے۔ اس طرح ساری روایات تاریخ کا حصہ بن گئیں۔ البتہ سند کے اعتبار سے پہلی روایت زیادہ قوی ہے کیونکہ اس میں راویوں کا نام اور سلسلہ مرقوم ہے۔ اسے بیان کرنے والی حضرت شفاء رضی اللہ عنہا میں جو نہایت جلیل القدر اور برگزیدہ صحابیہ ہیں اور اول مہاجرین میں سے ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ کو ان سے مگر قلبی لگاؤ تھا جب سوق آتے تو انہیں ضرور ملتے تھے۔ علاوہ ازیں گواہوں میں حضرت عمرو بن العاصؓ جیسے اہم صحابی کا نام بھی شامل ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس نام کو سرکاری طور پر استعمال کرنے اور مستقل طور پر اپنانے کیلئے اپنا معروف شوری طریق کار اختیار کیا اور مسلمانوں کو بھی شریک مشورہ کیا۔ اس کا اندازہ ابن سعد کی اس روایت سے لگایا جاسکتا ہے۔ مگر اس سے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی اور ابو بکر صدیق خیفہ بنائے گئے تو انہیں خیفہ رسول اللہ ﷺ کہا جاتا تھا۔

(۱) بر ۱۱۱ ج ۱ ص ۵۰۱، ص ۱۱۱ ج ۲ ص ۱۳۸ (۲) بعد ہی ۲ ص ۵ مسعودی ۴: ۳۱۳ بر ۵ ص ۱۱۱ ج ۱ ص ۱۸۷ (۳)

مسعودی ۴: ۳۱۳ (۴) ص ۱۱۱ ج ۱ ص ۱۸۷ (۵) ہلاوت ۱: ۲۸۸ ص ۱۱۱ ج ۱ ص ۱۸۷ (۶) ص ۱۱۱ ج ۱ ص ۱۸۷

ابو بکر رحمۃ اللہ کی وفات کے بعد عمر بن الخطاب خلیفہ بنائے گئے تو انہیں خلیفہ خدیفہ رسول اللہ ﷺ کہا گیا۔ مسلمانوں نے کہا کہ عمرؓ کے بعد جو شخص آئے گا اسے خدیفہ خلیفہ خدیفہ رسول علیہ السلام کہا جائے گا تو یہ طویل ہو جائے گا۔ تم لوگ کسی سے نام پر اتفاق کرو جس سے اپنے خلیفہ کو پکارا اور جس سے بعد کے خلفاء بھی پکارے جائیں۔ رسول اللہ ﷺ کے بعض صحابہ نے کہا کہ ہم مومن ہیں اور عمرؓ ہمارے امیر ہیں لہذا عمرؓ میرا مومنین پکارے گئے وہ پہلے شخص ہیں جن کا یہ نام رکھا گیا<sup>(۱)</sup>۔ بن خلدون کا بیان ہے کہ بعض صحابہ کرام کا جب حضرت عمرؓ کو امیر المومنین کے لقب سے مخاطب کرنے پر اتفاق ہو گیا تو لوگوں نے اسے بہت پسند کیا سے بہتر جانا اور اسی نام سے پکارنے لگے<sup>(۲)</sup>۔ اس لقب کے بعد مقبول عام ہو جانے کی وجہ یہ تھی کہ ۷ گ اس سے پہلے بنی سے مانوس تھے کیونکہ عام طور پر مختلف وفود کے قائدین کو امیر ہی کا نام دیا جاتا تھا جو امارت ہی کے کاموں میں سے ایک کام ہو تا تھا۔ عہد جاہلیت میں بھی لوگوں نے یہ لفظ استعمال کیا تھا اور ہی کریم ﷺ کو امیر کہہ اور امیر حجاز کا نام دیا گیا۔ اسی طرح صحابہ کرام نے لشکر قادسیہ کی امارت کی بنا پر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو بھی امیر المومنین کے نام سے پکارا تھا<sup>(۳)</sup>۔ حضرت عمر فاروقؓ کیلئے اس لقب کے استعمال ہونے کا آغاز ۱۸ھ میں ہو<sup>(۴)</sup> جبکہ وہ اپنی خلافت کے پانچ سال گزار چکے تھے۔

### ۳۔ سن ہجری کا آغاز :

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک اور اجتہادی کارنامہ سن ہجری کا آغاز ہے۔ دفتری ریکارڈ کی ترتیب و حفاظت، سرکاری فیصلوں کے اجراء اور مصوبوں کی تنفیذ ضرورہ کے معاملات کے تعین نامی کے امور و واقعات کی یادداشت اور دیگر بے شمار حکمتوں اور ضرورتوں کا یہ تقاضا تھا کہ تاریخ کو روانہ کیا جائے۔ متعدد واقعات نے آپ کو اس طرف متوجہ کیا۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ حضرت ابو موسیٰ اشعرؓ نے آپ کو ایک چٹھی لکھی اور اس میں اپنی مشکل کا بیان ذکر کیا ”ہمارے پاس امیر المومنین کے مراسلت آتے ہیں جن پر تاریخ درج نہیں ہوتی لہذا ہمیں پتہ نہیں چلتا کہ ہم کس پر عمل کریں۔ ایک اور روایت کے مطابق انہوں نے لکھا کہ آپ سے قبل ہمارے پاس کچھ خطوط آئے جن پر تاریخ درج نہیں تھی لہذا تاریخ مقرر فرمائیے“<sup>(۵)</sup>۔ ایک اور واقعہ یہ پیش آیا کہ آپ کے پاس یمن کا ایک شخص (گورنر) آیا اور عرض کیا کہ میں نے اہل یمن کے ہاں تاریخ کا رواج دیکھا کہ وہ دن ماہ اور سال درج کرتے ہیں آپ نے فرمایا ”یہ تو بہت اچھی بات ہے پس تاریخ ڈالنا کرو“<sup>(۶)</sup>۔

تیسرا واقعہ جو حتمی طور پر تاریخ کے تعین کا سبب بنا اور جس نے اس کی ضرورت و اہمیت کے احساس اور اس بارے میں آپ کی سوچ بچار کو عملی اقدام پر مجبور کر دیا وہ یہ تھا کہ آپ کی خدمت میں ایک شخص کا تحریری معاہدہ پیش کیا گیا جو دوسرے شخص کے قرض سے متعلق تھا جس کی ادائیگی کا وقت شعبان میں آتا تھا۔ آپ نے فرمایا ”یہ کونسا شعبان ہے“ وہ جو گزر گیا یا جو اس سال کا ہے یا وہ جو آئے والا ہے؟“ پھر آپ نے تمام مہاجرین و انصار کو مشورے کیلئے جمع فرمایا<sup>(۷)</sup>۔ ان کے سامنے یہ مسئلہ رکھنے کے بعد فرمایا کہ ”گوں کیلئے اسکی چیز وضع کیجئے“ جس سے وہ اپنے قرضوں وغیرہ کی ادائیگی کے وقت کو پہچان لیں<sup>(۸)</sup>۔ ایک اور روایت کے مطابق یہ بھی فرمایا کہ ”دوست کی کثرت ہو گئی ہے ہم جو کچھ تقسیم کرتے ہیں اس پر کوئی زمانہ درج نہیں ہوتا تو اسے کیسے ضبط تحریر میں لایا جائے“<sup>(۹)</sup>۔

ایک شخص نے عرض کیا ”رومی تاریخ ڈالنا کیجئے۔“ کسی نے اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ اس تاریخ کا حساب تو بہت دور تک جاتا ہے کیونکہ وہ لوگ تو ذوالقرنین کے وقت سے حساب لگاتے ہیں۔ ایک اور رائے یہ تھی کہ اہل فارس کی تقویم اختیار کی جائے مگر اس میں بڑا عیب یہ تھا کہ یہ ہر نئے حکمران کے ساتھ بدل جایا کرتی تھی اور نیا بادشاہ عہد ماقبل کو پست پشت ڈال دیتا تھا<sup>(۱۰)</sup>۔ خوب بحث و تمحیص کے بعد دیگر ساری تقویمیں مختلف نقائص کی بنا پر رد کر دی گئیں اور لوگوں

(۱) ۳۸۱ ۳۸۲ (۲) حدیث: ۴۰۱۱ (۳) حدیث: ۴۰۱۱ (۴) ۱۰ (۵) مسند ۱ (۶) ۳ (۷) بخاری ۱۴۵ طبری: ۱۱۰ ۳۹

حدیث: ۵۷ (۸) ۵۷ (۹) حدیث: ۵۷ (۱۰) ۱۰ (۱۱) ۱۰ (۱۲) ۱۰ (۱۳) ۱۰ (۱۴) ۱۰ (۱۵) ۱۰ (۱۶) ۱۰ (۱۷) ۱۰



کی توجہ عہد رسالت مآب ﷺ پر مرکوز ہو گئی اور ہر کسی نے اسی سے متعلق رائے دینا شروع کر دی۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ تاریخ کا آغاز نبی کریم ﷺ کی ولادت یا سعادت سے کیا جائے۔ کچھ اور دگوں کی رائے تھی کہ آپ کی بعثت کو بنیاد بنایا جائے۔ بعض اور لوگوں کا مشورہ یہ تھا کہ آپ کے اخراج مکہ سے شروع کیا جائے۔ بعض کے خیال کے مطابق آپ کی وفات کے دن سے آغاز کرنا زیادہ مناسب تھا<sup>(۱)</sup>۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ تجویز پیش کی کہ اس کا آغاز اس سال سے کیا جائے جب نبی ﷺ نے سرزمین شریک کو چھوڑا تھا اور ہجرت فرمائی تھی<sup>(۲)</sup>۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ساری آراء میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے کو پسند فرمایا اسے شرف قبولیت عطا کرتے ہوئے فیصلہ دیا کہ ”ہم تو بس اسی تاریخ سے آغاز کریں گے۔“ جب آپؐ نے ہجرت فرمائی تھی کیونکہ آپ کی ہجرت حق باطل کا فرق کرنے والی ہے چنانچہ سب لوگوں نے اسی پر اتفاق کر لیا<sup>(۳)</sup>۔

تاریخ لکھنے کے سلسلے میں سارے کا تعین تو ہو گیا مگر ابھی دس اور مہینے کا تقرر باقی تھا۔ چنانچہ آپؐ نے اس سلسلے میں بھی مجمع سے مشورہ فرمایا اور ہر کسی کو رائے دینے کا موقع فراہم کیا۔ مکہ سے ہجرت چونکہ ربیع الاول میں ہوئی تھی اس لئے آپؐ نے لوگوں سے دریافت فرمایا ”ہمیں کس ماہ سے اپنے سال کا آغاز کرنا چاہئے کہ وہ ہمیشہ ہمارے سال کا آغاز ٹھہرے؟“ بعض لوگوں نے کہا کہ رجب کو پہلا مہینہ قرار دیا جائے کیونکہ دور جاہلیت میں اس کی بڑی تعظیم کی جاتی تھی۔ بعض نے کہا ابتداء رمضان سے ہونی چاہئے بعض نے کہا ذوالحجہ سے کیونکہ اس ماہ حج ہوتا ہے۔ بعض اصحاب نے مکہ سے ہجرت کے مہینے کی طرف اشارہ کیا اور بعض نے فتح مکہ کی طرف۔ حضرت عثمانؓ نے مشورہ دیا کہ ماہ محرم سے آغاز کریں کیونکہ یہ حرمت کا مہینہ ہے اور اسی سے دیگر مہینوں کا آغاز ہوتا ہے اور یہ سال کا بھی اول ہے اور اسی مہینے میں لوگ حج سے واپس لوٹتے ہیں چنانچہ سارے لوگوں نے اسی ماہ پر بھی اتفاق کر لیا<sup>(۴)</sup>۔ یہ ربیع الاول ۱۶ ہجری کا واقعہ ہے جبکہ ان کی خلافت کے اڑھائی سال پورے ہو چکے تھے۔ وہ کیونکہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہیں تاریخ کے آغاز کا شرف حاصل ہوا ہے اس لئے اس فیصلے کو ان کی اولیات میں شامل کیا جاتا ہے<sup>(۵)</sup>۔ اسلامی سن تقویم کا یہ اجراء اگرچہ اپنے دامن میں ان گنت فوائد و ثمرات لئے ہوئے ہے مگر سیاسی اعتبار سے اس کے اثرات بہت وسیع گہرے اور دور رس ہیں۔ اس سے پوری اسلامی تاریخ ذہن میں تازہ ہو جاتی ہے۔ ہجرت مسلمانوں کی مظلومیت و قربانیوں اور سیاسی غلبہ و اقتدار کے درمیان ہل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کا نام آتے ہی انسان کی توجہ اس عالمگیر نظام موانعات کی طرف مبذول ہو جاتی ہے جس نے ہر طرح کی نفرتیں مٹا کر صرف عقیدے اور نظریے کی بنیاد پر لوگوں کو وحدت و محبت اور ہمدردی و تعاون کے لازوال رشتوں میں پرو دیا۔ ہجرت ایک ہم گیر عالمی خلافتی ریاست کی تاسیس و تعمیر کے واسطے کو چاگر کرتی ہے جس سے عالم انسانیت کو پہلی مرتبہ تحریری دستور ميسر آیا اور بنیادی حقوق کا چارٹر ملا۔ ہجرت اسلام کی نصرت و کامرانی اور عزت و سر بلندی کی علامت ہے۔ حضرت عمرؓ نے اسے اسلامی تاریخ کا سب سے بڑا واقعہ قرار دے کر پوری دنیا کو یہ پیغام دیا کہ اس کی نجات اسلام کے سامنا ہن من و سلامتی کے پیچھے پناہ لینے میں ہے اور خاص طور پر ایسے مواقع پر اس کا آغاز کیا جب قیصر و کسری کے تحت و تاج اور محلات و ایوان اسلامی فوجوں کے قدموں کی خاک بن رہے تھے۔ یہ شاہد اسن تقویم ردی ایرانی اور عربی سنن سے زیادہ روشن جہید اور کامیاب ثابت ہوا اور ہر طرف اسلامی عظمت و تشخص کا پھر براہر آنا شروع ہو گیا۔

(۱) کتبہ ۶۷۱/۷۵۱ مئی ۳۱۰/۱۰ (۲) بضرعی ۱۱۵/۲ طبرہ ۳۹/۱۱۱ کتبہ ۶۷۱/۷۵۱ حروری ۵۷۳ (۳) مئی ۳۱۰/۱۰ (۴) مئی ۳۱۱/۱۰ (۵)

## ۵۔ ضابطہ اخلاق

### ۱۔ ذاتی اصلاح

سیاسی معاملات بڑے متنوع اور پیچیدہ ہوتے ہیں۔ یہ ہمہ وقت تغیر پذیر رہتے ہیں اور ان میں اس قدر وسعت اور گہرائی ہوتی ہے کہ آدمی ان میں دھنسا جاتا ہے۔ ہر معاملہ کئی پہلو رکھتا ہے اور مثبت و منفی بے شمار اثرات و نتائج کے مکانات کا حامل ہوتا ہے۔ اکثر اوقات فوری 'بڑے اور دور رس اقدامات کا متقاضی ہوتا ہے۔ انہیں سمجھنے اور حل کرنے کیلئے شمار راستے اور انداز ہو سکتے ہیں۔ قدم قدم پر دور انہوں سے واسطہ پیش آتا ہے۔ مختلف قومیں 'قبائل' علاقے 'گروہ' اپنے اپنے مقاصد کیلئے اپنے اپنے انداز میں سرگرم عمل ہوتے ہیں۔ ان سب کے جذبات و حساسات کا خیال رکھتے ہوئے ہم غیر مقاصد و مصالح کے حصول کیلئے ہموار راستہ تلاش کرنا بہت دشوار ہوتا ہے۔ ان حالات میں اپنے تشخص کو برقرار رکھنا اصولوں اور ضابطوں کا پابند رہنا اور اپنی شخصیت و عزت و شہرت کو داغدار ہونے سے بچانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ خاص طور پر طاقت و اختیارات اور وسائل بھی موجود ہوں اور پھر مسائل کا بھی عالم یہ ہو کہ اندرونی طور پر وسیع و عریض رقبے کے امن و استحکام کو برقرار رکھنے کی ضرورت ہو اور بیرونی طور پر وقت کی دو سپر طاقتوں کے ساتھ ہبرد زمائی جاری ہو اور مرکزی کنٹروس سے چلنے والی اسماہی کو جس قیصر و کسری کے ایوانوں پر دستک دینے رہی ہوں۔ ان تمام حالات میں صرف وہی شخص دنیوی اور اخروی اعتبار سے سرخرو ہو کر آگے بڑھ سکتا ہے جس کا عقیدہ و نظریہ نہایت ہی راسخ اور سیرت و کردار نہایت مضبوط ہو۔ جو بے پناہ قوتِ ارادی کا حامل ہو جس کو سب سے پہلے اپنی ذات اور اپنے نفس پر تکمل غلبہ حاصل ہو اور وہ کسی خوف و لامست کی پروا نہ کرے۔

فاروق اعظمؓ ایسی ہی شخصیت کے حامل تھے۔ انہوں نے سنت نبوی ﷺ پر عمل کرتے ہوئے سب سے پہلے اپنی ذات کو بطور نمونہ پیش کیا۔ ان کی سیاسی کامیابیوں کا سب سے بڑا از اپنی ذات کی اصلاح میں پنہاں تھا۔ انہوں نے اپنے ذاتی کردار کے ذریعے عوام الناس کو اپنا نگریہ بنالیا اور اہل قوت و ثروت کو سرنگوں کیا۔ یہی ان کا سب سے پہلا سیاسی اصول بھی تھی۔ عظیم موزغ مسعودی نے بالکل بجا کہا ہے کہ "آپ حد درجہ متواضع تھے۔ مونا باس پہنچتے تھے اللہ کے معاملے میں شدت اختیار کرتے تھے۔ آپ کے تمام اعمال و مکر و نیرجہ و افعال و اخلاق میں آپ کی پیروی کرتے تھے اور ہر کوئی حاضری کو غیبت میں آپ ہی کی طرح دکھائی دیتا تھا" (۱)۔ "حکمران کی ذاتی اصلاح و کردار ان کے نزدیک پورے مانوس اور معشرے کو سب سے زیادہ متاثر کرنے والا ہوتا ہے۔ وہ خود، مگر درست ہو تو لوگ بھی درست ہو جاتے ہیں، وہ مگر بگڑ جائے تو تمام لوگ بگڑ جاتے ہیں۔ ان کے اس نظریے کی جھلک ہمیں اس روایت میں ملتی ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "رعایا امام کے حقوق اور کرتی رہتی ہے جب تک امام اللہ کے حقوق اور کرتا رہتا ہے۔ جب امام عیش کرنے لگتا ہے تو وہ بھی عیش کرنے لگتے ہیں" (۲)۔

تقویٰ کا یہ عام تھا کہ مسعود بن خرمۃ کہتے ہیں کہ "ہم حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ لگے رہتے تھے تاکہ تقویٰ سیکھیں" (۳)۔ "حضرت عمرؓ خور و نوش کی اشیاء کے بارے میں تحقیق کیا کرتے تھے کہ یہ کہاں سے آئی ہیں، مبادا کہ کسی اور کا حق کھائیں۔ خاص طور پر مسلمانوں کے اموال کے سلسلے میں بڑے حساس تھے۔ زید بن اسلم سے روایت ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ دودھ پیا تو بہت بھلا معلوم ہو 'پوچھا' یہ کہاں سے آیا ہے؟" "جو دیا تھا وہ بڑا کہ" "میں فلاں پانی کے

کے گھاٹ پر گیا جہاں زکوٰۃ کے جاہل و پانی پی رہے تھے۔ لوگوں نے ان کا دودھ نہ چر کر مجھے دے دیا جو میں نے اپنی مشک میں رکھ لیا۔ یہ وہی تھا جو آپ نے پیا ہے۔“ حضرت عمرؓ نے یہ سن کر چنا پتھ منہ میں ڈالا اور بتے کر دی (۱)۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے ایک اونٹ خریدے اور سرکاری چراگاہ میں بھیج دیا۔ جب وہ بل کر تیار ہوا تو اسے لے کر دینے آگیا۔ اتفاق سے اسے دیکھ کر پوچھا کہ ”یہ اونٹ کس کا ہے؟“ بتایا گیا کہ عبداللہ کا ہے۔ فرمایا ”خوب خوب امیر المؤمنین کے بیٹے کا۔“ میں نے یہ طعنے کلام سنا تو دوڑتا ہوا آیا اور عرض کیا ”امیر المؤمنین کیا ہوا؟“ پوچھا ”یہ کیسا اونٹ ہے؟“ میں نے جواب دیا کہ ”میں نے اسے عام مسلمانوں کی طرح سرکاری چراگاہ میں بھجوا دیا تھا۔“ فرمایا ”مگر وہاں یہ ہوا ہو گا کہ اسے دیکھنا یہ امیر المؤمنین کے صاحبزادے کا اونٹ ہے۔ اسے پانی پلانا کہ یہ ابن امیر المؤمنین کا اونٹ ہے۔“ پھر فرمایا ”اے عبداللہ! اس کی اصل قیمت رکھ لو اور منافع بیت المال میں جمع کرادو (۲)۔“ ایک مرتبہ ان کی بیوی حضرت عائشہؓ نے بیت المال کی مشک توئی اور بعد میں اٹھلیوں پر لگی ہوئی مشک کو دوپٹے سے پونچھ لیا تو حضرت عمرؓ جب آئے تو اسے پہلے پانی سے دھویا پھر بھی کچھ خوشبو رہ گئی تو مٹی سے دوپٹے کو گڑ دیا (۳)۔ آپ فرمایا کرتے تھے ”اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا غضب سے مطلوب نہیں ہوتا، متقی انسان اپنی خواہشات کی پیروی نہیں کرتا۔ اگر یوم قیامت (کا خوف) نہ ہوتا تو حالات اس طرح نہ ہوتے جیسے تم دیکھتے ہو (۴)۔“

ان کے نزدیک تقویٰ غیرت و خودداری اور بے نیازی کا مقتضی ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا ”متقی پر بیزار آدمی کو زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی دنیا پرست کے آگے سرنگوں ہو (۵)۔“ وہ بجا طور پر سمجھتے تھے کہ تقویٰ فرائض کی ادائیگی سے بڑھ کر ایک چیز ہے جو زندگی کے ہر معاملے اطاعت رب کا جذبہ بیدار کر دیتی ہے اور تمام اعمال کا محرک بن جاتی ہے۔ ایسے ہی لوگ صحیح معنوں میں فضیلت رکھنے والے ہوتے ہیں۔ ایک مرتبہ انہوں نے لوگوں سے پوچھا ”سب سے افضل و برتر لوگ کون ہوتے ہیں؟“ لوگ بولے ”نماز ادا کرنے والے۔“ فرمایا ”نمازیوں میں تو نیک و بد سب ہی لوگ ہوتے ہیں۔“ لوگوں نے کہا ”روزہ رکھنے والے۔“ فرمایا ”ان میں بھی ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔“ لوگوں نے کہا ”اللہ کی رخصت میں چہرہ کرنے والے۔“ فرمایا ”ان کا بھی یہی معاملہ ہے۔“ پھر فرمایا ”ہاں اگر دین کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کا خوف و تقویٰ ہو تو پھر ہی آدمی اللہ کی اطاعت کا پورا پورا حق ادا کر سکتا ہے (۶)۔“

ایک مرتبہ ان سے پوچھا گیا کہ ”مناہ کی رغبت رکھنے والا شخص بہتر ہے جو اس پر عمل نہ کرے یا پھر وہ شخص جسے سرے سے رغبت ہی نہ ہو؟“ فرمایا ”وہ لوگ جنہیں معصیت کی طرف رغبت تو ہوتی ہے، لیکن اس کا ارتکاب نہیں کرتے (۷)۔“ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی ”اولئک اللہیں امتح اللہ قلوبہم للتقویٰ لہم مغفرۃ و اجر عظیم (۸)۔“ ان کا خیال تھا کہ تقویٰ کا وصف صرف اور صرف خدا خوفی سے حاصل ہوتا ہے اور اللہ ہی کی حفاظت کا ذریعہ بن جاتا ہے چنانچہ لوگوں کو ایک مرتبہ تلقین فرمائی ”اللہ بزرگ و برتر سے ڈرتے رہو کیونکہ تقویٰ کا وصف خوف خدا سے حاصل ہوتا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے محفوظ رکھے گا (۹)۔“ فاروق اعظمؓ کے ان بصیرت افروز اقوال و اعمال نے ایک طرف تو لوگوں کی تعلیم و تربیت کیلئے اہم کردار سر انجام دیا اور دوسری طرف ان کے دلوں میں اطاعت و جانشینی کے جذبات پیدا کرنے میں مدد و معاون ثابت ہوئے جو ایک حکمران کی کامیابی و مضبوطی کا بہت بڑا سرمایہ ہوتے ہیں۔

### ۳۔ احساس ذمہ داری:

امور مملکت کو چلانے کیلئے ایک بورڈ ہم وصف جو نہایت ضروری ہے وہ احساس ذمہ داری ہے۔ جس حکمران کے دل میں خود ذمہ داری کا احساس نہ ہو جو خود لا پرواہی اور بے نیازی برتاؤ جس کے ذہن پر کام کی دھن سوار نہ ہو وہ دوسروں سے اس موصاف کی توقع نہیں رکھ سکتا۔ یہی نہیں فرائض کی بجا آوری کا پابند کر سکتا

ہے۔ دینا میں ناکام حکمرانوں کی وجہ عموماً اس میں احساس ذمہ داری کا فقدان ہی ہوتا ہے۔ حضرت عمر فاروق کا یہ عام تھا کہ فرائض کی بجا آوری انہیں اپنی جان مال، آرام اور دنیا کی ہر چیز سے زیادہ عزیز تھی۔ ایک مرتبہ رشتہ فرمایا ”ساحل فرات پر اگر کوئی اونٹ ضائع ہو کے مر جائے تو مجھے اندیشہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے اس کی بارگاہ پر کس کرے گا“ (۱)۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ عمر بن الخطابؓ ایک اونٹ کی نگلی پشت پر بیٹھے ہوئے ایک طرف کو چلے جا رہے ہیں۔ میں نے دیکھ کر کہا ”امیر المؤمنین کدھر کا قصد ہے؟“ فرمایا ”صدقہ کا ایک اونٹ گم ہو گیا ہے اس کی تلاش میں نکلا ہوں۔“ میں نے کہا ”اس نوع کے تقویٰ کی مثال قائم کر کے آپ نے اپنے جانشینوں کے رہنے میں اپنے سے بہت فروتر کر دیا ہے۔“ اس پر عمرؓ نے مجھ سے کہا ”ہو! حسن! مجھے اس پر حاسمت نہ کرو۔ اس خدا کی قسم جس نے محمد ﷺ کو منصب نبوت دے کر بھیجا ہے۔ اگر اب فرات پر بھیڑ کا بچہ بھی ضائع ہو گیا تو قیامت میں مجھ سے اس کی پرسش ہوگی (۲)۔“ احساس ذمہ داری کا صحیح اندازہ عام طور پر مشکل حالات اور بحرانی کیفیات ہی میں صحیح طور پر لگایا جاسکتا ہے۔ فاروق اعظمؓ کے عہد میں مشکل ترین زمانہ ۸ھ کا تھا جس میں مدینے کا شدید ترین قحط آیا جسے ”عام الرمادہ“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ عام یہ تھا کہ شہر خشک ہو گئے، مویشی ہلاک ہو گئے اور لوگ بھوک کے مارے مرنے لگے۔ حال یہ ہو گیا کہ بوسیدہ ہڈیوں کا سفوف بنا کر بطور غذا استعمال کرنے پر مجبور ہو گئے۔ صحرائی دور شہری چوہوں کے بل کھودتے اور جو کچھ اس میں ہو تا نکال لیتے (۳)۔ ان حالات میں آپ نے جس احساس ذمہ داری کا مظاہرہ کیا وہ ہر عہد کے حکمرانوں کیلئے ایک روشنی کا چراغ ہے۔ اس سے مصیبت زدہ لوگوں کے دلوں کو حوصلہ دیا اور ان کے مصائب کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔ بقول ابن عمرؓ ”لوگوں کو عشاء کی نماز پڑھا کر گھر میں داخل ہوتے اور آخر شب تک برابر نماز پڑھتے رہتے پھر ہر نکلنے اور پہاڑی راستوں پر گھومتے رہتے۔ ایک رات آخر پہر میں نے نہیں یہ کہتے ہوئے سنا ”سے اللہ امت محمدیہ ﷺ کی ہلاکت میرے ہاتھوں پر نہ کرے (۴)۔“ شام عراق اور مصر سے غلہ اور جانور منگائے اور ہزاروں لوگوں کو اپنی نگرانی میں پکوا کر کھلانے کا نظام کیا اور گھروالوں کیلئے لے جانے کی اجازت دی۔ سبھی اور گوشت کو اپنے لئے حرام کر لیا تاؤ فیکہ لوگ سیراب نہ ہو جائیں (۵)۔ عیاض بن سفینہ سے مروی ہے کہ میں نے قحط کے سال عمرؓ کو دیکھا کہ سیاہ رنگ کے ہو گئے تھے۔ ہم لوگ پوچھتے کہ یہ کا ہے کو ہو؟ تو فرماتے ”ایک عربی آدمی تھا جو سبھی اور دودھ کھاتا تھا لوگوں پر قحط کی مصیبت آئی تو اس نے یہ چیزیں اپنے اوپر اس وقت تک حرام کر لیں جب تک لوگ سر سبز نہ ہو جائیں۔ اس نے زیتون کھایا تو اس کا رنگ بدل گیا اور بھوکا رہا تو اور زیادہ تغیر ہو گیا (۶)۔“

سامہ بن زید بن اسلم اپنے باپ دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگ کہا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے قحط رفع نہ کیا تو عمرؓ مسلمانوں کی فکر میں مر جائیں گے (۷)۔ انہی دنوں اپنے ایک لڑکے کو خر بوزہ کھاتے ہوئے دیکھا تو فرمایا ”خوب خوب اے فرزند امیر المؤمنین تم میوہ کھاتے ہو حالانکہ امت محمدیہ بھوک کے مارے دی ہو گئی ہے۔“ وہ بچہ نکل کر بھاگا اور رونے لگا۔ اس کو پوچھنے کے بعد اسے خاموش کیا۔ لوگوں نے بتایا کہ اس نے سے منھی بھر بھجور کے عوض خرید ہے (۸)۔ آپ نے پورے رہائش قحط میں اپنے لڑکوں اور بیویوں میں سے کسی کے گھر کچھ نہیں چکھا صرف رات کے وقت لوگوں کے ساتھ کھا لیتے تھے۔ یہاں تک کہ لوگ اسی طرح خوشحال ہو گئے جیسے پہلے تھے (۹)۔

یہ ہیں حضرت عمرؓ کے احساس ذمہ داری کی جھلک پیش کرنے والے بے شمار واقعات میں سے چند جنہوں نے آپ کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں عطا و محبت کی ایسی قدیمیں روشن کر دیں کہ وہ ان کے ہر فیصلے کو نہایت خوشدلی اور طاعت کے گہر پور جذبہ سے قبول کرتے تھے اور آپ کی شدت و سختی کو بھی اخلاص

(۱) سعد ۳۵۳ طبرانی ۲۳۴ (۲) حیرانی ۱۶۲ (۳) سعد ۲۰۲ (۴) حیرانی ۲۸۸ (۵) معین کتبہ ملاحظہ ہو سعد ۳۱۲ (۶) حیرانی ۶۸ (۷) سعد ۳۱۵ (۸) سعد ۳۱۵/۳ حیرانی ۶۹ (۹) سعد ۳۱۷/۳۔

وہمردی کا تقاضا سمجھ کر برداشت کرتے تھے۔ اس سے ہر طرح کی سیاسی سازشوں اور گروہ بندیوں کا خاتمہ ہو گیا۔ پھر آپ کے اس احساس ذمہ داری کا اثر آپ کے عمال پر بھی پڑا تھا اور وہ بھی اپنے امور میں نہایت مستعد رہتے تھے اور اپنے افکار و انداز اور رویوں سے عوام کے حیر خواہ ہونے کا عملی مظاہرہ کرتے تھے۔ اس طرح آپ نے پورے سیاسی نظام کو ایک متحرک اور فعال کردار عطا کر کے تاریخ انسانی میں کامیاب ترین حکمران کے طور پر زندہ رہنے کا شرف حاصل کیا۔

۳۔ امانت و دیانت۔

بطور ایک حکمران آپ کے ذاتی اوصاف میں سے ایک بہت بڑا وصف امانت و دیانت ہے امور مملکت میں اس کی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ اس لئے کہ ایک خبیث و حکمران کو ریاست کے بے شمار وسائل اور اموال و اموال پر بے پناہ اختیارات حاصل ہو جاتے ہیں جس سے وہ انہیں ملک کی تعمیر و ترقی اور عوام الناس کی فلاح و بہبود پر صرف کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ وہ انہیں ذاتی اسراف اور داپرواہی و خیانت کے ذریعے ضائع کر کے معاشرے کو زوال و بحران کا شکار بھی کر سکتا ہے۔ اس لئے عہد حاضر میں امانت و دیانت اور اموال و اموال کے تحفظ کا حکام سے باقاعدہ حلف لیا جاتا ہے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اس بارے میں بہت زیادہ حساس واقع ہوئے تھے۔ وہ بیت امال کے وسائل و درائع کو دورہ برابر بھی ضائع کرنے یا ضائع ہونے دینے کے رد دانت تھے۔ وہ امانت و دیانت کا ایک شاہکار تھے۔ آپ ذاتی اخراجات کیلئے بطور تنخواہ صرف اس قدر لیتے تھے کہ بمشکل گزر اوقات ہو سکے۔ چنانچہ ابوامامہ بن سہل بن ضیف لکھتے ہیں کہ آپ نے مدتوں بیت المال میں سے ایک پیسہ بھی نہیں لیا حتیٰ کہ آپ پر تنگدستی غائب آگئی۔ آپ نے اصحاب رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق مشورہ کیا اور یہ کہا کہ میں تو اس کام میں منہمک ہوں اپنے خرچہ کا کوئی انتظام نہیں کر سکتا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ”مجھ کو شام کا کھانا آپ بیت المال سے لے کر لیں۔“ اسی کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبول فرمایا<sup>(۱)</sup>۔ ایک مرتبہ ہر شاد فرمایا ”میں اپنی طرف سے اللہ کے مال کو بخر مال مجتمہ رکھا ہے۔ اگر میں غنی ہوں تو اس مال سے بچوں اور اگر فقیر ہوں تو اصول کے مطابق اس میں سے کھاؤں“<sup>(۲)</sup>۔

انصاف سے مروی ہے کہ ہم لوگ عمرؓ کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک چادریہ (لوغڈی) گزری۔ لوگوں نے کہا کہ امیر المومنین کی سر یہ (باندی و حرم) ہے تو اس (باندی) نے کہا کہ ”امیر المومنین کی کوئی سر یہ نہیں ہے اور نہ وہ ان کیلئے حلال ہے کیونکہ وہ اللہ کا مال ہے۔“ ہم لوگوں نے کہا کہ پھر اللہ کے مال میں کوئی مال اس کیلئے حلال ہے؟ اس چادریہ کے بیچنے کی دیر تھی کہ ہمارے پاس قاصد آیا اور ہمیں بلایا ہم ان کے پاس آئے۔ انہوں نے فرمایا ”ہم لوگوں نے کیا کہا تھا؟“ ہم نے کہا کہ ہم نے کوئی بری بات نہیں کہی ایک چادریہ گزری تو ہم نے کہا ”یہ امیر المومنین کی سر یہ ہے۔“ وہ کہتے کہ ”وہ امیر المومنین کی سر یہ نہیں ہے اور نہ وہ امیر المومنین کیلئے حلال ہے۔ وہ اللہ کا مال ہے۔“ ہم نے کہا کہ ”پھر ان کیلئے اللہ کے مال میں سے کیا حلال ہے؟“ انہوں نے (عمرؓ) نے فرمایا کہ ”میں جو چیز حلال سمجھتا ہوں تمہیں مانتا ہوں۔ میرے لئے (سال میں) دو جوڑے حلال ہیں (ایک جوڑا ایک چادر اور ایک تہر کا ہوتا ہے) ایک جوڑا جاڑے میں اور ایک جوڑا گرمی میں اور وہ سواری جس پر میں حج و عمرہ کروں۔ میری اور میرے عیال کی خوراک جیسی قریش کے آدمی کی ہوتی ہے جو نہ تو اس کے امیروں کی ہو اور نہ ان کے فقیروں کی۔ پھر اس کے بعد میں بھی مسلمانوں میں سے ایسا آدمی ہوں جو سب کو پہنچے گا وہ مجھے بھی پہنچے گا“<sup>(۳)</sup>۔

ایک مرتبہ رقیع بن زیادہ حارثی بطور قاصد حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہیں حضرت عمرؓ کی بیعت اور طریقہ بڑا عجیب لگا اور ان کے ہاں جو سخت اور خراب کھانا کھایا اس کی شکایت کی اور عرض کیا ”یا امیر المومنین! آپ عہد کھانے عہد سواری اور عہد لباس کے زیادہ مستحق ہیں۔“ حضرت عمرؓ نے پاس رکھا

(۱) اب علی: ۱۵ (۲) عبد اللہ: ۳۲۲ (۳) عبد اللہ: ۳۲۲ (۴) اب علی: ۱۵ (۵) اب علی: ۱۵ (۶) اب علی: ۱۵ (۷) اب علی: ۱۵ (۸) اب علی: ۱۵ (۹) اب علی: ۱۵ (۱۰) اب علی: ۱۵ (۱۱) اب علی: ۱۵ (۱۲) اب علی: ۱۵ (۱۳) اب علی: ۱۵ (۱۴) اب علی: ۱۵ (۱۵) اب علی: ۱۵ (۱۶) اب علی: ۱۵ (۱۷) اب علی: ۱۵ (۱۸) اب علی: ۱۵ (۱۹) اب علی: ۱۵ (۲۰) اب علی: ۱۵ (۲۱) اب علی: ۱۵ (۲۲) اب علی: ۱۵ (۲۳) اب علی: ۱۵ (۲۴) اب علی: ۱۵ (۲۵) اب علی: ۱۵ (۲۶) اب علی: ۱۵ (۲۷) اب علی: ۱۵ (۲۸) اب علی: ۱۵ (۲۹) اب علی: ۱۵ (۳۰) اب علی: ۱۵ (۳۱) اب علی: ۱۵ (۳۲) اب علی: ۱۵ (۳۳) اب علی: ۱۵ (۳۴) اب علی: ۱۵ (۳۵) اب علی: ۱۵ (۳۶) اب علی: ۱۵ (۳۷) اب علی: ۱۵ (۳۸) اب علی: ۱۵ (۳۹) اب علی: ۱۵ (۴۰) اب علی: ۱۵ (۴۱) اب علی: ۱۵ (۴۲) اب علی: ۱۵ (۴۳) اب علی: ۱۵ (۴۴) اب علی: ۱۵ (۴۵) اب علی: ۱۵ (۴۶) اب علی: ۱۵ (۴۷) اب علی: ۱۵ (۴۸) اب علی: ۱۵ (۴۹) اب علی: ۱۵ (۵۰) اب علی: ۱۵ (۵۱) اب علی: ۱۵ (۵۲) اب علی: ۱۵ (۵۳) اب علی: ۱۵ (۵۴) اب علی: ۱۵ (۵۵) اب علی: ۱۵ (۵۶) اب علی: ۱۵ (۵۷) اب علی: ۱۵ (۵۸) اب علی: ۱۵ (۵۹) اب علی: ۱۵ (۶۰) اب علی: ۱۵ (۶۱) اب علی: ۱۵ (۶۲) اب علی: ۱۵ (۶۳) اب علی: ۱۵ (۶۴) اب علی: ۱۵ (۶۵) اب علی: ۱۵ (۶۶) اب علی: ۱۵ (۶۷) اب علی: ۱۵ (۶۸) اب علی: ۱۵ (۶۹) اب علی: ۱۵ (۷۰) اب علی: ۱۵ (۷۱) اب علی: ۱۵ (۷۲) اب علی: ۱۵ (۷۳) اب علی: ۱۵ (۷۴) اب علی: ۱۵ (۷۵) اب علی: ۱۵ (۷۶) اب علی: ۱۵ (۷۷) اب علی: ۱۵ (۷۸) اب علی: ۱۵ (۷۹) اب علی: ۱۵ (۸۰) اب علی: ۱۵ (۸۱) اب علی: ۱۵ (۸۲) اب علی: ۱۵ (۸۳) اب علی: ۱۵ (۸۴) اب علی: ۱۵ (۸۵) اب علی: ۱۵ (۸۶) اب علی: ۱۵ (۸۷) اب علی: ۱۵ (۸۸) اب علی: ۱۵ (۸۹) اب علی: ۱۵ (۹۰) اب علی: ۱۵ (۹۱) اب علی: ۱۵ (۹۲) اب علی: ۱۵ (۹۳) اب علی: ۱۵ (۹۴) اب علی: ۱۵ (۹۵) اب علی: ۱۵ (۹۶) اب علی: ۱۵ (۹۷) اب علی: ۱۵ (۹۸) اب علی: ۱۵ (۹۹) اب علی: ۱۵ (۱۰۰) اب علی: ۱۵ (۱۰۱) اب علی: ۱۵ (۱۰۲) اب علی: ۱۵ (۱۰۳) اب علی: ۱۵ (۱۰۴) اب علی: ۱۵ (۱۰۵) اب علی: ۱۵ (۱۰۶) اب علی: ۱۵ (۱۰۷) اب علی: ۱۵ (۱۰۸) اب علی: ۱۵ (۱۰۹) اب علی: ۱۵ (۱۱۰) اب علی: ۱۵ (۱۱۱) اب علی: ۱۵ (۱۱۲) اب علی: ۱۵ (۱۱۳) اب علی: ۱۵ (۱۱۴) اب علی: ۱۵ (۱۱۵) اب علی: ۱۵ (۱۱۶) اب علی: ۱۵ (۱۱۷) اب علی: ۱۵ (۱۱۸) اب علی: ۱۵ (۱۱۹) اب علی: ۱۵ (۱۲۰) اب علی: ۱۵ (۱۲۱) اب علی: ۱۵ (۱۲۲) اب علی: ۱۵ (۱۲۳) اب علی: ۱۵ (۱۲۴) اب علی: ۱۵ (۱۲۵) اب علی: ۱۵ (۱۲۶) اب علی: ۱۵ (۱۲۷) اب علی: ۱۵ (۱۲۸) اب علی: ۱۵ (۱۲۹) اب علی: ۱۵ (۱۳۰) اب علی: ۱۵ (۱۳۱) اب علی: ۱۵ (۱۳۲) اب علی: ۱۵ (۱۳۳) اب علی: ۱۵ (۱۳۴) اب علی: ۱۵ (۱۳۵) اب علی: ۱۵ (۱۳۶) اب علی: ۱۵ (۱۳۷) اب علی: ۱۵ (۱۳۸) اب علی: ۱۵ (۱۳۹) اب علی: ۱۵ (۱۴۰) اب علی: ۱۵ (۱۴۱) اب علی: ۱۵ (۱۴۲) اب علی: ۱۵ (۱۴۳) اب علی: ۱۵ (۱۴۴) اب علی: ۱۵ (۱۴۵) اب علی: ۱۵ (۱۴۶) اب علی: ۱۵ (۱۴۷) اب علی: ۱۵ (۱۴۸) اب علی: ۱۵ (۱۴۹) اب علی: ۱۵ (۱۵۰) اب علی: ۱۵ (۱۵۱) اب علی: ۱۵ (۱۵۲) اب علی: ۱۵ (۱۵۳) اب علی: ۱۵ (۱۵۴) اب علی: ۱۵ (۱۵۵) اب علی: ۱۵ (۱۵۶) اب علی: ۱۵ (۱۵۷) اب علی: ۱۵ (۱۵۸) اب علی: ۱۵ (۱۵۹) اب علی: ۱۵ (۱۶۰) اب علی: ۱۵ (۱۶۱) اب علی: ۱۵ (۱۶۲) اب علی: ۱۵ (۱۶۳) اب علی: ۱۵ (۱۶۴) اب علی: ۱۵ (۱۶۵) اب علی: ۱۵ (۱۶۶) اب علی: ۱۵ (۱۶۷) اب علی: ۱۵ (۱۶۸) اب علی: ۱۵ (۱۶۹) اب علی: ۱۵ (۱۷۰) اب علی: ۱۵ (۱۷۱) اب علی: ۱۵ (۱۷۲) اب علی: ۱۵ (۱۷۳) اب علی: ۱۵ (۱۷۴) اب علی: ۱۵ (۱۷۵) اب علی: ۱۵ (۱۷۶) اب علی: ۱۵ (۱۷۷) اب علی: ۱۵ (۱۷۸) اب علی: ۱۵ (۱۷۹) اب علی: ۱۵ (۱۸۰) اب علی: ۱۵ (۱۸۱) اب علی: ۱۵ (۱۸۲) اب علی: ۱۵ (۱۸۳) اب علی: ۱۵ (۱۸۴) اب علی: ۱۵ (۱۸۵) اب علی: ۱۵ (۱۸۶) اب علی: ۱۵ (۱۸۷) اب علی: ۱۵ (۱۸۸) اب علی: ۱۵ (۱۸۹) اب علی: ۱۵ (۱۹۰) اب علی: ۱۵ (۱۹۱) اب علی: ۱۵ (۱۹۲) اب علی: ۱۵ (۱۹۳) اب علی: ۱۵ (۱۹۴) اب علی: ۱۵ (۱۹۵) اب علی: ۱۵ (۱۹۶) اب علی: ۱۵ (۱۹۷) اب علی: ۱۵ (۱۹۸) اب علی: ۱۵ (۱۹۹) اب علی: ۱۵ (۲۰۰) اب علی: ۱۵ (۲۰۱) اب علی: ۱۵ (۲۰۲) اب علی: ۱۵ (۲۰۳) اب علی: ۱۵ (۲۰۴) اب علی: ۱۵ (۲۰۵) اب علی: ۱۵ (۲۰۶) اب علی: ۱۵ (۲۰۷) اب علی: ۱۵ (۲۰۸) اب علی: ۱۵ (۲۰۹) اب علی: ۱۵ (۲۱۰) اب علی: ۱۵ (۲۱۱) اب علی: ۱۵ (۲۱۲) اب علی: ۱۵ (۲۱۳) اب علی: ۱۵ (۲۱۴) اب علی: ۱۵ (۲۱۵) اب علی: ۱۵ (۲۱۶) اب علی: ۱۵ (۲۱۷) اب علی: ۱۵ (۲۱۸) اب علی: ۱۵ (۲۱۹) اب علی: ۱۵ (۲۲۰) اب علی: ۱۵ (۲۲۱) اب علی: ۱۵ (۲۲۲) اب علی: ۱۵ (۲۲۳) اب علی: ۱۵ (۲۲۴) اب علی: ۱۵ (۲۲۵) اب علی: ۱۵ (۲۲۶) اب علی: ۱۵ (۲۲۷) اب علی: ۱۵ (۲۲۸) اب علی: ۱۵ (۲۲۹) اب علی: ۱۵ (۲۳۰) اب علی: ۱۵ (۲۳۱) اب علی: ۱۵ (۲۳۲) اب علی: ۱۵ (۲۳۳) اب علی: ۱۵ (۲۳۴) اب علی: ۱۵ (۲۳۵) اب علی: ۱۵ (۲۳۶) اب علی: ۱۵ (۲۳۷) اب علی: ۱۵ (۲۳۸) اب علی: ۱۵ (۲۳۹) اب علی: ۱۵ (۲۴۰) اب علی: ۱۵ (۲۴۱) اب علی: ۱۵ (۲۴۲) اب علی: ۱۵ (۲۴۳) اب علی: ۱۵ (۲۴۴) اب علی: ۱۵ (۲۴۵) اب علی: ۱۵ (۲۴۶) اب علی: ۱۵ (۲۴۷) اب علی: ۱۵ (۲۴۸) اب علی: ۱۵ (۲۴۹) اب علی: ۱۵ (۲۵۰) اب علی: ۱۵ (۲۵۱) اب علی: ۱۵ (۲۵۲) اب علی: ۱۵ (۲۵۳) اب علی: ۱۵ (۲۵۴) اب علی: ۱۵ (۲۵۵) اب علی: ۱۵ (۲۵۶) اب علی: ۱۵ (۲۵۷) اب علی: ۱۵ (۲۵۸) اب علی: ۱۵ (۲۵۹) اب علی: ۱۵ (۲۶۰) اب علی: ۱۵ (۲۶۱) اب علی: ۱۵ (۲۶۲) اب علی: ۱۵ (۲۶۳) اب علی: ۱۵ (۲۶۴) اب علی: ۱۵ (۲۶۵) اب علی: ۱۵ (۲۶۶) اب علی: ۱۵ (۲۶۷) اب علی: ۱۵ (۲۶۸) اب علی: ۱۵ (۲۶۹) اب علی: ۱۵ (۲۷۰) اب علی: ۱۵ (۲۷۱) اب علی: ۱۵ (۲۷۲) اب علی: ۱۵ (۲۷۳) اب علی: ۱۵ (۲۷۴) اب علی: ۱۵ (۲۷۵) اب علی: ۱۵ (۲۷۶) اب علی: ۱۵ (۲۷۷) اب علی: ۱۵ (۲۷۸) اب علی: ۱۵ (۲۷۹) اب علی: ۱۵ (۲۸۰) اب علی: ۱۵ (۲۸۱) اب علی: ۱۵ (۲۸۲) اب علی: ۱۵ (۲۸۳) اب علی: ۱۵ (۲۸۴) اب علی: ۱۵ (۲۸۵) اب علی: ۱۵ (۲۸۶) اب علی: ۱۵ (۲۸۷) اب علی: ۱۵ (۲۸۸) اب علی: ۱۵ (۲۸۹) اب علی: ۱۵ (۲۹۰) اب علی: ۱۵ (۲۹۱) اب علی: ۱۵ (۲۹۲) اب علی: ۱۵ (۲۹۳) اب علی: ۱۵ (۲۹۴) اب علی: ۱۵ (۲۹۵) اب علی: ۱۵ (۲۹۶) اب علی: ۱۵ (۲۹۷) اب علی: ۱۵ (۲۹۸) اب علی: ۱۵ (۲۹۹) اب علی: ۱۵ (۳۰۰) اب علی: ۱۵ (۳۰۱) اب علی: ۱۵ (۳۰۲) اب علی: ۱۵ (۳۰۳) اب علی: ۱۵ (۳۰۴) اب علی: ۱۵ (۳۰۵) اب علی: ۱۵ (۳۰۶) اب علی: ۱۵ (۳۰۷) اب علی: ۱۵ (۳۰۸) اب علی: ۱۵ (۳۰۹) اب علی: ۱۵ (۳۱۰) اب علی: ۱۵ (۳۱۱) اب علی: ۱۵ (۳۱۲) اب علی: ۱۵ (۳۱۳) اب علی: ۱۵ (۳۱۴) اب علی: ۱۵ (۳۱۵) اب علی: ۱۵ (۳۱۶) اب علی: ۱۵ (۳۱۷) اب علی: ۱۵ (۳۱۸) اب علی: ۱۵ (۳۱۹) اب علی: ۱۵ (۳۲۰) اب علی: ۱۵ (۳۲۱) اب علی: ۱۵ (۳۲۲) اب علی: ۱۵ (۳۲۳) اب علی: ۱۵ (۳۲۴) اب علی: ۱۵ (۳۲۵) اب علی: ۱۵ (۳۲۶) اب علی: ۱۵ (۳۲۷) اب علی: ۱۵ (۳۲۸) اب علی: ۱۵ (۳۲۹) اب علی: ۱۵ (۳۳۰) اب علی: ۱۵ (۳۳۱) اب علی: ۱۵ (۳۳۲) اب علی: ۱۵ (۳۳۳) اب علی: ۱۵ (۳۳۴) اب علی: ۱۵ (۳۳۵) اب علی: ۱۵ (۳۳۶) اب علی: ۱۵ (۳۳۷) اب علی: ۱۵ (۳۳۸) اب علی: ۱۵ (۳۳۹) اب علی: ۱۵ (۳۴۰) اب علی: ۱۵ (۳۴۱) اب علی: ۱۵ (۳۴۲) اب علی: ۱۵ (۳۴۳) اب علی: ۱۵ (۳۴۴) اب علی: ۱۵ (۳۴۵) اب علی: ۱۵ (۳۴۶) اب علی: ۱۵ (۳۴۷) اب علی: ۱۵ (۳۴۸) اب علی: ۱۵ (۳۴۹) اب علی: ۱۵ (۳۵۰) اب علی: ۱۵ (۳۵۱) اب علی: ۱۵ (۳۵۲) اب علی: ۱۵ (۳۵۳) اب علی: ۱۵ (۳۵۴) اب علی: ۱۵ (۳۵۵) اب علی: ۱۵ (۳۵۶) اب علی: ۱۵ (۳۵۷) اب علی: ۱۵ (۳۵۸) اب علی: ۱۵ (۳۵۹) اب علی: ۱۵ (۳۶۰) اب علی: ۱۵ (۳۶۱) اب علی: ۱۵ (۳۶۲) اب علی: ۱۵ (۳۶۳) اب علی: ۱۵ (۳۶۴) اب علی: ۱۵ (۳۶۵) اب علی: ۱۵ (۳۶۶) اب علی: ۱۵ (۳۶۷) اب علی: ۱۵ (۳۶۸) اب علی: ۱۵ (۳۶۹) اب علی: ۱۵ (۳۷۰) اب علی: ۱۵ (۳۷۱) اب علی: ۱۵ (۳۷۲) اب علی: ۱۵ (۳۷۳) اب علی: ۱۵ (۳۷۴) اب علی: ۱۵ (۳۷۵) اب علی: ۱۵ (۳۷۶) اب علی: ۱۵ (۳۷۷) اب علی: ۱۵ (۳۷۸) اب علی: ۱۵ (۳۷۹) اب علی: ۱۵ (۳۸۰) اب علی: ۱۵ (۳۸۱) اب علی: ۱۵ (۳۸۲) اب علی: ۱۵ (۳۸۳) اب علی: ۱۵ (۳۸۴) اب علی: ۱۵ (۳۸۵) اب علی: ۱۵ (۳۸۶) اب علی: ۱۵ (۳۸۷) اب علی: ۱۵ (۳۸۸) اب علی: ۱۵ (۳۸۹) اب علی: ۱۵ (۳۹۰) اب علی: ۱۵ (۳۹۱) اب علی: ۱۵ (۳۹۲) اب علی: ۱۵ (۳۹۳) اب علی: ۱۵ (۳۹۴) اب علی: ۱۵ (۳۹۵) اب علی: ۱۵ (۳۹۶) اب علی: ۱۵ (۳۹۷) اب علی: ۱۵ (۳۹۸) اب علی: ۱۵ (۳۹۹) اب علی: ۱۵ (۴۰۰) اب علی: ۱۵ (۴۰۱) اب علی: ۱۵ (۴۰۲) اب علی: ۱۵ (۴۰۳) اب علی: ۱۵ (۴۰۴) اب علی: ۱۵ (۴۰۵) اب علی: ۱۵ (۴۰۶) اب علی: ۱۵ (۴۰۷) اب علی: ۱۵ (۴۰۸) اب علی: ۱۵ (۴۰۹) اب علی: ۱۵ (۴۱۰) اب علی: ۱۵ (۴۱۱) اب علی: ۱۵ (۴۱۲) اب علی: ۱۵ (۴۱۳) اب علی: ۱۵ (۴۱۴) اب علی: ۱۵ (۴۱۵) اب علی: ۱۵ (۴۱۶) اب علی: ۱۵ (۴۱۷) اب علی: ۱۵ (۴۱۸) اب علی: ۱۵ (۴۱۹) اب علی: ۱۵ (۴۲۰) اب علی: ۱۵ (۴۲۱) اب علی: ۱۵ (۴۲۲) اب علی: ۱۵ (۴۲۳) اب علی: ۱۵ (۴۲۴) اب علی: ۱۵ (۴۲۵) اب علی: ۱۵ (۴۲۶) اب علی: ۱۵ (۴۲۷) اب علی: ۱۵ (۴۲۸) اب علی: ۱۵ (۴۲۹) اب علی: ۱۵ (۴۳۰) اب علی: ۱۵ (۴۳۱) اب علی: ۱۵ (۴۳۲) اب علی: ۱۵ (۴۳۳) اب علی: ۱۵ (۴۳۴) اب علی: ۱۵ (۴۳۵) اب علی: ۱۵ (۴۳۶) اب علی: ۱۵ (۴۳۷) اب علی: ۱۵ (۴۳۸) اب علی: ۱۵ (۴۳۹) اب علی: ۱۵ (۴۴۰) اب علی: ۱۵ (۴۴۱) اب علی: ۱۵ (۴۴۲) اب علی: ۱۵ (۴۴۳) اب علی: ۱۵ (۴۴۴) اب علی: ۱۵ (۴۴۵) اب علی: ۱۵ (۴۴۶) اب علی: ۱۵ (۴۴۷) اب علی: ۱۵ (۴۴۸) اب علی: ۱۵ (۴۴۹) اب علی: ۱۵ (۴۵۰) اب علی: ۱۵ (۴۵۱) اب علی: ۱۵ (۴۵۲) اب علی: ۱۵ (۴۵۳) اب علی: ۱۵ (۴۵۴) اب علی: ۱۵ (۴۵۵) اب علی: ۱۵ (۴۵۶) اب علی: ۱۵ (۴۵۷) اب علی: ۱۵ (۴۵۸) اب علی: ۱۵ (۴۵۹) اب علی: ۱۵ (۴۶۰) اب علی: ۱۵ (۴۶۱) اب علی: ۱۵ (۴۶۲) اب علی: ۱۵ (۴۶۳) اب علی: ۱۵ (۴۶۴) اب علی: ۱۵ (۴۶۵) اب علی: ۱۵ (۴۶۶) اب علی: ۱۵ (۴۶۷) اب علی: ۱۵ (۴۶۸) اب علی: ۱۵ (۴۶۹) اب علی: ۱۵ (۴۷۰) اب علی: ۱۵ (۴۷۱) اب علی: ۱۵ (۴۷۲) اب علی: ۱۵ (۴۷۳) اب علی: ۱۵ (۴۷۴) اب علی: ۱۵ (۴۷۵) اب علی: ۱۵ (۴۷۶) اب علی: ۱۵ (۴۷۷) اب علی: ۱۵ (۴۷۸) اب علی: ۱۵ (۴۷۹) اب علی: ۱۵ (۴۸۰) اب علی: ۱۵ (۴۸۱) اب علی: ۱۵ (۴۸۲) اب علی: ۱۵ (۴۸۳) اب علی: ۱۵ (۴۸۴) اب علی: ۱۵ (۴۸۵) اب علی: ۱۵ (۴۸۶) اب علی: ۱۵ (۴۸۷) اب علی: ۱۵ (۴۸۸) اب علی: ۱۵ (۴۸۹) اب علی: ۱۵ (۴۹۰) اب علی: ۱۵ (۴۹۱) اب علی: ۱۵ (۴۹۲) اب علی: ۱۵ (۴۹۳) اب علی: ۱۵ (۴۹۴) اب علی: ۱۵ (۴۹۵) اب علی: ۱۵ (۴۹۶) اب علی: ۱۵ (۴۹۷) اب علی: ۱۵ (۴۹۸) اب علی: ۱۵ (۴۹۹) اب علی: ۱۵ (۵۰۰) اب علی: ۱۵ (۵۰۱) اب علی: ۱۵ (۵۰۲) اب علی: ۱۵ (۵۰۳) اب علی: ۱۵ (۵۰۴) اب علی: ۱۵ (۵۰۵) اب علی: ۱۵ (۵۰۶) اب علی: ۱۵ (۵۰۷) اب علی: ۱۵ (۵۰۸) اب علی: ۱۵ (۵۰۹) اب علی: ۱۵ (۵۱۰) اب علی: ۱۵ (۵۱۱) اب علی: ۱۵ (۵۱۲) اب علی: ۱۵ (۵۱۳) اب علی: ۱۵ (۵۱۴) اب علی: ۱۵ (۵۱۵) اب علی: ۱۵ (۵۱۶) اب علی: ۱۵ (۵۱۷) اب علی: ۱۵ (۵۱۸) اب علی: ۱۵ (۵۱۹) اب علی: ۱۵ (۵۲۰) اب علی: ۱۵ (۵۲۱) اب علی: ۱۵ (۵۲۲) اب علی: ۱۵ (۵۲۳) اب علی: ۱۵ (۵۲۴) اب علی: ۱۵ (۵۲۵) اب علی: ۱۵ (۵۲۶) اب علی: ۱۵ (۵۲۷) اب علی: ۱۵ (۵۲۸) اب علی: ۱۵ (۵۲۹) اب علی: ۱۵ (۵۳۰) اب علی: ۱۵ (۵۳۱) اب علی: ۱۵ (۵۳۲) اب علی: ۱۵ (۵۳۳) اب علی: ۱۵ (۵۳۴) اب علی: ۱۵ (۵۳۵) اب علی: ۱۵ (۵۳۶) اب علی: ۱۵ (۵۳۷) اب علی: ۱۵ (۵۳۸) اب علی: ۱۵ (۵۳۹) اب علی: ۱۵ (۵۴۰) اب علی: ۱۵ (۵۴۱) اب علی: ۱۵ (۵۴۲) اب علی: ۱۵ (۵۴۳) اب علی: ۱۵ (۵۴۴) اب علی: ۱۵ (۵۴۵) اب علی: ۱۵ (۵۴۶) اب علی: ۱۵ (۵۴۷) اب علی: ۱۵ (۵۴۸) اب علی: ۱۵ (۵۴۹) اب علی: ۱۵ (۵۵۰) اب علی: ۱۵ (۵۵۱) اب علی: ۱۵ (۵۵۲) اب علی: ۱۵ (۵۵۳) اب علی: ۱۵ (۵۵۴) اب علی: ۱۵ (۵۵۵) اب علی: ۱۵ (۵۵۶) اب علی: ۱۵ (۵۵۷) اب علی: ۱۵ (۵۵۸) اب علی: ۱۵ (۵۵۹) اب علی: ۱۵ (۵۶۰) اب علی: ۱۵ (۵۶۱) اب علی: ۱۵ (۵۶۲) اب علی: ۱۵ (۵۶۳) اب علی: ۱۵ (۵۶۴) اب علی: ۱۵ (۵۶۵) اب علی: ۱۵ (۵۶۶) اب علی: ۱۵ (۵۶۷) اب علی: ۱۵ (۵۶۸) اب علی: ۱۵ (۵۶۹) اب علی: ۱۵ (۵۷۰) اب علی: ۱۵ (۵۷۱) اب علی: ۱۵ (۵۷۲) اب علی: ۱۵ (۵۷۳) اب علی: ۱۵ (۵۷۴) اب علی: ۱۵ (۵۷۵) اب علی: ۱۵ (۵۷۶) اب علی: ۱۵ (۵۷۷) اب علی: ۱۵ (۵۷۸) اب علی: ۱۵ (۵۷۹) اب علی: ۱۵ (۵۸۰) اب علی: ۱۵ (۵۸۱) اب علی: ۱۵ (۵۸۲) اب علی: ۱۵ (۵۸۳) اب علی: ۱۵ (۵۸۴) اب علی: ۱۵ (۵۸۵) اب علی: ۱۵ (۵۸۶) اب علی: ۱۵ (۵۸۷) اب علی: ۱۵ (۵۸۸) اب علی: ۱۵ (۵۸۹) اب علی: ۱۵ (۵۹۰) اب علی: ۱۵ (۵۹۱) اب علی: ۱۵ (۵۹۲) اب علی: ۱۵ (۵۹۳) اب علی: ۱۵ (۵۹۴) اب علی: ۱۵ (۵۹۵) اب علی: ۱۵ (۵۹۶) اب علی: ۱۵ (۵۹۷) اب علی: ۱۵ (۵۹۸) اب علی: ۱۵ (۵۹۹) اب علی: ۱۵ (۶۰۰) اب علی: ۱۵ (۶۰۱) اب علی: ۱۵ (۶۰۲) اب علی: ۱۵ (۶۰۳) اب علی: ۱۵ (۶۰۴) اب علی: ۱۵ (۶۰۵) اب علی: ۱۵ (۶۰۶) اب علی: ۱۵ (۶۰۷) اب علی: ۱۵ (۶۰۸) اب علی: ۱۵ (۶۰۹) اب علی: ۱۵ (۶۱۰) اب علی: ۱۵ (۶۱۱) اب علی: ۱۵ (۶۱۲) اب علی: ۱۵ (۶۱۳) اب علی: ۱۵ (۶۱۴) اب علی: ۱۵ (۶۱۵) اب علی: ۱۵ (۶۱۶) اب علی: ۱۵ (۶۱۷) اب علی: ۱۵ (۶۱۸) اب علی: ۱۵ (۶۱۹) اب علی: ۱۵ (۶۲۰) اب علی: ۱۵ (۶۲۱) اب علی: ۱۵ (۶۲۲) اب علی: ۱۵ (۶۲۳) اب علی: ۱۵ (۶۲۴) اب علی: ۱۵ (۶۲۵) اب علی: ۱۵ (۶۲۶) اب علی: ۱۵ (۶۲۷) اب علی: ۱۵ (۶۲۸) اب علی: ۱۵ (۶۲۹) اب علی: ۱۵ (۶۳۰) اب علی: ۱۵ (۶۳۱) اب علی: ۱۵ (۶۳۲) اب علی: ۱۵ (۶۳۳) اب علی: ۱۵ (۶۳۴) اب علی: ۱۵ (۶۳۵) اب علی: ۱۵ (۶۳۶) اب علی: ۱۵ (۶۳۷) اب علی: ۱۵ (۶۳۸) اب علی: ۱۵ (۶۳۹) اب علی: ۱۵ (۶۴۰) اب علی: ۱۵ (۶۴۱) اب علی: ۱۵ (۶۴۲) اب علی: ۱۵ (۶۴۳) اب علی: ۱۵ (۶۴۴) اب علی: ۱۵ (۶۴۵) اب علی: ۱۵ (۶۴۶) اب علی: ۱۵ (۶۴۷) اب علی: ۱۵ (۶۴۸) اب علی: ۱۵ (۶۴۹) اب علی: ۱۵ (۶۵۰) اب علی: ۱۵ (۶۵۱) اب علی: ۱۵ (۶۵۲) اب علی: ۱۵ (۶۵۳) اب علی: ۱۵ (۶۵۴) اب علی: ۱۵ (۶۵۵) اب علی: ۱۵ (۶۵۶) اب علی: ۱۵ (۶۵۷) اب علی: ۱۵ (۶۵۸) اب علی: ۱۵ (۶۵۹) اب علی: ۱۵ (۶۶۰) اب علی: ۱۵ (۶۶۱) اب علی: ۱۵ (۶۶۲) اب علی: ۱۵ (۶۶۳) اب علی: ۱۵ (۶۶۴) اب علی: ۱۵ (۶۶۵) اب علی: ۱۵ (۶۶۶) اب علی: ۱۵ (۶۶۷) اب علی: ۱۵ (۶۶۸) اب علی: ۱۵ (۶۶۹) اب علی: ۱۵ (۶۷۰) اب علی: ۱۵ (۶۷۱) اب علی: ۱۵ (۶۷۲) اب علی: ۱۵ (۶۷۳) اب علی: ۱۵ (۶۷۴) اب علی: ۱۵ (۶۷۵) اب علی: ۱۵ (۶۷۶) اب علی: ۱۵ (۶۷۷) اب علی: ۱۵ (۶۷۸) اب علی: ۱۵ (۶۷۹) اب علی: ۱۵ (۶۸۰) اب علی: ۱۵ (۶۸۱) اب علی: ۱۵ (۶۸۲) اب علی: ۱۵ (۶۸۳) اب علی: ۱۵ (۶۸۴) اب علی: ۱۵ (۶۸۵) اب علی: ۱۵ (۶۸۶) اب علی: ۱۵ (۶۸۷) اب علی: ۱۵ (۶۸۸) اب علی: ۱۵ (۶۸۹) اب علی: ۱۵ (۶۹۰) اب علی: ۱۵ (۶۹۱) اب علی:

ہو گا خذ (جریدہ) انھیں اور ان کے سر پر مار کر فرمایا ”واللہ میں نہیں سمجھتا کہ تم نے اس بات سے اللہ کو راضی کرنے کا ارادہ کیا ہو۔ تم نے صرف میرا تقرب حاصل کرنا چاہا ہے خدا تمہارا بھلا کرے۔ میں نہیں سمجھتا کہ تم میں کوئی خیر ہے۔ کیا تم جانتے ہو کہ میری اور ان کی (رعیا) کی کیا مثال ہے؟“ انہوں نے عرض کیا ”آپ کی ان کی کیا مثال ہے؟“ فرمایا ”اس کی مثال ایک جماعت کی ہے جس نے سفر کیا اور اپنے اخراجات اپنی ہی قوم کے کسی شخص کے سپرد کر دیئے اور اس سے کہہ دیا کہ ہم پر خرچ کرنا۔ کیا اس کیلئے یہ حلال ہے کہ اس میں سے اپنے لئے کچھ کرے؟“ انہوں نے کہا کہ ”امیر المؤمنین نہیں۔“ فرمایا ”میری اور ان کی (رعیا) ایسی ہی مثال ہے (۱)۔“ حضرت سلمانؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ ان سے پوچھا کہ ”کیا میں بادشاہ ہوں یا حلیف؟“ انہوں نے عرض کیا ”اگر آپ نے مسلمانوں کی زمین سے ایک درہم یا اس سے کم و بیش حاصل کر کے خلاف حق خرچ کر دیا تو آپ خلیفہ نہیں بادشاہ ہیں۔“ یہ سن کر حضرت عمرؓ عار و حق نے عبرت حاصل کی (آنسو جاری ہو گئے) (۲)۔ ایک مرتبہ ایک محفل میں فرمایا کہ ”واللہ مجھے معلوم نہیں کہ میں خلیفہ ہوں یا بادشاہ؟ اگر میں بادشاہ ہوں تو یہ بہت بڑا بوجھ ہے۔“ (حاضرین میں سے) کسی نے عرض کیا ”امیر المؤمنین ان دونوں میں تو بہت بڑا فرق ہے۔“ پوچھا ”وہ کیا؟“ اس نے جواب دیا ”خلیفہ بغیر حق کے نہ تو کچھ دیتا ہے اور نہ ہی خلافت حق خرچ کرتا ہے۔ آپ تو بھلا اللہ ایسے ہی ہیں جبکہ بادشاہ ظلم و زبردستی کرتا ہے جہاں سے چاہتا ہے لیتا ہے جسے چاہتا ہے دے دیتا ہے۔“ یہ سن کر حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے (۳)۔

آپ کا پورا عہد مبارک خلافت و ملکیت کے اس بنیادی فرق کی واضح تصویر نظر آتا ہے۔ آپ نے نہ تو کبھی خود خلاف حق مال حاصل کیا اور نہ ہی رشتہ داروں اور عزیزوں کو ایسا کرنے دیدیے۔ محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ آپ کے والد آپ کے پاس آئے اور انہوں نے چاہا کہ مجھے کچھ بیت المال میں سے دے دیں۔ آپ نے جھڑک دیا اور کہا ”کیا آپ چاہتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ کے نزدیک میں خیانت کنندہ بادشاہوں میں شمار ہوں۔“ پھر آپ نے ان کو اپنے مال سے دس ہزار درہم عطا کئے (۴)۔ حضرت حسنؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس کچھ مال غنیمت آیا اس کی خبر آپ کی صاحبزادی ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ہوئی۔ وہ تشریف لائیں اور کہنے لگیں ”امیر المؤمنین اس مال پر آپ کے اقرباء کا بھی حق ہے اور اللہ تعالیٰ نے دوی القربی سے اچھا سوک کرنے کا حکم دیا ہے۔“ جواب دیا ”بہشتی میرے اقرباء کا حق تو میرے ذاتی مال میں ہے یہ تو مسلمانوں کا مال غنیمت ہے۔ کیا خوب تم نے اپنے باپ کو تو تباہ کرنا چاہا اور اقرباء کی بھلائی چاہی (۵)۔“ آپ بیت المال کو تمام مسلمانوں کی امانت سمجھتے تھے اس لئے اسے کبھی اپنی ذاتی خواہش و مفاد پر صرف نہیں کرتے تھے۔ ہر معاملے میں مفاد عامہ اور عوام کی خواہش و مرضی کو اصل اہمیت دیتے تھے۔ اگر کبھی ذاتی تصرف کی ضرورت پیش آتی تو معروف طریقے پر عوام سے اجازت لے کر بقدر ضرورت استعمال کرتے تھے۔ روایت میں آتا ہے کہ ایک روز عمرؓ نکل کر منبر کے پاس آئے وہ کچھ بیمار تھے۔ ان سے شہد کی تعریف کی گئی (کہ اس مرض میں مفید ہے) اور بیت المال میں ایک ٹکڑا (وزن شہد) ہے۔ انہوں نے کہا کہ ”اگر تم لوگ مجھے اس کی اجازت دو (تو خیر) اور نہ وہ مجھ پر حرام ہے۔ لوگوں نے انہیں اس کی اجازت دی (۶)۔“ معاذ اس قدر کم لیتے تھے کہ اس میں گھبراہٹ کی کفالت مشکل ہو جاتی تھی اور پھر ہنگامی اور اتفاقی ضروریات کیلئے قرض لینے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ چنانچہ عمران سے مروی ہے کہ عمرؓ کو جب ضرورت ہوتی تو وہ محافظہ بیت المال کے پاس آتے اور اس سے قرض لے لیتے۔ اکثر تنگی ہوتی محافظہ بیت المال ان کے پاس آکر تقاضا کرتا اور ان کے ساتھ ہو لیتا تو وہ اس سے حیلہ کرتے (کہ فلاں وقت دوں گا) اور اکثر ان کی تنخواہ نکلتی تو وہ اسے لوٹا کر دیتے تھے (۷)۔

(۱) سعد ۳، ۲۸ (۲) سعد ۳، ۶، ۳ عبید اللہ ۲۱۱، ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۹، ۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۴، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۱۰۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱، ۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱، ۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱، ۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱، ۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱، ۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱، ۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱، ۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱، ۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱، ۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱، ۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱، ۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱، ۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱، ۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱، ۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱، ۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱، ۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱، ۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱، ۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴

یہ قرص مھس ذاتی ضروریات کیلئے ہوتا تھا ان کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ اس کی نوبت نہ آئے۔ اس لئے وہ کچھ نہ کچھ کاروبار کا سلسلہ بھی جاری رکھتے تھے تاکہ زیادہ سے زیادہ اپنے وسائل و آمدنی پر انحصار کر سکیں۔ کاروباری معاملات کیلئے اگر سرمائے کی ضرورت پڑتی تو کبھی بیت المال سے قرض نہیں لیتے تھے۔ اس کیلئے ذاتی تعلقات کو استعمال کرتے تھے۔ عزیمت پر مبنی اس طرز عمل میں کیا حکمت تھی؟ اس کا اندازہ اس روایت سے لگایا جاسکتا ہے۔ ہر عیم سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق تجارت کرتے تھے حالانکہ وہ خلیفہ تھے۔ انہوں نے شام کیلئے ایک قافلہ تیار کیا اور ایک صحابی کو حضرت عبدالرحمن بن عوف کے پاس بھیجا اور چار ہزار درہم بطور قرض مانگے۔ انہوں نے قاصد سے کہا کہ ”ابن سے کہو کہ وہ بیت المال سے لے لیں پھر اسے لدا کر دیں۔“ قاصد آپ کے پاس آیا اور ان کے جواب کی خبر دی تو یہ آپ کو سخت ناگوار گزرا۔ پھر آپ خود جا کر ان سے ملے اور کہا کہ ”تم کہتے ہو کہ بیت المال سے لے لیں۔ اگر میں مال کے واپس آنے سے پہلے مر جاؤں تو تم لوگ کہو گے کہ اسے میرا مومنین نے لے لیا ہے اس لئے وہ رقم معاف کر دو اور قیامت کے روز اس کا مجھ سے مواخذہ ہو ہر گز نہیں! میں چاہتا ہوں ہوں کہ تمہارے جیسے حریص اور لاپٹی سے لوں کہ اگر میں مر جاؤں تو اسے میری میراث سے لے لے (۱)۔“

خلافت کی ذمہ داریاں جتنی زیادہ بڑھتی گئی ذاتی کاروبار اتنی بڑھتا گیا اور پھر آپ کی معمولی تنخواہ گزارے کی کفالت نہیں کرتی تھی اس لئے تنخواہ بڑھانے کے بجائے بیت المال سے حسب ضرورت بطور قرض رقم حاصل کر لیتے تھے۔ جب وفات کا وقت قریب آیا تو سب سے زیادہ آپ کو اسی کی فکر تھی اس لئے اس کی ادائیگی کیلئے بیٹے کو خصوصی طور پر وصیت فرمائی۔ عثمان بن عروہ سے مروی ہے کہ عمر بن الخطاب نے بیت المال سے اسی ہزار درہم قرض لئے تھے۔ عبداللہ بن عمرؓ کو بلایا اور فرمایا کہ ”اس قرض میں عمرؓ کے اسواہل بیچ ڈالو پورا ہو جائے تو خیر ورنہ یعنی عدا سے مانگو۔ اس کے بعد بھی سبکیں نہ ہو تو قریش سے مانگو ورنہ ان کے آگے نہ بڑھو۔“ عبدالرحمنؓ بن عوف نے کہا کہ ”آپ بیت المال سے کیوں نہیں قرض لے لیتے کہ اسے لدا کر دیں۔“ فرمایا ”معاذ اللہ اتم اور تمہارے ساتھ میرے بعد کہو کہ ہم نے تو اپنا حصہ عمرؓ کیلئے چھوڑ دیا تم تو مجھے اس سے تسلی دے دو مگر اس کا خمیازہ میرے پیچھے ہو اور میں ایسے امر میں پڑ جاؤں کہ بغیر اس سے رہائی کے نجات نہ ملے۔“ پھر عبداللہ بن عمرؓ سے فرمایا کہ ”تم اس کے دمہ دار ہو جاؤ“ وہ دمہ دار ہو گئے۔ عمرؓ اس وقت تک دفن نہیں کئے گئے جب تک کہ ابن عمرؓ نے اس کے متعلق اہل شوریٰ اور متعدد انصار کو اپنے اوپر گواہ نہ بنالیا۔ تدفین کو ایک جمعہ بھی نہ گزرا تھا کہ ابن عمرؓ عثمان بن عفان کے پاس مال لے آئے اور انہوں نے اسے مال کی سبکدوشی پر گواہوں کو حاضر کیا (۲)۔ اولاد انسان کی کمزوری ہوتی ہے ان کو تکلیف و ضرورت میں مبتلا دیکھ کر بسا اوقات آدمی اختیارات میں تجویزات پر آمادہ ہو جاتا ہے لیکن فاروق اعظمؓ اس کے برعکس اپنی اولاد پر عام دگوں سے زیادہ سختی کرتے تھے تاکہ آخرت میں جواب دہی سے بچ سکیں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک دہلی لڑکی کو دیکھا کہ کودتی جا رہی ہے۔ پوچھا ”یہ لڑکی کس کی ہے؟“ عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ ”یہ آپ کی لڑکیوں میں سے ایک کی ہے۔“ پوچھا ”یہ میری کون سی لڑکی ہے؟“ عبداللہ نے کہا کہ ”میری بیٹی۔“ فرمایا ”اس کا یہ حال کیونکر ہوا؟“ عرض کیا ”آپ کے عمل سے کہ آپ اسے غفلت نہیں دیتے۔“ انہوں نے کہا کہ ”واللہ! میں تمہارے بچوں کی وجہ سے یہ امید نہ دلاؤں گا کہ میں تمہارے بچوں پر وسعت کروں گا (۳)۔“

ایک اور روایت میں آپ کے بیٹے حضرت عاصمؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے میرے پاس یرغاکو بھیجا اور مجھے بلوایا۔ میں ان کے پاس آیا تو وہ مجھے یہ ظہر کیلئے اپنی چٹائی پر بٹھائے۔ انہوں نے کہا کہ میں اس مال کو اس کا دلی بیٹے کے قبل بھی بغیر حق کے حلال نہیں سمجھتا تھا اور جب سے اس کا دلی ہوا ہوں بالکل سے اپنے اوپر حرام

بھی نہیں سمجھتا ہوں۔" میری امانت خود کر آئی، میں نے تمہیں اللہ کے مال سے ایک مہینے تک نفقہ دیا ہے اور میں تمہیں زیادہ دینے والا نہیں ہوں، لیکن میں تمہاری مدد اپنے العبد کے (باغ کے) پھل سے کروں گا اسے کاٹ بولور بچاؤ۔ تم اپنی قوم کے تاجروں میں سے کسی کے پاس کھڑے ہو جاؤ جب وہ کوئی چیز بغرض تجارت خریدے تو تم بھی اس کے شریک ہو جاؤ اور نفع اپنے اور اپنے اہل و عیال کیلئے خرچ کرو<sup>(۱)</sup>۔" آپ کے نزدیک امانت و دیانت میں یہ بات شامل تھی کہ سرکاری اموال و سناک کی بھرپور نگہداشت و حفاظت کی جائے اور اس سلسلے میں ہر طرح کے تقاضے پورے کئے جائیں۔ یہ کام محض، تھوڑے پر چھوڑنے کے بجائے خود بڑھ کر اس کا عملی ثبوت فراہم کیا جائے کیونکہ ہر چیز کی آخری ذمہ داری بہر حال خلیفہ پر عائد ہوتی ہے۔ ابو سلیمان فرماتے ہیں "جب میں مدینہ آیا تو ایک گھر میں داخل ہوا وہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک سیاح تہمد باندھے ہوئے صدقہ اور خیرات کے اونٹوں کو روغنِ قطران مل رہے تھے<sup>(۲)</sup>۔" ایک اور روایت میں حضرت عثمان بن عفان کے ایک غلام بیان کرتے ہیں "میں حضرت عثمان کے پیچھے سوڑھا آٹکھ وہ صدقات کے ایک بازو تھوڑا ہوں ایک شخص تہمد باندھے ہوئے اور سر پر بھی ایک چادر باندھے ہوئے تھے وہ اونٹوں کو نکال رہے تھے جو وہاں داخل ہوئے تھے۔" حضرت عثمان نے فرمایا "تم کس کو دیکھ رہے ہو؟" جب ہم وہاں پہنچے تو وہ حضرت عمر بن الخطاب تھے۔ حضرت عثمان نے فرمایا "قرآن کریم کے معیار کے مطابق (قوی اور امین آپ ہی ہیں)<sup>(۳)</sup>۔"

ابو بکر عسی بیان کرتے ہیں "میں حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت علی بن ابی طالب کے ساتھ صدقات (کے چالروں) کے بازو میں گیا۔ اس وقت حضرت عثمانؓ سایہ میں بیٹھے ہوئے لکھ رہے تھے اور حضرت عمرؓ دھوپ میں کھڑے ہوئے جبکہ سخت گرمی پڑ رہی تھی انہیں کچھ لکھوا رہے تھے۔ ان کے بدن پر دو سیاہ چادریں تھیں ایک چادر کو تہمد کی طرح باندھے ہوئے تھے اور دوسری چادر سے سر کو پٹ رکھا تھا۔ آپ صدقات کے اونٹ گن رہے تھے اور ان کے رنگ اور دنت کے بارے میں لکھوا رہے تھے۔ حضرت علیؓ نے (حضرت عثمانؓ سے فرمایا "حضرت شعیب کی بیٹی نے کتاب اللہ سے یہ کہا تھا "یابیت استجارہ ان حیور من استاجرت القوی الامیس"<sup>(۴)</sup>۔" (ابو جان!، نہیں (حضرت موسیٰ) کو اجرت پر مارم رکھ لو کیونکہ جس سے تم اجرت پر کام لوں میں سے وہ بہتر ہے جو قوی اور امین (امانت دار) ہو۔" پھر انہوں نے حضرت عمرؓ کی طرف اپنے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا "ایسے قوی اور امین آپ ہی ہیں)<sup>(۵)</sup>۔"

حضرت عمر فاروقؓ کی بطور حکمران امانت و دیانت کی یہ تھیں چند مثالیں جن کے بڑے گہرے اثرات نہ صرف عمال و عمارت پر پڑے بلکہ عوام، مناس بھی آپ کی بیروی میں امانت و دیانت کے پیکر بن گئے اور پورا معاشرہ مدح و تحکام کی شہر ہوں پر گامزن رہا۔ ان کی زندگی میں کبھی اجتماعی طور پر اس میں کوئی ضعف پیدا نہ ہو سکا۔ قیسؓ بھی بیان کرتے ہیں کہ فتح ایران کے موقع پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جب کسریٰ کی دستار نکلا اور دیگر سارو سامان آیا تو آپ نے فرمایا "وہ لوگ جہوں سے یہ چیزیں بحفاظت بھیجی ہیں نہایت ہی امانتدار ہیں۔" حضرت علیؓ نے فرمایا "چونکہ آپ خود عفت شعار اور پاکیزہ ہیں اس لئے آپ کی رعایا بھی پاک، دمس اور امانتدار ہے"<sup>(۶)</sup>۔

#### ۴۔ خود احتسابی:

تمام ذاتی اوصاف میں سے سب سے نمایاں وصف جو کسی حکمران کو دنیا و آخرت میں کامیابی و کامرانی سے ممتاز کر سکتا ہے وہ خود احتسابی ہے۔ اگر ایک آدمی اپنے خیالات و افکار، اندرونی جذبات و احساسات، اطوار و عادات اور فرائض و معاملات کا خود جائزہ لیتا رہے اور اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں پر خود ہی گرفت کرے اور ان کی اصلاح کیلئے خود ہی کوشش کرے تو وہ کبھی مایوسی و نامرادی کے گڑھوں میں نہیں گر سکتا۔ وہ کبھی خدا اور خلق خدا کے سامنے ذلیل و رسوا نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہ

(۱) صحیح ابوداؤد: ۲۰۶۶ (۲) صحیح ابوداؤد: ۲۰۶۶ (۳) طبری: ۱/۲۰۶ (۴) طبری: ۱/۲۰۶ (۵) طبری: ۱/۲۰۶ (۶) طبری: ۱/۲۰۶





”پ کی خاطر چھوڑنا ہوں۔“ آپ نے فرمایا ”یوں نہیں یا تو اسے اللہ کی خاطر چھوڑنا میری خاطر تاکہ مجھے معلوم ہو جائے۔“ آدمی بولا ”جائے میں نے معاملے کو اللہ کی خاطر ترک کر دیا۔“ اس کے بعد آپ گھر لوٹ آئے اور آتے ہی دو رکعت نماز شکرانہ پڑھ کر بیٹھ کر فرمایا ”خطاب کے بیٹے! تو بڑے کم درجے کا مالک تھا۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے رفعت دی، تو گمراہ تھا اللہ سے تجھے ہدایت دی۔ تو خوار تھا اللہ نے تجھے معزز و کرم بنایا اور اس کے بعد تجھے مسلمانوں پر مسلط کر دیا۔ اب اگر کوئی تجھ سے آکر امداد کا طلب گار ہو تا ہے تو تو اسے مارتا ہے۔ کل جب تو اپنے رب کے حضور جائے گا تو اس کا کیا جواب دے گا۔“ راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ دیر تک اسی طرح اپنی ملامت کرتے رہے یہاں تک کہ ہم نے محسوس کیا کہ وہ دنیا کے سب سے بہترین شخص ہیں<sup>(۱)</sup>۔

اس روایت سے آپ کی خود احتسابی کے عظیم جذبہ کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح کے ایک اور واقعے میں لیا س بن مسدد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں ایک دن بازار سے گزر رہا تھا کہ اتنے میں حضرت عمرؓ اپنے ہاتھ میں دروہ لئے اپنی کسی ضرورت کے سلسلے میں ادھر آٹکے۔ انہوں نے اپنے دروہ سے ہلکی سی ضرب لگائی جو میرے کپڑے کے کنارے پر لگی اور فرمایا ”اے مسدد یوں لوگوں کا راستہ روک کر نہ چلو۔“ میں راستے سے ہٹ گیا۔ انہوں نے مجھے اور کچھ نہ کہا یہاں تک کہ اگلے سال پھر اسی بازار میں ہمارا آمنا سامنا ہوا مجھے دیکھتے ہی فرمایا ”مسدد کیا اس سال حج کا ارادہ ہے؟“ میں نے عرض کیا ”ہاں میرا مومنین!“ انہوں نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اسی طرح اپنے گھر میں لے گئے۔ وہاں جا کر میرے ہاتھ میں ایک کیسہ تھا دیا جس میں چھ سو درہم تھے۔ پھر فرمایا ”یہ درہم نے لو اور انہیں کام میں لاؤ۔ یہ بدلہ ہے اس دروہ کا جو میں نے گزشتہ سال آپ کو مارا تھا۔“ میں نے عرض کیا ”امیر المومنین! میں تو اسے بھول چکا تھا اب آپ کے یاد دلانے پر یاد آیا۔“ فرمایا ”خدا کی قسم میں تو اسے نہیں بھولا تھا“<sup>(۲)</sup>۔ ایک مرتبہ کے کے راستے میں کسی درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔ دھوپ کی شدت کی وجہ سے اپنے اوپر کپڑا ڈال رکھا تھا۔ کھڑے ہوئے تو ایک شخص نے کہا ”امیر المومنین! کبھی ہمارے بھی کام آئے ہمارے دروہ تو اسے ایک کام انکا ہوا ہے۔“ آپ نے پوچھا ”آخر کس نے آپ کا کام بگاڑا ہے؟“ اس نے جواب دیا ”آپ نے“ حضرت عمرؓ کو یہ بات ناگوار گزری اور اسے ایک دروہ رسید کیا۔ وہ بولا ”آپ نے فیصلہ کرنے میں بڑی عجلت برتی ہے، قبل اس کے کہ صحیح جائزہ لیتے۔ اگر میں مظلوم ہوں تو آپ نے میرا حق مجھے نہیں پلایا اور اگر ظالم ہوں تو معاملہ صاف ہو گیا۔“ حضرت عمرؓ نے یہ سنتے ہی اس کا دامن تھام لیا اور اسے اپنا دروہ دیتے ہوئے کہا کہ ”اپنا بدلہ لے لو۔“ اس نے جواب دیا ”میں ایسا نہیں کروں گا۔“ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”واللہ! تمہیں ایسا کرنا پڑے گا ورنہ میں اسی طرح عمل کروں گا جیسے ایک منصف اپنے حق کے بارے کرتا ہے۔“ وہ آدمی بولا ”میں نے معاف کر دیا۔“ حضرت عمرؓ بار بار اصرار کرتے رہے کہ ”بہتر ہے کہ آج ہی اپنا بدلہ چکا لو اور اگر تم سے ہو سکے تو مجھے اتنا دے کہ میں روپڑوں“<sup>(۳)</sup>۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ چند مسافر تجارت مدینے آئے اور عید گلوں میں ٹھہرے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف سے کہا کہ ”کیا تم چاہتے ہو کہ ہم رات بھر چوری سے ان کی حفاظت کریں؟“ چنانچہ دونوں رات بھر حفاظت کرتے رہے اور نمازیں پڑھتے رہے جو اللہ نے ان کیلئے فرص کی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے اس دوران بچے کے رونے کی آواز سنی تو وہاں سے چلے گئے۔ اس کی ماں سے کہا کہ ”اللہ سے ڈرو اور بچے کے ساتھ بھلائی کرو۔“ پھر واپس اپنے مقام پر آگئے۔ دوبارہ رونے کی آواز سنی تو اس کے پاس گئے اور اسی طرح کہہ کر واپس آگئے۔ آخر شب ہوئی تو پھر رونے کی آواز سنی اس کی ماں کے پاس آکر کہا ”تیرا بھلا ہو، میں تجھے بری ماں سمجھتا ہوں۔ کیا بات ہے؟ میں دیکھتا ہوں کہ تیرے لڑکے کورات سے قمار نہیں۔“ اس نے جواب دیا ”اے بدو! خدا تم مجھے رات سے پریشان کر رہے ہو، میں اس کا دروہ چھڑانا چاہتی ہوں تو انکار کرتا ہے۔“ فرمایا ”کیوں (چھڑانا چاہتی ہو؟)“ اس نے کہا کہ ”عمرؓ صرف دو دروہ چھوڑنے والوں

کا حصہ (ذلیفہ) مقرر کرتے ہیں۔ ”پوچھا ”اس کی کیا عمر ہے؟“ اس نے جواب دیا۔ ”اسے اتنے مہینے۔“ فرمایا ”اللہ تمہارا بھلا کرے اس کے ساتھ جلدی نہ کر۔“ انہوں نے فجر کی نماز اس حالت میں پڑھی کہ شدت گریہ سے لوگ ان کی قرأت کو سمجھ نہ سکتے تھے۔ جب سلام پھیرا تو کہا ”عز کی خرابی ہے اس نے مسلمانوں کے کتے بچے قتل کر دیے۔“ پھر انہوں نے منادی کرنے والے کو حکم دیا تو اس نے اعلان کیا کہ ”دیکھو خبردار اپنے بچوں کے ساتھ دودھ چھڑانے میں جلدی نہ کرو۔ ہم اسلام میں پیدا ہونے والے ہر بچے کی عطا مقرر کرتے ہیں۔“ اس کے متعلق انہوں نے ہر طرف یہ فرمان بھیجے کہ ”ہم اسلام میں پیدا ہونے والے ہر بچے کی عطا مقرر کرتے ہیں (۱)۔“

حضرت عمر فاروقؓ نے ذاتی کردار کا جو نمونہ پیش کیا وہ ایک سمجھدار مسلمان حکمران کا بہترین ماڈل ہے۔ پوری انسانی تاریخ انبیاء کرام کے علاوہ کسی ایسے ہے غرض ’مقی‘ احساس ذمہ داری رکھنے والے ’لہانت و دیانت‘ کے پیکر اور خود احتسابی عادل اور عوامی ہمدردی کا جذبہ رکھنے والے جامع الصفات حکمران کیسے ایک جملگاتی ہوئی قدیل کی حیثیت رکھتی ہے۔ ملت اسلامیہ کے ایک حکمران کی ذاتی زندگی ’فہم و سوچ اور احساس و جذبات کو اپنے کاہنیکہ ایک پیمانہ بھی ہے۔ ہماری تاریخ کا یہ ایک ایسا درخشندہ باب ہے کہ کوئی مسلمان اس کو فراموش نہیں کر سکتا۔ ہمارے اجتماعی ضمیر اور لاشعور میں یہ معیار موجود ہے جس کے ذریعے ہم اپنے دور کے سیاسی رہنماؤں اور مقتدر لوگوں کو جانچتے رہتے ہیں۔ جب وہ ہماری توقعات اور ہمارے معیار سے بالکل برعکس نظر آتے ہیں تو ہمارے دلوں میں ان کے خلاف نفرت و بغاوت جنم جاتی ہے اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری کے جذبات ٹھنڈے ہو جاتے ہیں اور ہمارا پورا سیاسی نظام ’اجتماعی ڈھانچہ اور پورا معاشرہ انتشار کا شکار رہتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمان حکمرانوں اور رعایا کی توقعات کے مابین اس بعد کو ختم کیا جائے۔ اگر کسی ملک کے مقتدر طبقات اپنی ذاتی زندگی اور طرز عمل میں فاروق اعظمؓ کی طرح تبدیلی پیدا کر لیں تو وہ معاشرہ دنیا کے اندر جنت کا نمونہ بن جائے۔

## ۵۔۔۔۔۔ سیاسی اصول

### ۱۔ آزادی تنقید و رائے:

عہد فاروقی میں عوام کو تنقید و رائے کی مکمل آزادی تھی جس کا دائرہ آپ کی ذات سے لے کر حکومت کے تمام معاملات پر حاوی تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ دور جدید کی اصطلاح کے مطابق جمہوری مزاج رکھتے تھے۔ اس لئے جمہوری سوچ اور رائے عام کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ ان کے نزدیک عوام کو ہر سیاسی معاملے میں رائے رکھنے اور اسے با کم دکانست حکمرانوں تک پہنچانے ذیل دینے اور دلیل طلب کرنے ان کی غلطیوں اور کوتاہیوں پر انہیں نوکے اور انکا احتساب کرنے اور کسی مسئلے میں ان سے جواب طلب کرنے ان کی ذات اور پالیسیوں کے بارے میں جواب دہی کرنے اس کا جوڑا مانتے اور اس پر تنقید کرے اور اس مسئلے میں مشورے دینے کا پورا پورا حق رکھتے ہیں۔ کتب و سنت کے دائرے میں رہتے ہوئے ہر شہری کو ہر طرح کی آزادی حاصل ہے۔ ہر آدمی کو اپنے بنیادی حقوق طلب کرنے اور ان کی حفاظت کا تقاضا کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ یہاں تک کہ عوام کو خلیفہ کے تقرر کا بھی اختیار حاصل ہے اور محال و گورروں کے بارے میں شکایت کرنے اور انہیں معزول کرانے کا بھی استحقاق رکھتے ہیں۔ خلیفہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ عام لوگوں کی صحیح رائے کا احترام کرے۔ خلق خدا کی آواز پر کان دھرے اور ہیکار پر بیک کرے۔ آپ کی طبیعت کی شدت و سختی ابھی آپ کے جمہوری مزاج جمہوریت پسندی اور جمہوری طرز عمل پر غالب نہیں آئی اور نہ ہی کبھی اس نے "مریت کا روپ دھارا۔" آپ نے کبھی یہ کوشش نہیں کی کہ لوگوں کے منہ بند کئے جائیں اور ان پر اپنی پسند و ناپسند اور ذاتی رائے کو مسلط کر کے من مانی کا سکہ رواں کیا جائے۔ چاہے عوامی مجلس ہو یا شورائی پٹی ذاتی رائے کو آپ نے ہمیشہ عام آدمی کی طرح رکھا اور جوابات حق نظر آئی اسی کو اختیار کیا اور پالیسیوں کی بنیاد بنایا۔ آپ کی شدت اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی سمید کہیں ہوتی تھی اپنی ذاتی رائے کے تسلط کیلئے نہیں۔ آپ کے جمہوری مزاج اور فکر و عمل کی متعدد مثالیں کتب و تاریخ و سیر میں محفوظ ہیں جن سے مذکورہ بالا تمام پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔ ان میں سے چند حسب ذیل ہیں۔ سفیان بن عیینہ کے بقول حضرت مہربن خطاب فرمایا کرتے تھے کہ مجھے سب سے زیادہ محبوب وہ شخص ہے جو میرے عیب مجھ پر ظاہر کرتا رہے<sup>(۱)</sup>۔ یہ وہ بات ہے جو کبھی کوئی آمر اور خود سر حکمران پسند نہیں کرتا۔ اسے تو صرف خوشامد اور اپنی تعریف اور اپنی حکمت و دانشمندی کے گن گانے والے اچھے لگتے ہیں لیکن آپ لوگوں کو یہ حق دیتے تھے کہ جو محسوسات ہیں ان کا کھل کر ظہار کریں جس بات کو برا سمجھیں اس پر نوکیں۔ ایک مرتبہ ایک آدمی نے کہا "خضر خدا سے ڈر۔" اس نے کئی مرتبہ یہ بات دہرائی تو کسی نے اسے ٹوکا کہ "چپ رہ تو نے امیر مومنین کو بہت کچھ کہہ سنایا ہے۔" حضرت عمر نے فرمایا "اے مت رو کو یہ لوگ اگر ہم سے ایسی باتیں کہنا چھوڑ دیں تو پھر اس کا فائدہ ہی کیا اور اگر ہم اس کی باتوں کو قبول نہ کریں تو ہمیں بھلائی سے عاری سمجھنا چاہئے اور بعید نہیں کہ یہ بات اپنے کہنے والے ہی پر چسپاں ہو جائے"<sup>(۲)</sup>۔

آپ کے عہد مبارک میں ہر شخص کو آپ پر تنقید کرنے کی مکمل آزادی حاصل تھی۔ لوگ اپنے اس بنیادی حق کو با خوف و خطر استعمال کرتے تھے۔ آپ نے نہ تو کبھی ان کا منہ بند کرنے کی کوشش کی اور نہ ہی کبھی برہمنیا یا بدعت منقول طریقے سے جواب دینا اپنی ذمہ داری سمجھا۔ اس کی ایک مثال وہ مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے پاس کہیں سے کچھ کپڑے بھیجے گئے تو آپ نے انہیں لوگوں میں تقسیم کر دیا ہر کسی کے حصے میں ایک ایک چار آئی۔ پھر ایک دن (جمعہ کے خطبہ کیلئے) منبر پر کھڑے ہوئے تو آپ نے دو چادر دوسے بٹا ہوا ایک کرتہ پہنا ہوا تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا "لوگو امیری باتیں غور سے سنو۔" اس پر حضرت سلمان

ہو۔ ”نہیں ہم نہیں سنیں گے۔“ حضرت عمرؓ نے پوچھا ”اے ابو عبد اللہ! کیا بات ہے؟“ انہوں نے جواب دیا ”آپ نے ہمیں تو ایک ایک چادر دی ہے، لیکن آپ کے پاس پورا کرتہ ہے۔“ آپ نے فرمایا ”اے ابو عبد اللہ! جلدی نہ کرو پھر آپ نے تو زدی ”عبد اللہ“ لیکن کسی نے اس کا جواب نہ دیا۔“ پھر آپ نے آواز دی ”اے ابو عبد اللہ بن عمرؓ۔“ اس پر عبد اللہ بن عمرؓ بولے ”امیر المؤمنین! میں حاضر ہوں۔“ آپ نے فرمایا ”میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا یہ تمہارا کپڑا نہیں ہے جو میں نے پہنا ہوا ہے؟“ انہوں نے جواب دیا ”بخدا ایسا ہی ہے۔“ اس پر حضرت سلمانؓ نے کہا ”ہاں اب آپ کہنے تو ہم سنتے ہیں (۱)۔“ ”مرد تو مرد عورتیں بھی اپنا حق تنقید کھل کر استعمال کرتی تھیں، چنانچہ جب آپ نے ایک خوبصورت نوجوان نصر بن حجاج کو عورتوں سے تعلقات قائم کرنے کے جرم میں شہر بدر کر کے بصرہ بھیج دیا، جب ایک روز تک اسے وہاں رہنا پڑا تو ایک دن اس کی ماں لانا اور اقامت کے درمیان وقفے میں ان کے راستے میں کھڑی ہو گئی۔“ تھوڑی دیر میں حضرت عمرؓ اپنا مخصوص درہ لئے ہوئے برآمد ہوئے ”توبولی“ ”امیر المؤمنین! قیامت کے دن میں اور تم اللہ کے روبرو کھڑے ہوں گے اور اللہ تم سے محاسبہ کرے گا۔ یہ کہہ کر عبد اللہ اور عاصمؓ تو تمہارے پہلو میں رہیں اور میرا بیٹا اس قدر دور کر دیا جائے کہ میرے اور اس کے درمیان بے شمار پہاڑ اور میدان حاصل ہو جائیں؟“ حضرت عمرؓ نے جواب دیا ”عبد اللہ! اور عاصمؓ عصمتوں پر ڈاکے نہیں ڈالتے پھر تے (۲)۔“

معاملہ آپ کی ذات کا ہو یا سرکاری پالیسی کا لوگ کھل کر اس پر اپنی رائے کا اظہار کرتے تھے، آپ کا مقام و مرتبہ اور رب و بدبہ، کبھی سدا رہ نہیں بنتا تھا۔ آپ رائے عامہ کو بہت بھی دیتے تھے اور اپنے آپ کو عوام کے سامنے جواہرہ بھی سمجھتے تھے۔ آپ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو جب شام سے معزول کیا تو عوام نے اس کا برا منایا۔ چنانچہ جب آپ وہاں کے دورے پر گئے تو جابیہ میں مجمع عام سے خطاب فرمایا دیگر امور کے علاوہ اس واقعے کا بطور خاص اس طرح ذکر فرمایا ”ابن خالد بن ولیدؓ کے سلسلے میں تم لوگوں سے معذرت چاہوں گا میں نے انہیں حکم دیا تھا کہ تمام ہل و دولت کمزور اور بے سہارہ جریں کیلئے محفوظ رکھیں، لیکن انہوں نے یہ مال قوی اور دی مرتبہ اور فصیح ابیان اشخاص پر صرف کر دیا۔ یہی سبب تھا کہ میں نے ان سے لے کر حضرت ابو عبیدہؓ کو امیر بنادیا۔“ آپ کی اس وضاحت کے باوجود کئی لوگوں کو پورا اطمینان نہ ہوا۔ انہوں نے کھل کر اپنے جذبات کا اظہار کیا۔ حضرت حفصؓ بن العاصؓ واسفہ اور کہا ”اے عمرؓ! یہ کیسی معذرت ہے؟ تم نے ایک ایسے سردار کو معزول کیا ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے سرداری سونپی تھی۔ تم نے ایک ایسی تلوار کو نیام میں کر دیا ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے بے نیام کیا تھا، تم نے ایک ایسے جھنڈے کو سرنگوں کر دیا ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے لہرایا تھا، تم نے قرابت کا کوئی خیال نہ کیا اور اپنے ابن عم سے حسد برتا۔“ حضرت عمرؓ نے اس کے جواب میں صرف اتنا کہا ”تم ان کے قرہبی عزیز ہو اور کم عمر ہو تمہیں اپنے چچیرے بھائی خالدؓ کے معاملے میں غالب طیش آگیا ہے (۳)۔“

آپ اپنی پالیسیوں کے بارے میں تمام اعتراضات و تجاویز کو نہایت کھلے دل و دماغ سے سنتے تھے اور ان کا خیر مقدم کرتے تھے، کیونکہ آپ یہ عوام کا حق بھی سمجھتے تھے اور فرض بھی کہ وہ اپنے جذبات و احساسات کا اظہار کریں اور صحیح و غلط پر کڑی نظر رکھیں۔ اس وجہ سے کہ اسلامی نظام سیاست و مملکت کی روح ہی یہی ہے اور اس میں بے پناہ حکمتیں پائی جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ عوام کی حکومتی معاملات میں شرکت کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ دوسرا یہ کہ معاملات کی اصلاح و بہتری کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ تیسرا یہ کہ حکومت کو اپنے اقدامات کا شرعی جواز ڈھونڈنے اور عوام کے سامنے اس کی وضاحت کرنے کا موقع مل جاتا ہے اور حکومت کے خلاف نفرت و مخالفت کا صحیح یا غلط لاواولوں ہی میں نہیں پکڑا رہتا۔ آپ کے عہد خلافت کے بیسیوں واقعات اس کا ثبوت ہیں ان میں سے ایک حسب دلیل ہے۔ عمران بن سوادؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے صبح کی نماز حضرت مرر رضی اللہ عنہ کے پیچھے پڑھی۔ آپ نے سورہ بھال اور ایک دوسری سورہ پڑھی۔ جب آپ لوٹے گئے

تو میں بھی آپ کے ساتھ کھڑ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا ”کیا کوئی ضرورت ہے؟“ میں نے کہا ”ہاں ایک ضرورت ہے۔“ آپ نے فرمایا ”ساتھ چلے آؤ۔“ چنانچہ میں آپ کے ساتھ گیا۔ جب آپ گھر میں داخل ہوئے تو آپ نے مجھے اندر آنے کی اجازت دی۔ آپ ایک ایسے تخت پر بیٹھے ہوئے تھے جس پر کچھ بچا ہوا نہیں تھا۔ میں نے کہا ”میں نصیحت کرے اور خیر خواہی کرے کیسے آیا ہوں۔“ آپ نے فرمایا ”صبح کا صبح شام خیر مقدم کیا جاتا ہے۔“ میں نے کہا ”مسلمان قوم کو آپ کی چار باتوں پر اعتراض ہے۔“ یہ سن کر آپ نے اپنے درے کا سراپا اپنی ٹھوڑی پر رکھ لیا اور نچلا حصہ اپنی ران پر رکھا پھر فرمایا ”ہاں بیوا کرو۔“ میں نے کہا ”لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے حج کے مہینوں میں عمرہ اور کرنے کی ممانعت کر دی ہے“ حالانکہ نہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا تھا اور نہ حضرت ابو بکرؓ نے ایسا کرنا حلال ہے۔“ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”یہ حلال ہے بشرطیکہ وہ حج کے مہینوں میں یہ سمجھ کر عمرہ اور نہ کریں کہ حج کے بجائے وہ کافی ہے“ حالانکہ حج اللہ کا اہم فریضہ ہے۔ اس معاملے میں درست طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔“

میں نے کہا ”یہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے عورتوں کے ساتھ متہ کرنے کو حرام قرار دیا ہے“ حالانکہ اللہ کی طرف سے اس کی اجازت تھی۔ ہم قبضہ کر کے متہ کیا کرتے تھے اور تین دن کے بعد (اس عورت کو) چھوڑ دیتے تھے۔“ آپ نے فرمایا ”رسول اللہ ﷺ نے اسے ضرورت کے زمانے میں حلال قرار دیا تھا پھر مومنین کی یہ ضرورت رفع ہو گئی تھی کیونکہ اس کے بعد میں نے کسی مسلمان کو نہیں دیکھا کہ اس نے اس (متہ) پر عمل کیا ہو اور نہ دوبارہ انہوں نے اس فعل کا اعادہ کیا۔ اب اگر ضرورت مند ہے تو وہ باقاعدہ نکاح کرے اور اگر تین دن بعد چھوڑنا چاہے تو طلاق دے کر چھوڑ دے اس معاملے میں بھی میری رائے درست ہے۔“ (تیسری بات) میں نے یہ کہی ”آپ لو ٹھنی کو آزاد قرار دیتے ہیں جبکہ اس کے کوئی بچہ پیدا ہو“ آپ اسے اس کے آقا کی مرضی کے بغیر آزاد قرار دیتے ہیں۔“ آپ نے فرمایا ”میں نے دو قسم کی حرمت و عزت کو مبادیہ ہے، امیر مقتصد خیر خواہی ہے، بہر حال میں اللہ سے معافی کا خواستگار ہوں۔“ میں نے کہا ”رعایا آپ کی سختی اور تشدد کی شکایت کرتی ہے۔“ اس بات پر آپ نے ورہ کو اٹھایا اور اس پر ہاتھ پھیرتے رہے پھر فرمایا ”میں حضرت محمد ﷺ کا زمیل (بھرا کا بھائی) ہوں (آپ کا اشارہ تھا کہ آپ غزوہ قرقرہ میں حضور ﷺ کے پیچھے بیٹھے تھے)۔“ پھر فرمایا ”خدا کی قسم! میں پیٹ بھر کر کھاتا ہوں اور سیراب ہو کر پیتا ہوں میں لوگوں کو دھمکتا بھی ہوں اور اپنی عزت کی مدافعت بھی کرتا ہوں۔ کبھی دو گوں کو ہاتھ سے بٹاتا ہوں، کبھی مارتا ہوں، کبھی عصا بھی نکالتا ہوں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں معذور سمجھا جاتا۔“ جب حضرت امیر معاویہؓ کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو انہوں نے فرمایا ”خدا کی قسم! حضرت عمرؓ اپنی رعایا سے بخوبی واقف تھے (۱)۔“

ذاتی حیثیت میں وہ عام آدمی کی طرح رہتے تھے۔ روزمرہ کے معاملات میں انہیں کوئی اضافی سہولیات یا مراعات حاصل نہیں تھیں یہاں تک کہ عام لوگ بھی بین دین اور رویہ میں انہیں کوئی خصوصی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ یہ محض سلامی انداز سیاست اور آزادی فکر و عمل ہی کا نتیجہ تھا۔ اس سلسلے میں تاریخ ہمارے سامنے ایک حیران کن واقعہ پیش کرتی ہے۔ صبح بن نبات کا بیان ہے کہ میں اور میرے والد (روود) (ایک مقام) سے چلے اور صبح ہوتے ہی مدینہ پہنچ گئے۔ صبح صادق کا وقت تھا لوگ نماز فجر ادا کر رہے تھے۔ جب لوگ فارغ ہوئے تو بازاروں میں اپنے اپنے دھندوں میں مصروف ہو گئے۔ منے میں ایک شخص پندرہ ہاتھوں میں لے لے ہمارے طرف بڑھا اور کہا ”اعراب! کیا اسے بچو گے۔“ آخر کار اس نے میرے والد کو اسی قیمت پر رضی کر لیا جو وہ چاہتا تھا یہ عمر بن الخطابؓ تھے۔ پھر وہ بار بار کا چکر لگاتے گئے اور لوگوں کو بین دین اور معاملات میں تقویٰ کی ہدایت فرماتے گئے۔ وہ بازار کے کبھی ایک سرے تک جاتے اور کبھی دوسرے سرے تک۔ ایک مرتبہ وہ میرے والد کے پاس سے گزرے تو میرے والد نے کہا ”مجھے ابھی تک تم نہیں ملی کیا یہی وعدہ تھا آپ کا؟“ جب دوسری مرتبہ سامنا ہوا تو میرے والد

نے پھر اسی طرح کہا "تو حضرت عمرؓ نے جواب دیا "جب تک میں (رقم ادا کرنے کا) وعدہ پورا نہیں کروں گا نہیں جاؤں گا۔" جب تیسری مرتبہ حضرت عمرؓ وہاں سے گزرے تو میرے والد غصے سے جھپٹ پڑے اور ال کا گریبان پکڑ لیا اور کہا "تم نے مجھ سے جھوٹ بولا ہے اور میرے ساتھ ظلم و زیادتی کی ہے" اور دست و گریبان ہو گئے۔ اس پر لوگ میرے والد پر ٹوٹ پڑے اور کہنے لگے "اے دشمن خدا! توے امیر المومنین سے یہ جسارت کی ہے؟"

حضرت عمرؓ نے میرے والد کا گریبان اس مضبوطی سے تھام لیا کہ وہ بے بس ہو گئے کیونکہ وہ تھے بھی بے حد شدید اور قوی پھر وہ انہیں لے کر قصاب کی دکان پر پہنچے اور کہا "میں نے تمہیں قسم دہائی تھی کہ اس شخص کو اس کا حق دے دینا اور مجھے میرا منافع۔" قصاب نے کہا "امیر المومنین میں نے ابھی تک ایسا نہیں کیا لیکن میں ابھی اس شخص کو اس کا حق دینے دیتا ہوں اور آپ کو آپ کا منافع۔" قصہ یہ تھا کہ عمرؓ نے میرے والد سے قصاب کیلئے جانور خرید لئے تھے میرے والد کو جانوروں کی قیمت ملنی تھی اور حضرت عمرؓ کو منافع چنانچہ جب میرے والد کو ان کا حق مل گیا تو حضرت عمرؓ بولے "کیا تمہیں تمہارا حق مل گیا ہے؟" میرے والد نے کہا "ہاں" انہوں نے فرمایا "لیکن ہمارا حق ابھی باقی ہے" تم نے مجھے زکوٰۃ کو بکایا، کئے رسید کئے اور میں نے جو اہل کار روٹی کو اللہ کی خاطر ترک کر دیا۔" صبح کہتے ہیں وہ منظر اب تک میری نظروں کے سامنے ہے۔" پھر حضرت عمرؓ نے بائیں ہاتھ میں منافع کی رائی اٹھائی اور دائیں ہاتھ میں درہ اور اسی عالم میں پورے ہانڈے سے گزر گئے اور اپنے ٹوٹ پر جا بیٹھے (۱)۔

آپ پر بلا خوف و خطر تنقید کی ایک مثال وہ بھی ہے کہ جب آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو تین مرتبہ سلام کرنے اور جواب نہ آنے کی صورت میں واپس لوٹ جانے کی حدیث کا گواہ، نے کیسے کہا "تو یہ فیصلہ ہوا کہ شام کو مسجد کے منبر کے پاس وہ گواہ پیش کریں گے۔" مسلم کی روایت کے مطابق جب آپ منبر کے پاس آئے تو پوچھا "ابو موسیٰ تم کیسے کہتے ہو؟ کیا کوئی گواہ ملے؟" انہوں نے جواب دیا ہاں ابی بن کعب ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "بے شک وہ معتبر ہیں۔" پھر ابی بن کعب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا "اے ابوالفضل! ابو موسیٰ کیا کہتے ہیں؟" انہوں نے جواب دیا "میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ "اے ابن خطاب کے بیٹے صحابہ رسول ﷺ پر عذاب مت ہو" حضرت عمرؓ نے یہ جواب سن کر فرمایا "والہ سبحان اللہ! میں نے تو ایک حدیث سنی اور یہ مناسب سمجھا کہ اس کی تحقیق کروں (۲)۔" ان واقعات سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ایک مسلمان حکمران کو کھلی کتاب کی طرح معاشرے میں رہنا چاہئے۔ اسے یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ اپنے رعب و دبدبے، سماجی مقام اور اختیارات کے بل بوتے پر لوگوں کی رہنمائی بند کرے اور ابدی کے ذریعے پر قدغن لگائے اور اپنے ارد گرد خوشامیوں کا ایک حصار جنم لے اور ان کی داد و ستاد کے نفیوں میں بدست ہو جائے بلکہ اس کی یہ ذمہ داری ہے کہ تالذین کو حوصلہ دے، آزادی رائے کو برقرار رکھے اور عوام کے اندر چل پھر کر چنا ورا اپنی پالیسیوں کا جائزہ لے۔ ہر بات کا دلیل سے جواب دے اور اپنی پوریشن صاف رکھے اور اپنے روزمرہ کے طرز عمل سے یہ ثابت کرے کہ وہ بھی عام لوگوں کی طرح ایک انسان ہے۔ اس کے اندر یہ حوصلہ بھی ہونا چاہئے کہ تلخ باتوں اور سخت رویوں کو بھی خوشدلی سے برداشت کرے اور اپنے عدل و انصاف میں ذرا برابر بھی کمی نہ آنے دے۔

## ۳۔ باخبری:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذاتی اصلاح کے بعد دوسرا اہم سیاسی و نظامی اصول باخبری تھا۔ ایک حکمران تمام ذاتی اہل و عیال رکھنے کے باوجود کبھی کامیاب و کامران نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ مجموعی سیاسی احوال، مملکت اور اس کے تمام شعبوں کے معاملات اور عوام کے افکار و رجحانات اور ہر طرح کے احوال کے بارے میں صحیح طور پر باخبر نہ ہو۔ جب تک سے حالت کی تغیر پذیری اور اس کی کیفیت و وسعت اور اثرات و نتائج کا شعور نہ ہو۔ وہ کبھی اپنی اجتہادی بصیرت

کو استعمال کر کے امن و استحکام اور تعمیر و ترقی کی نئی راہیں تلاش نہیں کر سکتے۔ سیاسی امور کی نوعیت ہی ایسی ہے کہ وہ ہر دم تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ اس لئے ہر وقت حالات کی نبض پر ہاتھ رہنا ضروری ہوتا ہے۔ یہ صرف باخبری ہی سے ممکن ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس حقیقت کا گہرا شعور رکھتے تھے اس لئے انہوں نے عوام کے احوال مختلف علاقوں اور گوشوں کے ہر طرح کے حالات اور حکومت کے اداروں اور کارندوں کی کارکردگی اور ان کے تاثر کو جاننے کیلئے اپنے عہد کے تمام محکمہ و مسائل اور طریقوں کو استعمال کیا۔ انہیں عوام کے مسائل اور ان کی مشکلات اور رائے عامہ کے بارے میں بسا اوقات وہاں کے رہنے والوں سے بھی زیادہ معلومات ہوتی تھیں کیونکہ وہ مختلف اور متفرق ذرائع سے حاصل ہوتی تھیں جس کے نتیجے میں ان کی ہر پالیسی متعلقہ علاقوں کے معروضی حالات وہاں کی نفسیات و رجحانات اور ضروریات کے عین مطابق ہوتی تھی اس لئے اسے مکمل پذیرائی نصیب ہوتی تھی۔ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا تھا کہ ہر جگہ کے لوگ مرکزی گرفت اور نظر کا ادراک رکھتے ہوئے اپنے معاملات چلاتے تھے۔ انہیں یہ بات اطمینان دلاتی تھی کہ خلیفہ وقت اس کے احوال سے ہماری طرح باخبر ہے اور ان کی طرف ہماری طرح متوجہ ہے۔ ایک مرتبہ سفر شام کے موقع پر اعراس میں تقریر کے دوران فرمایا ”تم اپنی شکایات ہم تک پہنچاؤ جو شخص شکایت پہنچانے کی استطاعت نہیں رکھتا تو وہ جس شخص تک اسیں پہنچا سکتا ہے پہنچا دے۔ ہم باخوف اس کا حق وصول کریں گے“ (۱)۔

معاملات کے بارے میں ان کی باخبری کا یہ عالم تھا کہ ان کے سامنے کوئی آدمی جھوٹ یا دعائی جرات نہیں کر سکتا تھا۔ اسے معلوم ہوتا تھا کہ انہیں اس کی اطلاع ہوگی یہی وجہ ہے کہ بقول ابن کثیر جب ان کے سامنے کوئی شخص دو باتیں کہتا اور ان میں سے ایک غلط ہوتی تو فوراً کہتے کہ اسے روکو اسے روکو (۲)۔ اس وجہ سے ان کے پاس عموماً سچی اطلاعات اور خبریں پہنچتی تھیں پھر وہ ہر خبر پر یقین نہیں کرتے تھے بلکہ مختلف اور ذرائع سے بھی اس کی تصدیق کرتے تھے۔ یہ چیز ان کے سیاسی و انتظامی لائحہ عمل کیلئے بہت مفید تھی۔ آپ کی باخبری عوام کی دینی اخلاقی تمدنی معاشی سیاسی اور فکری و ذہنی ہر طرح کی حالتوں کے بارے میں ہوتی تھی۔ آپ کی بڑی بڑی پالیسیوں فیصلوں اور اقدامات کی بنیاد عام طور پر وہی اطلاعات و معلومات ہوتی تھیں جو باواسطہ یا بلاواسطہ حاصل ہوتی تھیں۔

### (الف) براہ راست معلومات:

عوام کے حالات سے باخبر رہنے کا ان کا پہلا اہم ذریعہ طرر بود و باش تھا وہ ہر وقت عوام ہی کے اندر رہتے تھے۔ ان کا رہن سہن اسطوریہ کے عام آدمی کی طرح تھا نہ کوئی محل نہ کوئی دربان نہ کوئی دفتر نہ خدمت گزاروں اور خزانہ داروں کی کوئی ٹیم۔ نہ بوجہ کی صدائیں گانے والے محافظ، نگو متقی ذمہ داروں کی دوائی کیلئے بھی اور ذاتی اور گھریلو ضروریات کی تکمیل کیلئے بھی ایک عام آدمی کی طرح مسجدوں، گلیوں اور بازاروں میں چلتے پھرتے دکھائی دیتے تھے۔ ہر طرح کے لوگوں سے رات دن اس کا رابطہ رہتا تھا ان کے افکار و خیالات کے جاننے ان کے مسائل و مشکلات کا جائزہ لینے اور ان کے احوال کو جانچنے کیلئے انہیں کسی اور کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں تھی وہ براہ راست ان سے باخبر رہتے تھے۔ حقائق سے اس قسم کا تعلق اور قرب نہ تو آپ کے عہد کے دیگر حکمرانوں کو میسر تھا اور نہ ہی آج کل کے حکمرانوں کو میسر ہے۔ یہ بات آپ کی سیاست کو سر بلندی کر عطا کرنے کا سبب ہے۔ آپ کے عوامی انداز اور لوگوں سے قریبی تعلق کا اندازہ اس روایت سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب کسری کے خلاف فوجی مہمات کے دوران ابوذر کے بوشلو کو گرفتار کر کے ایک وفد کے ساتھ مدینے لایا گیا تو وفد سب سے پہلے آپ کے گھر آیا۔ وہاں انہیں یہ حیران کن خبر ملی کہ آپ کو فد سے آئے ہوئے ایک وفد کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہیں۔ یہ سن کر وہ لوگ تلاش کرتے ہوئے مسجد گئے وہاں بھی وہ نہیں ملے تو جب وہ دوڑے گئے تو مدینے کے لڑکوں کے پاس سے گزرے جو کھیل رہے تھے۔ لڑکوں نے کہا ”کیا امیر المومنین کو تلاش کر رہے ہو؟“







کا تھا۔ مختلف علاقوں سے آئے ہوئے وفدوں اور انگوں سے چورے خوش و جذبہ سے ملاقات فرماتے اور ان سے ہر چھوٹے بڑے مسئلے کے بارے میں سوالات کرتے اور ہر طرح کی معصومات حاصل کرتے اور پوری توجہ اور انجیسی سے مسائل کا جائزہ لے کر حسب ضرورت ان کی مدد بھی کرتے تھے۔ فتوحات ایران کے دنوں میں سلاطین قیس نے غنیمت میں حاصل ہونے والے جواہرات ایک قاصد کے ذریعے آپ کی طرف روانہ کئے تو آپ نے اس کا خیر مقدم کرنے کے بعد فوری طور پر وہاں کے حالات کی تفصیل پوچھا شروع کر دی۔ بقول قاصد: ”آپ نے پوچھا ”تم مجھے مہاجرین کے بارے میں بتاؤ کہ وہ کیسے ہیں؟“ میں نے عرض کیا ”اے امیر المومنین! وہ جیسا کہ آپ چاہتے ہیں خیریت سے ہیں اور اپنے دشمنوں پر انہوں نے فتح و نصرت حاصل کر لی ہے۔“ پھر آپ نے پوچھا ”ان کے بھاء کیسے ہیں؟“ میں نے کہا ”وہاں کے نرخ سب سے ارزاں ہیں۔“ آپ نے پوچھا ”گوشت کا بھاء کیا ہے؟“ کیونکہ وہ عربوں کا ایک ایسا درخت ہے جس کے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتے۔ میں نے کہا: ”گائے کا یہ بھاء ہے اور بھیڑ بکری کا یہ بھاء ہے (۱)۔“

ایک ہی علاقے سے ہر اوقات کئی کئی وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ مصر سے کئی وفد بیک وقت پہنچے ہوئے تھے تو آپ نے حکم دیا سب مل کر اپنی ضروریات پیش کریں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا مختلف لوگوں نے اپنے اپنے انداز میں باتیں بتائیں۔ ایک وفد میں ابراہیم بن قیس بھی شامل تھے وہ کھڑے ہوئے اور کہا ”اے امیر المومنین! آپ کی وہی حیثیت ہے جیسا کہ انہوں نے بیان کی ہے۔ البتہ ہم کبھی کبھی آپ کو خبریں نہیں پہنچ سکتے جن سے عوام کے مفاد و بہت ہوتا ہے۔ اس وقت حاکم نظروں سے لاجعل باتوں پر محجروں کے نقطہ نظر کے مطابق ہی غور کر سکتا ہے جو بات وہ سنتے ہیں اس کے مطابق اسے علم حاصل ہوتا ہے۔ ہم لوگ منزل بمنزل فروکش ہوتے رہے یہاں تک کہ ہم ایک خشکی کے حصے میں مقیم ہوئے۔ ہمارے بھائی اہل کوفہ ایک نہایت ہی عمدہ مقام پر آباد ہیں جہاں شیریں چشمے اور سرسبز باغات ہیں اور انہیں ہر قسم کے پھل میسر ہیں مگر ہم دہلی بصرہ خراب اور دلدلی زمین میں آباد ہیں۔ اس کا ایک حصہ جنگل ہے اور ایک حصہ کھاری سمندر کے قریب ہے۔ ہمارے گھر آدمیوں سے بھرے ہوئے ہیں ہماری تعداد زیادہ ہے مگر وظیفہ بہت کم ہے۔ ہمارے اندر شرفاء کی تعداد کم ہے اور مصیبت زدہ لوگ زیادہ ہیں۔ ہمارا اسکہ (ورہم) بڑا ہے مگر بیانا چھوٹا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں وسعت دی ہے اور (فتوحات کے دریچے) ہماری زمینوں میں اضافہ کیا ہے۔ لہذا اے امیر المومنین! آپ ہمارے وظائف میں اضافہ کریں اور ہمیں مزید اراضی دیں تاکہ ہم ہر اوقات کر سکیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے ان کے گھروں اور بستیوں کے بارے میں تحقیقات کرائی اور انہیں مزید اراضی اور جاگیریں دیں (۲)۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ مجھے ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے حضرت عمر فاروقؓ کے پاس بھیجا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا ”اشعریؓ کو کس حالت میں چھوڑا ہے؟“ میں نے کہا کہ، نہیں اس حالت میں چھوڑا ہے کہ وہ قرآن پڑھا رہے تھے۔ آپ نے فرمایا ”دیکھو وہ عقیل و فہیم ہیں مگر یہ بات ان تک نہ پہنچا۔“ پھر مجھ سے فرمایا کہ ”تم نے اعراب کو کس حالت میں چھوڑا ہے؟“ میں نے پوچھا ”کیا اشعریوں کو؟“ آپ نے فرمایا ”نہیں بلکہ دہلی بصرہ کو!“ میں نے کہا کہ ”مگر یہ بات ان تک پہنچے تو انہیں ناگوار گزرے۔“ آپ نے فرمایا ”انہیں خبر نہ کرنا میں تو وہ اعراب ہی مگر یہ کہ اللہ کوئی ایسا آدمی عطا کرے جو اس کی رلو میں جہاد کرنے والا ہو (۳)۔“

(ج) خطوط۔

آپ کیلئے حالات سے باخبر رہنے کیلئے ہوا سب ایک اور درمیان خطوط کا تھا۔ آپ کا خطوط کے ذریعے تمام عمال عساکر اور دیگر ذمہ داران سے ہر وقت رابطہ رہتا تھا۔ تمام اہم معاملات اور فوجی مہمات کے سلسلے میں مرتزی کثروں ہوتا تھا اور برادر است آپ ہی لی منصوبہ بندی اور ہدایت کے مطابق عمل کیا جاتا تھا اس لئے آپ

کو ہر معاملے سے باخبر رکھا جاتا تھا اور توازن کے ساتھ آپ کے پاس خطوط اور سال کئے جاتے تھے اور ان میں ہر ذمیت کی تمام ضروری معلومات فراہم کی جاتی تھیں تاکہ آپ کو صحیح فیصلے تک پہنچنے اور احکامات جاری کرنے میں آسانی ہو۔ اگر کہیں آپ تشنگی محسوس کرتے تو حکم جاری کرنے سے پہلے وضاحت طلب فرماتے تھے۔ علامہ شبلی کے بقول "حضرت عمرؓ کی بڑی کوشش اس بات پر مبذول رہتی تھی کہ ملک کا کوئی واقعہ ان سے مخفی نہ رہنے پائے۔ انہوں نے انتظامات ملکی کے ہر صیغہ پر پرچہ نویس اور واقعہ نگار مقرر کر رکھے تھے جس کی وجہ سے ملک کی ایک ایک خبر اور واقعہ ان تک پہنچتا تھا۔" طبری لکھتے ہیں "عمرؓ پر کوئی بات مخفی نہیں رہتی تھی عراق کے جن لوگوں نے خروج کیا اور شام میں جن لوگوں کو انعام دیئے گئے سب کی تحریری اطلاعات ان کو پہنچیں<sup>(۱)</sup>۔" حضرت عمرؓ نے نعمان بن عدی کو میان (ریں عراق) کا افسر خراج مقرر کیا جب وہ مدینے سے جانے لگے تو ان کی بیوی وطن چھوڑ کر پردیس جانے کیلئے تیار نہیں ہوئیں۔ ان کو مجبور اُکسیے جانا پڑا۔ عیسیٰ کی شادابی اور آرائش انہیں بہت بھائی تو انہوں نے بیوی کو بلانے کیلئے چند شوق انگیز شعر لکھ کر بھیجے جن میں دو حسب ذیل ہیں

من مبلغ الحسناء ان حلیها

بمیان یسقی فی زجاج و حنتم

لعل امیر المؤمنین بسونہ

تناد ما فی الجوسق المنہدم

(کوئی ہے جو میری حسین بیوی کو یہ خبر پہنچائے کہ تمہارے شوہر کو شیشے کے گلاس اور فیروزہ جگ میں شراب پلائی جاتی ہے۔ اگر امیر المؤمنین کو معلوم ہو جائے کہ میں ساتھیوں کے ساتھ ٹوٹے قلعہ میں بیٹھ کر شراب پیتا ہوں تو مجھے اندیشہ ہے کہ وہ ناراض ہوں گے۔) حضرت عمرؓ کو میاں بیوی کے اس ذاتی معاملے کی بھی اطلاع ہو گئی اور انہوں نے معزولی کا خط بھیج دیا اس میں لکھا "بلاشبہ تمہارے یہ اشعار مجھے برے لگے ہیں میں تمہیں معزول کرتا ہوں۔" نعمان جب مدینے پہنچے تو ان سے حضرت عمرؓ نے وضاحت طلب کی۔ انہوں نے جواب دیا "وہ تو محض شاعرانہ تفریح تھی میں نے تو شراب سوٹکھی تک نہیں۔ ان اشعار سے بیوی کو اکسانا مقصود تھا۔" حضرت عمرؓ نے عذر قبول کرتے ہوئے فرمایا "میرا بھی یہی خیال ہے مگر سندھ تمہیں کوئی عہدہ نہیں دینا<sup>(۲)</sup>۔ آپ کا رابطہ بذریعہ خطوط صرف عمال سے نہیں بلکہ پوری رعایا اور ضرورت مندوں سے رہتا تھا جو در الخلافہ کی طرف آنے جانے والے لوگوں سرکاری و غیر سرکاری و فوج و جج کی غرض سے آنے والے لوگوں کے ذریعے اپنے احوال اور مسائل سے آگاہ کرتے رہتے تھے۔ آپ ان کی روشنی میں مختلف اقدامات کرتے رہتے تھے۔ ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ جب آپ کا کوئی قاصد کسی مقام پر جاتا تو وہاں پر باقاعدہ متاری کرادی جاتی تھی کہ کوئی شخص اگر خط بھیجتا چاہے تو لکھ کر دے دے۔ اس کا اندازہ اسی روایت سے لگایا جاسکتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے بصرہ کے عامل کو ہدایت روانہ کیں۔ ان کا قاصد کئی دن تک بصرہ میں رکھا ہوا اور جب وہاں سے روانہ ہونے لگا تو اعوان کرادیا گیا کہ سرکاری ہر کار و روانہ ہونے کو ہے جو امیر المؤمنین کو کچھ لکھنا چاہے لکھ بھیجے<sup>(۳)</sup>۔

## ۳۰۔ مشاورت :

مشاورت اسلامی نظامِ زندگی کا ایک بنیادی اصول ہے۔ سیاسی و انتظامی معاملات میں اس کی اہمیت اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ اسلام نے کسی شخص کو یہ حق نہیں دیا کہ غیر منصوص مشن کے معاملات میں ذاتی مرضی و سن مانی کو مسلط کرے چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے ”امروہم شوریٰ بہہم“<sup>(۱)</sup>۔ ”(اپنے معاملات آپس میں مشورے سے چلاتے ہیں۔)

حضرت عمر فاروقؓ جیسا فہم و بصیر شخص اس کی تمام حکمتوں اور تقاضوں سے پوری طرح آگاہ تھا۔ آپ نے اپنے پورے عہدِ حکومت میں اس پر عمل کیا اور اس کی نزاکتوں اور دائروں کا لحاظ رکھا اور ایک مستحکم سیاسی نظام قائم کر کے دکھایا۔ ذیل میں کچھ ایسے واقعات درج کئے جا رہے ہیں جن سے ایک طرف آپ کی اجتہاد کی بصیرت کا پتہ چلتا ہے اور دوسری طرف عصرِ حاضر میں ہماری رہنمائی کے بے شہر پہلو سامے آتے ہیں۔ عامر سے مروی ہے کہ جب کسی امر میں لوگ اختلاف کرتے تھے تو میں دیکھتا کہ حضرت عمرؓ نے اس بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے کیونکہ وہ کسی معاملے میں اس وقت تک فیصلہ نہیں کرتے تھے جب تک ان سے قبل اس بارے میں فیصلہ نہ کیا گیا ہو۔ یہاں تک کہ آپ مشورہ لیتے تھے<sup>(۲)</sup>۔

اس روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ مشاورت کا دائرہ ایک تو اس لئے وسیع رکھتے تھے تاکہ سابقہ کئے گئے فیصلوں کا پوری طرح علم ہو سکے اور مستقل پالیسی کا تسلسل جاری رہ سکے۔ دوسرا یہ کہ نئے معاملے میں دیگر لوگوں کی آراء بھی سامنے آسکیں اور فیصلہ حق و انصاف، یکسوئی، شعور اور اتفاق سے ہو سکے۔ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ اس کے نفاذ میں مشکل پیش نہیں آتی۔ آپ اس مشاورتی طرزِ عمل کو گہری بنیادوں پر استوار کرنا چاہتے تھے اور یہ خواہش رکھتے تھے کہ لوگوں کی اچھی طرح تربیت کریں، بصیرت و فراست جہاں جہاں پائی جاتی ہے اس کی حوصلہ افزائی کریں اور ہر پیر و جوان کے اندر پائی جانے والی اس صلاحیت و استعداد اور ہر شیدہ جوہر کو نکھرنے کا موقع دیں۔ امام زہریؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی مجلس میں جو ان لوگوں پر ہر علم و ہر وقت موجود رہتے تھے اور کبھی کبھی حضرت عمرؓ ان سے مشورہ کرتے وقت یہ وضاحت بھی کر دیا کرتے تھے کہ کوئی شخص ایسا نہ ہو کہ اپنی کم عمری کی بنا پر رائے نہ دے کیونکہ علم کا تعلق عمر کی کمی سے نہیں ہے بلکہ اللہ سبحانہ کے فضل سے ہے جس کو چاہے عطا کرے<sup>(۳)</sup>۔

معاملات کی نوعیت کے مطابق آپ مشورے کے فورم کا تعین کرتے تھے۔ ریاست کی بنیادی پالیسی اور اس کے رہنما اصولوں کا فیصلہ عام طور پر مقررہ شوری کے اندر ہوتا تھا جس کے آپ عہدِ نبویؐ و صدیقی میں خود بھی اہم ممبر رہے۔ آپ شوری کے فیصلوں کو اپنی ذاتی رائے پر ترجیح دیتے تھے۔ آپ کے نزدیک اجتماعی سوچ اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ انفرادی سوچ پر اسے بالادستی حاصل ہو۔ مشاورت کا اصل مقصد یہ ہے کہ وہ حق کی تلاش اور مناسب ترین فیصلے تک رسائی کیسے ہو۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے جبکہ وہ معنی اور موثر ہو اس میں خوب بحث و تحقیق کی جائے اور آراء اور خیالات اور دلائل نہ ہو۔ وہ صرف حلیہ کی رائے کی تصدیق و تائید کیلئے نہ ہو آپ مضبوط دلائل اور کثرتِ رائے کو اہمیت دیتے تھے۔ چنانچہ شام اور عراق کی زمینوں کے بارے میں آپ کے ذہن میں نئی پالیسی وضع کرنے کا خیال آیا تو شوری کے سامنے آپ نے یہ مسئلہ رکھا۔ آغاخانؒ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا ”میں نے آپ کو صرف اس لئے تکلیف دی ہے کہ آپ میری ملالت میں شریک ہوں جو میں نے آپ کے معاملات کی ذمہ داری اپنے سر لے کر قبول کی ہے کیونکہ میں بھی آپ ہی میں سے ایک فرد ہوں۔ آقا حق بات کہیں آپ میں سے جو چاہے میری مخالفت کرے اور جو چاہے میری موافقت

کرے۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ آپ میری خواہش کی پیروی کریں۔ آپ کے پاس اللہ کی کتاب ہے جو حق بات کہتی ہے۔ حد کی قسم اپنے کلام سے میرا مقصد بجز حق کے اور کچھ نہیں<sup>(۱)</sup>۔ آپ کی خاص و عام مجالس شوری جاری رہتی تھیں، عموماً پیسے مشاورت عامہ ہوتی، اگر اس میں اطمینان بخش حل سامنے نہ آتا تو پھر اسے مخصوص شوری میں لے جاتے اور حتمی فیصلہ دیتے ہو تا تھا۔ عراق میں حضرت ابو حنیفہ کی شہادت کے بعد انہوں نے لوگوں سے مشورہ کیا اور پوچھا کیا کریں؟ ان سب نے کہا کہ آپ ہمیں ساتھ لے کر خود چلیں، لیکن حواص نے یہ رائے دی کہ رسول اکرم ﷺ کے کسی صحابی کو عراق کا امیر لشکر بنا کر بھیج دیجئے اور خود مدینے میں رہ کر ان کی مدد کیجئے۔ اس پر فاروق اعظم نے ان لوگوں کو دوبارہ جمع کر کے فرمایا ”مسلمانوں کیلئے یہی بہتر ہے کہ ان کے معاملات مشورے سے طے ہوں۔ میری بھی وہی خیال تھا جو تم لوگوں کا ہے، لیکن تمہارے اہل الرائے نے مجھے جانے سے روک دیا ہے اور اب میری بھی یہی رائے ہے کہ میں خود مدینے میں رہوں اور عراق کسی اور شخص کو بھیج دوں<sup>(۲)</sup>۔“

اس روایت سے یہ صاف واضح ہوتا ہے کہ آپ صبح تر رائے کی تلاش میں ہر وقت کو شہر بھر جاتے تھے اور سوچ بچہ کے مرحلے میں پہلی دلیل رائے کو ترک کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے تھے، لیکن اپنی ذمہ داری سمجھتے تھے کہ ایک فورم کی مدد لینے کے بعد اگر تبدیلی کی ضرورت پیش آئے تو اسے دوبارہ ضرور اعتدال میں لایا جائے۔ یہ انتہائی بصیرت افروز طرز عمل تھا اس سے عوام کے ساتھ اعتدال کا رشتہ برقرار رہتا تھا اور وہ سب اپنے آپ کو امور مملکت میں شریک سمجھتے تھے اور ہر فیصلے کے عمل درآمد میں والہانہ جذبہ اطاعت سے معمور ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک فوجی مہم کیلئے سالار لشکر مقرر کرنے کی ضرورت پیش آئی تو حضرت عبدالرحمن بن عوف نے مشورہ دیا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص کو مقرر فرمادیں۔ آپ نے جواب دیا کہ ”میں جانتا ہوں کہ سعد بہادر آدمی ہیں، مگر اندیشہ ہے کہ فتنہ حرب سے واقفیت میں کمی کی بنا پر وہ یہ ذمہ داری پوری نہیں کر سکیں گے۔“ بعد میں حضرت عثمان نے بھی حضرت سعد ہی کے تقرر کا مشورہ دیا اور کسی بھی شخص نے مخالفت نہ کی۔ آپ نے دیکھا کہ کئی لوگوں کا یہی مشورہ ہے تو انہیں امیر لشکر بنادیا اور مدے لشکر کو اس سے اٹھا کر دیے۔ حضرت سعد اس وقت وہیں موجود نہیں تھے تو انہیں حکم دیا کہ تمہارا عراق پہنچ جائیں اور لشکر کی قیادت کریں<sup>(۳)</sup>۔ سیاسی و انتظامی معاملات میں مشورے کا کیا انداز اور طریق کار تھا اس کی ایک جھلک ایران کے خلاف سب سے بڑی جنگی مہم کے بارے میں حتمی فیصلہ کرنے سے قبل آپ نے جو مشورے کئے ان کی تفصیل کتب تاریخ میں موجود ہے<sup>(۴)</sup>۔ (جنگ نہاند کی تیلوری اور سپہ سالار کے انتخاب کے سلسلے میں بھی آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا<sup>(۵)</sup>۔ معاہدے کیلئے مطمئن جانے کے بارے میں بھی آپ نے مشورے کی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جو رائے دی اس کی تفصیل بھی کتب میں موجود ہے<sup>(۶)</sup>۔

مشاورت کا ایک اور ذرا انفرادی تھا۔ ہر شخص کو یہ حق اور آزادی حاصل تھی کہ جس وقت چاہے جس بارے میں چاہے مشورہ دے سکتا ہے۔ وہ اگر آپ کے دل کو لگتا تو آپ اسے جہاں چاہتے قبول کر لیتے تھے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ آخری حج کے موقع پر ایک اہم خطاب کرنے والے تھے (یہ خطاب ریاست و حکومت کے اہم معاملات سے متعلق تھا) میں نے عرض کیا ”اے امیر المومنین! حج کے دنوں میں ہر طرح کے معمولی سوجھ بوجھ رکھے والے آدمی جمع ہوتے ہیں اس نے میرا یہ خیال ہے کہ آپ اپنا ارادہ ملتوی کر دیں کیونکہ وہ دارالحجہ اور دارالمنہ ہے وہاں پر اہل الفقه، اشراف الناس اور اصحاب رائے راجع ہیں۔“ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا ”تم تمہیک کہتے ہو (میں نے پہنچنے ہی میں سب سے پہلی فرصت میں لوگوں سے خطاب کر دیا)۔“

(۱) یوسف، ۱۶۱، حصہ ۱، ۱۸۰ (۲) حیکل، ۵۸۴ (۳) مسعودی، ۳۱۷، (۴) تفصیل کیلئے - ۶ حصہ، ص ۳۲۲ (۵) طبرستان، ۱۲۱، ۱۵۳ (۶)

حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کی تجویز نہایت معقول تھی کہ نہایت اہم اور سنجیدہ مسائل کو عامۃ الناس کے سامنے رکھنے سے معاملات کے سدھرنے کے بجائے بگڑنے کا امکان ہوتا ہے۔ اس نے اس کو محدود اور اہل افراس میں زیر بحث مانا چاہئے۔ حضرت عمرؓ نے فوراً یہ مشورہ قبول کر لیا۔ آپ کا معمول تھا کہ آپ اہل اور سمجھ دار لوگوں سے خود بھی مشورہ کرتے رہتے تھے۔ ہر ایسا شخص اس کا اہل تھا جو کسی خاص معاملے میں زیادہ معلومات اور تجربہ رکھتا ہو۔ آپ اپنی سیاسی و انتظامی پالیسیوں کو حتمی شکل دینے میں حتی المقدور یہ کوشش کرتے تھے کہ تمام آراء سامنے آجائیں۔ ایران کے خلاف ابتدائی فتوحات میں وہاں کے ملقاتے تسر و ابو از کا ایک مشہور بادشاہ ہرمزان گرفتار ہو کر مدینے لایا گیا جس نے بعد میں اسلام قبول کر لیا۔ حضرت عمر فاروقؓ دیگر مہمات میں اس سے مشورہ کیا کرتے تھے کیونکہ وہ اہل علاقوں سے اچھی طرح واقف تھا۔ ایک مرتبہ اس سے پوچھا کہ حملہ فارس سے شروع کیا جائے یا ذریابجیان سے یا اصفہان سے؟ اس نے جواب دیا فارس اور آذر باجیان دو بازو ہیں اور اصفہان سر۔ اگر ایک بازو کٹ جاتا ہے تو دوسرا کام کرتا ہے لیکن اگر سر کٹ جائے تو بازو بے کار ہو جاتے ہیں اس لئے پہلے سر سے شروع کیجئے۔ حضرت عمرؓ کو یہ مشورہ پسند آیا اور فوجوں کو اصفہان فتح کرنے کا حکم دے دیا<sup>(۱)</sup>۔

آپ کی نظر معاملات کی ہار کیوں پر رہتی تھی۔ آپ کی کامیاب سیاست کا یہ ایک اہم راز تھا آپ کی کوشش ہوتی تھی کہ ہر بات کی تہہ تک پہنچیں۔ اس مقصد کیلئے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو مشاورت میں شامل کرتے رہتے یہاں تک کہ کسی نتیجے تک پہنچ جاتے پھر اسی کی بنیاد پر ایک واضح پالیسی وضع کر لینے مثلاً فارس ہی کی مہمات کے دوران آپ نے محسوس کیا کہ ذی ہار عہد شکنی اور بغاوت کرتے ہیں لیکن آپ بے چین تھے کہ یہ معلوم کریں کہ اس کی اصل وجہ کیا ہے؟ آپ نے یہی سوال ہرمزان سے پوچھا لیکن وہ کوئی اطمینان بخش جواب نہ دے سکا پھر آپ نے تسر سے آنے والے وفد کی طرف رخ کر کے فرمایا ”شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان دمی افراد کو تکلیف پہنچاتے ہیں اور اس کی وجہ سے وہ تمہارے ساتھ عہد شکنی کرتے ہیں۔ وہ بولے جہاں تک ہمیں معلوم ہے ایسا ہے عہد اور حسن سوکھوتا ہے۔“ آپ نے فرمایا ”پھر اس قسم کے واقعات کیوں رونمائی ہوئے ہیں؟“ اس سوال کا بھی کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکا بہتہ حضرت اہل نے کہا ”اے امیر المومنین اس کا سبب میں بتاتا ہوں کہ آپ نے ہمیں اس علاقے میں پیش قدمی سے منع فرمایا ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ ہم اپنے مقبوضات میں رہیں حالانکہ ان کا بادشاہ ان کے ملک میں زندہ سلامت موجود ہے۔ اس وجہ سے جب تک ان کا بادشاہ زندہ رہے گا وہ ہم سے جنگ کرتے رہیں گے کیونکہ وہ بادشاہ اکٹھے نہیں رہ سکتے جب تک کہ ایک دوسرے کو نکال نہ دے۔ اس لئے میرا خیال یہ ہے کہ اسی وجہ سے یہ واقعات رونمائی ہو رہے ہیں۔ یہ بادشاہ ہی ہے جو انہیں بھڑکاتا رہتا ہے اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک آپ ہمیں اجازت دیں کہ ہم ان کے ملک میں ٹھس جائیں۔ اس طرح بادشاہت کا خاتمہ کر سکتے ہیں۔“ اس کو نکال کر ان کی قوی عزت و وقار کو ختم کر سکتے ہیں اس طرح اہل فارس کی توقعات منقطع ہو جائیں گی اور حوصلے پست ہو جائیں گے۔“ آپ نے فرمایا ”تم سچ کہتے ہو جیسے معاملے کی پوری تشریح و توضیح کی“<sup>(۲)</sup>۔

## ۴۔ مساوات :

فاروق اعظمؓ کے سیاسی و انتظامی لائحہ عمل کا ایک بہت بڑا اصول مساوات تھا۔ اسلام نے نسل انسانی کو جس ہمہ گیر مساوات کا پیغام دیا ہے، حضرت عمرؓ نے اسے کہاں حکمت و بصیرت سے عملی حقیقت کا روپ دینے کیلئے سرگرم عمل رہا۔ اپنے انفرادی رویے، فرائض و احکامات اور حسن انتظام سے اس کے مختلف پہلوؤں کو اس طرح اجاگر کر دیا کہ ان میں دور حاضر کی ایک جدید اسلامی و فلاحی ریاست کیلئے ایک بہترین رہنمائی کا سامان موجود ہے۔ آپ کے عہد مبارک میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ ان میں سے کچھ رقم کی جاتی ہیں۔ مساوات بنیادی طور پر سماجی نظریات سے ابھرنے والا ایک دلکش تصور ہے۔ اسے سماجی معمولات اور رویے مختلف روپ اور شکلیں عطا کرتے ہیں اور اس کا رخ متعین کرتے ہیں۔ اس کے استحکام کا دار و مدار بالا طبقوں اور خاص طور پر حکمرانوں کے طرز عمل پر ہوتا ہے۔

فاروق اعظمؓ نے اپنے دونوں عظیم پیش رو ساتھیوں یعنی سرور کونین علیہ السلام اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے روایات کے تسلسل کو جاری رکھا۔ اسلامی ریاست کی بے پناہ وسعت اور مان و مسائل کی ریل پیل ہو جانے کے باوجود ایک عام آدمی کی طرح زندگی بسر کی۔ گلیوں اور بازاروں میں بھی عام آدمیوں کی طرح گھومتے پھرتے تھے۔ نہ تو اپنی سماجی حیثیت کو بلند کیا نہ اضافی حقوق و مراعات حاصل کیں اور نہ ہی مقام و مرتبے کے اعتبار سے اپنے آپ کو بڑا سمجھا۔ آپ کے رعب اور دبہ سے قیصر و کسریٰ کے اہل انوں میں رزلہ برپا تھا لیکن زندگی انتہائی سادہ تھی۔ وہ ایسے حکمران تھے کہ جو دربانوں اور پہروں سے بے نیاز تھے اور اس کی زندگی اور رہن سہن اس قدر سادہ تھا کہ ناواقف شخص انہیں دیکھ کر نہیں پہچان سکتا تھا چنانچہ ابو اوز کے بادشاہ ہرمزان کو جب گرفتار کر کے مدینے لایا گیا تو وفد پہلے حضرت عمرؓ کے گھر گیا تو معلوم ہوا کہ وہ کوہ کے ایک وفد کے ساتھ مسجد گئے ہیں۔ مسجد میں انہوں نے جا کر دیکھا تو وہاں کسی کو نہ پایا نہ دیکھا۔ پٹے تو کچھ لڑکے کھیل کود میں مصروف تھے۔ ان سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ وہ مسجد کے دائیں کونے میں سوئے ہوئے ہیں اور اپنی لمبی ٹوپی کو نکیہ بنا رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ وفد کو وہ ملاقات کے وقت اپنی لمبی ٹوپی پہنے ہوئے تھے۔ وہ جب چلے گئے تو انہوں نے اس ٹوپی کو اتار کر نکیہ بنا لیا اور سو گئے تھے۔ ان کے علاوہ مسجد میں اور کوئی نہیں تھا اور ان کے ہاتھ میں اس کا درہ تھا۔ ہرمزان نے پوچھا "عمر کہاں ہیں؟" لوگوں نے بتایا کہ "یہ ہیں" لوگ اپنی آواز آہستہ کرنے لگے "تاکہ انہیں بیدار نہ کر دیں۔ ہرمزان نے پوچھا کہ "ان کے محافظ اور دربان کہاں ہیں؟" وفد نے جواب دیا کہ "ان کا نہ تو کوئی محافظ ہے نہ دربان نہ کوئی سیکرٹری ہے نہ دفتر۔" ہرمزان ہوا "بسعی ان یحکون دنیا" (ایسے تو نبی ہو سکتے ہیں۔) لوگوں نے کہا "بل بعمل عمل الانبیاء" (وہ پیغمبر تو نہیں لیکن پیغمبروں والے کام کرتے ہیں۔) اتنے میں لوگوں کی بھیڑ ہو گئی اور حضرت عمرؓ شور و غل سے بیدار ہو گئے اور اٹھ کر بیٹھ گئے۔ وفد نے کہا کہ "یہ ابو اوز کا بادشاہ ہے اس سے بات کیجئے۔" فرمایا "نہیں اس وقت تک بات نہیں کروں گا جب تک اس کے جسم پر زیور ہو گا" (۱)۔ "اس پر اس کے بدن سے ہر چیز اتار دی گئی۔

اپنے دل میں اگر کبھی دوسروں سے بالاتر ہونے کا احساس پاتے تو خود ہی احتساب نفس کے ذریعے اسے ختم کر دیتے۔ ایک مرتبہ مہر پر چڑھے لوگوں کو منع کیا اور اللہ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا "اے لوگو! میں نے اپنے آپ کو اس حالت میں دیکھا ہے کہ میرے پاس پھل نہ تھے کہ لوگ کھاتے سوائے اس کے کہ میری چند خائیں تھیں جنہیں میں بیٹھ پانی پلاتا تھا تو وہ میرے لئے کشش کی چند منہیاں جمع کر دیتی تھیں۔" یہ کہہ کر تب منبر سے اتر آئے۔ پوچھا گیا "یا امیر المؤمنین! اس سے آپ کا مقصد کیا ہے؟" فرمایا "میں نے اپنے دل میں کچھ (تکبر) محسوس کیا تو چاہا کہ اس سے کچھ کم کر دوں" (۲)۔ "ایک روز ایک مظہرہ کندھے پر اٹھ کر



چل پڑے۔ دوگوں نے کہا ”یہ کیا؟“ فرمایا ”میری طبیعت میں کچھ غرور و تکبر پیدا ہو گیا تھا اس کو میں نے دلیل کیا ہے (۱)۔“ اپنی ذات کے ساتھ ساتھ اپنے اعمال و احکام کو بھی عام آدمیوں کی طرح سچی زندگی بسر کرنے اور اس کی بالادستی سے دور رکھنے کی پوری کوشش فرماتے تھے تاکہ مساوات انسانی کے عملی مظاہر سامنے آسکیں۔ ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو دیکھا کہ آگے آگے چل رہے ہیں اور دیگر لوگ ان کے پیچھے ہیں۔ قریب آئے تو دور رسید کیا انہوں نے کہا ”خیر تو ہے؟“ فرمایا ”کیا تم جانتے نہیں ہو کہ اس طرح کا طرز عمل متبوع کیسے فتنہ اور تابع کیسے ذلت ہے۔“

آپ اسلامی حکومت کے عمال کا معاشرے میں یہی تاثر قائم کرنا چاہتے تھے کہ وہ کوئی بالادست مخلوق نہیں ہیں بلکہ عوام ہی میں سے انہیں کی طرح کے لوگ ہیں جن پر کچھ اجتماعی امور کی ذمہ داریوں کا بوجھ مارا گیا ہے۔ اس لئے ابن حزمین ثابت کے بقول جب کسی کو حاکم مقرر کرتے تھے تو اس سے ایک معاہدہ لکھواتے تھے جس پر مہاجرین و انصار کی ایک جماعت کو گواہ ٹھہراتے تھے نیز اس میں یہ شرط ہوتی تھی کہ وہ عمدہ سواری پر سوار نہیں ہو گا نہ میدہ کی ردنی کھائے گا نہ ہار یک ہاس پینے گا اور عوام کی ضروریات کو روکنے کیلئے دروازہ بند نہیں کرے گا (۲)۔ ایک تقریر میں عمال کو مخاطب کر کے فرمایا ”عوام کی طرف سے غافل ہو کر دروازے بند کر کے نہ بیٹھ رہو کہ ان کے اصحاب قوت کمزوری کو ہضم کر جائیں۔ ان پر کسی دوسرے کو ترجیح دے کر ان کے ساتھ علم نہ کرنا (۳)۔“

اس طرح عمال کو مساوات قائم کرنے کا ایک بنیادی اصول بتایا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے مصر کی جامع مسجد میں منبر پر بیٹھ کر فرمایا ”کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ اور مسلمان نیچے بیٹھے ہوں اور تم اوپر بیٹھو (۴)۔“ ایک مرتبہ حضرت عمرو بن العاصؓ کے بارے میں عوام کی طرف سے امتیازی سلوک کے بارے میں کسی قسم کی شکایت پہنچی تو انہیں خط لکھا کہ ”رعیت کے ساتھ اس طرح پیش آؤ جیسا تم پسند کرو گے کہ تمہارا امیر تمہارے ساتھ پیش آئے۔ مجھ سے شکایت کی گئی ہے کہ تم مجلس میں تکیہ لگا کر بیٹھتے ہو۔ ایسا نہ کرو اس طرح بیٹھو جس طرح اور لوگ بیٹھتے ہیں (۵)۔“ سماجی مساوات کے بارے میں آپ کی یہ پالیسی پوری طرح نافذ العمل رہتی تھی۔ اس کی ایک وجہ تو آپ کا باخبر رہنا اور اصلاح احوال کیلئے ہمہ تن مصروف رہنا تھا لیکن آپ کے احکامات میں تاثیر کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ آپ خود اپنے قول و عمل سے اس پر کار بند رہتے تھے۔ ان کا اپنا ارشاد ہے ”اگر میں ایسے مقام پر پہنچ جاؤں جہاں صرف میرے لئے گھانٹش ہو اور دوسرے لوگ وہاں نہ سا سکتے ہوں تو خدا کی قسم وہ میرا صحیح مقام نہیں ہے تا آنکہ میں عام لوگوں کے برابر نہ ہو جاؤں (۶)۔“

سماجی مساوات کو پران چڑھانے کا ایک بہت بڑا ذریعہ روزمرہ کی سماجی محافل میں جو نہایت اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ چنانچہ فاروق اعظمؓ ان کی اہمیت و افادیت سے بھی واقف تھے اور اپنی عظیم ذمہ داریوں سے بھی اس لئے ان میں ہر طرح کے امتیازات پر ضرور ضرب لگاتے۔ اس کا اندازہ اس ایک روایت سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ بقول حضرت ابن عباسؓ ایک مرتبہ امیر المومنینؓ حج کیلئے تشریف لائے ہوئے تھے ان کا قیام میرے ہاں تھا۔ ایک دن صفوان بن امیہ نے کھانے کا انتظام کیا کھانے کا ایک بہت بڑا خوان لایا گیا جسے چار آدمی اٹھائے ہوئے تھے۔ کھانے پر سب لوگ بیٹھ گئے کھانا شروع ہوا تو خدام ایک طرف کو ہو گئے۔ امیر المومنین نے پوچھا ”کیا قصہ ہے؟ تمہارے ملازمین تمہارے ساتھ کھانا نہیں کھا رہے۔ کیا تم ان لوگوں کی طرف سے بالکل ہی بے پرواہ ہو؟“ سفیان بن عبد اللہ نے عرض کیا ”امیر المومنین! واللہ یہ بات نہیں ذرا اصل ہمیں فرق مراتب کا بھی تو لحاظ رکھنا ہوتا ہے۔“ یہ سن کر شدید غضبناک ہوئے اور فرمایا ”جو گروہ اپنے آپ کو پست اور اعلیٰ طبقوں میں تقسیم کر رہا ہے اس کیلئے اللہ کی تعزیریں بہت سخت ہوتی ہیں۔“ پھر خدام سے مخاطب ہو کر فرمایا ”اؤ تم لوگ بھی بیٹھ

(۱) کتبہ ۱۱۵۷ ص ۱۲۹ (۲) حدیث ۱۱۵۷ ص ۱۲۹ (۳) کتبہ ۱۱۵۷ ص ۱۲۹ (۴) حدیث ۱۱۵۷ ص ۱۲۹ (۵) حدیث ۱۱۵۷ ص ۱۲۹ (۶) حدیث ۱۱۵۷ ص ۱۲۹

جاء۔ ”پھر یہ عالم تھا کہ خدام نے بیٹھ کر خوب کھایا، لیکن امیر المومنین نے ہاتھ تک نہ لگایا<sup>(۱)</sup>۔

ایک دفعہ قریش کے سرداران بنی سہیل بن عمروؓ حادثہ ابن ہشام ابو سفیان بن حرب اور کچھ دیگر وساطات کیلئے حاضر ہوئے۔ اتفاق سے صہیبؓ بلالؓ اور چند دیگر آزاد کردہ غلام بھی موجود تھے جو غزوہ بدر میں شریک ہوئے تھے حضرت عمرؓ نے سرداروں کو چھوڑ کر انہیں پیسے اندر بلا لیا۔ یہ بات ابو سفیان کو (جو زمانہ جاہلیت میں تمام قریش کے سردار تھے) بڑی ناگوار گزری وہ بولے ”کیا زمانہ ہے غلاموں کو توازن باریابی بخشا گیا اور ہماری طرف کسی نے التفات تک نہیں کیا۔“ جواب میں سہیل بن عمروؓ جو بڑے خردمند شخص تھے بولے ”مجھے تمہاری ناگواری خاطر کا احساس تمہارے چہرہ سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔ اگر تم غضبناک ہو تو سب سے پہلے تمہیں اپنے نفوس پر غصہ کرنا چاہئے۔ پکارنے والے نے تو سب کو پکارا تھا، لیکن انہوں نے دعوت حق کے قیام کرنے میں سہقت لی، لیکن تم نے جھٹلایا۔ اب ذرا قیامت کے دن کا بھی تصور کرو جب یہ لوگ بلائے جائیں اور تمہیں چھوڑ دیا جائے<sup>(۲)</sup>۔ اسی نوع کا ایک اور دلچسپ واقعہ اور بھی ہے جسے نوفل بن عمار نے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ دوسرا حادثہ ابن ہشام اور سہیل بن عمروؓ امیر المومنین سے ملے کیلئے آئے۔ یہ دونوں ان کے دیکھنے اور باتیں جانب بیٹھ گئے اب مہاجرین اولین بھی آنا شروع ہو گئے۔ جو نبی کوئی آتا تو حضرت عمرؓ اسے اپنے قریب جگہ دیتے اور حادثہ سہیل کو ہٹا پڑتا۔ فاروقؓ عظمیٰ کہتے ”سہیل تم ادھر حادثہ تم ادھر یہاں تک کہ یہ دونوں مجلس کے بالکل آخری سرے تک پہنچ گئے۔“ جس وقت یہ لوگ باہر آ رہے تھے تو حادثہ نے سہیل سے کہا ”دیکھا تم نے عمرؓ ہم سے کیسے پیش آئے؟“ سہیل نے جواب دیا ”اے بھائی! میں انہیں نہیں بلکہ اپنے نفوس کو حرامت کرنی چاہئے۔ داعی نے جب انہیں بلایا تو انہوں نے جلدی کی اور ہمیں پکارا تو ہم نے تاخیر کر دی۔“ ان دونوں کے دل پر اس کا بہت زیادہ بوجھ تھا۔ اس دن پھر امیر المومنین کو ملنے چلے گئے اور عرض کیا ”امیر المومنین آپ کے آج کے طرز عمل سے گویا ہماری تنبیہ اور فہمائش مقصود تھی آخر آپ کے قریب کی کوئی صورت بھی ہو سکتی ہے؟“ آپ نے فرمایا ”میں نہیں جانتا سوائے اس کے کہ آپ نے روم کی سرحدوں کی طرف اشارہ فرمایا۔“ چنانچہ دونوں شام کی طرف چلے گئے اور شہادت پائی<sup>(۳)</sup>۔ ان تمام روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فاروقؓ عظمیٰ کے نزدیک سماجی مساوات کا مفہوم دو مقصد ہی یہ تھا کہ معاشرے کے سرداروں زبیسوں اور حکمرانوں اور اختیار و قوت رکھنے والوں کے مقابلے میں پسے ہوئے ناتواں اور کمزور مگر اسلام کے مفلس اور متقی اور قربانیاں دینے والے لوگوں کو سر بلند کیا جائے۔ ان کے حقوق و مفادات کا تحفظ کیا جائے ان کی عزت و تکریم کی جائے ان کے کارناموں اور صلاحیتوں کا اعتراف کیا جائے اور معاشرے میں ان کی سماجی حیثیت کو تسلیم کر دے، انہیں خوب پیرائی دی جائے تاکہ لوگ ہر قسم کے قبائلی، نسلی اور معاشی تفاخر کو چھوڑ کر ان اعلیٰ اوصاف کی بنیاد پر بلند مقام و مرتبہ حاصل کریں جو اسلام کی نظر میں محمود و مطلوب ہیں۔ آپ کی یہ پالیسی بصیرت و حکمت اور فراست و تدبیر کا بہترین نمونہ تھی اس نے تاریخ اسلام پر نہایت گہرے اثرات مرتب کئے۔ آج بھی ہم ان ورثہ مند مثالوں کی روشنی میں ہر طرح کے سماجی امتیازات کا خاتمہ کر سکتے ہیں اور اسلامی تہذیب و ثقافت کے احیاء کیلئے ان سے مدد حاصل کر سکتے ہیں۔

اس عہد میں بھی اس کا نتیجہ بہت اچھا نکلا لوگ ساہا سال کے مروجہ سرداری نظام اور اس کی مسلط کردہ قباحتوں کے چنگل سے آزاد ہو گئے اور انہوں نے سکون و اطمینان کا سانس لیا۔ اس کا اندازہ ثابت کی اس روایت سے لگایا جاسکتا ہے کہ ”ابو سفیانؓ نے مکہ میں ایک غلط جگہ پر اپنا مکان بنوایا اور پہاڑیوں سے آنے والے پانی کے آگے اس طرح پتھر رکھوائے کہ اس سے دیگر لوگوں کے مکانوں کے بہ جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ لوگوں نے حضرت عمرؓ کے پاس آکر شکایت کی تو انہوں نے ابو سفیانؓ کو مجبور کیا کہ وہ سارے پتھر ہٹا دیں جن کی تعداد پچاس تھی تو لوگوں نے قبلہ رخ ہو کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جس نے اسلام کے طفیل دلوں کی مکہ

میں عمر کو ابو سفیان پر ایسا غالب کر دیا جس چیز کا حکم دیتے وہ اس کی اطاعت کرتا ہے<sup>(۱)</sup>۔ "فاروق اعظمؓ نے اسلامی مساوات کے ہمہ گیر تصور کو سیاسی قانونی اور معاشی تمام معاملات پر لاگو کیا، انہوں نے سیاسی اثر و رسوخ اور مقام و مرتبہ کی بنیاد پر کبھی کسی پر عام لوگوں کو فوقیت نہیں دی اور نہ ہی کبھی انہیں ایسے حقوق اور مراعات دیں جن کی وجہ سے وہ بالا طبقہ کے لوگ کہلا سکیں۔

جبہ غسانی شام کے ایک علاقے کا مشہور رئیس اور بادشاہ تھا۔ غسانی قبائل کے رئیس ان دنوں قیصر روم کے دست نگر اور وفادار ہوتے تھے۔ جب رومی سلطنت کی بساط الٹ گئی تو جبہ نے فاروق اعظمؓ کو ایک عریضہ لکھ کر میں مشرف بہ اسلام ہونے کیلئے مدینے آنا چاہتا ہوں۔ فاروق اعظمؓ نے جواب دیا کہ "آجائے تم کو وہی فوائد اور حقوق حاصل ہوں گے جو ہمیں ہیں اور تم پر وہی ذمہ داریاں عائد ہوں گی جو ہمارے اوپر ہیں"<sup>(۲)</sup>۔ "اس جواب سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے صریحاً یہ دریافت کرنے کی کوشش کی تھی کہ اسلام قبول کرنے کے بعد اسے کیا مقام و مرتبہ ملے گا اور کیا اضافی حقوق ہوں گے لیکن حضرت عمرؓ نے واضح طور پر بتا دیا کہ وہ سب مسلمانوں کے مساوی شمار کیا جائے گا بہر حال وہ مسلمان ہو گیا۔ ایک مرتبہ خاندہ کعب کا خوف کر رہا تھا کہ اس کی چادر کا ایک گوشہ ایک شخص کے پاؤں کے نیچے سمیٹا جبہ نے اس کے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا اس نے بھی برابر جواب دیا۔ جبہ غصے سے بے تاب ہو گیا اور حضرت عمرؓ کے پاس آیا حضرت عمرؓ نے اس کی شکایت سن کر کہا "تم نے جو کچھ کیا اس کی سزا پائی۔" اس کو سخت حیرت ہوئی اور کہا کہ "ہم اس مرتبہ کے لوگ ہیں کہ کوئی ہمارے آگے گستاخی سے پیش آئے تو قتل کا مستحق ہوتا ہے۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا "جالیب میں ایسا ہی تھا لیکن اسلام نے پست کو بالا کر دیا۔" اس نے کہا کہ "اگر اسلام ایسا مذہب ہے جس میں شریف و ذلیل کی کچھ تمیز نہیں تو میں اسلام سے باز آتا ہوں۔" غرض وہ چھپ کر قسطنطنیہ چلا گیا لیکن حضرت عمرؓ نے اس کی خاطر قانون انصاف کو بددینا نہیں چاہا<sup>(۳)</sup>۔ آپ نے سیاسی و مالی ذمہ داریاں سونپنے میں اثر و رسوخ کے بجائے ہمیشہ اہلیت و صلاحیت کو سامنے رکھا۔ آپ کے عہد میں آزاد کردہ غلام یعنی موالی بھی ہم عہد و سا پر فائز رہے جس حالانکہ اسلام سے قبل ایسے لوگوں کے کسی قسم کے انسانی، سماجی، سیاسی اور معاشی حقوق تسلیم نہیں کئے جاتے تھے۔ یہ اسلام ہی کی برکت تھی کہ وہ نہ صرف یہ کہ عام لوگوں کے ہم پلہ ہو گئے بلکہ اہم مناصب کے بھی مستحق قرار دیئے گئے۔ فاروق اعظمؓ نے اپنے ایک مولیٰ کو قحطی کا عامل مقرر کیا جن کا نام "بنی" تھا<sup>(۴)</sup>۔ ایک شخص اشق کا بیان ہے کہ میں حضرت عمرؓ کا ایک عیسائی غلام تھا۔ ایک بار انہوں نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ تم مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے تاکہ ہم تمہیں مسلمانوں کے بعض اہم امور سونپ دیں؟ کیونکہ ہمارے لئے یہ مناسب نہیں کہ ہم ان کے امور کسی سے شخص کے سپرد کریں جو ان میں سے نہ ہو۔ میں نے انکار کر دیا تو انہوں نے مجھے آزاد کر دیا اور فرمایا "جہاں چاہو چلے جاؤ"<sup>(۵)</sup>۔

ایک مرتبہ حضرت نافع بن عبد الحارث نے جنہیں فاروق اعظمؓ نے مکہ کا عامل بنادیا تھا ایک مقام مسلمان میں ان سے ملاقات کی۔ حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا کہ "تم نے وادی میں کس کو تحصیلہ ارمقرر کیا ہے؟" انہوں نے جواب دیا کہ "ابن امیر کی کو۔" پوچھا "ابن امیر کی کون ہے؟" جواب ملا "ہمارے آزاد کردہ غلاموں میں سے ایک ہے۔" ارشاد فرمایا "تم نے ایک آزاد کردہ غلام کو ان کا ذمہ داریاں عطا کیے؟" انہوں نے جواب دیا "وہ کتاب اللہ کے عالم اور علم الحرام کے جاننے والے ہیں۔" اس پر فاروق اعظمؓ نے فرمایا "ہاں ایسا کیوں نہ ہو جبکہ تمہارے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے بہت سے لوگوں کو سر بند کرے گا اور بہت سے لوگوں کو نیچے کر دے گا"<sup>(۶)</sup>۔ "جب آپ زخمی حالت میں تھے تو آئندہ خلیفہ کے بارے میں بہت فکر مند تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ "اگر مجھے ان دو آدمیوں میں سے ایک مل جائے تو میں خلافت کی یہ ذمہ داری اس کے سپرد کر دیتا کیونکہ میں دونوں کو قابل مہر و سر سمجھتا ہوں۔ ایک ابی حذیفہ کے آزاد کردہ

(۱) حدیث ابی داؤد (۲) حدیث ابی داؤد (۳) مسند احمد (۴) مسند احمد (۵) مسند احمد (۶) مسند احمد

غلام حضرت سالمؑ اور دوسرے ابو عبیدہ بن الجراحؓ»<sup>(۱)</sup>۔

یہ تمام روایات یہ ثابت کرنے کیلئے کافی ہیں کہ فاروق اعظمؓ کے نزدیک تمام مسلمانوں کے سیاسی حقوق مساوی تھے 'یہاں تک کہ سیاسی عہدوں اور فہمہ واریوں کیلئے 'تراد کردہ' غلام تک برابر استحقاق رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ 'پ' نے اپنے عہد میں جتنے عمل کا تقرر کیا اس میں سارے مسلمانوں کے مساوی حقوق کا اصول سامنے رکھتے ہوئے ان میں سے زیادہ قابلیت و صلاحیت رکھنے والے افراد کو چنانہ تو کسی علاقے 'قبیلے اور خانہ ان کو زیادہ ہمت دی اور نہ ہی امیروں 'سرداروں' رئیسوں اور بادشاہوں کو درخور اعتناء سمجھا۔

علیٰ حد القیاس فاروق اعظمؓ کے سیاسی لائحہ عمل میں ہی مساوت کی پالیسی قانونی معاملات میں بھی تھی ورمعاشی معاملات میں بھی 'جن کی 'سندہ الگ الگ ابواب میں مکمل تفصیل بیان کی جائے گی۔

## ۵۔ قوت نافذہ:

ایک کامیاب سیاستدان و حکمران کے ذاتی اوصاف میں سب سے اہم وصف قوت فیصد اور سیاسی لحاظ عمل میں قوت نافذہ ہے۔ کسی رائے تک پہنچنے میں تاخیر کرے ورنہ اپنے فیصلوں اور پالیسیوں کے سلسلے میں گونگوں میں جھلار بننے والا شخص کبھی کوئی قابل ذکر کارنامہ سرانجام نہیں دے سکتا اور نہ ہی یکسوئی اور دلجمعی سے کوئی کام کر سکتا ہے۔ ایک فہیم و بصیر حکمران وہی ہوتا ہے جو جہد ہی معاملے کی حقیقت تک پہنچ جائے اور بروقت اپنا فیصد سادے اور پھر اسے پوری قوت سے نافذ بھی کر دے۔ اس کے بہت سے فائدے ہوتے ہیں ایک یہ کہ حکومت کی کارکردگی بہتر ہوتی ہے۔ دوسرا یہ کہ ہنگامی سطح تک یکسوئی اور اتحاد و اتفاق پیدا ہوتا ہے۔ تیسرا یہ کہ حالات کنٹرول میں رہتے ہیں اور فتنہ پردازوں اور منافقوں کو سازش کا موقع نہیں ملتا۔ چوتھا یہ کہ حق دار کو اس کا حق اور ظالم کو اس کی سزا بہت جلد مل جاتی ہے۔ پانچواں یہ کہ کسی ایک مسئلے پر غیر ضروری اوقات اور وسائل صرف نہیں ہوتے اور چھٹا یہ کہ حکومت اور عوام کے درمیان ایک گہرا رابطہ و تعلق قائم رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو مختلف امور میں مشورہ کرنے کی ہدایت کے بعد فرمایا ”فاذا عرمت فتوکل علی اللہ ط ان اللہ یحب المتوکلین“ (۱)۔ (جب کسی چیز کا عزم کرو تو پھر اللہ پر بھروسہ کرو اللہ تعالیٰ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اس کے بھروسے پر کام کرتے ہیں)۔ حضرت عمر فاروقؓ بھی اسی آیت کی عملی تفسیر تھے۔ وہ کسی رائے تک پہنچنے کے بعد پھر کبھی سستی اور کوتاہی کا مظاہرہ نہیں کرتے تھے۔ اسے پورے عزم و جوش اور قوت کے ساتھ نافذ کر دیتے تھے۔ یہی ان کی سیاست و تدبیر میں کامیابی و کامرانی کا راز تھا۔ حدیث میں ان کی اسی قوت نافذہ ہی کا تذکرہ کچھ یوں ملتا ہے ”ان اللہ امنی فی امر اللہ عمرو“ (۲)۔ (میری امت میں امر الہی کے بارے میں سب سے زیادہ سخت عزتیں ہیں)۔

اجھے سے اجھے اصول و ضابطے، قوانین و دستاویز اور معقول سے معقول فیصلوں کے پیچھے اگر قوت نافذہ نہ ہو تو وہ بے اثر اور بے فائدہ رہتے ہیں لیکن یہ قوت ہر شخص یا حکمران کے اندر نہیں ہوتی کیونکہ اس کو حاصل کرنے کیلئے کڑے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے جو ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ فارق اعظم کا ارشاد ہے ”اللہ کے حکام وہی شخص نافذ کر سکتا ہے جو نہ تو کسی کی حقان کرے نہ بد اہستہ سے کام لے اور نہ خواہشات نفسانی کے پیچھے چلے۔ اللہ کا حکم وہی شخص نافذ کر سکے گا جس کی قوت کار کبھی اضمحلال کا شکار نہ ہو اور جو حق کے معاملے میں اپنی پارٹی سے بھی رومی نہ برتے“ (۳)۔ ”آپ کی اپنی ذات کیونکہ ان تمام شرائط پر پوری اترتی تھی اس لئے آپ تاریخ اسلام ہی نہیں بلکہ تاریخ انسانیت میں نہایت کامیاب و کامران حکمران کی حیثیت سے یاد کئے جاتے ہیں۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے سوا میں کسی شخص کو نہیں پہنچاتا جس نے نہایت جرأت کے ساتھ اللہ کی راہ میں کسی ملامت کی پرواہ نہ کی ہو“ (۴)۔ ایک آدمی حضرت عمر بن الخطابؓ کے پاس آیا اور پوچھا ”امیر المؤمنین میرے لئے یہ زیادہ بہتر ہے کہ اللہ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی لعن طعن کی پرواہ نہ کروں یا اپنی تمام توجہات اپنے ہی نفس کی اصلاح پر مرکوز رکھوں؟“ آپ نے جواب دیا ”جو فرد کسی درجہ میں بھی مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کا سربراہ کا رہنا پڑا گیا ہو اسے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرنا چاہئے لیکن جس کے سر پر ذمہ داری نہ ہو اسے چاہئے کہ اپنے نفس کی اصلاح کرے اور امور کے ذمہ داران کا خیر خواہ رہے“ (۵)۔

حکمرانوں کی ایک بہت بڑی کمزوری یہی ہوتی ہے کہ وہ بااثر لوگوں کے پراپیگنڈے اور مختلف پریشر گروپس کے دباؤ میں آکر علی الاطلاق حق کا ساتھ دینے اور حق کے مطابق فیصد کرنے سے گریز کرتے ہیں اور بد اہستہ کرنا شروع کر دیتے یا پھر ایسے لوگوں کی ملامت سے خوفزدہ ہوتے ہیں جن کے حقوق و مفادات پر

رد پڑ سکتی ہو۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس کی قوت نافذہ کمزور پڑ جاتی ہے۔ حکومت کے فیصلوں اور قوانین کا احترام اور خوف ختم ہو جاتا ہے جس سے ہر طرف اتار کی و انتشار پھیل جاتا ہے۔ آخر کار کمزور ناپاؤں اور زور آور باغی ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنے ارشادات میں سب سے زیادہ زور دہشت سے گریز اور عامتہ سے بے خوف ہونے پر دیا ہے۔ آپ کی قوت نافذہ کا ایک اور اہم راز یہ بھی تھا کہ آپ محض حکم دے دینے کو کافی نہیں سمجھتے تھے بلکہ اس بات پر نظر رکھتے تھے کہ اس پر اس کی صحیح روح اور مقصد کے مطابق عمل ہو رہا ہے یا نہیں۔ ایک مرتبہ حاضرین سے فرمایا ”کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اگر میں نے اپنے علم کے مطابق بہتر آدمی کو تم پر عامل مقرر کر کے اسے عدل کا حکم دے دیا تو میں اپنے فرض سے عہدہ براء ہو گیا؟“ لوگوں نے کہا ”جی ہاں“ فرمایا ”نہیں! یہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک میں یہ نہ دیکھ لوں کہ جو کچھ میں نے حکم دیا تھا اس پر عمل بھی کیا جا رہا ہے یا نہیں“ (۱)۔ جب بھی آپ کو کسی ذریعے سے یہ اطلاع اور خبر ملتی تھی کہ آپ کے احکامات پر عمل نہیں ہو رہا تو فوراً کارروائی کرتے اور ایسے لوگوں کو عام طور پر سخت سزا دیا کرتے تھے۔ آپ کی یہ گرفت عمال ہی پر ہوتی تھی کیونکہ وہی اس کے سب سے بڑے ذمہ دار ہوتے تھے۔ اس کی ایک مثال عیاض بن غنم کا وہ مشہور واقعہ ہے جسے عمارہ بن خریص نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ جب کسی شخص کو عامل مقرر کرتے تو انصار اور دوسرے لوگوں پر مشتمل ایک جماعت کو گولہ بٹا کر اس شخص سے چار شرائط کی پابندی کرنے کا عہدہ دیتے تھے یہ کہ عہدہ خیر پر سوار نہ ہو گا، بار یک کپڑے نہیں پہنے گا، چھٹا ہوا آئینہ کھائے گا، اپنے دروازے بند کر کے لوگوں کی ضروریات سے بے نیازی نہ برتے گا اور اپنی ذیہ نری پہ دربان نہ رکھے گا (۲)۔ راوی کے بقول ایک مرتبہ آپ مدینے کی سڑک پر جا رہے تھے کسی شخص نے پکار کر آپ سے یہ کہا کہ ”عمرؓ کیا خیال ہے تمہارے عامل عیاض بن غنم کے معر کا عمل رہتے ہوئے بھی کیا تمہاری یہ شرطیں تمہیں اللہ کے حضور تمہیں بچالیں گی؟“ در اس حالیکہ وہ بار یک کپڑے بھی پہنتا ہے اور اپنے دروازے پر دربان بھی رکھتا ہے۔“

اب حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہ کو بلایا جو افسران تک آپ کے پیغامات پہنچایا کرتے تھے اور انہیں معر و نہ کید آپ نے ان سے کہا ”تم انہیں جس حال میں پاؤ اسی حال میں میرے پاس لاؤ۔“ راوی کہتا ہے کہ یہ وہاں پہنچے تو ان کے دروازے پر دربان کو موجود پایا پھر اندر داخل ہوئے تو ان کے من پر ایک مہین قیص نظر آئی۔ انہوں نے اس سے کہا کہ ”امیر المؤمنین کا بلاوا ہے چلو۔“ انہوں نے کہا ”مجھے اپنی قباہت لینے دو۔“ یہ بولے کہ نہیں اسی حال میں چلو۔ راوی کہتے ہیں کہ وہ انہیں لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب حضرت عمرؓ انہیں دیکھ تو فرمایا ”اپنی قیص اتار دو پھر آپ نے مونے اوں کا ایک کر یہ منگوں اور بھیڑ بکریوں کا ایک گلہ اور ایک ماضی بھی منگوائی اور ان سے فرمایا ”یہ کرنا پہنؤ یہ ماضی لو اور یہ بکریاں جو ان کا دودھ خود بھی پیو اور را بکیر وں کو بھی پلاؤ اور جو بچ رہے وہ مارے لئے محفوظ رکھو“ سن کر عمرؓ نے جواب دیا ”ہاں سن لیا مگر موت آجاتا اس سے اچھا ہے (کہ میں ایسا کروں۔)“ آپ نے بار بار ان سے یہی بات کہی مگر ہر بار انہوں نے یہی جواب دیا کہ ”اس سے بہتر یہی ہو گا کہ موت آجائے۔“ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ ”یہ بات تمہیں اتنی ناگوار کیوں محسوس ہوتی ہے جبکہ تمہارے باپ کا نام غنم اسی سے پڑ گیا تھا کہ وہ بکریاں چرا کرتے تھے؟“ کیا تم آئندہ بھلی روش اختیار کر سکو گے؟“ انہوں نے جواب دیا ”ہاں یا امیر المؤمنین!“ آپ نے فرمایا ”اچھا تم چلو اور آپ نے ان کو ان کے منصب پر بحال کر دیا۔“ راوی کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد یہ اتنے اچھے بن گئے کہ حضرت عمرؓ کا کوئی دوسرا عامل اتنا چھلندہ تھا (۳)۔

اس روایت سے احکام و فرامین کے نفاذ کے مسئلے میں آپ کی حکمت عملی کا جو خاکہ سامنے آتا ہے وہ کچھ یوں ہے کہ آپ کی پالیسی بالکل واضح اور شرائط معلوم و مشہور ہوتی تھیں جن کے بقاعدہ کو لاہوتے تھے تاکہ کسی کی سر تابی کی صورت میں ایک دلیل و حجت موجود ہو اور پھر عوام کے اندر بھی آپ نے اس قدر بیداری

پیدا کر دی تھی کہ وہ چلتے پھرتے ہر جگہ پر آپ کو توجہ دلا سکتے تھے کہ آپ کی پالیسی پر کس حد تک عمل ہو رہا ہے۔ پھر آپ کسی شکایت کا فوری نوٹس لیتے تھے اور اپنے عمل کو  
جاری رکھنے کی ضرورت نہیں محسوس کرتے تھے۔ پھر آپ کے فیصلے اور حکم کا یہ حال ہوتا تھا کہ اس کے الفاظ اور معانی دونوں پہلوؤں پر عینہ عمل ہوتا تھا اور اس کی  
حد و درمی کا کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ پھر آپ نہایت سخت گرفت کرتے تھے اور عمل کے رد عمل کو سامنے رکھ کر مستقبل کا فیصلہ کرتے تھے۔ جہاں معزولی ضروری  
ہوتی وہاں معزول کر دیتے اور جہاں صرف انتہا سے بہتر نتائج پیدا ہونے کا امکان ہوتا وہاں اسی سے کام چلاتے۔ کوئی لگا بندھا اصول نہیں ہوتا تھا بلکہ آپ اپنی حکمت و  
بصیرت سے کام لے کر مطلوبہ نتائج کو زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ آپ کی پالیسی میں نیرنگی، جدت اور افلاحت کا عنصر غائب ہوتا تھا۔ آپ کی قوت نافذہ کا ایک عظیم مظہر حضرت  
خالد بن ولیدؓ کی معزولی بھی ہے۔ ان کی تمام جنگی خدمات، زعب و دبدبہ اور مہارت و صلاحیت کے باوجود عہد صدیقی میں ان کے بارے میں بعض شکایتیں پہنچیں تو فاروق  
اعظمؓ کا یہی مشورہ تھا کہ انہیں فوری طور پر معزول کر دیا جائے لیکن حضرت ابو بکرؓ نے مصلحتیہ بات نہیں مانی تھی لیکن جب فاروقؓ عظیم خلیفہ بنے تو فوراً ان کی سپہ سالاری  
سے بنا کر حضرت ابو عبیدہؓ کے ماتحت کر دیا اور فرمایا ”مقتدر کیا نہیں ہے کہ وہ مجھے کوئی بات بھائے جس کا میں ابو بکرؓ کو حکموں اور خود نافذ نہ کر سکوں“ (۱)۔

دوسری مرتبہ جب فوج سے نہیں مکمل طور پر ہر طرف کی گئی تو عالم یہ تھا کہ حضرت بلالؓ نے فاروقؓ اعظمؓ کے حکم پر مجمع عام میں اس کی ٹوپی اتار لی اور مشکیں  
کس دیں اور کہا کہ ”ہم اپنے حاکموں کا حکم سنتے اور اس کی اطاعت کرتے ہیں“ (۲) اور حضرت خالدؓ کا جواب یہ تھا کہ ”میں امیر المؤمنینؓ کی نافرمانی نہیں کر سکتا جو  
تمہیں حکم ملے ویسا ہی کرو“ (۳)۔ ”حکم کے نافذ ہونے کی اس منفرد اور درخشندہ مثال میں جہاں اسلام کے نظام تربیت کا بڑا دخل ہے وہاں خود فاروقؓ اعظمؓ کی  
بارعب شخصیت کا بھی مرکزی کردار ہے۔ تاریخ کے اتنے بڑے اور مشہور و معروف سپہ سالار جو مقبول و ہر دلعزیز بھی ہوں کے خلاف ایسا بڑا اقدام کرنا اور اس  
کے نتیجے میں کسی قسم کا انتظامی مسئلہ پیدا نہ ہونا اور کوئی بڑا رد عمل پیدا نہ ہونا حضرت عمرؓ کی کامیاب قوت نافذہ ہی کا کارنامہ ہے۔ آپ سختی و نرمی کو نہایت بر عمل  
استعمال کرتے تھے اور اس میں ایک حسین امتزاج رکھتے تھے اس لئے آپ کی پالیسی پوری طرح نافذ ہوتی تھی۔ آپ بخوبی جانتے تھے کہ کس معاملے میں سختی کرنا  
ضروری ہے اور کس حد تک ضروری ہے۔ آپ کا یہ ارشاد ہے کہ ”امر خلافت اس وقت تک اصلاح پذیر نہیں ہو سکتا جب تک اس سختی نہ کی جائے جس میں جبر نہ  
ہو اور ایسی نرمی نہ کی جائے جس میں سستی نہ ہو“ (۴)۔ آپ کی شخصیت اور حکمت عملی دونوں کا اثر ہمیں آپ کی قوت نافذہ میں جھلکتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ آپ کی  
وفات کے بعد سختی و نرمی کے توازن میں جب فرق آیا تو اس کے کرنا تک نتائج سامنے آئے اور آپ کی بصیرت و فراست کے نقوش اور زیادہ نمایاں ہوئے۔

روایت میں آتا ہے کہ ۳۶ھ کو آپ کے بعد آنے والے جلیل القدر خلیفہ حضرت عثمانؓ نے حرم کعبہ کی تجدید و توسیع کا حکم دیا۔ انہوں نے ایک جماعت سے  
حرم کی توسیع کیلئے کچھ زمینیں خرید لیں مگر کچھ لوگوں نے انکار کیا تو آپ نے ان کی عمارتیں گرا دیں اور انہیں خرید کر ان کی قیمتیں بیت المال میں جمع کرادیں۔ ان  
لوگوں سے حضرت عثمانؓ کے پاس جا کر چیخ و پکار کی تو آپ نے انہیں قید کرنے کا حکم دیا اور فرمایا ”میرے حکم اور بردباری کی وجہ سے تمہیں یہ جرأت ہوئی ہے  
(کہ تم مجھ پر چلاتے ہو) جب تمہارے ساتھ حضرت عمرؓ نے اس قسم کی کارروائی کی تھی تو ام ان پر نہیں چپے چلائے تھے“ (۵)۔ اسی طرح جب حضرت عثمانؓ کے  
حرف و وسیع پیمانے پر فتنہ پردازوں کے ابھر کر پھیلنے میں آپ کی مرام حرامی اور غفور و گزیر کی پالیسی کا بھی حصہ تھا۔ آپ نے انتشار سے بچنے کیلئے بخاتون کا سختی سے  
سرکپنے سے گریز کیا اور اپنے ممال کو بھی بہت زیادہ ڈھیل دیے رکھی۔ اس کا احساس انہیں اس وقت ہوا جب حالات بے قابو ہو چکے تھے چنانچہ انہی دنوں آپ نے  
لوایوں کے بہت بڑے مرکز مصر کے گورنر حضرت عمرو بن العاصؓ کو بلوایا۔ بہت سی تلخ باتوں کے تبادلے کے بعد آپ نے فرمایا ”اگر میں بھی تم سے اسی طرح

باز پرس کر تا جس طرح حضرت عمرؓ تم سے باز پرس کرتے تھے تو تم سیدھے رہتے مگر میں نے تمہارے ساتھ نرمی اختیار کی "تو تم مجھ پر گستاخ ہو گئے" (۱)۔

## ○ سیاسی استحکام کا فروغ:

### ۱۔ سیاسی گروہوں سے بہتر تعلقات:

فاروق عظیمؓ نے جب خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالیں تو ان کے پیش نظر سب سے ہم مسئلہ یہ تھا کہ مملکت کو سیاسی طور پر مضبوط و مستحکم کریں تاکہ مکمل امن و امان قائم ہو سکے اور ایک منظم دہائی ریاست کا خواب شرمندہ تعبیر ہو جو تمام انسانوں کے حقوق کی حفاظت و بجا آوری کا فریضہ سر انجام دے سکے۔ وہ یہ جانتے تھے کہ عہد جاہلیت کی قبائلی سیاست محدود و محدود ہندوؤں و سب سے زیادہ تر منظم معاشرے سے نا آشنا کی خانہ بدوش اور بدویان طرز تمدن اور باہمی دیرینوں نے ابھی تک ان کی عادات و اطوار کو مکمل طور پر تبدیل نہیں کیا کہ وہ ایک مربوط مہذب معاشرے کے تمام تقاضے پورے کر سکیں۔ خود عہد نبوی ﷺ میں ریاست کا دائرہ محدود ہونے کے باوجود اس میں کچھ نہ کچھ ناخوشگوار واقعات رونما ہوتے رہتے تھے اور منافقین اپنی چال بازیوں میں کامیاب ہو جاتے تھے۔ کبھی اس و خراج کے پرانے، اختلافات بھڑک اٹھتے اور کبھی مہاجرین و انصار کے مابین کوئی رنجش پیدا ہو جاتی تھی۔ کبھی اس پاس کے یہودی و عیسائی قبائل مسلمانوں کو سیاسی طور پر نقصان پہنچانے اور بے اثر کرنے کی سازشیں کرتے رہتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد پورے محاذ کا فتنہ بر ملا مدینہ کی سیاست و قیادت کے خلاف ایک کھلی بغاوت کا اعلان تھا جس میں اکثر و بیشتر قبائل سے بھرپور حصہ لیا اور اپنی اپنی سیاسی آزادی کے علم اٹھائے۔ یہاں تک کہ مذہبی طور پر بھی آزاد ہونے کیلئے نبوت کے جھوٹے دعویداروں کے ہر کاب ہو گئے اور اندرونی حالت یہ تھی کہ تین گروہ سیاسی طور پر ابھر آئے اور انہوں نے اپنے آپ کو منظم کر کے خلافت کا استحقاق ثابت کرنا شروع کر دیا اور عام لوگ کسی نہ کسی سے ضرور متاثر ہوئے۔ حضرت عمرؓ کی دانشمندی اور حاضر دماغی سے مسئلہ خلافت تو طے ہو گیا لیکن تینوں گروہوں میں سیاسی وحدت اور انفرادیت کا شعور بدستور موجود رہا۔ حضرت عمر فاروقؓ کو بنو ہاشم اور انصار کے اکابر سے خلافت صدیقی کو سوانے کیلئے کچھ سختی بھی کرنا پڑی۔ اسی لئے عہد صدیقی میں دونوں گروہ کسی نہ کسی حد تک فاروق عظیمؓ سے کچھ کچھ رہے۔ رویت میں آتا ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضرت ابو بکرؓ سے اپنے مختلف معاملات طے کر کے کیلئے انہیں گھر بلوایا تو یہ شرط عائد کی کہ وہ اکیلے آئیں گے کیونکہ وہ حضرت عمرؓ کی موجودگی کو ناپسند کرتے تھے (۲)۔ اسی طرح حضرت ابو بکر صدیقؓ کو بطور غیغہ فاروق عظیمؓ کی تقرری میں بھی بہت مشکل کا سامنا کرنا پڑا اور اس کا فاروق عظیمؓ کو بھی بخوبی احساس تھا۔ جب انہوں نے خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالیں تو انہوں نے اس اہم مسئلے کی طرف توجہ دی اور یہ کوشش کی کہ سب کو ساتھ لے کر چلیں اور ان میں پائے جانے والے گروہی احساس کو ختم کر کے سب کو وحدت و اخوت کی لڑی میں پرو دیں اور مشترک مقاصد کی خاطر مل جل کر کامے

بڑھنے کا جذبہ دوبارہ تروتارہ کر دیں کیونکہ یہی سیاسی و ملی استحکام کی راہ تھی۔ اس بارے میں وہ کس قدر حساس تھے اس کا اندازہ حسب ذیل روایت سے لگایا جاسکتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ (حضرت) عمرؓ نے قریش کے لوگوں سے فرمایا "مجھے یہ اطلاع پہنچی ہے کہ تم نے (مخصوص) مجلس قائم کر رکھی ہیں یہاں تک کہ جب دو اشخاص بھی کہیں بیٹھتے ہیں تو یہ کہہ جاتا ہے کہ وہ فلاں کے ساتھیوں میں سے ہیں اور وہ فلاں کا ہم نشین ہے۔ یہاں تک کہ ہر مجلس و محفل کی کثرت ہو گئی ہے۔ خدا کی قسم! یہ چیز تمہارے دین و مذہب میں تیزی کے ساتھ پھیل رہی ہے۔ نیز تمہاری عزت و شرافت اور خود تمہاری ذات میں بھی ذلیل ہو رہی ہے۔



مجھے وہ زمانہ نظر آرہا ہے کہ تمہارے بعد جو آئیں گے وہ یہ کہیں گے ”یہ فلاں کی رائے ہے۔“ یہ لوگ اسلام کو کئی حصوں میں باٹ دیں گے۔ تم اپنی مجالس کو وسیع کرو ورنہ مل کر بیٹھ کر دو۔ اس طرح تمہارا اتحاد و اتفاق ہمیشہ قائم رہے گا اور دوسرے لوگوں میں تمہارا عرب ریادہ قائم رہے گا<sup>(۱)</sup>۔“ فاروق عظمیٰ نے اپنی بپناہ بصیرت و فراست سے ایسی سیاسی حکمت عملی اختیار کی کہ تمام سیاسی گروہ مطمئن ہو گئے اور حکومتی معاملات میں ان کے دست و بازو بن کر شریک ہوئے اور اپنی اپنی صلاحیت و استعداد کے مطابق بھرپور مثبت کردار ادا کیا۔ ان کے پورے عہد خلافت میں قبائلی و گروہی پینچش کا کوئی ایک بھی قابل ذکر واقعہ ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ وہ واقعی حدیث نبوی ﷺ کے مطابق فتنوں کے آگے بند و دروازہ ثابت ہوئے۔ مختلف لوگوں کو حکومت کا وفادار اور اپنا گرویدہ بنایا۔ اس کی کچھ جھلکیاں حسب ذیل ہیں۔

### (الف) بوہاشم:

قریش میں بوہاشم کا قبیلہ بہت معزز اور ممتاز تھا۔ رسول اکرم ﷺ کی بعثت سے اسے اور بھی زیادہ شرف حاصل ہو گیا۔ مسلمانوں میں ہمیشہ انہیں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا رہا ہے۔ اس لئے وفات نبوی ﷺ کے بعد ان کا سیاسی اثر و رسوخ بڑھ گیا اور یہ اپنے آپ کو خلافت کا ریادہ مستحق سمجھتے رہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منتخب ہونے کے وقت انہیں جو احساس محرومی پیدا ہوا وہ حضرت عمرؓ کے انتخاب کے وقت اور گہرا ہو گیا۔ یہاں تک کہ بچوں کے دہن بھی اس سے متاثر ہوئے۔ ابو الخثری سے روایات کہ ایک روز حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر پر خطبہ فرما رہے تھے کہ حسین بن علیؓ نے کھڑے ہو کر کہا کہ ”میرے ابا کے منبر کے اوپر سے نیچے اترے۔“ آپ نے فرمایا ”بے شک منبر تمہارے ہی ابا کا ہے میرے باپ کا نہیں مگر یہ تو بتلاؤ کہ تمہیں کس نے سکھایا ہے۔“ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کھڑے ہوئے اور آپ نے کہا ”واللہ! میں نے ان سے کچھ نہیں کہا ہے۔“ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا کر کہا ”اوپر وفاقے خوب ہی مارو گا۔“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ”آپ کا کوچ بات پر کیوں جھڑکتے ہیں واقعی منبر ان کے باپ کا ہے“<sup>(۲)</sup>۔

حضرت عمرؓ نے بڑے خوبصورت انداز میں اس سوال کا جواب دیا اور اس کا برا مانانے کے بجائے انہیں عزت و تکریم دی، لیکن یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ بطور خلیفہ ان کی تقرری کے دنوں میں ان کی شدت و حق پر جو اعتراض کیا گیا تھا اس میں بوہاشم کا بہت بڑا ہاتھ تھا اور ان کے عہد خلافت کے آغاز میں بھی بدستور موجود تھا اور لوگوں میں کسی نہ کسی انداز میں پھیلا یا جا رہا تھا۔ محمد بن زید سے مروی ہے کہ علیؓ اور عثمانؓ اور طلحہؓ اور زبیرؓ اور عبدالرحمن بن عوفؓ اور سعدؓ سب مل کے جمع ہوئے۔ ان میں سب سے زیادہ عمرؓ سے بے باک (بے تکلف) عبدالرحمن بن عوفؓ تھے۔ سب نے عبدالرحمن بن عوفؓ سے کہا کہ ”آپ امیر المومنین سے لوگوں کیلئے گفتگو کرتے (تو بہتر ہوتا) کیونکہ انسان غالب حاجت بن کر آتا ہے اسے آپ کی سیب اپنی حاجت بیان کرنے سے روکتی ہے اور وہ بغیر اپنی حاجت بیان کئے واپس چلا جاتا ہے۔“ عبدالرحمنؓ ان کے پاس گئے اور کہا ”اے امیر المومنین! لوگوں پر نرمی کیجئے کیونکہ آنے والا آتا ہے اسے آپ کی اہمیت اپنی حاجت بیان کرنے سے روک دیتی ہے اور وہ واپس چلا جاتا ہے“ آپ سے گفتگو نہیں کرتا۔“ فرمایا ”اے عبدالرحمنؓ! تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں بیچ بتاؤ کیا علیؓ اور طلحہؓ زبیرؓ و سعدؓ نے تمہیں اس بات کا مشورہ دیا؟“ انہوں نے کہا ”جی ہاں!“ فرمایا ”اے عبدالرحمنؓ! واللہ! میں لوگوں کیلئے نرم ہو گیا تھا مگر نرمی میں بھی اللہ سے ڈرا ہجھڑ میں نے سختی کی یہاں تک کہ سختی میں بھی اللہ سے ڈرا پھر رہائی کی کوئی صورت ہے۔“ عبدالرحمنؓ اپنی چادر کو ہاتھ سے کھینچے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے اٹھے کہ ”آپ کے بعد لوگوں کیلئے افسوس ہے آپ کے بعد لوگوں کیلئے افسوس ہے“<sup>(۳)</sup>۔

بہر حال فاروق اعظمؓ نے پورے خصوص اور نیک نیتی سے مسلسل یہ کوشش کی کہ ہواشم کے دلوں میں پائے جانے والے رنج و غم کو کم کریں اور انہیں امور مملکت میں پورے طور پر شریک کریں۔ وہ ہواشم کو خلافت کا اہل تو سمجھتے تھے لیکن انہیں اس بات سے انکار تھا کہ یہ کوئی موردی استحقاق ہے جو لوگوں کی آزادانہ مرضی کے بغیر شخص خاندان کی بناء پر کسی کو دیا جاسکتا ہے۔ وہ بجا طور پر اسے ایک انتخابی اور وہ سمجھتے تھے جو عوام کی مرضی سے نکل کر ترین شخص کو منصب امارت سونپنے کا ذریعہ تھا۔ خواہ اس کا کسی خاندان و قبیلہ سے تعلق ہو اس انتخاب میں ذاتی و صاف کے ساتھ ساتھ سیاسی حالات اور دیگر اسباب و عامل اور اثرات و نتائج کو بھی سامنے رکھ کر فیصلہ کرنا ضروری تھا چنانچہ انہوں نے مختلف انداز سے ہواشم کو صحیح صورت حال سمجھانے کی کوشش کی چنانچہ ایک سفر کے دوران مناسب موقع دیکھ کر حضرت ابن عباسؓ سے فرمایا "اے ابن عباس! حضرت علیؓ ہمارے ساتھ کیوں روانہ نہیں ہوئے؟" حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا "مجھے معلوم نہیں۔" پھر آپؓ نے فرمایا "اے ابن عباس! تمہارے والد رسول اللہ ﷺ کے چچ ہیں اور تم اس کے چچا کو بھائی ہو پھر تمہاری قوم کو (تمہیں منتخب کرنے سے) کس چیز نے روکا؟" میں نے کہا "مجھے معلوم نہیں۔" انہوں نے کہا "لیکن مجھے معلوم ہے کہ وہ ناپسند کرتے تھے۔" میں نے کہا "کیوں؟ ہم تو ان کیلئے بہترین انسان تھے۔" آپؓ نے فرمایا "وہ اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ نبوت و خلافت دونوں چیزیں تمہارے اندر جمع ہوں شاید تم کہو کہ حضرت ابو بکرؓ نے اس بات سے رجوع کر لیا تھا مگر نہیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے سب سے زیادہ دانشمندانہ طریقہ اختیار کیا۔ اگر وہ خلافت کو تمہارے لئے مقرر کرتے تو قریب ہونے کے باوجود تمہیں کوئی فائدہ نہ پہنچتا" (۱)۔

راستہ لبا تھا شعر و شاعری کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ حضرت عمرؓ کی فرمائش پر ابن عباسؓ نے زہیر کے چند مدیہ شعرا لائے تو حضرت عمرؓ نے اس نے بہت خوب شاعر کہے ہیں۔ میرے علم میں قبیلہ ہاشمی ہواشم سے بڑھ کر ان کا کوئی مصدق نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے قربت دہری کی وجہ سے انہیں فضیلت حاصل ہے حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: "آپؓ نے صحیح بات کہی ہے اور توفیق خداوندی ہمیشہ آپؓ کے شامل حال رہی ہے۔" پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا: "ابن عباسؓ! کیا تم جانتے ہو کہ حضرت محمد ﷺ کے بعد تمہاری قوم کو تم سے کس چیز نے روکا؟" بقول حضرت ابن عباسؓ میں نے اس کا جواب دیا: "میں نے کہا کہ تمہیں میں نہیں جانتا تو میرا ہواشم میں مجھے اس سے باخبر کریں۔" آپؓ نے فرمایا: "یہ نہیں چاہتے تھے کہ تمہارے اندر نبوت و خلافت جمع ہو سہا کہ تمہاری قوم سے بدسلوکی کر دے اس لئے قریش نے خلافت کو اپنے لئے پسند کیا۔ ان کی یہ رائے درست تھی اور اس میں وہ کامیاب رہے" (۲)۔ اس گفتگو سے حضرت ابن عباسؓ پوری طرح قائل تو نہ ہو سکے اور انہوں نے کھل کر اپنا موقف بھی پیش کیا (۳)۔ لیکن اس سے یہ اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے دانا و قاتا ہواشم کی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ فاروق اعظمؓ نے ان کلاموں کے ساتھ ساتھ اپنے عملی رویے سے ان کی قدر و منزلت بھی کی اور انہیں سیاسی امور میں بھی شریک کیا۔ ایک کام یہ کیا کہ حضرت علیؓ کو مرکزی شوری کارکن بنایا اور انہیں متحرک کیا جب بھی کوئی معاملہ درپیش ہوتا تو ان کی رائے کو خصوصی طور پر معلوم کرتے اور اسے بہت زیادہ وزن دیتے۔ اکثر اسی کے مطابق فیصلہ لیتے تھے کیونکہ ان کے نزدیک وہ زیادہ صاحب ہوتی تھیں۔ روایت میں آتا ہے کہ عمرؓ ایک زمانے تک اس طرح رہے کہ بیت لیل سے کچھ نہیں کھاتے تھے یہاں تک کہ فقر کی نوبت آگئی انہوں نے اصحاب رسول ﷺ کو بلا کر ان سے مشورہ طلب کیا کہ "میں نے اپنے آپ کو اس خلافت میں مشغول کیا ہے مگر میرے لئے کافی نہیں ہے۔" عثمان بن عفانؓ نے کہا کہ "کھائیے اور کھائیے۔" یہی سعید بن زید بن عمرو بن مسیل نے بھی کہا۔ آپؓ نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ اس معاملے میں تم کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا: "مجھ کو شام کا کھانا (کھائیے)۔" عمرؓ نے اسی کو اختیار کیا (۴)۔ اسی طرح دیگر بہت سے امور میں حضرت علیؓ کی رائے پر عمل کیا مثلاً حد شرب کا تعین (۵)۔ سو کی زمینوں کی عدم تقسیم کا فیصلہ (۶)۔ فطری روزہ میں کوئی نئی چیز کا کھانا (۷)۔ تیسری مرتبہ چوری کرنے والے کا دوسرا تاجہ کاٹنے کے بجائے اسے قید کر دینے کا معاملہ (۸)۔ حضرت علیؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فقہی بصیرت کے خاص طور پر معترف تھے اور کھلے عام

(۱) ترمذی: ۱۱۰۲ (۲) ترمذی: ۱۱۰۲ (۳) مسند: ۱۱۰۲ (۴) مسند: ۱۱۰۲ (۵) مسند: ۱۱۰۲ (۶) مسند: ۱۱۰۲ (۷) مسند: ۱۱۰۲ (۸) مسند: ۱۱۰۲۔

اس کا اظہار فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ خطبے میں فرمایا ”ہم میں سب سے زیادہ علم فقہ کے ماہر علیؑ ہیں“ (۱)۔ ”کادسہ کے معرکے میں ان سے مزید فوجی کمک بھیجنے کی درخواست کی گئی تو انہوں نے خود ہی جانے کا ارادہ فرمایا۔ حضرت عباسؑ بن عبدالمطلب اور دیگر اکابر صبیحہ نے اپنے مقام پر رہ کر ہی جیوش و بھوش بھیجنے کا مشورہ دیا تو سے قبول کر لیا (۲)۔ حضرت عمر فاروقؓ نے سب سے بڑھ کر بنو ہاشم کی قدر و منزلت کی۔ دیوان کو مرتب کرنے کا پروگرام بنایا تو حضرت علیؑ کو شامل مشورہ کیا۔ مردم شماری اور ترتیب دیوان کیلئے تین آدمیوں پر مشتمل کمیٹی بنائی تو اس میں حضرت عقیلؑ بن ابل طالب کو بھی مقرر کیا (۳)۔ مرتبے کے لحاظ سے درجہ بندی میں بنو ہاشم کو نبی کریم ﷺ سے قربت کی وجہ سے سب سے پہلے نمبر پر رکھا۔ ان کے بعد وہ لوگ جو رسول اکرم ﷺ سے قریب تھے۔ بدری صحابہؓ کے وظائف پانچ ہزار درہم سالانہ مقرر کئے اور حضرت علیؑ کے ساتھ ساتھ حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ کے وظائف بھی پانچ پانچ ہزار مقرر کئے اور حضرت عباسؑ کا وظیفہ بھی پانچ ہزار مقرر کیا (۴)۔ حضرت انسؓ کے بقول جب کبھی قحط پڑتا تھا تو حضرت عمرؓ حضرت عباسؓ کے دیسے سے دعائے استغفار کرتے تھے اور فرماتے تھے ”اے اللہ! ہم نبی ﷺ کو وسیلہ بناتے تھے تو بارش برساتا تھا۔ اب ہم اپنے نبی کے چچ کو وسیلہ بناتے ہیں! پس بارش برساتے“ (۵)۔

مسائب کے بقول قحط کے روز صبح کو میں نے عمرؓ کو عاجزی و گریہ دزاری کرتے دیکھا۔ جسم پر ایک چادر تھی جو گھٹنوں تک نہیں پہنچتی تھی آپ استغفار میں اپنی آواز بلند کر رہے تھے آنکھیں رخی رخی پر آنسو بہا رہی تھیں ”وائی جانب عباسؑ بن عبدالمطلب تھے۔ اس روز اس طرح دعا کی کہ رو بہم تھے اور ہاتھ آسمان کی طرف اٹھ کے بلند آواز سے اپنے رب کو پکارا اور دعا کی۔ ان کے ساتھ لوگوں نے بھی دعا کی پھر آپ نے عباسؑ کا ہاتھ پکڑ کے کہا ”اے اللہ! ہم لوگ تیرے رسول ﷺ کے چچ کو تیرے سامنے شفیع بناتے ہیں۔ عباسؑ بھی بڑی دیر تک ان کے پہلو میں کھڑے ہوئے دعا کر رہے تھے اور ان کی آنکھیں برس رہی تھیں (۶)۔“ ایک مرتبہ بہت سارا مال آیا اس کی تقسیم کا پروگرام بنایا تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن عباسؑ کو بلایا اور فرمایا ”میں نے تم دونوں سے زیادہ خاندان والا کسی کو نہیں دیکھا۔ تم دونوں اس مال کو لوگوں میں تقسیم کر دو۔ اگر کچھ بڑھے تو اسے واپس کر دینا (۷)۔“

قرآن مجید میں مال غنیمت کے پانچویں حصے کو اللہ اس کے رسول ﷺ اور قربت داروں کا حق قرار دیا گیا ہے (۸)۔ رسول اکرم ﷺ اس کے چار حصے کرتے تھے۔ ایک حصہ اپنے قرابت داروں دوسرا تیسرا تیسرا مساکین چوتھا مسافروں اور مہمانوں پر خرچ کرتے تھے (۹)۔ آپ کی وفات کے بعد کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ ایک حصہ بدستور آنحضور ﷺ کے قرابت داروں کا حق ہے اور کچھ کا خیال تھا کہ آپ کے خلیفہ کے رشتہ داروں کو ملے گا (۱۰)۔ حضرت جبر بن مطعم سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ ان موال کو انہیں مدد میں تقسیم کر دیتے تھے جن میں آنحضور ﷺ کرتے تھے لیکن آپ کے رشتہ داروں کو کہیں دیتے تھے لیکن حضرت عمر فاروقؓ نے انہیں دینا شروع کر دیا بعد کے خلفاء نے اسی پر عمل کیا (۱۱)۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ ”رسول اللہ ﷺ کا حصہ آپ کے بعد خلیفہ کو ملے گا۔“ پھر ان میں سب بات پر اتفاق ہو گیا کہ یہ دونوں حصے گھوڑوں اور خدا کی راہ میں جہاد کی تیاری میں صرف کر دیں (۱۲)۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فیس کا پانچواں حصہ پورے کا پورا ان کے حوالے کرنے کی تجویز تو منظور نہ کی البتہ یہ اعلان کر دیا کہ اس سے بنو ہاشم کے ہر عیر شادی شدہ فرد کی شادی کرادیں گے اور ہر عیر مدار کو خادم فرما کر دیں گے اور یہیے لوگوں کو زیادہ حصہ دیں گے جن کی تعداد زیادہ ہوگی اور ضرورت مندی کی بنیاد پر زیادہ مستحق ہوں گے (۱۳)۔

اسی طرح بنو نضیر کے حوال کو بھی میراث کے طور پر حضرت علیؑ اور حضرت عباسؑ کے حوالے تو نہ کیا کیونکہ انبیاء کریم کی میراث نہیں ہوتی۔ البتہ انہیں یہ

(۱) - مسند ۲۳۹، ۲ (۲) - مسند ۲۵۵، ۱ (۳) - مسند ۲۹۷، ۳ (۴) - عید ۲۱۲، ۳ (۵) - بحار ۱۶، ۲ (۶) - مسند ۲۲۲، ۳

(۷) - عید ۲۳۲، ۳ (۸) - مسند ۲۸۸، ۳ (۹) - عید ۲۹۸، ۱ (۱۰) - مسند ۳۵۵، ۳ (۱۱) - عید ۲۸۸، ۳ (۱۲) - مسند ۳۰۳، ۳ (۱۳) - عید ۲۸۸، ۳

فرمایا کہ اگر آپ لوگ چاہیں تو ان کا انتظام آپ لوگوں کے سپرد کر سکتا ہوں، لیکن آپ لوگوں کیسے ضروری ہو گا کہ اللہ کے عہد اور بیٹاق پر مضبوطی سے قائم رہیں اور اس مال میں وہی مصارف باقی رہیں جو رسول اکرم ﷺ سے باقی رکھے۔ انہوں نے اس کا اقرار کیا تو ان کے حوالے کر دیا۔ حضرت علیؓ کے بقول ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے پاس آیا تو انہوں نے جا کر مجھے کہا کہ 'اے عیسیٰ' میں نے کہا کہ 'میں نہیں بیٹھا چاہتا۔' آپ نے فرمایا 'اے عیسیٰ' آپ اس کے زیادہ حقدار ہیں۔' میں نے کہا مجھے اس کی حاجت نہیں ہے۔' پھر آپ نے سے بیت المال میں جمع کر دیا<sup>(۱)</sup>۔ یہ بھی سواہشم کی بہت بڑی قدر افزائی تھی کہ اسے اپنے ہاتھ میں لینے کے بجائے ان پر اعتماد کیا۔

حضرت عمر فاروقؓ جب صلح حدیبیہ کے موقع پر شام تشریف لے گئے تو حضرت علیؓ کو بھیجے پناہ قائم مقام بنا کر گئے<sup>(۲)</sup>۔ جب خلیفہ کے انتخاب کیسے چھ آدمیوں پر مشتمل مجلس شوریٰ بنائی تو اس میں حضرت علیؓ کا نام بھی شامل کیا<sup>(۳)</sup>۔ اس طرح انہیں خلافت کا پوری طرح اہل سمجھا انہیں اس بات کی توقع تھی کہ لوگ حضرت عثمانؓ یا حضرت علیؓ میں سے کسی کو منتخب کریں گے اس لئے دونوں کو الگ الگ جا کر وصیت کی۔ حضرت علیؓ سے فرمایا 'اے علیؓ شاید یہ لوگ رسول اللہ ﷺ سے تمہاری قربت اور دہادی کو اور جو کچھ اللہ نے تمہیں علم و فضل عطا کیا ہے اس کا لحاظ کریں اگر تم اس امر کے والی ہو تو اللہ سے ڈرنا'<sup>(۴)</sup>۔ حضرت عمر فاروقؓ نے سواہشم میں سے کسی کو عامل و امیر بنا کر مدینے سے باہر نہیں بھیجا۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ انہیں کا دربار حکومت چلانے کیسے مشوروں کی ضرورت ہوتی تھی درودہ ان کی قابلیت و سیقت اور عقل و حکمت سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ دوسرا ان کی تعظیم پیش نظر تھی۔ ان کا یہ ہمیشہ دستور رہا کہ زیادہ فضیلت رکھنے والے صحابہ کرام کو چھوڑ کر کم افضل لوگوں کو عامل بناتے تھے۔ اس کی وجہ ان سے پوچھی گئی تو فرمایا 'مجھے یہ ناپسند ہے کہ انہیں عمل میں آلودہ کروں'<sup>(۵)</sup>۔ ایک دن حضرت ابن عباسؓ سے فرمایا کہ 'بخدا میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ تم لوگوں کو چھوڑ کر دوسروں کو عامل مقرر کرتے تھے بخدا میں نہیں کہہ سکتا کہ حضور ﷺ آپ حضرات سے ارادہ دار رہتے تھے' حاکمانہ آپ اس کے اہل تھے یا ذات رسالت کو یہ اندیشہ تھا کہ آپ لوگ اسے اپنے مرتبے کیسے استعمال کریں گے اور آپ پر عتاب ہو گا اور عتاب ضرور ہو گا'<sup>(۶)</sup>۔ حضرت عمر فاروقؓ کے ان تمام اقدامات سے سواہشم آپ سے پوری طرح مطمئن ہو گئے۔ انہوں نے آپ سے تمام امور میں بھرپور تعاون کیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آپ کی حکومت و خلافت کو استحکام ملا اور ریاست اندرونی طور پر مضبوط ہو گئی۔

### (ب) مہاجرین و انصار:

مہاجرین و انصار دونوں ہی بہت اہم گروہ تھے۔ دونوں کی اسلام کیلئے بے شمار خدمات اور قربانیاں تھیں اور ان کی قدر و منزلت بھی مسلمہ تھی۔ یہی لحاظ سے دونوں مضبوط تھے۔ موخت مدینہ نے دونوں میں بہت قربت و چٹانگت پیدا کر دی تھی۔ دینی امور میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے، مقصد کی یکسانیت کے باوجود سیاسی طور پر ان میں الگ الگ تشخص کا احساس کسی نہ کسی حد تک موجود رہا۔ اس کی وجہ مزاج و طہار کے فرق کے ساتھ ساتھ سابقہ سیاسی نظام اور قبائلیت و علاقائیت کے گہرے شعور کے اثرات اکابرین کو چھوڑ کر عام سطح کے لوگوں میں موجود تھے۔ رسول کرم ﷺ کی وفات کے وقت دونوں کا یہ دعویٰ تھا کہ خلیفہ ان میں سے ہونا چاہئے کیونکہ اپنی اپنی خدمات کے حوالے سے وہ اس کے زیادہ مستحق ہیں۔ یہ مسئلہ صرف مدینے ہی کی سطح تک محدود ہوتا تو شاید اس کا طے کرنا مشکل ہو جاتا لیکن معاملہ پورے عرب کی قیادت کا تھا اس لئے فاروق اعظمؓ کی اس دلیل میں بہت وزن تھا جو انہوں نے سقیہ بنی ساعدہ میں پیش کی تھی "خدا کی قسم اگر عرب تمہاری سیادت ہرگز قبول نہیں کریں گے جبکہ نبی ﷺ تم میں سے نہیں تھے۔ وہ تو انہیں کو پناہ میرا میں گئے جن میں نبوت تھی (۷)۔"

(۱) دور ۲۲۳ ۲۲۴ ۲۲۵ ۲۲۶ ۲۲۷ ۲۲۸ ۲۲۹ ۲۳۰ ۲۳۱ ۲۳۲ ۲۳۳ ۲۳۴ ۲۳۵ ۲۳۶ ۲۳۷ ۲۳۸ ۲۳۹ ۲۴۰ ۲۴۱ ۲۴۲ ۲۴۳ ۲۴۴ ۲۴۵ ۲۴۶ ۲۴۷ ۲۴۸ ۲۴۹ ۲۵۰ ۲۵۱ ۲۵۲ ۲۵۳ ۲۵۴ ۲۵۵ ۲۵۶ ۲۵۷ ۲۵۸ ۲۵۹ ۲۶۰ ۲۶۱ ۲۶۲ ۲۶۳ ۲۶۴ ۲۶۵ ۲۶۶ ۲۶۷ ۲۶۸ ۲۶۹ ۲۷۰ ۲۷۱ ۲۷۲ ۲۷۳ ۲۷۴ ۲۷۵ ۲۷۶ ۲۷۷ ۲۷۸ ۲۷۹ ۲۸۰ ۲۸۱ ۲۸۲ ۲۸۳ ۲۸۴ ۲۸۵ ۲۸۶ ۲۸۷ ۲۸۸ ۲۸۹ ۲۹۰ ۲۹۱ ۲۹۲ ۲۹۳ ۲۹۴ ۲۹۵ ۲۹۶ ۲۹۷ ۲۹۸ ۲۹۹ ۳۰۰ ۳۰۱ ۳۰۲ ۳۰۳ ۳۰۴ ۳۰۵ ۳۰۶ ۳۰۷ ۳۰۸ ۳۰۹ ۳۱۰ ۳۱۱ ۳۱۲ ۳۱۳ ۳۱۴ ۳۱۵ ۳۱۶ ۳۱۷ ۳۱۸ ۳۱۹ ۳۲۰ ۳۲۱ ۳۲۲ ۳۲۳ ۳۲۴ ۳۲۵ ۳۲۶ ۳۲۷ ۳۲۸ ۳۲۹ ۳۳۰ ۳۳۱ ۳۳۲ ۳۳۳ ۳۳۴ ۳۳۵ ۳۳۶ ۳۳۷ ۳۳۸ ۳۳۹ ۳۴۰ ۳۴۱ ۳۴۲ ۳۴۳ ۳۴۴ ۳۴۵ ۳۴۶ ۳۴۷ ۳۴۸ ۳۴۹ ۳۵۰ ۳۵۱ ۳۵۲ ۳۵۳ ۳۵۴ ۳۵۵ ۳۵۶ ۳۵۷ ۳۵۸ ۳۵۹ ۳۶۰ ۳۶۱ ۳۶۲ ۳۶۳ ۳۶۴ ۳۶۵ ۳۶۶ ۳۶۷ ۳۶۸ ۳۶۹ ۳۷۰ ۳۷۱ ۳۷۲ ۳۷۳ ۳۷۴ ۳۷۵ ۳۷۶ ۳۷۷ ۳۷۸ ۳۷۹ ۳۸۰ ۳۸۱ ۳۸۲ ۳۸۳ ۳۸۴ ۳۸۵ ۳۸۶ ۳۸۷ ۳۸۸ ۳۸۹ ۳۹۰ ۳۹۱ ۳۹۲ ۳۹۳ ۳۹۴ ۳۹۵ ۳۹۶ ۳۹۷ ۳۹۸ ۳۹۹ ۴۰۰ ۴۰۱ ۴۰۲ ۴۰۳ ۴۰۴ ۴۰۵ ۴۰۶ ۴۰۷ ۴۰۸ ۴۰۹ ۴۱۰ ۴۱۱ ۴۱۲ ۴۱۳ ۴۱۴ ۴۱۵ ۴۱۶ ۴۱۷ ۴۱۸ ۴۱۹ ۴۲۰ ۴۲۱ ۴۲۲ ۴۲۳ ۴۲۴ ۴۲۵ ۴۲۶ ۴۲۷ ۴۲۸ ۴۲۹ ۴۳۰ ۴۳۱ ۴۳۲ ۴۳۳ ۴۳۴ ۴۳۵ ۴۳۶ ۴۳۷ ۴۳۸ ۴۳۹ ۴۴۰ ۴۴۱ ۴۴۲ ۴۴۳ ۴۴۴ ۴۴۵ ۴۴۶ ۴۴۷ ۴۴۸ ۴۴۹ ۴۵۰ ۴۵۱ ۴۵۲ ۴۵۳ ۴۵۴ ۴۵۵ ۴۵۶ ۴۵۷ ۴۵۸ ۴۵۹ ۴۶۰ ۴۶۱ ۴۶۲ ۴۶۳ ۴۶۴ ۴۶۵ ۴۶۶ ۴۶۷ ۴۶۸ ۴۶۹ ۴۷۰ ۴۷۱ ۴۷۲ ۴۷۳ ۴۷۴ ۴۷۵ ۴۷۶ ۴۷۷ ۴۷۸ ۴۷۹ ۴۸۰ ۴۸۱ ۴۸۲ ۴۸۳ ۴۸۴ ۴۸۵ ۴۸۶ ۴۸۷ ۴۸۸ ۴۸۹ ۴۹۰ ۴۹۱ ۴۹۲ ۴۹۳ ۴۹۴ ۴۹۵ ۴۹۶ ۴۹۷ ۴۹۸ ۴۹۹ ۵۰۰ ۵۰۱ ۵۰۲ ۵۰۳ ۵۰۴ ۵۰۵ ۵۰۶ ۵۰۷ ۵۰۸ ۵۰۹ ۵۱۰ ۵۱۱ ۵۱۲ ۵۱۳ ۵۱۴ ۵۱۵ ۵۱۶ ۵۱۷ ۵۱۸ ۵۱۹ ۵۲۰ ۵۲۱ ۵۲۲ ۵۲۳ ۵۲۴ ۵۲۵ ۵۲۶ ۵۲۷ ۵۲۸ ۵۲۹ ۵۳۰ ۵۳۱ ۵۳۲ ۵۳۳ ۵۳۴ ۵۳۵ ۵۳۶ ۵۳۷ ۵۳۸ ۵۳۹ ۵۴۰ ۵۴۱ ۵۴۲ ۵۴۳ ۵۴۴ ۵۴۵ ۵۴۶ ۵۴۷ ۵۴۸ ۵۴۹ ۵۵۰ ۵۵۱ ۵۵۲ ۵۵۳ ۵۵۴ ۵۵۵ ۵۵۶ ۵۵۷ ۵۵۸ ۵۵۹ ۵۶۰ ۵۶۱ ۵۶۲ ۵۶۳ ۵۶۴ ۵۶۵ ۵۶۶ ۵۶۷ ۵۶۸ ۵۶۹ ۵۷۰ ۵۷۱ ۵۷۲ ۵۷۳ ۵۷۴ ۵۷۵ ۵۷۶ ۵۷۷ ۵۷۸ ۵۷۹ ۵۸۰ ۵۸۱ ۵۸۲ ۵۸۳ ۵۸۴ ۵۸۵ ۵۸۶ ۵۸۷ ۵۸۸ ۵۸۹ ۵۹۰ ۵۹۱ ۵۹۲ ۵۹۳ ۵۹۴ ۵۹۵ ۵۹۶ ۵۹۷ ۵۹۸ ۵۹۹ ۶۰۰ ۶۰۱ ۶۰۲ ۶۰۳ ۶۰۴ ۶۰۵ ۶۰۶ ۶۰۷ ۶۰۸ ۶۰۹ ۶۱۰ ۶۱۱ ۶۱۲ ۶۱۳ ۶۱۴ ۶۱۵ ۶۱۶ ۶۱۷ ۶۱۸ ۶۱۹ ۶۲۰ ۶۲۱ ۶۲۲ ۶۲۳ ۶۲۴ ۶۲۵ ۶۲۶ ۶۲۷ ۶۲۸ ۶۲۹ ۶۳۰ ۶۳۱ ۶۳۲ ۶۳۳ ۶۳۴ ۶۳۵ ۶۳۶ ۶۳۷ ۶۳۸ ۶۳۹ ۶۴۰ ۶۴۱ ۶۴۲ ۶۴۳ ۶۴۴ ۶۴۵ ۶۴۶ ۶۴۷ ۶۴۸ ۶۴۹ ۶۵۰ ۶۵۱ ۶۵۲ ۶۵۳ ۶۵۴ ۶۵۵ ۶۵۶ ۶۵۷ ۶۵۸ ۶۵۹ ۶۶۰ ۶۶۱ ۶۶۲ ۶۶۳ ۶۶۴ ۶۶۵ ۶۶۶ ۶۶۷ ۶۶۸ ۶۶۹ ۶۷۰ ۶۷۱ ۶۷۲ ۶۷۳ ۶۷۴ ۶۷۵ ۶۷۶ ۶۷۷ ۶۷۸ ۶۷۹ ۶۸۰ ۶۸۱ ۶۸۲ ۶۸۳ ۶۸۴ ۶۸۵ ۶۸۶ ۶۸۷ ۶۸۸ ۶۸۹ ۶۹۰ ۶۹۱ ۶۹۲ ۶۹۳ ۶۹۴ ۶۹۵ ۶۹۶ ۶۹۷ ۶۹۸ ۶۹۹ ۷۰۰ ۷۰۱ ۷۰۲ ۷۰۳ ۷۰۴ ۷۰۵ ۷۰۶ ۷۰۷ ۷۰۸ ۷۰۹ ۷۱۰ ۷۱۱ ۷۱۲ ۷۱۳ ۷۱۴ ۷۱۵ ۷۱۶ ۷۱۷ ۷۱۸ ۷۱۹ ۷۲۰ ۷۲۱ ۷۲۲ ۷۲۳ ۷۲۴ ۷۲۵ ۷۲۶ ۷۲۷ ۷۲۸ ۷۲۹ ۷۳۰ ۷۳۱ ۷۳۲ ۷۳۳ ۷۳۴ ۷۳۵ ۷۳۶ ۷۳۷ ۷۳۸ ۷۳۹ ۷۴۰ ۷۴۱ ۷۴۲ ۷۴۳ ۷۴۴ ۷۴۵ ۷۴۶ ۷۴۷ ۷۴۸ ۷۴۹ ۷۵۰ ۷۵۱ ۷۵۲ ۷۵۳ ۷۵۴ ۷۵۵ ۷۵۶ ۷۵۷ ۷۵۸ ۷۵۹ ۷۶۰ ۷۶۱ ۷۶۲ ۷۶۳ ۷۶۴ ۷۶۵ ۷۶۶ ۷۶۷ ۷۶۸ ۷۶۹ ۷۷۰ ۷۷۱ ۷۷۲ ۷۷۳ ۷۷۴ ۷۷۵ ۷۷۶ ۷۷۷ ۷۷۸ ۷۷۹ ۷۸۰ ۷۸۱ ۷۸۲ ۷۸۳ ۷۸۴ ۷۸۵ ۷۸۶ ۷۸۷ ۷۸۸ ۷۸۹ ۷۹۰ ۷۹۱ ۷۹۲ ۷۹۳ ۷۹۴ ۷۹۵ ۷۹۶ ۷۹۷ ۷۹۸ ۷۹۹ ۸۰۰ ۸۰۱ ۸۰۲ ۸۰۳ ۸۰۴ ۸۰۵ ۸۰۶ ۸۰۷ ۸۰۸ ۸۰۹ ۸۱۰ ۸۱۱ ۸۱۲ ۸۱۳ ۸۱۴ ۸۱۵ ۸۱۶ ۸۱۷ ۸۱۸ ۸۱۹ ۸۲۰ ۸۲۱ ۸۲۲ ۸۲۳ ۸۲۴ ۸۲۵ ۸۲۶ ۸۲۷ ۸۲۸ ۸۲۹ ۸۳۰ ۸۳۱ ۸۳۲ ۸۳۳ ۸۳۴ ۸۳۵ ۸۳۶ ۸۳۷ ۸۳۸ ۸۳۹ ۸۴۰ ۸۴۱ ۸۴۲ ۸۴۳ ۸۴۴ ۸۴۵ ۸۴۶ ۸۴۷ ۸۴۸ ۸۴۹ ۸۵۰ ۸۵۱ ۸۵۲ ۸۵۳ ۸۵۴ ۸۵۵ ۸۵۶ ۸۵۷ ۸۵۸ ۸۵۹ ۸۶۰ ۸۶۱ ۸۶۲ ۸۶۳ ۸۶۴ ۸۶۵ ۸۶۶ ۸۶۷ ۸۶۸ ۸۶۹ ۸۷۰ ۸۷۱ ۸۷۲ ۸۷۳ ۸۷۴ ۸۷۵ ۸۷۶ ۸۷۷ ۸۷۸ ۸۷۹ ۸۸۰ ۸۸۱ ۸۸۲ ۸۸۳ ۸۸۴ ۸۸۵ ۸۸۶ ۸۸۷ ۸۸۸ ۸۸۹ ۸۹۰ ۸۹۱ ۸۹۲ ۸۹۳ ۸۹۴ ۸۹۵ ۸۹۶ ۸۹۷ ۸۹۸ ۸۹۹ ۹۰۰ ۹۰۱ ۹۰۲ ۹۰۳ ۹۰۴ ۹۰۵ ۹۰۶ ۹۰۷ ۹۰۸ ۹۰۹ ۹۱۰ ۹۱۱ ۹۱۲ ۹۱۳ ۹۱۴ ۹۱۵ ۹۱۶ ۹۱۷ ۹۱۸ ۹۱۹ ۹۲۰ ۹۲۱ ۹۲۲ ۹۲۳ ۹۲۴ ۹۲۵ ۹۲۶ ۹۲۷ ۹۲۸ ۹۲۹ ۹۳۰ ۹۳۱ ۹۳۲ ۹۳۳ ۹۳۴ ۹۳۵ ۹۳۶ ۹۳۷ ۹۳۸ ۹۳۹ ۹۴۰ ۹۴۱ ۹۴۲ ۹۴۳ ۹۴۴ ۹۴۵ ۹۴۶ ۹۴۷ ۹۴۸ ۹۴۹ ۹۵۰ ۹۵۱ ۹۵۲ ۹۵۳ ۹۵۴ ۹۵۵ ۹۵۶ ۹۵۷ ۹۵۸ ۹۵۹ ۹۶۰ ۹۶۱ ۹۶۲ ۹۶۳ ۹۶۴ ۹۶۵ ۹۶۶ ۹۶۷ ۹۶۸ ۹۶۹ ۹۷۰ ۹۷۱ ۹۷۲ ۹۷۳ ۹۷۴ ۹۷۵ ۹۷۶ ۹۷۷ ۹۷۸ ۹۷۹ ۹۸۰ ۹۸۱ ۹۸۲ ۹۸۳ ۹۸۴ ۹۸۵ ۹۸۶ ۹۸۷ ۹۸۸ ۹۸۹ ۹۹۰ ۹۹۱ ۹۹۲ ۹۹۳ ۹۹۴ ۹۹۵ ۹۹۶ ۹۹۷ ۹۹۸ ۹۹۹ ۱۰۰۰ ۱۰۰۱ ۱۰۰۲ ۱۰۰۳ ۱۰۰۴ ۱۰۰۵ ۱۰۰۶ ۱۰۰۷ ۱۰۰۸ ۱۰۰۹ ۱۰۱۰ ۱۰۱۱ ۱۰۱۲ ۱۰۱۳ ۱۰۱۴ ۱۰۱۵ ۱۰۱۶ ۱۰۱۷ ۱۰۱۸ ۱۰۱۹ ۱۰۲۰ ۱۰۲۱ ۱۰۲۲ ۱۰۲۳ ۱۰۲۴ ۱۰۲۵ ۱۰۲۶ ۱۰۲۷ ۱۰۲۸ ۱۰۲۹ ۱۰۳۰ ۱۰۳۱ ۱۰۳۲ ۱۰۳۳ ۱۰۳۴ ۱۰۳۵ ۱۰۳۶ ۱۰۳۷ ۱۰۳۸ ۱۰۳۹ ۱۰۴۰ ۱۰۴۱ ۱۰۴۲ ۱۰۴۳ ۱۰۴۴ ۱۰۴۵ ۱۰۴۶ ۱۰۴۷ ۱۰۴۸ ۱۰۴۹ ۱۰۵۰ ۱۰۵۱ ۱۰۵۲ ۱۰۵۳ ۱۰۵۴ ۱۰۵۵ ۱۰۵۶ ۱۰۵۷ ۱۰۵۸ ۱۰۵۹ ۱۰۶۰ ۱۰۶۱ ۱۰۶۲ ۱۰۶۳ ۱۰۶۴ ۱۰۶۵ ۱۰۶۶ ۱۰۶۷ ۱۰۶۸ ۱۰۶۹ ۱۰۷۰ ۱۰۷۱ ۱۰۷۲ ۱۰۷۳ ۱۰۷۴ ۱۰۷۵ ۱۰۷۶ ۱۰۷۷ ۱۰۷۸ ۱۰۷۹ ۱۰۸۰ ۱۰۸۱ ۱۰۸۲ ۱۰۸۳ ۱۰۸۴ ۱۰۸۵ ۱۰۸۶ ۱۰۸۷ ۱۰۸۸ ۱۰۸۹ ۱۰۹۰ ۱۰۹۱ ۱۰۹۲ ۱۰۹۳ ۱۰۹۴ ۱۰۹۵ ۱۰۹۶ ۱۰۹۷ ۱۰۹۸ ۱۰۹۹ ۱۱۰۰ ۱۱۰۱ ۱۱۰۲ ۱۱۰۳ ۱۱۰۴ ۱۱۰۵ ۱۱۰۶ ۱۱۰۷ ۱۱۰۸ ۱۱۰۹ ۱۱۱۰ ۱۱۱۱ ۱۱۱۲ ۱۱۱۳ ۱۱۱۴ ۱۱۱۵ ۱۱۱۶ ۱۱۱۷ ۱۱۱۸ ۱۱۱۹ ۱۱۲۰ ۱۱۲۱ ۱۱۲۲ ۱۱۲۳ ۱۱۲۴ ۱۱۲۵ ۱۱۲۶ ۱۱۲۷ ۱۱۲۸ ۱۱۲۹ ۱۱۳۰ ۱۱۳۱ ۱۱۳۲ ۱۱۳۳ ۱۱۳۴ ۱۱۳۵ ۱۱۳۶ ۱۱۳۷ ۱۱۳۸ ۱۱۳۹ ۱۱۴۰ ۱۱۴۱ ۱۱۴۲ ۱۱۴۳ ۱۱۴۴ ۱۱۴۵ ۱۱۴۶ ۱۱۴۷ ۱۱۴۸ ۱۱۴۹ ۱۱۵۰ ۱۱۵۱ ۱۱۵۲ ۱۱۵۳ ۱۱۵۴ ۱۱۵۵ ۱۱۵۶ ۱۱۵۷ ۱۱۵۸ ۱۱۵۹ ۱۱۶۰ ۱۱۶۱ ۱۱۶۲ ۱۱۶۳ ۱۱۶۴ ۱۱۶۵ ۱۱۶۶ ۱۱۶۷ ۱۱۶۸ ۱۱۶۹ ۱۱۷۰ ۱۱۷۱ ۱۱۷۲ ۱۱۷۳ ۱۱۷۴ ۱۱۷۵ ۱۱۷۶ ۱۱۷۷ ۱۱۷۸ ۱۱۷۹ ۱۱۸۰ ۱۱۸۱ ۱۱۸۲ ۱۱۸۳ ۱۱۸۴ ۱۱۸۵ ۱۱۸۶ ۱۱۸۷ ۱۱۸۸ ۱۱۸۹ ۱۱۹۰ ۱۱۹۱ ۱۱۹۲ ۱۱۹۳ ۱۱۹۴ ۱۱۹۵ ۱۱۹۶ ۱۱۹۷ ۱۱۹۸ ۱۱۹۹ ۱۲۰۰ ۱۲۰۱ ۱۲۰۲ ۱۲۰۳ ۱۲۰۴ ۱۲۰۵ ۱۲۰۶ ۱۲۰۷ ۱۲۰۸ ۱۲۰۹ ۱۲۱۰ ۱۲۱۱ ۱۲۱۲ ۱۲۱۳ ۱۲۱۴ ۱۲۱۵ ۱۲۱۶ ۱۲۱۷ ۱۲۱۸ ۱۲۱۹ ۱۲۲۰ ۱۲۲۱ ۱۲۲۲ ۱۲۲۳ ۱۲۲۴ ۱۲۲۵ ۱۲۲۶ ۱۲۲۷ ۱۲۲۸ ۱۲۲۹ ۱۲۳۰ ۱۲۳۱ ۱۲۳۲ ۱۲۳۳ ۱۲۳۴ ۱۲۳۵ ۱۲۳۶ ۱۲۳۷ ۱۲۳۸ ۱۲۳۹ ۱۲۴۰ ۱۲۴۱ ۱۲۴۲ ۱۲۴۳ ۱۲۴۴ ۱۲۴۵ ۱۲۴۶ ۱۲۴۷ ۱۲۴۸ ۱۲۴۹ ۱۲۵۰ ۱۲۵۱ ۱۲۵۲ ۱۲۵۳ ۱۲۵۴ ۱۲۵۵ ۱۲۵۶ ۱۲۵۷ ۱۲۵۸ ۱۲۵۹ ۱۲۶۰ ۱۲۶۱ ۱۲۶۲ ۱۲۶۳ ۱۲۶۴ ۱۲۶۵ ۱۲۶۶ ۱۲۶۷ ۱۲۶۸ ۱۲۶۹ ۱۲۷۰ ۱۲۷۱ ۱۲۷۲ ۱۲۷۳ ۱۲۷۴ ۱۲۷۵ ۱۲۷۶ ۱۲۷۷ ۱۲۷۸ ۱۲۷۹ ۱۲۸۰ ۱۲۸۱ ۱۲۸۲ ۱۲۸۳ ۱۲۸۴ ۱۲۸۵ ۱۲۸۶ ۱۲۸۷ ۱۲۸۸ ۱۲۸۹ ۱۲۹۰ ۱۲۹۱ ۱۲۹۲ ۱۲۹۳ ۱۲۹۴ ۱۲۹۵ ۱۲۹۶ ۱۲۹۷ ۱۲۹۸ ۱۲۹۹ ۱۳۰۰ ۱۳۰۱ ۱۳۰۲ ۱۳۰۳ ۱۳۰۴ ۱۳۰۵ ۱۳۰۶ ۱۳۰۷ ۱۳۰۸ ۱۳۰۹ ۱۳۱۰ ۱۳۱۱ ۱۳۱۲ ۱۳۱۳ ۱۳۱۴ ۱۳۱۵ ۱۳۱۶ ۱۳۱۷ ۱۳۱۸ ۱۳۱۹ ۱۳۲۰ ۱۳۲۱ ۱۳۲۲ ۱۳۲۳ ۱۳۲۴ ۱۳۲۵ ۱۳۲۶ ۱۳۲۷ ۱۳۲۸ ۱۳۲۹ ۱۳۳۰ ۱۳۳۱ ۱۳۳۲ ۱۳۳۳ ۱۳۳۴ ۱۳۳۵ ۱۳۳۶ ۱۳۳۷ ۱۳۳۸ ۱۳۳۹ ۱۳۴۰ ۱۳۴۱ ۱۳۴۲ ۱۳۴۳ ۱۳۴۴ ۱۳۴۵ ۱۳۴۶ ۱۳۴۷ ۱۳۴۸ ۱۳۴۹ ۱۳۵۰ ۱۳۵۱ ۱۳۵۲ ۱۳۵۳ ۱۳۵۴ ۱۳۵۵ ۱۳۵۶ ۱۳۵۷ ۱۳۵۸ ۱۳۵۹ ۱۳۶۰ ۱۳۶۱ ۱۳۶۲ ۱۳۶۳ ۱۳۶۴ ۱۳۶۵ ۱۳۶۶ ۱۳۶۷ ۱۳۶۸ ۱۳۶۹ ۱۳۷۰ ۱۳۷۱ ۱۳۷۲ ۱۳۷۳ ۱۳۷۴ ۱۳۷۵ ۱۳۷۶ ۱۳۷۷ ۱۳۷۸ ۱۳۷۹ ۱۳۸۰ ۱۳۸۱ ۱۳۸۲ ۱۳۸۳ ۱۳۸۴ ۱۳۸۵ ۱۳۸۶ ۱۳۸۷ ۱۳۸۸ ۱۳۸۹ ۱۳۹۰ ۱۳۹۱ ۱۳۹۲ ۱۳۹۳ ۱۳۹۴ ۱۳۹۵ ۱۳۹۶ ۱۳۹۷ ۱۳۹۸ ۱۳۹۹ ۱۴۰۰ ۱۴۰۱ ۱۴۰۲ ۱۴۰۳ ۱۴۰۴ ۱۴۰۵ ۱۴۰۶ ۱۴۰۷ ۱۴۰۸ ۱۴۰۹ ۱۴۱۰ ۱۴۱۱ ۱۴۱۲ ۱۴۱۳ ۱۴۱۴ ۱۴۱۵ ۱۴۱۶ ۱۴۱۷ ۱۴۱۸ ۱۴۱۹ ۱۴۲۰ ۱۴۲۱ ۱۴۲۲ ۱۴۲۳ ۱۴۲۴ ۱۴۲۵ ۱۴۲۶ ۱۴۲۷ ۱۴۲۸ ۱۴۲۹ ۱۴۳۰ ۱۴۳۱ ۱۴۳۲ ۱۴۳۳ ۱۴۳۴ ۱۴۳۵ ۱۴۳۶ ۱۴۳۷ ۱۴۳۸ ۱۴۳۹ ۱۴۴۰ ۱۴۴۱ ۱۴۴۲ ۱۴۴۳ ۱۴۴۴ ۱۴۴۵ ۱۴۴۶ ۱۴۴۷ ۱۴۴۸ ۱۴۴۹ ۱۴۵۰ ۱۴۵۱ ۱۴۵۲ ۱۴۵۳ ۱۴۵۴ ۱۴۵۵ ۱۴۵۶ ۱۴۵۷ ۱۴۵۸ ۱۴۵۹ ۱۴۶۰ ۱۴۶۱ ۱۴۶۲ ۱۴۶۳ ۱۴۶۴ ۱۴۶۵ ۱۴۶۶ ۱۴۶۷ ۱۴۶۸ ۱۴۶۹ ۱۴۷۰ ۱۴۷۱ ۱۴۷۲ ۱۴۷۳ ۱۴۷۴ ۱۴۷۵ ۱۴۷۶ ۱۴۷۷ ۱۴۷۸ ۱۴۷۹ ۱۴۸۰ ۱۴۸۱ ۱۴۸۲ ۱۴۸۳ ۱۴۸۴ ۱۴۸۵ ۱۴۸۶ ۱۴۸۷ ۱۴۸۸ ۱۴۸۹ ۱۴۹۰ ۱۴۹۱ ۱۴۹۲ ۱۴۹۳ ۱۴۹۴ ۱۴۹۵ ۱۴۹۶ ۱۴۹۷ ۱۴۹۸ ۱۴۹۹ ۱۵۰۰ ۱۵۰۱ ۱۵۰۲ ۱۵۰۳ ۱۵۰۴ ۱۵۰۵ ۱۵۰۶ ۱۵۰۷ ۱۵۰۸ ۱۵۰۹ ۱۵۱۰ ۱۵۱۱ ۱۵۱۲ ۱۵۱۳ ۱۵۱۴ ۱۵۱۵ ۱۵۱۶ ۱۵۱۷ ۱۵۱۸ ۱۵۱۹ ۱۵۲۰ ۱۵۲۱ ۱۵۲۲ ۱۵۲۳ ۱۵۲۴ ۱۵۲۵ ۱۵۲۶ ۱۵۲۷ ۱۵۲۸ ۱۵۲۹ ۱۵۳۰ ۱۵۳۱ ۱۵۳۲ ۱۵۳۳ ۱۵۳۴ ۱۵۳۵ ۱۵۳۶ ۱۵۳۷ ۱۵۳۸ ۱۵۳۹ ۱۵۴۰ ۱۵۴۱ ۱۵۴۲ ۱۵۴۳ ۱۵۴۴ ۱۵۴۵ ۱۵۴۶ ۱۵۴۷ ۱۵۴۸ ۱۵۴۹ ۱۵۵۰ ۱۵۵۱ ۱۵۵۲ ۱۵۵۳ ۱۵۵۴ ۱۵۵۵ ۱۵۵۶ ۱۵۵۷ ۱۵۵۸ ۱۵۵۹ ۱۵۶۰ ۱۵۶۱ ۱۵۶۲ ۱۵۶۳ ۱۵۶۴ ۱۵۶۵ ۱۵۶۶ ۱۵۶۷ ۱۵۶۸ ۱۵۶۹ ۱۵۷۰ ۱۵۷۱ ۱۵۷۲ ۱۵۷۳ ۱۵۷۴ ۱۵۷۵ ۱۵۷۶ ۱۵۷۷ ۱۵۷۸ ۱۵۷۹ ۱۵۸۰ ۱۵۸۱ ۱۵۸۲ ۱۵۸۳ ۱۵۸۴ ۱۵۸۵ ۱۵۸۶ ۱۵۸۷ ۱۵۸۸ ۱۵۸۹ ۱۵۹۰ ۱۵۹۱ ۱۵۹۲ ۱۵۹۳ ۱۵۹۴ ۱۵۹۵ ۱۵۹۶ ۱۵۹۷ ۱۵۹۸ ۱۵۹۹ ۱۶۰۰ ۱۶۰

اس طرح یہ حق اصولوں پر تسلیم کر لیا گیا۔ عرب کے ان مخصوص حالات میں صرف اور صرف اہل قریش ہی اس منصب کو اچھی طرح سمجھا سکتے ہیں۔ حکمت نبوی بھی اس سے باخبر تھی اس لئے اشارہ فرمایا تھا ”الانعة من القریش“ (۱)۔ ”یہی وجہ ہے کہ یکے بعد دیگرے یہ منصب مہاجرین اور قریش کو سونپا گیا۔ فاروق اعظم نے کمال حکمت و تدبیر سے اس بات کی کوشش کی کہ سیاسی و حکومتی معاملات میں ان دونوں گروہوں کو بھرپور شرکت کا موقع دیا جائے۔ ان کو مساوی قدر و منزلت دی جائے اور ہر اہم معاملے میں دونوں کو شریک مشورہ رکھا جائے تاکہ نہ تو مہاجرین میں احساس برتری پیدا ہو اور نہ ہی انصار میں احساس محرومی۔ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آپ اس میں پوری طرح کامیاب رہے اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ آپ کی پالیسی بہت متوازن تھی۔ اپنی خلافت کے ابتدائی دنوں میں انہوں نے جو سیاسی مشورہ پیش کیا اس کی ایک شق یہ تھی ”وہ مہاجرین جو تلواریں کے سایوں میں (جنگ کر رہے) ہیں قید نہیں کئے جائیں گے اور انہیں کوئی تکلیف نہیں دی جائے گی۔ ان کو اور ان کے اہل و عیال کو مال غنیمت فیضی کے ساتھ تقسیم کیا جائے گا اور جب تک وہ آپس میں ان کے اہل و عیال کی نگرانی کرتا رہوں گا۔“ ایک اور شق یہ بھی تھی ”وہ انصار جنہوں نے اللہ کی راہ میں قربانی دی ہے اور دشمنوں سے جنگ کر رہے ہیں ان کے نیک کاموں کو سراہا جائے گا اور ان کی غرضوں کو معاف کیا جائے گا۔ نیز اہم معاملات میں ان سے مشورہ کیا جائے گا“ (۲)۔

حضرت عمر فاروقؓ کو جب بھی کوئی معاملہ پیش آتا تو اہل شوریٰ انصار اور معاذ بن جبلؓ اہل بن کعبؓ اور زید بن ثابتؓ سے مشورہ کرتے تھے (۳)۔ یہ تینوں صحابہ کرامؓ جن کا ذکر ہوا ہے انصاری تھے اور مہاجرین میں سے بھی جن کو زیادہ تر شریک مشورہ کرتے تھے وہ بھی تین ہی تھے۔ ان میں حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف شامل ہیں (۴)۔ حضرت ابی کے بارے میں فرمایا کہ ”وہ تمام مسلمانوں کے سردار ہیں“ (۵)۔ ”تو وہی وقت کا بھی یہی معاملہ تھا جب کوئی فتویٰ لینا ہو تا تھا تو حضرت عثمانؓ اور حضرت ابی ذریہؓ کے پاس بھیجتے تھے (۶)۔ انہوں نے حضرت زیدؓ کو قاضی القضاۃ بنایا اور ان کی تحفہ مقرر کی۔ ایک خطبے میں فرمایا کہ ”جو شخص فرائض (میراث) کے بارے میں پوچھنا چاہے وہ زید بن ثابتؓ کے پاس جائے۔“ شہر کے باہر مہمات میں انہیں بھیجنے سے گریز کرتے تھے۔ جب اس بارے میں ان سے پوچھا جاتا تو جواب دیتے: ”زید کا مرتبہ میرے نزدیک کم نہیں ہوا لیکن اہل شہر ان امور کے زیادہ محتاج ہیں جو انہیں پیش آتے ہیں۔ وہ جو کچھ ریہ کے پاس پاتے ہیں کسی اور کے پاس نہیں پاتے (۷)۔“ و خائف کی تقسیم کے وقت بھی فاروق اعظمؓ نے ازواج مطہرات کے بعد سب سے زیادہ ترجیح ان مہاجرین و انصار کو دی جو غزوہ بدر میں شریک تھے۔ بعض روایات کے مطابق مہاجرین انصار سب کیلئے برابر و خائف کا بڑا ہزار مقرر کیا (۸)۔ بعض کے مطابق مہاجرین کا پانچ اور انصار کا چار ہزار و خائف تھا (۹)۔ اس طرح گویا تریسی مہاجرین اور دوسو کتیس انصار یوں کو ضانی و خائف ملے (۱۰)۔

ہر طرح کی مشاورت میں بھی مہاجرین و انصار کو شامل رکھا۔ حضرت امین عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ سفر شام کے موقع پر حضرت عمرؓ کو اطلاع ملی کہ وہاں دہاء (حاعون) پھوٹ پڑی ہے۔ اب ان کے سامنے مسئلہ تھا کہ وہاں جانا چاہئے یا واپس لوٹ جائیں۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا ”میرے سامنے مہاجرین اولین کو بلاؤ۔“ امین عباسؓ کہتے ہیں میں نے انہیں بلایا تو حضرت عمرؓ نے ان سے مشورہ لیا اور انہیں بتایا کہ ملک شام میں وباء چھلی ہے۔ انہوں نے ”ہاں میں اختلاف کیا بعض نے کہا کہ آپ کے ساتھ مشفقین صحابہؓ میں سے بقیہ لوگ ہیں۔ ہم انہیں وہاں ملک میں لے جانا مناسب نہیں سمجھتے۔ پھر حضرت عمرؓ نے کہا کہ ”اب انصار کے لوگوں کو بلاؤ۔“ میں نے بلایا تو حضرت عمرؓ نے ان سے مشورہ لیا اور انہیں بتایا کہ ملک شام میں وباء چھلی ہے۔ انہوں نے بھی مہاجرین کی طرح اختلافی آراء پیش کیں۔ پھر

(۱) بخاری ۷۸۸۳، مسلم ۶/۶، (۲) تاریخ ۱۱/۲۲۷ (۳) بخاری ۲۵۰۶، (۴) بخاری ۲۵۰۶، (۵) میراث ۶۹، (۶) بخاری ۲۵۱۲، (۷) بخاری ۲۵۹۲، (۸)



شکایت کریں اور جب بھی کوئی شکایت پہنچتی اس کا ضرور ازالہ فرماتے۔ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا ”میرے جس عامل نے کسی پر ظلم کیا اور مجھے اس کی شکایت پہنچ گئی“ مگر میں نے اصلاح نہ کی تو مکیہ میں نے خود اس پر ظلم کیا (۱)۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کی یہ کوشش بھی ہوتی تھی کہ قوی شخص کو عامل بنائیں تاکہ وہ خوفزدہ نہ ہو اور قبائلی سیاست کے دباؤ میں نہ آئے اور پوری جرأت سے قوانین کو نافذ کر سکے۔ اس لئے فرمایا ”میں کسی کو اس حالت میں عامل بنا کر گناہ کروں گا جبکہ میں اس سے زیادہ قوی کو پاؤں (۲)۔“ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قبائلی سرداروں کے اوپر مضبوط حیثیت گورروں کی تھی۔ طاقتوروں کے مقابلے میں کمزوروں کو حوصلہ ملا اور قبیلے کے ساتھ صحیح و غلط کی تمیز کے بغیر وابستگی لوگوں کی مجبوری و ضرورت نہ رہی جیسا کہ عہد جاہلیت میں ہوتی تھی۔ اب ریاست کا قانون ان کے جائز حقوق و مفادات کے تحفظ کیلئے موجود تھا۔ اہل میں حضرت عمرؓ نے بصرہ میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا تقرر کیا تو اہل بصرہ کو خط لکھا جو وہاں پڑھ کر سنیا گیا کہ میں نے ابو موسیٰ کو تم پر حاکم مقرر کیا ہے تاکہ تمہارے کمزور انسانوں کو طاقتور انسان سے حق دلوائے (۳)۔“

تیسرا کام جس سے قبائل کا رور ٹوٹا اور مرکزی حکومت مضبوط ہوئی وہ یہ کیا کہ عمال کو رفاہی و فلاحی امور کا پابند بنایا۔ لوگوں کے حقوق کی ادائیگی، عدل و انصاف کی فراہمی اور ان کی ضروریات زندگی کی کفالت اور ان کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری کو نبھانے کا حکم دیا۔ اس لئے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے ہارے میں لوگوں کو جو خط لکھا اس میں مزید یہ تھا کہ ان کی تقرری کا مقصد یہ بھی ہے کہ تمہارے ساتھ مل کر تمہارے دشمنوں سے جنگ کریں۔ تمہارے فرائض ادا کریں، تمہاری غنیمت تمہارے لئے آگہی کریں اور اسے تمہارے درمیان تقسیم کریں اور تمہارے راستوں کو پاک صاف کریں (۴)۔ ایک مرتبہ خطبہ جمعہ میں فرمایا ”اے اللہ! میں تمام شہروں کے حکام پر تجھ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے انہیں صرف اس لئے بھیجا تھا کہ وہ لوگوں کو ان کا دین اور ان کے نبی ﷺ کی سنت سکھائیں، ان پر عدل کریں، ان کی غنیمت ان میں تقسیم کریں اور ان کے کام میں جو مشکل ہو اسے میرے سامنے پیش کریں (۵)۔“ یہ سارے کام محض کاغذ پر درج نہیں تھے اور نہ ہی صرف گفتگو اور زبان کی زینت ہے رہے بلکہ عملاً انہیں کر کے دیکھا۔ اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ حکومت کی ضرورت و اہمیت واضح ہوئی۔ ایک منظم نظام کے فیوض و برکات سے عوام پہلی مرتبہ روشناس ہوئے اور وحدت و استحکام کو فروغ ملا۔ لوگوں کے سامنے عمال کی نفع بخش آئی اور وہ قبائلی طرز سیاست کی حد بندیوں سے نکل کر وسیع پیمانے پر سوچنے لگے اور انہیں سیاسی معاملات میں شریک کار ہونے کا احساس ہوا حکومت کلان پر اعتماد پیدا ہوا اور ان کا حکومت پروری کی استحکام کی کلید تھی۔ جو تھا کام یہ کیا کہ جس علاقے سے زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی۔ اس کے محتاجوں پر خرچ کرنے کا حکم جاری کیا۔ چنانچہ حضرت معاذ بن جبلؓ نے یمن سے زکوٰۃ کا ایک تہائی حصہ انہیں روانہ تو اعتراض کرتے ہوئے فرمایا ”میں نے تمہیں مال جمع کرنے اور جزیہ وصول کرنے کیلئے نہیں بھیجا بلکہ اس لئے مامور کیا ہے کہ تم میرے لوگوں سے زکوٰۃ وصول کر کے انہیں کے محتاجوں میں واپس کر دو۔“ صرف اسی صورت میں اسے قبول کرتے تھے جبکہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہاں لینے والا کوئی نہیں (۶)۔ ان کی فراست کے مطابق یہ طریق کار اس قدر ضروری تھا کہ انہوں نے وفات سے قبل بعد والے خلیفہ کو بھی اسی پر عمل پیرا رہنے کی وصیت فرمائی۔ بقول امام ابو عبیدہ القاسم اس کی اصل وہ فرمان نبویؐ ہے جو حضرت معاذؓ کو یمن بھیجے وقت دیا تھا کہ لوگوں کو نماز کی دعوت دینا جب وہ اقرار کریں تو انہیں کہنا ”ان اللہ فرص علیکم صدقة اموالکم“ ہو خدام اعبائکم فتروا الی فقرائکم (۷)۔“

فاروق اعظمؓ نے اس پالیسی پر اس لئے سختی سے عمل کیا کہ وہ جانتے تھے کہ دور دراز کے قبائلی علاقوں کو مسائل و مشکلات اور بھوک و افلاس کے چنگل سے نکلانے کا یہی ایک بہترین طریقہ تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ اس سے سیاسی وحدت و استحکام میں مدد ملے گی اور لوگوں کے دلوں میں احساس محرومی پیدا ہونے سے بچے جانے

کے مکانات ختم ہو جائیں گے۔ اس فیصلے کے پس منظر میں یہ بات بھی شامل تھی کہ عہد صدیقی کے آثار میں، نعتیں زکوٰۃ نے جو فتنہ اٹھایا تھا ان میں بعض ایسے قتل بھی تھے جن کی یہ رائے تھی کہ ہم زکوٰۃ کا اقرار تو کرتے ہیں، لیکن اسے دینے نہیں سمجھیں گے، بلکہ خواہی اپنے قبیلے میں تقسیم کر دیں گے۔ صدیق اکبرؓ نے ان کی اس بات کو اس لئے مسترد کر دیا تھا کہ وہ قبائلی عصبیت کی وجہ سے زکوٰۃ حکومت کے حوالے کرنے سے انکاری تھے اور اسے حکومت کی دخل اندازی قرار دیتے تھے۔ فاروق اعظمؓ نے اپنی اجتہادی بصیرت سے کام لیتے ہوئے بالواسطہ طور پر ان کے اس مطالبے کو تسلیم کر لیا کہ زکوٰۃ انہیں کے غریب لوگوں کا حق ہے اور سوچی سمجھی پالیسی کے مطابق انہیں میں تقسیم کرنے کو ترجیح دی جائے گی۔ اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ تمام علاقوں میں خوشی و اطمینان کی لہر دوڑ گئی اور عوام و خواص کا حکومت پر اعتماد بڑھ گیا اور اسے اپنا حقیقی خیر خواہ سمجھنے لگے۔ اس سے حضرت عمرؓ نے جو سب سے بڑا مقصد حاصل کیا، وہ یہ تھا کہ قبائلی سرداروں کا رد و ثروت گیا، حکومت کے مقابلے میں قبائل کی فوقیت و اہمیت کم ہو گئی، قبائلی حد بندیوں کی ایک اہم دیوار گر گئی۔ عام سطح کے لوگ بھی دست پیانے پر سوچنے لگے اور حکومت و خلافت سے ان کا تعلق مزید گہرا ہو گیا۔

پانچواں کام یہ کیا کہ قبائل کی شخصی آزادی کو برقرار رکھا۔ ان کے مباح رسوم و رواج، عادات و اطوار اور مخصوص علاقائی، جنس و لسانی روایات کو نہیں چھیڑا، سوائے اس کے کہ ان میں بہت بڑی خرابی ہو، اس کیسے بھی کوئی فوری دہنگائی انتظامی تبدیلیاں کرنے کے بجائے تدریج کا طریقہ اختیار کیا۔ فکری و اخلاقی دور اندیشی و سماجی تہذیبوں کیسے دعوت و تبلیغ اور تعلیم و تربیت کا سہارا بنائیں یہاں تک کہ غیر مسلم قبائل کو مسلمان کرنے کیلئے بھی کسی قسم کا دباؤ نہیں ڈالا۔ انہیں آزادی فکر، عدل و انصاف اور ہمدردی و خیر خواہی کے ذریعے متاثر کیا۔ غریبوں کا جزیہ معاف کر دیا اور مستحق لوگوں کے وظائف مقرر کئے۔ جنگ سے پہلے ہی شرائط پیش کی جاتی تھیں جو عہد نبویؐ و صدیقی میں پیش کی جاتی تھیں، قبول اسلام، جزیہ یا جنگ۔ پہلی دونوں صورتوں میں ان کی شخصی آزادی کا پورا احترام کیا جاتا تھا۔ آؤر بائیکاٹ کی فتوحات کے دنوں میں وہاں کے غیر مسلموں نے جزیہ دینے کے بجائے جنگی خدمات سرانجام دینے کی پیشکش کی، تو اسے فاروق اعظمؓ کی اجازت سے قبول کر لیا گیا اور آئندہ کیلئے یہی رواج ہو گیا کہ جو لوگ مسلمانوں کے دشمنوں سے جنگ کرتے تھے ان کا اس سال کا جزیہ معاف ہو جاتا تھا<sup>(۱)</sup>۔ اس پالیسی کا نتیجہ بھی سیاسی استحکام کی صورت میں برآمد ہوا اور معاملات پر حکومت کی گرفت مضبوط ہوئی اور قبائل کو اپنی روایات، اقدار، حقوق، مذہب اور عزت کی حفاظت کے نام پر اندرونی طور پر منظم ہونے اور سیاسی طور پر متحد ہو کر حکومت کا مقابلہ کرنے کے مواقع نہ مل سکے۔ اس سے قبائلی عصبیت بھی آہستہ آہستہ دم توڑتی گئی اور کم از کم فاروق اعظمؓ کے پورے دور میں اس کے سر اٹھانے کی نوبت نہ آ سکی۔

چھٹا کام یہ کیا کہ خود اپنے کردار و عمل سے قبائلی نظام پر ضرب لگائی اور اپنے خاندان و قبیلے کو سیاسی امور سے ایک طرف کر دیا۔ انہیں اضافی مراعات دینا تو درکنار ان کے جائز حقوق دینے میں بھی یہ احتیاط کی کہ کہیں غلط فہمیاں پیدا نہ ہوں۔ وظائف کی تقسیم کے معاملے میں انہوں نے اس کا پورا احتیاط رکھا۔ روایت میں آتا ہے کہ جب ان کے سامنے ناموں کی فہرست پیش کی گئی اس میں اس طرح درج تھا کہ ہواشم کے بعد بنو تمیم اور بنو تمیم کے بعد بنو عدی۔ میں نے انہیں فرماتے سنا کہ تم کو اس کے مقام پر رکھو (یعنی اسے بڑھاؤ نہیں) شروع ان سے کہ دو جو رسول اللہ ﷺ سے قریب تر ہوں۔ بنو عدی عمرؓ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ ہیں یا ابو بکرؓ کے خلیفہ ہیں اور ابو بکرؓ رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ تھے۔ بہتر ہوتا کہ آپ اپنے کو اس مقام پر رکھتے جہاں اس جماعت نے رکھا تھا۔ فرمایا: ”خوب، خوب اے بنو عدی تم نے میرے نام سے بلندی چاہی کہ میں حسانت سے تمہارے باعث محروم ہو جاؤں، نہیں اور تاجر گ



نہیں چاہیے، ورنہ تم پر بندہ ہی کیوں نہ ہو جائے، یعنی اگرچہ تم لوگ سب سے آخر میں لکھے جاؤ<sup>(۱)</sup>۔ ایک مرتبہ ان کے دامادے بیت المال سے امداد کی درخواست کی تو اسے جھڑک دیا اور فرمایا ”کیا تم چاہتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ سے خائف ہوں؟“ جب وقت گزر گیا تو اسے بلا کر اپنے ذاتی مال میں سے دس ہزار روپے دے دیے<sup>(۲)</sup>۔ یہی قانون کے خلاف کے بارے میں تھا۔ جب لوگوں کو کسی چیز سے روکنا چاہتے تو سب سے پہلے اپنے عزیزوں کے پاس جاتے اور انہیں فرماتے کہ ”اگر تم اس چیز میں ملوث ہوئے تو دو گنی سزا دوں گا“<sup>(۳)</sup>۔

مناصب پر تقرری کے سلسلے میں بھی انہوں نے جان بوجھ کر اپنے قبیلے بنو عدی کو محروم رکھا۔ حضرت حسن سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ اہل کوفہ کے بارے میں فرمایا کہ انہوں نے مجھے تھکا دیا ہے۔ اگر میں کسی نرم درجہ آدمی کو ان پر حاکم مقرر کرتا ہوں تو اس سے گستاخیاں کرتے ہیں اور اگر سخت گیر قسم کے حاکم مقرر کرتا ہوں تو شکایتیں کرتے لگتے ہیں۔ ایک شخص بول اٹھا ”امیر المؤمنین! میں ایک طاقتور، سداور احاطت گزار شخص کا نام لے سکتا ہوں جو کسی حاکم کی حیثیت سے آپ کو مطمئن کر دے گا اور وہ بہت قابل تعریف ہے۔“ آپ نے پوچھا ”وہ کون ہے؟“ اس نے جواب دیا ”عبداللہ بن عمرؓ“ حضرت عمرؓ بولے ”استغفر اللہ! میں یہ تقرر ہرگز نہیں کروں گا، مجھے تو اللہ کی رضا مطلوب ہے“<sup>(۴)</sup>۔ اسی طرح خلافت کے معاملے میں بھی انہوں نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو مشورے میں شامل کرنے کی اجازت دی، لیکن یہ واضح کر دیا کہ وہ مذاکرات میں تو شریک ہوں گے، لیکن خلافت میں ان کا کوئی حق نہیں ہوگا<sup>(۵)</sup>۔

قبائلی سیاست کے عادی خطے کو ایک منظم و فاقی طرز حکومت تبدیل کرنے کے بعد انہیں سب سے زیادہ اندیشہ یہ تھا کہ مگر مرکزی حکومت کے بارے میں کبھی یہ تاثر پیدا ہوا کہ اس میں کسی قبیلے کو بامادستی حاصل ہو رہی ہے تو دباؤ ہوئے قبائلی تعصبات پھر ابھر آئیں گے، جو بالآخر انتشار و افتراق کا باعث بن کر جو اسلامی ریاست کے منفرد تشخص اور مرکزی نظام کو درہم برہم کر دیں گے۔ اس لئے آپ نے وفات سے قبل متوقع خلفاء کو اس سلسلے میں محتاط رہنے کی خصوصی وصیت فرمائی۔ روایت میں آتا ہے کہ آپ نے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تمہاری قوم صرف تمہیں میں سے کسی کو امیر بنائے گی۔ اے عبدالرحمن! اگر لوگوں کا معاملہ تمہیں تفویض ہو تو اپنے قریب داروں کو لوگوں کی گردنوں پر سوار نہ کر دینا۔ اے عثمان! اگر لوگوں کا معاملہ تمہارے سپرد ہو تو تم اور دینی معیہ کو لوگوں کی گردنوں پر مسلط نہ کر دینا۔ اے علی! اگر لوگوں کے معاملے میں تم والی بنائے جاؤ تو ہو ہاشم کو ان کی گردنوں پر نہ سوار کر دینا<sup>(۶)</sup>۔ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ فارق اعظمؓ نے سیاسی وحدت و استحکام کیلئے سب سے اہم اور سب سے نازک معاملے کو خوب پہچانا اور نہایت خوش اسلوبی و دراندیشی سے سلجھایا اور بعد میں آنے والوں کو اس کی طرف پوری طرح متوجہ کیا۔ آپ کی بصیرت و فراست کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ آخر کار اسی مسئلے نے امن و استحکام کو تہہ و بالا کرنے میں سب سے زیادہ اہم کردار ادا کیا جس کی نشاندہی انہوں نے کر دی تھی اور خلافت کا انوکھا وسیع، جمہوری اور روشن تصور ملکیت کے دھندلوں میں کھو گیا۔ انسانیت آج بھی اسے محسوس حقیقت کے روپ میں دیکھنے کیلئے ترس رہی ہے۔ اس خواب کی عملی تعبیر صرف اسی صورت میں سامنے آ سکتی ہے کہ قبائلی سیاست میں فاروق اعظمؓ ہی کے طرز عمل کو پورے خلوص اور دیانتداری سے اپنایا جائے۔ اس کیلئے انہیں جیسے عزم و حوصلے اور جرأت ایمانی کی ضرورت ہے۔ حضرت عمرؓ نے قبائلی سیاست کو ایک موثر اور کامیاب حکمت عملی اور حسن تدبیر کے ساتھ وحدت و استحکام سے ہمکنار کر دیا۔ ان کے پورے عہد خلافت میں ہمیں کوئی ایسا قابل ذکر نقطہ نظر نہیں آتا جو اس کی وجہ سے پیدا ہوا ہو۔ اس کے باوجود انہیں یہ شدت سے احساس تھا کہ قبائلی تعصبات کو

(۱) سعد ۳: ۲۹۵ طبرانی ۱۱: ۲ (۲) سعد ۳: ۳۳، مسند علی ۱: ۱۳ (۳) سعد ۳: ۲۸۹، طبرانی ۱۱: ۲۰۷، مسند طبری ۱: ۱۳۹ (۴) سعد ۱: ۱۲۰ (۵) سعد ۲: ۳۳۹

(۶) سعد ۳: ۲۹۳، شیعہ ۱: ۵۷۹، بلاذری ۱: ۱۸۳، طبرانی ۱۱: ۱۹۲

ہیٹ کیسے ختم نہیں کر سکے۔ ان کا وجود اور عد میں ابھی تک معاشرے میں موجود ہیں، جنہیں منائے کیلئے انہوں نے رات دن صرف کئے تھے۔ انہیں اپنی آنکھوں سے سناٹھتے ہوئے دیکھنے کی بہ نسبت اس دنیا سے اٹھ جانا زیادہ محبوب تھا، چنانچہ انہوں نے دعا کی ”اے اللہ! یہ لوگ مجھ سے اکٹا گئے ہیں اور میں بھی ان سے جڑ رہ گیا ہوں۔ میرے حساسات جداگانہ ہیں اور ان کے احساسات الگ ہیں۔ مجھے نہیں معلوم ہے کہ ہماری کیا حالت ہوگی۔ مجھے اسی قدر معصوم ہے کہ ان کا صرف اپنے قبیلہ سے تعلق ہے۔ اس لئے (اے خدا) مجھے اپنی طرف اٹھالے (۱)۔“

مصر حاضر میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں ہے جہاں پر نسل، علاقائی، قبائلی، نسائی امتیازات نہ ہوں اور جہاں مذہب و رنگ کے تعصبات کی بنا پر معشروں میں انتشار و عدم استحکام نہ ہو، بلکہ دور حاضر کی مغربی تہذیب سے قوموں کے نعروں کی بنا پر دنیا کو دو عظیم جنگوں اور ہولناک تباہیوں سے دوچار کر کے نفرتوں کی دیواروں کو مزید سر بلند کر دیا ہے اور اس کے حق میں ایسے دلائل فراہم کئے ہیں اور عالمی طاقتوں نے مختلف جگہوں پر قوموں کے تعصبات کی اس طرح پشت پناہی کی ہے کہ پوری دنیا کا عالمی امن و استحکام خطرات کے بحر میں پھنس چکا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کی اجتہادی بصیرت نے جس طرح اپنے عہد کے بین الاقوامی، بین المذاہب و مذہبی مسائل کو حل کر کے ایک مستحکم معاشرے اور تہذیب کی بنیاد رکھی تھی، اگر ہم اس کی روح کو سمجھ سکیں اور ان اصولوں اور پیمانوں سے مدد حاصل کریں اور ان تجربات سے استفادہ کریں، جنہوں نے اپنی افادیت و تاثر کو عملی طور پر ثابت کیا ہے، تو یقیناً ہم ایک بہترین عالمی تہذیب کے احیاء کا فریضہ سرانجام دے سکتے ہیں۔

ملکی سطح پر ہم اگر اپنے مسائل کا جائزہ لیں، ہم یہ دیکھتے ہیں مختلف قوموں کی وحدت اور مسلم تشخص کی بنیاد پر جس ہم آہنگی نے ایک نیا ملک پاکستان تخلیق کر کے دکھا دیا تھا، اسی میں کمزوری نے اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور اسی سے لاپرواہی نے ہائی مینڈ پاکستان کی سالمیت و بقا کیلئے بے شمار خطرات اور اندیشے پیدا کر دیئے ہیں۔ سب سے خطرناک بات یہ ہے کہ قوموں کے تنگ دائروں میں رہ کر سوچنے والے تنگ نظر لوگ بڑی چال کی سے عوام کو تقسیم کر کے اور ان میں نفرتوں اور کدورتوں کا بارد بھر کے اپنے مقاصد حاصل کر رہے ہیں اور منتخب ہو کر قومی اداروں پر اپنا تسلط جمائے ہوئے ہیں۔ اس طرح ملک کے بجائے عوام کی زیادہ تر واسطی مفاد و رجحان کی بنیاد پر اپنے علاقے اور قبائل کے ساتھ ہٹے ہوئی جارہی ہے اور بالکل ویسی ہی صورت حال پیدا ہو گئی ہے، جیسا فاروق اعظمؓ کے عہد میں تھی۔ انہوں نے اپنی اجتہادی بصیرت سے جو اقدامات کئے، وہ ایسے عالمگیر اور مفید ثابت ہوئے کہ آج بھی سب سے بڑی ضرورت یہی ہے کہ ان کو اختیار کیا جائے۔ بد تفریق عدل، اہل، قومی، دیانتدار اور ملی جذبہ رکھنے والے منصف مزاج عوام، دور رات دن، وفاقی و علاقائی کاموں میں منہمک رہنے والے نمائندے اور رکنوں کو انہی علاقوں اور صوبوں کے مفلسوں اور ناداروں میں تقسیم کر کے انہیں اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کے جامع منصوبوں اور مختلف قبیلوں اور علاقوں اور صوبوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی مقامی اقتدار، رسوم و رواج اور عادات و اطوار اور آئین و دیوبند کو برقرار رکھتے ہوئے ملک و ملت کے وفادار بنانے کی ضرورت ہے اور پھر جس طرح حضرت عمرؓ نے بعدی کو سیاست سے دور رکھا اور مختلف مناصب پر فائز کرنے سے اجتناب کیا۔ اسی طرح آج بھی ضروری ہے کہ ہمارے حکمران اپنے ذاتی تعلق و دروں و وفاداروں، در صوبے کے لوگوں اور پارٹی کے ورکروں کو پوری قوم پر مسلط کرنے سے اجتناب کریں، خواہ بیوروکریسی ہو، فوج ہو، عدلیہ ہو، پولیس سار

اور اے ہوں سرکاری ملازمین ہو یا دیگر مفاد عامہ کے مناصب سب پر میرٹ اور ہلیت و صلاحیت کو ہی معیار بنایا جائے۔ جو حکومت بھی یہ طریقہ کار اختیار کرے گی وہی قومی حکومت کہلانے کی حقدار ہوگی اور وہ پاکستان کی تاریخ میں اسی طرح یاد رکھی جائے گی جیسے حضرت عمرؓ کی حکومت تاریخ اسلام میں ایک یادگار حیثیت رکھتی ہے۔

### ۳۔ یہود و نصاریٰ کی جلا وطنی:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیاسی وحدت و استحکام کیلئے ایک اور اہم قدم یہ اٹھایا کہ اپنے عہد خلافت کے آخری سال یہود و نصاریٰ کو عرب سے نکال دیا۔ اس طرح مرکز اسلام ارض اسلام کو ہمیشہ کیلئے غیر مسلموں کی چیرہ دستیوں سے محفوظ کر لیا۔ اس سے امت مسلمہ کو ایک ایسا الگ خطہ میسر آ گیا جو چودہ صدیوں سے تمام دنیا کے مسلمانوں کی عقیدتوں، محبتوں، اور امیدوں کا محور ہے۔ فاروق، عظیمؓ کی یہ سیاسی حکمت عملی تقریباً پانچ سالوں کے تلخ تجربات کا ایک فطری نتیجہ تھی جو یہود و نصاریٰ کے رویوں اور سرگرمیوں سے مسلمانوں کو ہوئے۔ رسول اکرم ﷺ نے ہجرت کے بعد یثاق مدینہ کے ذریعے جو مذہبی آزادی، حقوق انصاف اور رعایات ان دونوں گروہوں کو دیئے، وہ تاریخ انسانیت کا ایک روشن باب ہے۔ اس کے باوجود انہوں نے ہر قدم پر وعدہ خفائی کی دھوکہ دیا، مسلمانوں کے دشمنوں کا خفیہ وعدہ نبیہ ساتھ دیا۔ جاسوسی کی بھروسہ کی پشت پناہی کی، حملہ آوروں کو دعوت دی، مشکل اوقات میں ساتھ چھوڑا اور مسلمانوں کو ہر قسم کا نقصان پہنچانے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کیا۔ سلام کے خلاف ان کا بغض و عناد کسی دلیل پر نہیں بلکہ نفرت و تعصب اور تنگ نظری کی بنا پر تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے خود یہ محسوس فرمایا تھا کہ ان کا جزیرہ عرب میں رہنا ہمیشہ نقصان دہ فتنے کا سبب بنا رہے گا<sup>(۱)</sup>۔ اس لئے ارشاد ہوا ”لئن عشت ان شاء اللہ لا اخرجن الیہود والنصارى من جزیرة العرب فلا اتواک الا مسلما“<sup>(۲)</sup>۔ (اگر میں زندہ رہا تو ان شاء اللہ یہود و نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے ضرور نکال دوں گا اور مسلمان کے سوا اس میں کسی کو نہیں چھوڑوں گا۔ اگر وہی کہتے ہیں کہ کہ پھر حضرت عمر فاروقؓ نے انہیں نکال دیا<sup>(۳)</sup>۔

رسول اکرم ﷺ نے جو وہ پٹی اس خواہش کو عملی جامہ نہیں پہنایا۔ اس میں زیادہ تر عنصر آپؐ کی نیکس رحمت و شفقت کا تھا جیسا کہ یہود خیبر کے معاملے سے ظاہر ہے۔ حضرت عہد اللہ ہی عمرؓ نے بقول جب خیبر فتح ہوا تو رسول اکرم ﷺ نے یہودیوں کو وہاں سے نکلنے کا ارادہ فرمایا تو انہوں نے درخواست کی کہ سارا کام ہم خود کریں گے اور اس (زمین) کی بیدار کا نصف لیں گے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ”اچھا جب تک ہم چاہیں گے تمہیں اس شرط پر یہاں رہنے دیں گے“<sup>(۴)</sup>۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان دنوں سیاسی صورت حال ایسی تھی کہ آپؐ کا خراج مناسب نہیں سمجھتے تھے اس لئے آپؐ نے فوراً نکلنے کے بجائے فرمایا ”اگر میں زندہ رہا“ گویا آپؐ نے سے مستقبل کے کسی وقت کیلئے اٹھارہ گھنٹہ غائبانہ شام سے سرحدی کشیدگیوں کی وجہ سے سس پاس اور راہ میں بسنے والے قبائل سے نرمی زیادہ قرین مصلحت تھی۔

بہر حال نبی ﷺ یہ سمجھتے تھے کہ آئندہ کسی مناسب موقع پر یہود و نصاریٰ کو سرزمین تجار سے ضرور نکال دینا چاہئے۔ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ

(۱) حبش ۱، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۴۲، ۲۴۱، ۲۴۰، ۲۳۹، ۲۳۸، ۲۳۷، ۲۳۶، ۲۳۵، ۲۳۴، ۲۳۳، ۲۳۲، ۲۳۱، ۲۳۰، ۲۲۹، ۲۲۸، ۲۲۷، ۲۲۶، ۲۲۵، ۲۲۴، ۲۲۳، ۲۲۲، ۲۲۱، ۲۲۰، ۲۱۹، ۲۱۸، ۲۱۷، ۲۱۶، ۲۱۵، ۲۱۴، ۲۱۳، ۲۱۲، ۲۱۱، ۲۱۰، ۲۰۹، ۲۰۸، ۲۰۷، ۲۰۶، ۲۰۵، ۲۰۴، ۲۰۳، ۲۰۲، ۲۰۱، ۲۰۰، ۱۹۹، ۱۹۸، ۱۹۷، ۱۹۶، ۱۹۵، ۱۹۴، ۱۹۳، ۱۹۲، ۱۹۱، ۱۹۰، ۱۸۹، ۱۸۸، ۱۸۷، ۱۸۶، ۱۸۵، ۱۸۴، ۱۸۳، ۱۸۲، ۱۸۱، ۱۸۰، ۱۷۹، ۱۷۸، ۱۷۷، ۱۷۶، ۱۷۵، ۱۷۴، ۱۷۳، ۱۷۲، ۱۷۱، ۱۷۰، ۱۶۹، ۱۶۸، ۱۶۷، ۱۶۶، ۱۶۵، ۱۶۴، ۱۶۳، ۱۶۲، ۱۶۱، ۱۶۰، ۱۵۹، ۱۵۸، ۱۵۷، ۱۵۶، ۱۵۵، ۱۵۴، ۱۵۳، ۱۵۲، ۱۵۱، ۱۵۰، ۱۴۹، ۱۴۸، ۱۴۷، ۱۴۶، ۱۴۵، ۱۴۴، ۱۴۳، ۱۴۲، ۱۴۱، ۱۴۰، ۱۳۹، ۱۳۸، ۱۳۷، ۱۳۶، ۱۳۵، ۱۳۴، ۱۳۳، ۱۳۲، ۱۳۱، ۱۳۰، ۱۲۹، ۱۲۸، ۱۲۷، ۱۲۶، ۱۲۵، ۱۲۴، ۱۲۳، ۱۲۲، ۱۲۱، ۱۲۰، ۱۱۹، ۱۱۸، ۱۱۷، ۱۱۶، ۱۱۵، ۱۱۴، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۹، ۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۴، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۱۰۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱، ۰، ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵

عہد کے بقول ”نخضر علیہ السلام کے منہ سے جو آخری بات نکلی، وہ یہ تھی کہ ”یہود کو سرزمین حجاز سے نکال دو اور نجرانوں کو حجاز پر عرب سے باہر نکال دو“ (۱)۔ امام ابو حنیفہ کے بقول آنحضرت ﷺ نے یہ بات اس وقت کہی ہوگی، جب ان میں بد عہدی کے آثار پیدا ہونے لگے یا معاہدہ صلح کے خلاف کوئی نئی روش دیکھی ہوگی (۲)۔ سیاسی حالات ہمیشہ تبدیل ہوتے رہتے ہیں اس لئے سیاسی فیصلے بھی حتمی نہیں ہوتے۔ ان میں حالات و ضروریات کے تقاضوں کے مطابق تغیر و ترمیم ہوتا ہے۔ بہت سے اقدامات اہم ہونے کے باوجود مقاصد کے حصول اور اثرات و نتائج کو مفید بنانے کیلئے مناسب وقت کے انتظار کے متقاضی ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عہد صدیقی اور عہد فاروقی کے ابتدائی سالوں میں مملکت کی اعلیٰ مصلحت و سیاسی رویہ جو عہد نبوی ﷺ میں تھی، لیکن جو یہی سیاسی احوال بدلے فتوحات میں دستبرد پیدا ہوئی اور جریرہ عرب کے وحدتی رشتوں کو مزید استوار کرنا ضروری اور ممکن ہوا۔ فاروق اعظم نے جہادی بصیرت اور مدبرانہ سیاست کو رو بہ عمل لاتے ہوئے یہود و نصاریٰ کو شام کے علاقوں میں منتقل کر دیا۔ اس کیلئے انہوں نے تدریج کا طریق کار اختیار کیا اور باری باری مختلف علاقوں سے ان کا اخلاء کیا اور عدل و انصاف کا پورا پورا خیال کیا اور انہیں معاوضے اور متبادل زمینیں فراہم کیں تاکہ اسلام کی روح اور حکومت کی سادگی دونوں محفوظ رہیں اور امت مسلمہ کے وسیع تر مفادات کی تکمیل بھی ہو جائے۔

سوائی ریاست کو وحدت و استحکام سے ہمکنار کرنے کیلئے یہ ضروری تھا کہ کم از کم مرکز اسلام میں صرف اور صرف دین اسلام باقی رہے اور وہاں پر عقیدہ بالکل صحیح اور خاص ہو تاکہ حج کی خاطر یا دار الخلافہ میں اپنی ضروریات و مسائل کے حل کیلئے دور دراز سے آنے والے لوگوں کیلئے تعلیم و تربیت کا ایک مثالی نمونہ موجود ہو اور اس پاس سے مکمل اطمینان ہو۔ اسی حکمت کے پیش نظر سرور کونین ﷺ نے ارشاد فرمایا ”اللہ یہود و نصاریٰ کو تباہ کرے کہ انہوں نے نبیاء کرام کی قبروں کو مساجد بنادیا۔ آگاہ ہو کہ عرب میں دو دین باقی نہ رہیں (۳)۔“ ابن شہاب کے بقول آپ نے فرمایا ”لا یجتمع دینا فی حویرة العرب۔“ حضرت عمرؓ نے اس حدیث کی تحقیق کی۔ جب نہیں تھی اور یقین ہو گیا تو یہود خیر کو نکال دیا (۴)۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ اسی کی بنیاد پر انہوں نے خیبر، فدک اور نجران سے یہودیوں کو نکال دیا (۵)۔

### (الف) اہل نجران:

رسول کریم ﷺ نے اہل نجران جو یمن میں واقع ہے ایک معاہدہ کیا اور انہیں تمام بنیادی حقوق، مذہبی آزادی اور ہر قسم کے تحفظات فراہم کئے اور ان پر کچھ خراج اور شرائط عائد کیں جن میں سود نہ کھانے، خمر خواہی برتے، ذمہ داریاں ٹھیک ادا کرنے اور ظلم و زیادتی کر کے بھاگ نکلنے کی کوشش نہ کرنا (۶)۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اس معاہدے کی تجدید فرمائی (۷)۔ فاروق اعظمؓ کے عہد میں وہ معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے سود کھانے لگے، ان کی تعداد بڑھ کر چالیس ہزار ہو گئی۔ حضرت عمرؓ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں ان سے اسلام کے وجود کو نقصان نہ پہنچے اس لئے انہیں جلا وطن کرنے کا سوچنے لگے (۸)۔ ابوہریرہؓ کا یہ عالم تھا کہ کثرت کی وجہ سے ان میں اختلافات اور آپس میں حسد پیدا ہو گیا۔ وہ خود ہی حلیفہ دوم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور منتقل کر دینے کی درخواست کی۔ حضرت عمرؓ نے موقع غنیمت جانا کیونکہ پہلے ہی ان کی طرف سے خطرہ محسوس فرما رہے تھے چنانچہ انہیں جلا وطن کرنے کے احکامات جاری کر دیئے۔ بعد میں انہوں نے معافی کی درخواست کی، لیکن حضرت عمرؓ نے قبول نہ کی (۹)۔ اپنے اس فیصلے میں دراصل اسی حدیث کو بنیاد بنایا کہ عرب میں دو دین ہرگز باقی نہ رہیں (۱۰)۔ ایک روایت

(۱) حصہ ۱، ۲: ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، ۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۱۵۸۲، ۱۵۸۳، ۱۵۸۴، ۱۵۸۵، ۱۵۸۶، ۱۵۸۷، ۱۵۸۸، ۱۵۸۹، ۱۵۹۰، ۱۵۹۱، ۱۵۹۲، ۱۵۹۳، ۱۵۹۴، ۱۵۹۵، ۱۵۹۶، ۱۵۹۷، ۱۵۹۸، ۱۵۹۹، ۱۶۰۰، ۱۶۰۱، ۱۶۰۲، ۱۶۰۳، ۱۶۰۴، ۱۶۰۵، ۱۶۰۶، ۱۶۰۷، ۱۶۰۸، ۱۶۰۹، ۱۶۱۰، ۱۶۱۱، ۱۶۱۲، ۱۶۱۳، ۱۶۱۴، ۱۶۱۵، ۱۶۱۶، ۱۶۱۷، ۱۶۱۸، ۱۶۱۹، ۱۶۲۰، ۱۶۲۱، ۱۶۲۲، ۱۶۲۳، ۱۶۲۴، ۱۶۲۵، ۱۶۲۶، ۱۶۲۷، ۱۶۲۸، ۱۶۲۹، ۱۶۳۰، ۱۶۳۱، ۱۶۳۲، ۱۶۳۳، ۱۶۳۴، ۱۶۳۵، ۱۶۳۶، ۱۶۳۷، ۱۶۳۸، ۱۶۳۹، ۱۶۴۰، ۱۶۴۱، ۱۶۴۲، ۱۶۴۳، ۱۶۴۴، ۱۶۴۵، ۱۶۴۶، ۱۶۴۷، ۱۶۴۸، ۱۶۴۹، ۱۶۵۰، ۱۶۵۱، ۱۶۵۲، ۱۶۵۳، ۱۶۵۴، ۱۶۵۵، ۱۶۵۶، ۱۶۵۷، ۱۶۵۸، ۱۶۵۹، ۱۶۶۰، ۱۶۶۱، ۱۶۶۲، ۱۶۶۳، ۱۶۶۴، ۱۶۶۵، ۱۶۶۶، ۱۶۶۷، ۱۶۶۸، ۱۶۶۹، ۱۶۷۰، ۱۶۷۱، ۱۶۷۲، ۱۶۷۳، ۱۶۷۴، ۱۶۷۵، ۱۶۷۶، ۱۶۷۷، ۱۶۷۸، ۱۶۷۹، ۱۶۸۰، ۱۶۸۱، ۱۶۸۲، ۱۶۸۳، ۱۶۸۴، ۱۶۸۵، ۱۶۸۶، ۱۶۸۷، ۱۶۸۸، ۱۶۸۹، ۱۶۹۰، ۱۶۹۱، ۱۶۹۲، ۱۶۹۳، ۱۶۹۴، ۱۶۹۵، ۱۶۹۶، ۱۶۹۷، ۱۶۹۸، ۱۶۹۹، ۱۷۰۰، ۱۷۰۱، ۱۷۰۲، ۱۷۰۳، ۱۷۰۴، ۱۷۰۵، ۱۷۰۶، ۱۷۰۷، ۱۷۰۸، ۱۷۰۹، ۱۷۱۰، ۱۷۱۱، ۱۷۱۲، ۱۷۱۳، ۱۷۱۴، ۱۷۱۵، ۱۷۱۶، ۱۷۱۷، ۱۷۱۸، ۱۷۱۹، ۱۷۲۰، ۱۷۲۱، ۱۷۲۲، ۱۷۲۳، ۱۷۲۴، ۱۷۲۵، ۱۷۲۶، ۱۷۲۷، ۱۷۲۸، ۱۷۲۹، ۱۷۳۰، ۱۷۳۱، ۱۷۳۲، ۱۷۳۳، ۱۷۳۴، ۱۷۳۵، ۱۷۳۶، ۱۷۳۷، ۱۷۳۸، ۱۷۳۹، ۱۷۴۰، ۱۷۴۱، ۱۷۴۲، ۱۷۴۳، ۱۷۴۴، ۱۷۴۵، ۱۷۴۶، ۱۷۴۷، ۱۷۴۸، ۱۷۴۹، ۱۷۵۰، ۱۷۵۱، ۱۷۵۲، ۱۷۵۳، ۱۷۵۴، ۱۷۵۵، ۱۷۵۶، ۱۷۵۷، ۱۷۵۸، ۱۷۵۹، ۱۷۶۰، ۱۷۶۱، ۱۷۶۲، ۱۷۶۳، ۱۷۶۴، ۱۷۶۵، ۱۷۶۶، ۱۷۶۷، ۱۷۶۸، ۱۷۶۹، ۱۷۷۰، ۱۷۷۱، ۱۷۷۲، ۱۷۷۳، ۱۷۷۴، ۱۷۷۵، ۱۷۷۶، ۱۷۷۷، ۱۷۷۸، ۱۷۷۹، ۱۷۸۰، ۱۷۸۱، ۱۷۸۲، ۱۷۸۳، ۱۷۸۴، ۱۷۸۵، ۱۷۸۶، ۱۷۸۷، ۱۷۸۸، ۱۷۸۹، ۱۷۹۰، ۱۷۹۱، ۱۷۹۲، ۱۷۹۳، ۱۷۹۴، ۱۷۹۵، ۱۷۹۶، ۱۷۹۷، ۱۷۹۸، ۱۷۹۹، ۱۸۰۰، ۱۸۰۱، ۱۸۰۲، ۱۸۰۳، ۱۸۰۴، ۱۸۰۵، ۱۸۰۶، ۱۸۰۷، ۱۸۰۸، ۱۸۰۹، ۱۸۱۰، ۱۸۱۱، ۱۸۱۲، ۱۸۱۳، ۱۸۱۴، ۱۸۱۵، ۱۸۱۶، ۱۸۱۷، ۱۸۱۸، ۱۸۱۹، ۱۸۲۰، ۱۸۲۱، ۱۸۲۲، ۱۸۲۳، ۱۸۲۴، ۱۸۲۵، ۱۸۲۶، ۱۸۲۷، ۱۸۲۸، ۱۸۲۹، ۱۸۳۰، ۱۸۳۱، ۱۸۳۲، ۱۸۳۳، ۱۸۳۴، ۱۸۳۵، ۱۸۳۶، ۱۸۳۷، ۱۸۳۸، ۱۸۳۹، ۱۸۴۰، ۱۸۴۱، ۱۸۴۲، ۱۸۴۳، ۱۸۴۴، ۱۸۴۵، ۱۸۴۶، ۱۸۴۷، ۱۸۴۸، ۱۸۴۹، ۱۸۵۰، ۱۸۵۱، ۱۸۵۲، ۱۸۵۳، ۱۸۵۴، ۱۸۵۵، ۱۸۵۶، ۱۸۵۷، ۱۸۵۸، ۱۸۵۹، ۱۸۶۰، ۱۸۶۱، ۱۸۶۲، ۱۸۶۳، ۱۸۶۴، ۱۸۶۵، ۱۸۶۶، ۱۸۶۷، ۱۸۶۸، ۱۸۶۹، ۱۸۷۰، ۱۸۷۱، ۱۸۷۲، ۱۸۷۳، ۱۸۷۴، ۱۸۷۵، ۱۸۷۶، ۱۸۷۷، ۱۸۷۸، ۱۸۷۹، ۱۸۸۰، ۱۸۸۱، ۱۸۸۲، ۱۸۸۳، ۱۸۸۴، ۱۸۸۵، ۱۸۸۶، ۱۸۸۷، ۱۸۸۸، ۱۸۸۹، ۱۸۹۰، ۱۸۹۱، ۱۸۹۲، ۱۸۹۳، ۱۸۹۴، ۱۸۹۵، ۱۸۹۶، ۱۸۹۷، ۱۸۹۸، ۱۸۹۹، ۱۹۰۰، ۱۹۰۱، ۱۹۰۲، ۱۹۰۳، ۱۹۰۴، ۱۹۰۵، ۱۹۰۶، ۱۹۰۷، ۱۹۰۸، ۱۹۰۹، ۱۹۱۰، ۱۹۱۱، ۱۹۱۲، ۱۹۱۳، ۱۹۱۴، ۱۹۱۵، ۱۹۱۶، ۱۹۱۷، ۱۹۱۸، ۱۹۱۹، ۱۹۲۰، ۱۹۲۱، ۱۹۲۲، ۱۹۲۳، ۱۹۲۴، ۱۹۲۵، ۱۹۲۶، ۱۹۲۷، ۱۹۲۸، ۱۹۲۹، ۱۹۳۰، ۱۹



روایت کے مطابق رسول کریم ﷺ نے نبی کے اس معاملے کو قبول کرتے ہوئے یہ فرمایا تھا کہ ”جب تک ہم چاہیں گے، تمہیں اس شرط پر یہاں رہنے میں ہے“ (۱)۔ اس طرح یہ معاملہ طے ہو گیا، اور رسول اللہ ﷺ کے بقیہ عہد مبارک اور عہد صدیقی اور فاروق اعظم کے عہد کے سات سال تک اسی پر عمل کرتا رہا۔ یحوقلی کے بقول ۲۰ھ میں حضرت عمر فاروقؓ نے نہیں جلا وطن کر دیا (۲)۔ اس قدم کے کئی سبب تھے جو مختلف روایات سے ہمارے سامنے آتے ہیں۔ علامہ بلاذری کے بقول حضرت عمر بن الخطابؓ کی خلافت میں ان میں دبا پھوٹ پڑی اور وہ مسلمانوں سے چالیس چلنے لگے، اس لئے انہوں نے انہیں جلا وطن کر دیا اور خیبر کی زمین ان مسلمانوں میں تقسیم کر دیں، جن کا ان میں حصہ تھا (۳)۔ حضرت نافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اہل خیبر نے مسلمانوں میں تباہی پھیلادی چاہی، ان کے ساتھ خیانتیں کیں اور عبد اللہ بن عمرؓ کو بالا خانے سے نیچے پھینک دیا، جس سے ان کے ہاتھ ٹوٹ گئے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہاں کی زمینیں اہل حدیبیہ میں سے ان لوگوں میں تقسیم کر دیں جو خیبر میں شریک ہوئے تھے (۴)۔

روایات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس سبب تو بہت سے موجود تھے لیکن فوری واقعہ جو جلا وطنی کے فیصلے کی بنیاد بنا، وہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے ساتھ بلا وجہ ظلم تھا جو اس بات کی ضمانت تھا کہ وہ لوگ اب حد سے گزر گئے ہیں اور وہ اس قدر سرکش ہو گئے ہیں کہ قانون، ضوابط، اخلاق، معاہدہ وغیرہ میں سے کسی چیز کا پاس دینا نہ رکھنے کے رولوار نہیں ہیں۔ یہ بات ریاست کے انتظامی معاملات کیلئے انتہائی خطرناک تھی اور مسلمانوں کے امن و استحکام کیلئے بھی یہودیوں کی موجودگی اور سازشیں ہر وقت خطرہ بنی رہتی تھیں۔ اس نئے حالات کا یہی تقاضا تھا کہ اس موقع پر انہیں یہاں سے رخصت کر دیا جائے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے طور پر اس کا فیصلہ کرنے کے بجائے مسلمانوں کو اعتماد میں لینا ضروری سمجھا اور ان کے پورے احوال سامنے رکھ دیئے تاکہ بعد میں کسی کو غلط فہمی میں مبتلا کرے اور ہونے کا موقع نہ ملے۔ یہی ان کے حسن انتظام اور تدبیر و سیاست کی خوبی تھی۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے بقول خطبے کیلئے کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے جب خیبر کے یہودیوں سے ان کی جائیداد کے سلسلے میں معاملہ کیا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ جب تک اللہ تعالیٰ تمہیں قائم رکھے، ہم بھی قائم رہیں گے۔ اس کے بعد عبد اللہ بن عمرؓ ہاں اپنے اموال کے سلسلے میں گئے تو ان کے ساتھ ظلم و تعدی کا معاملہ کیا گیا، جس سے ان کے ہاتھ پاؤں ٹوٹ گئے۔ پھر خیبر میں ان کے سوا کوئی ہمارا دشمن نہیں، صرف یہی ہمارے دشمن ہیں اور ان پر ہمیں شہ ہے۔ اس لئے ہمیں شہر بدر کر دینا ہی مناسب سمجھتا ہوں۔ جب حضرت عمرؓ نے پختہ ارادہ کر لیا تو (ایک یہودی خاندان) ابی ہرق کا ایک شخص آیا اور کہا ”یا امیر المومنین! کیا آپ ہمیں شہر بدر کر دیں گے جبکہ محمد ﷺ نے ہمیں باقی رکھا تھا اور ہم سے جائیداد کا ایک معاملہ بھی کیا تھا اور اس کی شرط بھی لگائی تھی؟“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”کیا تم سمجھتے ہو کہ میں رسول اکرم ﷺ کا فرمان بھول گیا ہوں؟“ جب حضور ﷺ نے تم سے کہا تھا کہ ”تمہارا کیا حال ہو گا؟“ جب تم خیبر سے نکالے جاؤ گے اور تمہارے اونٹ تمہیں راتوں رات لئے پھریں گے۔“ اس نے جواب دیا ”وہ تو ابوالقاسم کا مذاق تھا۔“ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”اے دشمن خدا تو نے جھوٹی بات کہی، چنانچہ انہیں شہر بدر کر دیا اور ان کے بھولے اونٹ اور دوسرے سامان یعنی کھوے اور رسیں وغیرہ سب کی قیمت ادا کر دی (۵)۔ ان کی زیادتیوں اور عہد شکنیوں کے باوجود فاروق اعظم کا حسن سلوک اور رواداری تاریخ اسلام کا ایک درخشندہ باب ہے۔ جائیداد کی قیمت ادا کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں زمینوں کی جگہ پر قبضوں زمینیں بھی عطا فرمائیں اور انہیں تیار اور بجا منتقل کر دیا (۶)۔ اس طرح وہ در بدر کی ٹھوکریں کھانے کے بجائے اسلامی ریاست ہی میں اپنے پورے حقوق و مراعات کے ساتھ قیام پذیر ہو گئے۔ حضرت عمرؓ کے اس فیصلے کے پیچھے دراصل ریاست کی وحدت اور اس کے استحکام کی عظیم ترین حکمتیں شامل تھیں۔ اس اقدام کا محرک وہ احادیث تھیں جن میں سرور کونین ﷺ نے جزیرہ عرب

میں دو دین اکٹھے نہ رکھنے اور یہود و نصاریٰ کو جدا وطن کر دینے کا حکم دیا تھا۔ اس وقت نبی ﷺ بھی یہی تھا کہ وہ وہ مخالفوں کی بنا پر مدینہ کے گرد و نواح کی بستیوں کو جدا وطن کر دیا گیا تھا۔ فاروق اعظمؓ یہ سمجھنے میں حق بجانب تھے کہ یہود خیبر کو زمینوں پر برقرار رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کے پاس ان زمینوں کی کاشتکاری و آباد کاری کا کوئی معقول نظام اور افرادی قوت موجود نہیں تھی، لیکن اب حالات بد چلے گئے تھے اور سیاسی و معاشی عوامل اس پالیسی پر نظر ثانی کے متقاضی تھے۔ اب ان کی اجتماعی بصیرت ہی ان تقاضوں کو نہ پہچان سکتی تو اور کون پہچانتا؟ چنانچہ انہوں نے نہایت جرأت مندی سے فیصلہ صادر فرمایا اور حکمت و تدبیر سے اسے عملی جامہ پہنایا۔ امام ابو عبیدہ القاسم نے بالکل بجا تجزیہ کیا ہے کہ جب حضرت عمرؓ کارکنہ آیا اور مسلمانوں کے ہاتھوں میں بکثرت کام کرنے والے (کاشتکار) آگئے اور ان میں زمین کا بندوبست کرنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی تو انہوں نے یہودیوں کو خیبر سے نکال کر شام بھیج دیا<sup>(۱)</sup>۔ فاروق اعظمؓ رسول اکرم ﷺ کی تدبیر و سیاست کی روش و مزین کو سمجھتے تھے اور اس کے مقاصد و مصالح سے بخوبی آگاہ تھے۔ ان کی یہ منصفی و دردمندی تھی کہ اس کے تسلسل کو سننے حالات کی روشنی میں جاری رکھیں اس لئے ان کا یہ پختہ عزم تھا کہ

”لئن عشت ان شاء الله لا اخرج اليهود والنصارى من جزيرة العرب“<sup>(۲)</sup>۔ (اگر میں زندہ رہا تو ان شاء اللہ یہود و نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکال دوں گا۔)

بڑے بڑے سیاسی فیصلے اگر مخصوص احوال، نفاذ اور موقع محل سے مناسبت نہ رکھتے ہوں تو شدید نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں اور اہداف سے دور بھی لے جاسکتے ہیں۔ اس لئے ایک ماہر سیاستدان اور حکمران و حلیفہ کا یہ فرض ہے کہ حالات کی بدلتی ہوئی اس کا ہاتھ رکھے اور وہ دانشمندی کے ساتھ ساتھ مہر و جرأت کی صد جیتوں سے بھی مال مال ہو تاکہ صحیح وقت پر صحیح فیصلہ کر سکے اور اسے رو بہ عمل لاسکے۔ حضرت عمرؓ نے یہود و نصاریٰ کے اخراج کیلئے کسی جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ مناسب وقت کا انتظار کیا۔ خیبر کے یہود نے اپنی حرکتوں سے خود ہی وہ موقع فراہم کر دیا جس سے حضرت عمرؓ نے بھرپور فائدہ اٹھایا اور رائے عامہ کو اپنے اس اقدام کے بارے میں ہموار پا کر ریاست کے وسیع تر مقصد کو حاصل کر لیا۔ یہ ان کی دانشمندی کا بہت بڑا ثبوت ہے۔ چنانچہ اپنے ایک خطبے میں ارشاد فرمایا نبی ﷺ نے فرمایا ہے ”ہم نے خیبر والوں سے اس شرط پر صلح کی ہے کہ ہم جب چاہیں گے ان کو وہاں سے نکال دیں گے۔ اب ان لوگوں نے عبد اللہ بن عمرؓ پر دست درازی کی ہے اور اس سے قبل بھی یہ نصاریٰ پر دھاوا بول چکے ہیں۔ ہمارے علم کی مدد تک اس سر زمین پر ان کے سوا ہمارا کوئی اور دشمن نہیں ہے۔ اب خیبر میں جن لوگوں کے اموال و املاک ہوں وہ وہاں جا کر انہیں خود سنبھال لیں کیونکہ میں ان کو نکالنے والا ہوں“<sup>(۳)</sup>۔

### (ج) اہل فدک:

فدک مدینہ سے دو تین دن کی مسافت پر واقع ایک علاقے کا نام ہے، جہاں بکثرت حبشے اور چلوں کے باغات ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے سات ہجری میں اسے صلح کے ذریعے فتح فرمایا<sup>(۴)</sup>۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ جب نبی ﷺ نے خیبر فتح کیا تو ان لوگوں نے کہا ”اے محمد ﷺ! ہم ان اموال کے مالک رہے ہیں اور ہمیں ان کے بارے میں آپ لوگوں سے زیادہ علم ہے لہذا آپ اس مسئلے میں ہمارے ساتھ معاملہ کر لیجئے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ان سے آدمی پیداوار پر معاہدہ کر لیا۔ اس شرط کے ساتھ کہ جب تم کو نکالنا چاہیں گے نکال دیں گے۔ اس بات کی خبر اہل فدک کو بھی ہو گئی۔ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت عیصہ بن مسعودؓ کو ان کے پاس بھیجا تو انہوں نے بھی وہی معاملہ طے کر لیا، جو اہل خیبر نے کیا تھا۔ اس شرط کے ساتھ کہ آپ ان کی حفاظت کریں گے اور ان کا خون نہیں بہائیں گے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اہل خیبر کی طرح ان کے معاملے کو برقرار رکھا۔ فدک رسول اللہ ﷺ کی ملکیت قرار پایا کیونکہ مسلمانوں نے اونٹ یا گھوڑے نہیں دوڑائے تھے“<sup>(۵)</sup>۔ باشندگان فدک نے زمین اور غلستان کے نصف حصے پر مصالحت کی تھی۔ مہد نبویؐ میں یہاں کی آمدنی مختلف فاقی کاموں پر خرچ فرماتے تھے۔ ان میں

(۱) عید ۵۸ (۲) ح ۲۴۱ (۳) یوسف ۵۹ (۴) رحمت ۱۲۸/۵ (۵) یوسف ۵۹، یحزوت ۴، ۲۳۹

مسافروں کے خورد و نوش فقرائے ہنسی ہاشم کی ضروریات اور ان کی بیوہ کی شادیوں کے اخراجات شامل ہیں<sup>(۱)</sup>۔ وفات ہوئی کے بعد آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا صدیق اکبرؑ کے پاس خیبر و فدک سے اپنا حصہ حاصل کرنے کیلئے گئیں تو انہوں نے یہ کہہ کر نکال کر دیا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”ہماری (امیاء کرام کی) میراث تقسیم نہیں ہوتی بلکہ ہمارا ترکہ صدقہ ہے“<sup>(۲)</sup>۔ ”فاروق اعظمؓ کے عہد میں حضرت عقیؓ اور حضرت عباسؓ اموال لئے کے بارے میں مطالبات لے کر گئے تو انہوں نے وراثت دینے سے انکار کر دیا، البتہ مدینے کے اموال کو ان کے زیر انتظام دیا گیا کہ وہ متعینہ کاموں پر صرف کرتے رہیں، لیکن خیبر و فدک کو کسی کے حوالے نہ کیا اور فرمایا ”دونوں رسول اللہ ﷺ کا صدقہ ہیں“ ان کے حقوق کیلئے جو وقتی طور پر پیش آئے تھے یا پھر وقتی حادثات کیسے خاص تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کے انتظامات پر غیہ کو مختار بنایا تھا۔ ”ہم زہری کے بھول ان دونوں کا انتظام آج تک اسی طرح ہوتا چلا آیا ہے“<sup>(۳)</sup>۔

حضرت عمر فاروقؓ سے جب یہود و نصاریٰ کو سرزمین قحط سے جلد وطن کرنے کا فیصلہ فرمایا تو آخر میں اہل فدک کی باری آئی، تو انہوں نے ان سے نہایت عدل و انصاف کا برتاؤ کیا اور تختستان و اراضی میں ان کا بھٹنا حصہ تھا اس کی عادات قیمتیں چانچنے کیلئے چند واقف کاروں کو بھیجا اور جو قیمتیں انہوں نے تجویز کیں، وہ ان کو دے دیں<sup>(۴)</sup>۔ انہیں معاوضے میں سونا چاندی اور اونٹوں کے پالان دیئے<sup>(۵)</sup> اور انہیں شام کی طرف بھیج دیا<sup>(۶)</sup>۔

## ۵۔۔۔ انتخابی شوریٰ کا نقرہ:

اجتہادی بصیرت، نادر وق، عظم کی شخصیت کا ایک ایسا وصف تھا جو آپ کے آخری سانس تک اپنی جو مائیاں دکھا رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم و دانش، دور فہم و فراست کا جو دافر خزانہ عطا فرمایا تھا اس سے سلام اور اہل سلام ہر ہم موڈ اور کھن مریلے پر فیض یاب ہوتے رہے۔ ذی الحجہ ۲۳ھ کو جب آپ ہر سس کی طرح حج پر تشریف لے گئے تو آپ کی الہامی سوچ کو یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ ”پ کا شاید آخری حج ہو۔ مختلف عداوت و دشمنیوں نے جن کا ہم جائزہ لے چکے ہیں، یہی خبر دے رہے تھے۔ آپ کے ارشادات، اقتادات، فرمیں، نصیحتوں اور وصیتوں کا گہرا تجربہ کریں تو معلوم ہو سکتا ہے کہ حالت کو کس انداز میں دیکھ رہے تھے اور اپنے خیالات و تجربات کی روشنی میں آئندہ پیش آنے والے ممکنہ مسائل کو کس طرح حل کرنے چاہتے تھے؟ اسلامی نظام حیات کی کن بنیادوں کو مضبوط بنانا چاہتے تھے تاکہ تہذیب و تمدن کی عمارت تادیر انسانیت کو سکون و راحت اور امن و حفاظت کا ستیان فراہم کرتی رہے۔ بصیرت عمر کے اس پہلو کو جاننا اس لئے بھی ضروری ہے کہ ہم انہی رہنما اصولوں کی قدیل سے اپنے دور کے تیرہ و تار یک گوشوں کو منور کر سکتے ہیں۔

تمام معاملات میں سب سے زیادہ ہمیت خلافت کے مسئلے کو حاصل تھی۔ قبل ازیں عقیدہ ہنسی ساعدہ میں انتخاب کے مسئلے پر مہاجرین و انصار نے صورتحال کو جس طرح خطرناک بنادیا تھا اب اس کا مکان اس سے کہیں زیادہ تھا کیونکہ روم، ایران اور مصر کی فتوحات میں تمام عربوں نے مل کر حصہ لیا تھا، ہر قبیلے نے ہر پور حصہ لیا تھا۔ اس سے سب ہی خلافت کے حقدار ہوئے گا دعویٰ کر سکتے تھے۔ آخری حج کے موقع پر کھل کر اس طرح کی چہ میگوئیاں ہونا شروع ہوئیں تو آپ سخت پریشان ہوئے۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ میں حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ سے (قرآن مجید) پڑھتا تھا۔ جب وہ آخری حج آیا جو حضرت عمرؓ نے کیا تھا تو حضرت عبدالرحمنؓ نے منیٰ میں مجھ سے کہا ”کاش تم امیر المومنین کو آج دیکھتے جب ان کے پاس ایک شخص آیا اور بتایا کہ لہاں شخص یہ کہتا ہے کہ اگر میر

(۱) رد المحتار ۱/۲۸۱ (۲) بحری ۱/۲۸۱ مسند ۱/۲۸۱ (۳) بحری ۱/۲۸۱ مسند ۱/۲۸۱ (۴) رد المحتار ۱/۲۸۱ (۵) رد المحتار ۱/۲۸۱ (۶) رد المحتار ۱/۲۸۱



لومنین کا انتقال ہو گیا تو ہم لہجہ سے بیعت کریں گے۔“ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ”میں آج شام کھڑے ہو کر لوگوں کو متنبہ کروں گا جو (مسلمانوں کے حق کو) غصب کرنا چاہتے ہیں۔ میں عرض کی کہ آپ ایسا نہ کریں کیا تکہ موسم حج میں ہر طرح کے ناوقف اور معمولی لوگ جمع ہوتے ہیں وہ آپ کی مجلس پر چھا جائیں گے اور مجھے خطرہ ہے کہ وہ آپ کی بات تو صحیح محل پر نہیں رکھیں گے اور آپ کی بات کو چاروں طرف پھیلا دیں گے۔ اس لئے ابھی آپ توقف کیجئے جب آپ مدینہ پہنچیں جو دارالہجرت اور دارالامت ہے تو وہاں آپ کے مخاطب رسول اللہ ﷺ کے صحابہ و صحابہ جریں و انصار ہوں گے۔ وہ آپ کی بات کو محفوظ رکھیں گے اور سے صحیح محل پر بھی رکھیں گے۔ اس پر آپ نے فرمایا ”واللہ! میں اس بات کو مدینہ میں سب سے پہلی فرصت میں رکھوں گا“ (۱)۔ ”واہس مدینہ پہنچے تو جمعہ کے دن خطبہ دیا یہ زندگی کا آخری جمعہ ثابت ہوا۔

بن عباسؓ کی روایت ہے کہ آخری ذی الحج میں ہم لوگ مدینہ میں واپس آئے اور جمعہ کے روز دو پہر اٹھتے ہی میں مسجد نبویؐ میں آیا۔ میں نے سعید بن زید کو منبر کے پاس بیٹھ ہوا دیکھا میں بھی ان کے سامنے بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ میں نے حضرت عمرؓ کو آتے ہوئے دیکھا۔ میں نے سعید بن زید سے کہا ”آج عمر ایسی بات کہیں گے جو خلیفہ ہونے سے آج تک نہیں کہی۔“ سعید کو میری بات کا یقین نہیں آیا اور کہا ”ایسی کیا بات ہے جو پہلے کبھی نہیں کہی اور آج کہیں گے۔“ اتنے میں حضرت عمرؓ منبر پر آکر بیٹھے اور مودان کی اذان سے فارغ ہونے کے بعد کھڑے ہوئے۔ اللہ کی حمد و ثناء کے بعد (آیت رجم کے بارے میں بتایا) پھر فرمایا ”میں تم سے یہ بات کہتا ہوں کہ مجھ کو یہ خبر پہنچی ہے کہ فلاں شخص نے کہا ہے کہ خدا کی قسم اگر عمرؓ مر گئے تو میں فلاں شخص کی بیعت کروں گا تو کوئی شخص اس دھوکے میں نہ رہے کہ ابو بکرؓ کی بیعت یکایک ہوئی تھی اور وہ پوری ہو گئی۔ یہ بیعت اگرچہ اسی طرح ہوئی مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے شر سے بچایا اور محفوظ رکھا۔ تم میں سے کون تھا جس کی طرف ابو بکرؓ سے زیادہ لوگوں کی گردنیں متوجہ ہوتی ہیں۔ اب جو شخص مسلمانوں کے مشورے کے بغیر کسی کی بیعت کرے گا۔ دونوں (کرنے اور کروانے والا) واجب الطغس ہوں گے (۲)۔“ اس کے بعد انہوں نے سفیدہ بنی ساعدہ کے تمام و قحے کی تفصیل بیان فرمائی۔ ابن سعد نے معدن بن ابی طلحہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے نبی ﷺ اور ابو بکرؓ کا ذکر کیا پھر فرمایا کہ ”میں نے خوب دیکھا کہ ایک مرغان نے مجھے چونچ ماری اور یہ مجھے بغیر میری موت کی نزدیکی کے نہیں دکھایا گیا ہے پھر چند قومیں مجھ سے فرمائش کرتی ہیں کہ اپنا خلیفہ بنا دو۔ اللہ ایسا نہیں ہے کہ اپنا دین اور اپنی خلافت ضائع کر دے۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے اپنے نبی ﷺ کو مبعوث کیا۔ اگر کسی امر (یعنی موت) نے میرے ساتھ غلبت کی تو خلافت ان چھ آدمیوں کے درمیان (انہیں کے) مشورے سے ہوگی جن سے رسول اللہ ﷺ اپنی وفات تک راضی رہے۔ مجھے معلوم ہے کہ بعض وہ قومیں میرے بعد اس امر (خلافت) میں طعن کریں گی جن کو میں نے اپنے اسی ہاتھ سے اسامہ پر مارا ہے وہ اگر (طعن) کریں تو اللہ کے دشمن کفار اور گمراہ ہیں (۳)۔“ ایک تو آپ نے حضرت ابو بکرؓ کے انتخاب کو استثنائی قرار دیا اور شورایت سے ہٹ کر ذاتی پسند یا سازش کے ذریعے کسی بھی انتخاب کو سخت ناپسند فرمایا۔ اس طرح آپ نے نہایت دانشمندی سے وقت کے تقاضوں کے مطابق سابقہ دونوں طریقوں سے ہٹ کر ایک تیسری راہ نکالی جو آپ کی اجتہادی بصیرت کا شاہکار تھی۔ اس سے بے شمار حوashedوں کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔ مختلف قبائل کی طرف سے اپنے استحقاق کیلئے دعوے کرنے اور اس کیلئے سرگرم عمل رہنے کے امکانات ختم ہو گئے اور پھر اسے عام لوگوں کی مرضی پر نہیں چھوڑ کہ وہ اپنی اپنی پسند کے امیدوار کیلئے فضا ہموار کریں یا گروہ بندی کریں۔ یہ ساری چیزیں مسلمانوں کی ملی یکجہتی اور سیاسی استحکام کیلئے خطرناک چیلنج بن سکتی تھیں جن کا آپ نے بروقت تدارک کر دیا۔ پھر آپ نے اس میں اپنی مرضی کرنے کے بجائے رسول اکرم ﷺ کے تاحیات راضی رہنے کا جو فارموا دیا وہ نہایت اطمینان بخش

اور قابل قبول تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بالمقابل کوئی ایک بھی آواز بلند نہ ہوئی۔ یہ آپ کے سیاسی تدبیر پر لوگوں کے بھرپور اعتماد اور آپ کی حکمت عملی کے مقبول و کامیاب ہونے کی ایک بہت بڑی دلیل ہے۔ دوسرے طریقہ سے جواب کا ہو سکتا تھا جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے تقرر کے وقت کیا تھا لیکن آپ نے اس سے بھی گریز کیا۔ اس کی پہلی وجہ یہ تھی کہ آپ خلیفہ کے تقرر کو بھی منصب خلافت کی طرح ایک انتہائی بھاری ذمہ داری سمجھتے تھے۔ آپ اپنے بے مثال تقویٰ اور خوف آخرت کی وجہ سے یہ نہیں چاہتے تھے کہ اپنی مرضی کو عمل کر کے عند اللہ مسئول ہوں۔ چنانچہ آپ کے فرزند حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے پوچھا کہ ”امیر المومنین (خليفة) نامزد کرنے میں آپ کو کون امر مانع ہے؟“ آپ نے جواب دیا ”میں پسند نہیں کرتا کہ زندگی میں بھی اس (ذمہ داری) کا بوجھ اٹھاؤں اور مرنے کے بعد بھی (۱)۔“ دوسری وجہ یہ تھی کہ ریاست کی بے پناہ وسعت اور اس کے متفرق انتظامی معاملات کی بھرمار نہایت پیچیدہ اور متنوع مسائل اور مخصوص سیاسی صورت حال کی وجہ سے آپ کو کسی بھی فرد کے بارے میں مکمل یقینی اور اطمینان حاصل نہیں ہو رہا تھا۔ آپ اپنے فارمولے کے مطابق اہمیت رکھنے والے جس فرد کے بارے میں غور و فکر کرتے اور اس کی خوبیوں یا خامیوں کا تجزیہ کرتے تو اس کے بارے میں کوئی نہ کوئی ایسا نمبر یا خدشہ سر اٹھا لیتا جو آپ کے ارادے کو متاثر کر دیتا۔ آپ کی فرد شناسی کی قوت حائل ہو جاتی۔ بن اسحاق امام زہری کے واسطے سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے حضرت عمرؓ سے ملاقات کی تو وہ مضطرب اور پریشان تھے فرماتے تھے ”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں اور اس مسئلہ خلافت کا کیا حل نکالوں؟“ میں نے کہا ”آپ حضرت علیؓ کو مقرر کر دیں۔“ فرمایا ”بلاشبہ وہ اس کے اہل ہیں مگر ان میں خلافت ہے اور وہ تمہیں بالکل ظاہری شریعت پر چلائیں گے۔“ میں نے کہا ”حضرت عثمانؓ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟“ فرمایا ”میں نے اگر انہیں بنادیا تو ابی معیط کا بیٹا (مردان) لوگوں کی گردنوں پر مسلط ہو جائے گا اور اہل عرب ان سے ناراض ہو جائیں گے بلکہ قتل کر دیں گے۔“ پھر میں نے کہا ”طلحہؓ کو مقرر کر دیجئے۔“ آپ نے فرمایا ”ان میں اپنی شان کا احساس ہے اللہ باوجود ان کی اس بات کے جاننے کے انہیں امت محمدیہ کا حاکم نہیں بنائے گا۔“ میں نے پوچھا ”پھر حضرت زبیرؓ کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟“ فرمایا ”وہ بہادر ضرور ہیں مگر بازار میں اشیاء کے نرخ معلوم کرتے پھرتے ہیں کیا ایسا شخص مسلمانوں کا حکمران بن سکتا ہے؟“ میں نے کہا ”حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے بارے میں کیا رائے ہے؟“ فرمایا ”وہ اس کے اہل نہیں ہیں۔ سپاہی تو ضرور ہیں مگر سیاسی آدمی نہیں ہیں۔“ پھر میں نے عبدالرحمنؓ بن عوف کا نام لیا تو آپ نے فرمایا کہ ”آپ نے بہت پیچھے آدمی کا نام لیا ہے مگر وہ کمزور ہو چکے ہیں۔ اے بن عباسؓ خلافت کا اہل وہ شخص ہو سکتا ہے جو طاقتور ہو مگر سخت نہ ہو مسکین مزاج ہو مگر کمزور نہ ہو خراج کرنے میں محتاط ہو مگر بغیل نہ ہو۔“ (۲)۔

جب آپ ایسا جامع صفات آدمی کسی کو نہیں پا رہے تھے تو یہ کیسے ممکن تھا کہ آپ تقرری کا بوجھ اپنے ذمے لے لیتے۔ آپ اس سلسلے میں بھی سوچ بچار کر رہے تھے کہ آپ پر قاتلانہ حملہ ہو گیا۔ آپ کے حوصلے اور صبر و استقامت کا یہ کہاں تھا کہ شدید زخمی ہونے کے باوجود ہوش و حواس میں رہے اور اس مسئلے کے حل کیلئے جزئیات تک کا تعین کر دیا۔ اس سلسلے میں آپ متذرت اور غور و فکر کے کئی مرحلے سے گزرے۔ لوگوں نے ان سے کہا ”امیر المومنین بہتر ہوتا اگر آپ کسی کو خلیفہ نامزد کر دیتے۔“ حضرت عمرؓ نے جواب دیا ”اگر بو عیدہؓ زندہ ہوتے تو میں انہیں خلیفہ بنادیتا اور اگر میرا رب مجھ سے پوچھتا تو کہہ دیتا کہ میں سے تیرے نبی ﷺ کو فرماتے ہیں کہ بو عیدہؓ اس امت کے امین ہیں اور اگر ابو بکرؓ کے آواز کو وہ ظالم سالمؓ زندہ ہوتے تو خلافت ان کے سپرد کر دیتا اور اگر میرا رب مجھ سے پوچھتا تو کہہ دیتا کہ میں نے تیرے نبی ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ سالمؓ اللہ تعالیٰ سے بہت محبت کرتے ہیں (۳)۔“ ایک شخص نے کہا ”عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق

کی خیال ہے؟“ فرمایا ”اللہ تجھے عارت کرے“ بخدا میں نے اللہ سے اس بات کی خواہش کبھی نہیں کی افسوس ہے تجھ پر! میں اس شخص کو خلیفہ کیسے بناؤں جو اپنی بیوی کو طلاق دینے سے عاجز رہے۔ وہ ہمارے نزدیک اتنا عیسیٰ مند نہیں ہے کہ تمہاری رماں کا سنبھالے۔ یہ میرے لئے کوئی پسندیدہ بات نہ ہوگی کہ میں اپنے کسی گھر والے کیلئے خلافت چاہوں۔ اگر یہ بھلائی ہے تو ہمیں حاصل ہو چکی ہے اور اگر برائی ہے تو اس کا ہم سے دور رہنا چھوٹا ہے۔ خاندان عمر کا ایک ہی فرد بچا ہے اور امت محمدی کی مسئولیت کیلئے کافی ہے۔ بہر حال میں نے اپنے نفس سے جنگ کی اور اپنی اولاد کو محروم کر دیا۔ اس کے بعد بھی اگر مجھے نجات مل جائے اور میں اس طرح چھوٹ جاؤں کہ نہ سزا ملے نہ جزا تو یہ میری خوش قسمتی ہوگی۔ دیکھو اگر میں کسی کو خلیفہ بناؤں تو بنا سکتا ہوں کہ جو مجھ سے بہتر تھے حضرت ابو بکرؓ انہوں نے خلیفہ بنایا تھا اور اگر نہ بناؤں تو یہ بھی کر سکتا ہوں کہ جو مجھ سے بہتر تھے آنحضرت ﷺ انہوں نے کسی کو اپنا قائم مقام نامزد نہیں فرمایا تھا اور اللہ اپنے دین کو کبھی ضائع نہیں کرے گا۔“ سوگ ان کے پاس سے چلے گئے شام کو پھر آئے اور کہا ”امیر المومنینؓ بہتر ہو تا اگر آپ کوئی وصیت فرمادیتے۔“ فرمایا ”میں نے گھنگو کے بعد پختہ لڑاؤ کر لیا تھا کہ میں غور کروں اور تم میں سے کسی کو خلیفہ بنا دوں لیکن میں نے نہ چاہا کہ زندگی میں بھی اس کا بار اٹھاؤں اور مرنے کے بعد بھی۔ پس یہ جماعت تم پر مقرر کر دی گئی ہے جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ”یہ لوگ جنتی ہیں اور ان چھ آدمیوں کا نام لیا (۱)۔“

بن قسبہ نے ”انامہ دالیہ“ میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”اگر میں معاذ بن جبل کو اپنا خلیفہ بنا دوں تو انہیں خلیفہ بنا دیتا اور اگر خالد بن ولید ہوتے تو یہ ذمہ داری ان کے سپرد کر دیتا۔“ پھر حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ کی احادیث و ہر ائیں جو ان دونوں کے متعلق تھیں اور کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ ان سے دریافت فرمائے گا تو وہ یہ حدیثیں پیش کر دیں گے۔ مجھے اس روایت میں شک ہے خاص طور پر حضرت خالدؓ کے متعلق۔ بھلا حضرت عمرؓ انہیں مسلمانوں کی خلافت کیسے سونپ دیتے جبکہ قسریں کی مادت سے انہیں معزول کر چکے تھے (۲)۔ روایت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے حضرت عمرؓ بن خطاب سے کہا ”بہتر ہو تا اگر آپ کسی کو خلیفہ بنادیتے۔“ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا ”کس کو؟“ کہا ”آپ کا کام کو شش کرنا ہے کیونکہ آپ ان کے رب نہیں ہیں۔ اگر آپ اپنی زمین کے نگران کو بلاتے ہیں تو کیا یہ نہیں چاہتے کہ وہ اپنی واپسی تک کسی دوسرے کو اپنی جگہ مقرر کر آئے؟“ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”اگر میں کسی کو خلیفہ نامزد کروں تو ہو سکتا ہے کہ جو مجھ سے بہتر ہے حضرت ابو بکرؓ انہوں نے اپنا خلیفہ نامزد کیا تھا اور اگر خلیفہ نامزد نہ کروں تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو مجھ سے بہتر تھے سرکارِ رسالت ﷺ انہوں نے اپنا خلیفہ نامزد نہیں فرمایا تھا (۳)۔“ روایت ہے کہ سعد بن زید نے حضرت عمرؓ سے کہا ”اگر آپ مسلمانوں کے کسی فرد کے متعلق اشارہ فرمادیتے تو لوگ آپ کو امین سمجھتے۔“ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”میں اپنے بعض ساتھیوں میں حرص پاتا ہوں۔“ اس کے بعد فرمایا ”اگر سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ اور ابو عبیدہؓ بن الجراحؓ میں سے کوئی ہو تا تو میں اسے خلیفہ بنا دیتا کیونکہ مجھے ان پر اعتماد تھا۔“ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”میں کسے خلیفہ بناؤں؟ اگر ابو عبیدہؓ بن جراحؓ ہوتے تو انہیں بنا دیتا۔“ اس شخص نے کہا ”امیر المومنینؓ! آپ عبد اللہ بن عمرؓ سے کیوں گریز فرماتے ہیں؟“ حضرت عمرؓ نے جواب دیا ”خدا تجھے عارت کرے۔ واللہ! میں خدا کی رضا نہ چاہوں گا کہ ایسے شخص کو خلیفہ بناؤں جو اپنی بیوی کو اچھی طرح طلاق بھی نہ دے سکتا ہو (۴)۔“

اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ زخمی ہونے کے بعد حضرت عمرؓ کو جب ان کے گھر لے جایا گیا تو انہوں نے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کو بلا کر کہا ”میں تمہیں ایک نصیحت کرنا چاہتا ہوں۔“ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے دریافت کیا ”تپ کو خدا کی قسم! کیا آپ مجھے اس خلافت کا مشورہ دے رہے ہیں؟“

(۱) مسند ۳۳۹، ۳ طبرستان ۲۲۸، ۱ (۲) قب ۱/۲۲ (۳) مسند ۳۴۳، ۲ مسند ۶۷۹، ۲ حوالہ ۲۱۶ (۴) حوالہ ۲۲۷/۱

حضرت عمرؓ نے جواب دیا ”بخدا نہیں اس گفتگو سے بعد حضرت عبدالرحمنؓ کی زبان سے آخری بات جو نقلی وہ یہ تھی کہ ”بخدا اب میں اس میں کبھی دخل نہ دوں گا“ آپ نے خلافت کو چھ آدمیوں یعنی حضرت عثمانؓ بن عفان، حضرت علیؓ بن ابی طالب، حضرت زبیرؓ بن عوام، حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ، حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی مجلس مشاورت پر منحصر کر دیا۔ ان حضرات کی خلافت کے سلسلے میں حضرت عمرؓ کا ایک قول ماثور ہے کہ ”میں نے اس لوگوں سے زیادہ کسی کو خلافت کا حق دار نہیں پایا کہ رسول اللہ ﷺ تاحین حیات ان سے خوش رہے۔ ان میں سے جس کو بھی خلیفہ بنایا جائے وہی میرے بعد خلیفہ ہو گا۔“ اور ان چھ برہمگوں کا نام لینے کے بعد فرمایا ”اگر خلافت سعدؓ کو ملے تو انہیں دے دی جائے کہ میں نے سعدؓ کو کسی کمزوری اور خیانت کی بنا پر معزول نہیں کیا تھا۔ بصورت دیگر جس کو بھی اس خدمت کیلئے انتخاب کیا جائے مسلمانوں کو اس کی مدد کرنی چاہئے“ (۱)۔ ”جب لوگوں کو حضرت عمرؓ کے اس فیصلے کا علم ہوا تو وہ مطمئن ہو گئے۔ فاروق عظیمؓ نے ان حضرات کو بلایا جنہیں خلافت کی مجلس شوریٰ کا رکن مقرر کیا تھا اور فرمایا ”علیؓ میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ اگر خلافت تمہیں مل جائے تو ہو باشم کو لوگوں کی گردن پر سوار نہ کر دینا! عثمانؓ میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں اگر تم خلیفہ ہو جاؤ تو ہو ابی معیط کو لوگوں کی گردنوں پر سوار نہ کر دینا! سعدؓ میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ اگر خلافت کا فیصلہ تمہارے حق میں ہو تو اپنے رشتہ داروں کو لوگوں کی گردن پر سوار نہ کر دینا۔“ اسی طرح دوسرے ارکان شوریٰ کو بھی قسمیں دلانیں پھر کہا ”جولو مشورہ کر کے فیصلہ کرو مسلمانوں کو نماز صلیب پڑھائیں گے“ (۲)۔

حضرت عمرؓ چاہتے تھے کہ ان کے انتقال سے پہلے مشاورت ختم ہو جائے اور مسلمان اپنے لئے خلیفہ کا انتخاب کر لیں تاکہ وہ اپنی جان اسلام اور سلطنت کے انجام کی طرف سے مطمئن ہو کر جان آفرین کے سپرد کریں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ کو ارکان شوریٰ میں شامل کر دیا تھا لیکن وہ صرف شوریٰ کے دوسرے ارکان اور حضرت عمرؓ کے درمیان ایک واسطہ تھے۔ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ فرماتے ہیں ”لوگ کھڑے ہو کر مشورہ کرنے لگے مجھے حضرت عثمانؓ نے ایک یاد دہار مشورے میں شامل ہونے کی دعوت دی لیکن بخدا میں اس میں شامل ہونا پسند نہیں کرتا تھا کیونکہ میں جانتا تھا کہ ان کے معاملے میں ہو گا وہی بنو ہند نے کہا تھا اور خدا کی قسم میں نے بہت سی کم دیکھا ہے کہ ان کے ہونٹوں میں حق کے سوا کسی بات کیلئے جنبش پیدا ہوئی ہو۔“ جب حضرت عثمانؓ نے مجھ سے بہت زیادہ اصرار کیا تو میں نے کہا: ”کیا آپ لوگوں کو عقل نہیں ہے کہ امیر المؤمنینؓ زندہ ہیں اور آپ امیر بنارہے ہیں؟ خدا کی قسم! مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں نے حضرت عمرؓ کو مرقد سے جگا دیا۔“ انہوں نے فرمایا ”تم لوگ مہلت دو! اگر میں مر جاؤں تو صلیب تمہیں تین دن نماز پڑھائیں گے۔ پھر تم اپنے معاملے میں اتفاق کرو اور اگر اس کے بعد تم میں سے کوئی مسلمانوں کے مشورے کے بغیر امیر بنے تو اس کی گردن مار دو“ (۳)۔ ”جس دن حضرت عمرؓ پر حملہ کیا گیا ہے حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ مدینہ میں موجود نہیں تھے اس لئے لوگوں سے مہلت طلب کرنے کے بعد کہا ”اپنے بھائی طلحہؓ کا تین دن انتظار کرنا اگر وہ آجائیں تو فیہا ورنہ اپنے معاملے کا تصفیہ و فیصلہ کر لیا“ (۴)۔ ”معلوم ہوتا ہے حضرت عمرؓ مرتے تھے کہ لوگ ان کی وفات کے بعد ایک دوسرے کی مخالفت کریں گے اور ان کی یہ مخالفت شورش کی صورت اختیار کر جائے گی۔“ خود شتم حضرت علیؓ کی مدد کریں گے، بنو ابی معیط حضرت عثمانؓ کا ساتھ دیں گے اور اہل فوج حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت سعدؓ کو چاہیں گے کہ یہ تیوں ممتاز سپہ سالاروں میں سے تھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے انصار کو بلا کر کہا ”انہیں تین دن تک ایک گھر میں بند رکھو۔ اگر وہ ٹھیک ٹھیک کام کریں تو خیر ورنہ گھر میں ٹھس کر ان کی گردنیں مار دینا“ (۵)۔ ”پھر ابو طلحہؓ انصاریؓ کو بلایا جو عرب کے گئے چنے بہادروں میں سے تھے اور ان

(۱) سید ۲۷: ۲۱، حضرت عثمانؓ ۱۹۱/۱۱، (۲) بخاری: ۲، سید ۲۶: ۲۶، (۳) سید ۲۷: ۲۱، سید ۲۷: ۲۱، (۴) سید ۲۷: ۲۱، سید ۲۷: ۲۱

سید ۲۷: ۲۱، سید ۲۷: ۲۱، (۵) سید ۲۷: ۲۱، سید ۲۷: ۲۱

سے کہا ”جس گھر میں یہ مشورہ کریں اس کے دروازے پر کھڑے ہو جانا اور کسی کو گھر میں نہ جانے دینا۔“ دوسری روایت میں ہے کہ فرمایا ”ابو طلحہؓ اپنے قبیہ کے بچوں انصار یوں کو لے کر رکان شوری کے ساتھ رہتا۔ میرا خیال ہے کہ یہ کسی ایک رکن کے گھر میں جمع ہوں گے۔ تم اپنے ساتھیوں کو لے کر اس گھر کے دروازے پر کھڑے ہو جانا اور کسی کو گھر میں نہ جانے دینا، ان لوگوں کو تین دن سے زیادہ مہلت دیے کی ضرورت نہیں۔ اس دوران میں انہیں اپنے میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کر لینا چاہئے۔ یا اللہ! میری طرف سے تو ان کا گھر ان ہے (۱)“ آپ نے اراکین شوری کو بلایا اور ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ ”میں نے لوگوں کے معاملے میں غور کیا ہے ان کے دلوں میں تمہارے خلاف کوئی جذبہ نہیں پایا۔ اگر کوئی اختلاف پایا گاوری ہوگی تو تمہارے اندر ہو سکتی ہے۔ تین دن تک مشورت کرنا اگر طلحہؓ (جو ان دنوں اپنے اموال کے انتظام کے سلسلے میں اسرا تھ گئے ہوئے تھے) آجائیں تو انہیں شامل کر لینا۔“ فرمایا ”طلحہؓ کے بارے میں مجھے کون اطمینان دے گا؟“ حضرت سعدؓ نے ذمہ داری لی (۲)۔ آپ نے ہر طرح کے ممکنہ پہلوؤں کے بارے میں واضح راجح عمل فراہم کیا تاکہ کسی قسم کی غریبی پیدا نہ ہو۔ اس کا اندازہ آپ کی ان ہدایات سے ہو سکتا ہے۔ آپ نے حضرت مصیبؓ کو ہدایت کی ”اگر پانچ کوئی فیصلہ کر لیں اور ایک تسلیم نہ کرے تو اس کی گردن مار دینا۔ اگر چار ایک طرف ہوں اور دو تسلیم نہ کریں تو ان دونوں کی گردن مار دینا۔ اگر تین ایک طرف ہوں عبد اللہ بن عمرؓ حقی فیصلہ کریں گے۔ اگر لوگ تسلیم نہ کریں تو فیصلہ اس طرف ہوگا جس طرف عبدالرحمن بن عوف ہوں گے۔ اگر پھر بھی باقی تین تسلیم نہ کریں تو ان کی گردن مار دینا (۳)۔“

”آپ سے حضرت مقدادؓ کی یہ ڈیوٹی لگائی کہ ”جب مجھے قبر میں دفن کر چکو تو اس جماعت (مجلس شوری) کو کسی گھر میں یا بعض روایات کے مطابق حضرت عائشہؓ کے حجرے کے پاس اکٹھا کر دینا کہ اپنے میں سے کسی کا انتخاب کر لیں (۴)۔“ آپ نے آئندہ منتخب ہونے والے خلیفہ کو کچھ نصیحتیں بھی فرمائیں تاکہ انہیں اپنی حکمت عملی کا حصہ بنا کر آپ کے تجربات سے فائدہ اٹھا سکے۔ روایات میں ہے اور عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”میں اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو مہاجرین اور ان کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ وہ ان کے حقوق کو پیچھے اور ان کے احترام و عزت کو ملحوظ رکھے اور میں اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ انصار سے بہتر سلوک کرے جو دارالہجرت اور دارالایمان (مدینہ منورہ) میں (رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے سے) متم ہیں۔ (خلیفہ کو چاہئے) کہ وہ ان کے نیکیوں کو نوازے اور ان کے بروس کو معاف کر دیا کرے اور میں ہونے والے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ شہری آبادی سے بھی اچھا معاملہ رکھے کہ یہ لوگ اسلام کی مدد مال جمع کرنے کا درویش اور (اسلام کے) دشمنوں کیلئے ایک معصیت ہیں اور یہ کہ ان سے دینی وصول کیا جائے جو ان کی خوشی سے کیا جائے اور میں ہونے والے خلیفہ کو اعراب سے بھی اچھا معاملہ کرنے کی وصیت کرتا ہوں کہ وہ اصل عرب ہیں اور اسلام کی جڑیں اور یہ کہ ان سے ان کا بچا کھچا مال وصول کیا جائے ورنہ انہیں کے محتاجوں میں تقسیم کر دیا جائے اور میں ہونے والے خلیفہ کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے عہد کے نگہداشت کی (جو اسلامی حکومت کے تحت غیر مسلموں سے کیا ہے) وصیت کرتا ہوں کہ ان سے کئے گئے عہد کو پورا کیا جائے۔ ان کی حفاظت کیسے جنگ کی جائے اور ان کی حیثیت سے زیادہ ان پر بوجھ نہ ڈالا جائے (۵)۔“

آپ نے ریاست کی مضبوطی، حکومت کے بھرم اور سادگی کی بقا اور اپنی پالیسیوں کے تسلسل کیلئے یہ بھی وصیت کی کہ ”آپ کے عمال کو ایک سال تک اپنے عہدوں اور علاقوں میں بحال رکھا جائے (۶)۔“ آپ کے مذکورہ طرز عمل نور احکامات و ارشادات سے خلافت کے بارے میں آپ کے نظریات کے حسب ذیل

(۱) سعد ۳۶۵/۳ طبر ۲۲۹ (۲) سعد ۳۵۹/۳ طبر ۲۲۸/۲ (۳) سعد ۳۵۲/۲ طبر ۲۲۹/۲ (۴) سعد ۳۵۹/۳ طبر ۲۲۹/۳ (۵) سعد ۳۶۵/۳ طبر ۲۲۹/۳ (۶) سعد ۳۵۹/۳ طبر ۲۲۹/۳

یوسف ۱۳ عہد ۲۲۰/۱ طبر ۳۰۹/۱ (۷) سعد ۳۵۹/۳ طبر ۲۲۹/۳ (۸) سعد ۳۵۹/۳ طبر ۲۲۹/۳ (۹) سعد ۳۵۹/۳ طبر ۲۲۹/۳ (۱۰) سعد ۳۵۹/۳ طبر ۲۲۹/۳ (۱۱) سعد ۳۵۹/۳ طبر ۲۲۹/۳ (۱۲) سعد ۳۵۹/۳ طبر ۲۲۹/۳ (۱۳) سعد ۳۵۹/۳ طبر ۲۲۹/۳ (۱۴) سعد ۳۵۹/۳ طبر ۲۲۹/۳ (۱۵) سعد ۳۵۹/۳ طبر ۲۲۹/۳ (۱۶) سعد ۳۵۹/۳ طبر ۲۲۹/۳ (۱۷) سعد ۳۵۹/۳ طبر ۲۲۹/۳ (۱۸) سعد ۳۵۹/۳ طبر ۲۲۹/۳ (۱۹) سعد ۳۵۹/۳ طبر ۲۲۹/۳ (۲۰) سعد ۳۵۹/۳ طبر ۲۲۹/۳

نمایاں پہلو سامنے آتے ہیں۔

۱۔ خلافت یک عظیم و بزرگ منصب ہے اس کی ذمہ داریاں انتہائی بھاری ہیں۔ اس پر متحمل فرد کیسے ضروری ہے کہ اس کا کماحقہ احساس کرے۔ یہاں تک کہ آپ نے اٹھائے جانے کی دعا کی 'فرمایا' "مجھے اپنے اوپر کبھی کسی چیز کا خوف نہیں ہو اسوئے تمہاری امارت کے (۱)۔" تم لوگ میری امارت پر رشک کرتے تھے واللہ مجھے یہ پسند ہے کہ میں کسی طرح بھی نجات پا جاؤں نہ کچھ مجھ پہ ہونہ میرے لئے ہو۔ واللہ اگر میرے پاس وہ سب کچھ ہو تا جس پر آفتاب طلوع ہوتا ہے تو میں ہول مطلق (قیامت) سے اسے فدیہ میں دے دیتا۔"

۲۔ خلافت کسی خاندان کا قبیلہ کا حق نہیں ہے اسے کسی خاص قبیلے میں مقید نہیں رہنا چاہئے۔ حکمت اور اسامی مقصد کی تکمیل اور اسام کے مزاج کی روح یہ ہے کہ گردش میں رہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے عشرہ مبشرہ میں ہونے کے باوجود اپنے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ اور اپنے قریبی عزیز حضرت سعید بن زیدؓ کو منتخب کر کے یا شوری کی کارروائی کا موثر حصہ بننے سے منع فرمایا اور اپنے خاندان ہوعدی کو نہایت خوبصورت دلیل دے کر لگ کر دیا اور آئندہ کے حکمرانوں کیلئے ایک رہنما اصول چھوڑا۔ "اگر خلافت اچھی چیز ہے تو ہم نے اس کو حاصل کر لیا اور اگر بری ہے تو عمرؓ کے خاندان کیلئے یہی کافی ہے کہ اس کے ایک فرد سے اس کا محاسبہ ہو اور صرف اسی سے امت محمدیہ کے امور کا جواب طلب کیا جائے (۲)۔"

۳۔ خلیفہ المسلمین کیسے ضروری ہے کہ منتخب ہونے کے بعد قبلی و بنگلی سے بالاتر ہو جائے اور امور سلطنت چلانے کیلئے نظامی افسران کا تقرر کرتے وقت رشتہ داروں کو مسط کرنے سے گریز کرے۔ آپ نے انتخابی شوری کے ارکان کو الگ الگ بلا کر یہ بات رد کر دی۔ علاوہ انہیں آپ کا اپنا عمل یہ رہا ہے کہ اپنے سارے دس سالہ دور خلافت میں اس قدر وسیع سلطنت کے بے شمار انتظامی عہدوں میں سے اپنے ایک رشتہ دار کو صرف ایک چھوٹا سا عہدہ دیا اور اسے بھی جلد ہی برطرف کر کے ایک درخشاں روایت قائم کی۔ دور جدید میں ہم قبائل کے ساتھ سیاسی پارٹیوں پر بھی اس کا اطلاق کر سکتے ہیں۔

۴۔ آپ یہ سمجھتے تھے کہ خلیفہ کا انتخاب مسلمانوں کا حق ہے اسے مشاورت کے مناسب فورم پر باہمی مشورے سے طے کرنا چاہئے اور اس بات کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ عامۃ الناس کی اجتماعی رائے اور اس کے بارے میں جذبات کیا ہیں تاکہ وہ امور کو بہتر طور پر چلا سکے۔ رسول اکرم ﷺ کا اسوہ یہی تھا کہ آپ نے کسی کا تقرر نہیں کیا تھا۔ اسے عوام کی نمائندگی کرنے والے اہل حل و عقد پر چھوڑا۔ جب حضرت عمرؓ نے اس کا حوالہ دیا تو لوگ سمجھ گئے کہ آپ بھی کسی کا تقرر نہیں فرمائیں گے۔ آپ نے ذاتی پسند یا سازش کے ذریعے خلیفہ کے تقرر کو ناجائز قرار دیا۔ آپ اس کے اس قدر مخالف تھے کہ دونوں کو واجب القتل سمجھتے تھے۔ عہد حاضر میں ایسی سازشوں اور طریقوں کو خلاف اسلام قرار دیا جاسکتا ہے۔

۵۔ آپ خلافت کے استحقاق کی بنیاد دین سے وابستگی اس میں سبقت اس کی خاطر دی جانے والی قربانیوں کو سمجھتے تھے۔ فرمایا "یہ خلافت سب سے پہلے بدر و بے مسلمانوں کا حق ہے جب تک ان میں سے ایک بھی باقی رہے پھر احد وائے اسی طرح درجہ بدرجہ لیکن یہ ان لوگوں کا حق نہیں جو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے یا جو فتح کے وقت آزاد کئے گئے اور نہ ہی ان کی اولادوں کا حق ہے (۳)۔" انتخابی شوری کے تقرر کے وقت اسے عشرہ مبشرہ تک محدود کر دینا بھی آپ کے اسی تصور کا غماز ہے کہ یہ افراد کی دین کے ساتھ کنٹینٹ جو ثابت شدہ ہوئے ساتھ ساتھ ان کے اعمال نامے اور نظریاتی تعلق اور رسول اکرم ﷺ کے دیئے گئے معیارات شرافت کو سامنے رکھا جائے۔ حضرت عمرؓ کے رہنے میں جانچنے کے دی پیمانے تھے جن کی آپ نے نشانہ دہی کی تھی اور دور جدید میں ہم ان کی روح

کو سامنے رکھ کر مناسب معیارات مقرر کر سکتے ہیں۔

۶۔ آپ کا یہ بھی خیال تھا کہ اسلام میں انتخاب کا کوئی خاص طریق کار مقرر شدہ نہیں ہے۔ شریعت کے مصالح اور حالات و وقت کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے شوریات کا کوئی مناسب طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے جس میں ناپسندیدہ باتوں سے مکمل طور پر اجتناب کیا گیا ہو۔ روایت میں آتا ہے جب آپ نے یہ فرمایا کہ ”اگر میں خلیفہ بنوں تو (بنا سکتا ہوں) جو مجھ سے بہتر تھے انہوں نے خلیفہ بنایا ہے اور اگر ترک کر دوں تو (کر سکتا ہوں) جو مجھ سے بہتر تھے انہوں نے ترک کیا“ تو راوی کہتے ہیں کہ مجھے یقین ہو گیا کہ وہ خلیفہ بنانے والے نہیں ہیں<sup>(۱)</sup>۔ آپ نے اپنے دور کے حالات اور وقت کے تقاضوں پر جب غور کیا تو اس نتیجے تک پہنچے کہ ترک کرنا ہی بہتر ہے، لیکن اس طرح نہیں جیسے رسول اکرم ﷺ نے ترک کیا تھا بلکہ ایک تیسرا طریقہ اختیار کیا اور انتخابی شوریٰ تک خلافت کو محدود کر کے ایک اجتہادی فیصلہ فرمایا جو نہایت صائب تھا۔ اس کے پیچھے کئی دلوں اور قلوب کا غور و خوض کار فرما تھا۔ آپ نے حضرت ابن عباسؓ سے جو پہلے شخص تھے جنہوں نے زخمی ہونے کے بعد آپ سے ملاقات کی فرمایا ”میرا یہ خیال ہے کہ اب عام لوگ مجھ سے ملاقات نہیں کر سکیں گے۔ مجھ سے تین ہاتھ ذہن میں رکھئے ایک یہ کہ میں نے کالانہ کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں دیا۔ دوسرا یہ کہ میں نے کسی کو خلیفہ نامزد نہیں کیا۔ تیسرا یہ کہ عرب کے تمام قیدی جو میری وفات تک ہوں آراء ہیں<sup>(۲)</sup>۔ اس طرح آپ نے آئندہ آنے والے زمانوں کیلئے اس بات کو پسند کیا کہ خلیفہ اپنی پسند سے کسی کا تقرر کرنے سے احتراز کرے۔ دور جدید کے سیاسی و سماجی حالات اور طریقہ ہائے انتخاب اسی حکمت عملی کا تقاضا کرتے ہیں۔

۷۔ آپ نے خلیفہ کے تقرر کیلئے جو ضابطہ مقرر فرمایا اس کے ہر پہلو میں ہمارے نئے رہنمائی کا سامان موجود ہے۔ اس کی غلطوں اور حکمتوں پر غور کر کے عہد حاضر کے بے شمار پیچیدہ انتخابی مسائل کو ہم حل کر سکتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ آپ نے گہری اور مسلسل سوچ بچار کے ذریعے مروجہ حالات کا تجزیہ کیا۔ ماضی کے تجربات کو سامنے رکھا اور آئندہ پیش آنے والے ہر طرح کے ممکنہ خطرات و نقصانات کو نشان زد کرنے کے بعد ایک واضح ماتر عمل دیا جس میں ہر اندیشے سے بچتے کیلئے کوئی نہ کوئی اصول وضع کر کے ٹھوس منصوبہ بندی کی اور چھوٹی چھوٹی جزئیات تک کا تعین کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہو کہ نہایت خوش اسلوبی سے حالات کا مسئلہ طے ہو گیا اور ایک وسیع و عریض سلطنت سیاسی انتشار سے بچ گئی۔ آپ نے طے کر دیا کتنے آدمیوں کی شوریٰ ہوگی، اجلاس کہاں منعقد ہوگا، حفاظت کون کرے گا، نہار کون پڑھائے گا، کاسٹنگ ووٹ کس کا ہوگا۔ بصورت دیگر کیا ہوگا؟ کتنے دنوں میں فیصلہ مازمی ہوگا؟ اکثریتی فیصلہ تسلیم نہ کرنے کی صورت میں کیا طریقہ ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ دور جدید میں اگر پابسی ساز ادارے اور الیکشن کمیشن کے امداد ران اسی سنجیدگی اور گہرائی سے معاملات کا جائزہ لے کر انتخابات کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ وسیع ترقوی و ملی مقاصد حاصل نہ ہو سکیں یا سیاسی استحکام اور مثبت نتائج حاصل نہ ہو سکیں۔

## باب ہفتم

# بصیرت عمرؓ اور عصر حاضر کے انتظامی مسائل

☆۔ تمہید

☆۔ پبلک ایڈمنسٹریشن کے جدید تصورات

☆۔ فاروق اعظمؓ کا فلسفہ نظمیہ عامہ

☆۔ انتظامی حکمت عملی جدید تناظر میں

☆۔ نظمیہ عامہ کا ضابطہ اخلاق

☆۔ نظمیہ عامہ کے فرائض



## بصیرت عمر اور عصر حاضر کے انتظامی مسائل

O .. تمہید:

اجتہادی بصیرت ایسی صداقت کا نام ہے جو کسی انسان کو زندگی کے ہر معاملے کی پنہائیوں اور تہوں میں چھپی ہوئی حقیقتوں سے آشنا کرتی ہے۔ مجتہد پیش آہ والے حالات و واقعات کی نوعیت اس کے پس منظر اور پیش منظر کو عام انسانوں سے بالکل مختلف انداز میں دیکھتا ہے۔ وقت کی ضرورتیں اور اجتماعی حکمتوں اور مصیقتوں کے تقاضے اس کے ذہن و رسا کے سامنے روز روشن کی طرح عیاں ہوتے ہیں۔ مستقبل کے گرد انسانی راجاری و اسٹلکی کے لپٹے ہوئے دیبر و سپاہ پروے اس کے نور بصیرت کو گزر جانے کا راستہ دے دیتے ہیں۔ اجتہادی بصیرت اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ذاتی وصف ہے جو اس کی عنایت و کرم ہی سے حاصل ہوتا ہے اور قائم رہتا ہے۔ یہ نئے ملتا ہے اس کے ہاتھ میں ایک ایسی شاہ کلید (Master Key) آجاتی ہے جو زندگی کے ہر قفل کو لگ جاتی ہے۔ جس کے ذریعے انسانی فوژ و فلاح اور تعمیر و ترقی کے بند دروازے کھلتے چلے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فاروقی اعظم کو ایسی ہی اجتہادی بصیرت سے نوازا تھا۔ اس نے اجتماعی نظام کے ہر شعبے اور زندگی کے ہر دائرے کو نئی وسعت 'نیا زوئے نگاہ اور تعمیرات سلام کی روشنی میں نیا رخ عمل فراہم کیا۔ اس نے جس طرح قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی بھرپور رہنمائی کی اسی طرح عصر حاضر بھی اسی کا محتاج ہے۔ آپ کی اجتہادی بصیرت سے دور حاضر میں جن شعبوں میں سب سے زیادہ استفادہ کرنے کی ضرورت ہے 'ان میں انتظامی معاملات کو خصوصی اہمیت حاصل ہے کیونکہ فنی تہذیب و تمدن کے مسلسل ارتقاء کے ساتھ ساتھ انسانوں کے مسائل میں بھی بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔ 'تعلیم' 'صحت' 'امن عام' 'عدس و انصاف' 'آبادی' 'مادیات' 'ملاکات' 'فرقہ داریت' 'قومیت' 'زراعت' 'صنعت' 'تجارت' 'ٹرانسپورٹ' 'ابلاغیات' 'اطلاعات' وغیرہ کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جو متنوع اور مختلف قسم کے ان گنت مسائل سے دوچار نہ ہو۔ جس کا دائرہ نصبات اور شہروں سے لے کر بین الاقوامی سطح تک وسیع ہو چکا ہے۔ یہ مسائل انتظامی نوعیت کے ہیں 'ان کو حل کرنا حکومتوں کی سب سے بڑی ذمہ داری بن چکی ہے۔ ان مسائل و معاملات کی نوعیت کو سمجھنا 'انہیں حل کرنے کیلئے منصوبہ بندی کرنا 'ان تمام مادی و انسانی وسائل کو بروئے کار لانا 'جو بددھار ہو سکتے ہوں 'پالیسیاں اور حکمت عملی وضع کرنا 'اثرات و نتائج کا تجزیہ کرنا 'مقاصد و اہداف کا تعین کرنا 'ان کے حصول کو یقینی بنانا 'ایسے افراد کار اور عملے کا تقرر کرنا 'جو انہیں سرانجام دے 'اس کی پیشہ ورانہ تربیت کرنا اور حساب کرنا 'یہ سب کچھ ایک وسیع شعبہ علم کے سانچوں میں ڈھل چکے ہیں۔ جنہیں "علم انتظامیات" یا بلک ایڈمنسٹریشن یا ایڈمنسٹریشن سائنس کہا جاتا ہے۔ جو سب سے زیادہ مقبول علم بن چکا ہے۔ عصر حاضر کی پوری تہذیب کو اس سے وابستہ کر دیا گیا ہے۔ W.V. Donham کے بقول "اگر ہماری تہذیب ناکام ہو جاتی ہے تو اس کی اصل وجہ ایڈمنسٹریشن کی ناکامی ہوگی" (۱)۔ 'موسل کے بقول "پبلک ایڈمنسٹریشن نے آج پنی اہمیت و درست دوسوں کو بہت وسیع کر لیا ہے تاکہ ان نئے آیات اور فنی اصولوں کے ذریعے عوام کی فلاح و بہبود کی حفاظت و عمرانی کی جائے جو سائنس اور ٹیکنالوجی نے فراہم کئے ہیں" (۲)۔

نبی کریم ﷺ کے بعد فاروقی اعظم تاریخ اسلام کے اعلیٰ مدبر اور کامیاب ترین منتظم کی حیثیت رکھتے ہیں 'جنہوں نے حالات و وقت کے تقاضوں کے مطابق اسلامی روح کو سامنے رکھتے ہوئے نئے انتظامی تصورات 'انتظامی آیات اور انتظامی طریقے متعارف کرائے۔ ورنہ ملای مقاصد کے حصول کیلئے اپنی ذات اور پوری انتظامی

مشیر کی کوسرگرم عمل کر دی۔ عصر حاضر میں صرف مسلمانوں ہی کو نہیں بلکہ پوری عالم انسانیت کو جس کے انتظامی معاملات جدید ترین وسائل و ذرائع کی موجودگی کے باوجود در در پروردگار گواہ ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ آپ کی اس کامیابی کار کیا تھا؟ پانچ لاکھ اکیاون ہزار مربع میل سے زائد رقبے پر پھیلی ہوئی سلطنت کے انتظامی معاملات کی موثر نگرانی کمانڈ اور کنٹرول کے ذریعے آپ نے حاصل کی؟ یہ سب کچھ ایسے حالات اور دور میں کیا جبکہ رابطے، اطلاعات اور نقل و حمل کے ذرائع انتہائی محدود تھے۔

آج یہ ضرورت ہے کہ ہم نظمیہ عامہ (Public Administration) کے بارے میں آپ کے فلسفے اور نظریات کا جائزہ لیں۔ آپ کے تجربات اور انتظامی حکمت عملی کے مختلف پہلوؤں کا مطالعہ کریں۔ آپ کے نظمیاتی اصولوں اور انتظامی ڈول کے خدو خال پر غور و خوض کریں اور یہ فیصلہ کریں کہ ان سے ہم کیا اور کیونکر رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں؟ اس موضوع پر ایک الگ باب لکھنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی ہے کہ دور جدید میں نظمیہ عامہ کو ترقی اور جدیدیت کے سب سے بڑے آئہ کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔ اس کے بعد کوئی بھی حکومت نہ تو اپنی ذمہ داریاں بطریق احسن سرانجام دے سکتی ہے اور نہ ہی اپنے ان مقاصد اور منشور کو عملی جامہ پہنا سکتی ہے جن کی بنا پر اس نے عوام کو اپنا ہوا بنا کر اقتدار حاصل کیا ہو تا ہے۔ اس طرح اس کی کامیابی و ناکامی اچھی و بری شہرت اور مستقبل کے امکانات کا دار و در نظمیہ عامہ کے وسیع نظام پر اس کی گرفت اور اس کے تعاون پر ہوتا ہے۔ پبلک ایڈمنسٹریشن کا انتظامی ڈھانچہ عوام کے بارے میں اس کے طرز عمل کو ظاہر کرتا ہے۔ اس لئے کہ لوگ اسی کو اصل حکومت سمجھتے ہیں۔ یہ حکومت اور عوام کے درمیان رابطہ کار کے فرائض سرانجام دیتی ہے۔ حکومت کی طرف سے عوامی مسائل کو حل کرنے کا کام اسی کے ذمے ہوتا ہے۔ اس کی کارکردگی اور روزمرہ معاملات و ضروریات سے دلچسپی حکومت کی کارکردگی اور سماج کا ذریعہ بنتی ہے۔

زمانے کی ترقی کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہوئی متعدد، متنوع اور متفرق ضروریات و حاجات کو پورا کرنے کیلئے بتدریج نئے نئے ادارے معرض وجود میں آتے جا رہے ہیں جو ایک ہمہ گیر اور پیچیدہ نظام میں ڈھل چکے ہیں۔ اب چند سیاستدانوں اور ماہروں پر مشتمل عاملہ (Executive) پورے ملک کے معاملات کو نہیں چلا سکتی۔ اس کیلئے ایک وسیع انتظامی مشینری کو سرگرم عمل رہنا پڑتا ہے جسے پبلک ایڈمنسٹریشن کہتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ بیشتر معاملات میں حکومت سے بھی یہ زیادہ طاقتور ہو چکی ہے بلکہ اصل حکومت ہی یہی بن چکی ہے کیونکہ اس میں ایک مضبوط نظم و درجہ بندی کا سلسلہ رابطہ، تسلسل اور استعانت پایا جاتا ہے اور اس سے وابستہ لوگ دیانت، قابلیت، تکنیکی صلاحیت اور انتظامی تجربے کے اعتبار سے نہایت مضبوط اور مستحکم ہوتے ہیں۔ وہ مسائل کی نوعیت و وسعت، عوام اور سیاستدانوں کی نفسیات اور قوانین و ضوابط کی گہرائیوں سے زیادہ واقف ہوتے ہیں۔ ان کا باہمی پیشہ و درجہ رابطہ اور تعلق انہیں ایک غالب طبقے کی حیثیت دے دیتا ہے جس پر کسی بھی سیاسی حکومت کا مکمل کنٹرول ناممکن ہوتا ہے۔ سیاسی حکومتوں کے ارکان اپنی کم علمی یا تجربہ کاری اور سرعیت و کمزوری کی وجہ سے سارا انحصار اسی پر کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ پھر حکومتیں بار بار تبدیل ہوتی رہتی ہیں جبکہ پبلک ایڈمنسٹریشن قائم و دائم رہتی ہے۔ اس لئے اس کا پلہ ہمیشہ سب پر بھاری رہتا ہے۔

افسوسناک بات یہ ہے کہ اس عظیم شعبے سے متعلق اسلامی تصورات و نظریات اور ماضی کے کردار و تعینات کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ امریکہ اور یورپ کے محققین اور دانشوروں نے ایک صدی قبل سیاسیات سے اسے الگ کر کے نئے شعبہ علم کے طور پر ترقی دے کر اپنے نظریات اور لٹریچر کو مضبوط اور مستحکم کر کے بدلتے ہوئے حالات و زمانے کے چیلنجز کا مقابلہ کرنے کے قابل بنوایا ہے۔ جس سے دنیا بھر میں اپنے تہذیبی و ثقافتی غلے کے تسلسل کو برقرار رکھنے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔

جبکہ مسلمان کارنزا سے ابھی تک سیاسیات ہی سے غلط ملط کئے جا رہے ہیں۔ انہوں نے گزشتہ صدی میں لکھی گئی کتابوں میں اس شعبہ علم کو الگ طور پر تحقیق و توجہ کا اس قدر مستحق نہیں سمجھا جتنا کہ دور جدید میں اس کو اہمیت حاصل ہو گئی ہے۔ بقدر ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم دور جدید کے تقاضوں کو سامنے رکھتے

ہوئے اسلامی تعلیمات، مذہب اور اصولوں پر نئے سرے سے غور و خوض کریں، سیاسیات اور نظامیات کو الگ الگ زیر بحث لائیں، حکومت اور تنظیم عامہ کے فرق کو واضح کریں اور تنظیم عامہ کے بنیادی فلسفہ، کردار، صیقل، اخلاق، میزان جو مقاصد، اختیارات و مراعات اور طریق تفریق اور فراخ نفس و احتساب کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں واضح کریں اور اس کی حدود و قیود کا تعین کر کے تنظیم عامہ کا ایک جدید ترقی یافتہ اسلامی ماڈل پیش کریں۔ عصر حاضر میں عام اسلام کے ایسوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہم ابھی تک ایسا نظامی ڈھانچہ وضع نہیں کر سکے جو موجودہ زمانے میں ہماری حاجت و ضروریات، تہذیب و ثقافت، عقائد و نظریات، اطلاق و اقتدار اور میزان جو مقاصد سے ہم آہنگ ہو۔ جس سے ہم عملی رہنمائی حاصل کریں اور پتے تمام مسائل کو حل کر سکیں۔ اہل مغرب کے سیکولر تصورات پر مبنی ماڈل ہماری لئے غیر مانوس اور اجنبی ہیں۔ ہماری دولت اور نصیبت سے متصدم ہیں۔ ان کی ہو بہو نقلی امدادے مسائل کو حل کرنے کے بجائے انہیں گھمبیر بنا رہی ہے۔ ہمارے اجتماعی نظام اور لوہے تیار ہو رہے ہیں کیونکہ ہماری سوچ اور عمل میں تضاد و تصادم ہمیں مسلسل انتشار و عترق کے گڑھوں میں دھکیل رہا ہے۔ پھر اہل مغرب نے اپنے نوآبادیاتی عہد میں مغلوب سماجی ممالک کیسے جو انتظامی ڈھانچہ متعارف کر لیا وہاں کے اپنے مفادات اور ضرورتوں کے مطابق تھوڑے پورے کر دیے۔ مکمل جبر و دہرے زور و عبور پر اس حاکم و محکوم کے نہیں فرق، حقوق و مراتب کی تفریق اور گہری استبدادی حکومت کو 'خون، خونچوروں و ضمیر میں خشن نہ پیدا ہونے' دہرے زور و آفتوں کی خدمت و چاکری کر دیا اور اپنے عوام پر ڈنڈے برسا دیے اور انصاف کے بجائے دھونس اور دھاندلی کی بنیادوں پر استوار تھوڑے پورے مقاصد و اہداف میں ان کے اپنے ممالک میں چھنے والے ڈھانچوں سے مختلف اور برعکس تھوڑے پورے۔

ہماری بد نصیبی کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ اکثر مسلم ممالک آزموئیاں حاصل کرنے کے بعد بھی اسی فرسودہ ڈھانچے سے چھنے ہوئے ہیں۔ نہ تو انہوں نے سیاسی آزادی کے بعد کے تقاضوں اور بدے ہوئے حالات کی ضرورتوں کی بنا پر اس میں کوئی جوہری تبدیلی کرنے کی ضرورت محسوس کی ہے اور نہ ہی ان تحقیقات و تجربات سے استفادہ کر سکے ہیں جو خود اہل مغرب نے پبلک ایڈمنسٹریشن کے شعبوں میں کئے ہیں۔ ہم موجودہ لگری و تہذیبی غلامی اور عملی و انتظامی مشکلات کے چنگل سے اس وقت تک نجات حاصل نہیں کر سکتے جب تک پبلک ایڈمنسٹریشن کے ناقص، داغدار، نظام سے چھٹکارا حاصل نہیں کر لیتے۔ جدید مسم کاروں اور اسلامی تحریکوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اسلام کی شہادتانیہ اسلامی تشخص کے احیاء اور مختلف عوام کی اسلامائزیشن، مختلف وادوں اور شعبوں کی اسلامی بنیادوں پر استواری، ملکی سطحوں پر نفاذ اسلام کیسے جو اگر انقدر علمی و عملی کوششیں کر رہے ہیں، علم انتظامیات کو اسلامی نظریہ حیات کے سانچوں میں ڈھالنے کو خصوصی اہمیت دیں اور تنظیم عامہ کا ایک قبول ماڈل دنیا کے سامنے پیش کریں۔ اس سلسلے میں مسلمانوں کی گرفتار خدمات کو نمایاں کرنے کی ضرورت ہے، جنہوں نے ایک ہزار سال تک نہایت کامیابی سے دنیا کے نہایت اہم اور وسیع حصے کے انتظامات کو نہایت تدبیر اور کامیابی سے چلایا۔ اس موضوع پر فہم کام کرنے کی ضرورت ہے اور اب تک کئے گئے کام کو جدید اصطلاحات و تصورات اور زاویہ نگاہ سے مرتب کرنے کی ضرورت ہے تاکہ تنظیم عامہ کے شعبے سے متعلق لوگ اس کو آسانی سے سمجھ سکیں اور سے بطور مضمون پڑھیں اور پڑھانے والے افراد اسلامی ماڈل کی نوعیت و افادیت سے بھرپور استفادہ کر سکیں۔ خاص سماجی اس کے پر اس علم کے فروغ اور تنظیم عامہ کے تمام پہلوؤں کو اسلامی سانچوں میں ڈھالنے کیلئے ضروری ہے کہ ہم حضرت عمر فاروق کی اجتہادی بصیرت کو پر غور و تامل کریں۔ آپ نے پبلک ایڈمنسٹریشن کا جو فلسفہ و جو حکمت عملی بنائی اور جو تنظیمی اصول وضع فرمائے ان میں صحابہ کرام کی مشاورت اور تائید شامل تھی۔ وہ صحیح معنوں میں اسلام کا نام نہ قرار دیا جاسکتا ہے کیونکہ کتاب و سنت کے بعد اسلامی قانون کا ماتخذ اجماع صحابہؓ ہی ہے۔ دور جدید میں ایک نظام زندگی کی حیثیت سے سلام کو دنیا کے سامنے پیش کرنے میں اسلامی مفکروں کو کافی حد تک کامیابی حاصل ہوئی ہے اور زندگی کے مختلف شعبوں کے بارے میں اسلام کے نقطہ نظر کو جاننے اور عملی مسائل کو حل کر کے کیسے اس کے انجمن عمل کا علم حاصل کرنے کی کڑی سوچے سمجھنے والے لوگوں کے اندر طلب بڑھ رہی ہے۔ اہل مغرب میں سے بھی پبلک ایڈمنسٹریشن کے شعبے میں کئی مفکرین اسلامی تجربات سے استفادہ کرنے کی ضرورت پر زور دے رہے ہیں۔ مثلاً Jeffrey اسلام

کے مثبت معانی پر زور دیتے ہوئے کہتا ہے اس بارے میں ہمارے تجربے کی بنیادیں ہمیشہ غلط رہی ہیں۔ اس کے بقول ”ہمیں دیکھنا چاہئے تھا کہ یہ اپنے معاشرہ میں کیسے کام کرتا ہے؟ ہمیں فیصلہ اس بنیاد پر کرنا چاہئے کہ یہ لوگوں کی مخصوص ضروریات کو ان کے مخصوص ماحول میں کس طرح سرانجام دیتا ہے کیونکہ اسلام کا یہ دعویٰ رہا ہے کہ یہ عملی مذہب ہے اور زندگی کے عملی راستے کی تعلیم دیتا ہے“ (۱)۔

## ○ نظمیه عامه (Public Administration) کے جدید تصورات:

### ۱۔ پبلک ایڈمنسٹریشن .... معنی و مفہوم:

پبلک ایڈمنسٹریشن دو الفاظ کا مجموعہ ہے۔ پہلا پبلک اور دوسرا ایڈمنسٹریشن۔ عام مفہوم میں لفظ (Public) عوام یا عوام سے متعلق کسی چیز یا معاملے کو کہتا ہے۔ مثلاً عام لوگوں کے زیر استعمال معروف جگہ کو (Public Place) کہا جاتا ہے۔ کسی معاملے میں عوام کی رائے کو (Public Opinion) کہتے ہیں، لیکن اصطلاحی اور مخصوص معانی کے اعتبار سے اس سے مراد ایسی چیز یا سہولت ہے جو حکومت کی طرف سے عوام کو فراہم کی جاتی ہے۔ مثلاً جو پولیس حکومت عوام کیلئے بناتی ہے انہیں (Public Policies) کہا جاتا ہے جو ادارے اس غرض کیلئے قائم کئے جاتے ہیں وہ ادارت عامہ (Public Institution) کہلاتے ہیں۔ جو خدمات افرادی قوت اور سرکاری ملازمین کے ذریعے سے سرانجام دی جاتی ہیں ان کا نام خدمات عامہ (Public Services) ایسی تنظیم جو حکومت کی طرف سے پانی، بجلی، گیس جیسی استعمال کی ضروری اشیاء فراہم کرتی ہے اسے (Public Utility) کا نام دیا جاتا ہے اور بنیادی سہولیات کے ایسے سارے پروگرام کو جس کے انتظامات دماں اخراجات گورنمنٹ برداشت کرتی ہے مثلاً سڑکیں، عمارات، ہسپتال، سکول وغیرہ (Public works programme) کہلاتے ہیں۔ اس کے بالمقابل لفظ نجی (Private) استعمال ہوتا ہے۔ اس سے مراد ایسی چیز ’معاہدہ‘ تنظیم یا سرگرمی جس کے مالک و ذمہ دار عوام خود ہوتے ہیں۔ مثلاً معیشت و صنعت کا وہ حصہ جو ریاست کی طرف سے کنٹرول کیا جاتا ہے اسے (Public Sector) اور نجی یا غیر سرکاری طور پر چلایا جاتا ہے اسے (Private Sector) کہتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ لفظ پبلک میں بالواسطہ یا بدواسطہ حکومت کی وہ ساری سرگرمیاں شامل ہیں جو وہ انتظامی آلات کے ذریعے سرانجام دیتی ہے (۲)۔

دوسرا لفظ (Administration) ہے۔ فعل ”To Administer“ لاطینی لفظ (Ad اور Ministr) سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں مدد پہنچانا، خدمت کرنا، انتظام کرنا (۳)۔ لغوی اعتبار سے ایڈمنسٹریشن کی نجی یا سرکاری تنظیم و ادارے کے انتظام کو چھاننے اسے کنٹرول کرنے اور اس کے تمام معاملات کی نگرانی اور دیکھ بھل کو کہتے ہیں۔ عوامی یا کاروباری، مور کو چلانے والے شخص (Administrater) کہلاتا ہے اور ہر ایسا عہدہ یا مسئلہ یا عملی Administrative ہوتی ہے جس کی نوعیت انتظامی ہو (۴)۔ ایڈمنسٹریشن وہ ہے جو دوسروں کی سرگرمیوں کی رہنمائی کرتا ہے اور انہیں مربوط اور کنٹرول کرتا ہے (۵)۔

### ۲۔ ایڈمنسٹریشن کی تعریفیں:

ایڈمنسٹریشن کے اصطلاحی معنی کے تعین کیلئے مختلف مفکرین و ماہرین نے اپنے اپنے انداز میں تعریفیں کی ہیں ان میں سے چند حسب ذیل ہیں۔

۱۔ یہ نئی نوع انسان کی اجتماعی سرگرمیوں کی تنظیم اور صحیح ترتیب کا کام ہے<sup>(۱)</sup>۔

۲۔ ایڈمنسٹریشن ایک طریق کار کا نام ہے جو تمام اجتماعی کاوشوں میں مشترک ہے 'خو لو وہ پبلک ہوں یا پرائیویٹ خو لو سول ہوں یا فطری' بڑے پیمانے پر ہوسا چھوٹے<sup>(۲)</sup>۔

۳۔ Brooks Adams کے بقول "ایڈمنسٹریشن بہت سے اور اکثر اوقات متضاد سماجی توانائیوں کو مہارت ہو تیاری سے ایک لگھم میں کچھ اس طرح پروانے کی صلاحیت کا نام ہے کہ وہ متحد طور پر کام کر سکیں<sup>(۳)</sup>۔"

۴۔ Gladden کے نزدیک وہ گون کیسے فکر مند ہونے اہل کی دیکھ بھال کرنے اور معاملات چلانے کا نام ہے<sup>(۴)</sup>۔

۵۔ FM. Marx کا کہنا ہے کہ ایڈمنسٹریشن شعوری مقاصد کے حصول کی تک دو میں پر عزم اقدام کا نام ہے۔ یہ معاملات کی منظم ترتیب اور وسائل کے تخمینہ شدہ استعمال کا نام ہے 'اس کا مقصد چیزوں کو اسی طرح وقوع پذیر کرنا ہے جیسا کوئی چاہتا ہے اور خواہشات کے برعکس نتائج پیدا ہونے سے پہلے ہی ہر چیز کی پیش بندی کر لینے کا نام ہے<sup>(۵)</sup>۔

ان تعریفوں میں پرائیویٹ اور پبلک ایڈمنسٹریشن کی تخصیص کے بغیر اس کے بنیادی غور و خال اور عمومی خصوصیات کا جائزہ لیا گیا ہے، لیکن اپنی نوعیت حد و کار اور قوانین و ضوابط کے اعتبار سے دونوں میں فرق پایا جاتا ہے۔ اس لئے پبلک ایڈمنسٹریشن کو الگ طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ اگرچہ خارجی اعظم کے نظریہ و عمل سے ایڈمنسٹریشن اور منجمنٹ کے ایسے جامع اصول ہمارے سامنے آتے ہیں جو دونوں سطحوں پر رہنمائی کرتے ہیں، لیکن ہمارا اصل ہدف گورنمنٹ کے حصے کے طور پر اس کے فلسفہ، مقاصد اور طریق کار کا جائزہ لینا ہے۔ اس لئے پبلک ایڈمنسٹریشن کو الگ طور پر زیر بحث لایا جاتا ہے۔

### ۳۔ پبلک ایڈمنسٹریشن کی تعریفیں:

پبلک ایڈمنسٹریشن کی مختلف مفکریں نے جو تعریفیں کی ہیں ان میں سے چند حسب ذیل ہیں

۱۔ "یہ ایک وسیع انسانی سرگرمی ہے جو اجتماعی سامی مقاصد کے حصول کیلئے مطلوبہ انسانی اور مادی وسائل کو منظم کرنے سے متعلق ہے<sup>(۶)</sup>۔"

۲۔ پبلک ایڈمنسٹریشن حکومت کے کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا نام ہے۔ اس میں لوگوں کی کاوشوں کو اس طرح مربوط کیا جاتا ہے کہ وہ ملغوضہ کاموں کو سر انجام دینے کیلئے مل جل کر کام کر سکیں۔ جبکہ آرگنائزیشن سے مراد قوانین اور تعلقات کار کا ایسا ڈھانچہ ہے جو ان پالیسیوں کو عملی جامہ پہنانے کیلئے وضع کیا جاتا ہے<sup>(۷)</sup>۔"

۳۔ گے چل کر وہ لکھتا ہے کہ ایڈمنسٹریشن اور آرگنائزیشن دونوں کا اصل مقصد یہ ہے کہ وہ انسانی وسائل کو کنٹرول کریں۔ انتظامی سرگرمیاں خالص فنی اور مخصوص نوعیت کی بھی ہو سکتی ہیں جو ایڈمنسٹریشن کے دائرے میں آتی ہیں۔ مثلاً صحت عامہ یا بہت بڑی عمارات اور عوام کی تعمیر جس میں سینکڑوں اور ہزاروں اوقات لاکھوں لوگوں کی سرگرمیوں کی تنظیم اور رہنمائی کچھ اس انداز میں کی جاتی ہے کہ اس کے نتیجے میں نظم و ضبط اور مستعدی سامنے آتی ہے<sup>(۸)</sup>۔

۴۔ اس سے مراد حکومتوں کا وہ مرتبی آلہ ہے جو عمومی سماجی مسائل حل کرنے کے کام آتا ہے<sup>(۹)</sup>۔

۵۔ پبلک ایڈمنسٹریشن ان تمام عملی اقدامات (Operations) پر مشتمل ہے جو اپنے مقاصد کی تکمیل یا پبلک پالیسی کو نافذ کرنے کیلئے کئے جاتے ہیں<sup>(۱۰)</sup>۔

۵۔ Nigro کے مطابق اس کی تعریف کو متعین کرنے کیلئے حسب ذیل امور کو سامنے رکھنا چاہئے۔

۱۔ پبلک سٹنگ میں معاون گروہی کوششیں۔

۲۔ یہ انتظامی، قانونی یا عدالتی تمام برانچوں اور ان کے مابین باہمی تعلقات پر محیط ہے۔

۳۔ پبلک پالیسی کو وضع کرنے میں نہایت اہم کردار ادا کرتی ہے اس طرح یہ سیاسی طریق کار کا حصہ ہے۔

۴۔ یہ نمایاں طور پر پرائیویٹ اینڈ منسٹریشن سے مختلف ہے۔

۵۔ افراد اور پرائیویٹ گروپوں کے ساتھ اس اعتبار سے منسلک ہے کہ پورے معاشرے کو خدمات فراہم کرتی ہے<sup>(۱)</sup>۔

۶۔ W. Wilson کا کہنا ہے کہ ”پبلک اینڈ منسٹریشن“ قانون کے تفصیلی اور منظم اطلاق کا نام ہے ’قانون کا ہر اطلاق، اینڈ منسٹریشن کا عمل ہے‘<sup>(۲)</sup>۔

۷۔ Goel نے مختلف تعریفوں کی خوبیوں کو خوبصورت انداز میں اپنی جامع تعریف میں سمونے کی کوشش کی ہے۔ اس کے مطابق ”پبلک اینڈ منسٹریشن قوم

اور عوام کے مفاد کیلئے کفایت و مستعدی کے ساتھ اس عوامی پالیسی کے نفاذ سے تعلق رکھتی ہے جو مجاز انتظامی کی طرف سے طے کی گئی ہو‘<sup>(۳)</sup>۔

۸۔ مسلم مفکر M.A. Buraey کا کہنا ہے کہ حاضری میں امریکہ میں نئی پبلک اینڈ منسٹریشن کے وکیلوں نے اس اصطلاح کے ساتھ اہم مقاصد کو منسلک

کر دیا ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ جی میجسٹریٹ سہاجی انصاف بطور قدر کے سورتی طور پر اس کی تعریف میں شامل ہیں چنانچہ H.G. Frederickson سیدھے

سادے طریقے پر کہتا ہے۔ ”نئی پبلک اینڈ منسٹریشن ایسی پالیسیوں اور ڈھانچوں کو تبدیل کر دینے کی راہیں تلاش کر رہی ہے جو منظم انداز میں سہاجی انصاف کی راہ

میں رکاوٹ ہیں‘<sup>(۴)</sup>۔“

مذکورہ تعریفوں میں فیصلہ سازی، سرپرستی، تنظیم کاروبار یہ شامل نہیں ہے اس لئے مذکورہ مصنف کے نزدیک ”پبلک اینڈ منسٹریشن عوام کے منظم گروہوں کی ان

سرگرمیوں کو کہتے ہیں جو حکومت یا اس کے کسی شعبے کے مفوضہ کام کو تعاون، ہم آہنگی اور نہایت معقول فیصلوں کے ذریعے اتنا موثر انداز میں پورا کرتی ہیں جتنا

ممکن ہو۔ یہ ایک سیاسی طریق کار ہے جس کے ذریعے مقاصد متعین اور حاصل کئے جاتے ہیں اور صورت حال تبدیل کی جاتی ہے‘<sup>(۵)</sup>۔“

۹۔ نمایاں پہلو:

مذکورہ تعریفوں کو سامنے رکھیں تو اینڈ منسٹریشن کے حسب ذیل پہلو سامنے آتے ہیں۔

۱۔ یہ انسانوں کی ایک تنظیم کا نام ہے جو ان کی مشترک اور اجتماعی سرگرمیوں کو منظم و مربوط کرتی ہے۔ اس کا اصل مقصد فرادی قوت ہے جس سے استفادہ کرنا

اس کو مخصوص سمت میں چلانا اس کی رہنمائی کرنا اور اسے کنٹرول کرنا اس کی ذمہ داری ہے۔

۲۔ یہ ایک با مقصد عمل ہے۔ یہی اس کی وجہ جواز اور بنیاد ہے۔ اس کے تمام مقاصد متعین اور شعوری ہوتے ہیں۔ اس کے اہداف واضح اور نصب العین ملے

شدہ ہوتا ہے۔ اس کی کامیابی کا معیار و پیمانہ یہ ہے کہ کہاں تک نہیں حاصل کر سکی ہے؟ معاملات کو کس حد تک اپنی غشا کے مطابق ڈھال ہے اور نقصان کو ان کے

حصول کیلئے سازگار بنایا ہے اور اس سے حاصل ہونے والے نتائج اس کے مقاصد سے کتنے ہم آہنگ ہو رہے ہیں۔

۳۔ اس کا ایک اہم پہلو مالی وسائل ہیں۔ ان کی فراہمی ان کا تحمیل شدہ استعمال ان میں کفایت و بچت، کم سے کم وسائل کو صرف کر کے زیادہ سے زیادہ پیش

رفت کرنا ہمارا فرض و ضیاع ہے چنانچہ ان کی تفصیلات و تعین بھی اس کا ہم کام ہے۔

۴۔ ایڈمنسٹریشن حالات و وقت اور معاملات و مسائل کا صحیح تجزیہ کرنے کا کام ہے۔ اس میں گہرے سوچ، بچار اور تجربہ و اندازوں کے ذریعے آئندہ پیش آنے والے امور کو بھانپنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ان کے منطقی و مثبت اثرات کو قبل از وقت محسوس و معلوم کرنے کے طریقے اختیار کئے جاتے ہیں۔

۵۔ ایڈمنسٹریشن بطور ہم یک سماجی ہم ہے کیونکہ اس کا تعلق انسانوں سے ہے جو فکر و سوچ، جذبات و احساسات، تصورات و نظریات اور ذہنی و نفسیاتی پس منظر رکھنے والی مخلوق ہے۔ اس میں تنظیم کے چلانے والوں اور ان سے متاثر ہونے والوں کے مزاج، مقاصد، دلچسپیاں، تعصبات، رجحانات، محبتوں اور خواہشوں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ان کے رد عمل میں بہ شمار اندر دنی و دیر دنی عوامل شامل ہوتے ہیں۔ وہ حالات سے متاثر ہوتے ہیں اور انہیں متاثر کرتے ہیں اس لئے ان پر طبعی سائنس کے اصول و ضوابط لاگو نہیں ہوتے۔

۶۔ ایڈمنسٹریشن کیسے منصوبہ بندی اور پیہ ہے تمام پالیسیاں اور فیصلے اسی کا حصہ ہوتے ہیں۔ دستیاب معلومات کی روشنی میں مادی و انسانی وسائل کا بھرپور استعمال، متبادل راہوں کا خاکہ اور ان کی طرف عملی اقدامات بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ معزز امور کو روکنا اور مفید سے بھرپور فائدہ اٹھانا اس کا خاصہ ہے۔

۷۔ ایڈمنسٹریشن کو بطریق احسن چلانے کیلئے ایک سسٹم وضع کرنا اور انتظامی ڈھانچہ تعمیر کرنا ضروری ہے جس میں اختیارات و ذمہ داریوں کا تعین فیصد سازی کے مراکز سے کرنا، نفاذ تک کے مراحل، مختلف شعبوں کا قیام اور ان کا باہمی ربط و غیرہ سب شامل ہیں۔

۸۔ ایڈمنسٹریشن پر عزم اقدامات کا نام ہے جو مناسب اور بروقت ہوں اور حوصلے اور دانشمندی سے کئے گئے ہوں۔ لاپرواہی، سستی، کم ہمتی اور گومل کی کیفیت شدید بحرانوں کا باعث بن سکتی ہے۔ یہ تنظیمیں کیلئے ایک آرائش بھی ہے اور صلاحیتوں کے نکھارنے کا ذریعہ بھی۔ تنظیم کی ناکامی حقیقت میں ناکامی کی ناکامی ہے۔

##### ۵۔ ضرورت و اہمیت:

یہ آٹھ خصوصیات ہر اچھی ایڈمنسٹریشن اور منجمنت میں یک وقت پایا جانا ضروری ہیں۔ اس کی کارکردگی اور مقصد کے حصول میں کامیابی انہی خصوصیات کے معیاری تناسب سے وابستہ ہوتی ہے جو کہ ایڈمنسٹریشن پر ایجویت ہو یا پبلک لیکن پبلک ایڈمنسٹریشن کی ذمہ داری اور کردار بہت وسیع ہوتا ہے۔ وہ ایک قصبے سے لے کر بین الاقوامی سطح کے معاملات کو سرانجام دیتی ہے۔ وہ زندگی کے ہر شعبے، حکومت کے ہر معاملے اور ریاست کے ہر ادارے کو ڈیل کرتی ہے۔ ملک کا ہر سیاسی سماجی، معاشی، ثقافتی، تعلیمی اور رفاہی ڈھانچہ اس کی سوچ اور عمل پر استوار ہوتا ہے۔ اس کے رویے اور فیصلے تمام پرائیویٹ تنظیموں کو براہ راست متاثر کرتے ہیں۔ اس لئے اسے آئین، قانون، اصول و ضوابط کے اندر رہ کر کام کرنا ہوتا ہے۔ اسے قانون ساز اداروں، عوامی نمائندوں اور حکومتی عرائم و اداروں اور پارلیمنٹوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے منصوبہ کار پیش کرنا ہوتا ہے اور تمام فیصلوں کو نافذ کرنا ہوتا ہے۔ اس لئے دور جدید میں اس کیلئے جائزہ پیشہ ورانہ اور غیر سیاسی ہونا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے اس کے فرائض، نظام کار، تنظیمی ڈھانچہ، ضابطہ احکام، مزاج و مقاصد، پرائیویٹ ایڈمنسٹریشن سے بہت حد تک مختلف ہوتے ہیں۔ اس کے عملے کی تقرری کے ضوابط، ملازمت کی شرائط اور اختیارات و حساب کیلئے ملکی آئینوں میں اس سلسلے میں اصول و ضوابط اور وضاحتیں درج ہوتی ہیں۔

دور جدید میں پبلک ایڈمنسٹریشن کی ضرورت و اہمیت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا ہے۔ تہذیبی و تمدنی ترقی اور عوامی مسائل میں اضافے کے ساتھ ساتھ اس کے کردار، ساز و آراء اور ذمہ داریوں میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ جیسا کہ مختلف قریلوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس سے مراد حکومت کا وسیع اداراتی سلسلہ نظام اور ڈھانچہ ہے جو اس کے تمام معاملات کو چلانے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اخلاقی، قانونی اور اصولی طور پر اس کا سیاست سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے، لیکن حکومت سے گہرے تعلق ہوتا ہے جو اگرچہ سیاسی ہوتی ہے۔ اسے سیاسی اداروں کے ماتحت ہو کر کام کرنا ہوتا ہے۔ اس کی حیثیت، یک وسیع مشینری کی ہوتی ہے جو

حکومت ہی کے کنٹرول میں ہوتی ہے اور اسی کے ماتحت کی حیثیت سے، اسی کے طے شدہ مقاصد و ہدایات کے مطابق معاملات کو کنٹرول اور منظم کرتی ہے۔ ریاست کے نظم، نسق کا تعلق عوام کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کے تمام تقاضے و بر، عظم اور چند و زر، اپ مشتمل عاملہ (Executive) سرانجام نہیں دے سکتی۔ یہی مشینری سارے انتظامی امور سرانجام دیتی ہے۔

دور جدید میں ریاست کا مکمل انتظامی ڈھانچہ عاملہ (Executive) (Public administration) جسے ہم سہولت کیلئے نظامیہ کہہ سکتے ہیں پر مشتمل ہوتا ہے۔ داخلی نظم و نسق کو عملی طور پر سرانجام دینے کی ذمہ داری تنظیمیہ عامہ کے سپرد ہوتی ہے۔ اس کے دو اہم حصے ہوتے ہیں: ایک دفتری امور کو سرانجام دینے والا شعبہ جسے بیورو کریسی کہا جاتا ہے۔ یہ عامہ کے دفتری نظام (Secretariate) کو کنٹرول کرتا ہے۔ یہ حکومت کا ریکارڈ اور حافظہ ہوتا ہے۔ دوسرا اہم شعبہ خدمات عامہ (Civil Services) یہ عوامی فلاح و بہبود کے منصوبوں، عوام کے عملی مسائل کے حل، امن و امان کے قیام اور اس طرح کے سبب شہرانی و انتظامی امور کو سرانجام دیتا ہے اس سے وابستہ ہلکاروں کو سوسر و فیس کہا جاتا ہے۔ جمہوری نظام میں عامہ (Executive) سیاستدانوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس میں وزیراعظم پارلیمانی طرز حکومت میں اور صدر، صدر، صدارتی طرز حکومت میں، اپنی کابینہ کے ساتھ شامل ہوتا ہے، وہی اس کا سربراہ ہوتا ہے۔ اس عاملہ کا پہلا کام یہ ہوتا ہے کہ تمام اہم امور کے بارے میں بنیادی پالیسیاں وضع کرے۔ اسے برسر اقتدار پارٹی کا اعتماد حاصل ہوتا ہے۔ اس نے اس کی طرف سے پارلیمنٹ میں قانون سازی کیلئے تجویز پیش کرتی ہے۔ اس کا دوسرا کام بطور انتظامی ہڈی کے یہ ہوتا ہے کہ وہ پاس ہونے والے قوانین پر عمل درآمد کرانے اور سرکاری ملازمین کی وسیع مشینری کی نگرانی کرے جو انتظامی امور کو مستعدی سے سرانجام دینے کیلئے ضروری ہے۔ یہاں اسے مربوط کرنے اور کنٹرول کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس کا تیسرا کام یہ ہے کہ وہ امور انتظامی کے ذمہ دار کی حیثیت سے عوام الناس کے ساتھ مسلسل رابطہ رکھے<sup>(۱)</sup>۔

مذکورہ تین کاموں کو سرانجام دینے کیلئے بالواسطہ یا بدواسطہ پبلک ایڈمنسٹریشن ہی اہم کردار ادا کرتی ہے۔ جہاں تک پہلے کام کا تعلق ہے یعنی پالیسی سازی تو اس بارے میں اگرچہ دو نقطہ ہائے نظر پائے جاتے ہیں۔ ایک کے مطابق یہ صرف اور صرف سیاستدانوں کا کام ہے۔ دوسرا یہ کہ سیاست اور ایڈمنسٹریشن دونوں لازم و ملزوم ہیں ان کو ایک دوسرے سے الگ کرنا ممکن نہیں<sup>(۲)</sup>۔ یہی رائے زیادہ صائب ہے اور عملی طور پر ہر شعبے اور ہر سطح پر اس کی کارفرمائی ہے کیونکہ صحیح پالیسی کیلئے صحیح معلومات، تجزیاتی رپورٹس، تکنیکی مشورے، درگزرے، سوچ بچار پر مبنی جن تجویز کی ضرورت ہوتی ہے، وہ صرف ماہر و تجربہ کار سرکاری ملازمین ہی فراہم کر سکتے ہیں۔ اسی طرح قوانین کے نفاذ کا اہم مرحلہ بھی پبلک ایڈمنسٹریشن کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ جس پالیسی کی اہمیت، بخود دور و دور و مقاصد کے بارے میں وہ یکسو نہیں ہوں گے یا اس کے تعین میں ان کا مشورہ شامل نہیں ہو گا اس کے بارے میں وہ کبھی بھی قابل عمل منصوبہ بندی نہیں کریں گے اور نہ ہی اس کے پیچھے وہ جدوجہد کا فرما ہو گا جو سے بھرپور انداز میں چلائے اور نتیجہ خیز بنائے کیلئے ناگزیر ہوتا ہے اور اس بات کا بھی امکان ہوتا ہے کہ وہ مختلف توجہات، ضابطوں کے جال اور عدم توجہی کے گرداب میں پھنس کر رہ جائے۔

جہاں تک عوام الناس کے ساتھ مسلسل اور وسیع رابطے کا تعلق ہے، وہ دور جدید کے پیچیدہ، الجھے ہوئے اور متنوع و متفرق مسائل و معاملات کے پس منظر میں محدود تعداد پر مبنی عاملہ (Executive) کیلئے ممکن ہی نہیں۔ نہ تو وہ کروڑوں انسانوں کے انفرادی مسائل کو سننے کیلئے وقت نکال سکتے ہیں اور نہ ہی ان کو حل کرنے کی کوئی آسان سی صورت در نہ ہی وہ براہ راست ایسے حکامات جاری کر سکتے ہیں جو ان کے مقام و مرتبے، دائرہ کار و اختیارات سے مناسبت رکھتے ہوں۔



حکومت میں گران باتوں میں لچے جائیں گے تو اپنا اصل کام چھوڑ بیٹھیں گے اور حکومت کی مجموعی کارکردگی صفر ہو جائے گی۔ اس لئے عملی حقیقت یہی ہے کہ عوام اور سیاستدان دونوں مسائل کے حل کیلئے پبلک ایڈمنسٹریشن کے محتاج ہیں اور حکومت و عوام کے درمیان موثر اور نتیجہ خیز رابطے کا یہی واحد ذریعہ ہے۔ دور جدید میں بیوروکریسی نے اپنا رول تبدیل کر لیا ہے۔ عوام کی خدمت کرنے کے بجائے ان کے حاکم گورنر اور منتظم بن چکے ہیں۔ وہ عوام کے خدو بن بیٹھے ہیں اور خوف و ہراس کے ذریعے ان سے اطاعت کے طالب ہوتے ہیں<sup>(۱)</sup>۔

اس صورتحال کی وجہ سے بیوروکریسی اور سیاستدانوں میں یک گرم و سرد کشمکش بھی پائی جاتی ہے۔ سیاستدانوں کیلئے اسے مکمل طور پر تابع فرمان بنانا ناممکن ہے۔ اس سے صرف ہم آہنگی پیدا کر کے ہی وہ حکومت کر سکتے ہیں۔ آئینی اور قانونی طور پر با اثر ہونے کے باوجود عملی طور پر بیوروکریسی کی طاقت کے آگے ہٹ سکتے ہیں کیونکہ وہ زیادہ مضبوط اور مربوط ہوتی ہے اور انہیں ناکام و بدنام کرنے کی زیادہ صلاحیت رکھتی ہے۔ ان کے عزائم و ارادوں کو ”گے رکاوٹ ڈالنے اور ان کے بیٹھوس اور پالیسیوں کے نفاذ میں روڑے اٹکانے کیلئے ایسے تکنیکی اور فنی طریقے اختیار کر سکتی ہے جن پر کوئی گرفت ہی نہ کی جاسکے۔ ترقی پذیر ممالک میں سیاسی اور معاشی استحکام نہ ہونے کی وجہ سے اسے غلبہ حاصل ہے۔ بعض مفکران کی اس بے پناہ طاقت و اہمیت کے پیش نظر یہ خیال رکھتے ہیں کہ مفاد عامہ کا حقیقی تحفظ

سیاستدانوں کے بجائے سی کی منصبی ذمہ داری ہے۔ چنانچہ Harish Khare اپنے مقالے "Role of bureaucracy; soft state soft administration" میں یہ خواہش ظاہر کرتا ہے کہ وہ سیاسی قیادت کی ناکامی کی صورت میں اپنے آپ کو ملک کی ترقی کیلئے اپنی توانیاں صرف کرے۔ اس کے بقول ”بیوروکریسی کو عوام کے بہترین مفادات کو یقینی بنانے کیلئے بالآخر خود اپنی آئینی ذمہ داری کو پورا کرنے پر غور و خوض کرنا چاہئے جو تنگ نظر اور غیر ذمہ دار سیاسی طبقے کے ہاتھ میں گروی ہیں<sup>(۲)</sup>۔ پبلک ایڈمنسٹریشن سے وابستہ اہل کار یہی سمجھتے ہیں کہ حقیقی حکمرانی کا حق انہیں حاصل ہے۔ ملک کے اندرونی اور خارجہ تعلقات کے سارے امور کے بارے میں پالیسیاں وضع کرنا انہیں کی ذمہ داری ہے اس لئے حکومتوں کی تبدیلیوں کے باوجود ان پالیسیوں میں کوئی جوہری فرق رونما نہیں ہوتا۔ پاکستان کا معاملہ اس سے بھی چارہاتھ آگے ہے۔ یہاں سیاسی جماعتوں اور مخصوص سیاستدانوں کو اقتدار میں لانے اور انہیں ہٹانے کا فیصلہ سوس بیوروکریسی اور فوجی اسٹیبلشمنٹ کرتی ہے۔ حکومت سیاست در جمہوریت کو جتنا چاہتے ہیں کنٹرول کرتے ہیں۔ جتنا چاہتے ہیں آزادی دیتے ہیں خود سیاسی نظام نظریہ تصورات اور ڈھانچہ بھی اسٹیبلشمنٹ وضع کرتی ہے۔ اپنے مجموعی خاکے میں جو رنگ بھرنا چاہتے ہیں اور جس طرح کے مہرے لگانا چاہتے ہیں لگاتے ہیں۔ یہاں سیاسی قانونی اور انتظامی طاقت ایک طبقے کے ہاتھ میں مرکوز ہو چکی ہے۔ پاکستان کا پورا آئین اسلامی ہونے کے باوجود اس کے دفاع کا حلف اٹھانے والے اس کی بنیاد پر فیصلے کرنے والے اور سے نافذ کرنے والے اداروں پر حاوی طبقہ سماوی ذہن نہیں رکھتا۔ اس لئے پورے ملک اور معاشرے میں ہمیں اسلام کا کہیں نفاذ و چمن دکھائی نہیں دیتا۔ اس لئے میری نظر میں سلام نریشن کیلئے سیاسی نظام و نظریہ سے زیادہ انتظامی نظریہ و نظام کو اسلامی سانچوں میں ڈھانے کی ضرورت ہے اور نہ ہمارے نظریہ و عمل اور آئین و حالات میں ہمیشہ تضاد رہے گا۔

۶۔ اصول و طریق کار

پبلک ایڈمنسٹریشن کو اپنے پیشہ ورانہ فرائض کو سرانجام دینے کیلئے حسب ذیل اصول اور طریقے اختیار کرنے پڑتے ہیں۔ اس لئے ہم انتظامیات (Administrative Science) میں ان پر تفصیل سے روشنی ڈال جاتی ہیں اور سوس سروس کو پسے ہوئے دور ان سروس مت عملی طور پر درکشنا اس میں ٹریننگ اکیڈمیز اور

ہیمنڈز کے ذریعے خصوصی تربیت دی جاتی ہے تاکہ اپنی کارکردگی کو معیاری سے معیاری بناسکیں۔ مختلف ماہرین اپنے اپنے انداز میں ان میں کمی بیشی کرتے ہیں۔ بحیثیت مجموعی حسب ذیل ہیں۔ پالیسی سازی، انفرادی و اجتماعی فیصلہ سازی، منصوبہ بندی، قیادت سازی، نگرانی، کنٹرول، مربوطی و رابطہ کاری، اطلاعات، تفویض اختیار، اختیارات کا استعمال، نظام مراتب، تنظیم کی تعمیر، عیسے کی ترقی، امن و امان کا قیام، عدس و انصاف، نظم و ضبط کا فروغ، علاقائیت اور فرقہ واریت کا خاتمہ، جمہوری اقدار کا احیاء، قومی یکجہتی میں اضافہ، آئین کے مقاصد کا حصول، تنظیم کو بطور ادارہ متحرک کرنا وغیرہ شامل ہیں<sup>(۱)</sup>۔

بعض مفکرین پبلک ایڈمنسٹریشن کے اصولوں کو ایک POSDCORB میں جمع سمجھتے ہیں۔ ان کا یہ کہنا کہ انتظامی مستعدی کیلئے یہ انتہائی ضروری ہیں اور یہ تقریباً تمام تنظیموں میں استعمال ہوتے ہیں۔ ان کی تفصیل حسب ذیل ہیں۔

P سے مراد "Planning" یعنی چیزوں کا خاکہ بنانا ضرورت کا جائزہ لینا اور ایسا طریق کار متعین کرنا جو عوامی پالیسی کے مقاصد کے حصول کیلئے مددگار ہو۔  
O سے مراد "Organisation" باقاعدہ ایک انفراسٹرکچر اور ڈھانچہ تیار کرنا جس کے ذریعے کام کرنا ہے۔ تعارفی کا تعین کرنا، تقسیم کار، امور کی ترتیب و وضاحت اور ان میں باہمی مربوطی پیدا کرنا تاکہ طے شدہ مقاصد حاصل ہو سکیں۔

S سے مراد "Staffing" اس کے تحت عملے کا تقرر، ان کی تربیت اور کام کرنے کیلئے سازگار ماحول پیدا کرنا شامل ہے۔

D سے مراد "Directing" فیصلہ سازی کے مستقل کام کی انجام دہی۔ انہیں عام یا مخصوص ترتیب اور شعبہ جات کے سرپامیں ڈھانسا اور انہیں ضروری رہنمائی فراہم کرنا۔

C سے مراد "Co-ordinating" ایڈمنسٹریشن کے مختلف پہلوؤں کو باہم مربوط و منسلک کرنے کیلئے تمام ضروری فرائض سرانجام دینا۔

R سے مراد "Reporting" انتظامیہ کے تمام ذمہ داروں کو اس بات سے باخبر رکھنا کہ کیا کچھ ہو رہا ہے۔ اس میں ایسی، یجنسی کا قیام شامل ہے جس میں ریکارڈز، ریسرچ اور تحقیق کے ذریعے تمام رجحانات کا باخبر رہیں۔

B سے مراد "Budgeting" اس میں مالیاتی منصوبہ بندی، اکاؤنٹنگ اور اس پر کنٹرول شامل ہے<sup>(۲)</sup>۔

جدید ماہرین انتظامیات پبلک ایڈمنسٹریشن کے کردار کو نئے نئے علاقائی، ملکی اور عالمی مسائل کی وجہ سے ترقی دیتے جا رہے ہیں۔ ان کے نزدیک ہر نیا مسئلہ اپنے حل کیلئے جس طرح کے اقدامات کا تقاضا ہوتا ہے وہ صرف اور صرف پبلک ایڈمنسٹریشن ہی کے ذریعے سے ٹھائے جاسکتے ہیں۔ اس لئے اس کی ذمہ داریاں اضافہ پذیر رہی ہیں اور ہمیشہ اضافہ پذیر رہیں گی۔ مسلم مفکر محمد امجد علی رے کے مطابق "پبلک ایڈمنسٹریشن کے حسب ذیل کام جدید دور میں اس کی اہمیت کی نشاندہی کرتے ہیں۔ تعلیمی نظام کو ترقی دینا، ملکی مسابقتی کے معاملات کی تجدید، پانی اور ہوا کی سہولگی کا خاتمہ، کثیر القومی اور بین الاقوامی اداروں کے عفریت کو چلانے کی اور ترقی پذیر ریاستوں میں معاشی اور سماجی اداروں کو پروان چڑھانا یہاں تک کہ نئی قوم کا احیاء بھی اس میں شامل ہے<sup>(۳)</sup>۔

اسی طرح ہر شعبہ زندگی میں ترقی کے جذبہ و اصولوں کو تحریک دینا حالات و زمانے کے مطابق تبدیلی کو متعارف کرانا، تنگ نظری، دہشت گردی اور باعث روال عوام کا حقوق لگانا اور دانشمندانہ طریقے سے ان کا ازالہ کرنا انتظامی جہاد کو بروئے کار لاتے ہوئے نئے پروگرامز اور پراجیکٹس شروع کرنا جو عوامی فلاح و بہبود اور ملکی ترقی کیلئے ناگزیر ہوں۔ ماحول کے ساتھ اپنا رابطہ مضبوط بنانا اور ہر معاملے میں عوام کی شراکت اور تعاون کو یقینی بنانا ایڈمنسٹریشن کے جدید اصولوں اور

طریق کار کا نمایاں پہلو ہے۔ نئی ایڈمنسٹریشن کے حجم و وسعت میں بھی اضافہ ہو ہے۔ اس اعتبار سے اس کے طریق کار میں بھی بعض تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ تقابلی ایڈمنسٹریشن، ترقیاتی ایڈمنسٹریشن، بین الاقوامی ایڈمنسٹریشن، علاقائی ایڈمنسٹریشن، انتظامی اخلاقیات کے بارے میں نئے تصورات پروان چڑھتے ہیں۔ دور جدید میں اس نظریے کو شہرت و پذیرائی حاصل ہو رہی ہے کہ مختلف ملکوں کے تصورات و نظریات، آئیڈیالوجیز، تہذیبی و تمدنی ضروریات، نفسیاتی و علاقائی مسائل اور مزاج و رویے مختلف ہیں اور معاشی حالات اپنے اپنے ہوتے ہیں۔ اس لئے ایک ایسی انتظامی مشینری پروان چڑھانا جو حکومت کے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے قابل ہو اس کا تعلق مطلقہ ممالک کے مقامی حالات و ماحول سے ہے۔ نظمیاتی ترقی (Administrative Development) کا صرف وہی ماڈل کامیاب ہو سکتا ہے جو اس کے ثقافتی و جغرافیائی ماحول سے مطابقت رکھتا ہو۔ سیاسی و انتظامی نظاموں، شکلوں و طریقوں کی اس مطابقت کیلئے (Endogeneity) کی اصطلاح وضع کی گئی ہے۔ جو پہلی مرتبہ 1977ء میں یونیسکو کی کانفرنس منعقدہ مراکش میں استعمال کی گئی، جس کا عنوان تھا (1) "Adaptation of administration to different socio-cultural context"

تجربات نے ثابت کیا ہے کہ امریکہ اور یورپ کے نظمیاتی ماڈل جو ہری خصوصیات کے اعتبار سے ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان کا فلسفہ زندگی، مقصد حیات، اخلاق، اقدار اور مذہب کے بارے میں اجتماعی سوچ اور تہذیب و ثقافت یکساں ہے۔ اس لئے ان ماڈل کو روپ عمل لانے سے تقریباً ایک جیسے نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس ترقی پذیر ممالک بالعموم اور مسلم ممالک بالخصوص جب ان کی ہو بہو نقلی کرتے تو اس کے نتائج بالکل الٹ نکلتے ہیں۔ جو انتظامی طور طریقے انہیں ترقی سے ہمکنار کرتے ہیں وہ ہمیں تنزیل سے دوچار کرتے ہیں۔ Ruth Green Wald نے بالکل بجا کہا ہے

"Productivity Improvements strategies developed in United States may not be applicable in Asia because they do not take into consideration differences in the number of constraints, The nature of the constraints and the length of time required for implementation" (2)

ممالک کیلئے ایسی اجنبی ماڈل کا نفاذ اور مغربی اور سیکولر تصورات کی غلامانہ پیروی کے جاہل نتائج سے بچنے کی یہی صورت ہے کہ ہم جدید نظمیاتی آلات اور فنی طریقوں سے اس طرح فائدہ اٹھائیں کہ ہمارے اپنے قومی و ملی مقاصد کا حصول ممکن ہو۔ ہمارے معاشروں اور ملکوں میں امن و استحکام آئے، ہماری اپنی تہذیب و ثقافت پروان چڑھے اور ہم دینی، اخلاقی، روحانی، سیاسی، سماجی اور معاشی اعتبار سے ترقی کر سکیں۔ ہمیں زیادہ تر ننھا اپنی دینی اقدار، تاریخی روایات اور انتظامی تجربات پر کرنا ہو گا ورنہ اس کے ساتھ اپنے مقامی حالات اور ماحول کو بھی سامنے رکھنا ہو گا۔ ان قیوں کے دانشمندانہ اشتراک ہی میں ہمارے مسائل کا حل ہے۔

اسلامی ایڈمنسٹریشن اور مینجمنٹ کی ذمہ داریاں بہت زیادہ وسیع ہیں ان میں لوگوں کے انفرادی و اجتماعی روحانی و مادی، دنیوی و اخروی فلاح و بہبود کے تمام تقاضے بھی شامل ہیں اور پورے دین پر عمل کرنا اور کرنا اس کیلئے تمام ضروری طریقے اختیار کرنا اور اجتماعی ماحول فراہم کرنا ان کا لازمی حصہ ہے۔ یہاں Man کی مینجمنٹ سے مراد لوگوں کو محض اپنے انتظامی مقاصد کیلئے استعمال کرنا نہیں بلکہ ان کے فکر و دہن اور خلاق و کردار کی تربیت، ان کی شخصیت کی تعمیر، ان کی صلاحیتوں اور اہلیوں کی نشوونما و ان کا جائز استعمال اور تنظیم مقاصد کو ان کے اپنے مقاصد بنادینا اور ان کے حصول کو اخلاقی، دینی، پیشہ ورانہ اور قومی فرص کے طور پر انجام دینے کا جذبہ پیدا کرنا ہے۔ Money کی مینجمنٹ سے مراد اس کو اٹھانے اور قوم کی امانت سمجھ کر استعمال کرنا اس کی پیدائش میں اسلامی اور اخلاقی اصولوں کی

پادشہی کرنا اس کے حصول میں حلال و حرام کے اسلامی ضابطوں اور ملکی قوانین کا احترام کرنا اور غیر قانونی خالصت اور باطل طریقوں سے اجتناب کرنا۔ اس کے صرف میں ذاتی مفادات، اسراف و تبذیر، ضیاع سے بچنا اور اس کے تقسیم و چھوٹے میں عدل و انصاف اور صلاح و احسان کے طریقے اختیار کرنا ہے۔ مالی منصوبہ بندی، بجٹ سازی اور اکاؤنٹنگ کو شفاف اور دیانتداری کے تقاضوں کے مطابق **Materiality** کے معیار سے مراد تمام قومی ذرائع و وسائل کو جس قدر ممکن ہو ترقی دینا ان کے منصوبہ بندی، حکمت اور دانشمندی سے زیر استعمال لانا، قومی، ملکی اور ملی مقاصد کی تکمیل کیلئے انہیں صرف کرنا اسلامی حدود و قیود کے اندر رہتے ہوئے ان کے انتظام و انصرام کرنا۔ علیٰ ہذا القیاس ہم ایڈمنسٹریشن کے تمام اصولوں اور طریقوں کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں فرد غ دے کر ایک ایسا جدید اور ترقی یافتہ ماڈل وضع کر سکتے ہیں جو ہماری ضروریات کو بھی پورا کرے اور جدید سیکولر ماڈل کا بہترین متبادل ہو۔

۷۔ آغاز و ارتقاء

پبلک ایڈمنسٹریشن باضابطہ علم کے طور پر اگرچہ گزشتہ صدی کی آخری ایجاد ہے، لیکن عملی طور پر یہ اتنا ہی قدیم ہے جتنا خود انسان۔ غاروں میں بسنے والے انسانوں نے کچھ انتظامی امور کو اپنے اندر میں سرانجام دیا۔ مثالیہ کہ گھر کا سربراہ اپنے دائرہ کار کا ایڈمنسٹریٹر ہو تا تھا۔ یہی بات قبائلی سربراہوں اور ہمسایوں کے بارے میں بھی صحیح ہے، جنہوں نے آج تک بہت سے انتظامی فنکشن سرانجام دیئے ہیں۔ ان دنوں ایڈمنسٹریشن کی دو شکلوں یعنی پرائیویٹ اور پبلک کا فرق نہیں ہو تا تھا۔ یہ تفریق اس وقت پیدا ہوئی جب شہروں اور قصبوں میں منظم زندگی کی مختلف شکلیں رونما ہو کر شروع ہوئیں۔ اغلب یہ ہے کہ سربراہ مملکت کے ساتھ جو سب سے پہلا ایڈمنسٹریٹر ہو تا تھا وہ ٹیکس وصول کرنے والا ہو تا تھا۔ وہ بادشاہ یا امیر کی وزارت کا رکن اور سربراہ ریاست کا نہایت قریبی تعلق دار ہو تا تھا۔ اس کا کام نہایت اہم ہو تا تھا جب تک کہ وہ تمام واجبات و محصولات وصول نہیں کر لیتا تھا جو اس تحفظ کا معادضہ ہوتے تھے جو بادشاہ کے زیر سایہ میسر ہو تا تھا۔ بادشاہ کا یہ فرض تھا کہ وہ گروپ کے اندر نظم و ضبط قائم رکھے اور بیرونی خطرات و حملوں سے حفاظت کرے<sup>(۱)</sup>۔

پرائیویٹ کے ارتقاء اور قدیم بادشاہوں اور سلطنتوں کی تعمیر و ترقی کے دوران پبلک ایڈمنسٹریشن کے اندر ایک فرق پیدا ہوا۔ یہ علاقائی، مرکزی اور مقامی ایڈمنسٹریشن کے درمیان تھا۔ سماجی زندگی جب مزید پیچیدہ ہوئی تو بادشاہ پر مختلف فرائض اور کاموں کا بوجھ بڑھ گیا تو اس نے اپنے اختیارات وزارت کو تفویض کر دیئے۔ ان امور کو ریاست اور اس کے بنیادی امور کے بارے میں معمولی نوعیت کی ذمہ داریاں سونپی جاتی تھیں۔ وہ اپنے وقتوں میں اپنی انتہائی اپنے معادین کو سونپ دیتے تھے۔ سماجی کے بقول جدید پبلک سروس کے وہی بادا آدم تھے<sup>(۲)</sup>۔ یورپی ممالک میں جہاں جاگیر داری نظام قائم ہوا وہاں علاقے کا جاگیردار ہی اپنے علاقے کے سپاہ و سفید اور انتظامی معاملات کا ذمہ دار ہو تا تھا۔ ہر قسم کی انتہائی اختیار اسے حاصل ہو تا تھا اور بادشاہوں کی طرف سے اسے مکمل پشت پناہی ہوتی تھی۔ دگ طوعا کرہاں کا ہر حکم ماننے کے پابند ہوتے تھے کیونکہ ان کے کارندے جبر و تسلط کے نظام کے محافظ ہوتے تھے۔ اس طرح کوئی باقاعدہ انتظامی ادارے معرض وجود میں نہ آ سکے۔ اہل عرب کے ہاں منظم و مربوط زندگی کا فقدان تھا۔ متعدد تہذیبی، سیاسی، سماجی اور جغرافیائی عوامل کے نتیجے میں وہ اپنے اپنے قبائل کے ساتھ اس قدر منسلک تھے کہ کسی بالاتر سیاسی و انتظامی نظام کے تحت رہنا ان کیلئے ممکن نہیں تھا۔ قصی نے اہل قریش کے انتظامی امور کو قبائل میں تقسیم کر کے ان کے مرکزی اتحاد کو قائم کیا جسے اس وقت اپنی گہری روایت پرستی کی بناء پر اسلام کے علو سے قبل تک قائم رکھا۔ اللہ انہوں نے باہمی مشاورت کیلئے ”وہ اندوہ“ کے نام سے ایک مرکز قائم کیا جہاں اہم انتظامی فیصلے کئے جاتے تھے<sup>(۱)</sup>۔

اسلامی عہد اپنی کارکردگی 'نئے انتظامی رجحانات' 'عوامی شراست' 'سادگی' 'جمہوری طرزِ رائڈ منسٹریشن' 'اخلاقی اقدار کی آمیزش' 'نفسیاتی طرزِ عمل' 'ماحول سے مطابقت' 'ماقبل کے انتظامی تجربات سے استفادے' 'فعالیت و مستعدی' 'تساوی و مساوات کی فوقیت' 'عدل و انصاف کے اعلیٰ اصولوں کی پاسداری' 'اہلیت و صلاحیت کے فرد' 'تجربہ جزی کے ہدف' 'تحقیقی و ترقیاتی نظریہ کے قیام کے اعتبار سے نہایت منفرد اور مثالی تھا۔ رسول اکرم ﷺ خود ایک اعلیٰ و اکمل منتظم و مدیر تھے۔ آپ نے نہایت حکمت و دانشمندی کے ساتھ ایک ہمہ گیر انقلاب برپا کیا۔ انتہائی محدود مادی و انسانی وسائل کے ذریعے حسن تدبیر سے اعلیٰ ترین مقاصد کے حصول میں کامیابی حاصل کر کے دکھائی۔ جماعی سرگرمیوں کی تنظیم و ترتیب 'افرو کو رہنمائی' 'مربوطی' 'دیکھ بھال' 'نظمی اور کنٹرول کے فن میں آپ کا کوئی ہائی نہیں۔ معاملات کو حسبِ نشاء ڈھالتے 'ماحول کو مقاصد کیلئے سازگار بنانے' 'امکانی خطرات و نقصانات کا اندازہ لگانے' 'قبل از وقت پیش بندی کرنے' 'بہرمت و تنظیم سے وابستہ تمام دلوں کو انس و محبت کے رشتے میں پروانے ان کے دلوں میں گھر کرنے' انہیں معاملات میں شریک کرے اور مطلوبہ نصب العین کی خاطر جان 'مال' 'داد' 'خواہشات و تقصیبات' آرام و سکون اور سب کچھ قربان کر دینے کیلئے آپ نے اپنے صحابہ کرام کو جس طرح تیار کیا ان کی مثالیں پڑھ کر دنیا بھر رہ جاتی ہے۔ اس طرح آپ نے ترقیاتی نظریہ (Development Administration) کا آغاز کیا اور زندگی کے ہر شعبے کو ترقی کی شاہراہ پر گامزن کر دیا۔ آپ نے انتظامی اصول و قوانین کا تعین کیا 'طریق کار کی بنیادیں فراہم کیں' 'سادہ نوعیت کے انتظامی ادارے قائم کئے' 'عامہ (Executive) کے ہلکاروں' 'اہل حل و عقد' 'دونوں اہل شوری کے اوصاف کی نشاندہی کی اور انتظامیہ (Public Administration) کے افسران مثلاً والیوں (Governors) 'عاطلوں (Tax Controllers) 'قاضیوں (Judges) اور فوجی سالاروں (Military Commanders) کا تقرر کیا۔ اس میں جس باتوں کا خیال رکھا وہ بہترین، انتظامی مشینری کیلئے آج بھی رہنمائی فراہم کرتی ہیں۔ آپ نے پالیسی سازی، منصوبہ بندی، فیصلہ سازی، عملے کی ترقی و تربیت کیلئے جو نظام و ڈھانچہ وضع کیا وہ مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ نے ایک تبدیلی متعارف کرائی اور تعمیر و ترقی کے جذبے کو جوش دے کر 'ہمت' 'کوہِ بطور' 'تعلیمی ادارہ' 'منظم و متحرک کر دیا' 'کی دور میں آپ کی پالیسی و حکمت عملی 'ہجرت مدینہ کی منصوبہ بندی' 'مہاجرین کی آباد کاری' 'مدینہ کی شہری دیاست کے امن و امان کو قائم رکھنے اور حفاظت و دفاع اور بنیادی انسانی حقوق اور ان کی ادائیگی کے طریق کار کے تعین میں بیٹاق مدینہ کا کوئی جواب نہیں۔ آپ کی مصطفیٰ 'زرعی' 'تجارتی' 'عدالتی' 'سیاسی' 'اخلاقی' 'قانونی' 'تعلیمی' 'سائنسی' معاملات میں پیش رفت اور پالیسیاں نہایت دانشمندانہ تھیں۔

عہدِ خلافتِ راشدہ میں حضرت عمر فاروقؓ کا دور بطور خاص اہم ہے۔ آپ کو رسول اکرم ﷺ کے بعد اسلامی رائڈ منسٹریشن کا جواہر اعلیٰ کہا جاتا ہے۔ آپ اسلامی ریاست و تہذیب کے ابتدائی معمروں میں سے تھے۔ آپ نے مشرق و مغرب کی قدیم بادشاہتوں کو فتح کر لیا جو فارسی و رومی تھیں 'آپ نے ترقی و جدیدیت کو پروان چڑھایا۔ اسلام کے احکامات، دور نبی کریم ﷺ کی سنت و اسوہ کی روح اور بنیادی اقدار پر ایک واضح انتظامی ڈھانچہ استوار کیا 'جو آپ کی اجتہادی بصیرت کا شاہکار ہے' (۱)۔ بعد کے ادوار میں مسلمانوں نے دنیا کے ہر گوشے میں جہاں جہاں انہیں موقع ملا سیاسی و انتظامی معاملات میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں (۲)۔ مسلمانوں کے سیاسی و تہذیبی زواہل کے بعد اقوامِ مغرب نے اپنے غلبہ و تسلط کے دور اہل رائڈ منسٹریشن کے اپنے انداز اور طریقوں کو رائج کیا اور اپنی نوآبادیاتی و سامراجی ضرورتوں کے پیش نظر ترقی پذیر ممالک میں بالعموم اور اسلامی ممالک میں بالخصوص 'تکملہ' 'جابرانہ اور شاطرانہ طرز اختیار کیا اور جاتے جاتے اپنے پیچھے ایک ایسے غمرانِ جہد اور انتظامی مشینری چھوڑ گئے جو ابھی تک ان کے مقابل و جہر و کا ہیں۔

## ۸۔ پبلک ایڈ منسٹریشن کی نوعیت

پبلک ایڈ منسٹریشن نوعیت کے اعتبار سے مختلف پہلوؤں پر مشتمل ہے جو حسب ذیل ہیں

(الف) بطور فن (Art):

فن دراصل فنی معلومات اور مہارتوں کے کامیاب استعمال اور اصولوں اور ضابطوں کے عملی اطلاق کو کہتے ہیں۔ اس اعتبار سے پبلک ایڈ منسٹریشن کو بھی مثبت نتائج کے حصول کی ایک بہترین کوشش قرار دیا جاسکتا ہے۔ ”یہ دراصل گورنمنٹ کے اداروں کی مشینری کو صحیح کرے اور صحیح طور پر چلائے رکھنے کا فن ہے۔ اس کا ایک اور فنی پہلو یہ ہے کہ حکومت کی پالیسیوں کو تدریجاً بروہکت سے نافذ کیا جاتا ہے اور ان سے مطلوبہ نتائج حاصل کئے جاتے ہیں“<sup>(۱)</sup>۔ ”ایڈ منسٹریشن کے مختلف تصورات و نظریات کو عملی طور پر پرکھا جاتا ہے اور انتظامی مسائل کا حل تلاش کیا جاتا ہے۔ یہ اس کے فن ہونے کی حیثیت ہے کہ دورِ جدید میں سب سے بڑی سرینسی ادارے معرض وجود میں آچکے ہیں جن کا بنیادی مقصد انتظامی مہارتوں اور قابیلیوں کو پرواں چڑھانا ہے۔ اس لئے Pfiffner کی یہ بات بجا ہے کہ ”یہ بالکل واضح ہے کہ آج کل کی پبلک ایڈ منسٹریشن اصولی طور پر ایک فن (آرٹ) ہے جس میں مفید مہارتوں اور فنی طریقوں کی دریافت اور ان کا اطلاق شامل ہے۔ یہ مائندہ بازی کی وضع کردہ پبلک پالیسیوں کے نفاذ میں مددگار ثابت ہوتے ہیں“<sup>(۲)</sup>۔ لیکن اس کے ان فنی پہلوؤں کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ اسے مکمل طور پر فن قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ اس کے طے شدہ ضابطے ہر وقت ہر جگہ مطلوبہ نتائج نہیں دے سکتے۔ اسے صورت حال کے مطابق ڈھانا پڑتا ہے۔

(ب) بطور سائنس:

دورِ جدید سائنس کا زمانہ کہلاتا ہے اس لئے مغربی مفکرین میں اکثر یہ خیال ہوتا ہے کہ اپنے اپنے شعبہ ہائے علم کو سائنسی قرار دینے کی کوشش کریں، مگر یہ وہ بنیادی طور پر سائنسی علوم ہوتے ہیں۔ یہی رویہ ہمیں پبلک ایڈ منسٹریشن کے بارے میں بھی ملتا ہے۔ سائنس سے مماثلت و اختلاف کے حسب ذیل پہلو ہیں۔

(ج) مماثلت:

۱۔ سائنس کی طرح س میں بھی تجربات و مشاہدات کے ذریعے نتائج کی تلاش کی جاتی ہے۔

۲۔ اس میں بھی نتائج کی ترتیب سے کچھ عامگیر قوانین اور کلیات تک پہنچا جاسکتا ہے۔

۳۔ اس میں بھی صحیح علم اور واضح اصولوں کا ایسا قابل عمل وسیع تیار کیا جاسکتا ہے جس کے اطلاق سے حسب توقع نتائج برآمد ہوں۔

(د) اختلاف:

۱۔ سائنس کا تعلق مادے سے ہے جو فطرت کے اہل اصولوں پر عمل کرتا ہے۔ ایک جیسے ماحول میں اس کا عمل ایک جیسا ہوتا ہے جبکہ ایڈ منسٹریشن ایک

سوشل سائنس ہے اس کا تعلق انسانوں سے ہے جو الگ الگ انفرادیت، خصوصیات اور جذبات و احساسات رکھتے ہیں۔

۲۔ سائنس کا سائنسی اقدار و نظریات سے تعلق نہیں ہوتا جبکہ ایڈ منسٹریشن ان دونوں چیزوں کو نظر انداز کر کے ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتی۔

۳۔ مادے کا تو سائنسی تجربہ ممکن ہے لیکن انسانی رویے کو کبھی بھی سائنسی تجربے کے ذریعے نہیں پرکھا جاسکتا۔

اسی انتظامی کارکردگی کو جانچنے کے درست پیمانے اور معیارات میں ابھی تک صحیح طور پر متعین نہیں کی جاسکیں صرف اس بارے میں اندازے ہی لگائے جاسکتے ہیں۔

اس نے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سائنسی طریق کار سے استفادے کی کوششوں کے باوجود یہ بنیادی طور پر ایک سائنس ہے اور اسے رہنا چاہئے اسے طبعی و قطعی علم بنانے کی خواہش ایک خوشنما خواب کی طرح ہے<sup>(۱)</sup>۔

(ر) بطور باضابطہ علم (Discipline)۔

پبلک ایڈمنسٹریشن دور جدید میں ایک باضابطہ علم کے طور پر اپنی حیثیت منو اچکا ہے اور عہد حاضر کے گونا گوں مسائل کی وجہ سے اس کی اہمیت و افادیت میں اضافہ ہو رہا ہے اور دیگر بے شمار سوشل سائنسز کو پیچھے چھوڑ گیا ہے۔ اب استحکام و ترقی کی ساری پیش رفت صرف اس کے ذریعے ممکن ہے۔ دنیا بھر کی اہم یونیورسٹیوں میں بہت مقبول شعبہ علم بن چکا ہے۔ اسے پڑھنے والے طلبہ کی پبلک اور پرائیویٹ دونوں سکھڑوں میں بھرپور ضرورت ہے۔ اسے ایک الگ علم کے طور پر سب سے پہلے 1887ء میں Woodrow Wilson نے امریکہ میں اپنے ایک مضمون "The Study of Public Administration" میں متعارف کرایا جس میں پہلی مرتبہ اس نے سیاسیات اور ایڈمنسٹریشن میں فرق کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اسے اس کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ بعد ازاں 1900ء میں F.J. Goodnow نے اس تصور کو ہنگ بڑھاتے ہوئے ایک کتاب لکھی جس کا عنوان تھا "Politics and Administration" جس میں اس نے لکھا کہ سیاسیات کی توجہ ریاست کی پالیسیوں یا اس کی مرضی کے اظہار پر مرکوز ہوتی ہے جبکہ ایڈمنسٹریشن ان پالیسیوں کی تعمیل سے تعلق رکھتی ہے۔ اس طرح اسے سیاسیات کے اندر ہی ایک الگ علمی میدان کے طور پر شامل کیا گیا۔ 1937ء تک اس پر کئی کتب لکھی گئیں بعد ازاں 1948ء تک بے شمار کتب صنعتی تناظر میں لکھی گئیں اور اس کے اصول و ضوابط مرتب کئے گئے۔ Fayal نے اسے ایڈمنسٹریو سائنس کا نام دیا اور یہ کہا کہ اس کا تعلق صرف خدمات عامہ سے نہیں ہے بلکہ ہر سائز، شکل اور مقصد کی سرگرمیوں سے ہے۔ اس کی ہر شکل و شکل میں منصوبہ بندی، تنظیم، اقتدار، علم، مربوطی، کنٹرول شامل ہوتا ہے تاکہ صحیح طور پر کام کیا جاسکے۔ ہر کوئی ان عام اصولوں کا ضرور خیال کرتا ہے۔ علاوہ ازیں مختلف مفکرین نے اپنی اپنی سوچ کے مطابق پبلک ایڈمنسٹریشن کے اصول و ضوابط وضع کئے اور اس کے اغراض و مقاصد سے بحثیں کیں جنہیں 1938ء سے 1940ء تک یہ کہہ کر چیلنج کیا جانے لگا کہ یہ سائنسی و ہمہ گیر نہیں ہیں بلکہ ان کا تعلق الگ الگ ماحول، ثقافت، اقدار اور تاریخی پس منظر سے ہے۔ دوسری عالمی جنگ کی جواکاریوں نے حکومتوں کی ذمہ داریوں میں بے پناہ اضافہ کر دیا اور قوموں اور ملکوں کی تعمیر و ترقی کے لیے پناہ ضرورت نے انتظامی سطح پر نئے نئے تجربات کرنے اور طریقے اختیار کرنے پر مجبور کیا اور انتظامی اقدامات کے ذریعے ہر طرح کے بے شمار مسائل کو حل کرنے کی راہ بھائی جس کی وجہ سے اس علم میں خوب ترقی ہوئی۔ امریکہ میں باقاعدہ انتظامی پیشہ داران کی الگ انجمن قائم ہوئی جس میں منصوبہ بندی، پروگرام، بجٹ، عملے کے انتظام اور تنظیمی اصولوں کے ماہرین شامل کئے گئے اور اسے سیاسی انجمن سے الگ کیا گیا<sup>(۲)</sup>۔ بعد ازاں پبلک ایڈمنسٹریشن کے نظریے اور عمل کو آپس میں ملانے کا آغاز ہوا اسے سیاسی ماحول ہی کا ایک لازمی حصہ قرار دیا گیا۔ عالمی و ترقیاتی ایڈمنسٹریشن کے تصورات نے اہمیت حاصل کی۔

(س) بطور پیشہ

پبلک ایڈمنسٹریشن کے باضابطہ علم بننے کے ساتھ ہی اس کی طرف طلبہ کی توجہ مبذول ہوئی قومی و ملکی ضروریات نے مہمیز کا کام کیا ہے جس کی وجہ سے دور جدید میں باقاعدہ ایک پیشے کی شکل اختیار کر چکا ہے جو نہایت معزز اور باوقار سمجھا جاتا ہے۔ کھرباات و اختیارات، ملکی مقام اور منفعت رسائی اور پرکشش مفادات کی وجہ سے انتظامی و ترقیاتی اور قائدانہ صلاحیتیں رکھنے والے طلبہ کی ترجیح میں اسے پہلا نمبر حاصل ہے۔

## ○ فاروق اعظمؓ کا فلسفہ نظمیت عامہ:

فاروق اعظمؓ ایک مایہ ناز مفکر و مدبر کامیاب، متکلم اور طہورِ حُمران تھے۔ ایک وسیع و عریض سلطنت کے انتظام و انصرام کے سلسلے میں آپ کے سامنے جوئے نے بے شمار معادلات و مسائل آتے رہے، ان پر ہر وقت غور و فکر کرتے رہتے۔ اجتہادی مسائل کو اصحابِ شوریٰ کے سامنے رکھتے، کھل کر بحث و تحقیق کا موقع دیتے اور جب کسی بھی مسئلہ کے حل پر اطمینان اور یکسوئی حاصل ہو جاتی تو پوری دانشمندی سے اسے نافذ کر دیتے، لیکن بحیثیت مجموعی آپ کے انتظامی ہاڈا، انتظامی پالیسیوں اور اصول و طریق کار کی بنیاد آپ کے اپنے فہم اسلام اور اجتہادی بصیرت پر تھی۔ آپ معنف و فلسفی نہیں بلکہ ایک عملی انسان تھے اس لئے نظمیہ عامہ کے سلسلے میں آپ کا نظریہ و فلسفہ آپ کے خطبات، احکامات، عملی رویے اور پالیسیوں سے سترچا ہوتا ہے اس کے نمایاں پہلو حسبِ ذیل ہیں۔

”آپ سے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا ”اللہ کے احکام و ہیئت نالہ کر سکتا ہے جو نہ تو دوسروں کی نقالی کرے نہ مدہنت سے کام لے اور نہ ہی اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے چلے۔ اللہ کا حکم وہی شخص نافذ کر سکے گا جس کے ذہل میں کبھی پانی کی کمی نہ پڑے اور جو حق کے معاملے میں اپنی پارٹی سے بھی نرمی نہ برتے“ (۱)۔ ”ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی نے ”ذہل میں کمی نہ پڑنے“ کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ عربی محاورہ ہے جس سے دریا دلی، فیاضی اور وسیع القلبی کی صفت ظاہر کی جاتی ہے۔ ایک دوسرے ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے ”جس کی قوت کار کبھی انحصار کا شکار نہ ہو۔“ آپ نے اپنے اس قول میں اسلامی ایڈمنسٹریشن کی سب سے بڑی ذمہ داری یعنی احکامِ خداوندی کے نفاذ کی نشاندہی کی ہے جو ایک سیکورائیزیشن سے منفرد و ممتاز ہے اور دوسری طرف ان اعلیٰ انتظامی اصولوں پر روشنی ڈالی ہے جو کامیابی کی ضمانت فراہم کرتے ہیں۔ نقالی کرنے والا کبھی حالات و وقت کے تقاضوں کے مطابق نئے اور اجتہادی طریقے اختیار نہیں کر سکتا۔ وہ ہمیشہ روایتی اور فرسودہ طریقوں پر تکیہ کی پروا کے بغیر بلا سوچے سمجھے گامزن رہتا ہے۔ مدہنت سے کام لینے والا مختلف افراد اور گروہوں کے متضاد اور متقابل مقاصد و ہوا کے آگے ڈانواں ڈوس رہتا ہے اور کبھی بھی منصفانہ اور جرأت مندانہ اقدام نہیں کر سکتا۔ اپنی نفسانی خواہشات کا اسیر پوری تنظیم اس کے ماحول اور اس کے مستقبل کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ کجگوں اور کمزور تنظیم و مسائل کی منجھنت اور مقاصد کے حصول میں ناکام ثابت ہوتا ہے اور حق کے معاملے میں اپنے خاندان، قبیلے، پارٹی سے امتیازی سلوک کرنے والا پبلک ایڈمنسٹریشن کی ساکھ، اپنی منہمی ذمہ داری اور عوام کے اعتماد کو سخت نہیں پہنچاتا ہے۔ ایک آدمی نے آپ سے پوچھا ”امیر المؤمنین میرے لئے یہ زیادہ بہتر ہے کہ خدا کی رلا میں کسی ملامت کرنے والے کی لعن طعن کی پروا نہ کروں یا اپنی تمام توجہات اپنے ہی نفس کی صدمہ پر مرکوز رکھوں؟“ آپ نے جواب دیا ”جو شخص کسی درجہ میں مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کا سربراہ کار بنادیا گیا ہو اسے تو رولہ خدا میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرنا چاہئے اور جس کے سر یہ ذمہ داری نہ ہو اسے چاہئے کہ اپنی اصلاح کی فکر کرے اور اپنے حکمران کا خیر خواہ رہے“ (۲)۔

آپ اسلامی نظمیہ عامہ کے کردار اور عمل کو دین کی سرچندہ اور سرفرازی کیلئے وقف کرنا چاہتے تھے۔ اس کے ہر انتظامی تقاضے کو پورا کرنا اس کا بنیادی فرض سمجھتے تھے کیونکہ وہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہے اس کے بعد حکومت اور عوام کے سامنے۔ ایک مرتبہ عوام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ”حکمران کو اپنی رعایا کے ضمن میں سب سے زیادہ اہتمام ان دینی اعمال کے سلسلے میں کرنا چاہئے جو ان پر اللہ کا حق ہے اور جن کی طرف اللہ نے اس کی رہنمائی فرمائی ہے۔ ہماری ذمہ داری صرف اتنی ہے کہ ہم تم کو اللہ کی اطاعت کا حکم دیں جس کا اس نے تمہیں حکم دیا ہے اور اس نافرمانی سے روکیں جس سے اس نے تمہیں منع



فرمایا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم دور و در یک کے تمام لوگوں پر اللہ کا حکم نافذ کریں، اس کی مطبق پرمانہ کریں کہ حق کس کے خلاف پڑتا ہے<sup>(۱)</sup>۔ انہوں نے اپنا لقب امیر المومنین اختیار کر کے بھی منصب خلافت کے دینی تشخص کو اجاگر کیا وہ اسے رعایا کی خدمت و فلاح کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے نام ایک خط میں لکھا ”سب سے زیادہ سعادت مند حکام وہ ہوتے ہیں جن کی وجہ سے رعایا خوشحال اور فارغ اسال ہوتی ہے۔ اس کے برعکس وہ لوگ بہت ہی شقی ہوتے ہیں جو انسانی معاشرے کو مصائب و آلام سے دوچار کر دیتے ہیں۔ یاد رکھو تم گمراہ ہو گئے تو تمہارے عمال بھی گمراہ ہو جائیں گے۔ پھر تمہاری مثال ان ہانم کی ہو جائے گی جو صحرا میں سبزہ زار دیکھتے اس طرف مڑ جاتے ہیں اور یہی چیز ان کی ہلاکت کا باعث بنتی ہے“<sup>(۲)</sup>۔ ”آپ کے نزدیک جس طرح انسان کے انفرادی عمال کا رد و رد نیت پر ہے اسی طرح ایک ختنم کی نیت بھی انتظامی معاملات میں بہتری یا خرابی کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے نام ایک دور خط میں لکھا ”جس شخص کی نیت خالص ہوگی اس کا وقار قوم کے اندر برقرار رہے گا اور اس معاملے میں اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا۔ تاہم ریاکار کے دل کے تمام بھید اللہ کو معلوم رہتے ہیں۔ ریاکاروں کیلئے اللہ کی رحمت کے خزانے بند رہیں گے“<sup>(۳)</sup>۔

آپ یہ سمجھتے تھے کہ پبلک ایڈمنسٹریشن سے وابستہ اہلکاروں کو کسی معاملے میں ایسا طریق کار اختیار کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا جو کسی شخص کی جان ضائع کرنے کا باعث بن جائے۔ ان کی توفیادی ذمہ داری ہی یہ ہے کہ ایسی حکمت عملی اختیار کریں جو لوگوں کو تحفظ فراہم کرے۔ مگر کوئی شخص جان بوجھ کر ایسے طریق کار اختیار کرتا ہے تو وہ اس کا پوری طرح ذمہ دار سمجھا جائے گا۔ زید بن وہب سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ ہر نکلے اس حال میں کہ آپ کے ہاتھ کانوں پر تھے اور باؤ باز بلند کہہ رہے تھے ”حاضر ہوں حاضر ہوں۔“ لوگوں نے پوچھا کہ ابھیں کیا ہوا؟ کسی نے بتایا کہ انہیں اطلاع ملی ہے کہ کسی علاقے سے کوئی میر دور خوئی گزر رہے تھے کہ درمیان میں نہر آگئی کشتیاں موجود نہیں تھیں۔ امیر نے کہا کوئی شخص بلا وجہ پانی کی گہرائی کا پتہ لگا سکے چنانچہ ایک بوزہ شخص مایا گیا مگر اس نے کہا کہ مجھے سردی لگ جانے کا خوف ہے لیکن امیر نے اسے مجبور کر کے پانی میں اتار دیا۔ وہ پانی میں اترا تو اسے سردی نے آلیا وہ پکارنے لگا ”عمر کہاں ہیں؟ عمر کہاں ہیں؟ جو مجھے بچائیں وہ اسی حالت میں غرق ہو گیا۔“ حضرت عمرؓ نے اس میر کو آنے کا حکم بھیجا وہ بھیجا تو حضرت عمرؓ اس سے کئی روز تک اعراض برتتے رہے۔ جب کسی سے ناراض ہوتے تھے تو یہی رویہ اختیار کرتے تھے۔ بعد ازاں اس امیر سے آپ نے پوچھا کہ ”اس شخص کا کیا قصور تھا جسے تم نے مار ڈالا؟“ اس نے کہا ”امیر المومنین میں نے اسے عمد نہیں مارا۔ دراصل ہمارے پاس دریا عبور کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا اور ہم پانی کی گہرائی معلوم کرنا چاہتے تھے۔ اس کے بعد ہم نے اس قدر فتوحات حاصل کی ہیں اور تھمال غنیمت ملا ہے۔“ اس پر آپ نے فرمایا ”ایک مسلمان میرے لئے ان تمام چیزوں سے زیادہ قیمتی ہے مگر مجھے یہ ذرہ ہوتا کہ میرا بیا کرنا سنت میں جائے گا تو میں تیری گردن اڑا دوں گا۔“

حضرت عمر فاروقؓ ایڈمنسٹریشن میں قربا پوری کے سخت مخالف تھے۔ اسے سماجی روح اور حکمت عملی کے خلاف سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا ”دقی پسند و قرابت کی بنیاد پر منصب سوچنے والا اللہ اس کے رسوں و مومنین سے خیانت کرتا ہے“<sup>(۵)</sup>۔ ”ایک مرتبہ اہل کوفہ کے بارے میں پریشاں تھے کہ اگر نرم حاکم بھیجتا ہوں تو گستاخیاں کرتے ہیں اور اگر سخت آدمی بھیجتا ہوں تو شکایت۔ ایک شخص نے کہا کہ ”آپ چاہیں تو اس مقصد کیلئے قوی و مین اور فرمانبردار (مسلم) شخص کا نام سے مل سکتے ہوں؟ پوچھا ”وہ کون ہے؟“ اس نے آپ کے بیٹے کا نام لیا کہ عبد اللہ بن عمرؓ۔ جواب دیا ”اللہ تجھے ہاک کرے تو نے اس سے اللہ کی خوشبودی نہیں چاہی“<sup>(۶)</sup>۔ ”آپ محض عرب کے مخصوص حالات کی بنا پر نہیں بلکہ ہر دور میں سرکاری ایڈمنسٹریشن اور منجسٹ میں اقربا پوری کے مہلک اثرات

کا صحیح شعور رکھتے تھے۔ آپ کو سرحدت تک اس کا احساس رہا چنانچہ شہادت سے قبل مکہ، حلفاء، حضرت عثمان اور حضرت علیؓ کو یہی نصیحت فرمائی کہ ”اگر لوگ آپ کو حیدر منتخب کریں تو اپنے خاندان والوں کو ان کی رُخسوں پر مسلط نہ کر دینا“<sup>(۱)</sup>۔ ”عہد عثمانی میں خوناک فتنے کے، سباب میں سب سے بڑا سبب اقربا پروری کا یہی تاثر تھا۔ دور جدید میں بھی حکومتوں کے عدم استحکام، ساکھ کی بحرویت اور حکومت و عوام میں اعتماد کے فقدان کی بڑی وجہ بھی یہی ہے کہ یورو کریسی اقرباء پروری کا ایک ادارہ اور طبقہ بن چکی ہے جس کی بنا پر اس کے فیصلے بے اثر ہیں اور عوام میں طاعت کا جذبہ مفقود ہے۔ آپ نے ایک مرتبہ اپنے ایک عامل حضرت عقبہؓ کو خط لکھا ”تم لوگوں کو ظلم سے بچاؤ، تقویٰ اختیار کرو اور ڈرتے رہو! یہ نہ ہو کہ لغات و سرکشی کی وجہ سے تمہیں روال آجائے۔ اللہ اس وقت تک تمہارے ساتھ رہے گا جب تک تم اللہ کے عہد پر قائم رہو گے۔ اس لئے تم اللہ کے عہد کو پورا کرو اور اس کے حکام کی سختی سے پابندی کرو وہ تمہارا حامی و مددگار رہے گا“<sup>(۲)</sup>۔

آپ کے نزدیک اسلامی نظام حکومت میں مقتدر لوگوں کی طاعت کا عوام میں جذبہ پیدا کرنے والا چیز شریعت کی طاعت ہے۔ حضرت حسن سے مروی ہے کہ ”آپ نے فرمایا ”رعیایا ام کے حقوق اس وقت تک ادا کرتی رہتی ہے جب تک وہ اللہ کے حقوق ادا کرتا رہتا ہے۔ جب امام عیش کرنے لگتا ہے تو وہ بھی عیش کرنے لگتے ہیں“<sup>(۳)</sup>۔ ”ایک مرتبہ فرمایا ”لوگ اس وقت تک مسلسل درست رہیں گے جب تک ان کے ہادی و پیشوا درست رہیں گے“<sup>(۴)</sup>۔ ”آپ کا یہ معمول تھا کہ اپنی حکومت کے اہلکاروں کو اسلامی نظریہ عامہ کے روح و فلسفہ اور اس کے تقاضوں سے سمجھا کرتے رہتے تھے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری کے نام ایک خط میں لکھا ”ما بعد کاموں میں زور (روانی) باقی رکھنے کا یہی طریقہ ہے کہ آج کا کام کل پر نہ ڈال جائے۔ اگر ایسا کیا گیا تو تمہارے سامنے کاموں کا ڈھیر لگتا چلا جائے گا اور تمہیں یہ سمجھ نہیں آئے گی کہ ان کاموں میں سے کن کو پہلے کیا جائے۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ کام بگاڑو گے اور امیر کے تمام کام اس وقت تک پوری طرح سرانجام پاتے ہیں جب تک وہ اللہ عزوجل کے احکام کی پیروی کرتا رہتا ہے۔ جب وہ خود حدود و فراموشی اور ناحق کارروائیاں کرنے لگتا ہے تو ماتحت بھی دیباہی کرتے ہیں اور دیکھو لوگوں کے دلوں میں برسرِ قدر طبقہ کے بارے میں ایک نفرت کی پیدا ہو جاتی ہے خدا تمہیں اس کیفیت سے اپنی پناہ میں رکھے۔ اس سے دلوں میں کینے پیدا ہو جاتے ہیں اور دنیا کو ترجیح دی جاتی ہے اور خواہشات نفس کی پیروی کی جاتی ہے لہذا تم حق کو قائم کرنے میں کوشاں رہو! خواہ دن کی ایک ہی ساعت نصیب کیوں نہ ہو“<sup>(۵)</sup>۔

اس فرمان میں ایک طرف نظریہ عامہ کے نہایت ہم سمائی اصول و حدیث و مستندی کا حکم دیا گیا ہے اور اس کی حکمتوں کی وضاحت کی گئی ہے۔ احکام الہی کی پیروی، ماتحتوں کیسے قابل تقلید مثال پیش کرنے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور دوسری طرف حکمرانوں کے خلاف پیدا ہونے والی نفرت کے برے نتائج سے بچنے کی تدبیر یہ بتائی گئی ہے کہ اہل اختیار کو جو بالفاظ کام کرنے اور عوام سے نفرت کرنے اور خواہشات نفس کی پیروی کرنے کے بجائے ہر حال میں حق کو قائم کرنے کیسے کوشاں رہنا چاہئے کیونکہ یہی ان کا فرض منصبی ہے۔ ان کا یہ کام ہے کہ وہ اپنے کردار کے ذریعے لوگوں کی نفرتوں کو محبتوں اور چاہتوں میں بدل لیں۔ ایک خط میں فرمایا ”لوگوں کی چاہت میں ہی اللہ کی چاہت ہے۔ اللہ کی چاہت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ تم نے لوگوں کو کیا فائدہ پہنچایا۔ جتنا زیادہ لوگوں کو فائدہ ہو گا اللہ تعالیٰ اتنا زیادہ انعام دے گا“<sup>(۶)</sup>۔ ”حضرت عمرؓ تنظیم کے اہلکاروں کے مرکزی رول کے قائل تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ عوام انہی کے فکر و کردار کا عکس پیش کرتے تھے۔ چنانچہ ارشاد کیا ”لوگ اس وقت تک استقامت کی راہ پر گامزن رہتے ہیں جب تک ان کے امام اور رہنما استقامت اختیار کرتے رہتے ہیں“<sup>(۷)</sup>۔

(۱) سعد ۳: ۳۱۰، ص ۸۳۱، طبری ۱: ۱۹۲، سید ۱: ۵۷۹، (۲) طبری ۱: ۷۸، (۳) سعد ۳: ۲۹۲، (۴) ہب ۵، حدیث ۱: ۱۳۱، عید ۲: ۱۰۲

بیہمی ۱: ۱۳۵، (۶) حور سید ۲: ۲۹۹، (۷) حور سید ۱: ۱۹۸۔

وضع اور سامراجی نظاموں کے اس فلسفے کے برعکس کہ انسانوں کو کنٹرول کرنے کیلئے ضروری ہے کہ حکومتی اہلکاروں کا رعب و دہ پہ ہو ان کا اعلیٰ شیئس ہو۔  
 عوام سے آزادانہ میل جول سے اجتناب کریں ان سے فری ہونے کے بجائے ایک فاصلہ رکھیں۔ فاروق اعظم کا فلسفہ یہ تھا کہ وہ عوام میں سے ہیں اور انہیں کے  
 اندر رہنا چاہئے چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ جب کسی کو عامل مقرر کرتے تو ایک جسعت کو گواہ بناتے جو انصار اور کچھ لوگوں پر مشتمل ہوتی ان پر چار شرطیں عائد  
 کرتے۔ ترکی گھوڑے پر سوار نہیں ہوگا باریک کپڑا نہیں پہنے گا چھپنے ہوئے سنے کی روٹی (یعنی سفید روٹی) نہیں کھائے گا اپنا دروازہ بند کر کے دربار نہیں رکھے  
 گا<sup>(۱)</sup>۔ ایک مرتبہ انہیں خبر پہنچی کہ حضرت سعدؓ نے دروازہ کھولا ہے اب لوگوں کی آدھریں ان تک نہیں پہنچتیں تو انہیں پیغام بھیجا تو انہوں نے دروازہ کھولا  
 دیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہ کو ان کے پاس روانہ کیا جو حکام کے پاس جانے کیلئے ان کے سیر تھے۔ وہ سعد کے پاس پہنچے اور کمرے سے ان کا ہاتھ پکڑ کر باہر  
 لائے اور انہیں کہا کہ یہاں لوگوں کے درمیان بیٹھیں اس پر سعدؓ نے ان سے اپنے سابق رویے کی معذرت کی۔ عیاض بن غنم کو بھی اسی صاحبے کی خلاف ورزی  
 پر برطرف کیا<sup>(۲)</sup>۔ جب دور دراز علاقوں سے وفود آتے تو ان سے پوچھتے کہ کیا اس کا حکم یہاں کی عیادت کرتا ہے؟ اور غلاموں کی بات سنتا ہے؟ کمزوروں کے  
 ساتھ اس کا سوک کیا ہوتا ہے؟ کیا اس نے دروازے پر کوئی دربان تو نہیں رکھا ہوا؟ اگر کوئی اس کے برخلاف کرتا ہے برطرف کر دیتے<sup>(۳)</sup>۔

ایڈمسٹریشن کے بارے میں آپ کے اس نظریے کا اثر تھا کہ آپ عوام کے اندر رہتے ہر شخص ہر وقت ہر جگہ آپ سے بات کر سکتا تھا۔ چونکہ لگے پکڑوں کے  
 ساتھ گھومتے پھرتے تھے۔ قنادہ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ جب خیفہ تھے تو صوف کا جبہ پہنا کرتے تھے جس پر کپڑے اور چمڑے کے پوند لگے ہوتے تھے۔  
 لیکن جبہ پہنے ہوئے کندھے پر دروازے لٹکائے آپ مڈیوں میں پھر اگرتے تھے تاکہ آپ لوگوں کی سیاست کریں۔ راستے میں اگر آپ کو سیوس کے ٹکڑے اور مٹھیاں  
 ملتیں تو نہیں اٹھالیتے اور لوگوں کے گھروں میں ڈال دیتے تاکہ وہ ان سے کچھ فائدہ ٹھاکیں<sup>(۴)</sup>۔ آپ کے عہد مبارک میں فتوحات نے مسلمانوں کیلئے خوشحالی  
 کے دروازے کھول دیئے۔ پورے معاشرے کا معیار زندگی بہتر ہو گیا لیکن آپ نے فقر کی راہ پر گامزن یہاں تک کہ صحابہ کرامؓ نے متعدد مرتبہ منصوبہ بندی  
 کے ذریعے آپ کو اپنی حالت بہتر کرنے کی کوشش کی لیکن آپ نے رسول اکرم ﷺ کی زندگی اور حضرت ابوبکرؓ کے حالات و واقعات کے حوالے دے کر انکار  
 کر دیا<sup>(۵)</sup>۔ آپ کہا کرتے تھے کہ ”ہم مذات و عیش کی پروا نہیں کرتے اپنی لذات کو آخرت کیلئے باقی رہنے دیتے ہیں۔“ آپ جو کی روٹی کو زیتوں کے روغن سے  
 کھاتے تھے پہنے پرانے کپڑے پہنے رہتے اور اپنا کام خود ہی کرتے تھے<sup>(۶)</sup>۔

آپ کا انداز یہ تھا کہ نمود و نمائش اور فخر و تکبر کی ہر علامت سے اجتناب کرتے۔ فتح بیت المقدس کے دوران جو اس نے آپ سے کہا کہ آپ عرب کے بادشاہ  
 ہیں ان شہروں میں اونٹ مناسب جاں نہیں۔ اگر آپ ترکی گھوڑے پر سوار ہوتے اور موجودہ لباس کے علاوہ کوئی اور لباس پہننے تو روسیوں کی نگاہوں میں بڑی قدر  
 ہوتی<sup>(۷)</sup>۔ آپ نے فرمایا ”ہم یہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے سلام کے دریچے عزت دی ہے ہم اللہ کے سوا کوئی اور بدس نہیں چاہتے“<sup>(۸)</sup>۔ آپ غلاموں  
 اور خادموں کی قطاروں ’ہنو بچو کی صداؤں سے بے نیاز مغلوب قوموں کے سامنے بھی چھوٹے موٹے امور اپنے ہاتھ سے سرانجام دینے میں کوئی عار محسوس نہیں  
 کرتے تھے جبکہ عام مسلمان بھی اپنے حلیف کو ایسے کام سرانجام دیتے ہوئے شرمندگی محسوس کر رہے ہوتے۔ جب آپ نے شام کا دورہ کیا تو ایک مقام پر پانی سے  
 گزرنے کی جگہ تھی تو آپ اپنے اونٹ سے اترے دو دوں موزے اتار کر اپنے ہاتھ میں لئے اور اونٹ کے ساتھ ہی پانی میں گھس گئے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے کہا آپ

(۱) ۲۷۶ھ ۲۷۷ھ ۲۷۸ھ ۲۷۹ھ ۲۸۰ھ ۲۸۱ھ ۲۸۲ھ ۲۸۳ھ ۲۸۴ھ ۲۸۵ھ ۲۸۶ھ ۲۸۷ھ ۲۸۸ھ ۲۸۹ھ ۲۹۰ھ ۲۹۱ھ ۲۹۲ھ ۲۹۳ھ ۲۹۴ھ ۲۹۵ھ ۲۹۶ھ ۲۹۷ھ ۲۹۸ھ ۲۹۹ھ ۳۰۰ھ ۳۰۱ھ ۳۰۲ھ ۳۰۳ھ ۳۰۴ھ ۳۰۵ھ ۳۰۶ھ ۳۰۷ھ ۳۰۸ھ ۳۰۹ھ ۳۱۰ھ ۳۱۱ھ ۳۱۲ھ ۳۱۳ھ ۳۱۴ھ ۳۱۵ھ ۳۱۶ھ ۳۱۷ھ ۳۱۸ھ ۳۱۹ھ ۳۲۰ھ ۳۲۱ھ ۳۲۲ھ ۳۲۳ھ ۳۲۴ھ ۳۲۵ھ ۳۲۶ھ ۳۲۷ھ ۳۲۸ھ ۳۲۹ھ ۳۳۰ھ ۳۳۱ھ ۳۳۲ھ ۳۳۳ھ ۳۳۴ھ ۳۳۵ھ ۳۳۶ھ ۳۳۷ھ ۳۳۸ھ ۳۳۹ھ ۳۴۰ھ ۳۴۱ھ ۳۴۲ھ ۳۴۳ھ ۳۴۴ھ ۳۴۵ھ ۳۴۶ھ ۳۴۷ھ ۳۴۸ھ ۳۴۹ھ ۳۵۰ھ ۳۵۱ھ ۳۵۲ھ ۳۵۳ھ ۳۵۴ھ ۳۵۵ھ ۳۵۶ھ ۳۵۷ھ ۳۵۸ھ ۳۵۹ھ ۳۶۰ھ ۳۶۱ھ ۳۶۲ھ ۳۶۳ھ ۳۶۴ھ ۳۶۵ھ ۳۶۶ھ ۳۶۷ھ ۳۶۸ھ ۳۶۹ھ ۳۷۰ھ ۳۷۱ھ ۳۷۲ھ ۳۷۳ھ ۳۷۴ھ ۳۷۵ھ ۳۷۶ھ ۳۷۷ھ ۳۷۸ھ ۳۷۹ھ ۳۸۰ھ ۳۸۱ھ ۳۸۲ھ ۳۸۳ھ ۳۸۴ھ ۳۸۵ھ ۳۸۶ھ ۳۸۷ھ ۳۸۸ھ ۳۸۹ھ ۳۹۰ھ ۳۹۱ھ ۳۹۲ھ ۳۹۳ھ ۳۹۴ھ ۳۹۵ھ ۳۹۶ھ ۳۹۷ھ ۳۹۸ھ ۳۹۹ھ ۴۰۰ھ ۴۰۱ھ ۴۰۲ھ ۴۰۳ھ ۴۰۴ھ ۴۰۵ھ ۴۰۶ھ ۴۰۷ھ ۴۰۸ھ ۴۰۹ھ ۴۱۰ھ ۴۱۱ھ ۴۱۲ھ ۴۱۳ھ ۴۱۴ھ ۴۱۵ھ ۴۱۶ھ ۴۱۷ھ ۴۱۸ھ ۴۱۹ھ ۴۲۰ھ ۴۲۱ھ ۴۲۲ھ ۴۲۳ھ ۴۲۴ھ ۴۲۵ھ ۴۲۶ھ ۴۲۷ھ ۴۲۸ھ ۴۲۹ھ ۴۳۰ھ ۴۳۱ھ ۴۳۲ھ ۴۳۳ھ ۴۳۴ھ ۴۳۵ھ ۴۳۶ھ ۴۳۷ھ ۴۳۸ھ ۴۳۹ھ ۴۴۰ھ ۴۴۱ھ ۴۴۲ھ ۴۴۳ھ ۴۴۴ھ ۴۴۵ھ ۴۴۶ھ ۴۴۷ھ ۴۴۸ھ ۴۴۹ھ ۴۵۰ھ ۴۵۱ھ ۴۵۲ھ ۴۵۳ھ ۴۵۴ھ ۴۵۵ھ ۴۵۶ھ ۴۵۷ھ ۴۵۸ھ ۴۵۹ھ ۴۶۰ھ ۴۶۱ھ ۴۶۲ھ ۴۶۳ھ ۴۶۴ھ ۴۶۵ھ ۴۶۶ھ ۴۶۷ھ ۴۶۸ھ ۴۶۹ھ ۴۷۰ھ ۴۷۱ھ ۴۷۲ھ ۴۷۳ھ ۴۷۴ھ ۴۷۵ھ ۴۷۶ھ ۴۷۷ھ ۴۷۸ھ ۴۷۹ھ ۴۸۰ھ ۴۸۱ھ ۴۸۲ھ ۴۸۳ھ ۴۸۴ھ ۴۸۵ھ ۴۸۶ھ ۴۸۷ھ ۴۸۸ھ ۴۸۹ھ ۴۹۰ھ ۴۹۱ھ ۴۹۲ھ ۴۹۳ھ ۴۹۴ھ ۴۹۵ھ ۴۹۶ھ ۴۹۷ھ ۴۹۸ھ ۴۹۹ھ ۵۰۰ھ ۵۰۱ھ ۵۰۲ھ ۵۰۳ھ ۵۰۴ھ ۵۰۵ھ ۵۰۶ھ ۵۰۷ھ ۵۰۸ھ ۵۰۹ھ ۵۱۰ھ ۵۱۱ھ ۵۱۲ھ ۵۱۳ھ ۵۱۴ھ ۵۱۵ھ ۵۱۶ھ ۵۱۷ھ ۵۱۸ھ ۵۱۹ھ ۵۲۰ھ ۵۲۱ھ ۵۲۲ھ ۵۲۳ھ ۵۲۴ھ ۵۲۵ھ ۵۲۶ھ ۵۲۷ھ ۵۲۸ھ ۵۲۹ھ ۵۳۰ھ ۵۳۱ھ ۵۳۲ھ ۵۳۳ھ ۵۳۴ھ ۵۳۵ھ ۵۳۶ھ ۵۳۷ھ ۵۳۸ھ ۵۳۹ھ ۵۴۰ھ ۵۴۱ھ ۵۴۲ھ ۵۴۳ھ ۵۴۴ھ ۵۴۵ھ ۵۴۶ھ ۵۴۷ھ ۵۴۸ھ ۵۴۹ھ ۵۵۰ھ ۵۵۱ھ ۵۵۲ھ ۵۵۳ھ ۵۵۴ھ ۵۵۵ھ ۵۵۶ھ ۵۵۷ھ ۵۵۸ھ ۵۵۹ھ ۵۶۰ھ ۵۶۱ھ ۵۶۲ھ ۵۶۳ھ ۵۶۴ھ ۵۶۵ھ ۵۶۶ھ ۵۶۷ھ ۵۶۸ھ ۵۶۹ھ ۵۷۰ھ ۵۷۱ھ ۵۷۲ھ ۵۷۳ھ ۵۷۴ھ ۵۷۵ھ ۵۷۶ھ ۵۷۷ھ ۵۷۸ھ ۵۷۹ھ ۵۸۰ھ ۵۸۱ھ ۵۸۲ھ ۵۸۳ھ ۵۸۴ھ ۵۸۵ھ ۵۸۶ھ ۵۸۷ھ ۵۸۸ھ ۵۸۹ھ ۵۹۰ھ ۵۹۱ھ ۵۹۲ھ ۵۹۳ھ ۵۹۴ھ ۵۹۵ھ ۵۹۶ھ ۵۹۷ھ ۵۹۸ھ ۵۹۹ھ ۶۰۰ھ ۶۰۱ھ ۶۰۲ھ ۶۰۳ھ ۶۰۴ھ ۶۰۵ھ ۶۰۶ھ ۶۰۷ھ ۶۰۸ھ ۶۰۹ھ ۶۱۰ھ ۶۱۱ھ ۶۱۲ھ ۶۱۳ھ ۶۱۴ھ ۶۱۵ھ ۶۱۶ھ ۶۱۷ھ ۶۱۸ھ ۶۱۹ھ ۶۲۰ھ ۶۲۱ھ ۶۲۲ھ ۶۲۳ھ ۶۲۴ھ ۶۲۵ھ ۶۲۶ھ ۶۲۷ھ ۶۲۸ھ ۶۲۹ھ ۶۳۰ھ ۶۳۱ھ ۶۳۲ھ ۶۳۳ھ ۶۳۴ھ ۶۳۵ھ ۶۳۶ھ ۶۳۷ھ ۶۳۸ھ ۶۳۹ھ ۶۴۰ھ ۶۴۱ھ ۶۴۲ھ ۶۴۳ھ ۶۴۴ھ ۶۴۵ھ ۶۴۶ھ ۶۴۷ھ ۶۴۸ھ ۶۴۹ھ ۶۵۰ھ ۶۵۱ھ ۶۵۲ھ ۶۵۳ھ ۶۵۴ھ ۶۵۵ھ ۶۵۶ھ ۶۵۷ھ ۶۵۸ھ ۶۵۹ھ ۶۶۰ھ ۶۶۱ھ ۶۶۲ھ ۶۶۳ھ ۶۶۴ھ ۶۶۵ھ ۶۶۶ھ ۶۶۷ھ ۶۶۸ھ ۶۶۹ھ ۶۷۰ھ ۶۷۱ھ ۶۷۲ھ ۶۷۳ھ ۶۷۴ھ ۶۷۵ھ ۶۷۶ھ ۶۷۷ھ ۶۷۸ھ ۶۷۹ھ ۶۸۰ھ ۶۸۱ھ ۶۸۲ھ ۶۸۳ھ ۶۸۴ھ ۶۸۵ھ ۶۸۶ھ ۶۸۷ھ ۶۸۸ھ ۶۸۹ھ ۶۹۰ھ ۶۹۱ھ ۶۹۲ھ ۶۹۳ھ ۶۹۴ھ ۶۹۵ھ ۶۹۶ھ ۶۹۷ھ ۶۹۸ھ ۶۹۹ھ ۷۰۰ھ ۷۰۱ھ ۷۰۲ھ ۷۰۳ھ ۷۰۴ھ ۷۰۵ھ ۷۰۶ھ ۷۰۷ھ ۷۰۸ھ ۷۰۹ھ ۷۱۰ھ ۷۱۱ھ ۷۱۲ھ ۷۱۳ھ ۷۱۴ھ ۷۱۵ھ ۷۱۶ھ ۷۱۷ھ ۷۱۸ھ ۷۱۹ھ ۷۲۰ھ ۷۲۱ھ ۷۲۲ھ ۷۲۳ھ ۷۲۴ھ ۷۲۵ھ ۷۲۶ھ ۷۲۷ھ ۷۲۸ھ ۷۲۹ھ ۷۳۰ھ ۷۳۱ھ ۷۳۲ھ ۷۳۳ھ ۷۳۴ھ ۷۳۵ھ ۷۳۶ھ ۷۳۷ھ ۷۳۸ھ ۷۳۹ھ ۷۴۰ھ ۷۴۱ھ ۷۴۲ھ ۷۴۳ھ ۷۴۴ھ ۷۴۵ھ ۷۴۶ھ ۷۴۷ھ ۷۴۸ھ ۷۴۹ھ ۷۵۰ھ ۷۵۱ھ ۷۵۲ھ ۷۵۳ھ ۷۵۴ھ ۷۵۵ھ ۷۵۶ھ ۷۵۷ھ ۷۵۸ھ ۷۵۹ھ ۷۶۰ھ ۷۶۱ھ ۷۶۲ھ ۷۶۳ھ ۷۶۴ھ ۷۶۵ھ ۷۶۶ھ ۷۶۷ھ ۷۶۸ھ ۷۶۹ھ ۷۷۰ھ ۷۷۱ھ ۷۷۲ھ ۷۷۳ھ ۷۷۴ھ ۷۷۵ھ ۷۷۶ھ ۷۷۷ھ ۷۷۸ھ ۷۷۹ھ ۷۸۰ھ ۷۸۱ھ ۷۸۲ھ ۷۸۳ھ ۷۸۴ھ ۷۸۵ھ ۷۸۶ھ ۷۸۷ھ ۷۸۸ھ ۷۸۹ھ ۷۹۰ھ ۷۹۱ھ ۷۹۲ھ ۷۹۳ھ ۷۹۴ھ ۷۹۵ھ ۷۹۶ھ ۷۹۷ھ ۷۹۸ھ ۷۹۹ھ ۸۰۰ھ ۸۰۱ھ ۸۰۲ھ ۸۰۳ھ ۸۰۴ھ ۸۰۵ھ ۸۰۶ھ ۸۰۷ھ ۸۰۸ھ ۸۰۹ھ ۸۱۰ھ ۸۱۱ھ ۸۱۲ھ ۸۱۳ھ ۸۱۴ھ ۸۱۵ھ ۸۱۶ھ ۸۱۷ھ ۸۱۸ھ ۸۱۹ھ ۸۲۰ھ ۸۲۱ھ ۸۲۲ھ ۸۲۳ھ ۸۲۴ھ ۸۲۵ھ ۸۲۶ھ ۸۲۷ھ ۸۲۸ھ ۸۲۹ھ ۸۳۰ھ ۸۳۱ھ ۸۳۲ھ ۸۳۳ھ ۸۳۴ھ ۸۳۵ھ ۸۳۶ھ ۸۳۷ھ ۸۳۸ھ ۸۳۹ھ ۸۴۰ھ ۸۴۱ھ ۸۴۲ھ ۸۴۳ھ ۸۴۴ھ ۸۴۵ھ ۸۴۶ھ ۸۴۷ھ ۸۴۸ھ ۸۴۹ھ ۸۵۰ھ ۸۵۱ھ ۸۵۲ھ ۸۵۳ھ ۸۵۴ھ ۸۵۵ھ ۸۵۶ھ ۸۵۷ھ ۸۵۸ھ ۸۵۹ھ ۸۶۰ھ ۸۶۱ھ ۸۶۲ھ ۸۶۳ھ ۸۶۴ھ ۸۶۵ھ ۸۶۶ھ ۸۶۷ھ ۸۶۸ھ ۸۶۹ھ ۸۷۰ھ ۸۷۱ھ ۸۷۲ھ ۸۷۳ھ ۸۷۴ھ ۸۷۵ھ ۸۷۶ھ ۸۷۷ھ ۸۷۸ھ ۸۷۹ھ ۸۸۰ھ ۸۸۱ھ ۸۸۲ھ ۸۸۳ھ ۸۸۴ھ ۸۸۵ھ ۸۸۶ھ ۸۸۷ھ ۸۸۸ھ ۸۸۹ھ ۸۹۰ھ ۸۹۱ھ ۸۹۲ھ ۸۹۳ھ ۸۹۴ھ ۸۹۵ھ ۸۹۶ھ ۸۹۷ھ ۸۹۸ھ ۸۹۹ھ ۹۰۰ھ ۹۰۱ھ ۹۰۲ھ ۹۰۳ھ ۹۰۴ھ ۹۰۵ھ ۹۰۶ھ ۹۰۷ھ ۹۰۸ھ ۹۰۹ھ ۹۱۰ھ ۹۱۱ھ ۹۱۲ھ ۹۱۳ھ ۹۱۴ھ ۹۱۵ھ ۹۱۶ھ ۹۱۷ھ ۹۱۸ھ ۹۱۹ھ ۹۲۰ھ ۹۲۱ھ ۹۲۲ھ ۹۲۳ھ ۹۲۴ھ ۹۲۵ھ ۹۲۶ھ ۹۲۷ھ ۹۲۸ھ ۹۲۹ھ ۹۳۰ھ ۹۳۱ھ ۹۳۲ھ ۹۳۳ھ ۹۳۴ھ ۹۳۵ھ ۹۳۶ھ ۹۳۷ھ ۹۳۸ھ ۹۳۹ھ ۹۴۰ھ ۹۴۱ھ ۹۴۲ھ ۹۴۳ھ ۹۴۴ھ ۹۴۵ھ ۹۴۶ھ ۹۴۷ھ ۹۴۸ھ ۹۴۹ھ ۹۵۰ھ ۹۵۱ھ ۹۵۲ھ ۹۵۳ھ ۹۵۴ھ ۹۵۵ھ ۹۵۶ھ ۹۵۷ھ ۹۵۸ھ ۹۵۹ھ ۹۶۰ھ ۹۶۱ھ ۹۶۲ھ ۹۶۳ھ ۹۶۴ھ ۹۶۵ھ ۹۶۶ھ ۹۶۷ھ ۹۶۸ھ ۹۶۹ھ ۹۷۰ھ ۹۷۱ھ ۹۷۲ھ ۹۷۳ھ ۹۷۴ھ ۹۷۵ھ ۹۷۶ھ ۹۷۷ھ ۹۷۸ھ ۹۷۹ھ ۹۸۰ھ ۹۸۱ھ ۹۸۲ھ ۹۸۳ھ ۹۸۴ھ ۹۸۵ھ ۹۸۶ھ ۹۸۷ھ ۹۸۸ھ ۹۸۹ھ ۹۹۰ھ ۹۹۱ھ ۹۹۲ھ ۹۹۳ھ ۹۹۴ھ ۹۹۵ھ ۹۹۶ھ ۹۹۷ھ ۹۹۸ھ ۹۹۹ھ ۱۰۰۰ھ ۱۰۰۱ھ ۱۰۰۲ھ ۱۰۰۳ھ ۱۰۰۴ھ ۱۰۰۵ھ ۱۰۰۶ھ ۱۰۰۷ھ ۱۰۰۸ھ ۱۰۰۹ھ ۱۰۱۰ھ ۱۰۱۱ھ ۱۰۱۲ھ ۱۰۱۳ھ ۱۰۱۴ھ ۱۰۱۵ھ ۱۰۱۶ھ ۱۰۱۷ھ ۱۰۱۸ھ ۱۰۱۹ھ ۱۰۲۰ھ ۱۰۲۱ھ ۱۰۲۲ھ ۱۰۲۳ھ ۱۰۲۴ھ ۱۰۲۵ھ ۱۰۲۶ھ ۱۰۲۷ھ ۱۰۲۸ھ ۱۰۲۹ھ ۱۰۳۰ھ ۱۰۳۱ھ ۱۰۳۲ھ ۱۰۳۳ھ ۱۰۳۴ھ ۱۰۳۵ھ ۱۰۳۶ھ ۱۰۳۷ھ ۱۰۳۸ھ ۱۰۳۹ھ ۱۰۴۰ھ ۱۰۴۱ھ ۱۰۴۲ھ ۱۰۴۳ھ ۱۰۴۴ھ ۱۰۴۵ھ ۱۰۴۶ھ ۱۰۴۷ھ ۱۰۴۸ھ ۱۰۴۹ھ ۱۰۵۰ھ ۱۰۵۱ھ ۱۰۵۲ھ ۱۰۵۳ھ ۱۰۵۴ھ ۱۰۵۵ھ ۱۰۵۶ھ ۱۰۵۷ھ ۱۰۵۸ھ ۱۰۵۹ھ ۱۰۶۰ھ ۱۰۶۱ھ ۱۰۶۲ھ ۱۰۶۳ھ ۱۰۶۴ھ ۱۰۶۵ھ ۱۰۶۶ھ ۱۰۶۷ھ ۱۰۶۸ھ ۱۰۶۹ھ ۱۰۷۰ھ ۱۰۷۱ھ ۱۰۷۲ھ ۱۰۷۳ھ ۱۰۷۴ھ ۱۰۷۵ھ ۱۰۷۶ھ ۱۰۷۷ھ ۱۰۷۸ھ ۱۰۷۹ھ ۱۰۸۰ھ ۱۰۸۱ھ ۱۰۸۲ھ ۱۰۸۳ھ ۱۰۸۴ھ ۱۰۸۵ھ ۱۰۸۶ھ ۱۰۸۷ھ ۱۰۸۸ھ ۱۰۸۹ھ ۱۰۹۰ھ ۱۰۹۱ھ ۱۰۹۲ھ ۱۰۹۳ھ ۱۰۹۴ھ ۱۰۹۵ھ ۱۰۹۶ھ ۱۰۹۷ھ ۱۰۹۸ھ ۱۰۹۹ھ ۱۱۰۰ھ ۱۱۰۱ھ ۱۱۰۲ھ ۱۱۰۳ھ ۱۱۰۴ھ ۱۱۰۵ھ ۱۱۰۶ھ ۱۱۰۷ھ ۱۱۰۸ھ ۱۱۰۹ھ ۱۱۱۰ھ ۱۱۱۱ھ ۱۱۱۲ھ ۱۱۱۳ھ ۱۱۱۴ھ ۱۱۱۵ھ ۱۱۱۶ھ ۱۱۱۷ھ ۱۱۱۸ھ ۱۱۱۹ھ ۱۱۲۰ھ ۱۱۲۱ھ ۱۱۲۲ھ ۱۱۲۳ھ ۱۱۲۴ھ ۱۱۲۵ھ ۱۱۲۶ھ ۱۱۲۷ھ ۱۱۲۸ھ ۱۱۲۹ھ ۱۱۳۰ھ ۱۱۳۱ھ ۱۱۳۲ھ ۱۱۳۳ھ ۱۱۳۴ھ ۱۱۳۵ھ ۱۱۳۶ھ ۱۱۳۷ھ ۱۱۳۸ھ ۱۱۳۹ھ ۱۱۴۰ھ ۱۱۴۱ھ ۱۱۴۲ھ ۱۱۴۳ھ ۱۱۴۴ھ ۱۱۴۵ھ ۱۱۴۶ھ ۱۱۴۷ھ ۱۱۴۸ھ ۱۱۴۹ھ ۱۱۵۰ھ ۱۱۵۱ھ ۱۱۵۲ھ ۱۱۵۳ھ ۱۱۵۴ھ ۱۱۵۵ھ ۱۱۵۶ھ ۱۱۵۷ھ ۱۱۵۸ھ ۱۱۵۹ھ ۱۱۶۰ھ ۱۱۶۱ھ ۱۱۶۲ھ ۱۱۶۳ھ ۱۱۶۴ھ ۱۱۶۵ھ ۱۱۶۶ھ ۱۱۶۷ھ ۱۱۶۸ھ ۱۱۶۹ھ ۱۱۷۰ھ ۱۱۷۱ھ ۱۱۷۲ھ ۱۱۷۳ھ ۱۱۷۴ھ ۱۱۷۵ھ ۱۱۷۶ھ ۱۱۷۷ھ ۱۱۷۸ھ ۱۱۷۹ھ ۱۱۸۰ھ ۱۱۸۱ھ ۱۱۸۲ھ ۱۱۸۳ھ ۱۱۸۴ھ ۱۱۸۵ھ ۱۱۸۶ھ ۱۱۸۷ھ ۱۱۸۸ھ ۱۱۸۹ھ ۱۱۹۰ھ ۱۱۹۱ھ ۱۱۹۲ھ ۱۱۹۳ھ ۱۱۹۴ھ ۱۱۹۵ھ ۱۱۹۶ھ ۱۱۹۷ھ ۱۱۹۸ھ ۱۱۹۹ھ ۱۲۰۰ھ ۱۲۰۱ھ ۱۲۰۲ھ ۱۲۰۳ھ ۱۲۰۴ھ ۱۲۰۵ھ ۱۲۰۶ھ ۱۲۰۷ھ ۱۲۰۸ھ ۱۲۰۹ھ ۱۲۱۰ھ ۱۲۱۱ھ ۱۲۱۲ھ ۱۲۱۳ھ ۱۲۱۴ھ ۱۲۱۵ھ ۱۲۱۶ھ ۱۲۱۷ھ ۱۲۱۸ھ ۱۲۱۹ھ ۱۲۲۰ھ ۱۲۲۱ھ ۱۲۲۲ھ ۱۲۲۳ھ ۱۲۲۴ھ ۱۲۲۵ھ ۱۲۲۶ھ ۱۲۲۷ھ ۱۲۲۸ھ ۱۲۲۹ھ ۱۲۳۰ھ ۱۲۳۱ھ ۱۲۳۲ھ ۱۲۳۳ھ ۱۲۳۴ھ ۱۲۳۵ھ ۱۲۳۶ھ ۱۲۳۷ھ ۱۲۳۸ھ ۱۲۳۹ھ ۱۲۴۰ھ ۱۲۴۱ھ ۱۲۴۲ھ ۱۲۴۳ھ ۱۲۴۴ھ ۱۲۴۵ھ ۱۲۴۶ھ ۱۲۴۷ھ ۱۲۴۸ھ ۱۲۴۹ھ ۱۲۵۰ھ ۱۲۵۱ھ ۱۲۵۲ھ ۱۲۵۳ھ ۱۲۵۴ھ ۱۲۵۵ھ ۱۲۵۶ھ ۱۲۵۷ھ ۱۲۵۸ھ ۱۲۵۹ھ ۱۲۶۰ھ ۱۲۶۱ھ ۱۲۶۲ھ ۱۲۶۳ھ ۱۲۶۴ھ ۱۲۶۵ھ ۱۲۶۶ھ ۱۲۶۷ھ ۱۲۶۸ھ ۱۲۶۹ھ ۱۲۷۰ھ ۱۲۷۱ھ ۱۲۷۲ھ ۱۲۷۳ھ ۱۲۷۴ھ ۱۲۷۵ھ ۱۲۷۶ھ ۱۲۷۷ھ ۱۲۷۸ھ ۱۲۷۹ھ ۱۲۸۰ھ ۱۲۸۱ھ ۱۲۸۲ھ ۱۲۸۳ھ ۱۲۸۴ھ ۱۲۸۵ھ ۱۲۸۶ھ ۱۲۸۷ھ ۱۲۸۸ھ ۱۲۸۹ھ ۱۲۹۰ھ ۱۲۹۱ھ ۱۲۹۲ھ ۱۲۹۳ھ ۱۲۹۴ھ ۱۲۹۵ھ ۱۲۹۶ھ ۱۲۹۷ھ ۱۲۹۸ھ ۱۲۹۹ھ ۱۳۰۰ھ ۱۳۰۱ھ ۱۳۰۲ھ ۱۳۰۳ھ ۱۳۰۴ھ ۱۳۰۵ھ ۱۳۰۶ھ ۱۳۰۷ھ ۱۳۰۸ھ ۱۳۰۹ھ ۱۳۱۰ھ ۱۳۱۱ھ ۱۳۱۲ھ ۱۳۱۳ھ ۱۳۱۴ھ ۱۳۱۵ھ ۱۳۱۶ھ ۱۳۱۷ھ ۱۳۱۸ھ ۱۳۱۹ھ ۱۳۲۰ھ ۱۳۲۱ھ ۱۳۲۲ھ ۱۳۲۳ھ ۱۳۲۴ھ ۱۳۲۵ھ ۱۳۲۶ھ ۱۳۲۷ھ ۱۳۲۸ھ ۱۳۲۹ھ ۱۳۳۰ھ ۱۳۳۱ھ ۱۳۳۲ھ ۱۳۳۳ھ ۱۳۳۴ھ ۱۳۳۵ھ ۱۳۳۶ھ ۱۳۳۷ھ ۱۳۳۸ھ ۱۳۳۹ھ ۱۳۴۰ھ ۱۳۴۱ھ ۱۳۴۲ھ ۱۳۴۳ھ ۱۳۴۴ھ ۱۳۴۵ھ ۱۳۴۶ھ ۱۳۴۷ھ ۱۳۴۸ھ ۱۳۴۹ھ ۱۳۵۰ھ ۱۳۵۱ھ ۱۳۵۲ھ ۱۳۵۳ھ ۱۳۵۴ھ ۱۳۵۵ھ ۱۳۵۶ھ ۱۳۵۷ھ ۱۳۵۸ھ ۱۳۵۹ھ ۱۳۶۰ھ ۱۳۶۱ھ ۱۳۶۲ھ ۱۳۶۳ھ ۱۳۶۴ھ ۱۳۶۵ھ ۱۳۶۶ھ ۱۳۶۷ھ ۱۳۶۸ھ ۱۳۶۹ھ ۱۳۷۰ھ ۱۳۷۱ھ ۱۳۷۲ھ ۱۳۷۳ھ ۱۳۷۴ھ ۱۳۷۵ھ ۱۳۷۶ھ ۱۳۷۷ھ ۱۳۷۸ھ ۱۳۷۹ھ ۱۳۸۰ھ ۱۳۸۱ھ ۱۳۸۲ھ ۱۳۸۳ھ ۱۳۸۴ھ ۱۳۸۵ھ ۱۳۸۶ھ ۱۳۸۷ھ ۱۳۸۸ھ ۱۳۸۹ھ ۱۳۹۰ھ ۱۳۹۱ھ ۱۳۹۲ھ ۱۳۹۳ھ ۱۳۹۴ھ ۱۳۹۵ھ ۱۳۹۶ھ ۱۳۹۷ھ ۱۳۹۸ھ ۱۳۹۹ھ ۱۴۰۰ھ ۱۴۰۱ھ ۱۴۰۲ھ ۱۴۰۳ھ ۱۴۰۴ھ ۱۴۰۵ھ ۱۴۰۶ھ ۱۴۰۷ھ ۱۴۰۸ھ ۱۴۰۹ھ ۱۴۱۰ھ ۱۴۱۱ھ ۱۴۱۲ھ ۱۴۱۳ھ ۱۴۱۴ھ ۱۴۱۵ھ ۱۴۱۶ھ ۱۴۱۷ھ ۱۴۱۸ھ ۱۴۱۹ھ ۱۴۲۰ھ ۱۴۲۱ھ ۱۴۲۲ھ ۱۴۲۳ھ ۱۴۲۴ھ ۱۴۲۵ھ ۱۴۲۶ھ ۱۴۲۷ھ ۱۴۲۸ھ ۱۴۲۹ھ ۱۴۳۰ھ ۱۴۳۱ھ ۱۴۳۲ھ ۱۴۳۳ھ ۱۴۳۴ھ ۱۴۳۵ھ ۱۴۳۶ھ ۱۴۳۷ھ ۱۴۳۸ھ ۱۴۳۹ھ ۱۴۴۰ھ ۱۴۴۱ھ ۱۴۴۲ھ ۱۴۴۳ھ ۱۴۴۴ھ ۱۴۴۵ھ ۱۴۴۶ھ ۱۴۴۷ھ ۱۴۴۸ھ ۱۴۴۹ھ ۱۴۵۰ھ ۱۴۵۱ھ ۱۴۵۲ھ ۱۴۵۳ھ ۱۴۵۴ھ ۱۴۵۵ھ ۱۴۵۶ھ ۱۴۵۷ھ ۱۴۵۸ھ ۱۴۵۹ھ ۱۴۶۰ھ ۱۴۶۱ھ ۱۴۶۲ھ ۱۴۶۳ھ ۱۴۶۴ھ ۱۴۶۵ھ ۱۴۶۶ھ ۱۴۶۷ھ ۱۴۶۸ھ ۱۴۶۹ھ ۱۴۷۰ھ ۱۴۷۱ھ ۱۴۷۲ھ ۱۴۷۳ھ ۱۴۷۴ھ ۱۴۷۵ھ ۱۴۷۶ھ ۱۴۷۷ھ ۱۴۷۸ھ ۱۴۷۹ھ ۱۴۸۰ھ ۱۴۸۱ھ ۱۴۸۲ھ ۱۴۸۳ھ ۱۴۸۴ھ ۱۴۸۵ھ ۱۴۸۶ھ ۱۴۸۷ھ ۱۴۸۸ھ ۱۴۸۹ھ ۱۴۹۰ھ ۱۴۹۱ھ ۱۴۹۲ھ ۱۴۹۳ھ ۱۴۹۴ھ ۱۴۹۵ھ ۱



ہر وقت رواں دواں رکھنا، وقت اسی کی فکر رہتی۔ کبھی آپ راتوں کو نشت کر کے رعایا کے حالات معلوم کرتے اور ان کی حفاظت و مدد کرتے<sup>(۱)</sup>۔ ”آپ کا ارشاد ہے کہ اگر ساحلِ فرات پر کوئی اونٹ ضائع ہو کر مر جائے تو مجھے اندیشہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے اس کی باز پرس کرے گا“<sup>(۲)</sup>۔ ”کبھی آپ رخی و نث کے زخم میں ہاتھ ڈال کر دیکھتے اور فرماتے ”میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تیری تکلیف کے بارے میں مجھ سے پوچھنا نہ جائے“<sup>(۳)</sup>۔ ”سائب بن یزید سے مروی ہے کہ میں نے عمر بن الخطابؓ کو ہر سال دیکھ کر وہ اونٹوں کا سامان اور کھوے اور جھولیں درست کرتے تھے جن پر لوگوں کو اللہ کی راہ میں سوار کراتے اور جب کسی کو اونٹ پہ سوار کرتے تو اس کے ساتھ اس کا سامان بھی کر دیتے“<sup>(۴)</sup>۔ کبھی آپ اس خیال سے بیت المال کے بھاگنے والے اونٹوں کی تلاش میں دوپہر کو چلتا پھرتا ہوئی دھوپ میں نکل کھڑے ہوتے کہ قومی وسائل ضائع نہ ہو جائیں<sup>(۵)</sup>۔ اس طرح کے ہزاروں کام سر انجام دینے کے باوجود کبھی آپ کا دل اس بات پر مطمئن نہ ہوتا کہ آپ نے اپنی ساری ذمہ داری پوری کر دی ہے۔ آپ جب رخی حالت میں تھے تو لوگوں سے تفریق کرنے لگے۔ آپ نے ارشاد فرمایا ”مجھے کبھی اپنے اوپر کسی امر کا خوف نہیں ہوا“ سوائے تمہاری امارت کے“<sup>(۶)</sup>۔

آخری دن، ایک نوجوان آیا اور کہنے لگا ”امیر المؤمنین آپ کو اللہ کی طرف سے خوشخبری ہو“ آپ نے رسول اللہ ﷺ کی صحبت اٹھائی ابتدا میں اسلام لانے کا شرف حاصل کیا، پھر آپ والی بنائے گئے اور عدل و انصاف سے حکومت کی پھر شہادت پائی۔ ”حضرت عمرؓ نے سن کر فرمایا ”میں تو اس پر بھی خوش تھا کہ ان باتوں کی وجہ سے میرا معاملہ برابرا برابر ختم ہو جاتا نہ میرے ذمے کچھ باقی ہو تا اور نہ میرے لئے کچھ ہوتا“<sup>(۷)</sup>۔ ”یعنی نہ تو عذاب دیا جاتا نہ ثواب۔“ حضرت ابن عباسؓ کے بقول جب میں نے دیگر باتوں کے علاوہ جب یہ کہا کہ ”آپ کی خلافت کے بارے میں دو آدمیوں کے درمیان بھی اختلاف نہ ہوا اور اب آپ قتل کے ذریعہ شہادت پا رہے ہیں۔“ آپ نے فرمایا ”دوبارہ کہو۔“ تو میں نے یہ باتیں آپ کو دوبارہ سنائیں۔ پھر عمرؓ نے کہا ”اسی اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں اگر زمین کا سارا سونا چاندی میرے پاس ہوتا تو میں اس کو فدیہ میں دے کر پیش آمدہ حاضری کی بولٹا کی سے چھٹکارا چاہتا“<sup>(۸)</sup>۔ ”حضرت ابن عباسؓ نے عرض کی ”امیر المؤمنین واللہ آپ کا اسلام نصرت تھی امانت تھی واللہ آپ کی امارت نے روئے زمین کو عدل سے بھر دیا ہے۔ کوئی دو فریق آپس میں جھگڑا کرتے ہیں“ تو دونوں آپ کے فیصلے پر اپنا جھگڑا ختم کر دیتے ہیں۔ ”فرمایا ”مجھے بخدا۔“ جب بیٹھ گئے تو ابن عباسؓ سے فرمایا ”اپنی گفتگو کا میرے سامنے اعادہ کرو۔“ انہوں نے اعادہ کیا تو فرمایا ”کیا تم قیامت کے دن جب اللہ سے ملو گے تو اس کے سامنے میرے لئے اس کی شہادت دو گے۔“ ابن عباسؓ نے کہا ”جی ہاں“ حضرت عمرؓ اس سے بہت خوش ہوئے“<sup>(۹)</sup>۔

آخرت کا خوف ہی وہ سب سے مؤثر ذریعہ ہے جو عمال و منتظمین کو اختیارات و وسائل اور سماجی مقام و مرتبے کی مگرادیں وادیوں میں راہِ راست پر رکھ سکتا ہے۔ آپؐ نے بعض عمال کے نام خط لکھا جس کے آخر میں تھا ”اپنے اچھے دنوں میں اپنے کام سہا کرتے رہو“ قبل اس کے کہ ایک ایسا وقت آئے جو تم سے شدت و تندی کا حساب لے، ایسا ہی شخص دوسروں کیلئے قابل رشک اور رصائے دلی میں کامیاب ہوتا ہے۔ البتہ وہ شخص جسے دنیوی زندگی نے تغافل میں مبتلا کر رکھا ہے اور وہ خواہشت نفسانی کا شکار ہو کر رہ گیا ہے اسے عاقبت میں ندامت و حسرت ہوگی لہذا انسان کو نصیحتوں پر غور و فکر کرنا چاہئے اور برے اعمال سے مکمل اجتناب کرنا چاہئے“<sup>(۱۰)</sup>۔ ”کیا مرتبہ فرمایا ”اللہ سے ڈرنے والا کبھی مطلوب نہیں ہوتا اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے والا شخص نفس پرستی سے دور رہتا ہے۔ اگر یوم قیامت کا خوف

(۱) طبری ۱: ۲۵۱، ۲ (۲) سعد ۳: ۵۳، ۵۴ (۳) سعد ۲: ۲۸۶، ۲۸۷ (۴) سعد ۶: ۳۰۶، ۳۰۷ (۵) کبیر ۷: ۱۲۶، ۱۲۷ (۶) سعد ۳: ۲۵۵، ۲۵۶ (۷)

۱: ۲۵۱، ۲۵۲ (۸) حوری ۱: ۱۶۵، ۱۶۶ (۹) سعد ۶: ۳۰۶، ۳۰۷ (۱۰) حوری ۱: ۱۶۵، ۱۶۶

نہ ہوتا تو حالات ایسے نہ ہوتے جیسے تم دیکھتے ہو<sup>(۱)</sup>۔ ”آپ ایسے ہی عمل کا تقرر فرماتے جن کا دس خوف آخرت اور احساس ذمہ داری سے مزین ہو۔ ایک مرتبہ آپ نے حضرت سعید بن عامرؓ کو بلوایا اور کہا ہم نے سٹے کیا ہے کہ تمہیں غیر مسلم آبادیوں کی حکومت سونپ دیں۔ ”وہ بولے ”مجھے آزمائش میں نہ ڈالئے۔“ ارشاد ہوا ”تم لوگ چاہتے ہو کہ ذمہ داری کا قلموہ میری گردن میں ڈال کر خود بری الذمہ ہو جاؤ“<sup>(۲)</sup>۔ ”عمل اس بات سے گھبراتے تھے کہ ان کی غلطی کو تباہی اور پراپی کی وجہ سے انتظامی امور بگڑ نہ جائیں یا پرکشش عہدے کی وجہ سے کہیں بشری کمزوری کی وجہ سے بھگ کر اپنی آخرت نہ برباد کر دیں۔ دور جدید کے سیکوررجانات کے برعکس وہ ایسے عہدوں کے پیچھے بھاگنے کے بجائے ان سے جان چھڑانے کی کوشش کرتے۔ مالک بن حدادؓ ان کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے مجھے دن چڑھے بلوایا۔ جب میں پہنچا تو میں نے انہیں بغیر بچھونے کے ایک تخت پر بیٹھے پایہ۔ مجھے دیکھ کر فرمایا ”اے مالک! تمہاری قوم دلوں میں سے کچھ میرے پاس آئے“ میں نے انہیں مال دینے کا فیصلہ کیا ہے لہذا ان میں تقسیم کر دو۔“ میں نے عرض کی کاش آپ اس کا علم میرے سوا کسی اور کو دیتے۔ فرمایا ”نہیں تم ہی سنبھالو“<sup>(۳)</sup>۔

روایت میں آتا ہے کہ حضرت نعمان بن مقرنؓ اور سوید بن مقرنؓ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں دریائے دجلہ و فرات کے سراب کردہ علاقوں میں کام کرتے تھے۔ دونوں نے استعفیٰ پیش کیا اور کہا ”ہمیں اس کام سے معافی دی جائے جو ایک بدکار عورت کی طرح اپنی زیب و زینت دکھا کر تباہ کر رہا ہے“<sup>(۴)</sup>۔ ”آپ نے ان کا استعفیٰ قبول کر لیا اور حکمت اسی میں دیکھی کہ انہیں ایسے کام میں لگایا جائے جس میں ان کی زیادہ رغبت ہے چنانچہ جہاد پر بھیج دیے۔ آپ بجا طور پر یہ سمجھتے تھے کہ اجتماعی و انتظامی معاملات میں بگاڑ اور انتشار پیدا کرنے میں سب سے بڑا کردار نیت کے کھوٹ کا ہوتا ہے۔ اگر تنظیمیں بد نیت ہوں اصلاح احوال کیلئے سنجیدگی اور ذہنک سے کوشش نہ کریں اور جتنا کام کرتے ہیں اس میں شہرت ناموری نمود و نمائش اور ریاکاری کو پیش نظر رکھیں تو ایک طرف پر انتظام درہم برہم ہو جائے گا اور دوسری طرف اللہ کی تائید و رحمت ختم ہو جائے گی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے نام خط میں لکھا ”جس شخص کی نیت خالص ہوگی اس کے در عوام کے درمیان اللہ تعالیٰ کافی ہو گا۔ جو شخص لوگوں کے سامنے (اس ارادے کو خوشامیاد کر پیش کرے گا جو اس کے دل میں ہے اور اس کے برعکس ہے جو ظاہر کر رہا ہے جسے اللہ تعالیٰ اچھی طرح جانتا ہے تو تمہارا اللہ تعالیٰ کے بارے میں کیا خیال ہے جو اسے رزق اور رحمت کے خزانے لٹانے میں جلدی کرنے والا ہے“<sup>(۵)</sup>۔ ”آپ کے انتظامی فلسفے کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ خلیفہ و حکمران یا حکومت کا کوئی اہلکار عام انسانوں کی طرح کا ایک انسان ہوتا ہے۔ وہ خدا کا اوتار یا عمل سبحانی اور مقدس ہستی نہیں ہوتا۔ اس کی منہجی ذمہ داری اور انتظامی اختیارات اسے بالاتر مخلوق نہیں بناتے۔ اس لئے سے چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو عام انسانوں کی طرح سمجھے اور ان کی ضروریات اور جذبات و احساسات کا اپنی ذات میں دیکھ کر ان کا خیال رکھے یہی سب سے بڑی حکمت اور سب سے بڑی معرفت ہے۔

شاد روم جب پے در پے شکستیں کھانے کے بعد عاجز و مرعوب ہو گیا تو اس نے جنگ بند کر دی اور حضرت عمرؓ سے قربت حاصل کرے کیلئے خط و کتابت شروع کر دی۔ اس نے ایک دفعہ آپ سے متعدد باتیں دریافت کیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ ایک ویسا مقولہ تحریر کریں جس میں تمام علم سمٹ کر آجائے۔ حضرت عمرؓ نے تحریر کیا ”جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو وہی دوسروں کیلئے پسند کر دو۔ جو چیز تمہیں ناپسند ہو وہ دوسروں کیلئے بھی پسند نہ کر دو“ اس میں تمہارے لئے ساری حکمت مجتمع ہو گئی ہے۔ تم اپنے ریر دست لوگوں کا خیال رکھو اس میں تمہارے لئے ساری معرفت سما گئی ہے“<sup>(۶)</sup>۔ یہ صرف آپ کا حکیمانہ مقولہ نہیں ہے بلکہ بطور حکمران آپ کا اپنا عمل اسی کے مطابق رہا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر رہا کہ آپ نے اپنے لباس خوراک و رہائش اور دیگر سہولیات میں عوام کو اپنے اوپر ترجیح دی۔ اپنے معیار زندگی کو عوام کے اوسط معیار سے بھی پست رکھا۔ یہاں تک کہ فتوحات کی وجہ سے خوشحالی کے دروازے کھلے اور ساری رعایا کا معیار بلند ہوا تو

(۱) حور، ۱/۱۶۰ (۲) ح ۱۶۰:۱ (۳) دیلم، ۳/۱۹۲ (۴) طبرستان، ۱۳۹/۱ (۵) حور، ۱/۱۳۱ (۶) طبرستان، ۱۳۹/۱

بھر بھی آپ نے اپنے اندر تبدیلی پیدا نہ کی۔ حضرت حسنؑ سے مروی ہے کہ عمر بن الخطابؓ نے شدت اور اپنے نفس پر چنگی کو مار کر کہا: اللہ وسعت مایا تو مسلمان (آپ کی بیٹی) ام المومنین حصہؓ کے پاس گئے۔ ان سے کہا کہ عمرؓ نے سوائے شدت اور اپنے نفس پر چنگی کے ہر چیز سے انکار کر دیا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے رزق میں کشادگی دے دی ہے۔ انہیں چاہئے کہ اس مال غنیمت میں سے جو چاہیں اپنے لئے کشادگی کریں، انہیں جماعت مسکین کی طرف سے اجازت ہے۔ حضرت حصہؓ ان لوگوں کی خواہش سے متفق ہو گئیں۔ لوگوں کے واپس چلے جانے کے بعد حضرت عمرؓ ان کے پاس تشریف لائے تو انہیں ان باتوں سے آگاہ کیا جو قوم نے ان سے کہی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا: ”اے حصہؓ“ وہ خیر عمرؓ تم نے اپنی قوم کی تو خیر خواہی کی مگر اپنے باپ کے ساتھ بے وفائی کی۔ میرے خاندان والوں کا صرف میری جان و مال میں حق ہے، لیکن میرے دین و امانت میں کسی کا کوئی حق نہیں<sup>(۱)</sup>۔“

قطب کے دنوں آپ کی مرغوب غذا کوہان اور بکلی کے کچے ہوئے گلے آپ کے سامنے رکھے گئے۔ خادم سے پوچھا: ”یہ کہاں سے آئے ہیں۔“ اس نے جواب دیا: ”امیر المومنین یہ ان اونٹوں کا گوشت ہے جو آج ہم نے دغ کئے ہیں۔“ فرمایا: ”خوب خوب میں بہت برا دہلی ہوں۔ اگر میں ان کا چھ حصہ خود کھاؤں اور برا لوگوں کو کھلاؤں۔ یہ پیانا اٹھاؤ اور ہمارے لئے کوئی اور کھانا ڈک۔“ پھر روٹی اور ریتوں لایا گیا آپ روٹی پر ریتوں لگانے لگے اور اپنے خادم سے فرمایا: ”اسے یہ فاقم پر افسوس ہے یہ پیانا شمع (جگہ کا نام) میں میرے گھر والوں کے پاس سے جاؤ۔ میں نے انہیں تین دن سے کچھ نہیں دیا ہے۔ میرے خیوں میں وہ بے آب و دانہ ہیں۔“ ان سے ان کے سامنے رکھو<sup>(۲)</sup>۔ ”انہی دنوں ایک مرتبہ آپ کے پاس گھی سے چڑی ہوئی روٹی لائی گئی۔ آپ نے ایک بدوی کو بلا کر اپنے ساتھ کھانے میں شریک کر لیا۔ وہ پیارے کے کنارے گئے گھی کو پے نواسے سے صاف کرنے لگا۔ آپ نے اس سے فرمایا: ”یوں لگتا ہے جیسے تم گھی میسر نہ ہو۔“ اس نے کہا: ”بے شک میں نے اتنے دنوں سے نہ تو گھی کھایا ہے نہ ریتوں اور نہ ہی کسی کو کھاتے دیکھا ہے۔“ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے قسم کھائی کہ ”اس وقت تک نہ تو گھی کھائیں گے نہ گوشت جب تک لوگ سرسبز (خوشحال) نہ ہو جائیں چنانچہ اسی پر عمل کیا<sup>(۳)</sup>۔“

ایسی اور بھی ب شمار مثالیں ہیں جن سے تاریخ بھری پڑی ہے۔ یہ سب آپ کی اس سوچ فلسفہ ایڈمنسٹریشن کا نتیجہ ہیں کہ ”رعایا کا حال مجھے کیسے معلوم ہوگا“ جب تک مجھے بھی وہی تکلیف نہ پہنچے جو انہیں پہنچی ہے<sup>(۴)</sup>۔ ”آپ کے کامیاب و کامران حکمران ہونے کا یہی راز تھا۔ عوام اس وجہ سے آپ سے دلہندہ محبت رکھتے تھے۔ آپ کے ایک عامل خالد بن عرفطہ نے آئے تو آپ نے لوگوں کا حال دریافت فرمایا۔ انہوں نے عرض کی: ”امیر المومنین! میں نے اپنے پیچھے لوگوں کو اس حالت میں چھوڑا ہے کہ وہ دعا کر رہے تھے کہ اللہ ان کی عمروں میں سے کچھ عمر آپ کی عمر میں لگا دے<sup>(۵)</sup>۔“ ایک ایڈمنسٹریٹر اور فیجر کو اپنے پیچھے اس کی ذمہ داریاں اور ان کے تقاضوں اور ماتحت عملے کی سرگرمیوں کو کس نظر سے دیکھنا چاہئے اور ان کی رہنمائی و نگرانی کس انداز میں کرنی چاہئے اور اپنے سارے امور کے سلسلے میں عوام کا شعور بیدار کرنے اور انہیں اعتماد میں لینے کیسے کیا طریقہ اپنانا چاہئے؟ اس سلسلے میں آپ کا ایک جامع خطبہ نقل کیا جا رہا ہے جس میں آپ کے نظری فلسفے کے کئی پہلو واضح ہوتے ہیں۔ یہ خطبہ آپ نے عوام انسان کے سامنے دیا جس میں آپ کی حکومت کے کئی ہلکار اور مختلف شعبوں سے وابستہ ذمہ دار موجود تھے اس میں سب کیلئے رہنمائی ہے۔ اسے امام ابو یوسفؒ نے اپنی مشہور تصنیف ”کتاب الخراج“ میں نقل کیا ہے۔ اس کے مختلف اجزاء دیگر کتابوں میں بھی روایت کردہ ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ”اے لوگو! کسی بھی صاحب اختیار کو یہ حق نہیں کہ اس کی کسی ایسے کام میں اجازت کی جائے جس میں اللہ کی نافرمانی ہو نہ یہ بل صرف اسی وقت درست ہے جب یہ تین شرائط کے مطابق ہو<sup>(۶)</sup> حق کے مطابق یا جائے، حق کے مطابق خرچ کیا جائے اور ناجائز ذرائع سے بچا جائے۔ میں تمہارے

مال کا اس طرح نگران ہوں جس طرح یتیم کا ولی اس کے مال کا نگران ہوتا ہے۔ اگر میں غنی ہوں گا تو اس سے احتراز کروں گا اور اگر تنگ دست ہوں گا تو معروف کے مطابق کھاؤں گا۔ اگر کوئی کسی پر ظلم یا زیادتی کرے گا تو میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔ یہاں تک کہ اس کے ایک گان کو زمین پر رکھ کر اپنا پٹاؤں اس کے دوسرے گان پر نہ رکھ دوں تاکہ وہ حق کو تسلیم کرے۔ اے لوگو! تمہارے مجھ پر کچھ حقوق ہیں یہ حقوق تم مجھ سے وصول کرو تمہارے مجھ پر یہ حق ہے کہ میں تمہارے خراج اور تمہارے فے میں سے جو کچھ وصول کروں حق کے مطابق وصول کروں۔ تمہارا مجھ پر یہ حق بھی ہے کہ جو خراج میرے پاس آئے وہ میرے پاس سے خرچ نہ ہو مگر اس جگہ جہاں اس کے خرچ کا حق ہو۔ تمہارا مجھ پر یہ بھی حق ہے کہ میں تمہارے عطیات اور تحواہوں میں اضافہ کروں اور تمہاری سرحدوں کی حفاظت کروں تمہیں ہلاکت میں نہ ڈالوں اور تمہیں سرحدوں پر نہ روکے رکھوں۔ اب یہ ایسا زمانہ آگیا ہے جس میں ممانت دار کم ہیں قرآن پڑھنے والے زیادہ اور سمجھنے والے کم ہیں اور لوگوں کی آرزوئیں بڑھ گئی ہیں۔ لوگ کام آخرت کا کرتے ہیں لیکن اس سے دنیا طلب کرتے ہیں۔ یہ ایسا عارضہ ہے جو دین کو اس طرح کھاتا ہے جس طرح لکڑی کو کھا جاتی ہے۔ جو بھی اس صورتحال سے دوچار ہو اسے چاہئے کہ وہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرے اور صبر کرے۔

اے لوگو! اللہ نے اپنے حق کو مخلوق کے حق پر فوقیت دی ہے چنانچہ اللہ سبحانہ کافران ہے ”ولا یأمرکم ان تتحلوا الملائکة والنسب“ اور ہا ہا ایما یرکم بالکفر بعد اذ انتم مسلمون<sup>(۱)</sup> ترجمہ ”وہ تم سے ہرگز یہ نہ کہے گا کہ فرشتوں کو یا پیغمبروں کو اپنا پند بناؤ۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک نبی تمہیں کفر کا حکم دے جبکہ تم مسلم ہو۔“ یاد رکھو! میں نے تم کو لوگوں پر حکومت کرنے والا اور ظالم حکمران بنا کر نہیں بھیجا بلکہ میں تم کو ہدایت، ایمان پانچنے والا مقتدا بنا کر بھیجتا ہوں۔ مسلمانوں کے حقوق ادا کرو ان کو مار کر دیں نہ کرو نہ ان کی تعریف کر کے ان کو فتنہ میں مبتلا کرو اور اپنے دروازے ان پر بند نہ کرو کہ ان کے طاقتور ان کے کمزوروں کو کھا جائیں۔ خود کو ان پر ترجیح نہ دو کہ یہ ان پر ظلم ہو گا اور ان کے لئے نارائفت نہ ہو اور ان کی قوت کو کام میں لا کر کافروں سے قتال کرو۔ اگر اہل لشکر آگاہت محسوس کریں تو قتال سے رک جاؤ کہ دشمن کے ساتھ جہاد کرتے وقت یہ امر بہت نتیجہ خیز ثابت ہوتا ہے۔ ”اے لوگو! میں تمہیں امراء اصحاب پر گواہ بناتا ہوں کہ میں نے انہیں محض اس لئے بھیجا ہے تاکہ وہ لوگوں کو دین کی تعلیم دیں فتنے تقسیم کریں جھگڑوں کے فیصلے کریں اور کوئی دشواری ہو تو معاملہ میری طرف بھیجیں“<sup>(۲)</sup>۔

آپ نے اس تقریر کی ابتداء ہی میں اسلام کی نہایت ہی منفرد اور اہم انتظامی قدر کو اجاگر کیا ہے جو منظمین کے حق اطاعت کو محدود و مشروط کرتی ہے اور ان کے اختیارات کو شرعی ضابطے کا پابند بناتی ہے۔ پھر نظریہ عامہ کے نہایت اہم اصول یعنی مالیاتی مجبنت کے اہداف مقاصد طریق کار و مسائل کی تعیین و تقسیم کے نمایاں پہلو اور ان کی حدود و شرائط کا ذکر کیا ہے کہ حق کے مطابق لینا حق پر خرچ کرنا اور ناجائز ذرائع سے چٹا یہ حکومت کی بخت سازی ٹیکسیشن اور معاشی پالیسیوں کا بھی رہنما ضابطہ ہے۔ پھر آپ نے بطور منظم اپنے مالی حقوق و اختیارات اور حفاظت و استعمال کو ”یتیم کے دلی“ کی نہایت خوبصورت تشبیہ سے واضح کیا ہے۔ پھر آپ نے ظلم کے خاتمے کیلئے یہ فلسفہ دیا ہے کہ طاقتور اور ظالموں کا زور توڑا جائے اور انہیں حکومت کی طاقت سے سرنگوں کر کے مظلوموں کو حقوق دئے جائیں تاکہ زیادتیوں کا ازالہ ہو سکے۔ پھر آپ نے عوام کو ان کے حقوق سے آگاہ کرنے ان کے دفاع کیلئے رائے عامہ کو بیدار کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ اس بات کو ظاہر کرنے کیلئے کافی ہے کہ آپ کے رد ایک نظریہ عامہ کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنی پالیسیاں واضح رکھے عوام کو اعتماد میں لے اور اپنی حکمت عملی کو عوامی مفادات سے ہم آہنگ کرے۔ پھر آپ نے نظریہ عامہ کے اہم فرائض معاشی ترقی، امن و امان، سرحدوں کی حفاظت اور بردباری کے تمام عوامل سے بچانے کی تدابیر اختیار کرنا اور سماجی اور طبی ضروریات کی تکمیل کی طرف اشارہ کیا ہے۔ پھر آپ نے نظریہ عامہ کے مربیانہ کردار کو نمایاں کیا ہے کہ عمومی سماجی خرابیوں اور مسائل کی نشاندہی کرنا ان کا شعور اور ازالے کا حساس بیدار



کر کے تقویٰ اور خد ترسی کی ترغیب دینا اور حقوق خد و ندی کی ادائیگی کیسے تیار کرنا، اس کے کاموں کا حصہ ہے 'صرف روکھے انتظامی معاملات کو ذیل کرنائی کافی کہیں ہے۔ پھر آپ سے حکومت کے سب اہلکاروں کو جو آپ کی اس تقریر کے دوران جلسے میں موجود تھے سرعام ان کی ذمہ داریوں کی نوعیت و ضلع کی ہے کہ وہ حاکم و فرمانروا نہیں ہیں بلکہ خادم اور ہدایت دینے والے ہیں۔ یہ وہ چیز ہے جو قدیم بادشاہانوں کے دور کی ایڈمنسٹریشن اور عصر جدید کی بیوروکریسی کے مزاج و نغوت کے برعکس، اسلامی تصور کو منفرد انداز عطا کرتی ہے۔ آپ نے آخری حصے میں پہلک، ایڈمنسٹریشن کو پیشہ درانہ ضابطہ اخلاق اور ایسے انتظامی گروہ سے روشناس کر لیا ہے جو مقاصد کے حصول اور نظمیاتی ترقی اور مؤثر و نتیجہ خیز ایڈمنسٹریشن کیلئے سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ سب سے آخر میں آپ نے جن معاملات میں عوام کو گواہ بنایا ہے وہ آپ کی انتظامی حکمت عملی کا شاہکار ہیں۔ آپ کی انتظامی پالیسیاں، اسلام کا طرہ امتیاز اور بعد والے خلفاء کیسے روشن قدیل بن گئیں۔ روایت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہؓ اور دیگر حکام کے نام ہدایت نامہ بھیجا جس میں لکھا "تم جی روش پر قائم رہو جس پر حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں قائم تھے ورنہ کسی بات میں تہدیی نہ کرو اور اگر کسی کام میں دشواری معلوم ہو تو ہماری طرف رجوع کرو۔ ہم اس مسئلے کو قوم کے سامنے پیش کر کے جواب بھیجیں گے۔ تم تغیر و تبدل سے پرہیز کرو کیونکہ میں بھی تمہاری وہ بات مانوں گا جو عمرؓ تسلیم کیا کرتے تھے" (۱)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں نجران کے عیسائی ان کے پاس آئے اور عرض کی حضرت عمرؓ نے ہمیں ہماری زمینوں سے باہر نکال دیا اب آپ ہم پر حسان کر کے ہمیں واپس کر دیجئے۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا "تمہارا براہو" حضرت عمرؓ نہایت صحیح اور حق فیصلے کرتے تھے۔ میں عمرؓ کے کئے ہوئے کاموں میں کوئی تہدیی نہیں کروں گا" (۲)۔ "عوام کو فاروق اعظم کی پالیسیوں پر اس قدر بھرپور اعتماد تھا کہ اس میں ذرا برابر تہدیی بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد مشورہ سے نئے خلیفہ کا فیصلہ کرنے لگے تو انہوں نے حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ دونوں سے یہ وعدہ کیا کہ کتاب اللہ اور سنت نبوی کے بعد دونوں خلفاء کے طریقے پر چلیں گے" (۳)۔ شعلی کہتے ہیں کہ جب حضرت علیؓ (دار الخلافہ تہدیل کر کے) کو نئے میں آئے تو انہوں نے عمان کیا کہ میں اس لئے نہیں آیا ہوں کہ حضرت عمرؓ کے نافذ کردہ قوانین کو منسوخ کر دوں" (۴)۔

حضرت عمر بن عبدعزیزؓ نے مملکت کے تمام عمال کے پاس خط بھیجا جس میں لکھا "جو شخص پوچھے کہ مال فے کو کہاں کہاں صرف کرنا چاہئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جیسے حضرت عمر بن خطابؓ نے حکم دیا اور مومنوں نے اسے بدل کے موافق پایا۔ نبی ﷺ کے اس قول کے مطابق کہ اللہ تعالیٰ نے عمرؓ کی زبان اور دل پر حق جاری کر دیا ہے۔ انہوں نے عطیہ مقرر کئے اور تمام اویان کے پیروکاروں کی ذمہ داری لی۔ اس جزیرے کے بدے میں جو ان پر عائد کیا گیا۔ نہ اس میں سے پانچواں حصہ نکالا اور نہ ہی اسے غنیمت سمجھا" (۵)۔ امام ابو یوسفؒ نے ہارون الرشید کو لکھا کہ جو صلحیں حضرت عمرؓ نے نافذ کی ہیں وہ انہی شرائط کے ساتھ قیامت تک نافذ رہیں گی اس میں آپ اپنی رائے کو دخل نہیں دے سکتے۔ میں نے آپ پر یہ واضح کر دیا ہے کہ گرچہ گھر اور بیٹے کیوں باقی رہنے دیئے گئے تھے" (۶)۔ آپ کی بصیرت و فراست معاملہ فہمی اور انتظامی صلاحیت کے سب ہی معترف تھے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا ارشاد ہے "اللہ کی قسم وہ (حضرت عمرؓ) نہایت مستعد و ماہر منتظم اور بے مثال شخصیت کے حامل تھے۔ وہ پیش آنے والے معاملات کیلئے ان کے مطابق حل پیدا کر لیتے تھے" (۷)۔ "طارق کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا کہ عمرؓ کیسے آدمی تھے؟ انہوں نے جواب دیا "وہ ایک ہوشیار پرند کی مانند تھے (جو ہر طرف ایسے نگاہ و زائے) کہ اس کے گرد جال بچھایا جا رہا ہو" (۸)۔

## ○ انتظامی حکمت عملی جدید تناظر میں

### ۱۔ جدیدیت (Modernization)

جدیدیت سے مراد نئے کسی نظریہ، چیز، طریقے، انداز یا کام کو نئے، عصری اور تازہ ترین حالات و وقت کی ضروریات اور تقاضوں کے عین مطابق کرنا۔ اسے قدیم اور روایتی قواعد، سوچ اور عادات سے ہٹ کر اختیار کرنا۔ اس میں جدت اور نیا بین پیدا کرنا اور اس طرح تبدیل کرنا کہ جدید ضروریات کو نہایت حسن و خوبی سے پورا کر سکیں۔ جدیدیت دوسری قوموں کے افکار و نظریات، تہذیب و ثقافت، اطوار و عادات اور نظموں کی نقالی کو نہیں کہتے بلکہ نئی سائنسی ایجادات، آلات و دراز ذرائع، وسائل اور فنی طریقوں کو اپنے مقاصد، خواہشات اور ضروریات کیلئے استعمال کرنے کو کہتے ہیں۔

جدیدیت کی اصل معراج جدت (Innovation) ہے، یعنی خود یا خیال، نئی بات، نیا قانون، نیا قاعدہ، نیا طریقہ اور نیا آہ ایجاد کرنا، صورت حال کو بدس ڈالنا اور خود آگے بڑھ کے جدیدیت کی قیادت کرنا کہ دوسرے لوگ اور دوسری قومیں اس کی پیروی کریں اور آنے والے زمانے اسے مشعل رہ بنائیں۔ اسلامی تصور کے مطابق اجتہاد در حقیقت اسی جدت و جدیدیت کا نام ہے۔ مذہب عالم میں صرف اسلام ہی ایسا دین ہے جو سب سے جدید بھی ہے اور جدیدیت کا علمبردار بھی ہے۔ اس نے محض قدامت پسندی، روایت پرستی اور باپ دلائی اندھی تقلید کے جذبے سے کسی چیز کو اختیار کئے رکھنے کو سختی سے مسترد کر دیا اور زندگی کے معاملات کے سلسلے میں ہمہ گیر اصول، جامع اقدار اور رہنما قوانین فراہم کئے۔ ہر شعبہ زندگی کو بالکل منفرد اور جدید خطوط پر استوار کر کے ایک بالکل نئی اور ترقی یافتہ تہذیب و ثقافت کی بنیاد رکھی۔ دنیوی امور کے بارے میں ممنوعات کو نہایت محدود اور مباحات کا دائرہ لا محدود کر دیا تاکہ ہر زمانے کے لوگ اپنی اجتماعی سوچ، تحقیقات، تجربات اور ضروریات کے مطابق انہیں جدید اور ترقی یافتہ طریقوں کے ذریعے بہتر سے بہتر انداز میں سرانجام دینے کے قابل ہو سکیں۔ یہ طریقہ وہ خود بھی وضع کر سکتے ہیں اور معروف و مردوجہ طریقوں سے استفادہ بھی کر سکتے ہیں۔ شرط صرف یہ ہے کہ وہ اسلام کے بنیادی فلسفے اس کی تعلیمات اور مزاج و مقاصد سے متصادم نہ ہوں۔

فاروق اعظمؓ نے اپنی اجتہادی بصیرت ہی کے ذریعے اسلام کی روح کو سمجھا۔ اس کے احکامات کی روشنی میں جدت و جدیدیت کو فروغ دیا۔ بعض ایسے نئے اقدامات کئے جن کے خوش چہیوں میں صرف ہمارا جدید عہد ہی نہیں بلکہ آئندہ آنے والے زمانے بھی شامل ہوتے رہیں گے۔ حضرت عمر فاروقؓ مجتہد تھے اس لئے وہ حالات و زمانہ کی تبدیلی اور اس کے نتیجے میں بدستی ہوئی جدید ضروریات اور ان کے تقاضوں سے لا تعلق نہیں رہ سکتے تھے۔ انہوں نے اپنے وقت کے جدید مسائل کا گہری نظر سے مطالعہ کیا اور انہیں حل کرنے کیلئے پبلک ایڈمنسٹریشن کو نئے خطوط پر استوار کیا۔ اس کی بہترین مثال آپ کی اولیات ہیں <sup>(۱)</sup>۔ ایڈمنسٹریشن میں روایت پسندی اور قدامت پرستی کے قائل نہیں تھے۔ انہوں نے اس شعبے میں پرانے تجربات سے فائدہ اٹھانے کے ساتھ ساتھ نئے تجربات کئے اور حسب ضرورت نئی پالیسیاں اور حکمت عملی وضع کی اور امن و استحکام، ترقی و وحدت اور حقوق کی فراہمی کیلئے نئے راستے تلاش کئے۔ نئے انتظامی آلات و طریقہ کے اختیار کرنے میں انہیں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہوئی۔ انہوں نے جدت و جدیدیت کو صرف اختیار ہی نہیں کیا بلکہ اس کے رجحانات کو اسلامی معاشرے میں تحریک دی اور پروان چڑھایا۔ سیکوریت و تصور کے برعکس آپ کا تصور جدیدیت یہ تھا کہ اسے اسلامی اصول و روایات کی پاسداری کرتے ہوئے نئے تقاضوں کے مطابق پالیسیاں

بنائی جائیں اور نہیں اسلامی انتظامی ماڈل کا جزو بدب بنایا جائے۔ آپ کے زمانے میں دنیا کی تمام مملکتوں میں ایڈمنسٹریشن گھسے پٹے قدم اور روایتی اصولوں کے مطابق چلائی جا رہی تھی جو قبائلیت، بادشاہت اور جاگیر داری کے فلسفوں کے زیر اثر تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے سلاوی فلسفے کے تحت پہلی مرتبہ نئے تصورات کا ایک واضح خاکہ اور ڈھانچہ پیش کیا جو بعد کی سلاوی مملکتوں کیلئے سنگ میل ثابت ہوا۔ اسلام کا یہی وہ پہلو ہے جس نے اہل مغرب کو سب سے زیادہ متاثر کیا اور یورپ کی نشاۃ ثانیہ میں اہم کردار ادا کیا۔ آزادی مساوات عدل وسیع الشری بنیادی حقوق عوامی شراکت 'جوابدہی' انتخاب 'انتخاب' نگرانی 'قیادت' کیونٹیکیشن 'یونٹی' آف کمانڈ وغیرہ پر مبنی ایڈمنسٹریشن کے جدید نظریات میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہو جس کی خوشہ چینی کا سراغ فاروق اعظمؓ کے فلسفے سے نہ لگایا جاسکے۔ ایک محقق کا یہ قول بالکل صحیح ہے کہ

"Umar's administration was characterized by innovation and reform. It also incorporated concepts which we regard as new to present day administrative theory and practice." (Al-Buraey:248)

اسلام نے جہاد کا اصول اسی مقدمہ کیلئے مقرر کیا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے دیگر شعبوں کی طرح ایڈمنسٹریشن میں س اصول کا بھرپور استعمال کرتے ہوئے مختلف حکومتی اداروں کی تجدید (Modrenize) کی۔ مثلاً آپ نے معاشرے کی بڑھتی ہوئی اجتماعی ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے مختلف قسم کی عمارات سرکاری سطح پر تعمیر کرائیں جس سے نہ صرف عوام کو جدید سہولیات میسر آئیں بلکہ حکومتی اہلکاروں کو نظامی معاملات کے سنبھالنے میں نہایت مددگار ثابت ہوئیں۔ ان میں بعض مذہبی نوعیت کی تھیں جیسے مسجد وغیرہ جو فکری، نفسی، تربیتی اور ثقافتی مرکز کی حیثیت رکھتی تھیں۔ ان کی تعداد چار ہزار تک ہے۔ دوسری دفاعی اور فوجی نوعیت کی تھیں جو علاقوں کی حفاظت اور امن وامان کے قیام میں اہم کردار ادا کرتی تھیں ان میں قلعے، چھاؤنیاں اور ہارکیں وغیرہ شامل تھیں۔ تیسری سول اور سرکاری نوعیت کی تھیں جن میں انتظامی نوعیت کے معاملات نمٹائے جاتے تھے۔ ان کی نوعیت سیکرٹریٹ کی سی تھی۔ انہیں "دارالدارۃ" کہا جاتا تھا۔ اس میں صوبہ جات اور اضلاع کے حکام مقرر قیام کرتے تھے ان کے دفاتر بھی موجود ہوتے تھے<sup>(۱)</sup>۔ "جو تھی قسم دو ان کی تھی جن میں مختلف قسم کے رجسٹر اور کاغذات ہوتے تھے۔ ان میں فوج، اعمال اور عوام کی تفصیلات ان کے وظائف و مراعات کا ذکر ہوتا تھا۔ پانچویں نوعیت بیت المال کی تھی۔ یہ بڑی مضبوط اور مستحکم ہوتی تھی۔ عام طور پر مسجد کے قریب ہوتی تھی تاکہ اس کی نگرانی ہوتی رہے۔ چھٹی قسم قید خانوں کی تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے پہلی مرتبہ اس کا اہتمام کیا۔ ساتویں قسم مہمان خانوں کی تھی اس کا انتظام بھی سرکاری طور پر کیا گیا تھا۔ ان کی تعمیر کا مقصد یہ تھا کہ دوسرے شہروں سے آنے والے لوگوں کو تکلیف نہ ہو۔ چند روز کیلئے آسانی سے قیام کر سکیں<sup>(۲)</sup>۔ (دارالریق) کہا جاتا تھا۔ اس میں مسافروں کی ضروریات کا سارا سامان موجود ہوتا تھا جس میں "ٹا" ستو، کھجور، کشمش وغیرہ<sup>(۳)</sup>۔ کے اور مدینے کے راستے کو تو مسافر خانوں سے بھر دیا وہاں دیگر ضروریات کے ساتھ سائے اور پانی کا انتظام ہوتا<sup>(۴)</sup>۔

آپ نے جو نئے شہر سائے وہ شہری منصوبہ بندی (Town Planing) کا شاہکار تھے۔ ان میں کوفہ، البصرہ، قسطنطنیہ، موصل اور حیرہ شامل ہیں۔ درمیان میں مسجد اور دفاتر چاروں طرف کشادہ اور سیدھی سڑکیں مختلف بلکوں میں تقسیم، آب و ہوا کے اعتبار سے نہایت مفید اور تمام ضروری سہولیات سے مزین شہر بنائے گئے جو اس وقت کے سرحدی علاقوں پر واقع تھے جو دہائی اعتبار سے بھی بہت اہم تھے۔ ان میں سیٹے اور منصوبہ سے لوگوں کو آباد کیا گیا۔ بہت جلد یہ اسلامی تہذیب و ثقافت کے مراکز بن گئے۔ حضرت عمرؓ نے پہلی مرتبہ یہاں کے مکانات تعمیر کرنے کی بھی اجازت دی۔ حضرت عمرؓ نے اس بارے میں خصوصی ہدایات دیں مثلاً وفد کی تعمیر کیلئے آپ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو لکھا "مسلمانوں کیلئے ایک شہر (درالہجرۃ) بساؤ جہاں کیونٹی سنٹر (قیردان) بھی ہو۔" ابتدائی طور

پر جس جگہ کا انتخاب کیا گیا وہاں بہت مجھرتے تھے۔ حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع دی گئی تو آپؓ نے لکھ ”عربوں کی حالت اونٹ کی سی ہے۔ اس کو ایسی جگہ اس نہیں آسکتی جو اونٹ کو اس نہ آئے تم ان سب سے دور جگہ متلاش کرو لیکن میرے اور ان کے درمیان سمندر حائل نہ ہو۔“ اس میں مختلف علاقوں اور قبیلوں کے لوگوں کیلئے الگ الگ قطعہ مختص کئے گئے جو عربوں کی تہذیبی روایات کے عین مطابق تھے۔ اسی طرح ابصرہ بھی حضرت عمر فاروقؓ کے مشورے سے نہایت سرسبز اور پر فضا مقام پر تعمیر کیا گیا<sup>(۱)</sup>۔

آپ کے بے شمار فیصلے ایسے تھے جو حالات درمانہ کی تہذیبی کی وجہ سے نئے انداز میں کئے جو دور جدید کی نظریہ عامہ کو معاملات کے انتظام و انصرام میں رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک شخص حاطب کے غلاموں نے قبیلہ خزیمہ کے آدمی کا اونٹ چرا کر کاٹ کھاپا۔ آپؓ نے کثیر بن صلت کو ان کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ پھر آپؓ نے حاطب سے کہا کہ ”میں سمجھتا ہوں کہ تو نہیں بھوکا رکھتا ہوگا۔ خدا کی قسم میں تم سے ایسا تاوان و ماؤں گا جو تجھے بہت گراں گزرے گا۔“ پھر آپؓ نے اونٹ دے سے پوچھا ”تیرا اونٹ کتنے کا ہوگا؟“ اس نے کہا کہ میں نے چار سو درہم کا خریدا لیکن میں نے نہیں بیچا۔ آپؓ نے حاطب سے فرمایا کہ ”اسے آٹھ سو درہم ادا کرو“<sup>(۲)</sup>۔ آپؓ نے اس موقع پر فرمایا ”یاد رکھو بخدا اگر مجھے یہ معلوم نہ ہوتا کہ تم لوگ غلاموں سے خوب کام لیتے ہو اور ان کو بھوکا رکھتے ہو۔ یہاں تک کہ اگر کوئی مجبور ہو کر حرام چیز کھالے تو وہ حلال ہو جائے تو میں یقیناً اس کے ہاتھ کاٹ ڈالتا“<sup>(۳)</sup>۔

دور جدید میں فساد اور اذیت کے سارے میں اگر وہ کسی جرم میں موٹ ہوتا تو یہ تحقیق کی جاسکتی ہے کہ کہیں ان کی زیادتی و مآرہ واپرائی کا دخل تو نہیں ہے۔ اگر ایسا ثابت ہو تو ان پر تاوان عائد کر کے معاملات کی صلاح کی جاسکتی ہے۔ اسی طرح دور جدید میں صنعتی اور مشینی ترقی کی وجہ سے زمینی سمندری اور فضائی حادثات میں بے پناہ اضافہ ہو گیا ہے لیکن المسونہ کا پہلو یہ ہے کہ آئے دن سینکڑوں لوگ مارے جاتے ہیں جن میں بیشتر خاندانوں اور گھرانوں کے کفیل دسہار ہوتے ہیں جو ان کے بعد جزا جاتے ہیں مگر ان کی دیت کا کوئی تصور موجود نہیں ہے جس کی وجہ سے سرے والوں کے بچے عمر بھر افلاس و بے چارگی کی زندگی گزر رہے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اسلام نے قتل خطائی دیت ”عاقہ“ یعنی قاتل کے خاندان اور قبیلے کے لوگوں پر ڈالی ہے تاکہ سب مل کر پسندگان کے نقصان کو کم از کم معاشی اعتبار سے پورا کریں۔ دور جدید میں عائد ان ٹرانسپورٹ کمپنیوں کو قرار دیا جاسکتا ہے جن کے ڈرائیوروں کی غصت و مآرہ واپرائی سے حادثہ پیش آیا ہو یا انشورنس کمپنی کی طرف بھی دیت کی ادائیگی کی ذمہ داری منتقل کی جاسکتی ہے۔ اس کی بنیاد حضرت عمر فاروقؓ کے اس فیصلے پر استوار کی جاسکتی ہے۔ بقول قحی امینی ”حضرت عمرؓ کے زمانے میں حالات کی تبدیلی سے جب معاشرتی زندگی کی نئی تنظیم وجود میں آئی تو انہوں نے عاقہ کے نظام کو وسعت دی اور یہ قانون مقرر کیا کہ اگر قاتل اہل دیوان میں سے ہے تو عاقہ اہل دیوان ہوں گے۔“ اہل دیوان میں ایک دفتر یا محکمہ کے لوگ شامل ہوتے تھے جن کے نام ایک رجسٹر میں درج ہوتے تھے۔ اس تبدیلی پر علامہ سرخسیؒ کی رائے یہ ہے ”رسول اللہ ﷺ نے دیت کی ذمہ داری خاندان اور قبیلے پر اس لئے ڈالی تھی کہ اس وقت قوت و مدد انہی کے درجے حاصل ہوتی تھی۔ پھر حضرت عمرؓ نے جب دفاتر کا نظام مرتب کیا تو یہ قوت و مدد اہل دفاتر سے وابستہ ہو گئی تھی۔“ اگر ہم پیشہ و ہم مشرب لوگوں سے دیونین و رانجمن کے ممبروں سے یا جماعت کے راکین و جیر کے مریدین سے یا انہی قوت و مدد حاصل ہو تو سب کو دیت کا ذمہ دار بنانے کی اجازت ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے ”اگر آج بھی مدہم پیشہ لوگوں سے ہو سکتی ہے تو عاقہ ہم پیشہ و گ قرار پائیں گے“<sup>(۴)</sup>۔

دور جدید میں لوگوں کی زندگی ڈاکٹروں کے ہاتھ میں ہوتی ہے ان کا علم و تجربہ ہونا ہو کہ۔ کیلئے کلینک کھول کر بیٹھ جاتے ہیں۔ پی مہارت ثابت کرتے کیلئے

چھوٹی موٹی بیماریاں کیلئے بھی زیادہ طاقت کی اور مہنگی دوائیاں لکھ دیتے ہیں، جن کے منفی اثرات کا وہیل مریضوں کو سہا پڑتا ہے۔ بسا اوقات اپنی غلطی 'نااہلی' مصروفیت یا پرواہی سے ان کے امراض کو زیادہ پیچیدہ بنا دیتے ہیں اور موت سے بھی ہمکنار کر دیتے ہیں۔ اپریشن کے وقت پیاس اور اوزار تک پیسے میں بھروسہ جاتے ہیں۔ کیا سے نقدیر کا لکھا سمجھنا چاہیے یا پھر ڈاکٹر کی کوٹاہی کا ثبوت ہونے کی صورت میں اسے ذمہ دار قرار دیا جاسکتا ہے؟ حضرت عمر فاروقؓ کا فیصلہ وہ اس کا زمرہ در ہے اسے اس کی سزا دی جاسکتی ہے۔ ایک ڈاکٹر نے غلطی سے ایک بچے کے عضو تناسل کا ایک حصہ کاٹ دیا تو آپ نے اس پر تادم عائد کیا<sup>(۱)</sup>۔ "اسی طرح آپ نے بے شمار نئے انتظامی فیصلے کر کے اصلاح احوال کیلئے ایسے خطوط متعین کئے جنہیں ہم لاحقہ مسائل کے حل کی بنیاد بنا سکتے ہیں۔ چند حسب ذیل ہیں۔

ابوسفیان نے مکہ میں پناہ کا غلط جگہ پر تعمیر کر دیا۔ پہاڑیوں سے آنے والے پانی کے آگے پتھر رکھوا دیئے جن کی وجہ سے پانی کا رخ دوسری طرف ہو گیا جس سے دیگر لوگوں کے مکانات بہہ جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے خود جا کر وہ پتھر اٹھوا دیئے پھر قبلہ رو ہو کے اللہ کا شکر ادا کیا جس نے اسلام کی وجہ سے دوا کی مکہ میں عمرؓ کو ابوسفیان پر غالب کیا<sup>(۲)</sup>۔ آپ سے ہوئے غریب لوگوں کو سر بلند کرنے اور اعتماد دینے اور اسلام کے جدید اور منفرد عادلانہ نظام کی سادگی کو مستحکم کرنے کیلئے عہد جاہلیت کے طاقتور سرداروں کے گھمڑ کو انتظامی آلات کے ذریعے ختم کرتے رہتے تھے تاکہ وہ مطیع و فرمانبردار بن کر رہیں اور حکومتی کنٹرول اور اتھارٹی ثابت ہو جائے۔

ایک مرتبہ قریش کے چند رؤسا جن میں سہیل بن عمروؓ، حارث بن ہشام اور ابوسفیان آپ کو ملنے کیلئے حاضر ہوئے۔ اسی دور میں اتفاق سے حضرت صہیبؓ حضرت بلالؓ اور چند دوسرے موان بھی باہر پہنچے۔ آپ نے ان لوگوں کو پہلے ہی اندر بلا دیا۔ ابوسفیان کو سخت ناگوار گزر اور کہا "آج کیا زمانہ آگیا ہے کہ انہیں تو اندر بلا لیا گیا ہے اور ہماری طرف کسی نے التفات تک نہیں کیا۔" سہیل بن عمروؓ بڑے غلغلہ سے بولے "مجھے تمہاری ناگوار خیاطہ کا احساس تمہارے چہروں سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔ تمہیں شکایت خود اپنی ذات سے ہونی چاہئے۔ پکارنے والے نے تو سب کو پکارا تھا لیکن ان لوگوں نے سبقت حاصل کر لی اور تم نے دیر کر دی۔ اب قیامت کا تصور کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ پہلے بلا لئے جائیں اور تمہیں چھوڑ دیا جائے"<sup>(۳)</sup>۔

اسی طرح کے ایک واقعے میں حارث اور سہیل بن عمروؓ تھے۔ ملاقات کے وقت حضرت عمرؓ کے دائیں بائیں بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد مہاجرین اولین آنا شروع ہو گئے۔ جوں جوں کوئی برگزیدہ مہاجر (صحابی) آتا حضرت عمرؓ اسے قریب جگہ دے دیتے ان دونوں کو ہٹا پڑتا۔ آپ فرماتے "حاصنا یا سہیل! حاصنا یا حارث!" (سہیل تم یہاں حارث تم یہاں) یہاں تک کہ دونوں مجلس کے بالکل کنارے تک پہنچ گئے۔ جب باہر نکلے تو حارث سہیل سے کہا "دیکھ تم نے حضرت عمرؓ سے کیسے پیش "ئے؟" میرے بھائی ہمیں شکایت اپنے آپ سے کرنی چاہتے ہم نے اسلام کی دعوت عام قبول کرنے میں تاخیر بھی تو بہت کی۔" تاہم حضرت عمرؓ کے اس طرز عمل کا وہوں کو بہت ملال تھا۔ اسی دن پھر ملنے کیلئے چلے گئے اور عرض کیا "امیر المؤمنین! آپ کے آج کے طرز عمل سے گویا ہماری فہمائش اور تنبیہ مقصود تھی۔ آخر آپ کے تقرب کی کوئی صورت ہو سکتی ہے؟" فاروق اعظمؓ نے روم کی سرحدوں کی طرف اشارہ فرمایا "دونوں شام کی طرف روانہ ہو گئے اور وہاں جہاد میں اپنی جاییں دے دیں۔ مدائن پر رستہ نازل فرمائے"<sup>(۴)</sup>۔

سپ کی کامیاب تنظیمی حکمت عملی میں جدت و نیرنگی کا بڑا گہرا دخل تھا۔ آپ نہایت دانشمندی سے حقائق تک پہنچنے کی کوشش کرتے اور واقعات کی تحقیق و تفتیش کیلئے اچھوت طریقے اختیار کرتے۔ ان کی وجہ سے آپ کا عیب قائم ہو تا جراثیم کم ہوتے اور مایہ دمان برقرار رہتا۔ اس کا اندازہ اس واقعے سے لگایا جاسکتا ہے:

ایک دن آپ کو سردار ایک نوجوان لڑکے کی لاش ملی آپ نے تعیش کی مگر قاتل کا سراغ نہ مل سکا۔ آپ نے دعا کی ”اے اللہ مجھے توفیق دے کہ میں قاتل کا پتہ چھ دوں۔“ اس واقعے کو یک سال گزرا تھا کہ میں اسی جگہ جہاں مقتول کی لاش دیکھی گئی تھی ایک نومولود اور نوزائیدہ بچہ پڑا ہوا پایا گیا۔ اس سے آپ کی ذہاں بندھی اور فرمایا ”انشاء اللہ اس میں قاتل کا پتہ چلاؤں گا۔“ آپ نے اس بچے کو ایک عورت کے سیر کیا اور اسے حکم دیا کہ ”بچے کی نگہداشت کرتی رہے اس کی تمام ضرورتوں کا خیال رکھے اسے حکومت کی طرف سے معاوضہ ملے گا اور ساتھ ہی ان عورتوں پر بھی نگاہ رکھے جو اس بچے کو گود لینے کی طرف مائل ہوں۔ اگر کوئی ایسی عورت نظر آئے جو بچے کو پیار کرے اور چھاتی سے لگائے تو انہیں اس کا مکمل پتہ بتایا جائے۔“ جب یہ بچہ بڑا ہوا تو ایک عورت اس سرکاری دایہ کے پاس آئی اور کہا ”میری مالکن نے مجھے یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ انہیں یہ بچہ لوٹا دیا جائے۔“ اس نے کہا بالکل ٹھیک چلو میں بھی جیتی ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے بچہ ساتھ لیا اور پیغام لانے والی عورت کے ساتھ چل دی۔ جس وقت یہ دونوں مالکن کے پاس پہنچیں جو اصل میں بچے کی ماں تھی اس نے بچے کو گود میں اٹھایا پیر کیا چوہا در چھاتی سے لگایا۔ مگر یہ مالکن کون تھی؟ ایک جلیل القدر انصاری صحابی کی بیٹی تھی۔ حضرت عمرؓ کو صورتحال سے آگاہ کر دیا گیا انہوں نے ہاتھ میں تلوار اٹھائی اور عورت کے مکان پر پہنچے۔ بچہ کی ماں کے والد اپنے دیوان خانہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ امیر المومنین نے انصاری صحابی سے پوچھا ”تمہیں معلوم ہے تمہاری لڑکی نے کیا کیا ہے؟“ صحابی بولے ”امیر المومنین میری بیٹی اسلامی کردار کا نمونہ ہے۔ وہ اللہ کے حقوق بھی پہچانتی ہے اور اپنے والد کے حقوق بھی اور صوم و صلوٰۃ کی پابند ہے۔“ حضرت عمرؓ بولے ”بہر حال یہ ضروری ہو گیا ہے کہ میں اس لڑکی سے کچھ باتیں کر دوں اور اس کو نیک اعمال کی طرف راغب کر دوں۔“ صحابی نے کہا ”امیر المومنین اللہ آپ کو جزائے خیر دے آپ یہیں ٹھہریں میں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔“ مگر میں جا کر صحابی نے اعلان کیا کہ امیر المومنین اندر آنا چاہتے ہیں آپ اندر تشریف لے گئے اور حکم دیا کہ ”میرے اور صحابی کی لڑکی کے علاوہ گھر میں کوئی نہ رہے۔“ جب گھر بالکل خالی ہو گیا تو آپ نے اپنی تلوار بنام سے نکالی اور فرمایا ”تم پورا وقت مجھے سچ بچھاؤ۔“ ان کی عادت تھی کہ اگر کوئی اصل واقعے کو بلا کم و کاست بیان کر دیتا تو اسے نہ جھٹلاتے۔ لڑکی بولی ”امیر المومنین ذرا ٹھہرائے میں قسم کھاتی ہوں کہ پورا واقعہ سچ بچھاؤں گی۔“ ایک سن رسیدہ عورت میرے پاس آتی رہتی تھی میں نے اسے ماں بنالیا تھا اور وہ بھی مجھ سے ماں جیسا برتاؤ کرتی تھی۔ میرا طرز عمل ایسا ہو گیا تھا گویا میں اس کے بطن سے پیدا ہوئی ہوں۔ کچھ مدت بعد ایک دن وہ عورت آئی اور کہا ”بیٹی مجھے ایک سفر درپیش ہے میری بیٹی ایک جتنی ہے میری میر موجودگی میں ممکن ہے اسے تکلیف ہو میں چاہتی ہوں کہ اسے تمہارے پاس چھوڑ جاؤں ورنہ کسی پر اسے بجاؤں گی۔ اس بہانے سے اس بڑھپانے ایک جوان لیکن بے ریش و برد لڑکے کو میرے پاس چھوڑ دیا۔ یہ لڑکا ایک دو شیزہ کی ہیئت اختیار کئے ہوئے تھا۔ جب اسے لپکا گیا تو اس کی ہیئت کڈائی سے مجھے گمان تک نہ گزرا کہ یہ لڑکی نہیں ہے۔ ایک دن جب میں سو رہی تھی تو اس نے مجھے اپنی ہوس کا نشانہ بنالیا۔ میری آنکھ کھلی تو حاست یہ تھی کہ مجھ سے احتیاط کی منزل میں تھا۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر ایک خنجر اٹھا جو اتفاق سے میرے پہلو میں تھا اور اس بد بخت کو ہلاک کر دیا۔ اس کے بعد میں نے اسے پھینک دیا مگر اس افسوسناک واقعے کا نتیجہ یہ پڑا تھا کہ جب یہ بچہ پیدا ہوا تو میں نے اسے بھی میں اسی مقام پر ڈھولا دیا۔ بس یہ ہے قصہ اس مقتول کا اور اس سوؤں کا۔“

امیر المومنین بولے ”لڑکی تو سچ کہی۔“ اس کے بعد آپ نے اسے نصیحتیں کیں ہدایتیں دیں اور اسے دعا دے کر گھر سے باہر آگئے۔ صحابی سے جو اس شجاع اور پاکہ من لڑکی کے وعدہ تھے فرمایا ”تمہاری لڑکی ایک قاتل قدر لڑکی ہے میں نے اسے نصیحتیں کی ہیں اور چند ہدایت دی ہیں۔“ صحابی نے عرض کی ”امیر المومنین اللہ آپ کو رعیت کی پاسداری کا صلہ دے“<sup>(۱)</sup>۔ آپ حالات و وقت کے تقاضوں کو بھی خوب سمجھتے تھے اور قوانین کے حلاق کے عمل کو اچھی طرح

جانتے تھے 'آپ مستقبل کے نتائج کا اندازہ کر کے فیصلے فرماتے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی پالیسیاں رمان و مکان کی قیود سے آزاد ہو کر ہر دور کی اسلامی ایڈمنسٹریشن کا دستور العمل ٹھہری ہیں۔ روایت میں آتا ہے کہ آپ نے ایک شخص کو حرم کی حدود میں ایک درخت کو کاٹنے اور اپنے لاونٹ کو کھلاتے ہوئے دیکھا۔ اس شخص کو طلب کیا 'وہ آیا تو فرمایا "اے اللہ کے بندے تمہیں معصوم نہیں کہ مکہ حرام ہے اور اس کی حدود میں درخت کاٹنا جائز نہیں ہے۔ ان حدود میں قطع شجر یا شکار وغیرہ ناگزیر صورتوں میں ہی جا رہے ہو؟" اس نے جواب دیا "امیر المومنین میں نے اضطراب کے عالم میں یہ کیا ہے میرے پاس جو جانور ہیں وہ بے حد کمزور ہیں۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو شاید وہ سب ہی مر جاتے۔" آپ نے یہ بات سنی تو آپ کا دل بھر آیا۔ آپ نے صدقے کے لاونٹوں میں سے ایک لاونٹ جو آٹے کی بوریوں سے بھرا ہوا تھا منگو کر اس شخص کے حوالے کیا اور فرمایا "سندھ کبھی حرم کے درخت نہ کاٹا"۔<sup>(۱)</sup> "یہ ایڈمنسٹریشن کا بالکل منفرد انداز ہے کہ بظاہر سراسر کے مستحق شخص کو حقیقی عذر اور مجبوری دیکھ کر شفقت و معاونت کا حقدار ٹھہرایا جائے۔ اس طریق کار کو کبھی عہد حاضر میں بھی اپنایا جائے تو معاشرہ کا نقشہ تبدیل ہو جائے۔ ایک شخص یہ سنا تھا اس نے کچھ لوگوں سے جن کے پاس پالی موجود تھی پانی مانگا انہوں نے انکار کر دیا یہ بے چارہ ویسے سے مر گیا۔ حضرت عمرؓ نے ان لوگوں کو اس شخص کا قاتل قرار دیا اور درخت کو خوش بہادلوں دیا۔<sup>(۲)</sup>

ہمارے دور اس جدیدیت کے مقابلے میں کتنا فرسودہ اور پسماندہ ہے کہ حکومتوں کی پالیسیوں سے عوام بے در در گاری اور بھوک و افلاس کا شکار ہو رہے ہیں۔ مینار پاکستان سے چوبیس لوگ مجبور ہو کر خودکشی کر چکے ہیں 'مائلین' بچوں سمیت اپنی زندگی کا خاتمہ کر رہی ہیں 'مگر اس کی دوسری کسی کے سر پر نہیں ڈالنا چاہی۔ یہ معمول کے واقعات بن چکے ہیں۔ سب قوانین پر بہت زیادہ افسوس کرنے کی بھی کسی کو فرصت نہیں۔ آپ کی توجہ زندگی کے تمام معاملات کی طرف ہوتی تھی۔ آپ حکومتی نظامات کو جدید سانچوں میں ڈھالنے میں ہمہ وقت مصروف رہتے۔ اس کی ایک مثال نکل سال کا قیام بھی ہے 'چنانچہ روایت میں آتا ہے۔ عہد جاہلیت سے دور فاروقی تک اہل عجم کے بنائے ہوئے سکے وراثہ استعمال ہوتے تھے۔ اس سے مارکیٹ پر ان کی بادل دستی بھی ہوتی تھی اور وہ کھوٹ بھی ملا دیتے تھے۔ آپ کی خواہش تھی کہ پنا مستقل نکل سال قائم کریں 'دراونٹ کے چمڑے کے سکے ہوائیں 'لوگوں نے مشورہ دیا کہ اس سے اونٹ ختم ہو جائیں گے۔ آپ نے اس پر عمل نہ کیا 'بلکہ ایرانی شکل کے درہم ہوائے 'جن پر "الحمد للہ" اور "لا الہ الا اللہ" تحریر کر کے اسلامی سکے کا جراء کیا۔ ان کے اور ان بھی یکساں کر دیئے۔<sup>(۳)</sup>

ڈاکٹر محمد رواس قلندرجی کے بقول "حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں کثرت فتوحات ہوئیں 'جن کے نتیجے میں مسلمانوں پر مال و دولت کے خزانے کھل گئے اور مسلمانوں کو ایسی تہذیبوں اور تمدنوں سے سابقہ پڑا 'جن سے وہ پیسے واقف نہ تھے 'لہذا ناگزیر ہوا کہ حلیفہ دوم ان نئے تہذیبی اور ارتقائی حاسات کا مقابلہ ایسے تہذیبوں و ارتقائی اصولوں سے کریں 'جو شریعت اسلامی و اس کے عمومی اصولوں سے ماحود ہوں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زندگی کے تمام پہلوؤں میں خواہ وہ سیاسی ہوں یا اقتصادی 'معاشرتی ہوں یا قانونی ایسی ترقی پذیر تبدیلیاں کر دیں 'جو ایک طرف امت مسلمہ کی ضرورتوں اور مصلحتوں کو بروئے کار لے آئیں 'اور دوسری طرف معاشرے کو اسام کے ہیودی اصولوں سے دور بھی نہ ہونے دیا۔ آپ نے شہر آباد کئے اور مختلف علاقوں کے قاضیوں کے نام فرامین و احکام جاری کئے 'جو آج کل بھی قاضیوں 'قانون دانوں اور حکومت کے مافی مور کے ہرین کیسے رہنما اصولوں کا کام دیتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے ریاست کا مالی نظام قائم کیا 'محمکوں کے ریکارڈ (دواوین) مرتب کئے۔ یک نکل اور مضبوط اقتصادی نظام کی عمارت استوار کی 'دروگوں کی اجتماعی زندگی کا ڈھانچہ انتہائی حزم و احتیاط کے ساتھ استوار کیا۔ حضرت عمرؓ نے اسلامی حکومت کی تعمیر میں رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کی روح کو کمال درجہ کی مہارت کے ساتھ سمویا 'بلکہ انہوں نے اس عمارت میں ایسی درنگاری کی جس نے اسے مزید چکا چوند بخش دی۔<sup>(۴)</sup>

## ۲۔ انجذاب (Assimilation)

فاروق اعظمؓ کی انتظامی حکمت عملی کا ایک درہم نقطہ انجذاب ہے۔ آپ ایڈمنسٹریشن میں تنگ نظری 'محدودیت و رجوع' کے قائل نہیں تھے۔ آپ کی سوجنا اور رویے نے تمام کو ایک جاندار 'متحرک'، 'شعور'، 'قابل عمل' اور 'دلکش' جدید تہذیبی قوت کے طور پر ایسے علاقوں میں متعارف کرایا جو قدیم تہذیبوں اور ثقافتوں کی آماجگاہ تھے۔ مثلاً عراق، ایران، شام، فلسطین، مصر وغیرہ یہ ممالک عربوں سے زیادہ ترقی یافتہ و خوشحال تھے۔ ان کو اپنے مستحکم سیاسی نظاموں پر فخر تھا اور عہد عمرؓ تک قیصر و کسریٰ کی عظیم سلطنتیں سپر پاورز کی حیثیت رکھتی تھیں اور جہاز کے ریزہ علاقوں پر قابض تھیں اور ان کا سیاسی اثر و نفوذ عہد رسالت میں ایک پہنچ بنا رہا۔ عہد صدیقی میں نصیب و لے طوفانِ بعثت و رستا کے پیچھے بھی ان کی شہہ اور منصوبہ بندی شامل تھی۔ عہد فاروقی میں جب اسلامی لشکروں کے جدہ جہاد اور فاروق اعظمؓ کی اعلیٰ حکمت عملی اور منصوبہ بندی اور اللہ کی تائید و نصرت سے مغلوب ہو کر مسلمانوں کی قلمرو میں شامل ہوئے 'تو ضرورت' اس بات کی تھی کہ وہاں کے سہا سال کے تحریات و انتظامی طور طریقوں سے استفادہ کیا جائے اور ان میں سے جو صحیح ہوں اور اسلامی مزاج سے مطابقت رکھتے ہوں انہیں اسلامی فریم ورک میں جذب کیا جائے۔ آپ نے نہایت فراخ دلی سے یہ قدم اٹھایا۔ یہ اجنبی نظاموں کی نقالی نہیں تھی بلکہ انجذاب تھا کیونکہ آپ نے مرغوبیت کے ساتھ انہیں باہون چھ اختیار نہیں کیا بلکہ پوری طرح چھان بھانک کی کہ کہیں وہ کتاب و سنت کے اصولوں سے متصادم تو نہیں۔ چھ عناصر کو اسلامی سانچوں میں ڈھال کر ایک نیا انتظامی مائل تشکیل دیا جو شریعت کے مقاصد اور عوام کی فلاح و بہبود کو حاصل کرنے کیلئے زیادہ مفید اور کارگر ثابت ہوا پھر جن لوگوں پر ان کا اطلاق ہونا تھا ان کیلئے بھی زیادہ مانوس اور قابل قبول تھا۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اسلام کے سیاسی اقتدار کی جڑیں مضبوط ہوئیں اور یہی اس کا فطری طریقہ تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ کا یہ عمل ہر دور کے مسلمانوں کیلئے یہ رہنمائی فراہم کرتا ہے کہ وہ اپنے اپنے علاقوں اور زمانوں کے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے عامی نظاموں کے انتظامی آلات و اوزار سے استفادہ کر سکتے ہیں اور ایسے انتظامی ادارات اور نظامات وضع کر سکتے ہیں جو اسلام کے مقاصد اور مزاج و روح سے ہم آہنگی رکھتے ہوئے اور اس کے مجموعی فریم ورک کا جز بننے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہوں۔ البتہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان میں اسلام کی طاقتور روحانی و اخلاقی روح شامل کی جائے۔ انہیں اسلامی اندرونی تشخص کا تابع کیا جائے اور اسلامی مقاصد کا خدمت گزار بنایا جائے۔ اس طرح آج بھی مسلمان مغلوبیت سے غلبہ اور مرغوبیت سے خود اعتمادی کی طرف پیش قدمی کر سکتے ہیں۔

حضرت عمر فاروقؓ نے نئے فتح ہونے والے ممالک کی انتظامی تقسیم کو زیادہ تر حسب سابق برقرار رکھا چنانچہ عراق میں نو شیرواں کے عہد سے خراسان، تھور، ہخام، فارس کے نام سے جو صوبے تھے اور ان کے تحت جو اضلاع تھے نہیں دیے دیے رہے دیے۔ فلسطین کو ضرورت کے تحت دو صوبوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک کا صدر مقام ایلیا اور دوسرے کارمدہ کو قرار دیا اور مصر کو بھی ہالائی اور زیریں دو صوبوں میں تقسیم کر کے الگ الگ گورنر مقرر کئے<sup>(۱)</sup>۔ مرو جہ انتظامی و سیاسی تقسیم کو جزوی رد و بدل کے ساتھ قائم رکھنے میں بھی بہت بڑی حکمت و مصلحت یہ تھی کہ مانوس طریقوں کو اپنے فریم ورک میں جذب کیا جائے۔ روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک بڑے لشکر تیار کر کے روانہ کیا۔ اہل لشکر اور ان کے اہل خاندان کو مصارف بھی تقسیم فرمادیئے۔ اس وقت آپ کے پاس ہر مزان (ایران کا ایک مدبر اور وہاں کے ایک علاقے کا بڑا شاہ جو گرفتار ہو کر آیا اور مسلمان ہو گیا تھا) بیٹھا تھا۔ اس نے عرض کیا کہ اگر کوئی فوج سے نکل کر گھر بیٹھ جائے تو سبہ سار کو کیسے معلوم ہوگا۔ آپ ان کیلئے دیوان بنائیں پھر اس نے دیوان کے بارے میں تفصیلات بتائیں۔ چنانچہ آپ نے درجنوں کے قیام کا ارادہ فرمایا تو اس سلسلے میں اہل صل و اللہ



سے مشورہ طلب کیا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے بھی یہی مشورہ دیا اور کہا میں نے شام میں دیکھا ہے کہ وہاں کے بادشاہوں نے دفاتر قائم کر رکھے ہیں اور فوج کی بھی وہاں باقاعدہ تنظیم ہوتی ہے۔ آپ بھی اگر دفاتر قائم کر دیں تو مناسب ہو گا۔ حضرت عمرؓ نے اس رائے کو پسند فرمایا اور قریش کے بوجوانوں میں سے عقیل بن ابی طالب، مخزومہ بن نوفل اور جہیم بن مطعم کے ذمہ یہ کام سپرد کیا کہ وہ دھوکوں کے نام ان کے مراتب کے لحاظ سے لکھیں<sup>(۱)</sup>۔ فاروق اعظمؓ نے انجذاب کیلئے جو اقدامات کئے ان میں سے ایک یہ تھا کہ آپ نے عملی زندگی سے متعلق مروجہ طور طریقے جن میں کوئی خرابی نہیں تھی برقرار رکھے چنانچہ آپ کے مقرر کردہ معروف بیچ قاضی شریح نے آپ کے عہد میں سوت کا تنے والوں میں علان کیا ”سنتکم بینکم“ یعنی تمہارا دستور و رواج تم میں باقی رکھا جائے گا<sup>(۲)</sup>۔

اس پالیسی کا نتیجہ یہ نکلا کہ مختلف عہدوں کے لوگوں کے دلوں و ذہنوں میں بیرونی سیاسی دہندہ کی بجائے خلاف عمومی طور پر نفرت و بغاوت کے شدید احساسات پروان نہ چڑھ سکے۔ یہ بات انجذاب میں مدد و معاون ثابت ہوئی۔ آپ نے اس مقصد کے حصول کیلئے ان کے بے شمار مروجہ انتظامی طریقے بحال رکھے کیونکہ وہ لوگ ان سے سالہا سال سے مانوس تھے۔ ان سے عظیمہ عامہ کی کارکردگی زیادہ موثر و بہتر ہو سکتی تھی۔ مولانا شبلی نعمانی نے بالکل بجا لکھا ہے ”جہاں تک ہم کو معلوم ہے کہ عراق کے سو حضرت عمرؓ نے کسی صوبہ کی پینٹل نہیں کرائی بلکہ جہاں جس قسم کا بندوبست تھا اور بندوبست کے جو کاغذات پہلے سے تیار تھے“ ان کو اسی طرح قائم رکھا<sup>(۳)</sup>۔ ”یہاں تک کہ دفتری زبان تک نہیں بدلی یعنی جس طرح اسلام سے پہلے عراق و ایران کا دفتر فارسی میں شام کا رومی میں مصر کا قبطی میں تھا حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی اسی طرح قائم رہا۔ خرچ کے محکمے میں جس طرح قدیم سے پارس، یونانی اور قبطی ملازم تھے بدستور بحال رہے تاہم حضرت عمرؓ نے نہ نیم طریقہ نظام میں جہاں کچھ غلطی دیکھی اس کی اصلاح کر دی“<sup>(۴)</sup>۔

آپ نے سواد (عراق) کی زمینوں کو انہیں کے پاس رہنے دیا کیونکہ وہ کاشتکاری میں مہارت رکھتے تھے۔ اس سے ایک فائدہ یہ ہوا کہ ریاست کی آمدنی میں اضافہ ہوا دوسرا یہ کہ ان کے تجربات سے استفادے کا موقع ملتا تیسرا یہ کہ ان پر یہ احسان تھا کیونکہ ان کے روزگار کا ذریعہ برقرار رہا دوسرا ریاست کے وفادار بن گئے اور اصل ملکیت بھی حکومت کے پاس رہی۔ اسی طرح جزیہ کی وصولی کے طریق کار کو بھی نہایت سہل اور سادہ رکھا گیا جو انجذاب کیلئے نہایت مناسب تھا۔ روایت میں آتا ہے کہ ان پر چار درہم ماہانہ جزیہ مقرر کیا گیا۔ ہر ہستی کے قابل جزیہ یا شدوں کی تعداد کے مطابق رقم کا حساب لگایا اور وہاں کے زمیندار کو واجب الادا رقم بتادی۔ پھر ان سے کہا کہ اب جلاؤ اور اس رقم کو اپنی اپنی آبادی میں تقسیم کر لو۔ راوی کہتا ہے کہ عالمین کا دستور یہ تھا کہ تمام گاؤں والوں کے لئے واجب الادا جزیہ کا ذمہ دار اس گاؤں کے زمیندار کو بناتے اور اس سے وہ رقم وصول کرتے<sup>(۵)</sup>۔ اس طریق کار سے ایک طرف تو وہاں کے مقامی لوگوں اور ان کے بااثر نمائندگان کو حکومت کے انتظامی معاملات میں شراکت کا احساس پیدا ہوا اور دوسری طرف بد انتظامی خرابیات سو فیصد ٹیکسوں کی وصولی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

علاوہ ازیں ہر مسلمان ہونے والے پر جزیہ کے ساقط ہونے کے اسلامی اصولوں کی کارفرمائی سے بعض شمال سے یہ محسوس کیا کہ لوگ محض جزیہ سے بچنے کیلئے مسلمان ہونے کا اقرار کرتے ہیں جس پر اس طرح کا شبہ ہوتا تھا اس کا جزیہ معاف نہیں کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اس پالیسی کو ختم کر دیا کیونکہ ابتدائی طور پر ان کا اس مقصد کیلئے اسلام میں داخل ہونا بالآخر انہیں اسلامی معاشرے میں جذب کرنے کا سبب بن سکتا تھا اور ایسا ہی ہوا۔ روایت میں ہے کہ عجمیوں میں سے ایک شخص نے اسلام قبول کر لیا مگر اس سے جزیہ وصول کیا جاتا تھا۔ وہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا ”یا امیر المؤمنین میں مسلمان ہو چکا ہوں پھر بھی مجھ سے جزیہ وصول کیا جا رہا ہے۔“ حضرت عمرؓ نے کہا ”ہو سکتا ہے تم جزیہ سے بچنے کیلئے مسلمان ہو گئے ہو۔“ اس نے کہا ”تو کیا اسلام مجھے اس سے نجات نہیں

دیا سکا۔“ حضرت عمرؓ نے کہا ”کیوں نہیں؟“ پھر اسے پروا نہ لکھ دیا کہ اس سے جزیہ وصول نہ کیا جائے۔“ آپؐ نے تہذیبی و ثقافتی انجذاب کیسے ہمہ پہلو انتظامی آلہ نفع (Penetration) کا طریقہ اختیار کیا۔ اس سلسلے میں اعلیٰ اسلامی اقدار کو بروئے کار لا کر غیر مسلموں اور غیر عربوں کے دلوں میں جگہ بنائی جس کے بہت جلد گہرے اور وسیع اثرات برآمد ہونا شروع ہو گئے جنہوں نے پوری مملکت کے امن و استحکام میں اہم کردار ادا کیا۔ آپؐ نے غیر مسلموں سے جزیہ و خراج کی وصولیوں میں نہایت نرم اور عادلانہ سلوک کیا جیسا، قتل کی تاریخ میں بھی نہیں کیا گیا تھا۔ جبر بن غیر کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ کے پاس کثیر مال آیا تو انہوں نے کہا ”تم لوگوں نے لوگوں پر بے جا مآذال کرا نہیں چاہ کر دیا ہو گا۔“ اس پر مال لانے والے بولے ”نہیں اللہ کی قسم ہم نے ان کی سہولت اور خوش دلی کے ساتھ یہ کچھ ان سے وصول کیا ہے۔“ آپؐ نے پوچھا ”غیر کوڑے مارے اور بغیر شکائے؟“ انہوں نے جواب دیا ”جی ہاں“ اس پر آپؐ نے فرمایا ”الحمد للہ! جس نے مجھے اور میرے دور حکومت کو رعایا پر مظالم اور تشدد سے محفوظ رکھا۔“ (۱)

ایک مرتبہ ایک عامل سعید بن عامر سے خراج کی رقم تاخیر سے لانے پر جواب طلب کیا تو انہوں نے کہا ”آپؐ نے ہمیں حکم دے رکھا ہے کہ کاشتکاروں سے چار دینار سے زائد وصول نہ کریں چنانچہ ہم بھی اس سے زیادہ ان سے مطالبہ نہیں کرتے۔ البتہ ہم نے انہیں فصلیں کٹنے تک مہت دے دی ہے۔“ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا ”جب تک میں زندہ ہوں تمہیں اس عہدے سے معزول نہیں کروں گا۔“ (۲) ”عمر بن مہمون سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے حذیفہ بن ایمان کو وجہ کے اس پار اور عثمان بن ضیف کو لادھر کے علاقے پر مامور کیا تھا۔ جب یہ دونوں آپؐ کے پاس واپس آئے تو آپؐ نے دریافت فرمایا ”تم لوگوں نے زمین پر مایہ کس حساب سے عائد کیا ہے؟ شاید تم نے اپنی عمداری کے باشندوں پر اتنا بوجھ ڈال دیا جسے وہ برداشت نہیں کر سکتے۔ حذیفہ نے جواب دیا ”میں نے کچھ فاضل چھوڑ دیا ہے۔“ عثمان نے کہا ”میں نے دو گنا چھوڑ دیا ہے اگر چاہتا تو اسے بھی وصول کر لیتا۔“ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا ”خدا کی قسم اگر میں عراق کی بیواؤں کیسے زندہ رہا تو انہیں اس حال میں چھوڑ جاؤں گا کہ میرے بعد کسی امیر کی محتاج نہیں رہیں گی۔“ (۳) ”اس طرح آپؐ نے اپنی نظریہ عامہ کو نرمی و خدمت کفالت اور ہمدردی و احسان کے کاموں میں لگا دیا اور ان کی نگرانی کی اور بعد والے خلیفہ کو ہنر مرگ پر یہ وصیت کرنا ضروری سمجھا کہ ”اہل ذمہ سے کئے گئے معاہدوں کو پورا کیا جائے ان کی برداشت سے زیادہ ان پر بوجھ نہ ڈالنا جائے اور ان کے چچے ان کا پورا دفاع کیا جائے۔“ (۴) ”آپؐ نے ذاتی طور پر عمل کر کے خدمت و کفالت کی درخشندہ مثالیں قائم کیں۔ دور خلافت میں دمشق کے علاقوں میں سے جابیہ کے مقام سے گزرے تو دیکھا کہ وہاں نصاریٰ کی ایک جماعت جدام میں مبتلا ہے اسے دیکھ کر حکم دیا کہ صدقات میں سے انہیں دیا جائے اور ان کی باقاعدہ معاشی آمد لا جاری کی جائے۔“ (۵)

جابیہ میں ہی قیوم کے دور ان ایک ذمی شخص حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور اسے بتایا کہ مسلمان اس کے انگور تیزی سے لے جا رہے ہیں چنانچہ آپؐ اس طرف نکل گئے وہاں اپنے ساتھیوں میں سے ایک کو دیکھا کہ اپنی ڈھال میں انگور بھرے اٹھائے چلا جا رہا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس سے فرمایا ”ارے تو بھی یہ حرکت کر رہا ہے؟“ اس نے جواب دیا ”امیر المؤمنین! ہم فاقہ میں مبتلا ہو گئے تھے۔“ چنانچہ حضرت عمرؓ واپس ہو گئے اور یہ حکم دیا کہ انگور والے کو اس کے انگوروں کی قیمت دے دی جائے۔“ (۶) ”آپؐ کے عہد کی ایسی بے شمار مثالیں ہیں جو اسلامی حکومت کے عوام میں نفع و اور انہیں اسلامی تہذیب و ثقافت میں جذب کرنے کا باعث بنیں اور پھر آپؐ کی انتظامی پالیسی کے یہی اصول بعد کے ادوار میں بھی اسلامی نظریہ عامہ کیسے رہنمائی کا کام کرتے رہے۔ ہر نیک صالح حکمران سے ان کو عملی جامہ پہنا۔ کو اپنا فرض اولین سمجھا۔ اس کا اندازہ اس روایت سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ ابو جعفر جبر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن عبد العزیز کا وہ خط دیکھا ہے جو انہوں نے

حدی بن ارطاط کو بھیجا تھا۔ یہ خط مصر میں ہمیں پہنچ کر سنایا گیا تھا۔ اس میں لکھا تھا ”ابعد اللہ سبحانہ و تعالیٰ۔ جزیہ لینے کا جو حکم دیا ہے وہ صرف ان لوگوں کیلئے ہے جو اسلام قبول کرے۔ اگر یہ کر کے سرکشی اور کھلم کھلا خسارے کو منظور کرتے ہوئے کفر اختیار کرتے ہیں۔ لہذا تم ان میں سے جو جزیہ کا بار اٹھانے کی طاقت رکھتا ہے اس پر جزیہ لگا دو کیونکہ اسی میں ایک طرف تو مسلمانوں کا معاشی مفاد ہے اور دوسری طرف انہیں اپنے دشمنوں کے مقابلے میں قوت حاصل ہوگی اور دیکھو جو تمہارے علاقے میں عمر رسیدہ کمزور اور کمائی سے لاجور ذی ہوں ان کا بیت المال سے مناسب و حسب ضرورت وظیفہ مقرر کر دو اور اگر کسی مسلمان کا غلام بوزہا ہو گیا ہو اس کی قوتیں جواب دے چکی ہوں اور وہ کسب معاش کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو اس مسلمان آقا کا فرض ہے کہ وہ اس کی گزر بسر کا بندوبست کرے تا آنکہ موت یا آزادی ان دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیں۔ میں یہ فیصلہ اس لئے کیا ہے کہ مجھے امیر المؤمنین حضرت عمرؓ کے متعلق یہ اطلاع ملی ہے کہ وہ ایک ایسے بوزہ سے ڈی کے پاس سے گزرے جو در بدر لوگوں سے بھیک مانگ رہا تھا تو انہوں نے فرمایا ”ہم نے تیرے ساتھ انصاف نہیں کیا تیری جوانی میں تو ہم تجھ سے جزیہ وصول کرتے رہے پھر بڑھاپے میں تجھے اس طرح درد رکھنا کرنا چھوڑ دیا۔“ چنانچہ انہوں نے بیت المال سے اس کیلئے وظیفہ جاری کر دیا۔<sup>(۱)</sup>

ایک روایت میں ہے کہ آپ اسے گھر لے گئے اور اسے اپنی طرف سے کچھ دیا۔ پھر بیت المال کے خازن کو بد کر کہا کہ اس کا اور اس جیسے دوسرے افراد کا خیال رکھو کیونکہ یہ بات انصاف سے بعید ہے ان کی جوانی میں ان سے جزیہ کھائیں اور بڑھاپے میں بے سہارا چھوڑ دیں۔ پھر آپ نے اس جیسے آدمیوں کا جزیہ ساقط کر دیا۔<sup>(۲)</sup> ”دور جدید میں مسلمان ممالک کی حکومتوں اور بیوروکریسی اور پبلک ایڈمنسٹریشن سے وابستہ بل کار مختلف علاقوں ’زبانوں‘ نسلوں اور مذہبوں سے تعلق رکھنے والے عوام کو چالاکیوں ’چال بازیوں‘ اور خوف و استہداد کی روشوں کے ذریعے کنٹرول کرنے کے بجائے حضرت عمر فاروقؓ کے اختیار کئے ہوئے طریقوں پر عمل کر کے وہ حیران کن نتائج حاصل کر سکتے ہیں جو آج سے چودہ صدیاں پہلے حاصل ہوئے۔ آپ کے طرز عمل اور پالیسی میں نفوذ و انجذاب کی حکمت عملی نہایت کارگر ثابت ہوتی تھی۔ آپ کی ایڈمنسٹریشن کا مجموعی تاثر اتنا اچھا تھا کہ مستقبل کے بارے میں خود مقابلہ کرنے والے وگ بھی اتنا خوفزدہ نہیں ہوتے تھے کہ اپنا تن ’من‘ دھن سب کچھ قربان کر دینا ضروری خیال کرتے ہوں۔ وہ کسی وقتی مفاد ’تقصیب‘ سیاسی مجبور ہوں کی وجہ سے میدان جنگ میں آتے تو ان کی خواہش یہی ہوتی تھی کہ مصالحت ہو جائے۔ آپ کا پہلا سال روں کو یہ حکم تھا کہ جب بھی ایسی پیش کش ہو اسے معقول شرائط کے ساتھ قبول کر لیا جائے۔ اگر کوئی اسلام قبول کرنا چاہے تو آزادی کے ساتھ انہیں اس کا بھی موقع دیا جائے تاکہ وہ اسلامی تہذیب و معاشرت میں پوری طرح جذب ہو سکے۔

زیاد بن جزیہ بیدی کی روایت میں آتا ہے کہ فتح مصر کے دوران سکندریہ کے حاکم نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو یہ پیغام بھیجا کہ ”اے اقوام عرب! میں تم سے ریہہ قابل نصرت قوموں یعنی اہل فارس و روم کو جزیہ ادا کرتا تھا۔ اگر آپ پسند کریں تو میں آپ کو جزیہ ادا کرنے کیلئے تیار ہوں بشرطیکہ آپ میرے علاقے کے جنگی قیدی بنوادیں۔“<sup>(۳)</sup> ”انہوں نے فاروق اعظمؓ کو اس سے مطلع کیا تو آپ نے لکھا ”تم حاکم سکندریہ کے سامنے یہ تجویز رکھو کہ وہ جزیہ ادا کرے مگر جو جنگی قیدی تمہارے قبضے میں ہیں انہیں اختیار دیا جائے گا کہ وہ اسام قبول کریں یا اپنی قوم کے مذہب کو برقرار رکھیں جو مسلمان ہو جائے گا وہ مسلمانوں میں شامل ہو گا۔ اس کے حقوق و فرائض بھی جیسے ہوں گے مگر جو اپنی قوم کے مذہب پر برقرار رہے گا اس پر وہی جزیہ مقرر کیا جائے گا جو اس کے ہم مذہبوں پر مقرر ہو گا۔ البتہ وہ جنگی قیدی جو سرزمین عرب میں پہنچ گئے ہیں اور مکہ ’مدینہ اور یمن کے علاقوں میں جا کر الگ الگ ہو گئے ہیں ان کو واپس کرنا ہماری طاقت سے باہر ہے۔ ہم ایسے معاملے پر مصالحت نہیں کر سکیں گے جس کو ہم پورا نہ کر سکیں۔“

حضرت عمرو بن العاصؓ نے حاکم سکندر یہ کو حضرت عمرؓ کے خط کے مضمون سے مطلع کیا تو اس نے یہ تجویز منظور کر لیں 'لہذا جو جنگی قیدی ہمارے قبضے میں تھے نہیں ہم نے اکٹھا کر لیا درویش تمام عیسائی افراد بھی جمع ہو گئے۔ ہم ان میں سے ایک ایک آدمی کو لاتے تھے اور اسے اسلام یا عیسائیت میں سے کسی ایک مذہب کو اختیار کرنے کی اجازت دیتے تھے۔ جب کوئی اسلام قبول کرنا تھا تو اس وقت ہم اسے انفرہ تکبیر بلند کرتے تھے 'جو اس نعرے سے زیادہ زور دار ہوتا تھا' جبکہ ہم کوئی گاؤں فتح کرتے تھے۔ قبول اسلام کے بعد ہم اسے اپنے حلقے میں شامل کر لیتے تھے۔ جب کوئی عیسائیت کو ترجیح دیتا تھا تو عیسائی بہت فخر کرتے تھے اور انہیں اپنے حلقے میں شامل کر لیتے تھے۔ ہم اس وقت اس پر جزیہ عائد کر دیتے تھے تاہم اس موقع پر ہمیں بہت رنج ہوتا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ہمارا کوئی آدمی نکل کر ان کی طرف چلا گیا ہو" (۱)۔

اس روایت سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا اور آپ کی نظریہ عامہ کا اصل مقصد علاقوں پر قبضہ کرنا وہاں کے لوگوں کو سیاسی و انتظامی طور پر اپنا محکوم بنانا اور ان کے مادی و معاشی وسائل کو اپنے قبضے میں لینا نہیں ہوتا تھا بلکہ انہیں ملحقہ گوش اسلام کرنا ہوتا تھا۔ آپ کی فوج کا ہر ہر سپاہی اسی جذبے سے سرشار ہوتا تھا۔ ان سے ممکن عمل معاہدہ کرنا انہیں ہر طرح کی فکری و مذہبی آزادی دے کر قریب کرنا اور اسلام قبول کرنے کے اہم محرکات 'جزیہ و خراج سے نجات اور مسلمانوں ہی کی طرح کے حقوق و فرائض کی فراہمی ایک مستقل و طیرہ تھا' جس کے نہایت خوشگوار اثرات رونما ہوتے تھے۔ اس واقعے کا مصر کے بقیہ علاقوں کی فتوحات پر بھی مثبت اثر پڑا 'یہاں تک کہ اہل مصر نے اپنے بادشاہ سے کہا "آپ اس قوم سے جنگ کرنے کا قصد کر رہے ہیں جنہوں نے قیصر و کسریٰ کو شکست دی اور ان کے ملک پر قابض ہو گئی ہے۔ آپ ان سے مصالحت و معاہدہ کریں نہ تو آپ ان سے مقابلہ کریں اور نہ ہی ہمیں ان کے مقابلے کیلئے بھیجیں۔" اس نے بات ماننے سے انکار کر دیا اور مسلمانوں سے جنگ کا فیصلہ کیا۔ مسلمانوں نے جب شہر "مین شس" کا محاصرہ کر لیا تو اہل شہر نے دروازہ کھول دیا اور مصالحت کیے حضرت عمرو بن العاصؓ کے پاس پہنچ گئے (۲)۔ ان سے جو صلح نامہ کیا گیا اس کے مندرجات حسب ذیل ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ عمرو بن العاصؓ نے اہل مصر کو جان و مال اور مذہب کی پناہ دی ہے۔ ان کے گرجے، صلیبیں اور فنگلی و تری کے تمام مقامات محفوظ رہیں گے بشرطیکہ وہ جزیہ داکریں اور مجتمع ہو کر یہ صلح نامہ قبول کر لیں۔ ان سے انتہائی آمدنی پانچ کروڑ کے قریب وصول کی جائے گی۔ اگر ان میں سے کوئی جزیہ دینے سے انکار کرے گا تو ان سے جزیہ وصول نہیں ہوگا مگر اس کی حفاظت کی ذمہ داری سے ہم بری ہوں گے۔ اگر ان کی آمدنی مقررہ رقم سے کم ہوئی تو اس قدر اندر سے وصول کی رقم بھی کم کر دی جائے گی۔ روم اور حبشہ کے باشندوں میں سے جو کوئی اس صلح نامہ میں شامل ہونا چاہے تو اس کے حقوق و فرائض بھی اہل مصر کے حقوق و فرائض کے برابر ہوں گے 'جو اس سے انکار اور دوسری جگہ جانا چاہے تو اسے مکمل پناہ دی جائے گی تا آنکہ وہ امن کے مقام پر پہنچ جائے اور ہماری سلطنت سے نکل جائے۔ جو اس معاہدے میں لکھا گیا ہے اس کے ذمہ دار اللہ اس کے رسول 'خليفة امیر المؤمنین اور تمام مسلمان ہیں۔ اہل حبشہ میں سے جو اس معاہدے کو قبول کریں تو ان کیلئے یہ ذمہ داری بھی ہے کہ اس قدر افراتفر و گھوڑوں سے مدد کریں نیز وہ جنگ نہ کریں اور در آمد و بر آمد کی تجارت نہ روکیں (۳)۔"

اس معاہدے میں ایک طرف تو ہر طرح کے مذہبی معاشرتی سیاسی اور معاشی حقوق کی حفاظت کی ضمانت موجود ہے دوسری طرف کم آمدنی کی صورت میں ان سے جبر وصولی کے بجائے رعایت بھی کی گئی ہے اور پھر معاہدہ تسلیم نہ کرنے والوں کو بھی بحفاظت چلے جانے کی سہولت بھی عطا کر دی گئی ہے اور سب سے بڑی حکمت افروز شق یہ بھی ہے کہ اس عادلانہ اور منصفانہ معاہدے میں جو بھی شامل ہونا چاہے اس کو آزادانہ اختیار دیا گیا ہے۔ نہیں بھی سارے حقوق کی فراہمی کا عندیہ دیا گیا

تاکہ وہ مقابلے پر آنے کے بجائے مسلمانوں کے ساتھ ہم آہنگی و تعاون کو ترجیح دیں اور مستقل طور پر اسلامی تہذیب کا حصہ بن جائیں۔ موانع مثلی نعمانی نے فتوحات فاروقی کے اصلی اسباب میں سے بجا طور پر ایک سبب یہ بھی بیان کیا ہے کہ خلیفہ اسلام ﷺ کی بدولت جو جوش 'عزم'، اشتغال 'بلند حوصلگی' دلیری پیدا ہو گئی تھی اور جس کو حضرت عمر فاروق نے اور زیادہ قوی اور تیز کر دیا تھا، روم اور فارس کی سلطنتیں عیس عروج کے زمانے میں بھی اس کی فکر نہیں ٹھاکتی تھیں۔ البتہ اس کے ساتھ اور چیزیں بھی مل گئی تھیں، جنہوں نے فتوحات میں نہیں بلکہ قیام حکومت میں مدد دی۔ اس میں سب سے مقدم چیز مسلمانوں کی راست باری اور دیانتداری تھی۔ جو ملک فتح ہو جاتا تھا وہاں کے لوگ مسلمانوں کی راست بازی کے اس قدر گرویدہ ہو جاتے تھے کہ باوجود اختلاف مذہب کے ان کی سلطنت کا روالہ نہیں چاہتے تھے۔ یرموک کے معرکے میں مسلمان جب شام کے اضلاع سے نکلے تو تمام عیسائی رعایا نے ہکارا کہ "خدا تم کو پھر اس ملک میں لائے" اور یہود عیسائی نے تورات ہاتھ میں لے کر کہا "ہمارے جیتے جی قیصر اب یہاں نہیں آسکتا"۔<sup>(۱)</sup>

### ۳۔ مطابقت (Endogeneity):

اس سے مراد یہ ہے کہ کسی بھی علاقے میں سیاسی و انتظامی طور طریقے وہاں کے مقامی ثقافتی ماحول کے تناظر میں اختیار کئے جائیں۔ حضرت عمر فاروق کے نظریہ و عمل کا ایک اور پہلو ہمارے سامنے یہ آتا ہے کہ نظریہ عامہ کا ایک ایسا ماڈل پروان چڑھایا جائے جو وہاں کے سماجی 'ثقافتی' علاقائی اور روایتی حالات سے مطابقت رکھتا ہو (دور جدید میں مینجمنٹ کے اس طریقے کو Ecological Approach کہا جاتا ہے)<sup>(۲)</sup> چنانچہ آپ نے مشور کا نظام نافذ کرتے وقت علاقائی رواج کو سامنے رکھا اور نہاد اور قضیہ کے دو گہ سینے کے بازار میں جب اشیاء لاتے تو ان سے عہد جاہلیت سے مردودہ رواج کے مطابق دسواں حصہ وصول کرنے کا طریق کار برقرار رکھا اور گجہوں اور نخل کا بیسواں حصہ لیتے تھے<sup>(۳)</sup>۔ اس کی ایک اور مثال وہ واقعہ ہے جسے عبداللہ بن قیس نے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں ان لوگوں میں شامل تھا جو حضرت عمرؓ کی شام میں آمد پر ان کا استقبال کر رہے تھے۔ ابھی حضرت عمرؓ چل رہے تھے کہ اذرعات کے باشندوں میں سے کچھ کھیل کرتب کرنے والے لوگوں نے ٹکڑوں اور گلہ ستوں سے ان کا استقبال کرنا شروع کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "بس کرو! ان کو روک دو اور انہیں واپس کر دو۔" اس پر حضرت ابو عبیدہؓ نے عرض کیا "امیر المؤمنین یہ تو ان نجیوں کا دستور ہے اگر آپ انہیں اس سے روکیں گے تو یہ خیال کریں گے کہ آپ ان سے کئے ہوئے وعدہ صبح میں کچھ خلیفہ ڈالنا چاہتے ہیں۔" اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا "انہیں رہنے دو (اس علاقے میں) عمرؓ اور آل عمرؓ ابو عبیدہؓ کے زیر فرمان ہیں"<sup>(۴)</sup>۔ امام ابو عبیدہ القاسم کے بقول کھیل کرتب دہنی یہ جماعت اپنے علاقے میں آنے والے حاکموں اور بادشاہوں کا استقبال اسی انداز میں کرتی تھی، حضرت عمرؓ نے سے ناپسند کرتے ہوئے روک دیا، لیکن پھر بحال کر دیا۔ اس لئے کہ یہ رواج صلح سے پہلے ان میں رائج تھا، یہی حال ان کے دیگر رسم و رواج اور دستور وغیرہ نیز گرجوں اور معبدوں کا ہو گا جس کی موجودگی میں صبح کی گئی ہو، کھذا کسی کیلئے یہ عہد شکنی روا نہیں<sup>(۵)</sup>۔ اپنے آپ کو اس علاقے میں حضرت ابو عبیدہؓ کے زیر فرمان رکھنے میں اصل مقصود یہی تھا کہ وہ اس علاقے کی روایات و ثقافت کو سامنے رکھتے ہوئے ایڈمپٹریشن کا جو اسلوب اختیار کریں گے، وہی اسلامی مقاصد کے حصول میں زیادہ مدد و معاون ہو گا کیونکہ آپ کا خیال تھا کہ انتظامیہ کے فرائض میں یہ بات بنیادی اہمیت کی حامل ہے کہ اپنے علاقے کے لوگوں کے جذبات و احساسات کا خیال رکھیں تاکہ انہیں ان کا اعتماد حاصل ہو اور وہ ان میں نفوذ کر کے رغبت و خوش دلی سے حکومتی احکام کی اطاعت و فرمانبرداری پر تیار کر سکیں۔ انتظامی ضرورت کے تحت حالات سے مطابقت اور لوگوں کے جذبات و احساسات کو سامنے رکھتے ہوئے ریاست کے وسیع تر مقاصد کیلئے اہم فیصلے کرنے کی ایک مہیاں مثال ہو تعلق

کے بارے میں حضرت عمرؓ کا فیصلہ ہے۔ زور بن نعمان سے روایت ہے کہ جب حضرت عمرؓ فاروقؓ نے نئی تعجب سے جزیہ وصول کرنا چاہا تو وہ دیگر علاقوں میں منتشر ہونے لگے۔ میں نے ان کے بارے میں حضرت عمرؓ سے گفتگو کرنی چاہی اور عرض کیا ”اے امیر المومنین! یہی تعجب عرب ہیں اور جزیہ کے نام سے گھبراتے ہیں۔ یہ لوگ کبھی باڑیاں اور مویشیوں کے علاوہ کچھ مال نہیں رکھتے البتہ یہ اپنے دشمنوں کو رک پھانے والے لوگ ہیں لہذا آپ ان سے اپنے دشمنوں کو تقویت نہ پہنچائیے۔“ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس شرط پر ان سے صلح کر لی کہ ”میں ان سے صدقہ کا دو گنا وصول کروں اور ساتھ ہی ان سے یہ شرط بھی رکھی کہ اپنی اولاد کو عیسائی نہ بنائیں۔“ امام ابو عبیدہؓ نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے بجا کہا ہے ”ہمارے خیال میں انہوں نے جزیہ کا نام لڑا کہ یہ صورت اس سے جائز رکھی کہ انہیں جو تعجب کی طرف سے یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ وہ جزیہ کے نام سے بیزاری اور ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ خطرہ محسوس کرتے تھے کہ اگر انہیں مجبور کیا گیا تو وہ رد میوں سے جا بیٹیں گے اور اسام کے حلاف ان کے مددگار بن جائیں گے۔ پھر ان پر یہ حقیقت بھی مشکف تھی کہ اگر ان سے واجب جزیہ لینے کے ساتھ ہی اتنی رعایت کر دی جائے کہ اس کا نام (جزیہ) باقی نہ رکھا جائے تو اس سے مسلمانوں کو کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔ باہر میں انہوں نے ان کیلئے جزیہ کا لفظ ازادیا اور اس کی واجب الادا رقم صدقہ کے نام سے لینے لگے جو مسلمانوں سے وصول کی جانے والی زکوٰۃ سے دو گنی ہوتی تھی۔ اس طرح ایک طرف تو ان کے مخالفین سے جاننے کے اندیشے کا سد باب ہو گیا اور دوسری طرف ان کے ذمہ مسلمانوں کے جو واجب الادا حقوق تھے وہ بھی پورے پورے وصول ہو گئے اور اس فیصلے میں حضرت عمرؓ صاحب الرائےؓ اور اپنی جگہ بالکل حق بجانب تھے۔“ (۲)

آپ کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول حقیقت پر مبنی ہے کہ ”اللہ کی قسم وہ (حضرت عمرؓ) نہایت مستعد اور ماہر منتظم اور بے مثال شخصیت کے مالک تھے۔ وہ پیش آنے والے معاملات کیلئے ان کے مطابق حل پیدا کر لیتے تھے۔“ چنانچہ ان کا یہ عمل بھی ان کے بے شمار محاسن اور حالات کے تقاضوں کے مطابق مسائل کے حلوں میں سے ایک تھا جو وہ پیدا کر لیتے تھے (۳)۔ حضرت عمرؓ فاروقؓ کی جو تعجب کے سلسلے میں سب سے بڑی رعایت یہ تھی کہ انہوں نے جو تعجب کے عرب ہوئے کے باوجود ان سے اموال کا ایک حصہ لے کر جاں بخشی کر دی اور صرف اولاد کو عیسائی نہ بنانے کی شرط رکھی حالانکہ عربوں کے بارے میں عام قانون یہ تھا کہ یا تو اسلام قبول کرستے یا انہیں قتل کر دیا جاتا۔ امام ابو عبیدہؓ نے اس کے دو اسباب بیان کئے ہیں ایک تو یہ کہ انہوں نے عیسائیت قبول کر رکھی تھی (اسام دوسرے مذہب میں دخل اندازی درست نہیں سمجھتا) دوسرا یہ کہ آپ کے سامنے وہ حدیث تھی جس کے وہ خود راوی ہیں چنانچہ انہوں نے فرمایا ”مگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہو تا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس دین کی حفاظت حاصل فرماتے پر ربیعہ کے نصاریٰ سے کرائے گا تو میں کسی عرب کو اسلام قبول کئے یا قتل کئے بغیر نہ چھوڑتا“ (۴)۔

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے جو انتظامی پالیسیاں اختیار کیں ان میں ایک چلک اور نیرنگی و جدت تو موجود تھی لیکن ان کی اساس کتاب و سنت پر ہی تھی۔ آپ نے شریعت کے مزاج، مقاصد اور احکام کی اصل روح کی بھرپور پیروی کرتے ہوئے زمانے کے حالات پر اس کا دامن شہدائے اطلاق کیا۔ یہی آپ کی اجتہادی بصیرت کا کمال تھا۔ آپ کی یہ پالیسی انتظامی تجربہ کاری کا نتیجہ تھی۔ آپ کو جملہ کے سلسلے میں ندامت و افسوس کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک منتظم سے غلطی کا صدور ممکن ہے، فواہ کتنا ہی سمجھ رکھیں نہ ہو، لیکن اسی صورت میں فرست کا یہ تقاضا ہوتا ہے کہ اپنی پالیسی پر نظر ثانی کی جائے اور پہنچنے والے نقصان کے ازالے کی بھرپور کوشش کی جائے۔ آپ کا یہی اسوہ ہے۔ روایت میں آتا ہے کہ غسان کا یہ شہر جملہ جو نصرانی تھا اور شام کے موقع پر آپ کی خدمت میں آیا آپ نے اسے اسلام اور

ادائے صدقہ کی دعوت دی اس نے انکار کیا اور کہا میں اپنے دین پر قائم رہوں گا اور صدقہ دوں گا۔ آپ نے فرمایا ”اگر تو اپنے دین پر قائم رہتا ہے تو جزیہ دے۔“ اس نے تاک چڑھائی حضرت عمرؓ نے فرمایا ”ہمارے پاس تیرے لئے تین باتوں میں سے ایک کے سوا کچھ نہیں۔ اسلام جزیہ یا پھر جہاں تیرا جی چاہے چلا جائے۔“ چنانچہ وہ تیس ہزار آدمیوں کے ساتھ بلاد روم میں چلا گیا۔ آپ کو جب یہ خبر ہوئی تو بڑی ندامت ہوئی عبادہ بن صامت نے انہیں صامت کی اور کہا ”اگر آپ صدقہ لینا قبول کر لیتے اور پھر اس کو تائب کرتے تو وہ ضرور مسلمان ہو جاتا۔“ پھر جب ۲۱ھ میں آپ نے عبید بن سعد انصاری کو ایک عظیم لشکر کے ساتھ بلاد روم کی طرف بھیجا تو انہیں حکم دیا کہ جہلہ بن الاسد سے لطف و کرم سے پیش آنا اور اسے باہمی قرابت کا پاس دما کر بد اسلام کی طرف آنے کی دعوت دینا اور کہنا ”جو صدقہ تم نے دیئے کیلئے کہا تھا وہی دو اور اپنے دین پر قائم رہو۔“ لیکن اس نے یہ پیشکش مسترد کر دی اور اسی پر قائم رہا کہ وہ بلاد روم ہی میں رہے گا<sup>(۱)</sup>۔ آپ کا ایک نہایت اہم انتظامی طریقہ تھا کہ جس جگہ کوئی مسئلہ پیدا ہوتا اس کی تہہ تک پہنچ کر اس کا مستقل حل نکالتے۔ آپ ذمیوں کے معاملے میں بڑے حساس تھے کہ اگر اس سے کوئی زیادتی اور عہد شکنی ہو گئی تو وہ کبھی بھی اسلامی معاشرے میں جذب نہیں ہو سکتیں گے۔ ایرانی علاقوں میں آویزشوں کے دور ان آپ تک یہ اطلاعات پہنچیں کہ وہ بار بار مسلمانوں کے مقابلے میں آجاتے ہیں اور پراسن طور پر اسلامی ریاست کا حصہ نہیں بن رہے تو آپ کو شدید تشویش ہوئی چنانچہ آپ نے اس کی تحقیق کی اور اصل وجوہ کا کھوج لگا کر اس کا ارالہ کیا جس کے بہت جلد خوشگوار نتائج نکلے۔

حضرت حسنؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے (فارس سے آنے والے) وفد سے فرمایا ”شاید مسلمان ذمیوں کو تکلیف پہنچاتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ تمہارے ساتھ عہد شکنی کرتے ہیں۔“ وہ بولے ”جہاں تک ہمیں علم ہے ایسے عبد اور حسن سلوک ہوتا ہے۔“ آپ نے فرمایا ”پھر اس قسم کے واقعات کیوں رونما ہوتے ہیں؟“ کوئی بھی اس کا تسلی بخش جواب نہ دے سکا۔ البتہ اللف بن قیس بولے ”امیر المومنین! میں آپ کو بتاتا ہوں کہ آپ نے ہمیں پیش قدمی سے منع فرمایا ہے اور حکم دیا ہے کہ ہم اپنے مقبوضہ علاقے کے اندر رہیں حالانکہ ان کا بادشاہ ان کے ملک میں زندہ سلامت موجود ہے۔ اس وجہ سے جب تک ان کا بادشاہ زندہ رہے گا وہ ہم سے جنگ کرتے رہیں گے کیونکہ وہ بادشاہ ایک جگہ نہیں رہ سکتے جب تک ایک دوسرے کو نکال نہ دے۔ میرا خیال ہے کہ اسی وجہ سے یہ واقعات رونما ہوتے ہیں۔ یہ بادشاہ ہی ہے جو انہیں محز کا تار ہتا ہے۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک آپ ہمیں اجازت دیں کہ ہم ان کے ملک میں گھس جائیں۔ اس طرح ہم فارس سے بادشاہت کا خاتمہ کر سکتے ہیں۔ اس کو ملک سے نکال کر ان کی قومی عزت و وقار کو ختم کر سکتے ہیں۔ اس طرح اہل فارس کی توقعات منقطع اور حوصلے پست ہو جائیں گے۔“ آپ نے فرمایا ”تم سچ کہتے ہو تم نے معاملے کی پوری تشریح و توضیح کی ہے۔ پھر آپ نے پیش قدمی کی اجازت دے دی۔“ چنانچہ آپ نے مروجہ علاقائی روایات کو سامنے رکھتے ہوئے مسلمانوں کو ایرانی علاقوں میں پیش قدمی کی اجازت دے دی<sup>(۲)</sup>۔ آپ نے جو انتظامی حکمت عملی اختیار کی اس میں متعلقہ علاقوں کے عوام کی ذہنی و فکری پس منظر، نفسیاتی عوامل، زوادات اور اخلاق و عادات کا لحاظ رکھا اور اسلامی فریم ورک میں رہے ہوئے ان سے مطابقت پیدا کی۔ آپ کو ہی اس بات سے آگاہ تھے کہ پہلے سے طے شدہ انتظامی آلات، محسوس ضابطے اور رویے ہر وقت اور ہر جگہ نتیجہ خیز نہیں ہو سکتے۔ ان کے کارآمد ہونے کا تعلق مقامی ماحول، حالات اور مزاج کے ساتھ مشروط ہوتا ہے۔ آپ کے عہد میں مسئلہ اور بھی نازک اور حساس ہو گیا تھا کیونکہ مختلف قومیں مقابلے کے بعد مغلوب ہوئی تھیں۔ ان کی عربوں کے ساتھ قدمی آویزش تھی اور وہ بالکل متضاد نظریات اور تہذیب رکھتی تھیں۔ اگر مسلمانوں کے غلبے کے بعد بھی تہذیبی کشش اور تصادم برقرار رہتا تو وہ کبھی بھی اسلامی ثقافت میں جذبہ نہ ہو سکتیں۔ اس طرح ان کا مستقل طور پر اسلام قبول کرنا تو دور کنڈا نہیں

کنٹرول کرنا بھی مشکل ہو جاتا۔ اگر ہر وقت مقابلے اور حالات کے استعمال کی ضرورت درپیش رہتی تو یہی سبب بھی زیادہ دیر تک جاری نہیں رہ سکتا تھا۔ یہ اندرونی انتشار اور الجھاؤ تیز رفتاری سے حالات کی راویں حائل ہو جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے انتظامی پالیسیوں میں چلک رکھی اور جہاں اس سلسلے میں قوی دلیل دیکھی تو اسے فراہمی سے قیوں کرتے ہوئے اپنی عمومی پالیسی میں مستثنیات کی گنجائش رکھی۔ مثلاً حضرت عمرؓ خود بھی انتہائی سادہ زندگی بسر کرتے تھے اور عماما کیسے بھی لازم کیا ہوا تھا کہ اپنے معیار زندگی کو اوسط درجے کے مسلمانوں کے برابر رکھیں بصورت دیگر سزا دیتے تھے، لیکن مخصوص حالات کی وجہ سے شام کے گورنر حضرت میر معاویہ کے معاملے کو نظر انداز کر دیا۔ اے اہ میں جب آپ شام کے دورے پر تشریف لے گئے تو خچر پر سوار تھے۔ سامنے دیکھا کہ حضرت معاویہؓ ایک شاندار جوس کے ساتھ چلے آ رہے ہیں۔ انہوں نے گھوڑے سے اتر کر آپ کو سلام کیا "آپ جو اب دیکھے بغیر آگے بڑھ گئے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے کہا "آپ نے انہیں تکلیف پہنچائی ہے کم سے کم ان سے بات تو کر لیتے۔" آپ حضرت معاویہؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا "یہ شاندار جوس تمہارا ہے؟" انہوں نے جواب دیا "جی ہاں" فرمایا "دوسری طرف تمہارا حال یہ ہے کہ تم ہر وقت گھر میں گھسے بیٹھے رہتے ہو حالانکہ جانتے ہو کہ اہل حاجت تمہاری ڈیوڑھی پر کھڑے ہیں۔" حضرت معاویہؓ نے جواب دیا "یہ بھی درست ہے۔" آپ نے فرمایا "افسوس ہے تم پر ایسا کیوں ہے؟" انہوں نے جواب دیا "ہمارے ملک میں دشمن کے جاسوس بہت ہیں۔ اگر ہم اس شان و شوکت سے نہ رہیں تو دشمن ہمیں کمزور سمجھ کر ٹوٹ پڑے۔ رہی گھر میں گھسے کی بات سو ہمیں ڈر ہے کہ ہماری فیضی رعایا کو جری بنادے گی اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ میں آپ کا عامل ہوں۔ آپ مجھے گھٹائیں گے گھٹ جاؤں گا، بڑھائیں گے بڑھ جاؤں گا اور روک دیں گے رک جاؤں گا۔" تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا "میں جب تم سے باز پرس کرتا ہوں صاف بچ نکلتے ہو، مگر تم سچے ہو تو یہ عقل مند آدمی کی رائے ہے۔ اگر جھوٹے ہو تو ایک چالباز کا دھوکہ ہے۔ میں نہ تمہیں اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ اس سے روکتا ہوں<sup>(۱)</sup>۔" ایک مرتبہ آپ نے حضرت معاویہؓ کو دیکھ کر فرمایا "یہ عرب کا کسری ہے"<sup>(۲)</sup>۔

حالات و واقعات کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے حکمت عملی وضع کرنے میں آپ کی پبلک ایڈمنسٹریشن نے نہایت دانشمندانہ طریقے اختیار کئے۔ اس کی ایک مثال مصر کے گورنر حضرت عمرو بن العاصؓ کی ہے۔ فتح کے بعد انہیں اطلاع ملی کہ بعض قبیلے باشندے یہ کہہ رہے تھے "عرب کتنے خستہ حال اور حقیر لوگ ہیں جن کے مطیع و فرمانبردار ہمارے جیسے دگ ہو گئے ہیں۔" اس پر حضرت عمرو کو یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ بات انہیں مخالفت پر آمادہ نہ کر دے۔ انہوں نے حکم دیا کہ اوت ذراع کئے جائیں اور انہیں ملک اور پانی میں پکایا جائے، نیز سپہ سالاروں کو حکم دیا کہ وہ سب حاضر ہوں اور اپنے ساتھیوں کو بھی اس کی اطلاع دے دیں۔ پھر خود وہاں پہنچ گئے اور اہل مصر کو بھی آنے کی اجازت دی، پھر گوشت اور شوربہ لایا گیا، مسلمانوں کے کھانے کا معائنہ کر لیا گیا، مسلمانوں نے عربی طریقے پر کھانا کھایا۔ اہل مصر عمائد میں میونس تھے اور ان کے پاس ہتھیار نہیں تھے، جب وہ وہاں سے رخصت ہوئے تو ان کی جرأت اور بے باکی میں اور اضافہ ہو گیا۔ دوسرے دن مسلمان سپہ سالاروں کو حکم دیا گیا کہ وہ خود اور اپنے ساتھیوں کو مصری لباس اور جوتوں میں لائیں، اہل مصر کو دوبارہ وہاں آنے کی اجازت دی گئی۔ انہوں نے گزشتہ روز سے مختلف صورتحال دیکھی۔ انہوں نے دیکھا کہ عربوں کو مصری کھانے کھلائے جا رہے ہیں اور سب لوگ مصری معاشرت اختیار کئے ہوئے ہیں۔ تیسرے دن مسلمان فوجیوں کو حکم دیا گیا کہ معائنہ کرانے کیلئے مسلح ہو کر آئیں۔ اہل مصر کو بھی آنے کی اجازت دی گئی اور ان کے سامنے مسیح فوج کو گزرا گیا۔ اس کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ نے فرمایا "مجھے تمہارے خیالات کا علم ہو گیا تھا جب تم نے عربوں کی سلاہی اور کفایت شعاری دیکھی تو اس وقت مجھے اندیشہ ہوا



کہ تم (غلام فہمی میں) ہلاک نہ ہو جاؤ۔ اس لئے میں نے چاہا کہ تمہیں دکھاؤں کہ عربوں کی اپنے وطن میں کیا حالت تھی پھر تمہاری سر زمین میں آکر کیا تبدیلی ہوئی۔ پھر میں نے تمہیں دکھایا کہ جنگ کی صورت میں ان کی کیا حالت ہوتی ہے۔ انہوں نے پہلی (سادہ) زندگی میں رہ کر تم پر فتح حاصل کی اور تمہارے ملک پر دوسرے دن کی طرز معاشرت اختیار کرنے سے پہلے قبضہ کر لیا۔ بعد ازاں میں نے مناسب سمجھا کہ تمہیں اس بات سے مطلع کیا جائے کہ تیسرے دن تم نے جن لوگوں کو (مسلح حالت میں) دیکھا تھا دوسرے دن کی طرز معاشرت نہیں چھوڑیں گے اور پہلے دن کی طرز معاشرت کی طرف نہیں لوٹیں گے۔ "یہ سن کر وہ منتشر ہو گئے اور آپس میں کہہ رہے تھے۔ "تمہیں عربوں نے اپنے پاس سے روک دالا ہے۔"

جب حضرت عمرؓ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ نے صحابہوں سے فرمایا "خدا کی قسم! اس کی (یعنی عمرو بن العاصؓ کی) جنگ بہت نرم ہوتی ہے۔ اس کے اندر دوسرا جیسا دہرہ اور تیزی نہیں ہوتی مگر اس کی کات بہت سخت ہوتی ہے۔" پھر آپ نے انہی کو حاکم برقرار رکھا<sup>(۱)</sup>۔ آپ نے مفتوحہ علاقوں کے عوام سے مطابقت و ہم آہنگی کو فروغ دینے کیسے مروجہ آمرانہ اور جابرانہ انتظامی طریقہ تبدیل کر کے ان سے نہایت قریبی اور کھلے رابطے کو پروان چڑھایا (دور جدید اس طریق کار کو (Human relation approach) کہا جاتا ہے) اور اسلام کی اعلیٰ اور عالیہ قدروں کو انتظامی آلات کے طور پر عملی جامہ پہنایا۔ ان میں عدل و انصاف، پابندی عہد، نرم دلی و خیر خواہی، آزادی و دہلاری، نیارہور فیاضی، خود درگزر، فلاح و بہبود، صداقت و دیانت اور عزت نفس کی پاسداری وغیرہ شامل ہیں۔ یہ عہد حاصل کرنے والے حاکموں کی طرف سے ملاقاتی، لسانی، نسلی اور مذہبی تفاوت رکھنے والے ٹکڑوں اور مغلوبوں کیلئے اپنی نوعیت کی منفرد مثال تھی جس کا وہاں کے لوگوں نے پہلی مرتبہ مشاہدہ کیا تھا۔

آپ کی رہنمائی میں آپ کے گورنروں اور سپہ سالاروں نے غیر مسلموں سے نہایت محقول اور قابل قبول معاہدات کئے<sup>(۲)</sup> اور ہر حالت میں ان کی پابندی کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے پہلی مرتبہ جبر و استبداد اور ظلم و استیصال سے نجات حاصل کی اور کھلی اور آزاد فضا میں سکھ کا نفس پیدا ہوا۔ اس کا نتیجہ یہی نکلا تھا اور یہی نکلا۔ انہوں نے اسلامی نظام کیسے دل و ذہن کے درپے کھول دیئے۔ اسلامی تہذیب کو اپنا سب سے بڑا محسن قرار دیا اور اسلامی ریاست کے دفاع کیلئے اپنے ہم مذہب لشکروں کے مقابلے میں صف آراء ہو گئے۔ روایت میں آتا ہے کہ مسلمانوں کی فوجیں شام کے علاقوں میں جب رومیوں سے برسر پیکار تھیں تو مسلمانوں کو خبر ملی کہ ہر قل نے بہت بڑی فوجیں جمع کی ہیں جو ہر موک کی جنگ کیلئے ان کی طرف بڑھ رہی ہیں تو انہوں نے اہل حمص کو دو سارا خرچ واپس کر دیا جو نٹ سے لیا تھا اور کہا "ہم دوسرے مسئلے کے باعث تمہاری مدد اور حفاظت سے محذور ہو گئے ہیں اب تم جانو اور تمہارا کام۔" اس پر اہل حمص نے کہا "ہمیں تمہاری حکومت اور تمہارا عدل اس ظلم و جور سے زیادہ محبوب ہے جس میں ہم تمہارے آنے سے قتل ہوتا تھے۔ ہم ہر قل کی فوج کی عزت کریں گے اور تمہارے عامل کے ساتھ مل کر شہر کی حفاظت کریں گے اور یہود نے کہا "تورات کی قسم ہر قل کا عامل حمص میں اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتا جب تک وہ ہمیں مغلوب نہ کر لے اور ہماری تمام کوششیں ضائع نہ ہو جائیں۔" پھر انہوں نے شہر کے دروازے بند کر لئے اور ان کی حفاظت کرنے لگے اور یہی ان شہروں کے یہود و نصاریٰ نے بھی کیا جن سے صلح ہو چکی تھی انہوں نے کہا "اگر رومی اور ان کے ساتھی مسلمانوں پر غالب ہو گئے تو تمہاری جو حالت تھی وہی پھر ہو جائے گی اور اگر ایسا نہ ہوا تو جب تک ایک مسلمان بھی زندہ ہے تو ہم اسی حالت پر رہیں گے۔" پھر جب اللہ نے کافروں کو ہزیمت دی اور مسلمانوں کو غالب کیا تو انہوں نے اپنے شہروں کے دروازے کھول دیئے اور مقیمین (گائے جانے والوں) کو ساتھ لے کر نکلے جشن منایا اور خرچ و ادا کیا۔ اس کے بعد مسلمانوں کے سپہ سالار حضرت

ابو عبیدہؓ جسکے قسریں اور اطالیکہ کی طرف روانہ ہو گئے اور نہیں بھی فتح کر لیا<sup>(۱)</sup>۔ کسی واقعے کو امام ابو یوسف نے یوں بیان کیا ہے جب رومیوں نے دیکھا کہ مسلمان ان کے ساتھ کی گئی شرائط کے پوری طرف پابند ہیں اور ان کے ساتھ بہت اچھا سلوک کر رہے ہیں تو وہ دشمنوں کے مقابلے میں مسلمانوں کے بڑے مددگار اور دشمنوں کے خلاف بہت سخت ہو گئے۔ جن شہروں میں مسلمانوں کی صلح ہوتی تھی وہاں کے باشندوں نے اپنی جانب سے کچھ افراد کو رومیوں اور مملکت روم کے حالات کا پتہ لگانے کیلئے جاسوس بنا کر بھیجا تاکہ وہ یہ معلوم کریں کہ وہ لوگ کیا اقدام کرنے والے ہیں۔ چنانچہ ہر شہر کے بھیجے ہوئے افراد یہی خبر لے کر واپس آئے کہ رومیوں نے تیار ہوا دست لشکر جمع کر لیا ہے کہ جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ یہ سن کر ہر شہر کے رؤسا ان امر سے بے جنہیں حضرت ابو عبیدہؓ نے ان پر مقرر کیا تھا اور یہ خبر ان تک پہنچائی۔ ابو عبیدہؓ کے مقرر کردہ وادیوں نے ان کو اس کی اطلاع لکھ کر بھیجی۔ حضرت ابو عبیدہؓ کے پاس مختلف مقامات سے پورے پے پے کی اطلاعات آنے لگیں۔ یہ بات ان پر اور عام مسلمانوں پر بڑا بد اثر بن گئی۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے ان تمام وادیوں کو جنہیں آپ نے صلح کے ذریعے فتح کئے ہوئے شہروں پر مامور کیا تھا یہ لکھا کہ وہاں کے باشندوں سے جزیہ اور خراج کی جو رقمیں وصول کی گئی ہوں وہ انہیں واپس کر دی جائیں اور یہ بات وضح کر دی جائے کہ ہم نے یہ رقوم اس لئے واپس کی ہیں کہ تم نے ہم سے یہ عہد کیا تھا کہ ہم تمہارا دفاع کریں گے، لیکن ہمارے خلاف جتنے لشکر جمع کر لئے گئے ہیں ان کی خبر ہمیں مل گئی ہے۔ ہم اتنے طاقتور نہیں ہیں کہ ان کا مقابلہ کر کے تمہارا دفاع کر سکیں اسی لئے ہم نے تم سے دوسو کردہ رقوم تمہیں واپس کر دی ہیں۔ اگر اللہ نے ہمیں ان پر فتح عطا کی تو ہم ان شرائط کی پوری پابندی کریں گے جو ہمارے اور تمہارے درمیان طے پا چکی ہیں۔

جب ان وادیوں نے ان سے یہ بات سنی اور ان سے وصول کیا ہوا مال انہیں واپس دے دیا تو وہ کہنے لگے ”اے اللہ تمہیں فتح عطا کرے اور دوبارہ ہم پر (حکمران بنا کر) واپس لائے۔ آج اگر تمہاری جگہ یہ رومی ہوتے تو ہمیں کچھ بھی واپس نہ کرتے بلکہ اٹا ہر وہ چیز چھین لیتے جو ہمارے پاس باقی رہ گئی ہے اور ہمارے پاس کچھ بھی نہ رہتا“۔<sup>(۲)</sup> آپ کے انتظامی فلسفے کی حقانیت آپ کی صحت عملی کی کامیابی اور آپ کی پبلک ایڈمنسٹریشن کے بااصوں کا مادانہ، متحرک، جاندار اور بے مثال ہونے کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ مغلوب ہونے والے غیر مسلم بھی بڑی حیران کن سرعت کے ساتھ سماجی ریاست کا جزو بن گئے، لہذا پبلک ایڈمنسٹریشن اور منجسٹ کے جدید نظریات و طریقوں پر لازم ہے کہ آپ کے دور کو سلام پیش کریں۔

آپ کے عمال نے آپ کی اسی انتظامی حکمت عملی کی مکمل پیروی کی کہ جنگوں کے بجائے صلح کو بنیاد بن لیا جائے۔ علاقوں پر قبضے کے بجائے دلوں پر حکومت کی جائے۔ وسعت و فراوانی کا ایک ایسا ثقافتی ماحول پیدا کیا جائے کہ حاکم و محکوم کے درمیان فاصلے تضادات اور رنجشیں ختم ہو جائیں اور نظریہ عامہ کو اعلیٰ مقصد کے حصول میں کامیابی حاصل ہو۔ تمام کی فتوحات کے دوران آپ کے کمانڈر حضرت ابو عبیدہؓ نے یہی بات سامنے رکھی۔ بقول امام ابو یوسف ”ابو عبیدہؓ نے ان لوگوں سے ان شرائط پر صلح کرنا اس لئے منظور کیا اور جو رخواستیں وہ لوگ کرتے تھے انہیں اس لئے مان لیتے تھے تاکہ ان کی تالیف قلب ہو اور دوسرے شہروں کے لوگ بھی جنہوں نے ابھی صلح کی پیشکش نہیں کی تھی یہ باتیں سن کر صلح پر آمادہ ہو جائیں“۔<sup>(۳)</sup> آپ نے علاقے کے لوگوں کی شکست خوردہ رومیوں کے سلسلے میں ہم آہنگی اور امن و امان کے فردغ کیلئے یہاں تک شرط منظور کر دی کہ جو رومی مسلمانوں سے جنگ کیلئے آئے تھے اور اب ان لوگوں سے آئے تھے انہیں بھی امان دے دی جائے اور یہ بھی حق دیا جائے کہ وہ اپنے ساز و سامان، مال اور اہل و عیال سمیت بد روک ٹوک، روم چلے جائیں۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے یہ شرط منظور کر لی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ شہروں کے دروازے آپ پر کھول دیئے گئے اور جزیہ بڑا کیا۔ اس کے بعد تو آپ جس علاقوں سے گزرتے وہاں کے رؤسا صلح کی درخواستیں پیش کرتے جنہیں

باتر دو قبول کر یا جائے۔ جسہیں جزیرہ و خراج کی رقیں، ایسی کر دی گئی تھیں وہ بھی دکانوں اور بازاروں میں عداقات کر کے تجدید معاہدہ کرتے<sup>(۱)</sup>۔ فاروق اعظمؓ کی نظریہ عامہ نے کمال و شہنہ سے عدالتی و ثقافتی روایات سے مطابقت کے ذریعے عوام میں خود پیدا کیا پھر پھر پورے رابطہ اور کیوں کیش کے ذرائع سے پابھی ہم - ہنگی کو فروغ دیا۔ پھر عدس و انصاف، نرمی، تالیف قلب نہ ہی آزادی اور عزت نفس کے احترام اور صلاح و بہود کے اعلیٰ انتظامی اصولوں کے ذریعے ایسی شاندار ور پامیدار کامیابیاں حاصل کیں جو جابرانہ سیاسی و ثقافتی تسلط سے کبھی حاصل نہیں ہو سکتی تھیں۔

### ۴۔ ترقیاتی نظمیں (Development Administration)

دور جدید میں ترقیاتی نظمیں کے تصور کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی ہے جس کا مرکزی کام یہ ہے کہ سیاسی، سماجی اور معاشی ترقی کی رفتار کو تیز کیا جائے۔ اس مقصد کیلئے ایسے پروگرامات اور منصوبے وضع کئے جائیں جن کا منطقی نتیجہ ترقی و خوشحالی ہو۔ یہاں تک عمل اختیار کیا جائے جو غربت، استحصال اور ناانصافیوں کا ازالہ کرے اور عوام کے معیار زندگی کو بہتر بنائے۔ George Gant کے بقول "یہ ایڈمنسٹریشن کا وہ حصہ ہے جس میں توجہ کا مرکز پبلک - پکسیوں کو اس طرح منظم کرنا اور چلانا ہے کہ سماجی و معاشی ترقی کے واضح پروگرام متحرک ہوں اور، نہیں سیویات میسر ہوں۔ اس میں میجمنٹ کی صلاحیتوں کو اختیار و استعمال کر کے براہ راست ترقیاتی راہوں پر لگایا جاتا ہے۔" E.W. Weldner کے بقول اس سے مراد "Maximising innovation for development"<sup>(۲)</sup>۔ اس کیلئے جن باتوں کو ضروری خیال کیا جاتا ہے ان میں انتظامی، جہاد، عوامی شراکت، طے شدہ حکمت عملی اور منصوبے ان پر مسلسل نگرانی، جدید انتظامی طریقوں کا استعمال کامیابیوں سے مربوط ہونا اور اپنے آپ کو اس مقصد کیلئے پوری طرح وقف کر دینا شامل ہے۔ اگر ہم اس جدید تصور اور اس کے معیارات کو سامنے رکھ کر دیکھیں تو یقینی طور پر فاروق اعظمؓ کو صرف اسلام میں نہیں بلکہ تاریخ انسانی میں ترقیاتی نظمیں کا بانی قرار دیا جاسکتا ہے۔ آپ نے اس کے تصور اور نظام کو پہلی مرتبہ منظم درمربوط انداز میں عملی طور پر متعارف کر دیا۔ اسلام کی روح ریاست کی ضروریات اور حالات و وقت کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے ایڈمنسٹریشن، میجمنٹ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ پوری پبلک ایڈمنسٹریشن کو ایک دوا لہ اور شعور دے کر قومی تعمیر و ترقی، عوامی فلاح و بہود، خدمت و معاونت اور افادیت و جدیدیت کی شاہراہ پر گامزن کر دیا۔ روایت میں ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے ابو موسیٰؓ کو لکھا کہ "ما بعد اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ سعادت مند گمراہ وہ ہے جس کے سبب اس کی رعایا کو سعادت نصیب ہو اور سب سے بد بخت گمراہ وہ ہے جس کے ہاتھوں اس کی رعایا تباہ ہو جائے۔ دیکھو! تم خود راہ راست سے نہ ہٹاؤ کیونکہ اس کے نتیجے میں تمہارے عمال بھی بگڑ جائیں گے۔ ایسا کر دے تو اللہ کے حضور تمہارا اس جانور کا سا ہو گا جس نے زمین پر کچھ ہنر دیکھا تو اس کو چرنے لگا تاکہ موتا ہو جائے ہمارا تاکہ اسی موتا پے میں اس کی موت مضمر ہے۔" (۳)۔

آپ نے زندگی کے ہر شعبے میں ترقی کو تحریک دی۔ روحانی، اخلاقی، سماجی، تمدنی، سیاسی، معاشی، عدالتی، تعلیمی، عسکری وغیرہ۔ غرض کوئی گوشہ ایسا نہیں جسے آپ نے جدید خطوط پر استوار کر کے اسے وسعت و رفعت سے روشناس نہ کر لیا ہو۔ یہ کام آپ کیلئے سرانجام نہیں دے سکتے تھے اس لئے پوری نظریہ کو اس مشن پر لگادیا۔ غربت و افلاس کو ختم کرے، ناانصافی و استحصاں کو روکنے، امن و شہنتی کو یقینی بنانے، لوگوں کے معیار زندگی کی بندی اور "سودگی و خوشحالی کے حصول کیلئے" آپ نے بھرپور منصوبہ بندی کی۔ عمال و افسران کو واضح پروگرامات دے کر متحرک کیا اور انہیں ایسے طریقے اختیار کرے کہ پابند بنایا جو ترقی کے اہداف کیلئے ضروری تھے۔ آپ نے اہل میں، عروہ کی گوری سے حضرت معمر بن شعبہ کو معزز کر کے اہل کی جگہ حضرت ابو موسیٰؓ کو مقرر فرمایا اور وہاں کے لوگوں کو لکھا

”میں نے ابو موسیٰ کو تمہارا امیر مقرر کیا ہے جو تمہارے طاقتور انسان سے کمزوروں کو حق دوائیں گے تمہارے ساتھ مل کر تمہارے دشمنوں سے جنگ کریں گے۔ تمہاری ذمہ داریاں ادا کریں گے تمہاری غنیمت تمہارے لئے بخشی کریں گے اور اسے تمہارے درمیان تقسیم کریں گے اور تمہارے راستوں کو پاک صاف کریں گے۔“ اس ارشاد میں آپ نے متفرق و محبت کی جس چیز درواریوں کا ذکر کیا ہے وہ نظریہ عامہ کے وسیع رد کی نشاندہی کرتی ہیں۔ آپ یہ جائزہ لگی بیٹے رہتے تھے کہ آپ کے عمال و اہلکار کس حد تک آپ کی پالیسی اور ہدایات کو عملی جامہ پہناتے ہیں تاکہ آپ کی منصوبہ بندی اور فلاحی پالیسیوں کے اثرات دور در دور کے علاقوں اور پگلی سطح کے عوام تک پہنچ سکیں۔ اس سے آپ کا رابطہ انتظامی کنٹرول، موثر نگرانی اور نظریہ عامہ کو مقاصد کے حصول کیلئے مقرر رکھنے میں کامیاب ہو جاتے تھے ترقی کا ریزہ ہیں۔ چنانچہ قادسیہ کی فتح کے بعد عمرو بن سعد کی کرب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے وہاں کے سامرا حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے بارے میں دریافت کیا کہ کیا لوگ ان سے خوش ہیں؟ انہوں نے جواب دیا ”میں نے سعد کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ وہ لوگوں کیسے چوہنی کی طرح داند جمع کرتے ہیں اور مہربانیاں کی طرح شفقت کرتے ہیں وہ کجیور کی محبت میں بد دل اور جہالت کے اہتمام میں غلطی ہیں۔ مساوت کے ساتھ تقسیم کرتے ہیں اور قصبوں میں عدل کرتے ہیں اور (قابلیت کے ساتھ) سراپا بھیجتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”معلوم ہوتا ہے تم دونوں نے ایک دوسرے کی توصیف میں سمجھوتہ کر لیا ہے۔“ حضرت عمرؓ نے یہ اس لئے کہا کہ اس سے قبل سعد نے ایک مرتبہ عمرو کی توصیف لکھی تھی عمرو نے کہا ”ہرگز نہیں اسے امیر مومنین! جو کچھ میں جانتا ہوں آپ کو اس کی خبر کر دی ہے“ (۲)۔ حضرت سعد ہی نے حضرت عمر فاروقؓ کے حکم پر ۷۱ھ میں جدید شہر کوفہ کی بنیاد رکھی جو ایک بلند اور پر فضا مقام تھا اور شہری منصوبہ بندی میں اپنی مثال آپ تھا۔ جہاں چالیس ہزار آدمیوں کی آبادی کیلئے مضبوط مکانات، عرب قبائل کے جدا جدا محلے، چالیس، تیس اور بیس ہاتھ چوڑی شاہراہیں اور سات ہاتھ چوڑی گلیاں رکھی گئیں جو بالکل سیدھی تھیں۔ درمیان میں جامع مسجد بنائی گئی جس میں بیک وقت چالیس ہزار آدمیوں کے نماز پڑھنے کی گنجائش تھی جس کے ساتھ ہی ایوان حکومت، بیت المال کے مکانات اور مہمان خانے تعمیر کئے گئے جہاں باہر کے مسافروں کو سرکاری خرچے سے کھانا فراہم کیا جاتا۔ علاوہ ازیں اسی منہج پر آج کی اجازت سے آپ کے گورنروں نے بھرہ اور فسطاط جیسے شہر آباد کئے۔ موصل اور حمزہ کو دو مسعت دی جن میں جدید ترین سہولتیں فراہم کر کے تہذیبی و تمدنی ترقی کی بنیادیں فراہم کیں۔ رفتہ رفتہ یہی شہر مسلمانوں کی علمی، ادبی، ثقافتی، معاشی، سیاسی، دفاعی اور صنعتی سرگرمیوں کے مراکز بن گئے (۳)۔

غیر عرب علاقوں کے عوام کی نوے فیصد سے زائد آبادی کے روزگار کا زیادہ تر انحصار زراعت و باغبانی پر تھا۔ ان کی ترقی و خوشحالی کیلئے ضروری تھا کہ اس پر بھرپور توجہ دی جائے اور ایسے درامد وسائل اختیار کئے جائیں جو انفرادی طور پر لوگوں کے بس سے باہر ہیں۔ بقول شیلی ”زراعت کی حفاظت و ترقی کا حضرت عمرؓ کو جو خیال تھا اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے ان سے آکر شکایت کی کہ شام میں میری کچھ زراعت تھی، آپ کی فوج اوھر سے گزری اور اس کو برباد کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے اسی وقت اس کو دس ہزار درہم معاوضے میں دلوائے۔ تمام مکاتب مفتوحہ میں نہریں جاری کیں اور بند باندھے۔ تارات تیار کر کے پانی کی تقسیم کیسے دہانے بنائے اور نہروں کے شعبے نکالنے اور اس قسم کے کاموں کا ایک بڑا محکمہ قائم کیا۔ علامہ مقرریزی نے لکھا ہے کہ خاص مصر میں ایک لاکھ بیس ہزار مزدور دروہا میں بھر میں اس کام میں لگے رہتے تھے اور یہ تمام مصارف بیت المال سے ادا کئے جاتے تھے۔ حوزستان اور احوال کے اضلاع میں جزیریں معاویہ نے حضرت عمرؓ کی اجازت سے بہت سی نہریں کھدوائیں جن کی وجہ سے بہت سی افتادہ مینیں آباد ہو گئیں۔ اسی طرح حوزستان و نہریں تیار ہوئیں

میں کاپتہ جتہ جتہ تاریخوں میں ملتا ہے<sup>(۱)</sup>۔ آپ دور دور سے آنے والے دقود کی ضروریات اور مسئلہ بڑے غور سے سنتے اور تنظیمی سطح پر جس اقدامات کی ضرورت ہوتی، اس بارے میں فوری طور پر عمال کو حکامات صادر فرماتے کیونکہ پوری حکومتی مشینری کو لوگوں کی ترقی و خوشحالی کیلئے سرگرم عمل رکھنا آپ کا بہت بڑا مقصد تھا۔ روایت میں آتا ہے کہ اطف بن قیس اہل بصرہ میں سے کچھ لاگوں کے ساتھ حضرت عمرؓ کے پاس آئے۔ آپ نے اذین میں سے ایک سے آنے کی غایت پر بھی پھر اطف کی طرف متوجہ ہوئے، ان کے جسم پر مونے جھوٹے کپڑے تھے اور وہ ایک گوشے میں خاموش بیٹھے تھے، پوچھا: ”کیا تمہیں کچھ حاجت نہیں؟“ وہ بوسے ”ہاں، میرا المومنین ابھلائی کی کچیاں تو اللہ کے ہاتھ ہی میں ہیں نو آبادی شہر دس میں ہمارے بھی گزشتہ قوموں کے مساکن میں مقیم ہیں، ان کی ایک جانب آب شیریں اور دوسری جانب سرسبز مائیں ہیں، لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ایسی جگہ رہتے ہیں جو شور زدہ اور مرطوب ہے، اس میں کثرت سے جھاڑیاں ہیں۔۔۔ اس میں رطوبت خشک ہوتی ہے اور نہ اس کی چھ اگاہوں میں چارہ پیدا ہوتا ہے۔ اس کی ایک جانب مشرق میں آب شور بہتا ہے اور دوسری جانب مغرب میں بیابان ہے۔ بالکل بے آب و گیاہ، نہ ہمارے پاس کھیت ہیں نہ مویشی، جن سے ہمیں کچھ حاصل ہو۔ ہماری روزی شتر مرغ کی روٹی کی طرح دور ہے۔ ہمیں پانی کیسے رو فرخ جانا پڑتا ہے جو ضعیف ہوساں کیلئے یہ کیسی مصیبت ہے؟ جب کوئی عورت پانی مانے جاتی ہے تو اس خوف سے کہ کہیں دشمن نہ پڑے یا درعدہ اس کے بچوں کو نہ پھاڑ کھائے، اپنے بچے کو گلے میں باندھ لیتی ہے، جس طرح بکری کا بچہ باندھا جاتا ہے۔ اگر امیر المومنین نے ہم سے اس مصیبت کو دور نہ کیا اور ہمارے فاقوں کا علاج نہ کیا تو ہم اس قوم کی طرح ہو جائیں گے جو ہلاک ہو چکی ہے۔“ حضرت عمرؓ نے دیوان میں ان کے ہال بچوں کے نام لکھ لئے، سب کیسے و خائف جاری کر دیئے اور حضرت ابو موسیٰ اشعرئؓ کو حکم دیا کہ ان کیسے نہر کھدوائیں، چنانچہ انہوں نے جو نہر کھدوائی وہ نہر ابو موسیٰ کے نام سے مشہور ہوئی جو چار فرسخ پانچو میل لمبی تھی<sup>(۲)</sup>۔ اس سے ہر گھر میں میٹھے پانی کی فراوانی ہو گئی۔ اس طرح اس سے آپاشی کے علاوہ دیگر مقاصد بھی حاصل ہو گئے۔ آپ نے وہاں ایک اور نہر بھی کھدوانے کا حکم دیا اور لکھا کہ اس کام کا متولی معقل بن یبرالمرئی کو مقرر کیا جائے اس وجہ سے وہ نہر معقل کے نام سے مشہور ہوئی جو دریائے دجلہ سے کاٹ کر لائی گئی<sup>(۳)</sup>۔

آپ نے تجارت، مواصلات اور رابطے کی غرض سے بھی اپنی حکومت کے پانچویں سال ایک عظیم الشان نہر کھدوائی جو نہر میرا مومنین کے نام سے مشہور ہوئی جو سب سے بڑی اور فائدہ رس نہر تھی۔ اس میں دریائے نیل کو بحر قلزم سے ملادیا گیا تھا۔ ۱۸ھ میں جب پورے عرب میں قحط پڑا تو آپ نے تمام اقطاع کے حکام کو لکھا کہ ہر جگہ سے کثرت سے غنہ اور نایاب روئے کیا جائے۔ اگرچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی، لیکن شام اور مصر سے خشکی کا جو رستہ تھا وہ بہت دور دراز تھا، اس لئے غنہ بھیجے میں دیر لگی۔ حضرت عمرؓ نے مصر کے گورنر حضرت عمرو بن العاصؓ کو لکھا کہ مصر کے باشندوں کی ایک جماعت کے ساتھ دار الخلافہ میں حاضر ہوں۔ جب وہ حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا دریائے نیل کو اگر سمندر سے ملادیا جائے تو عرب میں قحط و گرائی کا کوئی اندیشہ نہیں ہوگا اور نہ خشکی کے راستے غلہ آنا دقت سے خالی نہیں۔ چنانچہ عمرو بن العاصؓ نے فسطاط سے (جو قاہرہ سے دس بارہ میل دور ہے) بحر قلزم تک نہر تیار کرائی اس ذریعے سے جہاز دریائے نیل سے چل کر قلزم میں آتے تھے وہاں سے جدہ پہنچ کر لشکر، نذرانے ہوتے تھے جو مدینہ منورہ کی بندرگاہ تھیں۔ یہ نہر ۶۵ میل لمبی تھی اور تعجب یہ ہے کہ صرف چھ ماہ میں بن کر تیار ہوئی، چنانچہ پہلے سال ۲۰ بڑے بڑے جہاز جن میں ساٹھ ہزار اردب غنہ بھرا ہوا تھا اس نہر کے ذریعے مدینہ منورہ کی بندرگاہ میں آئے۔ یہ نہر مدتوں تک جاری رہی، اس کے ذریعے مصر کی تجارت کو نہایت ترقی ہوئی<sup>(۴)</sup>۔

(۱) طبری ۱۱/۴۸، حبشی ۱۱/۶۶، (۲) طبری ۱۱/۴۸، (۳) بلاذری ۱/۳۵۲، (۴) حبشی ۱۱/۶۶

عہد جدید میں اتنے بڑے کام کی صرف منصوبہ بندی اور سرورے میں کئی سال گزر جاتے ہیں جبکہ کھدائی کے جدید ترین آلات ٹریکٹر، بلڈوزر اور دیگر وسائل و درائع میسر ہیں، لیکن فاروقی عمال کی ایڈمنسٹریشن اور مینجمنٹ کا کمال یہ تھا کہ انہوں نے جافغانستان، حسن کارکردگی، ویرکمال کی حکمت عملی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی مدد آپ کے اصولوں پر عوام کو متحرک کیا اور حکومت کے معاملات و مددگار بنا کر بڑے بڑے منصوبے نہایت کم وقت اور کم خرچ میں پایہ تکمیل تک پہنچائے اور ترقی کی رفتار کو تیز کیا۔ اسی طرح دور دراز علاقوں سے رابطے، انتظامی کنٹرول اور تمدنی، معاشی ترقی کیلئے سڑکیں اور پل اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اس کیلئے نہایت عمدہ طریق کار اختیار کیا گیا جس سے دور کی ترقیاتی نظریہ کیلئے بہترین رہنمائی فراہم ہوتی ہے۔ ان کا انتظام برلوراست حکومت کے کنٹرول میں دینے کے بجائے مفتوحہ قوموں سے معاہدات میں یہ شرط رکھی جاتی تھی کہ سڑکوں اور پلوں کا اہتمام کریں گی۔ اس پالیسی میں بہت سی حکمتیں تھیں ایک یہ کہ جن قوموں کا علاقہ ہوتا تھا وہ جب محنت و وسائل سے یہ کام سرانجام دیتی تھیں تو ان کی حفاظت و نگرانی کا بھی خود ہی اہتمام کرتی تھیں۔ دوسری یہ کہ ان سے زیادہ تر استفادہ وہ خود کرتی تھیں اس لئے مناسب یہی تھا کہ خود انہیں تعمیر کریں۔ تیسری حکومتی انتظامیہ کے اوقات و وسائل اور توجہات دیگر رفائی و فلاح کے کاموں پر صرف ہوتی تھیں۔ چوتھی یہ کہ حکومت کے ترقیاتی منصوبوں کی تیز رفتار تکمیل میں تمام علاقے کے لوگوں کی برلوراست شرکت و شمولیت ممکن ہو گئی۔ پانچویں یہ کہ ان میں احساس ذمہ داری اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے جذبے کو تحریک ملی۔

حکومتی کارندوں اور ایڈمنسٹریٹروں کا حکومتی مالیات کو بڑھانے، ظلم و استحصاں کا رویہ عوام اور انتظامیہ کے درمیان نفرتوں کی دیواریں چٹا ہے، باہمی اعتماد و یگانگت کے سوتے ٹنگ کر دیتا ہے جس سے ترقیاتی پالیسیوں کا رخ معکوس ہو جاتا ہے۔ فاروقی اعظم نے بحریں اور بحر کے علاقے میں حضرت ابوہریرہؓ کو عامل بنا کر بھیجا وہ کہتے ہیں کہ میں وہاں گیا اور سہ ماہی کے آخر میں آپ کے پاس دو تھیلے لے کر آیا جن میں پانچ لاکھ درہم تھے۔ انہیں کچھ کر حضرت عمرؓ نے فرمایا ”میں نے آج تک اس سے زیادہ مال یکجا نہیں دیکھا۔ اس میں کسی مظلوم کا ہار، ابوہریرہؓ یا کسی یتیم اور یتیم کا (غصب کیا ہوا) مال تو شامل نہیں“ ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے جواب دیا ”بھئی خدا کی قسم! ایسا ہو تو سب سے برا آدمی میں ہی قرار پاؤں گا کہ سارا فائدہ تو آپ کے حصے میں آئے اور سارا وبال میرے سر پڑے“ (۱)۔ ایک مرتبہ آپ نے لوگوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے فرمایا ”لوگو! کسی اطاعت کے مستحق کا حق اتنا اہم نہیں کہ اللہ کی نافرمانی ہو رہی ہو تو بھی اس کی اطاعت کی جائے۔ مجھے اس مال کے سلسلے میں عین ہی باتیں مناسب معلوم ہوتی ہیں۔ اسے حق کے ساتھ وصول کیا جائے، حق کی راہ میں دیا جائے اور باطل پر صرف ہونے سے روکا جائے۔ تمہارے مال کے سلسلے میں میری حیثیت وی ہے جو کسی یتیم کے سر پرست کی ہوتی ہے۔ اگر میں ضرورت مند نہ رہا تو اس سے دستکش رہوں گا اور اگر ضرورت مند ہو گیا تو اس میں سے معروف کے مطابق حاصل کروں گا“ (۲)۔

میں کسی کو کسی پر ظلم و زیادتی کرنے کا موقع نہیں دوں گا۔ ایسا کرنے والے کا ایک گال زمین پر ہو گا اور دوسرا میرے قدموں کے نیچے تا آنکہ وہ حق کے آگے سیر ڈال دے۔ دو گواہجھ پر تمہارے سلسلے میں کچھ ذمہ داریاں ہیں جن کو میں تمہارے سامنے گناہاں ہوں۔ تمہیں چاہئے کہ ان کے بارے میں میرا احتساب کرتے رہو۔ میری ذمہ داری ہے کہ تمہارے خراج اور لئے کی رقمیں ان کے مقررہ طریقوں سے ہی وصول کروں اور یہ کہ جب یہ اموال میرے ہاتھ میں آجائیں تو من سب مصارف میں صرف ہوں۔ تمہارے سلسلے میں میری ذمہ داری یہ بھی ہے کہ انشاء اللہ میں تمہارے عطا یا اور وظائف میں اضافہ کروں اور تمہاری سرحدوں کی حفاظت کا انتظام کروں نیز میری یہ ذمہ داری ہے کہ تمہیں ہلاکت کے منہ میں نہ دھکیلوں اور سرحدوں پر زیادہ عرصہ مہمور نہ کئے رکھوں“ (۳)۔

اس طرح آپ نے مادی وسائل کی منجمنت اور حصول دولت صرف دولت اور تقسیم دولت کے سلسلے میں معاشیات کے کلی ذریعے (Macro Level) میں جس پالیسی کا کرنا ہے، ہر طرح کے ظلم و استحصال کے خاتمے، محفوظ ماحول کی فراہمی اور وظائف میں بتدریج اضافے اور خود عوام کو بیدار رہنے اور احتساب کرنے کا حق دیا ہے۔ یہی درحقیقت ترقی و خوشحالی کی کلید ہے۔ آپ کے عہد مبارک میں اس کے مثبت اثرات عملی طور پر ظاہر ہوئے۔ آپ نے ترقی و خوشحالی کے تسلسل کو قائم و دائم رکھنے کیلئے طویل المیعاد اور وسیع البعد منصوبہ بندی کی اور جرأت مند لائحہ عمل پیش کیے جو وقتی و پہنچائی مسائل کے حل کے بجائے مستقل نوعیت کے تھے کیونکہ آپ اسلامی تہذیب کو ہمیشہ کیلئے قائم و دائم رکھنا چاہتے تھے۔ اس کی نمایاں مثال شادی زرخیز زمینوں اور مصر کی مفتوحہ اراضی کو مجاہدین میں تقسیم نہ کرنے کا فیصلہ ہے جسے آپ نے آزادانہ غور و خوض، بھرپور بحث و مباحثہ کیلئے مشاورت کے مختلف دائروں میں پیش کیا اور عمال و منتظمین کو اس کے مثبت و منفی اثرات پر مہربانوں کا جائزہ لینے کا موقع دیا۔ استدلال کی قوت سے سب کو یکسو کیا اور شور و غوغا کی حتمی منظوری لے کر نافذ کر دیا۔ جب آپ سے مفتوحہ زمینیں تقسیم کر دینے کی درخواست کی گئی تو آپ نے جواب دیا ”یہی صورت میں تمہارے بعد میں آنے والے مسلمانوں کو کیا ملے؟ اور مجھے یہ بھی اندیشہ ہے کہ اگر اس علاقے کی تقسیم کروں تو تم آپس میں پانی پر جھگڑتے رہو گے“<sup>(۱)</sup>۔ حضرت بان نے اصرار کیا تو فرمایا ”نہیں! یہ تو اصل سرمایہ ہے میں اسے وقف عام رکھوں گا اور اس سے فاقین اور ان کے ساتھ دیگر مسلمانوں کے وظائف جاری کئے جائیں گے“<sup>(۲)</sup>۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو خط لکھا ”مجھے تمہارا خط ملا ہے جس سے معلوم ہوا ہے کہ لوگ تم سے تقاضا کر رہے ہیں کہ ان کا مال قیمت جو اللہ تعالیٰ نے بطور فخر انہیں پٹایا ہے ان میں تقسیم کر دیا جائے تو دیکھو تم ایسا کرو کہ اس کے مجاہدوں نے جو مال و متاع اور جانور و غیرہ لشکر نے تمہارے پاس جمع کیا ہے اسے تو موجودہ مسلمانوں میں تقسیم کر دو، لیکن زمینیں اور نہریں ان پر کام کرنے والوں کیلئے چھوڑ دو تاکہ ان سے وصول شدہ آمدنی مسلمانوں کے وظائف میں کام آئے۔ اس لئے کہ اگر ہم نے یہ زمینیں بھی موجودہ لشکریوں میں تقسیم کر دیں تو اس کے بعد آنے والوں کو کچھ بھی نہیں رہے گا“<sup>(۳)</sup>۔ امام ابو یوسفؒ نے بالکل بجا لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان زمینوں کا خراج وصول کر کے اسے سارے مسلمانوں میں تقسیم کر دینے کی جو رائے اختیار کی وہ اسلامی معاشرے کے مفاد عامہ کی ضامن تھی۔ اگر یہ زمینیں عطیہ دیے اور روزینے جاری کرنے کیلئے سارے انسانوں پر وقف نہ قرار دے دی جاتیں تو نہ سرحدوں کی حفاظت کا بندوبست ہو سکتا تھا نہ فوجیں ہی اتنی طاقتور ہو سکتی تھیں کہ جہاد جاری رکھ سکیں۔ فوجوں اور تنخواہ دار محافظوں کی غیر موجودگی میں اس کی بھی کوئی ضمانت نہ تھی کہ اہل کفر اپنے ملکوں پر دوبارہ قبضہ نہ کر لیں“<sup>(۴)</sup>۔ حضرت عمرؓ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ”لہذا تمہارے بعد میں آنے والوں کو بھی فتنے میں شریک قرار دیا ہے۔ اب اگر میں اسے تقسیم کر دیتا ہوں تو تمہارے بعد آنے والوں کیلئے کچھ نہیں بچے گا۔ اگر میں زندہ رہا تو صنعا کے ایک چرواہے کو بھی اس فتنے میں سے اس کا حصہ پہنچا دیا کرے گا جبکہ اس کا خون اس کے چہرہ ہی میں ہو گا“<sup>(۵)</sup>۔ ایک اور روایت کے مطابق آپؐ نے فرمایا ”اگر میں زندہ رہا تو ضرور ہر مسلمان کو اس کا پورا پورا حق ملے گا یہاں تک کہ مصر و حیر کے چرواہے کو بھی حصہ پہنچے گا اس کیلئے اسے کوئی مشقت نہیں کرنی پڑے گی“<sup>(۶)</sup>۔

آگے ساری مفتوحہ زمینوں کیلئے یہی پالیسی اختیار کی گئی اور یہ ایک مستقل ضابطہ بن گیا۔ آپؐ کی تکمیل عامہ نے اس کو پورے غلوس اور یکسوئی سے نافذ کیا۔ چنانچہ فتح مصر کے موقع پر حضرت زبیر بن العوامؓ نے کھڑے ہو کر کہا ”اے عمر دین العاصؓ یہ علاقہ ضرور باضرورت تقسیم کر دو۔“ تو انہوں نے جواب دیا ”میں اسے تقسیم نہیں کروں گا نہ فتنہ اس بارے میں امیر المومنینؓ کی رائے لکھ کر نہ معلوم کر لوں۔“ چنانچہ انہوں نے اس بارے میں لکھ کر بھیجا تو آپؐ نے جواب میں لکھا

(۱) عہد ۵۹، (۲) عہد ۶، (۳) عہد ۶۱، (۴) عہد ۶۷، (۵) عہد ۶۴، (۶) عہد ۶۱، عہد ۶۹/۳۔





نہیں ہے کہ میں سے ان سے روکوں۔ اگر ان چھوٹے عربوں میں سے کسی کی عطا کئے تو اس سے بکری خریدے اور اسے اپنے دیہات میں کر دے۔ جب دوسری عطا کئے تو اس سے بھی جانور خریدے اور اسے بھی اسی میں کر دے<sup>(۱)</sup>۔ ”آپ نے آخر میں لوگوں کو جو مشورہ دیا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اس آمدنی کو کھاپی کر ختم کرنے کے بجائے مزید ترقی کیلئے پیداواری ذرائع پر صرف کریں اور اس سے حسب صلاحیت سرمایہ حاصل کر کے اپنی اور قومی آمدنی میں اضافہ کریں۔ پبلک اینڈ منسٹریشن کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ معاشرے کے ہر طبقے کو ہر علاقے کے لوگوں کے حقوق و مفادات میں شریک کرے۔ ان کی اہمیت کا احساس کرے، بنا تخصیص ان سے تعلقات کو نہایت خوشگوار رکھے۔ کسی ایک طبقے کی پذیرائی کے بجائے سب کو مساوی رکھے۔ ان کی ضرورت مندی کا خیال رکھتے ہوئے ترقی و خوشحالی کی شاہرہ لوپر گامزن کرے اور پوری مملکت کے عوام کو متحدہ قوت اور بنیان موصول دے۔ اس سارے کام کی تمام تر ذمہ داری وقت کے حکمران پر عائد ہوتی ہے کیونکہ وہی مملکت کا منتظم، مٹی ہو تا ہے اور ان پالیسیوں کے نظام کار کو وضع کرنا اسی کا فریضہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فاروق اعظمؓ نے زخمی حالت میں وفات سے قبل بعد وائے خلیفہ کو وصیت کی جو آپ کی بصیرت کا شاہکار ہے۔ آپ یہ چاہتے تھے آپ کی پالیسیوں کا تسلسل جاری رہے۔

”میں اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ میں اسے مہاجرین اور عین کے سلسلہ میں یہ وصیت کرتا ہوں کہ ان کا مقام بچانے اور ان کے حقوق تسلیم کرے۔ انصار جنہوں نے پیسے سے ایمان لا کر دہر لہجرت کو آباد کر رکھا تھا ان کے بارے میں میں اسے تلقین کرتا ہوں کہ ان کے

نہیں ہے کہ میں سے ال سے روکوں۔ اگر ان چھوٹے عربوں میں سے کسی کی عطا نکلے تو اس سے بکری خریدے اور سے اپنے دیہات میں کر دے۔ جب دوسری عطا نکلے تو اس سے بھی جانور خریدے اور اسے بھی سی میں کر دے<sup>(۱)</sup>۔ آپ نے آخر میں لوگوں کو جو مشورہ دیا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ دگ اس آمدنی کو کھاپی کر ختم کرنے کے بجائے مزید ترقی کیلئے پیداواری ذریعہ پر صرف کریں اور اس سے حسب صداقت سرمایہ حاصل کر کے اپنی اور قومی آمدنی میں اضافہ کریں۔ پبلک یلنٹریشن کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ معاشرے کے ہر طبقے اور ہر علاقے کے لوگوں کے حقوق و مفادات میں شریک کرے۔ ان کی اہمیت کا احساس کرے 'جا' تخصیص ن سے تعلقات کو نہایت خوشگوار رکھے۔ کسی ایک طبقے کی پذیرائی کے بجائے سب کو مساوی رکھے۔ ان کی ضرورت مندی کا خیال رکھتے ہوئے ترقی و خوشحالی کی شاہراہ پر گامزن کرے اور پوری مملکت کے عوام کو متحدہ قوت اور بنیادیں مٹا دے۔ اس سارے کام کی تمام تر ذمہ داری وقت کے حکمران پر عائد ہوتی ہے کیونکہ وہی مملکت کا منتظم اعلیٰ ہوتا ہے اور ان پالیسیوں کے نظام کار کو وضع کرنا اسی کا فریضہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فاروق اعظمؓ نے زخمی حالت میں وفات سے قبل بعد دے خلیفہ کو وصیت کی جو آپ کی بصیرت کا شاہکار ہے۔ آپ یہ چاہتے تھے آپ کی پالیسیوں کا تسلسل جاری رہے۔

”میں اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ میں اسے مہاجرین اولین کے سلسلہ میں یہ وصیت کرتا ہوں کہ ان کا مقام پہچانے اور ان کے حقوق تسلیم کرے۔ انصار جنہوں نے پہلے سے ایمان لے کر دار الحکومت کو آباد کر رکھا تھا ان کے ہارے میں اسے تلقین کرتا ہوں کہ ان کے نیکو کاروں کی خدمات قبول کرے اور غلطی کرنے والوں کے سمسد میں غفور و درگزر سے کام لے۔ میں اسے دوسرے شہروں اور قصبات کے باشندوں کے سمسد میں بھی نصیحت کرتا ہوں کہ ان سے ان کی رضامندی کے ساتھ صرف ان کے فاضل اموال وصول کرے کیونکہ یہی لوگ اسلام کی دفاعی قوت ہیں دشمنوں کو انہی کے باعث ہیچ و تاب ہے اور یہی مال جمع کرنے والے لوگ ہیں۔ اہل ہادیہ کے سمسد میں سے یہ ہدایت کرتا ہوں کہ ان کے فائز اموال کا ایک حصہ لے کر انہی کے فقراء پر تقسیم کر دیا کرے کہ یہی لوگ عرب کی جاں اور اسلام کی صل آبادی ہیں۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ذمہ داری میں داخل ہیں ان کے ہارے میں سے یہ وصیت کرتا ہوں کہ ان کے ساتھ کئے ہوئے معاہدہ پر پوری طرح کار بند رہے۔ ان کے دفاع میں جنگ کی جائے اور ان پر کبھی ان کی قوت برداشت سے زیادہ بار نہ ڈالا جائے“<sup>(۲)</sup>۔

آپ کی وصیت آپ کے عمر بھر کے طرز عمل کا عکس بھی پیش کرتی ہے آپ کے تجربات کا نچوڑ بھی ہے اور آپ کی انتظامیہ کی کامیابی کا راز بھی۔ عموماً ترقی و خوشحالی سے معزز طبقات بھی نمایاں فائدہ اٹھاتے ہیں اور شہری بھی لیکن دیہاتی لوگ بکھرے ہوئے ہونے اور دور دراز علاقوں سے تعلق کی وجہ سے محروم رہ جاتے ہیں۔ انہیں مناسب وسائل، سہولیات اور تحفظات میسر نہیں آسکتے اور ان کے صحیح احوال بھی حکمرانوں کے ایوانوں تک نہیں پہنچ پاتے۔ یہ مسئلہ عہد حاضر میں بھی سی طرح گہیر ہے جیسے کئی صدیوں پہلے تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ کو ان کا دیگر طبقات کی طرح یکساں طور پر احساس تھا چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے ”میں اسلام میں چار چیزوں کو تباہ نہیں ہونے دوں گا اور انہیں کسی حالت میں نہیں چھوڑ دوں گا۔ اول یہ کہ میں اللہ کے مال کے جمع کرنے اور حفاظت کرنے میں پوری طاقت استعمال کروں گا۔ ہم اسے اس مقام پر خرچ کریں گے جہاں خرچ کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ ہم نے عمر کے خاندان کو بالکل الگ کر دیا ہے۔ ہمارے قبضے میں کچھ مال و دولت نہیں ہوگی۔ دوم یہ کہ وہ مہاجرین جو تلواروں کے سایوں میں جنگ کر رہے ہیں قید نہیں کئے جائیں گے۔ انہیں تکلیف نہیں دی جائے گی ان کو اور ان کے اہل و عیال کو مال غنیمت فیاضی کے ساتھ تقسیم کیا جائے گا اور جب تک وہ واپس آئیں میں ان کے اہل و عیال کی نگرانی کرتا رہوں گا۔ سوم وہ انصار جنہوں

نے اللہ کی راہ میں قربانی دی ہے اور دشمنوں سے جنگ کر رہے ہیں ان کے نیک کاموں کو سراہا جائے گا اور ان کی تعزیتوں کو معاف کیا جائے گا نیز اہم معاملات میں ان سے مشورہ لیا جائے گا۔ چہارم اعراب عرب کی اصل آبادی ہیں اور اسلام کا سرمایہ ہیں ان سے جنس کی صورت میں صدقہ اور رکوۃ دی جائے گی درہم و دینار کی صورت میں صدقہ وصول نہیں کیا جائے گا اور ان کا صدقہ انہی کے غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کر دیا جائے گا<sup>(۱)</sup>۔ آپ کے حکم سے اہل عوالی (مدینے سے باہر کے دیہاتی باشندوں) کی فہرست مرتب کی گئی۔ انہوں نے ان کی خوراک جاری کر دی<sup>(۲)</sup>۔ اسی طرح یمن، شام اور عراق کے دور دراز تک کے لوگوں کو وظائف جاری کئے گئے<sup>(۳)</sup>۔ پیورے نے حضرت عمرؓ کے اس قول کو نوٹ کر کے کہ ”اگر عراق کے پہاڑوں میں کسی نجر کی ٹانگیں نوٹ جائیں تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بارے میں مجھ سے پوچھے گا کہ میں نے اس علاقے کی سڑکیں کیوں ہموار نہیں کیں۔“ تبصرہ کرتے ہوئے بجا لکھا ہے

“The moral as well as the administrative lesson from this incident might also account for the fact that balanced development and growth of all regions was a state policy under Umar's administration<sup>(۴)</sup>۔“

آپ نے ایک مرتبہ فرمایا ”میں (دیہاتی عربوں کی آبادیوں کا) صدقہ انہیں میں دو چوس گانا آنگہ ان میں سے ہر ایک کے پاس سوانٹ ہو جائیں۔“ امام ابو عبید القاسم نے یہ واقعہ رقم کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس قسم کی اور بھی بہت سی روایات ہیں جن کا یہاں تذکرہ مناسب نہیں۔ یہ جو کچھ ہمیں دیہاتی عربوں کے بارے میں ملتا ہے یہی عمل دیگر بستیوں کے باشندوں سواد (عراق) والوں اور الجبال کے ایرانی علاقوں کے باشندوں سے کیا جائے گا۔ جو مراعات اہل عربی دیہاتیوں کو حاصل ہو گی انہیں بھی حاصل ہوں گی اور جو پابندیاں اہل عربی دیہاتوں پر ہوں گی وہی اہل پر بھی ہوں گی<sup>(۵)</sup>۔ حضرت حسنؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ کے ایک عامل کے پاس کچھ لوگ آئے تو انہوں نے عربوں کو تو دیا لیکن غیر عربوں کو چھوڑ دیا۔ حضرت عمرؓ نے انہیں لکھا ”ابعد آدمی کیلئے یہی بدی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے<sup>(۶)</sup>۔“ یہ اور اس طرح کے بے شمار واقعات حضرت عمر فاروقؓ کی ایلڈ منسٹریشن کے ترقیاتی مقاصد کی تفصیلات ہمارے سامنے لاتے ہیں۔ آپ نے نظریہ عامہ کو اس ہمہ گیر کام کیلئے جس طرح سرگرم عمل کیا اور جس طرح اپنی سمجھ بوجھ اور انتظامی آلات کے ذریعے اسے فروغ دیا وہ عصر حاضر کی نظمیہ عامہ کیلئے سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

## ۵۔ نظمیاتی ترقی (Administrative Development):

نظمیاتی ترقی سے کیا مراد ہے؟ اس کی وضاحت Al-Buraey نے بہت خوبصورت الفاظ میں کی ہے۔ اس کے مطابق

"Administrative development like its counterepart political development, is the quantitative or horizontal growth and improvement of administrative and governmental institutions and programmes, or a qualitative or vertical growth and improvement in terms of quality and performance of newly emerged institutions or policies of administrative system of any political society<sup>(۱)</sup>."

اس تصور سے اس کی سب سے پہلا اہمیت کا اندازہ بخوبی رکھ لیا جاسکتا ہے۔ اس سے مراد دراصل مختلف قاعدے اور فنی طریقے استعمال کر کے انتظامی اداروں کی اصلاح کرنا اور انہیں بہتر بنانا اور ترقی دینا ہے۔ دور جدید میں ہر اعتبار سے ترقی ہی انسان کا مقصود زندگی ٹھہری ہے۔ ہر فرد 'قوم' ملک اور بین الاقوامی ادارے اسی میں ہمہ وقت جگے ہوئے ہیں لیکن یہ اس وقت ممکن نہیں ہے جب تک پبلک ایڈمنسٹریشن اور اس کے مختلف اداروں کو ترقی نہ دی جائے کیونکہ ہر شعبہ زندگی میں ترقی کا سارا انحصار اسی پر ہوتا ہے۔ ترقی و جدیدیت کا یہی سب سے بڑا آلہ ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پوری دنیا کے سائنسی علوم میں سے علم انتظامیات کو سب سے زیادہ اہمیت و مقبولیت حاصل ہو رہی ہے تاکہ نظمیاتی ترقی کو ممکن بنایا جاسکے۔ حکومت کے انتظامی اداروں کو فروغ دینے اور ان کی کارکردگی کو بہتر بنانے کیلئے وفاقی سطح پر الگ ادارہ قائم کیا جاتا ہے جو مستقل طور پر یہی کام کرتا رہتا ہے۔ پاکستان میں اسے (O&M) یعنی آرگنائزیشن اینڈ منجمنٹ ڈویژن کہا جاتا ہے لیکن اس کی اپنی کارکردگی ناقص ہے۔ اس کی ناکامی کا سب سے بڑا ثبوت یہی ہے کہ مختلف انتظامی ادارے اپنے اپنے شعبے میں وقت کے تقاضوں کے مطابق ترقی کو فروغ دینے میں ناکام ہیں۔ سیاسی 'سہٹی' محاشی 'تہجارتی' صنعتی 'عدالتی' قانونی 'تعلیمی' عسکری 'دفاعی' 'فلاحی' 'نشریاتی' 'مالیاتی' ادارے ہوں یا صحت 'امن عام' 'اتصاف اور قانون سازی سے متعلق ادارے۔ یہاں تک کہ پارلیمنٹ تک اپنے اہداف و مقاصد کے حصول میں ناکام دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی پالیسیاں وقتی ہنگامی اور محدود نوعیت کی ہوتی ہیں۔ ان کے فیصلے ذاتی 'گروہی' اور طبقاتی 'مصلحتوں' سے آلودہ ان کا طریق کار 'سودہ' 'حکومت' اور 'خطا' ان کا طرز عمل 'دگوں کی توہین' و 'تذلیل' کو 'تاک' 'سستی' و 'کلی' 'محض ضابطوں کی کارروائی' اور غیر ذمہ داری پر مبنی 'ان کا اصل کام مسائل کے حل کے بجائے نئے مسائل پیدا کرنا' لوگوں کی سبوت و خد مت کے بجائے ان کیلئے مشکلات پیدا کرنا' قوانین کو فلاح و بہبود کے بجائے رکاوٹیں ڈالنے کیلئے استعمال کرنا ہے۔ ان کا عملہ 'گریڈوں کے چکر میں اندھا' 'بہی' 'تعاون' کے بجائے 'انتشار و تصادم' کا عادی۔ 'تاکیں' 'کھینچنے' اور 'تاکیں' 'مارے' کا شوقین۔ یہ سب کچھ صرف ہمارے ملک ہی کی نہیں بلکہ بیشتر مسلم اور ترقی پذیر ممالک کی صورت حال کا آئینہ ہے۔ یورپ نے بالکل صحیح کہا ہے

"It can be argued, with much supporting evidence, that one of the most serious problems hindring the process of development in the developing world is the lack of efficacious administrative institutions and competent personnel to run them<sup>(۲)</sup>."

ان مسائل پر قابو پانا جس طرح آج کے دور میں ترقی کیلئے ضروری ہے اسی طرح جدید فاروقی میں بھی تھا۔ نظمیاتی ترقی کے بغیر اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا تھا۔

فاروق اعظمؓ نے اس اہم مسئلہ پر آج تک چودہ صدیاں پہلے کس طرح توجہ دی؟ کون سے اقدامات کن خطوط پر کئے؟ ان کی بنیادی روح کو محرک کیا تھا اور ہم اصول کیا تھے؟ یہ سب کچھ جاننا اس لئے ضروری ہے کہ ہم عہد حاضر میں غیروں کی نقایا کرنے کے بجائے ایک جدید اور ترقی یافتہ ایہ اسلامی انتظامی ماڈل تشکیل دے سکیں جو ایک طرف ہمارے تمام انتظامی مسائل حل کر سکے اور دوسری طرف بقاء خودداری، آزادی، تشخص، روایات اور ثقافت کی حفاظت کر سکے۔ آپ نے اس سلسلے میں جو کام کئے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

### (الف) انتظامی ڈھانچے کی تشکیل۔

آپ نے ایک ایسا انتظامی ڈھانچہ تشکیل دیا جو ایسی وسیع و عریض سطحت کی ضروریات کا کفیل ہو جو قبل ازیں چار بادشاہوں کے زیر تسلط رہ چکی ہو۔ نقوی جبری ”مصر فتح ہوا تو تمام سماوی ممالک ایک شخص (خلیفہ) کے زیر نگیں آ گئے اور مختلف اقوام و مساطین اس سے فیض یاب ہونے لگے۔ مصر کا الگ بادشاہ ہوتا تھا۔ بل کرال کا بادشاہ، راس در ہر ہوتا تھا، اہل بستان کا اپنا بادشاہ ہوتا تھا اور اہل خراسان حریاب کا بادشاہ خاقان کہلاتا تھا“<sup>(۱)</sup>۔ تقریباً سڑھے پانچ لاکھ مربع میل رقبہ پھر پھیلی ہوئی یہ عظیم الشان ریاست دور جدید کی سترہ ریاستوں پر مشتمل تھی جہاں مختلف مذہب، قومیں، تہذیبیں، زبانیں اور نسلیں مجتمع ہو گئی تھیں۔ ان کے ہر طرح کے معاملات سنبھالنا انہیں کنٹرول کرنا ان کے مسائل و مشکلات کو حل کرنا انہیں اپنا سنبھالنا اور ان کی فلاح و ترقی کا اہتمام کرنا اور سماوی تہذیب و ثقافت میں جذب کرنا اتنا عظیم اور دشوار کام تھا جو نظمیاتی ترقی کے بغیر ممکن نہیں تھا۔ چنانچہ فاروق اعظمؓ نے نہایت فراست و تدبیر اجتہادی بصیرت و گہرے غور و خوض کے بعد نظمیاتی ترقی کے ہر پہلو پر توجہ دی اور اسے بے مثال بنایا۔ آپ نے جو نئے اور منفرد اقدامات کئے وہ آپ کی ”ولیات“ کے نام سے مشہور ہیں۔ ان میں بیشتر ایسے ہیں جو نظام مملکت اور پبلک ایڈمنسٹریشن کو جدید ترین خطوط پر استوار کرنے سے متعلق ہیں۔

مثلاً انتظامی ضروریات کے پیش نظر من جبری کا آغاز انتظامی ذمہ داری کیسے نہایت ہامعنی و مقدس لقب ”امیر المومنین“ کا اختیار کرنا، ملک کی دفاعی و انتظامی ضروریات کیسے نئے شہروں کو جدید خطوط پر ”بسانا“، افواج کی باقاعدہ تنظیم و ترتیب، محاکم و دفاتر کا قیام، وظائف کے نظام کا آغاز، زمینوں کی پیمائش، براہ راست حالات سے آگہی کیسے گشت کا طریقہ اختیار کرنا، صوبوں کے گورنروں کے خلاف اس علاقے کے لوگوں کی شکایات سننے اور بروقت ان کا ازالہ کرنے کیسے جج پران کی حاضری کو یقینی بنانا اور انہیں کھلی کچہری میں پیش کرنا، سزاؤں میں جہاد فنی و سنی کا آغاز، زرعی ترقی کیلئے نہری نظام کا قیام، حاجیوں کی سہولت کیلئے مقدس و پبلک مقام خانہ کعبہ اور مسجد نبویؐ کی توسیع، ضروری اشیاء محفوظ رکھنے کیلئے گوداموں کا اہتمام، تجارتی ٹیکس عسور کا نفاذ، تاکید و تنبیہ کیلئے درہ کا ہاتھ میں رکھنا، نئے شہروں کی آباد کاری، بحری رستوں سے غلہ منگوانا، مساجد میں قدمیوں کا اہتمام، گھوڑوں کی رکاوۃ، مسجد نبویؐ میں وسعت اور فرش کو پکا کرنا وغیرہ<sup>(۲)</sup>۔

جیسا کہ ان اقدامات سے ظاہر ہوتا ہے آپ نے حکومتی اور انتظامی ڈھانچے کی آئینی و دستوری ترمیم اور فقہی و قانونی طریقوں کو اختیار کر کے وضع نہیں کیا تھا بلکہ اسلام کے بارے میں اپنے مجموعی فہم اور اجتہادی بصیرت کا بھرپور استعمال کیا، حیران کن رفتار سے بڑھتی ہوئی فوجات اور تیزی سے بدلتے ہوئے وقت کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے آپ پہ درپے انتظامی اقدامات کرتے رہے اور حسب ضرورت تعلیمی عامہ کے اہلکاروں کو ایسی ہدایت و رہنمائی فراہم کرتے رہے جن سے ہندوستان ایک مروجہ و مستحکم انتظامی ڈھانچہ معرض وجود میں آ گیا، جو نہ صرف آپ کے بعد کے اودر کیلئے مفید ثابت ہوا بلکہ عصر حاضر کی سیاسی و انتظامی ترقی میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی افادیت کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہ نظام نظری، تجدیدی اور فلسفیانہ عقوں کے بجائے محسوس عملی حقائق اور ناگزیر

(۱) صبرہ ۱: ۱۱۰ (۲) صبرہ ۱: ۱۱۰ ح ۲۸۲ ص ۵۷: ۶ بعضی ۵۰۶ طبرہ ۱: ۱۱۰ ح ۲۰۹ ح ۲۰۵ ص ۱۲۶

ضرورتوں کی ہمدردی پر قائم ہوں حسین بیکل نے بالکل درست کہا ہے "اسی طرح رفقہ فتوحات کے دور میں مدینہ منورہ کی گنجائش ہوتی ہے نہ وہاں سے برداشت کرتا ہے چنانچہ فتوحات کا دور باطل جتنا دور ہوتا ہے جس میں جنگی حالات اور ان کے مقصدیت کو دیکھ کر ہی فیصلہ کیا جاتا ہے" (۱)۔ اس اعلان کی ایک اور خاصیت یہ بھی ہے کہ اس کی تفصیل محض آپ کی دینی سوچ اور انفرادی دینی کی مرہون منت نہیں ہے بلکہ آپ نے اسلام کے ہر گہر اصول "مشاورت" کو اس کی حقیقی روح اور ضابطوں کے مطابق اختیار کیا۔ ہر بنیادی پالیسی یا قدم اور اہم تبدیلی کیسے اصحاب شوریٰ کی طرف رجوع کیا اور آؤں بحث و تحقیق اور مکمل غور و خوض اور متعلقہ معاملے کے تمام پہلوؤں کا ہر خد سے جائزہ لینے کے بعد فیصلہ کیا اس طرح آپ اسلام میں شوریٰ اجتہاد کے خالق ہیں۔ آپ کے بیشتر فیصلے اجماعی ہیں۔ اس لئے قرآن و سنت کے بعد شریعت کا سب سے بڑا ماخذ یہی ہیں کیونکہ ان میں صحابہ کرام کا نمائندہ پایا جاتا ہے۔ "آپ احکام و اجتہاد میں سب سے زیادہ مشورہ کرتے تھے" (۲)۔ فتووں سے پہلے مل ہر سے مشورہ کرتے تھے (۳)۔ بعد ازاں مہاجرین و انصار سے مشورہ کرتے (۴)۔ جب ضرورت محسوس ہوتی مسجد نبوی میں کھسے مام مشورہ کرتے ہر آدمی اس میں اپنی رائے دے سکتا تھا (۵)۔ آپ کے ہر قرآن کے قاریوں کی محفل گاہ تھی اور مشورے میں ہر عمر کے لوگ شریک ہوتے تھے (۶)۔ امیر المومنین کا لقب اختیار کرنے سے پہلے بھی مشورہ کیا (۷)۔ شراب کی سزا سی کوڑے مقرر کرتے وقت بھی مشورہ فرمایا (۸)۔ دیون کی ترتیب (۹) زمینوں کے پیمائش کے اہتمام سمیت اکثر و بیشتر معاملات باہمی مشورے سے طے کئے گئے۔

پھر آپ نے مقامی و علاقائی مسائل کے حل کیلئے عمال کو بھی اس بات کا پابند بنایا کہ وہ صالح، مجتہد اور مہربان اور مقامی حالات سے واقف لوگوں سے مشورہ کیا کریں تاکہ وہاں کی یہ منسٹریشن معروضی حالات کے مطابق فیصلے اور کام کر سکے۔ روایت میں آتا ہے کہ قاضی شریح نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا وہ کثران سے پوچھتے رہتے تھے تو انہوں نے جواب میں لکھا "سب سے پہلے کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرو۔ اگر اس میں نہ ہو تو رسول اللہ ﷺ کی سنت کے موافق فیصلہ کرو۔ اگر اس میں نہ ہو تو صالحین کے فیصلے کے مطابق عمل کا مطلب یہ ہے کہ اگر انہوں نے کسی بارے میں کوئی چیز طے کر رکھی ہے تو ایسی کو جاری رکھو۔ اگر نہیں ہے تو ان کو مشورے میں شریک کرو۔ اپنی ذاتی مرضی کو کم سے کم داخل کرو۔ اگر اس میں بھی نہ ہو تو جیسے چاہو آگے بڑھو یا پیچھے ہٹو۔ میں سمجھتا ہوں کہ پیچھے ہٹنا تیرے لئے زیادہ بہتر ہے" (۱۰)۔ "بھروسے احصاء ہیں قیاس ایک وفد کے ساتھ آئے وہاں کی اقتصادی مشکلات کا ذکر نہایت سمجھداری اور خوبصورت انداز میں کیا۔ آپ نے حضرت ابو موسیٰؓ کو وہاں کے گورنر تھے لکھا کہ "اتھ کو اپنا مقرب بنالو معاملات حکومت میں صلاح مشورہ کرو اور ان کی بات مانو" (۱۱)۔ آپ نے فرمایا "یہ جو ان اہل بصرہ کا سردار ہے" (۱۲)۔ "آپ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو لکھا "فوجی امور میں طبعی مدد و معد ی و معدی کرب سے مشورہ کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ ماہر اور آزمودہ و متجرب ہیں البتہ انہیں کسی درجے میں حکومتی کام نہیں سونپا جانا چاہیے" (۱۳)۔ "ذمہ داری نہ سونپنے کی اصل وجہ یہ تھی کہ معدی نے عہد صدیقی میں نبوت کے جموں نے دعویٰ روں کی مدد کی تھی اور طبعی خود دعویٰ اردوں میں سے ایک تھا البتہ بعد میں توبہ کر کے مسلمان ہو گئے۔ اس لئے ان سے حقیقہ ضروری تھی مگر وہ جو تجربہ رکھتے تھے اس سے علاقائی و مقامی حالات کی روشنی میں مشورہ حاصل کرنا انتظامی طور پر مفید ہو سکتا تھا۔

اسی طرح آپ نے حضرت ابو عبیدہؓ کو شام کی مہمات میں وہاں کے با اثر اور تجربہ کار دانشوروں، سلیط اور مسلمہ سے بھی مشورے کا حکم دیا (۱۴)۔ اس طرح انتظامی مصلحت میں اس مشاورتی طریق کار کا نتیجہ یہ نکلا کہ آپ کا دیا ہوا انتظام مسلمانوں کی اجتماعی سوچ اور تجربات کا آئینہ دار بن گیا جس میں استواری و پائیداری کی صفات

(۱) حکم ۵۷۴ (۲) مجمع سی ۲۹۹ (۳) منی ۲۹۹، ۱ (۴) سعد ۳۲۹/۲ (۵) بحار ۲۶ (۶) عبد الرزاق ۱۱ (۷) مبرھی ۱۳۸ (۸)

سعد ۲۹۹، ۳ مبرھی ۱۳۷ (۹) بحار ۳۱، طبرہ ۱۱ (۱۰) سعد ۲۹۵/۳ (۱۱) منی ۳۸ (۱۲) منی ۱ (۱۳) انبیا ۲۸ (۱۴) کتب ۸۲/۷ (۱۵)

بحار ۱۱، ۷۵ (۱۶) ح ۱۲۱ (۱۷) سعد ۲۹۹

پیدا ہو گئیں۔ اس ڈھانچے کی ایک اور خاصیت یہ تھی کہ وہ ہر مدت کے مقامی حالات، نزاجات، ضروریات اور تہذیبی و ثقافتی عوامل سے ہم آہنگ ہو کر چلنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ جس کی تفصیل اور مثالیں ہم ”مطابقت“ کے عنوان سے پیش کر چکے ہیں۔ جو عناصر اسلام کے مجموعی مزاج، مقصد اور فریم ورک میں فٹ ہو سکتے ہوں ان کے ناجائز ہونے کی کوئی علت و قرینہ موجود نہ ہو۔ نتائج و کارکردگی کے اعتبار سے مفید ہوں تو کوئی وجہ نہیں کہ ان کو میا میٹ کیا جائے۔ تمام معاملات کے سلسلے میں سلام کی یہی حکمت عملی ہے۔ اسی لئے مباحث کا دائرہ بہت وسیع ہے اور ممنوعات بہت محدود ہیں۔ فاروق اعظمؓ نے نظمیاتی معاملات میں اسی کو آگے بڑھایا۔ بقول بیکل ”اگر حضرت عمرؓ جزیرہ عرب کے مختلف حصوں میں کوئی ایک نظام وضع کرنے کی کوشش کرتے تو اس کے نتائج ان کیلئے خہ شکوار ہوتے۔ مسلمانوں کیلئے۔ شہریوں کو بددیانتہ نظام خوش نہ آتا اور بددیواری شہری نظام قبول نہ کرتے۔ اس میں حرج نہیں کہ جزیرہ نمائے عرب کے مختلف گوشہ مشرق میں وغیرہ میں ان کا سابقہ نظام بحال رہے اور حضرت عمرؓ مسیحی کریں کہ ہر ریاست میں اپنا ایک دلی بھیج دیں جو وہاں مدینہ کی حکومت قائم کر کے لوگوں سے صدقات وصول کرے ان میں اللہ کی حدود قائم کرے اور انہیں دین کی تعلیم دے تاکہ وہ اپنی زندگی کو اس کے حکام کے سانچے میں ڈھالیں اس کے سوا باقی تمام معاملات میں ہر قوم اور ہر قبیلے کی شخصی آزادی برقرار رکھی جائے جس کے وہ برسوں سے عادی چلے آ رہے ہیں اور ان ریاستوں کے باہمی روابط کو مملکت کے مجموعی مفاد پر اثر انداز نہ ہونے دیا جائے۔ اب جبکہ بدعرب کا نظام یہ تھا ہمیں حق پہنچتا ہے کہ سچ کل ایک دستور کی اصطلاح مستعار لے کر ان روابط کو ایک ایسے واقع سے موسوم کریں جو ریاست ہائے متحدہ امریکہ و سوئٹزر لینڈ کی ریاستوں کے مشابہ تھا“ (۱)۔

فاروق اعظمؓ کے اس انداز سے عصر حاضر کی تمام اسلامی مملکتوں کیلئے یہ جو ازپیدا جاتا ہے کہ وہ نظام حکومت اور ایڈمنسٹریشن میں اسلامی اصول و ضوابط اور بنیادی اقدار کے اندر رہتے ہوئے حالات و وقت کے مقتضیات اور نئے نئے تجربات سے بھرپور استفادہ بھی کر سکتے ہیں اور انہیں مقامی ضروریات سے ہم آہنگ بھی کر سکتے ہیں۔ اسی طرح مختلف صوبوں اور علاقوں کے رجحانات و اختلافات کو بھی مناسب توجہ کا مستحق سمجھتے ہوئے اپنی پالیسیوں کو چکدار بنا سکتے ہیں تاکہ وسیع تر ملی، قومی اور ملکی مقاصد حاصل کئے جاسکیں اور ان میں کوئی تضاد و تصادم پیدا نہ ہو۔ جیسا کہ ہم انجذب اور مطابقت کے عنوانات کے تحت دیکھ چکے ہیں کہ آپ نے صوبوں اور علاقوں کی انتظامی تقسیم و دفتری انتظامات و رہنمائی کی مینجمنٹ میں ساہا سال کے تجربات پر لوگوں کیلئے مانوس سٹرکچر کو تہہ و بالا کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اس میں حسب ضرورت ترمیم و اضافہ کو کافی سمجھا۔ جہاں خوش چینی کی ضرورت تھی بغیر مرغوبیت و نفالی کے جذبہ کے اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔

### (ب) انتظامی اداروں کا قیام:

حضرت عمرؓ نے ایک طرف تو فتوحات کو وسعت دی کہ قیصر و کسریٰ کی وسیع سلطنتیں ٹوٹ کر عرب میں مل گئیں اور دوسری طرف حکومت و سلطنت کا نظام قائم کیا اور اس کو س قدر ترقی دی کہ نہ کی وفات تک حکومت کے جس قدر مختلف شعبے ہیں وہ سب وجود میں آچکے تھے (۲)۔ نظمیاتی ترقی کا ایک ناگزیر پہلو یہ کہ معاملات و مسائل کے اصائل اور تہذیب و تمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ قائم شدہ انتظامی اداروں کو بھی ترقی دی جائے ورنہ ضرورتوں کے پیش نظر نئے نئے ادارے قائم کئے جائیں جو حکومتی کارکردگی کو بہتر موثر و تیز رفتار بنائیں۔ نوعیت کے اعتبار سے حسب ذیل گیارہ ادارے تھے

(۱) عدالت	(۲) بیت المال	(۳) محصل	(۴) فوج	(۵) پولیس	(۶) تفتیش و احتساب
(۷) افتاء	(۸) اوقاف و عطیات	(۹) امور خارجہ	(۱۰) نظارات نافذہ	(۱۱) تعلیم و مدد بھی امور	

آپ کے ان اداروں کی تشکیل و تنظیم سے تقسیم کار کا ایک مربوط سلسلہ شروع ہوا۔ آپ نے ان شعبہ جات کو صوبوں تک پھیلا دیا۔ ان کا رخ صحیح رکھنے اور انہیں مرکزی پالیسیوں کے تابع رکھنے کیلئے برادر است مرکز کے کنٹرول میں رکھا ان کے عہدیداروں کا تقرر خود ہی کرتے تھے اور انہیں حسب ضرورت رہنمائی و ہدایات فراہم کرتے تھے۔ مثلاً آپ نے کوفہ میں حضرت سعد کو پھر حضرت عمار بن یاسر کو گورنر بنا کر بھیجا۔ انہوں نے استعفیٰ دیا تو حضرت جابر بن مطعم کا تقرر کیا۔ پھر ان کے بعد حضرت مغیرہ بن شعبہ کا تقرر کیا جو آپ کی وفات تک برقرار رہا<sup>(۱)</sup>۔ آپ عمال کو کسی علاقے پر مستقل طور پر قائم رکھنے کے بجائے تبدیل کرتے رہتے تھے۔ حضرت یوسف اشعری کو تین مرتبہ بصرہ کا حاکم مقرر کیا۔ حضرت ملائکہ بن حضری کو دوسرے بحرین کا عامل بنایا<sup>(۲)</sup>۔

اس پالیسی میں سب سے بڑا حاکم بننے کی وجہ سے عوام کو جو شکایات پیدا ہوتی تھیں ان کا ازالہ ہو جائے۔ چوتھی یہ انتظامی امور میں نیا جذبہ اور جدت پیدا ہوتی رہے۔ آپ نے لشکر اور صنوف کی ذمہ داری بھی وہاں کے حاکم ہی کے سپرد کی و نیز یہ مسلم کے طور پر حضرت عبداللہ بن مسعود کا تقرر کیا جو بڑے عام اور مفسر تھے۔ قضاء اور بیت المال کے امور بھی یہیں کے سپرد کر دیئے<sup>(۳)</sup>۔ بعد میں قضا پر شرح کو مقرر فرمایا اور عبداللہ بن عبداللہ کو فوج کا سربراہ بنا دیا<sup>(۴)</sup>۔ دریا کے دجلہ کے سیراب کردہ علاقوں حضرت حذیفہ بن الیمان کو اور دریائے فرات کے سیراب کردہ علاقوں پر جو کوفہ کے صوبے میں آتے تھے حضرت عثمان بن حنیف کو مقرر کیا۔ ان دونوں کے ذمے ان علاقوں کی پینٹش اور درجہ بندی بھی تھی<sup>(۵)</sup>۔ آپ نے ان علاقوں پر اور ان ذمہ داریوں پر تعیناتی کے سلسلے میں بھی تین مرتبہ تبدیلیاں کیں۔ آغاز میں حضرت نعمان بن مقرن اور سوید بن مقرن کو مقرر کیا۔ انہوں نے بعد میں یہ کہہ کر استعفیٰ دے دیا کہ ”ہمیں اس کام سے معافی دی جائے جو مدکار عورت کی طرح اپنی زیب و زینت دکھا کر جہاں کر رہا ہے۔“ آپ نے ان دونوں کو سبکدوش کر کے حذیفہ بن اسید غفاری اور جعفر بن عمر الحزنی کو مقرر کیا پھر ان دونوں نے بھی استعفیٰ دے دیا تو پھر مذکورہ بالا دونوں کا تقرر فرمایا<sup>(۶)</sup>۔

آپ نے چار انتظامی اداروں کو بالکل الگ رکھا۔ انتظام، عدالت، فوج اور مالیات اس میں بہت بڑی حکمت یہ تھی کہ یہ سب ادارے نوعیت کے اعتبار سے نہایت اہم تھے۔ ان کی ترقی و استحکام اسی صورت میں قائم رہ سکتا تھا کہ باہمی ایک دوسرے کے معاملات میں مداخلت نہ کریں اور آزادانہ طور پر کام کرتے رہیں اور یہ کہ ان کا باہمی اختلاف مقامی انتشار کا باعث نہ بنے اور باہمی اتحاد مرکز کی گرفت کو کمزور نہ کر دے۔ ان کو براہ راست اپنے کنٹرول میں رکھتے تھے معاملات خوش سلوبی سے چلتے رہیں اور ان کا ہر چھوٹا بڑا معاملہ آپ کی نظر میں ہو اور ان کا ارتقاء آپ کی پسند و ناپسند اور آپ کی سچ اور ذہن کے مطابق ہو۔

### (ج) دیوان کا قیام:

نئے انتظامی اداروں کے قیام کے سلسلے میں آپ کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے دفتری نظام کو ترقی دی اور سیکرٹریٹ کا آغاز کیا۔ اسے دیوان کہا جاتا تھا<sup>(۷)</sup>۔ دیوان ایک فارسی لفظ ہے جسے عرب کر لیا گیا ہے اس کے معنی ہیں رجسٹر۔ جس میں فوجیوں اور وظیفہ خواروں کے نام درج کئے جاتے ہیں۔ بعد میں اس لفظ کا مفہوم بدل گیا اور یہ اس مقام کیلئے استعمال ہونے لگا جہاں سرکاری کاغذات رکھے جاتے ہیں جسے آج کل کی اصطلاح میں محافظ خانہ کہتے ہیں۔ اس کے بعد یہ ان عمالوں پر بولا جانے لگا جن میں سرکاری دفاتر ہوں اور ساتھ ہی رجسٹر کے معنی میں بھی<sup>(۸)</sup>۔ آپ نے جو دیوان بنائے ان کی مختصر تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) طبری ۱: ۱۳۹ (۲) طبری ۱: ۸۶ (۳) مسعودی ۲: ۳۱۲ یعنی ۱۷۶ (۴) طبری ۱: ۱۵۵ (۵) تاریخ ۱: ۱۷۴ (۶) طبری ۱: ۱۳۹ (۷) ماوردی ۱: ۱۹۹

(۸) ہیگل ۱: ۶۱۰



## (i) دیوان انشاء:

کس سے مراد سرکاری مراسلات و دستاویزات کا محکمہ۔ اس میں احکامات، خطوط، جوابات اور معاہدات وغیرہ کا ریکارڈ رکھا جاتا تھا۔ یہ دراصل اسلام میں سب سے پہلے سرکاری ادارہ تھا<sup>(۱)</sup>۔ اس کا آغاز رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اور اپنی ایک مہر بھی بوائی جس پر ”محمد رسول اللہ“ کندہ ہوتا تھا۔ آپ نے بادشاہوں کو جو خط لکھے ان پر یہ مہر لگائی<sup>(۲)</sup>۔ آپ کے عہد مبارک میں اس کی نقل آپ ہی کے گھر میں ہوتی تھی۔ بعد میں حضرت ابو بکر صدیقؓ بھی یہ کاغذات اپنے گھر میں رکھتے تھے<sup>(۳)</sup>۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ترقی دے کر الگ دفتر بنایا اس کیلئے ایک الگ مکان مختص کیا<sup>(۴)</sup>۔ تمام سرکاری کاغذات پر رسول اکرم ﷺ کی مہر ثبت کی جاتی تھی اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ سرکاری دستاویزات کی تعداد بہت بڑھ گئی۔ انہیں سنبھالنے اور مرتب کرنے کی وسیع پیمانے پر ضرورت تھی<sup>(۵)</sup>۔ حضرت عمرؓ نے ایک شخص معن بن زائدہ کو جعلی مہر بنوا کر مال حاصل کرنے کے جرم میں سزا دی<sup>(۶)</sup>۔ آپ کی یہ پالیسی تھی کہ دفتری معاملات کا مگران اور سیکرٹری غیر مسلم کو نہیں ہونا چاہئے، خولہ وہ کتنا ہر دہلی ہو کیونکہ اس میں حکومتی معاملات اور اہم راز ہوتے ہیں۔ ایک مرتبہ آپ سے کہا گیا کہ شہر انہار میں وہاں کا ایک ہاشدہ یہ ہے جسے دفتر کے حساب کتاب میں بہت مہارت ہے آپ اسے کاتب مقرر کر لیں۔ آپ نے فرمایا ”اس صورت میں مجھے مسلمانوں کو چھوڑ کر (غیر مسلم) کو بھیدی بنانا ہو گا“<sup>(۷)</sup>۔ آپ عمال کو بھی غیر مسلم سیکرٹری رکھنے سے سختی سے منع فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں شام سے مال غنیمت آیا تو آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعرئیؓ نے فرمایا کہ ”اپنے کاتب (سیکرٹری) کو جانیں تاکہ وہ مسجد میں لوگوں کو غنیمت کے مال کی تفصیل پڑھ کر نہ لے۔“ انہوں نے جواب دیا کہ ”وہ نصرانی ہے اس لئے مسجد میں داخل نہیں ہو سکے گا۔“ آپ نے غصے سے فرمایا ”تم نے ایک غیر مسلم نصرانی کو کیوں اپنا کاتب بنایا“<sup>(۸)</sup>۔ آپ کے نزدیک سیکرٹری ہونے کیلئے مسلمان ہونے کے ساتھ سب سے اہم شرط اس کا انشاء پر دوز ہونا تھا تاکہ وہ خطوط و مراسلات کی زبان اور ذرا فٹنگ بالکل درست کر سکے۔ اسی پر حکومت کی اور دفتری نظام کی سادہ کا درودہ ہو گا۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ اشعرئیؓ نے سیکرٹری سے حضرت عمر فاروقؓ کو خط لکھوایا تو اس نے عنوان میں ”من ابی موسیٰ“ لکھنے کے بجائے ”من ابو موسیٰ“ لکھ دیا۔ یہ خط جب آپ کو پہنچا تو بڑے برہم ہوئے اور انہیں لکھا ”میرا خط پا کر اس سیکرٹری کو ایک کو زائدہ اور نوکری سے الگ کر دو۔“ بعض دھوکوں کا خیال ہے کہ یہ بھی کاسب یہ ہے کہ اس نے سرکاری آداب کا خیال نہیں رکھا۔ اسے لکھنا چاہئے تھا کہ ”ابن عمر بن الخطاب امیر المؤمنین من ابی موسیٰ الاشعری“<sup>(۹)</sup>۔ ایک مرتبہ حضرت عمرو بن العاصؓ کے سیکرٹری نے ایک تحریر بھیجی جس کی ابتدا ”بسم اللہ“ سے کی گئی تھی مگر کاتب نے سہواً قصہ بسم اللہ میں سین نہیں لکھی تھی۔ حضرت عمرؓ نے لکھا کہ کاتب کو کوڑے لگائے جائیں۔ بعد میں کسی نے کاتب سے پوچھا تمہیں کس قصور پر مارا گیا؟ اس نے جواب دیا: ”سین نہ لکھنے پر“<sup>(۱۰)</sup>۔

## (ii) دیوان الخراج

یہ ایسا دفتر تھا جس میں حکومت کو مختلف علاقوں سے حاصل ہونے والے محصولات کی آمدنی اور اس کے مصارف کا ریکارڈ رکھا جاتا تھا۔ پھر ان آمدنیوں سے حکومتی اخراجات کے ساتھ ساتھ ملازمین کی تنخواہیں ادا کی جاتی تھیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس سے آپ نے ریاست کے طوں و عرض میں بسنے والے تمام باشندوں کی مردم شماری کرائی اور جنسروں میں سب کے نام لکھوائے اور انہیں وطن و مقام چدی کئے۔ بقول ماوردی ”رجسروں میں ناموں کی ترتیب نسب کے اعتبار

(۱) بی ۷۵۴ (۲) ملاحضہ ۱۸۸: ۴۱ (۳) حسن ۹۲ (۴) سنی ۲۳۲ (۵) بی ۷۵۴ (۶) ملاحضہ ۱۸۸: ۴۱ (۷) عبرۃ ۱۸۸: ۴۱ (۸) حسدوں ۲۵۲ (۹)

حدود ۱۹۹: ۱۱۷ (۱۰) بی ۷۵۴ (۱۱) حور شفاء ۲۶۷ (۱۲) حورۃ ۱۳۲۔

سے اور خانہ کی مقدار اسلام کیسے خدمات اور اسلام میں سبقت کے لحاظ سے مقرر کی گئی مگر جب سابقین اسلام باقی نہ رہے تو وظائف کی مقدار میں شجاعت اور حسن عمل کو مد نظر رکھا جائے گا۔<sup>(۱)</sup> محرم ۲۰ھ میں آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ کرنے کے بعد اس کا آغاز فرمایا۔ اس سلسلے میں بھی مشورہ فرمایا کہ کس سے شریعت کریں؟ لوگوں نے مشورہ دیا کہ اپنے آپ سے۔ فرمایا ”نہیں! مجھے یاد ہے کہ رسول کریم ﷺ نے بوہاشم اور ابو عبد المطلب سے ابتدا فرمائی تھی۔“<sup>(۲)</sup> مہر شیں بنانے کیلئے آپ نے تمہا بنو ہاشم، عقیل بن ابی طالب، محرمہ بن نوفل اور جہیر ابن مطعم کو بلایا۔ ان سے فرمایا کہ ”لوگوں کے نام ان کے مرتبے کے مطابق لکھو۔“ انہوں نے جب لکھ تو بوہاشم سے شروع کیا ان کے بعد حضرت ابو بکرؓ اور ان کی قوم کو لکھا پھر حضرت عمرؓ اور ان کی قوم کو بہ ترتیب خلافت لکھا۔ حضرت عمرؓ نے دیکھ تو فرمایا ”واللہ! مجھے اسی طرح پسند ہے مگر پہلے نبی کریم ﷺ کی قربت سے شروع کرو جو ان کے جہت قریب ہو وہ اس تحریر میں بھی قریب ہو عمرؓ کو بھی اسی مقام پر رکھو جہاں ان کو اللہ نے رکھا ہے۔“<sup>(۳)</sup> جب انصار کی باری آئی تو آپ نے فرمایا ”سعد بن معاذ اہلی کی قوم سے شروع کرو پھر جو ان کے قریب تر ہو۔“<sup>(۴)</sup> مختلف علاقوں کے مشہور سے مختلف رجسٹر ہوتے تھے مثلاً بو عزاہ، بنو عسفان اور حمیر وغیرہ اسی طرح اہل یمن، شام، عراق وغیرہ کے لگ بھگ رجسٹر تھے۔ ان میں ان کے وظائف کی تعداد درج ہوتی تھی۔<sup>(۵)</sup> شام اور عراق میں محاصل کے جو دفاتر پہلے سے موجود تھے ان کو اسلامی عہد میں اسی طرح باقی رکھا گیا۔ شام کا دفتر رومی حکومت کی وجہ سے رومی زبان میں اور عراق کا دفتر فارسی حکومت کی وجہ سے فارسی زبان میں تھا۔<sup>(۶)</sup> اس عظیم دفتری نظام کے قیام کی ضرورت فتوحات کی وسعت اور حکومتی محاصل کی آمدنی میں بے پناہ اضافے کی وجہ سے پیش آئی۔ عہد نبوی اور عہد صدیقی میں توجہ بھی آمدنی حاصل ہوتی تھی وہ زیادہ تر غنیمت کے طور پر حاصل ہوتی جو چھپڑوں میں تقسیم ہو جاتی۔ حکومت کو اس کا پانچواں حصہ ملتا جو بہت محدود ہوتا۔ خراج اور فسخ کی آمدنی بہت زیادہ نہیں ہوتی تھی تاہم جو کچھ بھی حکومت کے پاس آتا وہ فوراً ہی اہل مدینہ اور ضرورت مندوں میں تقسیم ہو جاتا۔ بن جوری کے مطابق عہد نبوی میں سب سے آخری مال جو مایا گیا وہ بحرین سے آٹھ ہزار درہم تھا۔ آپ یہ تمام دولت، یک ہی نشست میں تقسیم کر کے کھڑے ہو گئے۔ آپ کے عہد اور عہد صدیقی میں بیت المال قائم نہیں ہوا تھا۔ اسے حضرت عمرؓ نے قائم کیا۔<sup>(۷)</sup> عہد فاروقی میں مختلف علاقوں سے بکثرت مال آتا شروع ہوا تو آپ نے نہایت ترقی یافتہ انتظامی طریقے کو اختیار کیا جو نظم و انضباط ترقی میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ دور جدید میں حکمت اور ضرورت کے اس اصول کو سامنے رکھتے ہوئے اسے ہر شعبے میں ہمہ پہلو ترقی دی جاسکتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ میں بحرین سے حضرت عمرؓ کے پاس آیا ان سے ایسے وقت میں ملا جب وہ دن کی آخری نماز عشاء میں تھے۔ میں نے سلام کیا تو مجھ سے لوگوں کا حال پوچھا اور فرمایا ”کیا لائے ہو؟“ میں نے کہا پانچ لاکھ درہم۔ ارشاد ہوا ”کیا تم جانتے ہو کہ کیا کہہ رہے ہو؟“ عرض کی پانچ لاکھ درہم۔ پھر ارشاد ہوا ”تم کیا کہتے ہو؟“ عرض کی ایک لاکھ ایک لاکھ ایک لاکھ ایک لاکھ اس طرح پانچ مرتبہ شمار کر دیا۔ آپ نے فرمایا ”تم نیند میں ہو اپنے گھر والوں کے پاس جا کے سو رہو صبح ہو تو میرے پاس آنا۔“ میں صبح کے وقت ان کے پاس گیا تو فرمایا ”تم کیا لائے ہو؟“ عرض کی پانچ لاکھ درہم۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا ”کیا وہ حلال ہیں؟“ میں نے کہا ”جی ہاں! میں اس کے علاوہ کچھ نہیں جانتا۔“ انہوں نے لوگوں سے فرمایا کہ ”ہمارے پاس بہت سامان آیا ہے اگر تم لوگ چاہو تو میں سے شمار کر کے دوں اور اگر چاہو تو سے تمہارے لئے پیانے سے ناپ کر دوں۔“ ایک شخص نے کہا ”امیر المؤمنین! میں نے ان بچیوں کو دیکھا ہے کہ وہ دفتر مرتب کر لیتے ہیں کہ اسی پر لوگوں کو دیتے ہیں۔“ پھر انہوں نے بھی دیوان مرتب کیا مہاجرین ان میں کیسے پانچ پانچ ہزار درہم لکھ کر دیتے چار چار ہزار اور

(۱) سیرۃ نبویہ، ۲/۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴،

ازواج نبی ﷺ کیلئے مارہ پارہ ہزار مقرر کئے<sup>(۱)</sup>۔ جن حضرات نے اس نظام کے قیام میں آپ کو ثبوت مشورہ دیا۔ ان میں حضرت عثمانؓ، حضرت خالد بن ولیدؓ، ولید بن ہشام اور ہریران شامل ہیں<sup>(۲)</sup>۔ اس نظام کے قیام کی تاریخ کے بارے میں اگرچہ مورخین کا اختلاف ہے۔ علامہ طبریؒ علامہ سیوطیؒ وغیرہم کا خیال ہے کہ ۵ھ میں آغاز ہوا، لیکن کچھ شواہد ایسے ہیں جن سے معلوم ہوا ہے کہ ابن سعدؒ بلادی اور ہاروی کی ۲۰ھ کے بارے میں روایت زیادہ صحیح ہے۔ آپ نے یہ انتظام اس وقت کیا جب عراق و شام مکمل طور پر فتح ہو گئے۔ قبل ازیں آپ کی پالیسی حسب سابق تھی کہ مال بیچنے والے دن یا پھر اگلے دن تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ روایت ہے کہ ۱۶ھ میں جب مدائن کی فتح کے بعد غنیمت کے پانچویں حصے کے طور پر بہت سارا مال و اسباب آیا جس میں کسریٰ بن ہریران کی قبۃ، کھوار، چینی، شلوار، قمیص، تاج، موزے اور طلائی ننگن بھی تھے تو آپ نے حضرت سراقہؓ کو سب پیتائے اور فرمایا ”کہو اللہ اکبر!“ انہوں نے کہا اللہ اکبر! پھر فرمایا ”کہو اس خدا کا شکر ہے جس نے انہیں کسریٰ بن ہریران سے جھین کر نئی مدینہ کے ایک بدو سراقہ بن مالک کو پہنایا۔“ پھر اتر کر آپ نے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ سے فرمایا ”میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ اسے فروخت کر کے شام سے پہلے پہلے تقسیم کر لوں<sup>(۳)</sup>۔“

دیگر مال کے بارے میں قسم کھائی کہ ”اسے چھت بیس ڈھانکے گی کہ آپ اسے تقسیم کر دیں گے۔“ حضرت عبداللہ بن ارقم اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے مسجد میں اس کی حفاظت کرتے ہوئے رات بسر کی۔ صبح ہوئی تو سورج طلوع ہونے کے بعد آپ آئے اور چادریں ہٹا دیں اور قادسیہ کے مال کی طرح تقسیم کر دیا<sup>(۴)</sup>۔ بلکہ شروع میں آپ اس پالیسی پر اتنی شدت سے کاربن تھے کہ ابن عمرؓ کے بقول ”امیر المومنین کی خدمت میں عراق سے خراج کا مال آیا آپ نے سے لوگوں میں تقسیم کرنا شروع کیا تو ایک شخص کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا ”امیر المومنین کی یہی اچھا ہو اگر اس رقم کا کچھ حصہ ممکنہ عسکری مہم اور غیر متوقع اور ہنگامی حالات کے پیش نظر محفوظ کر لیا جائے۔“ آپ نے غصے سے جواب دیا ”اس شیعہ اسی سے سوسے کا جواب یہ ہے کہ میں آنے والے کل کیلئے آج اللہ کی نافرمانی ہرگز نہیں کروں گا۔ یہ تمام رقم میں آج ہی بالکل اسی انداز میں تقسیم کر دوں گا جیسے رسول اللہ ﷺ بانٹ دیا کرتے تھے“<sup>(۵)</sup>۔ آپ کی اجتہادی بصیرت نے بعد میں حالات و وقت کے تقاضوں کے مطابق اپنی جد بابتی سوچ پر نظر ثانی کرنے اور اپنی حکمت عملی تبدیل کرنے پر مجبور کر دیا۔ آپ اسی نتیجے پر پہنچے کہ نظامی معادلات میں شریعت کی روح کی حفاظت اور وسیع تر مقاصد و مصالح کے حصول کیلئے یا طریق کار اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں، یہی آج کے عہد کیسے آپ کا ایک خوبصورت پیغام ہے۔

### (iii) دیوان الجند :

حضرت عمرؓ سب سے پہلے شخص تھے جنہوں نے فوج کو ایک منظم شکل دی اور فوجی نظم و نسق کیسے دیوانی فوج قائم کی۔ اس نئے کے فرائض میں سپاہیوں کے نام ان کے اوصاف ان کی تنخواہوں کی مقدار اور ان کے کارناموں کے بارے میں مکمل معلومات بہم پہنچانا اور دوسرے انتظامی معاملات داخل تھے<sup>(۱)</sup>۔ آپ کو فوجیوں کے ریسروں کا اہتمام کرنے کا خیال کیوں اور کیسے آیا؟ اس کی وضاحت اس روایت سے ہوتی ہے ”حضرت عمرؓ نے ایک بڑا لشکر تیار کر کے روانہ کیا اور اہل لشکر اور اس کے اہل خاندان کو مصروف بھی تقسیم فرمادیئے۔ اس وقت آپ کے پاس ہر مزان موجود تھا۔ اس نے عرض کی ”اگر کوئی فوج سے نکل کر اپنے گھر بیٹھ جائے تو سپہ سالار کو کیسے معلوم ہو گا کہ آپ ان کیسے دیوان ہوائیں۔“ پھر اس نے دیوان کے بارے میں تفصیلات بتائیں<sup>(۲)</sup>۔

(۱) سعد ۳۳۰/۳، بلاذری ۳۳۹/۳، مائوروقہ ۱۹۹ (۲) سعد ۲۰۶/۳، خیرى ۲۰۹/۴، یعقوبی ۱۱۵۰، مائوروقہ ۱۹۹ (۳) کثیر ۶۸۱/۲، (۴) کثیر ۶۸۱/۲، (۵) جرجی ۱۰۱، (۶) حسب ۲۰۴، (۷) مائوروقہ ۱۹۹۔

آپ نے حسب کتاب رکھنے کیسے مستطیل کا انداز استعمال کیا۔ لپیٹ کر رکھ دیتے تھے۔ فوج کی دو قسمیں ہوتی تھیں ایک وہ جو باقاعدہ فوج تھی جو ہر وقت جنگی مہمات میں مصروف رہتی تھی اور دوسری وہ جسے بوقت ضرورت طلب کیا جاتا تھا اسے ”مطوعہ“ کہتے تھے سب کو وظائف دیے جاتے تھے۔ ابتداء میں فوجیوں اور دیگر سرکاری ملازمین کا نام یک ہی رجسٹر میں درج ہوتا تھا لیکن رفتہ رفتہ اس صیفے کو ۲۱ھ میں اس قدر مرتب اور منظم کر دیا کہ اس سے پہلے کبھی یہاں نہیں ہوا تھا۔ آپ نے بے شمار فوجی چھاپائیاں قائم کیں، مارکیں بنائیں، قلعوں کی تعمیر و مرمت کی، تمام چھاپائیوں میں اصطبل اور رسد خانے قائم کئے، فوج کا اندرونی نظام قائم کیا اور افسران کے ذریعے ان میں تنخواہیں تقسیم کی جاتی تھیں۔ انہیں ”عریف“ کہا جاتا تھا اس کی نوعیت اس طرح تھی کہ محرم میں تنخواہ، فصل بہار میں بھتہ اور فصل کٹنے کے وقت خاص خاص جاگیروں کی آمدنی تقسیم ہوتی تھی ایک عریف ایک لاکھ درہم تقسیم کرتا تھا۔ کوفہ و بصرہ میں سو عریف ہوتے تھے جن کے ذریعے ایک کروڑ درہم تقسیم ہوتے تھے، تنخواہوں میں کارنامے، سفارشی کارکردگی اور حفظ وغیرہ کی وجہ سے اضافہ کیا جاتا تھا اور خصوصی العیانت بھی دیے جاتے تھے۔ مقررہ قسوں کے علاوہ مال غنیمت مراتب کے اعتبار سے فوج میں تقسیم ہوتا۔ اس کی کوئی غنیمت نہیں ہوتی تھی چنانچہ جلولا میں نو لوہڑا اور نہاد میں چھ چھ ہزار درہم یک فوجی کے حصے میں آئے۔ ہر فوج کے ساتھ ایک افسر خزانہ ایک محاسب ایک قاضی اور متعدد مترجم ہوتے تھے<sup>(۱)</sup>۔

جہاد کیلئے الگ گھوڑے اور اونٹ ہوتے تھے جن کی رانوں پر جیش ”نی سبیل اللہ“ لکھا ہوتا تھا ان کی پرورش کیسے تھی کی چراگاہ تھی جہاں سے سامانہ تین ہزار اونٹ اور تین سو گھوڑے اللہ کی راہ میں سوار کرائے جاتے۔ آپ یہ بھی فوجیوں کو دیتے جنہیں دیتے ان کا سامان کچا دے، جھولیس درست کرا کے دیتے۔ کبھی اس کام میں خود بھی شریک ہوتے اور ضرورت کا سامان بھی ساتھ دے کر روانہ فرماتے<sup>(۲)</sup>۔ مستقل فوج کو قائم کرنے کی ضرورت تھی جس کی وجہ سے سرکاری اخراجات میں بے پناہ اضافہ ہو گیا۔ حکمت کا یہ تقاضا تھا کہ نہیں گزراوقات کیسے کاروباری معاشی سرگرمیوں اور زراعت و باغبانی سے دور رکھا جائے اور ان کی کفالت کا بہترین انتظام کیا جائے۔ اس نے آپ نے سوا کی زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم نہ کرنے کی جو جو ہمت بیان کی ان میں ایک یہ بھی تھی۔ آپ نے فرمایا ”دیکھئے ان سرحدوں کی حفاظت کیلئے بہر حال کچھ آدمی تعینات کرنے ہوں گے جو مستظاہر رہیں گے۔ یہ بڑے بڑے شہر جیسے شام، الجزیرہ، کوفہ، بصرہ، مصر میں فوجی چھاپائیاں قائم رکھنا اور ان کو وظائف دیتے رہنا ناگزیر ہے۔ اب اگر زمینیں اور ان پر محنت کرنے والے کاشتکار تقسیم کر دیئے جائیں گے تو ان لوگوں کو کہاں سے دیا جائے گا؟ یہ سن کر سب نے یہ کہا ”آپ ہی کی رائے صحیح ہے۔ آپ نے جو فرمایا وہ خوب ہے اور جو رائے قائم کی ہے وہ بہت سوزوں ہے۔ اگر ان شہروں اور سرحدوں پر افواج نہیں رکھی جائیں گی اور نہ کیسے بطور تنخواہ کچھ مقرر نہ کیا جائے گا تو اہل کفر اپنے شہروں پر پھر سے قابض ہو جائیں گے“<sup>(۳)</sup>۔ ”فوج کے دفاتر و رجسٹر مرکزی بجائے صوبوں میں ہوتے تھے۔ فوج کا سالانہ تمام مصارف کے بارے میں بھی ذمہ دار ہوتا تھا۔ آپ اس کے حسابات پر کڑی نگرانی کرتے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو آپ نے مشورہ دیا تھا کہ خالد بن ولید کو لکھیں کہ آپ کے حکم کے بغیر کوئی بکری، دراونٹ نہ دیں، اسہوں نے یہ خط بھیج دیا۔ جواب میں حضرت خالدؓ نے لکھا ”آپ مجھ سے درمیرے کام سے سروکار نہ رکھیں۔“ حضرت عمرؓ نے یہ دیکھ کر معزوں کو دینے کا مشورہ دیا، لیکن حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مصلحتاً اس کو تسلیم نہ فرمایا<sup>(۴)</sup>۔

جب حضرت عمرؓ خلیفہ بنے تو اسہوں نے وہی حکم دیا۔ حضرت خالدؓ نے مذکورہ جواب دیا تو آپ نے معزوں کو دیا<sup>(۵)</sup>۔ آپ افسروں کو طلب کر کے خود سؤت کرتے تھے۔ جلولا کی فتح کے بعد زید بن ابی سفیان حساب کے کاغذات لے کر مدینے آئے تو آپ نے خود انہیں چیک کیا<sup>(۶)</sup>۔

(۱) بتسبیل کیسے ملاحظہ کرو سبیل ۱۱ ص ۲۶ (۲) سعد ۵ ص ۳ (۳) يوسف ۲ (۴) کثیر ۷ ص ۴۵ (۵) ص ۷ ص ۱۱۵ (۶) سبیل ۱۱ ص ۲۷

## ○ نظمیه عامہ کا ضابطہ اخلاق:

ہر ملک کی نظمیه عامہ اس کی سالمیت اس کے نظریے اس کے آئین اور اس کی تہذیب و ثقافت اور اس کے ہر قسم کے مفادات کے تحفظ کیلئے معرض وجود میں آتی ہے۔ اس کا کام نہ کورہ امور کو نہایت اعلیٰ معیار کے مطابق سرانجام دینے کیلئے نظام کار اور انفر سٹرکچر وضع کرنا، سارے عوام کو منظم کرنا اور دستیاب داری وسائل کو دانشمندی اور کفایت سے استعمال کرنا ہوتا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ ہم ملک کا نظریہ ہوتا ہے۔ یہ جتن زیادہ مضبوط و مستحکم اور عوام کے دل و ذہن میں رائج ہوتا ہے، اور اس کے تمام اداروں کے مزاج و مقاصد میں روح رواں کے طور پر کام کرتا ہے، اتنا ہی اس ملک و قوم کو اعتماد، اتحاد، استحکام اور ترقی نصیب ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عصر حاضر میں جن ممالک کا بنیادی نظریہ سیکولرزم ہے وہاں نظمیه عامہ کا سب سے پہلا فرض ہی سیکولرزم کا فروغ ہوتا ہے۔ اس کے تمام فیصلے پائیدار اقدامات کی بنیاد اسی کے اصولوں پر رکھی جاتی ہے۔ جہاں قومیت، جمہوریت، کمیونزم یا کوئی مذہب ایک نظریے کے طور پر اختیار کیا جاتا ہے وہاں تمام حکومتی ادارے اسی کیلئے کام کرتے ہیں۔ اس لئے نظمیه عامہ کے ضابطہ اخلاق کا تعین اسی نظریے کے مطابق ہوتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے اپنی نظمیه عامہ کو ایک تفصیلی ضابطہ اخلاق دیا جو سلامی شریعت سے ماخوذ تھا۔ اسے انہوں نے شریعت کی تعلیمات، اس کی روح اور مزاج و مقاصد کو سامنے رکھ کر مرتب کیا۔ شریعت جامع اصولوں کو نہایت حکمت و بصیرت سے انتظامی معاملات پر منطبق کیا اور نظمیه عامہ کو سختی سے اس کا پابند بنایا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود اس کی پوری طرح پاسداری کی یہی وجہ ہے کہ آپ کے پورے عہد خلافت میں پوری طرح نافذ رہا ہے۔ معروف مورخ علامہ مسعودی کے بقول ”آپ حد درجہ متواضع تھے۔ مونا باس پہنچتے تھے، لیکن جب اللہ اور لوگوں کے درمیان کوئی معاملہ ہوتا تھا تو اس میں حد درجہ حق برتتے تھے۔ آپ کے جملہ اعمال و افعال میں آپ کی پیروی کرتے تھے۔ وہ سب کے سب آپ کے سامنے آپ ہی کی طرح نظر آتے تھے“<sup>(۱)</sup>۔ ”پبلک ایڈمنسٹریشن کے شعبے میں آپ مقرر کردہ ضابطوں کو عصر حاضر میں اسی طرح، سلامی فقہ و قانون کا اہم، اتخاذ قرار دینے کی ضرورت ہے، جس طرح آپ کے اجتہادات زندگی کے دیگر شعبوں کے سلسلے میں تسلیم کئے جاتے ہیں۔ آپ کا دیا ہوا ضابطہ اخلاقی اسلامی ریاست کی نظمیه عامہ کیلئے چراغ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ محض روحانی اور نظریاتی اعتبار ہی سے نہیں، بلکہ فنی اعتبار سے بھی دیکھا جائے تو اس سے بہتر ضابطہ اخلاق وضع کرنا ناممکن ہے۔ یہ اس قدر جامع اور ہمہ گیر ہے کہ عصر حاضر میں اسے واجب الاتباع قرار دینا چاہئے، لہذا حالات و زمانہ کی تبدیلی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کے اطلاق کے ذرائع اور حکمت عملی میں جہاں ترمیم کی ضرورت ہو اسے اختیار کیا جاسکتا ہے۔ اس کیلئے رہنمائی آپ کی اس اجتہادی بصیرت سے مل سکتی ہے، جو اس کے پیچھے کار فرما ہے۔ جس کا بآسانی سراغ ہمیں ان واقعات سے مل سکتا ہے جو اس ضابطہ اخلاق کے تحت دیئے ہوئے عنوانات کی تفصیل میں پیش کئے گئے ہیں۔

### ۱۔ اتباع شریعت:

اسلامی ریاست کی نظمیه عامہ کے ضابطہ اخلاق میں سب سے پہلی اتباع شریعت ہے کہ وہ ذاتی طور پر احکام شریعت کے پوری طرح پابند ہوں۔ اپنی ذاتی زندگی اور طرز عمل میں شریعت کا عملی نمونہ ہوں۔ پھر ہی کہیں جا کر وہ شریعت کے نفاذ کی منصبی ذمہ داریاں پوری کرے کے قائل ہو سکیں گے۔ چنانچہ امام ابن تیمیہ نے بالکل سچا کہا ہے: ”امارت و سیادت کا مستحق صرف وہ شخص ہے جو سے دینی فریضہ تصور کرتا ہو اور تقرب الہی کا ذریعہ سمجھتا ہو، اور اس کے تمام فرائض و واجبات کو

حتی المقدور سرانجام دیتا ہو<sup>(۱)</sup>۔ حضرت عمر فاروقؓ نے خلافت کے دوسرے سال عراق کے خلاف جنگی مہمت کی خود قیادت کرنے کا عزم کیا۔ اس سلسلے میں صحابہ کرام سے مشورہ کیا تو انہوں نے باہا تھاں خود مدینے میں قیام کرنے اور حضرت سعد بن مالک زہریؓ کو امیر مقرر کرنے کا مشورہ دیا۔ آپ نے ان کو عراق کا امیر مقرر کر دیا اور انہیں وصیت کرتے ہوئے فرمایا ”ابو اسد بن وہیب اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ بات تجھے دھوکا میں نہ ڈالے کہ آپ کو رسول اللہ ﷺ کا موصو یا دوست کہا جاتا ہے۔ بلاشبہ برائی برائی کو نہیں مٹاتی بلکہ برائی کو نیکی سے مٹایا جاتا ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ اور کسی کے درمیان اس کی اطاعت کے بغیر کوئی رشتہ نہیں۔ بس لوگوں کے شریف اور رزائل اللہ کی ذات کے بارے میں بربر ہیں۔ اللہ اس کا رب ہے اور وہ اس کے بندے ہیں اور عافیت سے ایک دوسرے سے فضیلت حاصل کرتے ہیں اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے اسے طاعت سے حاصل کرتے ہیں پس تو اس امر پر نگاہ رکھ جس پر تو نے رسول اللہ ﷺ کو بھست سے لے کر وفات تک قائم دیکھا اور اس کی پابندی کر۔ با تحقیق وہی حقیقی مرہ ہے یہ تجھے میری نصیحت ہے اگر آپ نے اسے ترک کر دیا اور اس سے بے رغبتی کی تو آپ کے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور آپ خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے اور جب آپ نے ان سے الگ ہونا چاہا تو نہیں فرمایا ”عنقریب آپ کو ایک شدید امر سے واسطہ پڑے گا پس آپ کو جو مصیبت آئے اس پر صبر کرنا خوف الہی آپ کے کام کی تکمیل کرے گا اور یاد رکھو خوف الہی دو باتوں میں جمع ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اور اس کی معصیت سے اجتناب کرنے میں اور اس کی فرمانبرداری یہ ہے کہ آدمی دنیا کے بغض اور آخرت کی محبت سے اس کی فرمانبرداری کرے اور اس کی نافرمانی یہ ہے کہ آدمی دنیا کی محبت اور آخرت کے بغض سے اس کی نافرمانی کرے اور دونوں کیسے حقائق ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے ان میں سے کچھ پوشیدہ ہیں اور کچھ ظاہر ہیں۔ ظاہری حقیقت یہ ہے کہ حق کے بارے میں اس کی تعریف اور مذمت کرنے والا برابر ہوا اور پوشیدہ حقیقت یہ ہے جو اس کے دل سے اس کی زبان پر حکمت کے ظاہر ہونے اور لوگوں کے ساتھ محبت کرنے اور لوگوں کی محبت سے معلوم ہوتی ہے پس محبت سے بے رغبتی نہ کر دباشب انبیاء نے بھی اپنی محبت کے بارے میں دعائیں کی ہیں اور اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اسے محبوب بنادیتا ہے اور جب کسی بندے سے بغض رکھتا ہے تو اس کو مبغض بنادیتا ہے۔ پس تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنا وہی مقام سمجھ جو لوگوں کے ہاں تیرا ہے۔“

اس نصیحت کی ابتدا میں آپ نے یہ واضح کیا کہ رسول اکرم ﷺ سے نسب تعلق کسی کام نہیں لے گا۔ اصل تعلق طاعت کا رشتہ ہے اس لئے آپ نے سیرت النبی کی مکمل پیروی کا حکم دیا۔ یہ وہ تصور ہے جو آدمی کو غرور و گھمنہ کے بجائے اتباع شریعت کا پابند بناتا ہے۔ پھر آپ نے مشکل حالات میں صبر و استقامت اور خشیت الہی اختیار کرنے کی ترغیب دینے کے ساتھ ہی ان کے عمل پہلو بھی واضح کر دیئے تاکہ انہیں پورے شعور اور حقیقی تقاضوں کے مطابق اختیار کیا جائے اور دین سے گہرا تعلق قائم رہے۔ آخر میں ایک مختصر کو اسلامی تعلیمات کی روشنی عوام کے دلوں میں صحیح مقام حاصل کرنے اور انہیں صحیح مقام دینے کی نصیحت کی گئی ہے۔ وہ یہ کہ لوگوں سے محبت کرے اور ان سے محبت لے۔ یہ وہ چیز ہے جو سے منہی فرائض کو اعلیٰ معیار تک ادا کرنے کے قابل بناتی ہے۔ ان کے ذہن نشین کرایا کہ عوامی فلاحی امداد داری پر ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے مقام و مرتبے کا تعین بھی بندوں کے دلوں میں اس کے مقام و مرتبے کے تعین سے ہو گا۔ آپ عہدیداروں کے تقرر کے وقت ان کے تقویٰ اور اتباع شریعت کا خیال کرتے اور بعد میں بھی اس کا جائزہ لیتے رہتے۔ آپ کی تعلیمات اور پابندیوں کا عوام کو علم تھا اس لئے وہ بھی حکام کو اسی پیمانے سے جانچتے تھے۔ آپ کے عمال و گورنروں میں سے ایک حضرت سعید بن عامر بھی تھے۔ حص کے کچھ لوگوں نے جہاں کے وہ گورنر تھے حضرت عمر کے پاس شکایت بھیجی کہ وہ طوع آفتاب کے بعد عوام سے ملنے میں رات کے وقت بھی کسی سے نہیں ملتے۔ جتنے میں ایک دن آپ گھر

سے باہر نہیں آتے۔ آپ کو جب یہ شکایت پہنچی تو فرمایا "اے اللہ مجھے عدل کی توفیق دے اور تیری فراست کم نہ کرے۔" پھر حضرت سعید بن عامر اور شکایت کرنے والوں کو مدینے طلب فرمایا اور شکایت کرنے والوں سے فرمایا "اب ان کے سامنے اپنی شکایات بیان کرو۔" چنانچہ انہوں نے مذکورہ بالا تینوں شکایتیں من و عنہر ادا دیں۔ آپ نے سعید بن عامر کو حکم دیا کہ ان شکایات کا جواب دیں۔ دو دو لے "یا امیر المومنین! میرے پاس کوئی نوکر نہیں اس لئے میں صبح کا کھانا خود ہی تیار کرتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں اس کے بعد لوگوں سے ملاقات کرتا ہوں۔ دوسری بات یعنی رات کے وقت لوگوں سے ملاقات نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ میں نے رات کا وقت صرف عبادت الہی کیلئے مخصوص کر رکھا ہے۔ تیسری بات یہ کہ میں بختے میں ایک روز گھر سے باہر نہیں نکلتا اس کی وجہ یہ ہے کہ میرے پاس کوئی خادم نہیں ہے جو میرے کپڑے دھو دیا کرے اور چونکہ میرے پاس عموماً صرف ایک ہی جوڑا کپڑوں کا ہے اس لئے میں اسے خود ہی دھو کر سکھانے کیلئے ڈال دیتا ہوں اور جب وہ سوکھ جاتا ہے تو اسے پہنتا ہوں۔ اس کام کیلئے میں نے بختے میں ایک دن مقرر کر رکھا ہے۔" آپ نے سعید بن عامر کے یہ جوابات سن کر خدا کا شکر ادا کیا اور فرمایا کہ بھلا اللہ مال کے تقرر میں میری فراست کم نہیں ہے۔ پھر اہل محض سے مخاطب ہو کر فرمایا "آپ لوگ بھی خدا کی شکر کریں کہ اس نے آپ کو ایسا امیر دیا ہے لہذا اس کے متعلق گمان نیک رکھ کر داور اس سے بھلائی کے ساتھ پیش آیا کرو۔" اس کے کچھ عرصے بعد آپ نے سعید بن عامر کو ہزار دینار بھیجے اور انہیں اپنے تصرف میں اس کی اجازت دی۔ سعید کی بیوی بولیں "خدا نے ہمیں اب فارغ اہل کر دی ہے اب آپ اپنے اور میرے کچھ کپڑے بنائیں اور گھر کیلئے کچھ تھوڑا بہت سامان خرید لیں۔" اس کے جواب میں سعید بولے "دوسرے لوگ ہم سے بھی زیادہ اس کے مستحق ہیں۔" چنانچہ انہوں نے اپنی بیوی سے کہہ کر ان دیناروں کو ایک قبیل میں ڈالا اور نام بنام غریبوں، ناداروں اور یتیموں میں اسیں تقسیم کرنے کا حکم دیا۔ تاہم ان میں سے پھر بھی کچھ دینار بچ گئے تو ان کی بیوی بولیں "ان باقی دیناروں میں سے آپ ایک خادم اپنی خدمت کیلئے رکھ لیں۔" سعید نے جواب دیا "کیا آپ کے خیال میں مجھے واقعی کسی خادم کی ضرورت ہے جب کہ کچھ اور لوگ ہم سے زیادہ ان دیناروں کے مستحق ہیں (۱)۔"

اس روایت سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ فاروق اعظم کی پبلک اینڈ منسٹریشن سے عوام کی کیا توقعات تھیں اور پھر اس سے وابستہ اہلکار بغیر کسی نمود و نمائش اور ریاء و شہرت اپنی صرف اجتماعی نہیں بلکہ نجی زندگی کو کس طرح احکام شریعت سے ہم آہنگ کرنے میں سرگرم عمل ہوتے تھے اور عوامی فلاح و بہبود کو اپنی ضروریات پر کس طرح ترجیح دیتے تھے۔ آپ نے احکام شریعت کی بیرونی کا ایک ایسا جذبہ ان کے اندر پروان چڑھایا کہ وہ باہمی میل جول میں بھی ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کرتے رہتے تھے۔ اس کی ایک مثال یہ واقعہ ہے کہ آپ کے مشہور جرنل سعد بن ابی وقاص آپ کے مقرر کردہ مدائن کے گورنر مشہور صحابی حضرت سلمان فارسی سے ملے۔ وہ اکثر ریاضت الہی میں مصروف رہتے تھے۔ سعد بن ابی وقاص نے ان سے مدائن میں ملاقات کی تو اس سے کہا "اے ابو عبد اللہ! مجھے کچھ نصیحت کیجئے۔" سلمان فارسی بولے "جب کسی کام کی محنت کرو تو خدا کا نام لیا کرو اور اس کا زیادہ سے زیادہ ذکر کیا کرو، حکمت کی باتیں پیاں کرتے وقت ربان کا نام ذکر رکھا کرو، جب کچھ تقسیم کرے لگو تو ہاتھ پر نظر رکھا کرو۔" یہ کہہ کر سلمان فارسی رونے لگے۔ سعد بن وقاص نے ان سے رونے کا سبب پوچھا تو بولے "آپ دیکھتے ہیں کہ میرے گھر میں طہارت اور لوازم عبادت کے آرام و آسائش کا کوئی سامان نہیں ہے، لیکن حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ترک آرائش بڑی بات نہیں، خدا کا خوف سب سے اہم چیز ہے، بس اس لئے روتا ہوں کہ دنیاوی معاملات میں جو میرے سیر دیں مجھ سے کوئی کوتاہی نہ ہو جائے، جو اللہ کی ناراضگی کا سبب بن جائے۔" (۲)۔ اس میں حضرت سلمانؓ نے حکام کے ضابطہ اخلاق کے کئی پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے، لیکن سب سے اہم اللہ تعالیٰ سے ہر وقت تعلق قائم رکھا اور اس کا ذکر اور یاد ہے اور ذاتی ریاضت سے بڑھ کر ان امور کو پوری توجہ دی ہے اور اگر تباہی جو منصب کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہے، ان کے بارے میں جواب

وہی سب سے زیادہ ہوگی۔ اللہ کی رضامندی ان کی صحیح بجا آوری سے مشروط ہے۔ حضرت عمر کا اپنا طریقہ یہ تھا کہ خود احتسابی کرتے رہتے تھے۔ حضرت انس سے روایت ہے کہ ایک روز میں آپ کے ہمراہ نکلا یہاں تک کہ وہ ایک احاطے میں داخل ہو گئے۔ میں نے انہیں یہ کہتے ہوئے سنا ”عمر بن الخطاب امیر المؤمنین ہیں خوشی کی بات ہے، واللہ! اب قرآنہ خطاب تجھے ضرور اللہ سے ڈرنا ہو گا، ورنہ اللہ تجھ پر عذاب نازل کرے گا“<sup>(۱)</sup>۔ ”آپ نے ایک مرتبہ عمل کیلئے اجتماع شریعت کی اہمیت کو بہایت خوبصورت دلیل سے واضح کیا۔ ارشاد فرمایا ”وایا ایہام کے حقوق کو کرتی رہتی ہے جب تک لام اللہ کے حقوق کو کرتا رہتا ہے۔ جب امام پیش کرنے لگتا ہے تو وہ بھی پیش کرنے لگتے ہیں“<sup>(۲)</sup>۔ ایک مرتبہ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح نے حضرت عمر فاروق کو خط لکھا اس میں روم کے لشکروں اور ان کی طرف سے خطرات کا ذکر کیا۔ حضرت عمرؓ نے حمد و ثناء کے بعد لکھا ”اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب بندہ مومن پر کوئی سختی آتی ہے تو اس کے بعد وہ خوشی دیتا ہے۔ ایک سختی دو آسنیوں پر غائب نہیں آسکتی“<sup>(۳)</sup>۔ ”اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے ”یا ایہا الدین استوا اصبروا وصابروا ورابطوا واتفوا اللہ لعلکم تفلحوا“<sup>(۴)</sup>۔

حضرت حسن راوی ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا ”لما بعد کام میں رور و قوت (اور روئنی) باقی رکھنے کا یہی طریقہ ہے کہ آج کا کام کل پر نہ والا جائے۔ اگر ایسا کیا گیا تو تمہارے سامنے کاموں کا ڈھیر لگتا چلا جائے گا اور تمہیں یہ سہتہ رہے گی کہ ان میں سے کس کام کو پہلے انجام دیا جائے۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ تم اپنے کام کاڑو گے اور اس حقیقت کو کبھی نہ بھولنا کہ تمام کام امیر کیلئے اسی وقت تک پوری طرح انجام پاتے ہیں جب تک وہ امیر خود اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کر رہا ہوتا ہے۔ لیکن جب امیر خود حدود و فراموشی اور ناحق کارروائیاں کرنے لگتا ہے تو پھر ماحت بھی اس کے نقش قدم پر چلنے لگتے ہیں اور دیکھو لوگوں کو اپنے برسر اقتدار طبقہ سے ایک قسم کی کد اور تحضر سا پیدا ہو جاتا ہے۔ خدا ہمیں اس کیفیت سے اپنی پناہ میں رکھے۔ اس طرح دونوں میں کیسے پیدا ہو جاتے ہیں۔ دنیا کو ترجیح دے دی جاتی ہے اور خواہشات نفس کی پیروی کی جاتی ہے۔ لہذا تم حق کو قائم کرنے میں کوشاں رہو خواہ اس مبارک مقصد کیلئے تمہیں دس کی ایک گھڑی ہی نصیب ہو“<sup>(۵)</sup>۔ ”آپ نے اس فرمان میں بروقت کام کرنے کیلئے نہایت اہم دلیل دی ہے جسے دور حاضر میں سامنے رکھنا اس لئے ضروری ہے کہ آبادی و مسائل میں اضافے کی وجہ سے فائیکوں کے ڈھیر لگتے رہتے ہیں اور پھر بروقت کام نہ کرنے کی وجہ سے عوام بھی فوٹوں میں مبتلا ہوتے ہیں اور تمام امور بھی ناقابل اصلاح حد تک بگڑ جاتے ہیں۔ دوسرا اجتماع شریعت اور حق کی پیروی کی خصوصی طور پر تاکید کی گئی ہے یہی تفکیک عامہ کے ضابطہ اخلاق کا پہلا نقطہ ہے۔

آپ اس بات پر بھی نظر رکھتے تھے کہ آپ کے عمال شریعت کے احکام کے مطابق امور کے فیصلے دے رہے ہیں یا نہیں؟ آپ کی طرف سے مقرر کردہ بحرین کے عامل مشہور صحابی حضرت ابو ہریرہؓ آ رہے تھے۔ انہیں ریزہ والوں کے مقام پر عراق کے کچھ سوار احرام باندھے ہوئے ملے۔ انہوں نے شکار کے اس گوشت کے بارے میں پوچھا (کہ حلال ہے یا نہیں) جو اہل ریزہ والوں کے پاس تھا۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے اسے کھانے کی اجازت دی وہ کہتے ہیں کہ مجھے اس اجازت کے بارے میں شک ہو جب میں مدینے پہنچا تو اس کا ذکر حضرت عمر فاروقؓ سے کیا۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ ”تم نے انہیں اس بارے میں کیا حکم دیا؟“ میں نے کہا کہ ”کھانے کی اجازت دی۔“ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا ”اگر تم نے اس کے علاوہ کوئی دیا ہو تا تو میں تمہارے ساتھ ایسا کرنا یعنی ڈرانے لگے۔“ ایک دوسری روایت کے مطابق فرمایا ”میں تمہیں سزا دیتا“<sup>(۶)</sup>۔ ”آپ نے حضرت عبداللہؓ کو لکھا ”تم لوگوں کو ظلم سے بچاؤ تقویٰ اختیار کرو ورنہ رستہ رہو ایسا نہ ہو کہ تمہاری عداوتی یا سرکشی کی وجہ سے تمہیں زوال آجائے۔ اللہ اس وقت تک تمہارے ساتھ رہے گا جب تک تم اللہ کے عہد پر قائم رہو گے۔ اس لئے تم اللہ کے عہد کو پورا کرو اس کے احکام کی پابندی کرو وہ تمہارا مددگار رہے گا اور تمہاری مدد کرے گا“<sup>(۷)</sup>۔



## ۲۔ قرعہ رابطہ :

تپ کے دیئے ہوئے ضابطہ اخلاق کا دوسرا اصول عوام سے قرعہ اور گہرا رابطہ ہے۔ یہ رابطہ پبلک اینڈ مسٹریشن کے اہلکاروں کی اطلاقی ذمہ داری کے ساتھ پیشہ درانہ ضرورت بھی ہوتی ہے۔ اس کے بغیر وہ تو عوام کے مسئلہ و معاملات سے آگاہ رہ سکتا ہے اور نہ ہی ان کے جذبات و احساسات کا علم ہو سکتا ہے۔ اس لئے دور جدید میں ماحول سے رابطہ و تعلقات پر دان چڑھانا اور تعلقات عامہ (Public Relation) کیلئے خصوصی انتظامات کئے جاتے ہیں۔ بڑے بڑے ملے اس مقصد کیلئے الگ شعبے قائم کرتے ہیں۔ آپ خود کھار رابطہ رکھتے تھے آپ سے گھر اور مسجد میں بلاروک ٹوک ہر وقت ملاقات ہو سکتی تھی۔ آپ کا نہ تو کوئی دریاں تھا نہ ہی سکیورٹی انسرنگلیڈوں بازاروں، محلوں کے عوام کے حالات معلوم کرنے کیلئے سرعام پھرتے رہتے تھے اور پھر راتوں کو محلوں اور مدینے کے لواحقین علاقوں میں گشت کرتے رہتے تھے۔ آپ اپنے اہلکاروں سے بھی یہی توقع رکھتے تھے۔ روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ کسی کو حاکم مقرر کرتے تھے تو اس سے معاہدہ لکھواتے تھے اور مہاجرین و انصار کی ایک جماعت کو اس پر گولہ ٹھہراتے تھے۔ اس میں یہ شرائط ہوتی تھیں وہ عمدہ سواری پر سوار نہیں ہو گا، میدہ کی روٹی نہیں کھائے گا، باریک لباس نہیں پہنے گا اور عوام کی ضروریات کو رد کئے کیسے دروازہ بند نہیں کرے گا<sup>(۱)</sup>۔ ایک اور روایت کے مطابق یہ شرط بھی ہوتی تھی کہ پٹی ڈیوڑھی پر دربان نہیں رکھے گا<sup>(۲)</sup>۔ ان شرائط کا اصل مقصد یہ تھا کہ حکام اپنے آپ کو عوام کی سطح پر رکھیں۔ ان کے درمیان سماجی مقام اور جہتاتی تفاوت کی دیواریں حائل نہ ہوں۔ ان کے درمیان ایسا آواہن میل جول رابطہ اور قرب ہو کہ وہ ایک دوسرے کے معاملات سے اچھی طرح باخبر ہوں اور ایک ہی معشرے کا حصہ بن کر رہیں۔ یہ چیز اسلامی فقہیہ عامہ کے تشخص کی علامت ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا "اللہ کے نزدیک امام کے حکم سے زیادہ گمراہی اور بے خبری سے زیادہ قابل نفرت چیز اور کوئی نہیں"<sup>(۳)</sup>۔ "ایک مرتبہ تقریر کرتے ہوئے عمال کو مخاطب کر کے فرمایا "عوام کی طرف سے غافل ہو کر دروازے بند کر کے نہ بیٹھو"<sup>(۴)</sup>۔ "ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ اشعرؓ کے نام خط لکھا اس میں حسب ذیل نکات تھے

۱۔ واضح ہو کہ عوام اپنے بادشاہ سے دور رہتے ہیں خدا کی پناہ اگر میں اور آپ، سی کورٹ روش اور کینہ توری پر گامزن ہوں۔

۲۔ روزمرہ عدالت ضرور کیجئے اگرچہ تھوڑی دیر کیلئے۔

۳۔ اگر بیک وقت دو ایسے اموش ہوں کہ ایک میں عاقبت اور دوسرے میں دنیا کا سود، بہرہ و عاقبت کو ترجیح دیجئے۔ و یا فنا ہونے والی ہے اور عاقبت کو دوام حاصل ہے۔

۴۔ بدکردار لوگوں پر پوری نگرانی رکھئے۔

۵۔ مسلمان مریضوں کی عیادت میں کوتاہی نہ کیجئے۔

۶۔ ان کے جنازہ میں شرکت کیجئے۔

۷۔ عوام کیلئے پناہ و دروازہ کھلا رکھئے اور ان کے معاملات میں دانی طور پر دلچسپی لیتے رہئے آپ بھی تو انکی میں سے ایک فرد ہیں البتہ ان کے مقابلے میں آپ کی

ذمہ داری کہیں زیادہ ہے۔

۸۔ ابے ابو موسیٰ مجھے آپ کی اور آپ کے نکل بیت کی عوام کے مقابلے میں خوش لباسی پر تکلف کھانوں اور اعلیٰ سولہ کی اطلاع ملی ہے اس سے بچتے رہئے کہ مونی

کی مانند ہری ہری دوب سے پین بھرتے رہنا خود کو فریب بنانا ہے اور فریبی کا نتیجہ آخر میں برا ہوتا ہے۔

۹۔ حاکم کی کج روی کے اثر سے رعیت بھی اسی قسم کی ہو جاتی ہے۔ بد بخت ہے وہ حاکم جس کی وجہ سے عوام بد بخت ہو جائیں۔ (۱)

اس خط میں عوام سے قریبی رابطے اور دمہ داریوں کی بجا آوری کیلئے ضابطہ اخلاق کے کئی سہری اصول بیان کئے ہیں جو منظمیہ عامہ اور عوام کے درمیان محبت، اخوت اور اتحاد و یکجہت کیلئے ضروری ہیں۔ اس میں جنازہ و عیادت یعنی خوشی و غمی میں شرکت نہایت اہم ہے۔ آپ اس اصول کی محض تبلیغ و ترغیب پر مطمئن ہو کر نہیں بیٹھ جاتے تھے بلکہ طور منتظم اعلیٰ یہ ضروری سمجھتے تھے کہ اس پر عمل درآمد کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔ عوام کے ساتھ آپ کا ذاتی طور پر قریبی رابطہ اس سلسلے میں مددگار ہوتا تھا۔ آپ مختلف ملاقوں سے آنے والے وفود سے وہاں کے عامل کے بارے میں پوچھتے تھے کہ ”وہ کیسا ہے۔“ جب جواب ملتا کہ اچھا ہے تو پھر پوچھتے ”کیا تمہارے مریضوں کی عیادت کرتا ہے؟“ ”وہ کہتے ہیں اچھا پوچھتے“ ”کیا وہ عیادت کی بھی عیادت کرتا ہے؟“ ”جواب ملتا ہاں!“ پھر پوچھتے کہ ”گزر واز کے ساتھ اس کا سلوک کیسا ہے؟ کیا اس نے اپنے دروازے پر دربان رکھا ہوا ہے؟“ اگر ان حصلتوں کے بارے میں ان کا جواب نفی میں ہوتا تو اسے معزول کر دیتے۔ (۲)۔ آپ کی دی ہوئی ہدایات دکھاوے، ضابطے کی کارروائی اور محض بد و نصائح کیلئے نہیں ہوتی تھی بلکہ سوچی سمجھی پالیسی کا حصہ ہوتی تھیں۔ آپ ان پر عمل درآمد خود بھی کرتے اور عمال سے بھی کرواتے۔ اس بات پر نظر رکھتے کہ کہیں ان کی خلاف ورزی تو نہیں ہو رہی۔ کسی بھی ذریعے سے منفی اطوار ملتی تو فوری طور پر کارروائی کرتے۔

ایک بار جب آپ مدینہ کی کسی سڑک پر جا رہے تھے کسی شخص نے پکار کر آپ سے یہ کہا کہ ”عز کیا خیاں ہے تمہارے عامل عیاض بن غنم کے معر کا عامل رہتے ہوئے بھی کیا تمہاری یہ شرطیں اللہ کے حضور تمہیں پچائیں گی؟“ دریں حالکہ وہ باریک کپڑا بھی پہنتا ہے اور اپنے دروازے پر دربان بھی رکھتا ہے۔ ”اب میری رضی اللہ عنہ نے محمد بن مسلمہ کو بلایا جو افسران تک آپ کے پینامات پہنچا کرتے تھے اور انہیں مصر روانہ کیا۔ آپ نے ان سے یہ کہا کہ ”تم انہیں جس حال میں پاؤ اسی حال میں میرے پاس لاؤ۔“ راوی کہتا ہے کہ یہ وہاں پہنچے تو ان کے دروازہ پر ایک دربان کو موجود پایا۔ پھر اندر داخل ہوئے تو ان کے بدن پر ایک مہین تھیں نظر آئی۔ انہوں نے ان سے کہا کہ ”امیر المؤمنین کا بارادار ہے چلو۔“ انہوں نے کہا کہ ”مجھے اپنی قبا میں لینے دو۔“ یہ بولے کہ ”نہیں“ اسی حاصل میں چلو۔“ راوی کہتا ہے کہ چنانچہ وہ انہیں لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب عز نے انہیں دیکھا تو فرمایا کہ ”اپنی قمیص اتار دو۔“ پھر آپ نے مونے اون کا ایک کرتا منگو یا اور بھیڑ بکریوں کا ایک گلہ اور ایک لالھی بھی منگوائی اور ان سے یہ فرمایا کہ ”یہ کرتا پہنو یہ لالھی اور یہ بکریاں چراؤ۔ ان کا دودھ خود پیو اور راہ گیروں کو پلاؤ اور جو بچ رہے وہ ہمارے لئے محفوظ رکھو۔“ سن لیا تم نے؟“ انہوں نے کہا ”ہاں! (سن لیا) مگر موت آجانا اس سے اچھا ہے (کہ میں ایسا کروں۔)“

آپ نے بار بار اس سے یہی بات کہی مگر ہر بار انہوں نے یہی جواب دیا ”اس سے بہتر یہی ہو گا کہ موت آجائے۔“ حضرت عز نے ان سے پوچھا کہ ”تمہیں یہ بات اتنی ناگوار کیوں معلوم ہوتی ہے جبکہ تمہارے باپ کا نام غنم اسی لئے پڑ گیا تھا کہ وہ بکریاں چرا لیا کرتے تھے؟ کیا تم آئندہ بھی روش اختیار کر سکو گے؟“ انہوں نے جواب دیا۔ ”ہاں! امیر المؤمنین۔“ آپ نے فرمایا ”اچھا تم جاؤ“ اور آپ نے ان کو ان کے منصب پر بحال کر دیا۔ راوی کہتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد یہ سنے اچھے بن گئے کہ عمر رضی اللہ عنہ کا کوئی دوسرا عامل اتنا چھانڈ تھا۔ (۳)



آپ نے حکومتی المکاروں کو راستی پر قائم رکھنے ان کی حق تلفیوں اور زیادتیوں کا زہ کرنے اور دور دراز علاقوں سے تعلق رکھنے والے عوام کو موقع پر ان کے حقوق دلانے کیلئے پہلی مرتبہ کھلی پکھریوں کا آغاز کیا۔ اس کا بہترین موقع اور مقام حج ہی ہو سکتا تھا کہ دو گواہوں کو اس کیلئے الگ سفر کی صعوبتیں اور آخر جات برداشت نہ کرنے پڑیں۔ اس لئے آپ کا یہ فیصلہ نہایت بصیرت افروز تھا کہ آپ ان دنوں عوام سے قریب تر رہیں ان کی مشکلات اور مسائل سے برہنہ رہیں۔ اس لئے ان کے بارے میں شکایت کو ان کے سامنے سنیں اور ان کا ازالہ کریں۔ چنانچہ آپ ہر سال ضرور حج پر جائے کا اہتمام کرتے سوائے ایک سال کے کہ ان دنوں آپ فلسطین گئے ہوئے تھے باقاعدگی سے حج کئے۔ آپ خصوصی طور پر تمام عمال کو یہ ہدایت کرتے کہ وہ بھی حج پر آئیں۔ ایک کھلی پکھری کی روداد حسب ذیل ہے اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کو ادائیگی حقوق کی کتنا فکر تھی اور کس طرح آپ اسے یقینی بنایا کرتے تھے۔ روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے عاصم کو لکھ بھیجا کہ حج کے موقع پر آپ سے ملیں چنانچہ اس موقع پر یہ سب حاضر ہوئے اور آپ نے کھڑے ہو کر ان سے فرمایا ”لوگو! میں نے اپنے ان عمال کو تم پر رستہ بازی کے ساتھ نگرانی کرنے کیلئے بھیجا ہے۔ میں نے انہیں اس لئے عامل نہیں مقرر کیا کہ تمہارے جان و مال و عزت و آبرو پر دست درازیاں کریں لہذا جس کسی پر ان میں سے کسی نے کوئی ظلم کیا ہو وہ کھڑ ہو جائے۔“ راوی کہتا ہے کہ اس اعلان پر اس دس سارے عوام میں سے بجز ایک آدمی کے اور کوئی نہ اٹھا۔ اس آدمی نے کہا ”امیر المومنین! آپ کے عامل نے مجھے سو کوڑے مارے ہیں۔“ عمرؓ نے دریافت کیا ”کیا تم بھی اسے سو کوڑے مارنا چاہتے ہو؟ ایسا ہو تو اٹھو اور اس سے قصاص لے لو۔“

یہ سن کر عمر بن العاصؓ اٹھے اور انہوں نے آپ سے یہ کہا ”امیر المومنین! اگر آپ اپنے عامل کے سلسلہ میں یہ پالیسی اختیار کریں گے تو یہ ان کو بہت شائق گزرے گی اور یہ ایک مستقل طریقہ بن جائے گا جسے آپ کے بعد آنے والے (خلفاء) بھی اختیار کر لیں گے۔“ عمرؓ نے جواب دیا ”یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اس عامل سے اس شخص کا قصاص نہ لوں جبکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خدا اپنے سے قصاص لینے دیکھا ہے؟“ آدمی اٹھ اور قصاص لے۔“ پھر عمر بن العاصؓ نے کہا: ”اچھا تو ہمیں اس کی اجازت دیجئے کہ ہم اس شخص کو کسی طرح راضی کر لیں۔“ راوی کہتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی اجازت دے دی اور لوگوں نے اس شخص کوئی کوڑا و دینار کے حساب سے دو سو دینار دے کر اپنا حق قصاص فروخت کر دینے پر راضی کر لیا<sup>(۱)</sup>۔ اس روایت سے آپ کی ایڈمنسٹریشن کے چند اہم پہلو سامنے آتے ہیں۔ ایک یہ کہ آپ اپنی پالیسیوں کو کامیاب بنانے کیلئے عمل پر سخت کنٹرول رکھتے تھے۔ دوسرے یہ کہ ان کی خاطر خوب تشہیر کرتے تاکہ ہر خاص و عام کو علم ہو جائے کہ وہ کیا ہے۔ اسے عام اٹا بیدار اور مؤثر ہو کہ اپنے حقوق کا تحفظ کر سکے۔ تیسرے یہ کہ آپ لوگوں کو یہ بتا دیتے تھے کہ ان کی شکایت کسی صورت میں نظر انداز نہیں کی جائے گی بروقت معاملے کا نوٹس لیا جائے گا۔ چوتھے یہ کہ سرعام ریادتیوں کا ازالہ کیا جائے گا تاکہ وہ خود آئندہ اس طرح کی جرات نہ کریں اور دوسروں کیلئے بھی باعث عبرت ہو۔ پانچواں یہ کہ قصاص لینا ہر آدمی کا حق ہے اسے حاکم وقت معاف نہیں کر سکتا بلکہ سے دلنا اس کا بیوی فریضہ ہے۔ ہاں البتہ کسی بھی وجہ سے بلا بدو اگر فریقین راضی نامہ کریں تو یہ سن اور ان کے باہمی تعلقات کیلئے زیادہ مفید ہے۔ ایڈمنسٹریٹر کو اس میں رکاوٹ نہیں ڈالنی چاہئے۔ حقوق کی ادائیگی اور ازالہ کیلئے آپ ہر قدم اٹھانے کیلئے تیار رہتے تھے۔ اس کیلئے ہر سختی کو درست سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ تقریر کرتے ہوئے فرمایا ”میں کسی کو کسی پر ظلم و زیادتی کرنے کا موقع نہ دوں گا۔ ایسا کرنے والے کا ایک گال زمین پر ہو گا اور دوسرے تہ مومن کے نیچے جا سکے گا۔ حق کے آگے ہر ذل دب<sup>(۲)</sup>۔“ اس سلسلے میں آپ خود اپنا حساب کرتے تھے کہ کہیں آپ سے زیادتی سرزد نہ ہو جائے۔ غلطی کی صورت میں خود اپنی ذات کو بھی قصاص کیلئے پیش کرنے میں کوئی عذر نہیں سمجھتے تھے۔ آپ نے کسی بات پر ایک آدمی کو سزا دی تو وہ بول ”میں تو ان دو آدمیوں سے بھی زیادہ محتلو ہوں ایک وہ آدمی جو پہلے نادان تھا پھر اسے علم ہو گیا۔ دوسرا وہ آدمی جس نے کوئی غلطی کی تو اسے معاف کر دیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے اس سے کہا ”تو نے سچ کہا تو مجھ سے بدلہ لے لے۔“ راوی کا بیان ہے کہ اس آدمی نے آپ کو معاف کر دیا۔<sup>(۳)</sup>

ایک اور روایت میں ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کچھ مردوں اور عورتوں کو جو ایک حوض پر بھیڑ لگائے ہوئے تھے مار مار کر روٹی کھاتا ہے کہ اس کے بعد آپ کی دعا قات غلّی سے ہوئی تو انہوں نے آپ سے پوچھا (کہ کیا بات ہے) آپ نے فرمایا ” (میں نے ایک ایسا کام کیا ہے جس کے سبب مجھے ڈر ہے کہ میں ہلاکت کا لقمہ بن گیا۔“ اس پر علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”اگر آپ نے ان لوگوں کو کسی دشمنی یا کین و بدخواہی کے سبب مارا ہے تو بلاشبہ آپ نے اپنی ہلاکت میں لے لی، لیکن اگر آپ نے خیر خوی اور اصلاح کے جذبے کے تحت مارا ہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ آپ کی حیثیت ہی عمر ان کی ہے۔ آپ کا تو کام ہی ادب اور سلیقہ رکھنا ہے“<sup>(۱)</sup>۔ آپ دلوں کو باہر دہاں کے حقوق اور اپنی ذمہ داریاں گنوائے تاکہ وہ آپ کی کھوکھلی کارکردگی کو عمل کے پیمانوں سے بائیں اور عدم اطمینان کی صورت میں دنیاوی میں وہ دھوکے پر تھیں۔ ”لوگو! مجھ پر تمہارے سلسلہ میں کچھ ذمہ داریاں ہیں جن کو میں تمہارے سامنے لگاتا ہوں۔ تمہیں چاہئے کہ ان کے بارے میں میرا احتساب کرتے رہو۔ میری ذمہ داری ہے کہ تمہارے خراب اور فاسق کی رقیبیں ان کے مقررہ طریقوں سے ہی وصول کروں اور یہ کہ جب یہ اموال میرے ہاتھ میں آجائیں تو اپنے مناسب مصارف میں صرف ہوں۔ تمہارے سلسلہ میں میری ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ انشاء اللہ میں تمہارے عطایا اور وظائف میں اصرار کروں اور تمہاری سرحدوں کی حفاظت کا انتظام کروں نیز میری ذمہ داری ہے کہ تمہیں ہلاکت کے منہ میں نہ دھکیوں اور (گھر سے دور) سرحدوں پر زیادہ طویل عرصہ نہ مامور رکھوں۔“<sup>(۲)</sup>۔

آپ کی ان واضح پالیسیوں سے لوگ مطمئن رہتے تھے۔ وہ آپ اور آپ کی ایڈمنسٹریشن کے دس و جان سے گریہ و رنج تھے۔ آپ لوگوں کو اعتماد میں لینے کیلئے ان کے سامنے یہ دعویٰ کرنے میں حق بجانب تھے جو دور و شام کے مواقع پر آخری تقریر میں آپ نے کیا تھا اور خلق خدا اس کی گواہ تھی ”تم اگاہ ہو جاؤ کہ میں نے اپنے دور خلافت میں تمہارے وہ تمام حقوق ادا کئے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر مقرر کئے تھے۔ ہم نے تمہارے مال غنیمت اور گھروں کی تقسیم میں عدل و انصاف سے کام لیا۔ اس طرح تمہارے جنگی امور میں بھی انصاف کیا اور جو تمہارے حقوق تھے وہ سب ادا کئے۔ ہم نے تمہارے لئے فوجوں کا انتظام کیا۔ تمہاری سرحدوں کی حفاظت کی، تمہیں آباد کیا اور جہاں تک تمہارا مال غنیمت حاصل ہوا اس کے مطابق ہم نے تمہیں وسیع حصہ دیا اور تمہاری غذاؤں پوری کیں۔ ہم نے حکم دیا کہ تمہیں عطیات اور وظائف دیئے جائیں اور تمہیں ہر ممکن امداد دی جائے۔ جسے کچھ معلومات حاصل ہوں اسے چاہئے کہ وہ اس پر عمل بھی کرے اور ہمیں بھی اطلاع دے انشاء اللہ ہم اس پر عمل کریں گے تمام اختیار اللہ ہی کو حاصل ہے“<sup>(۳)</sup>۔ ”حقوق کی ادائیگی کا عظیم کام منتظمیں کیسے سرانجام دے سکتے ہیں؟ اس بارے میں آپ نے نہایت اہم انتظامی گرتیاں کیں۔ روایت میں آتا ہے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ”(امور مسلمین کی تدبیر کا) یہ کام اسی وقت خوش اسلوبی سے انجام پا سکتا ہے جب کہ جبر و ظلم سے کام لے بغیر سختی برتی جائے اور کمزوری دکھائے بغیر نرمی کا سوکھ کیا جائے“<sup>(۴)</sup>۔

۴۔ سادہ زندگی۔

فاروق اعظمؓ کے نزدیک سرکاری اہلکاروں کے ضابطہ اخلاق میں ایک بات سادہ زندگی بھی ہے۔ اس کا اس رہن سہن، خورد و نوش اس وقت کے ”وسط درجے کے آدمی کے برابر ہونا چاہئے تاکہ نہ تو وہ نفسیاتی اور ذہنی طور پر کسی فخر و غمخیز میں مبتلا ہوں اور نہ ہی عملی طور پر اس کے اور عوام کے معیار زندگی میں ایسا فرق ہو کہ وہ مختلف طبقات میں شمار ہوں۔ معاشرے میں ان کی عزت و وقار اور محبت و عقیدت کی بنیاد عوامی خدمت ان کے ساتھ اخلاص و ہمدردی، عدل و انصاف اور اس سے گہرا سماجی تعلق ہو۔ وہ انہیں اپنا اپنے میں سے ہی اور اپنے ہی جذبات و احساسات کا ترجمان اور اپنے ہی مفادات کا محافظ سمجھیں۔ یہ وہ چیز ہے جو

حاکم و محکوم اور منتظمین و کارکنان کے فرق کو منہ دیتی ہے۔ اس کے باہمی تعلقات کو مصوطہ کر کے انہیں "بنیاں مخصوص" کی شکل میں ڈھال دیتی ہے۔ بڑے بڑے مہدوں کی کشش اور مادی لالچ اور ان کا سماجی کردار اعتدال پر آجاتا ہے۔ ان کے پیچھے پکے کار جہاں ختم ہو جاتا ہے۔ لوگ انہیں عظیم دمہ داری 'ناگزیر' بوجھ اور مانت سمجھ کر قبول کرتے ہیں۔ ان کے تقاضے پورا کرنے کیلئے اپنا تسلسلہ ذمہ لگاتے ہیں۔ آپ کا اپنا طرز عمل بھی انتہائی سادگی کا تھا اور آپے عمال کو بھی اس کا پابند بناتے تھے۔ اس کی وجہ سے نہ تو آپ کے مہد میں آپ کی عزت و توقیر انتظامی گرفت اور شان و شوکت میں کمی آئی اور نہ ہی بعد کے ادوار میں اس کی وجہ سے آپ کو کمتر سمجھا جاتا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ کے کامیاب حکمران و منتظم قرار پانے لوگوں کے دلوں پر حکومت کرنے اور آپ کے رعب و دہشے کو مثبت شکل دینے میں ایک اہم کردار اس رہ و سادگی کا بھی تھا۔ دور جدید میں اعلیٰ سے اعلیٰ کو نمایاں دفاتر کاریں اور دیگر سہولیت رکھنے والے افسر اس سے محروم ہیں۔ حضرت عمرؓ اس مرحلہ کو قطعاً جائز نہیں سمجھتے تھے کہ امت کے مال میں سے ضرورت کے بغیر کچھ بھی صرف کیا جائے۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ "میرے نزدیک یہ ماں ایسا ہے کہ تیں باتیں پائی جائیں تو یہ مال صحیح ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ مال حق کے مطابق لیا جائے حق کے مطابق دیا جائے" بیٹے اور بیٹے میں ناجائز طریقے اختیار نہ کیے جائیں۔ تمہارے مال کے سلسلہ میں میری مثال بل جیم کے دل کی سی ہے یعنی اگر میرے پاس مال ہو اور مجھے اس مال میں سے لینے کی ضرورت نہ ہو تو میں اس مال سے احتراز کروں گا اور اگر میں فقیر ہوں گا تو میں جائز طریقے سے اپنے کھانے کیلئے لوں گا" (۱)۔

حضرت عمرؓ نے ایک ایسی مجلس میں جس میں اصف بن قیس بھی تھے خود اس امر کی تحدید کی کہ انہیں امت کے مال سے کس قدر لینے کی اجازت ہے چنانچہ اصف بیٹا کرتے ہیں کہ ہم حضرت عمرؓ کے دروازے پر بیٹھے تھے کہ ایک لونڈی آئی۔ ہم نے کہا کہ یہ امیر المؤمنین کی لونڈی ہے۔ اس نے کہا کہ "میں نہ امیر المؤمنین کی لونڈی ہوں اور نہ ان کیلئے حلال ہوں بلکہ میں اللہ کا مال ہوں۔" راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد وہ اپنی چلی گئی اور حضرت عمرؓ باہر آئے اور آپ نے ہم سے دریافت فرمایا کہ "تمہارا کیا خیال ہے میرے لئے اللہ کا مال کس حد تک حلال ہے؟" ہم نے کہا کہ "امیر المؤمنین زیادہ بہتر جانتے ہیں۔" آپ نے پھر پوچھا ہم نے پھر وہی جواب دیا۔ آپ نے فرمایا کہ "اگر تم چاہو تو میں تمہیں بتا دوں کہ میں اس میں سے کیا حلال سمجھتا ہوں۔ بس حج اور عمرہ کیلئے ایک سواری، سردی اور گرمی کا لباس اور پیٹ بھرنے کے بقدر اہل خانہ کی روزی اور وہ حصہ جو مسلمانوں کو ملتا ہے کیونکہ میں بھی مسلمانوں میں سے ایک ہوں۔" معمر کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ حج اور عمرہ کیلئے جاتے تھے تو آپ کے پاس صرف ایک اونٹ ہوتا تھا" (۲)۔ "یہ بیت المال سے آپ کی تحفہ کا معیار تھا اس کی سطح اوپر سے آپ کے آدمی کے برابر تھی اس میں صدائی اخراجات مثلاً پھل وغیرہ شامل نہیں تھے۔ چنانچہ بتائی روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ خیفہ بنے تو آپ اور اپنے اہل و عیال کا کھانا بیت المال سے لیتے اور پھل آپ اپنے جیب خاص سے خرید کر لے جاتے تھے" (۳)۔

بقول رواں یہ سائن بھی جس کا بوجھ آپ بیت المال پر ڈالتے تھے حد درجہ معمولی ہو اگر تاہم کسی طور پر بھی وہ اس سائن سے بہتر نہ ہو تا جو اس وقت کے شہد ست گھرانوں کو میسر نہ تھا اور اس معاملہ میں حضرت عمرؓ تمام مسلمانوں کی خوشحالی اور تنگ حالی کو ملحوظ رکھ کر کرتے تھے۔ اگر مسلمانوں پر خوشحالی ہوتی تو حضرت عمرؓ اپنے لئے بھی نسبت سہولت اختیار فرماتے، اور اگر مسلمانوں پر تنگی کا دور ہوتا تو حضرت عمرؓ بھی اپنے اہل و عیال کیلئے تنگی برقرار رکھتے۔ لوگوں نے تنگی اور قحط ساری کے زمانے میں حضرت عمرؓ کو اپنی ذات پر اور اپنے اہل و عیال کیلئے تنگی برقرار رکھتے خود دیکھا اور یہ بھی کہ آپ خلیفہ وقت ہوئے کے باوجود اس معیار کی غلہ استعمال نہ فرماتے جو آپ کو اپنے اہل بار فراض منہی کی "دائمی" کیلئے قوت بخش ہو" (۴)۔ چنانچہ ام المؤمنین حضرت حفصہؓ مطہرہ اور عبد اللہ بن عمرؓ حضرت عمرؓ

(۱) بیرونی، ۳۶۱، ص ۲۷۶ (۲) عبد اللہ بن عمرؓ، ۲۷۶/۳، ص ۲۸۸، بیرونی، ۱۰۷/۱۰، ص ۱۰۷ (۳) بیرونی، ۱۰۷/۱۰، ص ۱۰۷ (۴) رواں، ۱۰۷/۱۰، ص ۱۰۷

کے پاس آئے اور ان سب نے آپؐ سے سسے میں گفتگو کی، اور کہا کہ اگر آپؐ عہدہ خدا استعمال کرتے تو وہ آپؐ کو حق کی خدمت کیلئے زیادہ قوت مہیا کرتی۔ آپؐ نے فرمایا ”کہ کیا تم سب کی یہی رائے ہے؟“ سب نے کہا ”جی ہاں“ تو آپؐ نے کہا کہ ”مجھے معلوم ہے کہ تم خیر خواہی سے بات کر رہے ہو لیکن میں نے اپنے دو سو ساتھیوں کو اسی راستے پر دیکھا ہے۔ اگر میں اس کا راستہ چھوڑ دوں گا تو میں اس کی منزل پانے میں کامیاب نہیں ہو سکتا“<sup>(۱)</sup>۔ ایک مرتبہ لوگوں پر قحط کا سماں آیا تو حضرت عمرؓ نے سارے سال گھی استعمال نہ کیا اور نہ کوئی روغن پیر تا آنکہ قحط دور ہو گیا اور لوگ خوشحال ہو گئے<sup>(۲)</sup>۔ قحط کے سال حضرت عمرؓ تیل سے روٹی کھاتے رہے یہاں تک کہ آپؐ کے پیٹ سے قرقری آواز آنے لگی مگر آپؐ نے فرمایا کہ ”خواہ تو کتنا ہی قرقر کر جب تک گھی فروانی سے بازار میں نہیں آجاتا تجھے اسی طرح تیل کھانا پڑے گا“<sup>(۳)</sup>۔ ”مام، ملک نے موطا میں روایت لیا ہے کہ حضرت عمرؓ گھی سے روٹی کھا رہے تھے کہ آپؐ نے ایک شخص کو بلایا جو دیہات سے آیا تھا۔ وہ گھی کھانے میں شریک ہو گیا اور گھے پر لقمہ بیٹے لگا اور پیالہ پر لگا ہو گئی پانے لگا۔ حضرت عمرؓ نے اس سے پوچھا کہ تم تنگدست ہو تو اس نے کہا کہ خدا کی قسم میں نے اتنی مدت سے گھی نہیں کھیا اور نہ کسی کو کھاتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ ”میں گھی نہیں کھاؤں گا جب تک کہ لوگ اسی طرح کی غذا نہ کھانے لگیں جیسی پہلے کھیا کرتے تھے“<sup>(۴)</sup>۔

آپؐ نے اپنی خورد و نوش کا معیار اس لئے عام آدمیوں کی سطح پر رکھتے تھے تاکہ آپؐ کو ان کی مشکلات و تکالیف کا احساس رہے اور آپؐ کی آل و اولاد بھی اپنے آپ کو عوام ہی کے برابر سمجھے۔ جہاں تک آپؐ کے لباس کا تعلق ہے وہ بھی آپؐ کے فرمان کے عین مطابق ہوتا تھا یعنی ایک جوڑا گرمیوں میں اور ایک سردیوں میں اسی طرح عہد خلافت گزار دیا۔ جو لباس پہنتے تھے اس پر کئی کئی پیوند ہوتے تھے۔ حضرت حسنؓ سے مروی ہے کہ عمر بن الخطابؓ کی تہہ بند میں بارہ پیوند تھے جن میں بعض چمڑے کے تھے حالانکہ وہ میر المومنین تھے<sup>(۵)</sup>۔ حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ میں نے عمرؓ کے بدن پر تہہ بند دیکھی جس میں چودہ پیوند تھے بعض چمڑے کے تھے۔ ان کے بدن پر کرتا تھا نہ کسی چادر کا نمہ بندھا ہوا تھا۔ ان کے پاس درہ تھا اور مدینے کے بازار میں گھوم رہے تھے<sup>(۶)</sup>۔ ایک مرتبہ آپؐ جمعہ کی نماز میں تاخیر سے پہنچے آپؐ نے ایک سنہالی کرتہ پہنا ہوا تھا۔ آپؐ نے منبر پر چڑھ کر لوگوں سے معذرت کی اور فرمایا ”مجھے صرف اس کرتے نے روکا میرے پاس سوائے اس کے دوسرا کرتہ نہ تھا اور یہ سیاہا تھا۔“ ایک اور روایت کے مطابق اس کا حال یہ تھا کہ آپؐ اپنی استین کو کھینچنے لگے جب چھوڑتے تو آپؐ کی ہاتھوں کے کناروں کی طرف پٹ جاتی<sup>(۷)</sup>۔ آخری مرتبہ جب شام کے علاقوں میں تشریف لے گئے تو مہاجرین انصار کی ایک جماعت بھی آپؐ کے ساتھ تھی۔ آپؐ اپنے پہنچے تو وہاں کے ہشپ کو اپنی قمیص اتار کر دی جو طویل سفر کی وجہ سے پٹ گئی تھی۔ آپؐ نے فرمایا ”تم اسے دھو کر اور پیوند لگوا کر دو۔“ وہ قمیص لے گیا اور اسے دھو کر اس میں پیوند لگوا دیا اور اس جیسی دوسری قمیص بھی سوا کر ساتھ لے آیا۔ آپؐ نے پوچھا ”یہ کیا ہے؟“ ہشپ نے کہا ”یہ قمیص تو آپؐ کی ہے جو میں نے دھوا دی ہے اور پیوند لگوا دیا ہے اور یہ دوسری میری طرف سے ہے۔“ آپؐ نے اسے دیکھ کر داپس لوٹا دیا اور فرمایا ”میری قمیص پسینے کو زیادہ جذب کرتی ہے“<sup>(۸)</sup>۔ اس موقع پر ابو عبیدہؓ نے لباس بدلنے کا مشورہ دیا تو آپؐ نے، فسوس کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا ”ہماری عزت سلام سے ہے“<sup>(۹)</sup>۔ ایک مرتبہ آپؐ نے حج پر آنے جانے میں صرف پندرہ سولہ دینار یا ایک سو اسی درہم صرف کئے۔ اس پر بھی آپؐ نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کہنے لگے ”ہم نے اس مال میں اسراف کیا“<sup>(۱۰)</sup>۔ مدینے سے آنے جانے میں نہ تو کوئی خیمہ نصب کیا اور نہ ہی کسی عمارت کا سایہ لیا صرف چمڑے کا بچھوٹا اور چادر درخت پر ڈال کر آرام کر لیتے<sup>(۱۱)</sup>۔

(۱) عبد شراف ۲۲۳، ۱۰، سیوطی ۱۲۸، کبیر ۱۱/۱۳۱، (۲) سعد ۳/۳۱۳، (۳) ہذا، سیوطی ۱۳، (۴) مالک ۹۳۳، (۵) سعد ۳/۳۲۸، (۶) ہذا ۲۲۹، (۷)

سعد ۳/۳۲۹، (۸) کبیر ۱۱/۱۳۵، طبری ۱۱/۱۶۱، (۹) حاکم ۱/۶۲، (۱۰) مسعودی ۲/۲۷۰، سعد ۳/۳۰۸، (۱۱) ہذا ۲۷۹، ۳

یہ آپ کی سادگی کی بیسیوں مثالوں میں سے صرف چند نمونے کے طور پر پیش کی گئی ہیں۔ ایسی حالت میں جبکہ آپ حکومت کے اعلیٰ ترین انتظامی عہدے پر فائز تھے۔ پی عملی زندگی کا یہ درخشندہ اسوہ پیش کرنے کے بعد آپ یہ استحقاق رکھتے تھے کہ اپنے عمال اور رعایا کو بھی سادہ زندگی بسر کرنے کی تلقین کر سکیں۔ آپ کے، تحفوں پر یہ واجب تھا کہ آپ کی خواہش کے آگے سر تسلیم خم کر دیں۔ ایک مرتبہ آپ کھانا سامنے رکھ کر کھانے ہی والے تھے کہ غلام نے آکر اطلاع دی کہ (آپ کے ایک عامل) عتبہ ابی فرقدہ دروازے پر کھڑے ہیں آپ نے نہیں اندر بلا دیا۔ انہوں نے دیکھا کہ آپ کے سامنے روٹی اور ریون رکھا ہے۔ حضرت عمرؓ نے انہیں کہا کہ ”قرب اکو پھر انہیں کھانے میں سے کچھ دے۔“ وہ کھانا کھانے لگے تو تابعدار مزہ تھا کہ نکل ہی نہ سکے کہے لگے ”اے امیر المومنین! کیا آپ کیسے عمدہ کھانا (مائدہ) نہیں ہے؟“ آپ نے جواب دیا ”کیا وہ تمام مسلمانوں کیلئے ہو سکتا ہے؟“ انہوں نے کہا ”نہیں“ پھر آپ نے فرمایا ”اے عتبہ تم پر فسوس ہے کیا تم چاہتے ہو کہ میں (چند روزہ) کوئی زندگی میں مزید رکھاتا کھاؤں؟“ (۱)۔

آپ کے عمال بھی آپ ہی کے طرز عمل کی عموماً پیروی کرتے تھے کیونکہ آپ کے مقرر کردہ ضابطہ اخلاق میں اس کو بنیادی حیثیت حاصل تھی چند مثالیں حسب دیل ہیں۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے شام کے گورنر مقرر کئے گئے تھے۔ وہ کمر درے اون کا مونا لباس پہنتے تھے۔ ایک بار ان کے کچھ قریب تر لوگوں نے ان سے کہا ”ہمارے گرد و نواح میں دشمن رہتے ہیں آپ ماشاء اللہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گورنر ہیں آپ بھی اس نوح کے حکمرانوں کی طرح در، ٹھانٹھ ہانٹھ اور شان و شوکت سے رہ کریں تاکہ ان پر آپ کا اچھا اثر پڑے۔“ عبیدہ بن جراح نے جواب دیا ”رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک میں جس طرح زندگی بسر کرتا تھا کیا اسے ترک کر دوں؟“ (۲)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقررہ ایک عامل سلمان فارسیؓ تھے جو مدینہ کے گورنر مقرر کئے گئے تھے۔ وہ موسیٰ صوف کا لباس پہنتے تھے اور گدھے کی نگلی چنچہ پر سواری کرتے تھے جو کی روٹی کھاتے تھے در ہمیشہ ریاضت الہی میں مصروف رہتے تھے (۳)۔ آپ کے ایک اور عامل حضرت سعید بن عامر کا ذکر پیسے ہو چکا ہے کہ وہ اپنا کھانا بھی خود تیار کرتے تھے اکپڑوں کا صرف ایک جوڑا تھا اسے بھی خود ہی دھوئے تھے در سکھا کر پہنتے تھے (۴)۔ آپ عمال کو خطوط کے ذریعے بھی عیش و عشرت سے اجتناب کرنے کی تلقین فرماتے تھے تاکہ وہ سادگی کو اپنائیں۔ ابو عثمان کہتے ہیں کہ ہم لوگ آذربائیجان میں تھے کہ حضرت عمرؓ کا ایک خط ہم تک پہنچا۔ اس میں لکھا تھا ”عتبہ بن فرقدہ تمہیں عیش و عشرت سے گریزاں رہے، مشرکوں کے لباس در ریشم سے پرہیز بھی اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں قیث سے باز رہنے کا حکم دیا ہے (۵)۔“

آپ اس کو اعتدال میں رکھنا چاہتے تھے اور اس کو ایک تہذیبی عامت سمجھتے تھے۔ آپ ہی طور پر سمجھتے تھے کہ غیر مسلم قوموں کا شبہ اختیار کرنا اور عیش کو شہ میں ان کا مقابلہ کرنا مسلمانوں کے تشخص اور اعلیٰ اوصاف کو گھن کی طرح دکھ جائے گا۔ خاص طور پر عربوں کی روایتی خصوصیات گہنا جائیں گی چنانچہ فرمایا ”تم لوگ لباس کا پور پورا حق ادا کر سکتے ہو مگر شرط یہ ہے کہ تمہاری بدوی سخت کوشی اور مردانگی قائم رہے اور تمہیں سل عدنان ہونے کا احساس رہے“ مسلمانوں کو غمی قوموں کے تنعم سے دور رہنا چاہئے اور ان کی چیز یہ پوشی سے بھتاب کرنا چاہئے۔ ریشم اور حریر پہننے سے انہیں خاص طور پر گریز کرنا چاہئے اس لئے کہ سردار دو جہاں ﷺ نے منع فرمایا ہے (۶)۔ ”آپ یہ چاہتے تھے کہ عمال کے ساتھ ساتھ معاشرے کے معزین میں کفایت شعاری کو اپنائیں اور معاشرے کے غریبوں اور ناداروں کا خیال کریں کیونکہ اگر وہ اپنے معیار زندگی میں بہت زیادہ بلندی و تفاوت پیدا کریں گے تو ان کے دلوں میں احساس کمتری پیدا ہو گا اور یہ کبھی نفرت میں تبدیل ہو کر معاشرے کی بنیادوں کو ہلا سکتا ہے۔“



حضرت عمرؓ نے حضرت عتبہؓ کو تحریر کیا کہ وہ بصرہ کی فوج میں سے دس افراد کا ایک وفد بھیجیں چنانچہ حضرت عمرؓ کی طرف ایک وفد روانہ ہوا جس میں اصف بن قیس بھی شامل تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان سے سوالات کئے انہوں نے کہا ”لوگ اس حالت پر ہیں کہ جیسا آپ چاہتے ہیں۔“ آپ نے فرمایا ”اب تم اپنے ٹھکانوں پر جاؤ۔“ چنانچہ وہ اپنے ٹھکانوں پر چلے گئے۔ آپ نے ان کے لباس پر نگاہ ڈالی تو آپ نے ایک کپڑا دیکھا جو باہر نکلا ہوا تھا۔ آپ نے اس کو سونگھا پھر فرمایا ”یہ کس کا ہے؟“ حضرت اصف نے کہا ”میرا ہے۔“ آپ نے فرمایا ”تم یہ کتنے میں خریدو؟“ انہوں نے کہا ”تقریباً آٹھ (درہم) اس کی قیمت بتائی اور اصل قیمت سے کچھ کم رقم بتائی کیونکہ انہوں نے مارہ درہم میں سے خرید لیا تھا۔“ آپ نے فرمایا ”تم نے اس سے کم کا (لباس) کیوں نہیں خریدا؟ تم اس زائد رقم سے کسی مسلمان کو فائدہ پہنچا سکتے تھے۔ تم تصوف خرچی سے بچو تاکہ تم جانی اور مالی فائدہ حاصل کر سکو۔ اسلاف مت کرو ورنہ تمہیں جانی اور مالی دونوں صورتوں میں نقصان ہوگا“<sup>(۱)</sup>۔ حضرت ابو بکرؓ عمرؓ کی سادگی کو دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بالکل بجا فرمایا تھا کہ ”اللہ تعالیٰ نے ابو بکرؓ کو عموماً قیامت تک کے بادشاہوں کیلئے حجت بنایا ہے۔ خدا کی قسم وہ دونوں سبقت لے گئے اور اپنے بعد آنے والوں کو مشکل میں ڈال گئے ان کی یاد امت کو ٹٹکیں کرتی ہے اور سرداروں کیلئے موجب طعن ہے“<sup>(۲)</sup>۔ آپ کے اس ضابطہ اخلاق سے عوامی مناصب پر فائز افراد کیلئے عصر حاضر میں حالات و زمانہ کی رعایت کو ملحوظ رکھتے ہوئے حسب ذیل رہنما اصول مقرر کر سکتے ہیں۔

○ عمال کا معیار زندگی عیاشانہ اور طبقہ دارانہ نہیں ہونا چاہئے۔ وہ اوسط درجے کا ہو تاکہ پورے اعتماد کے ساتھ اوپر در نیچے والے لوگوں کے درمیان راہ نکلیں۔ آپ نے اپنی ذات کے معاملے میں جو سختی کی، اسے دوسرے عمال پر اس طرح لاگو نہیں کیا کہ وہ بھی بچنے ہوئے کپڑے پہنیں ہاں البتہ ایک مثال قائم کر دی کہ اگر حالات کا تقاضا ہو تو یہ بھی کیا جاسکتا ہے۔

○ اوسط درجے کا معیار حتمی طور پر مقرر نہیں کیا جاسکتا۔ اس کا تعلق کسی بھی ملک اور زمانے کے معاشی حالات سے ہے۔ اس لئے سادہ زندگی کی سطح بھی لازمی طور پر بلند ہوگی۔ آپ کے عہد میں عہد نبوی کے مقابلے میں سب پناہ ترقی و فراخی ہوئی۔ پورے معاشرے کا معیار بلند ہوا۔ آپ نے خود اس میں اہم کردار ادا کیا۔ آپ نے صرف عیش کو شہی اور سراف سے منع فرمایا ہاں البتہ اپنی ذات کو عہد نبوی ﷺ کے معیار پر رکھا۔ یہاں تک صحابہ کرامؓ نے مل کر کوشش کی کہ اپنے معیار کو دوسرے لوگوں کی طرح بلند کریں لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ دور جدید میں نظمیہ عامہ سے وابستہ لوگوں کو ملک کے مجموعی حالات کے سامنے رکھ کر زندگی گزارنی چاہئے جو سادگی کے زمرے میں آئے نہ کہ عیاشی کے۔

○ ناگہانی وفات اور قحط سالی کے دنوں میں عمال و افسران کیلئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ مشکلات و تکالیف میں لوگوں کے ساتھ شریک ہوں۔ اپنے معیار میں کمی کر کے ذاتی اور سرکاری وسائل کو عوام کی مشکلات و تکالیف دور کرنے میں لگا دیں۔ عام حالات میں جو معیار ان کیلئے مہلک تھا اب مکروہ اور حرام کے درجے میں آسکتا ہے۔

○ افسران کو اپنی تنخواہ اور آمدنی کے مطابق معیار کا تعین کرنا چاہئے۔ اگر ان کی آمدنی کے دیگر جائز ذرائع ہوں تو غرور و تکبر کی خاطر نہیں بلکہ شرفیافہ طور پر حقیقی ضروریات کے مطابق کچھ اصرار کر سکتے ہیں۔ آپ نے علاقائی ضرورت اور حکمت کی بنا پر حضرت امیر معاویہؓ کے فراخی اختیار کرنے کو نظر انداز کیا تھا۔

○ جہاں تک سرکاری وسائل کا تعلق ہے ان کا ذات کی خاطر یہ نمود و نمائش پر بوجھ استعمال یا سرکاری اجناسوں میں لالچ تلے کرنے سے آپ نے خود بھی مکمل طور پر اجتناب کیا اور افسران کو بھی ایسا نہیں کرنے دیا۔ اس اخراجات صرف اس قدر ہونے چاہئیں جو بہت ضروری ہوں اور مکمل کفایت شعاری اختیار کرنی چاہئے۔

○ سب نے باس 'خوردنوش' طرر زندگی وغیرہ میں غیر مسلموں کے ساتھ کب سے سختی سے منع کر دیا کیونکہ وہ تہذیبی دشمنی کا معاملہ ہے۔ افسران کی طرف سے انہیں اختیار کرنا دگوں کیلئے باعث تقلید بن سکتا ہے۔ اس سے پورے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہونے کا امکان ہوتا ہے۔ اس لئے آپ نے حدیث کی بنیاد پر اس سے سختی سے روکا اور ہدایت دیں۔

##### ۵۔ معتدل رویہ:

پبلک ایڈمنسٹریشن کا براہ راست عوام کے ساتھ تعلق ہوتا ہے 'لوگ' چاہیں یا نہ چاہیں بے شمار معاملات میں لوگوں کو ان سے واسطہ پیش آتا ہے۔ اجتماعی مشکلات کا حل ان کے پاس ہوتا ہے 'حکومت کی پالیسی اور فیصلوں کو نافذ کرنے کیلئے انہیں عوام سے رابطہ کرنا پڑتا ہے۔ اس صورتحال میں اکثر و بیشتر افسران کا رویہ بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے 'وہ انتظامی معاملات کو بنا بھی سکتا ہے اور بگاڑ بھی۔ پھر ایک اور اہم پہلو یہ ہوتا ہے کہ مختلف افراد گروہوں 'قوموں' مذہبوں اور علاقے کے دگوں کے مزاج و طبائع مختلف ہوتے ہیں۔ ان سے معاملہ کرتے وقت ایک منتظم کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ اس کو سامنے رکھے 'اس طرح یہ ایک فنی معاملہ بن جاتا ہے۔ نظریہ عامہ کے ضابطہ اخلاق میں یہ بات شامل ہے کہ اس کا رویہ نہایت معتدل ہو 'اس سے مراد یہ ہے کہ سختی اور نرمی دونوں کو استعمال کرنے میں توازن سے کام لیا جائے۔ صورتحال کے مطابق جب 'جہاں اور جتنی ضرورت ہو اتنا ہی انہیں استعمال کیا جائے۔ آپ نے انتظامی معاملات کے بارے میں فرمایا "یہ کام اسی وقت خوش اسلوبی سے انجام پا سکتا ہے جبکہ ظلم و جبر کے بغیر سختی برتی جائے اور کمزوری و سستی دکھائے بغیر نرمی کا سلوک کیا جائے" (۱)۔

یہ نہایت اہم پہلو ہے کہ ریاست کو امن و امان 'انظم و ضبط اور ظلم و استعمار کے خاتمے کیلئے اور بسا اوقات مفاد عامہ کے سلسلے میں اہم پالیسیوں کو نافذ کرنے کیلئے مختلف اداروں کے ذریعے سخت موقف اور طریقہ کار اختیار کرنا پڑتا ہے 'لیکن اس میں ظلم و جبر نہیں ہونا چاہئے بلکہ عدل و انصاف کے تقاضے پورے ہوں۔ طاقت اور قانون کا اندھا دھارہ دورِ بے دریغ، مستعمل ریاست کی ساکھ اور وقار کو ختم کر دیتا ہے۔ عوام اور افسران کے مابین ایسی دوری پیدا ہو جاتی ہے 'جن کو پائیدار بنانا ہو جاتا ہے اور مسائل میں کہیں زیادہ اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہی نرمی کا معاملہ ہے 'مگر حکومتی ادارے کسی معاملے کو اس حد تک بگاڑ لیتے ہیں کہ اس میں مجبوراً نرمی کرنی پڑتی ہے 'تو یہ ان کی کمزوری کا پہلو ہوتا ہے۔ اس سے عوام کے رد عمل میں ایسے رجحان کو تقویت ملتی ہے 'جب چاہیں مجبور کر کے وہ چیز حاصل کر لیں جس کا انہیں حق حاصل نہیں ہے۔ حضرت شعبہ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کسی ملے بے پر کسی کو حاکم مقرر کر کے بھیجتے تو آپ ان کے بارے میں فرماتے "اے اللہ! میں نے نہیں اس لئے مقرر نہیں کیا ہے کہ دگوں کا مال چھینیں اور انہیں زرد کو ب کریں جو حاکم کسی پر ظلم کرے تو وہ میرے نزدیک حکومت کے لائق نہیں" (۲)۔

محمد بن زید سے مروی ہے کہ علیؓ اور عثمانؓ اور طلحہؓ اور زبیرؓ اور عبدالرحمن بن عوفؓ اور سعدؓ سب مل کر جمع ہوئے ان میں سب سے زیادہ عمرؓ سے پاک (بے تکلف) عبدالرحمن بن عوفؓ تھے۔ سب نے عبدالرحمن بن عوفؓ سے کہا کہ "آپ امیر المؤمنین سے لوگوں کیسے گفتگو کرتے (تو بہتر ہوتا) کیونکہ انسان طالب حاجت بن کر آتا ہے اسے آپ کی حیثیت اپنی حاجت بیان کرنے سے روکتی ہے اور وہ بعیر اپنی حاجت بیان کئے واپس چلا جاتا ہے۔" عبدالرحمنؓ ان کے پاس گئے اور کہا "اے امیر المؤمنین! لوگوں پر نرمی کیجئے کیونکہ آنے والا آتا ہے اسے آپ کی حیثیت اپنی حاجت بیان کرنے سے روک دیتی ہے اور وہ واپس چلا جاتا ہے آپ سے گفتگو نہیں کرتا۔" فرمایا "اے عبدالرحمنؓ! میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ جو کسی علیؓ اور طلحہؓ اور زبیرؓ و سعدؓ نے تمہیں اس بات کا مشورہ دیا "اسوں" کہا "جی ہاں!" فرمایا "اے عبدالرحمنؓ! واللہ میں دگوں کیلئے نرم ہو گیا تھا مگر نرمی میں بھی اللہ سے ڈرا پھر میں نے ان پر سختی کی یہاں تک کہ سختی میں بھی اللہ سے ڈرا پھر رہائی کی کوئی صورت ہے؟"

عبدالرحمن اپنی چادر کو کھینچتے ہوئے لاریہ کہتے ہوئے غصے کہ ”آپ کے بعد لوگوں کیسے افسوس ہے آپ کے بعد لوگوں کیسے افسوس ہے“ (۱)۔ ایک مرتبہ قریش کے ایک فرد نے آپ سے کہا ”آپ کچھ نرم ہو جائیے“ آپ کی ہیبت نے لوگوں کو لرزادیا ہے۔ ”آپ نے پوچھا ”میری ہیبت میں ظلم تو شامل نہیں؟“ کہنے والے نے کہا ”نہیں“ آپ نے فرمایا ”اللہ میری ہیبت کو اور زیادہ کرے“ (۲)۔ یہی فرق ہے رویے کے صحیح اور غلط ہونے کا۔ افسران کار علیہ پر عیب بذات خود کوئی بڑی چیز نہیں اس کا ہونا انتہائی معاملات میں مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ لوگ اس وجہ سے خوفزدہ ہوتے ہیں کہ ان سے ظلم و زیادتی کا خطرہ ہے تو اس کا اثر بالکل مختلف ہوگا۔ معزز شریف اور نیک لوگ ان سے دور ہوتے جائیں گے ایسی ایڈمنسٹریشن خالصتہً ہوگی۔ رعایا کبھی بھی دلی دہائی اعتبار سے اس کو اپنا نہیں سمجھے گی اس کی ہمدرد و خیر خواہ نہیں ہوگی۔ حدیث نبوی کی رو سے ایسا حکم سب سے برا ہوتا ہے لوگ جس کے شر کے خوف کی وجہ سے اس کی عزت کریں۔ اس کے برعکس اگر عیس کی وجہ سے لوگ ہیبت زدہ ہیں تو یہی چیز امن و امان میں مددگار ہوتی ہے۔ ماتحت عمدہ اور عوام ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی سے باز رہتے ہیں۔ فاروق اعظم کا یہی تاثر تھا جو اتنی وسیع و عریض سلطنت میں امن و امان کی بنیاد تھا اسی کے اضافے کیلئے آپ نے دعا فرمائی۔ دور جدید میں بھی ہر افسر کے دائرہ عمل میں اس تاثر کا عملی بنیادوں پر قائم ہونا انتہائی ضروری ہے۔ ایک مرتبہ آپ ارشاد فرمایا ”اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے میرے دل میں ان کیلئے رحمتوں کے دلوں میں میرا عیب بٹھا دیا ہے“ (۳)۔

معتدل رویے کا اس بات سے گہرا تعلق ہے کہ خفی و نرمی کی صل اس کیسے کیا ہے؟ اگر ان دونوں کے پیچھے اصل محرک رحم و شفقت کا جذبہ ہو اور خلوص و خیر خواہی پائی جاتی ہو معاشرے کی بھلائی اور اجتماعیت کا مفاد ہو تو اس کی کیفیت اور ثمرات بالکل مختلف ہوں گے جس طرح گھر کے نظام میں والدین کرتے ہیں۔ اس میں اعتدال و توازن پایا جاتا ہے کبھی بدخواہی و ضرر کا شائبہ پیدا نہیں ہوتا جو چیزیں چلی بھی جاتی ہیں اور ان کے نتائج بھی مفید ہوتے ہیں۔ رعایا سے رویوں میں بھی اسی طرح گھر کا محسوس اور پرانہ شفقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ روایت میں ”تا ہے کہ آپ نے ایک شخص کے نام کسی عہدہ پر تقرری کا فرمان لکھ دیا۔ اس نے حضرت عمرؓ کے خاندان کا ایک بچہ آپ کے پاس آیا۔ آپ نے اسے اپنی گود میں بٹھالیا اور اسے بوسہ دیا بولا ”میں نے سچ تک کسی بچے کو گود میں نہیں بٹھایا نہ ہی بوسہ دیا ہے۔“ آپ نے فرمایا ”اگر اللہ نے تمہارے دل سے رحم و محبت کے جذبات چھین لئے ہیں تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ یاد رکھ اللہ تعالیٰ نے اپنی بندوں پر رحم کرتا ہے جو رحم و کریم ہوتے ہیں۔“ یہ کہہ کر آپ نے تقرری کا فرمان اس کے ہاتھ سے واپس لے لیا (۴) اور فرمایا ”بخدا! تو لوگوں کیسے نہایت کم رحمت رکھتا ہے میری سلطنت میں تو کسی عہدے پر فائز نہیں ہوگا“ (۵)۔ بالکل اسی طرح ایک مرتبہ آپ نے بنو مد کے ایک شخص کو اس بنا پر منصب سے محروم کر دیا کہ اس نے بچوں سے شفقت کے اظہار پر تعجب کا اظہار کیا تھا (۶)۔ آپ کا ارشاد ہے کہ ”آخرت کے معاملے کو چھوڑ کر ہر چیز میں رعایت اور داد و بخش دی جاسکتی ہے“ (۷)۔ اگر کسی کو کسی جرم میں سزا دی جائے تو اسے ہمیشہ برا نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ اس کی اصلاح کرنی چاہئے۔ اگر وہ آئندہ کیلئے صحیح راہ اختیار کر لیتا ہے تو وہ قائل عزت اور مستحق توجہ ہے۔ ایک مرتبہ فرمایا ”اپنے گناہوں سے تائب ہونے والوں کی صحبت اختیار کرو یہ لوگ دل کے بڑے رفیق ہوتے ہیں۔“ ایک اور مرتبہ ارشاد ہوا ”انسان کسی کام میں خطا کا ر ثابت ہوتا ہے تو اس کے بعد گمراہی و دھال میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس کی تقصیر کے گناہ و حل جاتے ہیں (۸)۔“ انسان ہونے کی حیثیت سے اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ حکومتی اہلکار کا رویہ کسی بھی وجہ سے اعتدال سے ہٹ جائے۔ ایسی صورت میں سے خود اپنا احتساب کرنا چاہئے۔ آپ کا اپنا طرز عمل بہترین رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

(۱) مسند ۳: ۶۸۸ طبرستان ۲: ۷۷: ۱۳۷۹ ح ۲) ۱۳۷۹ ح ۳) کبیر ۱۱: ۱۳۴ (۴) ح ۱۳۷۹: ۵) بیہقی ۹: ۴ (۶) ح ۱۳۷۹: ۷)

حضرت عیسیٰ سے روایت ہے کہ میں حضرت عمر بن الخطابؓ کے ساتھ تھا۔ آپ کو ایک شخص مدس نے عرض کی، "امیر المومنین میرے ساتھ چلے اور فلاں شخص پر میرا انصاف کیجئے کیونکہ اس نے مجھ پر ظلم کیا ہے۔" آپ نے اس کے سر پر اپنا درہ مار کر فرمایا "تم لوگ (وقت بے وقت) امیر المومنین کو جلاتے ہو" حالانکہ وہ خود تمہارے کاموں میں مستعد رہتے ہیں حتیٰ کہ جب وہ مسلمانوں کے کسی (اہم) کام میں مشغول ہوتے ہیں تب بھی تم ان کے پاس آکر فریادیں کرتے ہو۔" وہ شخص ملامت کرتا ہوا واپس لوٹ کر جانے لگا تو حضرت عمرؓ نے اس کو بلا کر اپنا درہ اس کے سامنے ڈال کر فرمایا "تم اپنا قصاص لے لو۔" اس نے کہا "نہیں میں اللہ کے واسطے اور تمہارے واسطے درگزر کرتا ہوں۔" آپ نے فرمایا "اب نہیں ہے بلکہ اللہ کے پاس اجر پانے کیلئے اللہ کے واسطے ہی درگزر کرو۔" اس نے کہا "میں اللہ کے واسطے چھوڑ دیتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ شخص چلا گیا۔ پھر دیر کے بعد پھر آیا اور دو رکعت نماز پڑھ کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا "اے امیر خطابؓ تو پست تھا" اللہ نے تجھ کو بلند کیا تو اگر اللہ نے تجھے ہدایت دی تو ذلیل تھا اللہ نے تجھے عزت دی پھر تجھ کو لوگوں پر حاکم بنایا۔ ایک شخص حیرے پاس داد خواہی کیلئے آیا تو نے اس کو مارا نکل تو جب اللہ کے پاس جائے گا تو اسے کیا جواب دے گا؟" اٹھ کہتے ہیں کہ اس معاملے میں حضرت عمرؓ اپنے آپ کو اس قدر ملامت کرتے تھے کہ ہمیں یقین ہو گیا کہ تمام زمین والوں سے آپ بہتر ہیں (۱)۔

## ۶۔ تھی کف سے اجتناب:

نظمیہ عامہ کے صابطہ اخلاق میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ تھی کف سے مکمل طور پر اجتناب کریں۔ رسول کرم ﷺ نے ان سے سختی سے منع فرمایا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس پالیسی کو اپنے عہد خلافت میں جاری و ساری رکھا۔ نہ تو خود کسی سے تحذیر قبول فرماتے نہ اہل خانہ کو لینے دیتے ورنہ ہی عمال و افسران کو اس کی اجازت دیتے یہ بھی رشوت کی ایک قسم ہے۔ اس سے دینے والا خوشامد، چاہی ہی ناجائز توقعات، غیر ضروری قرب، بلا جواز اعانت و مدد کا طالب ہوتا ہے جبکہ افسر خود غرضی، مفاد پرستی، غرور و دلالت اور زیادتی و نا انصافی کی راہ پر گامزن ہو جاتا ہے۔ رشوت و تحائف اور انہ کر سکنے والوں کے جائز کاموں میں بھی رکاوٹ ڈالتا ہے اور ان سے طمع رکھتا ہے اور ناجائز کاموں کو کرنے کا عادی بن جاتا ہے۔ اس سے کرپشن، اقربا پروری اور استحصال کو فروغ ملتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ شمریؓ نے حضرت عمرؓ کے پاس تھی کف روانہ کئے اس سامان کو آپ نے کھولنا شروع کیا۔ ابھی ایک ہی تھیلی کھولی تھی کہ پکار اٹھے "اے واپس کر دو" اسے واپس کر دو نہ ہم یہ دیکھیں گے کہ کیا کیا ہے ورنہ ہی تم اسے قریش کو دکھاؤ گے کہ یہ آپس میں کٹ مریں گے (۲)۔ "آپ نے حکم تحریر فرمایا کہ" ہدیہ قبول نہ کرو کہ یہ رشوت ہے۔" حضرت عمرؓ حاکم کو ہدیہ دینے کو بھی رشوت شمار کرتے تھے (۳)۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے کسی عامل نے آپ کی ہلیہ کو دو گائیکے بھیجے۔ حضرت عمرؓ آنے اور آپ نے دیکھا تو پوچھا کہ "یہ کہاں سے آئے؟ کیا تم سے خریدے ہیں۔ دیکھو مجھے بتا دو مجھ سے جھوٹ نہ بولنا۔" ہلیہ نے بتایا کہ فلاں شخص نے بھیجے ہیں آپ نے کہا کہ اللہ فلاں کا ناس کرے۔ جب انہیں کوئی کام پڑتا ہے اور مجھ پر بس نہیں چلتا تو یہ میرے گھر والوں کو واسطہ بناتے ہیں۔ پھر حضرت عمرؓ نے ان گائیکوں کو زور سے ان کے نیچے سے کھینچا جو ان پر تکیہ لگائے بیٹھے تھے در اندھ کر جانے لگے۔ خادمہ دوڑی کہ ان کے اندر روٹی ہماری ہے۔ حضرت عمرؓ نے ہی وقت نامکے دھڑے روٹی نکال کر پھینکی اور بیٹھے لے کر باہر نکل گئے۔ ان میں سے ایک ایک مہاجر عورت کو دے دیا اور دوسرے ایک انصاری عورت کو دے دیا (۴)۔ ایک شخص حضرت عمرؓ کو ہر سال دنٹ کی ران بھیجا کرتا تھا۔ وہ حضرت عمرؓ کے پاس کوئی معاملہ لے کر آیا اور بولا کہ اے امیر المومنین ہمارے درمیان اس طرح صاف فیصلہ کر دیجئے جس طرح اونٹ کی ران اونٹ سے علیحدہ کر دی جاتی ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے تمام عمال کو حکم تحریر کیا کہ "ہدیہ قبول نہ کرو کہ یہ رشوت ہے" (۵)۔

بقول رواس غرض حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ

۱۔ حاکم کو بدیہ لینا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ فی الحقیقت رشوت ہے۔

۲۔ یہ مال راشی کو واپس نہیں کیا جائے گا اور نہ مرثیٰ کیسے رکھنا جائز ہے بلکہ ایسا مال راہِ خدا میں خرچ کر دیا جائے<sup>(۱)</sup>۔

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ ابو موسیٰ اشعریؓ نے زوجہ عمرؓ کا حکم بتا دیا کہ بنت زید بن عمرو بن نفیس کو ایک فرش بطور ہدیہ بھیجا جسے میں سمجھتا ہوں کہ ایک گز اور ایک باشت کا ہو گا۔ عمرؓ ان کے پاس آئے تو اسے دیکھا پوچھا کہ ”تمہارے سنے کہاں سے آیا؟“ انہوں نے کہا کہ ”ابو موسیٰ اشعریؓ نے بطور ہدیہ دیا ہے۔“ حضرت عمرؓ نے سے لے کر ان کے سر پر مارا جس سے ان کا سر بل گیا پھر فرمایا کہ ”ابو موسیٰ اشعریؓ کو میرے پاس بلاؤ اور انہیں پیادہ چل کے تھکا دو۔“ ابن عمرؓ نے کہا کہ وہ اس طرح لانے گئے کہ تھک گئے اور کہہ رہے تھے ”یا امیر المؤمنینؓ! مجھ پر غلت نہ کیجئے۔“ عمرؓ نے فرمایا کہ ”تمہیں کیا چیز برا سمجھتی کرتی ہے کہ تم میری ازواج کو ہدیہ دو۔“ عمرؓ نے اس فرش سے ان کے سر پر مارا اور فرمایا ”سے لے لو ہمیں اس کی حاجت نہیں<sup>(۲)</sup>۔“ آپ تحائف کے بارے میں اس قدر محتاط تھے کہ ایک مرتبہ آپ کی زوجہ ام کلثومؓ نے شاہِ روم کی بیوی کو تحائف بھیجے جو پاس نے بھی تحائف بھیجے تو آپ نے وہ بیت المال میں جمع کرا دیئے۔ راوی کا بیان ہے کہ حضرت ام کلثومؓ بنت علیؓ نے کچھ خوشبوئیں اور دوسرے تحائف ڈاک کے ذریعہ ملکہ روم کے پاس بھیجے وہ وہاں پہنچ گئے تو ہر قل کی بیوی (ملکہ روم) نے اپنی خواتین کو جمع کر کے کہا ”یہ عرب کی ملکہ اور ان کے پیغمبر کی بیوی کے تحائف ہیں۔“ اس کے بعد ملکہ روم نے ان سے خط و کتابت کی اور اس کے بدلے میں تحائف بھیجے جن میں ایک نہایت قیمتی ہار بھی تھا۔ جب وہ لے کر آیا تو حضرت عمرؓ نے ان کے تحائف کو رکھ دیا پھر دو گوں کو غمزدگیلے ہوا جب وہ جمع ہو گئے تو آپ نے ان کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں پھر یہ فرمایا ”میں جو اہم کام مشورہ کے بغیر انجام دیتا ہوں اس میں بھلائی نہیں ہوتی ہے۔ تم مجھے مشورہ دو کہ ام کلثومؓ نے ملکہ روم کو تحائف پیش کئے تھے (اس کے جواب میں) ملکہ روم نے تحائف بھیجے ہیں۔“

کچھ لوگوں نے کہا ”یہ تحائف ان کے تحائف کے بدلے میں ہیں اس لئے وہی (ام کلثومؓ) اس کی حقدار ہیں۔ ملکہ روم کا آپ سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ وہ آپ کے ماتحت ہے جو آپ سے ارے۔“ دوسرے لوگوں نے کہا ”ہم کپڑے تحفہ کے طور پر بھیج کرتے تھے تاکہ ہمیں اس کا بدلہ ملے اور ہم انہیں اس لئے بھیج کرتے تھے تاکہ وہ فروخت ہوں اور ہمیں ان کی قیمت حاصل ہو۔“ آپ نے فرمایا ”لیکن یہ قاصد مسلمانوں کا قاصد ہے اور یہ ہر کارہ ان کا ہر کارہ ہے۔“ آخر کار آپ نے حکم دیا کہ یہ تحائف بیت المال میں جمع کر دیئے جائیں اور انہیں (حضرت ام کلثومؓ) کو ان کے خرچ کے مطابق رقم واپس کی گئی<sup>(۳)</sup>۔ آپ کے خادم حضرت اسلمؓ کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عمرؓ نے فرمایا ”اے اسلمؓ دروازہ بند کر دو ورنہ کسی کو اندر آنے کی اجازت نہ دو۔“ پھر ایک روز انہوں نے میرے جسم پر ایک نئی چادر دیکھی تو پوچھا کہ ”یہ تمہارے پاس کہاں سے آئی؟“ میں نے عرض کیا ”یہ عبید اللہ بن عمرؓ نے دی ہے۔“ فرمایا ”عبید اللہ سے لے لو مگر کسی اور سے ہر گز کچھ نہ دو۔“ ۳۳ھ میں آپؐ نے اصفہان کی جنگوں میں حضرت سلمہ بن قیسؓ، شعیبؓ، کو، میرؓ، لشکر مقرر فرمایا جنگ میں اللہ تعالیٰ نے فتح دی۔ انہوں نے مال غنیمت میں کچھ زیورات و جواہرات دیکھے تو انہوں نے فرمایا ”تمہیں اس میں سے کوئی حصہ نہیں پہنچے گا۔ تم خوشی سے اس بات کی اجازت دو کہ ہم سے امیر المؤمنینؓ کی طرف بھجوا دیں کیونکہ وہ بہت محنت و مشقت برداشت کر رہے ہیں۔“ تمام مسلمان اس کے بھجوانے پر راضی ہو گئے تو حضرت سلمہؓ نے ان زیورات

کو صندوق میں رکھا، اپنے قبیلے کے ایک شخص کے ہاتھ روانہ کرتے ہوئے کہا "اسے لے کر سوار ہو جاؤ جب بصرہ پہنچو تو امیر المومنین کے انعامات کی توقع پر دو سوار ہاں خریدو! ان پر چار اپنے غلام کا زور اور اہلاد و پھر امیر المومنین کی طرف روانہ ہو جاؤ۔" قاصد کے بقول حضرت عمرؓ نے مجھ سے جنگ اور علاقے کے تمام حالات دریافت فرمائے، میں نے جو اہرات کے سلسلے میں بھی واقعہ کی تفصیلات بیان کیں اور صندوق نکال کر پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے زیورات کے گینوں کی طرف نگاہ ڈالی تو دوسرے رخ زرد اور سبز رنگ کے تھے۔ آپ نے (جیچے کی طرف) چھاٹک لگائی اور کمر پر ہاتھ رکھ کر فرمانے لگے "اگر یہ زیورات قبول کر لوں تو اللہ عمر کا پیٹ نہ بھرے۔" عورتوں نے یہ خیال کیا کہ شاید میں آپ پر حملہ کر رہا ہوں، وہ سب پردے کے پاس آگئیں۔ آپ نے مجھے فرمایا "یہ جو تم لائے ہو وہ اس سے جاؤ۔" اپنے غلام پر کا کو میرے بارے میں حکم دیا کہ "اے یہ قاصد! اسے صدقہ کی دولتیں دے دو۔" پھر مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا "جب تم اپنے سے زیادہ کسی کو اس کا ضرورت مند دیکھو تو دونوں اسے دے دو۔" میں نے عرض کیا "امیر المومنینؓ میں ایسا ہی کروں گا۔" پھر مجھے فرمایا "اگر مسلمان ان (زیورات) کے تقسیم ہونے سے پہلے اپنے لٹکانوں پر چڑھ گئے تو میں تم اور تمہارے حاکم کے ساتھ بہت برا سوک کروں گا۔" قاصد کہتا ہے "میں وہاں سے جلد کوچ کر کے (حضرت) سرہ کے پاس پہنچا اور کہا "آپ نے مجھے جس کام کیلئے مخصوص کیا تھا اللہ نے اس میں برکت عطا نہیں فرمائی۔ آپ ان زیورات کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیں۔ اس سے پہلے کہ مجھ پر اور آپ پر کوئی مصیبت نازل ہو۔" چنانچہ انہوں نے یہ (زیورات) ان میں تقسیم کر دیئے۔ اس وقت ایک ایک گھینڈہ پانچ یا چھ درہم میں فروخت ہوا، حالانکہ ہر ایک گھینڈہ میں ہزار کی قیمت سے زیادہ تھا<sup>(۱)</sup>۔"

مذکورہ سب واقعات یہ واضح کرتے ہیں کہ آپ نے افسران کے ضابطہ اخلاق میں ہر قسم کے تحائف سے اجتناب کو نہ صرف شامل کیا بلکہ اپنی عملی مثالوں سے اس پر سختی سے عمل کر لیا۔ خود جب آپ اس قدر محتلا تھے تو کسی کی کیا مجال ہو سکتی تھی کہ وہ لینے کی ہمت کر سکے۔ دور جدید میں بھی حکومت و مملکت کے سربراہان اور دربار سے بے کر مٹی پرورد کر میں ایسا عملی نمونہ پیش کریں تو یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ مٹی سلیمک سلطان کی مانند پھیلی ہوئی کرپشن اور رشوت ستانی کا خاتمہ نہ ہو سکے۔ اصل بات یہ ہے کہ کرپشن پر دبی قابو پا سکتا ہے جو سب سے بڑھ کر خود اپنے اور اپنے اہل خانہ اور اقرباء کے معاملوں میں حد سے زیادہ سختی برتے۔

## ۰۔۔۔ نظمیه عامه کے فرائض

۱۔ حدید میں پبلک ایڈمنسٹریشن کے کردار کو خالص انتظامی اور فنی نوعیت کے فرائض کی ادا تکلیف تک محدود سمجھا جاتا ہے 'مثلاً پروگرام ڈیزائن کرنا فیصلہ سازی' عیسے کی ہرتی 'تریت' تنظیم کی تعمیر 'تبدیلی متعارف کرنا' ترقی کا فروغ بطور نواہ ایڈمنسٹریشن کو متحرک کرنا وغیرہ<sup>(۱)</sup>۔ بعض اہمیں لا 'ینڈ آرڈر' عدل و انصاف' و ہشت گردی' فرقہ واریت اور علاقائیت کے خاتمے اور قومی یکجہتی اور جمہوری اقدار کے فروغ کو بھی شامل کرتے ہیں۔ جدید سیکولر ماڈل ان کو خالص اسلامی زاویہ نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ان کے ہاں معنویت 'مستعدی' کفایت 'نہ پریری' وغیرہ کا تعلق مادیت سے ہے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ اخلاقی اقدار مثلاً افراد کی عزت نفس 'سہمی' مسدات اور شخص نشوونما کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ یہی ان کی عالمگیر ناکامی کے اسباب ہیں۔ ایک طرف پبلک ایڈمنسٹریشن کے شعبے میں بے شمار تجربات ہو رہے ہیں اسے سائنس اور ٹیکنالوجی کی بے پناہ مدد حاصل ہے۔ ایڈمنسٹریشن اور مینجمنٹ پر لاتعداد کتب لکھی جا رہی ہیں 'نئے نئے نظریات کو عملی جامہ پہنایا جا رہا ہے۔ علمے اور ادارہ من کی فنی تربیت کیلئے جدید ترین طریقے اختیار کئے جا رہے ہیں۔ ہر شعبے میں منتظمین کو جدید ترین آلات ووزار میسر ہیں 'لیکن دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں 'جہاں اقربا پروری 'ناانصافی' اختصار' بد نظمی 'چوریال اور ڈاکے' و ہشت گردی' فرقہ واریت و علاقائیت اور دیگر تعصبات کی خون آشامیاں 'جراثیم' خود کشیاں 'بے روزگاری' بھوک و فاقہ 'پسماندگی' انتشار' کشمکش' عدم تحفظ اور بے اطمینانی کی خوفناک فضا موجود نہ ہو۔ خفیہ لہجہ نسیاں 'سیوریٹی فورسز' تربیت یافتہ علمے 'اطلاعات کے برقی ذرائع' تیز رفتار سواریاں 'عقبرئی ذہن' انتظامی آلات کسی ایک بڑے شہر میں بھی تخلیق عامہ کے کتابی اہداف و مقاصد کے حصول میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ چہ جائیکہ ان سے ملکی اور بین الاقوامی سطح تک کسی بڑے کارنامے کی توقع رکھی جا سکے۔ ایڈمنسٹریشن کے مادی ظلفے 'مادی معیارات اور مادی طریقے اور مادی اہداف کبھی انہیں سیت کو اعتدال و توازن 'عدل و انصاف' امن و آشتی اور فوز و فلاح کی منزل تک نہیں پہنچا سکتے کیونکہ دنیا کی سب سے بڑی مگر اسی زندگی کا مادی تصور ہے۔

اسلامی ممالک کی انتظامی حالت اور بھی دیگر گوں ہے 'وہ ایڈمنسٹریشن کے مغربی و لادینی ماڈل کی نقالی کر کے تباہی و بربادی کے راستے پر گامزن ہیں 'جو اپنی روح' مزاج اور نتائج کے اعتبار سے اسلامی تعلیمات سے متصادم ہیں۔ وہ ایسے ثقافتی ماحول کیلئے تو کسی حد تک کار آمد ہو سکتی ہیں 'جس کے لوگ خود غرض و ملامہ پرست مذہب سے بے تعلق 'عفت و عصمت سے عاری' روحانیت سے بے گناہ 'اخلاقی طور پر دو عالمیہ 'زندگی کے اعلیٰ مقصد اور نصب العین سے قحط و امن اور حیات بعد موت سے بے خبر ہوں 'لیکن یہ معاشرہ کیلئے زہر قاتل کی حیثیت رکھتے ہیں 'جو دین و اخلاق پر استوار ہوں۔ ایسے ماڈل کو اسلامی زاویہ نگاہ سے جانچے اور پرکھے اور اسلامی اقدار کے سانچوں میں ڈھالے بغیر اپنا اپنا مقصد زندگی 'نظریہ حیات' تہذیب و ثقافت 'اپنے ماحول اور عوام سے ٹکرانے کے مترادف ہے۔ مسلم ممالک کے اندر پائی جانے والے بے چینی 'بے یقینی' مایوسی' بد اعتمادی' اسی اندھا دھند نقالی کا نتیجہ ہے۔ یہاں فکری و عملی تضادات چنپ رہے ہیں 'عوام اور انتظامی اداروں کے مابین ہم 'بہشتی کے بجائے کشمکش برپا ہے۔ اخلاقی اور سماجی خرابیاں روز بروز بڑھ رہی ہیں اور نظریہ عامہ کا زیادہ تر وقت اپنے عوام کو دبانے اور خاموش کرانے میں صرف ہوتا رہتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ نظریہ عامہ کا ایک جدید اسلامی ماڈل تشکیل دے کر رہہ 'عمل لایا جائے جس میں ایڈمنسٹریشن اور مینجمنٹ کے سلسلے میں جدید سائنسی اور فنی معلومات 'تجربات' آلات اور مہارتوں سے استفادہ کرتے ہوئے انہیں علی اسلامی اقدار اور اخلاقی و روحانی معیارات کے تابع کیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ ایسا ثقافتی ماحول فراہم کیا جائے جس میں یہ ماڈل اپنا مثبت اور نتیجہ خیز کردار ادا کر سکے۔

حضرت مہاروقؒ کے نزدیک یہ ذمہ داری خلیفہ وقت اور اس کی زیر سرپرستی سرگرم عمل تعلیم عامہ کی ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں انسانیت کی تعمیر و ترقی اور فلاح و بہبود کیلئے بھرپور کردار ادا کرے اور اسلامی قدروں کو باجماع عروج تک پہنچائے۔ اس لئے آپ نے تعلیم عامہ کو جن فرائض و مقاصد کا پابند بنایا ان میں سب سے اہم پہلو سماجی نظریہ حیات کی سمجھ بوجھ اور تعلیم و تقسیم پیدا کرنا اس کے عملی تقاضوں کو پورا کرنے کا جذبہ بیدار کرنا اور اس کے حصول و صوابوں کی تبلیغ و اشاعت ہے۔ لوگوں کا تعلق اپنے رب سے استقدر جو زندہ بنا کہ وہ اس کے ہر حکم کے آگے بلاچون وچ اسر تسلیم فرم کر دیں۔ ان کے اندر خدا خونی اور تقویٰ پیدا ہو وہ تمام انسانی حقوق کی پاسداری سزا اور قانون کے ذریعے نہیں بلکہ صرف اسی کی رضا کیلئے کریں۔ آپ نے تعلیم عامہ کو ان فرائض کی ادائیگی پر لگا کر ایک سیما حول پیدا کر دیا جس میں اچھائیوں پر عمل کرنا آسان اور برائیوں کی طرف راغب ہونا مشکل ہو گیا۔ حکومت اور اس کی ایڈمنسٹریشن جب خود عدل و انصاف کی عکس دار بن گئی تو اس کی بے پناہ طاقت و قوت کے سامنے ظلم و استیصال کا باقی رہتا ممکن ہو گیا اور ”عدل فاروقی“ تاریخ انسانی میں ایک ضرب مثل بن گیا۔

آپ جن فرائض کی بجا آوری کا حکم اپنے عمال و افسران کو دیتے تھے وہ ان کی ذات تک محدود نہیں ہوتے تھے ان کا مقصد ان عداقوں میں ایب نظام کار وضع کرنا ہوتا تھا جو ان کی ادائیگی میں معاون و مددگار ثابت ہو۔ چونکہ اس حکم کا مخاطب ایک عام فرد نہیں بلکہ ذمہ دار و مقتدر شخص ہوتا تھا اس لئے اس کے عملی اطلاق میں ان انتظامی آلات و طریقوں کا استعمال جو اس فرض کی ادائیگی کیلئے ضروری ہوں خود بخود شامل تھا۔ مثلاً قیام صلوٰۃ کے حکم سے یہ مراد یہاں صحیح نہیں کہ گورنر قریب ولی مسجد میں ہر قاعدگی سے نماز ادا کرے بلکہ اس کی ذمہ داری ہے کہ علاقے میں قیام صلوٰۃ کے کیا تقاضے ہیں پورا نہیں کیسے پورا کیا جاسکتا ہے۔ اس میں نماز کی نفاذ تیار کرنا سکھانے کا اہتمام کرنا مسجد کی تعمیر آئندہ کا تقرر اس سے متعلق تمام معاملات کی بروہار است محرمانی اطلاعات کا نظام پیش آمدہ مسائل و مشکلات کے رالے کا اہتمام وغیرہ سب انتظامی طریقے اختیار کرنا خود بخود اس حکم میں شامل ہے۔ آپ صرف عمال ہی کو ان کے فرائض نہیں بتاتے تھے بلکہ رعایا میں اس کی بھرپور تشہیر کرتے تھے تاکہ ہر خاص و عام کے علم میں ہوں۔ رائے عامہ بیدار ہو حکومتی و انتظامی معاملات میں اس کی شراکت و اعتماد یقینی ہو وہ اہلکاروں پر نظر رکھیں اور یہ دیکھتے رہیں کہ وہ اپنی ذمہ داریاں کہاں تک ادا کر رہے ہیں۔ ہر حاکم کو تقرر کے وقت تحریر دیتے جن میں یہ فرائض درج ہوتے تھے وہ وہاں مجمع عام میں جا کر سناتا۔ کبھی آپ خود جمعہ یا دیگر اہم مواقع پر تقریر کر کے لوگوں میں اعلان فرماتے کبھی آپ خطوط اور زبانی نصیحتوں میں ان کی یاد دہانی کرتے رہتے۔ ان میں سے اہم فرائض حسب ذیل ہیں

### ۱۔ دین کی تعلیم و اشاعت:

اسلامی ریاست کی نظریہ دینی اعتبار سے نہایت اہم اور با مقصد ذمہ داری پر فائز ہوتی ہے۔ اس کیلئے نظریاتی طور پر بحث اور با عمل ہونے کے ساتھ ساتھ پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ دین کی تعلیم و اشاعت کا اہتمام کرے اور ایسا طریق کار اور نظام قائم کرے جس سے دین کا علم و شعور حاصل کریں اور کتاب و سنت کے احکامات سے آگاہ ہوں چنانچہ ایک مرتبہ جمعہ کے خطبے میں ارشاد فرمایا ”خدا کی قسم میں اپنے افسروں کو تمہارے یہاں اس لئے نہیں بھیجتا کہ تمہارے منہ پر تھپڑ ماریں اور تمہارے اموال چھینیں۔ میں کہیں تمہارے پاس اس لئے بھیجتا ہوں کہ وہ تمہارا دین اور تمہارے نبی ﷺ کی سنت سکھائیں۔ جس کسی کے ساتھ دین و سنت سے ہٹا ہو سوک کی جائے اسے چاہئے کہ اپنا معاملہ میرے سامنے پیش کرے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں متعلقہ افسر سے اس کا بدلہ لے کر رہوں گا“ (۱)



فروں کو مقرر کرتے وقت جو نصیحتیں فرماتے تھے ان میں ایک یہ بھی ہوتی تھی کہ ”تم انہیں خالص قرآن کی تعلیم دو، رسول اکرم ﷺ سے کم روایت کرو“ میں بھی تمہارے ساتھ شریک ہوں“ (۱)۔ ”آپ نے ۱۴ھ میں نماز تراویح باجماعت ادا کرنے کا اہتمام فرمایا اس بارے تمام شہروں میں تحریری احکام فرمائے“ لوگوں کیلئے دو قاری مقرر فرمائے۔ ایک مردوں کو نماز تراویح پڑھاتا تھا اور دوسرا عورتوں کو (۲)۔ دین کی تعلیم و شاعت کیلئے ضروری ہے کہ ایسے لوگوں کا مقرر کیا جائے جو خود دین کے عالم ہوں۔ چنانچہ سلمان بن بریدہ سے روایت ہے کہ جب حضرت عمرؓ کے پاس مومنوں کا کوئی لشکر اکٹھا ہو جاتا تو آپ اہل علم و فقہ میں سے کسی کو امیر مقرر کرتے تھے (۳)۔ آپ خود بھی اپنے خطابات کے ذریعے اشاعت دین امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فرائض ادا کرتے رہتے تھے اور لوگوں کو دین سکھاتے اور اس کے عملی تقاضوں کو پورا کرنے کا احساس بیدار فرماتے رہتے تھے۔ مثال کے طور پر آپ کا ایک اہم خطبہ نقل کیا جاتا ہے۔ آپ نے مجمع عام میں کھڑے ہو کر فرمایا ”میں تم سے اس خدا سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں جس کے ماسواہر شے فنا ہو جائے گی۔ جس کی اطاعت گزاردی سے اس کے دوست مستفید ہوتے ہیں اور جس کی نافرمانی سے اس کے دشمن خسارہ میں رہتے ہیں۔ برباد ہونے والوں کا عذر قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ ان کے سامنے ہدایت آ بھی چکی۔ اللہ کی جنت و برہان جب واضح ہو چکی تو اب جنت اور بحث کی گنجائش بھی کہاں۔ یاد رکھو! ایک سر پرست اپنے ماتھوں کا اس سے بہتر حق ادا نہیں کر سکتا کہ وہ ان کو ان کے فرائض کی انجام دہی پر آمادہ کرے۔ ہمارا فرم ہے کہ ہم اللہ کے احکامات نافذ کریں اور اپنے زیر نگیں اور زیر نگرانی لوگوں کو یعنی اولاد وغیرہ کو اللہ کی نافرمانی نہ کرنے دیں۔ ہمیں چاہئے کہ قریب اور دور سب ہی جگہ کے لوگوں کو احکام الہی کا تابع بنائیں اور اس کی پروا نہ کریں کہ حق کی جانب نزدیک کے لوگ، مکمل ہوئے کہ دور کے تاکہ ان پڑھ سیکھ جائیں اور غیر معتدل لوگ رولہ راست پر آجائیں اور میں ایسے لوگوں سے بھی واقف ہوں جن کے قول و فعل میں تضاد پایا جاتا ہے۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو دس ہی دل میں سوچتے رہ جاتے ہیں کہ ہم یہ کریں گے ہم وہ کریں گے۔ ہم نمازیوں کے ساتھ نماز ادا کریں گے، مجاہدوں کے ساتھ جہاد کریں گے، ہجرت کریں گے، اور اللہ کے دشمنوں کے ساتھ قتال کریں گے، لیکن محض حسن آرزو سے کیا ہوتا ہے۔ جو کوئی بھی اپنے فرائض پر عمل پیرا ہوتا ہے اور اپنی میت صحیح رکھتا ہے وہی نجات یافتہ ہوتا ہے ورنہ نہیں۔ جو کوششوں میں اضافہ کرتا ہے اسے اللہ کے ہاں اور ملتا ہے۔ جہاد سب سے مرتفع اور اعلیٰ پائے کا عمل ہے اور اصل جہاد یہ ہے کہ انسان اعمال بد اور بد عمل لوگوں کو مطلقاً چھوڑ دے۔ بعض لوگ مجاہد ہونے کے مدعی ہیں لیکن جہاد دراصل اللہ کی راہ میں ہوتا ہے۔ جہاد یہ ہے کہ حرم چیزوں سے بچا جائے، اسلام کے اعدائے لڑا جائے اور مشکلات کے مواقع پر کوششوں میں اور اضافہ کیا جائے۔ بعض لوگ ہیں کہ اجر کی خاطر لڑتے ہیں، بعض ذکر کی خاطر اللہ کو یہ ناکوار نہیں کہ تم کشادگی حاصل کر دو، مکرور اصل تم کو زیادہ بڑی سہولتوں کی جانب براہیجتہ کرتا ہے۔ اپنے فرائض انجام دو، یہ تم کو جنت الفردوس دوائیں گے۔ طریق نبوی ﷺ پر قائم ہو، نئے فتوں سے محفوظ رہو گے۔ سیکھو، جاننا اور حاصل کرو اس لئے کہ بے خبری میں سے چارگی ہے۔ دین میں نئی نئی بدعتیں بے حد مکروہ ہیں طریق نبوی ﷺ پر معتدلانہ عمل اس اجتہاد سے بہتر ہے جو مکرر اسی ثابت ہو۔ نصیحتوں پر عمل کرو، لڑنا وہ ہے جو اللہ کی راہ میں لڑتا ہے، سعادت مددی یہ ہے کہ انسان دوسروں سے سبق لے، شقی ماں کے بطن سے شقی برآمد ہوتا ہے۔ اطاعت و فرمانبرداری بے حد لازم ہیں کہ ان میں عزت و آبرو ہے۔ عصیاں شعاری اور تفرقہ سے پرہیز کرو کہ یہ باعث تہلل اور خواری ہے گویا لوگ اقتدار سے متنفر رہتے ہیں۔ خدا نہ کرے کہ تجھے اس سے سابقہ ہو“ (۴)۔ ”ایک مرتبہ اللہ کو گواہ کر کے فرمایا ”اے اللہ میں تیرے سامنے حکام باد کے بارے میں اعلان کرتا ہوں کہ میں نے انہیں اس کام کیلئے مقرر کیا ہے کہ وہ لوگوں کو دین و ملت کی تعلیم دیں“ (۵)۔

ابو حصین کے مطابق جب حضرت عمرؓ حکام کو مقرر کرتے تھے تو ان کے ساتھ نکل کر نہیں رخصت کرنے جاتے تھے اور انہیں جو نصیحتیں کرتے تھے ان میں یہ بھی تھی کہ "تم لوگوں کو قرآن کی تعلیم دو اور نبی کریم ﷺ سے کم روایت کرو میں ہر معاملے میں تمہارے ساتھ شریک ہوں" <sup>(۱)</sup>۔ "آپ مختلف طریقوں سے یہ بھی معصومات حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے کہ عمال اس سلسلے میں کہیں کوتاہی تو نہیں کر رہے؟" انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ مجھے ابو موسیٰ اشعریؓ (عامل بصرہ) نے حضرت عمرؓ کے پاس بھیجا تو انہوں نے پوچھا "تم نے اشعریؓ کو کس حالت میں چھوڑا ہے؟" میں نے کہا کہ "انہیں اس حالت میں چھوڑا ہے کہ لوگوں کو قرآن کی تعلیم دے رہے تھے۔" آپ نے فرمایا "خبردار وہ بڑے آدمی ہیں لیکن یہ بات انہیں نہ بتانا" <sup>(۲)</sup>۔ "آپ کا اپنا طریقہ بھی یہ تھا کہ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ قرآن کی طرف رغبت دلانے۔ حضرت ابو موسیٰ نہایت خوش الحان تھے جب مدینے میں ہوتے تو آپ نہیں دیکھتے تو فرماتے "ابو موسیٰ ہمیں رب کی یاد دلانے کے لئے وہ ان کے پاس قرآن پڑھتے تھے" <sup>(۳)</sup>۔

دین کی تعلیم و شاعت کا عظیم کام اس وقت تک خوش اسلوبی سے سرانجام نہیں پاسکتا جب تک کہ انتظامیہ کے منصب پر ایسے لوگوں کو فائز نہ کیا جائے جو خود دین کے عالم و فاضل ہوں۔ سیماں بن بريدہ سے روایت ہے حضرت عمر فاروقؓ کا یہ طریقہ تھا کہ جب آپ کے پاس مسلمانوں کا کوئی لشکر تیار ہو جاتا تو آپ ان پر کسی عالم در فقیہ فرد کو امیر مقرر کر دیتے <sup>(۴)</sup>۔ خواہ وہ کسی شعبے سے متعلق ہوں اس کی یہ ذمہ داری ہوتی تھی کہ وہ لوگوں کو دین بھی سکھائیں۔ مسعودی کے بقول حضرت عمرؓ نے عمار بن یاسرؓ کو کوفہ کا گورنر بنایا۔ عثمان بن حنیف کو مخصومات اور عبداللہ بن مسعود کو بیت المال کی ذمہ داری سونپی اور ان تینوں کو حکم دیا کہ وہ اہل کوفہ کو قرآن کی کم از کم ایک آیت کا درس دیا کریں <sup>(۵)</sup>۔ آپ کے نزدیک اسلامی نظمیہ عام کیسے ضروری ہے کہ وہ سرکاری نوکر و ملازم کے طور پر محض فنی و انتظامی ذمہ داریوں کی ادائیگی کو کافی نہ سمجھیں بلکہ مشنری سپرٹ کے ساتھ پوری لگن اور خلوص سے دینی کام سرانجام دیں تاکہ لوگ انہیں صحیح معنوں میں رہبر و رہنما سمجھیں اور ان سے مسائل کے حل کے علاوہ ہدایت و رہنمائی حاصل کریں۔ ایک موقع پر گورنروں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا "سنو میں نے تمہیں آمر و جابر بنا کر نہیں بھیجا ہے بلکہ ہادی و رہنما بنا کر بھیجا ہے تاکہ لوگ تم سے رہنمائی حاصل کریں" <sup>(۶)</sup>۔

آپ کے نزدیک ہدایت و رہنمائی میں دین کے تمام معاملات کی منجمنسب اور ایڈمنسٹریشن شامل ہے جو فرائض کی ادائیگی کا جذبہ بیدار کرنے سے لے کر ہمہ گیر رست بازی و احکامات دینی کے نفاذ تک پہنچی ہوئی ہے۔ ایک در مرتبہ مجمع عام میں خطاب کرتے ہوئے جو باتیں ارشاد فرمائیں ان میں یہ بھی تھی۔ یک سر پرست اپنے ماتحتوں کا اس سے بہتر حق ادا نہیں کر سکتا کہ نہیں ان کے فرائض کی انجام دہی پر آمادہ کرے۔ ہمارے یہ فرض ہے کہ ہم اللہ کے احکامات نافذ کریں اور اپنے زیر نگرانی لوگوں کو اللہ کی نافرمانی نہ کرنے دیں۔ ہمیں یہ چاہئے کہ قریب و دور سب ہی جگہ سے لوگوں کو احکام الہی کا تابع بنائیں اور اس بات کی پروا نہ کریں کہ حق کی جانب نزدیک کے لوگ مانع ہوئے یا دور کے تاکہ ان پر نہ سیکھ جائیں اور غیر معتدل لوگ رول راست پر آجائیں <sup>(۷)</sup>۔ "آپ بجا طور پر سمجھتے تھے کہ شریعت سے انحراف تمام انحرافات اور اختلالات کی بنیاد بنتا ہے۔ اس لئے دنیوی اور انتظامی امور کی اصلاح کیلئے بھی ضروری ہے کہ دین و سنت کی پوری پابندی کی جائے۔" اہ میں بصرہ کے گورنر حضرت مغیرہؓ پر اخلاقی ترمیم عائد کیا گیا تو آپ نے انہیں ہر طرف کر کے اپنے پاس بلا دیا اور ان کی جگہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو مقرر کیا اور فرمایا "اے ابو موسیٰ! میں تمہیں حکم بنا کر ایسی سر زمین کی طرف بھیج رہا ہوں جہاں شیطان سے اندھے دیے ہیں اور ان میں سے چوڑے بھی نکل آئے ہیں۔ اس لئے جو طریقہ (سنت نبوی ﷺ) تمہیں معوم ہے اس کی پابندی کرنا اور تبدیلیں مت ہو جانا ورنہ اللہ بھی اپنا طریقہ تمہارے ساتھ تبدیل کرے گا" <sup>(۸)</sup>۔

(۱) مسند احمد: ۴/۱۰۰ (۲) مسند احمد: ۳/۲۰۵ (۳) طبری: ۱/۱۹۳ (۴) مسند احمد: ۳/۲۰۵ (۵) مسند احمد: ۳/۲۰۵ (۶) مسند احمد: ۳/۲۰۵ (۷) مسند احمد: ۳/۲۰۵ (۸) مسند احمد: ۳/۲۰۵

آپ نے ایک مرتبہ کوفہ میں تمام مال کا تبادلہ کر دیا۔ حضرت عثمان بن یاسر کو انتظامیہ کا اور حضرت عثمان بن حنیف کو محصولات کا ذمہ دار بنایا۔ بیت المال کی ذمہ داری حضرت عبد اللہ بن مسعود کو سونپی۔ ان تینوں کو یہ حکم دیا کہ اہل کوفہ کو کم از کم ایک ایک آیت کا درس دیا کریں۔ حضرت عثمان بن یاسر کیونکہ گور رتھے اس لئے ان کی نشست کا فرش الگ تھا۔ اہل بیت حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت عثمان بن حنیف کی نشست کا فرش مشترک تھا<sup>(۱)</sup>۔ ہر شعبے کے افسران کو درس قرآن دینے کا حکم پہنچا کر رہا کہ بلا تخصیص تمام حکومتی عہدیداروں کی بنیادی دینی ذمہ داری ہے کہ وہ اسلام کی ترویج و شاعت کو اولیت دیں۔ درس دینے کا دو طرفہ فائدہ تھا۔ ایک یہ کہ وہ خود قرآن سے وابستہ رہیں گے، آیت کو پیش کرنے کیلئے ان کا بہترین انتخاب کریں اور اس کی تفسیر پر غور و خوض کریں گے اور اسلامی تعلیمات پر انہیں عبور حاصل ہوتا جائے گا اور دوسری طرف عوام کو اسلام سمجھنے میں آسانی رہے گی اہل کاحکوم سے فکری و ذہنی تعلق بھی قائم ہو گا اور دین و دنیا کی تفریق مٹ جائے گی۔ آپ خود بھی ذکر و فکر اور تعلیم و تعلم کی محفوں میں شریک ہوتے تھے اور ان کی حوصلہ افزائی کرتے، لوگوں کی تربیت فرماتے تھے۔ اس طرح کی ایک محفل کا ذکر حضرت ابی اسیر کے خادم ابی سعیدؓ کچھ اس طرح کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ عمر بن الخطابؓ عشاء کے بعد مسجد میں نشست کرتے تھے جس کسی کو دیکھتے نکال دیتے سوائے اس شخص کے جو کھڑا ہوا نماز پڑھتا ہو۔ اصحاب رسول ﷺ کے ایک گروہ کے پاس سے گزرے جن میں ابی بن کعب تھے، پوچھا ”یہ کون لوگ ہیں؟“ ابی نے جواب دیا کہ ”یا میرا مومنین! آپ کے عزیزوں کی ایک جماعت ہے۔“ پوچھا کہ ”نماز کے بعد تمہیں کس چیز نے چھوڑا؟“ انہوں نے کہا کہ ”ہم لوگ بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔“ وہ بھی من کے ساتھ بیٹھ گئے۔ جو شخص ان کے زیادہ قریب تھا اس سے فرمایا کہ شروع کرو انہوں نے دعا کی چنانچہ انہوں نے ان میں سے ایک ایک آدمی کو جو دعا کر رہے تھے پڑھوایا یہاں تک کہ میری ہاری آئی۔ میں ان کے پہنچنے میں تھا فرمایا ”پڑھو“ میری آواز بند ہو گئی اور خوف سے رزنے لگا۔ انہوں نے محسوس کیا اور فرمایا ”اگر تم کہتے کہ اے اللہ ہماری مغفرت کر اے اللہ ہم پر رحمت کر (تو بہتر ہوتا)“ راوی نے کہا کہ پھر عمرؓ نے شروع کیا اس جماعت میں ان سے زیادہ تسبیح پڑھنے والے ان سے زیادہ رونے والا کوئی نہ تھا۔ اس کے بعد فرمایا کہ ”اب واپس جاؤ۔“ سب لوگ منتشر ہو گئے۔<sup>(۲)</sup>

## ۲۔ اقامۃ الصلوۃ:

اسلامی تنظیم عامہ کا ایک درہم فرض فرائض کا اہتمام کرنا ہے۔ بقول بیورے ”اس کا کام افراد کو ایک ایسا ماحول فراہم کرنا ہے جس کے تحت وہ اپنے خدا سے مستقل تعلق قائم کر سکیں“<sup>(۳)</sup>۔ اس کا سب سے اہم ذریعہ وہ فرائض ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کئے ہیں۔ ایک مقصد اسلامی اور نظریاتی مملکت کے کارندے کی حیثیت سے ایڈمنسٹریشن سے وابستہ لوگ آئینی و اخلاقی طور پر پابند ہیں کہ خود بھی فرائض پر عمل کریں اور ایسی منصوبہ بندی اور نظام کار وضع کریں کہ لوگ ان کی بجا آوری کیلئے متحرک رہیں۔ یہ محض دینی ضرورت ہی نہیں بلکہ نظامی امور کو نہایت خوش سلیبی و پائنداری، جوش و جذبہ اور خدمت خلق کے احساس کے ساتھ سرانجام دینے کا ایک ایسا نسخہ ہے جس کا متبادر آج تک ایجاد نہیں ہو سکا۔ لوگوں کا اپنے رب سے تعلق جتنا مضبوط ہو گا وہ اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں اتنا زیادہ اخلاص و استقامت کا مظاہرہ کریں گے۔ اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ ایک ایسا ثقافتی، حوالہ پیدا کیا جائے جو روحانیت اور اخلاقی اقدار کو اتنا فروغ دیتا رہے کہ لوگ اپنی انفرادی و اجتماعی معاملات و دنیاوی تعلقات میں عدل، احسان اور تقویٰ کی پامداری کریں۔ یہ سب کچھ فرائض ہی کے اہتمام سے ممکن ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ اس حقیقت سے اچھی طرح آگاہ تھے اس لئے انہوں نے اس سلسلے میں بھرپور کوشش کی۔ آپ نے لوگوں کو سنن اور فرائض سیکھنے کا حکم دیا۔<sup>(۴)</sup> فرائض کے اہتمام میں سب سے اہم چیز نماز ہے۔ قرآن حکیم میں حکمرانوں کے فرائض میں ایک قامت، الصلوۃ ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے مسلمانوں اور کافر میں فرق

کرنے والی چیز نماز کو قرار دیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: ”جس نے نماز چھوڑی اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔“ راوی کے بقول آپؐ نے ایسی حالت میں نماز ادا کی جب آپؐ کے زخم سے خوں بہہ رہا تھا<sup>(۱)</sup>۔ آپؐ نے اپنے گورنروں کو لکھا: ”میرے نزدیک تمہارا سب سے اہم فریضہ نماز ہے۔ جس نے اس کی حفاظت کی اور باقاعدگی سے ادا کرنا ہاں ہے اسے دین کو محفوظ رکھا۔ جس نے اس کو ضائع کر دیا وہ دیگر فرائض کو اور زیادہ ضائع کرنے والا ہوگا“<sup>(۲)</sup>۔ آپؐ نے نماز کے صحیح اور بروقت ہونے کو اپنا بہت بڑا مصیٰ فریضہ سمجھا اور اپنے افسروں کو اس کی جزئیات تک سے آگاہ رکھتے تھے تاکہ وہ اپنی اپنی عملداری میں عوام کو ان کا پابند بنائیں۔ چنانچہ آپؐ نے گورنروں کو ان کے اوقات کی تفصیل بتاتے ہوئے لکھا: ”نماز ظہر اس وقت ادا کرو جب آفتاب ڈھل جائے اور اس کا سایہ ایک ہاتھ کے برابر ہو جائے اور اس وقت تک پڑھ سکتے ہو جب آدمی کا سایہ خود اس کے قد کے برابر ہو جائے۔ عصر کا وقت اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب آفتاب بلند اور سفید ہو اور یک اونٹ سوار غروب آفتاب سے قبل چھ یا نو میل کا سفر طے کر سکے۔ نماز مغرب اس وقت پڑھو جب سورج غروب ہو جائے اور عشاء کی نماز اس وقت پڑھو جب شفق غائب ہو جائے یہاں تک کہ ایک تہائی رات گزر جائے۔ جو شخص اسے پڑھے بغیر لینے تو اللہ کرے اسے نیند نہ آئے اور نماز فجر اس وقت پڑھو جب تارے صاف اور گہنے ہوئے ہوں“<sup>(۳)</sup>۔ آپؐ کا ارشاد ہے نماز کے سلسلے میں لوگوں پر نظر رکھو کہ کون نماز میں آگئے ہیں کون نہیں آئے۔ اگر کچھ لوگ بیمار پڑ جائیں تو ان کی عبادت کرو اور اگر بات دوسری ہو تو انہیں ملامت کرو“<sup>(۴)</sup>۔ آپؐ حکام کو روانہ کرتے وقت فرماتے تھے کہ ”میں نے تمہیں اس لئے حاکم مقرر کیا ہے کہ تم نمازیں قائم کرو اور حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو“<sup>(۵)</sup>۔

اقامت صلوٰۃ کی ذمہ داری نبھانے ہی کا جذبہ تھا کہ آپؐ نے نظریہ عامہ کو مساجد کی تعمیر کی طرف متوجہ کیا کیونکہ انہیں مسلمانوں کی مذہبی سیاسی تفصیلی اور عدالتی سرگرمیوں کے مراکز اور تہذیب و ثقافت کے محور کی حیثیت حاصل ہے۔ یہ اس زمانے کے کیونٹی سنٹر تھے۔ بقول ابن حزم آپؐ کے عہد میں مشرق و مغرب کا کوئی شہر باقی نہ رہا جس میں مساجد نہ تعمیر کی گئی ہوں“<sup>(۶)</sup>۔ علاوہ انہیں آپؐ نے قیام صلوٰۃ کیلئے جو نظام کار وضع کیا اس میں عوام کی رہنمائی و سہولت اور گورنروں کی مدد و معاونت کیلئے فقہاء اور معلمین کا الگ سے تقرر بھی شامل تھا جو فرائض و عبادات سمیت زندگی کے ہر چھوٹے بڑے مسئلے کا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں حل پیش کرتے تھے۔ اس طرح نماز کی جھنٹ کے ضمن میں آپؐ نے جو منصوبہ بندی کی اس میں اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری پر مبنی عمومی اجتماعی ماحول سے لے کر ترقیب و تربیت فکری و عملی رہنمائی سب سے پیش آمد و مسائل کا حل اور تمام ضروری سہولیات و وسائل کی فراہمی شامل تھی۔ اس سلسلے میں آپؐ کا پناہ سوا اور طریق کار آپؐ کے اپنے دور کے سرکاری اہلکاروں کیسے ہی نہیں ہر دور کی اسلامی نظریہ عامہ کیلئے روشن قندیل ہے۔ اس کی چند مثالیں حسب ذیل ہیں

دار الخلافہ میں جہاں نماز کے معاملات کی نگرانی برقرار است آپؐ کی ذمہ داری تھی۔ آپؐ لوگوں پر نظر رکھتے تھے کہ کون وقت پر نماز ادا کر رہا ہے کون نہیں۔ روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ نے صبح کی نماز کے وقت سلمان بن ابی حمزہ کو نہ دیکھا۔ ان کا گھر مسجد نبوی اور بازار کے درمیان تھا جب آپؐ نماز سے فارغ ہو کر بازار جانے لگے تو راستے میں ان کی والدہ شفاءؓ ملیں تو انہیں کہا کہ میں نے صبح کی نماز میں سلمان کو نہیں دیکھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ رات وہ نماز پڑھتے رہے جس کی وجہ سے آنکھ لگ گئی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ”مجھے صبح کی جماعت میں حاضر ہونا رات بھر کی عبادت سے زیادہ عزیز ہے“<sup>(۷)</sup>۔ ایک مرتبہ آپؐ عصر کی نماز پڑھ کر ہوئے تو ایک شخص ملا تو پوچھا ”تم صلوٰۃ عصر میں کیوں شامل نہیں ہوئے؟“ اس نے کوئی نذر بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا ”تم نے اپنے ثواب کو گھٹایا“<sup>(۸)</sup>۔ عوام کی اصلاح و تربیت نظریہ عامہ کی ایک ہمہ وقتی ہمہ پہلو اور مستقل ذمہ داری ہے۔ اس لئے آپؐ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ہر وقت اسے

(۱) ۱۱۰۱ھ، ص ۱۱۰، ق ۱۱۰، (۲) ۶۰۰، (۳) مالک: ۲۷، (۴) حدود: ۱۸۳، (۵) طبرستان: ۲۰۴/۵، (۶) حرط: ۸۰، (۷) مالک: ۱۳۱، (۸) ص ۲

مرحومؒ نے میں مصروف رہے۔ ایک مرتبہ لوگوں کو سر پہ نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا ”نماز مسجد میں لڑا کیا کرو“<sup>(۱)</sup>۔ ایک عورت کو دیکھا کہ وہ بچے کو نماز کیسے اٹھا رہی ہے، لیکس وہ نہ اٹھنے کی ضد کر رہا ہے تو فرمایا ”اسے چھڑا دو جب تک سمجھے نہ لگے اس پر نماز فرض نہیں“<sup>(۲)</sup>۔ لہذا آپ یہ چاہتے تھے کہ بچوں پر قبل از وقت حتی وجہ کے بجائے انہیں آہستہ آہستہ نماز کی ترغیب دی جائے اور عادی بنایا جائے۔ ایک مرتبہ ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے نماز پڑھتے ہوئے لومڑی کی کھال کی ٹوپی پہن رکھی ہے۔ آپ نے اس کے سر سے اتار پھینکی اور فرمایا ”تمہیں پتہ نہیں کہ شاید یہ پاک نہ ہو“<sup>(۳)</sup>۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ لوگوں کی تربیت اس نچ پر کرنا چاہتے تھے کہ وہ ایک طرف تو آداب نماز میں سے ہر ایک کو وہی مقام و اہمیت دیں جو درحقیقت ہے۔ دوسری طرف باوجود تکلفات و تورات سے گریہ اختیار کر کے اصل مقصد اور اس کی روح کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ صغاتی و نظافت آپ کے نزدیک سر ڈھلپنے سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ اس لئے اس کی پاسداری کرنی چاہئے۔ آپ کا موقف دور جدید میں بھی رہنمائی فراہم کرتا ہے جہاں کئی لوگ ٹوپی نہ ہونے کی وجہ سے نماز تک چھوڑنے سے حرج محسوس نہیں کرتے اور کئی بے سوگ بھی ہیں جو سر ڈھلپنے کیلئے پٹی ہوئی اور بوسیدہ چٹائی کی غیٹہ ٹوپیاں تک سر پر رکھنا ضروری سمجھتے ہیں۔

ایک شخص کو آپ نے دیکھا کہ اس نے نماز پڑھ رہا ہے تو آپ نے فرمایا ”یہ کیا کر رہے ہو؟ اپنا سر اونچا کر و خشوع اس سے زائد کسی کیفیت کا نام نہیں ہے جو انسان کے قلب میں موجود ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص اس سے زائد خشوع لوگوں کو دکھائے جو اس کے دل میں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر اتفاق کر رہا ہے“<sup>(۴)</sup>۔ آپ نماز سے متعلق ممنوعات و مکروہات سے لوگوں کو بازر کئے کیلئے بوقت ضرورت سرزنش و حتی سے بھی گریز نہیں کرتے تھے تاکہ وہ لوگوں کی عادات کا حصہ نہ بن جائیں اور پھر کسی کیلئے بھی ان سے منع کرنا ممکن نہ رہے۔ آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ دو رکعتوں کی نیت باندھ رہا ہے جبکہ موذن اقامت کہہ رہا تھا آپ نے اس کی سرزنش کی اور فرمایا ”جب موذن اقامت کہہ رہا ہو تو اس فرض نماز کے سوا کوئی نماز جائز نہیں“<sup>(۵)</sup>۔ ”آپ ایسا کرنے والے کو مارا کرتے تھے“<sup>(۶)</sup>۔ اسی طرح آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ غروب آفتاب کے بعد اقامت سے قبل دو رکعتیں پڑھ رہا ہے اور ساتھ ہی ادھر ادھر ملتفت ہو رہا ہے۔ جب اس نے نماز پوری کی تو اسے درے سے مارا اور فرمایا ”نماز میں ادھر ادھر مت دیکھ کر دو“<sup>(۷)</sup>۔ ”نماز کی ایفیکشن میں منتہین کیلئے یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ لوگ کسی امر مباح کو فرائض و سنن کا درجہ نہ دے دیں اور مستقبل کیلئے کسی بگاڑ کا پیش خیمہ ثابت نہ ہوں۔ اس کا بد وقت ٹولس لینا اور اس کی صحیح حیثیت کو مستحکم کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ آپ نے ایک مرتبہ تمیم داری کو عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے دیکھا تو درود ادا انہوں نے اشارے سے کہا کہ بیٹھ جائیے تو آپ بیٹھ گئے۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو پوچھا ”اپنے مجھے کیوں مارا؟“ آپ نے فرمایا ”اس لئے کہ تم عصر کے بعد دو رکعت پڑھ رہے تھے حالانکہ میں نے اس سے منع کیا ہے۔“ تمیم نے کہا ”میں نے یہ رکعتیں اس کے ساتھ بھی پڑھی ہیں جو آپ سے بہتر تھے (یعنی رسول اللہ ﷺ)۔“ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”اے لوگو! مجھے تم سے کسی قسم کا اندیشہ نہیں بلکہ مجھے یہ خوف ہے کہ تمہارے بعد جو لوگ آئیں گے وہ عصر اور مغرب کے درمیان نماز پڑھا کریں گے یہاں تک کہ وہ اس ساعت میں بھی نماز پڑھنے رہیں گے جس میں رسول اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے جیسا کہ ظہر اور عصر کے درمیان پڑھتے ہیں۔ پھر کہیں گے کہ ہم نے فلاں اور فلاں کو عصر کے بعد نماز پڑھتے دیکھا ہے“<sup>(۸)</sup>۔ اسی طرح کا واقعہ حضرت زید بن خالد کے ساتھ بھی پیش آیا۔ آپ نے انہیں فرمایا ”اے زید بن خالد اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ ان دو رکعتوں کو رات تک نماز پڑھنے کا جو بے نیاس گے تو میں ان دو رکعتوں پر بھی نہ دیتا“<sup>(۹)</sup>۔ آپ یہ بھی اہتمام کرتے تھے کہ لوگ نماز صحیح صحیح پڑھا کرنا سمجھ جائیں۔

(۱) سید ۱/۸ (۲) سید ۱/۵۲ (۳) سید ۱/۵۶ (۴) سید ۱/۵۹ (۵) سید ۱/۷۲ (۶) عبدلرحمن ۱/۴۳۶ (۷) سید ۱/۶۸ (۸)

بہارِ قات آپ صبر پہ کھڑے ہو کر لوگوں کو تشہد سکھاتے اور فرماتے "کہو الصلوات للہ الخ" (۱)۔ "عقہ بیان کرتے ہیں کہ (کبھی کبھی) حضرت عمرؓ ثناء پڑھتے وقت ہی آواز بند کر لیا کرتے تھے جس سے ہم یقین کر لیتے تھے کہ آپ ہمیں سکھانا چاہتے ہیں" (۲)۔ یہ اور اس طرح کی دیگر بے شمار روایات یہ ظاہر کرتی ہیں کہ اقامت صلوٰۃ سے متعلق تمام امور کی سرانجام دہی نظریہ عامہ کے فرائض منصبی میں شامل ہے۔ آپ نے اس کو اتنی زیادہ اہمیت دی کہ لوگ خود ادا کرنے کے ساتھ ساتھ ہر ایک جیسی سے یہ بھی جائزہ لیتے تھے کہ حکومت کے افسران کس کیفیت و طریقے سے نماز ادا کرتے ہیں۔ اس کی برطرفی کیسے فاروق اعظمؓ کے سامنے شکایت کافی ہوتی تھی کہ "نماز اچھی طرح ادا نہیں کرتے جیسا کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے خلاف اہل کوفہ نے شکایت کی۔ آپ نے انہیں ہر طرف کر کے حضرت عمار بن یاسرؓ کو گور نہ بلوایا۔ آپ نے انہیں بلا بھیجا جب وہ اپنے پیچھے تو ان سے پوچھا "اے ابوالحق کوفہ وہاں کا خیال ہے کہ تم اچھی طرح نماز نہیں پڑھتے اور پڑھاتے؟" انہوں نے جواب دیا کہ "خدا کو کون ہے کہ میں انہیں نبی کریم ﷺ کی طرح نماز پڑھاتا تھا اور اس میں کوئی کوتاہی نہیں کرتا تھا۔ عشاء کی نماز پڑھاتا تو اس میں پہلی دو رکعتیں طویل کرتا اور دوسری دو رکعتیں ہلکی پڑھاتا۔" آپ نے فرمایا "اے ابوالحق! تم سے مجھے یہی سید تھی۔" پھر بھی آپ نے کئی آدمیوں کے ساتھ انہیں کوفہ بھیجا (تاکہ مزید تحقیق کی جاسکے) قاصد ہر ہر مسجد میں جا کر سنا لے متعلق سوال کرتا اکثر لوگوں نے تعریف کی (۳)۔ آپ نے انہیں اس کے باوجود کوفہ کی امداد پر بحال نہ کیا بلکہ اور طرف بھیج دیا تاکہ نماز کے معاملے میں افسران اور عوام کے مابین اعتماد کا فقدان اصلاح و تربیت کے کام میں حائل نہ ہو۔

یورپ نے بڑے خوبصورت انداز میں ایڈمنسٹریشن اور منجمنٹ کے نقطہ نظر سے نماز کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے نمبر پر دور جدید کے اداروں میں لنچ ٹائم اس لئے مقرر کیا جاتا ہے کہ لوگ دوبارہ جسمانی توانائی حاصل کر کے کام پر آسکیں۔ اگر اس میں نماز ظہر کا وقت شامل کر دیا جائے تو لوگ روحانی و نفسی توانائی حاصل کر کے زیادہ فعال کروا دیا کر سکنے کے قابل ہو جائیں گے۔ دوسرا یہ کہ اسلامی تنظیم میں قیام صلوٰۃ کا فروغ مرد و خواتین کو غور کرنے پر مجبور کرتا ہے کہ کہیں غلط کام تو نہیں کیا۔ اس طرح ضمیر کی اندرونی میکانیت سے ان کی اصلاح کرتا ہے۔ تیسرا یہ کہ کام بذات خود مقصد نہیں ہے بلکہ حصوں مقصد کا ذریعہ ہے۔ نماز سے اللہ کا فرض ادا کرنے سے دیگر فرائض کی ادائیگی کی تحریک پیدا ہوتی ہے جو اپنے سر پر لیا ہوا تھوڑا سا کام بڑا کر دیتے ہیں۔ چوتھا یہ کہ معرب میں تنظیمی ترقی (OD) کیلئے احساس بیدار کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ نماز انسانی شخصیت اور رویوں کی ترقی میں جو موثر کردار ادا کرتی ہے وہ تنظیمی ترقی کیلئے مغربی طریقوں کا بہترین تہا ہے۔ پانچواں یہ کہ سوشلائزیشن ایڈمنسٹریشن اور منجمنٹ کی اہم ضرورت ہوتی ہے۔ نماز افسران اور ماتھوں کے مابین باہمی روابط کی نہایت اعلیٰ مثال ہے جہاں ان کے مابین مراتب کا فرق ختم ہو جاتا ہے اور ایک دوسرے سے ملنے ہیں۔ اس کے برعکس مغربی طریقوں میں منتظمین اور کارکن ایک دوسرا بیٹھے بیٹھے میں کتنی مرتبہ بالمشافہ ملتے ہیں؟ چھٹا یہ کہ لنچ ٹائم میں جسم کو غذا فراہم کرنا اور نماز کے وقت روح کو غذا فراہم کرنا اسلامی ایڈمنسٹریشن میں توازن پیدا کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کا ایک تحفہ ہے جس سے وہ زندگی کے تمام امور میں جسم اور روح کو ملا کر حصہ لیتے ہیں۔ آخری یہ کہ نماز سے جسم کے مختلف حصوں کی مخصوص حرکات و سکنات سے روحانیت کے ساتھ ساتھ جسمانی ورزش کا پہلو بھی پایا جاتا ہے جو پورے جسم کو تازہ کر دیتا ہے (۴)۔

## ۳۔ نظام زکوٰۃ

صلوٰۃ کی طرح زکوٰۃ بھی ایک ایسا فریضہ ہے جس کے تقاضے اجتماعی نظام کار کے وضع کئے بغیر پورے نہیں ہو سکتے۔ اس لئے ارشادِ ربانی کے مطابق یہ نظمیں نے فرائض منصبی میں شامل ہے "الذین ان مکھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ" نبی کریم ﷺ نے اس کی تحصیل و تقسیم کیلئے باقاعدہ نظام وضع فرمایا، عاتین مقرر فرمائے۔ قرآن حکیم میں اس کے مصارف میں سے "والعاملین علیہا" کی باقاعدہ مدد اسی غرض کیلئے مقرر کی گئی ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دس میں وفات ہوئی کے بعد یہ خواہش رہی "اگر کہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں دریافت کر لیا ہو تاکہ جو شخص صدقہ (زکوٰۃ) دینے سے انکار کرے" اس کے باوجود کہ میں اسے صحیح مصرف میں استعمال کر رہا ہوں تو کیا میں اس سے جہاد کروں؟ تو میرے لئے یہ معلوم کر بیٹا سرخ اونٹوں کے پانے سے بہتر ہوتا (۱)۔ تاہم حضرت ابو بکر صدیقؓ نے انھیں زکوٰۃ کے خلاف جہاد کا جو فیصلہ فرمایا سب نے بحث و تحقیق کے بعد اسے قبول کر کے اجتماعی حیثیت دے دی۔ بقول حضرت عمرؓ "اللہ تعالیٰ نے انھیں زکوٰۃ سے جہاد کے مسئلے میں حضرت ابو بکرؓ کو شرح صدر فرمادیا تھا مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ یہی حق ہے" (۲)۔ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ کو وصیت فرمائی تھی کہ جو شخص مال زکوٰۃ عامل حکومت کے سوا کسی غیر کے حوالے کرے اگرچہ وہ مال پوری دنیا کیوں نہ ہو عند اللہ قابل قبول نہیں (۳)۔ آپ کا زکوٰۃ کے معاملات سے دلچسپی کا یہ عام تھا کہ آپ نے ایک مکتوب جس میں زکوٰۃ کا پورا اصاب درج تھا تلوار کی ایک نیام میں محفوظ کر رکھا تھا (۴)۔ اس کا مضمون بالکل صحیفہ صادقہ سے ملتا جلتا تھا (۵)۔

آپ کے عہد خلافت میں سلطنت میں وسعت کے ساتھ مسائل و معاملات میں بھی وسعت پیدا ہوئی تو آپ نے نہایت ٹھوس اور وسیع نظام کار وضع فرمایا اور عاتین کو دو قافلات جو ہدایات دیتے رہتے تھے وہ عہد جدید میں ہمارے لئے بہترین رہنمائی فراہم کرتی ہیں۔ اس سلسلے میں آپ نے پہلا اہم کام یہ کیا کہ نہایت تجربہ کار دیانتدار اور اعلیٰ پائے کے لوگ بطور عامل مقرر فرمائے جو زکوٰۃ کے ساتھ دیگر محاصل بھی وصول کرتے تھے۔ بقول دور دی خلیفہ کے فرائض میں ہے کہ دیانتداروں کو اپنا قائم مقام اور قابل اعتماد لوگوں کو کم و کمال عامل مقرر کرنے اور خزانے کو ایسے لوگوں کے سپرد کرے تاکہ انتظام قابل لوگوں سے مضبوط ہو اور خزانہ دیانتداروں کے قبضے میں محفوظ ہو (۶)۔ ان میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت محمد بن مسلمہؓ، حضرت زیاد بن حدادؓ، حضرت حذیفہ بن یمانؓ، حضرت عثمان بن عفیفؓ جیسے لوگ شامل تھے۔ آپ خود دیانتداری کی اعلیٰ مثال پیش کرتے اس لئے عاتین بھی تقلید کرتے۔ ایک عامل زکوٰۃ ابن ابی ربیعہ اپنی جمع کردہ زکوٰۃ لائے جب مدینے پہنچے تو حضرت عمرؓ ان کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں کھجوریں پیش کیں۔ انہوں نے تو تناول کیس لیکن حضرت عمرؓ نے نہ کھائیں۔ اس پر ابن ابی ربیعہ بولے "خدا آپ کا بھلا کرے ہم تو ان (زکوٰۃ کے جانوروں) کا دودھ بھی پیتے ہیں اور ان میں سے بعض کو کھا بھی لیتے ہیں۔" حضرت عمرؓ نے جواب دیا "میرا موقف تمہاری طرح کا نہیں ہے۔ تم تو ان جانوروں کی دوسوں کے پیچھے لگے رہتے ہو تب تم ان میں سے کچھ لے پیتے ہو لیکن میری کیفیت تمہاری طرح نہیں ہے" (۷)۔ "ایک دفعہ آپ نے دودھ پیا تو بھلا معلوم ہوا پوچھا "یہ کہاں سے آیا ہے؟" لانے والے نے بتایا کہ میں پانی (کے حوض) پر گیا وہاں زکوٰۃ کے جانور پانی پی رہے تھے۔ لوگوں نے اس کا دودھ نیچہ ذکر مجھے دیا میں نے اپنی مشک میں ڈال لیا"

(۱) عبد اللہ بن مسعودؓ ۲۹۲ھ، ۱۰۱ھ، ۱۱۷ھ، ۱۱۸ھ، ۱۱۹ھ، ۱۲۰ھ، ۱۲۱ھ، ۱۲۲ھ، ۱۲۳ھ، ۱۲۴ھ، ۱۲۵ھ، ۱۲۶ھ، ۱۲۷ھ، ۱۲۸ھ، ۱۲۹ھ، ۱۳۰ھ، ۱۳۱ھ، ۱۳۲ھ، ۱۳۳ھ، ۱۳۴ھ، ۱۳۵ھ، ۱۳۶ھ، ۱۳۷ھ، ۱۳۸ھ، ۱۳۹ھ، ۱۴۰ھ، ۱۴۱ھ، ۱۴۲ھ، ۱۴۳ھ، ۱۴۴ھ، ۱۴۵ھ، ۱۴۶ھ، ۱۴۷ھ، ۱۴۸ھ، ۱۴۹ھ، ۱۵۰ھ، ۱۵۱ھ، ۱۵۲ھ، ۱۵۳ھ، ۱۵۴ھ، ۱۵۵ھ، ۱۵۶ھ، ۱۵۷ھ، ۱۵۸ھ، ۱۵۹ھ، ۱۶۰ھ، ۱۶۱ھ، ۱۶۲ھ، ۱۶۳ھ، ۱۶۴ھ، ۱۶۵ھ، ۱۶۶ھ، ۱۶۷ھ، ۱۶۸ھ، ۱۶۹ھ، ۱۷۰ھ، ۱۷۱ھ، ۱۷۲ھ، ۱۷۳ھ، ۱۷۴ھ، ۱۷۵ھ، ۱۷۶ھ، ۱۷۷ھ، ۱۷۸ھ، ۱۷۹ھ، ۱۸۰ھ، ۱۸۱ھ، ۱۸۲ھ، ۱۸۳ھ، ۱۸۴ھ، ۱۸۵ھ، ۱۸۶ھ، ۱۸۷ھ، ۱۸۸ھ، ۱۸۹ھ، ۱۹۰ھ، ۱۹۱ھ، ۱۹۲ھ، ۱۹۳ھ، ۱۹۴ھ، ۱۹۵ھ، ۱۹۶ھ، ۱۹۷ھ، ۱۹۸ھ، ۱۹۹ھ، ۲۰۰ھ، ۲۰۱ھ، ۲۰۲ھ، ۲۰۳ھ، ۲۰۴ھ، ۲۰۵ھ، ۲۰۶ھ، ۲۰۷ھ، ۲۰۸ھ، ۲۰۹ھ، ۲۱۰ھ، ۲۱۱ھ، ۲۱۲ھ، ۲۱۳ھ، ۲۱۴ھ، ۲۱۵ھ، ۲۱۶ھ، ۲۱۷ھ، ۲۱۸ھ، ۲۱۹ھ، ۲۲۰ھ، ۲۲۱ھ، ۲۲۲ھ، ۲۲۳ھ، ۲۲۴ھ، ۲۲۵ھ، ۲۲۶ھ، ۲۲۷ھ، ۲۲۸ھ، ۲۲۹ھ، ۲۳۰ھ، ۲۳۱ھ، ۲۳۲ھ، ۲۳۳ھ، ۲۳۴ھ، ۲۳۵ھ، ۲۳۶ھ، ۲۳۷ھ، ۲۳۸ھ، ۲۳۹ھ، ۲۴۰ھ، ۲۴۱ھ، ۲۴۲ھ، ۲۴۳ھ، ۲۴۴ھ، ۲۴۵ھ، ۲۴۶ھ، ۲۴۷ھ، ۲۴۸ھ، ۲۴۹ھ، ۲۵۰ھ، ۲۵۱ھ، ۲۵۲ھ، ۲۵۳ھ، ۲۵۴ھ، ۲۵۵ھ، ۲۵۶ھ، ۲۵۷ھ، ۲۵۸ھ، ۲۵۹ھ، ۲۶۰ھ، ۲۶۱ھ، ۲۶۲ھ، ۲۶۳ھ، ۲۶۴ھ، ۲۶۵ھ، ۲۶۶ھ، ۲۶۷ھ، ۲۶۸ھ، ۲۶۹ھ، ۲۷۰ھ، ۲۷۱ھ، ۲۷۲ھ، ۲۷۳ھ، ۲۷۴ھ، ۲۷۵ھ، ۲۷۶ھ، ۲۷۷ھ، ۲۷۸ھ، ۲۷۹ھ، ۲۸۰ھ، ۲۸۱ھ، ۲۸۲ھ، ۲۸۳ھ، ۲۸۴ھ، ۲۸۵ھ، ۲۸۶ھ، ۲۸۷ھ، ۲۸۸ھ، ۲۸۹ھ، ۲۹۰ھ، ۲۹۱ھ، ۲۹۲ھ، ۲۹۳ھ، ۲۹۴ھ، ۲۹۵ھ، ۲۹۶ھ، ۲۹۷ھ، ۲۹۸ھ، ۲۹۹ھ، ۳۰۰ھ، ۳۰۱ھ، ۳۰۲ھ، ۳۰۳ھ، ۳۰۴ھ، ۳۰۵ھ، ۳۰۶ھ، ۳۰۷ھ، ۳۰۸ھ، ۳۰۹ھ، ۳۱۰ھ، ۳۱۱ھ، ۳۱۲ھ، ۳۱۳ھ، ۳۱۴ھ، ۳۱۵ھ، ۳۱۶ھ، ۳۱۷ھ، ۳۱۸ھ، ۳۱۹ھ، ۳۲۰ھ، ۳۲۱ھ، ۳۲۲ھ، ۳۲۳ھ، ۳۲۴ھ، ۳۲۵ھ، ۳۲۶ھ، ۳۲۷ھ، ۳۲۸ھ، ۳۲۹ھ، ۳۳۰ھ، ۳۳۱ھ، ۳۳۲ھ، ۳۳۳ھ، ۳۳۴ھ، ۳۳۵ھ، ۳۳۶ھ، ۳۳۷ھ، ۳۳۸ھ، ۳۳۹ھ، ۳۴۰ھ، ۳۴۱ھ، ۳۴۲ھ، ۳۴۳ھ، ۳۴۴ھ، ۳۴۵ھ، ۳۴۶ھ، ۳۴۷ھ، ۳۴۸ھ، ۳۴۹ھ، ۳۵۰ھ، ۳۵۱ھ، ۳۵۲ھ، ۳۵۳ھ، ۳۵۴ھ، ۳۵۵ھ، ۳۵۶ھ، ۳۵۷ھ، ۳۵۸ھ، ۳۵۹ھ، ۳۶۰ھ، ۳۶۱ھ، ۳۶۲ھ، ۳۶۳ھ، ۳۶۴ھ، ۳۶۵ھ، ۳۶۶ھ، ۳۶۷ھ، ۳۶۸ھ، ۳۶۹ھ، ۳۷۰ھ، ۳۷۱ھ، ۳۷۲ھ، ۳۷۳ھ، ۳۷۴ھ، ۳۷۵ھ، ۳۷۶ھ، ۳۷۷ھ، ۳۷۸ھ، ۳۷۹ھ، ۳۸۰ھ، ۳۸۱ھ، ۳۸۲ھ، ۳۸۳ھ، ۳۸۴ھ، ۳۸۵ھ، ۳۸۶ھ، ۳۸۷ھ، ۳۸۸ھ، ۳۸۹ھ، ۳۹۰ھ، ۳۹۱ھ، ۳۹۲ھ، ۳۹۳ھ، ۳۹۴ھ، ۳۹۵ھ، ۳۹۶ھ، ۳۹۷ھ، ۳۹۸ھ، ۳۹۹ھ، ۴۰۰ھ، ۴۰۱ھ، ۴۰۲ھ، ۴۰۳ھ، ۴۰۴ھ، ۴۰۵ھ، ۴۰۶ھ، ۴۰۷ھ، ۴۰۸ھ، ۴۰۹ھ، ۴۱۰ھ، ۴۱۱ھ، ۴۱۲ھ، ۴۱۳ھ، ۴۱۴ھ، ۴۱۵ھ، ۴۱۶ھ، ۴۱۷ھ، ۴۱۸ھ، ۴۱۹ھ، ۴۲۰ھ، ۴۲۱ھ، ۴۲۲ھ، ۴۲۳ھ، ۴۲۴ھ، ۴۲۵ھ، ۴۲۶ھ، ۴۲۷ھ، ۴۲۸ھ، ۴۲۹ھ، ۴۳۰ھ، ۴۳۱ھ، ۴۳۲ھ، ۴۳۳ھ، ۴۳۴ھ، ۴۳۵ھ، ۴۳۶ھ، ۴۳۷ھ، ۴۳۸ھ، ۴۳۹ھ، ۴۴۰ھ، ۴۴۱ھ، ۴۴۲ھ، ۴۴۳ھ، ۴۴۴ھ، ۴۴۵ھ، ۴۴۶ھ، ۴۴۷ھ، ۴۴۸ھ، ۴۴۹ھ، ۴۵۰ھ، ۴۵۱ھ، ۴۵۲ھ، ۴۵۳ھ، ۴۵۴ھ، ۴۵۵ھ، ۴۵۶ھ، ۴۵۷ھ، ۴۵۸ھ، ۴۵۹ھ، ۴۶۰ھ، ۴۶۱ھ، ۴۶۲ھ، ۴۶۳ھ، ۴۶۴ھ، ۴۶۵ھ، ۴۶۶ھ، ۴۶۷ھ، ۴۶۸ھ، ۴۶۹ھ، ۴۷۰ھ، ۴۷۱ھ، ۴۷۲ھ، ۴۷۳ھ، ۴۷۴ھ، ۴۷۵ھ، ۴۷۶ھ، ۴۷۷ھ، ۴۷۸ھ، ۴۷۹ھ، ۴۸۰ھ، ۴۸۱ھ، ۴۸۲ھ، ۴۸۳ھ، ۴۸۴ھ، ۴۸۵ھ، ۴۸۶ھ، ۴۸۷ھ، ۴۸۸ھ، ۴۸۹ھ، ۴۹۰ھ، ۴۹۱ھ، ۴۹۲ھ، ۴۹۳ھ، ۴۹۴ھ، ۴۹۵ھ، ۴۹۶ھ، ۴۹۷ھ، ۴۹۸ھ، ۴۹۹ھ، ۵۰۰ھ، ۵۰۱ھ، ۵۰۲ھ، ۵۰۳ھ، ۵۰۴ھ، ۵۰۵ھ، ۵۰۶ھ، ۵۰۷ھ، ۵۰۸ھ، ۵۰۹ھ، ۵۱۰ھ، ۵۱۱ھ، ۵۱۲ھ، ۵۱۳ھ، ۵۱۴ھ، ۵۱۵ھ، ۵۱۶ھ، ۵۱۷ھ، ۵۱۸ھ، ۵۱۹ھ، ۵۲۰ھ، ۵۲۱ھ، ۵۲۲ھ، ۵۲۳ھ، ۵۲۴ھ، ۵۲۵ھ، ۵۲۶ھ، ۵۲۷ھ، ۵۲۸ھ، ۵۲۹ھ، ۵۳۰ھ، ۵۳۱ھ، ۵۳۲ھ، ۵۳۳ھ، ۵۳۴ھ، ۵۳۵ھ، ۵۳۶ھ، ۵۳۷ھ، ۵۳۸ھ، ۵۳۹ھ، ۵۴۰ھ، ۵۴۱ھ، ۵۴۲ھ، ۵۴۳ھ، ۵۴۴ھ، ۵۴۵ھ، ۵۴۶ھ، ۵۴۷ھ، ۵۴۸ھ، ۵۴۹ھ، ۵۵۰ھ، ۵۵۱ھ، ۵۵۲ھ، ۵۵۳ھ، ۵۵۴ھ، ۵۵۵ھ، ۵۵۶ھ، ۵۵۷ھ، ۵۵۸ھ، ۵۵۹ھ، ۵۶۰ھ، ۵۶۱ھ، ۵۶۲ھ، ۵۶۳ھ، ۵۶۴ھ، ۵۶۵ھ، ۵۶۶ھ، ۵۶۷ھ، ۵۶۸ھ، ۵۶۹ھ، ۵۷۰ھ، ۵۷۱ھ، ۵۷۲ھ، ۵۷۳ھ، ۵۷۴ھ، ۵۷۵ھ، ۵۷۶ھ، ۵۷۷ھ، ۵۷۸ھ، ۵۷۹ھ، ۵۸۰ھ، ۵۸۱ھ، ۵۸۲ھ، ۵۸۳ھ، ۵۸۴ھ، ۵۸۵ھ، ۵۸۶ھ، ۵۸۷ھ، ۵۸۸ھ، ۵۸۹ھ، ۵۹۰ھ، ۵۹۱ھ، ۵۹۲ھ، ۵۹۳ھ، ۵۹۴ھ، ۵۹۵ھ، ۵۹۶ھ، ۵۹۷ھ، ۵۹۸ھ، ۵۹۹ھ، ۶۰۰ھ، ۶۰۱ھ، ۶۰۲ھ، ۶۰۳ھ، ۶۰۴ھ، ۶۰۵ھ، ۶۰۶ھ، ۶۰۷ھ، ۶۰۸ھ، ۶۰۹ھ، ۶۱۰ھ، ۶۱۱ھ، ۶۱۲ھ، ۶۱۳ھ، ۶۱۴ھ، ۶۱۵ھ، ۶۱۶ھ، ۶۱۷ھ، ۶۱۸ھ، ۶۱۹ھ، ۶۲۰ھ، ۶۲۱ھ، ۶۲۲ھ، ۶۲۳ھ، ۶۲۴ھ، ۶۲۵ھ، ۶۲۶ھ، ۶۲۷ھ، ۶۲۸ھ، ۶۲۹ھ، ۶۳۰ھ، ۶۳۱ھ، ۶۳۲ھ، ۶۳۳ھ، ۶۳۴ھ، ۶۳۵ھ، ۶۳۶ھ، ۶۳۷ھ، ۶۳۸ھ، ۶۳۹ھ، ۶۴۰ھ، ۶۴۱ھ، ۶۴۲ھ، ۶۴۳ھ، ۶۴۴ھ، ۶۴۵ھ، ۶۴۶ھ، ۶۴۷ھ، ۶۴۸ھ، ۶۴۹ھ، ۶۵۰ھ، ۶۵۱ھ، ۶۵۲ھ، ۶۵۳ھ، ۶۵۴ھ، ۶۵۵ھ، ۶۵۶ھ، ۶۵۷ھ، ۶۵۸ھ، ۶۵۹ھ، ۶۶۰ھ، ۶۶۱ھ، ۶۶۲ھ، ۶۶۳ھ، ۶۶۴ھ، ۶۶۵ھ، ۶۶۶ھ، ۶۶۷ھ، ۶۶۸ھ، ۶۶۹ھ، ۶۷۰ھ، ۶۷۱ھ، ۶۷۲ھ، ۶۷۳ھ، ۶۷۴ھ، ۶۷۵ھ، ۶۷۶ھ، ۶۷۷ھ، ۶۷۸ھ، ۶۷۹ھ، ۶۸۰ھ، ۶۸۱ھ، ۶۸۲ھ، ۶۸۳ھ، ۶۸۴ھ، ۶۸۵ھ، ۶۸۶ھ، ۶۸۷ھ، ۶۸۸ھ، ۶۸۹ھ، ۶۹۰ھ، ۶۹۱ھ، ۶۹۲ھ، ۶۹۳ھ، ۶۹۴ھ، ۶۹۵ھ، ۶۹۶ھ، ۶۹۷ھ، ۶۹۸ھ، ۶۹۹ھ، ۷۰۰ھ، ۷۰۱ھ، ۷۰۲ھ، ۷۰۳ھ، ۷۰۴ھ، ۷۰۵ھ، ۷۰۶ھ، ۷۰۷ھ، ۷۰۸ھ، ۷۰۹ھ، ۷۱۰ھ، ۷۱۱ھ، ۷۱۲ھ، ۷۱۳ھ، ۷۱۴ھ، ۷۱۵ھ، ۷۱۶ھ، ۷۱۷ھ، ۷۱۸ھ، ۷۱۹ھ، ۷۲۰ھ، ۷۲۱ھ، ۷۲۲ھ، ۷۲۳ھ، ۷۲۴ھ، ۷۲۵ھ، ۷۲۶ھ، ۷۲۷ھ، ۷۲۸ھ، ۷۲۹ھ، ۷۳۰ھ، ۷۳۱ھ، ۷۳۲ھ، ۷۳۳ھ، ۷۳۴ھ، ۷۳۵ھ، ۷۳۶ھ، ۷۳۷ھ، ۷۳۸ھ، ۷۳۹ھ، ۷۴۰ھ، ۷۴۱ھ، ۷۴۲ھ، ۷۴۳ھ، ۷۴۴ھ، ۷۴۵ھ، ۷۴۶ھ، ۷۴۷ھ، ۷۴۸ھ، ۷۴۹ھ، ۷۵۰ھ، ۷۵۱ھ، ۷۵۲ھ، ۷۵۳ھ، ۷۵۴ھ، ۷۵۵ھ، ۷۵۶ھ، ۷۵۷ھ، ۷۵۸ھ، ۷۵۹ھ، ۷۶۰ھ، ۷۶۱ھ، ۷۶۲ھ، ۷۶۳ھ، ۷۶۴ھ، ۷۶۵ھ، ۷۶۶ھ، ۷۶۷ھ، ۷۶۸ھ، ۷۶۹ھ، ۷۷۰ھ، ۷۷۱ھ، ۷۷۲ھ، ۷۷۳ھ، ۷۷۴ھ، ۷۷۵ھ، ۷۷۶ھ، ۷۷۷ھ، ۷۷۸ھ، ۷۷۹ھ، ۷۸۰ھ، ۷۸۱ھ، ۷۸۲ھ، ۷۸۳ھ، ۷۸۴ھ، ۷۸۵ھ، ۷۸۶ھ، ۷۸۷ھ، ۷۸۸ھ، ۷۸۹ھ، ۷۹۰ھ، ۷۹۱ھ، ۷۹۲ھ، ۷۹۳ھ، ۷۹۴ھ، ۷۹۵ھ، ۷۹۶ھ، ۷۹۷ھ، ۷۹۸ھ، ۷۹۹ھ، ۸۰۰ھ، ۸۰۱ھ، ۸۰۲ھ، ۸۰۳ھ، ۸۰۴ھ، ۸۰۵ھ، ۸۰۶ھ، ۸۰۷ھ، ۸۰۸ھ، ۸۰۹ھ، ۸۱۰ھ، ۸۱۱ھ، ۸۱۲ھ، ۸۱۳ھ، ۸۱۴ھ، ۸۱۵ھ، ۸۱۶ھ، ۸۱۷ھ، ۸۱۸ھ، ۸۱۹ھ، ۸۲۰ھ، ۸۲۱ھ، ۸۲۲ھ، ۸۲۳ھ، ۸۲۴ھ، ۸۲۵ھ، ۸۲۶ھ، ۸۲۷ھ، ۸۲۸ھ، ۸۲۹ھ، ۸۳۰ھ، ۸۳۱ھ، ۸۳۲ھ، ۸۳۳ھ، ۸۳۴ھ، ۸۳۵ھ، ۸۳۶ھ، ۸۳۷ھ، ۸۳۸ھ، ۸۳۹ھ، ۸۴۰ھ، ۸۴۱ھ، ۸۴۲ھ، ۸۴۳ھ، ۸۴۴ھ، ۸۴۵ھ، ۸۴۶ھ، ۸۴۷ھ، ۸۴۸ھ، ۸۴۹ھ، ۸۵۰ھ، ۸۵۱ھ، ۸۵۲ھ، ۸۵۳ھ، ۸۵۴ھ، ۸۵۵ھ، ۸۵۶ھ، ۸۵۷ھ، ۸۵۸ھ، ۸۵۹ھ، ۸۶۰ھ، ۸۶۱ھ، ۸۶۲ھ، ۸۶۳ھ، ۸۶۴ھ، ۸۶۵ھ، ۸۶۶ھ، ۸۶۷ھ، ۸۶۸ھ، ۸۶۹ھ، ۸۷۰ھ، ۸۷۱ھ، ۸۷۲ھ، ۸۷۳ھ، ۸۷۴ھ، ۸۷۵ھ، ۸۷۶ھ، ۸۷۷ھ، ۸۷۸ھ، ۸۷۹ھ، ۸۸۰ھ، ۸۸۱ھ، ۸۸۲ھ، ۸۸۳ھ، ۸۸۴ھ، ۸۸۵ھ، ۸۸۶ھ، ۸۸۷ھ، ۸۸۸ھ، ۸۸۹ھ، ۸۹۰ھ، ۸۹۱ھ، ۸۹۲ھ، ۸۹۳ھ، ۸۹۴ھ، ۸۹۵ھ، ۸۹۶ھ، ۸۹۷ھ، ۸۹۸ھ، ۸۹۹ھ، ۹۰۰ھ، ۹۰۱ھ، ۹۰۲ھ، ۹۰۳ھ، ۹۰۴ھ، ۹۰۵ھ، ۹۰۶ھ، ۹۰۷ھ، ۹۰۸ھ، ۹۰۹ھ، ۹۱۰ھ، ۹۱۱ھ، ۹۱۲ھ، ۹۱۳ھ، ۹۱۴ھ، ۹۱۵ھ، ۹۱۶ھ، ۹۱۷ھ، ۹۱۸ھ، ۹۱۹ھ، ۹۲۰ھ، ۹۲۱ھ، ۹۲۲ھ، ۹۲۳ھ، ۹۲۴ھ، ۹۲۵ھ، ۹۲۶ھ، ۹۲۷ھ، ۹۲۸ھ، ۹۲۹ھ، ۹۳۰ھ، ۹۳۱ھ، ۹۳۲ھ، ۹۳۳ھ، ۹۳۴ھ، ۹۳۵ھ، ۹۳۶ھ، ۹۳۷ھ، ۹۳۸ھ، ۹۳۹ھ، ۹۴۰ھ، ۹۴۱ھ، ۹۴۲ھ، ۹۴۳ھ، ۹۴۴ھ، ۹۴۵ھ، ۹۴۶ھ، ۹۴۷ھ، ۹۴۸ھ، ۹۴۹ھ، ۹۵۰ھ، ۹۵۱ھ، ۹۵۲ھ، ۹۵۳ھ، ۹۵۴ھ، ۹۵۵ھ، ۹۵۶ھ، ۹۵۷ھ، ۹۵۸ھ، ۹۵۹ھ، ۹۶۰ھ، ۹۶۱ھ، ۹۶۲ھ، ۹۶۳ھ، ۹۶۴ھ، ۹۶۵ھ، ۹۶۶ھ، ۹۶۷ھ، ۹۶۸ھ، ۹۶۹ھ، ۹۷۰ھ، ۹۷۱ھ، ۹۷۲ھ، ۹۷۳ھ، ۹۷۴ھ، ۹۷۵ھ، ۹۷۶ھ، ۹۷۷ھ، ۹۷۸ھ، ۹۷۹ھ، ۹۸۰ھ، ۹۸۱ھ، ۹۸۲ھ، ۹۸۳ھ، ۹۸۴ھ، ۹۸۵ھ، ۹۸۶ھ، ۹۸۷ھ، ۹۸۸ھ، ۹۸۹ھ، ۹۹۰ھ، ۹۹۱ھ، ۹۹۲ھ، ۹۹۳ھ، ۹۹۴ھ، ۹۹۵ھ، ۹۹۶ھ، ۹۹۷ھ، ۹۹۸ھ، ۹۹۹ھ، ۱۰۰۰ھ، ۱۰۰۱ھ، ۱۰۰۲ھ، ۱۰۰۳ھ، ۱۰۰۴ھ، ۱۰۰۵ھ، ۱۰۰۶ھ، ۱۰۰۷ھ، ۱۰۰۸ھ، ۱۰۰۹ھ، ۱۰۱۰ھ، ۱۰۱۱ھ، ۱۰۱۲ھ، ۱۰۱۳ھ، ۱۰۱۴ھ، ۱۰۱۵ھ، ۱۰۱۶ھ، ۱۰۱۷ھ، ۱۰۱۸ھ، ۱۰۱۹ھ، ۱۰۲۰ھ، ۱۰۲۱ھ، ۱۰۲۲ھ، ۱۰۲۳ھ، ۱۰۲۴ھ، ۱۰۲۵ھ، ۱۰۲۶ھ، ۱۰۲۷ھ، ۱۰۲۸ھ، ۱۰۲۹ھ، ۱۰۳۰ھ، ۱۰۳۱ھ، ۱۰۳۲ھ، ۱۰۳۳ھ، ۱۰۳۴ھ، ۱۰۳۵ھ، ۱۰۳۶ھ، ۱۰۳۷ھ، ۱۰۳۸ھ، ۱۰۳۹ھ، ۱۰۴۰ھ، ۱۰۴۱ھ، ۱۰۴۲ھ، ۱۰۴۳ھ، ۱۰۴۴ھ، ۱۰۴۵ھ، ۱۰۴۶ھ، ۱۰۴۷ھ، ۱۰۴۸ھ، ۱۰۴۹ھ، ۱۰۵۰ھ، ۱۰۵۱ھ، ۱۰۵۲ھ، ۱۰۵۳ھ، ۱۰۵۴ھ، ۱۰۵۵ھ، ۱۰۵۶ھ، ۱۰۵۷ھ، ۱۰۵۸ھ، ۱۰۵۹ھ، ۱۰۶۰ھ، ۱۰۶۱ھ، ۱۰۶۲ھ، ۱۰۶۳ھ، ۱۰۶۴ھ، ۱۰۶۵ھ، ۱۰۶۶ھ، ۱۰۶۷ھ، ۱۰۶۸ھ، ۱۰۶۹ھ، ۱۰۷۰ھ، ۱۰۷۱ھ، ۱۰۷۲ھ، ۱۰۷۳ھ، ۱۰۷۴ھ، ۱۰۷۵ھ، ۱۰۷۶ھ، ۱۰۷۷ھ، ۱۰۷۸ھ، ۱۰۷۹ھ، ۱۰۸۰ھ، ۱۰۸۱ھ، ۱۰۸۲ھ، ۱۰۸۳ھ، ۱۰۸۴ھ، ۱۰۸۵ھ، ۱۰۸۶ھ، ۱۰۸۷ھ، ۱۰۸۸ھ، ۱۰۸۹ھ، ۱۰۹۰ھ، ۱۰۹۱ھ، ۱۰۹۲ھ، ۱۰۹۳ھ، ۱۰۹۴ھ، ۱۰۹۵ھ، ۱۰۹۶ھ، ۱۰۹۷ھ، ۱۰۹۸ھ، ۱۰۹۹ھ، ۱۱۰۰ھ، ۱۱۰۱ھ، ۱۱۰۲ھ، ۱۱۰۳ھ، ۱۱۰۴ھ، ۱۱۰۵ھ، ۱۱۰۶ھ، ۱۱۰۷ھ، ۱۱۰۸ھ، ۱۱۰۹ھ، ۱۱۱۰ھ، ۱۱۱۱ھ، ۱۱۱۲ھ، ۱۱۱۳ھ، ۱۱۱۴ھ، ۱۱۱۵ھ، ۱۱۱۶ھ، ۱۱۱۷ھ، ۱۱۱۸ھ، ۱۱۱۹ھ، ۱۱۲۰ھ، ۱۱۲۱ھ، ۱۱۲۲ھ، ۱۱۲۳ھ، ۱۱۲۴ھ، ۱۱۲۵ھ، ۱۱۲۶ھ، ۱۱۲۷ھ، ۱۱۲۸ھ، ۱۱۲۹ھ، ۱۱۳۰ھ، ۱۱۳۱ھ، ۱۱۳۲ھ، ۱۱۳۳ھ، ۱۱۳۴ھ، ۱۱۳۵ھ، ۱۱۳۶ھ، ۱۱۳۷ھ، ۱۱۳۸ھ، ۱۱۳۹ھ، ۱۱۴۰ھ، ۱۱۴۱ھ، ۱۱۴۲ھ، ۱۱۴۳ھ، ۱۱۴۴ھ، ۱۱۴۵ھ، ۱۱۴۶ھ، ۱۱۴۷ھ، ۱۱۴۸ھ، ۱۱۴۹ھ، ۱۱۵۰ھ، ۱۱۵۱ھ، ۱۱۵۲ھ، ۱۱۵۳ھ، ۱۱۵۴ھ، ۱۱۵۵ھ، ۱۱۵۶ھ، ۱۱۵۷ھ، ۱۱۵۸ھ، ۱۱۵۹ھ، ۱۱۶۰ھ، ۱۱۶۱ھ، ۱۱۶۲ھ، ۱۱۶۳ھ، ۱۱۶۴ھ، ۱۱۶۵ھ، ۱۱۶۶ھ، ۱۱۶۷ھ، ۱۱۶۸ھ، ۱۱۶۹ھ، ۱۱۷۰ھ، ۱۱۷۱ھ، ۱۱۷۲ھ، ۱۱۷۳ھ، ۱۱۷۴ھ، ۱۱۷۵ھ، ۱۱۷۶ھ، ۱۱۷۷ھ، ۱۱۷۸ھ، ۱۱۷۹ھ، ۱۱۸۰ھ، ۱۱۸۱ھ، ۱۱۸۲ھ، ۱۱۸۳ھ، ۱۱۸۴ھ، ۱۱۸۵ھ، ۱۱۸۶ھ، ۱۱۸۷ھ، ۱۱۸۸ھ، ۱۱۸۹ھ، ۱۱۹۰ھ، ۱۱۹۱ھ، ۱۱۹۲ھ، ۱۱۹۳ھ، ۱۱۹۴ھ، ۱۱۹۵ھ، ۱۱۹۶ھ، ۱۱۹۷ھ، ۱۱۹۸ھ، ۱۱۹۹ھ، ۱۲۰۰ھ، ۱۲۰۱ھ، ۱۲۰۲ھ، ۱۲۰۳ھ، ۱۲۰۴ھ، ۱۲۰۵ھ، ۱۲۰۶ھ، ۱۲۰۷ھ، ۱۲۰۸ھ، ۱۲۰۹ھ، ۱۲۱۰ھ، ۱۲۱۱ھ، ۱۲۱۲ھ، ۱۲۱۳ھ، ۱۲۱۴ھ، ۱۲۱۵ھ، ۱۲۱۶ھ، ۱۲۱۷ھ، ۱۲۱۸ھ، ۱۲۱۹ھ، ۱۲۲۰ھ، ۱۲۲۱ھ، ۱۲۲۲ھ، ۱۲۲۳ھ، ۱۲۲۴ھ، ۱۲۲۵ھ، ۱۲۲۶ھ، ۱۲۲۷ھ، ۱۲۲۸ھ، ۱۲۲۹ھ، ۱۲۳۰ھ، ۱۲۳۱ھ، ۱۲۳۲ھ، ۱۲۳۳ھ، ۱۲۳۴ھ، ۱۲۳۵ھ، ۱۲۳۶ھ، ۱۲۳۷ھ، ۱۲۳۸ھ، ۱۲۳۹ھ، ۱۲۴۰ھ، ۱۲۴۱ھ، ۱۲۴۲ھ، ۱۲۴۳ھ، ۱۲۴۴ھ، ۱۲۴۵ھ، ۱۲۴۶ھ، ۱۲۴۷ھ، ۱۲۴۸ھ، ۱۲۴۹ھ، ۱۲۵۰ھ، ۱۲۵۱ھ، ۱۲۵۲ھ، ۱۲۵۳ھ، ۱۲۵۴ھ، ۱۲۵۵ھ، ۱۲۵۶ھ، ۱۲۵۷ھ، ۱۲۵۸ھ، ۱۲۵۹ھ، ۱۲۶۰ھ، ۱۲۶۱ھ، ۱۲۶۲ھ، ۱۲۶۳ھ، ۱۲۶۴ھ، ۱۲۶۵ھ، ۱۲۶۶ھ، ۱۲۶۷ھ، ۱۲۶۸ھ، ۱۲۶۹ھ، ۱۲۷۰ھ، ۱۲۷۱ھ، ۱۲۷۲ھ، ۱

یہ وہی تھا۔ آپ نے اپنا ہاتھ منہ میں ڈال کر قے کر دی<sup>(۱)</sup>۔ آپ کے عمال دیانتداری میں آپ کی پیروی کرتے تھے اس کا اندازہ حسب ذیل روایت سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ سعید بن المسیب راوی ہیں کہ حضرت عمرؓ نے معاذ کو ہسی کلاب یا ہسی سعد بن ذبیان پر زکوٰۃ کا محصول بنا کر بھیجا۔ چنانچہ انہوں نے انہی (قبائل کے فقراء) میں وہ زکوٰۃ تقسیم کر دی اور کچھ بھی نہ چلایا اور اپنی گروں پر وہی پوریارکھ کر گھر چلے گئے۔ یہ سہا دیکھ کر ان کی بیوی نے کہا ”تم جو کچھ دائے ہو اسے ان تمہارے اور سوا قلوب سے کیا نسبت ہے جو عمال (محصلین زکوٰۃ) اپنے بال بچوں کیلئے لاتے ہیں؟“ انہوں نے جواب دیا ”میرے ساتھ ایک نگران افسر تھا۔“ ان کی بیوی نے کہا ”رسول اللہ ﷺ اور ابو بکرؓ تو تمہیں معتمد علیہ اور امین سمجھتے تھے یہ عمرؓ کو کیا ہوا کہ انہوں نے تم پر نگران مسلط کر دیا؟“ پھر وہ اپنی سہیلیوں میں لگئیں اور وہاں انہوں نے حضرت عمرؓ کے اس رویہ کی شکایت کی۔ چنانچہ یہ شکوہ حضرت عمرؓ تک پہنچا اور انہوں نے حضرت معاذؓ کو بلا کر کہا ”کیا میں نے تمہارے ساتھ کوئی نگران افسر بھیجا تھا؟“ تو انہوں نے کہا: ”اپنی بیوی کے پاس خالی ہاتھ پہنچنے کا اس کے سوا میں کوئی غدر نہ چش کر سکا۔“ اس پر حضرت عمرؓ نے اور انہیں کچھ دیتے ہوئے کہا ”یہ دے کر اسے منالو۔“ ابن جریرؒ کہتے ہیں کہ حضرت معاذؓ نے ”نگران افسران“ سے مراد اپنے ”رب“ کو لیا تھا<sup>(۲)</sup>۔

آپ زکوٰۃ کی تحصیل و تقسیم کی دوسری کو جہاد سے کتر نہیں سمجھتے تھے یہی شعور عمال میں بھی پیدا فرماتے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہیں واضح ہدایت دے کر روانہ فرماتے تاکہ انہیں ریاست کی پالیسی اس کی روح اور مقاصد و اہداف کا علم ہو اور وہ اپنی صلاحیتیں بہتر انداز میں لگا سکیں۔ چنانچہ بصرہ کے عامل زکوٰۃ سفیان بن مالکؓ کو مدینہ میں دیکھا تو فرمایا ”کیا تمہیں یہ بات اچھی نہیں لگتی کہ جہاد کی طرح کے کام میں لگے رہو“<sup>(۳)</sup>۔ ”شہاب بن عبد اللہ خولانی روایت کرتے ہیں کہ سعد جو یعلیٰ بن امیہ کے ساتھیوں میں سے تھے جل کر مدینہ میں حضرت عمرؓ کے پاس آئے۔ انہوں نے سعد سے دریافت کیا: ”کہاں کا قعد ہے؟“ انہوں نے جواب دیا ”جہاد کا۔“ حضرت عمرؓ نے کہا ”وایس جواد رکھو کہ حق کے مطابق عمل کرنا نہایت عمدہ جہاد ہے۔“ جب انہوں نے پلٹنا چاہا تو حضرت عمرؓ نے ان سے کہا ”جب تم مال دے کے پاس پہنچو تو نہ تم بھلائی کو چھوڑو نہ اسے بھلائی فراموش کرلو۔ تم تمام مال کو تین ٹکڑوں میں تقسیم کر دو اور مال دے کو اختیار دو کہ وہ مال میں سے ایک حصہ پسند کرے پھر تم باقی ماندہ دو تہائیوں میں سے ایک حصہ کو چن لو (اور ان میں سے زکوٰۃ لو) پھر اسے فلاں فلاں (مستحقین) میں خرچ کرو۔“ راوی کہتا ہے کہ انہوں نے کچھ باتیں بیان کی۔ سعد کہتے ہیں ”ہم زکوٰۃ وصول کرنے کیلئے نکلتے تھے اور واپسی پر ہمارے پاس صرف ہمارے کوڑے ہوتے“<sup>(۴)</sup>۔

زکوٰۃ کی جینجٹ کو فعال اور موثر بنانے کیلئے آپ عمال سے موثر رابطہ رکھتے اور اس سے متعلقہ مسائل سے پوری طرح باخبر رہتے۔ ان کے حل میں جو عملی مشکلات منتظمین کو پیش آتیں ان کے ازالے کیلئے بروقت اقدامات کرتے اور جریات تک میں ان کی رہنمائی فرماتے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے نام حضرت عمرؓ نے پی ایک تحریر میں لکھا کہ ”جو مسلمان تاجر تمہارے یہاں سے گزریں اس سے دو سو درہم پر پانچ درہم زکوٰۃ وصول کرو“<sup>(۵)</sup>۔ ”انس بن سیرین بیان کرتے ہیں کہ مجھے انس بن مالکؓ نے ایلہ پر عامل بنا کر بھیجا۔ میں نے کہا کہ آپ نے مجھے سب سے بڑے عمل کیلئے بھیجا ہے۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کی تحریر نکالی جس میں لکھا تھا کہ ”مسلمانوں سے ہر چالیس درہم پر ایک درہم لے لو“<sup>(۶)</sup>۔ ”اگر چاندی دو سو درہم ہو اور دو سو درہم سے زائد ہونے کی صورت میں ہر چالیس درہم پر ایک درہم لے“<sup>(۷)</sup>۔ اور حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ حضرت عمرؓ نے مجھے عراق کے نکس کی وصولی کیلئے روانہ کیا اور فرمایا کہ کسی مسلمان کا مال اگر دو سو درہم ہو تو اس پر پانچ درہم لے لو اور دو سو درہم سے زائد ہونے کی صورت میں ہر چالیس درہم پر ایک درہم وصول کرو“<sup>(۸)</sup>۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا

(۱) مالک ۱/۲۶۹، بیہقی ۵۱/۷ (۲) عین ۵۲۸ (۳) بیہقی ۸۲ (۴) عین ۵۲۹، عبد الرزاق ۱۳/۴ (۵) عبد الرزاق ۸۸/۴ (۶) روس ۵۵۵ (۷) شیعہ ۱۳۱



کہ ”تمہارے یہاں جو مسلمان عورتیں ہیں نہیں حکم دو کہ اپنے زیورات پر زکوٰۃ ادا کریں“<sup>(۱)</sup>۔ حضرت عمرؓ نے سفیان بن عبد اللہ ثقفی کو طائف میں زکوٰۃ کی وصولی لی کہنے بھیجا وہ لوگ بکری کے بچے بھی زکوٰۃ کے حساب میں شمار کرتے تھے انہوں نے آکر حضرت عمرؓ کو اس کے بارے میں بتایا تو آپ نے فرمایا ”کہ ہاں اس کے بکری کے بچے بھی شمار کرو حتیٰ کہ وہ بچہ بھی جو چرواہا ہاتھ میں اٹھا کر پایا ہو لیکن انہیں زکوٰۃ میں وصول نہ کرو“<sup>(۲)</sup>۔ ایسے ہی ایک اور عامل سفین بن مالک کو زکوٰۃ کی وصولی لی کہنے مصر روانہ کیا۔ وہ وہاں کچھ عرصہ اس خدمت کو انجام دیتے رہے پھر انہوں نے حضرت عمرؓ سے جہاد کی اجازت چاہی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”کہ کیا اب تم مصروف جہاد نہیں ہو؟“ انہوں نے کہا ”کہاں؟ جب کہ لوگ تو کہتے ہیں کہ یہ شخص ظلم کرتا ہے۔“ حضرت عمرؓ نے پوچھا ”کہ کس طرح؟“ انہوں نے بتایا کہ وہ کہتے ہیں کہ یہ ہمارے بکری کے بچے بھی شمار کر لیتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ”ہاں انہیں شمار کرو اگرچہ چرواہا سے کندھوں پر اٹھا کر لائے۔ کیا تم ان کہنے وہ بھیڑ بکری نہیں چھوڑ دیتے جس نے تازہ بچہ دیا ہو اور وہ اسے دودھ پلاتی ہو اور وہ بکری جو انہوں نے ذبح کیلئے رکھی ہوئی ہو اور وہ اسے چارہ کھاتے ہوں اور وہ بکری جو بچہ دینے والی ہو اور وہ بکر جو نسل کٹھی کیلئے رکھا گیا ہو“<sup>(۳)</sup>۔

”پ زکوٰۃ کی وصولی کیلئے نہایت نرمی کی تلقین فرماتے تھے۔ اس کی وجہ ایک تو یہ تھی کہ لوگ خوش دلی سے ادا کریں تاکہ ان کا انہیں اجر و ثواب بھی ملے وہ بددیانتی کرنے اور چھپانے کی کوشش نہ کریں اور وصولی کا، نظام خوش اسلوبی سے چلے۔ ایک اور بڑا مقصد یہ بھی تھا کہ غنظین کی طرف سے بھی ظلم و زیادتی نہ ہو۔ قاسم بن محمد سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کے سامنے سے زکوٰۃ میں ادا کی ہوئی بھیڑ بکریاں گزریں تو انہوں نے اس ریز میں ایک مولے تھنوں والی بکری دیکھی اور کہا ”میرا خیال ہے کہ اس کے مالک نے بخوشی اسے نہیں دیا ہو گا۔ خبردار مسلمانوں کی پسند کی چیزیں نہ لیا کرو“<sup>(۴)</sup>۔ یحییٰ نے اپنی روایت میں یہ کورہ ہاں الفاظ میں اتنا اضافہ کیا ہے ”لوگوں کو آزمائش میں نہ ڈالو کھانے سے بچتے رہو“<sup>(۵)</sup>۔ آپ کے عاملین ”پ کے ان ضابطوں کی پوری پابندی کرتے تھے اس کی کو اپنی خود عوام دیتے تھے۔ محمد بن یحییٰ کہتے ہیں کہ (شیخ وقیلہ) کے دو بزرگوں نے اسے بتایا کہ حضرت عمرؓ نے محمد ابن مسلمہ کو زکوٰۃ کا محصل بنا کر بھیجنا چاہا (وہ) محمد ہمارے پاس آئے اور بیٹھتے۔ ان کے پاس جب بھی ہماری طرف سے کوئی ایسی بکری پہنچتی جس سے ان کا حق پورا ادا ہو جاتا تو وہ اسے (زکوٰۃ میں) قبول کر لیتے تھے“<sup>(۶)</sup>۔

آپ مستحقین زکوٰۃ کی شکایات سننے کیلئے ہر وقت بے دروازے کھلے رکھتے اور شکایات کے ازالے کیلئے فوری اقدام کرتے اور عاملین کی گرفت بھی کرتے۔ اس سے وہ اپنے معاملات درست رکھتے۔ ابو عبید نے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ دو پہر کو یک درخت کے سایہ میں قیلولہ کر رہے تھے کہ ایک اعرابی آئی۔ اس نے بخور دو گوں کو دیکھا اور حضرت عمرؓ کے پاس پہنچی اور عرض کی کہ میں ایک مسکین عورت ہوں میرے بچے ہیں اور امیر المومنین نے ہمارے ہاں تحصیل زکوٰۃ کیلئے محمد بن مسلمہ کو مقرر کیا ہے لیکن انہوں نے ہمیں نہیں دیا۔ میں ”پ کی خدمت میں پہنچی ہوں کہ آپ ان سے ہمارے لئے سفارش کر دیں اللہ ”پ پر رحم فرمائے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے یرقاع (حضرت عمرؓ کا غلام) کو آواز دی اور فرمایا کہ محمد بن مسلمہ کو میرے پاس بلا لاؤ۔ اس عورت نے کہا ”میری حاجت براری کیلئے یہ زیادہ مفید ہو گا کہ ”پ میرے ساتھ ان کے پاس چلیں۔“ حضرت عمرؓ نے کہا ”ان شاء اللہ وہ ضرور تمہیں دیں گے۔ یرقاع محمد بن مسلمہ کے پاس پہنچا اور ان سے کہا کہ امیر المومنین کی طلب پر پہنچو چنانچہ وہ آئے اور کہا ”اسامہ علیک یا امیر المومنین“ انہیں دیکھ کر وہ عورت شرمائی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”میں اپنی طرف سے پوری کوشش کرتا ہوں کہ تم میں سے بہترین شخص کو منتخب کروں بھلا بتاؤ تو تم اللہ کے سامنے کیا جواب دو گے۔ جب وہ تم سے اس عورت کے بارے

(۱) بیہقی ۴: ۱۲۹ ج ۶: ۷۵ (۲) مالک ۲: ۲۶۵ ج ۱: ۲۷۵ سیبہ ۱: ۱۳۲ (۳) یوسف ۸۲: ۴ (۴) مالک ۱: ۲۶۷ یوسف ۸۲: عید ۳۶۵ (۵)

میں سوال کرے گا؟" اس پر محمد بن مسلمہ آبدیدہ ہو گئے۔ انہوں نے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے ہمارے درمیان اپنے رسول ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ ہم نے اس کی تصدیق کی۔ اور ان کے بتائے ہوئے راستے کی اتباع کی۔ رسول اللہ ﷺ نے وہی عمل کیا جو اللہ نے آپ کو حکم دیا چنانچہ آپ نے زکوٰۃ اس کے مستحق مساکین میں تقسیم فرمائی اور اسی پر عمل پیرا رہتے ہوئے آپ نے اپنی جان اللہ کو سونپ دی۔ پھر اللہ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو ان کا جانشین بنایا۔ وہ بھی آخر دم تک آپ کے طریقہ کار پر عمل پیرا رہے۔ پھر اللہ نے مجھے ان کا جانشین بنایا اور میں نے تم میں سے بہترین افراد کو منتخب کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا۔ اگر میں نے دوبارہ بھی تمہیں مامور کیا تو اس عورت کو اس سال اور اس سے پہلے سال کی زکوٰۃ دینا اور مجھے نہیں معلوم کہ شاید میں تمہیں مامور نہ کروں۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اس عورت کیلئے ایک اونٹ منگولیا اور اسے آٹھ اور زیتوں کا تیل دیا اور کہا کہ یہ لے لو۔ ہم خبر جا رہے ہیں وہاں تم ہم سے ملو۔ وہ عورت خیبر میں پہنچی اور حضرت عمرؓ نے اس کیلئے دو مزید اونٹ منگوائے اور کہا کہ یہ لے لو اس میں گزر بسر ہو جائے گی تا آنکہ محمد بن مسلمہ تمہارے پاس پہنچیں۔ میں نے انہیں ہدایت کر دی ہے کہ وہ تمہارا اس سال کا اور پچھلے سال کا حق تمہیں ملا کر دیں" (۱)۔

جراد بن عبد اللہ راوی ہیں کہ میں حضرت عمر بن الخطابؓ کے پاس تھا کہ ان کے پاس بظاہر ایک ہٹاکٹھا چٹا فحش آیا اور اس نے کہا "یا امیر المؤمنین! میں مر گیا اور میرے بال بچے بھی تباہ و برباد ہو گئے" تو حضرت عمرؓ نے کہا "تم میں سے ایک فحش تھی کے کپے کی طرح چمکا چمکا آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں مر گیا اور میرے بال بچے تباہ و برباد ہو گئے۔" پھر اسے قریب جلاتے ہوئے حضرت عمرؓ نے اپنا دانت یوں بیان کیا "میں اور میری ایک بہن اپنے والدین کے ایک اونٹ کو جسے پانی بھرنے کے کام میں لایا جاتا تھا چراتے تھے۔ ہماری ماں اپنی تہہ ہمیں پہناتو تھی اور ہمیں منھی منھی اندرائن کے بیچ کھانے کیلئے دے دیا کرتی تھیں۔ ہم اپنے اس اونٹ کو لے کر نکلتے جب سورج نکل جاتا تو میں اپنی تہہ بہن کے پاس ڈال کر نکاحت کرنے لگتا۔ پھر ہم اپنی ماں کے پاس واپس جاتے اور وہ ہمارے لئے اندرائن کے بیچوں کا ہر برتیار رکھتیں کیا سر سبز زمانہ تھا وہ۔" پھر حضرت عمرؓ نے کہا "اسے صدقہ کے جانوروں میں سے ایک ریح میں پیدا ہوئے والی اونٹنی (جو ایک سال سے کم عمر کی ہوتی ہے) دے دو (راوی جراد بن عبد اللہ شہید کہتے ہیں) چنانچہ میں نے دیکھا کہ وہ اونٹنی اس طرح نکل کر اس کے پیچھے اس کی ماں اور اس کا باپ دونوں آ رہے تھے۔ راوی کہتے ہیں کہ اس دن اس فحش پر مجھے جتنی جھن آئی اتنی جھن کبھی کسی پر مجھے نہیں آئی تھی" (۲)۔

بقول امام ابو عبیدہ "ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہاں حضرت عمرؓ نے ایک فحش کو تین اونٹ دے دیئے ہیں اور یہ بڑی قیمت کا مال ہو تا ہے۔ اسوں نے یہ اس لئے کیا تھا کہ سے تنگ دستی اور عیال داری سے نکال کر آسودہ کر دیں کیونکہ اس نے بال بچوں کی تباہی کا ذکر کیا تھا اور حضرت عمرؓ کی رائے یہی تھی کہ جب دیا جائے تو آسودہ ہو تو گر کر دیا جائے" (۳)۔ "زکوٰۃ کے مستحقین کو دینے کے سلسلے میں آپ کی یہی پالیسی رہی کہ انہیں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل بنایا جائے اور غربت و افلاس کو ختم کر دیا جائے کیونکہ یہی زکوٰۃ کا اصل مقصود ہے۔ اس کا نفاذ مستقل طور پر ضرورت مند اور وظیفہ خواہ پیدا کرنا نہیں ہے جیسا کہ پاکستان میں کیا جا رہا ہے بلکہ آپ یہ چاہتے تھے کہ زکوٰۃ کے مال کو اتنا فراخی سے تقسیم کیا جائے کہ وہ لوگ اگلے سال خود صاحب نصاب ہو جائیں اور باقی رہ جانے والے غریبوں کی مدد کرنے کے قابل ہوں۔ یہ نہایت حکیمانہ پالیسی تھی اور پورے ملک کو خوشحالی و ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کی نہایت کارگر تدبیر تھی۔ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا "جب تم دو تو آگرو آسودہ کر دو" (۴)۔ "آپ سے استفادہ کیا گیا کہ اعراب سے وصول ہونے والی زکوٰۃ کو کس طرح صرف کیا جائے تو آپ نے کہا کہ قسم بخدا میں انہیں زکوٰۃ لوٹا کر ہر سال گاہاں تک کہ ان میں سے ہر ایک کے پاس سوا غنیاں یا سوا اونٹ ہو جائیں" (۵)۔ "یہی کچھ حضرت عمرؓ نے زکوٰۃ پر مامور کارکنوں سے کہا "ان پر بار بار زکوٰۃ

تقسیم کر دیا وہ ان میں سے ایک کے پاس سوانٹ ہی کیوں نہ ہو جائیں<sup>(۱)</sup>۔ امام ابو عبیدہؓ نے مذکورہ روایات پر تبصرہ کرتے ہوئے بجا فرمایا ہے کہ ان کا یہ مطلب نہیں ہے سوانٹ وال شخص بھی زکوٰۃ کا حقدار ہو بلکہ اصل مقصد یہ ہے کہ زکوٰۃ اتنی مقدار میں دی جائے کہ محتاج اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جائے۔ یعنی یہ کہ حاجت مند اور فقیر کو زکوٰۃ کی مدد میں سے محض زکوٰۃ اگر اتنی مقدار دے دے کہ مستحق زکوٰۃ کو حکومت صرف اتنا دینے کی پابند نہیں کہ جتنا اس کے صاحب نصاب بننے میں دیتے تھے<sup>(۲)</sup>۔ ہمارے نزدیک اس سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مستحق زکوٰۃ کو حکومت صرف اتنا دینے کی پابند نہیں کہ جتنا اس کے صاحب نصاب بننے میں دیتے تھے بلکہ حکومت زکوٰۃ کے خزانے کو دیکھ کر جتنا مناسب سمجھے دے سکتی ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کی عمومی پالیسی یہی تھی کہ زکوٰۃ جس علاقے سے وصول ہو وہاں کی ہو بلکہ حکومت زکوٰۃ کے خزانے کو دیکھ کر جتنا مناسب سمجھے دے سکتی ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کی عمومی پالیسی یہی تھی کہ زکوٰۃ جس علاقے سے وصول ہو وہاں کے مستحقین میں تقسیم کر دی جائے۔ مرکز میں صرف اسی صورت میں بھیجی جائے جب وہاں کی ضروریات سے زائد ہو۔ اس پالیسی سے آپ کے عہد میں معاشی، سیاسی اور معاشرتی اعتبار سے بے شمار اعلیٰ نتائج برآمد ہوئے۔ عمرو بن شعیب کہتے ہیں کہ حضرت معاذؓ جب سے رسول اللہ ﷺ نے انہیں یمن بھیجا، چند میں رہے۔ تا آنکہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کے انتقال کے بعد حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور انہوں نے بھی انہیں ان کی پہلی جگہ پر واپس بھیج دیا۔ پھر حضرت معاذؓ نے ان (حضرت عمرؓ) کے پاس لوگوں کی زکوٰۃ کا تہائی حصہ بھیجا تو حضرت عمرؓ نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ”میں نے تمہیں مال جمع کرنے یا جزیہ وصول کرنے کیلئے نہیں بھیجا بلکہ اس لئے مامور کیا ہے کہ تم امیر لوگوں سے وصول کر کے ان کے محتاجوں میں تقسیم کر دو۔“ اس پر حضرت معاذؓ نے کہا ”میں نے کوئی ایسی چیز آپ کو نہیں بھیجی کہ یہاں مجھے اس کا کوئی مستحق دھوکے میں نہ دلائی ہو۔“ پھر اگلے سال معاذؓ نے آدمی زکوٰۃ انہیں بھیجی اور دونوں میں پہلی جیسی گفتگو کا تبادلا ہوا اور جب تیسرا سال گزرا تو حضرت معاذؓ نے تمام کی تمام زکوٰۃ ان کے پاس بھیج دی اور جو اب حضرت عمرؓ نے وہی پہلی ہی بات کہی۔ جب حضرت معاذؓ نے کہا ”یہاں مجھے ایک (ضرورت مند) بھی ایسا نہیں ملتا جو مجھ سے کچھ (صدقہ زکوٰۃ) لینے کا مستحق ہو“<sup>(۳)</sup>۔

اس روایت سے عہد فاروقی میں معاشی خوشحال اور ترقی کی رفتار میں بتدریج اضافے کی جو نشاندہی ہوتی ہے اس میں یقیناً آپ کی سو شراور جاندار ایڈمنسٹریشن کا بہت بڑا دخل تھا۔ دور جدید میں زکوٰۃ کی مینجمنٹ میں اسی حکمت عملی کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ امام ابو عبیدہ القاسم نے اس سلسلے میں مذکورہ روایت کے ساتھ اور نئی روایات پیش کرنے کے بعد لکھا ہے۔ بقول ابو عبیدہؓ ”آج ان تمام آثار پر جملہ علماء کا اتفاق ہے کہ ملک کے ہر علاقہ کے باشندے یا گھرانوں میں سے ایک گھانا سے پانی پینے والے اپنے حلقہ کی زکوٰۃ کے زیادہ مستحق ہیں اور یہ استحقاق اس وقت تک باقی رہے گا جب تک کہ ان میں ایک یا اس سے زائد حاجت مند باقی رہیں۔ خواہ اس احتیاج کو رفع کرنے کیلئے وہاں کی تمام زکوٰۃ کام میں آجائے اور محض زکوٰۃ کو وہاں سے بغیر کچھ لئے خالی ہاتھ ہی واپس آنا پڑے۔ اگر غلطی سے ایک علاقے کی زکوٰۃ دوسرے علاقے میں چلی جائے تو امام کو چاہئے کہ واپس بھیج دے“<sup>(۴)</sup>۔ البتہ اگر ہنگامی حالات اور ناگہانی آفات کی وجہ سے ملک کے دوسرے حصوں میں شدید ضرورت اور احتیاج لاحق ہو جائے تو قومی ہم آہنگی، ملی یکجہتی اور عقل و حکمت کا یہی تقاضا ہے کہ ان کی بھرپور مدد کی جائے۔ اس سلسلے میں زکوٰۃ کو بھی استعمال کیا جاسکتا ہے اور کوئی بھی مناسب حکمت عملی اختیار کی جاسکتی ہے۔ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے عام الرأۃ (خمس سال) کے بعد ابن ابی ذباب کو محصل بنا کر بھیجے وقت کہا تھا ”اے دو سال کی زکوٰۃ لینا پھر ایک سال کی انہی میں تقسیم کر دینا اور دوسرے سال کی میرے پاس لے آنا۔“ اور یہی مضمون حضرت معاذؓ کی اس روایت کا ہے جس میں انہوں نے اہل یمن سے کہا تھا ”میرے پاس یمنی چادریں اور کپڑے (خمیس و لیس) لے آؤ۔ میں دوسری چیزوں کے بجائے زکوٰۃ میں تم سے یہ لے لوں گا۔ اس لئے کہ ان کا دینا تمہارے لئے زیادہ آسان ہے اور یہ کپڑے مہاجرین کیلئے مدد میں زیادہ سودمند رہیں گے“<sup>(۵)</sup>۔

(۱) ع ۶ (۲) ع ۲ (۳) ع ۲۸ (۴) ع ۲۸ (۵) ع ۲۸ (۶) ع ۲۸

اس طرح گویا ایک چیز اگر دوسرے لوگوں کیلئے زیادہ مفید ہو تو یہ بھی ایک اہم بنیاد بن سکتی ہے۔ البتہ ایسا صرف اسی صورت میں کیا جاسکتا ہے جب وہاں کے لوگوں کی ضرورت پوری ہو گئی ہو۔ قحط سالی، زلزلے، سیلاب وغیرہ جیسی قدرتی آفات جب مستحقین کو خصوصی توجہ کا حقدار بناتی ہیں تو جو جوگ صاحب خساب ہوں کیا وہ خصوصی رعایات کے حقدار نہیں ہیں؟ یقیناً ہونے چاہئیں اور ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اس کیلئے دو طریقے اختیار کئے ایک تو یہ کہ سو بکریوں پر مشتمل ریوڑ کے مالک کو بھی مستحق قرار دے دیا اور دوسرا جو زکوٰۃ دینے کے قابل تھے ان سے وصولی مؤخر کر دی اور اگلے سال فراخی پیدا ہونے پر دوسالوں کی انٹھی وصول فرمائی۔ روایت میں آتا ہے کہ آپ نے حکم دیا ”زکوٰۃ میں سے اس شخص کو دو جس کے پاس قحط سالی بھیڑ بکریوں کا ایک ریوڑ چھوڑ دے اور اس شخص کو زکوٰۃ دے دو جس کے پاس قحط سالی دور ریوڑ (بھیڑ بکریوں کے) چھوڑ دے“<sup>(۱)</sup>۔

امام ابو عبیدہ القاسم نے اس پالیسی کی نہایت خوبصورت توجیہ پیش کی ہے کہ اس روایت میں قحط سالی کیلئے ”ستہ“ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس (کے) ایک معنی ”گرچہ سال ہیں تاہم یہاں اس (کے) معنی قحط سال اور خشک سال ہیں جو لوگوں کے مال اور موسیقی عمارت کر دیتی ہے اور ایک بھی گودے دار (ترو تازہ) دو دھ دینے والا جانور باقی نہیں چھوڑتی۔ اسی طرح یہ بھوں اور کھیتیوں کو بھی جھاڑا لیتی ہے (ستہ کی جمع سنون و سنننا ہے اس معنی میں) اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے ”وَلَقَدْ اٰحْمَدَآلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّبِّ وَنَقَصَ مِنَ الثَّمَرَاتِ (الاعراف ۱۳۰)“ (اور ہم نے آل فرعون کو قحط سالیوں اور پھلوں کی قلت میں گرفتار کر دیا۔) چنانچہ ان حالات میں حضرت عمرؓ کی رائے یہ ہو گئی تھی کہ سو بھیڑ بکریوں کے مالک کو بھی زکوٰۃ دے دی جائے چنانچہ ان کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے ”ھن ابقت لہ السنۃ عسما“ جس کیلئے قحط سالی، ایک ریوڑ بھیڑ بکریوں کا چھوڑ دے (یعنی سو عدد) جس میں خاص طور پر ”ستہ“ کی شرط ہے۔ اس لئے کہ قحط سالی میں یہ سو بھیڑ بکریاں جو بھوک اور قحط سے لاغر و دھڑ حال ہوں سرسبزی کے زمانہ کی دس بکریوں کی برابری نہیں کر سکتیں۔ بناء بریں انہوں نے لوگوں پر نرمی و مہربانی کرتے ہوئے سو بکریوں کے مالک کو بھی زکوٰۃ لینے کی اجازت دیدی بلکہ انہوں نے اس سے بھی بڑھ کر یہ کیا کہ قحط سالی میں لوگوں سے زکوٰۃ کی وصولی کو مؤخر کر کے اگلے سال پر ملتوی کر دیا اور جب بارش سے سیرابی و سرسبزی نہ ہوئی انہوں نے زکوٰۃ وصول نہ کی۔ یہی نہیں بلکہ ان کی خیر خواہی میں آپ کی معاند فہمی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ آپ نے ایسے قحط کے زمانہ میں چوروں سے ہاتھ کاٹنے کی حد بھی ہٹا دی تھی اور فرمایا تھا ”قحط سالی کے زمانہ میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جائے گی“<sup>(۲)</sup>۔

زکوٰۃ کے مستحقین سے متعلق آپ کی پالیسی کا ایک اہم پہلو یہ بھی تھا کہ ان کا حق حکومت پر واجب ادا رہتا ہے اس لئے ہر صورت میں اسے ادا ہونا چاہئے۔ امام ابو عبیدہ کے بقول ”لیکن اگر امام کو ضرورت مند مستحق زکوٰۃ کا علم نہ ہو سکے اور وہ (اس ملائکہ کے علاوہ) دوسروں میں ان کی زکوٰۃ ہانت دے یا اس کے بعض ماتحت عمال سے ایسا ہو جائے اور پھر بعد میں اسے اس (غلطی) کا علم ہو تو اس بارے میں حضرت عمرؓ بن الخطابؓ سے یہ روایت ہے کہ انہوں نے ایسے موقع پر اگلے سال دہائی زکوٰۃ کر دی تھی“<sup>(۳)</sup>۔ ”زکوٰۃ ادا کرنے والوں کے حوالے سے آپ کی بصیرت فرد حکمت عملیوں میں ایک قییموں کے اموال کے سلسلے میں بھی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ یتیم اور بچے کے مال پر زکوٰۃ واجب ہے“<sup>(۴)</sup>۔ اور حضرت عمرؓ قییموں کے سرپرستوں کو حکم دیتے تھے کہ وہ قییموں کے مال سے آمدنی حاصل کریں تاکہ یہ نہ ہو کہ زکوٰۃ ان کے مال کو ختم ہی کر دے اور آپ نے کہا کہ قییموں کے مال کو تجارت میں لگاؤ تاکہ زکوٰۃ ان کے مال کو نہ کھا جائے“<sup>(۵)</sup>۔ خود حضرت عمرؓ کا یہی عمل تھا کہ یتیم کے مال سے آمدنی حاصل کرتے اور اس کی زکوٰۃ بھی ادا کرتے تھے“<sup>(۶)</sup>۔ زکوٰۃ کے عا مین زکوٰۃ ہی کی آمدنی سے تحفظ لینے کے حقدار ہیں۔ اس کو رضاکارانہ بنیادوں پر استوار کرنے کی بجائے بہتر ہے کہ ایک مستقل اور ٹھوس نظام کار وضع کیا جائے۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ اس کیلئے

معاوضہ ہو اور کام کرنے والا بجا جھگ جائز سمجھ کر وصول کرے تاکہ وہ پورے اعتماد و لمحہ اور دلچسپی سے زیادہ سے زیادہ وقت اس پر صرف کرنے کے قابل ہو سکے۔ حضرت عبداللہ بن الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے مجھے رکوع کی تحصیل کے کام پر مامور فرمایا۔ جب میں کام سے فارغ ہو گیا اور انہیں ادا کر دی تو انہوں نے میرے لئے اجرت دینے کا حکم دیا۔ میں نے عرض کی کہ میں نے راہ اللہ یہ کام کیا ہے وہی اس کا اجر دے گا تو انہوں نے جواب دیا کہ ”میں جو کچھ دے رہا ہوں اسے لے لو۔ میں نے بھی رسول اللہ ﷺ کے عہد میں کام کیا تھا۔“ میں نے بھی وہی کہا جو تم نے کہا ہے تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ”حقے جو چیز بغیر سواں کئے دی جائے تو اسے خود بھی کھاؤ اور صدقہ بھی کرو“<sup>(۱)</sup>۔ حضرت عبداللہ بن ساعدیؓ ہی کی ایک اور روایت سے اس معاملے کی مزید وضاحت ہوتی ہے کہ حضرت عمرؓ شام تشریف لائے تو مجھے فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ تمہیں مسلمانوں کے معاملات کا (سرکاری طور پر) عامل بنایا گیا ہے انہیں سرانجام دیتے ہو لیکن جب اجرت دی جاتی ہے تو نہیں لیتے؟ میں نے جواب دیا کہ میرے پاس گھوڑے اور غلام ہیں اور (مالی طور پر) میں بہت اچھا ہوں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ جو مال مجھے اجرت میں ملتا ہے وہ مسکینوں کے صدقے میں صرف ہو۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے بھی یہی چاہا تھا جو تم چاہتے ہو۔ رسول اکرم ﷺ جب مجھے (معاوضے میں) مال دیتے تو میں عرض کرتا یہ اسے دیجئے جو مجھ سے زیادہ حاجت مند ہو۔ ایک مرتبہ آپؐ نے مجھے مال دیا تو میں نے کہا کہ اسے مجھ سے زیادہ محتاج کو دیجئے تو آپؐ نے ارشاد فرمایا ”اللہ تعالیٰ اس مال میں سے جو حقے بغیر سواں کئے اور طبع کئے دے تو اسے لے لے چاہے اسے تو اپنے کام میں لائے چاہے تو اسے صدقہ کر دے اور اگر نہ دے تو اس کے پیچھے خواہ تھوہ کی جان مت کھپ“<sup>(۲)</sup>۔

۳۔ انسداد مکررات :

آپؐ نے اسر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے شرعی فریضے کی ادائیگی کیلئے بھی نظریہ عامہ کو متحرک کیا۔ ان کے شعور میں یہ بات رائج کر دی کہ ان کا کام محض انتظامی امور کی بجا آوری اور امن و امان کا قیام نہیں ہے بلکہ دینی اعتبار سے فکری و اخلاقی تربیت کرنا اور اس کے ساتھ ساتھ مکررات سے بھی روکنا ہے۔ آپؐ ان کی طرف عمل کی توجہ مبذول کراتے ان کی رہنمائی فرماتے اور انہیں واضح احکامات دیتے تاکہ وہ منہجی ذمہ داریاں سانی پوری کر سکیں۔ مثلاً آپؐ نے صوبائی گورنروں کو لکھا ”سوروں کو مار ڈالو اور جزیہ کی رقم سے ان کی قیمت منہا کر دو“<sup>(۳)</sup>۔ ”سور کیونکہ غیر مسلموں کے ہاں حلال سمجھا جاتا ہے اس لئے آپؐ نے ان کی قیمت جزیہ سے منہا کرنے کا حکم دیا تاکہ ریاست کے مقاصد بھی پورے ہوں اور وہ لوگ بھی یہ نہ محسوس کریں کہ ان کے ساتھ ناروا سلوک کیا جا رہا ہے۔ اس طرح آپؐ نے شراب کے خاتمے کیلئے کیا کیونکہ وہ شریعت میں ممنوع ہے۔ اگر اسے روکنے کیلئے انتظامی آلات اختیار نہ کئے جائیں تو کبھی بھی ختم نہیں ہو سکتی۔ ان عمرے مروی ہے کہ آپؐ نے قبیلہ ثقیف کے ایک شخص کے گھر میں شراب دیکھی تو اسے جلادینے کا حکم دیا جو جلا دیا گیا اس کا نام رویشد تھا۔ آپؐ نے فرمایا ”توفیق ہے“<sup>(۴)</sup>۔

۸۔ سن جبری کا دفعہ ہے کہ حضرت ابو عبیدہؓ نے آپؐ کو خط لکھا ”چند مسلمانوں نے جن میں ضرار اور ابو جہل بھی ہیں شراب پی ہے۔ ہم نے ان سے دریافت کیا تو انہوں نے تاویل کی ہے اور کہا ہے کہ ہمیں اختیار دیا گیا تھا تو ہم نے اسے اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”فہل انتم منہون“ (کیا تم باز آنے والے ہو؟) اس میں عزم صمیم (یعنی پختہ مصلحت) نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ ”نہ کورہ آیت ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کن ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ تم

(۱) مسلم، ۹۸/۳، سنن، ۱۰۱/۵، دیلم، ۱۶۵ : (۲) سنن، ۱۰۲/۵ (۳) عید، ۹۷ (۴) عید، ۹۷۔

(شراب پینے سے) بار آجاؤ۔ آپ نے ابو عبیدہؓ کو حکم دیا کہ ”شراب پینے والوں کو سب مسلمانوں کے سامنے بلو اور پوچھو کہ آیا شراب حلال ہے یا حرام۔ اگر وہ کہیں کہ حرام ہے تو انہیں اسی کوڑے مارو اور ان سے توبہ کراؤ اور اگر وہ کہیں کہ شراب حلال ہے تو ان کی گردنیں مار دو۔“ چنانچہ حضرت ابو عبیدہؓ نے انہیں بلوایا۔ ان سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ ”شراب حرام ہے۔“ اس پر انہیں کوڑوں کی سزا دی۔ بعد میں وہ لوگ اس قدر شرمندہ ہوئے کہ گھروں میں بیٹھ گئے بلکہ حضرت ابو جندل کے دل میں بہت سے دوسرے اور شکوک پیدا ہو گئے۔ اس پر حضرت ابو عبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو تحریر کیا ”ابو جندل کے دل میں بہت سے توہمات و شکوک پیدا ہو گئے ہیں۔ اللہ آپ ہی کے ذریعے ان کے دل سے یہ اوہام و شکوک نکال سکتا ہے۔ آپ اس کو خط لکھیں اور وعظ و نصیحت کیجئے۔“ حضرت عمرؓ نے ابو جندل کے نام خط تحریر فرمایا ”یہ حقیقت ہے کہ ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما حوٰی دالک لمن یشاء“ تم توبہ کرو اور اپنا سر اٹھا کر باہر نکلو اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ”یا عبادى الذین امنتم افرحوا علی انکم لا تقطعون من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعاً انہ ھو الغفور الرحیم“ (۱)۔ جب ابو عبیدہؓ نے یہ خط پڑھ کر سنایا تو ان کے دل میں سکون ہوا اور قلب کی بے چینی دور ہو گئی۔ حضرت عمرؓ نے دوسرے لوگوں کو بھی اسی قسم کے خطوط لکھے۔ ان کی بدولت وہ گھر سے باہر نکلنے لگے۔ آپ نے عام مسلمانوں کو لکھا ”تم اپنے آپ میں رہو جو تبدیلی اور اصلاح کا مستحق ہو اس کی اصلاح کرو مگر کسی کو بدنام نہ کرو ورنہ یہ مصیبت پھیل جائے گی“ (۲)۔

اس واقعے کی تفصیل سے نہ صرف تنقید عامہ کی اس ذمہ داری کا کہ انہیں منکرات کے اندھو کیلئے بھرپور کردار ادا کرنا چاہئے۔ پتہ چلتا ہے بلکہ یہ رہنمائی بھی ملتی ہے کہ اس بڑکے ذمہ داری کو پورا کرتے وقت نہایت دانشمند حکمت عملی اختیار کرنی چاہئے اور بعد میں ان کے اثرات کا بھی ضرور جائزہ لینا چاہئے اور اگر ان میں سے کوئی منفی پہلو ہو تو ان کا ازالہ کرنا بھی ان کی اپنی ذمہ داری ہے۔ یہ بھی طے کرنا ان کا کام ہے کہ کس معاملے میں سختی کریں اور کتنی سختی کریں۔ کہلا دے سوزی اور نرمی کی ضرورت ہے؟ دور جدید کے ایڈمنسٹریٹروں کیلئے انتظامی معاملات کے سلسلے میں بے شمار سبق نہیں ہیں۔ آیت کی غلط تاویل نہایت اہم معاملہ تھا آپ نے گردن مار دینے کا حکم دیا۔ بصورت دیگر صرف حد کے غلط استعمال، لیکن اس کو مجمع عام میں کرنے کا حکم اس لئے دیا تاکہ آئندہ کیلئے عبرت بنے، لیکن بعد میں آپ نے مجرموں کو سمجھانے کیلئے نہایت مختصر اور جامع خطوط لکھ کر ان سے دلی ہمدردی کا اظہار کیا اور انہیں حسب سابق معاشرے کا حصہ بننے اور اعتدال کے ساتھ اپنا کردار ادا کرنے کیلئے تیار کیا اور عوام کو بھی جو تلقین کی وہ نہایت اہم تھی کہ اگر وہ ہر کسی کو بدنام کرنے کیلئے کمر بستہ رہیں گے تو منکرات ختم ہونے کے بجائے بڑھیں گی اور انتشار پیدا ہو جائے گا۔

شراب کے خاتمے کیلئے آپ مکمل طور پر یکسو تھے۔ یہ نئے مفتوحہ علاقوں کے لوگوں کی جس طرح گھٹی میں پڑی ہوئی تھی سخت پالیسی کے بغیر اس کا تدارک ممکن نہیں تھا۔ اس کے مکمل خاتمے کیلئے اس کی تجارت کے خاتمے کو یقینی بنانا ضروری تھا چنانچہ آپ کو اطلاع ملی کہ سولا (عراق) کے باشندوں میں سے ایک شخص شراب کی تجارت میں بڑا نفع کماتا کر امیر بن گیا ہے تو آپ نے گورنر کو لکھا ”اس کی ہر چیز جس تک تمہاری رسائی ہو توڑ دو اس کے تمام چوپایوں کو ہانک کر لے آؤ اور دیکھو کہ اس کی کسی چیز کو کوئی پناہ نہ دے“ (۳)۔ دور جدید میں بھنگ، شراب، چرس، انیون، ہیروئن اور مہلک نشہ آور بو دیاات کی روک تھام اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک غشیات فروش مافیا کے خلاف ایسے ہی کارروائی نہ کی جائے جیسی عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کی تھی۔ انتظامی افسران کیلئے ضروری ہے کہ وہ انسداد منکرات کے سلسلے میں اپنے اقدامات کے مثبت و منفی اثرات پر غور کریں۔ ایک طرف نصب العین کو سامنے رکھیں اور دوسری طرف حالات اور افراد کا معروضی تجربہ کر کے حکمت عملی وضع کریں اور مختلف تجربات سے سناج اور سبق حاصل کریں تاکہ رد عمل الٹ ہی نہ نکلے۔ ختم علم اعلیٰ کیلئے تو اور بھی ضروری

ہے کہ ماتحت افسران پر نظر رکھے اور جہاں معاملات بگڑنے کا اندیشہ ہو وہاں بروقت مداخلت کرے۔ خرابیوں کا کونسلے اور اصلاحی لائحہ عمل اختیار کرے۔ ایک شخص نے حضرت عمرؓ کی سواری روک کر رو کر یہ شکایت کی کہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے مجھے شراب پینے کی سزا کے ساتھ ساتھ میرا منہ کالا کر کے پھر لیا اور یہ منادی کرادی کہ مجھ سے کوئی نہ بولے یا بیٹھے۔ میں نے سوچا ہے کہ یا تو میں ان کی گردن مار دوں یا ایسی جگہ چلا جاؤں جہاں مجھے کوئی نہ جانتا ہو یا پھر شرک کی سر زمین میں جاؤں۔ حضرت عمرؓ یہ سن کر رو پڑے اور فرمایا ”مجھے خوشی نہیں ہوگی کہ تم شرک کی زمین پر چلے جاؤ، میں تو جاہلیت میں خود لوگوں کو شراب پلاتا تھا۔“ پھر ابو موسیٰ کو خط لکھا ”مجھے فلاں شخص نے آکر یہ اور یہ بتایا ہے، جب میرا خط پہنچے تو لوگوں کو اس کے پاس بیٹھنے اور ملنے جلنے کی اجازت دے دو اور اگر وہ توبہ کرے تو اس کی شہادت قبول کرو، پھر آپ نے اس شخص کی دلجوئی کیلئے دو سو درہم مرحمت فرمائے<sup>(۱)</sup>۔“ معاشرے میں توہمات و خرافات اور فکری و نظریاتی بگاڑ پیدا کرنے کا ایک ذریعہ جاوہر گری ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ اس کے بے پناہ ممتحنی اثرات کی وجہ سے اسے مدتوں کے مترادف سمجھتے تھے۔ آپ نے وفات سے ایک سال قبل یہ فرمان بھیجا۔ ”ہر ساحر اور ساحرہ کو قتل کر دو۔“ راوی کہتے ہیں کہ ہم نے تین ساحروں کو قتل کیا<sup>(۲)</sup>۔

ایک گورنر حر بن معاویہ کے سیکرٹری جن کا نام بجالہ تھا وہ کہتے ہیں آپ نے مذکورہ حکم کے ساتھ یہ بھی لکھا کہ بن ازد و اہل رشتوں کو جو مسلمانوں اور آتش پرستوں میں برپا ہو چکے ہیں ان کو ختم کرادیں اور زم زموں اور مندروں کو پڑھنے سے روک دیں<sup>(۳)</sup>۔ ابو عثمان کہتے ہیں کہ ہم آذربائیجان میں تھے تو حضرت عمر فاروقؓ کا ہمیں خط ملا، لکھا تھا ”اے قتیبہ بن فرقد (سالار مسلمین) بیش و عشرت اہل شرک اور ریشم کے لباس سے گریز کرو اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے لباس حریر سے منع فرمایا ہے“<sup>(۴)</sup>۔ علاوہ انہیں آپ نے بے شمار منکرات کو روکنے کیلئے غوس و اقدامات کئے جس سے نظریہ عامہ کے اس فریبے کی لادائگی کیلئے اسلامی ذمہ داری کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ مثلاً جب آپ نے یہ دیکھا کہ لوگ اس درخت کی طرف آتے ہیں اور نوافل پڑھتے ہیں جس کے نیچے رسول اکرم ﷺ نے بیعت رضوان کی تھی تو اس کو جڑ سے اکھاڑ دیا تاکہ لوگ توہمات و خرافات میں مبتلا نہ ہوتے رہیں<sup>(۵)</sup>۔ ایک مرتبہ حضرت انس بن مالک کو ایک قبر کے پاس نماز پڑھتے دیکھا تو یہ کہہ کر منع فرمایا کہ ”قبر ہے قبر“<sup>(۶)</sup>۔ آپ میت پر ماتم کرنے پر ڈنڈے مارتے، پتھر پھینکتے اور منہ میں منی جھونک دیتے تھے<sup>(۷)</sup>۔ اسی طرح کرائے پر رونے والی عورتوں کو بھی سزا دیتے تھے<sup>(۸)</sup>۔

آپ زمانہ جاہلیت کی مکرر روایات کو ختم کرنا پافرض سمجھتے تھے چنانچہ روایت میں ہے کہ ”حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو تحریر کیا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کے علاقہ میں کچھ لوگوں نے زمانہ جاہلیت کے انداز میں غمرہ بلند کیا ہے اور قبیلہ ضبہ کے لوگوں کو یا آئل ضبہ کہہ کر جوش دلایا ہے۔ انہیں آپ خوب سرزنش کیجئے اور ایسی جسمانی اور مالی سزا دیجئے کہ اگر ان میں دین اسلام کا فہم و شعور پیدا نہ ہو تو یہ منتشر ہی ہو جائیں“<sup>(۹)</sup>۔ لوگ بیہ کے معاملات میں ہیرا پھیریاں کرے لگے، محض زبانی اور کاغذی بیہ کو باطل قرار دے کر موبہوب لہ کا قبضہ لازم قرار دیا۔ آپ نے فرمایا ”لوگوں کا کیا حال ہو گیا ہے کہ وہ بیٹوں کو مال بیہ کر کے اپنے پاس ہی روک لیتے ہیں۔ اگر وہ پہلے مر جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ میں نے کسی کو نہیں دیا تھا یہ میرا مال ہے اور اگر باپ پہلے مر جاتا تو یہ کہ وہ میرے بیٹے کا ہے میں نے اسے بیہ کیا تھا۔ جو کوئی بیہ کرے اور اس کو نافذ نہ کرے یعنی موبہوب لہ اس پر قبضہ نہ کرے یا موبہوب لہ مرے تو وہ اس کے وارثوں کو ملے گا“<sup>(۱۰)</sup>۔ آپ مخلوط مجالس سے بھی منع فرماتے تھے اور اس پر سزائیں دیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک حوض پر مردوں اور عورتوں کی بھیزدیکھی تو انہیں مارا<sup>(۱۱)</sup>۔ آپ نے جاہلیہ میں

خطبہ دیتے ہوئے فرمایا ”جب مرد اور عورت کھٹے ہوں تو تیسرا ان کے ساتھ شیطان ہوتا ہے“<sup>(۱)</sup>۔ ”آپ نے نامحرم مردوں اور عورتوں کے گھٹے کی ممانعت کر دی“<sup>(۲)</sup>۔ عراق کے ایک شخص نے آکر بتایا کہ میں آپ کے پاس ایک ایسا امرے کر آیا ہوں جس کا سر چر کوئی نہیں۔ آپ نے پوچھا ”وہ کیا؟“ اس شخص نے کہا جھوٹی گواہیاں جو ہمارے ملک میں بہت پھیل گئی ہیں۔ پوچھا ”کیا یہ سچ ہے؟“ جواب ملا ”ہاں“ آپ نے حکم دیا کہ کسی مسلمان کو معتبر گواہ بنائے بغیر گرفتار نہ کیا جائے“<sup>(۳)</sup>۔ بقول ابو جعفر آپ مشتبہ اشخاص پر بہت سخت تھے اور اللہ کا حق حاصل کرنے میں بہت شدت پسند تھے تا آنکہ اللہ کا حق حاصل کر کے رہیں۔ آپ کزوروں پر مہربان اور شفیق تھے“<sup>(۴)</sup>۔ آپ نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا وہ رخصت ہونے کیلئے آئے تو آپ نے فرمایا ”اے مغیرہ! شریف انسان کو تم سے مطمئن رہنا چاہئے اور بدکاروں کو تم سے ڈرنا چاہئے“<sup>(۵)</sup>۔ اس طرح آپ نے اصداغ احوال کیلئے انتظامی نقطہ نظر سے ایک جامع فارمولہ دے دیا۔

### ۵۔ قیام عدل:

نظمیہ عامہ کے فرائض میں سے ایک بہت بڑا فریضہ قیام عدل ہے۔ آپ خود بھی عدل کرتے اور عدل کرنے والوں کو ہی سرکاری مناصب پر مقرر کرتے خواہ وہ حج ہوں یا دیگر ذمہ داریوں کے حامل۔ پھر آپ متواتر اس سلسلے میں انہیں ہدایات جاری کرتے رہتے اور ان کے معاملات پر گہری نظر رکھتے کہ کہیں عدل کے تقاضوں کو فراموش کرتے ہوئے ظلم و استیصال تو نہیں کر رہے۔ آپ کے نزدیک عدل صرف عدیہ کی نہیں بلکہ پوری پبلک ایڈمنسٹریشن کی ذمہ داری ہے۔ انہیں ہر معاملے میں عدل ہی کے اصولوں پر کاربند رہنا چاہئے پھر ہی عدل و انصاف کی برکتوں سے معاشرہ فیض یاب ہو سکتا ہے۔ ”عدل فاروقی“ ایک مشہور اصطلاح کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ آپ کے عہد میں ایک مرتبہ زلزلہ آیا آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی اور زمین پر درہار کر کہا ”قرار پکڑ کیا میں تجھ پر عدل نہیں کرتا؟ زمین اسی وقت ساکن ہو گئی“<sup>(۱)</sup>۔ آپ نے حضرت سعدؓ کے ساتھ چھ ہزار فوج کو روانہ کرتے وقت سب کے سامنے تقریر کرتے ہوئے فرمایا ”جیسے کسی چیز کا علم ہو وہ اس سے فائدہ اٹھائے۔ بلاشبہ عدل کیلئے علامات اور شہادت ہوتی ہے۔ اس کی علامات حیات، سخاوت، آسانی اور نرمی ہیں اور اس کی بشارت رحمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر کام کیلئے یک دروازہ مقرر کیا ہے اور ہر دروازے کیلئے یک چابی مہیا کی ہے۔ پس عدل کا دروازہ غور و فکر کرنا ہے اور اس کی چابی زہد ہے۔ غور و فکر موت کو یاد کرنے اور اموال پیش کرنے کیلئے تیار ہونے کو کہتے ہیں اور زہد ہر کسی سے حق ہی لینا ہے جسے حق قبول کرے اور یہ کہ بقدر کفایت روزی پر اکتفا کرنا ہے۔ گزارے کی روزی جس کی کفایت نہ کرے اسے کوئی چیز بھی غنی نہیں کر سکے گی۔ میں تمہارے اور اللہ کے درمیان ہوں مگر میرے اور اللہ کے درمیان کوئی نہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے دعا سے مدد کرتا میرے ذمے لگایا ہے پس تم اپنی شکایات ہم تک پہنچاؤ۔ جو شخص ہم تک شکایت پہنچانے کی استطاعت نہیں رکھتا وہ جس شخص تک پہنچا سکتا ہے پہنچا دے ہم اس کیلئے اس کا حق بلا خوف و مصلحت کریں گے“<sup>(۲)</sup>۔

آپ نے اس تقریر میں عدل کی علامتیں، فلسفہ اور بنیادیں بہایت خوبصورتی سے وضع فرمائی ہیں تاکہ لوگ اسے زندگی کے ہمہ گیر رویے کے طور پر لیں۔ آخر میں آپ نے لوگوں کو اعتماد دلایا ہے کہ بطور منتظم ہر ظلم و بریدتی کے خلاف کارروائی کر کے ضرور حق دلایں گے۔ اس کی کسی بھی دیر سے صرف اطلاع پہنچ جائے گا کافی ہوگا۔ آپ کے نزدیک عدل و احکام کے تقرر کا سب سے بڑا مقصد عدل کا قیام تھا۔ آپ نے مددگی کے سختی جمعہ کے خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا ”اللہم اسی اشہدک



علی امر آء الامصار فاسی انما بعثتہم علیہم ليعدلوا علیہم<sup>(۱)</sup>۔ ”آپ جن عمال کو مقرر کرتے تھے انہیں بھیجتے وقت بہت سی نصیحتیں فرماتے۔ انہیں بھیجنے کے مقصد اور ان کی ذمہ داریاں بتاتے۔ ان میں یہ بات بھی شامل ہوتی ”وَقَفَّضُوا بِہِمْ بِالْحَقِّ وَنَفَسُوا بِہِمْ بِالْعَدْلِ<sup>(۲)</sup>۔“ آپ کے عمال عموماً آپ کی ہدایت پر پوری طرح عمل کرتے تاہم اگر کسی کے خلاف کوئی شکایت آپ تک پہنچتی تو پوری تحقیق و تفتیش کرتے۔ ایک مرتبہ حضرت سعدؓ جو کوفہ کے گورنر تھے کے خلاف شکایت آئی تو آپ نے کئی آدمیوں کو بھیجا جنہوں نے ہر ہر مسجد میں جا کر حضرت سعدؓ کے بارے میں لوگوں سے پوچھا سب نے آپ کی تعریف کی لیکن جب وہ مسجد بنی عس میں گئے تو ایک شخص جس کا نام اسامہ بن قنادہ تھا کھڑا ہوا اور کہا کہ ”آپ نے، مگر خدا کا واسطہ دے کر پوچھا ہے تو سنئے سعدؓ نہ توجہ دہا کرتے ہیں نہ مال کی تقسیم صحیح کرتے ہیں اور نہ ہی عدل کے مطابق فیصلے کرتے ہیں۔“ حضرت سعدؓ بھی موجود تھے انہوں نے سن کر کہا ”خدا کی قسم! میں تین وعائیں کرتا ہوں“ اے اللہ! اگر تیرا یہ بندہ جھوٹا ہے اور صرف ریا و نمود کیلئے کھڑا ہوا ہے تو اس کی عمر دراز کر دیجئے اسے فخر میں مبتلا کر دیجئے اور اسے فتنوں میں ڈال دیجئے۔“ آخر وہ شخص ایسے ہی حالت کا شکار ہوا۔ جب اس سے پوچھا جاتا تو کہتا تھا میں ایک بوڑھا اور پریشان حال ہوں مجھے سعدؓ کی بددعا لگ گئی تھی۔ واقعہ کے ردی عبدالملک کہتے ہیں کہ میں نے اسے دیکھا تھا اس کی بھوس بڑھاپے کی وجہ سے آنکھوں پر چٹکی تھیں لیکن اب بھی وہ راستوں میں لڑکیوں کو چھیڑتا پھرتا تھا<sup>(۳)</sup>۔

اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کی نظریہ عامہ میں عدل و انصاف کے حوالے سے کس طرح کا ماحول اور صورتحال تھی۔ اس کی بہت بڑی وجہ یہ تھی کہ آپ نے انتظامی آلات کو اس مقصد کیلئے بھرپور استعمال فرمایا جن میں گمرانی، رہنمائی، رابطہ، حالات سے منگنی، کنٹرول، احتساب وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ انتظامی عہدوں پر تقرر ہی ان لوگوں کا کرتے جن سے عدل کی امید ہو سکتی تھی لیکن پھر بھی ان کو ان کے حال پر چھوڑنے کے بجائے ان پر کڑی نظر رکھتے تھے۔ آپ نے خلیفہ بننے کے بعد ابتدائی دنوں ہی میں اپنے آزاد کردہ غلام اور معتدیر فاکو شام کے فوجی، فرمان (حضرت خالد بن ولیدؓ، یزید بن ابی سفیانؓ، شریک بن حسنہ و عمرو بن العاصؓ) کے حالات، مسلمانوں کے ساتھ ان کے طرز عمل اور عام چال ڈھال کا حال معلوم کرنے کیلئے روانہ فرمایا۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے سب کی فرد افراد تعریف کی۔ رفاکو واپسی پر اپنے ہم نفس حضرت معاذ بن جبلؓ کے ساتھ مل کر ایک خط لکھ کر دے دیا جس میں خود فاروق اعظمؓ کو زبردست نصیحتیں کیں۔ اس کا ابتدائی حصہ کچھ اس طرح تھا ”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ابو عبیدہ بن الجراح اور معاذ بن جبل کی طرف سے عمر بن الخطابؓ کو سلام علیک۔ ہم اس مجبور کے پاس گزار ہیں جس کے سوا کوئی عہدات کے لائق نہیں۔ ہمیں معلوم ہے آپ کو اپنی اصلاح کی کتنی فکر رہتی تھی۔ اب آپ امت محمدیہؐ کے کالے گورے کے حاکم ہو گئے ہیں۔ آپ کے سامنے دوست دشمن بڑے چھوٹے کمزور اور طاقتور سب بیٹھے ہیں۔ ان سب کے آپ کے ذمے حقوق ہیں اور سب کیلئے آپ کی میزان عدل میں حصہ ہے۔ اسے غمزدہ خیال رکھنا آپ ان کے ساتھ کس طرح انصاف کرتے ہیں۔ ہم آپ کو اس دن کی یاد دلاتے ہیں جب سارے راز کھل جائیں گے اور چھپی برائیاں پشت از پام ہو جائیں گی۔ جب چہرے ایک ”سultan غائب“ کے سامنے ذلیل و خوار ہوں گے“<sup>(۴)</sup>۔

”آپ نے اس کے جواب میں جو تفصیلی خط لکھا اس کی چیدہ چیدہ باتوں میں ایک تو یہ تھی ”تم نے لکھا ہے کہ خلافت سے پہلے اصلاح نفس کی آپ کو لگن تھی یہ تم نے کیسے جانتا؟ تمہارے الفاظ سے سنائش کی پو آتی ہے۔“ ایک اور بات یہ لکھی ”جاشہ اگر اللہ تعالیٰ کی مدد و رہنمائی عمر کے مثل حال نہ ہو تو وہ انصاف کا حق دانہ کر سکے۔“ آخر میں ہدایت کی کہ ”تم مجھے خط لکھتے رہا کر د میں تم سے بے نیاز نہیں ہو سکتا“<sup>(۵)</sup>۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ جس طرح نصیحتیں کرنے میں پیشا کرتے تھے اسی طرح نصیحتیں کرنے کیلئے بھی ہمہ وقت آمادہ رہتے تھے۔ یہ ایک ایسی صفت ہے جو حکمرانوں کو بہت ہی کم نصیب ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو عقل

کل سمجھنا شروع کر دیتے ہیں اور حق بات سننے اور پیچھاننے کا عمل ختم ہو جاتا ہے۔ ایڈمنسٹریشن کے بالائی مراکز میں عدل کے چشمے خشک ہو جاتے ہیں اور نیچے رعایا جان برب ہو جاتی ہے۔ ایک اور واقعہ ہمشافہ بھی پیش آیا۔ آپ نے سعید بن عامر حذیم کو پروانہ بھیجا کہ تم کو شام کے ایک حصے کا عامل مقرر کیا جاتا ہے، اسہو نے انکار کر دیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ”نہیں! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے یہ نہیں ہو سکتا کہ یہ سارا بوجھ تم میرے ہوا پر ڈال دو اور خود گھروں میں بیٹھ جاؤ۔“ جب سعید نے حضرت عمرؓ کا صراہہ دیکھا اور انہیں اندازہ ہوا کہ انہیں نہیں چھوڑیں گے تو انہوں نے حضرت عمرؓ کو بہت خوب نصیحت کی ”اے عمرؓ اللہ سے ڈرتے رہو اور اپنا رخ اور اپنے فیصلوں کو ان سب کیلئے درست رکھو جسہوں نے تم کو اپنا نگران بنایا ہے، خود وہ قرعہ میاں ہوں یا دور کے رہنے والے اور دوسرے لوگوں کیلئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو“ (۱)۔ اس سے پہلے سامنے یہ اصول آتا ہے کہ پبلک ایڈمنسٹریشن کے اہلکاروں کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ ایک دوسرے کی ستائش کرتے رہیں۔ ہر جائز و ناجائز کام میں ایک دوسرے کو تقویت دیں اور ماتحت افسران اپنے بڑوں کی جی حضور کی کرنے کی کوشش کریں، بلکہ ان کی غیلاوی ذمہ داری یہ ہے کہ ایک دوسرے کو حق و صداقت اور عدل و انصاف کی نصیحتیں کرتے رہیں اور اپنی مشترکہ ذمہ داریوں کا احساس پیدا کریں، تاکہ معاشرے میں حقیقی عدل قائم ہو سکے۔

ایڈمنسٹریشن آف جنٹلمن کے لوازمات کیا ہیں؟ اس کیلئے افسران کو اپنے طرز عمل میں کن باتوں کا خیال رکھنا چاہئے؟ اس بارے میں حضرت عمرؓ کا فرقہ کے نظریات نہایت بصیرت افروز اور عملی نوعیت کے ہیں۔ یقیناً ان کے بغیر عدل و انصاف کسی بھی زمانے اور خطے میں کبھی نافذ نہیں ہو سکتا۔ آپ نے اپنے ایک گورنر حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا ”سارے انسانوں کو اپنی نظر میں یکساں رکھو اور اپنی مجلس میں ان کے ساتھ یکساں سلوک کرو، تاکہ کمزوروں کو تم سے انصاف کی امید باقی رہے اور معززین میں یہ خیال پیدا نہ ہو کہ تم ان کی خاطر دوسروں پر ریوی کر سکتے ہو“ (۲)۔ آپ اچھی طرح جانتے تھے کہ قانون اور ضابطے طاقتوروں کو کنٹرول کرنے اور مجبوروں اور بے کموں کے تحفظ کیلئے بنائے جاتے ہیں۔ ان کی ساری خلاف ورزی ”معززین“ کی خاطر ”معززین کی وجہ سے اور معززین کے ذریعے ہوتی ہے۔ اس لئے اہلکاروں کا اصل کام یہ ہے کہ وہ انہیں بلا وجہ ترجیح نہ دیں، تاکہ انصاف صرف ہو ہی نہیں، بلکہ دکھائی بھی دے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کی امید باقی رہے۔ یہ امن و امان اور وحدت و استحکام کیلئے ضروری ہے، ورنہ دنیا تو مایوسی و بددلی پھیلے گی یا بغاوت و سرکشی۔ آپ نے اپنے معروف سپہ سالار حضرت ابو عبیدہؓ کے نام خط میں مزید اصولوں کی نشاندہی فرمائی ”جب وہ شام میں تھے تو انہیں لکھا ”ابو عبیدہ! میں تمہیں ایک ایسا خط لکھ رہا ہوں جس میں میں نے امریکائی حد تک اپنی اور تمہاری خیر خواہی کی ہے۔ پانچ باتوں پر عمل کرو تو تمہارا دین سلامت رہے گا اور تمہیں بہتر سے بہتر اجر ملے گا۔ جب کسی مقدمے کے دونوں فریق تمہارے پاس آئیں تو تمہارے لئے ضروری ہے کہ عادل گواہوں اور قطعی دوا ضح قسموں کا مطالبہ کرو۔ کمزور کو اپنے قریب آنے دو تاکہ اس کے دل کو تقویت ہو اور اس کی زبان کھل سکے۔ غریب الوطن پر دیسیوں کی طرف حقد توجہ کیا کرو کیونکہ اگر اسے زیادہ عرصہ تک روکے رکھا جائے گا تو وہ اپنا کام چھوڑ کر واپس چلا جائے گا۔ اس کا کام خراب کرنے کی ذمہ داری اس کے سر ہے جس نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی اور جب تک کسی مقدمے میں مناسب فیصلہ تک نہ پہنچ سکے، تب تک صبر کرانے کی کوشش کرو“ (۳)۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی طرف ایک اور خط میں لکھا ”دگ تمہارے پاس اپنی ضروریات پیش کرتے رہیں گے۔ اس لئے جو کوئی تمہارے پاس حاجت روائی کیلئے آئے اس کی تم عزت کرو، ایک کمزور مسلمان کیلئے یہی عدل و انصاف کی خاطر کافی ہے کہ فیصلہ کرنے اور تقسیم کرنے میں اس کے ساتھ انصاف کیا جائے“ (۴)۔ ”نہ کمزور ہدایات میں سے دور دراز سے آنے والوں پر جلد اور خصوصی توجہ دینا اور حاضری رہنمائی کیلئے بہت ہی اہم ہے۔ تجربہ و مشاہدہ یہ بتاتا ہے کہ بڑے

بڑے شہروں میں مختلف محکموں کے دفاتر یا عدالتوں میں باہر کے لوگوں کے کام چھتے ہیں، تو وہ بے چارے ذلیل و خوار ہو جاتے ہیں۔ مالی بوجھ کے ساتھ ساتھ پیچھے کا موس کا بھی حرج ہوتا ہے۔ انہیں متعدد مرتبہ لاحاصل چکر لگانے پڑتے ہیں۔ دفاتروں میں بیٹھے ہوئے افسران اور نچلا غلہ نہ ان سے ذرا سی بھردری رکھتا ہے نہ ان کی بات سنتا ہے نہ ان کی طرف توجہ دیتا ہے نہ ان کے جائز کام کو جلد از جلد کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ اپنے کام اور حق ہی سے دستبردار ہونے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اگر کسی خوش نصیب کا کام ہو بھی جائے تو کویتوں کے طویل سفر کی تھکان اسے دلی سرت سے طف اندوز نہیں ہونے دیتی۔ یہ تنظیم عامہ کا ناقابل معافی جرم ہے۔ یہ بیاد کر لیں کہ ظیفے اس کے نظام اس کے فرائض اور ضابطہ اخلاق کی ناکامی ہے۔ یہ اس کے مقصد وجود سے انحراف اور جواز وجود کا حاتمہ ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے کام کے بگاڑنے کا ذمہ انہیں ذمہ دار قرار دے کر انہیں قابل مواخذہ ٹھہرایا ہے۔ دور جدید میں ایسے قوانین بنانے اور انہیں سختی سے نافذ کرنے کی ضرورت ہے جن سے ایسے سرکاری ملازمین کو سزا دی جاسکے۔ ایک مرتبہ آپ نے ارشاد فرمایا ”جب زمین کے ان داتا و محاسب (دیان) جب قیامت کے روز آسمان کے محاسب سے میں گئے تو اس کی حالت بہت بری ہوگی۔ سوائے اس کے جس نے عدل کے مطابق حکم دیا، حق کے مطابق فیصلہ کیا اور فیصلے میں نہ تو اپنی نفسانی خواہش کا لحاظ کیا نہ قرابت داری کا نہ تو عاجز ہوا نہ کسی سے خوفزدہ ہو کہ کتاب اللہ کو آنکھوں کے آگے نہ نہینے پڑے“ (۱)۔

اس قول میں آپ نے عمال و منتظمین کیلئے لفظ ”دیان“ استعمال کیا ہے جو بڑا ہی بیخلف لفظ ہے جس کے معنی زمین خدا بھی ہو سکتے ہیں اور حقوق دینے والے اور احتساب کرنے والے بھی آپ نے انہیں اصل خوف روز محشر کا دلایا ہے جسے کوئی ہال نہیں سکتا۔ جس میں جلاو منصب اور اقتدار و اختیار ختم ہو جائے گا۔ یہ خوف ہی وہ چیز ہے جو دنیا میں طاقت و قوت کے نشے کو ابتر کر عدل و اعتدال کی راہ پر لاسکتا ہے۔ پھر آپ نے نہایت مگر انتظامی ضابطے بیان کئے ہیں جو معاشرے میں عدل اجتماعی کیلئے ناگزیر ہیں۔ اگر انکار اس کا خیال رکھیں تو دنیا میں بھی معزز، متبول اور کامیاب ٹھہریں گے اور آخرت میں بھی اس کی کامیابی کا پتہ اس کی استطاعت ہے ارشاد ہوا ”من یصف الناس من بعہ یعطی الظفر فی امرہ“ (۲)۔

## باب ہشتم

# بصیرت عمرؓ اور عصر حاضر کے معاشی مسائل

☆۔ تمہید

☆۔ ریاست کا معاشی کردار

☆۔ کفالت عامہ

☆۔ معاشی ترقی

☆۔ نظام ٹیکس

☆۔ نظام وظائف

## بصیرت عمر اور عصر حاضر کے معاشی معاملات

○ ... تمہید:

عصر حاضر کا تیسرا اہم شعبہ جس میں فاروقِ عظیم کی اجتہادی بصیرت سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہے وہ معاشیات کا شعبہ ہے۔ آپ جس طرح کامیاب ترین حکمران اور بہترین ایڈمنسٹریٹر تھے اسی طرح آپ حیران کن حد تک ماہر معیشت دان بھی تھے۔ آپ نے جابیہ کے مقام پر لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ”جسے قرآن مجید سے متعلق دریافت کرنا ہو وہ ابی بن کعبؓ کے پاس جائے۔ جسے فرائض پوچھنا ہوں وہ ریڈ بن ثابت کے پاس جائے۔ جو فقہ کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہے وہ معاذ بن جبل کے پاس جائے اور جو مالی امور دریافت کرنا چاہتا ہے وہ میرے پاس آئے کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مجھے خزانہ و قاسم بنایا ہے“<sup>(۱)</sup>۔

جیسا کہ ہم نے آپ کے حالات زندگی میں دیکھا ہے کہ معاشی امور سے آپ کی دلچسپی بچپن ہی سے تھی اور اس میں مہارت اس وقت پیدا ہوئی جب آپ نے عہد جوانی میں تمہارت کا پیشہ اختیار کیا اور اس مقصد کیلئے کئی بار شام و عراق کے سفر کئے۔ آپ نے وہاں کے نظامات کا بھی مطالعہ کیا اور عملی مسائل سے بھی گزرے۔ آپ کے تمام معاشی تصورات و خیالات ایک الگ مقالے کے متقاضی ہیں۔ اس باب میں کئی معاشیات (Macro Economics) کے راویہ نگار سے ہم آپ کے معاشی تصورات اور پالیسیوں کا جائزہ لیں گے اور وہ بھی آپ کے حکومتی اقدامات کے چیدہ چیدہ پہلوؤں کو لیں گے جن سے عصر حاضر میں ہم بھرپور رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔

### ○ ..... ریاست کا معاشی کردار:

خاتم النبیین ﷺ نے اس عالم کو ایک منفرد فلاحی ریاست کا تصور دیا۔ رزقِ حلال کو اللہ کا فضل و عطیہ اور نعمت قرار دیا ہے۔ حیثیت و حسنات میں شمار کر کے اعلیٰ مقاصد کی خاطر اس کے حصول کو عبادت کے بعد سب سے بڑا فریضہ اور کوشش کو جہاد فی سبیل اللہ کی ایک شکل قرار دیا۔ اس طرح معاشی سرگرمیوں کو اہمیت دی اور انہیں اخلاقی و روحانی محرکات بھی فراہم کر دیے۔ ریاست کے ذریعے ان کو مضبوط کیا، انہیں حدودِ الہی کا پابند بنایا اور حلال و حرام کے ضابطوں کے اندر رہتے ہوئے فروغ دیا۔ منصوبہ بندی، حسن تدبیر، اعلیٰ تعلیمات کے ذریعے فقر و افلاس، ظلم و استغلال، ارتکازِ دولت، معاشی تفاوت، ٹوٹ مار اور معاشی اجارہ دار یوں کے خاتمے کی بھرپور کوشش کی اور بطور حکمران ریاست کے مادی و انسانی وسائل کو عوام کی معاشی فلاح و بہبود، کفایت عامہ، گردشِ دولت اور معاشی ترقی کیلئے بڑی دانشمندی سے استعمال کر کے بہت تلیں عرصے میں حیران کن نتائج حاصل کئے۔ آپ کے عہد مہارک میں سرکاری و شرعی معاش سے حاصل ہونے والی آمدنی بہت زیادہ نہیں ہوتی تھی۔ اس لئے آپ نے ایک طرف نئی شیعہ کو مذکورہ مقاصد کیلئے متحرک کیا اور دوسری طرف زکوٰۃ کو مالیاتی پالیسی کے آلہ کے طور پر استعمال کیا اور دیگر جو بھی آمدنیاں ہوتی تھیں انہیں فوری طور پر لوگوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ اس لئے باقاعدہ طور پر بیت المال قائم کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ حضرت حسن بن محمد سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے پاس آنے والے مال پر نہ دوپہر گزرنے دیتے تھے نہ رات<sup>(۲)</sup>۔ ”بھول امام ابو عبیدہ جینی آپ مال کو تقسیم کرنے اور مستحقین تک پہنچانے میں عجلت سے کام لیتے تھے۔ گر مال آپ کے پاس صبح پہنچتا تو آپ دوپہر تک اپنے پاس باقی نہ رہنے دیتے۔ اسی طرح اگر شام کو پہنچتا تو آپ رات سے پہلے پہلے تقسیم فرما دیتے تھے“<sup>(۳)</sup>۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا ”اگر میرے پاس اہل پہاڑ کے برابر سونا ہو تو مجھے بڑی خوشی ہوگی کہ تین راتیں گزرنے سے پہلے پیسے اس میں سے کچھ بھی میرے پاس باقی نہ رہے“ امامیہ کہ مجھ پر کوئی قرض ہو اور اسے ادا کرنے کیلئے میں نے کچھ بچالیا ہو“ (۱)۔ ”ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ نے مال کی تقسیم کیلئے حضرت عمرؓ کو مقرر فرمایا۔ اس کی تفصیل آپ کے عہد خلافت میں اس استفسار سے متی ہے جو آپؐ نے حضرت علیؓ سے کیا تھا۔ اس کے راوی حضرت علیؓ خود ہیں۔ آپؐ نے ایک مرتبہ مشورہ کیا کہ ”اللہ کے مال میں سے (سب کو دینے و مانے کے بعد بھی) جو رقم بچ رہے اس کا کیا مصرف ہو؟“ لوگوں نے ایک زبان کہا ”امیر المومنین امت کی خاطر آپ اپنے اہل و عیال جائیداد اور تجارت سب سے روگرداں ہو چکے ہیں۔ یہ رقم آپ خود استعمال کیجئے۔“ امیر المومنین نے مجھ سے (مراد علی بن ابی طالبؓ) پوچھا ”تمہاری کیا رائے ہے؟“ میں نے کہا ”آخر تمام لوگ آپ کو مشورہ دے رہے ہیں مگر ان کا صراحتاً کہ میں ضرور اپنی رائے دوں۔“ میں نے بھی کہا ”آپ کیوں اپنے آپ کو مبذل بہ گماں کرتے ہیں یعنی آپ کیسے وہم میں مبتلا ہونا چاہتے ہیں؟“

فرمایا ”تم کو یہ بات کھل کر کہنی ہوگی۔“ میں نے کہا ”بہت اچھا میں پوری بات وضاحت کے ساتھ کروں گا۔“ آپ کو یاد ہو گا کہ ایک بار آنحضرت ﷺ نے صدقہ کا کچھ مال آپ کے حوالے کر کے آپ کو اسے محتاجوں میں بانٹنے کیلئے روانہ کیا اور آپ اس تمام مال کو لئے ہوئے برآمد ہوئے۔ اتفاق سے اس موقع پر آپ کی ملاقات عباس بن عبدالمطلب سے ہوئی اور انہوں نے اس بات پر اصرار کیا کہ وہ تمام مال وہ خود تقسیم کریں گے۔ اس پر آپ دونوں میں کچھ رنجش سی ہو گئی پھر آپؐ نے مجھ سے کہا تھا کہ ”اور امیرؓ ساتھ نبی اللہ ﷺ کے پاس چلو۔“ اور ہم جب پہنچے تو ہم نے اللہ کے نبی ﷺ کو عالم اضطراب میں پایا اور ہمیں بات کرنے کا حوصلہ نہ ہوا چنانچہ ہم دوسرے دن پھر پہنچے۔ دوسرے دن ہم نے حضور انور ﷺ کو عالم انبساط میں پایا۔ آپ کو یاد ہو گا اس پر ہم نے سردار دو جہاں سے پوچھا بھی تھا کہ ہمارے حاضر ہونے پر یہ دو مختلف کیفیتیں کیسی تھیں۔ سردار دو جہاں نے ارشاد فرمایا تھا ”پہلے دن جب تم دونوں (عمرؓ اور علیؓ) میرے پاس آئے تھے تو میرے پاس صدقے کے دو دینار باقی رہ گئے تھے۔ ان دو دیناروں کے سبب میں کدہر تھا۔ آج میرے نشاط کا باعث یہ ہے کہ میں نے ان دو دیناروں کو بھی ٹھکانے لگا دیا ہے۔“ امیر المومنین نے سنا تو ارشاد فرمایا ”علیؓ میں مستقل طور پر تمہارا شکر گزار ہوں“ (۲)۔

قدوہ کا قول ہے ”سب سے آخری مال غنیمت جو رسول اللہ ﷺ کی حیات میں لایا گیا وہ بحرین سے آئے ہوئے آٹھ لاکھ درہم کی شکل میں تھا۔ حضورؐ یہ تمام دولت یک ہی نشست میں تقسیم فرما کر اٹھ کھڑے ہوئے عہد رسالت اور عہد صدیقی میں بیت امال کا قیام ابھی عمل میں نہ آیا تھا۔ بہر حال بیت امال سب سے پہلے فاروق اعظمؓ نے قائم کیا۔ اس سلسلہ میں مالک بن اوس کا بیان ہے ”اسلام کے خزانہ عمارہ میں موجود مال و زر کے بارے میں عمری مسلک یہ تھا کہ اس مال و دولت میں کسی کو کسی پر ترجیح حاصل نہیں ہے اور خود امیر المومنین اور رئیس مملکت کو کسی ایک فرد پر ترجیح نہیں دی جاسکتی اور مسلمانوں میں کوئی شخص بھی ایسا نہ رہ جائے گا جسے اس دولت میں حصہ دار نہ بنایا جائے گا۔ اس معاملہ میں زر خرید غلام مستثنیٰ ہوں گے۔ البتہ اس مال میں مسلمانوں کی حصہ رسد کی کامیاب کتاب اللہ اور تعلیمات رسول مقبول ﷺ کی روشنی میں متعین ہو گا۔ مثلاً مال بانٹنے وقت ہم دیکھیں گے کہ ایک شخص نے اسلام کی خاطر تکلیفیں اور مشقتیں کتنی اٹھائی ہیں۔ وہ اسلام کی دوست سے کس مرحلہ پر شرف یاب ہوا ہے۔ اسلام لانے کے بعد اس کی مالی حالت کس درجہ بہتر یا کس درجہ بدتر ہوئی ہے۔ امیر المومنین نے یہ بھی فرمایا کہ ”اگر اصل نے انہیں مدت دی تو دولت کی عداوت تقسیم کا ایسا انتظام کریں گے اور ماں غنیمت یوں بانٹیں گے کہ صنعتی پہاڑی پر چڑھنا جہاد ہو گا اور وہیں اس کے حصے کا مال اتنے پہنچ جائے گا“ (۳)۔“

رسول اکرم ﷺ کی معاشی حکمت عملی اس وقت کے معاشی حالات کے مین مطابق تھی۔ آپؐ نے معاشی معاملات میں ریاست کی آمدنیوں کے جو اوصاف وضع فرمائے تھے محمد و دو مسائل میں ان کی بجا آوری کا بہترین طریقہ یہی تھا کہ حاصل ہونے والے وسائل کو فوری طور پر متعلقہ مقاصد پر خرچ کر دیا جائے۔ عہد فاروقی میں معاشی حالات تبدیل ہو گئے اللہ تعالیٰ نے بے پناہ فتوحات عطا فرمائیں۔ جن کی وجہ سے حکومتی محاصل کی آمدنیوں میں بے پناہ اضافہ ہوا اس کے ساتھ ہی ذمہ داریوں میں بھی اضافہ ہوا۔ یہ ایک نئی صورت حال تھی جس نے آپؐ کی حساس طبیعت کو ہلکا کر رکھ دیا۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ”مجھے عمر بن الخطابؓ نے بتایا۔ میں آیا تو دیکھا کہ ان کے سامنے چمڑے کے فرش پر سونا پھیلا ہوا ہے۔“ مجھے فرمایا کہ ”اگر اسے اپنی قوم میں تقسیم کر دو اللہ ہی بہتر جانتا ہے اس نے اسے اپنے نبی علیہ السلام اور ابو بکرؓ سے کیوں علیحدہ رکھا اور مجھے دیا۔ معلوم نہیں کہ خیر کی وجہ سے یا شر کی وجہ سے۔“ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں سے تقسیم کرنے لگا اور ہٹانے لگا۔ اچانک مجھے رونے کی آواز آئی دیکھا کہ عمرؓ رو رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ”قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اس نے اس مال کو اپنے نبی علیہ السلام اور ابو بکرؓ ان کے ساتھ شریکار اور ہٹانے سے نہیں روکا اور عمرؓ اس کے ساتھ خیر کے ارادے سے نہیں آیا۔“<sup>(۱)</sup>

آپؐ کے اس احساس نے آپؐ کے اندر اس عزم کو پختہ کر دیا کہ آپؐ ان وسائل کو اپنے لئے آزمائش سمجھتے ہوئے پوری خدا خونی سے استعمال کریں گے اور ان پر اپنے اختیارات کو ذریعہ خیر بنائیں گے نہ کہ ذریعہ شر۔ اس کی صورت آپؐ کے نزدیک صرف یہی تھی کہ ان کے ایک ایک حصہ تک کو صرف انہیں مقاصد پر خرچ کریں جو اللہ اور اس کے رسولؐ نے متعین کر دیئے ہیں۔ آپؐ کی ساری ذاتی زندگی اور تمام معاشی پالیسیاں اس بات کی شہادت دیتی ہیں۔ عبدالرحمنؓ بن عوف کہتے ہیں ”ایک بار امیر المومنینؓ نے مجھے طلب کیا۔ میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ وہ بے حد خستہ اور گویا غنودگی کے عالم میں ہیں۔“ میں نے پوچھا ”کیا قصہ ہے امیر المومنینؓ؟“ یہ سن کر انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے ایک مکان کے اندر لے گئے۔ اس مکان میں بے شمار ساز و سامان کے اہل گئے ہوئے تھے فرمانے لگے ”آج خطابؓ نے خدا کو بہت سہل سمجھ رکھا ہے۔ یہ سب مال دراصل اس نے نہیں آگیا کہ عمرؓ کے عہد کو رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر صدیقؓ کے عہد پر ترجیح حاصل ہے یہ تو ایک آزمائش ہے۔ ان دونوں نے (مراد آنحضرتؐ اور ان کے نائب، ابو بکر صدیقؓ) دین کی بنیادیں قائم کیں۔ اب میرا کام یہ ہے کہ میں ان کی پیروی کروں۔“ اس کے بعد بقعہ عبدالرحمنؓ بن عوفؓ ان کے مشورے سے چار چار ہزار درہم مجاہدین کیلئے چار چار ہزار اذواج نبی کیلئے اور دودھ ہزار باقی تمام کیلئے لگائے گئے اور اس طرح تمام کا تمام مال تقسیم ہو گیا۔“<sup>(۲)</sup>

ایک مرتبہ آپؐ نے فرمایا ”واللہ مجھے معلوم نہیں کہ میں خلیفہ ہوں یا بادشاہ اگر بادشاہ ہوں تو یہ امر عظیم ہے۔“ کسی نے کہا ”امیر المومنینؓ دونوں میں فرق ہے۔“ آپؐ نے پوچھا ”وہ کیا؟“ اس نے کہا کہ خلیفہ تو بغیر حق کے کچھ نہیں لیتا اور خلاف حق سے خرچ نہیں کرتا۔ آپؐ الحمد للہ ایسے ہی ہیں جبکہ بادشاہ زبردستی وصول کرتا ہے اور ذاتی مرضی سے لیتا دیتا ہے۔ یہ سن کر آپؐ خاموش ہو گئے۔“<sup>(۳)</sup> ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے تقریر فرمائی اور لوگوں کی حالت اور اپنے اقتدار اور مال کے متولی ہونے کی کیفیت کو بہت عمدہ طریقے سے بیان فرمایا کہ ”قرآن کریم کی تلاوت کر کے معرفت حاصل کرو اس کے بیان کردہ حکام پر عمل کرو تاکہ تم قرآن دے۔ یہ درکھو کسی کو اس کا حق اللہ کی ہا فرمائی کر کے نہیں ملے گا اگر انسان حق کہے تو نہ اس کی روزی دور ہوتی ہے اور نہ اس کی موت قریب آتی ہے۔ اللہ سبحانہ نے مجھے جو اقتدار سپرد فرمایا ہے اس میں تین باتوں کی وجہ سے کامیابی ہے۔ امانت کی پاسداری، قوت کا استعمال اور اللہ سبحانہ کے نازل کردہ حکام کی تعمیل اور اس مال کی خوبی تین امور میں پہنچا ہے کہ حق کے ساتھ بیجا جائے حق کے ساتھ خرچ کیا جائے اور پائل سے بچا جائے۔ خبردار! میں تمہارے مال کا اس طرح

نگران ہوں جس طرح یتیم کا دل یتیم کے بل کا محافظ ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر مجھے ضرورت نہ ہو تو خطا رہتا ہوں اور اگر ضرورت ہو تو بقدر حاجت اور معروف کے ساتھ اتنا کھاتا ہوں جیسے کوئی مویشی چر لیتا ہے<sup>(۱)</sup>۔ فاروق اعظمؓ مجتہد تھے، آپ حالات و واقعات کے بدلتے ہوئے تقاضوں سے بے خبر اور بے نیاز نہیں ہو سکتے تھے۔ آپ پر لازم تھا کہ شریعت کے معاشی احکامات کی نوعیت کو سمجھیں ان کی اصل روح اور مقاصد کا پوری گہرائی سے جائزہ لیں اور نئے مسائل پر انہیں منطبق کریں۔ چنانچہ ایک طرف تو آپ نے ریاست کے معاشی کردار سے متعلق رسول اکرم ﷺ کے فراہم کردہ مذکورہ اصولوں کو نافذ کرتے ہوئے وسیع پیمانے پر شہس قدمات کئے اور دوسری طرف ایک جدید ترقی یافتہ اسلامی فلاحی ریاست کا ایک ہیسا ہمہ گیر تصور اور نظام کا وضع کیا جو اسلامی تعلیمات کا عملی نمونہ تھا اور ہر دور کی اسلامی ریاست کیلئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

آپ نے اجتہادی بصیرت سے کام لیتے ہوئے محض وقتی و ہنگامی مسائل کو حل کرنے کیلئے نہیں بلکہ مستقبل کی ضروریات اور اسلامی تہذیب کے استقلال کیلئے زندگی کے ہر شعبے میں اسلامی ریاست کے کردار اور ذمہ داریوں کا دائرہ وسیع کر دیا۔ نظام حکومت کو مستحکم کرنے کیلئے سیاسی نظام میں اصلاحات کیں۔ انتظامی کنٹرول اور امن و امان کیلئے صوبہ جات اور اضلاع کو مضبوط کیا ریاستی آمدنی کی تنظیم کیلئے بیت المال قائم کیا اور نظام محاصل کو نئے خطوط پر استوار کیا۔ عدل و انصاف کو یقینی بنانے کیلئے صیغہ عدالت میں اصلاحات کیں، معاشی فلاح و بہبود اور سماجی ترقی کیلئے نظامات نافذ کا محکمہ قائم کیا اور متعدد واقعات کئے۔ سرحدوں کی حفاظت کیلئے چھاؤنیاں قائم کئے اور نئے شہر آباد کئے، طاقتور و غناور اور عسکری برتری کیلئے صیغہ فوج میں انقلابی تبدیلیاں کیں، مستقل فوج قائم کی، ان کا الگ دفتر بنایا، بڑی بڑی بارکیں تعمیر کرائیں اور فوج کو جدید ترین اور وافر ساز و سامان سے مسلح کیا۔ تربیت و تعلیم اور ثقافت کے فروغ کیلئے صیغہ تعلیم و مذہبی امور کو مستحکم کیا، لڑکیوں کو اسلامی تہذیب کا مستقل حصہ بنانے کیلئے بے پناہ حقوق و مراعات دیں۔ انسانی عظمت و آزادی کیلئے غلامی کے رواج کو انتہائی محدود کر دیا<sup>(۲)</sup>۔

ان تمام شعبوں میں معیشت کا شعبہ بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ اس کا تعلق برہنہ راست تمام انسانوں سے ہے۔ اس لئے آپ نے اس کی طرف خصوصی توجہ دی۔ آپ کا یہ خیال تھا کہ انسان تو انسان، جانوروں کے بارے میں جو وسیع و عریض سلطنت کے کسی حصے میں عدم توجہ یا ناقص انتظامات کی وجہ سے ضائع ہو کر مر جاتے ہیں، آپ کو "خزرت میں جو ابدہ ہوتا پڑے گا۔ ارشاد ہوا "لو ان جملاً هلک صباعاً بشط الفرات خشیت ان یسال اللہ عنہ آل الخطاب"<sup>(۳)</sup>۔ (اگر فرات کے کنارے ایک لونٹ ناحق ہلاک ہو گا تو مجھے اندیشہ ہے کہ اللہ آل خطاب سے اس کے بارے میں باز پرس کرے گا۔ یہاں آل خطاب سے مراد آپ کی بی بی دات ہے۔ دہود بن علی سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا "لو ماتت شاة علی شط الفرات ضاعة لعنت ان اللہ سانلی عنہا یوم القیامة"<sup>(۴)</sup>۔ (اگر فرات کے کنارے ایک بکری بھی ضائع ہو کر مر گئی تو میرے گمان میں قیامت کے دن اللہ مجھ سے ہی اس بارے میں پوچھ گچھ کرے گا۔) اسی سے متنی جتنی بات حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی مروی ہے کہ "میں نے دیکھا عمر بن الخطابؓ ایک لونٹ کی ننگی پشت پر بیٹھے ہوئے ایک طرف کو چلے جا رہے ہیں۔" میں نے پوچھا "امیر المؤمنین! کدھر کا قصد ہے؟" فرمایا "صدقے (زکوٰۃ) کا ایک لونٹ تم ہو گیا ہے اس کی تلاش میں نکلا ہوا۔" میں نے کہا "اس نوع کے تقویٰ کی مثال قائم کر کے آپ نے اپنے آئندہ جانشینوں کو رتبے میں اپنے سے بہت فروز کر دیا ہے۔" اس پر انہوں نے جواب دیا "لا تلمسی یا ابی الحسن! فوالدی بعث محمدًا بالبوة لو ان عافا ذہبت بشاطی الفرات لاخذ بها عمر یوم القیامة"<sup>(۵)</sup>۔ (اے ابوالحسن! مجھے اس پر ملامت نہ کرو۔ اس ذات کی قسم جس نے محمد ﷺ کو نبوت کا منصب دے کر بھیجا۔ اگر فرات کے کنارے کوئی بھیڑ کا بچہ بھی ضائع ہو گیا تو قیامت کے دن اس پر بھی عمر کا مواخذہ ہو گا۔"

(۱) مروجہ ۱۷۶ (۲) تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو شبلی "فداریوش" (۳) سعد ۳/۵۰۳-۵۰۶ (۴) حوریہ ۱/۱۶۱ (۵) بعد۔



ذمہ داری کے اس احساس نے تاریخ عالم میں ریاست کے ایک نئے منفرد اور عظیم فلاحی و معاشی کردار کو متعین کر دیا جو بعد میں بھی اسلامی روایت کا حصہ رہا جبکہ اہل مغرب کے ہاں اس تصور نے بیسویں صدی عیسوی میں جنم لیا ہے۔ آپ نے معاشی ترقی کیلئے ٹھوس منصوبہ بندی کی شاہراہیں اور مسافر خانے بنوائے، نہریں کھدوائیں، خانگہ مقرر کئے، روزگار کے نئے ذرائع پیدا کئے، نوذلوں، اناموں، معصوموں اور قاصحوں کو معاشی وسائل کی فراہمی کا انتظام فرمایا، منصفانہ نظام ٹیکس متعارف کرایا، زرعی اصلاحات نافذ کیں، نہایت مفید صنعتی و تجارتی پالیسی وضع کی، کفالت عامہ کا بندوبست کیا اور تمام معاشی مسائل کے حل کیلئے ایک جامع اور ٹھوس حکمت عملی وضع فرمائی۔ عدل و انصاف اور امن و امان کے قیام کی وجہ سے آپ کے تمام اقدامات نتیجہ خیز ثابت ہوئے اور ریاست کے تمام شہری و دیہاتی علاقے خوشحالی کی نعمت سے بہرہ ور ہو گئے۔ آپ نے بطور حلیف لوگوں کے تمام چھوٹے بڑے اور انفرادی و اجتماعی معاشی معاملات میں دلچسپی لے کر ریاست کے معاشی کردار کو مسرت دی اس کی سب سے بڑی مثالیں ہیں جن میں کچھ حسب ذیل ہیں:

روایت میں آتا ہے کہ آپ نے دار الرقیق (غلام خانہ) اور بعض روایات کے مطابق دارالہ قیق (توشہ خانہ) بولی۔ اس میں نبیوں نے آجائے، مستوجب کھجور، بکیش اور حاجت کی دوسری اشیاء رکھیں جن سے مسکروں اور مہمانوں کی مدد کرتے تھے۔ علاوہ ازیں آپ نے کئے اور مدینے کے درمیانی راستوں پر بھی وہ ساری اشیاء مہیا کیں جو بے توشہ مسافر کیلئے مفید ہوں اور اسے ایک منزل سے دوسری منزل تک بل پریشانی پہنچا سکیں<sup>(۱)</sup>۔ آپ نے اجتہادی بصیرت سے کام لیتے ہوئے بیت المال کو مستقل حیثیت دی اور اسے مالی طور پر مضبوط کیا تاکہ کسی بھی فوری اور ہنگامی بڑی ضرورت کے وقت کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے اور پھر لوگوں کی حاجت روائی کا سلسلہ مستطاب چلا رہے لوگوں کو وظائف کی تقسیم اور بنیادی ضروریات کی فراہمی کے باوجود بیت المال کو بھرا رکھنا بدلتے ہوئے حالات و وقت کے تقاضوں کے عین مطابق تھا۔ عاصم بن کلیب نے ابن عباسؓ کو کہتے سنا تھا ”فأردق اعظم نماز سے فارغ ہونے کے بعد مسجد میں بیٹھ جاتے اور اگر کسی شخص کا کوئی مسئلہ ہوتا تو اس کے بارے میں وہ اس سے بات کرتے اور نہ وہ مسجد سے پٹے گھر چلے جاتے۔ ایک بار میں (ابن عباسؓ) عمرؓ کے دولت کدہ پر پہنچے جاتے ہی میں نے ان کے خادم (یرفانہ) سے پوچھا کہ اس وقت امیر المؤمنین کے پاس اہل حاجت تو نہیں آتے ہوئے۔ یرفانہ نے نلی میں جواب دیا اتنے میں حضرت عثمانؓ بھی آچکے تھے۔ یرفانہ دونوں کو اندر لے گئے اس وقت امیر المؤمنین کے پاس ایک بہت بڑی نقد رقم مختلف قبیلوں میں رکھی ہوئی تھی۔ وہ رقم امیر المؤمنین نے ہم دونوں کے حوالے کر دی اور فرمایا کہ چونکہ وہ ہم دونوں کو اکابر قریش میں سمجھتے ہیں اس لئے ہم اس مال کو مدینے کے اہل حاجت میں بانٹ دیں اور پھر بھی جو رقم بچ رہے اسے بیت المال میں واپس لے آئیں<sup>(۲)</sup>۔“

بیت مال کے اس منفرد نظام کو آپ ایسی شکل میں قائم نہیں رکھنا چاہتے تھے کہ وہ بذات خود دار گزار دولت کا ذریعہ بن جائے۔ آپ کے عہد میں دولت کو گردش میں رکھنے کیلئے یہ ضروری تھا کہ سال میں ایک دن سب کچھ تقسیم کر دیا جائے۔ ان دنوں بین الاقوامی لین دین کیلئے زر مبادلہ کے ذخائر محفوظ رکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعرئؓ کو لکھا ”کہ بعد میں ساں کا وہ دن جانتا ہوں کہ بیت المال میں ایک درہم بھی باقی نہ رہے گا کہ عطا کیا جائے اللہ کو علم ہے کہ میں نے ہر حق کو اس کا حق ادا کر دیا ہے<sup>(۳)</sup>۔“ حضرت حسنؓ سے روایت ہے کہ ”ساں میں تین سو سو گھنٹہ دن ہوتے ہیں (قریٰ حساب سے) اور سال میں ایک دن حضرت عمرؓ بیت المال کو بالکل ہی صاف کر دیتے تھے تاکہ وہ اپنے پروردگار سے کہہ سکیں کہ اہل بیت مال میں کچھ نہیں چھوڑا اور وہ سب کا سب امت کے کام آجائے<sup>(۴)</sup>۔“

آپ نے لوگوں کی معاشی ضروریات کی تکمیل کیلئے جو وسیع انتظام کیا اس کی بنیاد پر آپ کو حق پہنچتا تھا کہ گداگری سے منع کر دیں۔ آپ نے فرمایا "اونی درجہ کی مزدوری بھی بھیک مانگنے اور دوسروں کے سامنے دست سوال دراز کرنے سے بہتر ہے" (۱)۔ آپ لوگوں میں ایک طرف تو عزت اور وقار پیدا کرنا چاہتے تھے اور دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانے کی عادت سے بچنے کیلئے بیت المال کے دروازے کھلے رکھتے تھے اور دوسری طرف پیشہ ورانہ گداگری کو سختی سے ختم کر دینا چاہتے تھے۔ سینب بن وادم کہتے ہیں "ایک بار امیر المومنین نے ایک فقیر کو صدا لگاتے سنا کہ کوئی اسے رات کا کھانا کھاوے۔ میرا المومنین نے فوراً حکم دیا کہ سائل کو کھانا دیا جائے۔ اس کے بعد سرکاری دارالاملا تشریف لے گئے کہ اونٹوں کی دیکھ بھال کریں۔ وہاں انہوں نے بالکل وہی آواز سنی "ہے کوئی جو فقیر کو کھانا کھائے؟" عمر فاروق غضبناک ہو گئے "پوچھا" میں نے تم لوگوں سے نہیں کہا تھا کہ فقیر کو کھانا کھا دو۔" لوگوں نے کہا "ہم تو اسے کھانا کھلا بھی چکے۔" یہ سن کر میرا المومنین نے فقیر کو بٹا بھیجا۔ اب وہ کیا دیکھتے ہیں کہ فقیر کے پاس ایک بہت بڑا تھیلہ ہے جو روٹیوں سے بھرا ہوا ہے۔ امیر المومنین فقیر سے مخاطب ہوئے اور کہا "ے شخص تو سائل نہیں ہے تاجر ہے اور اپنے مال و عیال کیلئے یوں مال جمع کرنا پھرنا ہے۔" یہ کہا اور تھیلا اس سے لے کر، انٹوں کے آگے ڈال دیا (۲)۔

دور جدید میں حکومت پیشہ ور گداگری کی روک تھام کیلئے آپ کے اس عمل کو بنیاد بنا کر تعزیری قوانین وضع کر سکتی ہے۔ بیت المال سے فوری مدد کی آپ کی پابندی صرف مسلمانوں کیلئے نہیں تھی بلکہ ریاست کے تمام شہریوں کیلئے تھی حتیٰ کہ وہ اسلام کے ازلی و بدی دشمن یہودی کیوں نہ ہوں۔ انہیں اس حال میں نہیں چھوڑنا چاہئے کہ وہ گداگری کرتے پھریں۔ امام ابو یوسف کے بقول مجھ سے عمر بن نافع نے بروایت ابو بکر حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا "عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا گزر کسی کے دروازے کے سامنے سے ہوا جہاں ایک سائل بھیک مانگ رہا تھا۔ یہ ایک بوڑھا آدمی تھا جس کی بصارت زائل ہو چکی تھی۔" آپ نے پیچھے سے اس کے بدن کو ٹھونکا اور پوچھا "تم کس مذہب کے اہل کتاب ہو؟" اس نے جواب دیا کہ "میں یہودی ہوں۔" آپ نے پوچھا "کس چیز نے تمہیں ایسا کرنے پر مجبور کیا؟" اس نے جواب دیا "میں بوڑھا ہے حاجت مندی اور جزیہ کے باعث بھیک مانگ رہا ہوں۔" راوی کہتا ہے کہ عمر اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور گھر میں سے ماکر اسے کچھ دیا۔ پھر آپ نے بیت المال کے خازن کو بولیا اور ان سے کہا "اس کا اور اس جیسے دوسرے افراد کا خیال رکھو کیونکہ یہ بات انصاف سے بعید ہے کہ ان کی جوانی میں ہم ان سے (جزیہ وصول کر کے) کھائیں اور بوڑھا آئے تو انہیں بے سہارا چھوڑ دیں۔" **"امعا الصدقات للفقراء والمساکین"** (۳) (اس آیت میں مذکور) فقراء سے مراد مسلمان فقراء ہیں اور یہ آدمی اہل کتاب کے مسکینوں میں سے ہے۔" آپ نے اس آدمی اور اس جیسے دوسرے افراد کے سر سے جزیہ بھی ساقط کر دیا۔ راوی کہتا ہے کہ ابو بکر نے کہا کہ میں نے عمر کا یہ واقعہ خود دیکھا ہے اور اس بوڑھے کو بھی دیکھا ہے (۴)۔

آپ لوگوں کو معاشی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی ترغیب دیتے رہتے تھے کیونکہ یہ آپ کی منہمی و مدداری تھی۔ ایک مرتبہ فرمایا "کوئی نہ کوئی ہنر سیکھ لو اس لئے کہ تمہیں ہنر کی ضرورت پیش آئے گی" (۵)۔ آپ کا یہ فرمان دور جدید کیلئے بھی رہنمائی کا ذریعہ ہے جو حکومت کو فنی تعلیم کے فروغ کیلئے اقدامات کرنے کی ترغیب دیتا ہے اور لوگوں کو بھی ہنر مندی کی طرف توجہ مبذول کرتا ہے کیونکہ آپ اچھی طرح جانتے تھے کہ صرف سادہ قسم کی مزدوری کرنے کے قائل ہونا کبھی معاشی حالت بہتر نہیں کر سکتا۔ حضرت عمرؓ نے جب عرب جو خونوں کو ذرا آسانی پسند محسوس کیا تو انہیں دھوپ میں کام کرے اور سخت جان بننے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا "النفس حرام العرب" (سورج عربوں کا حرام ہے) یعنی وہ دھوپ میں بھی اس قدر سخت کیا کریں کہ پسینہ سے شرابور ہو جائیں کریں۔ ایک دوسرے مقام پر اس تلقین کو کئی بار اثر انداز میں دہرایا "احشوا شواطان النعم لا تلذوم" (۶) (سخت جان بنو نعمتیں تو ہمیشہ رہے وہاں نہیں۔)

دور جدید میں عام عرب کو سوچنا چاہئے کہ تیل کی دولت کب تک دولت رہے گی؟ اور وہ کب تک اس کی بنیاد پر عیش و عشرت کی زندگی بسر کریں گے؟ یہ نعمت جب چھن گئی یا اس کے متبادل چیزیں عام ہو گئیں تو پھر کیا کریں گے؟ آپ حکومتی اہلکاروں کی یہ وسوسہ داری سمجھتے تھے کہ وہ بازار کے معاملات سے باخبر رہیں۔ قیمتوں کے اتار چڑھاؤ اور مہنگائی پر نظر رکھیں اور لوگوں کے باہمی جھگڑوں کا موقع پر فیصلہ کریں۔ حضرت عمر فاروق نے سب سے پہلے اس مقصد کیلئے احتساب کا نظام قائم کیا اور بذات خود مختص کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔ مختص کے فرائض کو اختصار کے ساتھ ان الفاظ میں بیان کیا جاسکتا ہے ”امور بالمعروف و مہی عن المنکر“ اجتماعی زندگی کے آداب کی حفاظت اور عمرانی ناموس و آبرو اور نمائندگی کا تحفظ مختص کے فرائض تھے<sup>(۱)</sup>۔ حضرت شعبی سے روایت ہے کہ حضرت عمر بازاروں میں گشت کرتے تھے اور قرآن کریم پڑھتے رہتے تھے اور جہاں کہیں کوئی جھگڑا ہوتا تھا اسی جگہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا کرتے تھے<sup>(۲)</sup>۔ اصح بن نباتہ کا بیان ہے کہ میں اور میرے والد مقام زرد سے چلے تو صبح ہوتے ہی مدینے پہنچ گئے۔ صبح صادق کا عمل تھا لوگ نماز فجر ادا کر رہے تھے نماز ہو چکی تو اپنے اپنے کاروبار میں لگ گئے۔ تھوڑی دیر میں ہم نے دیکھا ایک شخص ہاتھ میں درہ لئے ہوئے ہمارے سر پر تھا کہنے لگا ”اے اعرابی اسے بچو گے؟“ اور اس کے بعد جس قیمت پر وہ خریدنا چاہتا تھا اس پر اعرابی (میرے والد) کو راضی کر لیا۔ معلوم ہوا یہ مول تول کرنے والا شخص خود فاروق اعظم ہے۔ اس کے بعد عمر بازار کا چکر لگانے لگے اور دکانداروں اور اہل کاروبار کو معاملات اور لین دین میں اللہ سے ڈرنے کی ہدایت فرمانے لگے۔ وہ بازار کے کبھی ایک سرے تک جاتے کبھی دوسرے سرے تک<sup>(۳)</sup>۔ آپ آنے جانے والوں سے بھی لوگوں کی معاشی حالت اور پریشانیوں کے بارے میں دریافت کرتے رہتے تھے۔ مالک کا بیان ہے کہ میں ایک بار صبح ہی صبح امیر المومنین کے پاس پہنچ گیا مجھ سے پوچھنے لگے ”لوگوں کی کیسی کٹ رہی ہے؟“ میں نے کہا ”بخیر و عافیت۔“ فرمایا ”اس سلسلے میں کوئی نئی بات تو نہیں سنی؟“ میں نے عرض کیا ”نہیں بلکہ سب آپ کے ثناء خواہ ہیں“<sup>(۴)</sup>۔

آپ کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ اشیاء کی قیمتیں اعتدال پر رہیں صرف مدینہ ہی نہیں سلطنت کے دور دراز علاقوں کے نرخوں سے بھی آگاہ رہے۔ چنانچہ باہر سے آنے والے ایک قاصد سے دیگر احوال دریافت کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی پوچھا ”کیف اسعار حم“ (ان کے بھاء کیسے ہیں؟) قاصد کہتا ہے میں نے جواب دیا کہ ”وہاں کے نرخ اررا ہیں۔“ آپ نے پوچھا ”گوشت کا بھاء کیا ہے؟ کیونکہ یہ عربوں کا ایذا رشت ہے جس کے بغیر وہ رہ نہیں سکتے۔“ میں نے کہا ”گائے کا یہ بھاء ہے۔“ بھیر بکری کا بھاء کیا ہے؟“<sup>(۵)</sup>۔ ”بد عنوان تاجر عام طور پر کرنائی پیدا کرے کیسے انکار کرتے ہیں۔ اس طرح رسد کو روک کر مصنوعی قلت پیدا کرتے ہیں جب طلب زیادہ بڑھتی ہے تو سن مانی قیمتیں وصول کرتے ہیں۔ اس وقت ان کی پوزیشن اور بھی مستحکم ہو جاتی ہے جب کسی کو اجارہ دارانہ حیثیت حاصل ہو جائے۔ سرے مال کو خرید کر کوئی واحد فراہم کنندہ بن جائے اور مقابلہ و مسابقت ختم ہو جائے۔ اس لئے حضرت عمرؓ حکم دیتے تھے ”ہمارے بازار میں کوئی انکار نہ کرے“ جن لوگوں کے پاس اپنی ضرورت سے زائد روپیہ ہے وہ ہمارے ملک میں آنے والے کسی ایک غلے کو خرید کر انکار نہ کریں اور جو شخص گرمی یا جاڑے میں تکلیف اٹھا کر ہمارے ملک میں غلامانہ وہ عمر کا مہمان ہے۔ جیسے اللہ کو منظور ہو بیچے اور جیسے اللہ کو منظور ہو رکھ چھوڑے“<sup>(۶)</sup>۔ اس روایت میں جہاں آپ نے منافع خوروں کو تنبیہ کی ہے وہاں غلہ لانے والوں کی حوصلہ افزائی بھی فرمائی ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ بازار میں غلہ لائیں اور قیمتیں گریں۔

بعض تاجر اجارہ دارانہ حیثیت حاصل کرنے کیسے ہمارے عام قیمت سے عارضی طور پر اپنی اشیاء کے نرخ گرا دیتے ہیں۔ لوگ ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اس طرح جب چھوٹے چھوٹے تاجروں کا دیوالیہ نکل جاتا ہے تو پھر اپنی تمام کسر پوری کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ ان تمام موزوں کو سمجھتے تھے اس لئے ایک مرتبہ بازار

میں چکر لگاتے وقت حاطب بن ابی بلتعہ کے پاس سے گزرے جو کم قیمت پر منجے بیچ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا ”اے ان تریذ فی السعیر واما ان ترفع من سوقاً“<sup>(۱)</sup>۔ ”تجارتی معاملات کی اصلاح اور قیمتوں کے نظام کو متصفیٰ بنانے کیلئے آپ کی کاوشوں کا ایک اور مظہر وہ فیصد ہے جس میں آپ نے عبد اللہ بن ابی ربیعہؓ کو دینے میں گھوڑے پانے سے روک دیا۔ لوگوں نے آپ سے سکر یہ درخواست کی کہ آپ اسے اجازت دے دیں۔ آپ نے فرمایا ”میں صرف اسی صورت میں اجازت دے سکتا ہوں جبکہ ان کیلئے چارہ دینے کے علاوہ دوسرے مقام سے لایا جائے۔“ چنانچہ انہوں نے گھوڑے اس طرح رکھے کہ چارہ یمن میں ان کی زمین سے لایا جاتا تھا<sup>(۲)</sup>۔ اس بصیرت افروز فیصلے میں عوامی مفادات کے تحفظ کا بھرپور احساس بھلک رہا ہے۔ آپ یہ جانتے تھے کہ ایک ایک جگہ پر جہاں زرعی زمینوں کی قلت ہے اور لوگ بمشکل ذاتی استعمال کے جانوروں کا پیٹ پاتے ہیں۔ اگر کوئی کاروباری مقاصد کیلئے گھوڑے رکھے گا تو چارے کی قلت پیدا ہو جائے گی اور وہ مہنگا ہو جائے گا۔ ایک تاجر کو تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا، لیکن عام لوگوں کی کمرٹ جائے گی۔ آپ کا یہ بھی فرمان تھا ”انحروا فی اموال الیتامیٰ لانا کلہا البرکۃ“<sup>(۳)</sup>۔ ”یتیموں کے مال سے تجارت کرو، تاکہ اسے زکوٰۃ تم نہ کر دے۔ یہ فرمان بھی فہم و فراست کا شاہکار ہے۔ ایک طرف تو یتیموں کا بھلا ہے کہ ان کا مال کم ہونے کے بجائے اضافہ پذیر ہوگا۔ دوسری طرف خود ان کے سرپرستوں کا فائدہ ہے کہ وہ معروف طریقے پر نفع میں شریک ہو سکتے ہیں۔ تیسری طرف عوام کا فائدہ ہے کہ مخمذ دوست کے گردش میں آنے سے بہت سے لوگ نفع حاصل کر سکتے ہیں۔ چوتھی طرف ملک اور پارے معاشرے کا مفاد سی میں ہے کہ معاشی سرگرمیوں میں خوب اضافہ ہو۔

آپ محض تاجر ہی نہیں ادیب بھی تھے آپ کا یہ قول تجارت و ادب کے حسین متران کا کس قدر دل آویز موقع ہے کہ جب خلافت کی ذمہ داریوں نے انہیں تجارتی سرگرمیوں سے دور کر دیا تو فرمایا ”لو كنت لاجراً ما احترت علی العطر شینا ان فلتانی ربیعہ لم یقتی ربیعہ“<sup>(۴)</sup>۔ ”عوام کی فلاح و بہبود ہمیشہ آپ کے پیش نظر رہتی تھی، چھوٹے سے چھوٹے معاملے سے لے کر بڑے بڑے معاملات تک اس کا خیال رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ سحر پر چارہ ہے تھے ایک مقام الرواح کے قریب پہنچے تو پہاڑ پر ایک چرواہے کی آواز سنی اس کی طرف پٹ گئے۔ قریب پہنچ کر زور سے پکارا ”او بکریاں چرانے والے۔“ اس نے جواب دیا تو فرمایا ”سے رائی (گندریے) میں بیسے مقام سے گزرا ہوں جو تیرے مقام سے زیادہ سرسبز ہے ہر رائی سے اس کی رعیت کے بارے میں باز پرس کی جائے گی۔ یہ کہہ کر اونٹوں والے راستے پر واپس پٹ گئے<sup>(۵)</sup>۔“ رعایا کے فائدے کا اس حد تک لحاظ تھا کہ گلی میں سے گزرتے وقت اگر کھجور کی ٹھنسل مل جاتی تو اٹھ کر کسی کے گھر میں پھینک دیتے تاکہ وہ اسے کام میں لائے<sup>(۶)</sup>۔“

مال معاملات میں ایک اہم معاملہ میراث ہے۔ آپ نے ریاست کی طرف سے اس بارے میں ایک غمخس اور واضح حکمت عملی اختیار کی اور میراث کے معاملات میں خود فیصلے کیا کرتے تھے۔ قاضیوں کو کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو وہ بھی آپ ہی سے رجوع کرتے تھے<sup>(۷)</sup>۔ آپ میراث کے علم کو بھی لوگوں میں مقبول بنانا چاہتے تھے تاکہ کسی حقدار کے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہو۔ ارشاد فرمایا ”فرأئض (میراث) کا علم حاصل کرو کہ یہ بھی تمہارے دین کا حصہ ہے۔“ آپ نے فرمایا میراث قرأت اور سنت نبویؐ کی تعلیم حاصل کرو جس طرح تم قرآن کی تعلیم حاصل کرتے ہو اور فرمایا ”جب تم کوئی کھیل کھیلو تو تیر اندازی کا کھیل کھیلو اور جب باتیں کرو تو فرأئض (میراث) کے بارے میں باتیں کرو“<sup>(۸)</sup>۔

(۱) سنن ابی داؤد (۲) سنن ابی داؤد (۳) سنن ابی داؤد (۴) سنن ابی داؤد (۵) سنن ابی داؤد (۶) سنن ابی داؤد (۷) سنن ابی داؤد (۸) سنن ابی داؤد

محمد سے مروی ہے کہ میں نے عبیدہ سے دلاوا کی میراث یا حصے کی کوئی بات پوچھی تو انہوں نے کہا تم اس کی طرف کیا قصد رکھتے ہو؟ میں نے اس بارے میں حضرت عمرؓ کے سوا فیصلے یاد رکھے ہیں۔ "میں نے پوچھا "کیا سب کے سب عمرؓ کے ہیں؟" انہوں نے کہا "ہاں" <sup>(۱)</sup> بھائیوں کے ہوتے ہوئے دلاوا کی میراث وہ مشکل مسئلہ ہے جس میں حضرت عمرؓ متامل رہے اور ان کی تنہا تھی کہ کاش نبی کریم ﷺ اس کی وضاحت فرما جاتے۔ "چنانچہ عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "میری تنہا تھی کہ رسول اللہ ﷺ دنیا سے تشریف لے جانے سے پہلے ان امور کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ فرما جاتے یعنی حد ہمسلا اور بعض ابواب رہا" <sup>(۲)</sup>۔ "بقول رواں چونکہ رسول اللہ ﷺ نے دلاوا کی میراث کے بارے میں وضاحت نہیں فرمائی تھی اس لئے اجتہاد ہی کا راستہ باقی رہ گیا تھا چنانچہ حضرت عمرؓ نے پہلے ایک اجتہاد کیا۔ پھر مسئلہ کی نوعیت واضح ہوئی تو اس اجتہاد کو چھوڑ کر دوسرا اجتہاد اختیار کیا۔ پھر معاملہ اور واضح ہوا تو ایک اور اجتہاد اختیار کیا اور اس طرح آپ نے دلاوا کی میراث کے بارے میں مختلف فیصلے فرمائے اور ہر فیصلے میں آپ نے حق تک پہنچنے کی سعی فرمائی" <sup>(۳)</sup>۔ خود آپ نے فرمایا کہ "میں نے دلاوا کے بارے میں مختلف فیصلے کئے جن میں میں نے حق تک پہنچنے کی پوری کوشش کی" <sup>(۴)</sup> اور حضرت عمرؓ کے آخری خطبے میں فرمایا "اگر میں زندہ رہا تو اس کے سلسلے میں ایسا فیصلہ کروں گا جسے قرآن پڑھنے والے اور نہ پڑھنے والے دونوں اپنے فیصلے کا مددگار بنائیں گے" <sup>(۵)</sup>۔

انہوں نے میراث میں دلاوا کے حصے کے متعلق اپنی ایک اجتہاد پر رائے اسی رات شانے کی ایک بڑی پر لکھی تھی جس کی صبح ان پر حمد کیا گیا۔ جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ زخم مہلک ہے تو اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ سے فرمایا "وہ بڑی لاؤ؟" جس پر کل میں نے دلاوا کے حصے کا مسئلہ لکھا تھا۔ "اس سے ان کا مقصد اپنی اس تحریر کو منادینا تھا تاکہ ان کے بعد کوئی اسے حجت نہ بنالے۔ حضرت عبداللہ نے کہا "امیر المؤمنینؓ یہ کام آپ کی طرف سے ہم بھی کر سکتے ہیں۔" یہ کوئی آسان بات نہ تھی کہ حضرت عبداللہ اپنے والد کو زخم کی تکلیف میں جتنا چھوڑ کر تحریر مانے بیٹھ جاتے لیکن حضرت عمرؓ نہ مانے اور فرمایا "نہیں!" اور وہ اس وقت تک مطمئن نہ ہوئے جب تک بڑی نہ آگئی اور انہوں نے اپنی تحریر اپنے ہاتھ سے نہ منادی۔ ایک روایت کے مطابق آپ نے اس سلسلے میں کئی مرتبہ صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ تحریر لکھنے کے بعد استخارہ کرتے اور فرمایا "اے اللہ اگر اس تحریر میں کوئی خیر ہے تو اسے نافذ فرما۔" بعد میں اسے مناکر فرمایا "میری رائے یہی ہوئی کہ میں تمہیں اسی حال پر رہنے دوں جس پر تم رہتے تھے" <sup>(۶)</sup>۔ "پھر آپ نے فرمایا "میری تین باتیں یاد رکھو! میں نے دلاوا کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ میں نے کفارہ کے بارے میں کچھ نہیں کہا اور میں نے تمہارے اوپر کسی کو غلیفہ نہیں مقرر کیا" <sup>(۷)</sup>۔

اس سارے واقعے اور اس کے مختلف پہلوؤں کی تفصیل دینے کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ فاروق اعظمؓ کے نزدیک حکومتی سربراہ اور اہلکاروں کو رعایا کے معاشی حقوق کے تحفظ، معاشی انصاف کی فراہمی اور چھوٹے بڑے معاشی معاملے کو شریعت کے احکام کی روشنی میں حل کر کے کہنے کس قدر متحرک و فعال کردار ادا کرنا چاہئے۔ اس سے دور جدید میں ریاست کے معاشی کردار کے بارے میں آپ کے تصورات سے بھرپور فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "قاتل مقتول کا قلعہ وارث نہیں ہوتا خواہ اس نے عداقت کیا ہو یا خطا" <sup>(۸)</sup>۔ "اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ کے فیصلے بھی اسی اصول کے مطابق ہیں۔ چنانچہ قتل عمد کے ایک واقعہ میں سراقہ بن جہضم بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے انہیں اطلاع دی کہ ہمارے قبیلے "مدج" کے ایک شخص نے جس کا نام قدامہ ہے اپنے بیٹے کی طرف تلوار بھینگی جو اس کی پندلیوں میں لگی اور خوں جاری ہو گیا جو پھر نہ رکا اور اس کی موت واقع ہو گئی۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے اس کی

(۱) مسند ۲: ۴۵۳ (۲) مسند ۸: ۲۵۸ (۳) مسند ۱۰: ۴۲ (۴) مسند ۶: ۲۵۵ (۵) مسند ۲: ۸۱ (۶) مسند ۳: ۳۳۵

(۷) مسند ۱۰: ۲۶۲ (۸) مسند ۱۰: ۴۴ (۹) مسند ۶: ۲۲

طرف سے منہ پھیر لیا۔ اس پر سراقہ نے کہا کہ اگر آپ حاکم وقت ہیں تو آپ کو چاہئے کہ ہماری طرف توجہ دیں اور ہماری بات سنیں اور حاکم اگر آپ کے علاوہ کوئی دوسرے ہے تو ہمیں اس کے پاس بھیج دیں۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ بات سن کر حضرت عمرؓ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس نے اپنا مسئلہ بیان کیا۔ ساری بات سن کر حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ مقام قدیہ میں ایک سو بیس اونٹ گن کر رکھو۔ پھر حضرت عمرؓ وہاں پہنچے اور آپ نے ان میں سے تیس حقہ، تیس جذبہ اور چالیس خلفہ لئے اور پوچھا کہ مقتول کا بھائی کہاں ہے اور اسے کہا کہ یہ لو اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ قاتل کیلئے میراث نہیں ہے<sup>(۱)</sup>۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے اس کی مال اور باپ شریک بھائی کو وارث بنایا اور مسند احمد کی روایت میں ہے کہ آپ نے مقتول کے ماسوں کو بلا کر اسے وہ اونٹ دے دیئے<sup>(۲)</sup>۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں ایک شخص نے اپنے بھائی کو خطاً قتل کر دیا تو حضرت عمرؓ نے اسے میراث میں حصہ نہیں دیا۔ اس نے کہا ”اے امیر المؤمنین مجھ سے یہ قتل خطا ہوا ہے۔“ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ”اگر تم عداقت کرتے پھر تو ہم تم سے قصاص لیتے“<sup>(۳)</sup>۔ آپ معاشی ظلم و زیادتی کی ہر شکل کے خاتمے کیلئے اپنا منصبی کردار ادا کرتے تھے۔ اس کی ایک مثال یہ واقعہ ہے روایت ہے کہ ”حضرت عمرؓ کے عہد میں غیدان بن سلمہ ثقفی نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور اپنا مال بیٹوں میں تقسیم کر دیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ”شیطان جہاں چپکے سے غیب کی خبریں سن لیتا ہے وہاں اس نے تیری موت کی خبر بھی سن لی ہے اور تیرے دس میں یہ بات ڈال دی ہے۔ ہو سکتا ہے اب تو چند دن ہی زندہ رہے اور قسم بخدا اگر تو نے اپنی بیویوں کی طلاق سے رجوع نہیں کیا اور اپنے بیٹوں سے مال واپس نہ لیا تو تیری بیویوں کو تیرے مرنے پر میراث دلاؤں گا اور انہیں حکم دوں گا کہ تیری قبر پر سنگ باری کریں جس طرح ابورخاں کی قبر پر ہوئی تھی۔ اس پر اس نے اپنی بیویوں کی طلاق سے رجوع کر لیا اور اپنا مال بھی واپس لے لیا“ اور تافع نے بیان کیا ہے کہ وہ بعد میں صرف سات دن زندہ رہا<sup>(۴)</sup> اور الحکی کی روایت میں ہے کہ تیسرے روز مر گیا<sup>(۵)</sup>۔

معیشت کے انفرادی و اجتماعی دائروں کو شریعت ہی کے محور کے گرد گھمانے کیلئے ضروری تھا کہ ریاست کے معاشی کردار کو دستخط کیا جائے۔ آپ نے بطور حکمران جو بھی کردار کیا وہ دراصل ریاست ہی کی ذمہ داریوں کے بارے میں آپ کے تصورات کی عکاسی کرتا ہے۔ آپ نے لوگوں کے باہمی انفرادی اور گروہی معاملات کو جس طرح عدل و انصاف، فلاح عامہ اور مفاد اجتماعی کے اصولوں سے ہم آہنگ کیا اسی طرح ریاست اور عوام کے معاملات میں بھی ان کا پورا لحاظ رکھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ریاست کی آمدنی میں آپ کے عہد میں سب پنہا اضافہ ہوا جس کی وجہ سے بیت المال میں ہر سال ہزاروں جانور آتے تھے۔ علاوہ ازیں سرکاری فوج کے اہتمام کی وجہ سے جہاد کیلئے ہزاروں گھوڑے تیار رکھنے ہوتے تھے۔ روایت کے مطابق ہر سال ۴۰ ہزار سواریاں مجاہدین کو فراہم کرتے تھے<sup>(۶)</sup>۔ ان کیلئے صہیلوں اور چراگاہوں کی ضرورت تھی چنانچہ آپ نے اس مقصد کیلئے کئی زمینیں ریاستی ضروریات کیلئے مختص کر دیں جسے شرعی اصطلاح میں حمی کہا جاتا ہے۔ آپ اس سلسلے میں ہمیشہ عوام کو اعتماد میں لیتے اور انہیں اپنی پالیسی کا قائل کرتے اور اجتماعی ضروریات اور مجبوروں کو سامنے رکھتے۔ آپ نے شرف اور ربذہ کی زمینوں کو حمی قرار دیا<sup>(۷)</sup>۔ بنی ثعلبہ کے ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے کہا ”اے امیر المؤمنین آپ نے ہماری زمینوں کو حمی قرار دے دیا“ حالانکہ یہ زمینیں وہ ہیں جن پر ہم رہنا چاہتے ہیں اور جب ہم مسلمان ہوئے تو بھی یہ زمینیں ہمارے پاس تھیں۔ وہ شخص برابر یہ بات دہراتا ہوا اور حضرت عمرؓ سر جھکائے رہے۔ پھر حضرت عمرؓ نے سر اٹھایا اور فرمایا کہ ”زمینیں اللہ کی ہیں اور لوگ اللہ کے بندے ہیں۔ قسم بخدا اگر مجھ پر اللہ خدا میں جہاد کی ذمہ داری نہ

(۱) عبد اللہ بن مسعود، ۴۰۱/۹، البیہقی، ۷۲/۸، ۱۳۴ (۲) حبش، ۴۹/۱ (۳) عبد اللہ بن مسعود، ۴۰۳/۹ (۴) عبد اللہ بن مسعود، ۶۷/۷، حدود، ۱۹۲ (۵) حر، ۲۵۱/۹۱۱ (۶)

ہوتی تو میں ایک بالشت زمین بھی حمی قرار نہ دیتا<sup>(۱)</sup>۔ ”اس مقدمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ دونوں نے اراضی کو حمی قرار دیا اور یہ بات سب صحابہؓ کو معلوم تھی لیکن کسی نے اس کو رد نہیں کیا تو گویا اس پر اجماع ہو گیا<sup>(۲)</sup>۔ جن زمینوں کو آپؐ نے حمی قرار دیا ان میں غریبوں اور ضرورت مندوں کیسے خصوصی گنجائش رکھی۔ آپؐ کا یہ بچہ خیال تھا کہ مالدار شخص کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنے جانور حمی میں چرائے البتہ تنگ دست کو حمی میں چرانے کا حق دیا جائے گا تاکہ اس کی مدد ہو اور اس کے جانور ہلکے ہونے سے بچ جائیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنا ایک غلام جس کا نام ہنی تھا حمی کی دیکھ بھل کیلئے مقرر کیا تھا اور اس سے فرمایا تھا کہ ”اے ہنی! مسلمانوں سے ہمدردی سے پیش آنا“ مظلوم کی پکار سے ڈرنا کہ مظلوم کی دعا جلد قبول ہو جاتی ہے اور حمی میں کم اونٹوں والے اور کم بکریوں والے کو آنے دینا۔ البتہ عثمانؓ بن عفان اور عبدالرحمنؓ بن عوف کے جانوروں کو نہ آنے دینا کیونکہ ان کے جانور اگر بھوکے ہوں گے تو وہ نخلستان اور فصل میں لے جائیں گے لیکن جن موگوں کے پاس چند اونٹ یا چند بکریاں ہیں ان کے جانور اگر بھوکے سرس گئے تو وہ میرے پاس پکارتے ہوئے آجائیں گے کہ ”اے امیر المومنین! اے امیر المومنین! اور میں ان کے جانوروں کو گھاس اور پانی فراہم کروں“ یہ میرے لئے اس سے زیادہ آسان ہے کہ میں اس کے بدلے میں ان کو سونا اور چاندی دوں<sup>(۳)</sup>۔“

آپؐ نے اہل بیت و حرم و احتیاط کا جو اعلیٰ معیار قائم کیا اسے حمی کے معاملے میں پوری طرح برقرار رکھا۔ آپؐ کا خیال تھا کہ خلیفہ اور خلیفہ کے اہل و عیال میں سے کسی کو حمی میں اپنے جانور چراانے کا حق نہیں کیونکہ ان کیسے ضروری ہے کہ ایسے موقع سے دور رہیں جہاں تہمت لگنے کا امکان ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اونٹ خریدے اور انہیں حمی میں پہنچا دیا جب وہ موٹے ہو گئے تو میں انہیں لے کر آیا۔ حضرت عمرؓ بازار آئے اور فرہ اندام اونٹ دیکھ کر پوچھا کہ ”یہ اونٹ کس کے ہیں؟“ کسی نے بتایا کہ عبداللہ بن عمرؓ کے ہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا ”عبداللہ بن عمرؓ کے کیا کہنے! امیر المومنین کا بیٹا ہے۔ میں دوڑتا ہوں آپ کے پاس پہنچا اور پوچھا کہ ”امیر المومنین! کیا بات ہے؟“ آپؐ نے پوچھا۔ ”یہ اونٹ کیسے ہیں؟“ میں نے کہا کہ ”مکرور بے اونٹ تھے میں نے خرید کر حمی میں بھیج دیئے تاکہ جو نفع مسلمان حاصل کرتے ہیں میں بھی حاصل کروں۔“ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ ”یہی کہا جاتا رہا ہو گا کہ امیر المومنین کے بیٹے کے اونٹ چروا امیر المومنین کے بیٹے کے اونٹوں کو پانی چاؤ۔ اے عبداللہ! اپنا اصل مال لے لو اور باقی مسلمانوں کے بیت اسال کیلئے چھوڑ دو“<sup>(۴)</sup>۔“

آپؐ ریاستی و سرکاری املاک کی حفاظت ذاتی املاک سے بڑھ کر کرتے تھے کیونکہ یہ تمام مسلمانوں کا مال تھا۔ ریاست کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے اس کی دیکھ بھال اور نگرانی آپؐ کا اہم منصبی فرض تھا۔ روایات میں آتا ہے کہ آپؐ حمی پر دست درازی کرے والے کو سزا دیا کرتے تھے کیونکہ یہ مسلمانوں کی عام ملکیت پر دست درازی ہے۔ چنانچہ محمد بن زید سے مروی ہے کہ میرے دادا حضرت عثمان بن مظعونؓ کے مولیٰ تھے اور حضرت عثمانؓ کی اس زمین کی نگرانی کرتے تھے جس میں سبزیاں اور نکلزیاں گی ہوئی تھیں۔ حضرت عمرؓ کبھی کبھی چلیپاتی دو پہر میں اپنے سر پر کپڑا رکھ کر ہمارے پاس آتے اور حمی کے بارے میں نصیحت کرتے کہ نہ درخت کاٹا جائے اور نہ نکلزیاں جتنی جائیں۔ پھر آپؐ میرے پاس بیٹھ جاتے اور میں آپؐ کو سبزی اور گلز کی کھانا۔ ایک دن آپؐ نے کہا کہ ”میں دیکھتا ہوں کہ تم یہاں سے کہیں نہیں جاتے؟“ میں نے کہا ”جی“ اس پر آپؐ نے کہا کہ ”میں تمہیں یہاں کی اشیاء پر نگران مقرر کرتا ہوں جس کو درخت کاٹنے اور نکلز لیتے دیکھو اس کی کھاڑی اور رسی صیٹ کر دو۔“ میں نے کہا کہ ”اس کی چادر بھی لے لوں۔“ آپؐ نے کہا کہ ”نہیں“<sup>(۵)</sup>۔“

(۱) عید ۶۷ھ (۲) قدیمہ ۵۹۹ھ (۳) بخاری ۴۳۴۵، مسند ۱۰۰۳، یوسف ۱۰۰۵، بخاری ۶۳، عید ۶۷ھ (۴) بخاری ۱۵۸، (۵) بخاری ۶۲۱۔

## ۰۔۔۔ کفالت عامہ:

کفالت عامہ سے مراد یہ ہے کہ دارالاسلام کی حدود کے اندر بسنے والے ہر انسان کی بنیادی ضروریات زندگی کی تکمیل کا اہتمام کیا جائے۔ یہ اہتمام اس درجہ تک ہونا چاہئے کہ کوئی فرد ان ضروریات سے محروم نہ رہے۔ ان بنیادی ضروریات میں غذا، لباس، مکان اور علاج لارنا شامل ہیں۔ ہر وہ ضرورت بنیادی ضرورت ہے جس کی تکمیل پر کسی انسان کی زندگی کی بقاء کا انحصار ہو۔ شریعت کی کسی نص میں ان ضرورتوں کی صراحت نہیں کی گئی۔ مگر خود یہ اصول نصوص سے ثابت ہے جیسا کہ آگے بیان کیا جائے گا۔ اس فقرہ میں جن چار ضرورتوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کی نوعیت یہ ہے کہ ان کی عدم تکمیل آدمی کی جان کو خطرہ میں ڈال دیتی ہے۔ متعلقہ نصوص اور ان کے مطابق عمل کی نظیروں سے یہ استنباط کیا جاسکتا ہے کہ کم از کم ان ضرورتوں کی تکمیل اس اصول کا لازمی تقاضا ہے۔ البتہ مخصوص حالات میں مخصوص افراد کیلئے اسی اصول کے تحت بعض دوسری ضرورتیں بھی نوعیت اختیار کر سکتی ہیں۔ اس اصول کا مقصد یہ ہے کہ اگر کسی وجہ سے کوئی فرد ان نظامات کے باوجود اس حال میں پایا جائے کہ وہ اپنی بنیادی ضروریات کی تکمیل سے قاصر ہو تو پھر اسلامی ریاست اس بات کی ذمہ دار ہے کہ وہ فرد ان وسائل حیات سے محروم نہ رہے جو ضروریات زندگی کی تکمیل کیلئے درکار ہیں۔ ریاست کو ہر قسم کا کم کرنا پڑے گا کہ محروم افراد اپنی محرومی کا ثبوت فراہم کر کے بآسانی اور بد تاخیر اجتماعی خزانے سے بقدر ضرورت مال حاصل کر سکیں اور دارالاسلام کا کوئی باشندہ بھوکا پیاسا نہ رہے۔<sup>(۱)</sup>

اسلام نے کفالت عامہ کو یقینی بنانے کیلئے جہاں تک ایک فرد کو معاشی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لینے اور کسب حلال کیلئے کوشش کرنے کی ترغیب دی ہے وہاں رکوع صدقات، وراثت، وصیت، عاریت، قرض حسن اور فطرت جیسے اصولوں کے ذریعے ایک دوسرے کی معاونت کیلئے معاشرے کے افراد کو متحرک کیا ہے۔ علاوہ ان سہولتوں، کفالات اور دیت کے ضابطے بھی اپنی اصل روح اور اثرات کے اعتبار سے کفالات عامہ کا باعث بنتے ہیں۔ جہاں تک اس سلسلے میں ریاست کے ایسے بھرپور اور وسیع کردار کا تعلق ہے جو دور جدید کیلئے ایک واضح فلاحی و فلاحی حکمت عملی کی بنیاد بن سکے۔ وہ قاروق اعظمؐ ہی کی فکر و عمل سے ہمیں ملتا ہے۔ آپ نے اپنی بصیرت سے اسلامی اصول و ضوابط کی روح کو سمجھا اور اجتہاد کے ذریعے اور فلاحی شکل دے کر تاریخ انسانی میں سب سے پہلے کفالت عامہ کو بھلائی اور ریاست کی اہم ذمہ داری بنادیا۔ آپ نے اپنے اقوال، خطبات، پالیسیوں اور عملی اقدامات کے ذریعے کفالات عامہ کا جامع اور ہمہ گیر تصور پیش کیا۔ دراصل آپ کو مفلسوں اور ضرورت مندوں کا بہت زیادہ احساس تھا۔ آپ کے فرزند حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اکرم ﷺ جب بھی مجھے کوئی عطا دیتے تو میں عرض کرتا ”اسے اس شخص کو دیجئے جو مجھ سے زیادہ محتاج ہے۔“ ایک مرتبہ آپ نے مجھے بل دیا تو میں نے وہی کہا کہ ”اسے مجھ سے زیادہ حاجت مند کو دے دیجئے۔“ آپ نے فرمایا ”اے لو! اپنے کام میں بھی لاؤ اور صدقہ بھی کرو۔ اس مال میں سے جو بھی تمہیں ملے جس کا تم نے طمع کیا ہو نہ ہی سوال کیا ہو تو اسے لے لیا کرو اور جو نہ ملے اس کے پیچھے مت پڑا کرو۔“<sup>(۲)</sup> آپ اپنے نفس کو حکومت و اقتدار کے غرور سے پاک رکھنے کیلئے اپنی مفلسی کے دور کو یاد کرتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ منبر پر چڑھے لوگوں کو جمع کیا اللہ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا ”اے لوگو! میں نے آپ کو اس حالت میں دیکھا ہے کہ میرے لئے پھل نہ تھے کہ ٹوگ کھاتے سوائے اس کہ کہ وہ محروم میں میری چند خالیں تھیں جنہیں میں بیضپانی پلاتا تھا تو وہ میرے لئے چند منہاں کشش جمع کر دیتی تھیں۔“ پھر منبر سے اتر آئے پوچھا ”یا امیر المؤمنین! اس سے آپ کا کیا مقصد ہے؟“ فرمایا ”میں نے اپنے دل میں کچھ محسوس کیا تو چاہا کہ اسے کم کر دوں۔“<sup>(۳)</sup>

(۱) تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: بحار، ۹۲/۲، ۹۲، (۲) مابقی، ۱۰۲/۵، (۳) مستدرک، ۲۹۳/۳



یہی بات ان کے دل میں ایک طرف تو غریبوں کا احساس پیدا کرتی اور دوسری طرف اللہ کے شکر کا جذبہ۔ اسی کی وجہ سے آپ جو دوسرا کے پیکر بن گئے۔ حضرت عبداللہؓ نے آپ کے خادم اسم سے کہا ”مجھے عمرؓ کے بعض حالات بتاؤ۔“ انہوں نے بتائے تو فرمایا ”میں نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد کبھی کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جو اتنا زیادہ کوشش کرنے والا اور اتنا زیادہ سختی ہو کہ عمرؓ سے بڑھ جائے“ (۱)۔ ”جب آپ پر خلافت کی ذمہ داری ڈال دی گئی۔ آپ کی خلافت کو چار چاند لگ گئے آپ جب پہلے خطبے کیلئے منبر پر چڑھے تو سب سے پہلی بات جو آپ نے فرمائی وہ یہ تھی تین کلمات ہیں ”جب نہیں کہوں تو تم لوگ آمین کہو“ اسے اللہ میں ضعیف ہوں مجھے قوی کروے“ اے اللہ میں سخت ہوں مجھے نرم کر دے“ اے اللہ میں بخیل ہوں مجھے سختی کر دے“ (۲)۔ آپ نے حکومتی وسائل ہاتھ میں لے کر غریبوں، مفلسوں اور ضرورت مندوں کیلئے وقف کر دیے۔ رات دن اسی کوشش میں لگے رہے کہ کفایت عامہ کا اہتمام کریں۔ چاہیہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا ”اللہ تعالیٰ نے مجھے اس تمام مال و دولت کا امین و خزانہ اور قاسم بتلایا ہے۔ حقیقت میں تو اللہ تعالیٰ ہی ہمارا ہے۔ میں سب سے پہلے نبی کریم ﷺ کے اہل بیت یعنی ازواج مطہرات سے تقسیم زرو مال کا کام شروع کر جاؤں“ (۳)۔

قادیہ کے عظیم معرکہ میں جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی تو آپ منبر پر چڑھے اور لوگوں کو اپنی تقریر میں فتح کی بشارت دی اور فرمایا ”مجھے اس بات کی بڑی فکر رہتی ہے کہ جہاں بھی کوئی ضرورت دیکھوں اسے پورا کر دوں“ جب تک ہم سب مل کر اسے پورا کرنے کی کوشش نہ کرتے ہوں۔ جب ہمارے اندر اتنی گنجائش نہ رہ جائے تو ہم باہمی انداز کے ذریعہ گزراوقات کریں گے۔ یہاں تک کہ سب کا معیار زندگی ایک سا ہو جائے۔ کاش تم جان سکتے کہ میرے دل میں تمہارا کتنا خیال ہے لیکن میں یہ بات تمہیں عمل کے ذریعہ ہی سمجھا سکتا ہوں۔ خدا کی قسم! میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو اپنا غلام بنا کر رکھوں بلکہ خدا کا بندہ ہوں (حکمرانی کی یہ) انت میرے پردہ کی گئی ہے۔ اب اگر میں اس کو اپنی ذاتی ملکیت نہ سمجھوں بلکہ (تمہاری چیز سمجھ کر) تمہاری طرف واپس کر دوں اور (تمہاری خدمت کیلئے) تمہارے پیچھے پیچھے چوں یہاں تک کہ تم اپنے گھروں میں سیر ہو کر کھاپی سکو تو میں تمہارے ذریعہ فلاح پاؤں گا اور اگر میں اسے اپنا بنالوں اور تمہیں اپنے پیچھے پیچھے چنے اور (اپنے حقوق کے مطالبہ کے لئے) اپنے گھر آنے پر مجبور کر دوں تو تمہارے ذریعہ میرا انجام خراب ہو گا (دنیا میں) کچھ عرصہ میں خوشی ملاؤں گا مگر (آخرت میں) عرصہ دراز تک غمگین رہوں گا۔ میرا حال یہ ہو گا کہ نہ کوئی مجھ سے کچھ کہنے والا ہو گا نہ کوئی میری بات کا جواب دے گا کہ میں اپنا عذر بیان کر کے معافی حاصل کر سکوں“ (۴)۔ ”آپ کا یہ وہ درخشندہ تصور ہے جس نے حکمران کو حقیقی معنوں میں خدام بنادیا، خلافت و بادشاہت کے بنیادی فلسفے اور نظام کے فرق و امتیاز کو واضح کیا، بجائے اس کے کہ اپنی ضروریات سے مجبور ہو کر لوگ حکمرانوں کے پیچھے پیچھے پھریں، حکمرانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ گھروں میں بیٹھے ہوئے ان کی کھات کا انتظام کریں۔ اس کے پیچھے جذبہ دارانہ کیا کار فرما ہو“ حسب ذیل روایت سے اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ عمر بن الخطابؓ نے فرمایا کہ ”میں لوگوں کو اتنا زیادہ دل کا جتنا زیادہ مل ہو گا۔ میں اسے ان کیلئے شمار کروں گا اور اگر اس نے مجھے تھکا دیا تو اسے ان کیلئے پیمانے سے ناپ کر دوں گا“ اگر اس نے بھی تھکا دیا تو لب بھر کر بغیر حساب کے دوں گا“ (۵)۔ ”آپ نے اپنے ایک عامل حضرت حذیفہؓ کو لکھا کہ دوگوں کو ان کی عطائیں اور تحفہ ہیں دے دو۔ انہوں نے جواب دیا ”ہم نے یہ کر دیا ہے اور بہت کچھ بچ گیا ہے۔“ حضرت عمرؓ نے لکھا کہ وہ غنیمت جو اللہ نے عطا فرمائی ہے نہ عمرؓ کی ہے اور نہ آل عمرؓ کی اسے بھی نبی میں تقسیم کر دو“ (۶)۔ ”یہ ساری سرگرمی دکھانے کے باوجود آپ پسند نہیں کرتے تھے کہ لوگ آپ کی تعریفوں کے گن گائیں و لہذا ان کے ڈونگے برسائیں اور آپ کی شہرت کو چار چاند لگیں بلکہ آپ ان تمام باتوں سے ماوراء ہو کر اسے فرض منصبی کے طور پر ادا کرتے تھے۔ اس کا کوئی مادی بدلہ نہ کسی شکل میں لینے

کے روادار نہیں تھے۔ یہ آپ کے خصوص اور معیار اخلاق کی بند یوں پر جائز ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے۔ عصر حاضر میں اعلیٰ مناصب پر متمکن لوگوں کو چاہئے کہ اس کی پیروی کریں۔ فاروق کے ملائے سے اہم فتوحات کے بعد خالد بن عرفطہ اعدری حضرت عمرؓ کے پاس گئے تو آپ نے سب عادت وہاں کے لوگوں کا حال دریافت کیا تو انہوں نے عرض کیا ”اے امیر المؤمنین! میں نے اپنے پیچھے والوں کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ وہ اللہ سے دعا کر رہے تھے کہ وہ ان کی عمروں میں سے کچھ لے کر آپ کی عمر بڑھاوے۔ پھر وہاں کے وظائف کی تفصیل بیان کی۔“ آپ نے اس کو فرمایا ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْمُسْتَعَانُ جَوَانِحُ دِيَاغِيَا وَهَذَا الْكَفَّ حَقٌّ هُوَ“ میں اسے ادا کرنے کیلئے مستعد ہوں جن میں وہ بھی ہے جو اسے لے بیٹا ہے۔ اس پر میری مدح نہ کرو کیونکہ جو تم لوگوں کو دیا گیا ہے وہ خطاب کا مال نہیں ہے (۱)۔ ”کہاں فاروق اعظم کا یہ سوہ اور کہاں دور جدید کے رہنماؤں کا یہ عمل کہ قومی خزانے کو تو کیا زکوٰۃ کی مدد سے حاصل ہونے والی آمدنی کو بھی ذاتی ملکیت سمجھ کر حسبِ مشاء اقرباء پروری پر لٹایا جاتا ہے۔ مگر معمولی حصہ مستحقوں تک پہنچے تو اسے بھی نمود و نمائش اور پبلش کا ذریعہ بنایا جاتا ہے۔

آپ کا یہ حال تھا کہ آپ اپنے خاندان و قبیلے والوں پر بھی عام لوگوں کو ترجیح دیتے تھے جس کی بے شمار مثالیں ہیں ان میں سے ایک میں ہے کہ ایک بار فضیل بن عیاض خود اپنے ہی نفس کو ملامت کر رہے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ ”اے نفس تو کس منہ سے بات کرتا ہے یہ حق تو صرف عمرؓ بن الخطاب کو پہنچتا تھا۔“ وہ خود تو معمولی غذاؤں پر قانع رہتے اور دوسروں کو لذیذ کھانے کھلاتے وہ خود مویا جھوٹا پیٹنے اور دوسروں کو نرم و نازک لباس عطا کرتے وہ لوگوں کو ان کے حقوق بھی دیتے تو بڑھ چڑھا کر دیتے۔ ایک بار انہوں نے ایک شخص کو چار ہزار درہم بطور روزینہ کے دی تو معاً اس میں ایک ہزار کا اضافہ کر دیا اور جب کسی نے کہا کہ اپنے بیٹے عبداللہ کا روزینہ بھی بڑھادیجئے تو فرمایا ”اس شخص کا باپ احد کے معرکہ میں ابن عمرؓ کے باپ سے زیادہ ثابت قدم رہا تھا“ (۲)۔

کلمات عامہ کا انتظام اس وقت تک صحیح طور پر نہیں ہو سکتا جب تک سربراہ حکومت کو لوگوں کی تکالیف، مشکلات اور حاجات و ضروریات کا اچھی طرح علم نہ ہو۔ فاروق اعظمؓ باخبر رہنے کیلئے اس وقت کے تمام وسائل و ذرائع استعمال کرتے تھے لوگوں سے انفرادی ملاقاتوں، خطوط، چلتے پھرتے، تبادلہ خیال، شکایات کی سماعت، تحقیق و تفتیش، نے والے و فود سے معلومات لیتے۔ اس طرح سلطنت کے عوام کی معاشی حالت کا، انہیں اچھی طرح اندازہ ہوتا تھا اس کی روشنی میں حکمت عملی وضع فرماتے تھے۔ آپ نے متعدد دوروں میں بھی بطور خاص لوگوں کے حالات کا جائزہ لیا۔ آپ کے پاس وسیع معلومات تھیں، لیکن پھر بھی آپ مطمئن نہیں تھے اور یہ چاہتے تھے کہ ایک ایک مقام کا نہایت تفصیل سے دورہ کریں۔ اس کے نمایاں مقاصد کیا ہوں گے؟ حسبِ ذیل روایت سے اس کی وضاحت ہوتی ہے ”اگر میں زندہ رہا ہاں شاء اللہ تو ایک سال تک، پنی رعایا کے درمیان دورہ کروں گا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ عوام کی بعض ضروریات ایسی ہیں جن کی خبر مجھ تک نہیں پہنچ پاتی۔ ان کے مقامی حاکم مجھے ان کی ضروریات سے باخبر نہیں رکھتے اور خود وہ لوگ مجھ تک نہیں پہنچ سکتے۔ میں پہلے شام جاؤں گا اور دوپہر وہاں ٹھہروں گا پھر اجزیرہ جاؤں گا اور وہاں دو مہینہ قیام کروں گا پھر مصر جاؤں گا اور وہاں بھی دو مہینہ تک رہوں گا پھر بحرین جاؤں گا اور دو مہینہ وہاں رہوں گا پھر کوفہ جاؤں گا اور وہاں دو مہینہ قیام کروں گا پھر بصرہ جاؤں گا اور دوپہر وہاں ٹھہروں گا۔ خدا کی قسم ایسے سال کتنا اچھا ہو گا“ (۳)۔

آپ کا یہ دورہ خالصتاً لوگوں کی حاجات و ضروریات سے آگاہی حاصل کر کے ان کی کفالت کرنے کیلئے ہوتا تھا لیکن شہادت ہے آپ کو مہمت نہ دی، لیکن دور دراز سے آنے والے لوگوں کی ضروریات کا جب بھی آپ کو پتہ چلا آپ نے فوری طور پر ان کی مدد فرمائی۔ ایک مرتبہ آپ نے بصرہ کے عامل حضرت تنبہہ کو لکھا کہ دس سو میوں کا وفد بھیجیں تاکہ وہ ان سے وہاں کے حالات معلوم کریں۔ چنانچہ انہوں نے وفد بھیج دیا وہ جب پہنچا تو وہاں اور بھی کئی وفد آئے ہوئے تھے۔ آپ نے حکم

دیا کہ سب مل کر اپنی ضروریات کے پیش کریں چنانچہ بہت سے لوگوں نے معاشی حالات کے بارے میں بتایا۔ اس موقع پر اصف بن قیس نے کہا ”اے امیر المومنین! آپ کی وہی حیثیت ہے جیسا کہ انہوں نے بیان کی اپنے کبھی کبھی ہم آپ کو وہ خبریں نہیں پہنچ سکتے جن پر عوام کا معاد و بست ہے۔ اس وقت حاکم نظروں سے اوجھل باتوں پر بخیروں کے نقطہ نظر کے مطابق ہی غور کر سکتا ہے اور جو بات وہ سنتے ہیں اس کے مطابق اسے علم حاصل ہوتا۔ ہم لوگ مندرجہ ذیل فروکش ہوتے رہے یہاں تک کہ ہم ایک خشکی کے حصے میں مقیم ہوئے۔ ہمارے بھائی اہل کوہ ایک مہارت ہی عمدہ مقام پر آباد ہیں جہاں شیریں چشمے اور سرسبز باغات ہیں۔ انہیں ہر قسم کے پھل میسر ہیں مگر ہم اہل بصرہ نہایت خراب اور لدلی زمین میں آباد ہیں۔ اس کا ایک حصہ جنگل میں ہے اور ایک حصہ کھادی سمندر کے قریب ہے۔ ہمارے گھر آدمیوں سے بھرے ہوئے ہیں اور ہماری تعداد زیادہ ہے مگر ہمارا وظیفہ بہت کم ہے۔ ہمارے اندر شرفاء کی تعداد کم ہے اور معیشت روہ لوگ زیادہ ہیں۔ ہمارا سک (درہم) بڑا ہے مگر ہمارا پیانہ چھوٹا ہے۔ اللہ نے تمہیں وسعت دی ہے اور ہماری اراضی میں اضافہ کیا ہے لہذا اے امیر المومنین! آپ ہمارے وحائف میں اضافہ کریں اور ہمیں مزید اراضی دیں تاکہ ہم ہمدان کاٹ کر سکیں۔“

اس پر حضرت عمرؓ نے ان کے گھروں اور بستیوں کے بارے میں تحقیقات کی اور انہیں مزید اراضی اور جاگیریں دیں۔ کچھ اراضی کسریٰ کے خاندان کی تھی جو دریائے دجلہ اور حمر کے درمیان تھی اسے انہوں نے تقسیم کر لیا تھا۔ باقی شاہی زمینیں اسی حال پر رہیں جس حال میں اہل کوہ کے قریب کی شاہی اراضی تھی۔ یوں اہل بصرہ کی جاگیروں کے دو حصے ہو گئے تھے ان کا نصف حصہ لوگوں میں تقسیم ہو گیا تھا اور نصف حصہ لشکر کیلئے اور جماعتی تقاریب کیلئے چھوڑ دیا گیا تھا<sup>(۱)</sup>۔ آپ لوگوں کو بھی باہمی ہمدردی و ہمداد اور کفایت شعاری کی تلقین کرتے تھے تاکہ سب کی بنیادی ضروریات پوری ہو سکیں۔ بصرہ کے وفد سے بات چیت کے بعد آپ نے ایک کپڑا دکھا اس کو سونگھا پھر فرمایا ”یہ کس کا ہے؟“ حضرت اصفؓ نے کہا ”میرا ہے۔“ آپ نے فرمایا ”تم نے یہ کتنے میں خریدا؟“ انہوں نے کہا ”تقریباً آٹھ (درہم) اس کی قیمت بتائی اور اصل قیمت سے کچھ کم رقم بتائی کیونکہ انہوں نے بارہ درہم میں اسے خریدا تھا۔“ آپ نے فرمایا ”تم نے اس سے کم کا (اس) کیوں نہیں خریدا؟ تم اس زائد رقم سے کسی مسلمان کو کادہ پہنچا سکتے تھے۔ تم فضول خرچی سے بچو تاکہ تم جانی اور مالی فائدہ حاصل کر سکو۔ اسراف مت کرو ورنہ تمہیں جانی اور مالی دونوں صورتوں میں نقصان ہوگا“<sup>(۲)</sup>۔

فصیل بن عمیرہ کہتے ہیں اصف بن قیس عراق سے ایک وفد لے کر امیر المومنینؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہوا ب حد گرم تھی امیر المومنینؓ نے اپنے حشم پر چادر لپیٹ رکھی تھی اور صدقہ کے اونٹ کے حشم پر تیل کی مالش کر رہے تھے۔ اصف کو دیکھا تو کہا ”اصف ذرا دھرتو آؤ اس کام میں میرا ہاتھ بٹلاؤ۔ یہ اونٹ صدقہ میں آیا ہے اس پر قیسوں، مسکینوں اور بیوقوفوں کا حق ہے۔“ ایک آدمی بوسٹھا ”امیر المومنینؓ امرے کے بعد اللہ آپ کو مغفرت سے نوازے گا۔“ آپ کسی دوسرے بندہ کو جو صدقہ کے عطیات کی دیکھ بھال پر مامور ہے کیوں نہیں حکم دیتے کہ وہ آپ کی مدد کرے۔“ ”مجھ سے اور اصف سے زیادہ بڑا خدمت گزار کون ہوگا؟ مسلمانوں کی قیود اور روایات کا مطلب ہی یہی ہے کہ ان کی خدمت کی جائے۔“ بن وایوں کو تو مسلمانوں کی ایسی ہی خدمت کرنی چاہئے جیسے کہ ایک خادم اپنے سید اور اپنے طاقت کی خدمت کرتا ہے۔“<sup>(۳)</sup>۔ ”کبھی روایت کرتے ہیں کہ ایک بار حضرت عمرؓ اپنی چادر میں کنکریاں بھر کر اسے سر کے نیچے رکھے ہوئے مسجد میں سوار ہے تھے کہ ایک پکارنے والے نے یا عمر یا عمر پکارنا شروع کیا۔ آپ چونک کر اٹھے اور آواز کی سمت میں دوڑ پڑے۔ دیکھا ایک اعرابی اپنے اونٹ کی ٹیل تھامے کھڑا ہے اور اس کے گرد گم جمع ہو گئے ہیں۔ جب اس نے حضرت عمرؓ کو دیکھا تو لوگوں نے اسے بتایا کہ یہی امیر المومنینؓ ہیں۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ ”تجھے

(۱) ج ۱ ص ۲۸۱، ج ۲ ص ۱۱۱ (۲) ج ۲ ص ۱۱۱ (۳) ج ۲ ص ۱۱۱

کس نے ستایا؟ آپ — سمجھا کہ وہ کوئی ستم رسیدہ ہے۔ ”وہ اٹھ کر (اپنا حال) بیان کرنے لگا۔ چند اشعار پیش کئے جن میں قحط کی شکایت کی۔ حضرت عمرؓ پہنچا، تھ سر پر رکھ کر چلے ”ہائے عمر! ہائے عمر! لوگو تم سمجھے یہ کیا کہہ رہا ہے؟“ یہ قحط اور خشک سالی کا ذکر کر رہا ہے۔ عمر شکم سیر ہو کر کھانا اور پیتا ہے اور مسلمان قحط و مصیبت میں گرفتار ہیں اکوٹا ہے جو ان لوگوں کو رسد اور کھجوریں اور ان کی ضرورت کی دوسری چیزیں پہنچائے؟“ چنانچہ آپ نے دو انصاری افراد کو بہت سے دنوں کے ساتھ جن پر جناس اور کھجوریں مدی ہوئی تھیں روانہ کیا۔ وہ یمن گئے اور اپنے ساتھ جو کچھ لے گئے تھے اسے وہاں تقسیم کر دیا<sup>(۱)</sup>۔ عدی بن حاتم ایک بار حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے ساتھ ان کے قبیلے کے لوگ تھے وہ کہتے ہیں ”جس وقت بنو طے کیسے مال غنیمت سے روزینہ مقرر کرنے کا وقت آیا تو سب سے پہلے میں امیر المؤمنینؓ کے رو برو آگیا مگر انہوں نے اپنا نہ پھیر لیا۔ میں اب کے بار دوسری طرف سے ان کے سامنے آیا اب کے بھی وہ مز گئے۔“ میں نے کہا ”امیر المؤمنینؓ آپ مجھے نہیں پہچانتے؟“ انہیں دفعۃً زور کی لمبی آگئی اور وہ ہتے ہتے دوہرے ہو گئے اور فرمایا ”کیوں نہیں کیوں نہیں۔ میں تم کو خوب جانتا ہوں تم اس وقت ایمان لائے تھے جب لوگوں نے انکار کیا تھا تم اس وقت آگے بڑھے تھے جب دوسرے پیچھے ہٹ گئے تھے۔ تم نے اس وقت دغا کی تھی جب دوسروں نے غداری کی تھی اور تمہارا ہی لایا ہو قبیلے طے کا صدقہ اور چندہ تو تھا جس نے روئے اور پر شرمائی اور مسرت بکھیر دی تھی۔ یہ سب کچھ سہی مگر میں نے پہلے ان لوگوں کا خیال رکھا ہے جو قافوں سے غم حال ہو چکے ہیں اور ان لوگوں کو جو کچھ دیا جائے گا یعنی ان قبائلی سرداروں کو وہ ان کے ذریعہ غریبوں تک پہنچ جائے گا“<sup>(۲)</sup>۔

کفالت عامہ کے فریضہ کی عمل انجام دہی کی متعدد مثالیں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ملتی ہیں۔ جب آپ شام تشریف لے گئے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بڑے مؤثر انداز میں آپ کو یہ بتایا کہ عوام بھوک سے پریشان ہیں۔ آپ نے فوراً مقامی حکام کو حکم دیا کہ ہر مسلمان کیسے بھوک کفالت غذائی اجناس فراہم کریں<sup>(۳)</sup>۔ ”اور الخلفاء سے دور دراز علاقوں میں رہنے والے عوام کی کفالت آپ عمال ہی کے ذریعے کر سکتے تھے اس لئے انہیں بار بار اس کی تلقین کرتے رہتے تھے۔ ابو عثمان سے روایت ہے کہ جب ہم آذربائیجان میں تھے تو حضرت عمرؓ نے ہمیں خط لکھا اس میں تھا ”اے عتبہ بن فرقد (گورنر) یہ جو مال تمہارے پاس ہے نہ تمہارا لکھا ہوا ہے نہ تمہارے باپ کا نہ تمہاری ماں کا تو اس سے مسلمانوں کو ان کے ٹھکانوں پر سیر کر کے کھلا جس طرح تو اپنے ٹھکانے پر سیر ہوتا ہے (عدوہ ازین) بیش کوشی اہل شرک کی وضع اور ریشمی پہناپننے سے بچو یہ تک رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے سوئے دو انگل حریر کے آپ نے بچاؤ والی انگلی کو درمیان انگلی سے مار کر بتایا تھا“<sup>(۴)</sup>۔ ”اے اہ میں آپ نے اصرہ کی گوری سے حضرت مغیرہ بن شعبہ کو ہٹا کر حضرت ابوسوی شعری کو حکم مقرر کیا اور اہل بصرہ کو خط لکھا جو وہاں مجمع عام میں پڑھ کر سنایا گیا اس میں تھا ”میں نے ابوسوی کو تمہارا امیر مقرر کیا ہے تاکہ تمہارے طاقتوروں سے تمہارے کمزوروں کیسے حق حاصل کریں۔ تمہارے ساتھ مل کر تمہارے دشمنوں سے جنگ کریں تمہاری ذمہ داریاں ادا کریں تمہاری قیمت تمہارے لئے اکٹھی کریں اور سے تمہارے درمیان تقسیم کریں (ایک روایت میں یہ بھی ہے) اور تمہارے راستوں کو صاف کریں“<sup>(۵)</sup>۔

گویا ان کی ذمہ داریوں میں سے طاقتوروں کے غصب کردہ ہر قسم کے حقوق بھی تھے جو زیادہ تر مالی و معاشی ہوتے ہیں تاکہ رعایا کو فرخی نصیب ہو ان کے مال و اسباب محفوظ رہیں اس کے علاوہ اپنے اوپر جو بھی ذمہ داریاں ہیں ان میں بھی معاشی ذمہ داریاں شامل ہیں وہ خود بھی ادا کریں اور ساتھ ساتھ مال و اسباب اور غنیمت اکٹھی کر کے ان میں مصنفہ طور پر تقسیم کر کے کفالت عامہ کا اتمام کریں اور معاشی ترقی کیلئے نقل و حمل کے ذرائع بہتر کریں۔ اسی طرح آپ نے لشکروں کے اصرہ

(سپہ سالاروں) کے نام بھی خطوط اور سال فرمائے اور ان میں لکھا ”مسلمانوں کو مار کر ذلیل نہ کرنا انہیں محروم کر کے تافران نہ بنانا انہیں محتاج بنا کے فتنے میں نہ ڈالنا اور نہ ہی انہیں جہازیوں میں اتار کر ضائع کرنا“<sup>(۱)</sup>۔ یہ ہدایات بھی نہایت جامع و بصیرت افروز ہیں۔ آپ نے اس حقیقت کو نہایت خوبصورت الفاظ میں واضح فرمایا کہ معاشی محرومی و ناانصافی رعایا کو تافران بنا دیتی ہے اور ان کے دلوں سے حکومت سے محبت و اطاعت کے جذبات کو ختم کر دیتی ہے اور محتاجی دین و ایمان ہی کو رائیخ میں ڈال دیتی ہے۔ ان دونوں باتوں سے انہیں محفوظ رکھنا۔ اہل اقتدار کی بنیادی ذمہ داری ہے جب آپ یہ دیکھتے تھے کہ کسی نے اس سلسلے میں کوتاہی کی ہے تو اس کے مقام و مرتبہ کی پروا کئے بغیر اسے معزول کر دیتے تھے۔ چاہے میں تقریر کے دوران لوگوں نے حضرت خالد بن ولید کی معزولی پر اعتراض کیا تو آپ نے معذرت کرتے ہوئے اس کی ایک وجہ یہ بتائی کہ ”میں نے انہیں حکم دیا تھا کہ وہ غنیمت کا مال کمزور مہاجرین کیسے رکھ چھوڑیں لیکن انہوں نے زور آور صاحب شرف اور زبان آور لوگوں کو دے دیا“<sup>(۲)</sup>۔

نہادند کے معرکے میں سپہ سالار حضرت نعمان بن مقرن نے السائب کو غنائم کا والی مقرر کیا اور انہیں ہدایت کی کہ جھوٹ بات، جھٹک نہ پہنچانا اور نہ ہی کسی کا حق مارنا۔ السائب کہتے ہیں کہ میں نے جنگ کے بعد غنیمت جمع کی اور اسے لوگوں میں تقسیم کر دیا اتنے میں میرے پاس ایک چاروسا آیا اور اس نے خبر دی کہ ظہیر خان کا خزانہ قلعہ کے اندر ہے چنانچہ میں قلعہ پر چڑھا دو صندوق دیکھے جن میں جواہر تھے۔ میں نے ان جیسے کبھی نہ دیکھے تھے دونوں صندوق ان سے بھرے ہوئے تھے۔ میں عمر کے پاس مدینے آیا ابھی ان تک فتح کی خبر نہیں پہنچی تھی اور وہ مدینہ مبارکہ میں گھوم رہے تھے اور لوگوں سے پوچھ رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی فرمایا ”رے کھنت کہ تو کسی وہاں کیا حال ہے؟“ میں نے جنگ کے واقعات سنائے نعمان کی شہادت اور ان دونوں صندوقوں کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا ”اے اسبیلے جاؤ اور بیچ کر ان کی قیمت مسلمانوں میں تقسیم کرو“<sup>(۳)</sup>۔ ضرورت مندوں کی عزت افزائی بہت ضروری ہے تاکہ وہ پورے اعتماد اور امید سے حاجت پیش کر سکیں اس لئے آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھا ”لوگ (تمہارے پاس) اپنی ضروریات پیش کرتے رہیں گے اس لئے جو کوئی تمہارے پاس حاجت روائی کیلئے آئے تم اس کی عزت کرو ایک کمزور مسلمان کے سلسلے میں عدل کیسے ہی کافی ہے کہ فیصوں اور تقسیم میں اس کے ساتھ انصاف کیا جائے“<sup>(۴)</sup>۔ ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ ایک وفد کے ساتھ آپ سے ملاقات کیسے آئے تو آپ نے انہیں ہدایت فرمائی ”الا ووسعوا الناس لی یوئہم واطعموا عبائہم“<sup>(۵)</sup>۔ ”سنو لوگوں کے گھر میں ان کیسے فراخی کا سامان فرہم کرو اور ان کے متعلقین کو کھلانے کا سامان کرو۔“

آپ کی اس پالیسی کا نتیجہ تھا کہ دور دراز علاقوں کے لوگوں کی بھی کفالت کا نظام ہو جاتا تھا۔ آپ کے دل میں رعایا کا جو احساس تھا وہ آپ کے اعمال کے اندر بھی پوری طرح جلوہ گر تھا۔ آپ ایسے ہی لوگوں کا تقرر فرماتے تھے جو آپ کے ہم خیال و ہم رکاب ہوں۔ آپ وقتاً فوقتاً ان کا امتحان بھی لیتے رہتے تاکہ آپ کو یہ اطمینان ہو کہ وہ بھی رعایا کے آپ ہی کی طرح مخلص و غیر خواہ ہیں۔ اس کا اندازہ اس روایت سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ ”ابن الدار سے مروی ہے کہ عمر بن الخطابؓ سے چار سو درہم ایک قصبہ میں رکھ کر پیش خدمت کو دیئے کہ وہ یہ رقم بوجہ بیعت بن الجراح کو دے آئے اور تھوڑی دیر میں ان کے مکان میں انتظار کرے اور یہ دیکھے کہ وہ اس رقم کا مصرف کیا کرتے ہیں۔“ پیش خدمت نے ایسا ہی کیا یعنی ابو عبیدہؓ کو یہ رقم پہنچادی۔ انہوں نے میرا المومنین کو دو عایشیں دیں پھر اپنی ایک وٹری کی معرفت کسی کو سات درہم و کسی کو پانچ درہم بھیجے نے شروع کئے یہاں تک کہ رقم ٹھکانے لگا دی گئی۔ غلام حضرت عمرؓ کے پاس ملا اور پورا مازا سنایا۔ اب اتنی ہی رقم معاذ بن جبلؓ کیسے بھی روانہ کی گئی۔ اس بار بھی غلام کو ہدایت کر دی گئی کہ وہ یہ دیکھنے کیلئے معاذ کے گھر رک جائے کہ وہ اس رقم کو کیسے خرچ کرتے ہیں۔ انہوں

نے پہلے تو امیر المومنین کیلئے کلمات خیر کہے، پھر اپنی موعظی کو مختلف گھروں کی طرف روانہ کرنے لگے۔ درہم تقسیم ہو رہے تھے کہ معاذ کی بیوی آئیں اور کہنے لگیں "ارے ہم بھی تو نادر و قلاش ہیں کچھ ہمیں بھی تودو۔" چار ہزار درہم میں دودرہم بچ رہے تھے، شوہر نے یہ دودرہم بیوی کی طرف پھینک دیئے۔ غلام سے یہ سارا قصہ امیر المومنین کو کہہ سنایا۔ آپ سرور و شادان ہوئے اور فرمایا "یہ حضرات ایک دوسرے سے بھائیوں جیسا برتاؤ کرتے ہیں"۔<sup>(۱)</sup> اس سے ظاہر ہوا ہے کہ آپ کے بعض عمال ایسے بھی تھے جو صرف سرکاری خزانے ہی سے نہیں بلکہ ذاتی مال مفلسوں اور ضرورت مندوں پر خرچ کر دیتے تھے۔ ایک حکمران کی سب سے بڑی کامیابی یہی ہوتی ہے کہ اس کی پوری ٹیم افکار و اعمال میں اس سے پوری مطابقت رکھتی ہو۔ معروف مورخ مسعودی کے بقول "آپ کے ہمد عمال" فعال و اخلاق میں آپ کی پیروی کرتے تھے۔ وہ سب کے سب آپ کے سامنے آپ ہی کی طرح کے نظر آتے تھے"۔<sup>(۲)</sup>

اب تک کی روایات میں ان لوگوں کی کفالت کیلئے آپ کے اقدامات و انتظامات کی تفصیل بیان کی گئی ہے، جو دارالخلافہ سے دور رہائش پذیر تھے۔ جہاں تک مدینے اور اس کے گرد و نواح کی رعایا کی کفالت عامہ کا تعلق ہے اس سلسلے میں آپ نے جو درخشندہ سوشل پراجیکٹس بنائے وہ دنیا کا کوئی حکمران آج تک اس کے عشر عشر تک نہیں پہنچ سکا، لیکن عصر حاضر میں ایک سماجی فلاحی ریاست کے قیام کیلئے ضروری ہے کہ ان رہنما خطوط پر ایسے ادارے تشکیل دیئے جائیں جو کفالت عامہ کیلئے ان ذمہ داریوں کو حل کر سکیں، جنہیں فاروق اعظمؓ نے نبھایا، لیکن یہ کام اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک حکمران وقت اس جذبہ و احساس سے سرشار نہ ہو جس نے آپ کو رات دن سرگرم عمل رکھا۔ ان اداروں کی کارکردگی ایسے ہی حکمران کی متحرک و موثر نگرانی و سرپرستی کی مرہون بنتا رہے گی۔ حضرت بن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب جب نماز پڑھ چکے تو لوگوں کیلئے بیٹھ جاتے تھے۔ کوئی اپنی حاجت پیش کرتا تو اس پر غور کرتے تھے۔ انہوں نے کچھ نمازیں پڑھیں جن کے بعد نہیں بیٹھے۔ میں دروازے پر گیا اور پوچھا "اے برافہ (آپ کا خادم)۔" برافہ آیا تو میں نے پوچھا "کیا امیر المومنین کو کوئی بیماری ہے؟" اس نے کہا "نہیں" ہم اسی گفتگو میں تھے کہ حضرت عثمانؓ گئے "برافہ اندر چلا گیا۔ پھر وہ مارے پاس اور کہا "اے ابن عفان کھڑے ہو جاؤ اے بن عباسؓ کھڑے ہو جاؤ۔" ہم دونوں عمرؓ کے پاس گئے ان کے "گئے مال کا ذخیرہ لگا ہوا تھا، ہر ذخیرہ پر گوشت کا ایک دست تھا۔ فرمایا کہ "میں نے غور کیا تو مدینے میں تم دونوں سے زیادہ خاندان والا کسی کو نہیں دیکھا، تم دونوں اس مال کو لوگوں میں تقسیم کر دو۔" کچھ بڑھے تو وہاں کر دینا"۔<sup>(۳)</sup>

لوگوں کی خبر گیری و کفالت عامہ کیلئے آپ کا سب سے محبوب و مشہور طریقہ راتوں کو نشت کرنے کا تھا۔ جب رعایا میٹھی نیند سو رہی ہوتی تو ان کا خلیفہ دن کے وقت وسیع و عریض سلطنت کی تمام انتظامی ذمہ داریوں کو بطریق احسن پورا کرنے کے باوجود مدینے کی گلیوں کو چوں، اور گرد و نواح کے عورتوں میں نشت کر رہا ہوتا تاکہ ان کے مال و سہا ب کی حفاظت کرے۔ ان کے مسائل سے آگاہ ہو کہ وہ اس وقت آکر پیش نہیں کر سکتے ان کی مشکل و ضرورت کا ازالہ کرے کہ کوئی دوسرا ان کا پرسان حال نہیں ہو سکتا۔ ان گشتوں میں متعدد مرتبہ لوگوں کی حاجت روائی کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ حضرت طلحہؓ بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ ایک شب کو تاریکی شب میں باہر نکلے اور ایک گھر میں داخل ہو گئے۔ جب صبح ہوئی تو میں اس گھر کی طرف گیا کیا دیکھتا ہوں کہ ایک اہل بوجہ بڑھیا بیٹھی ہے۔ میں نے اس سے پوچھا "اس شخص کا کیا حال ہے جو تمہارے پاس آتا ہے؟" اس نے کہا "وہ اتنی مدت سے میری خبر گیری کر رہا ہے اور میری ضرورت کی چیزیں میرے پاس لے آتا ہے اور مجھ سے تکلیف کو دور کرتا ہے۔" میں نے اپنے نفس سے کہا "اے طلحہؓ اتنی مال تجھے کھودے تو عمرؓ کی نغز شوق کا پیچھا کرتا ہے"۔<sup>(۴)</sup> "حضرت عمرؓ کے غلام مسلم کا بیان ہے کہ تاجروں کی ایک پارٹی مدینہ آئی تو وہ نماز پڑھنے کی جگہ پر اترا پڑے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ

سے فرمایا ”کیا آپ رات کو ان کی حفاظت کر سکتے ہیں؟“ انہوں نے جواب دیا ”ہاں ایسے دونوں حضرات نے ان کی حفاظت کرتے اور نماز پڑھتے رات گزار دی۔ حضرت عمرؓ نے ایک بچے کے رونے کی آواز سنی تو آپؐ اس کی طرف گئے اور اس کی ماں سے فرمایا ”لقد سے ڈر اور اپنے بچے سے حس سوک کر۔“ پھر آپؐ اپنی جگہ واپس آئے تو آپؐ نے اس کے رونے کی آواز سنی تو دوبارہ اس کی ماں کے پاس گئے اور اسی قسم کی بات اسے کہی اور پھر پنی جگہ پر واپس آگئے۔ جب رات کا آخری حصہ آیا تو آپؐ نے بچے کے رونے کی آواز سنی تو آپؐ نے اس کی ماں کے پاس آکر اسے کہا ”تو بلاک ہو تو بہت بری ماں ہے میں رات سے دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے بچے کو رونے سے قرار نہیں آ رہا۔“ اس نے کہا ”اے بندہ خدا میں سے کھانے سے غافل کر رہی ہوں اور وہ نہیں مانگا۔“ آپؐ نے فرمایا ”کیوں؟“ اس نے کہا ”اس لئے کہ حضرت عمرؓ اس کا روزینہ مقرر کرتے ہیں جس کا دودھ چھنا ہو اہو۔“ آپؐ نے پوچھا ”تمہارے اس بیٹے کی عمر کیا ہے؟“ اس نے کہا ”اٹنے والا۔“ آپؐ نے فرمایا ”تو بلاک ہو اس کے دودھ چھڑانے میں جلدی نہ کر“ اور جب آپؐ نے صبح کی نماز پڑھی تو آپؐ رونے کے باعث دو گوں کیلئے واضح قرأت نہ کر سکتے تھے پھر فرمایا ”عمرؓ کی شدت نے مسلمانوں کے کتنے بچوں کو قتل کر دیا ہے۔“ پھر آپؐ نے منادی کو حکم دیا ”تو اس نے ایمان کیا کہ اپنے بچوں کا دودھ چھڑانے میں جلدی نہ کرو ہم ہر مسلمان بچے کیلئے روزینہ مقرر کرتے ہیں اور آپؐ نے یہ بات اطراف کو بھی لکھ دی (۱)۔

اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپؐ کی یہ شب گریاں اس قدر اہم تھیں کہ ان سے حاصل ہونے والی براہ راست معلومات کی بناء پر آپؐ اپنی معاشی پالیسیوں کو ہی تبدیل کر دیتے تھے تاکہ کفایت عامہ اس انداز میں ہو کہ اس کے خفی اثرات کسی بھی طبقہ پر نہ پڑیں۔ نئے پیدا ہونے والے بچوں تک کو آپؐ نے ریاست کی ذمہ داری میں شامل کر دیا۔ کہاں یہ عزم و یقین اور حساس ذمہ داری اور کہاں وطن عزیز کے سیکولر حکمرانوں کا رویہ کہ یہاں کا پیدا ہونے والا ہر بچہ ان کی کرپشن، بدانتظامیوں، عیثیوں کی وجہ سے سودی قرضوں کا بوجھ لئے ہوئے آنکھ کھولتا ہے اور بجٹ کا بہت بڑا حصہ بہبود آبادی کے نام سے ان کی آمد کو روکنے پر صرف کیا جاتا ہے۔ آپؐ کے خادم اسلم کا بیان ہے کہ ایک شب میں حضرت عمرؓ کے ساتھ مدینہ کے بیرونی حصے میں گیا تو ہمیں ایک بالوں کا خیمہ نظر آیا۔ ہم اس کے پاس گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ اس میں ایک عورت دروزہ میں مبتلا ہے اور رو رہی ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس کا حال پوچھا تو س نے کہا ”میں ایک غریب عورت ہوں اور میرے پاس کوئی چیز نہیں۔“ حضرت عمرؓ رو پڑے اور دہرتے ہوئے اپنے گھر واپس آئے اور اپنی بیوی حضرت ام کلثوم بنت حضرت علیؓ سے کہا ”کیا آپ کو اس اجر میں کچھ دلچسپی ہے جسے اللہ آپؐ کے پاس سے آیا ہے اور انہیں سارا واقعہ بتایا۔“ انہوں نے جواب دیا ”ہاں“ پس آپؐ نے اپنی پشت پر آٹا اور چربی اٹھائی اور حضرت ام کلثومؓ نے وادے کے مناسب حال چیزیں اٹھائیں اور دونوں آگئے۔ حضرت ام کلثومؓ عورت کے پاس چلی گئیں اور حضرت عمرؓ اس کے خاوند جو کہ آپؐ کو نہیں جانتا تھا کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ اس عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو حضرت ام کلثومؓ نے کہا ”یا امیر المؤمنینؓ! اپنے ساتھی کو بچے کی بشارت دیجئے۔“ جب اس شخص نے حضرت ام کلثومؓ کی بات سنی تو اس بات کو بڑا خیال کیا اور حضرت عمرؓ کے پاس معذرت کرنے لگا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”تم پر کوئی خوف نہیں۔“ پھر آپؐ نے ان کو اخراجات اور ان کی ضرورت کی اشیاء پہنچا دیں اور واپس آگئے (۲)۔ سلمیٰ کا بیان ہے ایک شب میں حضرت عمرؓ کے ساتھ واقعہ کی سیاہ سنگی زمین کی طرف گیا اور جب ہم صراہ مقدم میں تھے تو چٹک آپؐ نے آگ کو دیکھا تو فرمایا ”اے سہم یہاں کوئی قافلہ ہے جنہیں رات نے راک دیا ہے۔ آؤ ان کے پاس چلیں۔“ ہم س کے پاس آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک عورت اپنے دو بچوں کے ساتھ بیٹھی ہے اور ہنڈیا آگ پر رکھی ہوئی ہے اور اس کے بچے بھوک سے چلا رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا ”اے روشنی والو! سلام علیکم“ اس عورت نے کہا ”وعلیکم سلام“ آپؐ نے فرمایا ”میں قریب جاؤں۔“ اس نے کہا ”قریب

آجایا چھوڑ دو۔ ”ہم نے قریب ہو کر کہا ”آپ لوگوں کا کیا حال ہے؟“ اس نے کہا ”بہیں رات اور ٹھنڈک نے روک دیا ہے۔“ آپ نے فرمایا ”یہ بچے کیوں چلا رہے ہیں؟“ اس نے کہا ’بھوک سے۔“ آپ نے فرمایا ”آگ پر کیا چیر پڑی ہے؟“ اس نے کہا ”پانی پڑا ہے جس سے میں انہیں بہلا رہی ہوں تاکہ یہ سو جائیں ہمارے اور مٹر کے درمیان اللہ ہی فیصلہ کرے گا۔“ حضرت عمرؓ رو پڑے پور دوڑتے ہوئے آنے کے گودام کی طرف واپس آئے اور ایک پینہ آٹا اور چربی کا ایک چربی برتن نکالا اور فرمایا ”اے اسلم اسے میری پشت پر لا دو۔“ میں نے کہا ”آپ کے بجائے اسے میں اٹھاتا ہوں۔“ آپ نے فرمایا ”تو قیامت کے روز میرا بوجھ اٹھائے گا؟“ پس آپ نے اسے پشت پر اٹھایا اور ہم اس عورت کی طرف گئے تو آپ نے اسے اپنی پشت سے اتارا اور ”ٹانکال کر ہنڈیا میں ڈالا اور اس پر کچھ چربی ڈالی اور ہنڈیا کے نیچے پھونکیں مارنے لگے اور دھواں ایک ساعت تک آپ کی داڑھی میں ٹھہرنے لگا پھر آپ نے اسے آگ سے اتارا اور فرمایا ”مجھے پیٹ دو۔“ پیٹ مائی گئی تو آپ نے سے بھر دیا پھر اسے بچوں کے آگے رکھ دیا اور فرمایا ”کھانا سووہ کھا کر سیر ہو گئے“ اور عورت آپ کیسے دعا کرتی رہی اور وہ آپ کو نہ جانتی تھی اور آپ مسلسل ان کے پاس رہے یہاں تک کہ چھوٹے بچے سو گئے۔ پھر آپ نے انہیں اخراجات دیے اور واپس آگئے پھر میرے پاس آکر فرمایا ”اے اسلم بھوک انہیں رلائے اور جگائے ہوئے تھی“ (۱)۔

ابن جوزی اور طبری کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اس عورت نے کہا ”اللہ آپ کا بھلا کرے“ آپ امیر المومنینؑ سے زیادہ اس کام (خافت) کے حقدار ہیں۔“ آپ نے فرمایا ”تم بھی بات کہنا جب تم امیر المومنین کے پاس آؤ گی تو مجھے انشاء اللہ وہاں پاؤ گی۔“ پھر آپ اس عورت سے الگ ہو کر ایک گوشے میں چلے گئے وہاں آپ بالکل خاموش ہو گئے میں آپ سے بات کر رہا تھا مگر آپ مجھے کوئی جواب نہیں دے رہے تھے تا آنکہ میں نے بچوں کو دیکھا کہ وہ آپس میں کشتی لارہے ہیں اور ہنس رہے ہیں جب وہ سو گئے اور خاموشی و سکون عادی ہو گیا تو آپ کھڑے ہو گئے اور خدا کا شکر ادا کر کے فرمانے لگے ”اے اسلم بھوک نے نہیں بیدار کر رکھا تھا اسی وجہ سے دور رہے تھے۔ اسی لئے میں نے یہ بات پھند کی کہ میں اس وقت تک یہاں سے نہ لوٹوں جب تک میں ان کی وہ حالت نہ دیکھ لوں جو میں نے بھی مشاہدہ کی ہے“ (۲)۔ مالک بن اوس نے بیان کیا کہ دن چڑھ آیا تھا اور میں اپنے گھر والوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اتنے میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قاصد میرے پاس آیا اور کہا کہ ”امیر المومنینؑ آپ کو بلا رہے ہیں۔“ میں قاصد کے ساتھ ہی چلا گیا اور عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ بھوک کی شاخوں سے بنی ہوئی ایک چارپائی پر بیٹھے تھے جس پر کوئی بستر وغیرہ بھی نہیں بچھا تھا اور ایک چمڑے کے نیچے پر ٹیک لگائے ہوئے تھے میں سلام کر کے بیٹھ گیا۔ پھر آپ نے فرمایا ”مالک اتھاری قوم کے کچھ لوگ میرے پاس آئے اور قحط اور فقر و فاقہ کی شکایت کر رہے تھے۔ میں نے ان کیسے ایک معمولی سے عطیے کا فیصلہ کر لیا ہے تم اسے پنی مگرانی میں قوم کے درمیان تقسیم کر دو۔ میں نے عرض کیا ”یا امیر المومنینؑ اگر آپ اس کام پر کسی اور کو مامور فرمادیتے تو بہتر تھا لیکن عمر رضی اللہ عنہ نے یہی اصرار کیا کہ انہیں پی پی ہی تحویل میں لے لو“ (۳)۔ آپ اہل مدینہ کے گھروں میں خورد و نوش کا کچا سامان بھجوا دیا کرتے تھے تاکہ حسب ضرورت وہ اسے زیر استعمال لائیں۔ روایت میں ہے کہ امیر المومنینؑ کے پاس ۹۰ عدد دفتر (رجسٹر) تھے۔ ان کا مسلک تھا کہ جب کبھی تحائف اور فواکھات آتے تھے تو ازواج مطہرات کو ان میں سے ضرور حصہ بھجوا جاتا تھا ’اہتہ کسی کے حصے میں اگر کسی بیشی ہوتی تھی تو وہ حصہ کے حصہ میں آتی تھی۔ ایک بار بہت سی بھیڑیں دناج کی گئیں تو بہت کافی مقدار میں ازواج نبیؑ کے مکاوں پر گوشت بھجوا دیا گیا اور باقی ماندہ گوشت مہاجرین و درنصاڑ میں تقسیم کر دیا گیا“ (۴)۔ لیکن اگر آپ یہ محسوس کرتے کہ سب گھروں میں مال و اسباب پہنچانا ممکن نہیں ہے تو سرکاری طور پر کھانا تیار کرانے اہل مدینہ کی اجتماعی ضیافت کا انتظام کیا جاتا۔ یہ ایک منفرد تصور تھا



لوگ اکٹھے ہوتے ان کی سوشلائزیشن ہوتی۔ ایک دوسرے سے میل ملاقات، رواداری، ہم آہنگی، مساوات اور یکجہتی کا خوبصورت مظاہرہ ہوتا۔ حکومت اور عوام کا تعلق مضبوط ہوتا۔ آپ کو رعایا کی برہم راست خدمت کا موقع ملتا، نظم و ضبط کو فروغ ملتا۔ آپ برہم راست خود اس کی نگرانی کرتے۔ سب سے پہلے عوام کو کھاتے، دریغ جاتا تو پھر خود تناول فرماتے۔ لوگوں کو خورد و نوش کے آداب بھی ساتھ ساتھ سکھاتے۔ لام زہری کہتے ہیں ”صدقہ کے چند اونٹ بے کار ہو گئے۔ امیر المومنین نے انہیں دینغ کر دیا اور جب ان کا گوشت پک کر آیا تو مصلائے عام کر دی گئی۔ منجملہ اور لوگوں کے حضرت عباسؓ بھی آئے۔“ حضرت عباسؓ بوسے ”امیر المومنینؓ روز ایسی دعوتیں ہوں تو لطف آجائے۔“ امیر المومنینؓ نے کہا ”ان اونٹوں کو ٹھکانے لگانے اور ان کا جائز مصرف کرنے کی یہی ایک صورت سمجھ میں آئی۔ جائز مال، جائز طور پر مصرف ہو گیا“ (۱)۔

حضرت سلم سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ شتر خانے میں ایک اندھی اونٹنی ہے۔ انہوں نے فرمایا ”وہ کسی گھروالوں کو دے دو تاکہ وہ اس سے شح حاصل کریں۔“ میں نے کہا ”وہ اندھی ہے۔“ انہوں نے فرمایا ”اسے اونٹوں کی قطار میں باندھ دیں گے۔“ میں نے کہا ”وہ چارہ کیسے کھائے گی؟“ انہوں نے پوچھا ”وہ جزیہ کے جانوروں میں سے ہے یا صدقہ کے۔“ میں نے جواب دیا۔ ”جزیہ کے۔“ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”واللہ اتم لوگوں نے اسے کھانے کا ارادہ کیا ہے۔“ میں نے کہا ”نہیں اس پر جزیہ کی نشانی موجود ہے۔“ حضرت عمرؓ کے حکم پر اسے دینغ کر دیا گیا۔ راوی کے بقول حضرت عمرؓ کے پاس پیالے تھے، حضرت عمرؓ کے پاس جو میوہ یا اچھی چیز آتی ان میں رکھ کر آنحضور ﷺ کی ہر راج مطہرات کو بھیجا کرتے تھے اور سب سے آخر میں اپنی بیٹی ام المومنین حضرت حفصہؓ کے پاس بھیجتے۔ اگر وہ چیز کم ہو جاتی تو کسی حضرت حفصہؓ کے حصے میں ہوتی۔ اس اونٹنی کا گوشت بھی پہلے انہوں نے پیالوں میں ڈل کر امہات المومنینؓ کی طرف روانہ کیا پھر اسے پکانے کا حکم دیا اور سب مہاجرین و انصار کی دعوت کی (۲)۔

اسی ہی ایک ضیافت کے موقع پر آپ کو ایک معذور شخص کے مسائل جاننے کا موقع ملا۔ آپ کا رد عمل اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ روایت ہے عمر بن الخطابؓ مدینہ میں لوگوں کو کھانا کھا رہے تھے۔ آپ ہاتھ میں لائٹھی لئے ان کے درمیان گشت کر رہے تھے۔ اسی دوران میں آپ کا گزر ایک ایسے آدمی کے پاس سے ہوا جو بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا۔ آپ نے اس سے کہا ”بندہ خدا دائیں ہاتھ سے کھا۔“ اس نے جواب دیا: ”بندہ خدا وہ مشغول ہے۔“ آپ آگے بڑھ گئے، دوبارہ وہاں سے گزرے تو پھر دیکھا کہ وہ بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا ہے۔ آپ نے اس سے پھر کہا ”بندہ خدا دائیں ہاتھ سے کھا۔“ اس نے کہا ”بندہ خدا وہ مشغول ہے۔“ اس نے تین بار یہی جواب دیا، آپ نے پوچھا کہ کس کام میں مشغول ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ”دایہا ہاتھ موتہ کی لڑائی میں کام آگیا۔“ راوی کہتا ہے کہ یہ سن کر عمرؓ اس کے پاس بیٹھ گئے اور رونے لگے۔ اس سے پوچھنے لگے کہ تمہیں وضو کون کراتا ہے؟ تمہارا سر کون دھو رہا ہے؟ کپڑے کون دھو رہا ہے؟ فلاں اور فلاں کام کون کرتا ہے؟ پھر آپ نے اس کیلئے ایک ملازم منگولیا اور اسے ایک سواری دلوائی اور دوسرے سامان ضرورت بھی دلوائے۔ یہاں تک کہ اس آدمی کے ساتھ آپ کا انتہائی مشفقانہ سلوک اور مسلمانوں کی بہبود کیلئے حضرت عمرؓ کا یہ اہتمام دیکھ کر محمد ﷺ کے صحابہ بلند آواز سے عزت کیلئے اللہ سے دعائیں کرنے لگے۔ غریبوں اور ناداروں کی کفالت کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ خیر حضرات خوان لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ ضرورت مندوں کو بلا کر کھانا کھلاتے۔ ابن ابی ملیکہ نے ابو مخنفؓ سے روایت کیا ہے ”میں عمرؓ کی خدمت میں باریاب تھا کہ اتنے میں صفوان بن امیہ کھانے کے ایک خوان کے ساتھ جسے چند لوگ اٹھانے ہوئے تھے حاضر ہوئے۔ امیر المومنینؓ نے اسی وقت ارد گرد کے تمام مسکینوں، ناداروں، یتیموں کو بلا بھیجا کہ وہ سب کھانے میں شریک ہو جائیں۔ اس کے بعد

فرمایا: ”ن لوگوں سے خدا سمجھے جو اپنے ناداروں اور صلاکت زدہ ہم قوموں سے غافل ہو جاتے ہیں اور انہیں ساتھ بٹھ کر نہیں کھاتے۔“ عنوان نور ابو لے ”میرا المؤمنین“ اہم لوگ ہر گز ان غریبوں سے غافل نہیں۔ ہم ان کیلئے ایثار کرتے رہتے ہیں ہم پہلے ان کو چھی چیزیں کھلاتے ہیں پھر خود کھاتے ہیں۔“ (۱) ”بھی ابھی آپ کو یہ خیال آتا تھا کہ یہ طریقہ مستقل طور پر رائج ہو جائے لوگ سارا انھما حکومت ہی پر کرنا شروع نہ کر دیں۔ ان کی توقعات و عادات اس قدر تبدیل نہ ہو جائیں کہ اس طریقہ کے منافی پہلو نمایاں ہونے لگیں اور یہ بات رسوا اکرم علیہ السلام اور حضرت ابو بکر صدیق کی راہوں سے انحراف نہ پیدا کر دے۔ سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ ”بل غنیمت میں کچھ اونٹ آئے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک اونٹ بے کار ہو گیا۔ امیر المؤمنین نے اس کی قربانی کر کے اس کا گوشت امہات المؤمنین کے گھروں میں بھجوا دیا ہتی ماندہ گوشت کو پکوا کر اسے چند اشخاص کو کھلویا۔ ان اشخاص میں آنحضرت کے علم محترم حضرت عباسؓ بھی شامل تھے۔“ اسہوں نے کہا ”میرا المؤمنین“ ایسی دعوتوں کا انتظام روز ہو جایا کرے تو کتنا اچھا ہو۔ ہم سب جمع ہو کر یہ دعوت کھائیں اور آپ سے باتیں کریں۔“ فرمایا: ”اب اس نوع کی ضیافت کی تکرار نہ ہوگی۔ میرے دوسرے تھے دونوں نے اپنے اپنے کام کئے اور ایک خاص راستے پر گامزن ہوئے۔ اب گر میں ان دونوں (مراد رسالت مآب علیہ السلام اور صدیق اکبرؓ) کی تقلید نہ کروں گا تو دوسرے راستے پر جاؤں گا جو ان کا راستہ نہ ہو گا۔“

آپ کی خدمت میں ہر مرد و عورت بچہ بوزہ ہر وقت ہر جگہ حاضر ہو کر بن تکلف اپنی حاجت و ضرورت پیش کر سکتا تھا۔ آپ نور اس پر کارروائی کرتے اور بیت امال سے اس کی حاجت روائی کرتے۔ حضرت شعیبؓ یہاں کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک اعرابی آیا اور کہنے لگا ”میرے اونٹ کی پشت میں زخم ہے اور دیگر مقامات پر بھی زخم ہیں اس لئے آپ مجھے دوسرا اونٹ دیں۔“ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”تمہارے اونٹ کے جسم میں کوئی زخم نہیں ہے۔“ یہ سن کر وہ اعرابی پیٹھ سے سوز کر بھاگ گیا اور وہ یہ شعر پڑھتا جا رہا تھا۔ ابو حفص نے عمرؓ کی قسم کھا کر کہا ہے ”اس اونٹ کو کوئی زخم نہیں پہنچا ہے اور نہ کوئی بیماری ہے۔ اگر انہوں نے غلط بیانی کی ہو تو اللہ انہیں معاف کر۔“ یہ سن کر آپ نے فرمایا ”اے اللہ! تو مجھے معاف کر۔“ پھر آپ نے اعرابی کو جا کر اسے اونٹ پر سوار کرا دیا۔ انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ میں امیر المؤمنینؓ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک انصاری عورت نے آکر فریاد کی ”مجھے پہننے کو کپڑا چاہئے۔“ آپ نے کہا ”کپڑے، جتنے کا کیا یہ موقع ہے؟“ مگر وہ عورت کہتی رہی کہ ”میرے پاس تن ڈھانکنے کو بھی کچھ نہیں۔“ امیر المؤمنینؓ اسی وقت کھڑے ہو گئے اور خزانہ سے ایک سفید رنگ کی پوشش نکال کر دے اور اسے ماکر عورت کے سامنے ڈال دیا اور فرمایا ”اس لباس کو لے جاؤ اور اس میں کہیں دریدگی ہو تو فوراً فرماؤ۔ اس کپڑے کو زیادہ سے زیادہ مدت استعمال کرو اس لئے کہ ہر نئی چیز پر اپنی ہو جاتی ہے۔“ (۲)

زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ بازار گیا۔ عمر رضی اللہ عنہ سے ایک لوجوان عورت نے ملاقات کی اور عرض کی کہ یا امیر المؤمنینؓ میرے شوہر کی وفات ہو گئی ہے اور چند چھوٹی چھوٹی بچیاں چھوڑ گئے ہیں خدا گواہ ہے کہ اب نہ ان کے پاس کسی جانور کے پائے ہیں کہ سے پکائیں نہ کھیتی ہے اور نہ دودھ کے قابل کوئی جانور۔ مجھے تو اس کا خطرہ ہے کہ وہ فقر و فاقہ کی وجہ سے ہلاک نہ ہو جائیں۔ میں خفاف بن ایہاء غفاریؓ کی لڑکی ہوں۔ میرے والد آنحضرتؐ کے ساتھ غزوہ حدیبیہ میں شریک ہوئے تھے۔“ یہ سن کر عمر رضی اللہ عنہ ان کے پاس تھوڑی دیر کیے رک گئے پھر فرمایا ”مرہبا تمہارا خاندانی تصدق تو بہت قریبی ہے اور ایک بہت قوی اونٹ کی طرف مزے جو گھر میں بندھا ہوا تھا اور اس پر دو بزرے سٹے سے بھرے ہوئے رکھ دیئے۔ ان دونوں بزرے کے درمیان دوسری ضروریات کی چیزیں اور کپڑے رکھ دیئے اور اس کی ٹیکل ان کے ہاتھ میں تھا کر فرمایا کہ ”سے لے جاؤ یہ جب ختم

ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ تمہیں پھر خیر و بھلائی دے گا۔" ایک صاحب نے اس پر کہا "یا امیر المومنین! آپ نے اسے بہت دے دیا۔" عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "تیری مال بچھے روئے خدا کی قسم اس عورت کے والد اور اس کے بھائی جیسے اب بھی میری نظروں کے سامنے ہیں کہ ایک مدت تک ایک قلعہ کے محاصرے میں شریک ہیں اور پھر آخر اسے فتح کر یا اور پھر ہم نے مال خیریت میں سے اپنے حصے لئے<sup>(۱)</sup>۔" آپ لوگوں کی مالی مدد کرتے وقت اسلام کی راہ میں قربانیاں دیے والوں کے اہل و عیال کو دیتے وقت نہایت سخاوت سے کام اس لئے لیتے تھے کہ لوگوں کو ریاست پر پورا اعتماد ہو، انہیں ان کے جد بیوی بچوں کی کفالت و مستقبل کے بارے میں غمخیزیاں و خطرات لاحق نہ ہوں اور پوری جائیداد ان سے ملک و ملت کے دفاع کا فریضہ سرانجام دیں۔ آپ ان لوگوں کا بیت المال پر حق فائق سمجھتے تھے جنہوں نے مسام کو ہر چیز یہاں تک کہ جان پر بھی فوقیت دی ہو۔ اب بھی ایک عملی طریقہ تھا جس سے آپ ملک و ملت کے محسنوں کی حوصلہ افزائی کر سکتے تھے۔ آپ بعد میں شہداء کے اہل و عیال کے دکھ درد بانٹنے ان کی ضروریات کا اپنے گھر والوں سے بڑھ کر خیال رکھتے ان کی ہمدردی، خیر خواہی اور معاونت میں کوئی بھی کسر اٹھا نہیں رکھتے تھے۔ آپ کی یہ بصیرت افروز حکمت عملی اسلامی تعلیمات کا بہترین مرقع تھی۔ اگر کسی شخص نے کسی معرکے میں کوئی چوٹ کھائی ہو تو اس کیلئے بھی آپ کا دل شفقت و محبت کے جذبات سے لبریز ہو جاتا اور مدد کیلئے ہاتھ کھول دیتے۔

عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں "مجھے یاد ہے کہ لوگ اپنے اپنے روزیے لے رہے تھے۔ ایک شخص آیا امیر المومنینؓ کی نظر اس کے چہرے پر پڑی تو انہیں اس کے چہرے پر ایک گہری چوٹ کا اثر دکھائی دیا ایک بے حد گہرا نشان! آپ نے پوچھا "یہ کیسا نشان ہے؟" آدمی نے جواب دیا "یہ ایک چوٹ کا نشان ہے جس کا اس کو ایک جہاد میں شکار ہونا پڑا تھا۔" امیر المومنینؓ کا دل بھر آیا فرمایا "اس کو ایک ہزار درہم گن دیے جائیں۔" تھوڑی دیر کے بعد مزید یک ہزار درہم کیسے حکم دیا اور یہ حکم چار بار صادر فرمایا۔ آدمی اس سیلاب سخاوت کے آگے نہ ٹھہر سکا اور وہاں سے چلا آیا۔ امیر المومنینؓ نے پوچھا "کہاں گیا وہ غازی؟" لوگ بولے "شاید آپ کے جو درگرم سے وہ شرمایا گیا اور چلا گیا۔" امیر المومنینؓ بولے "بخدا اگر وہ نہ جاتا تو اس وقت کل کی کل رقم میں اسی کو دے دیتا۔ اللہ اللہ کیا شخص ہے! راہ خدا میں اس نے اسکی مار سہی کہ اس کا چہرہ بگڑ گیا۔"<sup>(۲)</sup> "اسلام کی راہ میں سرانجام دی جانے والی ہر خدمت کی آپ ہر ممکنہ قدر کرتے تھے۔ ثعلبہ بن مالک سے روایت ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مدینے کی خواتین میں کچھ چادریں تقسیم کیں۔ ایک نئی چادر بی گئی تو بعض حضرات نے جو آپ کے پاس ہی تھے کہا "یا امیر المومنین! یہ چادر رسول اللہ ﷺ کی نوای کو دے دیجئے جو آپ کے گھر میں ہیں (ان کی سرور آپ کی بیوی ام کلثوم بنت عقی سے تھی۔)" حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ "ام سلید رضی اللہ عنہا اس کی زیادہ مستحق ہیں یہ ان انصاری خواتین میں سے تھیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تھی۔" حضرت عمرؓ فرمایا "آپ احمد کی لڑکی کے موقع پر ہمارے لئے پانی کے مشکیزے اٹھا کر لاتی تھیں"<sup>(۳)</sup>۔

آپ کی فیاضی ہر ضرورت مند کیلئے عام تھی۔ ابو الولید کی روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمرؓ بیٹھے ہوئے تھے کہ یک ننگڑا آدمی ایک اونٹنی کو پکڑے ہوئے آیا وہ بھی ننگڑی ہو گئی تھی۔ اس نے چند اشعار کہے جس میں آپ کی تعریف کی گئی تھی۔ آپ نے اس پر لا حول ولا قوۃ لا باللہ پڑھا پھر اس شخص نے اپنی اونٹنی کے ننگڑا ہونے کی شکایت کی۔ حضرت عمرؓ نے اونٹنی اس سے لے لی اور اس کے بدلے میں سرخ لونٹ پر اسے سوار کر دیا اور اس کے ساتھ اسے زور دے بھی فرمایا کیا<sup>(۴)</sup>۔ وگ اس وجہ سے آپ کی تعریفیں کرتے رہتے تھے۔ اس شخص کے جانے کے بعد حضرت عمرؓ بھی ج کیلئے روانہ ہوئے۔ جب آپ سواری پر جا رہے تھے تو ایک سوار آپ کو ملے جو یہ شعر پڑھ رہا تھا "ماما ساسا مملک یا بن الخطاب! ابر بالافصی ولا بالاصحاب! بعد النبی صاحب الکتاب۔" (اے ابن خطاب

تہاری طرح کسی نے نبی کریم ﷺ صاحب کتاب کے بعد حکومت نہیں کی۔ آپ دوستوں اور غیروں کے ساتھ سب سے زیادہ نیک سوک کرتے ہیں۔ یہ سن کر آپ نے چھری مار کر اسے نوکا کہ بوجڑ کا ذکر کہاں ہے<sup>(۱)</sup> ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ اس وقت لوگوں میں عطیت تقسیم کر رہے تھے۔ ان کے والد جنگ حنیف میں شہید ہو چکے تھے۔ انہوں نے کہا ”اے امیر المؤمنین! میرے لئے بھی وظیفہ مقرر کیجئے۔“ اس وقت حضرت عمرؓ کی طرف متوجہ نہیں ہوئے جب کام سے فارغ ہوئے تو متوجہ ہو کر پوچھا ”تم کون ہو؟“ وہ بولے ”عبداللہ بن عمرؓ۔“ آپ نے فرمایا ”اے یرفا! انہیں چھ سو درہم دے دو۔“ انہوں نے پانچ سو دیئے تو انہوں نے قبوں نہیں کئے اور کہا ”امیر المؤمنین! نے مجھے چھ سو درہم دینے کا حکم دیا ہے۔“ وہ حضرت عمرؓ کے پاس گئے اور نہیں س سے مطیع کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”اے یرفا! انہیں چھ سو درہم ایک عمدہ پوشاک بھی دے دو۔“ لہذا انہوں نے وہ پوشاک ہمیں لی جو حضرت عمرؓ نے پہنائی تھی اور جو لباس وہ پہنے ہوئے تھے وہ پھینک دیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”اے فرزند اتم! پنے کپڑے بھی لے جاؤ۔ یہ تم اپنے گھر کے کام کاج کے موقع پر پہنو اور دوسری پوشاک تمہارے زیب و زینت کے کام آئے گی<sup>(۲)</sup>۔“ آپ اضطراری حالت میں اپنی اور جانوروں کی جان بچانے کیلئے کوئی غلطی در کوتاہی کرنا تو سے نظر انداز کر دیتے تھے اور اس کی وہ حاجت پوری کر دیتے یہی مستقبل میں اسے باز رکھنے کا حکیمانہ طریقہ تھا۔

چنانچہ عطاء بن عبید سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو حرم کی حدود میں ایک درخت کاٹنے اور اس سے اپنے اونٹ کو کھلاتے ہوئے دیکھا۔ آپ نے سے طلب کیا اور فرمایا ”اللہ کے بندے! تمہیں معلوم نہیں کہ مکہ حرام ہے اس کے حدود میں درخت کاٹنا بھی جائز نہیں ہے اور ان حدود میں نہیں کاٹنا شکار وغیرہ ناگزیر اور مناسب صورتوں ہی میں جائز ہو سکتے ہیں۔“ اس شخص نے جواب دیا ”امیر المؤمنین! یہ میں نے بالکل اضطراری عالم میں کیا ہے۔ میرے پاس جو جانور ہیں وہ بے حد کمزور ہیں اگر میں انہیں نہ کر تا تو شاید سب مر جاتے۔“ حضرت عمرؓ نے یہ بات سنی تو ان کا دل بھر آیا اور صدقہ کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ جو آٹے کی بوریوں سے لد ہوا تھا منگو کر اس شخص کو دے دیا اور ساتھ ہی فرمایا ”آئندہ سے تم بھی حرم کے درخت نہ کاٹنا“<sup>(۳)</sup>۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ آپ کی حکمت عملی میں یہ بات شامل تھی کہ دین اور ملک کی خاطر کسی بھی طرح کی قربانیاں دینے والوں کی بھرپور مالی معاونت کر کے عملی عزت افزائی کریں۔ وہاں جن لوگوں کا دامن سلام کی دشمنی نگہاری یافتہ و فساد کی وجہ سے داغدار ہو تا تھا ان پر دباؤ بھی رکھتے تھے۔ اس کی مثال بو شجرہ کا واقعہ ہے جو عہد صدیقی میں مرتد ہو گیا تھا اور اپنے شعار میں فخر یہ طور پر اس نے اس کا اظہار کیا تھا۔ مرتدین کے قلع قمع کے بعد دیگر بہت سے لوگوں کے ساتھ وہ بھی دوبارہ مسلمان ہو گیا۔ عہد نروقی میں وہ مدینہ آیا اور اپنی اونٹنی بو قریظہ کے فرزند میں بٹھائی۔ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ اس وقت مساکین کو صدقہ دے رہے تھے اور عرب کے فقراء میں خود ہی تقسیم کر رہے تھے۔ اس نے کہا ”امیر المؤمنین! مجھے بھی عطا کیجئے کیونکہ میں جاہمند ہوں۔“ حضرت عمرؓ نے پوچھا ”تم کون ہو؟“ اس نے جواب دیا ”میں ابو شجرہ بن عبدالعزیٰ اسلمی ہوں۔“ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”اے دشمن خدا تو نے یہ شعر نہیں کہا ہے ”لہو دینت رمحی من کتیبہ خالد و امی لادجو بعدھا من اعموا۔“ (میں نے اپنے نیزے کو خالد کے دستے سے سیراب کیا اور اب میں یہ توقع رکھتا ہوں کہ عمر کی خبر لوں گا۔) یہ کہہ کر حضرت عمرؓ کے سر پر درہ مارنے پر آمادہ ہو گیا اور اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر براستہ حرہ شوران بنو سلیم واپس پہنچ گیا اور اپنے شعار میں حضرت عمرؓ کے اس طرز عمل کی شکایت کی اور بیجو لکھی<sup>(۴)</sup>۔

اس طرح کی اکاد کا استثناء کو چھوڑ کر آپ کی کھلتی پھلتی نہایت جامع وسیع اور ہمہ گیر تھی۔ اس سے بھی دور جدید میں استفادہ کرتے ہوئے دین و ملت کے

، شمنوں کو دباؤ میں لایا جاسکتا ہے۔ کفالت عامہ کی ذمہ داری صرف مسلمان شہریوں تک محدود نہیں سمجھی جاتی تھی بلکہ غیر مسلم رعایا کو بھی اس سلسلہ میں وہی حیثیت حاصل تھی جو مسلمانوں کو تھی بلکہ غیر مسلم رعایا کو بھی اس سلسلہ میں وہی حیثیت حاصل تھی جو مسلمانوں کو تھی۔ حضرت عمرؓ نے بیت المال کے نگران کو ہدایت کی تھی کہ ضرورت سدائل ذمہ کا پتہ لگا کر ان کی ضروریات کی تکمیل کا اہتمام کیا جائے۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا گزر کسی کے دروازہ پر ہوا جہاں ایک سائل بھیک مانگ رہا تھا۔ ایک بوڑھا آدمی جس کی بصارت زائل ہو چکی تھی آپ نے پیچھے سے اس کے بازو کو تھوٹکا اور پوچھا ”تم کس مذہب کے اہل کتاب ہو؟“ اس نے جواب دیا کہ یہودی ہوں۔ آپ نے پوچھا ”تمہیں کس چیز نے ایسا کرنے پر مجبور کر دیا؟“ اس نے جواب دیا کہ ”میں بڑھاپے ضرورت مندی اور جزیہ کی وجہ سے بھیک مانگ رہا ہوں۔“ (ذراوی) کہتا ہے کہ حضرت عمرؓ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے گھر لے گئے اور گھر میں سے لاکر اسے کچھ دیا۔ پھر آپ نے بیت المال کے خزانچی کو مویا اور ان سے کہا ”اس کا اور اس جیسے دوسرے افراد کا خیال رکھو کیونکہ خدا کی قسم یہ بات انصاف سے بعید ہے کہ ہم ان کی جوانی میں ان سے (جزیہ وصول کر کے) کھائیں اور بڑھاپے میں انہیں بے سہارا چھوڑ دیں“ (۱)۔ ”شام کے سفر میں آپ کو راستہ میں کچھ عیسائی سے ملے جو جہاد میں جلتا تھے۔ آپ نے ان کی معذوری کے پیش نظر ان کیلئے روزیہ جاری کرنے کا حکم دے دیا۔“ (۲)

مذکورہ روایات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے کفالت عامہ میں غذا لباس سواری و علاج وغیرہ سب کو شامل کیا۔ اس سلسلے میں آپ نے متعدد اور بھی خدمات کئے تاکہ ہر شخص کی حاجت روئی ممکن حد تک ہو سکے۔ مثلاً سواری کی شدید ضرورت ان مسافروں کو بھی پیش آتی ہے جو منزل سے پہلے تھک کر رہ جائیں۔ عام مسافرت میں ان کو عارضی قیام کیلئے جگہ کی اور اکثر اوقات سامان غذا کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مکہ اور مدینہ کے درمیانی راستہ پر اس کا انتظام کر دیا تھا کہ ایسے ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کی جائے (۳)۔ آپ کی یہ پالیسی تھی کہ کفالت عامہ کا انتظام طے شدہ فارمولے کے مطابق ریاست کے ہر فرد کیلئے ہو۔ اس میں عدل و انصاف کے تقاضے پورے کئے جائیں کوئی بھی حقدار محروم نہ رہے، اپنے عمال کو بھی اسی کی تلقین کرتے تھے۔ آپ کی یہ خواہش تھی کہ ضروریات زندگی میں مساوات انسانی کے اسلامی تصور کی کار فرمائی ہو۔ حکیم بن عمر سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے لشکروں کے امراء کے نام فرمان جاری کئے کہ غیر عرب اقوام کے جن غلاموں کو تم آزاد کرو اور وہ مسلمان ہو جائیں تو ان کا شمار ان کے آزاد کرنے والوں کے زمرے میں کرو جو مراعات انہیں حاصل ہوں وہ انہیں دو اور جو مدد داریاں ان پر ہوں وہی ان پر بھی لگائیں۔ اگر یہ لوگ مل کر جدا گانہ قبیہ کی شکل بننا چاہیں تو دغا لے اور دیگر دستور وغیرہ میں ان سے اپنی طرح کا سوک کرو (۴)۔ ”حسن کہتے ہیں کہ ایک عامل کے پاس کچھ لوگ آئے انہوں نے عربوں کو تو دیا اور غیر عربوں کو چھوڑ دیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے انہیں لکھا ”ابعد آدمی کیلئے یہی بدی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے“ (۵)۔“

کفالت عامہ کے بارے میں آپ بہت زیادہ حساس تھے۔ ابو دائل کا بیان ہے ”میں اس مسجد (خند کعبہ) میں شیبہ کے پاس بیٹھا تو انہوں نے کہا کہ جہاں تم بیٹھے ہوئے ہو وہیں عمر رضی اللہ عنہ بھی میرے پاس بیٹھے تھے اور آپ نے فرمایا تھا کہ ”میرا ارادہ ہے کہ میں کعبہ میں کسی طرح کا سوتا چاندی نہ چھوڑوں سب مسلمانوں میں تقسیم کروں۔“ میں نے کہا ”آپ ایسا نہیں کر سکتے؟“ کہا ”کیوں؟“ میں نے کہا ”آپ کے دونوں ساتھیوں نے بھی ایسا نہیں کیا تھا۔“ اس پر انہوں نے فرمایا کہ ”دونوں حضرات، ایسے تھے جن کی اقتدا کی جاتی ہے“ (۶)۔ ”حضرت حسنؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے کعبہ کا خزانہ رکنہ خدا میں خرچ کرنے کا ارادہ فرمایا حضرت ابی بن کعب انصاریؓ نے کہا ”اے امیر المؤمنین! آپ سے پہلے آپ کے دو اصحاب گزر چکے ہیں اگر یہ فضیلت کا کام ہوتا تو وہ ضرور کرتے“ (۱)۔ ”آپ یہ

چاہتے تھے کہ سارے لوگوں کی ساری ضروریات پورا کرنا ریاست کیلئے ممکن نہ ہو تو یہ اسے ضرور کرنا چاہئے کہ دیگر مختلف طریقوں سے اس کا اہتمام ہو۔ چنانچہ آپ غیر مسموں سے معاہدات میں ایک شرط یہ بھی رکھتے تھے کہ وہ مسافروں کی عین دن تک مہمانی کریں گے<sup>(۱)</sup>۔ آپ کفالت ضرورت مند کا حق سمجھتے تھے یہاں تک کہ شدید مجبوری کی صورت میں وہ ہتھیار بھی اٹھا سکتا ہے۔ نیز حضرت عمرؓ نے ان لوگوں سے کہا تھا ”جو دیہاتیوں کی ایک بستی کے پاس سے گزرے تھے اور ان دیہاتیوں نے انہیں نہ تو ڈول اور رسی دی تھی اور نہ پانی کا پتہ بتایا تھا کہ تم نے اس پر ہتھیار کیوں نہیں اٹھائے؟“<sup>(۲)</sup> جو شخص کسی چیز کا زیادہ ضرورت مند ہو وہ اس چیز کا اس شخص سے زیادہ مستحق ہے جسے اس کی حاجت کم ہو۔ چنانچہ روایت ہے کہ انصار میں سے کچھ لوگ سفر میں تھے ان کا زور ادا ختم ہو گیا اور وہ محتاج ہو گئے اور عرب کے ایک قبیلے کے پاس آئے اور ان سے مہمان نوازی کیلئے کہا۔ اسوں نے انکار کیا انہوں نے ان کو پکڑ لیا اور بقدر ضرورت لے لیا۔ قبیلے والوں نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی تو انصار کو خوف ہوا کہ حضرت عمرؓ ہاراض ہوں گے، لیکن حضرت عمرؓ نے قبیلہ والوں کو سرزنش کی اور فرمایا کہ تم مسافروں کو اس چیر سے منع کرتے ہو جو اللہ تعالیٰ شب و روز اونٹوں اور بکریوں کے تنوں میں پیدا کرتا ہے۔ مسافر پانی کا اس شخص سے زیادہ حقدار ہے جو پانی کے پاس متمم ہو اور ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں۔ مسافر پانی اور سایہ کا زیادہ حقدار ہے<sup>(۳)</sup>۔ اسی قبیلہ سے حضرت عمرؓ کا یہ فرمان بھی ہے کہ اگر جو حالات گزر چکے ہیں وہ پھر پیش آئے تو میں مالداروں سے رائد مال لے کر ناداروں کو دے دوں گا۔ حضرت حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے کچھ لوگوں سے جس کے پاس پانی موجود تھا پیاس کی شدت میں پانی مانگا، لیکن انہوں نے نہیں دیا اور وہ شخص پیاس کی شدت سے مر گیا تو حضرت عمرؓ نے ان سب پر اس کی دیت عائد کر دی<sup>(۴)</sup>۔ آپ کا یہ فیصلہ تمام لوگوں کیلئے ایک تنبیہ کی حیثیت رکھتا تھا کہ آپ نے اس کو قتل خطاء قرار دیا تاکہ ریاست کے اندر کوئی شخص بھوک و پیاس سے زندگی نہ ہارے ورنہ انہیں ذمہ دار سمجھا جائے گا جنہوں نے ہوشیاری کی تھی۔

آپ ضرورت کو اگر کوئی مانع قرار دیتے تھے۔ اگر کوئی شخص بھوک سے مجبور ہو کر چوری کرے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ حاطب بن ابلہ بلنعد کے غلاموں نے قبیلہ خزیمہ کے ایک شخص نے اونٹنی چرا کر اسے ذبح کر لیا۔ مقدمہ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش ہوا تو آپ نے کثیر بن صلت کو ان کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، لیکن بعد میں آپ نے فیصلے سے رجوع کر لیا اور فرمایا کہ ”اگر یہ نہ سمجھ لیتا کہ تم انہیں بھوکا رکھتے ہو اور بھوک کی وجہ سے انہوں نے اللہ کے حرام کردہ کام کا ارتکاب کیا ہے تو میں اس کے ہاتھ نہ کاٹتا، لیکن اب اگر انہیں چھوڑ بھی دوں تو تمہارے اوپر بھاری تادیب عائد کر دوں گا۔“ چنانچہ آپ نے اس اونٹنی کی قیمت کا دو گنا تادیب عائد کیا<sup>(۵)</sup>۔ آپ کا یہ بھی خیال تھا کہ کفالت عائد کا بندوبست بالآخر حکومت کی ذمہ داری ہے اس لئے اگر کسی وجہ سے وہ اس انتظام سے قاصر ہو تو قطع یہ کی سرا دیے کا بھی حق نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے قحط کے دنوں میں قطع یہ کی حد جاری نہیں کی تھی۔ روایت میں ہے کہ ایک شخص ذبح کی گئی اونٹنی کی شکایت سے کر آیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ”کیا تم اس پر راضی ہو کہ ہم تمہیں دو سوئی تازی تر و تازہ دودھ دیے والی اونٹیاں دے دیں؟ کیونکہ ہم قحط کے زمانے میں قطع یہ کی سرا نہیں دیتے۔“ حضرت عمرؓ حاجت کو استحقاق کے قانونی اسباب میں شمار کرتے تھے بشرطیکہ اس کی تکمیل میں کسی دوسرے کا کوئی نقصان نہ ہو۔ چنانچہ ایک مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا کہ ضحاک بن عقیقہ نے عریض میں سے مال نکال کر محمد بن مسلمہ کی زمین سے گزرنی چاہی۔ محمد بن مسلمہ نے منع کیا تو اس پر ضحاک نے کہا کہ آپ مجھے کیوں روک رہے ہیں؟ حالانکہ اس میں آپ کا کوئی نقصان نہیں بلکہ فائدہ ہی ہے کہ آپ بھی اس کے پانی سے اول و آخر اپنی زمین کو سیراب کر سکتے ہیں، لیکن محمد پھر بھی نہ مانے اس پر ضحاک نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی۔ حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہ کو بیوایا اور ان کو حکم دیا کہ ضحاک کو پانی کی مالی سے جانے

(۱) سب ۲۹ (۲) ص ۱۰۲ (۳) ص ۲۹۱ (۴) ج ۱ ص ۱۰۰ (۵) ص ۲۹۱ (۶) عبدالرحمن، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹،

سے نہ روکو۔ محمد نے کہا کہ نہیں میں ایسا نہیں کرنے دوں گا۔ اس پر حضرت عمرؓ بولے کہ "تم کیوں اپنے بھائی کو روک رہے ہو؟ حارثہؓ اس میں ان کا بھی فائدہ ہے اور تمہارا بھی" تم بھی اس سے سیراب ہو سکو گے۔ شروع میں بھی اور آخر میں بھی تمہارا کوئی نقصان بھی نہیں ہے۔" محمد پھر کہنے لگے "قسم بخدا، نہیں۔" اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "قسم بخدا یہ ضرور گزاریں گے، مگر چہ تمہارے پیٹ ہی پر سے گزارنا پڑے" اور حضرت عمرؓ نے انہیں حکم دیا کہ یہ پانی کی نالی نکال لیں اور صحاکؓ نے نالی نکال لی<sup>(۱)</sup>۔ ابو سہل بن مالکؓ نے اپنے والد سے سن کر بیان کیا ہے "امیر المومنینؓ نے اپنے غلام یرفانہ سے پوچھا کہ تم ہر گھوڑے کو کتنا چارہ کھلاتے ہو؟" یرفانہؓ نے کہا "تین تین میر کے قریب۔" امیر المومنینؓ نے یرفانہؓ کو ہدایت کی کہ وہ گھوڑوں کی نگہداشت کا خاص خیال رکھیں اس لئے کہ گھوڑے عربوں کیلئے اس کے اہل بیت اور اہل خاندان کا درجہ رکھتے ہیں<sup>(۲)</sup>۔ "سلام بن ملج، تمیمی نے اصف بن قیس سے روایت کی ہے 'ہم امیر المومنینؓ کی خدمت میں ایک زبردست فتح کی خبر لے کر حاضر ہوئے۔ ہم سے پوچھا "تم لوگ کہاں اترے ہو؟" ہم نے جواب میں اس جگہ کا نام بیان کیا جہاں ہم ٹھہرے ہوئے تھے۔ امیر المومنینؓ فوراً ہمارے ساتھ ہو لئے اور سیدھے وہاں گئے جہاں ہم نے اپنے گھوڑے اور جانور وغیرہ باندھ دیئے تھے۔ انہیں حضرت علیؓ نے بغور دیکھا اور پھر ہم سے مخاطب ہو کر کہا "ان بے زبان جانوروں سے یہ بڑا کرتے وقت تمہیں اللہ سے ڈرا خوف نہ آیا" آخر ان کا بھی تو تم پر کچھ حق ہے۔ تم نے ان کو آزاد چھوڑ دیا ہوتا تاکہ یہ کھلے میدانوں میں گھوم پھر کر بیڑ کے بتوں وغیرہ سے اپنا پیٹ بھرتے۔" ہم نے عرض کیا "امیر المومنینؓ اللہ نے ہم کو اتنی بڑی فتح دی ہے ہم چاہتے تھے جلد سے جلد یہ خبر آپ کو پہنچا دی جائے اور ملت کو بھی اس مژدہ سے مسرور کیا جائے"<sup>(۳)</sup>۔"

## ۰..... معاشی ترقی:

۱۔ جدید اور اسلامی تصور:

دور جدید میں دنیا کے ہر معاشی نظام کی اصل منزل مقصود معاشی ترقی ہے۔ ہر حکومت اور ایڈمنسٹریشن اسی کے حصول کیلئے سرگرم عمل دکھائی دیتی ہے۔ ہر سیاسی جماعت اسی کا نعرہ لگا کر عوام کا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ عوام کی کثرت اسی کیلئے رات دن سرگرداں ہے۔ ساری دنیا پر اس وقت ایک ہی دھن سوار ہے ”معاشی ترقی“۔ یوں تو ہر زمانے میں افراد اور معاشرے معاشی ترقی کیلئے تھک دوڑ کرتے رہے ہیں اس لئے کہ یہ انسان کی دنیوی زندگی کو بہتر و خوشحال بنانے اور بہتر سے بہتر سہولیات پہنچانے کا اہم درجہ ہے لیکن دور جدید نے اسے زندگی کا مقصد وحید بنادیا ہے اور روحانیت و اخلاق پر مسطہ کر دیا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اسی لئے کہا تھا۔

عصر حاضر ملک الموت ہے حیرا جس نے

قبض کی روح تری دے کے تجھے لکر معاش<sup>(۱)</sup>

فکر معاش کو ہر فکر پر حاوی کرنے کا یہ نتیجہ ہے کہ حرص و ہوس خود غرضی مفادات پرستی اور ظلم و استغلال میں ضائع ہو جا رہا ہے۔ جن کی وجہ سے معاشی ترقی ایک مراب بن گئی ہے۔ حکیم الامتؒ کے بقول۔

تری کتابوں میں اے حکیم معاش رکھائی کیا ہے آخر

خلوط خمدار کی نمائش مریز و کجدار کی نمائش

جہان مغرب کے بت کدوں میں ’کلیساؤں میں‘ مدرسوں میں

ہوس کی خونریزاں چھپاتی ہے عقل حیار کی نمائش<sup>(۲)</sup>

جنگ عظیم دوم کے بعد کئی معاشیات کے نظریے نے جنم لیا تو قومی تعمیر نو اور معاشی ترقی کو ملکوں و حکومتوں کی بنیادی ذمہ داری قرار دیا گیا لیکن ہوس کی خونریزی نے عقل حیار کے خوشامد عووض میں عوام انسان سے جو اصل سوک کیا اس کا اندازہ اقوام متحدہ کی ہیومن ڈیولپمنٹ رپورٹ ۱۹۹۳ء سے کیا جاسکتا ہے۔ جس کے مطابق ۱۹۶۰ء سے ۱۹۹۳ء کی تین دہائیوں کا نام نہاد عالمی ترقیاتی کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا ہے۔ امیر امیر تراور غریب غریب تر ہو گئے ہیں۔ ۱۹۶۰ء کی پانچ ارب آبادی میں سے امیر ترین ایک ارب لوگ غریب ترین ایک ارب لوگوں سے ۳۰ گنا زیادہ مالدار تھے۔ مختلف ملکوں کے درمیان یہ فرق آخری اندازوں کے مطابق ۳۰ فیصد امیر ترین لوگ ۲۰ فیصد غریب ترین لوگوں سے ۵۰ گنا زیادہ مالدار ہیں۔ برطانوی اخبار گارڈین نے اپنے ادارے میں اس افسانہ کیلئے نتیجے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے ”دیہ کی آبادی کے ایک قابل لحاظ حصے کیلئے ترقی کی جن تین دہائیوں کا بڑا ڈھنڈورا بٹایا گیا تھا۔ حقیقت میں وہ تنزلی کی دہائیاں ثابت ہوئیں“<sup>(۳)</sup>۔ دور جدید میں معاشی ترقی سے جو مراد یہاں ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ معاشی ترقی ایسا عمل ہے جس میں کل قومی آمدنی اور فی کس آمدنی میں حقیقی اور مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ آبادی میں اضافے کی رفتار کے مقابلے میں شیئ و خدمات کی پیداوار صرف تیزی سے بڑھتی ہے۔ یہ اضافہ اگر زیادہ دیر تک جاری رہے



اور اس کا پھیلاؤ تمام پیشوں اور طبقوں تک ہو تو کہا جاتا ہے کہ معاشی ترقی ہو رہی ہے۔ معاشی ترقی خود بخود حاصل نہیں ہوتی اس کیلئے حکومتی سطح پر مختلف اقدامات کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس میں سب سے پہلی چیز مربوط منظم تصورات کا ایب مجموعہ (Doctrines) فراہم کرنا ہے جو عوام کی فکر و نظر کی رہنمائی کرے۔ ان کا رخ متعین کرے اور ان کے اندر ایک جذبہ اور منگ پیدا کرے اور ان کے سامنے ایک ایسا معیار رکھے جس سے وہ اپنی ترقی و تنزلی کی پیمائش کر سکیں۔

دوسری چیز سیاسی سماجی اخلاقی اور معاشی ماحول کی فراہمی ہے جو پرامن، مستحکم اور ترقی کیلئے سازگار ہو جہاں قانون کی بالادستی ہو عدل و انصاف ہو جس میں مختلف افراد طبقات اور گروہوں کے باہمی معاہدات و معاہدات کو تحفظ حاصل ہو اور جائز حدود کے اندر ان کی معاشی آزاد یوں کی ضمانت ہو۔ تیسری چیز حکومت کے وہ اقدامات ہیں جو ترقی کو فروغ دیے اور اس کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے ضروری ہوتے ہیں۔ اس میں ان عوامل کو تحریک دینا شامل ہے جو ترقی کا باعث بن سکتے ہیں۔ حسب ضرورت ان میں تبدیلی پیدا کرنا اور نئے نئے مفید عوامل کو سمجھنا اور انہیں اختیار کرنا وقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً معاشی ذرائع و وسائل کا بھرپور اور بہترین استعمال انہیں پیداواری کاموں میں لگانا اور نفع بخش بنانا تاکہ قومی آمدنی میں اضافہ ہو اور لوگوں کی آمدنی بھی بڑھے۔ اس طرح نئے طریق پیداواری اختیار کرنا، تقسیم کار کا نیا عمل اپنانا پیداواری میں تخصص حاصل کرنا، بچتوں کی عادت ڈالنا اور انہیں سرمایہ کاری کے مختلف چیلنجز میں استعمال کرے کی ترغیب دینا اور سہولیت مہیا کرنا تاکہ اس کی شرح نمو (Growth Rate) میں مسلسل اضافہ ہو تا رہے۔ مزید یہ کہ مزدوروں میں ہنرمندی، مصانیت اور مہارت پیدا کرنا اس کی استعداد کار بڑھا کر اس کے مطابق معقول معاوضوں کا انتظام کرنا اور ان کی شرائط کار بہتر بنانا اس کی اخلاقی، فنی اور پیشہ ورانہ ترتیب کرنا اس کی عزت و توقیر کر کے نئے جذبے کے ساتھ قومی دھارے میں انہیں شریک کرنا۔ تعلیم کو فروغ دینا اور قومی و ملکی ضرورت کے مطابق ہر شعبہ زندگی کیلئے مطلوبہ افراد کی کھپ تیار کرنا جو اعلیٰ تعلیم یافتہ، ماہر اور قابل ہو اور دینی جذبے، ثقافتی شعور، حسب الوطنی سے پوری طرح سرشار ہو جو بیننداری و خدمت سے اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے جدید سیکولر تصور کے مطابق معاشی ترقی کی پیمائش کے متن پیمانے ہیں۔

۱۔ حقیقی قومی آمدنی کا طریقہ۔

۲۔ فی کس آمدنی کا طریقہ۔

۳۔ بہتر معیار زندگی کا طریقہ۔

اگرچہ معاشی مفکرین ان بیانوں میں سے کسی نہ کسی کو ترجیح دے کر اس کے حق میں دلائل دیتے ہیں اور دوسروں کے دلائل کا توڑ پھیش کرتے ہیں، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ معاشی ترقی کو محض فنی طور پر جاننے کے بجائے عملی و افادہ پہلو سے دیکھا جائے تو تینوں بیانوں نے بیک وقت استعمال کر کے حقیقی اور متوازن ترقی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ جدید مسلم مفکرین کے نزدیک اسلام کا تصور ترقی مقاصد و مزاج سے بالکل مختلف ہے۔ پروفیسر حور شید احمد کے بقول "اقتصادی ترقی کے خالص مادہ پرستانہ تصور کو اسلام مسترد کرتا ہے کیونکہ اسلام محدود معنوں میں مذہب نہیں بلکہ اس کا مخصوص اقتصادی سماجی پروگرام ہے۔ اس پروگرام کا محور دنیا کے متعلق اس کا مخصوص رویہ نظر خاص اخلاقی قدریں اور منفرد اصول ہیں" (۱)۔ پروفیسر نسیم شاہد کا کہنا ہے "اسلامی معاشرے میں حیات انسانی کی جملہ سرگرمیوں کو اخلاقی اور روحانی بنیادوں پر منظم کیا جاتا ہے، اور تمام معاشی فیصلے اخلاقی اقدار کی روشنی میں کئے جاتے ہیں۔ اس طرح اسلام معاشی جدوجہد کو اخلاقی حدود سے آشنا کرتا ہے اور معاشی سرگرمیوں کی اس طرح صاف بندی کرتا ہے کہ وہ انسانی شخصیت کو کردار کے روحانی ارتقاء اور معاشرہ میں باہمی تعاون و کمال کا

زبردست در پیر بن جاتی میں<sup>(۱)</sup>۔ سرپورٹ کے مطابق ترقی کے اسلامی فارمولے کو اس طرح ظاہر کیا جاسکتا ہے۔

ترقی کے اسلامی تصور کی وضاحت کرتے ہوئے بہت اسلامی کی قائم کردہ کمیٹی نے ۱۹۶۹ء میں اپنی رپورٹ میں لکھ "اس مجلس کی رائے میں کسی بھی قوم کی حقیقی ترقی محض اس کی ایک رفی مادی ترقی نہیں ہوتی بلکہ ترقی یافتہ یا ترقی پذیر قوم وہ ہے جو مادی ترقی کے ساتھ ساتھ علمی و فکری اور اخلاقی و تہذیبی لحاظ سے بھی اسی رفتار سے ترقی کر رہی ہو۔ مہمورت و دیگر اخلاقی اخطا مادی ترقی کے تعاقب میں نگاہ ہٹا ہے اور کسی نہ کسی مرحلے میں یکایک مادی ترقی کے نقشے میں قوم کو پیچھے سے دو بوجھ لیتا ہے۔"<sup>(۲)</sup>

ترقی برابر ہے:

۱۔ معاشی ترقی (یعنی قوی دوست اور قدر پیداواری اور فی کس آمدنی میں مسلسل اضافہ بذریعہ منصفانہ تقسیم دوست۔)

۲۔ اخلاقی (دینی و تہذیبی) ترقی۔

۳۔ جمہور کی اقتصادی ملاح و بہبود میں مسلسل اضافہ<sup>(۳)</sup>۔

بعض مغربی مفکرین بھی سیکور تصور ترقی کی خامیوں کا ادراک کرے گئے ہیں اور اس کے مقابلے میں اسلامی تصور کی عملیت اور حقیقت پسندی میں دلچسپی کا اظہار کرنے لگے ہیں۔ اگرچہ فی الحال ان کی تعداد بہت محدود ہے، لیکن اگر اسلامی معاشی نظام اور ترقیاتی ماڈل کو گہری تحقیق کے بعد دور حاضر کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے مدلل اندر میں دنیا کے سامنے پیش کیا جائے تو یہ تبادس عالمی اقتصادی نظام کے طور پر پوری دنیا کی توجہ کا مرکز بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک فرانسیسی سکار "Roger Garaudy" جو کسی زمانے میں کمیونزم سے متاثر تھا کہتا ہے کہ

"Muslim countries should develop their own model and methods for economic development and should provide the west and east with the Islamic model which relies heavily on the spiritual as well as material well-being"<sup>(۴)</sup>

معاشی ترقی کے ضمن میں ایک اور اہم پہلو جو ماہرین معاشیات کی توجہ کھینچ رہا ہے 'وہ غیر معاشی عوامل کا کردار ہے۔ معاشی جمود سے فعالیت کے سفر کی ابتدا میں کسی قوم اور ملک کے 'تہذیبی و تمدنی عوامل اہم کردار ادا کرتے ہیں اور بعد میں بھی معاشی ترقی کے فنی لوازمات کے ساتھ ساتھ چلتے رہتے ہیں کیونکہ معاشی تغیرات تنہا ظہور پذیر نہیں ہوتے اس کے پہلو پہ پہلو انسانی تہذیب و تمدن کے ہر گوشے میں بنیادی تغیرات رونما ہوتے ہیں۔ دور جدید میں "ترقیاتی معاشیات" میں ترقیاتی عمل کے صحیح فہم کیلئے ایسے غیر معاشی عوامل کا تجزیہ بھی ضروری سمجھا جاتا ہے جو اس پر گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں۔ چونکہ ان کی صحیح پیمائش کا کوئی پیمانہ دریافت نہیں ہوا کہ مقداری شکل میں انہیں ظاہر کیا جاسکے اس لئے انہیں عموماً نظر انداز کر دیا جاتا ہے، لیکن معاشیات کو سائنسی علم بنانے کے خواہشمند معیشت دان جب معاشی ترقی کے فارمولوں کو قطعی و حتمی سمجھ کر ایسے ممالک پر ناگوار کرنے کی کوشش کرتے ہیں جن کی نفسیات 'تہذیب' سیاست 'ثقافت اور نظریات مختلف ہوتے ہیں تو وہ بری طرح غیر مؤثر اور ناکام ہی نہیں بلکہ بسا اوقات اور تباہ کن ثابت ہوتے ہیں تو غیر معاشی تغیرات کے وجود کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں رہتا<sup>(۵)</sup>۔ معاشی ترقی کے سلسلے میں ایک وراہم مسئلہ اسلام کے بارے میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کا ہے۔ جدید عالم اسلام پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ چھپس اسلامی ملکوں میں سے کوئی بھی ترقی یافتہ نہیں ہے۔ یہاں تک کہ کویت اور قطر بھی نہیں جن کی فی کس آمدنی دنیا میں

سب سے زیادہ ہے کہ نیک معیشت کے ہر شعبے میں وہ پسماندہ ہیں 'صرف تیل کے قدرتی عطیے پر ان کی ملات کا دعوہ ہے اس لئے خود اسلام ہی کے بارے میں شکوک و شبہات پائے جاتے ہیں۔ لوگ شعوری یا لاشعوری طور پر مسلمانوں کی ناکامی کو اسلام کی ناکامی سمجھتے ہیں۔ جب مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ علم معاشیات پر مغربی مفکر و نظریات کے تسلط کی وجہ سے اسلامی نظام معیشت اور معاشی ترقی کے بارے میں اس کے 'ناخوش عمل اور تاریخی کردار کے بارے میں لاعلم ہیں تو مغربی مفکرین کا غلط فہمی میں مبتلا ہونا بعید از قیاس نہیں ہے۔

احمد ہانفر کے تجزیے کے مطابق "دو تین مغربی سکالروں کے علاوہ اکثریت یہ سمجھتی ہے کہ اسلام معاشی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔" وہ مثال کے طور پر S.D. Goitein کو پیش کرتے ہیں جس کے مقالے کو وسیع پیمانے پر تقسیم کیا گیا۔ اس کے مطابق مسلم دنیا کے معاشی انحطاط کی وجہ اسلام کا سیکولر زندگی اور ریاست کے بارے میں غیر نیک وادریہ ہے۔ "ایک فرانسیسی سکالر اور بعض دیگر مغربی سکالروں نے اس کے نقطہ نظر کو مسترد کر کے یہ تصور پیش کیا کہ تجارت اور معاشی ترقی میں مسلمانوں کی بد حالی کی وجہ دراصل اسلامی تصوف اور تقدیر پر ایمان ہے جو افراد کے اندرونی محرکات، مہمات اور خطرہ موں لینے کی راہ میں رکاوٹ ہیں جو معاشی ترقی کیلئے بہت ضروری ہیں۔ Bernard Lewes کی رائے میں اسلام کے سلسلے میں مغربی دانش کی عمومیات کے مطابق اس کی وجہ سماجی اقدار بھی ہیں "جیسے خاندان سے واداری، جسے جدید دور میں اقرباء پروری اور قدیم پارسائی و نذاری واداری، جسے تقدیر پرستی کہا جاتا ہے۔" (۱)

یہ ہے معاشی ترقی کے بارے میں دور جدید کے تصورات و نظریات 'اسول و ضوابط اثرات و نتائج کے چند اہم پہلوؤں اور اسلام کے بارے میں پائی جانے والی بعض غلط فہمیوں کا انتہائی مختصر سا خلاصہ 'ان کو سامنے رکھتے ہوئے ہم حضرت عمر فاروق کے خیالات 'تہذبات اور پالیسیوں کا جائزہ لیں تو شاید ہی کوئی ایسا پہلو رو جائے جسے حل کرنے کیلئے ہمیں مکمل رہنمائی نہ مل سکے۔ معاشی ترقی کے بارے میں خود اسلامی نظریے اور حکمت عملی کا جامع اور واضح تصور بھی آپ ہی عہد مبارک پر غور کرنے سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ آپ ہی کے عہد مبارک میں اسلامی ریاست معاشی ترقی کے ہام عروج تک پہنچی۔ اس میں تمام روحانی، اخلاقی، مذہبی، تہذیبی، نفسیاتی، سیاسی، معاشرتی اور معاشی عوامل و متغیرات نے بھرپور کردار ادا کیا۔ آپ نے نہایت دانشمندی اور توازن کے ساتھ انہیں ہمہ پہلو ترقی کیلئے استعمال کیا۔ معاشی ترقی اسلام کے معاشی نظام کا اہم ہدف بھی ہے اور لاری نتیجہ بھی۔ نبی محترم کو پورا یقین تھا کہ آپ نے جس انقلاب کی بنیاد رکھی ہے وہ دنیا میں فقر و فاقہ کی ظلمتوں کی جگہ ترقی و خوشحالی کا اجاں مانے گا۔ خوف و ہشت کی بدلا لپیٹ کر امن و آشتی کا ماحول فراہم کرے گا اور بدشاہت کا خاتمہ کر کے انسانی فلاح و آزادی کی نوید ثابت ہوگا۔ عہد فاروقی آپ کے اسی یقین کی عملی تصویر بن کر دنیا کے سامنے آیا۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں ہی کریم کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک صاحب آئے اور آنحضرتؐ سے فقر و فاقہ کی شکایت کی پھر دوسرے صاحب آئے اور راستوں کے غیر محفوظ ہونے کی شکایت کی۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا "عدی! تم نے مقام حیرہ دیکھا ہے؟" میں نے عرض کی کہ "میں نے نہیں دیکھا ہے" البتہ اس کے متعلق مجھے معلومات ضرور ہیں۔ "آنحضرتؐ نے فرمایا "اگر تم کچھ دنوں اور زندہ رہ سکتے تو دیکھو گے کہ ہودج میں ایک عورت حیرہ سے سفر کرے گی اور کہہ پہنچ کر کعبہ کا طواف کرے گی اور اللہ کے سوا سے کسی کا بھی خوف نہیں ہوگا (کیونکہ راستے محفوظ ہوں گے۔)" میں نے (حیرت سے) اپنے دل میں کہا "پھر قید طے کے اس کو کوں کا کیا ہوگا جنہوں نے ہر جگہ شر و فساد پھیر رکھا ہے۔" آنحضرتؐ نے مزید ارشاد فرمایا "اگر تم کچھ دنوں زندہ رہ سکتے تو کسری کے خزاہوں کو کھولو گے۔" میں (حیرت میں) بول اٹھا "کسری بن ہریر (ایران کا بادشاہ) آنحضرتؐ نے فرمایا "ہاں کسری بن ہریر اور اگر تم کچھ دنوں زندہ رہ سکتے تو دیکھو گے کہ ایک شخص ہے ہاتھ میں سونایا چاندی بھر کر نکلے گا اسے کسی آدمی کی تلاش ہوگی جو اسے قبول کر لے، لیکن اسے کوئی یہ آدمی نہیں ملے گا جو اسے قبول

کرے۔ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا جو در مقرر ہے (قیمت کا) اس دن انسان اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ درمیاں میں کوئی ترجمان نہ ہو گا۔ "اللہ تعالیٰ اس سے دریافت فرمائیں گے" "میں نے تمہارے پاس رسول نہیں بھیجے تھے جس نے تم تک میرا پیغام پہنچا دیا تھا۔" وہ عرض کرے گا "آپ نے بھیجا تھا۔ اللہ تعالیٰ دریافت فرمائیں گے" "میں نے تمہیں مال نہیں دیا تھا؟ کیا میں نے اس کے ذریعہ تمہیں فضیلت نہیں دی تھی؟" وہ عرض کرے گا "آپ نے دیا تھا۔" پھر وہ اپنی داہنی طرف دیکھے گا اور سوا جہنم کے سوا اور کچھ نہیں نظر آئے گا۔ پھر بائیں طرف دیکھے گا اور لاہر بھی جہنم کے سوا اور کچھ نظر نہیں آئے گا۔ عدی رضی اللہ عنہ نے یہاں کیا کہ میں نے رسول اللہ سے سنا "آپ فرما رہے تھے کہ "جہنم سے ذرا اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑے کے دریدہ ہو (اسے صدقہ میں دے کر) اگر کسی کو کھجور کی گھسی میسر نہ آ سکے تو (کسی سے) ایک اچھا ٹکڑہ ہی کہہ دے۔" عدی رضی اللہ عنہ نے یہاں کیا کہ "میں نے بودج میں قہمی ہوئی عورت کو تو خود دیکھ لیا کہ حیرہ سے سفر کیلئے نکلی اور (مکہ پہنچ کر) کعبہ کا اس نے طواف کیا اور اسے اللہ کے سوا اور کسی (ذا کو وغیرہ کا رستے میں) خوف نہیں تھا اور مجاہدین کی اس جماعت میں تو میں خود شریک تھا جس نے کسریٰ بن ہریر کے خزانے فتح کئے تھے اور اگر تم لوگ کچھ دنوں اور زندہ رہے تو وہ بھی دیکھ دے جو حضور اکرمؐ نے فرمایا تھا کہ ایک شخص اپنے اپنے ہاتھ میں (سونا چاندی) بھر کر نکلے گا اور اسے لیے والا کوئی نہیں ملے گا<sup>(۱)</sup>۔" رسول اکرمؐ کی آخری پیش گوئی بھی فاروق اعظمؓ کے عہد میں پوری ہوئی اور یمن کے علاقے میں زکوٰۃ لینے والا کوئی نہ رہا۔ عمرو بن شعیبؓ کہتے ہیں کہ حضرت معاذؓ جب سے رسول اللہؐ نے انہیں یمن بھیجا جہنم میں رہے تا آنکہ رسول اللہؐ اور حضرت ابو بکرؓ کے انتقال کے بعد حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور انہوں نے بھی انہیں ان کی پہلی جگہ پر واپس بھیج دیا۔ پھر حضرت معاذؓ نے ان (حضرت عمرؓ) کے پاس لوگوں کی زکوٰۃ کا تہائی حصہ بھیجا تو حضرت عمرؓ نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہا "میں نے تمہیں مل جمع کرنا جزیرہ وصول کرنے کیلئے نہیں بھیجا بلکہ اس لئے مود کیا ہے کہ تم امیر لوگوں سے وصول کر کے ان کے محتاجوں میں واپس کر دو۔" اس پر حضرت معاذؓ نے کہا "میں نے کوئی ایسی چیز آپ کو نہیں بھیجی کہ یہاں مجھے اس کا کوئی مستحق وصول کرنے والا مل رہا ہو۔" پھر اگلے سال حضرت معاذؓ نے "وہی زکوٰۃ نہیں بھیجی اور دونوں میں پہلی جیسی گفتگو کا بدلہ ہو اور جب تیسرا سال گزرا تو حضرت معاذؓ نے تمام کی تمام زکوٰۃ ان کے پاس بھیج دی اور جو با حضرت عمرؓ نے وہی پہلی ہی بات کہی۔ تب حضرت معاذؓ نے کہا "یہاں مجھے ایک (ضرورت مند) بھی یہاں نہیں ملتا جو مجھ سے کچھ (صدقہ و زکوٰۃ) لینے کا مستحق ہو"<sup>(۲)</sup>۔

### ۳۔ عہد فاروقی ... معاشی ترقی کی پیمائش:

عہد فاروقی میں جو حقیقی اور بے پناہ معاشی ترقی ہوئی اسے جانچنے کیلئے دور جدید کا جو بھی پیمانہ استعمال کیا جائے وہ اسی کی گواہی دیتا ہے۔ خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالتے وقت معیشت کی جو حالت تھی اس کا موازنہ شہادت کے وقت سے کیا جائے تو زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے بلکہ قیصر و کسریٰ کی عظیم اور ترقی یافتہ مملکتوں کے عہد میں خود وہاں کے عوام کی جو معاشی حالت تھی اس کا تقابلی اگر فاروقی حکومت کے زیر سایہ آنے کے بعد کے معاشی حالات سے کیا جائے تو بہت بڑا فرق دکھائی دیتا ہے۔ آپ نے عادلانہ معاہدات، معاشی آزادیاں، مراعات و سہولیات، زراعتی و دفنائی اقدامات، مفتوحہ زمینوں کے حقوق مزارعت کی انہیں فراہمی، ہمارے نیکوں کو ختم کر کے ان کی جگہ جزیرہ و خراج کی نرم شرائط کے بغلارِ رحمت و شفقت کی حکمت عملی، ان میں غربت و افلاس کے خاتمے اور کفالت عامہ کی ذمہ داری قبول کر کے مقامی لوگوں اور غیر مسلموں کو معاشی ترقی کے ثمرات سے بھرپور استفادے کا حق دے دیا جس کی وجہ سے ان کی حالت سنور گئی اور وہ مسلمانوں کو اپنا نجات دہندہ سمجھنے لگے اور اسلامی ریاست کے دفاع کیلئے خود اپنے سابق حکمرانوں اور ہم مذہب فوجوں کے مد مقابل سینہ سپر ہو گئے۔ معاشی ترقی کے رخ کے صحیح ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہی ہوتی ہے کہ اس کا پھیلاؤ معاشرے کے تمام طبقوں اور پیشوں کی طرف ہوتا ہے کہ پسماندہ اور پسے ہوئے

عوام احساس کی حالت میں مثبت تبدیلی پیدا کرتی ہے۔ انہیں حقوق اعتماد اور خوشحالی فراہم کرتی ہے، غیر منصفانہ خوشحالی معاشی تفاوت کو کم کرتی ہے۔ مراعات یافتہ محدود طبقے کی قیادت میں ہے۔ پانچ سو ترقی کے بجائے تیزی کی نشاندہی کرتا ہے۔ فاروق اعظمؓ نے محض شہروں پر توجہ نہیں دی بلکہ دور دورہ کے علاقوں میں سے والے لوگوں، دیہاتیوں اور کسانوں، غریبوں، بیوقوفوں اور مفلوکوں کو خصوصی توجہ کا مرکز بنایا۔ زکوٰۃ کی آمدنی کو مقامی علاقوں میں ہی تقسیم کرنے کی پالیسی کو سختی سے نافذ کرنے کا یہی مقصد تھا جس کی وجہ سے یمن کے پورے علاقے میں زکوٰۃ کا کوئی مستحق نہ رہا<sup>(۱)</sup>۔ اسی طرح قیسے میں روزینے مقرر کرتے وقت بھی دور دورہ کے لوگوں، ضرورت مندوں یہاں تک کہ غلاموں کا بھی خیال رکھا۔

قیس بن حازم کہتے ہیں جب حضرت عمرؓ شام تشریف لائے تو حضرت بلالؓ ان کے پاس آئے اس وقت حضرت عمرؓ کے دربار میں لشکروں کے امراء بھی موجود تھے۔ حضرت بلالؓ پکارنے لگے ”اے عمرؓ، اے عمرؓ، اے عمرؓ“ حضرت عمرؓ نے کہا ”یہ رہا عمرؓ“ تب حضرت بلالؓ نے کہا ”تم ان عوام اور اللہ کے درمیان واسطہ ہو، دور تمہارے اور اللہ کے درمیان کوئی نہیں ہے۔ تم اپنے سامنے کے لوگوں، اپنی جانب والوں اور بائیں جانب والوں پر نگاہ ڈالو۔ خدا کی قسم یہ لوگ جو تمہارے پاس آئے ہوئے ہیں صرف پرندوں کا گوشت کھا کر جی رہے ہیں۔“ حضرت عمرؓ نے کہا ”اے بلالؓ تم سچ کہتے ہو میں اس مجلس سے اس وقت تک نہیں اٹھوں گا تا وقتیکہ یہ (امراء) میری طرف سے اس بات کی ضمانت نہ لے لیں کہ ہر مسلم فرد کو دو مدیہ ہوں اور ان کے مطابق سرکہ اور تیل ملتا رہے گا۔ اس پر ان لوگوں نے کہا ”اے امیر مومنین! ہم سب آپ کی طرف سے ضمانت لیتے ہیں کہ انہیں تاملتار ہے گا اور یہ ہمارا فریضہ ہو گا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مال و دوست اور محصولات کی فراوانی و کشائش کر دی ہے۔“ پھر حضرت عمرؓ نے کہا ”اچھا اب ٹھیک ہے“۔ ”نی کس غلے کی مقدار کے تعین کیسے نہایت سائنٹفک طریقہ اختیار کیا۔“ حارث بن المضر ب کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ایک جریب آٹا گوندھنے کا حکم دیا پھر اس کی روٹیاں پکوائیں اور ان روٹیوں کو زیتون کے تیل میں چور کر کر ڈیہ بنوایا۔ بعد ازاں تیس آدمیوں کو بلا کر دو پہر کو انہیں وہ ڈیہ کھلایا اور انہیں واپس بھیج دیا پھر شام کے کھانے پر بھی ایسا ہی کیا۔ بعد ازاں کہنے لگے ”نی کس ماہنے خوراک کیسے دو جریب غلہ کافی ہے۔“ چنانچہ ہر فرد مرد، عورت، غلام کا دو، دو جریب غلہ ماہوار راتب مقرر کر دیا<sup>(۲)</sup>۔ ”غلاموں کیلئے بھی روزینے مقرر کرنے کا نہایت خوشگوار نتیجہ نکلا مالکان پر ان کے خرچے کا بوجھ کم ہو گیا اور وہ رضاکارانہ طور پر غلاموں کی بھی زکوٰۃ ادا کرنے لگے۔ اس طرح حکومت و عوام کے مابین دو طرفہ تعاون کی عظیم روایت پیدا ہوئی جس نے ترقی کی رفتار تیز کر دی۔

ابو یبہ ”ہمارے خیال میں حضرت عمرؓ نے ان غلاموں کو جن کا بیت المال میں کوئی حصہ نہیں، جو راتب مقرر کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ ان غلاموں کے آقا بیت المال میں ان (غلاموں کی) جانب سے رضاکارانہ زکوٰۃ ادا کرتے تھے چنانچہ اس کے عوض ان کیسے یہ راتب انہوں نے مقرر کر دینے حالانکہ وہ (اولیٰ زکوٰۃ) ان پر واجب نہ تھے۔“ سعید بن المسیب نے اس کی تفسیر یوں کی ہے ”عبد الخالق بن سلمہ شیبانی کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن المسیب سے صدقہ فطر کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے کہا ”رسول اللہ کے زمانہ میں صدقہ فطر کی مقدار نی کس ایک صاع سمجھو یا نصف صاع گہوں مقرر تھی۔“ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مہاجرین کی ایک جماعت نے ان سے جادل خیال کرتے ہوئے کہا کہ ”اگر آپ مناسب خیال فرمائیں تو ہم اپنے غلاموں کی طرف سے دس (صاع) سالانہ بیت المال کو پیش کرتے رہیں۔“ حضرت عمرؓ نے کہا ”یہ تمہارا بڑا اچھا خیال ہے اور میری رائے ہے کہ ان (غلاموں) کیلئے میں ماہانہ دو جریب راتب مقرر کر دوں۔“ چنانچہ اس طرح امیر مومنین (عمرؓ) جو کچھ غلاموں کے نام سے دیتے تھے اس سے زیادہ نہیں دے دیا کرتے تھے۔ (لیکن ان کے بعد جب یہ لوگ (حکام) آئے تو

(۱) حارث بن المضر، تاریخ الخلفاء، ج ۱، ص ۱۰۰ (۲) سعید بن المسیب، تاریخ الخلفاء، ج ۱، ص ۱۰۰ (۳) حارث بن المضر، تاریخ الخلفاء، ج ۱، ص ۱۰۰

کہتے ہیں ”ہمیں دس (صالح) اویسے رہو اور ہم (غلاموں کے) دوجریب دینا بند کر دیں گے۔“ یہ اس کی غلطی ہے اور اس سے کوئی خوشگوار نتیجہ نہیں نکلے گا<sup>(۱)</sup>۔ بہتر معیار زندگی کی فرہمی اور معاشی ترقی کے شرائط کو عوام اساس تک منتقل کرنے اور ان کی فلاح و سہو میں بتدریج اضافہ کرتے جانے کے فارموسے کا اندازہ ہم گفت عامہ کے عنوان سے دیئے ہوئے مواد سے کر سکتے ہیں۔ دور جدید میں معاشی ترقی کی پینائٹس کا دوسرا اہم طریقہ حقیقی قومی آمدنی میں اضافے کو چاہنا ہے۔ ”ریاست کے معاشی کردار“ کے عنوان کے تحت ہم ابتدا ہی میں یہ جائزہ لے چکے ہیں کہ عہد نبوی اور عہد صدیقی میں ضروریات کے مقابلے میں آمدنی کم رہی اس لئے پالیسی یہ رہی کہ ریاست کو حاصل ہونے والا سامان اہل ہی اور تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ عہد نبوی میں یکمشت حاصل ہونے والی زیادہ سے زیادہ آمدنی آٹھ لاکھ تک پہنچی وہ بھی صرف ایک مرتبہ۔ اسی طرح عہد صدیقی میں ایسی ہی صورتیں رہی اور حاصل ہونے والی ساری آمدنی فوراً خرچ کر دی جاتی تھی۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی چھ ماہ تو انھیں زکوٰۃ کو کنٹرول کرنے اور جھوٹے مدعیان نبوت کی سرکوبی اور اسلامی اقتدار کو بحال کرنے میں صرف ہوئے البتہ سیاسی استحکام حاصل ہونے کے بعد حاصل کی آمدنیوں میں اضافہ ہوا مثلاً زکوٰۃ کی آمدنی بحال ہوئی تو حکومت کے ذریعے مستحقین میں تقسیم کر دینے کا سلسلہ بہتر ہوا جو بھی مال آتا ابتدا میں بیت المال میں رکھا جاتا۔ معاون قبیلہ بنی نضیم سے بہت سامان آیا یہ سب بیت المال میں رکھا جاتا<sup>(۲)</sup>۔ آنے والی آمدنی کو نام بنام برابر برابر تقسیم کرتے، آزاد اور غلام، مرد اور عورت، خرد و کل سب کو مساوی رکھتے۔ مساوات اونٹ، گھوڑے اور ہتھیار خرید کر دگوں کو جہاد کیلئے سوار کرتے۔ ایک سال انہوں نے باویہ سے لائی ہوئی چادریں خرید کر یوواں میں تقسیم کر دیں۔ غنیمت سے حاصل ہونے والے مال کے فیس میں بھی اضافہ ہوا۔ مسلمہ کذاب اور اس کے پشت پناہ قبیلے بنو حنیفہ کے سرنگوں ہونے پر صبح نامہ کی شرائط میں سونا، چاندی، مویشی، ہرست کے ایک باغ اور پسندیدہ مزرعہ رکھی گئیں، جن سے ریاست کو بھی کافی آمدنی حاصل ہوئی<sup>(۳)</sup>۔ بعد ازاں عراق و شام کی جانب مجاہدین کی پیش قدمی کے دوران مال غنیمت اور جزیہ و خراج کی رقبیں دار الخلافہ میں آنا شروع ہوئیں۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صفر ۱۱ھ میں حیرہ فتح ہوا تو وہاں کے لوگوں نے دس ہزار دینار مسری کے موتی اس کے خاندان کی متروکہ زمینیں اور چار درہم فی کس کے صہب سے سالانہ جزیہ ادا کرنے پر صلح کر لی۔ نواحی علاقوں نے دس یا بیس لاکھ درہم سالانہ ادا کرنے پر مصالحت کی<sup>(۴)</sup>۔ آپ کی پالیسی یہی رہی کہ جتنا مال آتا تھا اسے جلد از جلد تقسیم کر دیتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ ”میرے والد نے اپنی خلافت کے پہلے سال غنیمت تقسیم کی۔ انہوں نے ہر آزاد، غلام، عورت اور اس کی باندی کو دس دس درہم دیئے۔ دوسرے سال غنیمت تقسیم کی تو میں‘ میں درہم دیئے“<sup>(۵)</sup>۔

حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں بیت المال ان کی جائے قیام ”حنہ“ میں تھا اس کا کوئی محافظ نہیں ہوتا تھا۔ ان سے کہا گیا اے صدیق! رسول آپ بیت المال میں کسی ایسے شخص کو مقرر کیوں نہیں کر دیتے جو اس کی حفاظت کرے۔ اس پر انہوں نے جواب دیا ”کوئی اندیشہ نہیں۔“ راوی کے لہجوں میں سے پوچھا ”کیوں؟“ انہوں نے کہا ”وہ مقفل ہے۔“ راوی کہتے ہیں کہ ”اس میں جو کچھ ہوتا تھا وہ دے دیا کرتے تھے۔ جب وہاں سے مدینے منتقل ہوئے تو بیت المال بھی اس مکان میں منتقل کیا جس میں عہد نبویؐ میں تھا“<sup>(۶)</sup>۔ ”آپ کی وفات کے بعد جب اسے کھولا گیا تو اس میں صرف ایک تھیلی ملی، جس میں سے صرف ایک درہم نکلا۔ عہد نبویؐ میں ایک وزن کرنے والا تھا حضرت ابو بکرؓ کے پاس جو مال آتا وہی وزن کر لیتا تھا۔ اس سے پوچھا گیا کہ ان کے پاس آنے والا مال کس مقدار کو پہنچا تو اس نے جواب دیا ”دو لکھ درہم“<sup>(۷)</sup>۔ ”معاشی ترقی کو قومی آمدنی میں اضافے کے پیرے سے اگر ماپا جائے جیسا کہ دور جدید میں سب سے زیادہ ترجیح اسی کو دی جاتی ہے تو ہمیں معلوم

(۱) عہد ۲۳۱ھ (۲) عہد ۲۳۱ھ (۳) عہد ۲۳۱ھ (۴) عہد ۲۳۱ھ (۵) عہد ۲۳۱ھ (۶) عہد ۲۳۱ھ (۷) عہد ۲۳۱ھ

ہو تا ہے کہ آپ کے عہد مبارک میں اس میں جو اضافہ ہوا اس پر تحقیق کرے اور اس کا مکمل احاطہ کرنے کیلئے ایک الگ مقالے کی ضرورت ہے۔ اس وقت کے معاشی نظام اور حالات کو سامنے رکھتے ہوئے بیت المال کو بنیاد میں رکھنا ممکن ہے کہ اس پر ملک کے تمام لوگوں کا حق سمجھا جاتا تھا۔ اس کے تمام درجہ آمدن میں سب پناہ صاف ہوا۔ یہ بروقت بھر دیا جاتا تھا۔ اس سے تمام ضرورت مندوں کی کفالت کی جاتی تھی اسی سے عوام کے وظائف مقرر ہوئے۔ اسی سے تمام سرکاری اخراجات پورے ہوتے تھے۔ ملاقوں میں تعمیر و ترقی کے منصوبوں پر عمل ہوتا تھا۔ آپ نے صوبائی سطح پر بھی بیت المال قائم کر کے تاکہ مقامی ضروریات کو بروقت و درستی سے پورا کیا جاسکے۔ مثلاً کوفہ میں حضرت سعدؓ نے مرکزی مسجد کے محراب کے سامنے ایک محل بنایا اس میں بیت المال بھی تھا خود بھی وہیں رہتے تھے۔ اتفاق سے کسی نے عقب لگا کر کچھ مال چرایا حضرت سعدؓ نے گھر اور بیت المال کا محل وقوع حضرت عمرؓ کی طرف لکھ بھیجا۔ انہوں نے تحریر فرمایا ”تم مسجد کو اس طرح منتقل کر دو کہ وہ گھر کے پہلو میں ہو اور گھر قبلہ رو ہو کیونکہ مسجد رات دن آباد رہتی ہے اور ان لوگوں کی بدولت بیت المال محفوظ رہے گا“<sup>(۱)</sup>۔

بیت المال کی آمدنی کا آپ کے ابتدائی دور میں سب سے بڑا ذریعہ مال غنیمت تھا۔ فتوحات کے نتیجے میں پانچواں حصہ سرکاری خزانے میں آتا تھا۔ فاروق اعظمؓ نے جب خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالیں تو عراق کے سرحدی علاقے فتح ہو چکے تھے اور سوہو کا بھی آدھا حصہ مسلمانوں کے زیر قبضہ آچکا تھا۔ اور ہر شام میں مہمات جاری تھیں کئی علاقوں سے ہر قل کی فوجیں پسپا ہو چکی تھیں اور دمشق مسلمانوں کے محاصرے میں تھا<sup>(۲)</sup>۔ آپ نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالتے ہی لوگوں کو فارس اور عراق کی طرف جہاد کیلئے تیار کیا۔ طبری کی روایت کے مطابق جس وقت حضرت ابو بکرؓ کی وفات ہوئی حضرت عمرؓ نے نماز فجر سے قبل سب سے پہلے جو کام کیا وہ یہ تھا کہ لوگوں کو ثقی بن امارہ شیبانی کے ساتھ اہل فارس کی لڑائی پر آمادہ کیا۔ جب صبح ہوئی تو لوگوں سے بیعت لی پھر جنگ فارس (عراق) کیلئے مدعو کیا۔ لوگ بیعت (خلافت) کیلئے گاتا آتے رہے۔ تیس روز میں بیعت سے فراغت ہو گئی آپ لوگوں کو ہر روز جنگ فارس کیلئے ابھارتے رہے مگر کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی کیونکہ اہل فارس کے تسلط، شوکت اور مختلف اقوام پر اس کی حکمرانی کی وجہ سے عربوں کے دلوں میں ان کا بہت زیادہ رعب چھایا ہوا تھا وہ ان کی طرف رخ کرتے ہوئے گھبراتے تھے۔ چوتھے ان پر لوگوں کو جنگ عراق کی دعوت دی چنانچہ سب سے پہلے جس لوگوں نے اس پر لبیک کہی وہ ابو عبید بن مسعود اور سعد بن عبید انصاری بعد ازاں دیگر مسلمانوں نے اس جنگ کیلئے اپنی خدمات پیش کرنا شروع کر دیں۔ جب فوج تیار ہو گئی تو آپ نے لوگوں کے مصررے کے باوجود کسی سابق لاسلام شخص کو میر بنانے کے بجائے ابو عبید بن مسعود کو امیر مقرر کیا اور فرمایا ”بخدا میں ایسے ہی شخص کو اس فوج کا میر بنوں گا جس نے سب سے پہلے اپنا نام جہاد کیلئے پیش کیا ہے“<sup>(۳)</sup>۔ ان مہمات کیلئے لوگوں کو آمادہ کرنے کیلئے خوف دور کرنا اور معاشی محرکات فراہم کرنا ضروری تھا چنانچہ حضرت ثقی بن حارثؓ نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا ”اے لوگو! تم عراق کی جنگ کو کوئی بہت بڑا سر نہ سمجھو کیونکہ ہم نے فارس کے شاداب علاقوں پر قبضہ جمالیا ہے اور سواد کے بہترین نصف پر ہم غالب ہو گئے ہیں اور تقسیم کر کے ہم اس سے بہت کچھ حاصل کر چکے ہیں اور ہمارے پیش رو افراد کو ان پر جرأت حاصل ہو گئی ہے۔ خدا کی ذات سے امید ہے کہ آئندہ بھی ہم کو ایسی ہی کامیابی حاصل ہوگی“<sup>(۴)</sup>۔

بعد میں حضرت عمرؓ نے جامع تقریر کی اسلام کے خلیفہ اللہ کی رضا جوئی کے ساتھ ساتھ معاشی فوائد و ترقی کی طرف بھی اشارہ کیا تاکہ دین و دنیا دونوں کی بھلائی کا حصول قوت محرکہ کے طور پر کام کرے اور ہر طرح کے لوگوں کو متحرک کر دے۔ اسلام میں دونوں چیزیں ہیں پسندیدہ ہیں۔ اگرچہ مقصود اعلیٰ آخرت ہی کی بھلائی ہے۔ روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر یہ تقریر کی کہ ”مسلمانو! تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ تجار میں تمہاری بود و باش کی صرف یہی صورت ہے

کہ تم چارے کی تلاش میں ادھر ادھر گھومتے رہو اس کے سو کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے۔ کہاں ہیں وعدہ لہی پر غربت اختیار کرنے والے اور وطن ترک کرنے والے تم سب ملک میں جاؤ جس کے وارث بنانے کا خدا نے تم سے پتی کتاب میں وعدہ کیا ہے کیونکہ وہ قرآن میں فرماتا ہے "ليظهره على الدين كله" (۱)۔ (ترجمہ) تاکہ تم مذہب پر سلام کو غالب کر دیا جائے) اللہ تعالیٰ اپنے دین کو غالب اور س کے مددگاروں کو عزت دینا چاہتا ہے اور ان کو دوسری قوموں کے ملک و دولت کا ولی بنانا چاہتا ہے خدا کے نیک اور صالح بندے کہاں ہیں (۲)؟ ہو ایسی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ چر کر دیا۔ ایک طرف تو اسلام کو ایسا غلبہ نصیب ہوا کہ "ج تک کوئی اور دین اس کے مد مقابل نہیں" سکا۔ ان شاء اللہ قیامت تک ایسا ہی رہے گا اور دوسری طرف مسلمانوں کے قدموں میں قیصر و کسری کے بے بہا خزانوں کے ذخیرہ لگ گئے لوگ بھی خوشحال ہو گئے اور قوی خزانہ بھی بھر گیا۔ باذری کی روایت ہے کہ از دیوں کی ایک جماعت جو شام پر جسے کارا اور رکھتی تھی آپ نے سے عراق پر جسے کی دعوت دی اور آل کسری کی غمگینوں کا شوق دمایا۔ انہوں نے کہا آپ کو اختیار ہے جہاں بھیجیں آپ نے انہیں العراق کی طرف کوچ کا حکم دیا۔ سی طرح جریر بن عبد اللہ سے عراق چائے کیسے قوم کی خاطر مفتوح کے ایک چوتھائی کی شرط رکھی تو آپ نے قبول کر لی (۳)۔ مال غنیمت سے جو آمدنی حاصل ہوتی اس کا اندازہ حسب ذیل تفصیلات سے لگایا جاسکتا ہے۔ شام میں جنگ یرموک کا آغاز تو عہد صدیقی میں ہوا لیکن مکمل فتح حضرت عمر فاروق کی خلافت سنبھالنے کے بیس دن بعد ہوئی۔ اس میں مجاہدین کی تعداد چھیالیس ہزار تھی (۴) ہر سو ر کے حصے میں پندرہ سو درہم آئے۔ اس طرح آٹھ کروڑ چالیس درہم بنتے ہیں جو تقسیم ہوئے۔ اس حساب سے قومی خزانے میں دو کروڑ آٹھ لاکھ درہم آئے ہوں گے۔

خلافت کے پہلے ہی سال ابو عبیدہ کی قیادت میں فارس کی بے شمار مہمات کے دوران مال غنیمت ہاتھ آیا ہوگا جس کی تفصیل کتب تاریخ میں موجود نہیں ہے ان میں سے کسری کی ایک فوج کا سپہ سالار "نرسی" تھا جو س کا خا۔ زاد بھائی تھا۔ عراق کے بعض اقطاع اس کی قدیم عہد سے جاگیر تھے۔ کسکر مہم کے بارے میں طبری کی روایت ہے کہ ابو عبیدہ نے دشمن کے پڑاؤ کے اطراف کسکر کا تمام علاقہ برہاد کر دیا اور مال غنیمت جمع کر لیا۔ کھانے کے بے شمار ذخیرے ہاتھ آئے۔ ابو عبیدہ نے اپنے قریب کے عربوں کو بلایا اور انہوں نے جتنا چاہا لے گئے۔ نرسی کے تمام خانوں پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا مگر مسلمانوں کو سب سے خوشی باغ نریاں کو حاصل کر کے ہوئی کیونکہ نرسی کی بڑی حفاظت کرتا تھا اور اس کے ذریعے سے ساططیں فارس کو اپنا دوست بناتا رہتا تھا۔ مسلمانوں نے اس باغ کو "ہیں میں تقسیم کر لیا اور اس کے پھل کاشتکاروں تک کو کھلائے اور اس کا فیس مٹری خدمت میں رسال کیا اور آپ کو لکھا کہ "لہ تعالیٰ سے ہم کو وہ چیزیں کھانے کیلئے عطا فرمائی ہیں جن کی ساططیں فارس حفاظت کرتے تھے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ بھی ان چیزوں کو ملاحظہ فرمائیں" درہم پر خدا کے فضل و انعام کو دیکھیں (۵)۔

اس سب حضرت شعی کی زیر قیادت فافس کے مقام پر بہت بڑی منڈی پر جہاں سواد اور مدائن کے تاجر کھٹے ہوتے تھے اچانک چھاپہ مار گیا۔ وہاں سے کس قدر مال حاصل ہو ہوگا اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ شعی نے مسلمانوں کو حکم دیا تھا کہ صرف سونا اور چاندی سو اور ہر شخص اتنا سامان لے جتنا وہ اپنی سواری پر لاد سکتا ہو۔ ہار کے سب لوگ بھاگ گئے سونا چاندی اور نفیس ترین سامان مسلمانوں کے حصے میں آیا (۶)۔ ان ساری جنگوں میں سب سے زیادہ مال غنیمت جس میں حاصل ہوا وہ فتح مدائن ہے جو کہ کسری کا پایہ تخت تھا۔ جہاں ان کے وسیع محل اور خزانے تھے۔ یہ ۶ھ میں حضرت سعد بن ابی وقاص کی زیر قیادت فتح ہوا۔ دجلہ اس مشہور اور خوبصورت شہر کے درمیان سے گزرتا تھا۔ ایک بڑے پل نے دونوں حصوں کو ماریا کھا تھا۔ مسلمان جب پہنچے تو پل توڑ دیا گیا چنانچہ مسلمانوں نے گھوڑے اور آدمیوں میں ڈال دیے اور دوسرے کنارے پر پہنچ گئے۔ مشرکوں نے پانی۔ لہر پڑا۔ غم خیز آدمی کو س طرح عبور کرتے دیکھ تو یہ کہہ کر بھاگ گئے کہ یہ انسان





نہیں سن ہیں۔ طبری نے ابن ربیع سے روایت کی ہے کہ جب مسلمانوں نے اہل عجم کو پانی میں شکست دے کر خشکی کی طرف پھر خشکی سے بھی نکال کر مال و دولت سے محروم کر دیا تو اسے اس مال کے جو وہ پہلے بھیج چکے تھے۔ کسری کے خزانوں میں تیس ارب کا مال تھا انہوں نے نصف مال و ختم کے ساتھ بھیج دیا تھا اور باقی نصف مال خزانوں میں موجود تھا<sup>(۱)</sup>۔ جبکہ بن کثیر نے لکھا ہے کہ جب مسلمان سطر زمین پر کھڑے ہو گئے اور گھوڑے اپنی ایال جھاڑتے ہوئے اور ہنساتے ہوئے باہر نکلے تو اجم کے پیچھے چل پڑے حتیٰ کہ مدائن میں داخل ہو گئے اور وہاں انہوں نے کسی شخص کو نہ پایا بلکہ کسری سے اپنے اہل اور جس قدر وہ مال و متاع اور خزانے لے سکتے تھے انہیں اٹھالیا اور بن مویثیوں، کھڑوں، ساز و سامان، برتنوں، تحائف اور تیل کے اٹھانے سے وہ عاجز ہو گئے انہیں ترک کر دیا جن کی قیمت کے متعلق معلوم نہیں وہ کتنی تھی اور کسری کے خزانہ میں ۹ ارب دینار تھے۔ انہوں نے ان سے اتنے لے جتنے وہ لے جاسکتے تھے اور جن کو اٹھانے سے عاجز آ گئے انہیں چھوڑ دیا۔ اہل کی مقدار نصف یا اس کے قریب قریب تھی<sup>(۲)</sup>۔ ابن اثیر نے بھی اسی روایت کو ترجیح دی ہے<sup>(۳)</sup>۔

کسری سے حاصل ہونے والی ایک ایک چیز جتنی قیمت میں کی اسے سامنے رکھا جائے تو عمارہ ابن کثیر کی روایت زیادہ صحیح نظر آتی ہے۔ ان خزانوں میں موجود مال کے علاوہ مسلمانوں کے دستوں کو ایسے اموال بھی ملے جو وہ نکال کر لے جا رہے تھے۔ مال غنیمت میں حاصل ہونے والے خزانے میں کس طرح کی چیزیں تھیں؟ ان کی تفصیل کتب تاریخ میں موجود ہے جو پڑھنے والوں کو حیران کر دیتی ہے دیکھنے والوں کا کیا عالم ہو گا؟ ابن کثیر نے اس کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا ہے۔ پھر آپ نے کسری پر زگرہ کے پیچھے دتے بھیجے جہیں ایک گروہ آٹھ اہل انہوں نے اس کو قتل کر دیا اور بھگادیا اور ان سے بہت سے اموال چھین لئے اور انہوں نے زیادہ تر کسری کے لباس، تاج اور زیورات کو واپس لینا چاہا اور حضرت سعدؓ اہل موال و خزانے اور تحائف کے حاصل کرنے میں مشغول ہو گئے جن کی قیمت نہیں لگائی جاسکتی اور نہ کثرت و عظمت کے باعث ان کا مد و شمار کیا جاسکتا ہے اور ہم نے بیان کیا ہے کہ وہاں چونہ گج کے جسمے تھے۔ حضرت سعدؓ نے ان میں سے ایک کو دیکھا جو اپنی انگلی سے ایک جگہ کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ حضرت سعدؓ نے فرمایا: ”اسے یہاں اس طرح بے کار طور پر نہیں رکھا گیا۔“ انہوں نے اس کی انگلی کے سامنے عداقت کی ناکہ بندی کر لی اور اس کے سامنے انہوں نے پہلے اکاسرہ کے خزانے میں سے ایک بہت بڑا خزانہ پایا اور اس سے بہت سے اموال قیمتی خزانے اور عمدہ تحائف نکالے اور جو کچھ وہاں تھا مسلمانوں نے اس پر قبضہ کر لیا اور دنیا میں سے کسی نے ان سے عجیب چیز نہ دیکھی ہوگی۔ اور ان میں نفیس جواہر سے مرصع تاج بھی تھا جس سے آنکھیں خیرہ ہو جاتی تھیں اور اسی طرح اس کی پٹنی، کنگار، کنگن، قہاء اور اس کے محل کا تاجین بھی تھا۔ محل ہر جانب سے ساتھ مرصع گز تھا اور قالین بھی اس کے پر تھا جو موتے، موتیوں اور قیمتی جواہرات سے بنا ہوا تھا۔ نیز اس میں کسری کے تمام مملکت کی تصویر تھی یعنی اس کے شہروں کی نہروں، قلعوں، صوبوں، خزانوں، کھیتوں اور درختوں سمیت تصویر موجود تھی اور جب وہ تخت حکومت پر بیٹھا کرتا اور اپنے تاج کے نیچے داخل ہو جاتا اس لئے کہ اس کا تاج سنہری رنجیروں کے ساتھ معلق تھا اور وہ اسے اس کے بوجھ کی وجہ سے اپنے سر پر نہیں اٹھا سکتا تھا بلکہ وہ آکر اس کے پیچھے بیٹھ جاتا پھر اپنے سر کو تاج کے نیچے داخل کر دیتا اور سنہری رنجیریں اسے اٹھائے رکھتے اور وہ اسے پہننے کی حالت میں چھپائے رکھتا اور جب پر وہ ہٹا دیا جاتا تو امراء اس کو بجدہ کرنے کیسے گڑتے اور وہ ہنسی، کنگن، تلوار اور جواہرات سے مرصع قہاء بھی پہنتا اور ایک ایک شہر پر غور کرتا اور ان کے بارے میں اور وہاں کے تاجین کے متعلق دریافت کرتا۔ نیز یہ کہ کیا وہاں کوئی واقعہ ہوا ہے؟ اور اس کے متعلق اس کے سامنے پیشے ہوئے مستظہمین، موراء خبر دیتے، پھر وہ دوسرے شہر کی طرف منتقل ہو جاتا اور اس طرح وہ ہر وقت اپنے تمام شہروں کے حالات کے متعلق دریافت کرتا اور مملکت کے معاملات کو غیر محکمہ چھوڑتا اور انہوں نے اسے شہروں کے حالات بتوانے کیسے یہ قالین اس کے

کے سامنے رکھا تھا اور سیاست کے معاملہ میں یہ ایک بہت بہتر بات تھی اور جب اللہ کا فیصلہ آگیا تو ان ممالک اور ارضی سے ان کا قبضہ جاتا رہا اور مسلمانوں نے پروردگار کی قوت ان کے ہاتھوں سے انہیں لے لیا اور ان علاقوں میں ان کی قوت و شوکت کو توڑ پھوڑ دیا اور حکم الہی سے ان کا خاتمہ کر کے انہیں حاصل کر لیا اور حضرت سعد بن ابی وقاص نے مقبوضہ اموال پر حضرت عمرو بن مقرن کو افسر مقرر کیا اور یہ پہلا مال تھا جو قصر بنیض کسری کے مکانات اور مدائن کے مائے ماندہ گھروں سے حاصل ہوا اور محل میں جو کچھ تھا اس کا ذکر ہم کر چکے ہیں اور جو مال ان دستوں نے دیا جو زہرہ بن حویہ کی معیت میں تھے اور زہرہ نے جو کچھ واپس کیا اس میں وہ شجر بھی تھا جسے انہوں نے برائیدوں سے چھینا تھا اور وہ تلواروں کے ساتھ اس کی حفاظت کر رہے تھے۔ پس آپ نے اسے ان سے چھڑایا اور فرمایا: "بلاشبہ اس کو اہمیت حاصل ہے اور آپ نے اسے مقبوضہ اموال کی طرف لوٹا دیا۔" کیا دیکھتے ہیں کہ اس پر دو جامہ دان ہیں جن میں کسری کے کپڑے اور زیورات تھے اور وہ لباس بھی تھا جسے وہ تخت پر پہنا کرتا تھا جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور دوسرے شجر پر دو جامہ دانوں میں اس کا وہ تاج تھا جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں جسے صحابہ السراپانے رستے سے چھینے ہوئے مال سے واپس کیا اور دستوں نے جو کچھ واپس کیا اس میں عظیم اموال تھے جن میں زیادہ تر کسری کا ساز و سامان تھا اور نفیس اشیاء کو وہ اپنے ساتھ لے گئے تھے پس مسلمانوں نے انہیں مل کر ان سے نفیس اشیاء چھین لیں اور ایرانی قائلین کو بوجھل ہونے کی وجہ سے نہ اٹھا سکے اور نہ ہی اموال کو ان کی کثرت کی وجہ سے اٹھا سکے اور مسلمان بعض گھروں میں آتے تو وہ گھر کو چوٹی تک سونے اور چاندی کے برتنوں سے بھر پاتے اور بہت سا کافور بھی پاتے جسے وہ تنک خیال کرتے اور ہساوقات بعض ان میں سے اسے آٹے میں استعمال کر دیتے اور سے کڑوا محسوس کرتے۔ یہاں تک کہ انہیں اس کی حقیقت معلوم ہو گئی اور غیبت میں بہت سے اموال حاصل ہوئے اور حضرت سعد نے اس کا نفس بگایا اور حضرت سلمان فارسی کو حکم دیا تو انہوں نے چار اخماس کو غنیمت حاصل کرنے والوں میں تقسیم کر دیا اور ہر گھڑ سوار کو ہارہ ہزار درہم ملے اور وہ سب کے سب ہی گھڑ سوار تھے اور بعض کے ساتھ کوئلے بھڑکے بھی تھے اور حضرت سعد نے مسلمانوں سے قائلین کے پانچ، خمس اس میں سے چار خمس در کسری کا لباس طلب کیا تاکہ اسے حضرت عمرؓ اور مسلمانان مدینہ کے پاس بھیج دیں اور وہ اسے دیکھ کر متعجب ہوئے۔ ہاں انہوں نے آپ کو بخوشی اجازت دے دی اور حضرت سعدؓ نے بشر بن الحصاصیہ کو خمس کے ساتھ حضرت عمرؓ کے پاس بھیجا اور جس شخص نے اس سے قبل آپ کو فتح کی بشارت دی تھی وہ حلیس بن فلان اسدی تھے اور ہم نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت عمرؓ اسے دیکھا تو فرمایا: "بلاشبہ ان لاگوں نے اس مال کو امناء کے سپرد کیا ہے" تو حضرت علیؓ بن ابی طالب نے آپ سے کہا: "آپ عقیف ہیں اس سے آپ کی رعیت بھی عقیف ہے اور اگر آپ عیش و عشرت کرتے تو وہ بھی عیش و عشرت کرتی پھر حضرت عمرؓ نے اسے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا اور حضرت علیؓ کو قائلین کا ایک ٹکڑا ملے گا جسے آپ نے بیس ہزار درہم میں فروخت کر دیا۔

اور سیف بن عمر نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے کسری کے کپڑے ایک لکڑی کو پہنا کر اسے اپنے سامنے گاڑ دیا تاکہ لوگ اس کی حیران کن خوبصورتی اور دنیا کی فانی زندگی کی چمک دکھ کر دیکھ سکیں اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے کسری کے کپڑے بنی مدجن کے امیر حضرت سراقہ بن مالک بن جشم کو پہنائے<sup>(۱)</sup>۔ آپ نے انہیں فرمایا: "کہو اللہ کبر" انہوں نے اللہ کبر کہا پھر فرمایا: "کہو اس اللہ کا شکر ہے جس نے انہیں کسری بن ہر مڑ سے چھینا اور بنی مدجن کے ایک بد سراقہ بن مالک کو پہنایا۔" طبری نے روایت کی ہے کہ کسری کی پوشاکیں سب سے قویٰ بیشخص محکم کو بھی پہنائی گئیں۔ کسری (ایران کے بادشاہ) کے سامان آرائش اور اس کی ممتاز تقریبات کی پوشاکیں لائی گئیں۔ کسری ہر موقع اور ہر تقریب پر ایک مختلف لباس پہنا کرتا تھا اس لئے مختلف قسم کی پوشاکیں جمع کی گئیں تھیں۔ ایسے موقع پر حضرت عمرؓ فرمایا: "میرے پاس محکم کو دو۔" اس وقت مدینہ منورہ کی سرزمین میں اس سے بڑھ کر کوئی قویٰ الجسم انسان نہ تھا۔

کسری کا تاج لکڑی کے دو ستونوں کے درمیان میں بٹھا کر پہنایا گیا، نیز تمام شاہی باروں، شاہی لباس اور سامان آرائش سے اسے آراستہ کیا گیا، پھر اسے لوگوں کے سامنے بٹھایا گیا۔ حضرت عمرؓ اور تمام مسلمانوں نے یہ منظر دیکھا تو انہوں نے دنیا کا ایک عجیب و غریب نقشہ نگاہ کیا۔ پھر وہ کھڑا ہو گیا، اس کے بعد اس نے دوسری پوشاک زیب تن کی اس وقت ایک دوسری نوعیت کا منظر تھا۔ اس سے بعد اسے ہر قسم کے لباس میں پیش کیا گیا اور اسے بادشاہ کے ہتھیار بھی پہنائے گئے اور اس کی تلوار بھی اس کے گلے میں لٹکائی گئی۔ مسلمانوں نے ان مختلف مناظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا ”وہ مرد مسلمان کس قدر احمق ہو گا جسے دنیا فریفت کر لے وہ فریب خود گی سے آگے نہیں بڑھ سکتا جو تم نہیں دیکھا۔ کسری نے جو کچھ دیکھا اس کے اندر مسلمانوں کیسے بھڑائی نہیں بلکہ برائی ہے۔ کسری دنیا کی خستوں میں مشغول رہا اور آخرت کیسے کچھ نہ کیا۔ اس نے اپنے رشتہ داروں، دلداد اور بہو وغیرہ کیلئے مال جمع کیا اور اپنے آگے کیسے کچھ نہیں بھیج سکا۔ وہ شخص کس قدر احمق ہے جس نے لوگوں کیلئے مال جمع کیا ہو یا اپنے دشمن کو اس سے فائدہ پہنچایا ہو“ (۱)۔

قیس بن حازم کا بیان ہے کہ جب ہم مدائن پہنچے تو ہم نے وہاں قیام کیا اور جو کچھ وہاں تھا ہم نے تقسیم کیا اور حضرت عمرؓ کو پانچواں حصہ بھیجا۔ اس کے بعد مدائن کو اپنا وطن بنالیا، اسی اثناء میں ہمیں خبر ملی کہ مہربان نے جلوس اپنا لشکر جمع کر رکھا ہے، وہاں خندق بھی کھودی ہے نیز اہل موصل نے عکرمیت میں لشکر جمع کر لیا ہے۔ حضرت عمرؓ کو حضرت سعدؓ نے اس کی اطلاع دی تو انہوں نے ہاشم بن عبد کی قیادت میں بارہ ہزار سپاہیوں کا لشکر جلاوا بھیجے کا حکم دیا جس میں بھی بوقت ضرورت دو سو سواروں کے ذریعے تین دفعہ امداد کی گئی (۲)۔ ہاشم نے معرکے کے دنوں میں تقریر کرتے ہوئے مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا ”تم اللہ کیلئے مہادری کے ساتھ جنگ کرو، تمہیں ثواب بھی ملے گا اور مال غنیمت بھی تم اللہ کیلئے کام کرو“ (۳)۔ اس کثیر کا کہنا ہے کہ اس مہم میں بھی مسلمانوں کو مدائن جتنا سامان ملا (۴)۔ ان میں خالد بن ولید کو ملنے والی سونے یا چاندی کی ایک اونٹنی بھی تھی جس کے گلے میں موتیوں اور یا قوت کے ہار پڑے ہوئے تھے۔ اس پر ایک سونے کا بنا ہوا مرد سوار تھا اس کے گلے میں بھی قیمتی ہار تھا۔ وہ اس اونٹنی اور مرد کو لائے اور خزانے میں جمع کرادیا (۵)۔ محمد مظلوم اور مہلب سے روایت یہ ہے کہ جلوس کے معرکے میں ہر سوار کو ہزار نقد اور ۹۰ مویشی ملے۔ شعی کے مطابق اللہ نے مسلمانوں کو اہل عجم کے تمام مال غنیمت اور مویشی دلانے، وہ بہت کم مال لے کر بھاگے۔ اس جنگ میں ہر سوار کو اسی قدر حصہ ملا جس قدر مدائن میں ملا تھا۔ مال تقسیم کیا گیا تو تین کروڑ تھا اس کا خمس ساٹھ لاکھ تھا (۶)۔ حضرت سعدؓ نے خمس میں سے سونے چاندی کے برتن اور کپڑے نقدی ابن عمرو کے ہاتھ اور جنگی قیدی ابو مغرہ کے ہاتھ روانہ کئے۔ جب آپ کے پاس یہ مال پہنچا تو آپ نے فرمایا ”اس کو کوئی چھت پوشیدہ نہیں کرے گی بلکہ بہت جلد تقسیم کر دوں گا۔“ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ مسجد کے صحن میں اس مال کی رات بھر حفاظت کرتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت عمرؓ لوگوں کے ساتھ مسجد میں آئے مال غنیمت پر سے چادریں اٹھائی گئیں تو آپ نے یا قوت روبرو جدہ اور جوہرات دیکھے انہیں دیکھ کر روئے لگے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے پوچھا ”اے امیر المومنین! آپ کیسے روتے ہیں یہ تو شکر کا مقام ہے۔“ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”خدا کی قسم! مجھے اس بات پر رونا آ رہا ہے کہ اللہ جس قوم کو یہ مال عطا کرتا ہے تو ان میں باہمی بغض و حسد پیدا ہو جاتا ہے۔ جب بغض و حسد پیدا ہو جاتا ہے تو خانہ جنگی شروع ہو جاتی ہے۔“ آپ کو قادیہ کے خمس کے بارے میں وقت پیش آئی تھی اس مال کو اس کے باشندوں میں تقسیم کیا۔ اسی طرح آپ نے جلوس کا خمس بھی قادیہ کے خمس کی طرح مسلمانوں کے مشورے اور اتفاق رائے سے تقسیم کیا۔ آپ نے بعض اہل مدینہ کو بھی عطیات دیئے (۷)۔ اسی طرح مہبت کا مسجد بڑھاتا گیا ۱۶ھ ہی میں حلوہ۔ بعد تحریر فتح ہو۔ اس میں ہر سوار کو تین ہزار اور پیادہ کو ایک ہزار ملا۔ خمس فرات بن حیان کے ہاتھ حضرت

(۱) صحیح مسلم ۱/۲۳۰ (۲) ۲۵۲/۲ (۳) ۲۵۲/۲ (۴) ۲۵۲/۲ (۵) طبرستان ۱/۲۵۲ (۶) ۲۵۲/۲ (۷) ۲۵۲/۲

عمر کی طرف بھیجا گیا۔ پنج ہزار مجاہدین اس میں شریک ہوئے تقریباً سارے ہی سوار تھے۔ اس طرح تقریباً تیس لاکھ درہم سے زیادہ ہو گا<sup>(۱)</sup>۔ اسی طرح تیسری فتح پر بھی ہر سوار کو تیس ہزار درہم اور ایک ہزار ملے۔ اس تناسب سے فارس مدینہ روانہ کیا گیا۔ عراق و فارس کی طرح شام، الجزائر، ارمینیا، مصر، افریقہ کے دیگر علاقے فتح ہوتے رہے۔ ان سب میں مسلمانوں کو بہت زیادہ مال قیمت حاصل ہوا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ بادشاہوں اور جاگیرداروں کے علاقے تھے جنہوں نے عوام کے مال و اسباب پر عاصیہ قبضہ کر رکھا تھا۔ ان پر بھاری بھر کم ناجائز ٹیکس لگا کر سالہا سال سے اپنے خزانے بھر رکھے تھے ان پر عوام کا کوئی حق نہیں سمجھتا تھا۔ اس لئے وہ ظلم و بھوکہ پر لگنے کے بجائے بادشاہوں، جاگیرداروں اور ان کے کارندوں اور خاندانوں کی عیش و عشرت اور نمود و نمائش پر خرچ ہوتے تھے اور باقی رقموں میں ہر سال کئی گنا اضافہ ہوتا رہتا تھا۔ یہ خزانے اور تھکڑ دولت کی خوفناک علامت تھے۔ ان جنگوں میں آخری بڑا معرکہ نہادند کا تھا جو قوی روایت کے مطابق ۳۷ھ میں پیش آیا اس کا نام ”فتح اختون“ رکھ دیا گیا<sup>(۲)</sup>۔ اس کے بعد ایرانیوں کے قدم کہیں نہ جم سکے بلکہ مسلمانوں نے ان کو گھروں میں گھس گھس کر رہا۔ تمام ایرانی صوبوں میں ان کی حکومت کا خاتمہ کر دیا گیا پھر ایرانیوں کا اتحاد بھی مسلمانوں کے اس تیز صدارے کو نہ روک سکا جو ان کے ملک میں امن و امان لایا تھا۔ انجام کار کسری کو اپنے ملک سے بھاگ کر غیروں سے مدد کی بھیک مانگتی پڑی۔ اس نے دوسرے کے ملک میں سر چھپایا اور اس کے بعد اپنے وطن سے دور اس طرح بے کسی کی موت مر گیا گویا وہ کبھی ایران میں رہا ہی نہ تھا گویا اس ملک میں کبھی اس کی حکومت ہی نہ تھی<sup>(۳)</sup>۔

نہادند ایک بہت بڑا شہر تھا جو عراق، عجم میں صواہر اور ہمدان کے درمیان، علوان سے نوے میل جنوب مشرق اور ہمدان سے تیس میل جنوب غرب واقع تھا۔ اس میں کشادہ ہنر داروں، کشاں نہیں اور نظر فریب باغات تھے جو اس کے باشندوں کی راحت و فارغ البالی کے ضامن تھے۔ وسطا شہر میں ایک مضبوط قلعہ تھا جس کی مضبوط دیواریں اور بلند فصیلیں گویا اس کی محافظ تھیں<sup>(۴)</sup>۔ ڈیڑھ لاکھ ایرانیوں کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد تیس ہزار تھی جو حضرت نعمان بن مقرن کی زیر قیادت فیروزان کے مقابلے میں پیر ہو گئے۔ فیروزان قتل ہو گیا اور حضرت نعمان کی بھی شہادت کی، عاپوری ہوئی بعد میں حضرت حذیفہؓ سارا رہنے۔ بالآخر مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ شہر اور اس کے ارد گرد کا سارا ساز و سامان مسلمانوں کے قبضے میں آیا جسے حضرت سائب بن اقرع کے پاس جمع کر لیا گیا۔ ”تس کدہ کے منتظم نے جان بخشی کی شرط پر کسری کا خزانہ جو اس کے پاس چھپا ہوا تھا حضرت حذیفہؓ کے حوالے کر دیا جو جو اہرات پر مشتمل تھا اور حواٹ رہنے کے موقع کیسے جمع کر کے رکھ گیا تھا۔ دو صندوقوں میں بند تھا۔ دیگر مال غنیمت کے پانچویں حصے کے علاوہ مجاہدین کی اجازت سے انہیں الگ طور پر حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے انہیں فوراً واپس بھیج دیا اور حکم دیا کہ دیگر مال غنیمت کی طرح انہیں تقسیم کیا جائے۔ انہیں فروخت کیا گیا تو چالیس لاکھ ملے۔ اس لڑائی میں ہر سو کو چھ ہزار اور پیادے کو دو ہزار ملے<sup>(۵)</sup>۔ تقریباً دیگر معرکوں کی طرح سب ہی سوار تھے اس لحاظ سے دیکھا جائے تو اضافہ کروڑ روپے لوگوں میں تقسیم ہوئے جو نفس نکال کر تھے۔ سرکاری خزانے میں ساڑھے تین کروڑ درہم کے لگ بھگ جمع ہوئے ہوں گے۔

غنیمت کے طور پر حاصل ہونے والی ان آمدنیوں نے یقیناً معاشی ترقی کے دروازے کھول دیے۔ حقیقی قومی آمدنی میں بے پناہ اضافہ ہوا کیونکہ ان کا بیشتر حصہ وہ تھا جو کنوز کی شکل میں تھا۔ وہ معاشرے میں گردش ہی نہیں کر رہا تھا اس سے استفادے سے ممالک و عوام محروم تھے۔ فاروق اعظمؓ نے ان خزانوں کو اکٹھا کر کے ایک اور بڑا خزانہ نہیں بنایا بلکہ انہیں فوراً ہی عوام میں تقسیم کر دیا۔ آپ کی پالیسی یہی رہی کہ انہیں چھتہ نہ ڈھانکنے پائے اس سے فائدہ یہ ہوا کہ فی کس آمدنی میں اضافہ ہوا صرف اور بخشی بڑھیں سرمایہ کاری میں اضافہ ہوا، گردش دولت تیز ہوئی۔ ان جنگوں میں ہزاروں مجاہدین بھی شہید ہوئے ان کے چھوٹے چھوٹے بچے

(۱) صحیح مسلم ۴/۱۱۱ (۲) ۳/۲۰۱ (۳) صحیح مسلم ۴/۱۱۱ (۴) ۳/۲۰۱ (۵) صحیح مسلم ۴/۱۱۱

تھے جنہیں مال قیمت میں سے حصے ملے لیکن وہ کاروبار کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ حضرت عمر فاروق نہیں چاہتے تھے کہ ان کے بالغ ہونے تک وہ سرمایہ منجمد رہے چنانچہ آپ نے یہ حکم دیا "تحرروا لہی اموال الیتامی لا تاكلہا الرکوة" (۱) (کہ یتیموں کے مال سے تجارت کرو تاکہ اسے زکوٰۃ نہ ختم کر دے۔) اس کا نہایت چھٹا ہوا روایت کے مطابق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یتیموں کی پرورش کرتی تھیں اور ان کا مال تاجروں کو دیتی تھیں تاکہ وہ اسے کاروبار میں لگائیں۔ اسی طرح یحییٰ بن سعید کا بھی یہی معمول تھا۔ انہوں نے اپنے بھائی کے یتیم لڑکوں کے واسطے کچھ مال خریدا پھر وہ بھاری قیمت پر بکا (۲)۔ اس طرح کی روایات ان رجحانات کی نشاندہی کرتی ہیں جنہیں فاروق اعظم نے تحریک دی تاکہ معاشی ترقی کا عمل مستقل طور پر جاری رہے اور اس میں مسلسل اضافہ ہوتا رہے۔ یہ سمجھنا غلطی ہو گی کہ غنائم ہی پر عہد فاروقی کی معاشی ترقی کا اعصار تھا کیونکہ یہ آمدنی عارضی اور ہنگامی نوعیت کی تھی جبکہ ترقی کیلئے ٹھوس اور مستقل اقدامات کی ضرورت ہوتی ہے۔ بصیرت خراں حقیقت سے آشنا تھی چنانچہ آپ نے ایسی ہی پالیسی وضع کی اور اجتہادی فیصلے کئے جو بدلتے ہوئے حالات کیلئے انتہائی ضروری تھے۔ چنانچہ آپ نے مفتوحہ زمینوں کے بارے میں یہ فیصلہ کیا کہ انہیں مجاہدین میں تقسیم کرنے کے بجائے ریاست کی ملکیت قرار دیا جائے اور حسب حالت و مصلحت خراج مقاسمہ یا وظیفہ مقرر کر کے سابقہ مالکان کے پاس آباد کاری کیلئے رہنے دیا جائے۔ یہ ایک ایسا انقلابی قدم تھا جس نے ریاست کو بڑے پیمانے پر مستقل آمدنی کا ایک ایسا ذریعہ فراہم کیا جس پر انتظامی اخراجات بہت معمولی تھے اور غیر مسلم کسانوں کا ایک بہت بڑا طبقہ محرومی و دیر درگاری کی ادنیٰ سے محفوظ ہو گیا اور شر اللہ اس قدر نرم اور حقیقت پسند نہ تھیں کہ وہ جلد ہی خوشحال ہو گیا۔ اس طرح معاشی ترقی کی ایک لازمی شرط پوری ہوئی کہ اس سے معاشرے کے تمام طبقوں بطور پیشوں کو استفادے کا موقع مل رہا ہو۔

آپ کا یہ فیصلہ فوری و وقتی ضرورتوں اور مصیبتوں کے تابع نہیں تھا بلکہ طویل المدتی منصوبہ بندی کے تحت تھا چنانچہ آپ نے اس موقع پر ارشاد فرمایا "اس دلت کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر اس کا خطرہ نہ ہو تاکہ بعد وال فلیس بے جانید اور وہ جائیں گی اور ان کے پاس کچھ نہ ہو گا تو جو بھی بہتتی میرے زمانہ خلافت میں فتح ہوتی میں اسے اسی طرح تقسیم کر دیتا جس طرح نبی کریم نے خیبر کی تقسیم کی تھی۔ میں ان مفتوحہ اراضی کو بعد میں آنے والے مسلمانوں کیلئے محفوظ چھوڑے جا رہا ہوں تاکہ وہ تقسیم کرتے رہیں" (۳)۔ آپ نے حسن انتظام کے ذریعے آمدنی کے اس مستقل ذریعے کو ترقی دے کر ہام عروج تک پہنچایا۔ آغاز ہی میں زمین کی پیمائش اور انتظام کیلئے وجہ کی جانب حضرت حذیفہؓ اور دوسری جانب حضرت عثمان بن حنیف کو مقرر کیا (۴)۔ جو اس کام کے سب سے زیادہ مہر تھے۔ کل رقبہ تیس کروڑ ساٹھ لاکھ جریب بنا ابتداء میں فی جریب ایک درہم اور ایک قہیز خراج عائد کیا۔ اس سے آمدنی تین کروڑ بیس لاکھ درہم سامانہ وصول ہونا شروع ہوئی (۵)۔ سوا کی زمین، ایرانی بادشاہ قبلا کے تہلیل کئے ہوئے طریقے کو برقرار رکھتے ہوئے جس سے لوگ اچھی طرح مانوس تھے خراج وظیفہ کے اصول پر دی گئی (۶)۔ پھر اس کی پیداوار اور استعداد کو بڑھانے کے طریقے اختیار کئے گئے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ریاست کی آمدنی میں بھی مسلسل اضافہ ہوتا رہا اور اسی رفتار سے کسانوں کی فنی کس آمدنی میں بھی اضافہ ہو رہا وہ خوشحال ہوتے گئے۔ آپ کی وفات سے ایک سال قبل سولہ لاکھ دس کروڑ درہم تک پہنچ گیا (۷)۔ امام ابو یوسف کے بقول عدل و انصاف کرنے اور ظلم و جور سے پرہیز کرنے میں جو اخروی اجر ہے اس کے سوا اس سے عاقبتوں کی خوشحالی میں اضافہ ہوتا ہے اور خراج کی آمدنی بڑھتی ہے برکت عدل سے وابستہ ہے ظلم و جور سے برکت ختم ہو جاتی ہے۔ جو خراج ظلم و جور سے وصول کیا جاتا ہے اس سے ملک میں بد حال اور تباہی مچتی ہے۔ عمر بن الخطاب کا عہد مبارک ملاحظہ ہو کہ باوجود اس کے کہ آپ اہل خراج سے کامل عدل و انصاف کا معیار کرتے تھے اور اہل پر سے ہر طرح کے ظلم

کا زوال کرتے رہتے تھے۔ آپ کے زمانہ میں سولہ سے دس کروڑ درہم کی آمدنی ہوتی تھی جبکہ اس زمانے میں درہم کا وزن ایک مثقال ہوتا تھا<sup>(۱)</sup>۔ ماوردی نے لکھا ہے کہ یہ آمدنی ۱۲ کروڑ درہم تک پہنچ گئی تھی<sup>(۲)</sup>۔ علاوہ ازیں صرف عراق ہی کے علاقے میں زمینوں کی دس قسمیں اور بھی تھیں جنہیں بحق سرکار ضبط کیا گیا ان میں جنگلات، تالاب، اراضی کسری، مقتولین جنگ کی زمینیں اور بھگوڑوں کی زمینیں وغیرہ<sup>(۳)</sup>۔ ان سے ابتدائی طور پر سات لاکھ درہم متاثر شروع ہوئے<sup>(۴)</sup>۔ بڑھتے بڑھتے ان کی آمدنی چالیس لاکھ درہم تک پہنچ گئی<sup>(۵)</sup>۔ اس میں بتدریج اضافہ ہوتا رہا اور آخر کار یہ بروایت امام ابو حنیفہ مجموعی طور پر یہ ستر لاکھ درہم سالانہ تک پہنچ گئی<sup>(۶)</sup>۔ عراق سے مجموعی طور پر دس کروڑ اوقیہ (چاندی) وصول کرتے تھے<sup>(۷)</sup>۔

۲۰ھ میں مصر جب فتح ہوا تو ان سے جو معاہدہ ہوا اس میں یہ طے پایا کہ حسب گنجائش زیادہ سے زیادہ پانچ کروڑ درہم جزیہ ادا کریں گے۔ اگر اس کی گنجائش نیکس کی غایت سے کم رہی تو نیکس معاف کر دیا جائے گا<sup>(۸)</sup>۔ یزید بن ابی صیب کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں مصر کا خرانج و جزیہ میں لاکھ دینار وصول ہوتا تھا<sup>(۹)</sup>۔ ارض مصر پر جو خرانج عائد کیا گیا اس کی تفصیل کچھ اس طرح تھی کہ ہر جریب پر ایک دینار اور تین ارب گیارہ دینار پر دو دینار جزیہ<sup>(۱۰)</sup>۔ قیل ازیں بل دمشق سے جو مصالحت ہوئی وہ بھی مستقل ادائیگی کی شرط پر تھی تاکہ مسلسل آمدنی آتی رہے۔ وہ زر نقد زمین کی تقسیم اور فی کس سالانہ ایک دینار پر مستند ہوئی۔ زمین پر فی جریب ایک جریب پیداوار کا محصول لگایا گیا۔ سارا ملک اس صلح میں شامل تھا صرف مقتولوں یا شاہی خاندان اور ان کے ساتھ چلے جانے والوں کے مال کو غنیمت قرار دیا گیا<sup>(۱۱)</sup>۔ اہل فلسطین سے صلح میں قرار پایا کہ قلعہ کے اندر تمام اموال پر خرانج ادا کریں گے اور قلعہ کے باہر جو کچھ ہے وہ کلیہ مسلمانوں کا ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے اس کی اجازت دے دی اور واپس مدینے آئے<sup>(۱۲)</sup>۔ رے کی فتح کے موقع پر مسلمانوں کے سپہ سالار فہیم بن مقرن نے جو انہیں تحریر لکھ کر دی اس میں تھا ”میں تمہیں اور جو تمہارے ساتھ اس معاہدے میں شریک ہوں ہنگامہ بٹایوں بشرطیکہ تم لڑائی سے اپنے لوگوں کو باز رکھو اور جو سرحد کے حاکم ہوں انہیں دو لاکھ درہم سالانہ ادا کرو“<sup>(۱۳)</sup>۔

علی بن ابی طالبؓ یہ چند روایات یہ ثابت کرنے کیسے کافی ہیں کہ مال غنیمت سے زیادہ اہم چیز جس نے معاشی ترقی میں اہم کردار ادا کیا وہ نظام می صل تھا جو مستقل طور پر آمدنی کا ذریعہ تھا۔ اس سے حاصل ہونے والی آمدنی کو لوگوں کی آمد اور فی کس آمدنی بڑھانے کے ساتھ ساتھ مشترک رفہی و فلاحی منصوبوں پر خرچ کیا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے سود کی زمینوں کو وقف قرار دیا تھا۔ اسی کے مطابق دیگر مفتوحہ علاقوں کا بھی فیصدہ کیا گیا اس لئے فقہا کا یہ مسلک ہے کہ آمدنی کو عامۃ المسلمین کے مشترک مصداق پر خرچ کیا جائے۔ ماوردی نے ابو سعید اصطخری کا نقطہ نظر بیان کیا ہے کہ ”یہ عام مسلمانوں کا حق ہے اس لئے ان کی آمدنی کو لشکر کے اخراجات، چھانڈیوں کے استحکام، جمعہ کی مسجد، نہروں کی کھدائی، کھنڈیوں، گواہوں، فقہاء، قراء، نمازوں اور مؤذنوں پر خرچ کیا جائے اس وجہ سے اس کی فروخت ممنوع ہے“<sup>(۱۴)</sup>۔ یہ حضرت عمر فاروقؓ کی ان پالیسیوں کو سامنے رکھتے ہوئے اختیار کی گئی ہے جو آپ نے مفتوحہ علاقوں سے حاصل ہونے والی مستقل آمدنیوں کے بارے میں اختیار فرمائی تھی۔

معاشی ترقی کی پیش پیلے فی کس آمدنی کو معیار بنایا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اس میں کئی گنا اضافہ ہوا اور آپ کے مختلف اقدامات سے مسلسل بڑھتا رہا جس کی سبب شمار میں گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہیں۔ چند اہم جنگوں میں مجاہدین کے حصے میں جو مال غنیمت آیا اس کی نوعیت و مقدار کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ شاید

(۱) بدیع: ۱۱۱ (۲) ماوردی: ۱۷۳ (۳) بدیع: ۱۰۹ (۴) بدیع: ۱۷۲ (۵) بدیع: ۱۰۹ (۶) عید: ۲۶۱ (۷) بدیع: ۱۱۵ (۸) طبری: ۱/۱۰۹

بدیع: ۱۱۵ (۹) بدیع: ۱۱۱ (۱۰) بدیع: ۱۱۱ (۱۱) بدیع: ۱۱۱ (۱۲) بدیع: ۱۱۱ (۱۳) بدیع: ۱۱۱ (۱۴) ماوردی: ۱۷۳

ہی کوئی ایسا گمراہ گاجس کے لوگ پورے جوش و خروش سے ان جنگوں میں حصہ نہ لیتے ہوں۔ حکومت کے حصے میں جو غنیمت کا خُص سنا تھا وہ بھی پیچھے رہ جانے والوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ زکوٰۃ کا لکل الکل حساب رکھا جاتا تھا آمد نہاں بڑھنے سے کثرت کی سطح نصاب کی حدود سے اوپر جانے لگی جیسا کہ یمن کے بارے میں آتا ہے کہ زکوٰۃ لینے والا کوئی نہ رہا ساری آمدنی مرکز کو بھیج دی گئی۔ دیگر علاقوں میں بھی خوشحالی و ترقی اسی رفتار سے بڑھی تو اس مد میں آمدنی میں بھی بے پناہ اضافہ ہوا جسے غریبوں، مسکینوں، یتیموں، یتیموں اور بے سہارا لوگوں میں کھٹے ہاتھ سے تقسیم کیا گیا یہاں تک کہ غیر مسلمانوں کو بھی امدادیں دی گئیں۔ اس طرح عربیہ طہقات کی فی کس آمدنی میں بھی اضافہ ہوا۔ علاوہ ازیں مستقل طور پر حاصل ہونے والے خراج، جزیہ اور دیگر شرعی محاصل سے بیت المال میں جو وسعت آئی سے نظام و وظائف کے ذریعے تمام رعایا میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ اس کی تفصیل اس باب میں الگ طور پر موجود ہے۔ امن و استحکام کے حالات، نقل و حمل کے ذرائع میں بہتری اور صرف میں اضافے سے سرمایہ کاری میں جو اضافہ ہوا اس نے تجارت اور تاجر پیشہ لوگوں کے منافع اور آمدنیوں کو بڑھا دیا۔ نہری نظام کے قیام، زرعی ترقی کیلئے اقدامات اور خرچ میں عدس و انصاف سے کسان طبقہ خوشحال ہوا جو ہمیشہ سے جاگیردارانہ نظام کے تسلط میں پستا چلا آ رہا تھا۔ مثلاً سود کے عداقت سے محضوں تین کروڑ میں لاکھ سے بڑھ کر بارہ کروڑ رہا، ہم ہو جانا یہ ظاہر کرتا ہے کہ کسانوں کی آمدنیوں میں بھی اسی تناسب سے اضافہ ہوا۔ دیگر زمینوں کے محاصل کا سات لاکھ سے ستر لاکھ ہو جانا فی کس آمدنیوں میں دس گنا اضافے کو ظاہر کرتا ہے۔ آپ نے فی کس آمدنیوں کو تحفظ دینے کی خاطر یہ اصول بنایا کہ اگر کسی مال کی وجہ سے پیداوار کم ہوگی تو خراج کی مقدار بھی گھٹادی جائے گی یہاں تک کہ ختم بھی کی جاسکتی تھی۔

آپ نے ایک مرتبہ تقریر کرتے ہوئے فرمایا ”لوگو! مجھ پر تمہارے سلسلے میں کچھ ذمہ داریاں ہیں جن کو میں تمہارے سامنے گناہوں تمہیں چاہئے کہ ان کے بارے میں میرا احتساب کرتے رہو“ میری ذمہ داری ہے کہ تمہارے خراج اور فئے کی رقیس مقررہ طریقوں سے ہی وصول کروں اور جب یہ مبالغہ میرے ہاتھ میں آجائے تو مناسب مصارف میں صرف کروں۔ تمہارے سلسلے میں میری ذمہ داری یہ بھی ہے کہ تمہارے وظائف و عطا میں اضافہ کروں، ان شاء اللہ میں پوری کر دوں گا۔“<sup>(۱)</sup>

### ۳۔ معاشی ترقی..... فاروقی اقدامات:

Dr. Monzer Kahf کے بقول

"The Islamic government assumes the responsibility of development for three reasons: first, it is required to guarantee a minimum standard of living to all its citizens, second, it is obliged to expend a part of its available resources for the worldwide propagation of the message of Islam, and third, it is also bound to build a strong country and a strong society which is capable of sustaining an effective ideological stand in the international arena."

ڈاکٹر بجات اللہ صدیقی کا کہنا ہے کہ "اسلامی ریاست کی (خاص) معاشی ذمہ داریوں میں کفالت عامہ، معاشی ترقی کا اہتمام اور تقسیم دوست کے اندر پائے جانے والے تفاوت کو کم کرنا شامل ہے۔"<sup>(۲)</sup> مذکورہ مصنفین نے ابتدائی اسلامی ریاست کی جن ذمہ داریوں کا ذکر کیا ہے، دورِ جدید میں اس خطوط پر زیادہ وسیع بحث پر منظم اور مضبوط اداروں کے ذریعے جدید معاشی اور عالمی حالات کے تناظر میں نہایت سمجھداری سے ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ پروفیسر خورشید احمد نے جدید

اور میں ترقیاتی پالیسی کے عمومی ہدف کو ایک مسموم معاشرے کے ترقیاتی پلان کے خصوصی مقصد میں سموتے ہوئے انسانی وسائل کی ترقی 'نفع بخش پیداوار میں اضافہ' معیار زندگی میں بہتری متوازن (بہم پہلو) ترقی 'نی ٹیکنالوجی کے استعمال اور بیرونی دنیا پر انحصار کم کر کے مسموم دنیا سے رابطہ پر زور دیا ہے۔ اس سلسلے میں متبادل اقتصادی بلک کے وجود کو ماری قرار دیا ہے۔ حاصل مصنف نے اسلامی ترقیاتی ماڈل دنیا کے سامنے مانے کی ضرورت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے <sup>(۱)</sup>۔ یہ دیکھتے ہوئے کہ مغربی تہذیب اور اس کے سرمایہ دارانہ چلن کو خود اعلیٰ طور پر بھی چیلنجوں کا سامنا ہے اور ایک طرح کا ثقافتی رد عمل شروع ہو چکا ہے 'نیز اس حقیقت کے پیش نظر کہ کیونز کے ۷۰ سالہ تجربے کا انجام تباہی کی صورت میں سامنے آیا۔ ایک عالمی طلب اور تڑپ سامنے آ رہی ہے کہ ترقی کی ایک نئی اسٹریٹیجی در حکمت عملی آزمائی جائے 'جو مادی خوشحالی اور روحانی قدروں کا ایک عداوت امتزاج ہو اور اقتصادی اور سماجی نظام میں ربط اور اتحاد کی آمینہ دار ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ دنیا کا مستقبل یقینی طور پر اسلام پر منحصر ہے۔ یہ جائزہ مسلمانوں کیلئے باعث فخر بھی ہے، لیکن اس کے ساتھ یہ بہت بڑا چیلنج بھی ہے۔ اس کا زیادہ تر انحصار اس بات پر ہے کہ امت مسلمہ اس چیلنج کو کس انداز اور حوصلے سے قبول کرتی ہے؟ اس چیلنج کا مطالبہ تو یہ ہے کہ مسلم امت کے بڑے کر زمین پر اللہ کی نیابت (Vicegerency) کا فرض ہاتھ میں لے اور امت وسط کے طور پر انسانیت کو عادلانہ نظام فراہم کرے 'جس کا نتیجہ سارے انسانوں کیلئے سراسر خیر و برکت ہو <sup>(۲)</sup>۔ حقیقت یہ ہے کہ دور جدید میں حکومتوں کیلئے ترقیاتی ماڈل کی تشکیل اپنی شرعی معاشی و مذہبیوں کی ادائیگی، اور ترقیاتی پالیسیوں اور منصوبوں کے اہداف کے تعین و نفاذ کے طریق کار کو اسلامی خطوط پر استوار کرنے اور حکمت عملی کو اسلامی مزاج و روح میں ڈھالنے کیلئے فاروق اعظم کے رول ماڈل کو دیکھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے 'اس سلسلے میں حسب دلیل اقدامات کئے۔ مگر اس سے بچنے کیلئے پہلے ان اقدامات کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے 'جن کی تفصیل کسی نہ کسی انداز میں گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔

### (الف) سیاسی استحکام:

معاشی مفکرین اس نتیجے تک پہنچے ہیں کہ معاشی ترقی کیلئے سیاسی استحکام کلیدی حیثیت رکھتا ہے 'جس سے امن و امان کی تضاد پیدا ہوتی ہے اور ترقی کا عمل شروع ہو سکتا ہے۔ معاشی ترقی کیلئے سیاسی نظام کی تقاضی ہے جو پانچ بنیادی خصوصیات 'سیاسی استحکام' تعمیر پذیری 'باہمی مشاورت' تنقید و احتساب اور ایک اعلیٰ درجہ کی نظامیہ کا حامل ہو۔ سیاسی استحکام کی ضرورت دو وجوہ کی بنا پر پیدا ہوتی ہے۔ اول معاشی ترقی ایک طویل المیعاد عمل ہے 'جو اس امر کا تقاضا ہے کہ حکومت کی ترقیاتی پالیسیوں میں تسلسل و دردام پایا جائے اور دوئم معاشی ترقی کیلئے ضروری ہے کہ ملک میں عوام و یقین کی نفاذ پائی جائے تاکہ نجی بچتوں اور سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی ہو سکے اور فرہ پوری و بحسن اور اطمینان قلب کے ساتھ ملک کی تعمیر و سرگرمیوں میں حصہ لے سکیں 'چنانچہ سیاسی نظام کے اندر چند بنیادی نوعیت کے ایسے عناصر پائے جانے چاہئیں جو رہبان و مکان کی دسترس سے محفوظ ہوں اور جن میں کسی طرح کی تبدیلی کی ضرورت محسوس نہ ہو۔ فاروق اعظم نے اس مقصد کیلئے جو اقدامات کئے وہ ایک الگ باب "بصیرت عمر اور عصر حاضر کے سیاسی معاملات" میں گزر چکے ہیں 'جس میں امن و امان کا قیام 'عدل و انصاف' مساوات 'باخبری' آزادی تنقید و رائے' مشاورت 'قوت نافذہ' قناعتی سیاست کی اصداغ سیاسی گروہوں سے بہتر تعلقات کا قیام 'بیرونہ نزاری کے معاملات اور بیرونی بد خلتوں کا انسداد اور ذاتی سیرت و کردار کو طور نمونہ پیش کرنے پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے 'جس نے پوری سلطنت کو امن کا گہوارہ بنادیا اور معاشی ترقی کے دروازے کھل گئے۔





مصحفی و مدداریوں سے بھی۔ یہی چیز آپ کو رادیتی تھی اور یہ اکثر ہو جاتا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ مجھے عمر بن الخطابؓ نے بلایا۔ میں پہنچا تو دیکھا کہ آپ کے سامنے چمڑے کے فرش پر سونا پھیلا ہوا تھا۔ فرمایا ”اے اور اے اپنی قوم میں تقسیم کر دو۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس نے اسے اپنی نبی علیہ السلام و ابو بکرؓ سے کیوں عیدوار کھا اور مجھے دیا معلوم نہیں خبر کی وجہ سے یا شر کی وجہ۔“ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں جب تک کہ تقسیم کرنے اور ہانے لگا۔ اتنی دیر میں رونے کی آواز نہ کی دیکھا کہ عمرؓ رو رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں ”اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اس نے اس مال کو اپنے نبی علیہ السلام اور ابو بکرؓ سے ان کے ساتھ شر کے ارادے سے نہیں روکا اور عمرؓ کو اس کے ساتھ خبر کے ارادے کے ساتھ نہیں دیا“<sup>(۱)</sup>۔ ابن عباسؓ ہی کا کہنا ہے کہ ایک مرتبہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ کے سامنے مال غنیمت پڑا ہوا تھا۔ دفعۃً آپ پر اس شدت سے گریہ طاری ہوا کہ پسلیاں ہٹنے لگیں پھر فرمایا ”میری خواہش ہے کہ اپنی ذمہ داریوں سے اس طرح سبکدوش ہو جاؤں کہ اگر میں لاہر کا مستحق قرار نہ پاؤں تو ملامت سے بھی محفوظ رہوں“<sup>(۲)</sup>۔

قادسیہ کے معرکے میں کسریٰ کا لباس اور تاج و زیورات جب آپ کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے سراقہ کو پہنا کر لوگوں کو نظارہ کر دیا پھر اترا کر فرمایا ”اے اللہ! تو نے یہ فعل و زور اور تاج و نگین نبی علیہ السلام اور ابو بکرؓ کے دور میں امت کو عطا نہیں فرمایا بلکہ میرے دور میں عنایت فرمایا۔ اگرچہ نبی کریم ﷺ اور ابو بکرؓ تیری نگاہ میں مجھ سے زیادہ کرم اور محبوب تھے۔ اب میں تیری ہلاکت کا طالب ہوں میں جانتا ہوں کہ تو نے مجھے یہ سب کچھ اس لئے عطا کیا ہے کہ میری آزمائش کرے“<sup>(۳)</sup>۔ سعید بن المسیب سے روایت ہے کہ جب فارس کا فتنہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں لایا گیا تو آپ نے فرمایا ”خدا کی قسم! جب تک میں اسے تقسیم نہ کر دوں آسمان کے سوا کوئی دوسری چھت اس کو نہیں ڈھانکے گی۔ پھر آپ کے حکم سے یہ مسجد کی دو صفوں کے درمیان رکھ دیا گیا۔ آپ نے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اور حضرت عبداللہ بن ارقمؓ کو حکم دیا اور انہوں نے رات بھر اس کی نگرانی کی۔ صبح آپ لوگوں کے ہمراہ وہاں تشریف لائے آپ کے حکم سے اوپر کی چادریں ہٹائی گئیں۔ آپ نے جو اہرات موتیوں اور سونے چاندی کے ڈھیر کا ایک ایسا منظر دیکھا جسے آپ کی آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا تو آپ رونے لگے۔ عبدالرحمن بن عوفؓ نے کہا ”یہ شکر کا موقع ہے آپ کو ردائیں بات پر آ رہا ہے؟“ فرمایا ”بجائے ہو! لیکن جب بھی اللہ نے کسی قوم کو یہ سب دیا اس سے قوم میں آپس کے بغض و عناد کی تخم ریزی ہو گئی“<sup>(۴)</sup>۔ جب بغض و حسد پیدا ہو جاتا ہے تو ان میں خانہ جنگی شروع ہو جاتی ہے“<sup>(۵)</sup>۔ پھر آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ ہم ہاتھوں سے اٹھا اٹھ کر دین یا صدق سے تپ کر تقسیم کریں؟ راوی کے بقول پھر آپ نے یہ طے کیا کہ ہاتھوں ہی سے تقسیم کریں چنانچہ آپ نے ہاتھوں سے اٹھا کر یہ دولت تقسیم کی۔ راوی کا کہنا ہے یہ رجسروں کی ترتیب سے پہلے کی بات ہے“<sup>(۶)</sup>۔ نہادند یا جولا سے آنے والے مال کے موقع پر بھی یہی ہوا۔ آپ کا گریہ دیکھ کر کسی نے کہا ”یا امیر المؤمنین! یہ دن حسن و ملال کا نہیں یہ تو خوشی کا مقام ہے۔“ آپ نے جواب دیا ”یہ بھی میں سمجھتا ہوں! لیکن جب بھی کسی قوم میں دولت آتی ہے تو اس کے ساتھ عداوت بھی آتی ہے“<sup>(۷)</sup>۔

ابو ننان سے روایت ہے کہ ایک موقع پر امیر المؤمنینؓ سے ملنے گیا مجلس میں مہاجرین گروہ بھی موجود تھے۔ آپ نے وہ عہد دان منگولیا جو آپ کی خدمت میں عراق کے ایک مفتوحہ قلعہ سے بطور مال غنیمت آیا تھا اس میں ایک انگوٹھی بھی تھی۔ آپ کے خاندان کے کسی لڑکے نے اٹھا کر اپنے منہ میں رکھ لی۔ آپ نے اسے لڑکے سے چھین لیا اور رونے لگے۔ حاضرین میں سے کسی نے پوچھا ”آپ کیوں روتے ہیں؟“ اللہ نے آپ کے عہد میں فتوحات کا دروازہ کھول دیا

(۱) مسند ۳/۳۳ (۲) حوری ۱/۲۵۱ (۳) حوری ۱/۲۵۱ (۴) مسند ۴/۴۶ (۵) صبر ۱/۱۱۱ (۶) یوسف ۱/۱۶۵ حوری ۱/۱۶۵

ہے اور آپ کو دشمن پر غلبہ عنایت فرمایا ہے اور آپ کی ”کھوس کو اس منظر سے شاد کیا ہے۔“ آپ نے جواب دیا ”میں نے خود رسوں اللہ ﷺ سے یہ بات سنا رکھی ہے کہ جس وقت دنیا (اپنی فتنہ انگیز نعمتوں کے ساتھ) کسی گروہ میں آجاتی ہے تو وہ اپنے ساتھ بغض و عناد اور عداوت و رقابت بھی لاتی ہے اور یہ رقابت باقی مدت برقرار رہتی ہے مجھے سارے دھڑکا سی کا ہے“<sup>(۱)</sup>۔ یہ سب روایات یہ ظاہر کرتی ہیں کہ آپ مال و دولت اور خوشحالی و ترقی کو حکمرانوں کیلئے بھی آزمائش سمجھتے تھے اور لوگوں کیلئے بھی۔ حکمرانوں کیلئے اس طرح کہ ان سے قیمت کے دن اس کے حصول، صرف، انتظام اور تقسیم کے بارے میں جواب طلب کیا جائے گا کہ انہوں نے کہاں تک حق و انصاف کا خیال رکھا اور لوگوں کیلئے اس طرح کہ کہیں وہ اس کی وجہ سے گھمنڈ، تکبر، اصراف، بغض و عداوت کا شکار تو نہیں ہو گئے۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو یہ بات ان کی دنیا کو بھی برباد کر دے گی اور سعادت کو بھی آپ کا یہ رد عمل اس احساس کا مظہر تھا۔ آپ لوگوں کو اس کی حقیقت سے آگاہ کرنا چاہتے تھے تاکہ وہ اس خوشحالی کو مقصد زندگی نہ بنا لیں۔ آپ یہ چاہتے تھے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کو یاد رکھیں، فتوحات و خوشحالی کے دور کو اس کی طرف سے دی گئی نعمت سمجھ کر اس کا شکر ادا کریں اور آزمائش سمجھ کر اس کے احکامات کی پیروی کریں۔ اپنے اعلیٰ اخلاقی و روحانی اوصاف کو برقرار رکھیں تاکہ اللہ کی تائید و نصرت ان کے ساتھ رہے اور دنیوی و خرویدی دونوں اعتبار سے جانی و برپادی سے بچ سکیں۔ اس مقصد کیلئے آپ ہر اہم موقع پر نہایت مدلل اور پر اثر انداز میں پند و نصائح فرماتے رہتے تھے جس کا لوگوں پر بڑا گہرا اثر ہوا تھا۔

قادیسہ سے حاصل ہونے والے مال میں سے شاہی لباس و ہتھیار اور سامان آرائش و زیبائش قوی الجیش شخص ”علم“ کو پہنانے کے بعد مجمع عام میں آپ نے عبرت انگیز خطبہ دیتے ہوئے فرمایا تھا ”وہ مرد مسلمان کس قدر احمق ہو گا جسے دنیا فریفتہ کرے۔ کیا وہ فریب خوردہ اس میں (خصوصاً دنیا میں) اس جتنا یا اس سے آگے بڑھ سکتا ہے؟ کس نے جو کچھ دیکھا ایک مسلمان شخص کیسے اس میں بھلائی نہیں بلکہ برائی ہے۔ کس نے دنیا کی نعمتوں میں مشغول رہا اور آخرت کو بھول گیا۔ اس نے اپنے رشتہ داروں، زماں اور بہو وغیرہ کیلئے مال جمع کیا، لیکن اپنے آگے کیسے کچھ نہیں بھیج سکا۔ اگر وہ اپنے سنے گئے بھیجتا اور زائد اموال کو اپنی، پتی، جگہ پر رکھتا تو اس کا فائدہ اسے پہنچتا۔ اس شخص سے بڑھ کر، حلق اور کون ہو گا جس نے دوسروں کیلئے مال جمع کیا ہو یا اس سے اپنے دشمن کو فائدہ پہنچایا ہو“<sup>(۲)</sup>۔

اسی طرح جب امیران مکمل طور پر فتح ہو گیا اور شاہ پر دگر داپنے خاندان اور خاقان کے ساتھ فرغانہ کی طرف فرار ہو گیا اور حضرت اخف بن قیس کا بھیجا ہوا قاصد اور وفد فتح کی بشارت اور مال غنیمت کا فحشے کر آپ کے پاس پہنچا تو آپ نے مسلمانوں کو جمع فرمایا، ان کے سامنے فتح نامہ پڑھنے کا حکم دیا۔ پھر آپ نے خطبہ دیا اور اس میں فرمایا ”اللہ تعالیٰ نے آپے رسول ﷺ کا ذکر کیا ہے کہ اس نے انہیں ہدایت کے ساتھ بھیجا ہے اور ان کے پیروکاروں کو فوری حاصل ہونے والے دنیوی و معادہ (مال و دولت) اور بعد میں حاصل ہونے والی آخرت کی بھلائی دونوں عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا ہے ”ہو الہدی و الہدی و الہدی و الہدی“<sup>(۳)</sup>۔ (اللہ ہی تمام تعریفوں اور حمد و ثناء کا سرور ہے جس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے لشکر کو فتح و نصرت عطا فرمائی۔) آگے فرمایا ”گاہ ہو جاؤ کہ اللہ نے مجھ کو سیت کی بادشاہت کا خاتمہ کر دیا ہے۔ ورنہ کا شیرازہ منتشر کر دیا ہے اب وہ اپنے ملک کی ایک پالشت بھر زمین پر بھی قابض نہیں ہو سکیں گے جس سے مسلمانوں کو نقصان پہنچے۔ دیکھو! اللہ نے تمہیں ان کی سرزمین ان کے ملک ان کے مال و دولت اور ان کے فرزندوں کا مالک بنا دیا ہے تاکہ وہ معلوم کر سکیں کہ تم کیا کارنامے انجام دو گے؟ گاہ ہو جاؤ کہ تمہاری طرح بہت سے شہری فوجی طاقت کے مالک تھے اور گزشتہ زمانے کی بہت سی مہذب قومیں در دراز کے ممالک پر قابض ہو گئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ اپنا حکم نافذ کر کے رہے گا اور اپنا وعدہ پورا کرے گا اور ایک قوم کے بعد

دوسری قوم کو نمودار کرے گا۔ تم اس کے حکام کو نافذ کرانے کیلئے یہ شخص کی پیروی کرو جو اس کے معاہدہ کی پابندی کرے اور تمہارے لئے خدا کی وعدہ پورا کر دکھائے۔ دیکھو تم اپنی حالت میں تغیر و تبدل نہ کرنا اور نہ اللہ دوسری قوم کو تم پر مسلط کر دے گا۔ مجھے اس سمت مسئلہ کی تباہی و بربادی کا صرف تمہی سے اندیشہ ہے۔<sup>(۱)</sup> ایک اور خطبے میں آپ نے ارشاد فرمایا: ”اے اللہ کے بندو! تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور اس کی نعمتوں کی تحکیم کرو تم خواہ اپنی مغفلوں میں یا تنہا ہو۔ اس کی نعمتوں کو یاد کرتے رہا کرو کیونکہ اللہ بزرگ و بڑتر نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا ”تم اپنی قوم کو اندھیرے سے روشنی کی طرف نکال کر لے آؤ اور تم انہیں اللہ کے (گزشتہ) کو یاد کرو۔“ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو مخاطب کر کے یہ ارشاد فرمایا تھا ”تم یاد کرو جبکہ تم (تعداد میں) قھوڑے تھے اور اس سر زمین میں کمزور تھے۔“ جب تم کمزور ہونے اور دنیا کی خیر و منفعت سے محرومی کے باوجود حق و صداقت پر تھے اور خدا شناسی اور دینداری کے ساتھ حق پر تمہارا ایمان تھا اور موت کے بعد بھلائی کے میدان پر تھے تو یہ بہت کافی تھا۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ تمہاری معاشی حالت بہت تنگ تھی اور تم اللہ سے بہت نا آشنا تھے لہذا اگر تمہیں اس دینداری کے علاوہ اس دنیا کی مال و دولت کا کوئی حصہ نہ ملتا تو یہ بھی تمہارے لئے کافی تھا کہ آخرت میں تمہاری نجات ہوگی اور وہیں تمہیں لوٹ کر جانا ہے۔ مگر اب اللہ نے تمہیں دنیا و آخرت دونوں مقامات کی نعمتیں عطا کی ہیں اور اگر تم چاہتے ہو کہ یہ (دونوں نعمتیں) برقرار رہیں تو تم اللہ کے حق کو پہچانو اور اس کیسے نیک عمل کرو اور اپنے نفس کو اطاعت پر آمادہ کرو اور ان (دنیاوی) نعمتوں کی خوشی کے ساتھ ساتھ ان کے زائل ہو جانے کا خوف بھی رکھنا چاہئے کیونکہ اگر نعمت کی ناشکری کی جائے گی تو نعمت بہت جلد چھن جائے گی مگر نعمت کا شکر ادا کرنے پر نعمت میں اضافہ ہوگا<sup>(۲)</sup>۔

یہ چند خطبات ثابت کرنے کیلئے کافی ہیں کہ آپ معاشی ترقی کے ساتھ ساتھ ہوگوں کی فکری اخلاقی اور روحانی ترقی کیلئے بھی فکر مند رہتے تھے اور ہوگوں کی اصلاح و تربیت کا کوئی موقع ضائع نہیں ہونے دیتے تھے۔ ہوگوں پر تقاریر کا اثر اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہنے والے کی اپنی زندگی اور سارا طرز عمل اس کی عملی تفسیر نہ ہو۔ آپ نے جو کچھ کہا اس سے بڑھ کر عمل کر کے دکھایا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کا ہر پہلو ایک مثالی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ نے خوشحالی و ترقی کے باوجود پناہ معیار زندگی رسول اکرم ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کی طرح کار کیا۔ مصعب بن سعدؓ سے مروی ہے کہ آپ کی بیٹی ام المومنین حضرت حفصہؓ نے آپ سے عرض کی ”اے امیر مومنین! اے والد محترم اللہ نے آپ کو خوب رزق دیا ہے۔ زمین کو آپ پر فتح کر دیا ہے اور مال میں اضافہ کر دیا ہے۔ اگر آپ اپنے کھانے میں باریک اناج کھائیں اور لباس میں نفیس کپڑا پہنیں تو چھاپوں۔“ فرمایا ”میں تمہارا فیصلہ تم ہی سے کرتا ہوں کیا تمہیں یاد نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کیسی مصیبت کی زندگی گزارتے تھے۔“ وہ برابر انہیں یاد دلاتے رہے یہاں تک کہ وہ رو دیں۔ پھر فرمایا ”واللہ! اگر مجھ سے ہو سکے گا تو میں ضرور ضرور ان دونوں کی مصیبت کی زندگی میں شرکت کروں گا کہ شاید میں ان دونوں کے ساتھ راحت کی زندگی (آخرت) میں بھی شریک ہو جاؤں<sup>(۳)</sup>۔“ مکرّمہ بن خالد کہتے ہیں کہ حضرت حفصہؓ اور حضرت عبداللہؓ وغیرہ لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ ”اگر آغخاب اچھا کھانا کھایا کریں تو حق تعالیٰ کے کام پر اور زیادہ قوی ہو جائیں۔“ آپ نے فرمایا ”کیا سب کی یہی رائے ہے؟“ لوگوں نے عرض کیا کہ سب کی یہی رائے ہے۔ آپ نے فرمایا ”تمہاری خیر خواہی کا میں شکر گزار ہوں لیکن میں نے اپنے دونوں دوستوں کو اسی شہرہ پر چھوڑ دیا ہے اگر خدا نخواستہ میں ان کی شہرہ کو چھوڑ دوں تو ان دونوں کا مرتبہ میں نہیں پاسکتا۔“ کہتے ہیں کہ ایک سال ذرا احتک سالی ہوئی تو آپ نے اس سال گھی اور روغن دہل کھانا چھوڑ دیا<sup>(۴)</sup>۔ تمام لوگوں نے مل کر یہی بات کہلوائی تو جواب دیا ”اے حفصہ! تم نے اپنی قوم کی خیر خواہی کی، مگر اپنے باپ کے ساتھ بے وفائی کی۔ میرے خاندان والوں کا صرف میری جان و مال پر حق ہے لیکن میرے دین و امانت میں کسی کا حق نہیں<sup>(۵)</sup>۔“

(۱) صحیح مسلم ۱/۱۲۲، (۲) صحیح مسلم ۱/۱۲۲، (۳) صحیح مسلم ۱/۱۲۲، (۴) صحیح مسلم ۱/۱۲۲، (۵) صحیح مسلم ۱/۱۲۲

آپ نے دوسرے لوگوں کو بطور پامیسی اس بات پر مجبور نہیں کیا کہ دس کل میں ترقی کے ساتھ ساتھ اپنے معیار زندگی میں اضافہ نہ کریں کیونکہ اس میں کوئی حرج نہیں تھا لیکن اپنی عملی مثال سے انہیں عزیمت کی راہ دکھائی اور یہ پیغام دیا مسلمان کا کام شناس کے پیچھے مار مار پھرنا اور کسی کی دھن ذہن پر سوار نہ کھانا نہیں ہے بلکہ آخرت کی فکر کرنا ہے جو حقیقی اور ابدی زندگی ہے۔ ایک سرحد ارشاد ہوا ”اے برادران قوم میں پنے کھانے سے متعلق آپ لوگوں کی ناگواری و ناپسندیدگی محسوس کرتا ہوں۔ مگر میں چاہوں تو تم سب سے اچھا کھانے والا تم سب سے اچھی زندگی بسر کرنے والا ہو جاؤں۔ میں بھی سینے اور کوبان کے گوشت کے مزے بھونے ہوئے گوشت اور رائی وزیتون کے سالن اور ہار یک روٹیوں کے لطف سے ناواقف نہیں ہوں لیکن میں نے اللہ جل و ثناء کا ارشاد سن جس نے ایک قوم کو اس کے کسی کام پر<sup>(۱)</sup> جو انہوں نے کیا عار دل کی ہے اور فرمایا ہے ”اذهبتم طہاتکم فی حیاتکم الدنیا واستمتعتم بہا<sup>(۲)</sup>۔“ (تم اپنی بہترین چیزیں حیات دنیا ہی میں لے چکے ہو اور ان سے فائدہ بھی اٹھا چکے ہو) اس لئے آخرت میں تمہارے لئے حصہ نہیں بچتا۔

آپ کے طرز زندگی کا جامع نقشہ علامہ ابن کثیر نے مستند روایات کو یکجا کر کے بہت خوب کھینچا ہے جو حسب ذیل ہے۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیان کا بیان ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے نہ دنیا کو چاہا اور نہ دنیا نے آپ کو چاہا اور حضرت عمرؓ کو دنیا نے چاہا اور آپ نے دنیا کو نہ چاہا اور ہم دنیا میں پیٹ کی پشت تک لوٹ پوٹ ہوئے اور حضرت عمرؓ کو عتابانہ رنگ میں کہا گیا کہ اگر آپ اچھا کھانا کھاتے تو وہ آپ کیسے حق پر زیادہ قوت بخش ہوتا۔ آپ نے فرمایا ”میں نے اپنے دو ساتھیوں کو ایک طریق پر چھوڑ ہے اگر میں ان کے طریق کو پاؤں تو مقام میں ان کو نہیں پا سکتا“ اور آپ خفیہ ہوتے ہوئے جو نہ شدہ اولیٰ جبہ پہنتے تھے جن میں سے بعض جو نہ چمڑے کے ہوتے تھے اور کندھے پر درہ رکھ کر ہزاروں میں چکر لگاتے تھے اور درے سے لوگوں کی تادیب کرتے تھے اور جب گھسی وغیرہ کے پاس سے گزرتے تو اسے اٹھ کر لوگوں کے گھروں میں پھینک دیتے تاکہ وہ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ کے دونوں کندھوں کے درمیان چار ہونڈ تھے اور آپ کے تہبند کو چمڑے کے جو نہ لگے ہوئے تھے۔ آپ نے منبر پر خطبہ دیا تو آپ کی چادر میں بارہ ہونڈ لگے ہوئے تھے اور آپ نے اپنے رچ میں سولہ دینار خرچ کئے اور اپنے بیٹے سے فرمایا ”ہم نے فضول خرچی کی ہے“ اور آپ کسی چیز کا سایہ نہ بیٹے تھے ہاں آپ اپنی چادر کو درخت پر ڈال کر اس کے نیچے سایہ بیٹے تھے اور آپ کیسے کوئی خیمہ نہ تھا اور جب آپ بیت المقدس کی فتح کیلئے شام آئے تو آپ ایک خاکستری رنگ کے اونٹ پر سوار تھے اور آپ کے سر کا منھا حصہ دھوپ میں چمک رہا تھا اور آپ کے سر پر عمامہ یا ٹوپی نہ تھی اور آپ نے پامان کے گلے پچھلے حصے کے درمیان رکاب کے بغیر اپنی ٹانگوں کو جوڑا ہوا تھا اور آپ کا فرش مینڈھے کی اون کا تھا اور جب اترتے تھے تو وہی آپ کا بچھوٹا ہوتا تھا اور آپ کا تھیلہ چھال سے بھرا ہوا تھا اور جب آپ سوتے تھے تو وہی آپ کا تکیہ ہوتا تھا اور آپ کی قمیص کھر درے کی کپڑے کی تھی جو بوسیدہ ہو چکی تھی و اس کا گرجان پھٹ چکا تھا۔ آپ جب اترتے تو فرماتے بہتی کے نمبر دار کو میرے پاس بلاؤ وہ اسے جاتے تو آپ فرماتے میری قمیص کو دھو کر دو اور مجھے عاریتہ ایک قمیص دے دو۔ آپ کے پاس کتان کی قمیص مانی گئی تو آپ نے فرمایا ”یہ کیا ہے؟“ آپ کو بتایا گیا کہ یہ کتان ہے۔ آپ نے فرمایا ”کتان کیا ہوتا ہے؟“ تو انہوں نے آپ کو بتایا ہاں آپ نے اپنی قمیص اتاری تو انہوں نے اس دھویا اور سیا پھر آپ نے اسے چمکن لیا۔ ایک شخص نے آپ سے کہا آپ عرب کے بادشاہ ہیں اور اس ممالک میں اونٹوں کی سواری مناسب نہیں۔ آپ کے پاس ایک ترکہ گھوڑا لایا گیا تو آپ نے کہا دے اور زمین کے بغیر اس پر چادر ڈال دی اور جب آپ چلے تو ترکہ گھوڑا تیز رفتاری کرنے لگا تو آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا ”اسے روک دو میں خیال نہیں کرتا تھا کہ لوگ شیاطین پر سوار ہوتے ہیں۔ میرا اونٹ لڈ پھر آپ اس سے اتر کر اونٹ پر سوار ہو گئے۔“

حضرت انسؓ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں میں حضرت عمرؓ کے ساتھ تھا آپ کسی حاجت کیلئے ایک باغ میں چلے گئے اور میں نے آپ کو کہتے سنا میرے اور آپ کے درمیان باغ کی دیوہ رکھ رکھاؤ تھی ”عمر بن الخطابؓ امیر المؤمنینؓ آفرین ہے خطاب کے بیٹے خد کی قسم تو ضرور پہنچے کیلئے اللہ کی آڑ لے گا پادہ تجھے عذاب دے گا۔“ آپ نے اپنے کندھے پر مشکیزہ ٹھایا ہو تھا تو آپ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا ”میرا نفس خود پسند ہو گیا تھا میں نے چاہا کہ اسے دہل کر دوں۔“ آپ لوگوں کو عشاء کی نماز پڑھاتے پھر اپنے گھر میں داخل ہو جاتے اور فجر تک مسلسل نماز پڑھتے رہتے اور آپ لگاتار روزے رکھے بغیر فوت نہیں ہوئے اور عام الرمادہ میں آپ صرف روٹی اور تیل کھاتے تھے یہاں تک کہ آپ کی جلد سیاہ ہو گئی اور آپ فرماتے تھے ”اگر میں سیر ہو جاؤں اور بوگ بھوکے رہیں تو میں بہت برا دہلی ہوں“ اور رونے کی وجہ سے آپ کے چہرے پر دوسیا لکیریں پڑی ہوئی تھیں اور آپ قرآن کی آیت سن کر فٹش کھا جیا کرتے تھے اور آپ کو لینے لینے ٹھاکر آپ کے گھر لے جایا جاتا تھا اور کئی روز تک آپ کی عیادت کی جاتی<sup>(۱)</sup>۔ یہ ہے اس شخص کا حال جس کے رب و بدبے سے دنیا کا ہفتی تھی جس کے سامنے قیصر و کسری کی عظیم سطتیں سرنگوں ہو گئیں ان کے پیش بہا خزانے اس کے قدموں کے نیچے ڈھیر ہو گئے۔ اس نے اپنے طرز عمل سے جہاں اسلامی تصور ترقی کی آبیاری کی وہاں بادشاہت و خلافت کا عظیم فرق بھی واضح کر دیا۔ بادشاہت لوگوں کے خون پینے کی کمیوں سے اپنا تخت و تاج اور ایمان و عمل سہاٹی ہے اور خلافت سارے خزانے کو عوام الناس میں تقسیم کر کے انہیں خوشحال بنا دیتی ہے اور خود سادگی و پوریا لٹینی کو ترجیح دیتی ہے۔

## O .. نظام ٹیکس:

دور جدید میں ایک اور اہم معاشی مسئلہ جس کے منصفانہ حل کیلئے فاروق اعظمؓ کی اجتہادی بصیرت سے بھرپور استفادے کی ضرورت ہے 'وہ نظام ٹیکس ہے۔ یہ ہر دور میں قومی آمدنی کا بہت بڑا ذریعہ رہا ہے۔ ریاست و معاشرے کی اجتماعی ضروریات کیلئے جن میں تعلیم، دفاع، صحت، نظم و نسق، صلاح و بہبود وغیرہ شامل ہیں۔ حکومت جو بھی اقدامات کرتی ہے 'ان کیلئے حسب ضرورت رقوم کی فراہمی کے بغیر انہیں پورا کرنا ممکن نہیں ہو سکتا۔ دور جدید میں مواعلات، توانائی، اطلاعات و نشریات، معاشی ترقی، آبپاشی، امور داخلہ و خارجہ میں بے پناہ وسعت پیدا ہو گئی ہے 'جن کے تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے متعدد متفرق و متنوع دارے معرض وجود میں آگئے ہیں جو ہر وقت سرگرم عمل رہتے ہوئے قومی و ملی ضروریات کی تکمیل کرتے ہیں۔ جنہیں انفرادی سطح پر نہیں سنبھالا جاسکتا 'ان کے اخراجات حکومتی خزانے ہی سے پورے کئے جاسکتے ہیں 'جن کی آمدنی کا بڑا اور بڑے ٹیکس ہوتا ہے۔ اس لئے ٹیکس ہر شہری کیلئے واجب الادا سمجھا جاتا ہے۔ وہ اسے اپنے مشترکہ فوائد کیلئے ادا کرتے ہیں اور بالواسطہ طور پر عوام ہی کی طرف لوٹ آتا ہے۔ یہ ملکی معیشت کے استحکام، خود کفالت اور تعمیر و ترقی میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ نظام ٹیکس دی کامیاب ہو سکتا ہے جس کے مقاصد اعلیٰ و ارفع ہوں 'جو اجتماعیت کے مفادات کا محافظ ہو 'جو معاشی اونچ نیچ و در ظلم و استحصال کا ازالہ کرے 'قومی آمدنی میں بتدریج اضافہ کرے 'معاشی ترقی کی رفتار کو تیز کرے 'جو معقول، معتدل اور منصفانہ ہو 'جس میں عوام کے مسائل و مجبور یوں کا لحاظ رکھا گیا ہو 'ان کی خواہشات و اسگوں کا آئینہ دار ہو 'مضبوط اور لچکدار ہو 'عوام کو خوشدلی و فرامی سے اپنا حصہ ڈالنے پر تیار کرے اور عوام کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہو سکے کہ وہ جو کچھ ادا کر رہے ہیں 'وہ ان پر ہی صرف ہو رہا ہے۔ اسلام کا نظام ٹیکس ان سب خصوصیات سے متصف ہے۔ فاروق اعظمؓ نے اپنی پالیسیوں اور اقدامات کے ذریعے اسے ثابت کیا اور زیادہ کھول کر دنیا کے سامنے رکھا۔ دور جدید میں نظام محصولات کو اسلام کے سانچوں میں ڈھالنے کیلئے اس سے رہنمائی لے سکتے ہیں اور یہ بھی جائزہ لے سکتے ہیں کہ ہمارا فلسفہ ٹیکس 'طریق و اسلوب اور نظام کار کس حد تک اسلامی روح و مقاصد سے ہم آہنگ ہے۔

فاروق اعظمؓ ٹیکسوں کی بھرمار اور وصولی کو اسلامی ریاست کا مقصد نہیں سمجھتے تھے بلکہ آپ کے نزدیک اس کا اصل کام دین کی تبلیغ و شاعت ہے 'اس لئے اس کی ساری کوشش یہ ہونی چاہئے کہ لوگ زیادہ سے زیادہ اسلام کے دائرہ امن و فلاح میں داخل ہو جائیں اور اسلامی حقوق کی ذمہ داریوں سے مستفیض ہوں۔ اس سلسلے میں آپ نے رسول اکرم ﷺ کی سنت پر سختی سے عمل کیا۔ سلمان بن بریدہ سے روایت ہے حضرت عمرؓ کا یہ طریقہ تھا کہ جب آپ کے پاس مسلمانوں کا کوئی لشکر تیار ہو جاتا 'تو ان پر کسی عالم اور فقیہ فرد کو امیر مقرر کر دیتے۔ ایک ہار لشکر تیار ہوا تو آپ نے سلمہ بن قیس کو ان کا امیر مقرر کیا اور فرمایا 'اللہ کا نام لے کر 'اللہ کی راہ میں 'اللہ سے کفر کرنے والوں کے ساتھ جنگ کیلئے روانہ ہو جاؤ۔ جب مشرک دشمنوں سے تمہارا مقابلہ ہو تو ان کو دعوت دو کہ تمہیں شکلوں میں سے کوئی ایک شکل اختیار کریں۔ ان کو اسلام کی دعوت دو 'اگر وہ اسلام لے آئیں اور اپنے ہی علاقہ میں مقیم رہنا پسند کریں تو ان کے اموال میں سے رکوۃ لی جائے گی اور انہیں مسلمانوں کی فہم میں سے حصہ نہیں ملے گا۔ اگر وہ تمہارا ساتھ (جنگ کیلئے) نکلتا پسند کریں 'تو ان کو وہی حقوق حاصل ہوں گے جو تمہارے لئے ہیں اور وہی ذمہ داریاں عائد ہوں گی 'جو تم پر عائد ہیں۔ اگر وہ یہ شکل منظور نہ کریں تو ان سے کہو کہ جزیہ ادا کریں 'اگر وہ جزیہ دے کر نہ آئے 'تو ان کے دشمنوں سے لڑ کر ان کا دفاع کرو ورنہ خود انہیں خراج کی ادائیگی کیلئے فارغ جیوڑو اور ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ آلو۔ اگر وہ یہ شکل بھی منظور نہ کریں تو ان سے جنگ کرو'

اللہ اس کے مقابلے میں ضرور تمہاری مدد کرے گا<sup>(۱)</sup>۔“ آپ کے عہد میں تمام فتوحات میں اسی اصول کو سامنے رکھا گیا۔ عالم و فقیہ کو سالار مقرر کرنے میں حکمت یہی تھی کہ وہ مال و سب کے بچے اسلام کو ہی مقصود بنائے گا اور اسلامی اصولوں کی پوری طرح پاسداری کرے گا۔ آپ نے اسلام کی عی تبلیغ کی خاطر تقریر میں اعلان کیا کہ ”ہم کسی شخص سے جو اسلام قبول کر چکا ہو اس کی ملکیت سے کوئی چیز نہیں چھینیں گے“<sup>(۲)</sup>۔ ”آپ کا یہ طریقہ تھا کہ آپ متوجہ و مغلوب قوموں کو غلام بنائے اور ان کے موال کو بطور غنیمت تقسیم کرنے سے زیادہ اس بات کو پسند کرتے تھے کہ وہ جسمانی اور مذہبی اعتبار سے اسلامی ریاست کے آزاد شہری بنیں اور اس کے بدے میں ٹیکس (جزیہ) ادا کریں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر آپ کو یہ مطلوب تھا کہ وہ اسلام قبول کر کے غیر مسلموں پر عائد تمام ٹیکسوں سے نجات حاصل کر لیں کیونکہ آپ مال کے بجائے سلام میں وسعت کے خواہاں تھے۔ ۳۰ھ میں فتوحات مصر کے دوران سکندریہ کے حاکم نے جنگی قیدیوں کے بدے حضرت عمرو بن العاص کو جزیرہ دینے کی درخواست کی تو انہوں نے اس بارے میں آپ کو خط کے ذریعے آگاہ کیا تو آپ نے جواب میں تحریر فرمایا ”مجھے تمہارا خط موصوں ہوا جس میں تم نے تحریر کیا ہے کہ حاکم سکندریہ نے جزیرہ ادا کرنا قبول کر لیا ہے بشرطیکہ تم اس کے علاقے کے جنگی قیدیوں کو واپس لے کر دینا چاہتے ہو“<sup>(۳)</sup>۔ یہ چیز مجھے اس مال غنیمت سے زیادہ پسند ہے جو تقسیم کر دیا جاتا ہے پھر وہ مال ختم ہو جاتا ہے۔ تم حاکم سکندریہ کے سامنے یہ تجویز رکھو کہ وہ جزیرہ ادا کرے مگر جو جنگی قیدی تمہارے قبضے میں ہیں انہیں اختیار دیا جائے گا کہ وہ سلام قبول کریں یا اپنی قوم کے مذہب کو برقرار رکھیں۔ جو مسلمان ہو جائے گا وہ مسلمانوں میں شامل ہو گا اس کے حقوق و فرائض انہیں جیسے ہوں گے۔ مگر جو اپنی قوم کے مذہب پر برقرار ہو گا اس پر وہی جزیرہ مقرر کیا جائے گا جو اس کے ہم مذہبوں پر مقرر ہو گا۔ روئی کے بقول جب کوئی شخص سلام قبول کر لیتا تو ہم یہ نعرہ بجھیں گے کہ جو اس نعرے سے زیادہ زور دار ہو تا جب کہ ہم کوئی گناہ فتح کرتے“<sup>(۴)</sup>۔

آپ حکومت کی طرف سے ٹیکسوں کے حصول کو مال بڑھانے اور خزانے بھرنے کا ذریعہ نہیں سمجھتے تھے کہ ان کی وصولیابی کے بعد عوام کو حالات کے رجمہ کر پر چھوڑ دیا جائے اور وہ بے یار و مددگار ہو کر اپنی جان مال عزت و آبرو کے تحفظ کیلئے خود ہی ہاتھ پاؤں مارنے پر مجبور ہوں۔ جیسا کہ آج کل ہوتا ہے بلکہ اس کے درجے حکومت پر عوام کے حقوق و مفادات کے تحفظ کی بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ یہ ذمہ داری ہر شہری کے سلسلے میں ہوتی ہے وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو مسلمانوں کی جان کی آپ کے نزدیک قدر و قیمت کی تھی اس کا اندازہ آپ کے اس قول سے لگایا جاسکتا ہے جو حمید بن عبد الرحمن سے مروی ہے۔ ”قال عمر“ لانا استفد رجلا من المسلمین من ابندی الکھار احب الی من جریرۃ العرب“<sup>(۵)</sup>۔ ”ایک مسلمان کو کفار کے ہاتھوں چھڑ لینا مجھے پارے جزیرہ عرب سے زیادہ محبوب ہے۔“ نیز آپ نے یہ اعلان کیا کہ مسلمان فرد مشرک کی قید میں ہو تو اس کو چھڑانے کا ہر مسلمانوں کے بیت املاں پر ہے۔<sup>(۶)</sup> جہاں تک غیر مسلموں اور ذمیوں کا معاملہ ہے اس بارے میں آپ نے ایک تقریر میں فرمایا ”تم ان پر جزیرہ عائد کرو انہیں غلام نہ بنانا“ مسلمانوں کو ان پر ظلم کرنے ان کو کسی طرح کا نقصان پہنچنے اور حلال طریقے اور حق کے علاوہ کسی اور طریقے سے مال کھانے سے روک دو اور تم نے جن شرائط پر ان سے صلح کی ہے ان کو پورا کرو“<sup>(۷)</sup>۔ ہر طرح کے حقوق کو انشور کرنے اور ہر طرح کے تحفظات فراہم کرنے کے بدے میں جزیرہ و خراج کی حیثیت و مقدار انتہائی کم تھی۔ معاہدات کی پابندی کے سلسلے میں آپ نے اپنے الحکاموں کو جن امور کا یا بعد و عادی بنایا وہ بھی ہمارے لئے عہد حاضر میں مشعل راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اہل جہنم سے مصالحت کے وقت وہاں کے لوگوں نے ایک شرط یہ منظور کر لی کہ ان کے جنگل بھی محفوظ رہے گا ہوں کی طرح سمجھے جائیں گے۔ اس لئے جب مسلمان وہاں سے گزرتے



تھے تو ان جنگوں سے بچ کر نکلتے تھے کہ کہیں ان کو نقصان پہنچ کر عہد شکنی کے مرتکب نہ ہو جائیں<sup>(۱)</sup>۔ آپ صلح کی شرائط طے کرنے کے بعد یہ ضمانت دیتے تھے کہ ان کی پابندی کرنے پر ان کو اس کے جان و مال اور بیوی بچوں کے تحفظ کی ضمانت حاصل ہو جاتی ہے اور یہ ضمانت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ذمہ داری قرار پاتی ہے<sup>(۲)</sup>۔ ٹیکس ایک معاہدہ ہے جو ریاست اور اس کے شہریوں کے درمیان ہوتا ہے کہ اس کے بدلے میں وہ انہیں ہر طرح کے تحفظات فراہم کرے گی۔ ان کے اجتماعی حقوق و مفادات کی نگرانی و دفاع کرے گی اور ان کی خاطر ایسے دفاعی و فلاحی انتظامات کرتی رہے گی جو انفرادی طور پر وہ نہیں کر سکتے۔ جو حکومت اپنی ذمہ داریاں پوری نہ کرے اسے ٹیکس لینے کا کوئی حق نہیں۔ لہذا وجہ ہے کہ آپ کے عہد میں فتوحات شام کے دوران جب مسلمانوں کے سالار لشکر حضرت ابو عبیدہؓ کو یہ محسوس ہوا کہ وہ زمیوں کے مکمل دفاع کی ذمہ داری پورا کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں تو ان تمام دایوں کو جنہیں آپ نے صلح کے ذریعے فتح کئے ہوئے شہروں پر مامور کیا تھا یہ نکھاکا وہاں کے باشندوں سے جزیہ اور خراج کی جو رقبہ وصول کی گئی ہوں وہ انہیں واپس کر دی جائیں اور یہ بات واضح کر دی جائے کہ ہم نے یہ رقوم اس لئے واپس کی ہیں کہ تم نے ہم سے یہ عہد لیا تھا کہ ہم تمہارا دفاع کریں گے لیکن ہمارے خلاف جتنے زبردست لشکر جمع کئے گئے ہیں ان کی خبر ہمیں مل گئی ہے اور ہم اتنے طاقتور نہیں ان کا مقابلہ کر کے تمہارا دفاع کر سکیں۔ اس لئے ہم نے (آزاد و احتیاد) تم سے وصول کردہ رقوم تمہیں واپس دے دی ہیں۔ اگر اللہ نے ہمیں ان پر فتح عطا کی تو ہم ان شرائط کی پوری پابندی کریں گے جو ہمارے اور تمہارے درمیان طے پا چکی ہیں۔ جب ان دایوں نے ان سے یہ بات کہی اور وصول کیا ہوا مال انہیں واپس کر دیا تو وہ لوگ کہنے لگے ”خدا تمہیں فتح عطا کرے اور دوبارہ ہم پر (حکمران بنا کر) واپس لائے۔ آج اگر تمہاری جگہ یہ رومی ہوتے تو ہمیں کچھ بھی واپس نہ دیتے بلکہ اگلے ہر وہ چیز جہیں لیتے جو ہمارے پاس باقی رہ گئی ہے اور ہمارے پاس کچھ بھی باقی نہ بچتا“<sup>(۳)</sup>۔

حکمران و رعایا اور حاکم و محکوم کے مابین اعتماد و ہم آہنگی اور ذہنی و جذباتی قرب کی اس سے بڑی مثال اور کیا ہو سکتی ہے جو فلسفہ ٹیکس کے عبادانہ تصور سے نمودار ہوئی۔ معاہدین سے معاملہ تو حسب معاہدہ ہی ہوتا ہے لیکن دمیوں کا اس سے بھی آگے بڑھ کر ہے۔ اس میں تو یہ صورتحال تھی کہ بنیادی انسانی حقوق تو سب کو فراہم کئے جاتے تھے لیکن جزیہ صرف قابل کار لوگوں سے لیا جاتا تھا وہ بھی ایسے جو ادا کرنے کی پوزیشن میں ہوں اور اگر قطع سالی کا شکار ہوں گے تو معاف کر دیا جائے گا۔ اہل آذر بائجان سے حسب ذیل معاہدہ ہوا یہ معاہدہ امیر المومنین حضرت عمر بن الخطابؓ کے حاکم عتبہ بن فرقہ نے اہل آذر بائجان کے ساتھ ان کے تمام میدانوں، پہاڑوں، مضائقہ اور تمام اقوام کیلئے کیا ہے۔ ان کے جان و مال، مذہب و ملت اور رسوم و قوانین کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے بشرطیکہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق جزیہ ادا کریں۔ یہ جزیہ بچے، عورت اور ایسے مفلس و پانچ پر عائد نہیں ہے جس کے پاس دنیاوی مال و متاع کی کوئی چیز نہ ہو اور نہ ایسے عابد و راسخ پر ہے جس کے پاس دنیاوی مال و متاع نہ ہو اور جو ان کے ساتھ رہتے ہیں ان کے بارے میں بھی یہی حکم ہے۔ مگر عوام کیلئے یہ ضروری ہے کہ وہ اسلامی لشکر کے کسی شخص کی دن اور ایک رات مہمانداری کریں اور اسے راستہ بتائیں۔ جو قطع سالی کا شکار ہو گا تو اس سے اس سال کا جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ جو کوئی یہاں سکر رہے گا تو اس کو بھی وہی حق حاصل ہوں گے جو اس سے پہلے کے باشندوں کو حاصل ہیں اور جو یہاں سے نکلتا چاہے تو اسے پناہ دی جائے گی تا آنکہ وہ محفوظ مقام پر پہنچ جائے<sup>(۴)</sup>۔ بلکہ اگر وہ محتاج و ضرورتمند ہوں گے تو ان سے کچھ لینے کے بجائے ان کی کفالت کی جائے گی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا گزرد کسی کے دروازے کے سامنے سے ہوا جہاں ایک سائل بھیک مانگ رہا تھا یہ ایک بوڑھا آدمی تھا جس کی بصارت زائل ہو چکی تھی۔ آپ نے پیچھے سے اس کے بدن کو ٹھونکنا اور پوچھا ”تم کس مذہب کے اہل کتاب ہو؟“ اس نے جواب دیا ”میں بڑھاپے حاجت مندی اور جزیہ کے باعث بھیک مانگ رہا ہوں۔“ راوی کہتا ہے کہ عمرؓ اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے

گئے اور گھر میں سے لاکر اسے کچھ دیا۔ پھر آپ نے بیت المال کے خازن کو بلوایا اور ان سے کہا ”اس کا اور اس جیسے دوسرے افراد کا خیال رکھو کیونکہ یہ بات انصاف سے بعید ہے کہ ان کی جوائی میں ہم ان سے (جزیہ وصول کر کے) کھائیں اور بڑھاپا آئے تو انہیں بے سہارا چھوڑ دیں۔“ ”انما الصدقات للفقراء والمساکین“ (اس آیت میں مذکور) فقراء سے مراد مسلمان فقراء ہیں اور یہ آدمی اہل کتاب کے مسکینوں میں سے ہے۔“ آپ نے اس آدمی اور اس جیسے دوسرے افراد کے سر سے جزیہ بھی ساقط کر دیا۔ راولی کا کہنا ہے کہ میں نے یہ واقعہ خود دیکھا ہے اور اس بوڑھے کو بھی دیکھا ہے<sup>(۲)</sup>۔ اس سے ٹیکس کے ضمن میں اسلام کا یہ فلسفہ سامنے آتا ہے کہ اسلام سارے انسانوں کی بنیادی ضرورتوں اور دیگر تمام انسانی حقوق کی فراہمی کا علمبردار ہے، خود اپنے بچے ہوں یا بوڑھے، مرد ہوں یا عورتیں، مسلم ہوں یا غیر مسلم، امیر ہوں یا غریب، اس کی منصفانہ اور عملی شکل یہ ہے کہ ٹیکس کا بار تو صرف ان لوگوں پر ڈال جائے جو صاحب حیثیت ہوں لیکن حقوق ان سب کو فراہم کئے جائیں جو ریاست کے شہری ہوں، یہی بات ہمیں فلسفہ زکوٰۃ میں بھی نظر آتی ہے۔ اس طرح اسلام پسے ہوئے طبقوں اور غریبوں اور مفلسوں کو بھی عزت و وقار اور امن و امان عطا کرتا ہے۔

آپ نے زیادہ تر تناسب (Proportional) و متراکم (Progressive) ٹیکس لگائے تاکہ وہ اپنی آمدنی و وسائل کے مطابق ادا کریں۔ انہیں زیادہ بوجھ نہ محسوس ہو اور معاشی و معاشرتی تفاوت کا خاتمہ ہو سکے۔ نسبتاً کم آمدنی والے لوگوں کی خیر خواہی کے ساتھ ریاست کی آمدنی میں خاطر خواہ اضافہ بھی اس کے مقاصد میں شامل تھا۔ آپ نے سوا میں خوشحال لوگوں پر ۸ درہم، متوسط لوگوں پر ۴ درہم اور عام لوگوں پر ۱۲ درہم فی کس عائد کیا۔ اس نظام کی ایک خوبی یہ بھی سمجھی جاتی ہے کہ اس میں لچکدار پائی جاتی ہے اور بوقت ضرورت اس کی شرح میں بھی اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ اس سے حکومت کی آمدنی میں جو اضافہ ہوتا ہے اس کا منفی اثر مندی کی میکانیت پر نہیں پڑتا۔ چنانچہ آپ کے سامنے یہ معاملہ لایا گیا کہ (خوشحال بڑھ جانے کی وجہ سے) وہ زیادہ ادا کر سکتے ہیں تو آپ نے ان پر نظر ثانی کی<sup>(۳)</sup>۔ آپ ٹیکسوں کے معاملے کو اجتہادی مسئلہ سمجھتے تھے۔ زکوٰۃ و عشر کے علاوہ جن کی شرحیں متعین ہیں دیگر ٹیکسوں کی شرح کے تعین، نفاذ کے طریق کار اور اس کے انتظامی معاملات کو بحسن و خوبی چلانے کیلئے حالات و وقت کی ضروریات کے مطابق حکومت کے صوابدیدی اختیارات کے زمرے میں رکھتے تھے۔ آپ نے پہلی مرتبہ عشر کے نام سے بالواسطہ ٹیکس کا آغاز کیا جو دراصل محصول چوگنی کی طرح کا تجارتی ٹیکس تھا۔ بقول امام شافعی ”سب سے پہلے سام میں جس نے عشر کو رائج کیا وہ حضرت عمرؓ ہیں“<sup>(۴)</sup>۔

امام ابو عبید اللہ رحمہ اللہ اس کی توجیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے عشر کے سلسلے میں جو کارروائیاں کیں ان کی بنیاد ان صلح ناموں پر تھی جو ان کے عہد کے ساتھ طے پائے تھے۔ یہ کچھ رسول اکرم ﷺ کے عہد میں نہیں ہوا تھا۔ اس لئے کہ آپ نے جن سے صلح کی تھی ان سے اس قسم کی کوئی شرط ان کے ساتھ نہیں رکھی تھی۔ اسی طرح حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں بھی جہاں تک غیر عربی ممالک کی فتوحات کا تعلق ہے، یہ سلسلہ حضرت عمرؓ کے دور میں جاری ہوا لہذا اس قسم کے مسائل انہیں کے دور میں رونما ہوئے<sup>(۵)</sup>۔ محصول چوگنی کی ابتدا اے کے بارے میں کس طرح ہوئی۔ وہ مختلف روایات ہیں ایک یہ کہ باشندہ گان طبع نے جو سمندر پار ایک حربی قوم تھے حضرت عمر فاروقؓ کو لکھا کہ ہمیں اپنے ملک سے تجارت کیلئے آنے کی اجازت دیں، آپ ہم سے عشر وصول کر لیا کیجئے۔ آپ نے اصحاب رسول ﷺ سے اس بارے میں مشورہ کیا تو انہوں نے اس کے حق میں مشورہ دیا چنانچہ یہ پہلی حربی قوم تھی جس سے عشر وصول کیا گیا<sup>(۶)</sup>۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمرؓ کو خطاب کر لکھا ”ہمارے ملک کے مسلمان تاجر جب حربی علاقوں میں جاتے ہیں تو وہ لوگ ان سے

دسواں حصہ وصول کرتے ہیں۔ "حضرت عمرؓ نے جواب میں لکھا "تم بھی ان سے اسی طرح وصول کرو جس طرح وہ مسلمان تاجروں سے وصول کرتے ہیں۔  
 ذمیوں سے بیسواں حصہ لیا کرو اور مسلمان تاجروں سے چالیس درہم میں سے ایک درہم وصول کرو دو سو درہم سے کم پر کچھ نہ دناں دو سو کا تو دس میں سے پانچ  
 درہم ہو اس سے زیادہ ہو تو اسی حساب سے وصول کرو" (۱)۔ اس طرح آپ نے کم از کم ہدایت دو سو درہم کے برابر مقرر کی۔ اس کی تفصیل متعدد روایات سے بھی  
 ہوتی ہے (۲)۔ آپ کے عمال محصولات کی وصولی کیلئے اموال کی مالیت کا لہجہ عائدانہ اندازہ لگاتے تھے اور دیگر لوگوں کو بھی مشورت میں شامل کرتے تھے تاکہ  
 کسی قسم کی ریہوتی نہ ہو۔ ایک مرتبہ بنو تغلب کا ایک عیسائی گزرا جس کے پاس ایک گھوڑا تھا۔ موقع پر موجود لوگوں نے اس کی قیمت میں ہزار درہم لگائی۔ زیادہ بن  
 حریر جو عامل تھے انہوں نے اس شخص سے کہا "یا تو تم مجھے گھوڑا دے دو اور انیس ہزار لے لو یا گھوڑا اپنے پاس رکھو ورنہ مجھے ایک ہزار (بطور چوگی) دے دو۔" اس  
 شخص نے گھوڑا خود رکھا اور انیس ہزار دے دیا (۳)۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے عہد میں ٹیکس گزرا کو پوری طرح مطمئن کیا جاتا تھا کہ اس کے ساتھ  
 زیادتی نہیں کی جا رہی۔ عدوہ اریس آپ نے اصول مقرر کیا ایک مال پر صرف ایک ہی مرتبہ وصول کیا جائے۔ اگر محصولات میں زیادتی کی کوئی شکایت آپ تک  
 پہنچتی تھی تو فوری کارروائی کرتے تھے۔ مذکورہ قطعی عیسائی، اسی سال دوبارہ زیادہ بن حریر کے پاس سے گزرا تو انہوں نے اس سے کہا کہ ایک ہزار دے دو اس نے ان  
 سے پوچھا کہ "میں میں جتنی ہر تمہارے یہاں سے گزروں گا تو تم مجھ سے ایک ہزار وصول کرو گے؟" انہوں نے کہا "ہاں!" راوی کا کہنا ہے کہ یہ سن کر قطعی  
 حضرت عمرؓ کے پاس گیا اور مکہ میں جا کر ان سے ملا وہ ایک گھر کے اندر تھے اس نے حاضر ہونے کی اجازت حاصل کی۔ آپ نے پوچھا "تم کون ہو؟" اس نے  
 جواب دیا "میں ایک عرب عیسائی ہوں اور ان سے اپنا قصہ کہہ سنایا۔" حضرت عمرؓ نے اس سے صرف اتنا کہا بہت اچھا بات صاف ہو گئی۔ وہ شخص لوٹ کر پھر زیادہ  
 بن حریر کے پاس آیا اس کا خیال تھا کہ اسے اب ایک ہزار اور دینا پڑے گا لیکن وہاں اس نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ کا خط اس سے پہلے پہنچ چکا تھا جس میں لکھا تھا  
 "جس گزرنے والے سے تم ایک ہزار صدقہ لے چکے ہو اس سے آئندہ ساں اسی تاریخ تک دوبارہ وصول نہ کرو! یہ کہ وہ مزید مال لے کر آئے۔" راوی کہتا ہے  
 کہ یہ دیکھ کر وہ عیسائی بول اٹھا "اللہ کی قسم میں تو یہ سوچ چکا تھا کہ ایک ہزار اور دے دوں میں خدا کو گواہ بناتا ہوں کہ اب میرا عیسائیت سے کوئی تعلق نہیں دور  
 میں اسی شخص کے دین پر ہوں جس نے تم کو یہ خط لکھا ہے" (۴)۔

ٹیکسوں کا بے جواز ہونا اور تار و طور پر حاصل کرنا حکومت و رعایا کے درمیان دور رس پیدا کرتا ہے لیکن اگر ان میں حق و انصاف کا لیلہ رکھ جائے تو بات  
 صرف تعلقات کی اصلاح کا باعث نہیں بنتی بلکہ لوگوں کو اپنے دین تک کو تبدیل کرنے کا ذریعہ بھی بن سکتی ہے۔ جیسا کہ مندرجہ بالا روایت سے ظاہر ہوتا ہے۔  
 دور حدید میں اسی پہلو پر بہت زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ آج فاروق اعظمؓ کی اجتہادی بصیرت کے اس فیصلے سے بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے کہ کسی بھی دور  
 میں کسی عدالتی یا ملک یا قوم کے عکس جزئیہ کے نام پر ٹیکس دینے میں تو بین محسوس کرتے ہوں تو اس کا نام تبدیل کرینے میں کوئی حرج نہیں۔ ایک روایت ہے  
 جلالہ بن لاہم حضرت عمرؓ بن الخطاب کے پاس بحالت نصرانیت آیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو اسلام پورا دے صدقہ کی دعوت دی اس نے انکار کیا اور کہا "میں  
 اپنے دین پر قائم رہوں گا ورنہ صدقہ دوں گا۔" حضرت عمرؓ نے کہا "اگر تو اپنے دین پر قائم رہتا ہے تو جزیہ دے۔" اس پر اس نے ناک چڑھائی حضرت عمرؓ نے کہا  
 "ہمارے پاس تیرے لئے تین (باتوں) میں سے ایک کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اسلام یا جزیہ اور یا یہ کہ جہاں تیرا گناہ ہے تو چھاپے۔" چنانچہ وہ تیس ہزار ذمیوں  
 کے ساتھ باہر دروم چلا گیا۔ حضرت عمرؓ کو جب یہ خبر ہوئی تو نادم ہوئے۔ عبادہ بن الصامت سے انہیں حاضمت کی اور کہا "اگر آپ اس سے صدقہ لینا قبول

کر بیٹے اور پھر اس کی تالیف (قلب) کرتے تو وہ ضرور مسلمان ہو جاتا<sup>(۱)</sup>۔ پھر جب ۲۱ھ میں حضرت عمرؓ نے عبید بن سعد الانصاری کو بلاد الروم کی طرف پیش عظیم کے ساتھ بھیجا، انہیں صائفہ کاوان کیا اور یہ اولین الصائفہ تھی تو انہیں حکم دیا کہ ”جلد بس اناسیم سے بہ تلطیف پیش آنا اور سے باہمی قربت کا پس و را کر بلاد مسام کی طرف آئے کی دعوت دینا اور کہنا کہ جو صدقہ تم نے دینے کو کہا تھا وہی دو اور اپنے دین پر قائم رہو۔“ عبیدؓ روانہ ہو کر بلاد الروم میں داخل ہوئے اور حضرت عمرؓ نے جلد سے جو کچھ کہنے کا حکم دیا تھا اس سے کہا۔ اس نے ان کی بات رد کر دی اور اسی پر قائم رہا کہ بلاد الروم ہی میں رہے گا<sup>(۲)</sup>۔ یہی اصول آپ نے بنو تغلب کے سلسلے میں اختیار فرمایا۔ ان سے حاصل ہونے والے جزیہ کو دو گنی زکوٰۃ و صدقہ کا نام دیا۔

والذین کر دوس کہتے ہیں ”میں نے بنی تغلب کی طرف سے حضرت عمرؓ بن الخطابؓ سے صلح کی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب وہ (بنی تغلب) دریائے فرات پار کر چکے تھے اور رومیوں سے جا کر ملنا چاہتے تھے۔ اس صلح نامہ کی شرائط یہ تھیں ”یہ (بنی تغلب) کسی بچہ کو پچھتہ نہیں دیں گے اور نہیں اپنے دین کے سو کسی دین کو قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا اور یہ کہ سن سے عشر دگنا وصول کیا جائے گا یعنی ہر مہینہ ایک درہم<sup>(۳)</sup>۔“ زرع بن نعمان (یا نعمان بن زرع) کہتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ بن الخطابؓ نے بنی تغلب جزیہ وصول کرنا چاہا اور وہ دیگر علاقوں میں نکل کر منتشر ہونے لگے تو میں نے ان کے بارے میں حضرت عمرؓ سے گفتگو کرنا چاہی۔ میں نے حضرت عمرؓ سے کہا ”اے امیر المؤمنین! بنی تغلب عرب ہیں اور جزیہ کے نام سے گھبراتے ہیں۔ یہ لوگ کھیتی باڑیاں اور مویشیوں کے علاوہ کچھ مال نہیں رکھتے بہتہ یہ اپنے دشمنوں کو زک پہنچانے والے لوگ ہیں لہذا آپ ان (کو اپنے علاقہ) سے (دور کر کے) اپنے دشمنوں کو تقویت نہ پہنچائیے۔“ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس شرط پر ان سے صلح کر لی کہ میں ان سے صدقہ (زکوٰۃ) کا دو گنا وصول کروں گا اور ساتھ ہی ان سے یہ شرط بھی کی کہ وہ اپنی اولاد کو عیسائی نہ بنائیں<sup>(۴)</sup>۔ امام ابو عبیدہ کے بقول ہمارے خیال میں انہوں نے جزیہ کا نام ازا کر یہ صورت اس لئے جائز رکھی کہ انہیں بنی تغلب کی طرف سے یہ بات معوم ہو چکی تھی کہ وہ جزیہ کے نام سے ہزاری و ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں اور وہ خطرہ محسوس کرتے تھے کہ اگر انہیں (اسی نام پر) مجبور کیا گیا تو وہ رومیوں سے جا ملیں گے اور اسلام کے خلاف ان کے مددگار بن جائیں گے۔ پھر ان پر یہ حقیقت بھی منکشف تھی کہ اگر ان سے وہ جزیہ لینے کے ساتھ ہی واقعی رعایت کر دی جائے کہ اس کا نام (جزیہ) باقی نہ رکھا جائے تو اس سے مسلمانوں کو کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔ بناء بریں انہوں نے ان کیلئے جزیہ کا لفظ ازا دیا اور اس کی واجب الادا رقم ”صدقہ“ کے نام سے لینے لگے جو مسلمانوں سے وصول کی جانے والی زکوٰۃ کی دگنی ہوتی تھی۔ اس طرح ایک طرف تو ان کے مخالفین سے جاننے کے اندیشہ کا سد باب ہو گیا اور دوسری طرف ان کے ذمہ مسلمانوں کے جو واجب الادا حقوق تھے وہ بھی پورے پورے وصول ہو گئے اور اس فیصلہ میں حضرت عمرؓ صاحب الرائے اور اپنی جگہ بالکل حق بجانب تھے<sup>(۵)</sup>۔

امام بلاذری کے بقول اس پر سب کا اجماع ہے کہ بنی تغلب کے مال کی وہی حیثیت ہے جو مال خراج کی ہے کیونکہ وہ جزیہ کا دہا ہے<sup>(۶)</sup>۔ آپ کے نزدیک ریاست کی اصل و مدد داری ہو مگوں کی فلاح و بہبود کیلئے کوشش کرنا انہیں معاشی طور پر زیادہ سے زیادہ خود کفیل بنانا انہیں نار و دست اندازوں سے محفوظ رکھنا ہے۔ اس کیلئے ان سے ٹیکس وصول کرنے کے بجائے انہیں چھوٹ دینے کی ضرورت ہو تو اس پر عمل کرنا زیادہ مناسب ہے تاکہ وہ مستقبل میں اس قابل ہو سکیں۔ انہیں جو سہولیات میسر ہیں ان کے بدلے میں ٹیکس ادا کریں یہاں تک کہ جن شہریوں کا رویہ اور ٹیکس گزاروں کا انداز اجتماعی مصالح کے خلاف ہو انہیں بوقت ضرورت علاقہ بدر تو کر سکتے ہیں، لیکن ان کے انسانی حقوق کی نفی نہیں کر سکتے۔ اس کی دلیل اہل ہزار کے بارے میں آپ کا فیصلہ ہے۔ جب عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو

(۱) عبید ۳۱، بلاد الروم ۱: ۱۵۱ (۲) بلاد الروم ۱: ۱۵۱ (۳) عبید ۴۸۱ (۴) عبید ۴۸۲، بلاد الروم ۱: ۱۸۶ (۵) عبید ۴۸۳ (۶) بلاد الروم ۱: ۱۸۷۔

یہ لوگ ان کے پاس آئے۔ عمرؓ نے ان لوگوں کو نجران میں سے جلا وطن کر کے نجران عراق میں بے دیا تھا کیونکہ آپ کو یہ اندیشہ تھا کہ یہ لوگ مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں گے۔ آپ نے ان کیلئے یہ تحریر فرمایا: ”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔“ یہ ہے وہ تحریر جو مومنین کے امیر عمرؓ نے ہاشدگان نجران کیلئے لکھی ہے۔ ان میں سے جو لوگ بھی (نجران میں سے) روانہ ہو رہے ہیں ان کو اللہ کی مالا حاصل ہے۔ مسلمانوں میں سے کوئی بھی انہیں نقصان نہیں پہنچائے گا۔ یہ اس (عہد نامہ) کے طور پر لکھا گیا ہے جو محمد نبی ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان کیلئے تحریر فرمایا تھا۔ بعد ازیں لوگ شام اور عراق کے جس امیر کے پاس سے بھی گزریں اسے چاہئے کہ زمین کی کھیتی کرنے میں ان کی مدد کرے اور یہ لوگ جو کچھ (زمینیں) خود کاشت کر لیں وہ ان کیلئے رلاخہ میں صدقہ اور ان زمینوں کا بدلہ ہیں، جنہیں یہ چھوڑ کر آ رہے ہیں۔ کسی کو اس بارے میں ان پر اعتراض کا کوئی حق نہیں، نہ ان سے کسی طرح کا تاوان دیا جاسکتا ہے۔ مابعد ازاں مسلمان فردان کے یہاں آئے اسے ان پر ظلم کرنے والوں کے خلاف ان کی مدد کرنی چاہئے کیونکہ یہ ایسے لوگ ہیں جنہیں ذمہ حاصل ہے اور ان کے سر جو جزیہ ہے وہ ان کے آنے کے بعد سے چوبیس مہینوں تک کیلئے معاف کیا جاتا ہے اور ان پر کوئی بار نہ ڈالا جائے۔ ۱۱ یہ کہ کوئی ان کے ساتھ بھلائی کر دے ان پر نہ کوئی زیادتی کی جائے نہ ان کو کسی دست درازی کا پدافد دیا جائے۔“ اس پر گواہ ہیں عثمان بن عفان اور معقل بن ابراہیم اور انہوں نے اسے لکھا بھی ہے۔<sup>(۱)</sup>

بصیرت عمرؓ کا ایک اجتہاد یہ بھی تھا کہ ٹیکس گزاروں سے صرف مال و متاع کی شکل میں ہی لینے کے بجائے ان سے رفاہی و فلاحی خدمات لی جائیں، جنہیں حکومت اپنے وسائل سے یہ تو پورا نہیں کر سکتی تھی یہ پھر حکومت کیلئے زیادہ ہنگامہ اور مشکل ہوتا۔ اس کے برعکس علاقے کے لوگ زیادہ بوجھ محسوس کئے بغیر خوشدلی سے ادا کرتے تھے۔ اس میں دوسروں کے علاوہ خود ان کی اپنی بھی بھلائی ہوتی تھی۔ اس کے بدلے میں انہیں ٹیکسوں میں رعایت دینا کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ رولیت میں آتا ہے کہ آپ غیر مسابوں سے معاہدات میں جزیہ کے علاوہ ایک دن کی بعض اوقات تین دن کی میزبانی فرض کر دیتے تھے۔ علاوہ ازیں بعض رفاہی ذمہ داریاں مثلاً پیوں کی مرمت وغیرہ بھی شامل ہوتی تھیں۔ اسلم کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے چاندی رکھنے والوں پر چالیس درہم اور سونار رکھنے والوں پر چار دینار جزیہ مقرر کیا۔ اس کے ساتھ ہی ان کے ذمہ مسلمانوں کی خوراک اور تین دن کی مہمانی کا فرض بھی عائد کیا۔ حارث بن مضرب کہتے ہیں کہ عمرؓ نے اہل سواد کے ذمہ ایک روز و شب کی مہمانی فرض کی تھی اور یہ قانون مقرر کیا تھا کہ ذمیوں کے پاس جو غلہ اور چارہ ہو اس میں دست اندازی نہ کی جائے۔ حارث بن مضرب کہتے ہیں کہ ہمدانی موجودگی میں حضرت عمرؓ کا خط پڑھا گیا جس میں لکھا تھا: ”ہم نے اہل سواد پر ایک روز و شب کی مہمانی فرض کی ہے۔ اگر کسی (مسلمان) کو بارش یا بیماری اس مدت سے رائد قیام کرنے پر مجبور کرے تو پھر وہ پنہاں خرچ کرے۔“ اشف بن قیس کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے صلح کی شرائط میں ذمیوں پر ایک روز و شب کی ضیافت فرض کی نیز ان کے ذمہ پیوں کی مرمت رکھی اور یہ کہ اگر ان کے علاقہ میں کوئی مسلمان قتل ہو جائے تو وہ سب مل کر اس کی دیت ادا کریں۔ حکیم بن عمیر کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب نے لکھا تھا: ”مسلمان مسافروں کا کوئی قافلہ اگر معاہدہ کئے ہوئے ذمیوں کے پاس رات میں پناہ لیتے ہوئے پیچھے اور وہ ان کے بصرے کا انتظام نہ کریں تو اسلامی حکومت کی ذمہ داری ان ذمیوں سے ختم ہو جاتی ہے۔“ عبدالملک بن عمیر کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب نے شامی بھٹیوں سے یہ شرط طے کی تھی کہ ان کے بھٹیوں اور چارہ کے استعمال کا مسلمانوں کو حق حاصل ہوگا لیکن مسلمان یہ چیزیں رد کر نہیں لے جائیں گے۔<sup>(۲)</sup>

ابو عبیدہ بن الجراح نے ہاشدگان شام سے صلح کرنا اور وہاں فاتحہ داخل ہوتے وقت یہ شرط طے کرنی کہ موجودہ گرجا اور عیسائی رہنے دینے چاہیں گے اور لوگ کوئی نیا گرجا بنیاد نہ تعمیر کریں گے۔ جو لوگ راستہ بھول جائیں ان کی رہنمائی کرنا اور اپنے دریاؤں اور نہروں پر اپنے صرفہ سے پل تعمیر کرنا ان لوگوں کی

ذمہ داری قرار پائی۔ یہ بھی طے ہو کہ جو مسلمان ان کے یہاں تئیں ان کی یہ تین دن میزبانی کریں گے۔ کسی مسلمان کو نہ گالی دیں گے نہ ماریں گے۔ مسلمانوں کی بستیوں میں صیب نہیں بلند کریں گے۔ سوروں کو اپنے گھروں سے ہٹا کر مسلمانوں کے صحن یا میدان میں نہیں چھوڑیں گے۔ راہِ خدا میں جنگ کرنے والوں کیلئے آگ روشن کریں گے۔ مسلمانوں کی کسی کمزوری کی خبر دوسروں کو نہیں پہنچائیں گے۔ مسلمانوں کی اذان سے پہلے ان کی اذان کے وقت اپنے ناقوس نہیں بجائیں گے اور اپنے تہواروں میں اپنے جھنڈے نہیں بلند کریں گے اور تہواروں میں ہتھیار بند ہو کر نہیں نکلیں گے نہ گھروں میں ہتھیار رکھیں گے۔ طے پایا کہ اگر وہ ان میں سے کسی شرط کی بھی خلاف ورزی کریں گے تو ان کو سزا دی جائے گی۔ انہیں شرائط پر صلح ہو گئی <sup>(۱)</sup>۔ ”بسا اوقات ان معاہدوں میں دفاعی معاملات میں ان سے تعاون لینا اور مافی سرگرمیوں کے خاتمے کیلئے انہیں شریک کرنا بھی شامل ہوتا تھا۔

ہونا کیا گیا ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کسی قوم سے صلح کرتے تھے تو یہ شرط طے فرما لیتے تھے کہ ”وہ لوگ اتنا خرچ ہوا کریں تین دن میزبانی کیا کریں گے راستہ دکھایا کریں گے ہمارے خلاف ہمارے دشمنوں سے ساز باز نہ کریں گے اور ہمارے کسی مجرم کو پناہ نہ دیں گے۔ ان شرائط کی پابندی کرنے پر ان کو ان کے جان و مال اور بیوی بچوں کے تحفظ کی ضمانت حاصل ہو جاتی ہے اور یہ (حفاظت) اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ذمہ داری قرار پا جاتی ہے لیکن اگر لشکر ان کی فصل سے ہمارے علم کے بغیر کچھ سے لے کر تو اس کے سلسلہ میں ہم ذمہ دار نہیں ہوں گے <sup>(۲)</sup>۔“ بسا اوقات کسی بھی علاقے کے مسلمانوں کی ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے اجناس کی شکل میں ٹیکس وصول کر لیا جاتا تھا۔ روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اشام اور الجزیرہ میں مسلمانوں کی خوراکیوں کیسے دودھ دی گئیوں اور تین قطعہ تیل مقرر کیا اور ان پر ان مسلمانوں کی جو وہاں آئیں تین دن کی ضیافت مقرر ہوئی <sup>(۳)</sup>۔ آپ کے نزدیک ٹیکس گزاروں کی عزت و تکریم کرنا لازم تھا۔ آپ لوگوں کو بھی اس چیز کا احساس دلاتے تھے کہ ان کی قدر و قیمت کو پہچانیں اور ان کا خیال رکھیں۔ جو یہ بن قدامہ نخعی سے روایت ہے کہ میں نے عمرؓ بن الخطاب سے سنا تھا آپ سے ہم نے عرض کیا تھا کہ ”اے امیر المومنین! ہمیں کوئی نصیحت کیجئے۔“ تو آپ نے فرمایا ”اوھیکم بدمۃ اللہ فانہ ذمۃ بیکم و ردق عیالکم <sup>(۴)</sup>۔“

آپ کے نزدیک اس لحاظ سے عزت کی دو بنیادیں ہیں ایک یہ کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی ذمہ داری ہیں ان کے نام پر ان سے عہد و پیمان کیا گیا ہے اور دوسرے یہ کہ سب کے اہل و عیال کیسے رزق کا ایک وسیلہ و ذریعہ ہیں کہ ان کے ٹیکسوں کی وجہ سے وہ خلفاءِ اہلِ فلاح و بہبود کے اقدامات اور خوشحالی حاصل ہوئی ہے۔ آپ ٹیکس کی وصولی کو ظلم و جبر کے بجائے نرمی و خوشدلی و سہولت و رعایت کے ساتھ وصول کرنے کی ترغیب دیتے تھے اور عمال کی طرف سے ایسی ہی رویہ پسند کرتے تھے۔ جبرین نہیں کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب کے پاس کثیر مال آیا تو انہوں نے کہا ”میں سمجھتا ہوں کہ تنہا کثیر مال حاصل کرنے میں تم نے لوگوں پر بے جا بار ڈال کر انہیں تباہ کر دیا ہو گا۔“ اس پر وہ (مال لانے والے) بولے ”نہیں اللہ کی قسم ہم نے ان کی سہولت اور خوشدلی کے ساتھ یہ کچھ ان سے وصول کیا ہے۔“ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا ”بغیر کوڑے مارے اور بغیر لٹکائے؟“ انہوں نے کہا ”جی ہاں!“ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا ”الحمد للہ! جس نے مجھے اور میرے دور حکومت کو رعایا پر مظالم و تشدد سے محفوظ رکھا <sup>(۵)</sup>۔“ سعید بن عبد العزیز کہتے ہیں کہ سعید بن عامر بن حذیم حضرت عمر بن الخطابؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت عمرؓ نے ان پر کوڑا ڈھیا۔ اس پر سعید نے کہا ”آپ تو بات سے پہلے ہی سزا دینے لگے۔ بہر حال اگر آپ سزا دیں گے تو ہم صبر کریں گے اگر آپ معاف کر دیں گے تو ہم شکر گزار ہوں گے اور اگر آپ کو ہم سے کوئی شکایت ہو جائے تو ہم اس شکایت کے ازالہ کی کوشش کریں گے۔“ اس پر حضرت عمرؓ نے

فرمایا ”بس یہی مسلمان کا فریضہ ہے۔ اب بتاؤ تم نے خرارج کی رقم داخل کرنے میں اتنی دیر کیوں لگائی؟“ انہوں نے جواب دیا ”آپ نے ہمیں حکم دے رکھا ہے کہ کاشتکاروں سے چارہ بنار سے زائد وصول نہ کریں چنانچہ ہم بھی اس سے زیادہ کا ان سے مطالبہ نہیں کرتے۔ اب ہم نے انہیں فصلیں کٹنے تک مہلت دے دی ہے۔“ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا ”جب تک میں زندہ ہوں تمہیں اس عہدہ سے معزور نہیں کروں گا“<sup>(۱)</sup>۔ ”بہ اوقات حقاری لوگوں کے مفادات کے تحفظ اور ریاستی تمدنی میں اضافے کیلئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ کوئی روایتی ٹیکس نافذ نہ کر دیا جائے۔ دوبارہ نافذ کر دیا جائے جیسا کہ فاروق اعظمؓ نے بطحیوں کے سلسلے میں کیا جو مدیہ کی منڈی میں سامان تجارت لایا کرتے تھے۔ امام مالک کا کہنا ہے کہ میں نے ابن شہاب سے پوچھا کہ ”حضرت عمرؓ بطحیوں سے عشر کیوں وصول کرتے تھے۔“ یہوں نے جواب دیا کہ عہد جاہلیت میں ان سے یہ ٹیکس لیا جاتا تھا حضرت عمرؓ نے بھی اسے لازم کر دیا“<sup>(۲)</sup>۔ ”اسے دوبارہ نافذ کرنے کی مذکورہ دو ہی وجوہ ہو سکتی ہیں۔ اس کے برعکس بعض بنیادی اشیاء کی فروانی سے دستیابی ان کی سرمایہ کاری کے فروغ اور قیمتوں کے استحکام کا تقاضا ہو تو ٹیکسوں میں کمی کر دینی چاہئے۔ حضرت عمرؓ نے بطحیوں کے ٹیکس میں کمی کر دی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ ہند کے کافروں سے گیسوں اور تیل وغیرہ پر نصف عشر وصول کرتے تھے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ مدینے میں زیادہ مقدار میں مائی جائیں بہتہ آپ قطیف کے لوگوں سے پورا عشر ہی لیتے تھے<sup>(۳)</sup>۔ یقیناً یہ امتیازی رویہ کسی اعلیٰ تر مقصد کے تحت ہو گا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دور جدید میں بھی مختلف قوموں سے وسیع تر قومی وطنی مصراع کی بنا پر درآمدات و برآمدات کے سلسلے میں مختلف ٹیکس کی مختلف شرحوں کا تعین کیا جاسکتا ہے۔ ٹیکسوں کے سلسلے میں آپ کا ایک اور نقطہ نظریہ سامنے آتا ہے کہ حکومت کو ان کے تعین نفاذ اور طریق کار میں وسیع اختیارات حاصل ہیں۔ وہ عوامی فلاح و بہبود حاکمات و وقت کی ضروریات شرعی تقاضوں اور دیگر بے شمار اجتماع مصالح کی بنیاد پر اجتہادات کر سکتی ہے اس کی متعدد مثالیں دی جاسکتی ہیں۔

عشور کے نفاذ، بختیاب سے دو گنا جزیہ کی وصولی کے فیصلے، ٹیکس گزاریوں سے دیگر فلاحی و سماجی کام لینے کے ساتھ ساتھ آپ نے گھوڑوں اور غلاموں پر ٹیکس وصول کرنا شروع کیا اور اس کا نام صدقہ رکھا۔ سلیمان بن یسار سے روایت ہے کہ اہل شام نے حضرت ابو عبیدہؓ سے کہا کہ ہمارے گھوڑوں اور غلاموں پر زکوٰۃ لیجئے۔ انہوں نے انکار کیا اور حضرت عمر فاروقؓ کو اس کی اطلاع دی انہوں نے بھی انکار کیا۔ شامیوں نے پھر اس کا تقاضا کیا تو ابو عبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا ”انہوں نے جواب میں لکھا کہ ”اگر وہ دینا چاہتے ہیں تو بے کرائی کی طرف لوٹو“ اسے ان کے خادموں اور لونڈیوں کی خورد و پوش پر صرف کرو“<sup>(۴)</sup>۔ ”عہد نبویؐ و عہد صدیق اکبرؓ میں گھوڑے اور غلام پر زکوٰۃ نہیں لی جاتی تھی۔ حضرت عمرؓ کے دور اول میں بھی ان پر زکوٰۃ نہیں تھی پھر یہ واقعہ پیش آیا کہ جب حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح شام کے والی تھے ان کے پاس کچھ اہل تقویٰ آئے اور ان سے کہا کہ ہمارے گھوڑوں اور غلاموں پر زکوٰۃ لے لیا کریں۔ انہوں نے انکار کیا پھر حضرت ابو عبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو تحریر کیا۔ حضرت عمرؓ نے بھی گریز کیا چنانچہ وہ لوگ حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور کہا کہ ہمارا مال گھوڑے اور غلام ہیں، آپ ان پر ہم سے زکوٰۃ لیجئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ”کسی ایسی شے پر زکوٰۃ نہیں لوں گا جس پر مجھ سے پہلے نہیں لی گئی۔“ ازال بعد آپ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا جس پر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ”جب یہ لوگ خوش دلی سے دینا چاہتے ہیں تو بچا ہے آپ ان سے قبول فرمائیں لیکن اس احتیاط کے ساتھ کہ یہ آپ کے بعد جزیہ نہ بن جائے۔“ چنانچہ آپ نے گھوڑوں پر دس درہم اور غلاموں پر دس درہم سالانہ مقرر فرمائے اور گھوڑے کے مالک کیسے فی گھوڑا دس جریب مہانہ اور غلام کے مالک کیسے فی غلام دو جریب مہانہ روزانہ مقرر فرمایا۔ پھر جب حضرت معاویہؓ کا عہد آیا تو انہوں نے حساب کیا جس سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں کو جو دیا جا رہا ہے وہ اس سے

زائد ہے حوالہ سے لیا جا رہا ہے تو انہوں نے اس سلسلے کو ختم کر دیا اور دینا بھی بند کر دیا اور دینا بھی بند کر دیا۔ اصل صورت حال یہ ہے کہ یہ حضرت جو کچھ دیتے تھے وہ زکوٰۃ نہیں تھی بلکہ تبرع تھا اور حضرت عمرؓ نے ان کے خلوص و ایمان کے پاکیزہ جذبات کی قدر افزائی فرمائی اور اس کے صلہ میں ان کے گھوڑوں اور غلاموں کا روزیہ مقرر فرمایا اور جو آپؐ نے لیا تھا اس سے زائد ان کو دیا۔ اسی طرح آپؐ نے پہلی مرتبہ دریائی و سمندری پیدائش سے بھی خُس کو وصول کیا تو انہوں نے ایک وکیل بھیج کر بارے میں اپنے ایک آدمی نے ساحل پر پایا تھا لکھ کر دریافت کیا کہ اس میں کیا (واجب) ہے۔ حضرت عمرؓ نے انہیں لکھا: "یہ اللہ کے عطا کردہ اموال میں سے ایک مال ہے اس میں اور سمندر میں سے اللہ جل شانہ جو کچھ بھی نکالے، خُس واجب ہے۔ راوی کے بقول حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا: "یہ میری رائے ہے" (۱)۔ "امام ابو یوسفؒ نے اسی روایت پر استدلال کرتے ہوئے سمندر سے نکالے جانے والے خیر اور زیور بنانے کی اشیاء پر خُس (۵) واجب ہونے کا مشورہ دیا اور لکھا کہ باقی ۴/۵ حصہ اس کیلئے ہے جس نے اسے نکالا ہو" (۲)۔

حضرت عمرؓ کے نزدیک سامان تجارت پر سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ عائد ہو جاتی ہے چنانچہ آپؐ نے حماسؓ کی کو حاکم یا کہ اپنے سامان تجارت کی قیمت لگائیں اور اس کی زکوٰۃ دیں۔ حماسؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ تشریف لائے اور کہا کہ "اے حماسؓ اپنے مال کی زکوٰۃ دے کر"۔ میں نے کہا کہ میرے پاس ترکش اور چلر ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ "اس کی قیمت لگاؤ اور زکوٰۃ کرو" (۳)۔ "رحمن بن عبدالقاری بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کے عہد میں بیت المال پر مقرر تھا کہ حضرت عمرؓ جب تاجروں کے و خائف نکالتے تو تمام موجود اور غیر موجود مال تجارت کو جمع کر کے اس کا حساب کرتے اور تمام موجود اور غائب مال کی جانب سے موجود مال میں زکوٰۃ لے لیتے" (۴)۔ اور جب کوئی تاجر زکوٰۃ وصول کرنے والے کے پاس سے گزرے تو وہ اس کے تمام نقد اور تجارت کے سامان کا حساب کر کے اس میں سے چالیس حصہ زکوٰۃ وصول کرتا (۵)۔

نیکس کے بارے نظام کو کامیابی سے چلانے اور سے نتیجہ خیز بنانے کا دہرہ دار اس کے عاقلین پر ہوتا ہے۔ ان میں سب سے پہلی صنعت جو ہمیں اسوۂ فائزہ سے پختگی ہے وہ یہ ہے کہ اس اہم شعبے میں نہایت امانت دار و دیانتدار لوگوں کا تقرر کیا جائے ورنہ تقرر کرنے والے پر اس کی ذمہ داری عائد ہوگی۔ آپؐ کا ارشاد ہے "من استعمل فاجر و هو یعلم انه اجر لہو مثله" (۶)۔ "(کہ جس نے جانتے بوجھتے ہوئے کسی فاجر کا تقرر کیا تو وہ خود بھی اسی جیسا ہے)۔ آپؐ ان کو معقول معاوضہ دیتے تھے تاکہ وہ کسی مجبوری کی وجہ سے خیانت کا ارتکاب نہ کریں۔ ایک مرتبہ حضرت ابو عبیدہؓ نے آپؐ سے کہا کہ آپؐ نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ کو (کاموں میں) آلودہ کر دیا ہے۔ آپؐ نے جواب دیا "ابو عبیدہؓ میں اگر اپنے دین کی سزا سنی کیلئے دینداروں سے مدد نہ لوں تو ہر کس سے مدد لوں؟" انہوں نے کہا "اگر آپؐ کو ایسا کرنا ہی ہے تو اتنا معاوضہ دیں کہ وہ خیانت سے بے نیاز ہو جائیں" (۷)۔ "مقرر کرنے کے بعد آپؐ مسلسل انہیں دیانتداری کی ترغیب دیتے رہتے تھے۔ نہاد میں حضرت نعمان بن مقرنؓ کو لکھا "جسب ل غنیمت حاصل ہو جائے تو خیانت نہ کرنا" (۸)۔ "آپؐ نے اس جنگ میں حاصل ہونے والے اموال کی ذمہ داری حضرت سائبؓ کو سونپی اور فرمایا "جو مال غنیمت اس لشکر کے ہاتھ لگے اس کی مگرانی تمہارے ذمے ہے، خبردار کوئی نا حق چیز مجھ تک نہ پہنچانا اور حقدار کو اس کے حق سے محروم نہ کرنا" (۹)۔

دوسرا آپؐ کا ہم اصول یہ تھا کہ اس نازک ذمہ داری پر اہلیت و صلاحیت رکھنے والے اصحاب کا تقرر فرماتے۔ اس سلسلے میں دو گروں سے مشورہ بھی کر لیتے تھے تاکہ صحیح آدمی کا انتخاب ہو سکے۔ چنانچہ سودا کی زمینوں کے بارے میں جب یہ طے ہو گیا کہ انہیں تقسیم نہیں کیا جائے گا تو آپؐ نے فرمایا "معاذ مجھ پر واضح ہو

(۱) ۱۔ صف ۷ (۲) صف (۳) عبدالرزاق ۹۶ ۲۔ صف ۳۷۔ صف ۳۸۳ (۴) عبید ۳۸۳ (۵) روس ۳۵۶ (۶) جبریل ۲۶ (۷) یوسف ۱۳ (۸) ابیسا ۸۴

(۹) عبید ۲۲۱



گیا ہے 'اب بتاؤ کہ کونسا ایسا ماہر اور دشمن ہے جو ان زمینوں کا مناسب طور پر بندوبست کر دے اور کاشتکاروں پر ان کی برداشت کے مطابق (نیکس خراج) تجویز کر دے؟' لوگوں نے بال تفاق عثمان حنیف کا نام پیش کیا اور کہا "آپ ان کو اس کام کا ذمہ دار بنا سکتے ہیں کیونکہ یہ صاحب فہم و فراست اور تجربہ کار ہیں" (۱)۔ آپ اسی وجہ سے بہت سے عالی مقام صحابہ کرام جو عشرہ مبشرہ میں شامل تھے چھوڑ کر اس لوگوں کا انتخاب کرتے جو مقام میں تو اگرچہ کم ہوں لیکن تفویض کردہ کام کی اہیت و صلاحیت رکھتے ہوں۔

روایت میں ہے کہ آپ عام طور پر عامل صحابہ کرام میں سے کسی کو بتاتے تھے جیسے حضرت عمرو بن العاصؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ وغیرہ، لیکن جو ان لوگوں سے افضل تھے انہیں چھوڑ دیتے تھے جیسے حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عبدالرحمن بن عوف اور ان کے مساوی لوگ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان لوگوں میں عام بننے کی صلاحیت بھی تھی اور حضرت عمرؓ کی نگرانی و ہیبت کا بھی ان پر زیادہ اثر رہتا تھا۔ حضرت عمرؓ سے پوچھا گیا کہ آپ اکابر صحابہ کرام کو کیوں والی نہیں بتاتے؟ فرمایا "مجھے یہ ناپسند ہے کہ انہیں عملداری میں سلودہ کروں" (۲)۔ "آپ منصب کی فراہمی میں محض تعلق و قربت کو ہدینہ نہیں سمجھتے تھے اور اس سے سختی سے اجتناب کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے پورے عہد خلافت میں بنو عدی کے کسی شخص کا تقرر نہیں کیا تھا۔ ایک چھوٹا سا عہد ایک فرد کو دیا لیکن وہ بھی دہس لے لیا تاکہ بعد والوں کیلئے ایک ور خشنہ مثال قائم ہو۔ آپ کا ارشاد ہے "والی پسند اور قربت کو بنیاد بنا کر منصب سونپنے والا گویا اللہ اور اس کے رسولؐ اور مومنین سے خیانت کرتا ہے" (۳)۔

عائین کے سلسلے میں تیسرا آپ کا اصول یہ تھا کہ ان کے ذہن میں یہ بات بٹھا دیتے تھے کہ یہ کام بھی اگر صحیح شرائط و دیانت سے لیا گیا جائے تو جہاد ہی کی طرح کا جہاد و ثواب رکھتا ہے، تاکہ وہ پوری جہالتانی اور کسٹ سے یہ کام کریں، لیکن بات رسول اکرم ﷺ کے ارشاد سے بھی واضح ہوتی ہے۔ حدیث نبویؐ ہے "العامل علی الصدقة بالحق کالغاری فی سبیل اللہ" (۴)۔ "حق کے ساتھ صدقہ وصول کرنے والا مال رونا خدا میں جنگ کرنے والے کی طرح ہے۔" آپ نے اسی سوچ اور جذبے کو آگے منتقل کیا۔ ایک صحابی کا کہنا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے مجھے محصل زکوٰۃ بنا کر بھیجا پھر میری ملاقات مدینے میں آپ سے ہوئی تو انہوں نے پوچھا "کیا تمہیں یہ بات اچھی نہیں لگتی کہ جہاد کی طرح کام میں لگے رہو؟" میں نے کہا "کیسے، اچھی لگے جبکہ لوگوں کا دعویٰ یہ ہے کہ میں ان پر ظلم کرتا ہوں۔" آپ نے پوچھا "وہ کیسے؟" میں نے عرض کی کہ "لوگ کہتے ہیں کہ تو ہم سے بھیڑ بکریوں کے بچے کی بھی زکوٰۃ وصول کرتا ہے۔" آپ نے فرمایا "ٹھیک کہتے ہو، پر وہاں اے اپنے کندھوں پر اٹھالے تو بھی اسے بھی زکوٰۃ کے حساب میں شمار کر دو۔ ان کو یہ جنگ دو، تم گھروں میں (دودھ کی خاطر) پالی ہوئی بھیڑ بکری لکھانے کے لائق تیار بھیڑ بکری سے اور بچہ بچنے کے قریب بھیڑوں اور بکریوں کو اس لئے تو چھوڑ دیتے ہو" (۵)۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نیکس وصول کرنے والوں پر اعتراضات تو ہوتے ہی رہتے ہیں ان کو صبر و تحمل سے برداشت کرنا بھی جہاد ہی کی طرح ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات کی پوری پابندی کر رہے ہوں اور حکومت کی وضع کردہ پالیسی کو پوری دشمنی اور خلوص سے نافذ کریں۔ آپ نے جو ہدایت کی اس میں یہ تھا کہ عوام کو پیار و محبت سے دلائل کے ذریعے قائل کرنے کی پوری کوشش کریں تاکہ وہ خوش دلی سے لڑا کرتے رہیں۔ آپ نے سفیان بن مالک کو بصرہ میں تحصیل صدقہ پر مامور کیا۔ وہ کچھ دنوں تک وہاں رہے پھر آپ سے جہاد پر چلے جانے کی اجازت طلب کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا "لوست فی جہاد؟" (کیا تم جہاد پر نہیں ہو؟) (۶)۔

آخری بات یہ ہے کہ ٹیکس پر ایسے لوگوں کو مامور کیا جائے جو نہایت رحم دل اور حلیم الطبع ہوں۔ لوگوں کی شبندہ روز کی محنت کی کمائیوں سے مال لینا آسان کام نہیں ہے۔ اس سلسلے میں انہیں تیار کرنا اور نرمی سے وصول کرنا ضروری ہے۔ بارہ اختیاری عوام میں بے چینی، بد اعتمادی اور بغض و عناد پیدا کرتی ہیں اور حکومت و عوام کے درمیان تعلقات کو خراب کرنے کا باعث ہوتی ہیں۔ آپ ایک مرتبہ جب سفر شام پر جا رہے تھے تو راستے میں آپ کا گزرا ایسے لوگوں کے پاس سے ہوا جو دھوپ میں کھڑے کر دیئے گئے تھے اور ان کے سروں پر تیل ڈالا جا رہا تھا۔ آپ نے پوچھا ”ان لوگوں نے کیا کیا ہے؟“ لوگوں نے بتایا کہ ان کے ذمے جزیہ ہے جسے انہوں نے ادا نہیں کیا ہے لہذا انہیں عذاب دیا جا رہا ہے تاکہ اسے ادا کریں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا ”یہ لوگ کیا کرتے ہیں اور جزیہ لاندہ کر سکنے کے بارے میں کیا عذر پیش کرتے ہیں؟“ جواب ملا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس کچھ نہیں، ہم جزیہ لوانے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ آپ نے فرمایا ”پھر تو ان لوگوں کو چھوڑ دو اور ان پر ان کی برداشت سے زیادہ ہار نہ ڈالو کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے ”لا تعذبوا الناس فان اللہین بعدہ یعدہم اللہ یوم القیامہ“ (۱) ”لوگوں کو عذاب نہ دو کیونکہ جو لوگ دنیا میں انسانوں کو عذاب دیتے ہیں ان کو قیامت کے دن اللہ عذاب دے گا۔“

جسیر بن نفیر کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطابؓ کے پاس کثیر مال آیا تو فرمایا کہ ”میں سمجھتا ہوں تم نے لوگوں پر بے جا باؤ ڈال کر اور تباہ کر کے یہ ہو گا۔“ مال لانے والے نے کہا ”نہیں اللہ کی قسم ہم نے ان کی سہولت اور خوشدلی کے ساتھ یہ کچھ وصول کیا ہے۔“ حضرت عمرؓ نے پوچھا ”بخیر کوڑے مارے اور بعیر لٹکائے؟“ انہوں نے جواب دیا ”جی ہاں“ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”الحمد للہ جس نے مجھے اور میری حکومت کو رعایا پر مظالم و تشدد سے محفوظ رکھا“ (۲)۔ آپ کے ایک عامل سعید بن عامر بن حذیم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت عمرؓ نے کوڑا اٹھایا اس پر سعید نے کہا ”آپ تو بات سے پیچھے ہی سزا دینے لگے“ بہر حال اگر آپ سزا دیں گے تو ہم صبر کریں گے۔ اگر معاف کر دیں گے تو ہم شکر گزار ہوں گے اور اگر آپ کو ہم سے کوئی شکایت ہو جائے تو ہم اس کے ازالے کی کوشش کریں گے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا ”بس یہی مسلمان کا فریضہ ہے۔ اب یہ تم نے خراج کی رقم داخل کرنے میں اتنی دیر کیوں لگائی؟“ انہوں نے جواب دیا ”آپ نے ہمیں حکم دے رکھا ہے کہ کاشتکاروں سے چار دینار سے زائد وصول کریں چنانچہ ہم بھی اس سے زیادہ کا ان سے مطالبہ نہیں کرتے البتہ ہم نے انہیں فصلیں کٹنے تک مہلت دے دی ہے۔“ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا ”جب تک میں زندہ ہوں تمہیں اس عہدہ سے معزول نہیں کروں گا“ (۳)۔



اور وہ مال جو دینیوں سے نکال گیا ہو وہ گمشدہ جانور جو از خود زنده رہ سکیں اور ان کا مالک معلوم نہ ہو جیسے اونٹ وغیرہ اور ہر وہ گری پڑی چیز جس کے مالک کا پتہ نہ ہو اور اس کو اٹھانے والا سے نہ رکھنا چاہتا ہو<sup>(۱)</sup>۔ "فارق عظم" نے تمام شرعی حاصل سے حاصل ہونے والی آمدنی کو بیت المال میں بیکار کر کے اس سے وظائف کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ نے مفتوحہ علاقوں کی تمام زمینوں کو بھی فیہ قرار دے کر مستقل آمدنی کا دریغ بنایا تاکہ اس سے وظائف کے علاوہ مختلف قسم کے دائمی مصارف و ضروریات کو پورا کرنے کا اہتمام ہو سکے چنانچہ آپ نے آئندہ پالیسی کے حتمی فیصلے کے بارے میں بلائے گئے مشاورتی مجالس میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا "غنیمت میں جو مال ملتا تھا اسے تو میں نے مستحقین زکوٰۃ میں تقسیم کر دیا اور پانچواں حصہ نکال کر اسے اس کے متعین مصارف میں تقسیم کر دیا ہے بلکہ ابھی اس کی تقسیم میں مصروف ہوں۔ میں نے یہ رائے قائم کی ہے کہ زمینوں کو مع کاشتکاروں کے سرکاری ملکیت قرار دے دوں اور اس کے کاشتکاروں پر خرچہ نہ کر دوں اور ان پر اپنی کس جزئیہ مقرر کر دوں جسے وہ ادا کرتے رہیں۔ اس طرح یہ جزیہ اور خرچ مسلمانوں کیلئے (بیک مستقل) فیہ کا کام کرے گا جس کی آمدنی میں فوجی، مسکن افراد، آنے والی نسلیں حصہ دار ہوں گی۔ دیکھئے ان سرحدوں کی حفاظت کیلئے بہر حال کچھ آدمی تعینات کرنے ہوں گے جو مستظاہر ہاں رہیں یہ بڑے بڑے شہر جیسے شام، الجزائر، کوفہ، بصرہ، مصران میں فوجی چھاؤنیاں قائم رکھنا اور ان کو وظائف دیتے رہنا ناگزیر ہے۔ اب اگر یہ زمینیں اور ان پر محنت کرنے والے کاشتکار تقسیم کر دیے جائیں تو ان لوگوں کو کہاں سے دیا جائے گا؟" یہ سن کر سب نے کہا "آپ کی رائے صحیح ہے"<sup>(۲)</sup>۔

اس روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فیہ میں سے ریاست کے تمام انتظامی مصارف کئے جاتے تھے۔ ان میں مازمین کی تنخواہیں، مستقل فوج کی عطایا، قلع و مہبود کے قدمات اور کفالت عامہ کے انتظامات اور عوام سناں کے وظائف شامل تھے۔ وظائف کیلئے باقاعدہ دیوان کا خیال کیسے پیدا ہوا اس بارے میں مختلف روایات موجود ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ حضرت عمر بن الخطابؓ کے پاس دس لاکھ لے کر آئے تو آپ نے پوچھا "کتنا مال ہے؟" انہوں نے جواب دیا "دس لاکھ۔" راوی کے بقول یہ رقم آپ کو زیادہ معلوم ہوئی چنانچہ پوچھا "جو کچھ بتا رہے ہو اسے سمجھتے ہو؟" وہ بولے "ہاں اس بزار، سو بزار دس مرتبہ کہہ کر بتا دیا کہ اتنا پایا ہوں۔" یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا "مگر تم سچ کہہ رہے ہو تو اس مال میں سے اس چھوٹے کو بھی اس کا حصہ ملے گا جو یمن میں ہو اور اس کا خون اس کے چہرہ ہی میں ہو"<sup>(۳)</sup>۔ "معلوم یہ ہوتا ہے کہ" ریاست کے ہر فرد تک بیت المال میں اس کا حق پہنچانے کیلئے کوئی مربوط اور جامع نظام سوچتے رہتے تھے۔ مختلف مدت سے حاصل ہونے والی آمدنیوں کو تقسیم کر دینے کے باوجود کوئی مستقل صابطہ اور طریقہ وضع کرنا چاہتے تھے۔ ایک اور موقع پر اس سلسلے میں مناسب تجویز آئی تو فوراً "پ" نے قبول کر لیا۔

روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ بحرین کا مال لے کر آئے تو آپ نے ان سے پوچھا "کتنا مال لائے ہو؟" انہوں نے عرض کی "پانچ لاکھ درہم۔" حضرت عمرؓ نے اس رقم کو زیادہ محسوس کرتے ہوئے فرمایا کہ "تم سمجھ رہے ہو کہ کیا کہہ رہے ہو؟" حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا "میں ٹھیک کہہ رہا ہوں، میرا مطلب ہے ایک لاکھ کی تعداد پانچ مرتبہ۔" آپ نے پوچھا کہ "کیا یہ مال طیب (پاکیزہ) ہے؟" انہوں نے فرمایا "مجھے نہیں معلوم۔" اس پر حضرت عمرؓ نے خطاب فرمایا اور حمد و ثناء کے بعد کہا "لوگو! ہمارے پاس کثیر مال آیا ہے اگر آپ لوگ چاہیں تو ہم اس (سرمایہ) کو آپ کے سامنے دن کرادیں اور آپ چاہیں تو اس کی آپ کے سامنے گنتی کرالیں۔" اس پر حاضرین میں سے کسی نے عرض کی "امیر المؤمنین! آپ بھی مجبوروں کی طرح رجسٹر قائم کر دیجئے"<sup>(۴)</sup>۔ اور ایک روایت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک بڑا لشکر تیار کر کے روانہ کیا اور اہل لشکر اور ان کے اہل خاندان کو مصارف بھی تقسیم فرمادیئے۔ اس وقت آپ کے پاس ہر مزان موجود تھا اس لئے عرض کی کہ اگر کوئی

فوج سے نکل کر گھر بیٹھ جائے تو یہ سالار کو کیسے معلوم ہو گا؟ آپ ال کیلئے دیوان بنائیں اور پھر اس نے دیوان کے بارے میں تفصیلات بتائیں<sup>(۱)</sup>۔ آپ کو یہ تجویز پسند آئی اور آپ نے حسب عادت مسلمانوں سے مشورہ فرمایا۔ مختلف اہل رائے نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے مسلمانوں سے رجسٹر کے قیوم کے بارے میں مشورہ فرمایا۔ دوران مشورہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ”ہر سال کی آمدنی اسی وقت صرف کر دی جائے، بچا کر نہ رکھی جائے (کہ اس کے حساب کا اور اس کے رکھنے کے انتظام کا مسئلہ پیدا ہو۔)“ اس پر حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ ”اب مال کی کثرت ہوگی اگر بالفرض کسی وقت یہ پتہ نہ چلے کہ کس کو حصہ دیا ہے اور کس نہیں مگر تو خود اسی دشواری ہوگی۔“ حضرت خالد بن ولیدؓ نے مشورہ دیا کہ ”میں نے شام میں دیکھا ہے کہ وہاں کے بادشاہوں نے دفاتر قائم کر رکھے ہیں اور فوج کی بھی وہاں باقاعدہ تنظیم ہوتی ہے، آپ بھی اگر دفاتر قائم کر دیں تو مناسب ہو گا۔“ حضرت عمرؓ نے ان کی رائے کو پسند فرمایا اور قریش کے نوجوانوں میں سے عقیل بن ابی طالبؓ، خرمہ بن نوفلؓ اور جبیر بن مطعمؓ کو یہ کام سپرد کیا کہ وہ لوگوں کے نام ان کے مراتب کے لحاظ سے لکھیں، چنانچہ انہوں نے سب سے پہلے بوہاشم کے نام لکھے، اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ اور ان کے خاندان کے نام لکھے، پھر حضرت عمرؓ اور ان کے اہل خاندان کے نام لکھے، گویا خلافت کی ترتیب غلط رکھی اور یہ رجسٹر مرتب کر کے حضرت عمرؓ کے پاس لے گئے۔ آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا ”یہ ترتیب درست نہیں ہے، بلکہ اس کی ترتیب رسول اللہ ﷺ کی قرابت کے لحاظ سے رکھو، جو جس قدر مقدم ہو اس کو اسی مرتبہ پر لکھو“<sup>(۲)</sup>۔

اس کی وجہ تسمیہ کے بارے میں ماوردی کا کہنا ہے کہ حکومت کے سرمائے کی حفاظت اور تمام امور کی نگرانی اور فوجیوں اور دیگر عہدیداروں کے انتظامات کیلئے دیوان (دفاتر) قائم کئے جاتے ہیں۔ لفظ دیوان کے استعمال کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک وجہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ کسری نے اپنے فشیوں کو حسب کرتے ہوئے دیکھا تو اس نے ان کو ”دیوانہ“ یعنی مجنوں کہا، اس کے بعد ان لوگوں کے چیلنے کی جگہ دیوان کہلائی جانے لگی آخری ”عہدہ“ کثرت استعمال سے گرمی اور اس طرح یہ لفظ ”دیوان“ باقی رہ گیا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ لفظ دیوان ہے، یعنی شیاطین (اور جن) چونکہ حساب کتاب کرنے والے لوگ بڑے بڑے ایک ہیں، بزرگ اور تیز ہوتے ہیں، اس لئے ان کو دیوان کہا گیا (جو استعمال سے دیوان بن گیا) اور بعد ازاں ان لوگوں کی نشست کے مقامات کو دیوان کہا جانے لگا۔ عہد اسلامی میں سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے باقاعدہ رجسٹر قائم کئے<sup>(۳)</sup>۔

### ۱۔ ناموں کی ترتیب:

رجسٹروں میں ناموں کی ترتیب نسب کے اعتبار سے اور وظائف کی مقدار، اسلام کیلئے خدمات اور سبقت اسلام کے لحاظ سے مقرر کی گئی، مگر جب سابقین اسلام باقی نہ رہے تو پھر وظائف نف کی مقدار میں شجاعت اور حسن عمل کو مد نظر رکھا جانے لگا<sup>(۴)</sup>۔ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب دفتر (رجسٹر) تیار کرنے کا ارادہ فرمایا تو آپؓ نے پوچھا کہ ”کس لوگوں کے ناموں سے ابتداء کی جائے۔“ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے فرمایا کہ خود سے شرع کیجئے، اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ”مجھے یاد ہے کہ آپؓ نے بوہاشم اور بوہاشم المطلب سے ابتداء فرمائی تھی“<sup>(۵)</sup>۔ آپ کے معاشی عدل و انصاف کی ایک بڑی دلیل یہی ہے کہ آپؓ نے اپنے آپ کو اپنے خاندان اور قبیلے کو رعایت، فوائد یا اضافی مراعات و حقوق حاصل نہیں کرنے دیئے۔ ناموں کی ترتیب کا بھی یہی معاملہ تھا۔ رجسٹر تیار کرنے والی کمیٹی نے خلافت کی ترتیب سے بوہاشم، بوہاشم المطلب اور بوہاشم کے نام لکھے، تو آپؓ نے فہرست دیکھ کر مسترد کر دی کہ رسول اکرم ﷺ سے قرابت کے لحاظ سے مرتب کر دو، جو جس قدر مقدم ہو اس کو اسی مرتبہ پر رکھو اور عمرؓ کو اس مرتبہ پر لکھو جس پر اسے اللہ نے رکھا ہے۔ اس پر حضرت عباسؓ نے آپ کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا ”اللہ

آپ کو اپنی رحمت کا صلہ دے<sup>(۱)</sup>۔ ”آپ سے کہا گیا اپنے آپ سے ابتداء کیجئے“ آپ نے فرمایا ”نہیں! رسول اللہ ﷺ ہمارے امام ہیں لہذا آپ کے خاندانوں والوں سے ابتداء کریں گے اور جو آپ سے جتن قریب ہو گا جی اعتبار سے مقدم رکھا جائے گا“<sup>(۲)</sup>۔ ”زید بن سلم سے روایت ہے کہ ہو عدی حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے در عرض کیا کہ آپ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کے خلیفہ ہیں کاش آپ اور کاتبین آپ کو اسی مرتبے پر رکھتے جس پر اللہ نے آپ کو رکھا ہے۔“ آپ نے فرمایا ”توبہ توبہ! کیا تم چاہتے ہو کہ بعد میں میری برائی کی جائے اور میری نیکیاں بھی تمہیں مل جائیں، نہیں بلکہ تمہیں بایا جائے گا اور تمہارے ناموں کا اندراج ہو گا خواہ سب کے آخر میں ہو۔“ دو حضرت مجھ سے قبل ایک طریقہ قائم کر چکے ہیں میں نے ان کی مخالفت کی تو میری مخالفت کی جائے گی اور ظاہر ہے ہمیں ساری فضیلت دنیاوی میں نہیں مل جائے گی (بلکہ شہرت میں بھی ملے گی) اور آخرت کا بھی معاملہ یہ ہے کہ وہاں بھی جو ثواب ملے گا وہ رسول اللہ ﷺ کے طفیل ہی ملے گا آپ ہی کی وجہ سے ہماری عزت ہے اور آپ کے بعد ان کا درجہ ہے جو آپ سے قریب ہوں، قسم بخدا روز قیامت اگر اہل عجم کے اعمال زیادہ ہوئے اور ہمارے اعمال کم ہوئے تو ہماری بہ نسبت رسول اللہ ﷺ سے ان کا تعلق زیادہ ہو گا کیونکہ اگر اعمال نہ ہوں تو نسب سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا<sup>(۳)</sup>۔“ قبائل کی ترتیب کے سلسلے میں روایت ہے حضرت عمرؓ نے دیوان کا آغاز آل رسول ﷺ کے ناموں سے کیا اور ان میں بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کو مقدم رکھا۔ مگر کوئی ہاشمی شخص عمر میں مطلبی سے بڑا تھا تو اسے مقدم رکھا اور مگر کوئی مطلبی شخص ہاشمی سے بڑا تھا تو اس کو مقدم رکھا۔ پھر بنی عبد شمس کے نام لکھے گئے پھر بنی نوفل کے پھر بنی عبد العزی کے پھر بنی عبد الدار کے پھر بنی زہرہ کے پھر بنی تیم کے پھر بنی مخزوم کے پھر بنی نجج کے پھر بنی مدی کے پھر بنی سہم کے<sup>(۴)</sup>۔ آپ کا اصول یہ تھا کہ اگر کوئی قوم رسول اکرم ﷺ سے قربت داری میں مساوی ہوتی تو اسلام میں سبقت کو مقدم کرتے۔ اسی طرح انصار تک پہنچے تو فرمایا ”سعد بن معاذ اہل بنی کی قوم سے“ غار کرو پھر جو سعد بن معاذ سے قریب تر ہو<sup>(۵)</sup>۔“

## ۲۔ وظائف میں درجہ بندی:

### (i) بارہ ہزار درہم:

”آپ نے عورتوں میں سے سب سے زیادہ وظیفہ حضرت عائشہ صدیقہ کا مقرر فرمایا جو بارہ ہزار درہم تھا۔ مردوں میں سے حضرت عباسؓ کا بھی اتنا ہی مقرر فرمایا اس کی ایک وجہ رسول اکرم ﷺ کا ان دونوں سے خصوصی تعلق تھا“<sup>(۱)</sup>۔

### (ii) دس ہزار

”آپ نے دیگر اہمیت والوں میں سے ہر کسی کا وظیفہ دس ہزار مقرر فرمایا سوائے حضرت صفیہؓ اور جویریہؓ کے کہ جن کا وظیفہ چھ چھ ہزار مقرر کیا<sup>(۲)</sup>۔ ایک روایت میں ہے کہ دونوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے ان سے کہا کہ دوسری بیویوں کا حصہ مقرر کرنے میں میں نے ان کی ہجرت کا لحاظ کیا ہے۔ ان دونوں نے جواب دیا ”آپ نے تو اس مقام کا لحاظ کرتے ہوئے حصے مقرر کئے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے نزدیک نہیں حاصل تھا بعینہ وہی مقام ہمیں بھی حاصل تھا۔“ حضرت عمرؓ نے یہ بات تسلیم کر لی اور ان کے حصے بھی بارہ بارہ ہزار مقرر کر دیئے<sup>(۳)</sup>۔“

(۱) ۲۰۰ دھ ۲۰۰ طبری ۱: ۲۰۹ (۲) عیون ۲: ۲۶۱ (۳) سعد ۳: ۲۹۲/۳، ۲۰۰ دھ ۲۰۰ طبری ۱: ۲۱۰ (۴) بیہقی ۶: ۳۶۴ (۵) سعد ۳: ۲۹۶/۳، ۲۰۰ دھ ۲۰۰

(۶) سعد ۳: ۲۹۷، عیون ۲: ۲۶۱، ۲۰۰ دھ ۲۰۰ طبری ۱: ۲۱۰ (۷) بیہقی ۶: ۳۶۴ (۸) یوسف ۴۳۔

## (iii) چھ ہزار :

حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطلب آپؐ کی پھوپھی تھیں انہوں نے ہجرت بھی کی تھی لہذا اس قربت و ہجرت کی وجہ سے ان کا وظیفہ چھ ہزار مقرر کیا<sup>(۱)</sup>۔ صحابہ کرامؓ میں سے حضرت عمار بن یاسرؓ کو ان کے مساوی وظیفہ دینے کا فیصلہ فرمایا<sup>(۲)</sup>۔

## (iv) پانچ ہزار :

تمام بدری صحابہ کرامؓ جنہوں نے ہجرت کی سعادت بھی حاصل کی تھی خواہ وہ حلیف تھے یا مولیٰ عرب تھے یا غیر عرب سب کو پانچ ہزار کا مستحق قرار دیا گیا<sup>(۳)</sup>۔ ایک روایت کے مطابق ان کیلئے چھ ہزار مقرر کئے گئے<sup>(۴)</sup>۔ حضرت ام حسنؓ اور حسینؓ نے چھوٹے بچے ہونے کی وجہ سے جنگ بدر میں شرکت نہیں کی تھی لیکن رسول اکرم ﷺ سے قربت اور آپؐ کا ان سے خصوصی پیار وہ نہایت تھی کہ جس کی وجہ سے انہیں بھی اہل بدر کے برابر پانچ ہزار وظیفہ دیا گیا<sup>(۵)</sup>۔ آپؐ نے اصحاب بدرؓ کے بارے میں فرمایا: ”میں ان کو ضرور ترجیح دوں گا“<sup>(۶)</sup>۔

## (v) چار ہزار :

آپؐ نے ایسے تمام مہاجر صحابہ کرامؓ جنہوں نے جنگ بدر میں تو کسی وجہ سے شرکت نہیں کی تھی لیکن بعد کے غزوات میں شریک رہے<sup>(۷)</sup> یا پھر ایسے انصاری جنہوں نے جنگ بدر میں شرکت کی تھی<sup>(۸)</sup> یا حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے<sup>(۹)</sup> یا وہ لوگ جنہوں نے جنگ احد میں شرکت کی سعادت حاصل کی تھی سب کیلئے چار ہزار وظیفہ مقرر فرمایا<sup>(۱۰)</sup>۔

حضرت عمرؓ نے حضرت عمر بن ابی سلمہؓ غزوہ کا وظیفہ چار ہزار درہم مقرر کیا کیونکہ ان کی والدہ ام سلمہؓ رسول اللہ ﷺ کی زوجہ مطہرہ تھیں۔ اس پر محمد بن عبد اللہ بن جحش نے استفسار کیا کہ آپؐ نے عمرؓ کو ہم پر کیوں ترجیح دی ہے جبکہ ہمارے والدین نے بھی ہجرت کی اور جنگ بدر میں شریک ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ”رسول اللہ ﷺ سے تعلق ہونے کی وجہ سے اگر کوئی مال کے دیلے سے فائدہ اٹھانا چاہے تو ام سہمی جیسی مال لائے میں اسے خوش کر دوں گا“<sup>(۱۱)</sup>۔ آپؐ نے ذاتی مقام کی بنیاد پر حضرت اسامہ بن زیدؓ کا وظیفہ بھی چار ہزار مقرر کیا جو ان کے اپنے جلیل القدر بیٹے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے زیادہ تھے کیونکہ انہیں تین یا سارے تین ہزار دیئے گئے تھے اس میں انہیں رنج تھا<sup>(۱۲)</sup>۔ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت اسامہؓ کو اپنے بیٹے حضرت عبد اللہؓ پر نفیست دی تھی اور یہ بات لوگوں کے سامنے وضع تھی کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ پر بھی ظاہر ہو گئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے پاس آئے ورنہ ان سے اصرار کرتے رہے کہ آپؐ اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ سے ہاتھ کریں۔ یہاں تک کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ حضرت عمرؓ سے گفتگو پر آمادہ ہو گئے اور انہوں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ ”آپؐ نے مجھ پر ایسے شخص کو ترجیح دی ہے جو مجھ سے افضل ہے اور نہ انہیں مجھ پر کوئی اور سبقت حاصل ہے۔“ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ”زید بن حارثہؓ رسول اللہ ﷺ کو عمرؓ سے زیادہ محبوب تھے اور اسامہؓ رسول اللہ ﷺ کو عبد اللہ بن عمرؓ سے زیادہ محبوب تھے“<sup>(۱۳)</sup>۔ آپؐ نے اسلام کی خاطر قرہبوں کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت سلمان فارسیؓ کا وظیفہ بھی چار ہزار مقرر فرمایا<sup>(۱۴)</sup>۔

(۱) سعد ۱، ۲، ۳ (۲) عید ۲۱۵ (۳) عید ۲۱۵ سعد ۲۹۶، ۳ یوسف ۴۲ (۴) عید ۲۱۳ (۵) یوسف ۴۳ سعد ۲۹۷، ۳ (۶) عید ۲۱۳ (۷)

سعد ۲۹۶، ۳ (۸) عید ۲۱۵ (۹) یوسف ۴۴ سعد ۲۹۶، ۳ (۱۰) سعد ۲۹۶، ۳ (۱۱) مردی ۱ (۱۲) سعد ۲۹۷، ۳ (۱۳) عید ۲۱۴ (۱۴) عید ۲۱۴

## (vi) تین ہزار

خوش سے قتل ہجرت کرے۔ اسے سب لوگوں کیلئے تین ہزار و خلیفہ مقرر فرمایا۔ اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمر کو اسی درجے میں رکھا<sup>(۱)</sup>۔ ابو سلمہ کیلئے پہلے دو ہزار مقرر فرمائے۔ بعد میں ایک ہزار کا اضافہ کر دیا حالانکہ مہاجرین و انصار کے بیٹوں کیلئے دو ہزار مقرر ہوئے تھے۔ اس پر محمد بن عبداللہ بن جحش نے آپ سے کہا: "ان کے باپ کو کوئی ایسا شرف تو حاصل نہیں تھا جو ہمارے باپوں کو حاصل نہ رہا ہو۔ نہ ان میں کوئی ایسی خوبی ہے جو ہم میں نہ ہو۔" اس پر آپ نے جواب دیا: "میں نے ان کے باپ ابو سلمہ کے لحاظ سے صرف دو ہزار دیا ہے لیکن ان کی ملامت سنی کا لحاظ کرتے ہوئے ایک ہزار کا اضافہ کر دیا ہے۔ اگر تیری ملامت کی ہم پہلہ ہوتی تو اضافہ کر دیتا"<sup>(۲)</sup>۔

## (vii) دو ہزار:

زیادہ تر تعداد ان لوگوں کی تھی جنہیں دو ہزار درجہ خلیفہ ملنا شروع ہوا۔ ان میں بل بدر کے لاکھ مہاجرین و انصار کی نو سو لاکھ اولاد<sup>(۳)</sup>، فتح مکہ میں شریک سارے مسلمان، بیعت رضوان میں شریک سارے لوگ، جن کا اس سے بہتر و خلیفہ کسی وجہ سے مقرر نہ ہو سکا، کچھ اہل یمن، اہل شام اور عراق اور ایرانیوں کے خلاف عظیم معرکہ قادسیہ میں شریک ہونے والے مجاہدین سب کو اسی درجے میں رکھا گیا<sup>(۴)</sup>۔ علاوہ ان دو ہزار و خلیفہ کی طور پر بعض شخصیات کو ان کے کسی فضل کی وجہ سے بھی دیئے۔ ان میں نفر بن انس، حضرت عمر بن العاص، عبید بن وہب، عبداللہ بن مطلق اور ہر مزان شامل ہیں<sup>(۵)</sup>۔ روایت ہے کہ کچھ دلوں اور عام لوگوں کا حصہ آپ نے فی کس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بھائی عثمان کو آپ کے پاس دے دیا تو آپ نے ان کا حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا۔ پھر نفر بن انس آئے تو آپ نے فرمایا: "ان کا حصہ دو ہزار نکھو۔" اس پر طلحہ نے آپ سے کہا: "میں بھی ان ہی کی طرح کے ایک آدمی (عثمان) کو آپ کے پاس آیا تو آپ نے اس کا حصہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا تو آپ نے دو ہزار مقرر کر دیئے؟" اس پر آپ نے فرمایا: "ان کے باپ احد کے دن مجھے ملے تو انہوں نے پوچھا رسول اللہ ﷺ کا کیا ہو؟ میں نے جواب دیا میرے خیال میں تو آپ شہید ہو گئے ہیں۔ یہ سن کر انہوں نے اپنی تلوار کھینچ لی اور میان توڑ دی اور بولے اگر رسول اللہ ﷺ شہید ہو گئے ہوں تو اللہ زندہ ہے وہ کبھی نہیں مرے گا۔" اس کے بعد وہ لڑتے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے اس وقت ان (عثمان) کے باپ فلاں جگہ پر بکریاں چ رہے تھے۔ امام ابو یوسف کے بقول حضرت عمر نے اپنی خلافت کے دور میں اسی پالیسی پر عمل کیا<sup>(۶)</sup>۔

## (viii) ایک ہزار:

آپ نے ایک ہزار کے رتبہ کے مختلف درجات کی خدمات اور حیثیت کو سامنے رکھتے ہوئے مقرر فرمائے۔ ان میں پہلی ہجرت کرنے والی محترقات شامل تھیں مثلاً سناء بنت عیسٰی، کلثوم بنت عقبہ، حضرت عبداللہ بن مسعود کی والدہ اسماء بنت ابی بکر، قابل ذکر ہیں<sup>(۷)</sup>۔

## (ix) متفرق:

عوام الناس کیلئے آپ نے حسب مصلحت و ضرورت مختلف مقدار میں مقرر فرمائیں۔ یمن، شام اور عراق کے لوگوں کیلئے دو ہزار ایک ہزار، سو پانچ سو اور تین سو مقرر فرمائے۔ تین سو سے کم کسی کا بھی مقرر نہ کیا<sup>(۸)</sup>۔ مدینے کے مرد گرد کے لوگوں (عوام) کی فہرست ہوائی ان کیلئے خوراک جاری کر دی۔ مضافات میں خود ہی جا کر تقسیم کرتے تھے۔ ہشام الثعلبی کہتے ہیں کہ میں نے عمر بن الخطاب کو خود دیکھا وہ خوراک کا دفتر (رجسٹر) لئے ہوئے آتے تھے۔ قادیہ میں ہر عورت ان کے پاس اس طرح آتی تھی کہ کوئی عورت خواہ وہ باکرہ ہو یا شیبہ ان سے چھٹی تھی کہ وہ خود ان کے ہاتھ میں نہ لے لیتے ہوں۔ پھر وہاں سے وہ غصخان جا کر ظہرے تھے وہاں بھی ایسا کرتے تھے یہاں تک کہ ان کی وفات ہو گئی<sup>(۹)</sup>۔

(۱) س ۲، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳



## ۳۔ قابل لحاظ خویاں:

حضرت عمرؓ نے بعض لوگوں کی قابل لحاظ خویوں کے پیش نظر ان کے خاص وظائف بھی مقرر کئے مثلاً آپ نے حضرت علیؓ کے دونوں صاحبزادوں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کیلئے پچ پچا ہر اور ہم وظیفہ مقرر کیا ہر ایک کو شہر کا ہر در نہیں تھے آپ نے ان کے یہ وظائف اس بناء پر مقرر کئے کہ وہ اہل جنت کے سردار اور گلشنِ قلب رسول اللہ ﷺ کے پھول تھے<sup>(۱)</sup> اور عیسیٰ بن وہبؓ نجی اور عثمان بن قیسؓ سبھی کیلئے دو سو دینار مقرر کئے (جو تقریباً دو ہزار درہم بنتے تھے) کیونکہ یہ دونوں حضرت مہماندار اور مہمان نواز تھے<sup>(۲)</sup> اور سر بن ابی اخطاف کے دو سو دینار مقرر کئے کیونکہ یہ صاحبِ کلوہ کے دھنی تھے ان کے بارے میں فرید اللہ نے ان کے ہاتھ سے کتنی فتوحات کرائی ہیں اور خاند بن خاندہ کیلئے مہاری اور شرف کی بنا پر ان کا بھی وظیفہ مقرر کیا اور اسی طرح اور لوگوں کا وظیفہ مقرر کیا گیا۔ حضرت اسماعیل بن ابی بکرؓ اسماء بنت عمیسؓ اور ام عبد اللہ بن مسعودؓ میں سے ہر ایک کیلئے ایک ایک ہزار درہم مقرر کئے اس لئے کہ یہ مہاجرین یولین میں سے تھیں<sup>(۳)</sup>۔ ہر مزان کیلئے دو ہزار درہم مقرر کئے کیونکہ وہ صاحب الارائے تھے<sup>(۴)</sup>۔ حضرت عمرو بن العاصؓ کو بیعت نہضوان میں شرکت کی وجہ سے گورنری کی تحویل کے علاوہ ایک ہزار درہم مقرر فرمائے ان کا وظیفہ دو سو دینار تھا<sup>(۵)</sup>۔

۴۔ متفرق عطیات۔

حضرت عمرؓ نے ان وظائف کے علاوہ اور بھی عطیات مقرر کئے تھے۔

## (الف) مجاہدین کے اہل و عیال:

بو عبید نے الاسواں میں نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جنگ میں لڑنے والوں کی اولاد اور ان کے اہل و عیال کیلئے دس دس درہم کا وظیفہ مقرر کیا تھا چنانچہ حضرت عمرؓ نے جاہلیہ میں سے تقسیم کی تو ہر ایک کو اگر وہ تنہا نصف دینار ملا اور اگر اس کے ساتھ اس کی بیوی بھی تھی تو اسے ایک دینار ملا<sup>(۶)</sup>۔

(ب) بچوں کیلئے:

حضرت عمرؓ ابتداء میں بچے کا وظیفہ اس وقت تک مقرر نہیں کرتے تھے جب تک اس کا دودھ نہ چھڑا دیا جاتا۔ پھر ہوا یہ کہ ایک مرتبہ آپ رات کے وقت مصی کے قریب گشت فرما رہے تھے کہ ایک بچے کے رونے کی آواز آئی۔ آپ نے اس کی ماں سے کہا کہ اسے دودھ پلاؤ تو اس نے کہا کہ چونکہ امیر المومنینؓ بچے کا وظیفہ اس وقت تک مقرر نہیں کرتے جب تک اس کا دودھ نہ چھڑا دیا جاتا لہذا میں نے اس کا دودھ چھڑا دیا ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ”میں تو اس کی جان ہی لینے کا سبب بن گیا تھا۔ تم اسے دودھ پلاؤ غریب امیر المومنینؓ اس کا وظیفہ مقرر کر دیں گے۔“ چنانچہ اس کے بعد آپ نے ہر بچے کا وظیفہ اس کے پیدا ہوتے ہی مقرر کرنا شروع کر دیا<sup>(۷)</sup>۔ پیدا ہوتے ہی سو درہم مقرر کر دیے جاتے جب بڑا ہو جود سو درہم ہو جاتے جب بالغ ہو جاتا تو اس میں اور اضافہ کر دیتے<sup>(۸)</sup>۔

## (ج) اشیائے ضرورت کی فراہمی:

حضرت عمرؓ و خائف کے مستحق افراد کو ان کے وظائف اور ان کے بیوی بچوں کے وظائف کے علاوہ بعض ضروری اشیاء بھی فراہم کرتے تھے انہیں ان کیلئے اور ان کے زیر کفالت غلام ’لوٹہ بوس اور گھوڑوں و غیرہ کیلئے کفالت کریں۔ چنانچہ عیاض الاشعرى سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ غلاموں ’باندیوں اور گھوڑوں کو بھی کھانے کا سامان دیا کرتے تھے<sup>(۹)</sup> اور آپ ہر ماہ کھانے کا سامان تقسیم کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے کی جو مقدار دیتے تھے اس کے بارے میں آپ نے ابن قاتلور سے

(۱) یوسف، ۴۴، سعد، ۲۹۷ (۲) عیض، ۲۹۳ (۳) ایضا (۴) بیہقی، ۳۴ (۵) عیض، ۲۹۳ (۶) عیض، ۲۹۳ (۷) عیض، ۲۹۳ (۸) سعد، ۲۹۷/۵ (۹) بیہقی، ۳۴/۱۶

مشورہ کیا تھا۔ اس سے آپ نے دریافت کیا تھا کہ مجھے یہ بتاؤ کہ انسان کو بلند اور روزانہ کس قدر غذا اور کھانا ہونی ہے تو وہودی اور قسطیالہ اور اس نے کہا کہ دوہدی گندم پورے مہینہ کیلئے کافی ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے حکم دیا اور دوہدی گندم کو بیس کر گوندھا گیا اور اس کی روٹیاں پکائی گئیں۔ اس کے ساتھ دو قسطیالہ کے تیل کو سالن کے طور پر رکھا گیا۔ پھر تمیں افرو لوبائے گئے اور یہ کھانا ان کو صبح و شام کے دونوں وقت پیٹ بھرنے کیلئے کافی ہوا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ ”اے اللہ! میں کسی کو اس کی اجازت نہیں دوں گا کہ میرے بعد ان میں کمی کرے۔ جو ان میں کمی کرے اے اللہ! تو اس کی عمر کم کر دیجو“<sup>(۱)</sup> اور آپ نے فرمایا کہ ”میں نے ہر مسلمان کیلئے دوہدی گندم دو قسطیالہ اور دو قسطیالہ کا تیل مقرر کیا ہے۔“ ایک شخص نے کہا کہ اور غلاموں کیلئے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ”جی ہاں اور غلاموں کیلئے بھی یہی مقدار ہے۔“<sup>(۲)</sup> چنانچہ ہر عورت غلام اور بچہ کو ہر ماہ یہی مقدار ملتی تھی اور چونکہ یہ مقدار بڑوں کیلئے کافی تھی اور بچوں اور بڑوں سب کو یہی مقدار ملتی تھی تو ظاہر ہے کہ بچوں والے گھر میں اس کی کچھ مقدار بچہ راتی ہوگی کیونکہ بچہ بڑے سے کم کھاتا ہے اور عملاً ایسا ہی ہوا چنانچہ خالد بن عوفؓ نے حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور حضرت عمرؓ نے ان کے علاقے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ میں اپنے پیچھے وہ لوگ چھوڑ کر آ رہا ہوں جو دعا کرتے ہیں کہ ان کی عمر بھی آپ کو مل جائے۔ قادیسیہ کی مہم میں جس نے بھی شرکت کی اس کا وظیفہ دو ہزار پندرہ سو درہم مقرر ہوا ہے اور جو بچہ پیدا ہوا تاڑکا ہوا لڑکی اسے سو درہم اور دو درہم ماہوار ملتے ہیں اور جو لڑکا بالغ ہوتا اسے پانچ سو یا چھ سو ملے لگتے ہیں اور جب یہ تمام عطایا گھروں میں پہنچنے لگی ہیں تو گھر میں بعض افرو کھانے والے ہوتے ہیں اور بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو نہیں کھاتے تو آپ کا ان کے بارے میں کیا خیال ہے کیونکہ اس صورت میں یہ لوگ اس مال کو وہیں بھی خرچ کریں گے جہاں اسے خرچ ہونا چاہئے اور وہیں بھی خرچ کریں گے جہاں اسے خرچ نہیں ہونا چاہئے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا ”اللہ مدد کرنے والا ہے یہ ان کا حق ہے جو ان کو دے دو۔ میں اس میں سے کچھ لینے کے مقابلہ میں یہی بہتر خیال کرتا ہوں کہ ان کو دے دوں“<sup>(۳)</sup>۔

## ۵۔ درجہ بندی کے اصول:

حضرت عمرؓ نے تنخواہوں اور وظائف کی مقدار کے تعین میں جن اصولوں کو مد نظر رکھا وہ یہ ہیں

### (i) سبقت فی الاسلام

کیونکہ جو صحابہ کرام پہلے اسلام لائے انہیں مشرکوں کی ایسی سختیاں برداشت کرنی پڑیں جو دوسروں کو برداشت نہیں کرنی پڑیں۔ قرآن کریم نے ان کا ذکر فرمایا اور ان کے مقربین ہار گاہ لائی ہوئے کا حوالہ دیا ہے ”وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ أُولَئِكَ الْمُقَرَّبُونَ“<sup>(۴)</sup>۔ ”اور آگے والے تو پھر آگے والے ہی ہیں۔ وہی تو مقرب و گم ہیں۔“ اسی بناء پر حضرت عمرؓ نے عطا میں مہاجرین کو انصاف پر مقدم رکھا۔

### (ii) میدان جہاد میں آزمائش:

یعنی جس نے اسلام کی کوئی حربی خدمت انجام دی اسے دوسرے لوگوں پر مقدم رکھا۔ حضرت عمرؓ نے مدینہ منورہ کی عورتوں میں ریشمی چادریں تقسیم کیں جن میں سے ایک عمدہ چادر بی بی حاضریں میں سے کسی نے کہا کہ یہ چادر رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی کو دے دیجئے جو آپ کے پاس ہیں۔ ان کی مرویہ تھی کہ ام کلثومؓ بہت علی گودے بیٹھتے۔ آپ نے فرمایا کہ ”ام سلیطہ اس کی زیادہ قدر کریں کیونکہ وہ جنگ احد میں مشکیزے بھر بھر کے لاتی تھیں“<sup>(۵)</sup>۔ حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن حنظلہؓ کو خلیفہ دو ہزار درہم مقرر کیا تو حضرت طلحہؓ اپنے بیٹے کو لے کر گئے اور حضرت عمرؓ نے ان کو خلیفہ کم مقرر کیا تو طلحہؓ نے کہا کہ میں میرا امومین؟ آپ نے اس صدی کو میرے بیٹے پر ترجیح دی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ”جی ہاں کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ جنگ احد کے موقع پر ان کے والد اپنی کمر سے اس طرح رگڑتے ہوئے تھے جیسے وٹ سے لوٹ بن جاتی ہے۔“<sup>(۶)</sup>

## (iii) ضرورت:

ی بناء پر حضرت عمرؓ نے سراء کے وظائف میں ان کی ضرورتوں کے لحاظ سے فرق کیا۔ امیر عراق حضرت عمار بن یاسرؓ کیسے آپ نے روزانہ نصف بکری مقرر کی اور عبداللہ بن مسعودؓ کیلئے روزانہ چوتھائی بکری مقرر کی۔ حضرت عمارؓ کو آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر اس لئے ترجیح دی کہ حضرت عمارؓ امیر تھے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ قاضی تھے۔ ظاہر ہے کہ امیر کے یہاں مہمانوں کی آمد قاضی کے مقابلہ میں زیادہ ہوتی ہے۔

## (iv) کثرت عیال:

کثرت عیال انسان کی حقیقی ضرورت کی تعریف میں آتی ہے اسی لئے حضرت عمرؓ نے بیوی کیلئے طیفہ و طیفہ مقرر کیا اور ہر بچہ کا وظیفہ مقرر کیا تاکہ وہ والدین پر بوجھ نہ بنیں۔ مالک بن اوس سے مروی ہے کہ ایک روز حضرت عمرؓ نے فتنے کا ذکر کیا اور فرمایا کہ ”میں اس فتنے کا تم سے زیادہ مستحق نہیں ہوں اور ہم میں سے کوئی بھی اس کا زیادہ حقدار نہیں ہے البتہ ہم ان امور کے پابند ہیں جو کتاب اللہ نے مقرر کئے ہیں اور اس تقسیم کے پابند ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے فرمائی۔ علاوہ بریں ہم آدمی کی سہقت، اس کی کارکردگی اس کی عیال داری اور اس کی ضروریات کو بھی ملحوظ رکھیں گے“<sup>(۱)</sup>۔

## (v) تعلیم و شرافت:

سعد بن ابیہم کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے اپنے کسی گورنر کو لکھا تھا ”لوگوں کو قرآن مجید سیکھنے پر دیکھ دو۔“ اس (گورنر) نے جواب میں انہیں لکھا: ”آپ نے مجھے لکھا ہے کہ لوگوں کو قرآن مجید سیکھنے پر دیکھ دو چنانچہ یہاں اب اسے لوگوں نے بھی قرآن مجید سیکھنا شروع کر دیا ہے جنہیں سوائے وظیفہ کے اور کوئی کوشش اس تعلیم کے حاصل کرنے میں نہیں ہے۔“ اس کا جواب دیتے ہوئے حضرت عمرؓ نے انہیں لکھا: ”لوگوں کو شرافت و مردت اور صحبت کی بناء پر وظائف دو“<sup>(۲)</sup>۔

## (vi) غیر مساوی مقدار:

فاروق اعظمؓ سرکاری وظائف کے معاملے میں حق مساوات کے قائل تھے چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا ”کوئی مسلمان ہی ایسا نہیں جس کا اس مال (فے) میں حق نہ ہو“ یہ الگ بات ہے کہ وہ دیا جائے یا نہ دیا جائے<sup>(۳)</sup>۔ ”چنانچہ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ نے فے ہی میں اپنے حق کے بارے میں مقدمہ پیش کیا تو آپ نے سورۃ اشعر کی آیت نمبر ۱۰۱ تلاوت فرمانے کے بعد فرمایا ”اس آیت کریمہ نے تمام لوگوں کو اپنے اندر شامل کر لیا ہے اور کوئی مسلمان ایسا باقی نہیں رہتا جس کا اس مال میں حصہ باقی نہ ہو“ البتہ تمہارے مملوک غلاموں میں سے بعض اس میں نہیں آتے۔ اگر میں زندہ رہا تو انشاء اللہ ہر مسلمان کو اس کا حق ملے گا حتیٰ کہ حیر (بن میں مقیم قیدی) کے نشی اور بالائی علاقہ میں بسنے والے چرواہے کو بھی جس سے اسے حاصل کرنے میں کوئی تک و دو نہیں کی ہوگی اس کا حق پہنچے گا“<sup>(۴)</sup>۔ لیکن درجات معیشت میں مساوات کے قائل نہیں تھے۔ وہ اسلامی کارناموں ’سبقت اور ضرورت مندی کو بھی درجہ بندی کی معقوں بنیاد سمجھتے تھے۔ چنانچہ سائب بن بريد سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عمر بن الخطابؓ کو یہ فرماتے سنا ”اس اللہ کی قسم! جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے (تین مرتبہ یہ لحاظ کیے) ہر ایک کا اس بیت میں حق ہے اور اس معاملے میں کسی کو دوسرے پر ترجیح حاصل نہیں ہے بلکہ میں بھی عوام کا ایک معمولی فرد ہوں البتہ ہمیں کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی تقسیم کے مطابق چننا ہو گا نیز ہر ایک کے اسلامی کارناموں اس کی دولت مندی اور ضرورت اور قدیم اسلام ماننے کے تعلقات کا لحاظ کرنا ہو گا۔ خدا کی قسم! اگر میں رمدہ ہا تو صنعا کے ایک چرواہے کو اس کا حصہ دین میں بیٹھے بیٹھے ملے گا“<sup>(۵)</sup>۔ ”اور دی کے بقول جب رسول اللہ ﷺ کی قرابت کے لحاظ سے

رجسٹر مکمل ہو گیا تو سبقت اسلام اور قرابت رسول ﷺ کو مد نظر رکھتے ہوئے لوگوں کے وظائف مقرر کئے گئے، جبکہ حضرت ابو بکرؓ نے سبقت اسلام کو مد نظر نہیں رکھا تھا بلکہ سب کے مساوی وظائف مقرر فرمائے تھے۔ حضرت علیؓ نے بھی اپنے زمانہ خلافت میں ایسا ہی کیا (یعنی سبقت اسلام کو مد نظر نہیں رکھا)۔ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ نے اسی طریقہ کو موزوں خیال فرمایا ہے، جبکہ حضرت عثمانؓ نے سبقت اسلام کے اصولوں کو حضرت عمرؓ کی طرح اختیار کیا تھا اور امام ابو حنیفہؒ اور فقہائے عراق نے اس اصول کو مورد قرار دیا ہے<sup>(۱)</sup>۔ آپ کا یہ نظریہ عہد خلافت میں پرواں نہیں چڑھا بلکہ شروع سے ہی یہی خیال رکھتے۔ عہد صدیقؓ میں بھی آپ نے اس پر اصرار کیا، لیکن حضرت ابو بکر صدیقؓ نے آپ کی بات نہیں مانی تھی چنانچہ جب زمام کار آپ کے ہاتھ میں آئی تو آپ نے متعدد دیگر فیصلوں کی طرح یہ بھی قدم اٹھایا اور اپنے نظریے کو عملی جامہ پہنایا۔ یہ کرنا آپ کیلئے لازم بھی تھا اس لئے کہ آپ مجتہد تھے۔ آپ کی بصیرت و فراست اور دین کی سمجھ پوری دیانتداری اور نیک نیتی سے جس قدم کا تقاضا کر رہی تھی، یہ ممکن نہیں تھا کہ آپ اس سے اجتناب کریں۔

روایت ہے کہ جب حضرت ابو بکرؓ نے تمام صحابہ کرام کو مساوی وظائف جاری فرمائے تو حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ ”کیا آپ کے نزدیک وہ شخص جس نے دو ہجرت کی ہیں (ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ) اور جس نے دو قیوں کی جانب نماز پڑھی ہے (یعنی مسجد اقصیٰ اور مسجد حرام کی جانب) اور وہ شخص جو حج کے سات تلواریں کے خون سے اسلام لے آیا دونوں برابر ہیں۔ اس پر حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ ”اعمال کا اجر دینے والا تو اللہ ہے، دنیا تو یک دار سفر ہے۔“ حضرت عمرؓ بولے ”بہر حال میرے نزدیک وہ شخص جس نے رسول خدا ﷺ سے جنگ کی اور وہ شخص جس نے آپ کی معیت میں جہاد کیا دونوں برابر نہیں ہو سکتے“<sup>(۲)</sup>۔ ”امام ابو عبیدہ نے روایات میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کے کئی درجے بنا دیئے اور ان میں سے بعض کو دوسروں پر ترجیح دی، جبکہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے ان کے درمیان وظائف کی تقسیم میں مساوات رکھی تھی“<sup>(۳)</sup>۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ پر اس مساوات رکھنے پر اعتراض بھی کیا تھا، لیکن حضرت ابو بکرؓ نے اس اعتراض پر توجہ نہیں دی۔ یہی نتیجہ نہیں دی۔ یہی نتیجہ نہیں دیا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے جب لوانافنے تقسیم کی تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ آپ ان میں سے مہاجرین اولین کو اور سابقین اسام کو دوسرے لوگوں پر ترجیح دیجئے۔“ اس پر حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا کہ ”کیا میں بن کی سبقت اسلام کی قیمت ادا کر رہا ہوں؟“ فرض حضرت ابو بکرؓ نے تقسیم میں سب کو برابر رکھا“<sup>(۴)</sup>۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کا یہ خیال تھا کہ مالی معاملہ اور اجر و ثواب دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ انہیں اکٹھا نہیں کرنا چاہئے، تاکہ لوگ نیک اعمال کو خالصتاً اللہ کیلئے کریں، جبکہ حضرت عمر فاروقؓ کا یہ موقف تھا کہ جن لوگوں نے اسلام کے فروغ اور غلبے میں ابتدائی اور مجرور کردار ادا کیا ہے، عدس کا تقاضا ہے کہ ان کے حق کو فائق مانا جائے۔ اس کا آئندہ بھی یہ فائدہ ہو گا کہ ایسے معاملات میں لوگ بڑھ چڑھ کر حصہ لیں گے۔ حضرت ابو بکرؓ کا نقطہ نظر اس روایت سے واضح ہوتا ہے۔ یزید بن ابی حبیب کہتے ہیں کہ جب حضرت ابو بکرؓ کے پاس مال آیا تو انہوں نے اس میں سے سب لوگوں کو برابر برابر حصہ دیئے اور کہا ”مجھے یہ منظور ہے کہ میں اس تقسیم کی ذمہ داری نبھاؤں میں برابر برابر ہوں (نہ مجھے ثواب ملے نہ عذاب) اور وہ جہاد جو میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیا ہے، وہ میرے لئے (بعد کے اعمال کے اثر سے) پاک صاف رہے“<sup>(۵)</sup>۔ ”روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کا نقطہ نظر انفرادی نہیں تھا بلکہ دیگر لوگوں کی بھی انہیں تائید حاصل تھی۔ غنا سابقین از دون۔ یہی چاہتے تھے جیسا کہ اس روایت سے اندازہ ہوتا ہے۔ یزید ابن ابی حبیب و غیرہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ سے تقسیم مال کے بارے میں لوگوں نے جادلہ خیال کیا اور چاہا کہ وہ سب مراتب لوگوں کے عطیوں میں (کئی پیشی کر کے) ترجیحی سلوک کریں، لیکن انہوں نے کہا ”اں (لوگوں) کے فضل

کا تعلق اللہ سے ہے۔ یہ روزی کا معاملہ سوا اس میں مساوات ہی بہتر ہے<sup>(۱)</sup>۔ ”جب تک فے کے مال میں وسعت پیدا نہیں ہوئی تھی، فاروق اعظم نے بھی دائل کی بنا پر مساوات ہی کا طریقہ اختیار کیا۔ سفیان بن وہب خولانی کہتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کی جاہلیہ دہلی تفریر میں موجود تھا۔ اس خطبہ میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کے شایان شمس ثناء کی پھر فرمایا ”ابا بعد ایہ فے ایک ایسی دولت ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف چنائی ہے اس میں اعلیٰ اور ادنیٰ یک حیثیت رکھتے ہیں۔ کوئی فرد کسی دوسرے سے زیادہ استحقاق نہیں رکھتا۔ سوائے نعم اور جذام کے دو قبیلوں کے کہ انہیں میں کچھ تقسیم نہیں کروں گا۔“ اس پر ایک غلی کا ایک فرد کھڑا ہوا اور اس نے کہا ”اے ابن خطاب! میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر درخواست کرتا ہوں کہ عدل و مساوات کو ملحوظ رکھیں۔“ حضرت عمرؓ نے کہا ”ابن خطاب! اس عمل سے عدل و مساوات کے سوا کوئی اور غرض نہیں ہے واللہ میں جانتا ہوں کہ اگر ہجرت صنعاء میں ہوتی تو نعم و جذام (قبائل) میں سے تھوڑے آدمیوں کے سوا ہواں کوئی نہ جاتا۔ تم ہی بتاؤ کیا میں ان لوگوں کو جنہوں نے سفر کی صعوبتیں برداشت کیں اور سواریاں خریدیں ان لوگوں کے برابر کروں جنہوں نے اپنے گھروں میں رہ کر جنگیں کیں؟“ تب ابو حدیراؓ نے اور انہوں نے کہا ”یا میرا مومنین! کیا اس بناء پر کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے علاقہ کو ہجرت گاہ بنایا اور ہم نے ہجرت کو برحق مانتے ہوئے مہاجرین کی مدد کی ہمارا حق قسم کر دیا جائے گا؟“ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا ”ایسا نہیں ہو گا واللہ! میں تم لوگوں کو بھی اس (فے) میں سے حصے دوں گا۔ پھر سب لوگوں کے درمیان (لئے مساوی) تقسیم کر دی۔ اس طرح ہر تمہارا فرد کو نصف دینا ملا اور جس کے ساتھ اس کی بیوی تھی اسے ایک دینا دیا<sup>(۲)</sup>۔“ روایات میں آتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے آخری سفر شام ۷ھ میں کیا جس کے دوران جاہلیہ میں یہ تقریر فرمائی<sup>(۳)</sup>۔ یہ وہ دور تھا کہ جب فتوحات کی وجہ سے مال غنیمت تو کافی مقدار میں حاصل ہو رہا تھا مگر آمدنیوں میں ابھی خاطر خواہ اضافہ نہیں ہوا تھا۔ بعد میں جب فے کی آمد نیاں شروع ہوئیں اور سرکاری زمینیں آباد ہونے سے وسائل کی بہت ہوئی اور مستقل اضافہ ہونے لگا تو نظام و خائف قائم کیا گیا تو آپ نے ترجیحی تقسیم کا فیصلہ کیا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی مساویانہ تقسیم اور فاروق اعظمؓ کی ترجیحی تقسیم کی بہترین فقہی توجیہ وہ ہے جو سفیان بن عیینہ کی ہے۔ ان سے منقول ہے حضرت ابو بکرؓ مسلمانوں میں فے کی مساویانہ تقسیم کے اس لئے قائل تھے کہ وہ تمام مسلمانوں کو اسلام کے فرزند تصور کرتے تھے بالکل اسی طرح جیسے بہت سے بھائی اپنے باپ کے وارث ہوتے ہیں اور ان سب کو میراث سے مساویانہ حصے ملتے ہیں۔ اگرچہ ہر باپ ہر فاضل اور بلافاصلہ مرثوب دین و غیرہاں کے مددگار ایک دوسرے سے بلند تری کیوں نہ ہوں؟ حضرت عمرؓ کے سامنے اس مسئلہ کا یہ بیہوش تھا کہ چونکہ خود ”السا بقین“ میں ایک کو دوسرے پر فضیلت حاصل ہے اور ان کے مدارج جدا جدا ہیں لہذا اندریں صورت تمام مسلمان ایک باپ اور مختلف ماں کی ایسی اولاد ٹھہریں گے جو اپنے بھائی یا اپنے باپ کے رشتہ داروں میں سے کسی مرد کے وارث بننے میں نفسی طور پر باہم مساوی نہیں ہوتے۔ ان میں اس (بھائی) کی میراث کا زیادہ مستحق وہ ہو گا جو داری رشتہ داری میں زیادہ قریب اور پشتوں کے نسب سلسلہ میں اپنے (جد اعلیٰ یا) باپ سے قریب تر ہو۔

امام ابو عیینہ کے بقول ”مادری رشتہ داری میں زیادہ قریب“ کے معنی یہ ہیں کہ وہ بھائی جو ایک ماں اور ایک باپ سے ہو گا۔ اس بھائی کو جو صرف اس کے باپ کی طرف سے بھائی ہو گا محروم کر کے تمام میراث لے لے گا حالانکہ محروم ہونے والا بھی اس کا بھائی ہی ہے۔ ”پشتوں کے نسب سلسلہ میں اپنے (جد اعلیٰ یا) باپ سے قریب تر“ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ بیٹا پوتے کے مقابلہ میں قریب تر ہو گا اور بھائی بھتیجے کے مقابلہ میں۔ ہر ایک جانتا ہے کہ قریب تر بعید کو محروم کر کے خود وارث ہو جاتا ہے حالانکہ رشتہ داری میں سب ہی مسلک ہوتے ہیں۔ اس مثال سے سفیان بن عیینہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اسلام سے میراث پانے والوں میں بھی یہی قریبی تعلق کام کرے گا۔ یعنی جس نے جس قدر زیادہ اسلام کی مدد اس کے احکام کی پاسداری اور اس کی مدافعت کی ہوگی، اسی قدر وہ زیادہ ترجیح کا مستحق ہو گا۔ سفیان بن

عیسیٰ کی حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے مختلف اقوال کی یہ توجیہ و تاویل مجھے ملاحظہ نہیں پہنچی۔ البتہ اس کا مفہوم یہی ہے اور اس بارے میں مجھے اس سے بہتر تاویل نہیں مل سکی<sup>(۱)</sup>۔ دراصل جو بھی تھے خلافت فاروقی کے آخری چار سال تک ترجیحی و خانف ہی دیئے جاتے رہے، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ آپ نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ ”سندہ سس سے آپ بھی مسدیانہ تقسیم کریں گے۔ آپ کے خادم اسلم سے روایت ہے کہ جب آپ نے دیکھا کہ مال بہت زیادہ ہو گیا ہے تو فرمایا ”اگر میں آئندہ سال اس شب تک زندہ رہا تو بعد والے لوگوں کو پیسے والے لوگوں سے عداوت کا تاکہ تمام افراد و خانف میں برابر ہو جائیں۔“ راوی کہتے ہیں کہ آپ اس سے قبل ہی انتقال کر گئے اللہ آپ پر اپنی رحمت کا نزول فرمائے<sup>(۲)</sup>۔ یا پھر آپ نے فرمایا ”واللہ اگر میں آئندہ سال تک زندہ رہا تو آخری آدمی کو پیسے آدمی سے عداوت کا اور سب کو مثل ایک آدمی کے کردوں گا“<sup>(۳)</sup>۔ ”یا پھر فرمایا ”اگر میں سال بھر تک زندہ رہا تو سب سے کم مرتبے والے کو سب سے اعلیٰ مرتبے والے سے ملا دوں گا“<sup>(۴)</sup>۔ ”بقول امام ابو عبیدہ (تقسیم لینے کے متعلق) حضرت عمرؓ کی پہلی رائے یہ تھی کہ جن لوگوں نے اسلام لانے میں سبقت کی اور اسلام کو بلند کرنے میں نمایاں خدمات انجام دیں ان کے ساتھ ترجیحی سلوک کیا جائے اور ان کی یہی رائے معروف عوام ہے، لیکن حضرت ابو بکرؓ کی رائے یہ تھی کہ تمام مسلمانوں کو سس میں سے برابر برکھار دیا جائے۔ بعد میں حضرت عمرؓ سے بھی ایسی روایات پہنچی ہیں جن سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی پہلی رائے سے رجوع کر کے حضرت ابو بکرؓ کی رائے سے اتفاق کر لیا تھا“<sup>(۵)</sup>۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس رجوع کی کیا وجہ تھی؟ کیا آپ کو تجربہ بات کی روشنی میں اپنے سابقہ موقف کے غلط ہونے کا احساس ہو گیا تھا یا پھر صورتحال کی تبدیلی کی وجہ سے اب اس کی ضرورت نہ تھی؟ میری رائے میں یہ دوسری وجہ زیادہ صحیح ہے، مگر پہلی کا بھی امکان ہے۔ آپ نے جن مقاصد کے تحت ترجیحی و خانف کا فیصلہ فرمایا تھا وہ کافی حد تک پورے ہو چکے تھے۔ ان میں سب سے اہم چیز سابقین و ادون کی قدر و منزلت اور حوصلہ افزائی تھی۔ اب مستقل طور پر ایسی پالیسی بنانے کی ضرورت تھی جو ”سندہ کیلئے جاری و ساری رہے۔ اب عدل کا تقاضا یہی تھا کہ سب کو مساوی قرار دیا جائے البتہ شجاعت اور حسن عمل کی ترغیبات قائم رہیں۔ ماوردی کے بقول و خانف کی مقدار سہم کیلئے خدمات اور سبقت، سہم کے لحاظ سے مقرر کی گئی، مگر جب سابقین اسلام باقی نہ رہے تو پھر و خانف کی مقدار میں شجاعت اور حسن عمل کو مد نظر رکھا جانے لگا“<sup>(۶)</sup>۔ پالیسی میں تبدیلی کی ضرورت آپ نے اس وجہ سے بھی محسوس کی کہ آپ نے دیکھا کہ اگر اس کو مزید جاری رکھا گیا تو طبقاتی تعادلت پیدا ہو جائے گا اور اس میں اضافہ ہوتا رہے گا آگے چل کر نہ جانے کیا صورت اختیار کرے اور سب کے تحفظ کیلئے کیا کیا جواز پیدا کئے جائیں؟ اس لئے اسے یہاں پر ہی ختم کرنا بہتر ہے۔ اس کا ثبوت امام ابو یوسف کی روایت کا پہلا جملہ ہے جو اوپر مذکور ہو چکا ہے ”جب آپ نے دیکھا کہ مال بہت زیادہ ہو گیا تو فرمایا ”اگر میں زندہ رہا تو“<sup>(۷)</sup>۔ ”ہمارے نزدیک اس سے مراد مالی تعادلت ہے کیونکہ و خانف کا فرق زیادہ مال ہونے کی وجہ سے بہت زیادہ ہوے لگا تھا جو آپ کو سخت ناپسند تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے زمینوں کی سرکاری امانت بند کر دی، جنہیں پہلے زمینیں الاٹ کی جا چکی تھیں، نہیں فرمایا ”صرف اتنا اپنے پاس رکھیں جتنا آباد کر سکتے ہوں باقی واپس کر دیں۔“ آپ نے بعد وال غلیفہ کو جو وصیتیں کیں ان میں بطور خاص مساوات کا حکم دیا تاکہ خرابیاں پیدا نہ ہوں۔ حافظ کی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ”میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ تم مسلمانوں کی جماعت پر شفقت سے کام لیتے ہوئے ان کے بڑوں کی عزت افزائی کرنا اور ان کے چھوٹوں پر رحم کرنا ان کے اہل علم کی قدر افزائی کرنا ان کو ہارنا نہیں اس سے دودھ لیل ہو جائیں گے۔ مال فتنے کے معاملے میں ان پر کسی کو ترجیح نہ دینا یہ بات ان کی ناراضی کا باعث ہوگی۔ ان کو عطاؤں سے محروم نہ کرنا وہ فقر کا شکار ہو جائیں گے۔ ان سب کو معرکوں کے حوالے نہ کر دینا کہیں ان کی نسل فنانہ ہو جائے۔

(۱) عبیدہ ۲۵۶ (۲) بیرونی ۵۶ (۳) مسند ۳۰۲ عبیدہ ۲۵۵ (۴) مسند ۳۰۲/۳ عبیدہ ۲۵۵ (۵) عبیدہ ۲۴۵ (۶) ماوردی ۲۰۲ (۷) بیرونی ۵۶۔

## خلاصہ بحث

مقالے کے صفحات سے ثابت ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کو اللہ تعالیٰ نے زبردست اجتہادی بصیرت سے نوازا تھا جو عملی زندگی کے ہر پہلو میں نمایاں تھی۔ آپ اسلام کی روح، مزاج اور مقاصد و مصالح کو وسیع تر تناظر میں دیکھنے کی صحت سے بہرہ ور تھے۔ آپ کو مسائل کے اور ک اور معاملہ فہمی میں کمال حاصل تھا۔ ہر انفرادی و اجتماعی مسئلے کی تہہ تک بہت جلد پہنچ کر اس کا کوئی حل تلاش کر بیٹے تھے، لیس اس کے ساتھ ہی اپنی ہر رائے اور فکر کو عوام الناس کے سامنے پیش کرتے۔ حق و مخالفت میں دلائل سنتے و رد دلائل دیتے پھر کسی حتمی فیصلے تک پہنچتے یہ سلسلہ عہد خلافت میں بھی جاری رہا۔ آپ نے کبھی اپنی منفرد رائے کو حرف آخر سمجھ کر عوام پر مسلط کرنے کی کوشش نہیں کی ہمیشہ سے تنقید کی چھلیوں سے گزارتے اور ہر مناسب دائرے میں مشاورت کرتے اور ہر وقت حق کو پانے اور اس کی طرف رجوع کرنے کیلئے تیار رہتے۔ آپ نے شورائی اجتہاد کو رواج دیا اور سی کے مطابق اپنی پالیسیاں وضع کیں۔ اس لئے آپ کے عہد میں کئے گئے اہم فیصلوں اور ٹھانے گئے تمام اقدامات کو اجتماعی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے۔ آپ کی اجتہادی بصیرت آپ کے دور کے مسلمانوں کی اجتماعی بصیرت کی علامت ہے۔ بحیثیت مجموعی آپ کو ساری امت مسلمہ کا اعتماد و تعاون حاصل رہا۔ عہد نبویؐ کے بعد امت مسلمہ کی نظر میں آپ کے دور باسعادت کو ایک معیار کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ آپ کا کردار اور طرز عمل، علم کے ہر گوشے اور زندگی کے ہر شعبے میں سوائی روح و مزاج کی نمائندگی کرتا ہے اور ہر زمانے کے لوگوں کیلئے نشان راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ شاہ ولی اللہ نے بجا فرمایا ہے ”تمام اصحاب فہم (آپ کی پیروی کرنے پر) مجبور ہیں کیونکہ حضرت عمرؓ میں باعتبار شریعت ہر اوصاف موجود تھے جس میں سے کچھ تھوڑے سے مقتدا اور آئمہ مسلمین نے ہم تک پہنچائے اور عامۃ المسلمین انہی کے ذکر سے رطب اللسان ہیں۔ تاریخ میں ان کے حالات اس طرح ثبت ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی طبقہ ان سے استفادہ کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

لیس اعلیٰ اللہ بمستکر      ان یجمع العالم فی واحد

وہ ایک عادل بادشاہ بھی ہیں کہ جنہوں نے عدلانے کلمۃ اللہ کی خاطر جہاد کیا، جزیہ اور ٹیکس بھی بے انتہا وصول کیا، فتوحات بھی کیں ان کے ہاتھ پر ایمان کی ترویج بھی ہوئی۔ مسلمانوں نے ان کے سایہ میں امان بھی پائی، حدود بھی قائم ہوئیں، در علوم کا احیاء بھی انہی کے زمانے میں ہوا، حتیٰ کہ محققین فقہاء جو کہ احکام و فتاویٰ کی مشکلات کو حل کرتے ہیں، دور جن کے فتوے سے آج تک ساری دنیا مستفید ہے۔ حضرت عمرؓ کی تقلید پر مجبور ہیں، جیسا کہ فقہائے اربعہ۔ ایسے ہی ثقافت محدثین جنہوں نے احادیث، رسول کا حفظ کیا اور صحیح کو غیر صحیح سے علیحدہ کیا جیسا کہ بخاری و مسلم آپ کی تقلید پر مجبور ہیں، اسی طرح مفسرین کہ جنہوں نے قرآن مجید کے غرائب اس کی توجیہات اور اس کے اسباب نزول بیان کئے یہاں تک کہ س فن کے امام، احمدی، مغوی اور بیضاوی بھی آپ کی تقلید پر مجبور ہیں۔ اسی طرح قراء کہ جنہوں نے احاطہ قرآن پاک کو یاد کیا اور تمام زندگی اس کی مشق میں گزار دی جیسے تافع اور ماصم ایسے ہی مشائخ و صوفیہ جنہوں نے، چنی صحبت کے ذریعے گمراہوں کو راہِ سبقت دکھائی اور جن سے عجیب عجیب کرامات ظاہر ہوئیں، جیسے شیخ عبدالقادر اور خواجہ نقشبند وغیرہ۔ اسی طرح وہ حکماء کہ جنہوں نے حکمت عملی کی تعبیر کی، در لوگوں کے کانوں تک سے پہنچایا، جیسے جلال مدین، روینی، مصباح الدین شیرازی۔ اسی طرح وہ شعراء بھی جو شریعت کے حامل نہیں اور حسن کی زندگی مدح سرائی میں گزری جیسا کہ عربی وغیرہ (یہ سب حضرات حضرت عمرؓ کی تقلید پر مجبور ہیں) (۱)





عصر حاضر کے سارے مسائل کو حل کرنے کیلئے جہاں ان دو صاف کو اپنا ضروری ہے وہاں ایک ایسا نظام کار و وضع کرنے کی ضرورت ہے جو ان خطوط پر استوار ہو۔ جنہیں اس مقالے میں مختلف مباحث کے تحت اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ کام صرف اسی وقت ممکن ہے جب ہم اجتماعی طور پر یہ فیصلہ کر لیں کہ ہم نے پہلے اپنے ملکوں کو پھر پوری دنیا کو اسلام کے نظام امن و سلامتی سے ہمکنار کرنا ہے جس پر سارے انسانوں کی دنیوی اور اخروی بھلائی کا دار و مدار ہے۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق و ہمت دے۔ آمین ثمہ آمین!



# فہارس

☆۔ آیات قرآنیہ

☆۔ احادیث نبویہ

☆۔ شخصیات

☆۔ مقامات

## آيات قرآنيه

### صفحات

### آيات

#### باب اول:

- ٨ ان الله يرى من المشركين ورسوله  
٩ كم تركوا من حنات و عيون و رزوغ و مقام كريم و نعمة كانوا فيها فاكهين كذلك وارثاها قوماً آخرين  
١٣ رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله  
١٤ واذا رآوا تجارة او لهواً انفضوا اليها وتركوك قائما  
١٧ يا ايها النبي حسبك الله ومن اتبعك من المؤمنين  
٢٠ لا تسمعوا لهذا القرآن والغوا فيه لعلكم تغلبون  
٢١ انه لقول رسول كريم وما هو بقول شاعر قليلاً ما تؤمنون  
٢١ ولا بقول كاهن "قليلاً ما تدكرون"  
٢١ ولا بقول كاهن "قليلاً ما تدكرون"

#### باب دوم:

- ٥٤ لقد من الله على المؤمنين اذ بعث فيهم رسولا من انفسهم يتلوا عليهم آياته و يركبهم و يعلمهم الكتب  
والحكمة وان كانوا من قبل لفي ضلال مبين  
٥٥ لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة  
٥٧ صفة الله و من احسن من الله صفة و تحى له غلبون  
٥٧ محمد رسول الله و الذين معه اشداء على الكفار رحماء بينهم تراهم ركعاً سجداً يتعنون فصلا من الله  
و رضواناً سيماهم في وجوههم من الانوار السجود  
٦٠ قد افلح المؤمنون  
٦١ و اذا رآوا تجارة و لهواً انفضوا اليها و تركوك قائما قل ما عد الله خيراً من اللهو و من التجارة و الله خير الراغبين  
٦٥ شاورهم في الامر  
٧١ اذا جاءك الصائغون

- ١٦٢ يا ايها الذين امنوا اسما الحمر والميسر والانصاب والازلام رحس من عمل الشيطان فحسوه لعلكم تفلحون  
اسما يريد الشيطان ان يوقع بيسكم العداء والبعضاء في الحمر والميسر ويصدكم عن ذكر الله وعن الصلوة  
فهل اسم منهون
- ١٦٣ ليس على الذين امنوا وعموا الصالحات حاح فيما طعموا اذا ما اتقوا و امنوا و عملوا الصلحت ثم اتقوا  
وامنوا ثم اتقوا واحسوا والله يحب المحسنين
- ١٦٤ علم الله انكم كنتم تحتانون فتاب عليكم وعفا عنكم
- ١٦٤ احل لكم ليلة الصييم الرفث الى ساء كم من لباس لكم وانتم لباس لهن علم الله انكم كنتم  
تحتنون انفسكم فتاب عليكم وعفا عنكم فلنن ياشروهن وابتغوا ما كتب الله لكم وكلوا واشربوا حتى  
يتبين لكم الخيط الابيض من الخيط الاسود من الفجر
- ١٦٥ ساء كم حرث لكم فاتوا حرثكم اى شئتم وقدموا لانفسكم واتقوا الله واعلموا انكم ملقوه و بشر المؤمنين
- ١٦٧ فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في انفسهم حرجا مما قضيت ويسلموا تسليما
- ١٦٧ ولوا انا كتبنا - الخ
- ١٦٧ الم تر الى الذين يرمون ائهم امنوا بما انزل اليك وما انزل من قبلك يريدون ان يتحاكموا الى الطاغوت  
وقد امروا ان يكفروا ويريد الشيطان ان يضلهم ضلالا بعيدا
- ١٦٨ يا ايها النبي لم تحرم ما احل الله لك تبغى مرصات ارواحك والله عفو رحيم قد فرص الله لكم تحلة ايمانكم  
والله مولكم وهو العليم الحكيم واد اسر النبي الى بعض ارواحه حديثا قلما بات له واطهره الله عنه عرف بعضه  
و اعرض عن بعض فلما نبأه به قلب من ابيك هذا قال باني العليم الخبير ان تتوب الى الله فقد صغت قلوبكما  
و ن بظاهرا عليه ان الله هو موله و خيريل و صالح المؤمنين والمنشكه بعد ذلك ظهير عسى ربه ان طفقكم  
ان يبدله ارواحا خيرا ممكن مسلمات مؤمنات قانتات تاليات عابدات صالحات ثبات و ايكارا  
ان تتوبا الى الله فقد صغت قلوبكما
- ١٧٠ واد جاء هم امر من لامن او الحوف ادعوا به ولو ردوه الى الرسول والى اولى الامر منهم لعلمه
- ١٧٣ الذين يستنبطونه منهم ولولا فضل الله عليكم و رحمته لا تبعتم الشيطان الا قليلا
- ١٧٤ ولو لا اذا سمعتموه قلتم ما يكون لنا ان نتكلم بهذا سيحذلك هذا بهتان عظيم
- ١٧٤ ولقد خلف الانسان من سلالة من طين ثم جعله نطفا في قرر مكين ثم خلقنا النطفة علقه فحملها العلقه
- مصغة فخلقنا المصغة عظاما فكسونا العظام لحما ثم ابدناه خلقا آخر
- ١٧٤ فتبارك الله احسن الخالقين

- ١٧٤ فل من كان عدوا لجبريل فانه موله على قلبك بادن الله مصدقا لما بين يديه وهدى وبشرى  
للمؤمنين من كان عدوا لله وملائكته ورسله وجبريل وميكال فان الله عدو للكافرين
- ١٧٦ من كان عدوا لله وملائكته ورسله وجبريل وميكائيل فان الله عدو للكافرين
- ١٧٦ والسيفون السيفون اولئك المعزبون في جنت العيم ثلثه من الاولين وقليل من الآخرين
- ١٧٦ ثلثه من الاولين وثلثه من الآخرين
- ١٧٨ شهر رمضان الذي انزل فيه القرآن هدى للناس وبينت من الهدى والفرقان
- ١٧٨ تبرك الذي نزل الفرقان على عبده ليكون للعالمين نذيرا
- ١٧٨ وما انزلنا على عبدنا يوم الفرقان
- ١٧٩ انه لقول رسول كريم وما هو بقول شاعر قليلا ما تؤمنون. ولا بقول كاهن قليلا ما تذكرون تبريل من  
رب العالمين ولو نقول علينا بعض الاقارب لا خلدنا معه باليمين ثم لقطعنا معه الوتين فما منكم من  
احد عه حجيرين وانه لندكرة للمتقين وانا لنعلم ان منكم مكديين وانه لحسرة على الكافرين. وانه  
لحق اليقين. فسيح باسم ربك العظيم
- ١٨٠ سبح لله ما في السموات والارض وهو العزيز الحكيم له ملك السموات والارض يحيى ويميت وهو على  
كل شئ قدير هو الاول والاخر والظاهر والباطن وهو بكل شئ عليم هو الذي خلق السموات والارض في  
سنة ايام ثم استوى على العرش يعلم ما يلج في الارض وما يخرج منها وما يرل من السماء وما يعرج فيها  
وهو معكم ايما كنتم والله ما تعملون بصير له ملك السموات والارض والى الله ترجع الامور ويولج النهار  
في الليل وهو عليم بذات الصدور اموا بالله ورسوله واتفقوا مما جعلكم مستخلفين فيه فالذين آمنوا منكم  
واتفقوا لهم اجر كبير وما لكم لا تؤمنون بالله والرسول يدعوكم لئلا يبركم وقد اخذ ميثاقكم ان  
كنتم مؤمنين
- ١٨٠ طه ما انزلنا عليك القرآن لتشقى الا تذكره لمن يحشى ثريلا ممن خلق الارض والسموات  
العلي الرحمن على العرش استوى له ما في السموات وما في الارض وما بينهما وما تحب الثرى وان  
نجهز بالقول فانه يعلم السر واخفى. الله لا اله الا هو له الاسماء الحسنى
- ١٨٠ اسي انا الله لا اله الا انا فاعبدني واقم الصلوة لذكرى ان الساعة آتية اكاد احصيهما لتحري كل نفس  
بما تسعى فلا يصدفك عنها من لا يؤمن بها واتبع هواه فتردى
- ١٨١ واسما اشكوا بشى وحربى الى الله
- ١٨١ وحره يومئذ خاضعة عاملة ناصبة تصلى نارا حامية

- ١٨٢ لهم شقى وسعيد فاما الذين شقوا ففي النار لهم فيها زفير وشهيق
- ١٨٢ فليس عليكم جناح ان تقصروا من الصلوة ان سمعتم ان يمتكفركم الذين كفروا
- ١٨٢ والذين يكتفرون الذهب والقصة ولا يفتقونها في سبيل الله فبشرهم بعذاب اليم
- ١٨٣ اذا جاء نصر الله والفتح
- ١٨٣ يود احدكم ان تكون له جنة من نخيل واعناب تجري من تحتها الانهار له فيها من كل الثمرات
- واصابه الكبر وله ذرية ضعفاء
- ١٨٤ اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عنكم نعمتي ورضيت لكم الاسلام ديناً
- ١٨٤ ان تتوبا الى الله فقد صغت قلوبكما
- ١٨٥ واد اخذ ربك من بنى آدم من ظهورهم وذريتهم اشهدهم على انفسهم الست بربكم قالوا بلى شهدنا
- ان تقولوا يوم القيمة انا كنا عن هذا غفلين
- ١٨٥ قل يا عبادى الذين اسرفوا على انفسهم لا تقظوا من رحمة الله ان الله يعفو الذنوب جميعاً انه هو الغفور
- الرحيم و ايبوا الى ربكم واسلموا له من قبل ان ياتيكم العذاب ثم لاتصروا واتبعوا احسن ما امرت
- اليكم من ربكم من قبل ان ياتيكم العذاب بفتة وانتم لاتشعرون
- ١٨٥ قد فتح المومنون الذين هم فى صلاتهم خشعون و الذين هم عن اللغو معرضون و الذين هم للزكوة فعيون
- و الذين هم لمرضعتهم محفوظون الا على رواجهم او ما ملكت ايماهم فانهم غير مومنين فمن انتهى وراء ذلك
- هم العدون و الذين هم لامستهم و عهدهم رعون و الذين هم على صلواتهم يحافظون اولئك هم الورتون
- الذين يرثون الفردوس هم فيها خالدون
- ١٨٦ انا فتحنا لك فتحاً مبيناً
- ١٨٦ الا ان اولياء الله لا خوف عليهم ولا هم يحزنون
- ١٨٧ كلما مضجت حملودهم بدلنا هم جنوداً غيرها
- ١٨٧ ان الذين فرقوا دينهم وكانوا شيعاً
- ١٨٧ اقم الصلوة لذلولك الشمس
- ١٨٧ يا ايها الذين امنوا لاترفعوا اصواتكم فوق صوت النبى
- ١٨٧ اجعلتم سقاية الحاج و عماره المسجد الحرام كمن امن بالله واليوم الآخر و جهد في سبيل الله لا يستوفون
- عند الله والله لا يهدي القوم الظالمين

- ١٨٧ وانذر به الذين يخافون ان يحشروا الى ربهم لهم من دونه ولي ولا ضيع لعلهم يتقون ولا تطرد الذين يدعون  
ربهم بالعدوة والعشى يريدون وجهه ما عليك من حسابهم من شئ وما من حسابك عليهم من شئ فتنظروهم  
فتكون من الظالمين وكذلك فما يغفهم بعض ليقولوا أهولاء من الله عليهم من يسأل الله بأعلم بالشكرين  
١٨٨ وإذا جاء لك الذين يؤمنون بموءابجهاله ثم تاب من بعده وأصلح فانه غفور رحيم  
١٨٨ وبرعنا ما في صدورهم من عل تجري من تحميم الانهر وقالوا الحمد لله الذي هدانا لهذا وما كنا لنهتدي لولا  
ان هدانا الله لقد جاءت رسل ربنا بالحق وودوا ان تلکم الجنة اورثموها بما كنتم تعملون  
١٨٨ والذين امنوا بالله ورسوله اولئك هم الصديقون والشهداء عند ربهم لهم اجرهم وورهم والذين كفروا و  
كذبوا بايتنا اولئك اصحاب الجحيم  
١٨٨ لا تجد قوما يؤمنون بالله واليوم الآخر يوادون من حاد الله ورسوله  
١٨٩ لهم تر الى الذين اتوا نصيبا من الكتب يؤمنون بالغيب والطاغوت  
١٨٩ احل ولكم صيد البحر وطعامه متاعا لكم وللسيارة  
١٨٩ وإذا النعوس روجت  
١٨٩ يا ايها الذين امنوا توبوا الى الله توبة نصوحا  
١٨٩ اولئك الذين امتحن الله قلوبهم للتقوى لهم مغفرة و اجر عظيم  
١٨٩ اتموا الحج والعمرة لله  
١٨٩ يا ايها الذين امنوا اصبروا وصابروا و رابطوا واتقوا الله لعلكم تفلحون  
١٩٠ ليس عليكم جناح ان تبتغوا فضلا من ربكم  
١٩٠ الذين اذا اصابهم مصيبة قالوا انا لله وانا اليه راجعون اولئك عليهم صلوات من ربهم ورحمته و اولئك هم المهتدون  
١٩٠ اقم الصلوة طرفي النهار و راعاس الليل ان الحسنت يذهب السيئات ذالك ذكرى للذاكرين  
١٩٠ فاعتزلوا النساء في المحيض  
١٩١ فابتنا فيها حيا و عيا و قصبا و ريتوما و مخلا و حلقا و عبا و فاكهه و ابا  
١٩١ وكذلك جعلكم امم و سطا لكونوا شهداء على الناس و يكون الرسول عليكم شهيدا  
١٩٢ و اتينهم احداهم فتنظروا فلا تأخذوا منه شيئا انا خذوه بهتانا و انما مبينا  
١٩٣ انما حراء الذين يحاربون الله و رسوله و يسعون في الارض فسادا ان يقتلوا او يصلبوا او تقطع ايديهم و  
ارجلهم من خلاف  
١٩٣ ولا جبا الا عابري سبيل حتى تقتسلوا

- ١٥٠ ما كان لى ان يكون له اسرى حتى ينجس في الارض يريدون عرض الدنيا والله يريد الاخره والله عزيز حكيم لولا كتب من الله سبق لمسكم فيما اخذتم عذاب عظيم
- ١٥٠ فاما منا بعد واما فداء
- ١٥١ لولا كتاب من الله سبق لمسكم فيما اخذتم عذاب عظيم
- ١٥١ واذا سألتموهن متاعا فسنلوهن من وراء حجاب
- ١٥١ لولا كتاب من الله
- ١٥٢ واد يقول المنافقون والذين في قلوبهم مرض ما وعدنا الله ورسوله الا غرورا
- ١٥٢ وقالوا لا تسفروا في الحر قل نار جهنم اشد حرا لو كانوا يفقهون فليصحبكم قليلا ولبيكوا كثيرا جراء بما كانوا يكسبون
- ١٥٣ استغفر لهم او لا تستغفر لهم سبعين مرة فلن يغفر الله لهم
- ١٥٣ ولا تصل على احد منهم مات ابدا ولا تقم على قبره انهم كفروا بالله ورسوله وماتوا وهم فسقون
- ١٥٤ ومن حولكم من الاعراب سفهون ومن اهل المدينة مردوا على النفاق لا تعلمهم نحن نعلمهم
- ١٥٤ مستعذبهم مرتين ثم يردون الى عذاب عظيم
- ١٥٥ واتخذوا من مقام ابراهيم مصلى
- ١٥٥ واتخذوا من مقام ابراهيم مصلى
- ١٥٦ واذا يرفع ابراهيم القواعد من البيت واسماعيل ربنا تقبل ما انك انت السميع العليم
- ١٥٧ واتخذوا من مقام ابراهيم مصلى
- ١٥٧ ان اول بيت وضع للناس لى بكة مبركا وهدى للعالمين فيه آيت بيت مقام ابراهيم ومن دخله كان امنا
- ١٥٨ واذا سألتموهن متاعا فسنلوهن من وراء حجاب ذالكم اطهر لقلوبكم وقلوبهن
- ١٦٠ يا ايها الذين امنوا ليست ذككم الذين ملكت ايمانكم والذين لم يلغوا العلم منكم ثلاث مرات من قبل صلاة الفجر وحين تضعون ثيابكم من الطهيرة ومن بعد صلاة العشاء
- ١٦١ ومن ثمرات النخيل والاعناب تتخذون منه سكرا ورزقا حسنا
- ١٦١ يستلوك عن الحمر والميسر قل فيهما اثم كبير ومنافع للناس واتمهما اكبر من نفعهما
- ١٦١ هل يا ايها الكافرون لا اعبد ما تعبدون ولا انة عبادون ما اعبد ولا انا عابدا عبدكم لى دين
- ١٦١ يا ايها الذين امنوا لا تقرّبوا الصلوة وانتم سكارى حتى تعلموا ما تقولون



- وما ارسلنا من رسول الا ليطاع بدين الله  
 من يطع الرسول فقد اطاع الله  
 واد احد ربك من سبي ادم من ظهورهم و ذرياتهم واشهدهم على انفسهم الست بربكم قالوا بلى شهدنا  
 ما افاء الله على رسوله منهم  
 ليس عليكم جناح ان تقصروا من الصلوة ان خفتم ان يقتلكم الذين كفروا  
 انا فتحنا لك فتحا مبينا  
 اقم الصلوة طرفي النهار و زلف من الليل ان احسنت يذهب السيئات ذلك ذكرى للذكرين  
 ٧٦  
 ٧٦  
 ٧٧  
 ٧٩  
 ٨٢  
 ٨٥  
 ٨٧

### باب سوم:

- ان اكرمكم عند الله اتقاكم  
 يا ايها الذين آمنوا لا تقدموا  
 فاستبقوا الخيرات  
 خذ من اموالهم صدقة تطهرهم و تركبهم بها و صل عليهم ان صلاتك سكن لهم والله سميع عليم  
 لقد جاءكم رسول  
 ٩٣  
 ٩٦  
 ٩٧  
 ١١٣  
 ١٢٨

### باب چهارم:

- كما اخرجك ربك من بيتك بالحق وان فريقا من المؤمنين لكارهون  
 اذهب انت و ربك فقاتلا انا ههنا قاعدون  
 كما اخرجك ربك من بيتك بالحق و ان فريقا من المؤمنين لكارهون يحدد لوك في الحق بعد ما تبين  
 كانت يساقون الى الموت وهم يظنون واد يعدكم الله احدي الغنائم بها لكم و تودون ان غير  
 دات الشوكة تكون لكم و يريد الله ان يحق الحق بكلمته ويقطع دابر الكافرين ليحق الحق ويبطل الباطل  
 ولو كره المجرمون  
 من تبعني فانه مني ومن عصاني فانك غفور رحيم  
 ان تعدبهم فانهم عبادك و ان تعمرهم فانك انت العزيز الحكيم  
 رب لا تذر على الارض من الكافرين ديارا  
 ربنا اطمس على اموالهم و اشدد على قلوبهم فلا يؤمنوا حتى يروا العذاب الاليم  
 ١٤٨  
 ١٤٩  
 ١٤٩  
 ١٥٠  
 ١٥٠  
 ١٥٠  
 ١٥٠

- ١٩٣ وان كسم مرصى او عنى سفر او جاء احد منكم من العائط او لامستم النساء فلم تجدوا ماء فتيمموا صعيدا طيبا
- ١٩٤ فلم تجدوا ماء فتيمموا صعيدا طيبا
- ١٩٤ فامسحوا بوجوهكم وايديكم منه
- ١٩٦ رين للناس حب الشهوات من النساء والبنين والعطاير المفسطرة من الذهب والفضة والخيل المعمومة
- والانعام والحراث ذلك متاع الحياة الدنيا والله عنده حسن المآب
- ١٩٦ اذهبتم طيباتكم في حياتكم الدنيا واستمتعتم بها
- ١٩٧ والله على الناس حج البيت من استطاع اليه سبيلا
- ١٩٧ وامر اهلكت بالصلوة واصطبر عليها لا تسلك ررقا نحن برزقك والعاقبة للمتوى
- ١٩٧ والدين يرمون المحصن ثم لم ياتوا باربعة شهداء فاحلدهم لميس جلدة ولا تقبلو لهم شهادة ابدا و
- اولئك هم الفاسقون الا الذين تابوا من بعد ذلك واصلحوا فان الله غفور رحيم
- ١٩٧ السارق والسارقة فاقطعوا ايديهما جزاء بما كسبا نكالا من الله
- ١٩٨ يحكم به ذوا عدل منكم هديا بلغ الكعبة
- ١٩٨ واتموا الحج والعمرة لله
- ١٩٨ الحج اشهر معلومات
- ١٩٩ ولا تجسروا
- ٢٠٠ والدين يؤذون المؤمنين والمؤمنات بغير ما اكتسبوا فقد احتملوا بهتانا وإثما مبيا
- ٢٠٠ خذ العفو وامر بالمعروف واعرض عن الجاهلين
- ٢٠٤ اذا جاء نصر الله والفتح
- ٢٠٥ الله لا اله الا هو الحي القيوم
- ٢٠٥ ان الله يامر بالعدل والاحسان واجتاء ذى القربى
- ٢٠٦ فمن يعمل مثقال ذرة خيرا يره ومن يعمل مثقال ذرة شرا يره
- ٢٠٦ من يعمل سوءا يجز به
- ٢٠٦ قل يا عبادى الذين اسرفوا على انفسهم
- ٢٠٦ ومن يعمل سوءا يجز به
- ٢٠٦ من يعمل سوءا او يظلم نفسه ثم يستغفر الله يجد الله غفورا رحيفا

٢٠٨ الرا تلت ايت الكتب المبين ان اوله قرءا عربيا لعلكم تعقلون نحن نقص عليك احسن القصص بما اوحينا اليك هذا القرآن و ان كنت من قبله لمن الغفلين

٢٠٩ والداريات دروا والحاملات وقرا والمصصات امرا

### باب پنجم:

٢٢٠ ما آفاه الله على رسوله منهم

### باب ششم:

٢٤٣ اولئك الذين امتحن الله قلوبهم للتقوى لهم مغفرة واجر عظيم

٢٤٨ يا ايها استجاره ان خير من استاجرت القوي الامير

٢٦١ امرهم شورى بينهم

٢٦٩ فدا عزمت فتر كل على الله ط ان الله يحب المتوكلين

### باب هفتم:

٣١٩ ولا يامرهم ان تتحدوا الملائكة والنبين اربابا يامرهم بالكفر بعد انتم مسلمون

٣٥٨ يا ايها الذين امنوا اصبروا وصابروا ورابطوا واتقوا الله لعلكم تفلحون

٣٨١ الذين ان مكنتهم في الارض اقاموا الصلوة واتوا الزكوة

٣٨٦ ولقد اخذنا آل فرعون بالسبين ونقص من الثمرات

٣٨٨ يا عبادي الذين اسرفوا على انفسهم لا تقطعوا من رحمة الله ان الله يغفر الذنوب جميعا انه هو الغفور الرحيم

### باب هشتم:

٣٩٩ اما الصدقات للمفقر والمساكين

٤٢٩ ليظهره على الدين كله

٤٤٢ اذهبتم طيباتكم في حياتكم الدنيا واستمتعتم بها

٤٤٢ اما الصدقات للمفقر والمساكين

٤٦٣ والسابقون السابقون اولئك المقربون

## احادیث نبویہ

”جن کا عربی متن استعمال ہوا ہے“

### صفحات

### احادیث

### باب اول:

- ۱ ابا حفص انقل عم بیک؟
- ۱ یا ابا حفص انضرب وجه عم رسول اللہ ﷺ بالسيف
- ۱ اللہم اعز الاسلام بعمر
- ۱ ان اللہ جعل الحق علی لسان عمر و قلبہ و هو الفاروق فرق اللہ بہ بین الحق والباطل
- ۶ واللہ لو کان موسیٰ حیاً ما وسعہ الا اتباعی
- ۱۷ یا محمد! لقد استبشر اهل السماء باسلام عمر
- ۱۷ ان اللہ جعل الحق علی لسان عمر و قلبہ و هو الفاروق فرق اللہ بہ بین الحق والباطل
- ۱۹ یا عمر ما ترکتني لیلاً و نهاراً
- ۳۰ یاتی يوم القيامة واحدة
- ۲۲ اوف ببنورك
- ۲۳ ما جاء بك يا ابن الخطاب هذه الساعة
- ۲۴ اللہم اعز الاسلام باحب هذين الرجلين اليك يا بی جہل او بعمر ابن الخطاب
- ۲۴ اللہم اعز الاسلام بابی جہل بن هشام او بعمر بن الخطاب
- ۲۴ اللہم اعز الاسلام بعمر بن الخطاب خاصة
- ۲۵ اللہم اشدد الدين بعمر
- ۲۶ اللہم ابدل الاسلام بابی المحکم بن هشام او بعمر بن الخطاب
- ۲۶ ما جاء بك يا ابن الخطاب فواللہ ما اری ان تنتهی حتی یزل اللہ بك قارعة
- ۳۱ البس جدیداً و عث حمیداً و مت شهیداً و یرزقك اللہ قرۃ عین فی الدنیا والاخرة

## باب دوم:

- ٥٤ الناس معادن كمعادن الذهب والفضة خيارهم في الجاهلية خيارهم في الإسلام إذا فقهوا والأرواح محبلة فما تعرف منها اتلفا  
وما تناكر منها اختلف
- ٥٥ رحم الله عمر يقول الحق ان كان مرا تركه الحق و ماله صديق  
٥٥ المصدق والحق بعدى مع عمر<sup>٣</sup>
- ٥٥ عمر معي وانا مع عمر  
٥٥ والحق بعدى مع عمر حيث كانا
- عمر بن الخطاب معي حيث احب وانا معه حيث يحب
- ٥٦ ما طلعت الشمس على رجل خير من عمر  
٥٦ لقد تركوا أورثوا خير هذه الامة  
٥٧ هذان السمع والبصر  
٥٨ صدق بابي بكر و عمر يتم الله هذا الدين ويفتح  
٥٨ ان يطع الناس ابا بكر و عمر فقد ارشدوا  
٥٨ انى لا ادرى ما قدر بقائى فيكم فافتدوا باللدين من بعدى<sup>٤</sup> وارشد الى ابي بكر و عمر<sup>٥</sup>
- ٥٩ هكذا نبعث يوم القيامة  
٥٩ لا يحب ابي بكر و عمر منافق ولا يفضلهما مؤمن  
٦٠ انت مع من احببت  
٦٢ والذى نفسى بيده تسلس عن هذا النعيم يوم القيامة اخرجكم من بيوتكم الحوق ثم لم ترجعوا حتى  
اصابكم هذا النعيم
- ٦٣ الا ترضى ان تكون لنا الآخرة ولهم الدنيا  
٦٤ اعمدوا ما شئتم فقد غفرت لكم  
٦٧ فله الحمد  
٧٦ لا يؤمن احدكم حتى يكون هواه تبعاً لما جنت به  
٧٧ فاني اؤم بذا لك انا و ابي بكر و عمر وما هما في القوم  
٧٨ لا تمسحوا اماء الله مساجد الله

- ٨١ الناس رجلا، عالم ومتعلم ولا خير فيما سواهما
- ٨٧ اشد امتي في امر الله عمر
- ٨٨ ايها يابن الخطاب والدي نفسي بيده مالفيك الشيطان سالكا فجا قط الا ملك فجا غير فجاك
- ٨٨ امي لا نظر الي شياطين الجن والانس قد فروا من عمر قالت فرجعت
- ٨٨ ان الشيطان يخاف منك يا عمر امي كنت حالسا وهي تصرب فدخل ابوبكر وهي تصرب ثم دخل على
- وهي تصرب فلما دخلت انت يا عمر اقلت الدف
- ٩١ اللهم اجعل سريري حيرا من علانيتي واجعل علانيتي سالحة اللهم اني اسئلك من صالح ما تؤتي الناس
- من المال والاهل والولد غير الصل ولا المضل

### باب سوم:

- ٩٤ اخذ هذا بالحذر
- ٩٤ اخذ هذا بالقوة
- ١٠٧ لو اجتمعنا في مشورة ما خالفناكما
- ١٢٣ اشد هم في امر الله عمر
- ١٢٦ لا تكتبوا عني شيئا غير القرآن
- ١٣٨ اشد امتي في امر الله عمر

### باب چهارم:

- ١٤٥ قد كان يكون لي الامم قبلكم محدثون فان يكن في امتي منهم احد فان عمر بن الخطاب منهم
- ١٤٥ لقد كان ليمن كان قبلكم من بني اسرائيل رجال يكلمون من غير ان يكونوا انبياء فان يكن من امتي منهم احد فعمر
- ١٤٦ لو كان بي بعدى لكان عمر بن الخطاب
- ١٤٦ يا عمر ان غضبك عرو رضاك حكم
- ١٤٦ ان الله وضع الحق على لسان عمر يقول به
- ١٤٦ ان الله جعل الحق لي لسان وقلبه
- ١٤٦ يرل الحق

- ١٤٧ بيتا ما نام زابت الناس عروا على و عليهم قمص قمصا ما يلح الندى ومها ما يبلغ دون ذلك و  
عرض على عمرو عليه قمص اجتره قالوا اما اولته يا رسول الله قال الذين  
١٤٧ انه كان فيمن مضى رجال يتحدثون في غير سورة فان يكن في امتي احد منهم فعمر  
١٥١ لو نزل عذاب يوم يدر ما نجاة منه الامر  
١٥١ اللهم اهد الاسلام بعمر  
١٥٤ وما ينفي عنه قميصي من الله اوربي وصلاتي عليه واني لارجو ان يسلم به الف من قومه  
١٥٧ ارجع فقد غفر لصاحبك  
١٥٩ قد اذن لكن ان تخرجن لحاجتك  
١٦٢ كل مخمر عمر و كل مسكر حرام  
١٦٦ ادعى الانصارية فدعتها فتلا عليها هذه الآية  
١٧٨ فرق الله به بين الحق والباطل  
١٧٩ رضا الله رضا وعمر و رضا عمر رضا الله  
١٨٢ صدقة تصدق الله بها عليكم فاقبلوا صدقة  
١٨٢ ان الله لم يفرص الركوة الا لطيب ما بقى من اموالكم و اما فرض الموارث لتكون لمن بعدكم  
١٨٢ المرأة الصالحة اذا نظر اليها سرته و اذا امرها اطاعته و اذا عاب عنها حمطته  
١٨٣ اللهم علّمه الحكمة  
١٨٥ اللهم ردنا ولا تنقصنا وكرمنا ولا تهنا و اعطنا ولا تحرمنا و آثرنا ولا تؤثر علينا وارض عنا وارضنا  
١٩٠ صدق عمر  
١٩١ ما يحل للرجال من امراته حائضا  
١٩١ فمك ما فوق الارار  
١٩١ والتعفف عن ذلك الفضل  
١٩٢ خير الكاح ايسره

### باب پنجم:

- ٣١٠ بغوا عني ولو اية وحلثوا عني اسرائيل ولا تحرج من كذب علي متعمدا فليبوأ مقعده من النار

مسوا بهم سنة اهل الكتاب

٢١٠

الله ورسوله مولى من لا مولى له والنخل وارث من لا وارث له

٢١٦

كان النبي ﷺ يعود من حمص من الحين والبحن وسوء العمر وفسة الدور و عذاب القبر

٢١٧

خير المكاح ايسره

٢١٨

لا نورث ماتركنا صدقة

٢١٩

من يرد الله به خيرا يفهمه في الدين

٢٢١

لا تكتبوا عني ومن كتب عني غير القرآن فليمححه حدثوا عني ولا حرج ومن كذب على متعمدا فليتبوأ

٢٢٣

مقعده من النار

٢٢٣

اكتب فوالذي نفسي بيده ماخرج منه الا حق

٢٢٣

لا كتاب مع كتاب الله

### باب ششم:

٢٢٨

وان تولوا عمر تجدوه قويا في نفسه قويا في امر الله

٢٦٩

اشد امتي في امر الله عمر

٢٧٨

ان الله فرض عليكم صدقة اموالكم تؤخذ من اغنيائكم فترد الى فقرائكم

٢٨٢

لئن عشت ان شاء الله لاخر جن اليهود والبصري من جزيرة العرب فلا اترك الا مسلما

٢٨٣

لا يجتمع دينان في جزيرة العرب

### باب هفتم:

٣٩١

وتقضوا بينهم بالحق وتقسموا بينهم بالعدل

### باب هشتم:

٤٥٤

العامل على الصدقة بالحق كالغازي في سبيل الله

٤٥٥

لا تعذبوا الناس فان الدين يعذبون الناس في الدين يعدبهم الله يوم القيامة



## شخصیات

نام	صفحات	این زیر	۲۱۰
آلوسی	۱۶۸	ابن سعد	۵۳'۲۳'۱۸
ابراہیم	۱۵۸'۱۵۶'۱۰۰'۱۵۱'۵۰'۹۵'۷	ابن سیرین	۱۵
ابراہیم بن محمد	۱۳۹	ابن شہاب	۶۶۱
ابراہیم بن محمد	۱۳۶	ابن عباس	۱۵۵'۱۵۳'۵۹'۲۹'۲۸'۲۳'۲۲'۱۰'۹
ابن ابرہی	۲۰۵		۱۸۱'۱۷۰'۱۶۸'۱۶۶'۱۶۵'۱۶۳'۱۵۷'۱۵۵
ابن ابی حاتم	۱۷۳'۱۶۸		۲۱۸'۱۵۵'۲۱۰'۲۰۳'۱۹۹'۱۹۳'۱۸۳'۱۸۲
ابن ابی حنین	۲۲		۴۳۹'۳۱۱'۳۰۹
ابن ابی ریحہ	۳۸۱	ابن عربی	۱۶۳'۱۳۷
ابن ابی ملیک	۳۱۳'۵۹	ابن عمر	۲۳۲'۶۶
ابن اشیر	۱۲۶'۳۹	ابن قاطور	۳۶۳
ابن ازہر بن عبد عوف	۲۳	ابن قدامہ	۱۹۳
ابن اسحاق	۸۶	ابن کثیر	۱۵۶'۱۵۹'۱۶۷'۱۷۰'۱۷۵'۱۹۰'۲۳۲
ابن العباس	۱۹۳		۲۳۲
ابن القاری	۱۸۸	ابن کعب بن مالک	۷۶
ابن المسیب	۸۱	ابن لہیعہ	۱۶۷
ابن تیمیہ	۳۵۵'۱۶۷	ابن مسعود	۲۲۵'۲۰۶'۲۰۵'۹۷
ابن جوزی	۳۱۳'۲۱۰'۵۵'۵	ابن ہشام	۶۹'۵۴'۱۸'۳
ابن حرم	۲۲۵	ابو اسامہ	۷۸'۶
ابن خزیمہ بن ثابت	۳۵۷	ابو الاسود دؤلی	۲۱۸
ابن خزیمہ	۲۷۸	ابو الاغور	۳۷
ابن خلدون	۲۳۰	ابو البختری بن ہشام	۱
ابن رشد	۲۰۸	ابو التیج	۵
ابن رشیق القہر وانی	۱۰	ابو النجیر	۵۳





۴۵۵	جبر بن نفیر	۳۸۲	نس بن سیرک
۴۵۱	جبر بن نفیس	۱۵۸'۱۵۲'۹۱'۸۹'۸۳'۶۰'۴۳'۲۵	انس بن مک
۳۸۳	جراون شیط	۲۶۵'۳۵۸'۲۴۹'۲۱۰'۱۹۱'۱۷۶'۱۷۲	
۴۲۹	جریر بن عبد الله	۴۷۳'۳۳۲'۳۱۵'۳۸۲'۳۷۶	
۲۱۷'۲۱۱	جزو بن معاویه	۲۵۰	ایاس بن مسلمه
۳۵۰	جعفر بن عمرو	۱	ایوب بن موسی
۱۵	بحره	۳۸۹	بکاء
۵۰'۳۹'۳۸'۳۵	بغینه	۲۱۰	براعون عازب
۲۸	جیل بن معمر	۴۴'۳۳	برغان مالک
۵۳	جمله بنت ثابت	۲۲۴	بدر عالم
۴۵۹'۳۵۱	جوریه بن قدامه	۴۵۶	برزه بنت نافع
۸۵	حارث بن عبد المطلب	۴۶۲	بسر بن ابی ارقاعه
۳۲۳'۳۶۶'۵۳	حارث بن هشام	۴۳۱	بشیر بن اطفامیه
۴۵۰	حارث بن مغرب	۱۰۴'۱۰۲	بشیر بن سعد
۴۱۹'۶۳	حاطب بن ابی بلتع	۴۳۹	جاذری
۲۲۵	حاتی بن حزام	۳۴۲'۳۲۳'۲۶۶'۱۸۸'۹۱'۶۷	جبال
۱۰۲	حباب (انصاری)	۴۲۶'۴۰۹	بریده
۳	حرب بن امیه	۸۸'۸۳	
۲۲۹'۱۵۵'۱۵۳'۸۲'۷۵'۵۸'۳۳	حذیفه	۱۴۳'۱۱۸	بنت حمه
۴۳۳'۴۰۶'۳۴۳		۱۴۴	تسیم داری
۳۵۰	حذیفه بن اسید	۹۰'۶۱'۵۹'۲۰	جابر
۳۸۱	حذیفه بن الیمان	۴۳۱'۱۸۱'۱۶۵'۱۵۶'۷۶'۱۵۵	جابر بن عبد الله
۲۰۰	حر بن قیس	۱۷۴'۱۷۳'۱۶۹'۱۵۳'۹۰'۶۰'۵۷	جبریل
۳۸۹	حر بن معاویه	۱۷۶'۱۷۵	
۱۷۶'۱۹۱'۱۲'۱۱	حسان بن ثابت	۴۴۹'۴۳۸'۲۶۷	جبله بن الاسیم
۲۰۰	حسن بصری	۳۵۸'۳۵۰'۳۴۸'۲۷۵'۳۳'۷	جمه بن مطعم

۴۱۵	خفاف بن ایمن	'۲۳۲'۲۳۳'۲۳۹'۲۰۲'۱۹۶'۱۸۱'۱۴۷	حضرت حسن بن علی
۴	عقیده بنت اشم	'۳۳۵'۳۳۳'۲۵۸'۲۴۷'۲۳۶	
۴۳۶'۴۲۲	پروغیر خورشید احمد	۴۶۰'۳۹۸'۳۵۸	
۸۳	دلو	۳۹۳	حسن بن محمد
۳۹۷	دوگور بن علی	۴۶۰'۲۷۵'۲۷۳	حسین بن علی
۶۴	زوالخوهره	۱۱	حطیه
۲۴۰	دوالقرنین	۲۵۳	حفص بن المغیره
۲۲۵	عماد دینی	'۱۲۸'۶۳'۶۲'۵۹'۵۲'۳۹'۳۲'۱۱	حضرت حفصه
۳۷	رسل (شاه کران)	'۲۳۵'۱۹۶'۱۸۵'۱۷۲'۱۷۱'۱۶۹'۱۳۰	
۲۴۵	ربیع بن زیاده	۴۴۱'۳۱۴'۳۱۸	
۱۹۹	ربیعہ بنت امیہ	۳۶۳	حفصہ بنت مطیع
۲	ربیعہ الثانی	۳۸	عکرم بن العاص
۴۵۳	رضمن بن عبدالقاری	۳۷	عکرم بن عمرو
۵۲	رقیہ بنت عمر	۴۱۸	عکیم بن عمر
۱۱	زبرقان	۴۵۰	عکیم بن عمیر
'۳۶۸'۳۹۳'۲۷۷'۱۳۷'۱۲۶'۱۰۳	حضرت زبیر	'۱۸۸'۱۵۰'۲۶۲'۲۵'۲۳'۱	حزہ بن عبدالمطلب
۴۵۴		۱۷۴	حمنہ بنت جحش
۱۳۳	زبیر بلال بن الحارث	۴۴۵	حمید بن عبدالرحمن
۲۱۹'۷۹	زبیر بن عوام	۴۴۰'۳۴۷	حاتقان
۴۳۹	زبیر بن نعمان	۱۳۰'۱۲۶'۱۲۵'۱۲۴	خالد بن سعید
۹	زبرکلی	۴۶۲	خالد بن عریضه غدیری
۱۳۳	زقان	'۱۲۳'۱۲۳'۱۲۳'۱۲۰'۱۱۹'۱۱۸'۵۳'۴۵'۳	خالد بن وید
۲۰۹	زهری	'۲۷۱'۲۵۳'۲۳۸'۲۳۶'۲۲۹'۱۴۲	
۹	زبیر بن ابی سلمی	۴۵۸'۴۱۰'۳۹۱'۳۵۳'۳۵۳'۳۲۸	
۰	زبیر	۲۶۲۵	نخایب بن الماریت
۱۹۷	زبیر بن ربیعہ	۴۳	خطاب

[illegible]

۴	صفیه بنت خطاب	۳۷۸'۲۳۸	سلمان بن ابی شمس
۱۷۳	صفوان بن معطل	۳۷۶	سلمان بن یزید
۳۶۰'۳۵۹'۱۷۳'۱۷۰	صفیه بنت عبدالمطلب	۶	سلمان بن ریحان
۱۵	صفیه بنت ابی عبید	۲۵۴	سلمان بن ریدار
۲۶۶	حضرت صهیب	۱۷۴'۱۷۰'۱۶۹'۱۵۹	سوده بنت زمعه
۱۱۹	ضرار بن الازور	۵۹	سوید بن محله
۳۹۴'۲۱۱'۱۸۸	ضحاک بن سفیان	۳۵۰	سوید بن مقرن
۱۳۷	طارق بن شهاب	۳۷	سبیل
۴۲	طه حسین	۲۶۶'۳۲۳'۷۳'۶۳	سبیل بن عمرو
۳۴۷	طبری	۳۵۳'۳۸	عزیمه سیوطی
۲۹۰'۲۸۲'۲۱۰'۱۸۸'۱۳۷'۱۱۳'۱۰۴	حضرت طلحه	۱۹۱'۱۵۰	شافعی (امام)
۳۶۳'۲۵۴'۳۶۸		۱۹۷	شبل بن معبد
		۳۲۹'۳۲۲'۳۲۸'۲۶۰'۲۰۱'۱۰۹	شبن نعمانی
۴۱۱	طلحه بن عبد الله	۳۷	شراد بن اوس
۳۶۶'۳۲۲'۱۳۷'۱۳۳	طلحه بن عبید الله	۳۹۱	شرجیل بن حسن
۳۴۸	طلحه اسدی	۳۴۸'۲۳۳'۱۹۱	شریح
۳۷۱'۵۲	عاتکه بنت زید	۳۴۷'۱۲	امام شعبی
۱۸۹	عاص بن هشام	۲۳۸	شعیب
۱۳۳	عاصم بن عمر	۱۹۳	شقیق بن مسهر
۳۹۸	عاصم بن کلیب	۱۷۵'۱۶۷	شوکانی (امام)
۲۰۴	عامر شعبی	۳۸۲	شهاب بن عبد الله
۲۰۵	عامر بن وائل	۷۹	شبه
۲۲۴	حضرت عامر	۱۸۸	صمصا اسید
۲۱	عامر بن ریحان بن خنزی	۴۰۹	صمصا تمیمی
		۴۱۵'۳۴۳	صفوان بن امیه









۱۸۳	محمد بن کعب	۳۳۰'۳۸	کسری
۲۰۳	محمد بن کعب القرظی	۳۲۳'۳۵۳'۲۲۹	کسری بن هریر
۳۱۹'۳۸۳'۳۸۳'۳۸۱'۳۱۳'۲۱۲	محمد بن مسلم	۱۷۷'۵۰'۳۸'۳۷'۳۶'۳۵'۳۱'۲	کعب جبار
۳۸۳	محمد بن یحیی	۲۵۷	
۳۲۶	محمد بن ابی قلعه	۱۶۸'۱۶۷	کعب بن اشرف
۳۳۲	محمد طحی	۱۶۳	کعب بن مالک
۱۹۲	مسروق بن الاعداء	۴۶۱	کلثوم بن عتبہ
۱۷۶	حضرت مسطح	۲۳۹'۱۲'۱۱	بید بن رید
۲۴۳	مسعود بن خزیمه	۵۳	لهیه زوجہ عمر
۳۵۵	مسعودی	۳۰'۲۱	یحییٰ بنت ابی خشره
۴۲۷'۲۰۸'۱۱۸	مسلمہ کذاب	۱۶۹	ماریه قبطیہ
۳۹۹	مستحب بن دارم	۳۶۵'۲۱۶'۱۵۰'۱۳۳	مالک (نام)
۲۴۱'۷۸	مصعب بن سعد	۴۱۳	مالک بن ادیس
۱۸۸'۱۴۹	مقداد بن عمرو	۷۰	مالک بن عوف
۲۳۰'۲۱۳'۲۰۳'۱۸۷'۱۳۴'۱۰۷	معاذ بن جبل	۱۲۳'۱۲'۱۱۹	مالک بن نویرہ
۲۶۱'۳۸۵'۳۸۱'۲۷۹'۲۷۷'۲۳۱		۴۶۴	ماوردی
۳۲۵'۳۱۱'۳۱۰'۳۹۳		۱۴۳'۱۲۱	مستم بن نویرہ
۲۱۷'۲۱۶'۲۳	معاویہ بن ابی سفیان	۳۲۹'۳۲۸	ثقی بن حارث
۳۵۴'۳۶۷'۳۳۵'۲۵۳'۲۲۱	امیر معاویہ	۲۳۸	ثقی بن شیبان
۳۵۴		۱۸۹	مجاہد
۲۸۹	معدن بن ابی ظہر	۳۳'۳۳	مجر قہ بن ثور
۳۳۰	معتل بن بیدار	۳۵۸'۷	مخزومہ بن نوفل
۱۰۱	معتن بن عدی	۱۸۸	مرید بن ابو مرید
۵۶۱'۴۲۲'۴۱۳'۳۷۷'۳۶۳'۳۳۳	مغیرہ بن شعبہ	۳۰۵	محمد البیہار
۳۰۹'۳۹۰'۳۵۰'۳۳۹'۳۳۸'۱۹۷		۳۴	محمد بن جہر بن معظم
۳۵۴		۴۰۴	محمد بن زیاد
۵۲	ملیکہ بنت جردل	۳۶۸'۲۷۳	محمد بن زید
۲۳	موردی	۲۳۶'۱۹۷'۶۰	محمد بن سیرین
۴۴۱'۲۳۸'۱۷۷'۹۹	موسیٰ علیہ السلام	۴۶۱'۳۶۰	محمد بن عبد اللہ

۲۶۳'۲۶۳'۲۵۷'۵۰'۲۹'۲۸'۲۲	جرحان	۳۴	موسی بن عقبه
۲۶۳'۲۶۱'۲۵۷'۲۵۳		۲۹	موسیو سدوچ
		۶۸	منظور نعمانی
۲۳	هشام	۱۷۶'۱۷۵'۱۷۴'۱۷۳'۵۷	میکائیل
۱۸۵	هشام بن العاص	۲۸۶'۲۰۵'۱۹۷	نافع بن حارث
۲۰۶	هشام بن حکم	۳۳۶'۳۱۱	نجات الله صدیقی
	هشام بن عروه	۱	نزال بن سمره بهمال
۲۳۴'۱۹۴	یحیی بن سعید	۴۲۲	نسیم شاہد
۲۲۰'۲۸۳'۲۷۲	یرفاسوی عمر فاروق	۲۵۳'۱۱	نصر بن حجاج
۴۳'۳۸	یزدگرد	۴۶۱	نفر بن اس
۴۶۵'۲۳۵	یزید ابی حبیب	۱۸۷	نعمان بن بشیر
۳۹۱'۲۰۳'۱۲۵	یزید بن ابی سفیان	۳۵۳'۳۵۰'۳۱۷	نعمان بن مقرن
۹۱	یزید بن حصین	۲۵'۱۹	نصیم بن عبد الله الحام
۵۹	یزید بن دعب	۲۶۰'۱۱	نعمان بن عدی
۱۸۶	حضرت یعلی	۳	نفسیل بن عبد العز
۳۸۲'۱۸۲'۸۲'۶۰	یعلی بن امیه	۹۵	نوح (علیه السلام)
۱۳۰	یوسف علیہ السلام	۲۶۶	نوفل بن عمار
		۵۷	وحید بن خلیفه
		۲۲۸'۱۴۷	نودی
		۱۸۸	واقف بن عبد الله
		۲۳۶'۲۲۲'۲۱۳'۲۱۰'۱۳۵	دنا الله (شاه)
		۳۵۳	ولید بن هشام
		۴۷	ولیم میور سر
		۴۳۲	هاشم بن عقبه
		۱۰	برم بن سنان
		۳۷۱'۳۳۶	هرقل





۵	۶۳	قیصر و ساری
۴۳۹'۴۳۳'۴۱	۳۰۶	مراکش
۳۸	۱۲۶'۲۵	مرج الصفر
۴۴۱	۳۸	مر
۴۴۳	۵۵	مرد
۴۴۹	۱	مسجد حرام
۴۴۴'۴۶	۴۴۲'۳۳۰'۲۶۵'۲۴۴'۳۸	مصر
۴۶	۴۵۷'۴۳۳'۳۶۰'۳۴۷	
۱۲۷	۱۵۸'۱۵۵	مقام ابراهیم
۲۸۵'۲۶۹'۲۳۰'۲۳۰'۲۱۳'۱۲۵'۱۰۰	۳۷	مکران
۴۴۵'۴۰۱'۴۸۵'۳۵۲'۴۴۹'۴۴۵	۴۹'۱۰'۵'۴'۱۹'۲۲'۲۰'۲۵'۲۸'۴۳'۶۹	مکه
۴۶۳'۴۶۱'۴۵۷'۴۵۶'۴۲۶	۴۴'۴۴۰'۲۲۳'۱۶۵'۱۶۱'۱۵۵'۷۳'۷۲	
۴۲۲'۳۰۶	۴۴۰'۴۳۰'۴۲۵'۴۲۳'۴۲۲'۴۲۱'۴۱۸	مونی
	۴۳'۳۲	مناد
	۴۳	مواصل
	۴۳۹'۴۲۲	میان
	۱۱	میرت
	۴۵۰'۲۸۳'۴۵	

# مأخذ ومراجع

☆- عربی

☆- اردو

☆- انگریزی



## مأخذ ومراجع

### القرآن الحكيم

آلوسی، شهاب الدین السید محمود	روح المعانی	ادارة الطباعة المنيرية بيروت
ابن البر، عزالدین محمد بن عبدالکریم الجزری	الکامل فی التاریخ	ادارة الطباعة المنيرية ١٣٥٢هـ
ایضاً	اسد الغابة	المکبة الاسلاميه بطهران ١٣٤٤هـ
ابن البر، مبارک بن محمد	جامع الاصول	احياء التراث الاسلامي، مصر
ابن ابی شیبہ	المصنف	مکتبه المصنی بغداد
ابن اسد، ابی محمد عبد الله	اللباب فی تهلیب الانساب	دار الکتب العلمیه بیروت ١٩٨٦هـ
ابن اعظم، ابی محمد احمد	الفرج	دار الکتب العربی مصر ١٩٥٠هـ
ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم	سیاست الہدیہ	ایضاً ١٩٥٥هـ
ایضاً	سیاست شرعیہ	مطبعة امیریہ مصر ١٣٢٢هـ
ایضاً	منهاج السنہ	ایضاً
ایضاً	الصارم المسلول علی شاتم الرسول	مصر ١٣٢٣هـ
ایضاً	مجموعۃ الرسائل الکبری	
ایضاً	الفتاوی	
ابن جزی	القوالین الفقہیہ	
ابن جوزی، ابی الفرج عبدالرحمن بن علی	سیرت عمر*	مطبعة التوفیق الادبیة مصر
ابن حجر العسقلانی، احمد بن علی بن محمد	الاصابة فی تلمیذ الصحابة	مطبعة مصطفى محمد مصر ١٩٣٩هـ
ایضاً	فتح الباری	المطبعة الہیة المصریة ١٣٣٨هـ
ایضاً	الدرر الکامنه	دارہ المعارف حیدرآباد دکن ١٣٣٨هـ
ایضاً	تهلیب التہذیب	مجلس دارہ المعارف النظمیہ ہند ١٣٢٥هـ
ایضاً	لسان المیزان	دارالفکر بیروت ١٩٨٤هـ
ابن حزم، علی بن احمد بن سعید	المحلی	ادارة الطباعة المنيرية مصر ١٣٣٩هـ
ایضاً	الاحکام فی اصول الاحکام	ایضاً ١٣٣٨هـ

مطبعة الادب سوق الحضار مصر ١٣١٤هـ	الفصل في الملل والاهواء والنحل	ايضاً
دار المعارف بمصر ١٩٥٠ء	المسند	ابن حنبل احمد بن محمد
منشورات دار المكتبة الحية بيروت	صورة الارض	ابن حوقل ابي القاسم بن حوقل النخعي
بيروت ١٩٤١ء	الصحيح	ابن عزيمة محمد بن اسحاق
دار الكتاب اللبناني بيروت ١٩٥٢ء	مقدمة ابن خلدون	ابن خلدون عبدالرحمن بن خلدون
ايضاً	تاريخ ابن خلدون	ايضاً
مكتبة النهضة المصرية ١٩٣٨ء	وفيات الاعيان	ابن خلكان شمس الدين احمد بن محمد
مطبعة الصديق الخيرية مصر ١٩٣١ء	القواعد في الفقه الاسلامي	ابن رجب ابوالفرج عبدالرحمن
مكتبة العلمية لاهور باكستان ١٩٤٦ء	بداية المصنف و النهاية المقتصد	ابن رشد ابو وليد محمد بن احمد
الطبعة والنشر دار بيروت ١٩٥٤ء	الطبقات الكبرى	ابن سعد
بارستان طهران	كتاب البد والتاريخ	ابن سهيل احمد بن سهيل البلخي
	عيون الابر	ابن سيد الناس
دار الفلاح بيروت ١٩٦٠ء	تاريخ الفول الاسلاميه	ابن طه طه محمد بن علي
	رد المحتار	ابن عابدين
دار الكتب العلمية بيروت ١٩٨٦ء	تحفة الاحكام	ابن عاصم
مكتبة النهضة مصر	الاستيعاب في معرفة الاصحاب	ابن عبدالبر ابو عمر يوسف بن عبدالله
دار المعارف قلعه مصر ١٩٨٣ء	الدرر في مختصر المغازي والمسير	ايضاً
عنى البابى الحلبي والشركلا ١٩٥٤ء	احكام القرآن	ابن هري محمد بن عبدالله
قلعه	تهذيب تاريخ دمشق الكبير	ابن هساكر
	العقد الفريد	ابن حيد ربه احمد بن محمد
مكتبة العتيق بغداد ١٣٠٢ء	شذرات الذهب في اخبار من ذهب	ابن العماد عبدالحمى
	كتاب البلدان	ابن فقيه احمد بن محمد الهمداني
مطبعة مصطفى محمد مصر	عيون الاخبار	ابن قتيبه
مطبعة اسلاميه مصر	الامامة والسياسة	ايضاً
	المعارف	ايضاً

مکتبہ الامام مصر	المفتی	ابن قدامہ، موافق الدین
ایضاً	الشرح الكبير	ایضاً
مطبعة المصطفیٰ الہابی ۱۹۵۰ء	زاد المعاد فی ہدی غیر العباد	ابن قیم الحوزیہ، ابی عبد اللہ محمد
دار الکتب العلمیہ بیروت	اعلام المؤمنین عن رب العالمین	ابن قیم، محمد بن ابی بکر
مکتبہ المعارف بیروت	البدایہ والنہایہ	ابن کثیر، ابو الفدا الحافظ
مکتبہ المعارف بیروت ۱۹۷۳ء	تفسیر القرآن العظیم	ایضاً
الہابی الحلبی مصر	السنن	ابن ماجہ، الحافظ ابی عبد اللہ محمد بن یزید
	بدائع الصنائع	ابن مسعود، حلال الدین ابی بکر
دار الفکر بیروت ۱۹۵۶ء	لسان العرب	ابن منظور، جمال الدین محمد
مطبعة الجمالیہ بمصر ۱۹۱۰ء	رسالة الصحابة	ابن المقفع ابن قدامہ، موافق الدین
	الاشیاء والنظائر	ایضاً
دار لکتب العلمیہ بیروت	بحر الرائق	ابن نجیم، زین العابدین
مطبعة رحمانیہ مصر ۱۳۳۸ھ	الفہرست	ابن ندیم
مکتبہ ریح حلب ۱۹۸۱ء	مسند امام ابی حنیفہ	ابو حنیفہ نعمان بن ثابت
المطبعة رحمانیہ مصر ۱۹۳۶ء	السنن	ابو داؤد، ابی بکر عبد اللہ
مکتبہ الکلیات الأزہریہ، دار الفکر بالقصر ۱۹۸۱ء	کتاب الاموال	ابو حیدر القاسم بن سلام
مطبعة الحلبی مصر	الاحکام السلطانیہ	ابو یحییٰ
انوار القرآن دار العلوم الاسلامیہ پاکستان ۱۹۸۷ء	کتاب الخراج	ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم
المطبعة المبعیثہ بالقصر ۱۳۲۳ھ	المفردات فی غرائب القرآن	اصطہالی، حسین بن محمد واشب
مکتبہ اسلامیہ ملتان	اسلام کا زرعی نظام	تقی امینی، مولانا
اسلامک پبلیکیشنز لاہور ۱۹۷۵ء	فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر	ایضاً
سندھ ساگر اکادمی لاہور ۱۹۸۲ء	احکام طرعیہ میں حالات و زمانہ کی رحمت	ایضاً
دار الفکر بیروت	الجامع الصحیح	ہیثمی، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل
سعید کمپنی گواچی	ترجمان السنہ	ہشام عالم، مولانا
	مصباح السنہ	البغوی، حسین بن مسعود

مکتبہ النهضة المصریہ القاہرہ	فہرہ البلدان	ہلالہری، احمد بن یحییٰ بن جابر
دار المعارف بمصر، ۱۹۵۹ء	اسباب الاشراف	ایضاً
دار فراس للنشر والتوزیع	انوار التزیل	بیضاوی، ناصر الدین
دار الفکر بیروت، ۱۹۸۳ء	السنن	ترمذی، محمد بن عیسیٰ
مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۹۸۶ء	المقدّم الثمین فی تاریخ البلد الامین	تقی الدین، محمد بن احمد الحسینی
مکتبہ دارالعلوم کراچی	علوم القرآن	تقی عثمانی
شہید المہر اب عمر بن خطاب (اردو الباری علی کیشنر اردو بازار لاہور، ۱۹۹۸ء)	ترجمہ	تمسلی، سید عمر تلمسلی
مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۶۳ء	مطالعہ تاریخ	ثقل بن، آزالہ جی
اسلامک پبلی کیشنز لاہور	ملت اسلامیہ کی معاصر تاریخ	ثروت صولت
المطبعۃ الکاتر لکچر بیروت، ۱۹۵۹ء	البیان والتبیین	الجاحظ، ابو عثمان عمرو بن بحر
مطبعہ الطہیم مصر، ۱۹۰۶ء	کتاب الحیوان	ایضاً
دار احیاء	احکام القرآن	جصاص، ابو بکر احمد بن علی
بیروت، ۱۹۷۹ء	(i) سیرت عمرؓ	جوزی ابن الجوزی عبدالرحمن بن علی
	(ii) صفۃ الصفوة	
	(iii) الوفا	
مکتبۃ النور الحدیثۃ الرياض	المستدرک	الحاکم، محمد بن عبداللہ
مکتبۃ الحسن لاہور	اسلام کا نظام حکومت	حامد الانصاری، مولانا
ملک سنز پبلشرز فیصل آباد، ۱۹۸۳ء	تاریخ تفسیر و مفسرین	حریری، غلام احمد
دارالاشاعت کراچی، ۱۹۷۵ء	النظم الاسلامیہ (اردو ترجمہ)	حسن، ابراہیم حسن ڈاکٹر
شیخ غلام علی ایڈ سنز لاہور	معجم البلدان (اردو ترجمہ)	الحموی، یاقوت بن عبداللہ
ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور	مسئلۃ اجتهاد	مولانا حنیف لدوی
دار الفکر بیروت، ۱۹۸۱ء	خلفاء الرسول	عبداللہ محمد خالد
القیصل ناشران اردو بازار لاہور	حفاظت حدیث	عبداللہ علوی، ڈاکٹر
مطبعۃ الاستقامۃ بالقاہرہ، ۱۹۶۰ء	کتاب السنن	الخزاعلی، سعید بن منصور
	انعام الوفا فی سیرت الخلفاء	خضری، محمد مختاری پک

مکتبہ المدینہ الکبریٰ بمصر ۱۹۶۲ء	تاریخ التشریح الاسلامی	بیتاً
شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ کراچی	اسلامی نظریہ حیات	پروفیسر غورشاہ احمد
یونیورسٹی ۱۹۸۱ء		
انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز اسلام آباد ۱۹۹۶ء	ترقیاتی پالیسی کی اسلامی تشکیل	بیتاً
ندوة المصنفین دہلی ۱۹۵۹ء	حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط	غورشاہ الفوق
دار احیاء السنۃ النبویہ	السنن	الداری، عبداللہ بن عبدالرحمن
مطبعة مجلس دائرة المعارف النظامیہ ہند	تذکرۃ الحفاظ	اللہی، محمد بن احمد بن عثمان
دارالمعرفة بیروت	میزان الاعتدال فی نقد الرجال	بیتاً
المطبعة المصریہ ۱۹۳۵ء	التفسیر الکبیر	ولای، محمد بن عمر فخرالدین
تاریخ التکار و علوم اسلامی (اردو اسلامک ہنری کیشز لاہور ۱۹۷۳ء)	تاریخ التکار و علوم اسلامی	راغب الطباخ
مطبعة المنار مصر ۱۹۳۸ء	ترجمہ)	رشید رضا
تفسیر المنار		
فقہ عمر بن الخطابؓ موزناً بقہ شہر دار العرب الاسلامی بیروت ۱۴۰۳ھ	فقہ عمر بن الخطابؓ موزناً بقہ شہر دار العرب الاسلامی بیروت ۱۴۰۳ھ	رومی، ابن راجح الذکور
المجہدین		
دارالعلم للملایین بیروت ۱۹۸۰ء	الاعلام	الزرقانی، عبداللہ بن زرقانی
دار الاحیاء الکتب العربیہ مصر ۱۹۵۸ء	البرہان فی علوم القرآن	زرقانی، عبداللہ بن محمد بن عبداللہ
دار الاحیاء الکتب العربیہ مصر	معامل العرفان فی علوم القرآن	زرقانی، محمد عبدالعظیم الازہری
مطبعة الاستقامة بالقاهرة ۱۹۳۶ء	الکشاف	زمخشري، محمود بن عمر
المطبعة الحسینیہ مصر ۱۹۸۰ء	طبقات الشافعیۃ الکبریٰ	السبکی، عبدالوہاب بن علی
مطبعة السعادة مصر	المبسوط	السرخسی، شمس الدین
القاهرة ۱۹۷۳ء	الروحانی الانف	سہلی، عبدالرحمن بن عبداللہ
مکتبہ مدنیہ لاہور	تاریخ الخلفاء	السوطی، جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر
مطبعة السعادة بمصر ۱۹۶۶ء	تلخیص الراوی	بیتاً
مطبعة معاهدة مصر	الاتقان فی علوم القرآن	بیتاً

مطبعة مصطفى محمد مصر	الاشياء والنظائر	ايضاً
المطبعة الرحمانية المصر	المواظقات في اصول الشريعة	الشافعي، ابي اسحاق ابراهيم بن موسى
بولاق مصر	كتاب الام	الشافعي، محمد بن ادريس
قرآن محل كراچی	ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء	شاه ولي الله دهلوی
دارالاشاعت كراچی، ١٩٨١ء	حجة الله الباقه	ايضاً
ايضاً	البلاغ المبين	ايضاً
	عقد الجيد في الاحكام الاجتهاد والتقليد	ايضاً
	سيرة النبي	شبهي نعماني، علامه
مكتبة تعمیر انسانيت لاهور، ١٩٤٥ء	الفاروق	ايضاً
مكتبة رحمانية اردو بازار لاهور	القول المفيد في ادلة الاجتهاد والتقليد	الشوكاني، محمد بن علي
مطبعة حلي مصر	فتح القدير	ايضاً
مطبعة مصطفى البابي الحلبي مصر، ١٣٥٠هـ	نيل الاوطار	ايضاً
	الجامع الصغير	شيباني، محمد بن حسن
مطبعة الاستقنه مصر، ١٣٥٦ء	الجامع الكبير	ايضاً
قرآن محل كراچی	كتاب الآثار (اردو ترجمه)	ايضاً
مطبعة مصطفى البابي الحلبي مصر، ١٩٦١ء	الملل والنحل	الشهرستاني، محمد بن عبدالكريم
اداره علميه لاهور، ١٩٦٣ء	تاريخ القرآن	صارم، عبدالصمد الازهری
دار العلم للملايين بيروت، ١٩٦٥ء	مباحث في علوم القرآن	صالح، فاكتر صبحی
المكتبة السلفيه شيش محل روڈ لاهور، ١٩٨٩ء	الرحيق المختوم	مبارك پوری، صفی الرحمن مولانا
ایضاً فیض القدير لترتيب و شرح الجامع مطبعة مصطفى البابي الحلبي واولاد بمصر، ١٩٦٣ء		ضيف، محمد حسن صيف الله
دار الكتب العلميه بيروت، ١٩٨٣ء	المعجم الصغير	طبرانی، ابو القاسم سليمان بن احمد
دارالمكتبة الحيات بيروت، ١٩٦١ء	مجمع البيان في تفسير القرآن	طبرسی، ابو العلي الفضل بن الحسن
	جامع البيان عن تاويل اى القرآن	طبري، محمد بن جرير
البابى الحلبي مصر، ١٩٦٤ء	تاريخ الرسل والملوك	ايضاً
دار المعارف مصر، ١٩٦٣ء		

طحاوی، ابی جعفر احمد بن محمد	شرح معانی الآثار	المکتبۃ الرحیمیہ دیوبند
طنطاوی	عمر بن خطابؓ (اردو ترجمہ)	البیان جوکٹ انارکلی لاہور، ۱۹۷۱ء
عبدالرزاق، ابی بکر عبدالرزاق بن ہمام	مصنف المنصف	مشورات مجلس العالمی
عروہ بن زبیر	مغازی رسول اللہ (اردو ترجمہ)	ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۸۷ء
العقاد محمود	العقائد الاسلامیہ	دار الادب بیروت، ۱۹۶۶ء
العینی	عمدة القاری شرح صحیح البخاری	مطبعة المنیریہ مصر، ۱۳۳۸ھ
الغزالی، الامام ابی حامد محمد	احیاء علوم الدین	مطبعة مصطفیٰ البابی الحلبي بمصر، ۱۹۳۹ء
ظفاری، نور محمد	اسلام کا قانون معاصر	ایضاً
ایضاً	نبی کریم کی معاشی زندگی	ایضاً
ایضاً	اسلام کا معاشی نظام	ایضاً
ایضاً	اسلام کا نظام تکافل اجتماعی	
المراسی، احمد مصطفیٰ	تفسیر العراضی	مطبعة مصطفیٰ البابی الحلبي بمصر، ۱۹۳۶ء
المرشانی، برہان الدین	الہدایۃ شرح بنیاد المبعدی	مطبعة خیریہ، ۱۳۳۶ھ
مصطفیٰ سہمی، ڈاکٹر سید معروف شاہ	اسلامی تہذیب کے چند درخشاں پہلو	اسلامک پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۷۶ء
القرطبی، ابی عبداللہ محمد بن احمد	الجامع لاحکام القرآن	دارالکتب العربیہ للطباعة والنشر بمصر، ۱۹۶۸ء
قرالی	الاحکام فی تفسیر الفقہاء الاحکام	
قرضاوی، ڈاکٹر یوسف	فقہ الزکوۃ	دار الارشاد بیروت
ایضاً	الحلال والحرام فی الاسلام	
لسطانی، احمد بن محمد	ارشاد الساری فی شرح البخاری	بولاق قاہرہ
قلعہ جی، محمد رواس	موسوعة فقہ ہمدان بن الخطاب	مکتبۃ الفلاح کویت، ۱۹۸۱ء
کاسانی، ابوبکر علاء الدین	بدائع الصنائع	دیار سنکھ ٹرسٹ لاہور
کعالم، عمر بن رضا	معجم المؤلفین	المکتبۃ العربیہ بلعشق، ۱۹۵۷ء
کلینی	الاصول من الکافی	
الکتبی، ابن شاکر	فرائد الوفیات	بیروت ۱۹۷۳ء
الکردی، محمد طاہر الکردی	تحفہ کعبہ (اردو ترجمہ)	مکتبہ جمیعہ لاہور، ۱۹۶۳ء

مالک بن انس	الموطا	دار احیاء الکتاب العربیہ ۱۹۵۱ء
ماوردی، ابو الحسن علی بن محمد	الاحکام السلطانیہ	مطبعۃ المحمودیہ مصر ۱۳۵۶ء
المظنی، علی بن عبدالملک الہندی	کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال	موسوۃ الرسالہ بیروت ۱۹۵۵ء
محمد حمید اللہ	سیاسی وثیقہ جات	مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۰ء
ایضاً	عہد نبوی کا نظام حکمرانی	اردو اکیڈمی کراچی ۱۹۸۷ء
ایضاً	خطبات بہار پور	اسلامیہ یونیورسٹی بہار پور
محمد صفائی، صبحی ڈاکٹر	فلسفہ شریعت اسلام	مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۵۵ء
المسعودی، علی بن الحسن	مروج الذهب و معادن الجواهر	مکتبہ السعادة بمصر ۱۹۵۸ء
مسلم بن الحجاج القشیری	الجامع الصحیح	دار الفکر بیروت لبنان ۱۹۸۰ء
مقدمی، احمد بن سہلی	البدیع والتاریخ	مکتبہ الاسری میلن بہارستان پٹھان ۱۹۶۲ء
مناظر احسن گیلانی	تدوین حدیث	مکتبہ استعالیہ کراچی ۱۳۰۷ء
مناری	کنوز الحقائق	
المنذری، عبدالعظیم بن عبدالقوی	التحریب والتحریب من الحدیث الشریف	دار الکتاب الملکیۃ المصریۃ ۱۹۳۳ء
مردودی، سید ابوالاعلیٰ	تفہیم القرآن	ادارہ ترجمان القرآن لاہور ۱۹۸۳ء
ایضاً	سیرت سرور عالم	ایضاً ۱۹۸۳ء
ایضاً	صفت کی آئینی حیثیت	اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور
ایضاً	خلافت و ملوکیت	ایضاً
ایضاً	اسلامی ریاست	ایضاً
ایضاً	معاشیات اسلام	ایضاً
ایضاً	رسائل و مسائل	ایضاً
ایضاً	تفہیمات	ایضاً
موصلی	المنتخب	
التمالی	سنن الترمذی بشرح جلال الدین السیوطی	احیاء التراث العربی بیروت لبنان
نجات اللہ، صدیقی ڈاکٹر	اسلام کا نظریہ ملکیت (دو اجزاء)	اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور ۱۹۸۸ء
ایضاً	شریعت و مضامین کے شرعی اصول	ایضاً
النوری، یحییٰ بن شرف	شرح صحیح مسلم	مطبعۃ حجازی قاہرہ ۱۳۳۹ء



ندوی، رشید اختر	مسلمان حکمران	احسن پرائز لاہور، ۱۹۵۵ء
ایضاً	تاریخ اسلام	قومی کتب خانہ لاہور، ۱۹۵۹ء
ندوی، شاہ معین الدین ندوی	خلفائے راشدین	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
ایضاً	تاریخ اسلام	ایضاً
نعمانی، مولانا محمد منظور	معارف الحديث	دارالاشاعت کراچی
والہدی، محمد بن عمر بن خالد	کتاب المغازی	مؤسسة الاعلیٰ المطبوعات بیروت
ہاشمی، مولانا محمد معین	اسلامی حدود	مکہ بکس لاہور، ۱۹۷۹ء
ہیکل، محمد حسین	الفاروقی عمر	مطبعة مصر شركة مساهمة مصرية، ۱۳۶۳ھ
یحییٰ بن آدم القرشی	کتاب الخراج	المکتبة العلمية لاہور، ۱۳۹۵ھ
یعقوبی	تاریخ یعقوبی	دار صادر للطباعة بیروت، ۱۹۶۰ء

## Some English Books.

- ☆ - Afzal-ur- Raham,  
Economic Doctrines of Islam  
Islamic Publication, Lahore. 1975
- ☆ - Al-Buraey, Mohammad Ali  
Administrative development an Islamic Perspective  
KPI limited, London. 1985
- ☆ - David & Rosenbloom,  
Public Administration  
The Ronald press company, New York. 1975
- ☆ - Esposito, J.L,  
Islam and Economic development  
Syracuse University Press, 1980.
- ☆ - Gladden, E.N,  
An introduction to public admistration.
- ☆ - Goel, S.L,  
Advanced Public Administration,  
Sterling Publishers, New Delhi. 1974
- ☆ - Khurshid Ahmad,  
Studies in Islamic Economics,  
Islamic foundation, London.
- ☆ - Laski, Harold-j,  
Grammar of Politics  
London. 1967

- ☆ - Manzoor Mirza,  
Economic Development in theory and practice,  
Ilmi Kitab Khana, Lahore.
- ☆ - Meier, G.M & Robert,  
Economic Development,  
John Wiley & Sons, New York. 1920
- ☆ - Monzer Kahf, Dr.  
The Islamic Economy,  
The muslim students association, Canada. 1978
- ☆ - Nigro, E.A.,  
Modern Public Administration.  
Horper Publisher, New York. 1984
- ☆ - Pfiffner, & Robert Presthus,  
Public Administration  
The Ronald Press Company, New York. 1967
- ☆ - Presthus, Robert,  
Public Administration.  
The Ronald Press company, New York. 1975
- ☆ - Tyagi, A.R.,  
Public Administration, Principles & Practice  
Naeem Publishers, Urdu Bazar, Lahore. 1989-90
- ☆ - Umer Chapra,  
Islam and Economic Development,  
Islamic Riserch Institute and iijt, Islamabad.
- ☆ - Viswanathan, V.N  
Comparative Public Administration,

☆- Volkov. M. T,

A Dictionary of Political Economy,

Progress Publication, Moscow. 1985

☆- White, L.D,

Introduction to Study of Public Administration.